

وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّلْمُحْكَمَاتِ
 اوتھارنے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

جلد اول

المقدمہ ○ الفاتحہ ○ البقرہ

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی-۳۸

ناشر

فریدی بکسٹال (رجسٹرڈ) ۳۸- اردو بازار لاہور

سرنامہ

بہ حضور سرور کائنات

علیہ افضل الصلوٰت واکمل التحیات

اے اللہ! مجھ پر حق کی حقانیت واضح کرا اور

مجھے اس کی اتباع عطا فرما!

اے اللہ! مجھ پر باطل کا بطلان واضح کرا اور

مجھے اس سے اجتناب عطا فرما!

آمین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	حدیث دل	۳۷	۱۸	سخ کا شرعی معنی	۶۹
۲	مقدمہ تفسیر	۴۱	۱۹	سخ میں مذاہب	۷۰
۳	وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۴۳	۲۰	سخ کے متعلق پر ویز صاحب کے نظریہ کا علمی جائزہ	۷۱
۴	ضرورت وحی اور ثبوت وحی	۴۵	۲۱	سخ کے وقوع پر قرآن مجید سے استدلال	۷۲
۵	وحی کی اقسام	۴۶	۲۲	ثبوت سخ کے ذرائع	۷۳
۶	قرآن مجید کی تعریف اور قرآن مجید کے اقسام	۴۸	۲۳	مصنف کی تحقیق کے مطابق قرآن مجید کی آیات	
۷	قرآن کریم کے فضائل اور اجر و ثواب	۵۰	۲۴	مسلوحدہ کا بیان	۷۴
۸	قرآن مجید کو پڑھنے اور سننے کے احکام و آداب	۵۲	۲۵	احکام شرعیہ کو منسوخ کرنے کی حکمتیں	۷۹
۹	تفسیر کی کتابوں کو بے وضو ہاتھ لگانے کی تحقیق	۵۸	۲۶	"نسخ القرآن بالسنة" کے قائلین اور ان کے دلائل	۸۰
۱۰	قرآن مجید کا اعجاز	۵۹	۲۷	"نسخ القرآن بالسنة" کے مانعین اور ان کے دلائل کا تجزیہ	۸۰
۱۱	عظیم الشان ہونے کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا	۶۰	۲۸	"نسخ القرآن بالسنة" میں سنت کا محمل	۸۲
۱۲	فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا	۶۰	۲۹	"نسخ القرآن بالسنة" میں نسخ کا محمل	۸۲
۱۳	کئی اور زیادتی نہ ہو سکتے کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا	۶۱	۳۰	"نسخ القرآن بالسنة" کی مثالیں	۸۲
۱۴	پیش گوئیوں کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا	۶۲	۳۱	"نسخ السنة بالقرآن" کا بیان	۸۳
۱۵	حقائق کائنات کی خبر دینے کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا	۶۳	۳۲	"نسخ السنة بالسنة" کا بیان	۸۵
۱۶	سخ کی تحقیق	۶۹	۳۳	اسباب نزول کا بیان	۸۶
۱۷	سخ کا لغوی معنی	۶۹	۳۴	اسباب نزول کے فوائد	۸۷
			۳۵	عام سبب اور آیت کے عام الفاظ	۸۸
			۳۶	خاص سبب اور آیت کے خاص الفاظ	۸۸
			۳۷	خاص سبب اور آیت کے عام الفاظ	۸۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۷	ایک آیت کے متعدد اسباب اور ایک سبب کی متعدد آیات	۹۱	۵۴	تفسیر اور تاویل کا لغوی معنی	۱۱۸
۳۸	کامل قرآن یکبار کی نازل شدہ کرنے کی حکمتیں	۹۱	۵۵	تفسیر کی اصطلاحی تعریف	۱۱۹
۳۹	سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت اور سورت کا بیان	۹۳	۵۶	تفسیر اور تاویل کا فرق	۱۲۰
۴۰	سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت اور سورت کا بیان	۹۵	۵۷	تفسیر قرآن کی فضیلت پر عقلی دلائل	۱۲۱
۴۱	مکی اور مدنی سورتوں کی معرفت	۹۶	۵۸	تفسیر قرآن کی فضیلت کے متعلق احادیث اور آثار	۱۲۱
۴۲	عہد رسالت میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان	۹۶	۵۹	قرآن مجید کی تفسیر کرنے پر اعتراضات کے جوابات	۱۲۲
۴۳	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان	۹۹	۶۰	قرآن مجید کی تفسیر کرنے کی مشروعیت اور جواز پر	۱۲۲
۴۴	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان	۱۰۲	۶۱	قرآن مجید احادیث اور آثار سے دلائل	۱۲۳
۴۵	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اوراق قرآن جلانے کا محمل اور قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کے متعلق فقہاء کے نظریات	۱۰۳	۶۲	طبقات مفسرین کا بیان	۱۲۴
۴۶	قرآن مجید کے غیر محرف ہونے کے متعلق علماء شیعہ کی تصریحات	۱۰۴	۶۳	قرآن مجید کی تفسیر کے اصل مآخذ	۱۲۸
۴۷	جمع قرآن کے متعلق علماء شیعہ کا نظریہ	۱۰۵	۶۴	قرآن مجید کی تفسیر کے لیے ضروری علوم	۱۲۹
۴۸	سات حرفوں پر قرآن مجید کے نزول کی تحقیق	۱۰۶		سورہ فاتحہ	۱۳۱
۴۹	قرآن مجید کی سورتوں آیتوں اور حرفوں کی تعداد کا بیان	۱۰۸	۱	الحمد لله رب العلمین (الفاتحہ: ۱-۷)	۱۳۳
۵۰	قرآن مجید کے محفوظ اور غیر مبدل ہونے پر مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات	۱۰۹	۲	سورہ فاتحہ کے اسماء	۱۳۳
۵۱	قرآن مجید پر نقطے اور اعراب لگانے کی تاریخ اور تحقیق	۱۱۲	۳	سورہ فاتحہ کے فضائل	۱۳۶
۵۲	قرآن مجید پر رموز اوقات لگانے کی تاریخ اور تحقیق	۱۱۴	۴	سورہ فاتحہ کا مقام نزول	۱۳۹
۵۳	مضامین قرآن کا خاکہ ایک نظر میں	۱۱۸	۵	سورہ فاتحہ کی آیات کی تعداد	۱۴۰
			۶	سورہ فاتحہ کے مضامین	۱۴۱
			۷	اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم	۱۴۲
			۸	"اعوذ باللہ" کے مفردات کے معانی	۱۴۲
			۹	"اعوذ باللہ" کے صرف اور اعراب کا بیان	۱۴۳
			۱۰	نماز اور غیر نماز میں "اعوذ باللہ" پڑھنے کے متعلق احادیث	۱۴۳
			۱۱	نماز میں "اعوذ باللہ" پڑھنے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا مذہب	۱۴۴
			۱۲	نماز میں "اعوذ باللہ" پڑھنے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا مذہب	۱۴۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۳	نماز میں "اعوذ باللہ" پڑھنے کے متعلق فقہاء	۱۳۱	۱۵۷	بسم اللہ الرحمن الرحیم کے فوائد اور حکمتیں	۱۵۷
۱۴	شافعیہ کا مذہب	۱۳۲	۱۶۰	حمد کے لغوی اور اصطلاحی معانی	۱۶۰
۱۵	نماز میں "اعوذ باللہ" پڑھنے کے متعلق فقہاء	۱۳۳	۱۶۱	تمام تعریفوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے استحقاق پر دلیل	۱۶۱
۱۶	احناف کا مذہب	۱۳۵	۱۶۲	مخلوق کا شکر ادا کرنے سے پہلے خالق کا شکر ادا کیا جائے	۱۶۲
۱۷	بسم اللہ الرحمن الرحیم	۱۳۶	۱۶۳	اللہ تعالیٰ کی کما حقہ حمد و ثناء سے مخلوق کا عاجز ہونا	۱۶۳
۱۸	پانے بسم اللہ کا معنی	۱۳۶	۱۶۴	اللہ کی حمد کرنے کے احوال اور اوقات	۱۶۴
۱۹	فعل کو بسم اللہ کے بعد مقدر کرنے کی وجوہ	۱۳۷	۱۶۵	اللہ کی حمد کی فضیلت اور اجر و ثواب	۱۶۵
۲۰	بسم اللہ میں اسم کا الف حذف کرنے کی وجہ	۱۳۷	۱۶۶	خود اپنی حمد و ثناء کرنے کی شرعی نوعیت	۱۶۶
۲۱	لفظ اللہ کا معنی اور اس کے وصف یا علم ہونے کی تحقیق	۱۳۸	۱۶۷	کسی دوسرے شخص کے سامنے اس کی حمد و ثناء کرنے کی شرعی نوعیت	۱۶۷
۲۲	رحمن اور رحیم کا معنی	۱۳۹	۱۶۸	منہ پر تعریف کرنے کے جواز اور عدم جواز کا محمل	۱۶۸
۲۳	رحمن کو رحیم پر مقدم کرنے کی وجوہ	۱۴۰	۱۶۹	رب کا لغوی اور شرعی معنی	۱۶۹
۲۴	بسم اللہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رمزا اور اشارہ	۱۴۰	۱۷۰	الغلبین کا لغوی اور عربی معنی	۱۷۰
۲۵	"بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے متعلق فلفلی مباحث	۱۴۱	۱۷۱	الغلبین کے متعلق اقوال میں مصنف کا مختار	۱۷۱
۲۶	"بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے آیت قرآن ہونے کی تحقیق	۱۵۱	۱۷۲	اللہ تعالیٰ کی تربیت میں غور و فکر	۱۷۲
۲۷	بسم اللہ الرحمن الرحیم کے سورہ فاتحہ کے جز نہ ہونے کی تحقیق اور مذاہب اربعہ	۱۵۱	۱۷۳	کمال ذات، گزشتہ احسان، رجا اور خوف سے حمد و ثناء کا تقاضا	۱۷۳
۲۸	اوائل سور میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ان سورتوں کے جز نہ ہونے کی تحقیق اور مذاہب اربعہ	۱۵۲	۱۷۴	بعض مفسرین کی فروگزاشت	۱۷۴
۲۹	نماز میں بسم اللہ پڑھنے کے متعلق مذاہب اربعہ	۱۵۳	۱۷۵	مالک اور مالک کی دو قراءتیں	۱۷۵
۳۰	نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو آہستہ سے پڑھنے کی تحقیق اور مذاہب اربعہ	۱۵۴	۱۷۶	یوم کا عربی اور شرعی معنی	۱۷۶
	بسم اللہ الرحمن الرحیم کے احکام شرعیہ اور مسائل	۱۵۵	۱۷۷	یوم قیامت کی مقدار	۱۷۷
	اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسماء لکھنے اور پڑھنے کے آداب	۱۵۶	۱۷۸	وقوع قیامت پر عقلی دلیل	۱۷۸
			۱۷۹	وقوع قیامت پر شرعی دلائل	۱۷۹
			۱۸۰	دنیا میں راحت اور مصیبت کا آنا مکمل جزاء اور سزا نہیں ہے	۱۸۰
			۱۸۱	دین کا لغوی معنی	۱۸۱
			۱۸۲	دین شریعت اور مذہب وغیرہ کی تعریفات	۱۸۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۵	"اللہ ربّ رحمن رحیم" اور "مالک یوم الدین" میں وجہ ارتباط	۱۷۷	۷۴	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں صحابہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرنا	۱۷۸
۵۶	عبادت کا لغوی معنی	۱۷۸	۷۵	حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں صحابہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرنا	۱۷۹
۵۷	عبادت کا اصطلاحی معنی	۱۷۹	۷۶	شیخ ابن تیمیہ کے حوالے سے حضرت عثمان بن حنیف کی روایت کی تائید توثیق اور تصحیح	۱۸۰
۵۸	قرآن مجید میں عبد کے اطلاقات	۱۷۹	۷۷	طبرانی کی روایت مذکورہ کا صحاح کی دوسری روایت سے تعارض کا جواب	۱۸۱
۵۹	۱۔ اپنے غلام کو "میرا عبد" کہنے کی کراہت اور عبد لغوی و غیر نامہ رکھنے کی تحقیق	۱۸۰	۷۸	توسل بعد از وصال پر شیخ ابن تیمیہ کے اعتراضات اور مصنف کے جوابات	۱۸۲
۶۰	عبادت کا اللہ تعالیٰ میں منحصر ہونا	۱۸۱	۷۹	توسل بعد از وصال کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا نظریہ	۱۸۳
۶۱	"ایسا کہ نعبد" میں حرف خطاب کو مقدم کرنے کے اسرار اور نکات	۱۸۲	۸۰	توسل بعد از وصال کے متعلق علامہ آدوی کا نظریہ	۱۸۳
۶۲	"ایسا کہ نعبد" میں جمع کا صیغہ لانے کے اسرار اور نکات	۱۸۳	۸۱	توسل بعد از وصال کے متعلق غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان کا نظریہ	۱۸۴
۶۳	غیوریت سے خطاب کی طرف التفات کے اسرار اور نکات	۱۸۳	۸۲	توسل بعد از وصال کے متعلق غیر مقلد عالم کاظمی شوکانی کا نظریہ	۱۸۴
۶۴	استعانت کا معنی	۱۸۴	۸۳	انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین سے براہ راست استمداد کے متعلق احادیث	۱۸۵
۶۵	"ایسا کہ نستعین" کی تفسیر	۱۸۴	۸۴	رجال غیب (اہل) سے استمداد کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات	۱۸۸
۶۶	عبادت کو استعانت پر مقدم کرنے کی وجوہ	۱۸۴	۸۵	امام ابن اثیر اور حافظ ابن کثیر کے حوالوں سے عہد صحابہ میں ندائے یا محمد اذکار و ان	۱۸۹
۶۷	اولیاء اللہ سے استعانت کی تحقیق	۱۸۵	۸۶	ندائے یا محمد اور توسل میں علماء و یوہند کا موقف	۱۹۱
۶۸	اولیاء اللہ سے استعانت کا صحیح طریقہ	۱۸۵	۸۷	ندائے غیر اللہ اور توسل کے متعلق مصنف کا موقف	۱۹۱
۶۹	وسیلہ کا لغوی معنی	۱۸۷	۸۸	ہدایت کا لغوی معنی اور اس کی اقسام	۱۹۲
۷۰	انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی ذات سے توسل کے متعلق فقہاء کرام کی عبارات	۱۸۷			
۷۱	حضرت آدم علیہ السلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا	۱۸۹			
۷۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنے وسیلہ سے دعا فرمانا	۱۹۱			
۷۳	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنے وسیلہ سے دعا کرنے کی ہدایت دینا	۱۹۲			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۸۹	ہدایت کی اقسام کی مزید تفصیل	۲۱۰	۲۲۹	سورہ بقرہ	
۹۰	اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۲۱۰	۲۳۱	سورہ بقرہ کا اجمالی تعارف	۱
۹۱	کی ہدایت کا فرق	۲۱۱	۲۳۲	سورہ بقرہ کی وجہ تسمیہ	۲
۹۲	صراطِ مستقیم کا لغوی اور شرعی معنی	۲۱۱		سورہ بقرہ کے کل نزول اور آیات اور حروف کی	۳
۹۳	کیا نمازی کا صراطِ مستقیم کی دعا کرنا تحصیل حاصل ہے؟	۲۱۱	۲۳۳	تعداد و کا بیان	
۹۴	جمع کے صیغہ سے دعا کرنے کی وجہ اور ربط آیات	۲۱۲	۲۳۴	سورہ بقرہ کے فضائل میں احادیث اور آثار	۴
۹۵	انعام یافتہ لوگوں کا بیان	۲۱۳	۲۳۵	الم ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ﴾ (البقرہ: ۱-۵)	۵
۹۶	انعام یافتہ لوگوں کے راستوں کا بیان	۲۱۳	۲۳۷	حروف مقطعات کے علم کی تحقیق	۶
۹۷	”مغضوب“ کا معنی	۲۱۳	۲۳۸	کتاب کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۷
۹۸	”المغضوب علیہم“ کی ماثور تفسیر	۲۱۳	۲۳۹	”رب“ کا معنی	۸
۹۹	”مغضوب“ کا معنی بیان کرنے میں بعض علماء کی لغزش	۲۱۳	۲۴۱	قرآن مجید میں ”رب“ کی نشی اور اثبات کا محمل	۹
۱۰۰	”ضالین“ کے معانی	۲۱۵	۲۴۲	آیا قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے یا صرف متقین کے لیے؟	۱۰
۱۰۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے ”ضالین“ کی منقول تفسیر	۲۱۷	۲۴۳	تقویٰ کا صیغہ اور اس کا لغوی معنی	۱۱
۱۰۲	جن لوگوں تک اسلام کا پیغام نہیں پہنچا آیا وہ شریعت کے مکلف ہیں یا نہیں؟	۲۱۷	۲۴۴	تقویٰ کا اصطلاحی معنی	۱۲
۱۰۳	آمین کا معنی	۲۱۷	۲۴۵	تقویٰ اور متقین کے متعلق احادیث	۱۳
۱۰۴	نماز میں آمین کہنے کے متعلق مذاہب اربعہ	۲۱۸	۲۴۶	تقویٰ کے مراتب	۱۴
۱۰۵	آمین کہنے کی فضیلت میں احادیث	۲۱۹	۲۴۷	ایمان کے لغوی معنی کی تفصیل اور تحقیق	۱۵
۱۰۶	آمین بالجبر کے متعلق احادیث	۲۱۹	۲۴۹	ایمان کی تعریف میں اہل قبلہ کے مذاہب	۱۶
۱۰۷	آمین بالسر کے متعلق احادیث	۲۲۰	۲۵۰	لغوی ایمان اور ایمان کامل کا بیان	۱۷
۱۰۸	آمین قرآن مجید کا جز نہیں ہے	۲۲۱		مومن ہونے کے لیے غلط چاہنا اور سمجھنا کافی نہیں ہے بلکہ ماننا ضروری ہے	۱۸
۱۰۹	فاتحہ خلف الامام میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ	۲۲۱	۲۵۱	ایمان کی حقیقت میں فقط تصدیق کے معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد	۱۹
۱۱۰	فاتحہ خلف الامام میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ	۲۲۲	۲۵۲	ایمان کی حقیقت میں فقط اقرار کے غیر معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد	۲۰
۱۱۱	فاتحہ خلف الامام میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ	۲۲۳		ایمان کی حقیقت میں اعمال کے غیر معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد	۲۱
۱۱۲	فاتحہ خلف الامام میں فقہاء حنفیہ کا نظریہ	۲۲۳	۲۵۳	قرآن مجید سے استشہاد	۲۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۲	ایمان میں کمی اور زیادتی کے ثبوت پر قرآن مجید سے استشہاد	۲۵۳	۴۶	حرام کے رزق نہ ہونے پر معتزلہ کے دلائل	۲۷۴
۲۳	ایمان میں کمی اور زیادتی کے ثبوت پر احادیث سے استشہاد	۲۵۴	۴۷	معتزلہ کے دلائل کے جوابات	۲۷۴
۲۴	ایمان میں کمی اور زیادتی کے دلائل کے جوابات	۲۵۵	۴۸	حرام کے رزق ہونے پر اہل سنت کے دلائل	۲۷۵
۲۵	آیا اسلام اور ایمان متغائر ہیں یا متحد؟	۲۵۶	۴۹	آیا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بالخصوص زکوٰۃ مراد ہے یا عام خرچ کرنا؟	۲۷۶
۲۶	غیب کا معنی	۲۵۸	۵۰	راہ خدا میں کل مال خرچ کرنے کی شرعی حیثیت	۲۷۶
۲۷	آیات مذکورہ میں غیب کا مصداق	۲۵۸	۵۱	”انزال“ کا معنی اور اس کی کیفیت	۲۷۷
۲۸	آیات مذکورہ میں مومنین بالغیب کا مصداق	۲۵۸	۵۲	”ما انزل الیک وما انزل من قبلك“ کی تفسیر	۲۷۷
۲۹	آیا مخلوق کے علم پر علم غیب کا اطلاق جائز ہے یا نہیں	۲۵۹	۵۳	ختم نبوت پر دلیل	۲۷۷
۳۰	خلاصہ بحث	۲۶۳	۵۴	دار آخرت اور یقین کا معنی	۲۷۸
۳۱	جس غیب کی خبر دے دی جائے آیا وہ غیب رہا یا نہیں؟	۲۶۳	۵۵	ان الذین کفروا سو آء علیہم۔ (الفاتحہ: ۶-۷)	۲۷۹
۳۲	صلوٰۃ کا لغوی معنی	۲۶۴	۵۶	کفر کا لغوی معنی	۲۷۹
۳۳	اقامت صلوٰۃ کے معانی اور محال	۲۶۴	۵۷	دیگر مفردات کے لغوی معانی	۲۸۰
۳۴	بہترین نمازوں کی فرضیت کی کیفیت کا بیان	۲۶۵	۵۸	شان نزول	۲۸۰
۳۵	عبادات میں نماز کی جامعیت	۲۶۶	۵۹	اللہ تعالیٰ کے کلام کے قدیم ہونے پر معتزلہ کا اعتراض اور اس کا جواب	۲۸۰
۳۶	قرآن مجید اور احادیث میں نماز پڑھنے کی تاکید	۲۶۷	۶۰	اللہ تعالیٰ نے جس ممکن کے عدم وقوع کی خبر دی ہے اس کے ساتھ مکلف کرنے کی تحقیق	۲۸۱
۳۷	تارک نماز کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات	۲۶۹	۶۱	محال بالذات کے ساتھ مکلف کرنے پر علامہ بیضاوی کی دلیل اور اس کا جواب	۲۸۱
۳۸	تارک نماز کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ	۲۷۰	۶۲	جن کا ایمان نہ لانا مقدر ہو چکا ہے ان کو تبلیغ کرنے کی وجہ	۲۸۲
۳۹	تارک نماز کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ	۲۷۰	۶۳	جب کفار کے دلوں پر مہر لگادی گئی تو ان سے مواخذہ کیوں؟	۲۸۲
۴۰	فقہاء شافعیہ کے دلائل کے جوابات	۲۷۱	۶۴	قلب کی تعریف	۲۸۳
۴۱	تارک نماز کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ	۲۷۲	۶۵	ومن الناس من یقول امنا باللہ۔ (البقرہ: ۸-۱۰)	۲۸۳
۴۲	تارک نماز کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ	۲۷۲			
۴۳	فقہاء احناف کے موقف پر دلیل	۲۷۳			
۴۴	رزق کا لغوی معنی	۲۷۳			
۴۵	رزق کا اصطلاحی معنی	۲۷۳			

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۹۶	ملنے تھے			منافقین کے اللہ اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے	۶۶
۲۹۷	اللہ تعالیٰ کے استہزاء کی توجیہ	۸۶	۲۸۵	سلسلہ میں اعتراضات کے جوابات	
	اولئك الذين اشترؤا الضلالة بالهدى.	۸۷	۲۸۶	شعور کا معنی	۶۷
۲۹۸	(البقرہ: ۱۸۵-۱۹۱)		۲۸۶	مرض کی تعریف اور منافقین کے مرض کا بیان	۶۸
۲۹۸	منافقین کے احوال کی پہلی مثال	۸۸		جھوٹ کی تعریف اس کا شرعی حکم اور منافقین کے	۶۹
۲۹۹	او کصیب من السماء. (البقرہ: ۲۰۰-۱۹۹)	۸۹	۲۸۷	جھوٹ کا بیان	
۳۰۰	منافقین کے احوال کی دوسری مثال	۹۰		جھوٹ بولنے کی ممانعت اور اس کے عذاب کے	۷۰
۳۰۰	دونوں مثالوں کا تجزیہ	۹۱	۲۸۷	متعلق احادیث	
	آیا عہد رسالت کے بعد منافقوں کا وجود ہے یا	۹۲	۲۸۸	جھوٹ بولنے کی رخصت کے مواقع	۷۱
۳۰۰	نہیں؟			جان مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنے	۷۲
۳۰۱	شے کے معنی میں اہل سنت اور معتزلہ کا اختلاف	۹۳	۲۸۸	کی اجازت	
۳۰۱	اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کا محال ہونا	۹۴	۲۸۸	شعر اور مبالغہ میں جھوٹ کا راز	۷۳
	اللہ تعالیٰ کی قدرت کے معنی کی تحقیق اور اس کے	۹۵	۲۸۹	تعریض اور توریہ میں جھوٹ بولنے کا جواز	۷۴
۳۰۲	کذب کے محال ہونے پر دلائل		۲۹۱	توریہ کے سلسلہ میں فقہاء کی رائے	۷۵
۳۰۳	یا ایہا الناس اعبدوا ربکم. (البقرہ: ۲۲۲-۲۱۲)	۹۶	۲۹۱	خلاصہ بحث	۷۶
۳۰۳	ربط آیات اور التفات کے فوائد	۹۷		واذا قبل لهم لا تفسدوا فی الارض.	۷۷
	باوجود اللہ تعالیٰ کے قرب کے "یا ایہا الناس"	۹۸	۲۹۲	(البقرہ: ۱۳-۱۱)	
۳۰۳	سے عدا کرنے کی توجیہ		۲۹۲	منافقین اپنے افساد کو اصلاح کیوں کہتے تھے؟	۷۸
	"یا ایہا الناس" سے سورہ بقرہ کے مدنی ہونے	۹۹		عہد رسالت سے لے کر آج تک افساد کو اصلاح	۷۹
۳۰۴	پر اعتراض کا جواب		۲۹۳	کا نام دینے کا تسلسل	
	مومنین کفار اور منافقین کے لیے عبادت کے حکم	۱۰۰		ایمان لانے کے لیے صحابہ کرام کے ایمان کا	۸۰
۳۰۴	کا الگ الگ معنی		۲۹۳	معیار ہونا	
	کفار کے فروغ کے مکلف ہونے میں علماء بخارا	۱۰۱	۲۹۴	زندقہ کی توبہ کی قبولیت پر دلیل	۸۱
۳۰۴	اور علماء شافعیہ کا اختلاف اور صحیح موقف کا بیان		۲۹۴	زندقہ کی تحقیق اور اس کا شرعی حکم	۸۲
۳۰۵	اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا اعتراف	۱۰۲	۲۹۵	صحابہ کرام پر سب و شتم کی مذمت اور رد	۸۳
۳۰۵	اللہ تعالیٰ کے خالق اور لا شریک ہونے پر دلائل	۱۰۳		واذا لقوا الذين امنوا قالوا امنا.	۸۴
	"لعلکم تتقون" میں امید کی نسبت بندوں کی	۱۰۴	۲۹۶	(البقرہ: ۱۵-۱۴)	
۳۰۷	طرف ہے			ان شیاطین کا بیان جن سے منافق خلوت میں	۸۵

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۱۰۵	افسوس عبادت پر غرور کرے نہ عبادت کی وجہ سے	۱۲۳	۳۲۲	مثال بیان کرنے کا قاعدہ	۳۲۲
	خود کو اجر کا مستحق سمجھے	۳۰۷	۱۲۴	حیہ کا معنی اور قرآن اور حدیث میں اللہ کی طرف	
۱۰۶	زمین کا گول ہونا اور اس کا گردش کرنا اس کے		۳۲۳	حیہ کی نسبت کا مکمل	۳۲۳
	فرش ہونے کے معنی نہیں ہے	۳۰۹	۱۲۵	اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے کی توجیہ	۳۲۵
۱۰۷	بچوں کو تدریج پیدا کرنے کی حکمت	۳۰۹	۱۲۶	فسل کی تعریف اور اس کی اقسام	۳۲۵
۱۰۸	اللہ تعالیٰ کے لاشریک ہونے کا بیان	۳۱۰	۱۲۷	عہد موقوف کا معنی اور اس کی اقسام	۳۲۶
۱۰۹	شرک کی تعریف	۳۱۱	۱۲۸	منافقین کا شر اور فساد	۳۲۷
۱۱۰	کیا چیز شرک ہے اور کیا چیز شرک نہیں ہے	۳۱۱	۱۲۹	کھف تکفرون باللہ (البقرہ: ۲۸-۲۹)	۳۲۷
۱۱۱	وان کنتم فی دین معاً نزلنا علی عبدنا		۱۳۰	حیات اور موت کا معنی	۳۲۸
	(البقرہ: ۲۳-۲۴)	۳۱۳	۱۳۱	زمین اور آسمان کی تخلیق کی ترتیب	۳۲۸
۱۱۲	سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل	۳۱۴	۱۳۲	اباحت کے اصل ہونے کی تحقیق	۳۲۹
۱۱۳	شہید کا معنی	۳۱۵	۱۳۳	حشر اجساد پر دلیل	۳۳۱
۱۱۴	دورخ میں چلنے والے پتھروں کا بیان	۳۱۶	۱۳۴	واذ قال ربك للملائكة (البقرہ: ۳۳-۳۴)	۳۳۱
۱۱۵	وبشر الذين امنوا وعملوا الصالحات		۱۳۵	ربہ آیات	۳۳۲
	(البقرہ: ۲۵)	۳۱۶	۱۳۶	ملائکہ کی حقیقت ان کی خصوصیت اور ان کے	
۱۱۶	نجات کا مدار اللہ کے فضل پر ہے نہ کہ اعمال پر	۳۱۷	۱۳۷	نرائض منہی کا بیان	۳۳۳
۱۱۷	جنت کا معنی قرآن اور حدیث میں جنت کی		۱۳۷	خلیفہ کی تعریف اور اس کی اقسام	۳۳۴
	ترغیب اور اس کی طلب کا بیان	۳۱۷	۱۳۸	آیت مذکورہ میں خلیفہ کے مصداق کا بیان	۳۳۵
۱۱۸	جنتی عورتوں اور عورتوں کی پاکیزگی حسن و جمال		۱۳۹	اللہ تعالیٰ کی طرف شہرہ کی نسبت کا شرعی حکم	۳۳۶
	اور ان کے ساتھ نکاح کی کیفیت کا بیان	۳۲۰	۱۴۰	حضرت آدم کے خلیفہ بنانے پر فرشتوں کے سوال	
۱۱۹	جس عورت نے دنیا میں متعدد نکاح کیے ہوں وہ		۳۲۱	کرنے کا مکمل	۳۳۶
	آخرت میں کس خاوند کے نکاح میں ہوگی؟	۳۲۱	۱۴۱	حضرت آدم کو خلیفہ بنانے کی وجہ اور فرشتوں کے	
۱۲۰	جس مردوں اور عورتوں کا دنیا میں نکاح نہیں ہوا		۳۲۱	شہد کا ازالہ	۳۳۷
	ان کا جنت میں نکاح ہو جائے گا	۳۲۱	۱۴۲	آدم کی لفظی تحقیق اور حضرت آدم کی تخلیق کے	
۱۲۱	جنت میں ناپاک اور ناجائز خواہشات نہیں ہوں		۳۲۲	مراحل	۳۳۷
	کی	۳۲۲	۱۴۳	حضرت آدم کو تمام اسماء کی تعلیم کا بیان	۳۳۸
۱۲۲	ان الله لا يستحي ان يضرب مثلاً ما		۱۴۴	واذ قلنا للملائكة اسجدوا لآدم	
	بعوضه فما فرقها (البقرہ: ۲۷-۲۸)	۳۲۲			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۳۵	حضرت آدم کو فرشتوں کے سدھ کرنے کی وجہ	۳۳۹	۱۶۵	حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقت میں	
۱۳۶	عہدہ کے لغوی اور شرعی معنی	۳۴۰		خفیہ اعظم ہونا	۳۵۸
۱۳۷	تکبر کا معنی اور اہلیس کے تکبر کا بیان	۳۴۰	۱۶۶	بشر اور فرشتے کے درمیان انصافیت کا بیان	۳۶۰
۱۳۸	اہلیس کا معنی اور اس کے فرشتے با جن ہونے کی تحقیق	۳۴۱	۱۶۷	قصہ آدم اور اہلیس میں حکمتیں اور نصیحتیں	۳۶۱
۱۳۹	حضرت خوا کی خلقت کا بیان	۳۴۳	۱۶۸	یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی الّٰہی	
۱۴۰	آیا حضرت آدم کو جنت اقلہ میں رکھا گیا تھا یا زمین کے کسی باغ میں؟	۳۴۴	۱۶۹	ربطہ آپت	۳۶۲
۱۴۱	شجر ممنوع کا بیان	۳۴۵	۱۷۰	ہو اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان اور ان نعمتوں کے یاد دلانے کی وجہ	۳۶۳
۱۴۲	آیا شجر ممنوع سے کھانا معصیت تھا یا نہیں؟	۳۴۵	۱۷۱	ہو اسرائیل اور اللہ تعالیٰ کے مابین عہد کا بیان	۳۶۳
۱۴۳	شجر ممنوع سے کھانے کے لیے اہلیس کی دوسرے انداز کی کا بیان	۳۴۶	۱۷۲	قرآن مجید کس چیز میں تو رات کا صدق ہے اور نبی کے زمانہ میں اس کی شریعت پر عمل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عموم	۳۶۴
۱۴۴	عصمت انبیاء کا اصطلاحی معنی	۳۴۷	۱۷۳	تعالیم قرآن پر اجرت لینے کی تحقیق	۳۶۵
۱۴۵	انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر دلائل	۳۴۸	۱۷۴	قرآن خوانی کے مذہبوں کے ہوا کا بیان	۳۶۹
۱۴۶	عصمت انبیاء کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات اور مذاہب	۳۵۰	۱۷۵	یہودی ٹیپس اور کتمان حق کا بیان	۳۷۰
۱۴۷	عصمت انبیاء کے متعلق متحققین کا مذہب	۳۵۰	۱۷۶	زکوٰۃ کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کے وجوب کی شرائط کا بیان	۳۷۱
۱۴۸	انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر اعتراضات کا جمالی جواب	۳۵۰	۱۷۷	باجماعت نماز پڑھنے کے فوائد	۳۷۱
۱۴۹	حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر جینے کی حکمتوں کا بیان	۳۵۱	۱۷۸	جماعت کے شرعی حکم میں مذہب فقہاء	۳۷۱
۱۵۰	حضرت آدم کی توبہ کے کلمات اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل	۳۵۲	۱۷۹	خواتین کی جماعت کی تحقیق	۳۷۲
۱۵۱	توبہ کا لغوی اور شرعی معنی	۳۵۳	۱۸۰	خواتین کی امامت کی تحقیق	۳۷۲
۱۵۲	قرآن مجید اور ملت میں توبہ کا بیان	۳۵۵	۱۸۱	خواتین کی امامت کے متعلق احادیث	۳۷۲
۱۵۳	دوبارہ نیچے اترنے کا حکم دینے کی حکمت	۳۵۷	۱۸۲	خواتین کی امامت کے متعلق فقہاء جلیلہ کا نظریہ	۳۷۶
۱۵۴	عصمت آدم پر دشواری کے اعتراضات اور ان کے جوابات	۳۵۷	۱۸۳	خواتین کی امامت کے متعلق فقہاء جلیلہ کا نظریہ	۳۷۶
			۱۸۴	خواتین کی امامت کے متعلق فقہاء جلیلہ کا نظریہ	۳۷۶
			۱۸۵	خواتین کی امامت کے متعلق فقہاء جلیلہ کا نظریہ	۳۷۷
			۱۸۶	تجہد و نماز الخ لڑنے کی امامت کی تحقیق	۳۷۸

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۱۸۷	یہودی بے عملی کا بیان	۳۸۰	۲۰۴	بنو اسرائیل کو طور پر لے جانا	۲۰۴
۱۸۸	بے عمل علماء کے عذاب کا بیان	۳۸۰	۲۱۰	ستر اسرائیلیوں کا دوبارہ ذبح ہونا ان کے مکلف ہونے کے منافی نہیں	۲۰۵
۱۸۹	آیا نیکی کا حکم دینے اور بُرائی سے روکنے کے لیے خود نیک ہونا ضروری ہے؟	۳۸۱	۲۱۱	میدان شیعہ میں بنو اسرائیل کی سرگردانی کا پس منظر	۲۰۵
۱۹۰	بے علم کے وعظ، تقریر اور اس کے مرید کرنے کا شرعی حکم	۳۸۲	۲۱۲	دیش منظر اور اللہ کی نعمتوں کا بیان	۲۰۵
۱۹۱	صبر کے معانی	۳۸۷	۲۱۳	بنو اسرائیل پر طاعون کا عذاب	۲۰۷
۱۹۲	صبر کے متعلق احادیث	۳۸۷	۲۱۳	طاعون کے متعلق احادیث	۲۰۷
۱۹۳	نماز سے مدد حاصل کرنے کا بیان	۳۸۸	۲۱۵	طاعون کے متعلق قدیم علماء اور جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق	۲۰۸
۱۹۴	خشوع کا معنی	۳۸۸	۲۱۶	طاعون کی علامت و طرح سے نمودار ہوتی ہے	۲۰۸
۱۹۵	یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی الی۔		۲۱۷	طاعون کا علاج	۲۰۹
	(البقرہ: ۴۸-۴۷)	۳۸۹	۲۱۷	واذا استسقی موسیٰ لقومہ۔	۲۰۹
۱۹۶	شفاعت کی تحقیق	۳۹۰	۲۱۸	زمین سے پانی نکالنے میں حضرت موسیٰ کا معجزہ اور اس کے مقابلہ میں ہمارے نبی کا معجزہ	۲۱۰
۱۹۷	شفاعت پر قرآن کریم سے دلائل	۳۹۱	۲۱۹	یہودیوں کے نبیوں کو قتل کرنے پر تورات کی شہادت	۲۱۱
۱۹۸	شفاعت پر احادیث سے دلائل	۳۹۳	۲۲۱	یہودیوں پر ذلت مسلط کیے جانے کے باوجود اسرائیل کی حکومت کی توجیہ	۲۱۲
۱۹۹	واذ نجینا کم من آل فرعون		۲۲۲	ان الذین امسوا والذین ہادوا والنصارى۔	۲۱۲
	(البقرہ: ۵۳-۴۹)	۳۹۵	۲۲۲	ایمان لائے ہوئے لوگوں کے ایمان لانے کی توجیہ	۲۱۳
۲۰۰	بنو اسرائیل پر فرعون کے عذاب کا بیان	۳۹۶	۲۲۳	ایمان لائے ہوئے لوگوں کے ایمان لانے کی توجیہ	۲۱۳
۲۰۱	فرعون کا نام	۳۹۷	۲۲۴	آیا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے سے موجودہ یہودیوں اور عیسائیوں کی نجات ہو جائے گی	۲۱۴
۲۰۲	آں کا لغوی معنی	۳۹۷	۲۲۵	نجات کے لیے صرف کسی دین کی طرف منسوب ہونا کافی نہیں ہے	۲۱۵
۲۰۳	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے مصداق کی تحقیق	۳۹۸	۲۲۶		
۲۰۴	بنو اسرائیل کے لیے مسند چیرنے کا بیان	۴۰۰	۲۲۶		
۲۰۵	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نام و نسب کا بیان	۴۰۰			
۲۰۶	تورات کا نزول اور بنو اسرائیل کی گوسالہ پرستی	۴۰۰			
۲۰۷	بنو اسرائیل کی قبولیت تو بہ کا بیان	۴۰۱			
۲۰۸	واذ قلتم یا موسیٰ لن نؤمن لک				
	(البقرہ: ۵۹-۵۵)	۴۰۳			
۲۰۹	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معذرت کے لیے ستر				

صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان
۲۲۷	۲۲۶	واذ اخذنا ميثاقكم ورفعنا فوقكم الطور .	۲۲۶	۲۲۶	اقتطعمون ان يؤمنوا لكم. (البقرہ: ۷۵-۷۶)
۲۲۸	۲۲۷	(البقرہ: ۶۳-۶۴)	۲۲۷	۲۲۷	آیات مذکورہ کا شان نزول
۲۲۹	۲۲۸	عہد و پیمان کے معنی	۲۲۸	۲۲۸	بنو اسرائیل کی تحریف کا بیان
۲۳۰	۲۲۹	کتابوں کو نازل کرنے سے مقصود عمل ہے	۲۲۹	۲۲۹	یہود کے نفاق کا بیان
۲۳۱	۲۳۰	کیا بنو اسرائیل کے سردوں پر پہاڑ کو معلق کر کے ان سے تورات کو قبول کرانا ان کے اختیار کے	۲۳۰	۲۳۰	”امی“ اور ”امنیہ“ کا بیان
۲۳۲	۲۳۱	منافی نہیں تھا؟	۲۳۱	۲۳۱	”ویل“ کا معنی
۲۳۳	۲۳۲	موجودہ ہندوؤں کے شیخ شدہ اسرائیلی ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق	۲۳۲	۲۳۲	وقالوا لن تمسنا النار (البقرہ: ۸۲-۸۳)
۲۳۴	۲۳۳	تباخ اور تباخ کا بیان	۲۳۳	۲۳۳	عذاب یہود کے مزعمہ چند لوگوں کا بیان
۲۳۵	۲۳۴	حیلہ کی تحقیق	۲۳۴	۲۳۴	ہاتھ پر مرکب کبیرہ مرنے والوں کے دائمی عذاب
۲۳۶	۲۳۵	قرآن اور سنت میں حیلہ کا ثبوت	۲۳۵	۲۳۵	پر معجزہ کا استدلال اور اس کا جواب
۲۳۷	۲۳۶	حیلہ کی تعریف اور اس کی اقسام	۲۳۶	۲۳۶	واذ اخذنا ميثاق بني اسرائيل
۲۳۸	۲۳۷	نقیباء کے بیان کے ”وئے بعض حیلے“	۲۳۷	۲۳۷	(البقرہ: ۸۳)
۲۳۹	۲۳۸	حیلہ اسقاط کی تحقیق	۲۳۸	۲۳۸	ربط آیات
۲۴۰	۲۳۹	واذ قال موسى لقومه ان الله يامرکم .	۲۳۹	۲۳۹	والدین کی اطاعت پر ثواب کے متعلق احادیث
۲۴۱	۲۴۰	(البقرہ: ۷۷-۷۸)	۲۴۰	۲۴۰	میں باپ کی نافرمانی پر عذاب کے متعلق احادیث
۲۴۲	۲۴۱	بنو اسرائیل کے گائے ذبح کرنے کا بیان	۲۴۱	۲۴۱	رشتہ داروں، قریبیوں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق احادیث
۲۴۳	۲۴۲	بنو اسرائیل کی گائے کا بیان	۲۴۲	۲۴۲	واذ اخذنا ميثاقکم یا تسفکون دمالکم .
۲۴۴	۲۴۳	گائے ذبح کرنے کے واقعہ سے استنباط شدہ مسائل	۲۴۳	۲۴۳	(البقرہ: ۸۴-۸۵)
۲۴۵	۲۴۴	واذ قتلتم نفسا فادروا تم فیہا	۲۴۴	۲۴۴	یہود مدینہ کا ایک دوسرے کو قتل کر کے پیتاق توڑنے کا بیان
۲۴۶	۲۴۵	(البقرہ: ۷۳-۷۴)	۲۴۵	۲۴۵	ولقد الینا موسیٰ الکتاب . (البقرہ: ۸۷-۸۸)
۲۴۷	۲۴۶	گائے کا ایک عضو مقتول پر مارنے سے اس کا زخمہ ہونا	۲۴۶	۲۴۶	مسیحی مریم اور روح القدس کے معنی
۲۴۸	۲۴۷	گائے ذبح کر کے مقتول کو زخمہ کرنے کی حکمت	۲۴۷	۲۴۷	انبیاء کرام سے یہود کے عناد رکھنے کا بیان
۲۴۹	۲۴۸	پتھروں، درختوں اور جانوروں کا ادراک اور ان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دینا	۲۴۸	۲۴۸	آیات مذکورہ سے مسائل کا استنباط
۲۵۰	۲۴۹		۲۴۹	۲۴۹	ولملاء جاء ہم کتاب من عند اللہ .
۲۵۱	۲۵۰		۲۵۰	۲۵۰	(البقرہ: ۹۰-۹۱)
۲۵۲	۲۵۱		۲۵۱	۲۵۱	ہمارے میں صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کا

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۶۵	سحر کے شرعی حکم کی تحقیق	۲۸۶	۲۶۵	قبول ہونا	۲۴۸
۲۶۵	سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء اربعہ کا نظریہ	۲۸۷	۲۶۸	خلاصہ آیات اور احادیث مسائل	۲۴۹
۲۶۵	سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ	۲۸۸	۲۶۹	و اذا قيل لهم امنوا بما انزل الله	۲۴۹
۲۶۶	سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ	۲۸۹		(البقرہ: ۹۳-۹۱)	
۲۶۷	سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء اشعریہ کا نظریہ	۲۹۰	۲۷۰	توریت پر یہود کے دعویٰ ایمان کا رد اور ابطال	۲۵۰
۲۶۸	مذہب اہل بیت کا خلاصہ اور تجزیہ	۲۹۱	۲۷۱	قرآن مجید کے احکام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے	۲۵۱
۲۶۸	باروت اور مروت پر سحر کو نازل کرنے کی حکمت	۲۹۲		مسلمانوں کے لیے لمحہ فکر یہ	
۲۶۹	باروت اور مروت کی معصیت کی روایت	۲۹۳	۲۷۲	قل ان كانت لكم الدار الآخرة	۲۵۲
	باروت اور مروت کی معصیت کی روایت کا	۲۹۴		(البقرہ: ۹۲-۹۳)	
۲۷۰	قرآن مجید سے بظاہر	۲۹۵	۲۷۳	یہودیوں کے اس دعویٰ کا رد کہ جنت کے صرف	۲۵۳
	باروت اور مروت کی معصیت کی روایت پر بحث	۲۹۵		دی مستحق ہیں	
۲۷۰	ونظر	۲۹۶	۲۷۴	قرآن مجید کی صداقت اور ہمارے نبی صلی اللہ	۲۵۴
۲۷۲	علم کے تقاضوں پر عمل نہ کرنا حکما جہل ہے	۲۹۷		علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل	
۲۷۲	اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت کا فرق	۲۹۷	۲۷۵	حصول شہادت کے لیے موت کی تمنا کا انتخاب	۲۵۵
	يا ايها الذين امنوا لا تقولوا راعنا	۲۹۸		اور مصیبت سے گھبرا کر موت کی تمنا کی ممانعت	
۲۷۲	(البقرہ: ۱۰۵-۱۰۴)	۲۹۸	۲۷۶	قل من كان عدوا لجبريل	۲۵۶
	”راعنا“ کہنے کی ممانعت اور ”انظر لنا“ کہنے کا	۲۹۹		یہود کا جبریل کو اپنا دشمن کہنا	
۲۷۳	حکم	۲۹۹	۲۷۷	جبریل کو دشمن کہنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب	۲۵۷
	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کتاخی	۳۰۰	۲۷۸	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل	۲۵۸
۲۷۵	کرنے والے کے شرعی حکم کی تحقیق	۳۰۱		یہودیوں کا آپ پر ایمان لانے کے بعد کوتاہی	
۲۷۷	گستاخانہ کام میں تادیب کی گنجائش	۳۰۲	۲۸۱	وابعثوا ما تسئلوا الشياطين على ملك	۲۵۹
۲۷۷	گستاخانہ کام میں توہین کی نیت کی بحث	۳۰۳		سلیمان۔ (البقرہ: ۱۰۳-۱۰۲)	
۲۸۰	ما فنسخ من آية او ناسخها۔ (البقرہ: ۱۰۶)	۳۰۴	۲۸۲	حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جادو کی	۲۶۰
۲۸۰	نسخ کی تحقیق	۳۰۴		نسبت کی تحقیق	
۲۸۰	نسخ کے دو معنی	۳۰۵	۲۸۳	سحر کے لغوی معنی	۲۶۱
۲۸۱	نسخ اور بداء کا فرق	۳۰۶	۲۸۴	سحر کے شرعی معنی	۲۶۲
۲۸۲	خبر کے منسوخ ہونے یا نہ ہونے کا اختلاف	۳۰۷	۲۸۵	سحر کی تحقیق میں مذاہب سحر کے دلائل اور ان پر	۲۶۳
۲۸۳	نسخ اور نسخہ میں کا فرق	۳۰۸		اعتراضات کے جوابات	

صفحہ	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۵۰۲	ذکر ہاجر کی تحقیق	۴۸۳	۳۳۰	۳۰۹	سُخ اور تھید کا فرق	
۵۰۳	مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق مذاہب ائمہ	۴۸۴	۳۳۱	۳۱۰	عرف اور تعامل کا بدلنا سُن نہیں ہے	
	"وللّٰہ المشرق والمغرب" کے شان نزول	۴۸۴	۳۳۲	۳۱۱	قرآن مجید کی آیات منسوخہ کی تعداد میں اختلاف	
۵۰۴	کا بیان	۴۸۴			کا منشاء	
۵۰۵	چلتی ہوئی ترین میں فرض نماز پڑھنے کا جواز	۴۸۴	۳۳۳	۳۱۲	الم تعلم ان اللہ له ملک السموات	
۵۰۶	وقالوا اتخذوا اللہ ولدا (البقرہ: ۱۱۶-۱۱۷)	۴۸۴	۳۳۴		والمارض (البقرہ: ۱۱۳-۱۰۷)	
۵۰۷	اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونے پر دلائل	۴۸۶	۳۳۵	۳۱۳	ربط آیات	
۵۰۷	ابداع اور بدعت کا معنی	۴۸۶	۳۳۶	۳۱۴	نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کی ممانعت کا	
۵۰۸	بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام	۴۸۶	۳۳۷		عمل	
۵۰۹	سنت کی تعریف اس کی اقسام اور اس کا شرعی حکم	۴۸۸	۳۳۸	۳۱۵	حد کی تحقیق	
۵۱۰	ڈاڑھی میں قبضہ کی بحث	۴۸۸	۳۳۹	۳۱۶	حد کے متعلق احادیث اور آثار	
۵۱۱	کیا ترک سنت کی سزا شفاعت سے محرومی ہے؟	۴۹۰	۳۴۰	۳۱۷	حد کے مراتب	
۵۱۱	"کن فیکون" کی تحقیق	۴۹۰	۳۴۱	۳۱۸	حد کے اسباب	
	مشرکین کے فرمائشی معجزات اور مطالبات پورا نہ	۴۹۱	۳۴۲	۳۱۹	حد کو زائل کرنے کا علاج	
۵۱۲	کرنے کی وجوہ			۳۲۰	کافروں اور مشرکوں کی زیادتی سے نبی صلی اللہ	
	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے	۴۹۲	۳۴۳		علیہ وسلم کا درگزر کرنا	
۵۱۳	ایمان کی بحث	۴۹۳		۳۲۱	غلو اور درگزر کا منسوخ ہونا	
۵۱۶	ولن ترضیٰ عنک الیہود (البقرہ: ۱۳۰-۱۳۱)	۴۹۳	۳۴۴	۳۲۲	شخصی معاملہ میں زیادتی سے درگزر کرنا اور دین	
	یہود و نصاریٰ کی عدم اطاعت کی خبر کا قرب	۴۹۳	۳۴۵		کے معاملہ میں رعایت نہ کرنا	
	قیامت میں ان کے ایمان لانے کی آیت سے	۴۹۳		۳۲۳	آخرت کے لیے نیکیوں کا بھیجنا	
۵۱۷	تعارض اور اس کا جواب			۳۲۴	وقالت الیہود لیست النصارى.	
	بعض آیات میں یہ ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ	۴۹۶	۳۴۶		(البقرہ: ۱۱۳)	
	وسلم سے اور حقیقت میں مسلمانوں سے خطاب	۴۹۶		۳۲۵	یہود و نصاریٰ کافروں میں بننا	
۵۱۸	ہونا	۴۹۶		۳۲۶	ملت اسلامیہ کا بیان اور اسلامی فرقوں کی تحقیق	
	تورات اور انجیل کی تلاوت کا ناجائز ہونا اور	۵۰۰	۳۴۷	۳۲۷	شریعت طریقت اور حقیقت کا بیان	
۵۱۸	قرآن مجید کی تلاوت کے آداب			۳۲۸	ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ.	
	یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی الی.	۵۰۱	۳۴۸		(۱۱۵-۱۱۴)	
۵۱۹	(البقرہ: ۱۲۳-۱۲۴)	۵۰۱		۳۲۹	آیت مذکورہ کے شان نزول کی تحقیق	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
۵۳۶	فاسق کی امامت نماز میں ائمہ حنفیہ کا نظریہ	۳۶۹	نسبت ابراہیم کی وجہ سے یہود و نصاریٰ اور	۳۴۹
۵۳۷	حضرت ابراہیم کے مطلقاً ذریت کے لیے دعا	۳۷۰	مشرکین پر دین اسلام کا حجت ہونا	۳۵۰
۵۳۸	کرنے کی توجیہ	۳۷۱	ان کلمات کا بیان جن سے حضرت ابراہیم علیہ	۳۵۱
۵۳۹	واذ جعلنا البیت مثابة للناس وامننا۔	۳۷۲	السلام کی آزمائش کی گئی	۳۵۲
۵۴۰	(البقرہ: ۱۲۶-۱۲۵)	۳۷۳	امام کا لغوی معنی	۳۵۳
۵۴۱	حرم میں قصاص لینے اور حدود جاری کرنے کے	۳۷۴	اہل سنت کے نزدیک امام کا شرعی معنی	۳۵۴
۵۴۲	متعلق مذاہب ائمہ	۳۷۵	اہل تشیع کے نزدیک امامت کا شرعی معنی اور بحث و	۳۵۵
۵۴۳	مقام ابراہیم کی تعیین کی تحقیق	۳۷۶	نظر	۳۵۶
۵۴۴	آیا مکہ مکرمہ ابتداء آفرینش سے حرم ہے یا حضرت	۳۷۷	امام کے معصوم ہونے پر علماء شیعہ کے دلائل اور	۳۵۷
۵۴۵	ابراہیم کی دعا کے بعد سے؟	۳۷۸	بحث و نظر	۳۵۸
۵۴۶	واذ یرفع ابراہیم القواعد۔	۳۷۹	علماء شیعہ کے نزدیک اللہ اور رسول کی تصریح سے	۳۵۹
۵۴۷	(البقرہ: ۱۲۸-۱۲۷)	۳۸۰	امام کا تقرر اور بحث و نظر	۳۶۰
۵۴۸	تیسرے کعب کی تاریخ کے متعلق روایات کا بیان	۳۸۱	علماء شیعہ کے نزدیک امام کو مقرر کرنے کا اللہ پر	۳۶۱
۵۴۹	حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے مسلمان	۳۸۲	وجوب اور بحث و نظر	۳۶۲
۵۵۰	کرنے کی دعا پر اعتراض اور اس کا جواب	۳۸۳	اہل تشیع کے بارہ اماموں کا بیان	۳۶۳
۵۵۱	اپنی اولاد کے لیے دعا کی تخصیص کا جواب	۳۸۴	اہل سنت کے نزدیک امامت کو منعقد کرنے کے	۳۶۴
۵۵۲	حضرت ابراہیم کو مناسک حج کی تعلیم کا بیان	۳۸۵	طریقے	۳۶۵
۵۵۳	دینا و ابھٹ فیہم رسولاً۔ (البقرہ: ۱۲۹)	۳۸۶	امامت کے مسائل	۳۶۶
۵۵۴	حضرت ابراہیم نے جس عظیم رسول کی بعثت کی	۳۸۷	امامت کے وجوب پر دلائل	۳۶۷
۵۵۵	دعا کی وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں	۳۸۸	کیا اب امام نہ بنانے کی وجہ سے پوری امت	۳۶۸
۵۵۶	اہل مکہ ہی میں سے رسول کو مبعوث کرنے کی	۳۸۹	گمراہ ہے؟	۳۶۹
۵۵۷	حکمت	۳۹۰	فاسق کی امامت امت میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ	۳۷۰
۵۵۸	نماز میں حضرت ابراہیم پر صلوٰۃ کی تخصیص اور ان	۳۹۱	فاسق کی امامت امت میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ	۳۷۱
۵۵۹	کے ساتھ تشبیہ کی حکمتیں	۳۹۲	فاسق کی امامت امت میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ	۳۷۲
۵۶۰	کتاب و حکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفس کی تشریح	۳۹۳	فاسق کی امامت امت میں فقہاء حنفیہ کا نظریہ	۳۷۳
۵۶۱	ومن یوغب عن ملة ابراهيم۔	۳۹۴	فاسق کی امامت نماز میں ائمہ مالکیہ کا نظریہ	۳۷۴
۵۶۲	(البقرہ: ۱۳۰-۱۲۹)	۳۹۵	فاسق کی امامت نماز میں ائمہ حنبلیہ کا نظریہ	۳۷۵
۵۶۳	ملت کا معنی	۳۹۶	فاسق کی امامت نماز میں ائمہ شافعیہ کا نظریہ	۳۷۶

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۵۶۵	آیا مکہ مکرمہ میں ابتداء آپ کا قبلہ کعبہ تھا یا بیت المقدس؟	۴۰۶	۵۵۱	طہ ابراہیم سے انحراف کا حماقت ہونا	۳۸۷
۵۶۵	تحویل قبلہ کا بیان	۴۰۷	۵۵۱	تمام انبیاء کا پیدائشی مومن ہونا	۳۸۸
۵۶۶	تحویل قبلہ سے متعلق مسائل	۴۰۸	۵۵۲	ووصی بہا ابراہیم بنیہ۔	۳۸۹
۵۶۷	نماز کے لیے کسی ایک جہت کی طرف منہ کرنے کے اسرار	۴۰۹	۵۵۲	(البقرہ: ۱۳۲-۱۳۳)	۳۹۰
۵۶۷	کعبہ کو قبلہ بنانے کے اسرار	۴۱۰	۵۵۳	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں کی سوانح	۳۹۱
۵۶۸	استقبال قبلہ کے فقہی مسائل	۴۱۱	۵۵۴	جبریا اور قدریہ کے نظریہ کا رد	۳۹۲
۵۶۹	کعبہ کا اولیاء اللہ کی زیارت کے لیے جانا	۴۱۲	۵۵۴	کسی کے گناہ کی مزاد دوسرے کو نہ دینا	۳۹۳
۵۷۰	امت مسلمہ کا باقی امتوں پر گواہ ہونا	۴۱۳	۵۵۴	قرآن اور حدیث کی بناء پر اکابر علماء سے اختلاف کرنے کا جواز	۳۹۴
۵۷۱	دین اسلام اور مسلک اہل سنت و جماعت کا سب سے افضل ہونا	۴۱۴	۵۵۶	وقالوا کونوا ہودا او نصاری۔	۳۹۵
۵۷۱	عدالت صحابہ اور حجیت اجماع	۴۱۵	۵۵۷	(البقرہ: ۳۵-۳۷)	۳۹۶
۵۷۱	قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں پچھلی امتوں اور اس امت کے افعال اور احوال کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا جانا	۴۱۶	۵۵۸	”حیف“ کا معنی	۳۹۷
۵۷۱	بعض ترجموں سے اللہ تعالیٰ کے علم کی نفی کا اشکال	۴۱۷	۵۵۹	تمام انبیاء پر ایمان لانے کی وجہ	۳۹۸
۵۷۲	اور اس کے جوابات	۴۱۸	۵۵۹	باقی انبیاء پر جو نازل کیا گیا اس پر ایمان لانے کے محال	۳۹۹
۵۷۲	اہل کتاب پر تحویل قبلہ کے بھاری ہونے کی وجہ	۴۱۹	۵۶۰	اللہ کی مثل پر ایمان لانے میں اشکال اور اس کے جوابات	۴۰۰
۵۷۲	نمازوں پر ایمان کے اطلاق کی توجیہ	۴۲۰	۵۶۰	صبغة اللہ ومن احسن من اللہ صبغة	۴۰۱
۵۷۲	قد نوری تغلب وجہک۔ (البقرہ: ۱۴۶-۱۴۷)	۴۲۱	۵۶۰	(البقرہ: ۱۳۸-۱۳۹)	۴۰۲
۵۷۲	نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کی تحقیق	۴۲۲	۵۶۱	”صبغة اللہ“ (اللہ کا رنگ) کی تفسیر	۴۰۳
۵۷۲	اہل کتاب کو تحویل قبلہ کے برحق ہونے کا علم	۴۲۳	۵۶۲	اخلاص کا معنی	۴۰۴
۵۷۲	علماء سے معصیت کے صدور کا زیادہ قبیح ہونا	۴۲۴	۵۶۲	حضرت ابراہیم اور اسماعیل وغیرہ کے دین یہودیت اور عیسائیت پر نہ ہونے کا بیان	۴۰۵
۵۷۲	اہل کتاب کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچانا	۴۲۵	۵۶۲	اس شہادت کا بیان جس کو یہودیوں اور عیسائیوں نے چھپایا	۴۰۶
۵۷۲	الحق من ربك فلا تكونن من الممترین۔	۴۲۵	۵۶۲	ایک شخص کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچنے کی تحقیق	۴۰۷
۵۸۱	(البقرہ: ۱۵۴-۱۵۷)	۴۲۵	۵۶۳	سیقول السفهاء من الناس۔	۴۰۸
			۵۶۳	(البقرہ: ۱۴۲-۱۴۳)	۴۰۹

صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان
۲۲۶	۴۴۷	حیات انبیاء پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے	۵۸۲	۴۴۷	قبلہ کے بارے میں شک کرنے کی ممانعت کی
۲۰۰		گرنے سے معارضہ کے جوابات	۵۸۲	۴۴۷	توجیہ
۲۰۱	۴۴۸	وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کے دکھائی دینے	۵۸۳	۴۴۸	اللہ کی ذات کا حضور کے لیے قبلہ ہونا
۲۰۲	۴۴۹	کی کیفیت کا بیان	۵۸۳	۴۴۸	پانچوں نمازوں کے مستحب اوقات
۲۰۲	۴۵۰	شہداء کی تعداد کا بیان	۵۸۳	۴۴۹	کعبہ کی طرف منہ کرنے کے حکم کو تین بار ذکر
۲۰۳	۴۵۱	شہید کے متعلق فقہی احکام	۵۸۵	۴۴۹	کرنے کی حکمتیں
۲۰۳	۴۵۲	علم اور شعور کا فرق	۵۸۵	۴۵۰	تمام نعمت کا مصداق
۲۰۵	۴۵۳	دنیا میں مصائب پیش آنے کی وجوہات	۵۸۷	۴۵۱	دعائے ابراہیم میں ترکیب کا موخر ہونا اور دعائے
۲۰۶	۴۵۴	صبر کے معانی اور مصیبت پر صبر کرنے کی فضیلت	۵۸۷	۴۵۲	استجابت میں مقدم ہونا
۲۰۶	۴۵۵	”اَللّٰهُ وَالْاٰلِیَہٗ وَارْحَمَہٗوْنَ“ پڑھنے کی فضیلت	۵۸۸	۴۵۳	نبی اور رسول کی تعریف
	۴۵۶	صلوٰۃ کا معنی اور غیر انبیاء پر صلوٰۃ بھیجنے کی شرعی	۵۸۹	۴۵۴	نبی اور رسول کو مبعوث کرنے کی حکمتیں
۲۰۷		حیثیت	۵۸۹	۴۵۵	نبی کی شرائط
۲۰۸	۴۵۷	مردہ کی شرعی حیثیت	۵۹۰	۴۵۶	ہر نبی کے پیدائشی نبی ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق
	۴۵۸	اِنَّ الصَّغٰوۃَ وَالْمَرْوۃَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ	۵۹۲	۴۵۷	نبیوں رسولوں کتابوں اور صحیفوں کی تعداد کی تحقیق
۲۰۸	(البقرہ: ۱۶۰-۱۵۸)			۴۵۸	ذکر کی اقسام اور ذکر کے متعلق اقوال
۲۰۹	۴۵۹	ربط آیات	۵۹۳	۴۵۹	یا ایہا الذین امنوا استعینوا بالصبر
۲۰۹	۴۶۰	صفا اور مروۃ کے معنی	۵۹۴	۴۶۰	والصلوۃ (البقرہ: ۱۵۷-۱۵۳)
۲۰۹	۴۶۱	حج اور عمرہ کا لغوی اور شرعی معنی		۴۶۱	ربط آیات
۲۱۰	۴۶۲	شوال میں عمرہ کرنے والے پر استطاعت کے	۵۹۵	۴۶۲	اللہ کے نزدیک موت اور حیات کا معنی اور شان
		بغیر حج فرض ہونے کی تحقیق	۵۹۵	۴۶۳	نزول
۲۱۲	۴۶۳	یہ فرمانے کی وجہ کہ صفا اور مروہ میں سعی گناہ نہیں	۵۹۶	۴۶۴	برزخ میں حیات کا بیان
		ہے	۵۹۶	۴۶۵	اولیاء اللہ کی جسمانی حیات کا بیان
۲۱۳	۴۶۴	صفا اور مروہ کے درمیان سعی میں مذاہب ائمہ		۴۶۶	شہداء کی حیات کا بیان
۲۱۵	۴۶۵	علم چھپانے پر وعید کا بیان	۵۹۶	۴۶۷	شہادت کے بعد بعض جسموں کے تغیر سے ان کی
	۴۶۶	نااہل لوگوں کے سامنے علم اور حکمت کو بیان		۴۶۸	حیات پر معارضہ کا جواب
۲۱۵		کرنے کی ممانعت	۵۹۷	۴۶۹	سبز پرندوں میں شہید کی روح کے متصل ہونے
۲۱۶	۴۶۷	لعنت کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کے شرعی احکام	۵۹۸	۴۷۰	سے تنازع کا جواب
				۴۷۱	انبیاء علیہم السلام کی حیات کا بیان

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۶۳۰	ومثل الذین کفروا کمثل الذین ینعق۔ (البقرہ: ۱۷۱-۱۷۳)	۴۸۵	۶۱۷	توبہ کے قبول ہونے کے لیے گناہ کو ترک کرنے اور اس کی تلافی کرنے کی شرط	۴۶۸
۶۳۰	”نعق“ کا معنی	۴۸۶	۶۱۸	ان الذین کفروا ومانوا وھم کفار۔ (البقرہ: ۶۳-۱۶۱)	۴۶۹
۶۳۱	حرام کھانے کا وبال	۴۸۷	۶۱۹	مردہ کافروں پر لعنت کرنے کا جواز اور مردہ کافروں پر لعنت کرنے کی ممانعت	۴۷۰
۶۳۱	حرام کیے ہوئے مردہ جانوروں میں سے مستثنیات کا بیان	۴۸۸	۶۲۰	مسلمانوں پر لعنت کرنے کی ممانعت	۴۷۱
۶۳۲	عزیز کی تحقیق	۴۸۹	۶۲۱	کفار کے عذاب میں تخفیف نہ ہونے پر دلائل اور ابولہب وغیرہ کے عذاب میں تخفیف کے جوابات	۴۷۲
۶۳۴	سطح آب پر آنے والی مردہ مچھلی کا شرعی حکم	۴۹۰	۶۲۲	واحد کا معنی اور لا الہ الا اللہ پڑھنے کی فضیلت ان فی خلق السموات والارض۔ (البقرہ: ۱۶۳)	۴۷۳
۶۳۴	ملکی اور غیر ملکی صابیوں کو استعمال کرنے کا شرعی حکم	۴۹۱	۶۲۳	اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی وحدت اور اس کے علم پر دلائل	۴۷۵
۶۳۵	بہائے ہوئے خون کا بالاجماع حرام ہونا	۴۹۲	۶۲۴	ومن الناس من یتخذ من دون اللہ۔ (البقرہ: ۱۶۷-۱۶۸)	۴۷۶
۶۳۵	ضرورت کی وجہ سے ایک شخص کے جسم میں دوسرے شخص کے خون کو منتقل کرنے کا جواز	۴۹۳	۶۲۵	مومن کے نزدیک محبوبین کے مدارج البقرہ کی آیت: ۱۶۵ کے متحدہ مخوی تراکیب کے اعتبار سے آٹھ معانی	۴۷۷
۶۳۷	حرام چیزوں سے علاج کی ممانعت کے متعلق احادیث	۴۹۴	۶۲۵	گمراہ کرنے والے متبوعین کا اپنے تابعین سے قیامت کے دن بری ہونا	۴۷۸
۶۳۷	فقہاء اسلام کے نزدیک احادیث مذکورہ کا محمل	۴۹۵	۶۲۶	یا ایہا الناس کلو مما فی الارض۔ (البقرہ: ۱۷۰-۱۷۸)	۴۸۰
۶۳۸	ضرورت کے وقت حرام چیزوں سے علاج کے متعلق احادیث اور فقہاء اسلام کی تشریحات	۴۹۶	۶۲۸	ربط آیات	۴۸۱
۶۳۹	صحت اور زندگی کی حفاظت کا حکم باقی تمام احکام پر مقدم ہے	۴۹۷	۶۲۸	حلال اور طیب اور گناہ اور بدعت کا معنی	۴۸۲
۶۴۱	اللہ کی دہی ہوئی رخصت پر عمل کرنا واجب ہے	۴۹۸	۶۲۹	”سوء“ اور ”فحشاء“ کا معنی	۴۸۳
۶۴۲	”وما اهل به لغير الله“ کی تحقیق	۴۹۹	۶۲۹	تقلید کی تعریف	۴۸۴
۶۴۲	ان الہین یکتُمون ما انزل اللہ من الکتاب۔ (البقرہ: ۱۷۶-۱۷۷)	۵۰۰	۵۰۱		
۶۴۶	تورات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو چھپانے کا گناہ ہونا	۵۰۱	۵۰۲		
۶۴۷	اللہ تعالیٰ کے کلام نہ کرنے اور نظر نہ فرمانے کی توجیہ	۵۰۲	۵۰۳		
۶۴۷	لیس البر ان تولوا وجہکم قبل المشرق	۵۰۳			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۰۴	والمعروب. (البقرہ: ۱۷۷)	۶۴۸	۵۲۱	کیفیت قصاص اور آلہ قتل میں ائمہ مذاہب کی	
۵۰۵	آیت مذکورہ کے شان نزول کے متعلق اقوال	۶۴۹		آراء اور ان کے دلائل	۶۶۰
۵۰۶	اللہ تعالیٰ 'یوم آخرت' فرشتوں 'کتابوں اور نبیوں		۵۲۲	ولی مقتول کے معاف کرنے کی تفصیل	۶۶۲
۵۰۷	پر ایمان لانے کا معنی	۶۴۹	۵۲۳	دیت کی مقدار اور عاقلہ کا بیان	۶۶۲
۵۰۸	رشتہ داروں پر مال خرچ کرنے کی فضیلت	۶۴۹	۵۲۴	کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت.	
۵۰۹	یتیم، مسکین اور ابن السبیل کا معنی	۶۵۰		(البقرہ: ۱۸۲-۱۸۰)	۶۶۲
۵۱۰	سوال کرنے کی جائز حد	۶۵۰	۵۲۵	ربط آیات اور خلاصہ تفسیر	۶۶۳
۵۱۱	سائلین کو دینے کے متعلق مصنف کی تحقیق	۶۵۲	۵۲۶	وصیت کا لغوی اور شرعی معنی	۶۶۳
۵۱۲	غلام آزاد کرنے، نماز پڑھنے اور زکوٰۃ وغیرہ کے		۵۲۷	وصیت کی اقسام	۶۶۳
۵۱۳	معافی	۶۵۲	۵۲۸	وصیت کی شرائط اور رکن	۶۶۴
۵۱۴	یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم القصاص		۵۲۹	وصیت کا لزوم	۶۶۴
۵۱۵	فی القتلی. (البقرہ: ۱۷۹-۱۷۸)	۶۵۳	۵۳۰	ورثاء کے لیے وصیت کا منسوخ ہونا اور غیر ورثاء	
۵۱۶	آیات مذکورہ کا شان نزول	۶۵۳		کے لیے تہائی مال کی وصیت کا انتخاب	۶۶۵
۵۱۷	غلام اور زمی کے خون کا قصاص نہ لینے کے حق		۵۳۱	احادیث کی روشنی میں وصیت کے احکام	۶۶۵
۵۱۸	میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل	۶۵۴	۵۳۲	یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم الصیام.	
۵۱۹	غلام اور زمی کے قصاص کے متعلق امام ابو حنیفہ کا			(البقرہ: ۱۸۳-۱۸۳)	۶۶۶
۵۲۰	مذہب	۶۵۴	۵۳۳	ربط آیات	۶۶۷
۵۲۱	آزاد سے غلام کا قصاص لینے کے ثبوت میں		۵۳۴	روزہ کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کی مشروعیت کی	
۵۲۲	قرآن اور سنت سے دلائل	۶۵۵		تاریخ	۶۶۷
۵۲۳	آزاد سے غلام کا قصاص نہ لینے کے متعلق ائمہ		۵۳۵	رمضان اور روزوں کے فضائل کے متعلق	
۵۲۴	علاشہ کے دلائل کا جواب	۶۵۶		احادیث	۶۶۸
۵۲۵	مسلمان سے زمی کا قصاص لینے کے متعلق قرآن		۵۳۶	بعض نقلی روزوں کی فضیلت	۶۷۱
۵۲۶	اور سنت سے دلائل	۶۵۷	۵۳۷	بعض ایام میں روزہ رکھنے کی ممانعت	۶۷۲
۵۲۷	متعدد لوگوں کی جماعت سے ایک شخص کے		۵۳۸	روزہ کے اسرار اور رموز	۶۷۳
۵۲۸	قصاص پینے کا بیان	۶۵۷	۵۳۹	روزہ کے فساد و عدم فساد کے بعض ضروری مسائل	۶۷۴
۵۲۹	سلاطین اور حکام سے قصاص لینے کے متعلق		۵۴۰	انجیکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹنے کا بیان	۶۷۴
۵۳۰	احادیث اور آثار	۶۵۸	۵۴۱	مریض کے روزہ قضاء کرنے کے متعلق مذاہب	
	قصاص لینا حکومت کا منصب ہے	۶۶۰		ائمہ	۶۷۵

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
۶۹۱	اللہ سے دعا کرنے کے متعلق احادیث	۶۷۷	مسافر کے روزہ قضا کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ	۵۴۲
۶۹۲	ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق احادیث	۶۷۸	”الذین یطیعونہ“ کے معنی کی تحقیق میں	۵۴۳
۶۹۳	فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق احادیث	۶۸۰	احادیث اور آثار	۵۴۴
۶۹۶	اسلام کی آراء	۶۸۱	”الذین یطیعونہ“ کے معنی کی تحقیق میں	۵۴۵
۶۹۸	طلب جنت کی دعا کرنے کا قرآن اور سنت سے بیان	۶۸۲	مفسرین کی آراء	۵۴۶
۶۹۹	دعا قبول ہونے کی شرائط اور آداب	۶۸۳	بڑھاپے یا دائمی مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کے متعلق مذاہب ائمہ	۵۴۷
۷۰۱	دعا قبول نہ ہونے کی وجوہات	۶۸۴	شہر رمضان الذی النزل فیہ القرآن۔ (البقرہ: ۱۸۵)	۵۴۸
۷۰۳	روزہ کی رات میں سونے کے بعد کھانے پینے اور عمل زوجیت کی اجازت	۶۸۵	رمضان کے اسرار و رموز اور رمضان میں نزول قرآن کا بیان	۵۴۹
۷۰۳	سفید دھاگے اور کالے دھاگے کا بیان اور طلوع فجر کے بعد سحری کھانے کی ممانعت	۶۸۶	قطبین میں روزہ اور نماز کی تحقیق	۵۵۰
۷۰۳	اعتکاف کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کی اقسام	۶۸۷	سعودی عرب کے حساب سے روزہ رکھتا ہوا	۵۵۱
۷۰۳	اعتکاف کی شرائط	۶۸۸	پاکستان آیا تو عید کس حساب سے کرے گا؟	۵۵۲
۷۰۳	اعتکاف کے آداب	۶۸۹	پاکستان سے روزے رکھتا ہوا سعودی عرب گیا تو عید کس حساب سے کرے گا؟	۵۵۳
۷۰۵	اعتکاف کے مفادات	۶۹۰	سعودی عرب سے عید کے دن سوار ہو کر پاکستان آیا اور یہاں رمضان ہے	۵۵۴
۷۰۵	اعتکاف کے بعض ضروری مسائل	۶۹۱	روزہ کی رخصت کے لیے شرعی مسافت کا بیان	۵۵۵
۷۰۶	ولا تأکلوا أموالکم بینکم۔ (البقرہ: ۱۸۸)	۶۹۲	میت کی طرف سے روزہ نہ رکھنے میں مذاہب ائمہ	۵۵۶
۷۰۶	مال حرام کھانے کی حرمت	۶۹۳	حاملہ اور مرضہ کے لیے روزہ کی رخصت میں مذاہب ائمہ	۵۵۷
۷۰۶	مال حرام سے صدقہ کرنے کا شرعی حکم	۶۹۴	اسلام دین پیر ہے	۵۵۸
۷۰۷	رشوت کا معنی	۶۹۵	عید گاہ جاتے ہوئے تکبیرات پڑھنے میں مذاہب ائمہ	۵۵۹
۷۰۷	قرآن مجید کی روشنی میں رشوت کا حکم	۶۹۶	واذا سالت عبادی عنی فانی قریب۔ (البقرہ: ۱۸۶-۱۸۷)	۵۶۰
۷۰۸	احادیث اور آثار کی روشنی میں رشوت کا حکم	۶۹۷	شان نزول	۵۶۱
۷۰۸	رشوت کی اقسام	۶۹۸		
۷۰۹	قاضی اور دیگر سرکاری افسروں کے ہدیہ قبول کرنے کی تحقیق	۶۹۹		

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۸۱	جھوٹی گواہی سے حکم رد ہوتا ہے یا نہیں؟	۷۰۹	۷۰۰	احرام میں ممنوع کام	۷۲۴
۵۸۲	قضاء کے ظاہر اور باطن نافذ ہونے میں فقہاء احناف کا مؤقف	۷۱۰	۷۰۱	احرام میں جائز کام	۷۲۵
۵۸۳	جن صورتوں میں فقہاء احناف کے نزدیک قضاء ظاہر اور باطن نافذ ہو جاتی ہے	۷۱۰	۷۰۲	احرام میں مستحب کام	۷۲۵
۵۸۴	فقہاء احناف کے نزدیک قضاء کے ظاہر اور باطن ہونے کی شرائط	۷۱۱	۷۰۳	عمرہ کرنے کا طریقہ	۷۲۵
۵۸۵	قضاء باطنی کے نفاذ میں فقہاء احناف کے دلائل اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا تجزیہ	۷۱۲	۷۰۴	حج کرنے کا طریقہ	۷۲۶
۵۸۶	يسئلوك عن الاهلة. (البقرہ: ۱۸۹-۱۹۰)	۷۱۵	۷۰۵	مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نمازوں کا اجر و ثواب	۷۲۷
۵۸۷	اسلامی تقویم کا بیان	۷۱۶	۷۰۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا طریقہ	۷۲۸
۵۸۸	اپنی طرف سے عبادت کے طریقے مقرر کرنے کی مذمت	۷۱۶	۷۰۷	"احصار" (حج یا عمرہ کے سفر میں پیش آنے والی رکاوٹ) کی تعریف میں مذاہب ائمہ	۷۳۰
۵۸۹	اجازت جہاد کی پہلی آیت کا بیان	۷۱۷	۷۰۸	امام ابوحنیفہ کے موقف پر ائمہ لغت کی تصریحات	۷۳۱
۵۹۰	قتال اور جہاد میں بچوں، بوڑھوں اور عورتوں وغیرہ کو قتل کرنے کی ممانعت	۷۱۷	۷۰۹	امام ابوحنیفہ کے موقف پر احادیث سے استدلال	۷۳۱
۵۹۱	ہجرت سے پہلے قتال کی ممانعت	۷۱۸	۷۱۰	امام ابوحنیفہ کے موقف پر آثار صحابہ سے استدلال	۷۳۲
۵۹۲	واقتلوہم حیث نفعتوہم.	۷۱۸	۷۱۱	امام ابوحنیفہ کے موقف پر اقوال تابعین سے استدلال	۷۳۲
۵۹۳	خلاصہ آیات	۷۱۹	۷۱۲	امام ابوحنیفہ کے موقف کی ہمہ گیری اور معقولیت	۷۳۲
۵۹۳	حرم میں ابتداء قتل کرنے کی ممانعت کا مٹوٹ	۷۱۹	۷۱۳	مختصر کے لیے قربانی کی جگہ کے تعین میں امام ابوحنیفہ کا مسلک	۷۳۳
۵۹۵	الشہر الحرام بالشہر الحرام.	۷۲۰	۷۱۴	مختصر کے لیے قربانی کی جگہ کے تعین میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب	۷۳۳
۵۹۶	حرمت دالے لہیوں کا بیان	۷۲۱	۷۱۵	ضرورت کی وجہ سے مٹی میں پہنچنے سے پہلے سر منڈوانے کی رخصت	۷۳۴
۵۹۷	خود کو ہلاکت میں ڈالنے کی تفسیر	۷۲۲	۷۱۶	حج تمتع کا بیان	۷۳۵
۵۹۸	واتموا الحج والعمرة لله. (البقرہ: ۱۹۶)	۷۲۳	۷۱۷	الحج اشہر معلومات. (البقرہ: ۱۹۷-۱۹۸)	۷۳۶
۵۹۹	فرضیت حج کی تاریخ اور حج کی اقسام	۷۲۴	۷۱۸	حج کے مہینوں کے متعلق فقہاء امت کے نظریات	۷۳۷
			۷۱۹	فرضیت حج کے سبب میں ائمہ مذاہب کے اقوال	۷۳۷
			۷۲۰	ایام حج میں فحش باتیں، گناہ اور جھگڑا کرنے کی ممانعت	۷۳۷

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۷۲۱	حج کے لیے سفر خرچ تیار کرنے کا حکم	۷۳۸	۷۳۸	حج کے دوران روزی کمانے کا جواز	۷۳۸
۷۲۲	حج کے دوران روزی کمانے کا جواز	۷۳۸	۷۳۹	مشتر حرام کا بیان	۷۳۹
۷۲۳	نہلی برتری کے تقاضا کا جائز ہونا	۷۳۹	۷۳۹	نہلی برتری کے تقاضا کا جائز ہونا	۷۳۹
۷۲۴	نہلی برتری کے تقاضا کا جائز ہونا	۷۳۹	۷۳۹	نہلی برتری کے تقاضا کا جائز ہونا	۷۳۹
۷۲۵	لَا ذَا قُضِیْتُمْ مَنَاسِکُکُمْ فَادْکُرُوا اللّٰہَ	۷۳۹	۷۳۹	لَا ذَا قُضِیْتُمْ مَنَاسِکُکُمْ فَادْکُرُوا اللّٰہَ	۷۳۹
۷۲۶	دورخ سے پناہ اور جنت کی طلب کی دعا کرنا	۷۴۰	۷۴۰	دورخ سے پناہ اور جنت کی طلب کی دعا کرنا	۷۴۰
۷۲۷	انبیاء کرام اور صحابہ عظام کا طریقہ ہے	۷۴۱	۷۴۱	انبیاء کرام اور صحابہ عظام کا طریقہ ہے	۷۴۱
۷۲۸	اللہ کے جلد حساب لینے کی تفسیر	۷۴۲	۷۴۲	اللہ کے جلد حساب لینے کی تفسیر	۷۴۲
۷۲۹	تکبیرات تشریق میں مذاہب ائمہ	۷۴۳	۷۴۳	تکبیرات تشریق میں مذاہب ائمہ	۷۴۳
۷۳۰	ذکر ہالجہر میں امام ابو حنیفہ کا موقف	۷۴۴	۷۴۴	ذکر ہالجہر میں امام ابو حنیفہ کا موقف	۷۴۴
۷۳۱	قیام مٹی کی مدت کا بیان	۷۴۵	۷۴۵	قیام مٹی کی مدت کا بیان	۷۴۵
۷۳۲	حجاج کرام کے اجر و ثواب اور ان سے مصافحہ	۷۴۶	۷۴۶	حجاج کرام کے اجر و ثواب اور ان سے مصافحہ	۷۴۶
۷۳۳	کرنے کے متعلق احادیث و آثار	۷۴۷	۷۴۷	کرنے کے متعلق احادیث و آثار	۷۴۷
۷۳۴	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرنے اور	۷۴۸	۷۴۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرنے اور	۷۴۸
۷۳۵	شفاعت طلب کرنے کے متعلق احادیث اور	۷۴۹	۷۴۹	شفاعت طلب کرنے کے متعلق احادیث اور	۷۴۹
۷۳۶	آثار	۷۵۰	۷۵۰	آثار	۷۵۰
۷۳۷	ومن الناس من یعجبک قوله فی الحیوة	۷۵۱	۷۵۱	ومن الناس من یعجبک قوله فی الحیوة	۷۵۱
۷۳۸	الدنیا. (البقرہ: ۲۰۶-۲۰۷)	۷۵۲	۷۵۲	الدنیا. (البقرہ: ۲۰۶-۲۰۷)	۷۵۲
۷۳۹	دنیا اور آخرت کو پر باد کرنے والا	۷۵۳	۷۵۳	دنیا اور آخرت کو پر باد کرنے والا	۷۵۳
۷۴۰	"الد الخصام" (سخت جھگڑالو) کا بیان	۷۵۴	۷۵۴	"الد الخصام" (سخت جھگڑالو) کا بیان	۷۵۴
۷۴۱	ومن الناس من یشری لنفسہ ابتغاء	۷۵۵	۷۵۵	ومن الناس من یشری لنفسہ ابتغاء	۷۵۵
۷۴۲	مرضات اللہ. (البقرہ: ۲۱۰-۲۱۱)	۷۵۶	۷۵۶	مرضات اللہ. (البقرہ: ۲۱۰-۲۱۱)	۷۵۶
۷۴۳	رضاء الہی کی خاطر دنیا ترک کرنے والا	۷۵۷	۷۵۷	رضاء الہی کی خاطر دنیا ترک کرنے والا	۷۵۷
۷۴۴	دین اسلام کے ساتھ کسی اور دین کی رعایت یا	۷۵۸	۷۵۸	دین اسلام کے ساتھ کسی اور دین کی رعایت یا	۷۵۸
۷۴۵	موافقت کا ناجائز ہونا	۷۵۹	۷۵۹	موافقت کا ناجائز ہونا	۷۵۹
۷۴۶	"بینات" کی تفسیر	۷۶۰	۷۶۰	"بینات" کی تفسیر	۷۶۰
۷۴۷	بادلوں کے ساتھ عذاب کی تمثیل کا بیان	۷۶۱	۷۶۱	بادلوں کے ساتھ عذاب کی تمثیل کا بیان	۷۶۱
۷۴۸	صل بنی اسرائیل کم التینہم من ایۃ بینۃ.	۷۶۲	۷۶۲	صل بنی اسرائیل کم التینہم من ایۃ بینۃ.	۷۶۲
۷۴۹	(البقرہ: ۲۱۱-۲۱۲)	۷۶۳	۷۶۳	(البقرہ: ۲۱۱-۲۱۲)	۷۶۳
۷۵۰	یواسرائیل کا اللہ کی نعمتوں کو کفر سے تبدیل کرنا	۷۶۴	۷۶۴	یواسرائیل کا اللہ کی نعمتوں کو کفر سے تبدیل کرنا	۷۶۴
۷۵۱	اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کفر کے ساتھ تبدیل کرنے کا	۷۶۵	۷۶۵	اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کفر کے ساتھ تبدیل کرنے کا	۷۶۵
۷۵۲	سبب	۷۶۶	۷۶۶	سبب	۷۶۶
۷۵۳	کان الناس امة واحدة (البقرہ: ۲۱۳)	۷۶۷	۷۶۷	کان الناس امة واحدة (البقرہ: ۲۱۳)	۷۶۷
۷۵۴	تاریخ انسانیت	۷۶۸	۷۶۸	تاریخ انسانیت	۷۶۸
۷۵۵	ابتداء میں نوع انسان کے دین حق پر ہونے کے	۷۶۹	۷۶۹	ابتداء میں نوع انسان کے دین حق پر ہونے کے	۷۶۹
۷۵۶	دلائل	۷۷۰	۷۷۰	دلائل	۷۷۰
۷۵۷	تمام انسانوں کا دین صرف اسلام ہے	۷۷۱	۷۷۱	تمام انسانوں کا دین صرف اسلام ہے	۷۷۱
۷۵۸	ام حسبکم ان تدخلوا الجنة.	۷۷۲	۷۷۲	ام حسبکم ان تدخلوا الجنة.	۷۷۲
۷۵۹	(بقرہ: ۲۱۴-۲۱۵)	۷۷۳	۷۷۳	(بقرہ: ۲۱۴-۲۱۵)	۷۷۳
۷۶۰	راہ حق میں پیش آنے والے مصائب	۷۷۴	۷۷۴	راہ حق میں پیش آنے والے مصائب	۷۷۴
۷۶۱	راہ خدا میں مال خرچ کرنے کے مصارف	۷۷۵	۷۷۵	راہ خدا میں مال خرچ کرنے کے مصارف	۷۷۵
۷۶۲	جہاد کی تعریف اور اس کی اقسام	۷۷۶	۷۷۶	جہاد کی تعریف اور اس کی اقسام	۷۷۶
۷۶۳	جہاد کرنے میں عزت اور جہاد ترک کرنے میں	۷۷۷	۷۷۷	جہاد کرنے میں عزت اور جہاد ترک کرنے میں	۷۷۷
۷۶۴	ذلت کا بیان	۷۷۸	۷۷۸	ذلت کا بیان	۷۷۸
۷۶۵	جہاد کے درجات اور اجر و ثواب کے متعلق احادیث	۷۷۹	۷۷۹	جہاد کے درجات اور اجر و ثواب کے متعلق احادیث	۷۷۹
۷۶۶	یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فیہ.	۷۸۰	۷۸۰	یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فیہ.	۷۸۰
۷۶۷	(البقرہ: ۲۱۷-۲۱۸)	۷۸۱	۷۸۱	(البقرہ: ۲۱۷-۲۱۸)	۷۸۱
۷۶۸	ربط آیات اور شان نزول	۷۸۲	۷۸۲	ربط آیات اور شان نزول	۷۸۲
۷۶۹	حضری کے قتل کی تاریخ کی تحقیق	۷۸۳	۷۸۳	حضری کے قتل کی تاریخ کی تحقیق	۷۸۳
۷۷۰	حرمت والے مہینوں میں ممانعت قتال کے منسوخ	۷۸۴	۷۸۴	حرمت والے مہینوں میں ممانعت قتال کے منسوخ	۷۸۴
۷۷۱	ہونے کی تحقیق	۷۸۵	۷۸۵	ہونے کی تحقیق	۷۸۵
۷۷۲	مرتد کی تعریف اور اس کا شرعی حکم	۷۸۶	۷۸۶	مرتد کی تعریف اور اس کا شرعی حکم	۷۸۶
۷۷۳	قتل مرتد پر قرآن اور سنت سے دلائل	۷۸۷	۷۸۷	قتل مرتد پر قرآن اور سنت سے دلائل	۷۸۷
۷۷۴	مرتد کو قتل کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء اور	۷۸۸	۷۸۸	مرتد کو قتل کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء اور	۷۸۸
۷۷۵	فقہاء احناف کے دلائل	۷۸۹	۷۸۹	فقہاء احناف کے دلائل	۷۸۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۶۶۱	کیا مرتد کو قتل کرنا آزادی فکر کے خلاف ہے؟	۷۷۰	۶۸۰	ایام حیض کی تعیین میں مذاہب ائمہ	۷۸۶
۶۶۲	ارتداد سے نیک عمل ضائع ہونے کے متعلق		۶۸۱	حیض، نفاس اور استحاضہ میں مبتلا خواتین کے مسائل	۷۸۷
	مذاہب فقہاء	۷۷۰			
۶۶۳	دارالاسلام دارالکفر اور دارالحرب کی تعریفات	۷۷۲	۶۸۲	ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم۔	
۶۶۴	یستلوثک عن الخمر والمیسر			(البقرہ: ۲۲۱-۲۲۲)	۷۸۹
	(البقرہ: ۲۲۰-۲۱۹)	۷۷۳	۶۸۳	قسم کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور قسم کی شرائط اور ارکان	۷۹۰
۶۶۵	قرآن مجید سے خمر (شراب) کی تحریم کا بیان	۷۷۳			
۶۶۶	احادیث سے خمر (شراب) کی تحریم کا بیان	۷۷۵	۶۸۴	غیر اللہ کی قسم اور مستقبل اور ماضی میں طلاق اور عتاق کی قسم کھانے کی تحقیق	۷۹۱
۶۶۷	خمر کی تعریف میں ائمہ مذاہب کا نظریہ اور امام ابو حنیفہ کے موقف پر دلائل		۶۸۵	بیمین غموس (جھوٹی قسم)	۷۹۳
۶۶۸	جوعے کی تعریف اور اس کے حرام ہونے کا بیان	۷۷۷	۶۸۶	بیمین لغو (بلا قصد قسم)	۷۹۳
۶۶۹	لاٹری اور انعامی بانڈز وغیرہ کا شرعی حکم	۷۷۸	۶۸۷	بیمین منعقدہ (بالقصد قسم)	۷۹۴
۶۷۰	”عفو“ (زائد از ضرورت) کے معانی اور محامل	۷۷۸	۶۸۸	احکام شریعہ کے اعتبار سے قسم کی اقسام	۷۹۴
۶۷۱	”عفو“ کے لفظ سے سوشلزم کے جواز پر استدلال اور اس کا جواب	۷۷۹	۶۸۹	ایلاء کا معنی اور ایلاء کے بعد وقوع طلاق میں فقہاء احناف کا موقف	۷۹۵
۶۷۲	زیر کفالت یتیم کے ساتھ طرز معاشرت	۷۸۰	۶۹۰	ایلاء کے بعد وقوع طلاق میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب اور دلائل اور فقہاء احناف کی طرف سے جوابات	۷۹۶
۶۷۳	ولا تنکحوا المشرکت حتی یؤمن۔		۶۹۱	والمطلقات يتربصن بانفسهن للکفر وقروء۔ (البقرہ: ۲۲۸)	۷۹۷
	(البقرہ: ۲۲۱)	۷۸۱			
۶۷۴	مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کے ساتھ مسلمانوں کے نکاح کا عدم جواز	۷۸۲	۶۹۲	مطلقہ عورتوں کی عدت مقرر کرنے کا شان نزول	۷۹۸
۶۷۵	مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کے باوجود اہل کتاب سے نکاح کے جواز کی توجیہ	۷۸۳	۶۹۳	مطلقہ عورتوں کی اقسام اور ان کی عدتوں کا بیان	۷۹۸
۶۷۶	ویمسثلونک عن الھیض		۶۹۴	عدت کا لغوی اور شرعی معنی اور عدت کے احکام	۷۹۸
			۶۹۵	عدت مقرر کرنے کی حکمتیں	۷۹۹
	(البقرہ: ۲۲۲-۲۲۳)	۷۸۴	۶۹۶	قرء کے معانی کے متعلق ائمہ لغت کی تصریحات	۸۰۰
۶۷۷	حیض کا حکم بیان کرنے کا شان نزول	۷۸۵	۶۹۷	قرء بہ معنی حیض کی تائید میں احادیث اور فقہاء احناف کے دلائل	۸۰۰
۶۷۸	عائشہ سے مباشرت کرنے کی دینی اور دنیاوی خرابی		۶۹۸	قرء کے معنی کی تعیین میں دیگر ائمہ مذاہب کی آراء	۸۰۲
۶۷۹	حیض کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۷۸۶	۶۹۹	اسلام میں عورتوں کے مردوں پر حقوق	۸۰۳

صفحہ	عنوان	نمبر	صفحہ	عنوان	نمبر
۸۳۷	صحیحین کی ایک اور حدیث سے استدلال پر	۸۳۲	۸۳۲	استراض کا جواب	۸۳۲
۸۳۸	سید بن غفلہ کی روایت کی تحقیق	۸۳۳	۸۳۳	غیر مذکورہ کے مہر اور متاع کی ادائیگی کا بیان	۸۳۳
۸۳۹	سنن نسائی کی روایت سے استدلال پر اعتراض کا جواب	۸۳۵	۸۳۵	مطلقہ کی متاع کی مقدار میں ائمہ مذاہب کی آراء	۸۳۵
۸۴۰	بیک وقت دی گئی تین طلاقیں کے واقع ہونے میں آثار صحابہ اور اقوال تابعین	۸۳۶	۸۳۶	مطلقہ کی متاع کے شرعی حکم کے متعلق ائمہ مذاہب کی آراء	۸۳۶
۸۴۱	حرف آخرت	۸۳۷	۸۳۷	متاع کے وجوب پر فقہاء احناف کے دلائل	۸۳۷
۸۴۲	واذا طلقتم النساء فہن اجلھن۔	۸۳۸	۸۳۸	متاع کے وجوب کے خلاف فقہاء مالکیہ کے دلائل کے جوابات	۸۳۸
۸۴۳	(البقرہ: ۲۳۳-۲۳۱)	۸۳۹	۸۳۹	نکاح کی گزہ کا مالک شوہر ہے یا عورت کا دلی؟	۸۳۹
۸۴۴	جس عورت کو خاوند خرچ نہ دے اس کی گلو خلاصی میں آراء ائمہ	۸۴۰	۸۴۰	شوہر کے حق میں عقد نکاح کی ملکیت پر جمہور کے دلائل	۸۴۰
۸۴۵	خرچ سے محروم عورت کی گلو خلاصی پر جمہور فقہاء کے دلائل	۸۴۱	۸۴۱	شوہر کے حق میں عقد نکاح کی ملکیت کے متعلق احادیث	۸۴۱
۸۴۶	مذاق میں دی ہوئی طلاق کا نافذ ہونا	۸۴۲	۸۴۲	حافظوا علی الصلوات والصلوة الوسطی۔ (البقرہ: ۲۳۸-۲۳۷)	۸۴۲
۸۴۷	بغیر ولی کے عورت کے کیے ہوئے نکاح کے متعلق مذاہب ائمہ	۸۴۳	۸۴۳	حفاظت نماز کی تاکیدات اور نماز میں سستی اور اس کو ترک کرنے پر وعیدات	۸۴۳
۸۴۸	بغیر ولی کے عورت کے کیے ہوئے نکاح کے جواز کے متعلق احادیث اور آثار	۸۴۴	۸۴۴	صلوۃ وسطی کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء	۸۴۴
۸۴۹	والوالدات یرضعن اولادھن۔ (البقرہ: ۲۳۳)	۸۴۵	۸۴۵	فجر کی نماز کے صلوۃ وسطی ہونے کے متعلق احادیث	۸۴۵
۸۵۰	دودھ پلانے کے شرعی احکام	۸۴۶	۸۴۶	ظہر کی نماز کے صلوۃ وسطی ہونے کے متعلق احادیث	۸۴۶
۸۵۱	دودھ پلانے کی مدت میں ائمہ مذاہب کی آراء	۸۴۷	۸۴۷	عصر کی نماز کے صلوۃ وسطی ہونے کے متعلق احادیث	۸۴۷
۸۵۲	والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجہا۔	۸۴۸	۸۴۸	ہاتھ نہ کرنے اور خضوع اور خشوع سے نماز پڑھنے کا حکم	۸۴۸
۸۵۳	(البقرہ: ۲۳۵-۲۳۴)	۸۴۹	۸۴۹	چلتی ٹرین اور طیارہ وغیرہ میں نماز پڑھنے کا بیان	۸۴۹
۸۵۴	عدت وقات کا بیان اور عدت کی تعریف	۸۵۰	۸۵۰	حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق ائمہ کی آراء	۸۵۰
۸۵۵	عدت کے مسائل اور شرعی احکام	۸۵۱	۸۵۱		
۸۵۶	گناہ کے ارتکاب پر مواخذہ ہونے اور گناہ کے ارادہ پر مواخذہ نہ ہونے کی تحقیق	۸۵۲	۸۵۲		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
۸۷۳	اللہ کو قرض حسن دینے کا بیان	۸۶۳	حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق احادیث	۷۷۳
۸۷۵	قبض اور مضطرب کا معنی	۸۶۵	حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء	۷۷۴
۸۷۵	اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینے کے متعلق احادیث	۸۶۵	شافعیہ کا مذہب	۷۷۵
۸۷۶	الم تر الى الملا من بنی اسرائیل۔	۸۶۵	حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء مالکیہ	۷۷۶
۸۷۶	(البقرہ: ۲۴۷-۲۴۶)	۸۶۵	کافہ مذہب	۷۷۷
۸۷۶	نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو بنو اسرائیل کی	۸۶۵	حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء	۷۷۸
۸۷۶	ایک جماعت کے جہاد کی طرف متوجہ کرنے کے	۸۶۵	حنبلیہ کا مذہب	۷۷۹
۸۷۶	اسرار	۸۶۵	حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء	۷۸۰
۸۷۶	بنو اسرائیل کی اس جماعت کے نبی آیا شمویل تھے	۸۶۵	احناف کا مذہب	۷۸۱
۸۷۶	یا شمعون؟	۸۶۵	حفاظت نماز اور عدت وقات میں مناسبت کا	۷۸۲
۸۷۶	یہود کو سرزنش	۸۶۵	بیان	۷۸۳
۸۷۶	طالوت کا بیان	۸۶۵	ایک سال تک عدت وقات کے منسوخ ہونے کا	۷۸۴
۸۷۶	وقال لهم نبیهم ان ایتہ ملکہ۔ (البقرہ: ۲۴۸)	۸۶۵	بیان	۷۸۵
۸۷۶	بنو اسرائیل کے تابوت کی تحقیق	۸۶۵	عدت وقات کے شرعی حکم میں اختلاف فقہاء	۷۸۶
۸۷۶	سکینہ کے معنی اور اس کے مصداق کی تحقیق	۸۶۵	حدیث سے عدت وقات کا بیان	۷۸۷
۸۷۶	آل موسیٰ اور آل ہارون کے باقی ماندہ تہکات کا	۸۶۵	عدت وقات کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ	۷۸۸
۸۷۶	بیان	۸۶۵	عدت وقات کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ	۷۸۹
۸۷۶	دیگر انبیاء علیہم السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ	۸۶۵	عدت وقات کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ	۷۹۰
۸۷۶	وسلم کے تہکات سے استفادہ اور حصول شفاء	۸۶۵	عدت وقات کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ	۷۹۱
۸۷۶	فلما فصل طالوت بالجنود۔	۸۶۵	مطلقہ عورتوں کے مہر کی ادائیگی کا وجوب	۷۹۲
۸۷۶	(البقرہ: ۲۴۹-۲۵۰)	۸۶۵	الم تر الى الذین خرجوا من دیارہم۔	۷۹۳
۸۷۶	طالوت کی فتح اور جالوت کی شکست کا بیان	۸۶۵	(البقرہ: ۲۴۳-۲۴۵)	۷۹۴
۸۷۶	نیکوکاروں کی برکت سے گنہگاروں سے عذاب کا	۸۶۵	طاعون سے ڈر کر بھاگنے والوں کا مرنا اور دوبارہ	۷۹۵
۸۷۶	دور ہونا	۸۶۵	زعمہ ہونا	۷۹۶
۸۷۶	سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دلیل اور	۸۶۵	وقت سے پہلے موت آنے اور تیسری موت کے	۷۹۷
۸۷۶	آپ کو تسلی دینے کا بیان	۸۶۵	اشکال کا جواب	۷۹۸
۸۷۶	تلك الرسل فضلنا بعضهم علی بعض۔	۸۶۵	”الم تر“ (کیا آپ نے نہیں دیکھا) کی تحقیق	۷۹۹
۸۷۶	(البقرہ: ۲۵۳)	۸۶۵	جہاد کی تحریک	۸۰۰

صفحہ	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	نمبر شمار
۹۱۴	باعث تحقیق کائنات ہونے کی وجہ سے آپ کا فضل ارسل ہونا	۸۹۴	۸۲۵	رسولوں کی باہمی فضیلت	۸۱۰
۹۱۵	قائد المرسلین ہونے اور بعض دیگر فضائل کی وجہ سے آپ کا فضل ارسل ہونا	۸۹۵	۸۲۶	بعض کفار عرب کے اسلام نہ لانے پر آپ کو تسلی دینا	۸۱۱
۹۱۶	خالق اور خلق کے محبوب ہونے کی وجہ سے آپ کا فضل ارسل ہونا	۸۹۶	۸۲۷	”رحمة للعالمین“ ہونے کی وجہ سے آپ کا فضل ارسل ہونا	۸۱۲
۹۱۸	خلیل اور حبیب میں فرق کا بیان	۸۹۶	۸۲۸	تمام نبیوں اور رسولوں کے نبی ہونے کی وجہ سے آپ کا فضل ارسل ہونا	۸۱۳
۹۱۹	کلیم اور حبیب میں فرق کا بیان	۸۹۶	۸۲۹	تمام انبیاء کے اوصاف اور کمالات کے جامع ہونے کی وجہ سے آپ کا فضل ارسل ہونا	۸۱۴
۹۲۱	انبیاء سابقین علیہم السلام کے معجزات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی افضلیت	۸۹۸	۸۳۰	رسالت کے عموم کی وجہ سے آپ کا فضل ارسل ہونا	۸۱۵
۹۲۳	سب سے پہلے قبر سے اٹھنے والی حدیث کا حضرت موسیٰ کے پہلے اٹھنے والی حدیث سے تعارض کا جواب	۹۰۰	۸۳۱	خاتم الانبیاء ہونے کی وجہ سے آپ کا فضل ارسل ہونا	۸۱۶
۹۲۳	جس حدیث میں آپ نے دوسرے انبیاء پر فضیلت دینے سے منع کیا ہے اس کے جوابات	۹۰۲	۸۳۲	کثرت معجزات کی وجہ سے آپ کا فضل ارسل ہونا	۸۱۷
۹۲۴	یا ایہا الذین امنوا اتقوا معاصرناکم۔ (البقرہ: ۲۵۴)	۹۰۳	۸۳۳	آپ کے دین کے ناخ الا دیان ہونے کی وجہ سے آپ کا فضل ارسل ہونا	۸۱۸
۹۲۴	راہ خدا میں مال خرچ کرنے کی تاکید	۹۰۳	۸۳۴	امت کی کثرت اور افضلیت کی وجہ سے آپ کا فضل ارسل ہونا	۸۱۹
۹۲۴	آخرت میں دوستی اور سفارش سے مسلمانوں کے انتفاع کا بیان	۹۰۵	۸۳۵	مقام محمود پر فائز ہونے کی وجہ سے آپ کا فضل ارسل ہونا	۸۲۰
۹۲۵	اللہ لا اله الا هو الحي القيوم۔ (البقرہ: ۲۵۵-۲۵۶)	۹۰۶	۸۳۶	اللہ کی رضا جوئی کی وجہ سے آپ کا فضل ارسل ہونا	۸۲۱
۹۲۶	آیہ الکرسی کے مفردات اور جملوں کی تشریح	۹۰۷	۸۳۷	آپ کے ذکر کی رفعت کی وجہ سے آپ کا فضل ارسل ہونا	۸۲۲
۹۲۸	آیہ الکرسی کے فضائل	۹۰۸	۸۳۸	دنیا میں اعلان مغفرت ہونے کی وجہ سے آپ کا فضل ارسل ہونا	۸۲۳
۹۲۹	کرسی پر بیٹھنے کی تحقیق	۹۰۹	۸۳۹	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت کی نسبت کے محال	۸۲۴
۹۲۹	کرسی کا لغوی معنی	۹۱۲	۸۴۰		
۹۳۰	قرآن مجید احادیث اور آثار سے کرسی پر بیٹھنے اور چار زانو بیٹھنے کا جواز				

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۸۴۲	دین میں جبر نہ ہونے کی تحقیق	۹۳۱	۸۶۱	انفاق فی سبیل اللہ کے مصارف	۹۴۷
۸۴۳	مشرعیت جہاد پر نفی جبر کی وجہ سے اعتراض اور		۸۶۲	دس گئے سات سو گئے اور بے حساب اجر دینے کی	
	معاصر مفسرین کے جوابات	۹۳۳		وجوہات	۹۴۸
۸۴۴	جوابات مذکورہ پر بحث و نظر	۹۳۳	۸۶۳	صدقات و خیرات کے آداب و شرائط	۹۴۹
۸۴۵	مصنف کی طرف سے مشروعیت جہاد پر اعتراض کا		۸۶۴	صدقات کے مصارف اجر و ثواب اور آداب و	
	جواب	۹۳۵		شرائط کے متعلق احادیث	۹۴۹
۸۴۶	اللہ ولی الدین امنوا یخرجہم من		۸۶۵	جہاد اور اللہ کی رضا جوئی میں خرچ کرنے کی	
	الظلمت الی النور۔ (البقرہ: ۲۵۷)	۹۳۷		مثالوں کا فرق	۹۵۰
۸۴۷	مومنوں کو ظلمات سے نکالنے کے محال	۹۳۷	۸۶۶	ریا کار منافق اور مخلص مومن کے راہ خدا میں خرچ	
۸۴۸	کفار کو نور سے نکالنے کے محال	۹۳۸		کرنے کی مثالوں کا فرق	۹۵۱
۸۴۹	طاغوت کا معنی	۹۳۸	۸۶۷	اللہ کی رضا جوئی اور اسلام پر ثابت قدمی کے لیے	
۸۵۰	الم تو الی الذی حاج ابراہیم فی ربه۔			خرچ کرنے کی صورتیں	۹۵۱
	(البقرہ: ۲۵۸-۲۵۹)	۹۳۸	۸۶۸	سخت حاجت کے وقت باغ کے پھل جانے کی	
۸۵۱	مومن کے نور اور کافر کی ظلمت کی مثالیں	۹۳۹		مثال کی دو تقریریں	۹۵۳
۸۵۲	حضرت ابراہیم علیہ السلام اور عمرو کے مباحثہ کا		۸۶۹	یا ایہا الذین امنوا اتقوا من طیبت ما	
	پس منظر اور پیش منظر	۹۳۹		کسبتم (البقرہ: ۲۷۳-۲۷۷)	۹۵۳
۸۵۳	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل کا خلاصہ	۹۴۱	۸۷۰	صدقہ میں دیئے جانے والے مال کی صفات کا	
۸۵۴	مناظرہ اور مباحثہ کے احکام اور آداب	۹۴۱		بیان	۹۵۶
۸۵۵	تباہ شدہ بستی اور اس کے پاس سے گزرنے والے		۸۷۱	حلال کمائی کی مدح اور برہنہ ضرورت اولاد کے	
	شخص کی تحقیق	۹۴۲		مال سے کھانے کا جواز	۹۵۷
۸۵۶	حضرت عزیر کو حیات بعد الموت کا مشاہدہ کرانا	۹۴۳	۸۷۲	حرام مال سے صدقہ کرنے کا وبال	۹۵۷
۸۵۷	واذ قال ابراہیم رب انی کیف تحیی		۸۷۳	عشر کا بیان	۹۵۸
	الموتی۔ (البقرہ: ۲۶۰)	۹۴۴	۸۷۴	عشر کے نصاب میں فقہاء کے نظریات	۹۵۸
۸۵۸	حضرت ابراہیم کو حیات بعد الموت کا مشاہدہ کرانا	۹۴۴	۸۷۵	عشر کے نصاب میں ائمہ ثلاثہ کا نظریہ	۹۵۹
۸۵۹	مثل الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ۔		۸۷۶	عشر کے نصاب میں امام ابو حنیفہ کا نظریہ	۹۵۹
	(البقرہ: ۲۶۶-۲۶۷)	۹۴۵	۸۷۷	عشری اور خراجی اراضی کی تعریفیں	۹۶۱
۸۶۰	حیات بعد الموت کے ذکر کے بعد صدقہ و خیرات		۸۷۸	خراج کی مقدار کا بیان	۹۶۲
	کے ذکر کی مناسبت	۹۴۷	۸۷۹	ارضی پاکستان کے عشری ہونے کا بیان	۹۶۲

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۹۸۰	دارالحرب کے سود میں فقہاء احناف کا نظریہ	۹۰۳	۹۶۳	بخل کو بے حیائی کے ساتھ تعبیر کرنے کی توجیہ	۸۸۰
۹۸۱	دارالحرب میں جواز ربا والی حدیث کی فنی حیثیت	۹۰۴		حکمت کے مصداق میں صحابہ اور فقہاء تابعین	۸۸۱
	دارالحرب میں ربا کے متعلق فقہاء احناف کے	۹۰۵	۹۶۴	اقتوال	
۹۸۵	اہل کا تجزیہ		۹۶۴	حکمت کی تعریف اور اس کی اقسام	۸۸۲
۹۸۵	مکحول کی روایت کا محمل	۹۰۶	۹۶۴	حکمت کے متعلق احادیث	۸۸۳
	دارالحرب کے سود کے بارے میں امام ابو حنیفہ	۹۰۷	۹۶۵	نذر کا لغوی اور شرعی معنی اور نذر کی اقسام	۸۸۴
۹۸۶	کے قول کی وضاحت		۹۶۶	نذر صحیح اور نذر باطل کا بیان	۸۸۵
	کیا سود اور دیگر حقوق فاسدہ کے ذریعہ حربی کافروں	۹۰۸	۹۶۹	اہل الذمہ کو نفلی صدقات دینے کا جواز	۸۸۶
۹۸۷	کا پیسہ فوراً جائز ہے			گداگری کی مذمت اور سوال نہ کرنے کی فضیلت	۸۸۷
۹۸۹	حضرت ابو بکر کے قمار کی وضاحت	۹۰۹	۹۷۱	میں احادیث	
۹۹۰	دارالحرب دارالسفر اور دارالاسلام کی تعریفات	۹۱۰	۹۷۲	سوال کرنے کی حد جواز	۸۸۸
	قیامت میں سود خور کے مجبوط الحواس ہو کر اٹھنے	۹۱۱	۹۷۲	مسجد میں سائل کو دینے کی تحقیق	۸۸۹
۹۹۱	سے جن چڑھنے پر استدلال اور اس کا جواب			خفیہ اور علانیہ صدقہ کی آیات کے شان نزول میں	۸۹۰
۹۹۲	ربا اور بیع کافرق	۹۱۲	۹۷۳	متعدد اقوال	
۹۹۳	ربا کو بیعہ ربح حرام کرنے کا بیان	۹۱۳		الذین یا کلون الربوا یا یقومون الا کما	۸۹۱
۹۹۴	ربا کو حرام قرار دینے کی حکمتیں	۹۱۴	۹۷۴	یقوم. (البقرہ: ۲۸۱-۲۷۵)	
۹۹۴	سود خور کے لیے دایمہ دوزخ کی وعید کی توجیہ	۹۱۵	۹۷۵	صدقہ کے بعد سود کی آیات ذکر کرنے کی مناسبت	۸۹۲
۹۹۵	سود کا کم ہونا اور صدقہ کا بڑھنا	۹۱۶	۹۷۶	ربا کا لغوی معنی	۸۹۳
	سودی کاروبار ترک نہ کرنے والے کے خلاف	۹۱۷	۹۷۶	ربا کا اصطلاحی معنی	۸۹۴
۹۹۵	جنگ کرنے کا حکم			ربا الفضل کی تعریف اور اس کی علت کے متعلق	۸۹۵
۹۹۶	سود پر وعید کے متعلق احادیث	۹۱۸	۹۷۷	مذہب ائمہ	
	مقروض کو مہلت دینے اور اس سے قرض وصول	۹۱۹	۹۷۸	ربا الفضل میں ائمہ کی بیان کردہ علت کا ایک جائزہ	۸۹۶
۹۹۷	کرنے کا طریقہ		۹۸۰	ربا الفضل کی حرمت کا سبب	۸۹۷
	مقروض کو مہلت دینے اور قرض معاف کرنے	۹۲۰	۹۸۱	نفع اور سود میں فرق	۸۹۸
۹۹۸	کے اجر و ثواب کے متعلق احادیث		۹۸۱	بینک کے سود کے مجوزین کے دلائل	۸۹۹
۹۹۹	قرآن مجید میں نازل ہونے والی آخری آیت	۹۲۱	۹۸۲	مجوزین سود کے دلائل کے جوابات	۹۰۰
	یا ایہا الذین امنوا اذا تداینتم بدين۔	۹۲۲	۹۸۳	افراط زر کی صورت میں اصل زر کو بحال رکھنے کا حل	۹۰۱
۱۰۰۰	(البقرہ: ۲۸۳-۲۸۲)		۹۸۴	دارالحرب سے سود میں جمہور فقہاء کا نظریہ	۹۰۲

صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان
	۹۶۳	سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی تفہیم	۱۰۳۰		
	۹۶۴	کلمات شکر	۱۰۳۱		
	۹۶۵	ماخذ و مراجع	۱۰۳۳		

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين الذي استغنى في حمده عن المحامدين وانزل القرآن نبينا لكل شيء عند العارفين والصلوة والسلام على سيدنا محمد الذي استغنى بصلوة الله عن صلوة المصلين واختص بارضاء رب العالمين الذي بلغ اليانما انزل عليه من القرآن وبين لنا ما نزل عليه بتبيان وكان خلقه القرآن وتحدى بالفرقان وعجز عن معارضته الانس والجان وهو خليل الله حبيب الرحمن لواء فوق كل لواء يوم الدين قائد الانبياء والمرسلين امام الاولين والآخرين شفيع الصالحين والمذنبين واختص بتنصيب المغفرة له في كتاب مبين وعلى اله الطيبين الطاهرين وعلى اصحابه الكاملين الراشدين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلى سائر اولياء امته وعلماء ملته اجمعين اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله اعوذ بالله من شرور نفسي ومن سيئات اعمالى من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي له اللهم ارني الحق حقا وارزقني اتباعه اللهم ارني الباطل باطلا وارزقني اجتنابه اللهم اجعلنى في تبيان القرآن على صراط مستقيم وثبتنى فيه على منهج قويم واعصمنى عن الخطأ والزلل في تحريره واحفظنى من شر الحاسدين وزيع المعاندين في تقريره اللهم الق في قلبى اسرار القرآن وشرح صدرى لمعانى الفرقان ومتعنى بقبوض القرآن ونورنى بانوار الفرقان واسعدنى لتبيان القرآن رب زدنى علمارادخلنى مدخل صدق واخرجنى مخرج صدق واجعل لى من لدنك سلطانا نصيرا اللهم اجعله خالصا لوجهك ومقبولا عندك وعند رسولك واجعله شائعا ومستفيضا ومفيضا ومرغوبا في اطراف العالمين الى يوم الدين واجعله لى ذريعة للمغفرة ووسيلة للنجاة وصدقة جارية الى يوم القيامة وارزقنى زيارة النبى صلى الله عليه وسلم في الدنيا وشفاعته في الآخرة واحيى على الاسلام بالسلامة وامتنى على الايمان بالكرامة اللهم انت ربى لا اله الا انت خلقتنى وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك على وابوء لك بذنبي فاغفر لى فانه لا يغفر الذنوب الا انت آمين يا رب العالمين.

اللہ ہی کے نام سے (تروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O

تمام نعرے اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی ترغیب سے مستثنیٰ ہیں۔ قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ و سلام کا پیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا پہلیں کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں قیامت کے دن ان کا جہنم اہر جہنم سے بلند ہوگا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیلکاروں اور گناہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ دل ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المؤمنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ و سلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بد اعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے ”تبیان القرآن“ کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا انقباض کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے مجھے قرآن مجید سے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے ”تبیان القرآن“ کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لے اور مجھے اپنی طرف سے وہ غائب عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کر دے اور اس کو اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول کر دے اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور مقبول محبوب اور اثر آفرین بنا دے اس کو میری مغفرت کا ذریعہ میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور ایمان پر عزت کی موت عطا فرما اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بد اعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گنہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

بسم الله الرحمن الرحيم
نحمده و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

حدیث دل

اللہ تعالیٰ کا بہت کرم اور بے حد احسان ہے کہ "شرح صحیح مسلم" کی تکمیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے "تبین القرآن" لکھنے کی سعادت عطا فرمائی اور کلام رسول کی تشریح کے بعد کلام اللہ کی تفسیر کی توفیق عطا فرمائی۔ ہمارے علم، متقدمین نے تفسیر کے موضوع پر اس قدر زیادہ اور عظیم کام کیا ہوا ہے کہ اس پر کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں ہو سکتا البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ علماء اسلام کی زیادہ تر کاشمیں عربی زبان میں ہیں جن تک عام اردو دان طبقہ کی رسائی نہیں ہے تو اس بات کی بے شک ضرورت تھی کہ علوم اور معارف کے ان جواہر پاروں کو سہل اور عام فہم انداز میں جدید اسلوب نگارش کے مطابق اردو زبان میں منتقل کر دیا جائے۔ اسی طرح قرآن مجید کے تراجم کا حال ہے ہمارے بزرگ علماء نے اپنے اپنے زمانہ میں اس دور کی زبان کے مطابق قرآن مجید کے مفہیم کو اردو زبان میں منتقل کیا اور ان کی یہ مساعی بہت قابل قدر بلکہ اتنی رشک ہیں لیکن زبان کا اسلوب اور مزاج وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے اس وجہ سے میں محسوس کرتا تھا کہ اس دور کے اردو پڑھنے والوں کے مزاج اور ان کے اسلوب کے مطابق قرآن مجید کا ترجمہ کرنا چاہیے تاکہ پڑھنے والوں کے لیے وہ ترجمہ اجنبی اور نامانوس نہ ہو۔

میں نے قرآن مجید کا ترجمہ تحت اللفظ نہیں کیا اور نہ ہی ایسا کیا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ سے بالکل الگ اور عربی متن کی رعایت کیے بغیر قرآن مجید کے مفہوم کی ترجمانی کی جائے۔ میں نے اپنے آپ کو قرآن مجید کے الفاظ اور عبارت کا پابند رکھا ہے لیکن لفظی ترجمہ نہیں کیا۔ تفسیر میں میں نے اسلام کے مسلمہ عقائد کو دلائل سے مزین کیا ہے اور قرآن مجید کی جن آیات میں احکام اور مسائل کا ذکر ہے وہاں میں نے تمام فقہی مذاہب کا دلائل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ہمارے متقدمین مفسرین نے قرآن کریم کی تفسیر میں جو نکات بیان کیے ہیں ان میں سے میں نے استفادہ کیا ہے لیکن جو بہت بعید نکات ہیں یا دور از کار تاویلات ہیں ان کو ترک کر دیا ہے۔ میں نے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر میں زیادہ سے زیادہ احادیث اور آثار کو پیش کروں عام طور پر مفسرین صرف حدیث کا ذکر کرتے ہیں اس کی تخریج نہیں کرتے۔ میں نے کافی محنت اور چاہنشتانی کر کے "تبین القرآن" میں درج ہر حدیث کی تخریج کی ہے اور اس کا مکمل حوالہ بیان کیا ہے البتہ حافظ منذری، حافظ ابوشامہ، حافظ سیوطی چونکہ علم حدیث میں بہت ثقہ ہیں اس لیے ان کی تصانیف میں درج مسلم ائمہ حدیث کی روایات کو ان کے حوالوں کے ساتھ ذکر کر دیا ہے اور کہیں کہیں اصل ماخذ کے حوالوں کی بھی نشاندہی کر دی ہے۔ ہمارے بعض مصنفین ایسا کرتے ہیں مثلاً حافظ سیوطی نے ایک حدیث کو دس ائمہ حدیث کے حوالوں سے ذکر کیا ہے اب وہ حافظ سیوطی کا ذکر کیے بغیر اس حدیث کو ان حوالوں کے ساتھ ذکر کر دیتے ہیں اور یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ گویا اس حدیث کو انہوں نے ان دس حدیث کی کتابوں سے تلاش کیا ہے۔ اسی طرح علامہ شامی نے اگر کسی مسئلہ کو دس فقہاء کے حوالوں سے ذکر کیا ہے تو وہ علامہ شامی کا ذکر کیے بغیر اس مسئلہ کو ان دس فقہاء کے حوالوں سے ذکر کر دیتے ہیں اور پڑھنے والے پر یہ تاثر قائم کرتے ہیں کہ گویا انہوں نے اس مسئلہ کو ان دس فقہاء کے

حوالوں سے تلاش کیا ہے سرے نزدیک یہ ٹیپس سخت مذموم ہے۔ مگر حفظ مندری یا حفاظت کی یا حادثہ بیوٹی نے اس حدیث کو دس ائمہ حدیث کے حوالوں سے ذکر کیا ہے تو میں نے اس طرح لکھ ہے کہ حفاظ مندری یا حفاظ بیوٹی نے اس حدیث کو ان دس ائمہ حدیث کے حوالوں سے ذکر کیا ہے اور اس کا مکمل حوالہ دیا ہے اور کسی کی محنت اور جانفشانی کو اپنی طرف منسوب کرنے کی مذموم ٹیپس نہیں کی اسی طرح فقہاء کے حوالہ جاب کا معاملہ ہے۔

نئے اور تازہ مسائل میں غور و فکر اور اجتہاد کی کافی وسعت اور گنجائش ہے اور ظاہر ہے اس میں علماء کی آراء مختلف ہوتی ہیں اور جو عالم بھی کسی تازہ اور نئے مسئلہ میں غور و فکر سے اجتہاد کرتا ہے وہ پوری دیانتداری اور خدا حوالی سے اس کے علم و ادل سے ترغیب سے، خذ کرتا ہے اگر کسی عالم کو اس سے اختلاف ہو تو اس کو ادل کے ساتھ اپنا نظریہ تو بیان کرنا چاہیے لیکن فریق مختلف پر یکجہ نہیں اچھالنی چاہیے اور طعن و تشنیع سے کام نہیں لینا چاہیے بدقسمتی سے ہمارے ہاں لوگوں کا یہ مزاج نہیں ہے اور لوگوں ہ جس شخص سے کسی علمی مسئلہ میں اختلاف ہو وہ اس کو جابل خاص اور اس نوع کے دیگر القابات سے نوازتے ہیں بلکہ اس کو دین اور ملت سے خارج کرنے سے بھی نہیں چوکتے ان تازہ مسائل میں سے بعض مسائل میں ہمارا دوسرا سما سے اختلاف ہے لیکن ہم نے اپنا موقف دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ان علماء کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں لکھا اور ان کے اعزاز و اکرام اور احترام کو پوری طرح قائم رکھا ہے مثلاً ہمارے نزدیک اگر نماز کے پورے وقت میں ٹرین نہر کے تو چلتی ٹرین میں نماز پڑھنا فرض ہے اور اس کا اعادہ واجب نہیں ہے تاہم جو علماء اس عمل کو ناجائز کہتے ہیں ہم نے ان کو مطمئن نہیں کیا اسی طرح ہمارے نزدیک ایلو پیتھک دواؤں سے علاج کرنا اور ضرورت کے وقت خون کو منتقل کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے اور اعضا کی پیوند کاری جائز نہیں ہے ہم نے اس سلسلہ میں ان کے دلائل پر بحث کی ہے لیکن طعن اور تشنیع سے اجتناب کیا ہے۔ علی ہذا القیاس۔

جن موضوعات پر ”شرح صحیح مسلم“ میں ”فصل بحث آپکی ہے بعض جگہ میں نے اسی بحث کو نقل کر دیا ہے بعض جگہ اس کو مختص کیا ہے اور بعض جگہ ان مباحث کو از سر نو لکھا ہے ترجمہ میں میں نے زیادہ تر علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ کے ترجمہ ”البیان“ سے استفادہ کیا ہے اور تفسیر میں زیادہ تر احکام القرآن الجامع، احکام القرآن البحر المحیط، تفسیر کبیر الدر، بحر راجح المعانی سے استفادہ کیا ہے۔ جدید تفاسیر میں سے تفسیر منیر، مراغی فی ظلال القرآن اور تفسیر قمی بھی میرے پیش نظر رہی ہیں اسباب نزول کے بیان میں ”جامع البیان“ پر زیادہ تر اعتماد کیا ہے۔ احادیث کی بہت سی کتابیں ہیں ہم پہلے صرف نام سنتے تھے الحمد للہ اب وہ چھپ گئی ہیں اور ہمیں دستیاب ہیں میں نے زیادہ تر کوشش کی ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر میں احادیث کو ان کے اصل حوالہ جات کے ساتھ ذکر کروں اسی طرح فقہی مباحث میں مذاہب ائمہ کو ان کو اصل کتابوں سے حوالے سے ساتھ درج کیا ہے تاخذ اور مراجع کی فہرست میں نے سنین وفات کی ترتیب سے مرتب کی ہے اور میرا گمان یہ ہے کہ پہلی بار اس فہرست کی فہرست مرتب کی گئی ہے۔ اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ ایک نظر میں یہ معلوم ہو جائے گا کہ محدث، مفسر، فقیہ یا مصنف کس زمانہ اور کس دور کا ہے۔

دس رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ کے مبارک دس اس تفسر کا آغاز ہوا تھا اور بارہ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ کے سعودی دن میں اس کی پہلی جلد اختتام کو پہنچ گئی۔ فالحمد لله رب العلمین

اس جلد میں ایک مقدمہ ہے اور افاتحہ اور البقرہ کی تفسیر ہے میں نے اس تفسیر کو متوسط طریقہ پر لکھا ہے اس میں بہت زیادہ تفصیل ہے نہ بہت اختصار ہے مسائل حاضرہ پر میں نے بہت شرح وسط کے ساتھ ”شرح صحیح مسلم“ میں لکھ دیا ہے اسی

طرح عبادات اور معاملات پر بھی سیر حاصل بحث اس میں آگئی ہے تاہم جو مسائل اور مباحث اس میں آنے سے روک گئے ہیں ان شاء اللہ ان کا اس میں تفصیل کے ساتھ ذکر کروں گا۔ معاصرین اور عہد قریب کے مفسرین کی تحقیقات اور نگارشات کو میں نے اپنے پیش نظر رکھا ہے اور جہاں میری رائے ان کے ساتھ متفق نہیں ہو سکی میں نے ادب اور احترام کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے۔

انہی میں میں ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کے منصوبہ شہود پر آنے میں میرے ساتھ تعاون کیا خاص طور پر سید اعجاز احمد صاحب، صاحب اجازہ محسن اعجاز صاحب (فرید بک سنال)، پروفیسر مولانا مفتی فیض الرحمن صاحب زید خیم، مولانا محمد ابراہیم فیضی صاحب وغیرہم کا میں خصوصیت کے ساتھ شکر گزار ہوں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس کتاب کو مکمل کرنے کی توفیق دے اس کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائے اور مجھے اس کتاب کے تمام معاونین اور کارکنین کو دنیا اور آخرت کے ہر شر سے محفوظ رکھے اور دنیا اور آخرت کی ہر خیر ہمیں عطا فرمائے۔ آمین

غلام رسول سعیدی غفرلہ

خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ بلاک نمبر ۱۵ ٹیڈرل بی ایریا کراچی ۳۸

۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ / ۲۴ اگست ۱۹۹۵ء



المقدمة

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمدہ و نصلی و وسلم علی رسولہ الکریم

مقدمہ تفسیر

قرآن مجید کی تفسیر سے پہلے ضروری ہے کہ بطور مقدمہ چند اہم امور کو جان لیا جائے اس لیے پہلے ہم وحی کی حقیقت، قرآن مجید کی تعریف، قرآن مجید کے فضائل، قرآن مجید کا اعجاز، قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی وجہ، سب سے پہلی اور سب سے آخری آیت کی تحقیق، مکی اور مدنی سورتوں کی بحث، قرآن مجید کو جمع کرنے اور اس کی سات قراءتوں کا بیان اور قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں کی تعداد کا ذکر کریں گے پھر تفسیر اور تائیل کی تعریف، تفسیر کے فضائل، تفسیر ہارائے کی تحقیق، امہات مآخذ تفسیر، شرائط تفسیر، طبقات مفسرین اور بعض دیگر اہم امور کو بیان کریں گے۔ فنقول و باللہ التوفیق وبہ الاستعانة یلیق وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

حدیث میں وحی کا بہ کثرت ذکر ہے لکھنے، اشارہ کرنے، کسی کو بھیجنے، الہام اور کلام خفی پر وحی کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

(نہایہ ج ۳ ص ۱۶۳، مطبوعہ: وسعہ مطبوعاتی ایران ۱۳۶۳ھ)

علامہ محمد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

اشارہ، لکھنا، مکتوب، رسالہ، الہام، کلام خفی، ہر وہ چیز جس کو تم غیر کی طرف القا کرو اسے اور آواز کو وحی کہتے ہیں۔

(قاموس ج ۳ ص ۵۷۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۲ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

وحی اس کلام کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کی طرف نازل فرماتا ہے۔ ابن الانباری نے کہا، اس کو وحی اس لیے کہتے ہیں کہ فرشتہ اس کلام کو لوگوں سے خفی رکھتا ہے اور وحی نبی کے ساتھ مخصوص ہے جس کو لوگوں کی طرف بھیجا جاتا ہے وہ ایک دوسرے سے بخفیہ بات کرتے ہیں وہ وحی کا اصل معنی ہے قرآن مجید میں ہے:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطَانِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا
اور اس طرح ہم نے سرش، انسانوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا جو خفیہ طور پر طمع کی ہوئی جھوٹی بات (دوسوں کو) (انعام: ۱۱۲) دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کو پھینچتے ہیں۔

اور ابواحق نے کہا ہے کہ وحی کالغت میں معنی ہے خفیہ طریقہ سے خبر دینا اسی وجہ سے لہذا کو وحی کہتے ہیں اور ہر نبی نے کہا ہے اسی طرح سے اشارہ کرنے اور لکھنے کو بھی وحی کہتے ہیں۔ اشارہ کے متعلق یہ آیت ہے:

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بِحَمْدِ رَبِّكَ دَعْسِيًّا
سوز کر یا اپنی قوم سے سامنے (عبادت سے) تہجد سے باہر نکلے پس اس کی طرف اشارہ لیا کہ تم صبح اور شام (اللہ کی)

شیخ کیا کرو

اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جو خفیہ طریقہ سے کلام کیا گیا اس کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِشَيْءٍ أَنْ يَكْلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَائِي
رَجَابٌ أَوْ يُرْسِلُ رُسُلًا فَيُوتِي بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ

(الشوریٰ: ۵۱) کے حکم سے وہ پہنچائے جو اللہ چاہے۔

بستر کی طرف وحی کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بشر کو خفیہ طور سے کسی چیز کی خبر دے یا الہام کے ذریعہ یا خواب کے ذریعہ یا اس پر کوئی کتاب نازل فرمائے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل کی تھی یا جس طرح سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا اور یہ سب اعلام (خبر دینا) ہیں مگر چہ ان کے اسباب مختلف ہیں۔

(تاج العروس ج ۱۰ ص ۳۸۵ مطبوعہ المطبعۃ الخیرۃ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: وحی کا اصل معنی سرعت کے ساتھ اشارہ کرنا ہے یہ اشارہ کبھی رمز اور تخریض کے ساتھ کلام میں ہوتا ہے اور کبھی محض آواز سے ہوتا ہے کبھی اعطاء اور جوارح سے ہوتا ہے اور کبھی لکھنے سے ہوتا ہے جو کلمات انبیاء اور اولیاء کی طرف اتقا کیے جاتے ہیں ان کو بھی وحی کہا جاتا ہے یہ القاء کبھی فرشتہ کے واسطے سے ہوتا ہے جو دکھائی دیتا ہے اور اس کا کلام سنائی دیتا ہے جیسے حضرت جبریل علیہ السلام کی خاص شکل میں آنے تھے اور کبھی کسی کے دکھائی دے بغیر کام سنا جاتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور کبھی دل میں کوئی بات ڈال دی جاتی ہے جیسے حدیث میں ہے جبریل نے میرے دل میں بات ڈال دی اس کو 'مفث فی السروع' کہتے ہیں اور کبھی یہ القاء اور الہام کے ذریعہ ہوتا ہے جیسے اس آیت میں ہے:

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ أَنْ أَتِ بِعِيقِهَا (تیسرے)

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام فرمایا کہ ان کو دودھ پلاؤ۔

اور کبھی یہ القاء تغیر ہوتا ہے جیسے اس آیت میں ہے:

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ النَّحْلِ أَنْ اجْتَمِعِيْنَ مِنْ الْجِبَالِ بُيُوتًا
وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ (انحل: ۶۸)

اور آپ کے رب نے شہ کی مکھی کے دل میں یہ ال دیا

کہ پہاڑوں میں درختوں میں اور ان چھیریوں میں گھر بنا

جنہیں لوگ اونچا بناتے ہیں O

اور کبھی خواب میں اتقا کیا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: نبوت منقطع ہو گئی ہے اور چچے خواب باقی رہ گئے ہیں۔

(المغربات ص ۵۱۶-۵۱۵ ملخصاً مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

علامہ ابن منظور افریقی نے بھی وحی کا معنی بیان کرتے ہوئے کم و بیش یہی لکھا ہے۔

(لسان العرب ج ۱۵ ص ۳۸۱-۳۷۹ مطبوعہ نثر ادب الخوزہ قم ایران)

علامہ بدر الدین عینی نے وحی کا اصطلاحی معنی یہ لکھا ہے:

اللہ کے پیوں میں سے کسی نبی پر جو کلام نازل کیا جاتا ہے وہ وحی ہے۔

(مدۃ القاری ج ۱ ص ۱۳ مطبوعہ ادارۃ المطابع المنیریہ مصر ۱۳۳۸ھ)

اور علامہ تفتازانی نے الہام کا معنی یہ بیان کیا ہے:

دل میں بہ لرینی بضمن کی حتیٰ کو ذالناہ الہام ہے (شرح تفسیر ص ۱۸) اور خدا کا ارشاد ہے (پہلی)

ضرورت وحی اور ثبوت وحی

اسان مدنی اطمینان ہے اور مل صل کر رہتا ہے اور ہر انسان کو اپنی زندگی گزارنے کے لیے خوراک، کپڑوں اور مکان کی ضرورت ہوتی ہے اور افزائش نسل کے لیے نکاح کی ضرورت ہے۔ اس چار چیزوں کے حصول کے لیے اگر کوئی قانون اور ضابطہ نہ بنادے تو ضرورت اور اپنی ضرورت کی چیزیں طاقت کے ذریعہ کمزور سے حاصل کر لے گا اس لیے عدل اور انصاف کو قائم کرنے کی غرض سے ہی قانون کی ضرورت ہے اور یہ قانون اگر کسی انسان نے بنایا تو وہ اس قانون میں اپنے تخطیات اور اپنے مفادات شامل کرے گا اس لیے یہ قانون مافوق الہی کا بنایا ہوا ہونا چاہیے تاکہ اس میں کسی کی جانب داری کا شائبہ نہ ہو اور ہم ان گناہ نہ ہو اور ایسا قانون صرف خدا کا بنایا ہوا قانون ہو سکتا ہے جس کا علم خدا کے بتلانے اور اس کے خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

انسان عقل سے خدا کے وجود کو معلوم کر سکتا ہے عقل سے خدا کی وحدانیت کو بھی جان سکتا ہے قیامت کے قائم ہونے حشر و نشر اور جزا و سزا کو بھی عقل سے معلوم کر سکتا ہے لیکن وہ عقل سے اللہ تعالیٰ کے مفصل احکام کو معلوم نہیں کر سکتا وہ عقل سے یہ جان سکتا ہے کہ اللہ کا شکر ادا کرنا اچھی بات ہے اور ناشکری بری بات ہے لیکن وہ عقل سے یہ نہیں جان سکتا کہ اس کا شکر کس طرح ادا کیا جائے اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے ہی ہو گا اور اسی کا نام وحی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں عبث اور بے مقصد نہیں بھیجا بلکہ اس لیے بھیجا ہے کہ وہ اپنی دیہی ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور حقوق اور فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرے۔ برے کاموں اور بری خصالتوں سے بچے اور اچھے کام اور نیک خصالتیں اپنائے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کیا ہیں اور وہ کس طرح ادا کی جائیں وہ کون سے کام ہیں جن سے بچا جائے اور وہ کون سے کام ہیں جن کو کیا جائے اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

انسان کو بنیادی طور پر کھانے پینے کی اشیاء، کپڑوں اور مکان کی حاجت ہے اور اپنی نسل بڑھانے کے لیے ازدواج کی ضرورت ہے لیکن اگر کسی قاعدہ اور ضابطہ کے بغیر ان چیزوں کو حاصل کیا جائے تو یہ نری حیوانیت ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ سے ان کو حاصل کیا جائے تو یہ محض عبادت ہے اور اس قاعدہ و ضابطہ کا علم اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور اس کی خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

بعض چیزوں کو ہم حواس کے ذریعہ جان لیتے ہیں جیسے رنگ، آواز اور ذائقہ کو اور بعض چیزوں کو عقل سے جان لیتے ہیں جیسے دو اور دو کا مجموعہ چار ہے یا مصنوع کے وجود سے صانع کے وجود کو جان لیتے ہیں لیکن کچھ ایسی چیزیں ہیں جن کو حواس سے جانا جا سکتا ہے نہ عقل سے مثلاً نماز کا کیا طریقہ ہے کتنے ایام کے روزے فرض ہیں زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے اور کس چیز کا کھانا حلال ہے اور کس چیز کا کھانا حرام ہے غرض عبادات اور معاملات کے کسی شعبہ کو ہم حواس خمسہ اور عقل کے ذریعہ نہیں جان سکتے اس کو جاننے کا صرف ایک ذریعہ ہے اور وہ ہے وحی!

بعض اوقات حواس غلطی کرتے ہیں مثلاً ریل میں بیٹھے ہوئے شخص کو درخت روڑتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بخار زدہ شخص کو میٹھی چیز کڑی معلوم ہوتی ہے اور حواس کی غلطیوں پر عقل تنبیہ کرتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات عقل بھی غلطی کرتی ہے مثلاً عقل یہ کہتی ہے کہ کسی ضرورت مند کو ماں نہ دیا جائے مال کو صرف اپنے مستقبل کے لیے بچا کے رکھا جائے اور جس طرح

حواس کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کے لیے عقل کی ضرورت ہے اسی طرح عقل کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کے لیے وحی کی ضرورت ہے

وحی کی تعریف میں ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بی کو جو چیز بتانا ہے وہ وحی ہے اور نبوت کا ثبوت معجزات سے ہوتا ہے اب یہ بات بحث طلب ہے کہ وحی کے ثبوت کے لیے نبوت کیوں ضروری ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر نبوت کے بغیر وحی کا ثبوت ممکن ہوتا تو اس دنیا کا نظام فاسد ہو جاتا، مثلاً ایک شخص کسی کو قتل کر دینا اور کہنا مجھ پر وحی، تری تھی کہ اس شخص کو قتل کر دو۔ ایک شخص پر روکی کا مال اپنے قبضہ میں کر لیتا اور کہنا کہ مجھ پر وحی نازل ہوئی تھی کہ اس کے ماں پر قبضہ کر لو اس لیے ہر س، مائیس نے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ وحی کا دعویٰ کرے۔ وحی کا دعویٰ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا ہو، ہندوحی کا دعویٰ صرف نبی ہی کر سکتا ہے اور نبوت کا دعویٰ تب ثابت ہوگا جب وہ اس کے ثبوت میں معجزات پیش کرے گا۔

ایک سوال یہ ہے کہ جب نبی کے پاس فرشتہ وحی لے کر آتا ہے تو نبی کو کیسے یقین ہوتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے اور یہ اللہ کا کلام لے کر آیا ہے؟ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ فرشتہ نبی کے سامنے اپنے فرشتہ ہونے اور حال وحی الہی ہونے پر معجزہ پیش کرتا ہے اور امام غزالی کی بعض عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو ایسی صفت عطا فرماتا ہے جس سے وہ جن فرشتہ اور شیطان کو الگ الگ پہچانتا ہے جیسے ہم انسانوں، جانوروں اور نباتات اور جمادات کو الگ الگ پہچانتے ہیں یہاں تک ہماری رسائی صرف عالم شہادت تک ہے اور نبی کی پہنچ عالم شہادت میں بھی ہے اور عالم فیض میں بھی۔

وحی کی اقسام

بنیادی طور پر وحی کی دو قسمیں ہیں: وحی متلو اور وحی غیر متلو۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر الفاظ اور معانی کا نزول ہو تو یہ وحی متلو ہے اور یہی قرآن مجید ہے اور اگر آپ پر صرف معانی نازل کیے جائیں اور آپ ان معانی کو اپنے الفاظ سے تعبیر کریں تو یہی وحی غیر متلو ہے اور اس کو حدیث نبوی کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی متعدد صورتیں ہیں جن کا احادیث صحیحہ میں بیان کیا گیا ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا: یا رسول اللہ! آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبھی کبھی وحی گھنٹی کی آواز کی طرح (مسلسل) آتی ہے اور یہ مجھ پر بہت شدید ہوتی ہے۔ یہ وحی (جب) منقطع ہوتی ہے تو میں اس کو یاد کر چکا ہوتا ہوں اور کبھی میرے پاس فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور جو کچھ وہ بتاتا ہے میں اس کو یاد کرتا جاتا ہوں۔ حضرت عائشہ نے کہا: میں نے دیکھا ہے کہ سخت سردی کے دنوں میں آپ پر وحی نازل ہوتی اور جس وقت وحی ختم ہوتی تھی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہوتا تھا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲ مطبوعہ نور محمد، ص ۱۳۸۱) (۱۳۸۱ھ)

اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول وحی کی صرف دو صورتیں بیان کی ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ علامہ بدر الدین عینی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ یہ ہے کہ قائل اور سامع میں کوئی مناسبت ہوئی چاہیے تاکہ ان میں تعلیم اور تعلم اور افادہ، اور استفادہ متحقق ہو سکے اور یہ اتصاف یا تو اس طرح ہوگا کہ سامع پر قائل کی صفت کا غائب ہو اور وہ قائل کی صفت کے ساتھ متصف ہو جائے اور "صلصلة الحرس" (گھنٹی کی آواز) سے یہی

پہلی قسم مراد ہے اور با قائل سامع کی صفت کے ساتھ مصنف ہو جانے اور یہ دوسری قسم ہے جس میں فرشتہ انسانی شکل میں متشکل ہو کر آپ سے کلام کرتا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی پہلی قسم کی تشبیہ گھنٹی کی آواز کے ساتھ دی ہے جس کی آواز مسلسل سنائی دیتی ہے اور اس کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا اس میں آپ نے یہ متنبہ کیا ہے کہ جس وقت یہ وحی قلب پر نازل ہوتی ہے وہ آپ کے قلب پر خطاب کی ہیبت طاری ہوتی ہے اور وہ قول آپ کو حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس قول کے قل کی وجہ سے اس وقت آپ کو اس کا پتا نہیں چلتا اور جب اس کے جلال کی ہیبت زائل ہو جاتی ہے تو پھر آپ کو اس کا علم ہوتا ہے اور وحی کی یہ قسم ایسی ہے جیسے ملائکہ پر وحی نازل ہوتی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے عجزی سے اپنے پردوں کو جھڑھڑاتے ہیں جیسے پتھر پر زنجیر ماری جائے اور جب ان کے دلوں سے وہ ہیبت زائل ہوتی ہے تو وہ آپس میں کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں: حق فرمایا، اور وہ عظیم اور کبیر ہے اور اس حدیث میں ہم پر یہ ظاہر ہوا ہے کہ وحی کی پہلی قسم دوسری سے شدید ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالت بشری سے فرشتہ کی حالت کی طرف منتقل ہوتے تھے پھر آپ پر اس طرح وحی کی جاتی تھی جس طرح فرشتوں پر کی جاتی ہے اور یہ آپ کے لیے مشکل تھا اور دوسری قسم میں فرشتہ انسانی شکل میں آتا تھا اور یہ قسم آپ کے لیے آسان تھی۔

(عمدة القاری ج ۱ ص ۳۳ مطبوعہ ادارة الطباعة المستریة مصر ۱۳۸۸ھ)

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ گھنٹی کی آواز میں ہر چند کہ عام لوگوں کے لیے کوئی معنی اور پیغام نہیں ہوتا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس آواز میں کوئی معنی اور پیغام ہوتا تھا جیسا کہ اس ترقی یافتہ دور میں ہم دیکھتے ہیں جب یلی گرام دینے کا عمل کیا جاتا ہے تو ایک طرف سے صرف ٹک ٹک کی آواز دیتی ہے اور دوسری طرف اس سے پورے پورے جملے بتائے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ ہو سکتا ہے کہ وحی کی یہ آواز بہ ظاہر صرف گھنٹی کی مسلسل ٹن ٹن کی طرح ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس میں پورے پورے فصیح و بلیغ جملے موجود ہوں۔

علامہ بدر الدین عینی نے نزول وحی کی حسب ذیل اقسام بیان کی ہیں:

(۱) کلام قدیم کو سننا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا جس کا ذکر آثار سبحیہ میں ہے۔

(۲) فرشتہ کی رسالت کے واسطے سے وحی کا موصول ہونا۔

(۳) وحی کو دل میں لقا کیا جائے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: روح القدس نے میرے دل میں لقا کیا۔ ایک قوس یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اسی طرح وحی کی جاتی تھی اور انبیاء علیہم السلام کے غیر کے لیے جو وحی کا لفظ بولا جاتا ہے وہ الہام یا تسخیر کے معنی میں ہوتا ہے۔

علامہ سیوطی نے "الروض الاغنی" (ج ۱ ص ۱۵۳-۱۵۴ مطبوعہ لبنان) میں نزول وحی کی یہ سات صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں کوئی واقعہ دکھایا جائے۔

(۲) گھنٹی کی آواز کی شکل میں آپ کے پاس وحی آئے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں کوئی معنی لقا کیا جائے۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتہ انسانی شکل میں آئے اور حضرت جبریل آپ کے پاس حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ

کی شکل میں آئیں، حضرت وحی کی شکل میں آنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ حسین ترین قصہ تھے، حتیٰ کہ وہ اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر چلا کرتے تھے، مہاجرین اس کو دیکھ کر فتنہ میں مبتلا ہوں

(۵) حضرت جبرائیل آپ کے پاس اصلی صورت میں آئے اس صورت میں ان کے چہرہ سو پر تھے جن سے موتی اور یاقوت جھڑتے تھے۔

(۶) اللہ تعالیٰ آپ سے یا نبی بھاری میں پردہ کی اوٹ سے ہم کلام ہو جیسا کہ معراج کی شبہا یا نبی میں ہم کلام، ذیجہ "جامع ترمذی" میں ہے: اللہ تعالیٰ میرے پاس حسین صورت میں آیا اور فرمایا: ملا، اعلیٰ کس چیز میں بحت کر رہے ہیں؟

(۷) اسرائیل علیہ السلام کی وحی کیونکہ شعی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اسرائیل کے پردہ کر دیا گیا تھا اور

وہ تین سال تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے رہے اور وہ آپ کے پاس وحی لاتے تھے پھر آپ کو حضرت جبرائیل علیہ

السلام کے سپرد کر دیا گیا اور "مسند احمد" میں سند صحیح کے ساتھ شعی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال

کی عمر میں معبوث کیا گیا اور تین سال تک آپ کی نبوت کے ساتھ حضرت اسرائیل علیہ السلام رہے اور وہ آپ کو بعض

کلمات اور بعض چیزوں کی خبر دیتے تھے اس وقت تک آپ پر قرآن مجید نازل نہیں ہوا تھا اور جب تین سال گزر گئے تو

پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس رہے پھر تین سال آپ پر آپ کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا دس سال

مکہ میں اور دس سال مدینہ میں اور تریسٹھ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا البتہ واقعہ وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے اور

کہا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے علاوہ آپ کو اور کسی فرشتہ کے سپرد نہیں کیا گیا

(عمدة القاری ج ۴ ص ۴۰ مطبوعہ دارالطباعۃ النور بیروت ۱۳۸۲ھ)

قرآن مجید کی تعریف اور قرآن مجید کے اسماء

اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ سابقہ آسمانی کتابوں کے غلط محرف اور محو ہونے کے بعد دنیا میں قیامت تک وحی

الہی صرف قرآن مجید کی صورت میں باقی اور محفوظ رہے، گزشتہ شریعتیں، شریعت مصطفوی کے بعد منسوخ ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ

نے قیامت تک کے لیے صرف شریعت محمدی اور دین اسلام کے واجب القبول ہونے کا اعلان فرمادیا اور دین اسلام اور

شریعت محمدی کی اساس اور برہان قرآن مجید ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر دلائل ہیں انبیاء سابقین اور سیدنا

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت رسالت اور ان کی عظمتوں کا بیان ہے حلال اور حرام عبادات اور معاملات آداب اور

اخلاق کے جمیع احکام کا بیان ہے معاد، جسمانی، حشر و نشر اور جنت و دوزخ کا تفصیل سے ذکر ہے اور انسان کی ہدایت کے لیے

جس قدر امور کی ضرورت ہو سکتی ہے ان سب کا قرآن مجید میں بیان ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى

وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ○ (نحل، ۸۹)

روشن بیان ہے اور ہدایت اور رحمت ہے اور مسلمانوں کے

لیے بشارت ہے ○

علماء اصول فقہ نے قرآن مجید کی یہ تعریف کی ہے:

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا معجز کلام ہے جو ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر عربی زبان میں نازل ہوا یہ

مصحف میں لکھا ہوا ہے، اور ہم تک تو تر سے پہنچا ہے اس کی ابتدا سورہ فاتحہ سے ہے اور اس کا اختتام سورہ الناس پر ہے۔

قرآن مجید کے ترجمہ پر قرآن مجید کا اطلاق نہیں ہوگا کیونکہ قرآن مجید الفاظ عربیہ میں ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ ذِكْرًا سَرِيًّا (یسف: ۱) ہم نے اس کتاب کو بہ طور سری قرآن نازل کیا۔

اسی طرح قراءات شاذہ جو تواتر سے منقول نہیں ہیں ان پر بھی قرآن مجید کا اطلاق نہیں ہوگا۔

قرآن مجید میں قرآن مجید کے پانچ اسماء ذکر کئے گئے ہیں۔ قرآن فرقان کتاب ذکر اور نوران اسماء کا ذکر حسب ذیل آیات میں ہے:

إِنَّ الْقُرْآنَ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ ۝

بے شک بہت معزز قرآن ہے O محفوظ کتاب میں (الواقہ: ۷۸-۷۷) (موجود ہے) O

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ ۝ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ ۝

بلکہ وہ بہت معظم قرآن ہے O لوح محفوظ میں (نکھا ہوا) (البروج: ۲۲-۲۱) (ہے) O

قرآن مجید میں اٹھادہ مرتبہ ”القرآن“ کا ذکر ہے دس مرتبہ ”قرآن“ کا ذکر ہے اور دو مرتبہ ”قرآنہ“ کا بہ طور مصدر ذکر ہے۔ قرآن کا لفظ قراءت سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے پڑھنا اور چونکہ اس کو بہت زیادہ پڑھا جاتا ہے اس لیے اس کو قرآن کہتے ہیں۔ نیز ”قراء“ کا معنی ہے جمع کرنا اور چونکہ قرآن مجید میں سورتیں اور آیات مجتمع ہیں اس لیے اس کو قرآن کہتے ہیں۔ فرقان کا ذکر اس آیت میں ہے:

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (افرقان: ۱)

بہت برکت والا ہے جس نے اپنے (محبوب) بندہ پر ”فرقان“ کو نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو O

فرقان فرق سے ماخوذ ہے اور کیونکہ یہ کتاب حق اور باطل ایمان اور کفر اور خیر اور شر کے درمیان فرق کرتی ہے اس لیے اس کا نام فرقان ہے۔

کتاب کا ذکر ان آیات میں ہے:

ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ شَيْئِهِ ۚ (الفرقہ: ۲) ۝ قَالُوا يَتَّبِعُونَ هَذَا نَسِيعًا ۚ كِتَابًا أَنْزَلَ مِنْ بَعْدِ هُوَ سُبْحَىٰ (احقاف: ۳۰)

یہ عظیم کتاب (ہے) اس میں کوئی شک نہیں (ہے)۔ جنوں نے کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب کو سنا ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے۔ کتاب کا لفظ کتب سے بنا ہے اس کے معنی ہیں جمع کرنا اور اس میں مختلف ”قصص“ آیات اور احکام کو جمع کیا گیا ہے اس لیے اس کا نام کتاب ہے۔

ذکر اس آیت میں مذکور ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝

بے شک ہم ہی نے ”ذکر“ نازل کیا اور ہم ہی اس کے (الحجر: ۹) محافظ ہیں O

ذکر کے معنی ہیں نصیحت اور چونکہ قرآن مجید میں بہت زیادہ نصیحتیں بیان کی گئی ہیں اس لیے اس کا نام ذکر ہے۔

نور کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ ۚ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا (النساء: ۱۷۴)

اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے مستحکم دلیل آگئی اور ہم نے تمہاری طرف بیان کرنے والا

نور نازل کیا

نور اس کو کہتے ہیں جو خود ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرے اور قرآن مجید بھی خود ظاہر ہے اور بہت سی اخبار احکام اور اسرار کا مظہر ہے۔

مذکورہ صدر اسماء کے علاوہ قرآن مجید کو مصحف بھی کہتے ہیں 'مصحف کا معنی ہے جس میں صحیفوں کو جمع کیا گیا ہو اور صحیفہ چرمی ٹکڑے یا کاغذ کے ورق کو کہتے ہیں۔ علامہ نیشاپوری نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو جمع کرنے کے بعد اس کا نام رکھنے کے متعلق لوگوں سے مشورہ کیا اور پھر اس کا نام مصحف رکھ دیا۔

(غرائب القرآن ج ۱ ص ۲۵ مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیر یہ بلاق مصر ۱۳۲۳ھ)

قرآن کریم کے فضائل اور اجر و ثواب

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن مجید کا علم حاصل کرے اور لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت برادر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص سورہ کہف پڑھ رہا تھا اس کے گھر میں ایک جانور تھا۔ اچانک وہ جانور بدکنے لگا اس نے دیکھا کہ ایک بادل نے اس کو ڈھانپا ہوا ہے اس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا آپ نے فرمایا اے شخص! پڑھتے رہو یہ سیکندہ ہے جو قرآن مجید کی تلاوت کے وقت نازل ہوتی ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قرآن مجید میں ماہر ہو وہ معزز اور بزرگ فرشتوں کے ساتھ رہتا ہے اور جس شخص کو قرآن مجید پڑھنے میں دشواری ہوتی ہو اور وہ اٹک اٹک کر قرآن پڑھتا ہو اس کو دو اجر ملتے ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سنو! عنقریب فتنے برپا ہوں گے میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان فتنوں سے نکلنے کی کیا صورت ہے؟ آپ نے فرمایا: کتاب اللہ! اس میں تم سے پہلے لوگوں کی خبریں ہیں اور تمہارے بعد وادوں کے لیے بیش گوئیاں ہیں اور یہ تمہارے درمیان حکم ہے یہ (حق اور باطل کے درمیان) فیصلہ ہے بے فائدہ نہیں ہے جس متکبر نے اس کو ترک کر دیا اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا جس نے اس کے علاوہ کسی اور چیز میں ہدایت کو تلاش کیا اللہ تعالیٰ اس کو گمراہی میں رہنے دے گا یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوطی ہے یہ حکمت آمیز نصیحت ہے یہ صراطِ مستقیم ہے اس کی وجہ سے خواہشات میں کجی نہیں آئے گی کسی زبان کا کلام اس کے مشابہ نہیں ہو سکتا علماء اس سے کبھی سیر نہیں ہوں گے بار بار پڑھنے کے باوجود اس سے اکتاہٹ نہیں ہوگی اس کے اسرار کبھی ختم نہیں ہوں گے جنوں نے جب اس کو سنا تو اس پر ایمان لانے میں بالکل توقف نہیں کیا اور بے ساختہ کہا: بے شک ہم نے حیرت انگیز کلام سنا جو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے ہم اس پر ایمان لے آئے۔ جس نے اس کے مطابق کہا اس نے سچ کہا جس نے اس پر عمل کیا اس کو اجر دیا گیا جس نے اس کے مطابق حکم کیا اس نے عدل کیا جس نے اس کی دعوت دی وہ

صراطِ مستقیم پر ہدایت یافتہ ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۱۳ ۳۱۴ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کتب اللہ سے ایک حرف پڑھا اس کے لیے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا دس گنا اجر ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ "الم" ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے یہ حدیث صحیح ہے

(جامع ترمذی ص ۳۳۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن قرآن پڑھنے والا آئے گا تو قرآن کہے گا: اے رب اس کو مزین کر تب اس کو عزت کا تاج پہنایا جائے گا پھر قرآن کہے گا: اے رب اس کو اور مزین کر تو اس کو عزت والے حلے پہنائے جائیں گے پھر قرآن کہے گا: اے رب اس سے راضی ہو جا تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا پھر اس شخص سے کہا جائے گا: قرآن پڑھتا جا اور (جنت کے درجوں میں) چڑھتا جا اور ہر آیت کے بدلہ میں اس کو نیکی دی جائے گی۔ یہ حدیث حسن ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۱۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پیٹ میں قرآن نہ ہو وہیران گھر کی مانند ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۱۴ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا: قرآن پڑھتا جا اور جنت کے درجوں میں چڑھتا جا اور جس طرح دنیا میں آہستہ آہستہ قرآن پڑھتا تھا اسی طرح پڑھ جہاں تو آخری آیت پڑھے گا وہی تیرا ٹھکانہ ہوگا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۱۴ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: عانا یہ قرآن پڑھنے والا علانیہ صدقہ کرنے والے کی مانند ہے اور پوشیدگی سے قرآن پڑھنے والا پوشیدگی سے صدقہ دینے والے کی مثل ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۱۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رب تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: جو شخص قرآن پڑھنے میں مشغولیت کی وجہ سے میرا ذکر نہ کر سکا اور مجھ سے دعا نہ کر سکا میں اس کو دعا کرنے والوں سے زیادہ عطا فرماؤں گا اور اللہ کے کلام کی فضیلت باقی کلاموں پر ایسی ہے جیسے اللہ کی فضیلت مخلوق پر ہے۔

(جامع ترمذی ص ۳۱۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے۔ "الحمد لله رب العلمین" پڑھتے پھر ٹھہرتے پھر "الرحمن الرحیم" پڑھتے پھر ٹھہرتے پھر "مالک يوم الدين" پڑھتے۔

(جامع ترمذی ص ۳۱۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ کی مخلوق سے کچھ لوگ اہل اللہ ہیں صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: اہل قرآن وہ اہل اللہ ہیں اور اللہ کے خاص بندے ہیں۔

(سنن کبریٰ ج ۵ ص ۱۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۱ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف دو شخصوں میں حسد

(ریشک) کرنا جائز ہے ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مادل دیا اور وہ دن رات اس مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا اور وہ دن رات قیام میں قرآن پڑھتا ہے

(سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۱ھ)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: جس شخص نے قرآن مجید پڑھا اور اس کو حفظ کیا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا اور اس کو اس کے گھر کے دس ایسے افراد کی شفاعت کرنے والا بنائے گا جن میں سے ہر ایک کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حافظ نور الدین ابوشامہ بیان کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قرآن مجید پڑھانے کا حکم دیا اور اس پر برا بھلا کہنا اور فرمایا: قیامت کے دن جب قرآن پڑھنے والے کے گھر والوں کو بہت سخت حاجت ہوگی تو قرآن ان کے پاس آئے گا اور مسلمان سے کہے گا مجھے پہچانتے ہو؟ وہ شخص کہے گا: تم کون ہو؟ وہ کہے گا: میں وہ ہوں جس سے تم محبت کرتے تھے اور اس سے جدائی کو ناپسند کرتے تھے جو تم کو کھینچتا تھا اور تم کو قریب کرتا تھا وہ شخص کہے گا: شاید تم قرآن ہو پھر قرآن اس کو اس کے رب عزوجل کے پاس لے جائے گا اس کے دائیں طرف فرشتہ ہوگا اور بائیں طرف جنت ہوگی اس کے سر کے اوپر سیکنہ کو رکھا جائے گا اور اس کے ماں باپ کو تمام دنیا سے قیمتی حلقے دیے جائیں گے وہ کہیں گے کہ ہمارے اعمال تو اس انعام کے لائق نہیں یہ کس چیز کا صلہ ہیں؟ قرآن کہے گا: یہ تمہارے بیٹے کے قرآن پڑھنے کی وجہ سے ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اس کی سند میں سوید بن عبدالعزیز متروک راوی ہے اور ہمیشہ نے اس کے متعلق اچھے کلمات کہے ہیں اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۰ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے بزرگ و گھمیلین قرآن ہیں۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں سعد بن سعید ضعیف راوی ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۱ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

معاذ بن انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: جس شخص نے سبحان اللہ العظیم کہا اس کے لیے جنت میں ایک پودا لگایا جاتا ہے اور جس نے پورا قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا اس کے والدین کو ایک تاج پہنایا جائے گا جو سورج کی روشنی سے زیادہ حسین ہوگا۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں زہب بن قاند ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۲۔ ۱۶۱ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قرآن مجید کی کسی ایک آیت کو قصد اس کے لیے ایک نیکی کو دینا کر کے لکھا جائے گا اور جس نے اس کو تلاوت کیا وہ قیامت کے دن اس کے لیے نور ہو جائے گی۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اس کی سند میں عباد بن مسرہ ہے۔ امام احمد نے اس کو ضعیف کہا ہے اور امام ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۲ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن پڑھنے والا جب قرآن کے حلال کو حلال قرار دے اور اس کے حرام کو حرام قرار دے تو وہ اپنے گھر کے ان دس افراد کے لیے شفاعت کرے گا جن میں سے ہر ایک کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہوگی اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں جعفر بن حارث ضعیف

راوی ہے (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۲ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص یہ پسند کرنا ہو کہ اس نے اللہ اور اس کا رسول محبت کرے وہ غور کرے اگر وہ قرآن سے محبت کرتا ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص علم کا ارادہ کرے وہ قرآن میں غور کرے کیونکہ اس میں اولین اور آخرین کا علم ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے کئی سندوں سے روایت کیا ہے اور ایک سند کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۵ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

عثمان بن عبد اللہ بن اوس اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مصحف میں دیکھے بغیر قرآن پڑھنے کا ہزار درجہ اجر ہے اور مصحف میں دیکھ کر پڑھنے کا دو ہزار درجہ اجر ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اس کی سند میں ابو سعید بن عون ہے ابن معبد سے اس کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک روایت میں اس کی تضعیف کی ہے اور دوسری میں اس کی توثیق کی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۵ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے بیٹے کو ناظرہ قرآن پڑھایا اس کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جس نے اس کو زبانی قرآن پڑھایا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ایسی صورت میں اٹھائے گا جیسے چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے اور اس کے بیٹے سے کہا جائے گا: قرآن پڑھو اور جب بھی وہ ایک آیت پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے باپ کا ایک درجہ بلند کر دے گا حتیٰ کہ اس کا بیٹا وہ تمام قرآن پڑھ لے گا جو اس کو یاد ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے ”مجموع اوسط“ میں روایت کیا ہے اور اس کی سند کے ایک راوی کو میں نہیں پہچانتا۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۶-۱۶۵ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی اپنے بچے کو دنیا میں قرآن کی تعلیم دیتا ہے اس کو قیامت کے دن جنت میں تاج پہنایا جائے گا جس کو تمام جنت والے پہچان لیں گے کہ یہ دنیا میں اس کے بیٹے کو قرآن پڑھانے کی وجہ سے پہنایا گیا ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے ”مجموع اوسط“ میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں جابر بن سلیم ہے جس کو از دی نے ضعیف کہا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۶-۱۶۵ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس گھر میں قرآن پڑھا جائے اس میں بہت خیر ہوتی ہے اور جس گھر میں قرآن نہ پڑھا جائے اس میں کم خیر ہوتی ہے۔ اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں عمرو بن بہان ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۷۱ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

قرآن مجید کو پڑھنے اور سننے کے احکام، آداب اور بعض ضروری مسائل

جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کا ارادہ کرے اس کو چاہیے کہ اپنے منہ کو ہر قسم کی بدبو سے اچھی طرح صاف کرنے کا خاص طور پر تمباکو نوشی کرنے والے، نسوار ڈالنے والے اور کپا لہسن اور پیاز کھانے والوں کو کسی اچھی بیسٹ سے منہ صاف کرنا چاہیے اور منہ میں لالہ بچی وغیرہ رکھنی چاہیے اور دیگر عطریات کی خوشبو لگانی چاہیے کیونکہ فرشتے تلاوت قرآن کے دوران حاضر ہوتے ہیں اور بدبو سے ان کو تکلیف ہوتی ہے اور خوشبو سے راحت ہوتی ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت با وضو کرنا مستحب ہے اور اگر قرآن مجید کو چھوئے بغیر زبانی بے وضو پڑھا جائے تو جائز ہے اس پر

تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور اس سلسلہ میں بکثرت احادیث ہیں نام یہ خلاف مستحب اور خلاف اولیٰ ہے۔ اگر پانی نہ ملے تو تیمم کر کے تلاوت کرے جس عورت کو حیض نہ ہو صرف استحاضہ کا خون جاری ہو وہ ہے وضو کے حکم میں ہے وہ نماز کے کسی ایک وقت کے شروع میں وضو کر لے تو دوسرے وقت کے شروع ہونے تک اس کا وضو رہے گا۔ شریک کسی اور وجہ سے اس کا وضو نہ ہوئے جنسی اور حائض کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کرنا حرام ہے خواہ ایک آیت ہو یا اس سے کم ہو البتہ جنسی اور حائض بغیر تلفظ کے دل میں قرآن مجید کو پڑھ سکتے ہیں البتہ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ تسبیح، تہلیل، تہمید و رواد شریف اور دیگر تمام اذکار اور وظائف جنسی اور حائض پڑھ سکتے ہیں اور اگر تلاوت قرآن کا قصد نہ ہو تو بطور دعا قرآن مجید کی آیات بھی پڑھ سکتے ہیں مثلاً یہ طور شکر "الحمد لله رب العلمین" پڑھ سکتے ہیں۔ سواری پر بیٹھتے وقت "سبحان الہدیٰ معولنا ہذا" والی آیت اور مصیبت کے وقت "انا لله وانا الیہ راجعون" پڑھ سکتے ہیں لیکن یہ بھی خلاف مستحب اور خلاف افضل ہے۔

کسی پاک اور صاف جگہ پر بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہیے۔ مسجد میں تلاوت کرنا بہت عمدہ ہے اسی طرح اعتکاف میں اور جب بھی انسان مسجد میں داخل ہوا اعتکاف کی نیت کرے اگر مسجد میں تنہا ہو تو متوسط بلند آواز سے تلاوت کرے اور اگر اور لوگ بھی تلاوت کر رہے ہوں یا دوسرے لوگ نماز اور اذکار میں مشغول ہوں تو پھر آہستہ تلاوت کرے تاکہ کسی کی تلاوت اور عبادت میں خلل نہ پڑے نیز سر ڈھانپ کر کون، خضوع، خشوع و قار اور ادب کے ساتھ بیٹھ کر تلاوت کرے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے تلاوت کرے۔ حدیث میں ہے کہ بہترین نشست وہ ہے جس میں منہ قبلہ کی طرف ہو۔ امام ابو داؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حمام میں قرآن مجید کی تلاوت نہ کرے۔ ابویسرہ سے روایت ہے کہ پاک جگہ قرآن مجید کی تلاوت کی جائے آج کل لوگ ایچ باتھ میں وضو کرتے ہیں بسم اللہ اور وضو کی دعائیں اس جگہ پڑھیں نہیں چاہئیں اور کسی بھی مہمان، مہندل اور غیر محترم جگہ پر قرآن مجید پڑھنے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے سے اجتناب کیا جائے۔

قرآن مجید کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھے اور قرآن مجید کی آیات کے معنی میں غور و فکر اور تدبر و نظر کرے جس آیت میں ذوق و شوق اور وجد آئے اس کو بار بار دہرائے کیونکہ امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات صبح تک اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے:

إِنْ تَعْبَأْهُمْ فَإِنَّكُمْ عِبَادُكَ ۚ وَإِنْ تَعْفُ عَنْهُمْ فَانْكَرْ أَنْتَ
نَعِيزُ الْحُكَمَاءِ (المائدہ: ۷۸)

اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب بڑی حکمت والا ہے

○ ہے

(سنن نسائی ج ۱ ص ۱۵۷-۱۵۶ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات صبح تک آپ اس آیت کو دہراتے رہے:

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً عَمَلُهُمْ وَهَمَاتُهُمْ طَائِفَةٌ
مِمَّنْ يَحْكُمُونَ (الجماعہ: ۲۱)

کیا جن لوگوں نے گناہ کیے ہیں انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں کی مثل کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے کہ ان (سب) کی زندگی اور موت برابر ہو جائے وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں ○

اسی طرح صحابہ کرام اور فقہاء تابعین سے منقول ہے کہ انہوں نے تلاوت کے دوران بعض آیات کو بار بار پڑھا۔

قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے یا تلاوت کو سنتے ہوئے جب اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب اس کی گرفت اور اس کے عذاب کی آیات سے گزریں تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونا چاہیے۔ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ أُذُنُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا بُعِثُوا إِلَى اللَّهِ لَيَذَّابُنَّ أُولَٰئِكَ مُبْتَغِيَاتٍ يُنْفَخُونَ مِنْهُنَّ سُبُحَاتٍ كَانَتْ وَهْدًا مِّنَّا لِكَيْ نَقُولَ لَكَ وَيُذْنُكَ لَكَ كَانَتْ يَكُونُ وَيُزِيدُهُمْ خُفُوًا (۱۰۷-۱۰۹)

بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا: اب اس پر اس (قرآن) کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر جاتے ہیں O اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب (ہر ٹیب سے) پاک ہے بے شک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہوتا ہے O اور وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور یہ (قرآن) ان کے (دلوں میں) خوف خدا کو اور زیادہ کرتا ہے O

اس سلسلہ میں بہ کثرت احادیث ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن پڑھتے ہوئے روؤ اگر رونانہ آئے تو کوشش کر کے روؤ۔ (سنن ابن ماجہ ص ۹۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز میں قرآن مجید پڑھتے ہوئے اس قدر روتے تھے کہ مشرکوں کی عورتیں بھی ان کا گریہ سن کر متاثر ہوتی تھیں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۰۷ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸ھ) اسی طرح بہ کثرت صحابہ اور تابعین سے تلاوت قرآن کے دوران رونا منقول ہے۔

قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: جلدی جلدی پورا قرآن پڑھنے کی بہ نسبت میرے نزدیک یہ بہتر ہے کہ صرف ایک سورت ترتیل کے ساتھ پڑھ لی جائے قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ تِلْكَ الْقُرْآنِ تَرْتِيلًا (الزلزلہ: ۴)

مجاہد سے روایت ہے کہ ہمیں جلدی جلدی قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور وہ ان کے گلوں کے نیچے سے نہیں اترتا لیکن جب قرآن مجید دل میں ٹھہر کر جم جائے تو نفع دیتا ہے۔ ترتیل کے ساتھ پڑھنے میں قرآن کی زیادہ توقیر اور احترام ہے اور اس کی دل میں زیادہ تاثیر ہوتی ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۲ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۳۷۵ھ)

جب قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت پڑھے جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کا ذکر ہو تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت اور مغفرت کا سوال کرے اور جب عذاب کی آیت کو پڑھے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ طلب کرے جب کسی آیت میں اللہ تعالیٰ کی تازیہ کا ذکر ہو تو سبحان اللہ کہے۔ امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب (نفل) نماز میں کسی رحمت کی آیت کو پڑھتے تو اس کا سوال کرتے اور جب عذاب کی آیت پڑھتے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے اور جب اللہ کی عظمت کی آیت پڑھتے تو سبحان اللہ کہتے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۹۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) انبیاء علیہم السلام اور صالحین کا ذکر ہو تو دعا کرے کہ اللہ ان کی اتباع نصیب فرمائے۔ اسی طرح جنت کے ذکر پر جنت کا سوال کرے اور دوزخ کے ذکر پر دوزخ سے پناہ مانگے۔ جب یہ آیت پڑھے: "اليس الله باحكم الحاكمين" تو کہے: "بلى وانا على ذلك من الشاهدين" جب "فبای الاء ربکما تکذبان" پڑھے یا "فبای حدیث بعدہ یومون" پڑھے تو کہے: "امنت بالله" جب "اليس ذالك بقادر علی ان یحیی العوتی" پڑھے تو کہے: "بلی"۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۷۱ ترمذی) امام شافعی کے نزدیک نماز میں بھی اس طرح دعا کرنا اور جواب دینا مستحب ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا

انتخاب فرض نماز کے غیر میں ہے فرض نماز میں اس طرح کرنا مکروہ ہے البتہ نقلی نمازوں میں جائز ہے اور ”من ابن ماجہ“ میں نقلی نماز کی تصریح ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت کے دوران اس کا مکمل احترام ملحوظ رکھئے اس دوران باتیں نہ کرئے نہ ہنسنے سے گریز کرئے اللہ یہ کہ کوئی ناگزیر بات کرنی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارتداد ہے:

وَلَا ذَا أَقْرَبَى الْقُرْآنُ فَاَسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (اعراف: ۲۰۴)

اور جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○

امام ابو داؤد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب تک وہ اپنے ارادہ کے مطابق قراءت نہیں کر لیتے تھے کسی سے بات نہیں کرتے تھے اور امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید سے فارغ ہونے سے پہلے بات نہیں کرتے تھے۔

جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اس کے سننے کے متعلق فقہاء احناف کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض عین ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا سننا فرض کفایہ ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

قرآن مجید کا سننا مطلقاً واجب ہے خواہ نماز میں سنئے یا خارج از نماز میں کیونکہ یہ آیت اگرچہ نماز کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہے لیکن اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے خصوصیت سبب کا نہیں ہوتا لیکن یہ اس وقت واجب ہے جب کوئی عذر نہ ہو ”قدیہ“ میں مذکور ہے کہ گھر میں بچہ قرآن کریم پڑھ رہا ہو اور گھر والے کام میں مشغول ہوں تو وہ نہ سننے میں معذور ہیں نہ شریک انہوں نے کام پہلے شروع کیا ہو ورنہ نہیں۔ اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت کے دوران فقہ کی کتابوں کے مطالعہ کرنے کا حکم ہے ”فتح القدیر“ میں ”خلاصہ“ سے منقول ہے کہ کوئی شخص فقہ لکھ رہا ہو اور اس کے پاس بیٹھ کر کوئی شخص قرآن پڑھنا شروع کر دے اور اس کے لیے قرآن مجید کو سننا ممکن نہ ہو تو گناہ پڑھنے والے پر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص چھت پر قرآن مجید پڑھے اور لوگ سوئے ہوئے ہوں تو پڑھنے والا گناہ گار ہوگا کیونکہ وہی شخص ان کے استماع سے اعراض کا سبب بنا ہے کیونکہ وہ ان کو جگا کر ایذا پہنچا رہا ہے اور شرح المنیۃ میں مذکور ہے کہ اصل یہ ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض کفایہ ہے کیونکہ قرآن مجید پڑھنے کا حق یہ ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے اور اس کو ضائع نہ کیا جائے اور بعض لوگوں کے خاموش ہونے سے یہ حق ادا ہو جاتا ہے جیسے مسلمان کے سلام کا جواب دینا اس مسلمان کے حق کی رعایت کی وجہ سے واجب ہے اور بعض لوگوں کے جواب دینے سے یہ حق ادا ہو جاتا ہے اور باقی تمام لوگوں سے وجوب ساقط ہو جاتا ہے ہاں قرآن مجید پڑھنے والے پر قرآن کریم کا احترام کرنا واجب ہے ہاں طور کہ بازاروں میں قرآن نہ پڑھے نہ ایسی جگہوں پر قرآن مجید پڑھے جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں مگر اس نے ایسی جگہوں پر قرآن مجید پڑھا تو وہی شخص قرآن مجید کے احترام کو ضائع کرنے والا ہوگا نہ کہ مصروف اور مشغول لوگ تاکہ لوگ حرج میں مبتلا نہ ہوں۔ علامہ حموی نے اپنے استاذ قاضی القضاۃ منقاری زادہ سے نقل کیا ہے کہ ان کی تحقیق یہ ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض عین ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۶۷-۳۶۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

ہمارے زمانہ میں لوگ مسجدوں میں مائیک پر تلاوت اور شینے پڑھتے ہیں اور باہر کے اسپیکروں کو کھول دیتے ہیں جس سے محلوں اور بازاروں میں دور دور تک قرآن مجید کی آواز جاتی ہے اور لوگ اپنی مصروفیات کی وجہ سے قرآن مجید نہیں سن سکتے اور یوں قرآن مجید کی بے حرمتی ہوتی ہے اور اس کا گناہ ان پر ہوتا ہے جو مسجد کے باہر کے اسپیکر چلاتے ہیں اس لیے واجب ہے کہ صرف مسجد کے اندر کے اسپیکروں کو چلایا جائے اور ان کی آواز بھی اتنی اونچی نہ کی جائے جس سے مسجد کے باہر آواز جائے۔

تلاوت کے دوران صرف قرآن مجید پر نظر رکھنی چاہیے اور ادھر ادھر نہ دیکھے خاص طور پر اجنبی عورتوں اور جو بصورت اور بے ریش لڑکوں کی طرف نہ دیکھے کیونکہ خوبصورت بے ریش لڑکے بھی عورتوں کے علم میں ہیں اور عورتوں کی بہت انتہائی شہوت زیادہ بھل ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۷۲ دارالافتاء، التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ) البتہ خرید و فروخت، علاج معالجہ اور تعلیم کے وقت بہ قدر ضرورت ان کی طرف دیکھنا جائز ہے، مثلاً باندھ کر ان کی طرف نہ دیکھے اور یہ حکم صرف بے ریش لڑکے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ جو شخص بھی اس کی شہوت کا محل ہو مرد ہو یا عورت اس کی طرف دیکھنا جائز نہیں۔

قرآن مجید کو مصحف کی ترتیب کے مطابق پڑھنا چاہیے مثلاً پہلے سورہ فاتحہ پھر سورہ نقرہ امام طبرانی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہیں بتایا گیا کہ ایک شخص الٹی قراءت کرتا ہے فرمایا: اس کا دل الٹا ہے (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۸) اس لیے کسی سورت کے آخر سے شروع تک الٹ پڑھنا سخت ممنوع ہے البتہ بچوں کو تعلیم کے لیے آخری پارہ کی آخری سورتوں سے حفظ کی ابتداء کرانا جائز ہے۔ قرآن مجید کو مصحف سے دیکھ کر پڑھنا زبانی پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ مصحف میں دیکھنا بھی عبادت مقصودہ ہے لیکن اگر کسی شخص کا خضوع اور خشوع اور تہذیب اور نظر زبانی پڑھنے سے زیادہ ہوتا ہے تو اس کو زبانی پڑھنا افضل ہے امام طبرانی نے حضرت عثمان بن عبداللہ بن اوس ثقفی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بغیر مصحف کے پڑھنے کے ہزار درجات ہیں اور مصحف میں دیکھ کر پڑھنے کے دو ہزار درجات ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۵) بعض صورتوں میں قرآن مجید کو آہستہ پڑھنا افضل ہے اور بعض صورتوں میں بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے آہستہ پڑھنا خدشہ ریا سے مامون ہے اور جب یہ خطرہ نہ ہو تو بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ دوسروں تک پہنچتا ہے اور اس سے پڑھنے والے کا دل بیدار اور اس کا ذہن متوجہ رہتا ہے اور اس کو سننے کا ثواب بھی ملتا ہے اس کی نیند دور ہوتی ہے اور اس کی تروتازگی زیادہ ہوتی ہے اور وہ غافلوں کو متنبہ کرتا ہے لیکن یہ فضیلت اس وقت ہے جب اس کے بلند آواز کے ساتھ پڑھنے سے کسی کی نیند آرام، عبادت اور کام میں حرج اور خلل نہ ہو قرآن مجید کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ امام ابو داؤد اور امام نسائی وغیرہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی آوازوں کے ساتھ قرآن مجید کو مزین کرو۔ (مسند ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۷)

البتہ قرآن مجید کو سازوں اور دھنوں کے تابع کر کے نہیں پڑھنا چاہیے اور نہ اس طرح کہ صیغہ بدل جائے یا لفظ حد و قراءت سے نکل جائے جن فقہاء کرام نے قرآن مجید کو تنفی کے ساتھ پڑھنے سے منع کیا ہے اس کا یہی محمل ہے۔

قرآن مجید کو پڑھنا مطلقاً مستحب ہے مگر بعض احوال میں مکروہ ہے۔ نماز کے رکوع، سجود اور تشہد میں قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے امام کے پیچھے قیام میں بھی قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے بیت الخلاء اور حمام میں قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے اونگھتے ہوئے اور جمعہ کے خطبہ کے وقت نمازیوں کا قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے۔ حالت طواف میں قرآن مجید پڑھنا امام مالک کے نزدیک مکروہ ہے اور جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے۔ دوسری رکعت میں پہلی رکعت سے بہت زیادہ قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے ایک یا دو آیتیں زیادہ ہوں تو حرج نہیں۔ اسی طرح نماز میں اتنی زیادہ قراءت کرنا جو مقتدیوں پر گراں اور دشوار ہو یہ بھی مکروہ ہے یا کسی ایک سورت کو معین کر لینا اور دوسری سورت پڑھنے کو ناجائز سمجھنا یہ بھی مکروہ ہے۔

جب کوئی شخص قرآن مجید پڑھ رہا ہو اور اس دوران کوئی بزرگ عالم دین یا اس کا والد یا اس کا استاد آجائے تو اس کے احترام اور اکرام کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں علی ہاشم الہدیہ ج ۳ ص ۲۲۲ مطبوعہ مطبع سبیری بوق، مصر ۱۳۱۰ھ) اکرام اور تعظیم کے لیے قیام کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اصحاب اور فقہاء تابعین اور علماء صالحین سے ثابت ہے بہ شرطیکہ

اس میں ریا اور دنیاوی غرض نہ ہو۔

جب کوئی شخص چلتے ہوئے قرآن مجید پڑھ رہا ہو اور اس کا کسی قوم پر گزر ہو تو قراءت منقطع کر کے ان کو سلام کرے اور پھر سے قراءت شروع کر دے اور مستحب یہ ہے کہ دوبارہ اَلْوَذَّیْلُہ پڑھے اور اگر کوئی شخص قرآن مجید پڑھنے والے کے پاس آئے تو اولیٰ یہ ہے کہ وہ اس کو سلام نہ کرے اگر اس نے سلام کر دیا تو قاری اشارہ سے جواب دے اور اگر اس نے زبان سے جواب دیا تو دوبارہ اَلْوَذَّیْلُہ پڑھ لے اور اگر قرآن کریم پڑھنے کے دوران چھینک آئے تو الحمد للہ کہنا مستحب ہے۔

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کو ایک ماہ میں ختم کیا جائے اور سات دن سے کم میں ختم نہ کیا جائے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

قرآن مجید کو نماز میں ختم کرنا مستحب ہے یا سنت فجر میں ختم کرے اور اگر غیر نماز میں ختم کرے تو دن یا رات کے اول حصہ میں ختم کرے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید ختم کرتے تو اپنے گھر والوں کو جمع کر کے دعا کرتے بعض احادیث صحیحہ میں ہے کہ ختم قرآن کے وقت اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور ختم قرآن کے وقت دعا کرنا مستحب ہے اس وقت اپنے اہم کاموں اور عام مسلمانوں کی فلاح کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ قرآن مجید کی یا مصحف کی تحفیف کرنا یا اس کی تکذیب کرنا یا اس کے کسی حرف پر انکار کرنا یا اس میں قصداً کسی حکم کو کم کرنا یا زیادہ کرنا یا تحریف کرنا کفر ہے اور بغیر علم کے قرآن مجید کے معنی بیان کرنا یا اس کی تفسیر کرنا حرام ہے۔ امام ابو داؤد حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنی رائے سے قرآن مجید میں کوئی بات کی اگرچہ وہ صحیح ہو پھر بھی اس نے خطا کی۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۵۸) قرآن مجید یاد کر کے اس کو بھول جانا سخت گناہ ہے۔ امام ابو داؤد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے بھی قرآن مجید پڑھ کر بھلا دیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کوڑھ کی حالت میں ملاقات کرے گا۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۷) امام بخاری حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں نے فلاں آیت بھلا دی بلکہ یہ کہے کہ فلاں فلاں آیت نے مجھے بھلا دیا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۳) قرآن مجید پڑھ کر دم کرنا جائز ہے۔ امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کو سورہ اخلاص، سورہ فلق اور سورہ الناس پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیوں پر دم کرتے پھر ان ہتھیلیوں کو اپنے سر اور اپنے چہرے پر اور جہاں تک ہاتھ پہنچتا ان ہتھیلیوں کو جسم پر پھیرتے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

تفسیر کی کتابوں کو بے وضو ہاتھ لگانے کی تحقیق

علامہ علاء الدین حصکلی حنفی لکھتے ہیں:

تفسیر کی کتابیں مصحف کی مثل ہیں (قرآن مجید کی طرح ان کو بھی بلا وضو چھونا جائز نہیں ہے) باقی دیگر شرعی کتابوں کا یہ حکم نہیں ہے اور ماسوا تفسیر کے باقی دینی کتابوں کو بے وضو چھونا جائز ہے ”درر“ میں ”مجمع الفتاویٰ“ سے اسی طرح منقول ہے۔ ”سراج“ میں لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ باقی شرعی کتابوں کو بھی بے وضو ہاتھ نہ لگائے لیکن ”اشباہ“ میں یہ قاعدہ مذکور ہے کہ جب حلال اور حرام مجتمع ہوں تو حرام کو ترجیح دی جاتی ہے اور ہمارے اصحاب نے بے وضو تفسیر کی کتابوں کو ہاتھ لگانے کی اجازت دی ہے اور انہوں نے یہ فرق نہیں کیا کہ اس کتاب میں اکثر حصہ تفسیر کا ہو یا قرآن مجید کا اور اگر وہ یہ فرق کرتے تو بہتر تھا۔

(در مختار علی ہاشم رد المحتار ج ۱ ص ۱۱۹-۱۱۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۷ھ)

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں:

(۱) بے وضو کے لیے مصحف (قرآن کریم) کو ہاتھ لگانا مکروہ (تحریمی) ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اسی طرح احادیث اور کتب فقہ کو بھی بے وضو کا ہاتھ لگانا مکروہ ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ مکروہ نہیں ہے (خلاصۃ اھادی) "شرح المنہیہ" میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ احادیث اور کتب فقہ میں جو قرآن مجید کی آیات ہیں وہ بہ منزلہ تالیف ہیں اور حدیث اور فقہ کی کتابوں کے مس کرنے والے کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ قرآن مجید کو مس کر رہا ہے۔

(۲) علامہ ابن ہمام نے "فتح القدیر" میں کہا ہے کہ تفسیر حدیث اور فقہ کی کتابوں کو بے وضو چھونا بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ کتابیں قرآن مجید کی آیات سے خالی نہیں ہوتیں۔ اس قول کے مطابق نحو کی شروحات کو بھی بے وضو ہاتھ لگانا مکروہ ہوگا کیونکہ ان میں بھی قرآن مجید کی آیات ہوتی ہیں (بلکہ بعض منطق کی کتابوں میں بھی قرآن مجید کی آیات ہوتی ہیں)۔

(۳) "المنہر الخائف" میں مذکور ہے کہ جن کتابوں میں قرآن مجید کی آیات زیادہ ہوں ان کتابوں کو بے وضو چھونا مکروہ ہے اور جن کتابوں میں قرآن مجید کی آیات کم ہوں ان کو بے وضو چھونا مکروہ نہیں ہے کیونکہ اعتبار اکثر اور اقل کا ہونا ہے۔ اس بنا پر کتب تفسیر کو بے وضو چھونا مکروہ ہوگا اور باقی دینی کتابوں کو بے وضو چھونا مکروہ نہیں ہوگا اور ان کتابوں میں بھی جس جگہ قرآن مجید کی آیات لکھی ہوں وہاں بے وضو ہاتھ نہ لگایا جائے۔

علامہ شامی نے اس تیسرے قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ تفسیر کی کتابوں میں قرآن مجید کی آیات کو با مقصد لکھا جاتا ہے بالتبع نہیں لکھا جاتا اس لیے یہ مصحف کے مشابہ ہیں۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۱۹-۱۱۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

قرآن مجید کا اعجاز

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ یہ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے نہ حضرت جبریل علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَتْ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا (اسراء: ۸۲)

وَلَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ رَبَّ الْعَالَمِينَ نَزِّلْ بِهِ آيَاتِهِ الْكَافِرِينَ عَلَى قُلُوبِكُمْ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُنْذَرِينَ (سج: ۱۸)

تو کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اور اگر قرآن اللہ کے غیر کی جانب سے ہوتا تو وہ اس میں بہت اختلاف پاتے۔ اور بے شک وہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے جسے جبریل نے نازل کیا آپ کے قلب پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں (اشراء: ۹۵-۹۴)

قرآن مجید معجز کلام ہے اور تمام جن و انس مل کر بھی اس کی نظیر لانا چاہیں تو وہ اس کی نظیر نہیں لے سکتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لِّیْنَ اِجْمَعَتْ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ (نبی اسرائیل: ۸۸)

آپ کہیے کہ اگر تمام انسان اور جن قرآن کی مثل لانے پر جمع ہو جائیں تو وہ اس کی مثل نہیں لے سکتے۔

نیز فرمایا:

أَمْ یَقُولُونَ اِذَا نَزَّلْنَاهُ قُلٌّ فَاتُوا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرِیْنَ وَاذْعُوْا مِنْ اَسْطِعْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

کیا وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن خود ہڑ لیا ہے آپ فرمادیجئے کہ پھر تم اس کی مثل دس سوئیں گھڑی ہوئی لے آؤ

صدقین (۱۳۰-۱۳۱)

اور اپنی مدد کے لیے اللہ کے سوا جس کو بلا سکتے ہو بلاؤ اگر تم
چے ہو O

اور فرمایا:

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْهُ لِنَزْلِئْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا
بِسُورَةٍ مِّنْ قَبْلِهِ. (البقرہ: ۲۳)

اگر تم کو (اس کلام کے کلام رہانی ہو نے میں) شک ہے
جس کو ہم نے اپنے (محبوب) بندہ پر نازل کیا ہے تو اس کی
مثل ایک سورت ہی لے آؤ۔

اور یہ بھی فرمایا:

فَلْيَاْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ O
(النور: ۲۴)

انہیں چاہیے کہ وہ اس کی مثل کوئی بات (آیت) لے
آئیں اگر وہ سچے ہیں O

عزیم النظر ہونے کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا

چودہ سو سال سے زیادہ گزر چکے ہیں اور دن بہ دن دنیا میں علوم و فنون کی ترقی ہو رہی ہے اور اسلام کے مخالفین اور
مکرمین بھی بہت زیادہ ہیں اس کے باوجود آج تک کوئی شخص قرآن مجید کی کسی ایک سورت یا کسی ایک آیت کی مثال نہیں لاسکا
اگر کسی شخص کی قدرت میں اس کی کسی ایک سورت یا کسی ایک آیت کی مثال لانا ممکن ہوتا تو وہ اب تک لا چکا ہوتا۔ قرآن مجید کی
ہر سورت بلکہ ہر آیت ایک چیلنج ہے اور اس کی ہر آیت معجز ہے اور اس کی ہر آیت قرآن کریم کی صداقت اللہ تعالیٰ کی وحدانیت
اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی روشن دلیل ہے۔

قرآن مجید کے معجز ہونے کے لیے یہ امر کافی ہے کہ چودہ سو سال سے لے کر آج تک کوئی اس کی نظیر اور مثال نہیں لا
سکا۔ علامہ طبری نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں صرف مواعظ (نصیحتیں) بیان کی ہیں اور زبور میں صرف اللہ تعالیٰ کی حمد
اور ثناء ہے اور انجیل میں صرف مثالیں بیان کی ہیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل کی ہے اس میں
مواعظ، حمد و ثناء اور تمثیلات بھی ہیں اور وہ تمام خصوصیات ہیں جو کتب سابقہ میں تھیں اور ان میں مستزاد یہ ہے کہ قرآن مجید میں
ایسے اصول اور احکام بیان کئے گئے ہیں جو عہد رسالت سے لے کر قیامت تک آنے والی تمام نسل انسانی کے نظام حیات کے
لیے کافی اور کافی ہیں۔

فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا

قرآن مجید میں جو مضامین بیان کئے گئے ہیں ان کی عبارت ایسی فصیح و بلیغ ہے کہ بڑے بڑے فصحاء اور بلغاء حیران و
ششدر رہ گئے اور ان کو یہ تسلیم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں اللہ وحدہ لا شریک کا کلام ہے۔
قرآن مجید کے مضامین میں توحید و رسالت ہے ہدایت ہے ترغیب و ترہیب ہے وعدہ اور وعید ہے امر اور نہی ہے نقص ہیں
دلائل اور براہین ہیں مثالیں ہیں حقائق کائنات ہیں اور ان کے اسرار ہیں ماضی اور مستقبل کے واقعات ہیں غیب کی خبریں
ہیں اور بہ کثرت پیش گوئیاں ہیں جو حرف بہ حرف صادق ہوئیں اور مسلسل صادق ہو رہی ہیں۔

قرآن مجید کے مضامین جس نظم اور عبارت میں بیان کئے گئے ہیں ان کے معجز ہونے کا اور انسان کی قدرت کے قاصر
ہونے کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک فصیح و بلیغ انسان جب ایک خطبہ یا قصیدہ لکھتا ہے تو وہ اس میں اپنی تمام
صلاحیت بروئے کار لاتا ہے پھر اس میں مسلسل غور کرتا رہتا ہے اور کئی لفظ حذف کرتا ہے کئی جملے تبدیل کرتا ہے لکھتا ہے منانا

ہے پھر تصحیح درستی کرنا ہے پھر کسی اور شخص کو دکھاتا ہے اور وہ اس میں طبع آزمائی کرتا ہے اور اس کی تصحیح کرتا ہے اور اس میں غور و فکر کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے پھر بھی حتمی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں اب کوئی غلط تبدیلی نہیں کیا جاسکتی یا کوئی جملہ حذف نہیں کیا جاسکتا اور قرآن مجید میں کسی ایک لفظ کو اس کی جگہ سے ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا لفظ رکھنا چاہیں تو تمام لغت عرب کو چھاننے کے بعد بھی اس لفظ کا متبادل نہیں مل سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کام معجز ہے اور انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر غور و فکر کے فی البدیہہ یہ کلام پیش کیا جبکہ آپ امی تھے کسی کتاب میں لکھنے پڑھنے کبھی نہیں گئے تھے اور یہ ایسا کلام ہے کہ اس کی ہر آیت میں اعجاز ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

کفار عرب میں سے بعض لوگوں نے قرآن مجید کو جب پہلی بار سنا تو سنتے ہی اس کے اعجاز کو جان لی اور فوراً مسلمان ہو گئے اور بعض نے اس کے اعجاز کو جانا لیکن عنادا کفر کیا کسی نے کہا: یہ شعر ہے کسی نے کہا: کہانت (جنوں کا کلام) ہے کسی نے کہا: یہ سحر ہے۔ جن لوگوں نے قرآن مجید کو سنتے ہی اس کے اعجاز کو جان لیا ان میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں جو سورۃ طہ کی چند آیات سنتے ہی ہادی اسلام کی دہلیز پر قبول اسلام کے لیے جا پہنچے اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ ہیں جو حم اسجدہ کی ابتدائی چند آیات سنتے ہی مسلمان ہو گئے اور جو قرآن مجید کے اعجاز کا ادراک کرنے کے باوجود کفر پر قائم رہے ان میں سے عتبہ بن ابی لہب اور ولید بن مغیرہ ہے۔ علامہ ابوالحیاء اندلسی نے بیان کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے بنو مخزوم سے کہا: میں نے ابھی ابھی (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایسا کلام سنا ہے جو کسی انسان کا کلام ہو سکتا ہے نہ جن کا اس کلام میں شہد کی شیرینی ہے اور سندروں کی روانی ہے اس کی بلندی شمر آور ہے اور اس کی گہرائی چشموں کا منبع ہے یہ کلام سب کلاموں پر فائق اور غالب ہے اور اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا اس کے باوجود وہ نفسانیت اور حسد سے مغلوب ہو گیا اور یہ کہہ کر ایمان نہیں لایا۔

قَالَ اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ يُؤْتٰوْنَ اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (الدھر: ۲۵-۲۴)

پس اس نے کہا: یہ وہی جادو ہے جو پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے ○ یہ محض بشری کا قول ہے ○

(المحرر المجلد ۱ ص ۱۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۳ھ)

کی اور زیادتی نہ ہو سکنے کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا

قرآن مجید نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن کریم میں سے کسی لفظ کو کم کیا جاسکتا ہے نہ اس میں کسی لفظ کو زیادہ کیا جاسکتا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَءَلَّاهُ لَحٰفِظُوْنَ (المجر: ۹) ○ ہی اس کے محافظ ہیں ○

اس آیت میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کا محافظ ہے اس لیے اس میں کوئی سورت ہلکہ کوئی آیت ہلکہ کوئی لفظ بھی کم نہیں ہو سکتا۔ اس چیلنج کو چودہ صدیاں گزر گئیں اور اسلام کا کٹر سے کٹر مخالف بھی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ قرآن مجید میں فلاں سورت یا فلاں آیت یا فلاں لفظ کم ہو گیا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيزٌ لَا يٰكُنُ مِنْهٗ الْبٰطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهٖ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ (م اسجدہ: ۲۲-۲۱)

اور بے شک یہ قرآن بہت معزز کتاب ہے ○ باطل (غیر قرآن) اس میں سامنے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید میں کسی لفظ کو بڑھایا نہیں جاسکتا اور چودہ سو سال گزر چکے ہیں اور کوئی بڑے

سے بڑا منکر اسلام بھی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ قرآن مجید کی فلاں آیت میں تحریف ہو گئی اور پہلے قرآن مجید میں یہ لفظ نہیں تھا اور اس کو بعد میں ملایا گیا اور قرآن مجید میں کسی لفظ کے کم نہ ہو سکتے اور زیادہ نہ ہو سکتے کے ان دونوں دعوؤں کی صداقت قرآن مجید کی حقانیت کی دلیل ہے اور یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے۔

پیش گوئیوں کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

آپ کہیے، اگر اللہ کے نزدیک دار آخرت لوگوں کے سوا صرف تمہارے لیے مخصوص ہے تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو O اور جو کام وہ پہلے کر چکے ہیں ان کی وجہ سے وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جانے والا

قُلْ إِنْ كَانَتْ كُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَتَّعُوا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ وَلَكِنْ يَتَمَتَّعُونَ أَبدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ○ (البقرہ: ۹۵-۹۴)

ہے O

اس آیت میں قرآن نے پیش گوئی فرمائی ہے کہ یہودی ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے یہودی قرآن کے منکر اور مخالف تھے ان کو چاہیے تھا کہ وہ اسلام اور قرآن کی تکذیب کے لیے موت کی تمنا کرتے لیکن وہ موت کی تمنا نہ کر سکے اور قرآن مجید کا صدق ظاہر ہو گیا اور یہ قرآن مجید کا عظیم معجزہ ہے کہ قرآن نے مخالفین کے دلوں کے متعلق پیش گوئی کی اور وہ قرآن مجید کی پیش گوئی کے خلاف دل میں خیال تک نہ لاسکے!

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اب یہ جاہل لوگ نہیں گے کہ مسلمان جس قبلہ پر (پہلے) تھے اس سے ان کو کس نے بھیج دیا۔

سَيَقُولُ الشُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَدَّعُوهُ عَن قِبَلَتِهِمْ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ○ (البقرہ: ۱۴۲)

اس آیت میں قرآن مجید نے یہودیوں کے متعلق یہ پیش گوئی کی ہے کہ وہ ضرورتاً قبلہ پر اعتراض کریں گے یہودی جو قرآن کے منکر اور مخالف تھے ان کو چاہیے تھا کہ وہ اس پر کوئی اعتراض نہ کرتے اور کہتے کہ دیکھو قرآن مجھوتا ہو گیا۔ قرآن نے کہا تھا کہ یہ تحویل قبلہ پر اعتراض کریں گے اور ہم نے کوئی اعتراض نہیں کیا لیکن ہوا وہی جس کی قرآن نے پیش گوئی کی تھی قرآن مجید نے مخالفین کی زبانوں کے متعلق پیش گوئی کی کہ یہ فلاں بات کہیں گے اور انہوں نے وہی بات کہی، اور قرآن مجید کا صدق ظاہر ہو گیا اور یہ قرآن کریم کا عظیم معجزہ ہے کہ مخالفین کی زبانوں اور ان کے دلوں کے ذریعہ قرآن مجید کی تصدیق ہوئی۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اور وہ آپ کو کیسے منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تو رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے۔

وَكَيْفَ يُحْكُمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ○ (المائدہ: ۴۳)

اس آیت میں حکم اللہ سے مراد رجم ہے یعنی شادی شدہ زانی کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔ قرآن مجید نے یہ دعویٰ کیا کہ تو رات میں یہ حکم موجود ہے یہودی آئے دن تو رات میں تحریف کرتے رہتے ہیں اگر وہ چاہتے یا چاہیں تو تو رات سے رجم کا حکم نکال دیں اور پھر کہیں کہ دیکھو قرآن نے کہا تھا کہ تو رات میں رجم کا حکم ہے حالانکہ اس میں یہ حکم نہیں ہے کتنی صدیاں گزر گئیں تو رات میں کتنی تبدیلی اور تحریف ہوئی اور کتنی آیتیں نکال دی گئیں لیکن رجم کی آیت تو رات میں ہر دور میں موجود رہی اور یہ قرآن مجید کی صداقت کی زبردست دلیل ہے اور قرآن مجید کا عظیم معجزہ ہے۔

تورات کی حسب ذیل آیات میں رجم کا حکم موجود ہے:

پر اگر یہ بات سچی ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مرجائے کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ بن گیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا (استثناء: باب ۲۲ آیت ۲۱-۲۰) اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہوگئی، اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھانگ پر نکال دینا اور اس کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مرجائے۔ لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔

(استثناء: باب ۲۲ آیت: ۲۳-۲۲)

یوحنا کی انجیل میں بھی تورات کے حوالے سے رجم کا حکم موجود ہے: (یوحنا: باب ۸ آیت: ۵)

اللہ تعالیٰ نے فرعون کے متعلق فرمایا:

فَالْيَوْمَ نَنْتَقِيطُكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً
سو آج ہم تیرے (بے روح) جسم کو بچالیں گے تاکہ تو (یونس: ۹۲) اپنے بعد والوں کے لیے (عبرت) کا نشان ہو جائے۔

جب فرعون سمندر میں غرق ہو گیا تو چاہیے تھا کہ فطرت کے عادی نظام کے مطابق سمندر کی موجیں اسے دور کھین بھا کر لے جائیں اور سمندر کا کھارا پانی اس کے گوشت اور پوست کو گلا دیتا اور سمندری جانور اس کو کھا لیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم کو باقی رکھا تاکہ دنیا دیکھ لے کہ خدائی کے دعوے دار کا کیا انجام ہے سو سمندری موجوں نے اس کے بے جان جسم کو ایک ٹیلہ پر پھینک دیا یہ جگہ آج بھی جبل فرعون کے نام سے مشہور ہے اس کی لاش کو دیکھ کر بنو اسرائیل کو بھی اس کی موت کا یقین ہو گیا اور بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے بھی اس میں اللہ کی قدرت پر دلیل ہے کیونکہ مصر کے عجائب گھر میں اس کی لاش آج بھی محفوظ ہے اور ماہرین آثار قدیمہ کی تحقیق ہے کہ یہی وہ فرعون (نعمیس ثانی یا منفتاح دوم) ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ ہوا تھا۔ ہر چند کہ قرآن مجید نے یہ نہیں کہا کہ قیامت تک کے لوگوں کے لیے اس کا جسم باقی اور محفوظ رہے گا اور یہ طور نشان عبرت قائم رہے گا لیکن قرآن مجید نے یہ کہا ہے کہ وہ فرعون کے (بے جان) جسم کو بعد والوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دے گا۔ یہ فرعون ۱۲۶۳ قبل مسیح میں غرق ہوا (اردو دائرۃ المعارف ج ۵ ص ۲۷۵) اور یہ ۱۹۹۶ء ہے اور اس کی موت کو اب تین ہزار دو سو اٹھ سال گزر چکے ہیں اور اس کا جسم اب بھی مصر کے عجائب خانہ میں موجود ہے اور دیکھنے والوں کے لیے یہ اب بھی عبرت کا نشان ہے۔ مصر پر غیر مسلموں کی حکومت بھی رہی اور یہ ظاہر ان کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ فرعون کی لاش کو تباہ و برباد اور نیست و نابود کر دیتے لیکن یہ قرآن کریم کا عظیم معجزہ ہے کہ اس نے مخالفین اسلام اور دشمنان قرآن کے ہاتھوں بھی فرعون کی لاش کی حفاظت کرائی اور قرآن مجید کی پیش گوئی کے مطابق وہ آج بھی بعد والی نسلوں کے لیے عبرت بنا ہوا ہے۔

حقائق کائنات کی خبر دینے کے اعتبار سے قرآن کا معجز ہونا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ النَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

كُلٌّ فِي فَكٍّ يَسْبَحُونَ (النہیہ: ۲۲)

اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا (سورج اور چاند) ہر ایک (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہا ہے۔

نیز فرمایا:

وَسَخَّرَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى

(الرعد: ۲۰، انفطار: ۳۳)

اور اس (اللہ تعالیٰ) نے سورج اور چاند کو ایک نظام کا پابند کیا (ان میں سے) ہر ایک مقرر ميعاد تک چل رہا ہے۔

اور فرمایا:

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ وَالْقَمَرَ قَدْرَهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (یس: ۳۸-۴۰)

اور سورج اپنے مقرر راستے پر چلتا رہتا ہے یہ زبردست عظیم ذات کا مقرر کیا ہوا نظام ہے O اور ہم نے چاند کی بھی منزلیں مقرر کر دی ہیں حتیٰ کہ وہ اس سے گزرتا ہوا کھجور کی پرانی شاخ کی مانند رہ جاتا ہے O نہ سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور ہر ایک (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہا ہے O

قدیم فلسفیوں کا یہ نظریہ تھا کہ زمین ساکن ہے اور چاند اور سورج اور دیگر کواکب سیارہ حرکت کر رہے ہیں اس کے بعد سائنس دانوں نے یہ کہا کہ زمین متحرک ہے اور چاند سورج وغیرہ ستارے ساکن ہیں۔ مجھے یاد ہے آج سے چالیس ساں پہلے میں نے ایک سائنس کے طالب علم سے کہا کہ قرآن میں ہے: سورج اور چاند متحرک ہیں تو اس نے کہا: یہ غلط ہے سورج اور چاند ساکن ہیں۔ میرا اس وقت بھی یہی ایمان تھا کہ صحیح وہی ہے جو قرآن نے کہا ہے اور اب سائنس دانوں نے آلات رصدیہ سے مشاہدہ کر کے یہ تحقیق کر لی ہے کہ زمین بھی متحرک ہے اور چاند اور سورج بھی متحرک ہیں۔ جس حقیقت کو سائنس دانوں نے برہانوں کے مشاہدات تجربوں اور تحقیق سے پایا اب سے چودہ سو سال پہلے ایک امی نبی نے بغیر کسی رصد گاہ کے یہ بتایا کہ سورج اور چاند دونوں حرکت کر رہے ہیں اور ہر سیارہ اپنے مدار میں تیر رہا ہے زمین کا جو حصہ سورج کے سامنے آ جاتا ہے وہاں دن ہوتا ہے اور جو حصہ اس سے چھپا رہتا ہے وہاں رات ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا چودہ سو سال بعد سائنس نے اس کی تصدیق کر دی ہے کیا یہ اس بات کی واضح دلیل نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو کچھ فرمایا تھا یہ کسی انسان کا کلام نہیں تھا بلکہ وحی الہی تھی اور یہ قرآن کریم کا عظیم معجزہ ہے کہ جو کچھ قرآن نے کہا تھا چودہ سو سال بعد علم اور سائنس نے اس کی حرف بہ حرف تصدیق کر دی۔

نیز قرآن مجید نے فرمایا:

يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا قَرِينًا بَعْدَ خَلْقٍ قَرِينٍ

فَلَمَّا تَكَلَّفْتُمُ مَعْلُومًا (الزمر: ۶)

وہ تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تین تارکیوں میں تم کو پیدا کرتا ہے ایک پیدائش کے بعد دوسری پیدائش۔

جس وقت علم تشریح الاعضاء کی ابتداء نہیں ہوئی تھی اس وقت قرآن مجید نے یہ بتایا تھا کہ رحم کے اندر تین تارکیوں میں انسان کی تخلیق ہوتی ہے اور جدید میڈیکل سائنس نے اب انکشاف کیا ہے کہ رحم کے اندر تین پردوں میں انسان کی تخلیق ہوتی ہے۔

مَرْرًا الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ

(الرحمن: ۱۹-۲۰)

اس نے (تلخ و شیریں) دو سمندر رواں کر دیئے جو ایک دوسرے سے (بہ ظاہر) ملے ہوئے ہیں O ان کے درمیان ایک حجاب ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے O

حاکم دیا۔ نے لکھا ہے کہ فرانسیسی سائنس دان کوستو (COSTEAU) جو اندری حقیقات میں عالمی شہرت رکھتے ہیں، نے بد دریافت کیا کہ بحیرہ روم اور بحر اوقیانوس کیسبائی اور حیاتیات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور اس نے اس کے مقام پر بھی یہ ایک دوسرے میں خلا مدط نہیں دوتے اور جبل اللارق (جبرالٹر) کی باڑھ دونوں کو الگ کرتی ہے اس تحقیق کے بعد جب کوستو کو اس قرآنی آیات کا علم ہوا تو وہ قرآن مجید کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے مسلمان ہو گیا۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

قرآن کریم کا معجز ہونا اس اعتبار سے ہے:

(۱) قرآن مجید ایسی حسین نظم اور عبارت میں نازل ہوا ہے جو ہر اکل منفرد ہے اس سے پہلے زبان عرب میں اس کی کوئی مثال تھی نہ کسی اور زبان میں کیونکہ اس سے پہلے اصناف کلام میں یا شعر تھا یا کہانت (جنوں کا کلام) تھی یا عرکھا جیج مسہم میں ہے حضرت ابودر کے بھائی حضرت انیس نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا: مکہ میں میری ایک شخص سے ملاقات ہوئی جو تمہارے دین پر ہے ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کو اللہ نے رسول بنایا ہے میں نے پوچھا کہ لوگ ان کو کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا: لوگ ان کو شاعر کا کہتے ہیں حضرت انیس خود شاعر تھے انہوں نے کہا: یہ خدا میں نے کانوں کا کلام سنا ہے یہ کانوں کا قول نہیں ہے اور میں نے اس کلام کا شعر کی تمام اصناف اور اقسام سے تقابل کر کے دیکھا یہ شعر نہیں ہے یہ خدا وہ سچے ہیں اور لوگ جھوٹے ہیں۔ اسی طرح جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات پڑھیں:

خَوِّنْ تَنْزِيلُ مِنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ كَتَبْتُ فَصَلَتْ
اِنَّهُ قُرْآنٌ عَرَبِيٌّ لَقَدْ عَلِمْتُمْ لِيَسْخِرَ وَتَذِيرًا
فَاَعْرَضْ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ (نہ سجہ: ۱-۲)

م۔ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کلام ہے جو نہایت رحم کرنے والا اور بے حد رحیم ہے۔ یہ کتاب ہے جس کی آیتیں وضاحت سے بیان کی گئی ہیں درآں حلیہ۔ یہ عربی قرآن (عربی میں پڑھا جاتا ہے) علم والے لوگوں کے لیے۔ خوشخبری دینے والا ہے اور ڈرانے والا ہے سو، کتر لوگوں نے (اس سے) منہ پھیر لیا تو وہ نہیں سنتے۔

تو عقبہ بن ربیعہ نے ان آیات کو سن کر کہا کہ یہ جادو ہے نہ شعر ہے اور اس نے کہا: اس نے فصاحت اور بلاغت میں قرآن کی طرح کوئی اور کلام نہیں سنا اور اس نے قرآن مجید کے معجز ہونے کا اقرار کر لیا۔

(۲) قرآن مجید کا اسلوب کلام عرب کے تمام اسالیب سے مختلف ہے۔

(۳) قرآن مجید کے خطاب میں ایسی جہالت اور عظمت ہے جو کسی اور خطاب میں متصور نہیں ہے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:

قَالَ الْقُرْآنُ الْبَعِيدُ بَلْ عَجَبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ
مِنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ إِذَا امْتَنَّا وَكُنَّا
تَرَابًا ذَلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ (ق ۱-۲)

ق۔ قرآن کریم کی قسم۔ بلکہ ان کو اس پر تعجب ہو کہ انہی میں سے ایک ڈرانے والا آگیا تو کافروں نے کہا: یہ عجیب بات ہے۔ جب ہم مرجائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے (تو کیا دوبارہ زندہ ہوں گے؟) یہ لوٹنا تو فہم سے بعید ہے۔

ہے۔

نیز فرمایا

لَسِنَ الْمُلْكِ الْيَوْمَ رَبُّكَ الْوَاحِدُ الْمَهْدِي

آج کس کی بادشاہی ہے؟ صرف اللہ کی ہے جو واحد

(المومن: ۱۶) ہے سب پر غالب ہے O

ابن الکھاء نے کہا: یہ حسینؑ منفردا سلوب اور جلالت خطاب ہر سورت بلکہ ہر آیت میں لازم ہیں اور ان میں اوصاف سے قرآن مجید کی ہر سورت تمام انسانوں کے کلام سے متمیز ہے اور انہی اوصاف کے ساتھ قرآن مجید کی تفسیر لانے کا پتہ مل گیا ہے اور ہر سورت میں یہ تین اوصاف الگ الگ اطوار سے بیان کئے گئے ہیں۔ سورہ کوثر قرآن مجید کی سب سے چھوٹی سورت ہے اس میں بھی یہ تین امور بہ طریق اتم موجود ہیں اور اس میں غیب کی خبریں بھی ہیں ایک خبر یہ ہے کہ آپ کو کوثر دی جائے گی اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ آپ کے پیروکار دنیا میں تمام رسولوں کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے اور فی الواقع ایسا ہی ہوا دوسری ولید بن مغیرہ کے متعلق یہ پیش گوئی ہے کہ وہ مقطوع النسل ہوگا حالانکہ اس آیت کے نزول سے پہلے وہ بہت مالدار اور کثیر الاولاد تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے مال اور اولاد کو ہلاک کر دیا اور اس کی نسل منقطع کر دی۔

(۴) قرآن مجید میں عربی زبان کے مطابق ایسا تصرف ہے کہ ہر کلمہ اور حرف اپنی جگہ پر صحیح ہے اور کسی کلمہ اور حرف کو اس کی جگہ سے ہٹایا نہیں جاسکتا۔

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے اور بعثت سے پہلے آپ نے کوئی کتاب پڑھی تھی اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا تھا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کے واقعات بیان کئے اور گزشتہ اقوام کے واقعات پڑھے اور اہل کتاب کے سوالات کے جوابات دیئے انہوں نے بہ طور چیلنج کے آپ سے اسباب کہف حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا ماجرا اور ذوالقرنین کا حال پوچھا اور آپ نے ان کا صحیح صحیح واقعہ بیان کر دیا حالانکہ آپ ایک ان پڑھ قوم سے مبعوث ہوئے تھے اور خود امی تھے کسی مکتب میں گئے تھے نہ کسی استاد سے پڑھا تھا نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا تھا اس لیے آپ کا یہ دعویٰ سچا ہو گیا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

(۶) قرآن مجید کے وعدوں کا سچا اور پورا ہونا اللہ تعالیٰ نے جتنے وعدے کیے ہیں ان سب کا پورا ہونا مشاہدہ میں آچکا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار آپ کو بے وطن کریں گے اور اللہ آپ کی مدد فرمائے گا اور جو وعدے کسی شرط کے ساتھ معلق کئے گئے وہ اس شرط پر پورے ہوئے مثلاً:

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (الطلاق: ۳)

اور جو اللہ پر توکل کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا (الطلاق: ۲)

اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نجات کا راستہ بنا دے گا O

إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا أَمَاطَتَيْنِ (الانفال: ۶۵) غالب ہو جائیں گے۔ اگر تم میں سے بیس صابر کرنے والے ہوں تو وہ دوسو پر

(۷) قرآن کریم نے مستقبل کے واقعات کے متعلق ایسی خبریں دی ہیں جن کو وحی کے سوا جاننے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ

وہ (اللہ) ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (الحج: ۲۸)

دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تمام دنیا پر غالب آجائے گا اور فی الواقع ایسا ہو گیا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جب کسی کافر قوم پر حملہ کرتے تو مسلمان لشکر کو یہ باور کرا دیتے کہ انہی کو غلبہ حاصل ہوگا حتیٰ کہ وہ یہ دیرپے فتوحات حاصل کرتے رہے اور شرق و غرب اور بحر و بر میں اسلام پھیل گیا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّسُلَ بِالْحَقِّ لَنُدْخِلَنَّهُ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمَنِينَ (التَّح: ۲۷)

بے شک اللہ نے اپنے رسول کو حق کے ساتھ چاہا خواب دکھایا کہ اللہ کے چاہنے سے تم ضرور بہ ضرور مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہو گے

اور آٹھ ہجری کو فتح مکہ کے دن ایسا ہو گیا۔

اللَّهُ تَعَالَىٰ غَلِبَتِ الزُّمُرُ فِي آذَانِ الْأَرْضِ وَهُمْ مِّنْ يَّعْبُدُونَ فِي بَصَرِ سِنِينَ (الروم: ۱-۲)

الم O اہل روم (فارس سے) شکست کھا گئے O قریب کی زمین میں اور وہ اپنی شکست کے بعد عنقریب فتح یاب ہوں گے O چند سالوں میں۔

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اہل فارس بہت طاقتور اور رومی ان کے مقابلہ میں بہت کمزور تھے اور اس وقت کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ رومی ایرانیوں کو شکست دیں گے لیکن چند سال بعد وہی ہوا جس کی قرآن سے پیش گوئی کی تھی۔

وَرَادُّ بَعْدُ كَمَا اللَّهُ إِحْدَى الْكَافَّةَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ (الانفال: ۷)

اور جب اللہ نے تم سے وعدہ فرمایا کہ وہ گروہوں میں سے ایک گروہ یقیناً تمہارے لیے ہے۔

ایک گروہ کفار کا تجارتی قافلہ تھا جس پر قبضہ سے مسلمانوں کو مال و دولت کی فراوانی حاصل ہوتی اور دوسرا گروہ کفار کا لشکر تھا جس پر فتح حاصل کرنے سے مسلمانوں کی ہیبت کفار پر چھ جاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رجحان کے پیش نظر مسلمانوں نے لشکر کفار سے مقابلہ کا فیصلہ کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق ان کو فتح عطا فرمائی:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور: ۵۵)

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان سے اللہ نے وعدہ فرمایا کہ وہ انہیں زمین میں ضرور بہ ضرور خلافت دے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام نے ایمان اور اعمال صالحہ کی اعلیٰ روایات قائم کیں اور اللہ تعالیٰ نے خلفاء راشدین کی خلافت کو روئے زمین پر عرصہ دراز تک قائم رکھا اور جب تک مسلمان اسلام پر کاربند رہے اور تبیخ اسلام میں سرگرم رہے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکومت عطا کی اور زمانہ میں سرخ رو رکھا۔ (برصغیر میں مسلمانوں کی طویل غلامی کا باعث یہ تھا کہ وہ جذبہ جہاد سے عاری ہو چکے تھے اور اپنی حکمرانی کے طویل دور میں تبیخ اسلام کو چھوڑ بیٹھے تھے)۔

(۸) قرآن مجید میں حلال اور حرام اور دیگر احکام شرعیہ کا بیان ہے جو نوع انسانی کے لیے مکمل دستور حیات ہے۔

(۹) قرآن مجید میں ایسی بلوغ حکمتیں بیان کی گئی ہیں جو عادت ایک انسان نہیں بیان کر سکتا۔

(۱۰) قرآن مجید میں تناسب اور یکسانیت ہے اور اس میں ظاہر اور باطن کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا

اور اگر قرآن اللہ کے غیر کی جانب سے ہوتا تو وہ ضرور

اس میں بہت اختلاف پاتے O

كَثِيرًا O (النساء: ۸۲)

(علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی مدنی ۶۶۸ھ طبع ۱۰۸۵ھ حاشیہ ۵۲۔ ۵۳ مطبوعہ انتشارات ماسرہ ۱۰۸۵ھ ص ۸۷)

قرآن مجید میں تناسب و اعتبار سے ہے: ایک نذیر ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیات فصاحت اور بلاغت سے اعتبار سے معجز ہیں اور کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جو فصاحت اور بلاغت میں درجہ اعجاز سے کم دس بڑے بڑے انسان نے کلام میں عادت کیا آیت نہیں ہوتی، بعض جملے اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہیں اور بعض سرسری ہوتے ہیں، بعض کتابوں میں شروع شروع میں بہت تحقیق ہوتی ہے اور بعد میں گھس بھرتی ہوتی ہے اسی طرح شروحات میں انداء میں تو بہت تفصیل کی جاتی ہے اور بعد میں صرف برائے نام شرح ہوتی ہے اور اول تا آخر پوری کتاب میں ایک معیار کو قائم رکھنا یہ انسان نے بس میں نہیں ہے یہ سرفہ اسی قادر اور قیوم کے کلام کا اعجاز ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان نسیان اور خطا کا پتلا ہے وہ ایک جگہ کچھ لکھتا ہے اور دوسری جگہ کچھ لکھ دیتا ہے جو اس کے خلاف ہوتا ہے اس لیے تافض اور اختلاف سے مبرا ہونا یہ اللہ رب اعزت ہی کے کلام کو زیہ ہے اور اسی کے کلام کا خاصہ ہے۔

علامہ علاء الدین حصکلی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب (قرآن مجید) کے سوا ہر کتاب کی عصمت کا انکار فرماتا ہے۔

(در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۱ ص ۲۵ مطبوعہ مطہد ۱۴۰۵ھ ایضاً ج ۲ ص ۳۲۷)

علامہ شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کے سوا کسی کتاب کے لیے عصمت کو مقرر نہیں کیا یا کسی اور کتاب کی عصمت پر راضی نہیں ہے یہ صرف اسی کی کتاب کی شان ہے جس کے حق میں فرمایا:

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ

اس کتاب میں باطل سامنے سے آ سکتا ہے نہ پیچھے سے

(نم احمد ۲۲۰)

سو قرآن مجید کے علاوہ دوسری کتابوں میں خطائیں اور لغزشیں واقع ہوتی ہیں کیونکہ وہ انسان کی تہنیفات ہیں اور خطا اور لغزش انسان کی سرشت ہے۔

علامہ عبد العزیز بخاری نے ”اصول بزدوی“ کی شرح میں لکھا ہے کہ بوہلی نے امام شافعی سے روایت کیا ہے کہ امام شافعی نے کہا: میں نے اس کتاب کو تہنیف کیا ہے میں نے اس میں صحت اور صواب کو ترک نہیں کیا لیکن اس میں ضرر کوئی نہ کوئی بات اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہوگی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا

اور اگر قرآن اللہ کے غیر کی جانب سے ہوتا تو وہ اس

میں ضرور بہت اختلاف پاتے O

کَثِيرًا (النساء: ۸۲)

لہذا تم کو اس کتاب میں جو بات کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ملے اس کو چھوڑ دو۔ یونہی میں کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کرنے والا ہوں۔ مزنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کی کتاب ”الرسالۃ“ ان کے سامنے اسی مرتبہ پڑھی اور ہر مرتبہ امام شافعی اس میں کسی خطا پر مطلع ہوئے با آخر امام شافعی نے فرمایا: اب تصحیح کو چھوڑ دو اللہ تعالیٰ اس بات سے انکار فرماتا ہے کہ اس کی کتاب کے سوا اور کوئی کتاب صحیح ہو۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۲۶ مطبوعہ مطہد ۱۴۰۵ھ ایضاً ج ۲ ص ۳۲۷)

نسخ کی تحقیق

علوم قرآن میں نسخ بھی ایک اہم اور معرکہ الآراء موضوع ہے ہم اس سلسلہ میں پہلے نسخ کا لغوی اور شرعی معنی بیان کریں گے پھر نسخ میں مذاہب اسلامیہ اور بعض متجددین کے نظریات کا ذکر کریں گے اس کے بعد "نسخ القرآن بالقوان" نسخ القرآن بالسنة نسخ القرآن بالقوان "اور" نسخ السنة بالسنة" کا تفصیل سے ذکر کریں گے۔ ورثاؤں اور شواہد سے ان چاروں قسموں کی وضاحت کریں گے اور اس سلسلہ میں اہل حق کے نظریہ پر داخل پیش کریں گے۔ ورثاؤں کے شہادت کا ازالہ کریں گے۔ فقول و باللہ التوفیق۔

نسخ کا لغوی معنی

علامہ محمد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

نسخ کا معنی ہے: کسی چیز کو زائل اور مغیر کرنا، کسی چیز کو باطل کر کے دوسری چیز کو اس کا قائم مقام کرنا

(قاموس ج ۱ ص ۵۳۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں:

عرب کہتے ہیں: "نسحت الشمس الظل" سورج نے سائے کو منسوخ کر دیا یعنی سائے کو زائل کر دیا سائے کو گھبراہٹ آیت نے دوسری آیت کو منسوخ کر دیا یعنی اس کے حکم کو زائل کر دیا نسخ کا معنی ہے: ایک چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیا میث نے کہا: نسخ کی تعریف یہ ہے کہ جس چیز پر پہلے عمل کیا جاتا تھا اس کو زائل کر دیا جائے اور کسی نئے کام پر عمل کیا جائے فراہ نے کہا: نسخ یہ ہے کہ پہلے ایک آیت پر عمل کیا جائے پھر دوسری آیت نازل ہو تو اس پر عمل کیا جائے اور پہلی آیت پر عمل کو ترک کر دیا جائے اور ابن الاغرابی نے کہا: نسخ یہ ہے کہ ایک چیز کو دوسری چیز سے تبدیل کر دیا جائے۔

(تاج العروس ج ۲ ص ۲۸۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نسخ کا شرعی معنی

امام رازی لکھتے ہیں:

نسخ وہ دلیل شرعی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نسخ سے پہلے جو حکم کی دلیل شرعی سے ثابت تھا وہ حکم اب نہیں ہے اور نسخ کی یہ دلیل پہلے حکم کی دلیل سے متاخر ہوتی ہے اور اگر یہ نسخ نہ ہوتا تو وہی حکم ثابت رہتا۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

نسخ یہ ہے کہ ایک دلیل شرعی کے بعد ایک اور دلیل شرعی آئے جو پہلی دلیل شرعی کے حکم کے خلاف کو واجب کرے۔

(توضیح مکتوب ج ۲ ص ۳۱ مطبوعہ دار الکتب المصریہ قاہرہ مصر)

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں:

صاحب شرع کے حق میں کسی حکم شرعی کی انتہا کو بیان کرنا نسخ ہے نہ حکم کی انتہا اللہ تعالیٰ کے نزدیک معلوم ہوتی ہے مگر ہمارے علم میں اس حکم کا دوام اور استمرار ہوتا ہے اور نسخ سے ہمیں اس حکم کی انتہا معلوم ہوتی ہے اس لیے ہمارے حق میں نسخ تبدیل اور تغیر سے عبارت ہے۔ (کتاب الترمذیات ص ۱۰۶ مطبوعہ المطبعۃ الخیرہ بیروت ۱۳۰۶ھ)

علامہ محمد عبدالعظیم زرقانی لکھتے ہیں:

کسی حکم شرعی کو دلیل شرعی سے ساقط کر دینا سخی ہے۔ (مناہل العرفان ج ۲ ص ۷۰۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سخ میں مذاہب

امام رازی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک سخ عقلاً جائز ہے اور دلائل سمعیہ سے سخ ثابت اور واقع ہے اس میں یہود کا اختلاف ہے بعض یہود نے سخ کا عقلاً انکار کیا اور بعض یہود نے سخ کو عقلاً جائز کہا، اور سمعاً انکار کیا، بعض مسلمانوں نے بھی سخ کا انکار منقول ہے جمہور مسلمین نے سخ کے جواز اور وقوع پر اس سے استدلال کیا ہے کہ دلائل سے حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہے اور جب تک یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ آپ سے پہلے کی تمام شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں اس وقت تک آپ کی نبوت اور شریعت ثابت نہیں ہوگی اس لیے قطعی طور پر سخ واقع ہے۔

یہود کے خلاف سخ پر حجت یہ ہے کہ تورات میں ہے: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی ذریت کے لیے تمام جانور حلال کر دیئے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل پر بہت سے جانور حرام کر دیئے دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بہن کا بھائی سے نکاح کر دیتے تھے اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اس کو حرام کر دیا گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۳۲-۲۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ محمد عبدالعظیم زرقانی لکھتے ہیں:

نصاری نے بھی سخ کا انکار کیا ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا: آسمان اور زمین زائل ہو جائیں گے اور میرا کلام زائل نہیں ہوگا اس کا اولاً جواب یہ ہے کہ جو کتاب ان کے ہاتھوں میں ہے ہم اس کو وہ انجیل تسلیم نہیں کرتے جو حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی تھی کیونکہ اس میں تاریخی واقعات ہیں جن کو بعض عیسائیوں نے وضع کیا ہے جس میں حضرت مسیح کی ولادت ان کی نشوونما ان کی دعوت ان کے سفر ان کے معجزات اور ان کے وعظ اور مناظرات کا ذکر ہے اور اس میں ان کے صلیب پر چڑھائے جانے کا بیان ہے اور ان واقعات کے راویوں کی کوئی سند نہیں ہے اور نہ ان کے ضبط اور اتصال کا بیان ہے۔

اور بر تقدیر تسلیم حضرت مسیح علیہ السلام کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ان کی نبوت منسوخ نہیں ہوگی نہ کہ ان کی شریعت اور متی کی انجیل میں حضرت مسیح کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: امتوں کے راستوں پر نہ جاؤ اور سامریوں کے شہر میں نہ داخل ہو اور مرقس کی انجیل میں مذکور ہے: ”تمام عالم میں جاؤ“ اور قول ثانی قولی اول کا ناخ ہے۔

(مناہل العرفان ج ۲ ص ۱۰۱-۱۰۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نیز علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

اہل اسلام میں سے ابو مسلم نے سخ کا انکار کیا ہے اور ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ

بِتُزْنٍ ۖ قَدْ كُنِيَ كَيْدٌ ۝ (احسبہ: ۴۲)

اس کے پیچھے سے یہ حکمت والے حد کئے ہوئے (رب) کی طرف سے اتاری ہوئی (کتاب) ہے ۝

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس حکم کو منسوخ فرمایا ہے وہ باطل نہیں ہے بلکہ جس زمانہ میں وہ حکم مشروع تھا اس زمانہ کے اعتبار سے وہی حکم برحق تھا اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ قرآن مجید میں باطل چیز نہیں آسکتی اور اس آیت کا معنی یہ

ہے کہ قرآن مجید کے بیان کردہ عقائد عقل کے موافق ہیں اور اس کے احکام حکمتوں پر مبنی ہیں اور اس کی دی ہوئی خبریں واقع کے مطابق ہیں اور اس کے الفاظ تفسیر اور تبدیلی سے محفوظ ہیں اور اس میں کسی وجہ سے بھی حطاء کا درآنا ممکن نہیں ہے۔

(مسائل القرآن ج ۲ ص ۱۰۳-۱۰۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سنخ کے متعلق پرویز صاحب کے نظریہ کا علمی جائزہ

غلام احمد پرویز صاحب کے نزدیک پچھلی شریعتیں منسوخ ہو گئی ہیں اور قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے اور قرآن مجید میں جہاں سنخ کا ذکر ہے اس سے مراد شرائع سابقہ کا منسوخ ہونا ہے اور قرآن مجید میں سنخ کی نفی پر انہوں نے یہ دلیل قائم کی ہے:

اس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ خدا نے قرآن کریم میں کسی بات کا حکم دیا۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد اس نے سوچا کہ اس حکم کو منسوخ کر دینا چاہیے چنانچہ اس نے ایک اور آیت نازل کر دی جس سے وہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ حکم اس سے پہلے حکم سے بہتر ہوتا تھا۔ واضح رہے کہ اس نئی آیت میں یہ کہیں نہیں بتایا جاتا تھا کہ اس سے فلاں آیت کو منسوخ سمجھا جائے اس لیے قرآن کریم میں منسوخ آیات بھی اسی طرح سے موجود ہیں اور ناسخ آیات بھی۔ اللہ نے ان کے متعلق کہیں نہیں بتایا کہ فلاں آیت منسوخ ہے فلاں آیت سے۔ یہ فقہین بعد میں روایات کی رو سے یا مفسرین کے اپنے خیالات کی رو سے کیا گیا چنانچہ ان آیات کی تعداد ہمیشہ کھنتی بڑھتی رہی حتیٰ کہ شاہ ولی اللہ کے نزدیک ان کی تعداد صرف پانچ ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

اس عقیدہ کی رو سے اب دیکھئے کہ خدا قرآن کریم اور رسول اللہ کے متعلق کس قسم کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ خدا کا تصور اس قسم کا ہے کہ وہ آج ایک حکم صادر کرتا ہے لیکن بعد کے حالات بتا دیتے ہیں کہ وہ حکم ٹھیک نہیں تھا اس لیے وہ قرآن کریم کے اس حکم کو منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم دے دیتا ہے۔ (لغات القرآن ص ۱۶۰۸ مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام ۱۹۸۳ء)

تاکمین سنخ کے نزدیک سنخ کی یہ تعبیر ہرگز نہیں ہے جو پرویز صاحب نے بیان کی ہے بلکہ سنخ کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن حالات میں جو حکم پہلے دیا تھا ان حالات میں وہی حکم برحق اور صحیح تھا اور جب حالات بدل گئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم بدل دیا اور بعد کے حالات میں وہی حکم صحیح اور برحق ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداء میں کفار کی زیادتیوں کے خلاف غزو و درگزر کا حکم دیا کیونکہ اس وقت مسلمانوں کی اتنی جمعیت نہیں تھی کہ وہ کفار سے ایک بڑی جنگ کا خطرہ مول لیتے اس لیے فرمایا:

فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۝
تو انہیں معاف کر دو اور درگزر کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنا
(البقرہ: ۱۰۹) کوئی (اور) حکم لے آئے۔

اور جب مسلمانوں کی جمعیت قوی ہو گئی تو یہ ارشاد فرمایا:
فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوا لَهُمْ
وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُوا وَالْهَرَمُ كُلَّ مَرَضٍ ۝ (التوبہ: ۵)
تم جہاں کہیں بھی مشرکین کو پاؤ تو ان کو قتل کر دو اور ان کا
محاصرہ کر لو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو۔

نیز ۹ھ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے منع فرمادیا اس کا صریح مفاد یہ ہے کہ ۹ھ سے پہلے مشرکین کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے طواف کرنے کی اجازت تھی اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد یہ اجازت منسوخ کر دی گئی وہ آیت یہ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْبَشْرُ خُلُقٌ لَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَاهِهِ هَذِهِ (البقرہ: ۲۸) اے ایمان والو! نماز شریف میں کھس ناپاک میں دوہا اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔

نیز پرویز صاحب نے سابقہ شریعتوں کے منسوخ ہونے کو جائز کہا ہے تو کیا ان کے طور پر معاذ اللہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک شریعت کو نازل کیا پھر سوچا کہ معاذ اللہ یہ شریعت ٹھیک نہیں ہے تو دوسری شریعت کو نازل کر دیا اور جس دلیل سے یہ نسخ جائز ہے اسی دلیل سے اسلام کے بعض احکام کا منسوخ ہونا بھی جائز ہے۔

پرویز صاحب سابقہ شریعتوں کے منسوخ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

دوسری بات یہ ہے کہ انسانیت کے تقاضے اور اس کی ذہنی سطح بھی اپنے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی آگے بڑھتی اور اوپر کو اٹھتی چلی آرہی ہے اس لیے ہر قوم کو اس کے حالات اور ارتقائی سطح کے مطابق ہی احکام دیے جاتے تھے۔ ان کی سطح سے بلند احکام و قوانین روک لئے جاتے تھے تا آنکہ ان کے بعد دوسری قوم آتی جو ارتقائی منزل میں ان سے آگے ہوتی تو وہ ”روکے ہوئے“ احکام و قوانین اس وقت نازل کر دیئے جاتے۔ تنزیل وحی میں یہ اصول بھی کارفرما رہا ہے۔

(لغات القرآن ص ۱۶۰۹ مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام ۱۹۸۳ء)

یہی بات اسلام کے بعض احکام کے نسخ کے متعلق بھی جاسکتی ہے اور اس کی واضح مثال یہ ہے کہ پہلے شراب نوشی سے منع کیا گیا نہ جوئے کو حرام کیا گیا۔ مکی زندگی کے پورے دور اور مدینہ منورہ کے ابتدائی دور میں شراب اور جو اسباب رہے بعد میں جب مسلمانوں کے دل و دماغ میں اسلام پوری طرح رچ بس گیا تو شراب اور جوئے کو مکمل اور قطعی طور پر حرام کر دیا یہ حرمت شراب کے متعلق ان آیات کو غور سے پڑھا جائے:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمْ لَكَبِيرٌ مِّنْ نَّفْعِهِمَا (البقرہ: ۲۱۹) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے: ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔

بڑا ہے۔

اس آیت سے بھی شراب اور جوئے کی ایک گونہ اباحت کا پہلو نکلتا ہے۔

نیز فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَرَىٰ حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ (البقرہ: ۲۳۸) اے ایمان والو! اللہ کی حالت میں نماز نہ قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم اس چیز کو سمجھنے لگو جس کو تم کہتے ہو۔

اس آیت سے بھی یہ مفہوم نکلتا ہے کہ حالت نماز کے علاوہ دیگر احوال میں شراب نوشی سے منع نہیں پایا گیا ہے اور غیر اوقات نماز میں شراب نوشی کی اباحت ہے اور سورہ مائدہ کی مذکور ذیل آیت سے اس اباحت کو کلی اور قطعی طور پر منسوخ کر دیا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (البقرہ: ۹۰) اے ایمان والو! شراب، جوایت اور جوئے کے تیر (سب) کھس ناپاک میں شیطانی کاموں میں سے ہیں سو تم ان سے بچو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ O

جس قوم کو اسلام کا پیغام پہنچایا گیا تھا وہ جوئے اور شراب کی رسیا تھی اور یک لخت ان پر شراب کو حرام کرنا حکمت کے

خلاف تھا اس لیے بہتر تاج ان پر شراب کی خرابیاں واضح کی گئیں اور شراب سے سائل میں ان پر مختلف انوش پابندیاں عادی کی گئیں اور جب ان کے داؤں میں اسلام کی جڑیں راسخ ہو گئیں اور وہ اسلام کے علم سے مقابلہ میں ہر مغرب طلسمی کو ترک کرنے پر تیار ہو گئے تو شراب نوشی کی سابقہ اہانت کو منسوخ کر کے شراب کو قطعی طور پر حرام کر دیا گیا

اسی طرح زنا کار عورتوں کے لیے پہلے آسان سزا رکھی کہ ان کو گھروں میں قید کر دیا جائے اور حد میں جب اسلامی جزیں لوگوں کے دل و دماغ میں راسخ ہو گئیں تو کنواری عورتوں کے لیے سو کوڑوں کی سزا مقرر فرمائی اور سادی شدہ عورتوں کے لیے رجم کی حد مقرر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِي يَأْتِيَنَّكَ الْفَاحِشَةُ مِنْ نِسَائِكَ
فَأَسْتَشْهِدُ عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا
فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ
أَوْ يَخْرُجَ إِلَهُنَّ سَبِيلًا (النساء: ۱۵)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان سے
خلاف اپنے چار مردوں کی گواہی طلب کرو پھر اگر وہ ان سے
خلاف گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں اس وقت
تک مقید رکھو کہ انہیں موت آجائے یا اللہ ان سے لیے کوئی راہ
پیدا فرمادے (کوئی اور حد مقرر فرمادے) ○

پھر زانی عورتوں کی اس سزا (گھروں میں نا حیات مقید رکھنا) کو منسوخ کر کے یہ حد مقرر فرمائی:
الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً
جَلْدَةً (النور: ۲)

پرویز صاحب لکھتے ہیں:
جہاں تک قرآن کا تعلق ہے اس میں ایک غلط فہمی منسوخ نہیں۔ اس کا حکم اپنی جگہ محکم و غیر منہدل ہے البتہ ہر قسم خاش
حالات کے ماتحت نفاذ پذیر ہوتا ہے۔ جب حالات بدل جائیں تو اس کی جگہ قرآن کا دوسرا حکم نافذ ہو جاتا ہے مثلاً مسالوۃ۔
لیے وضو کرنے کا حکم ہے لیکن اگر پانی نہ ملے یا انسان مریض ہو تو وضو کی جگہ تیمم کا حکم ہے۔ ان حالات میں وضو کا ضمہ پیچھے
ہٹ جائے گا اور تیمم کا حکم آگے آجائے گا۔ جب پانی مل جائے گا (یا مرض جاتا رہے گا) تو پھر وضو کا حکم آئے آجائے گا۔ تیمم
کا حکم پیچھے چلا جائے گا۔ (لغات القرآن ۱۶۱۲، مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام ۱۹۸۲ء)

تسخ کا معنی بیون کرتے ہوئے پرویز صاحب لکھتے ہیں:
تسخ کے معنی ہیں ایک چیز کو مناد بنا اور اس کی جگہ دوسری چیز کو لے آنا۔ دوسری چیز کو اس کے قائم مقام کرنا (ابن فارس)
”سحت الشمس الطل“ آفتاب نے سایہ کو ہٹا دیا اور اس کی جگہ روشنی لے آیا یا کسی چیز میں تبدیلی کر دینا ”سحت
الرياح اثار الديار“ ہوائے آبادی کے آثار (نشانات و علامات) کو تبدیل کر دیا۔

(لغات القرآن ص ۱۶۰۶، مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام ۱۹۸۳ء)

پرویز صاحب قرآن مجید کے الفاظ کا مفہوم، حادیث اور آثار کے بجائے لغت سے متعین کرتے ہیں اور لغت میں تسخ کا
معنی کسی چیز کو مناد بنا اور اس کی جگہ دوسری چیز کو لے آنا ہے کسی حکم کو بار بار آگے پیچھے کرنا نہیں ہے اور تیمم سے وقت وضو منسوخ
نہیں ہوتا بلکہ بدستور شروع رہتا ہے اسی طرح جس معاشرہ میں چوری اور زنا نہ ہو وہاں حدود مٹ نہیں گئیں بلکہ بدستور
موجود ہیں اسی طرح جس شخص کے پاس مال نہ ہو یا جو مرتے وقت ترکہ نہ چھوڑے اس کے حق میں رکوع اور میراث بدستور
موجود ہیں مٹ نہیں گئے لیکن چونکہ ان لوگوں کے حق میں ان احکام شرعیہ کی فرضیت کی شرائط نہیں پائی گئیں اس لیے ان پر یہ

احکام فرض نہیں ہوئے ایسا نہیں ہے کہ یہ احکام منسوخ یا معطل ہو گئے۔ اس کے برخلاف ہم نے مثالوں کے ذریعہ جو منسوخ احکام بیان کئے ہیں وہ کسی حال میں بھی مشروع نہیں ہو سکتے۔

نسخ کے وقوع پر قرآن مجید سے استدلال

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا (۱۰۶)۔

ہم جو آیت منسوخ کر دیتے ہیں یا اس کو بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنْزِلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (۱۰۱)۔

اور جب ہم ایک آیت کو بدل کر اس کی جگہ دوسری آیت لاتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ نازل فرمانا ہے تو کافر کہتے ہیں، آپ یہ آیتیں خود بنا لیتے ہیں (یہ بات نہیں) (نحل: ۱۰۱)۔

بلکہ ان میں سے اکثر جاہل ہیں O

ان دونوں آیتوں میں نسخ کے وقوع کی واضح اور روشن دلیل ہے پروردگار صاحب نے آیت کا معنی یہاں سابقہ شریعتیں اور حوادث کائنات کیا ہے اور یہ دونوں معنی لغت اور اسلوب قرآن کے خلاف ہیں اور باطل ہیں۔

تمام علماء سلف کا اس پر اجماع ہے کہ شریعت اسلامیہ میں نسخ واقع ہے اور قرآن مجید میں بعض ایسی آیات ہیں جن کے احکام منسوخ ہو چکے ہیں۔ ان کی تفصیل ان شاء اللہ ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

ثبوت نسخ کے ذرائع

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

نسخ کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح نقل (حدیث) سے کیا جائے گا یا کسی صحابی کا قول اس طرح منقول ہو کہ فلاں آیت فلاں آیت سے منسوخ ہو گئی اور کبھی نسخ کو استنباط سے معلوم کیا جائے گا جب دو آیتوں میں قطعی تعارض ہو اور کسی دلیل سے معلوم ہو جائے کہ ان میں سے ایک آیت متاخر ہے نسخ کے متعلق عام مفسرین کے قول پر اعتماد نہیں کیا جائے گا اور نہ بغیر کسی نقل صریح کے مجتہدین کے اجتہاد پر عمل کیا جائے گا کیونکہ نسخ میں کسی ایسے حکم کو اٹھایا جاتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ثابت تھا اور اس کی جگہ کسی دوسرے حکم کو ثابت کرنا ہے اور اس میں نقل اور تاریخ پر اعتماد کیا جاتا ہے نہ کہ رائے اور اجتہاد پر نسخ کے ثبوت میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نسخ میں اخبار آحاد صحیحہ بھی معتبر نہیں ہیں اور بعض علماء اس میں تساہل کر کے یہ کہتے ہیں کہ مفسر یا مجتہد کے قول سے نسخ ثابت ہو جاتا ہے اصل میں یہ دونوں قول افراط اور تفریط پر مبنی ہیں۔

(الافتاح ج ۲ ص ۲۴ مطبوعہ سمیع الکیڈی لاہور)

مصنف کی تحقیق کے مطابق قرآن مجید کی آیات منسوخہ کا بیان

ہماری تحقیق کے مطابق قرآن مجید کی بارہ آیات کا حکم منسوخ ہے ان کے منسوخ ہونے پر دلائل ان شاء اللہ ہم ان کی آیات کی تفسیر میں تفصیل سے بیان کریں گے وہ آیات یہ ہیں:

(۱) كَتَبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ

خَيْرًا لِلْأَوْصِيَّةِ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا

عَلَى الْمُتَّقِينَ (البقرہ: ۱۸۰)۔

جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو اگر وہ کچھ مال چھوڑے تو اس پر فرض کیا گیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے لیے دستور کے موافق وصیت کرے یہ متقین پر

حق ہے O

اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ والدین اور قرابت داروں کے لیے اس شخص پر وصیت کرنا فرض ہے جس کی موت کا وقت قریب آ پہنچا ہو اور تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے البتہ اس کے مانع میں اختلاف ہے بعض لوگوں نے کہا: یہ آیت اس حدیث سے منسوخ ہے:

امام ابو داؤد در روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے اس لیے اب وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے۔

(سنن ابو داؤد ج ۳ ص ۳۰، مطبوعہ مجتبائی پاکستان ۱۱ ہجری ۱۳۰۵ھ)

امام دارمی نے اس حدیث کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۳۰۲، مطبوعہ نشر الملتان)

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ یہ آیت اجماع سے منسوخ ہے کیونکہ اس پر تمام امت کا اجماع ہے کہ والدین اور قرابت داروں کے لیے وصیت کرنا واجب نہیں ہے۔

اور صحیح یہ ہے کہ یہ آیت موارث کی آیات سے منسوخ ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے والدین اور قرابت داروں کے حصے خود متعین کر دیے تو ان کے لیے وصیت کرنا جائز نہ رہا، مگر وہ اور حسن بھری کا بھی یہی مذہب ہے۔

(سنن دارمی ج ۲ ص ۳۰۲، مطبوعہ نشر الملتان)

(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرہ: ۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنے فرض کیا گیا ہے جس طرح سے پہلے لوگوں پر روزہ فرض کیا گیا تھا تا کہ تم متقی بن جاؤ۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ سونے کے بعد روزہ دار پر کھانا پینا اور عمل زوجیت حرام ہو جس طرح پہلی امتوں پر سونے کے بعد یہ کام حرام ہو جاتے تھے کیونکہ اس آیت میں ہمارے روزوں کو پہلی امتوں کے روزوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے پھر اس کے بعد امت مسلمہ کو سہولت دی گئی اور روزہ دار کے لیے رات میں کھانا پینا اور عمل زوجیت حلال کر دیا گیا:

أَحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ

روزے کی رات میں تمہارے لیے عورتوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا۔ (البقرہ: ۱۸۷)

(۳) يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ

لوگ آپ سے ماہ حرام میں قتال کا حکم پوچھتے ہیں آپ کہئے کہ ان مہینوں میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے۔ (البقرہ: ۲۱۷)

رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم یہ حرمت والے مہینے ہیں اس آیت میں ان مہینوں میں قتال کرنے کی حرمت بیان کی ہے اور اس آیت کے آخری حصہ میں اس حرمت کو منسوخ کر دیا گیا ہے:

وَصَدَّقَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفِّرُ بِهِ وَالْمَسْجِدَ الْحَرَامَ

اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ اور مسجد حرام کا کفر کرنا

وَإِخْرَاجَ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ: ۲۱۷)

اور اہل حرم کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا گناہ ہے اور فساد کرنا قتل سے بہت بڑا گناہ ہے۔

نیز حرمت والے مہینوں میں قتال کا منسوخ ہونا ان آیات سے بھی واضح ہے:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً

اور تم سب مشرکوں سے قتال کرو جیسا کہ وہ تم سب سے قتال کرتے ہیں۔ (التوبہ: ۳۶)

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (۵: ۶۱) تم ہمارے کتیرے بھی مشرکوں کو پاؤ گے اور ان کو قتل کرو۔ سورہ وہ کی پہلی آیت میں اشخاص کا عموم ہے اور دوسری آیت میں اہل کفر کا عموم ہے یعنی ہر شرک کو ہر جگہ قتل کرو۔ اور اشخاص اور اہل کفر کا عموم ازمنہ کے عموم کو بھی مستلزم ہے یعنی ہر وقت ہر زمانہ میں اس کو قتل کرو۔ اور یہ آیتیں حرمت والے اہل کفر میں قتال کی ممانعت کی ناسخ ہیں۔

(۴) وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لَّأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْعَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ (البقرہ: ۲۳۰) اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ (مرنے سے پہلے) اپنی بیویوں کے لیے اس گھر سے نکالے بغیر ایک سال کا خرچہ دینے کی وصیت نہ جائیں پھر اگر وہ (خود) نکل جائیں تو تم پر ان کے اس کام کا کوئی گناہ نہیں ہے جو انہوں نے دستور کے موافق کیا۔

اس آیت میں بیوہ عورت کی عدت ایک سال مقرر کی ہے اس کے بعد یہ عدت منسوخ کرے چار ماہ دس دن کر دی گئی: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرْتَضْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا (البقرہ: ۲۳۲) اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں چار ماہ دس دن کی عدت گزاریں۔ اور جو کچھ تمہارے دونوں میں ہے خواہ تم اس کو خالص کر دیا چھوڑو اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔

اس آیت کا منسفی یہ ہے کہ دل میں آنے والے خطرات پر بھی محسوس اور مواخذہ ہوگا لیکن مذکورہ ذیل آیت سے اس کو منسوخ کر دیا گیا:

لَا يَكُفُّ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ: ۲۸۶) اور دل میں آنے والے خطرات انسان کی قدرت اور اختیار میں ہیں لہذا ان پر مواخذہ کرنے کو منسوخ کر دیا گیا۔ (۶) وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاُسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّهِنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا (البقرہ: ۱۵۰) لہذا کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان کے خلاف اپنے چار مردوں کی گواہی طلب کرو پھر اگر وہ ان کے خلاف گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھر میں اس وقت تک مقید رکھو کہ انہیں موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی راہ پیدا فرمادے (کوئی اور حد مقرر فرمادے) O

یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہو گئی۔

الرَّائِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةً (النور: ۲) (کنواری) زانیہ عورت اور (کنوارے) زانی مرد ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

(۷) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَجِدُوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا أَشْهُارَ الْحَرَامِ (المائدہ: ۳) اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں و حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی نہ کرو۔

حرمت والے مہینوں میں قتال کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اس کی تفصیل نمبر ۳ میں گزر چکی ہے۔

(۸) إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَبَرُوا عَلَى مَا تَنَاهَى (۸) اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دوسو پر

وَأَنْ تَكُنْ مِنْكُمْ قِسْمَةٌ يُغْنِيكُمُ الْفَقْرُ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا
يَأْتِيهِمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُوْنَ (۱۱) (آل: ۶۵)

عالم آج میں ہے اور اگر تم میں سے ایک سو دس آدمی ہزار
کافروں پر عالم آج میں سے ایک سو دس آدمی ہزار
ہیں O

یہ علم اس آیت سے منسوخ ہو گیا:

الَّذِينَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا
فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ قِسْمَةٌ صَابِرَةٌ يَغْنِيكُمُ الْفَقْرُ وَإِنْ يَكُنْ
مِنْكُمْ الْفَقْرُ يَغْنِيكُمُ الْفَقْرُ بِأَذْنِ اللَّهِ (۱۱) (آل: ۶۶)

اب اللہ نے تمہارے لیے تخفیف کر دی اور اس اطمینان سے
کہ تم میں کمزوری ہے سو کرم میں و صابر آدمی، دو سے ڈھائی
سو پر عالم آئیں گے اور اگر تم میں ایک ہزار دو سے نو آدمی اللہ
کے اذن سے دو ہزار پر عالم آج میں گئے۔

(۹) الَّذِينَ لَا يَنْتَهِوا عَنْ ذَنْبِهِمْ أَوْ مُشْرِكَةٌ ذَالِ زَانِيَةٍ
لَا يَنْتَهِوا عَنْ ذَنْبِهِمْ أَوْ مُشْرِكَةٌ ذَالِ زَانِيَةٍ
(النور: ۲)

زانی مرد صرف زانیہ یا شرک عورت سے نکاح کرنے
اور زانیہ عورت سرف زانیہ یا شرک مرد سے نکاح کرے اور
مسلمانوں پر یہ (نکاح) حرام کر دیا گیا ہے O

یہ آیت ان آیتوں سے منسوخ ہو گئی ہے:

وَأَنْتُمْ حُرُّوا إِلَّا يَأْفِي مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ
وَأَمَّا بَيْنَكُمْ (النساء: ۳)

اور تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں اور نیک
غلاموں اور باندیوں کا نکاح کرو۔

اس آیت میں مطلق ہے نکاح مردوں اور عورتوں کے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے اور ان سے ہاتھ غیر زانیہ کی قید نہیں لگائی۔
فَأَنْتُمْ حُرُّوا مَا طَلَبَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ
(النساء: ۳)

تو اپنی پسند سے مطلق عورتوں سے نکاح کرو۔

(۱۰) لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ أَنْ يَتَدَلَّ بِهِنَّ
مَنْ أَرْزَأَ وَكَوَأَعْبَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ
(آل: ۵۲)

ان (موجودہ ازوج) کے بعد اور عورتیں آپ کے لیے
حلال نہیں ہیں اور نہ یہ کہ آپ ان بیویوں کی جگہ اور بیویاں
تبدیل کریں خواہ ان کا حسن آپ کو پسند ہو یا سو اس کنیز کے
جو آپ کی ملک ہو۔

جب ازواج مطہرات نے عسرت اور تنگ دستی کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا پسند کر لیا اور مزید خرچ کا
مطلبہ ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی پھر بعد میں اس حکم کو منسوخ کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید ازواج کے
ساتھ نکاح کی اجازت دے دی ہر چند کہ اس اجازت کے باوجود آپ نے پھر کوئی نکاح نہیں کیا وہ آیت یہ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَ الَّتِي أَتَيْتَ
أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَ
بَنَاتِ عَمَتِكَ وَبَنَاتِ عَمَّتِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ
الَّتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا
لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ
دُونِ الْمُؤْمِنِينَ (آل: ۵۰)

اے نبی! ہم نے آپ کے لیے آپ کی وہ بیویاں حلال
فرمادیں جن کا آپ مہر دے چکے ہیں اور وہ کنیزیں جن کے
آپ مالک ہیں جو اللہ نے آپ کو مال غنیمت میں عطا فرمائی
ہیں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں
اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالوں کی بیٹیاں
جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی اور ایمان والی عورت

اگر (بلا عوض) اپنا آپ نبی کو ہبہ کر دے بشرطیکہ نبی اس سے نکاح کرنا چاہیں یہ حکم آپ کے لیے مخصوص ہے ماسوا دوسرے مسلمانوں کے۔

اے ایمان والا! جب تم تنہائی میں رسول سے کچھ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو

کیا تم تنہائی میں اپنی بات گوش گزار کرنے سے قبل صدقہ دینے سے گھبراتے ہو؟ جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ نے رحمت سے تم پر رجوع کیا تو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

اے چادر لپیٹنے والے! رات کو نماز میں قیام کریں خواہ تھوڑی رات O آدھی رات یا اس سے کچھ کم کریں O یا اس پر کچھ زیادتی کریں اور ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھیں O

ان آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قیام کیل فرض کیا گیا ہے خواہ نصف شب ہو یا اس سے کم یا زیادہ بعد میں مذکور ذیل آیت سے اس قیام کو منسوخ کر دیا:

بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب قیام کرتے ہیں (کبھی) آدھی رات کے قریب اور (کبھی) ایک تہائی رات کے قریب اور آپ کے ساتھیوں میں سے ایک جماعت بھی ہوتی ہے اور اللہ دن رات کا اندازہ کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ (اے مسلمانو!) تم ہرگز اس کا احاطہ نہ کر سکو گے پھر اس نے تم پر رحمت سے رجوع کیا تو جتنا تم کو آسان لگے قرآن پڑھ لیا کرو۔

ہمارے نزدیک قرآن مجید کی ان بارہ آیتوں کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور ان کے علاوہ وہ آیتیں ہیں جن میں نبوت کے ابتدائی دور میں کفار کی زیادتیوں کے مقابلہ میں صبر و ضبط سے کام لینے کا حکم دیا تھا پھر آیت سیف نازل ہونے کے بعد ان کا حکم منسوخ ہو گیا۔

علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ قرآن مجید کی بیس آیتوں کا حکم منسوخ ہے۔ (الافتاح ج ۲ ص ۲۳ مطبوعہ مہل اکیڈمی، لاہور) اور بعض علماء نے بائیس آیات لکھی ہیں لیکن ہم نے باقی دس آیتوں میں غور کیا تو ان میں ایسا تعارض نہیں ہے کہ ان کو جمع کرنا اور ان میں تطبیق دینا ممکن نہ ہو اور ان میں سے ہر ایک آیت کا الگ الگ محمل ہے اس کی تفصیل ان شاء اللہ اپنے اپنے مقام پر آئے گی اگر ہمیں اپنے قارئین کی اکتاہٹ کا خدشہ نہ ہوتا تو ہم ان سب کا یہاں تفصیل سے ذکر کرتے۔

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدُوا بَيْنَ يَدَيْ جُؤُكُمْ صَدَقَةً ۖ (البقرہ: ۲۳)

اس کی تائخ یہ آیت ہے:

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدُّوا بَيْنَ يَدَي جُؤُكُمْ صَدَقَاتٍ ۚ قَدْ لَمْ تَفْعَلُوا وَاَتَاَبَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِمْوُا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ ۚ (البقرہ: ۲۳)

(۱۲) يَا أَيُّهَا الْمَرْءُ الَّذِي اسْتَمْتَعَ بِالْأَيْلِ إِلَّا قَلِيلًا ۖ يَصِفُهُ أَوْ يَفْضَحُ مِنْهُ قَلِيلًا ۖ أَوْ يَرِذْلُهُ ۖ وَتَرَى الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۖ

(الزلزلہ: ۱-۳)

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثَيِّ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ يُفَتِّي السَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلَيْهِ أَنْ تَنْ تَخْصُوهَ فَمَنَابِ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ (الزلزلہ: ۲۰)

احکام شرعیہ کو منسوخ کرنے کی حکمتیں

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ ان آیات کی تلاوت کو باقی رکھا گیا ہے اور ان کے حکم کو منسوخ کر دیا گیا ہے؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید کی اس لیے تلاوت کی جاتی ہے کہ اس سے ایک شرعی حکم معلوم کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے اسی طرح اس کی اس لیے تلاوت کی جاتی ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہے اور اس کی تلاوت سے ثواب ملتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ بالعموم احکام میں نسخ تخفیف کے سبب ہوا ہے جیسا کہ ان مثالوں سے واضح ہے اور منسوخ احکام انہوں کو اس لیے برقرار رکھا گیا تاکہ مسلمان ان آیات کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر شکر ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مشقت سے نجات دی اور ان کے لیے آسان احکام شروع کر دیے۔

یہ کلام ان آیات کے متعلق ہے جن میں مشکل احکام کو منسوخ کر کے آسان احکام شروع کئے گئے، لیکن بعض منسوخ احکام آیات ایسی ہیں جن میں آسان احکام کو منسوخ کر کے مشکل احکام شروع کئے گئے ہیں ان کی حکمت یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو وہ زمانہ فترت تھا اور برسوں سے جو عقائد عادات اور معمولات ان میں رچ بس گئے تھے اور ان کی فطرت ثانیہ بن چکے تھے اور یک لخت ان تمام چیزوں سے ان کو چھڑانا بہت مشکل تھا، کیونکہ اگر ایسا کیا جاتا تو خدشہ تھا کہ وہ اسلام کو ہی چھوڑ جاتے اس کی مثال یہ ہے کہ قریش نے وسائل کی کمی کی وجہ سے کعبہ کی ناکھیں تعمیر کی تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بناء ابراہیم کے مطابق کعبہ کو تعمیر کرنا چاہتے تھے (بناء ابراہیم میں عظیم کعبہ میں داخل تھا) اور آپ اس میں دخول اور خروج کے لیے دو دروازے بنانا چاہتے تھے، لیکن آپ نے اس لیے ایسا نہیں کیا کہ اہل عرب کو کعبہ سے بہت دالہانہ اور جذباتی عقیدت تھی اگر نئی تعمیر کے لیے کعبہ کو منہدم کیا جاتا تو جو لوگ نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ اسلام چھوڑ جاتے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲ (مفسر) مطبوعہ دار محمد صالح الطائف، راپہ ۸۱ ۱۳۸۱ھ) سو اسی وجہ سے شروع میں آسان احکام شروع کیے گئے اور جب لوگ اسلام میں راسخ ہو گئے تو پھر نسبت سخت احکام شروع کیے گئے حرمت نمر کی مشا سے ہم اس کی پہلے بھی وضاحت کر چکے ہیں۔

بعض ایسے احکام منسوخ کئے گئے جو مشکل اور اہل ہونے میں ناخ کے مساوی ہیں ان میں نسخ کی حکمت یہ تھی کہ مسلمانوں کو ابتلاء اور امتحان میں ڈالا جائے تاکہ مومنوں اور منافقوں میں امتیاز ہو جائے اور خبیث اور طیب الگ الگ ہو جائیں جیسے بیت المقدس کے قبلہ ہونے کو منسوخ کر کے بیت اللہ کو قبلہ بنایا گیا تو مومن اس امتحان میں کامیاب ہوئے اور منافقوں کا خبث ظاہر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعِ
الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقْبَيْهِ ۚ ذَٰلِكَ كَانَ تِلْكَ الْأَیْةُ
عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۚ (بقرہ: ۱۴۳)

(اے رسول!) آپ (پہلے) جس قبلہ پر تھے وہ ہم نے اسی لیے مشروع کیا تھا کہ جو لوگ رسول کی پیروی کرتے ہیں ان کو ہم ان لوگوں سے ممتاز کر دیں جو اٹلے پاؤں پھر جاتے ہیں اور بے شک یہ (تحویل قبلہ) شق تھا ماسوا ان لوگوں کے جن کو اللہ نے ہدایت فرمائی۔

یہ بحث اسلام کے بعض احکام کے نسخ کے سلسلہ میں تھی رہا یہ امر کہ اسلام کے آنے کے بعد پچھلی تمام شرعیات منسوخ ہو گئیں اس کی حکمت یہ ہے کہ نوع انسان اپنی عقل اور شعور کے اعتبار سے اس طرح تدریجاً ترقی کرتی رہی ہے جس طرح بچہ اپنی نشوونما کے اعتبار سے تدریجاً ترقی کرتا ہے اس لیے ہر نبی کے عہد میں نوع انسان اپنی عقل اور شعور کے اعتبار سے جس

درجہ میں بھی اسی درجہ کے اعتبار سے اس پر احکام شرعیہ شروع کئے گئے اور جب انواع انسان اپنے کمال اور کمال کو پہنچ گئی تو اس کا تمام احکام منسوخ کر کے اس پر قیامت تک کے لیے ایک کامل شریعت نازل کر دی گئی۔
”نسخ القرآن بالسنة“ کے قائلین اور ان کے دلائل

امام، مک اسحاب امام ابی حنیفہ، جمہور اشاعره اور معتزلہ اس کے قائل ہیں کہ سنت سے قرآن کا نسخہ ہو سکتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ سنت بھی اسی طرح وحی الہی ہے جس طرح قرآن وحی الہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
وَمَا يَنْطَلِقُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا هُوَ إِلَّا دَحْيُ يَوْمَئِذٍ اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے ○ اس کا کلام

(النجم: ۳-۴) وحی ہوتا ہے جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے ○

اور قرآن اور حدیث میں اس کے سوا اور کوئی فرق نہیں ہے کہ قرآن کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں اور حدیث کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انشا اور ترتیب پر مبنی ہیں اور دونوں کے معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے منزل ہیں اس لیے عقلاً اور شرعاً یہ جائز ہے کہ کسی ایک وحی سے ثابت ہونے والے حکم دوسری وحی سے منسوخ کر دیا جائے۔
”نسخ القرآن بالسنة“ کے مانعین اور ان کے دلائل کا تجزیہ

امام شافعی، امام احمد کے ایک قول اور اہل ظاہر کے نزدیک سنت سے قرآن کا نسخہ جائز نہیں ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ اور ہم نے آپ کی طرف قرآن اس لیے نازل کیا ہے
 (النحل: ۴۴) کہ آپ لوگوں کو یہ بیان کر دیں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب قرآن کے معانی بیان کرنے میں منحصر ہے اور اگر سنت قرآن کی نسخہ ہو تو سنت قرآن کے بیان کی بجائے اس کی رافع ہو جائے گی۔
 اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں کوئی کلمہ حصر نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف بیان کرنے والے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (الفرقان: ۱) وہ بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندے پر فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرالے والا ہو ○

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نذر پر فرمایا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشیر بھی ہیں تو جس طرح آپ کو نذر کہنے سے آپ کے بشیر ہونے کے نفی نہیں ہوتی اسی طرح آپ کی سنت کے بیان ہونے سے اس کے نسخہ ہونے کی نفی نہیں ہوتی اور بالفرض اگر آپ کا منصب صرف قرآن کے بیان کرنے میں منحصر ہو تو پھر آپ کا شارع ہونا اور بعض چیزوں کو حلال اور بعض چیزوں کو حرام کرنا بھی اس حصر کے خلاف ہوگا حالانکہ قرآن مجید سے آپ کا شارع ہونا اور آپ کے لیے تحلیل اور تحریم کا منصب بھی ثابت ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً مِّنَ رَبِّكَ اور رسول جو پہنچے تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) رک جاؤ۔ (الحشر: ۱)

اس آیت میں آپ کے شارع ہونے کا بیان ہے۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْغَبِيَّاتِ

اور وہ (نبی الہی) پاک چیزوں کو اس کے لیے حلال

کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں (۱۱۱ احزاب: ۵)

اس آیت میں آپ کے منصب تحلیل اور تحریم کا بیان ہے۔

نیز ہم یہ کہتے ہیں کہ نسخ بیان کے منافی نہیں ہے کیونکہ سنت سے قرآن کا کوئی حکم بالکل منسوخ نہیں والا قرآن مجید کی بعض آیات کے عموم کو سنت سے خاص کر لیا گیا ہے اور سنت سے یہ متعین کرنا کہ اس آیت کے عموم سے فلاں فرد کو خاص کر لیا گیا ہے یہ بھی قرآن کا بیان ہے۔

مخالفین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن سے سنت کی حجیت ثابت ہے اب اگر سنت خود قرآن کی ناسخ ہو تو سنت بھی حجیت نہیں رہے گی کیونکہ نسخ رفع ہے اور جب اصل اٹھ جائے گی تو فرع بھی اٹھ جائے گی اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی جن آیات سے سنت کی حجیت ثابت ہے سنت ان کے لیے ناسخ نہیں ہے حتیٰ کہ یہ اعتراض ازم آئے بلکہ وہ دوسری بعض آیات کے عموم کی ناسخ ہے۔

مخالفین کی تیسری دلیل یہ آیت ہے:

وَرَادَّ اُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ اَيَاثُنَا بِسَنَتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا اِنَّتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي اَنْ اُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَائِي بِرَبِّي اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ (يونس: ۱۵)

اور جب ہماری روشن آیتیں ان پر تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں جن کو (آخرت میں) ہم سے ملاقات لی امید نہیں ہے: آپ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آئیں یا اس کو بدل دیں آپ کہیے: میرے لیے اس کو اپنی طرف سے بدلنا جائز نہیں ہے میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ میں تبدیلی کرنا آپ کے اختیار میں نہیں اور سنت کے نسخ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن کے الفاظ تبدیل کر دیے جائیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے عموم سے بعض افراد کو خاص کر لیا جائے۔

مخالفین کی چوتھی دلیل یہ آیت ہے:

مَا تَنَسَّخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِغَيْرِ مِثْلِهَا اَوْ مِثْلَهَا (البقرہ: ۱۰۶)

جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔

دلیل کی تقریر یہ ہے کہ اگر سنت قرآن کی ناسخ ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ سنت قرآن کی مثل ہو یا اس سے افضل ہو اور یہ محال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ سنت کے الفاظ اور نظم قرآن کی مثل نہیں ہو سکتے اور سنت کے نسخ قرآن ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ قرآن کے عموم اور اطلاق کی تقید کرتی ہے اور سنت متواترہ سے ثابت ہونے والا حکم بھی اسی طرح قطعی سے جس طرح قرآن قطعی ہے نیز ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سنت بھی وحی الہی ہے اس لیے درحقیقت منسوخ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقط مبلغ اور مبر ہیں۔

”نسخ القرآن بالسنة“ میں سنت کا محمل

واضح رہے کہ جو سنت قرآن مجید کے عام حکم کے لیے ناسخ ہوتی ہے یہ وہ سنت ہے جو وحی پر مبنی ہو۔ اس سے مراد سنت جہتہا یہ نہیں ہے نیز اس سے مراد سنت قطعیہ ہے اور جو سنت قطعی الثبوت ہو وہ اس میں داخل نہیں بعض احادیث سنداً اخباراً آحاد ہیں اس کے باوجود صحابہ کرام نے اس سے قرآن مجید کے عام حکم سے بعض افراد کو خاص کر لیا مثلاً قرآن مجید میں عام حکم ہے کہ ”وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَكَهَذَا الَّذِي هُفُتُ“ (النساء: ۱۱) ایک نبی کو باب کے ترک سے نصف حصہ دیا جائے، لیکن حضرت ابو بکر نے اس حدیث کی بناء پر کہ ”ہمارا وارث نہیں بنایا جاتا“ ہم نے جو چھوڑا ہے وہ صدق ہے“ (بخاری، علم ۲ ص ۸، مطبوعہ ریحانہ الطائیں، راجی ۱۳۷۵ھ) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وارثت سے حصہ نہیں دیا اور قرآن مجید کے عموم کی خبر واحد سے تخصیص کر لی اسی طرح قرآن مجید میں کسی معاملہ میں وہ مرد گواہ بنانے کا حکم عام ہے لیکن صحابہ نے ایک حدیث کی بناء پر حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۲، مطبوعہ مجاہدانی پکستان، ۱۴۰۵ھ) اور اس کی اور بھی مثالیں ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ احادیث ہم تک واصل ہونے کے اعتبار سے اخبار آحاد ہیں اور صحابہ کرام نے چونکہ یہ احادیث بلاد اسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیں تھیں اس لیے ان کے نزدیک یہ وہی طرح قطعی الثبوت تھیں جس طرح قرآن مجید قطعی ہے سو انہوں نے سنت قطعیہ سے قرآن مجید کے عموم کو منسوخ مانا ہے نہ کہ سنت ظنیہ ہے۔

”نسخ القرآن بالسنة“ میں نسخ کا محمل

علامہ صدر الشریعہ لکھتے ہیں:

قرآن کو سنت سے منسوخ کرنے کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھتے تھے اور مدینہ آنے کے بعد بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھتے تھے پس اگر پہلا حکم (مکہ مکرمہ میں کعبہ کی طرف نماز پڑھنا) قرآن سے ثابت تھا تو یہ سنت سے منسوخ ہو گیا اور دوسرا حکم (مدینہ میں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا) سنت سے ثابت تھا اور اس کو قرآن نے منسوخ کر دیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تھے تو کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھتے تھے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ حکم کتاب سے ثابت تھا یا سنت سے پھر جب آپ مدینہ آئے تو سولہ مہینے بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو کر نمازیں پڑھیں اور یہ حکم کتاب سے ثابت نہ تھا بلکہ سنت سے ثابت تھا پھر کتاب سے یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور آپ کو مسجد حرام کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنے کا حکم دیا: ”خَوَّلَ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ“ (البقرہ: ۱۴۴) پس سنت کا کتاب سے منسوخ ہونا یقینی ہے اور کتاب کا سنت سے منسوخ ہونا مشکوک ہے۔ (توضیح مع ترمذ ج ۲ ص ۲۵، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، مصر)

میں کہتا ہوں کہ اگر سنت کے ناسخ قرآن ہونے سے یہ مراد ہے کہ قرآن مجید سے ثابت شدہ حکم بالکلیہ سنت سے مرتفع ہو جائے تو اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور یہ محض جواز عقلی سے درجہ میں ہے اور اگر اس کی یہ تقریر کی جائے کہ جو حکم قرآن مجید میں عام ہے اس کو سنت سے خاص کر دیا گیا یا اس کے عموم سے چند افراد کو مستثنیٰ کر لیا گیا تو اس کی بہت مثالیں ہیں۔

”نسخ القرآن بالسنة“ کی مثالیں

(۱) الزانیۃ والزانی فاجلدوا کلّ واحدٍ مِّنْهُمَا مائتۃ

جلد ۲۰۰ (النور: ۲)

قرآن میں یہ حکم عام ہے خواہ زانیہ اور زانی کنوارے ہوں یا شادی شدہ اور سنت سے اس حکم کو کنواروں کے ساتھ خاص

کر لیا گیا اور شادی شدہ زنانوں کو رجم کا حکم دیا گیا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر کہ تھے یہ نذیہ ہے کہ کچھ زمانہ گزر جانے کے بعد کوئی کہنے والا کہے گا کہ قرآن مجید میں رجم نہیں ہے اور وہ اس شخص سے کہے گا کہ گارہوں گے؟ اس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے سو شادی شدہ زانی پر رجم کی سزا برحق ہے جب کہ وہی سے پا حائل الاعتراف سے زنا ثابت ہو، و سوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۹-۱۰۰۸ مطبوعہ دار محمد امین بیروت ۱۴۱۸ھ)

(۲) اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّقْصُوٰتًا ○ بے شک ایمان والوں پر نماز (ایک) وقت مقرر میں

(النساء: ۱۰۳) فرض ہے ○

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر نماز کو اس کے وقت میں پڑھا جائے لیکن سنت متواترہ سے عرفات کی عصر کو خاص کر لیا گیا کیونکہ میدان عرفات میں وہ اپنے وقت سے پہلے ظہر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اور مزدلفہ کی مغرب کو خاص کر لیا گیا کیونکہ وہ اپنے وقت کے بعد عشاء کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔

(۳) فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَنۡ ثَلَاثَ وَّتَرٰیۡنَہُمۡ (النساء: ۲) تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کر دو وہ سے تین تین سے اور چار چار سے۔

اس آیت میں عموم ہے اور ہر شخص پر شرط عدل دو دو تین تین اور چار چار نکاح کر سکتا ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حیات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سنت ابلی جہل کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمادیا۔ امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ کے اوپر ابو جہل کی لڑکی کو نکاح کا پیغام دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا اور نہ حرام کو حلال کرتا ہوں، لیکن یہ خدا اور رسول اللہ کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی ایک محل میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۸۳ مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان ۱۴۰۵ھ)

(۴) وَلَا تُجْنِبُوا اِلَآ عَابِدِیْ سَبِیْلَ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا ○ اور حالت جنابت میں جب تک غسل نہ کر دو مسجد کے قریب نہ جاؤ الا یہ کہ مسجد کو عبور کرنا ہو۔ (النساء: ۴۳)

اس آیت کے مطابق کوئی شخص بھی جہنمی ہو کر مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عموم سے اپنے آپ کو اور حضرت علی کو خاص کر لیا۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی! میرے اور تمہارے سوا کوئی شخص بھی اس مسجد سے حالت جنابت میں نہیں گزر سکتا۔ (جامع ترمذی ص ۵۳۵ مطبوعہ دار محمد کارخان تجارت کتب تراجم)

ان کے علاوہ اور بھی بہت مثالیں ہیں لیکن اختصار کی وجہ سے ہم نے صرف اسی قدر پر اکتفاء کی ہے۔

”نسخ السنۃ بالقرآن“ کا بیان

امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک سنت کا قرآن سے نسخ جائز ہے، اور امام شافعی کے اس میں اذوقل ہیں۔ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ سنت اور قرآن دونوں وحی میں اور ایک وحی کا دوسری وحی سے منسوخ ہونا جائز ہے۔ اور اس کی چند مثالیں ہیں:

(۱) ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنا سنت سے معلوم ہے۔ امام بخاری نے حضرت براہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آنے کے بعد سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰، مطبوعہ نور محمد ریح الطحاوی کراچی ۱۳۸۱ھ) اور یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہے:

قُولِ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوُتُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (البقرہ: ۱۴۴)

تو آپ اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا رخ اسی کی طرف پھیرو۔

(۲) پہلے رمضان کی راتوں میں (سوئے کے بعد) کھانا پینا اور عمل تراویح حرام تھا۔

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رمضان میں جب کوئی شخص روزہ رکھتا اور شام کو سو جاتا تو اس پر کھانا پینا اور عورت حرام ہو جاتی تھی کہ وہ اگلے روز افطار کرے، ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطابؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے رات کو اٹھے وہ آپ کے پاس باتیں کرتے رہے تھے انہوں نے دیکھا کہ ان کی بیوی سوئی تھیں انہوں نے ان سے اپنی خواہش ظاہر کی بیوی نے کہا: میں تو سو چکی ہوں حضرت عمرؓ نے کہا: تم نہیں سوئی تھیں اور ان سے اپنی خواہش پوری کر لی حضرت کعب بن مالک نے بھی ایسا ہی کیا تھا صبح حضرت عمرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کو ماجرا سنایا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (البقرہ: ۱۸۷)

اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنی جانوں میں خیانت کرتے تھے اس نے تمہاری توبہ قبول کی اور تم کو معاف کر دیا تو اب تم ان سے مباشرت کر سکتے ہو اور جو (ادار) اللہ نے تمہارے لیے مقدر کی ہے اس کو تلاش کرو اور کھاؤ اور پیو حتیٰ کہ تمہارے لیے صبح کا سفید دھاگا (رات کے) سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ حدیبیہ میں یہ شرط مان لی تھی کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو آپ اس کو مکہ واپس کر دیں گے اس شرط کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو جندل کو واپس کر دیا تھا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۰، مطبوعہ نور محمد ریح الطحاوی کراچی ۱۳۸۱ھ)

پھر ایک عورت مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو واپس کرنے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ إِنَّهُنَّ أَعْلَمُ بِأَيِّمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ (النساء: ۱۰)

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کو آزمایا کرو اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے پھر اگر تمہیں ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو انہیں کفار کی طرف نہ لوٹاؤ۔

”نسخ السنۃ بالسنة“ کا بیان

”نسخ السنۃ“ کی چار قسمیں ہیں: سنت متواترہ کا سنت متواترہ سے نسخ، سنت آحادیہ کا آحادیہ سے نسخ اور سنت آحادیہ کا سنت متواترہ سے نسخ یہ تین قسمیں ہونا اتفاق جائز ہیں اور سنت متواترہ کا سنت آحادیہ سے نسخ اہل ظاہر کے نزدیک جائز ہے اور جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ تواتر سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقہ کے لیے رہائش اور نفقہ کا حق رکھا ہے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے اس کے خلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے سکنی کا حق نہیں دیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس روایت کو مسترد کر دیا اور مسکاہ نے اس رد کو برقرار رکھا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی یہ روایت سنت متواترہ کے خلاف تھی۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

امام شعبی نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے سکنی (رہائش) اور نفقہ (خرچہ) نہیں رکھا پھر اسود نے اپنے ہاتھ سے کنکریاں اٹھا کر پھینک دیں اور کہا: افسوس ہے تم ایسی حدیث بیان کرتے ہو حضرت عمر نے فرمایا تھا ہم اللہ کی کتاب اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بنا پر ترک نہیں کریں گے ہم نہیں جانتے کہ اس کو (صحیح) حدیث یاد ہے یا یہ بھول گئی اس کو سکنی بھی ملے گا اور نفقہ بھی اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ان کو اپنے گھروں سے نہ نکالو الا یہ کہ ان میں سے کوئی عورت کھسی ہوئی بے حیائی کا ارتکاب کرے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۸۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

نسخ السنۃ کا ثبوت یا تو شارع علیہ السلام کی تصریح سے ہوتا ہے جیسے امام مالک روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہیں تین دن کے بعد قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے سے منع کیا تھا پس اب کھاؤ صدقہ اور ذخیرہ کرو اور میں نے تم کو نبذ بنانے سے منع کیا تھا پس اب نبذ بناؤ اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب قبروں کی زیارت کرو اور کوئی بے ہودہ بات مت کرو۔ (موطا امام مالک ص ۳۹۶، مطبوعہ مجبائی پاکستان لاہور)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو بعض برتنوں (دبا، حنتم، مزفت اور مقیر) میں پینے سے منع فرمایا تھا اور بے شک برتن کسی چیز کو حلال کرتا ہے اور نہ حرام کرتا ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۶۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو چمڑے کے برتنوں میں پینے سے منع کیا تھا اب تم ہر برتن میں پیا کرو البتہ نشہ آور مشروب نہ پینا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۶۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

یا نسخ السنۃ کا ثبوت صحابہ کی تصریح سے ہوتا ہے جیسے:

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل یہ تھا کہ آپ آگ سے پکی ہوئی چیز کو

کھانے کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۔ (منہج الادب ج ۱ ص ۲۵ مطبوعہ مطبعہ محمدی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

شیخ النبی کی معرفت کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ تاریخ سے یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں سنت فلاں سنت سے سوئے جیسے آپ نے اپنے پہلے مرض میں فرمایا امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو اور آخری مرض میں آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگ کھڑے ہوئے تھے اور آپ نے ان کو شیخ نہیں فرمایا تو آخری مرض کی سنت پہلے حکم کی مانع ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھوڑے پر سوار ہوئے اور اس سے گر گئے جس سے آپ کی بائیں جانب زخمی ہو گئی تب آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ہم بھی آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے نماز کے بعد آپ نے فرمایا: امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو ہم کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ رکوع کرے تو ہم رکوع کرو اور جب وہ "سمع اللہ لمن حمدہ" کہے تو تم "ربنا ولك الحمد" کہو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو امام بخاری کہتے ہیں کہ امام حمیدی نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بیٹھ کر پڑھو" مرض قدیم میں تھا پھر اس کے بعد آخری مرض میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے اور آپ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا اور عمل آخری سنت پر کیا جائے گا اور آخری سنت یہی ہے کہ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۹۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

بعض علماء نے ایک چوتھی قسم بھی ذکر کی ہے کہ جس حدیث کے خلاف پر علماء کا اجماع ہو جائے وہ بھی منسوخ ہے اور اس کی یہ مثال دی ہے کہ "جامع ترمذی" میں یہ حدیث ہے کہ جو شخص شراب پئے اس کو کوڑے مار دو بارہ اور نہ بارہ بھی کوڑے مارو اور اگر چوتھی بار شراب پئے تو اس کو قتل کر دو علامہ نووی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ اس کے نسخ پر اجماع کی دلالت ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ شراب پینے پر قتل نہیں کیا جائے گا۔

(شرح مسلم ج ۲ ص ۱۷۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ابن عمر اس حدیث پر عمل کے قائل ہیں اور ابن حزم کا بھی یہی مختار ہے لہذا اس حدیث کے خلاف پر اجماع نہیں ہے۔ (توضیح الفقار ج ۱ ص ۲۱۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

میری رائے یہ ہے کہ جو حدیث سند صحیح سے ثابت ہو وہ اجماع پر مقدم ہے اور ائمہ اور علماء کے اجماع میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ حدیث رسول کے مزاحم ہو سکے نسخ تو دور کی بات ہے۔

اسباب نزول کا بیان

قرآن کریم کی آیات دو قسم کی ہیں: ایک قسم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ابتداءً نازل کیا اور وہ کسی خاص سبب یا واقعہ کے ساتھ مربوط نہیں تھی وہ محض مخلوق کی ہدایت کے لیے نازل کی گئی اس قسم کی آیات بہ کثرت ہیں۔

دوسری قسم وہ ہے جو کسی خاص سبب یا خاص واقعہ کے ساتھ مربوط ہے یا کسی سوال کے جواب میں نازل کی گئی ان اسباب اور واقعات کو مفسرین کی اصطلاح میں سبب نزول اور شان نزول کہا جاتا ہے بعض اوقات ایک آیت کے متعدد اسباب ہوتے ہیں اور بعض اوقات ایک سبب کی وجہ سے متعدد آیات نازل ہوتی ہیں اور ہر چند کہ آیت کسی خاص مورد اور واقعہ میں نازل ہو لیکن جمہور ائمہ اور مفسرین کے نزدیک خصوصیت مورد کی بجائے عموم الفاظ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

اسباب نزول کے فوائد

وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيُّهَا تَوَلَّوْا لَكُمْ وَجْهٌ
الْبَيْتُ (البقرہ: ۱۵)

اور مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے ہیں اور جہاں کہیں تم منہ کرو وہیں اللہ (تمہاری طرف متوجہ) ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت سے یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے لیے یہ جار ہے ہے کہ وہ جس طرف چاہے منہ کرے نماز پڑھے اور اس کے لیے سفر اور حضر میں کہیں بھی بیت اللہ کی طرف مذبح ہو کر نماز پڑھنا واجب نہیں ہے لیکن اس آیت کا صحیح معنی صرف شان نزول سے معلوم ہوتا ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت مسافر کی نماز اور سواری پر نفل نماز پڑھنے کے متعلق نازل ہوئی ہے یعنی سفر میں نماز کو یہ رخصت دی گئی ہے کہ وہ نفل نماز سواری پر پڑھ سکتا ہے خواہ سواری کا رخ کسی طرف ہو اسی طرح اگر نماز کے پورے وقت میں ٹرین تیز رفتاری سے دوڑتی رہے اور کہیں نہ رکے تو چلتی ٹرین میں فرض نماز بھی پڑھی جائے گی خواہ ٹرین کا رخ کسی طرف ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت ایک قوم کے متعلق نازل ہوئی جس پر ایک غزوہ میں قبلہ مشتبہ ہو گیا تھا اور انہوں نے اندھیرے میں جنوب یا شمال کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی اور جب صبح ہوئی تو پریشان ہوئے کہ ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟ تب یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَبَّ الْبَيْتَ
أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا (البقرہ: ۱۵۸)

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی شانوں میں سے ہیں سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا تو اس پر صفا اور مروہ کے چکر لگانے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۳۶۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس آیت سے یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صفا اور مروہ کی سعی مباح ہے واجب نہیں ہے عروہ بن زبیر کو بھی یہی اشکال لاحق تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ اگر یہ سعی مباح ہوتی تو یہ آیت اس طرح ہوتی: "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا" (البقرہ: ۱۵۸) اگر وہ ان کی سعی نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں پھر حضرت عائشہ نے اس آیت کا شان نزول بتلا کر یہ سمجھایا کہ سعی واجب ہونے کے باوجود اس طرح کیوں فرمایا: صفا اور مروہ کے چکر لگانے میں کوئی حرج نہیں اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عروہ نے اس آیت: (البقرہ: ۱۵۸) کو پڑھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا: اس آیت کی رو سے اگر کوئی شخص صفا اور مروہ میں سعی نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: اے بھتیجے! تم نے درست نہیں کہا اگر اس آیت کا وہی معنی ہوتا جس طرح تم نے تاویل کی ہے تو یہ آیت اس طرح ہوتی: "لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا" جو ان کے درمیان سعی نہ کرے اسے کوئی گناہ نہیں لیکن یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ اسلام لانے سے پہلے منہ (بت) کے لیے احرام باندھتے تھے جس کی وہ مثل کے پاس عبادت کرتے تھے پھر جو احرام باندھتا وہ صفا اور مروہ کی سعی میں گناہ سمجھتا پھر جب وہ اسلام لے آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سواں کیا اور عرض کیا: (یا رسول

اللہ) ہم (زمانہ جاہلیت میں) صفا اور مردہ کی سچی میں گناہ سمجھتے تھے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی (ترجمہ) بے شک صفا اور مردہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا تو اس پر صفا اور مردہ کے چکر لگانے (سچی کرنے) میں کوئی حرج نہیں ہے حضرت عائشہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان سچی کو واجب قرار دیا ہے پس کسی شخص کے لیے ان کے درمیان سچی کو ترک کرنا جائز نہیں ہے عروہ کہتے ہیں: میں نے ابو بکر بن عبد الرحمن کو یہ حدیث سنائی تو انہوں نے کہا: لا ریب یہی علم ہے میں نے پہلے بہ نہیں سنا تھا اور میں نے اہل علم سے یہ نہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگ (انصار کے اس لوگوں کے سوا جن کا حضرت عائشہ نے ذکر کیا ہے) مناکہ کے لیے احرام باندھتے تھے یہ سب صفا اور مردہ میں طواف کرتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کرنے کا حکم دیا اور قرآن میں صفا اور مردہ کا ذکر نہیں کیا تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم (زمانہ جاہلیت میں) صفا اور مردہ کا طواف کرتے تھے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا حکم دیا ہے اور صفا کا ذکر نہیں کیا تو اگر ہم اب بھی صفا اور مردہ کا طواف کریں تو آیا کوئی گناہ ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (ترجمہ) بے شک صفا اور مردہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا تو اس پر صفا اور مردہ کی سچی میں کوئی گناہ نہیں ہے ابو بکر بن عبد الرحمن نے عروہ سے کہا: تو سنو! یہ آیت ان دونوں فریقوں کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ لوگ جو زمانہ جاہلیت میں صفا اور مردہ میں طواف کرنے کو گناہ سمجھتے تھے اور وہ لوگ جو زمانہ جاہلیت میں ان کے درمیان طواف کرتے تھے پھر اسلام آنے کے بعد ان کے درمیان طواف کرنے کو اس لیے گناہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا حکم دیا تھا اور صفا کا ذکر نہیں کیا تھا حتیٰ کہ بعد میں بیت اللہ کے طواف کے بعد صفا کا ذکر بھی فرما دیا۔ (صحیح بخاری ج ۳ ص ۲۲۲-۲۲۳ مطبوعہ دار الفکر، ص ۱۳۸)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ آیت کس لیے نازل ہوئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس آیت کے نازل کے دو سبب ہیں جیسا کہ اس حدیث میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

عام سبب اور آیت کے عام الفاظ

قرآن مجید میں کبھی سبب عام ہوتا ہے اور آیت کے الفاظ بھی عام ہوتے ہیں اور کبھی سبب خاص ہوتا ہے اور آیت کے الفاظ بھی خاص ہوتے ہیں اور کبھی سبب خاص ہوتا ہے اور آیت کے الفاظ عام ہوتے ہیں اور اسی میں اختلاف ہے جمہور کے نزدیک خصوصیت سبب کا اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

پہلی صورت جب سبب اور الفاظ دونوں عام ہوں تو بالاتفاق عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے اور اس کی سورہ آل عمران میں یہ کثرت مثالیں ہیں جو غزوہ بدر اور غزوہ احد کے سلسلے میں نازل ہوئیں مثلاً یہ آیت ہے:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (آل عمران: ۱۳۹)

اور سستی نہ کرو اور ہمت نہ ہوا اگر تم کامل مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے ○

یہ آیت بالعموم اہل احد کے متعلق نازل ہوئی اس کے الفاظ عام ہیں اور اس میں عموم ہی کا اعتبار ہے۔

خاص سبب اور آیت کے خاص الفاظ

دوسری صورت میں جس میں سبب اور لفظ خاص ہو تو خصوص ہی کا اعتبار ہوتا ہے اور لفظ کا خاص ہونا یا علم کی وجہ سے ہو گا یا لام عہد کی وجہ سے۔

علم کی وجہ سے خصوصیت کی مثال یہ آیت ہے:

فَلَمَّا قَتَلْتُمُوهُنَّ أُولَئِكَ فَصَنَعْنَا قُلُوبَهُنَّ قَوَاسِمًا فَمَا يَحْكُمَنَّهِنَّ (سورہ بقرہ: ۵۷)

پھر جب زید نے اس (قطع تعلق) کی غرض پوری کر لی

(الحزاب: ۳۷) تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا اس سے نکاح کر دیا

حضرت زید بن حارثہ اور ان کی زوجہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا میں ان بن روتی تھی اس وجہ سے وہ ان کو طلاق دینا چاہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو روکتے تھے بہر حال جب زید نے طلاق دے دی تو عدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب بنت جحش کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر دیا۔

اور لام عہد کی وجہ سے خصوصیت کی مثال یہ آیات ہیں:

وَسَيَجْزِيَنَّهَا (الَّذِي يُؤْتِي مَالًا يَكْفُرُ بِهِ) (۱)
وَمَا لَاحِدًا بِعِنْدَكَ مِنْ تَعْمَةٍ تُجْزَى إِلَّا أَزْوَاجًا وَجَدْتَهُ
الْأَعْلَى (وَلَسَوْفَ يَرْضَى) (الليل: ۲۱-۱۷)

اور سب سے بڑے قسمی کو جہنم سے بہت دور رکھا جائے
O جو حصول پاکیزگی کے لیے اپنا مال راہ الہی میں خرچ کرتا
ہے O اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے O
اس کا یہ مال خرچ کرنا صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے
لیے ہے O اور وہ ضرور عنقریب راضی ہوگا O

یہ آیات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئیں جب انہوں نے حضرت بلال کو خرید کر آزاد کر دیا جن کو ایمان لانے کے جرم میں سخت عذاب دیا جا رہا تھا کفار نے کہا: ضرور بلال نے پہلے کوئی ابو بکر پر احسان کیا ہوگا جس کا بدلہ اتارنے کے لیے ابو بکر نے ان کو آزاد کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ بلال تو الگ رہے روئے زمین پر کسی کا ابو بکر پر کوئی دنیاوی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ دیا جاسکے۔ ان کا یہ عمل تو صرف اللہ کی رضا جوئی کے لیے ہے اور اس آیت کے مصداق صرف حضرت ابو بکر تھے کیونکہ باقی تمام مسلمانوں پر کسی نہ کسی کا کوئی دنیاوی احسان ضرور تھا اس آیت میں حضرت ابو بکر کو "الساقي" سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ لام عہد ہے اور اس سے مراد حضرت ابو بکر ہیں لہذا اس آیت کا سبب بھی خاص ہے اور الفاظ بھی خاص ہیں۔

خاص سبب اور آیت کے عام الفاظ

تیسری صورت یہ ہے کہ آیت کا سبب خاص ہو اور الفاظ عام ہوں۔ اس صورت میں جمہور علماء کے نزدیک عموم الفاظ کا اعتبار کیا جاتا ہے اس کی مثال یہ آیات ہیں:

وَالَّذِينَ يَزْمُونَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ
اِلَّا اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهُ
لَيَنَّ الصّٰدِقِيْنَ وَالْخَامِسَةُ اَنْ لَّعَنَتَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ اِنْ كَانُ
مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (النور: ۷-۶)

اور جوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس ان کی اپنی جانوں کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہو تو ایسے کسی شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ بے شک وہ ضرور سچا ہے O اور پانچویں گواہی یہ کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو O

اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

امام ابو داؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت بلال بن امیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: میں عشاء کے وقت اپنی اہلیہ (خولہ بنت عاصم) کے پاس گیا تو میں نے اس کے پاس ایک مرد (شریک بن سحاء) دیکھا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند کیا سحاح کرام کا خیال تھا کہ اب حضرت بلال پر حد قذف لگ جائے گی تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

(روح المعانی ج ۱۸ ص ۱۰۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس آیات میں لعان کا حکم بیان کیا گیا ہے اور ہر چند کہ اس کا سبب نزول حضرت ہلال بن امیہ کے ساتھ خاص ہے لیکن اس کے الفاظ عام ہیں اور جو شخص بھی اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کے پاس چار گواہ نہ ہوں تو شوہر اور بیوی سے درمیان لعان کیا جائے گا۔ امام بخاری نے بھی اس حدیث کو اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام بخاری حضرت ہلال بن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عویر رضی اللہ عنہ نے پہلے حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معلوم کیا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھے تو آیا اس کو قتل کر دے؟ تو پھر وہ قتل کر دیا جائے گا تو وہ کیا کرے؟ حضور نے اس کو ناپسند کیا تب حضرت عویر نے کہا کہ میں حضور سے براہ راست سوال کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان تھے حضرت عویر آئے اور کہا: یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو دیکھے تو آیا وہ اس کو قتل کر دے؟ تو پھر آپ اس کو قصص میں قتل کر دیں گے! پھر وہ شخص کیا کرے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اور تمہاری بیوی کے متعلق مجھ پر آیت نازل ہو چکی ہے۔ جاد اس کو لے آؤ حضرت ہلال نے کہا: پھر ان دونوں نے لعان کیا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۰ ۷۹۹ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت عویر رضی اللہ عنہ ان دونوں کے واسطے ان آیات کا شان نزول ہیں اور یہ کہ ان آیات کے دو سبب نزول ہیں۔

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ بَنَاتِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحَرِّجْهُمْ قَبْلَ أَنْ يَتَمَاسَّ ذَٰلِكَ تَوَعُّطُونَ بِهِ ۖ
وَأَنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ فَمَنْ كَفَرَ بِجِدِّهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ
مُّتَنَائِعِينَ مَنْ قَبْلَ أَنْ يَتَمَاسَّ فَمَنْ لَّوْ يَسْتَطِيعُ فَاطْعَامُ
مِثْلَيْنِ مِنْ سَكِينَتَا ۖ (البقرہ: ۲۳، ۲۴)

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں (اپنی بیوی سے کہیں: تیری پشت میری ماں کی پشت کی طرح ہے) پھر اسی کام کے لیے وٹنا چاہیں جس کے لیے اتنی سخت بات کہہ چکے ہیں (یعنی عمل زوجیت) تو ان پر عمل تزویج سے پہلے ایک غلام کو آزاد کرنا ہے یہ ہے وہ نصیحت جو تمہیں کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے ۝ تو جس کو غلام نسل سکے وہ عمل تزویج سے پہلے مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے پھر جو (روزوں کی بھی) طاقت نہ رکھے تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

علامہ سیوطی ان آیات کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام ابن ماجہ امام ابن ابی حاتم امام حاکم نے صحیح سند سے اور امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے شوہر کی شکایت کی اور کہا کہ میرا شوہر میری جوانی کھا گیا اور اب میں زیادہ عمر کی ہو گئی اور میرے بچے بھی نہیں رہے تو اس نے مجھ سے ظہار کر لیا وہ مسلسل یہ شکایت کرتی رہی حتیٰ کہ یہ آیات نازل ہو گئیں۔ (در سنن ج ۶ ص ۱۷۹ مطبوعہ مکتبۃ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

ظہار کی آیات کا سبب خاص ہے اور وہ خولہ بنت ثعلبہ کے شوہر کا ان سے ظہار کرنا ہے اور اس کے الفاظ عام ہیں اور اعتبار اسی عموم کا ہے یعنی ہر ظہار کرنے والے مسلمان کا یہی حکم ہے۔

ایک آیت کے متعدد اسباب اور ایک سبب کی متعدد آیات

ہم اس سے پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ بعض اوقات ایک آیت کے نزول کے متعدد اسباب ہونے میں اسی طرح بعض اوقات سبب واحد ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں متعدد آیات نازل ہوتی ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت میں عورتوں کا ذکر کیا ہو تو سورہ آل عمران میں کئی آیات نازل ہوئیں میرا امام حاکم نے حضرت ام سلمہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ مردوں کا ذکر کرتے ہیں اور عورتوں کا ذکر نہیں کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان

والے مرد اور ایمان والی عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو بہت یاد کرنے والی عورتیں اللہ نے ان سب کے لیے بخشش اور بہت بڑا ثواب تیار کیا ہے O

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّالِحِينَ وَالصَّالِحَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا (آل عمران: ۲۰۵)

اور یہ آیت نازل ہوئی:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُم مَّن ذَكَرَ وَأُنْشِئَ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ قَالَتِ الَّذِينَ هَاجَرُوا وَآخِرُ جَوَامِنِ دِيَارِهِمْ وَأَوْذُوا نِي سَبِيلِي وَقَتْلُوا وَفَتَلُوا لَا كُفْرَانَ سَنَنْهَم سَيَاتِهِمْ وَلَا ذَخَلَتْهُمْ جَنَّتِ تَجْرِي مِّنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ (آل عمران: ۱۹۵)

پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول کر لی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت تم سب آپس میں ہم جنس ہو تو جن لوگوں نے ہجرت کی اور وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے اور جن کو میری راہ میں تکلیفیں دی گئیں اور جنہوں نے جہاد کیا اور وہ شہید ہوئے تو میں ضرور ان کے سب گناہ مٹا دوں گا اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اللہ کی طرف سے ثواب ہوگا اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے O

اسباب نزول سے متعلق یہ اہم اور ضروری مباحث تھے جن کا ہم نے یہاں ذکر کیا ہے۔

مکمل قرآن یکبارگی نازل نہ کرنے کی حکمتیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تیس سالہ زندگی میں قرآن مجید متفرق طور پر تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا یکبارگی مکمل کتاب نازل نہیں ہوئی قرآن مجید میں ہے:

وَقَدْ آتَيْنَاكَ خَزَائِنَ الْغَيْبِ لَا تَلْقَاهَا عَلَى الْبَاسِ عَلَى مَكِينٍ وَمَنْ لَمْ يَلِكْ

تَفْهِيمًا (نہی اسرائیل: ۱۰۶)

اور ہم نے اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے تاکہ آپ اس کو ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کے سامنے پڑھیں اور ہم نے اس کو (حسب حالات) بہ ترتیب نازل کیا ہے O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالْوَلَاتُ لَنْ يُغْنِيَ عَنْكَ الْفَرَانُ جُمْلَةً
وَاحِدَةً كَذَّبْتُمْ بِهَذَا كَذِبًا عَظِيمًا وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا
وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا

(انعام: ۲۳-۲۴)

اور کافروں نے کہا: اس (رسول) پر پورا قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ ہاں! ہم نے اسی طرح (تھوڑا تھوڑا نازل کیا ہے) تاکہ ہم اس پر آپ کا دل مضبوط کریں اور ہم نے اس کی بہ ترتیب تلاوت فرمائی ہے O اور (اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ) جب بھی یہ لوگ آپ کے پاس کوئی عجیب سوال لے کر آئے تو ہم نے اس کا (بروقت) صحیح اور ٹھوس جواب دیا اور واضح اور روشن بیان کر دیا O

قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کی حکمتیں حسب ذیل ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ان پڑھ تھی اور لکھنا پڑھنا ان کا بالعموم شعار نہ تھا، اگر قرآن یکبارگی مکمل نازل ہو جاتا تو ان کے لیے اس کو ضبط کرنا مشکل ہوتا اور ان سے اس میں بہت غلطیاں ہوتیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے، نزول کتاب سے پہلے آپ لکھتے اور پڑھتے نہیں تھے، اور تورات کو یکبارگی نازل کیا گیا، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے پڑھ کر لوگوں کو سناتے تھے۔

(۲) جس شخص کے پاس کتاب ہو وہ اس کتاب پر اعتماد کر لیتا ہے اور اس کو حفظ کرنے میں تساہل اور سستی کرتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یکبارگی مکمل کتاب نازل نہیں فرمائی تاکہ آسانی سے اس کو حفظ کیا جاسکے اور مسلمان اس میں سستی نہ کریں۔

(۳) اگر مکمل کتاب یکبارگی نازل کر دی جاتی تو پوری شریعت ایک مرتبہ ہی نازل ہو جاتی اور اس پر عمل کرنا لوگوں کے لیے دشوار ہوتا، اس کے برعکس جب قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا تو لوگ بہ ترتیب احکام کے مکلف ہوئے اور ان پر عمل کرنا لوگوں کے لیے آسان ہو گیا۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بار بار حضرت جبرائیل سے ملاقات کرتے تو ان کی ملاقات سے آپ کا دل قوی ہو جاتا اور تبلیغ رسالت میں پیش آنے والی کلفتوں اور دشواریوں پر آپ کا صبر اور پختہ ہو جاتا اور فرائض نبوت کی ادائیگی میں آپ کا شوق اور ولولہ اور بڑھ جاتا۔

(۵) تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے سے قرآن مجید کا اعجاز اور واضح ہو گیا، کیونکہ اگر کسی انسان کی قدرت میں ایسا کلام لانا ممکن ہوتا تو وہ بھی اس طرح کی چند آیات پیش کر دیتا۔

(۶) مختلف مواقع پر لوگ مختلف سوالات کرتے تھے اور ان کے سوالوں کے جواب میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوتی رہتی تھیں، اگر مکمل کتاب یکبارگی نازل ہوتی تو یہ ممکن نہ تھا۔

(۷) جب قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم چند آیتوں کے ساتھ ان کو چیلنج کرتے اور جب وہ قرآن کریم کی چند آیتوں کی تفسیر بھی نہ لے سکے تو پورے قرآن کی تفسیر نہ لانا اور زیادہ واضح ہو گیا اور آپ کے دل میں اور استحکام

آگیا کہ یہ قوم آپ کے معارضہ سے عاجز ہے۔

(۸) اگر پورا قرآن کریم ایک یہ بار نازل ہو جاتا تو حضرت جبرائیل صرف ایک بار آنے اور آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سفارت منقطع ہو جاتی اور جب کہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا تو آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سفارت کا رابطہ تا حیات قائم رہا۔

(۹) اس میں آپ کی دوسرے رسولوں بر فضیلت ہے کیونکہ ان پر یکبارگی کتب نازل کر دی گئی اور ان کے پاس صرف ایک بار حضرت جبرائیل آئے اور ان کے بعد ان کے درمیان سفارت منقطع ہو گئی اور جو سفارت کا رابطہ دوسرے رسولوں کے ساتھ صرف ایک بار ہوا وہ رابطہ آپ کے ساتھ تا حیات برقرار رہا۔

(۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یکبارگی کوہ طور پر تو رات نازل ہوئی تو کوہ طور کو مضبوط وحی الہی ہونے کا شرف حاصل ہوا اور جب حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا کر کے مختلف اوقات اور مختلف مقامات پر قرآن مجید نازل ہوا تو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے متعدد مقامات کو مضبوط وحی الہی ہونے کا شرف حاصل ہوا حتیٰ کہ مہاجرین حضرت عائشہ کے بستر پر بھی قرآن نازل ہوا۔

(۱۱) مختلف اسباب اور واقعات کی وجہ سے بھی قرآن مجید کی آیات نازل ہوتی تھیں مثلاً کسی کافر یا منافق نے کوئی دل آزار کلمہ کہا تو اس کے رد میں آپ کو سلی دینے کے لیے آیات نازل ہوئیں مسلمانوں نے رات کے روزے میں روزہ توڑ یہ تو رات کا روزہ تم کرنے میں آیات نازل ہوئیں۔ منافقین نے حضرت عائشہ پر بہت لگائی تو آپ کی براءت میں آیات نازل ہوئیں علیٰ ہذا القیاس اگر قرآن مجید مسلسل یکبارگی نازل ہوتا تو یہ ممکن نہ تھا۔

(۱۲) بعض اوقات کوئی حکم نازل کیا جاتا پھر اس کو منسوخ کر دیا جاتا مثلاً پہلے بیوہ عورت کی عدت ایک ماہ رکھی گئی پھر یہ عدت چار ماہ دس دن کر دی گئی اور مکہ مکرمہ میں جہاد شروع نہیں کیا گیا اور کفار کے مقابلہ میں صبر و ضبط کا حکم دیا گیا تھا اور مدینہ منورہ میں جہاد کا حکم دیا گیا اس طرح ناخ اور منسوخ آیتوں اور احکام کا سلسلہ اسی وقت ممکن تھا جب قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہو۔ اگر قرآن مجید یکبارگی نازل ہوتا تو یہ ممکن نہ تھا۔

(۱۳) عرب کے لوگ زمانہ جاہلیت کی عادتوں اور رسوم میں جکڑے ہوئے تھے اگر یکبارگی ان پر تمام احکام شرعیہ کا بوجھ ڈال دیا جاتا تو وہ گھبرا جاتے، اور ممکن تھا کہ وہ ان تمام احکام کو قبول نہ کر پاتے اس لیے حکمت اور مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ ان کو بتدریج احکام کا مکلف کیا جائے اس لیے قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا تاکہ جو عادات ان میں رائج ہو چکی تھیں ان کو آہستہ آہستہ بدلا جائے۔

(۱۴) جیسے جیسے واقعات اور حوادث پیش آتے رہے اور ان کے اعتبار سے جس جس طرح حکمت اور مصلحت کا تقاضا تھا اسی اعتبار سے قرآن مجید کو نازل کیا جاتا رہا۔

رمضان کے مہینہ کی شب قدر میں قرآن مجید کا نزول شروع ہوا اور مسلسل تیس سال تک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا اور اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی زندگی کا کوئی وقت وحی الہی سے رابطہ کے بغیر نہیں گزرا اور حضرت جبرائیل کی رفاقت اور معیت سے آپ کی بعثت کی زندگی کا کوئی دور خالی نہیں رہا۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت اور سورت کا بیان

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے کون سی آیت نازل ہوئی اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں اور صحیح قول یہ ہے کہ سب سے پہلے ”اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ“ (العلق: ۱) نازل ہوئی امام بخاری امام مسلم اور دیگر کتب حدیث نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا چھ خوابوں سے کی گئی آپ صبح بھی کوئی خواب دیکھتے تو روشن صبح کی طرح اس کی تعبیر آجاتی پھر آپ کے دل میں خلوت گزرنی کی بہت ہدایا کی گئی آپ صراہ میں جا کر کئی کئی راتیں گزارتے اور وہاں عبادت کرتے آپ وہاں قیام کے لیے ٹھکانا لے جاتے اس کے بعد حضرت خدیجہ کے پاس لوٹتے اور پھر ٹھکانا لے جاتے آپ غار حراء میں تھے کہ ایک دن فرشتہ آیا اور اس نے کہا: پڑھیں آپ نے فرمایا میں پڑھنے والا نہیں ہوں (یا میں کیا پڑھوں؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے مجھے پکڑ کر خوب بھیچا حتیٰ کہ اس نے پوری قوت صرف کی پھر اس نے مجھے چھوڑ کر کہا: پڑھیں میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں (یا میں کیا پڑھوں؟) اس نے بارہ مجھے پکڑ کر بھیچا حتیٰ کہ اس نے پوری قوت صرف کی پھر مجھے چھوڑ کر کہا: پڑھیں ”اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ“ (العلق: ۱) اور یہ آیت ”مَا لَمْ يَخْلُقْ“ (العلق: ۵) تک پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیتوں کو دہرایا اور دراصل ایک آپ کے کندھے پر پکپکا رہے تھے۔

امام حاکم نے ”مستدرک“ میں اور امام بیہقی نے ”دلائل النبوة“ میں سند صحیح کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی جو سورت سب سے پہلے نازل ہوئی وہ ”اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ“ ہے۔

امام بیہقی نے حدیث صحیح کی شرط کے مطابق سند صحیح کے ساتھ ابو جابر عطاروں سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوسوی اشعری دوسفید کپڑے پہنے ہوئے ایک حلقہ میں ہم کو قرآن پڑھا رہے تھے جب انہوں نے ”اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ“ کی تلاوت کی تو کہا یہ پہلی سورت ہے جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔

امام سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اپنی سند کے ساتھ عبید بن جبرائیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے کہا: پڑھیں آپ نے فرمایا: میں کیا پڑھوں؟ ”بے خدا“ میں پڑھنے والا نہیں ہوں حضرت جبرائیل نے کہا: ”اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ“ اور یہ پہلی آیت نازل ہوئی تھی۔

ابوسعید نے فضائل قرآن میں مجاہد سے نقل کیا ہے کہ قرآن کی پہلی نازل ہوئے والی سورتوں میں ”اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ“ اور ”تَوَالَّفِكَ“ (العلق: ۱) ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے ”يَا أَيُّهَا الْمَدَّثِرُ“ (المدثر: ۱) نازل ہوئی کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم نے ابوسلمہ بن عبد الرحمن سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے پوچھا کہ سب سے پہلے کون سی سورت نازل ہوئی؟ تو انہوں نے کہا: ”يَا أَيُّهَا الْمَدَّثِرُ“ (المدثر: ۱) اس حدیث کا یہ جواب ہے کہ سب سے پہلی آیت ”اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ“ ہے اور سب سے پہلے جو مکمل سورت نازل ہوئی وہ ”يَا أَيُّهَا الْمَدَّثِرُ“ ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ”اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ“ کے نزول کے بعد کچھ عرصہ کے لیے وحی کا آثار کھینچا گیا تھا اس فترت اور وقفہ کے بعد جو سب سے پہلی سورت نازل ہوئی وہ ”يَا أَيُّهَا الْمَدَّثِرُ“ ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ سورہ مدثر اس لحاظ سے پہلی سورت ہے کہ اس میں احکام ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کرنے اور لوگوں کو خدا کے عذاب سے ڈرانے کا حکم دیا ہے اور ”اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ“ مطلقاً سب سے پہلی آیت ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ سورہ فاتحہ سب سے پہلی سورت ہے امام بیہقی اور امام واحدی نے ابومیسرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو میں ایک آواز سنتا ہوں کہ خدا مجھے خوف ہے کہ یہ کوئی عجیب و غریب بات ہے! حضرت خدیجہ نے کہا: معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ایسا نہیں کرے گا کہ خدا

آپ امانت کو ادا کرنے میں صلہ رحمی کرتے ہیں اور بیچ بولتے ہیں بھر جب حضرت ابو بکرؓ حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے حضرت خدیجہؓ نے ان کو یہ قصہ سنایا اور کہا: (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ورق کے پاس جادو سودہ آپ کے ساتھ ورق کے پاس گئے اور یہ قصہ سنا اور فرمایا: جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو کوئی مجھے پیچھے سے آواز دے دے یا محمد ایسا محمد! تو میں بھاگ کر افاق میں (بہت دور) چلا جاتا ہوں ورق سنے کہا: آپ ایسا نہ کریں! جب یہ آواز آئے تو آپ ٹھہرے رہیں اور تنہا کہہ دیا کہتا ہے پھر آکر مجھے تائیں پھر آپ کو نہائی میں آواز آئی: یا محمد! کہیے: "بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین" حتیٰ کہ "ولم الصالحین" تک سورہ فاتحہ آپ نے یہ حدیث مرسل ہے اور اس کے راوی شیعہ ہیں امام شافعی نے کہا: اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہ واقعہ سورہ اعراف اور سورہ مدثر کے نزول کے بعد پیش آیا۔

چوتھا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" نازل ہوئی، واحدی نے اپنی سند کے ساتھ طبرستان اور حسن سے روایت کیا ہے کہ پہلی آیت "بسم اللہ الرحمن الرحیم" اور پہلی سورت اعراف ہے۔

(الاعتقان ج ۱ ص ۲۴-۲۳ مطبوعہ سمیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت اور سورت کا بیان

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ سب سے آخر میں کون سی آیت نازل ہوئی امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت برادر بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سب سے آخر میں یہ آیت نازل ہوئی: "يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَامِ" (النساء: ۵۹) اور سب سے آخری سورت سورہ توبہ ہے امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ سب سے آخر میں آیت ربا نازل ہوئی ہے امام شافعی نے بھی حضرت عمر سے اسی طرح روایت کیا ہے اور اس سے مراد یہ آیت ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا" (البقرہ: ۲۷۸) امام احمد اور امام ابن ماجہ نے بھی حضرت عمر سے یہ روایت کیا ہے کہ سب سے آخر میں آیت ربا نازل ہوئی ہے۔

امام نسائی نے از عمرہ ابن عباس روایت کیا ہے کہ آخری آیت یہ ہے: "وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ" (البقرہ: ۲۸۱) امام ابن جریر نے بھی حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آخری آیت یہ ہے: "وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ" (البقرہ: ۲۸۱) اس آیت کے نزول کے ایک ہی (۸۱) دن بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تھا اور امام ابن ابی حاتم نے سعید بن جبر سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی جو آخری آیت نازل ہوئی وہ "وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ" (البقرہ: ۲۸۱) ہے اور اس کے نزول کے نو دن بعد پیر کے دن ۲۸ ربیع الاول کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ میراث میں آخری آیت "يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَامِ" (النساء: ۵۹) ہے اور سود میں آخری آیت "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا" (البقرہ: ۲۷۸) ہے اور مطلقاً آخری آیت "وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ" (البقرہ: ۲۸۱) ہے۔

امام حاکم نے "مستدرک" میں حضرت ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ آخری آیت "لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ" (التوبہ: ۱۲۸) ہے۔

امام مسلم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آخری سورت جو نازل ہوئی وہ "إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ" (الفتح: ۱) ہے۔

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے جو سورت آخر میں نازل ہوئی وہ سورہ مائدہ ہے۔
امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آخری سورت سورہ مائدہ اور سورہ فتح ہے۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مشہور روایت ہے کہ سب سے آخر میں سورہ توبہ نازل ہوئی ہے۔

امام بیہقی نے یہ کہا ہے کہ ان مختلف روایات کی یہ تقدیر صحت پر توجیہ ہے کہ ہر صحابی نے اپنے نظریہ کے مطابق کہا ہے۔
قاضی ابوبکر نے یہ کہا ہے کہ ان اقوال میں سے کوئی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح ارشاد نہیں ہے اور ہر صحابی کا قول اس نے
اجتہاد اور غلبہ ظن پر محمول ہے (الاقانین ص ۲۷-۲۸ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۲۰۰۰ھ)

مکی اور مدنی سورتوں کی معرفت

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

مکی اور مدنی سورتوں کے متعلق علماء کی تین اصطلاحیں ہیں ان میں زیادہ مشہور یہ ہے کہ جو سورتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں وہ مکی ہیں اور جو سورتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں عام ازیں کہ وہ مکہ میں نازل ہوئی ہوں یا مدینہ میں فتح مکہ کے سال نازل ہوئی ہوں یا حجتہ الوداع کے سال میں یا کسی سفر کے دوران نازل ہوئی ہوں

دوسری اصطلاح یہ ہے کہ جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں وہ مکی ہیں خواہ وہ ہجرت کے بعد مکہ میں نازل ہوئی ہوں اور جو مدینہ میں نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں اس اصطلاح کی بناء پر مکی اور مدنی سورتوں میں ایک واسطہ ہوگا کیونکہ جو آیات دوران ہجر نازل ہوئیں وہ مکی ہوں گی نہ مدنی اور امام طبرانی نے ”معجم کبیر“ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن تین جگہوں میں نازل ہوا ہے مکہ مدینہ اور شام میں۔ ولید نے کہا: شام سے مراد بیت المقدس ہے اور شیخ عماد الدین بن کثیر نے کہا: شام کی تفسیر تبوک سے کرنا زیادہ بہتر ہے اور میں کہتا ہوں کہ مکہ میں اس کے مضامینات مثلاً منیٰ عرفات اور حدیبیہ داخل ہیں اور مدینہ میں بدر احد اور صلح داخل ہیں۔

تیسری اصطلاح یہ ہے کہ جن سورتوں میں اہل مکہ سے خطاب ہو وہ مکی ہیں اور جن سورتوں میں اہل مدینہ سے خطاب ہو وہ مدنی ہیں۔

قاضی ابوبکر نے کہا: مکی اور مدنی سورتوں کی معرفت میں سہا بہ اور تابعین کی معرفت پر اعتماد کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ارشاد منقول نہیں ہے اور فرائض اور واجبات میں سے کوئی چیز ان کی معرفت پر موقوف نہیں ہے البتہ ناخ اور مسنوخ کی معرفت میں سورتوں کے مکی اور مدنی ہونے کا دخل ہے۔

(الاقانین ص ۹-۸ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۲۰۰۰ھ)

عہد رسالت میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سب سے پہلے قرآن مجید کو حفظ کر کے سینوں (دماغوں) میں جمع کیا گیا اور سب سے پہلے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ (ذہن مبارک) میں محفوظ اور جمع ہوا۔
قرآن مجید میں ہے:

لَا تَحْزَنْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتُجْعَلَ بِهٖ ۚ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۚ فَإِذَا قَرَأْتَهُ فَاسْمِعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۚ (التیامہ ۱۹-۱۶)

آپ (قرآن یاد کرنے کے لیے) جلدی جلدی زبان کو حرکت نہ دیں ۚ بے شک اس کو (آپ کے ذہن میں) محفوظ کرنا اور آپ کا اسے پڑھنا ہمارے ذمہ ہے ۚ تو جب ہم اس

کو پڑھ چکیں تو پھر آپ اس پڑھے ہوئے کو پڑھیں O پھر بے شک اس کا بیان ہمارے ذمہ ہے O

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر رمضان میں حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا دور کیا کرتے تھے اور جس سال آپ کا وصال ہوا آپ نے دو مرتبہ جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کا دور کیا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت سید تافہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرگوشی کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا جبریل ہر سال مجھ سے قرآن مجید کا دور کرتے ہیں اور اس سال انہوں نے مجھ سے دو مرتبہ دور کیا ہے اور مجھے یہ یقین ہے کہ اب میرا وقت آگیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۸۸ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد کراچی ۱۴۲۸ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ جواد تھے اور آپ کی جو دو سوا رمضان کے مہینے میں بہت زیادہ ہوتی تھی کیونکہ حضرت جبریل ماہ رمضان کی ہر رات میں آپ سے ملاقات کرتے تھے حتیٰ کہ ماہ رمضان پورا ہو جاتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے قرآن کریم کا دور کرتے تھے اور جب جبریل آپ سے ملاقات کرتے تو آپ بارش برسانے والی ہواؤں سے زیادہ خیر کی سخاوت فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۸۸ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد کراچی ۱۴۲۸ھ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر صحابہ کرام قرآن مجید کو یاد کرتے تھے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں کہ مسروق کے سامنے حضرت عبد اللہ بن عمرو نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا: میں ان سے ہمیشہ محبت کرتا ہوں کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ چار آدمیوں سے قرآن مجید کو حاصل کرو: عبد اللہ بن مسعود، سالم، معاذ اور ابی بن کعب۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۸۸ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد کراچی ۱۴۲۸ھ)

شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا اور کہا: یہ خدا! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے (سن کر) ستر سے زیادہ سورتیں یاد کی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو علم ہے کہ مجھے کتاب اللہ کا سب سے زیادہ علم ہے حالانکہ میں ان سب سے افضل نہیں ہوں۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۸۸ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد کراچی ۱۴۲۸ھ)

مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں کتاب اللہ کی جو سورت بھی نازل ہوتی تھی مجھے اس کے متعلق علم ہوتا تھا کہ یہ سورت کہاں نازل ہوئی ہے اور کتاب اللہ کی جو آیت نازل ہوتی تھی مجھے اس کے متعلق علم ہوتا تھا کہ یہ کس کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھتا ہے اور اونٹ پر سفر کر کے اس تک پہنچا جاسکتا ہے تو میں سفر کر کے اس کے پاس جاتا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۸۸ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد کراچی ۱۴۲۸ھ)

قنادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کس نے قرآن جمع کیا تھا انہوں نے کہا: چار صحابہ نے اور وہ سب انصار میں سے تھے حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو زید رضی اللہ عنہم۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۸۸ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد کراچی ۱۴۲۸ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت صرف چار صحابہ نے

قرآن مجید بح کیا تھا، حضرت ابو دردا، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو زید۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۳۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی موخر الذکر حدیثوں پر دو اعتراض ہوتے ہیں ایک اعتراض یہ ہے کہ پہلی حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے چار صحابہ میں حضرت ابی بن کعب کا ذکر کیا ہے اور دوسری حدیث میں حضرت ابو دردا کا ذکر کیا ہے اور یہ ان کے ذکر کردہ حصر کے خلاف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جس حدیث میں حضرت ابو دردا کا ذکر ہے وہ غیر محفوظ اور غیر رائج ہے اور محفوظ اور رائج وہ حدیث ہے جس میں حضرت ابی بن کعب کا ذکر ہے اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت انس نے دو مختلف وقتوں میں یہ حدیثیں بیان کی ہوں ایک دفعہ حضرت ابی بن کعب کا ذکر کیا اور دوسری دفعہ حضرت ابو دردا کا ذکر کیا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابن ابی داؤد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ انصار میں سے پانچ صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا ہے، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابو دردا، اور حضرت ابو ایوب انصاری، یہ حدیث مرسل ہونے کے باوجود حسن ہے اور اس کا ایک شاہد بھی ہے، کیونکہ شعبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چھ صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا جن میں حضرت ابو دردا، حضرت معاذ، حضرت ابو زید اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم شامل ہیں، مرسل ہونے کے باوجود اس حدیث کی سند صحیح ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی شخص نے حضرت ابو دردا رضی اللہ عنہ کے قرآن مجید جمع کرنے کا انکار کیا ہو تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کا رد کرنے کے لیے یہ طریق حصر حضرت ابو دردا کا ذکر کیا ہو۔ (تحا باری ج ۹ ص ۵۳، معجمہ دار الشرائع، سورۃ ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳)

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت انس نے یہ بیان کیا ہے کہ صرف چار صحابہ نے قرآن مجید جمع کیا، حالانکہ ابو عبید نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے قراء صحابہ میں خلفاء اربعہ، حضرت طلحہ، حضرت سعد، حضرت ابن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت سالم، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن سائب، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر شامل ہیں اور خواتین میں سے حضرت عائشہ، حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ ہیں (البیہ ان میں سے بعض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد قرآن مجید مکمل کیا) اور ابن ابی داؤد نے مہاجرین میں سے حضرت تمیم بن اوس داری اور حضرت عقبہ بن عامر اور انصار میں سے حضرت عبادہ بن صامت، حضرت معاذ ابو حلیمہ، حضرت جع بن حارثہ، حضرت فضالہ بن عبید اور مسلمہ بن مخلد وغیرہم کا ذکر کیا (اور ان میں سے بھی بعض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد قرآن کریم جمع کیا تھا) اور جن صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا ان میں حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عمرو بن عاص، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت ام ورقہ ہیں۔

علامہ مازری نے کہا ہے کہ حضرت انس نے جو یہ کہا ہے کہ چار صحابہ کے سوا اور کسی نے قرآن کو جمع نہیں کیا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نفس الامر اور واقع میں بھی اسی طرح ہو اور حضرت انس کی طرف سے توجیہ یہ ہے کہ ان کو ان چار کے سوا باقی کا علم نہیں تھا، ورنہ اس کا کس طرح احاطہ ہو سکتا ہے جب کہ صحابہ بہت زیادہ تھے اور مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے اور حضرت انس کا یہ قول صرف اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب تمام صحابہ میں سے ہر ایک نے حضرت انس سے ملاقات کر کے ان کو یہ بتایا ہو کہ اس نے مکمل قرآن جمع نہیں کیا اور یہ عادت بہت بعید ہے۔

اس حدیث کی وجہ سے محدثوں نے قرآن مجید کے متواتر ہونے پر طعن کیا ہے، تاہم اگر فی نفسہ یہ قول درست بھی ہوتا، تب بھی جم غفیر میں سے ہر ایک کو پورا قرآن مجید یاد نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس جم غفیر کو مجموعی طور پر بھی قرآن مجید یاد

نہ ہو اور نواز کی یہ شرط نہیں ہے کہ ہر فرد کو پورا قرآن حفظ ہو بلکہ اگر کل نے مل کر کل کو یاد کر رکھا ہو پھر بھی کافی ہے اور علامہ قرطبی نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جنگ یمامہ میں ستر حافظ قرآن شہید ہو گئے تھے اسی طرح عہد رسالت میں پیر معونہ میں ستر قاری شہید ہو گئے تھے اس لیے یہ قول کیسے درست ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف چار صحابہ کو پورا قرآن مجید یاد تھا۔

حضرت انس کی اس حدیث کی بعض مزید توجیہات یہ ہیں:

- (۱) تمام وجود اور تمام قراءات کے ساتھ صرف ان چار صحابہ کو پورا قرآن مجید یاد تھا
 - (۲) ان چار صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ سن کر پورا قرآن مجید یاد کیا تھا باقی صحابہ نے پورا قرآن آپ سے بلا واسطہ نہیں سنا تھا۔
 - (۳) یہ چار صحابہ قرآن مجید کی تعلیم دینے میں بہت مشہور تھے اور باقی اتنے مشہور نہیں تھے اس لیے ان کا حال مخفی رہا انہوں نے ریا اور عجب کے خدشہ سے اپنے آپ کو ظاہر نہیں کیا۔
 - (۴) ان چار کے جمع کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے مکمل قرآن مجید لکھ کر جمع کیا تھا اور باقی صحابہ نے دل میں یاد کیا تھا۔
 - (۵) ان چار نے اعلان کر دیا تھا کہ انہوں نے مکمل قرآن جمع کیا ہے اور باقی صحابہ نے اعلان نہیں کیا تھا۔
- (فتح الباری ج ۹ ص ۵۱، ۵۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۰ھ)

علامہ نیشاپوری لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن جمع کر لیا گیا تھا کیونکہ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تب قرآن کو یہ حکم دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں جگہ لکھ دو اور جب بھی کوئی سورت نازل ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تب کو یہ حکم دیتے کہ اس کو فلاں سورت کے بعد لکھو۔

(غرائب القرآن ج ۱ ص ۲۳ مطبوعہ مطبع امیر یہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۲۳ھ)

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر صحابہ کرام قرآن مجید لکھ لیتے تھے اور مشہور یہ ہے کہ پچیس صحابہ کا تب وحی تھے اور تحقیق یہ ہے کہ وہ ساٹھ صحابہ تھے ان میں زیادہ مشہور خلفاء اربعہ حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت معاویہ بن ابی سفیان، حضرت یرید بن ابی سفیان، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت خالد بن ولید، پھر علامہ زحیلی نے ابو عبیدہ کے حوالے سے ان حفاظ صحابہ کا ذکر کیا ہے جن کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں اور یہ لکھا ہے کہ زیادہ مشہور حفاظ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابو درداء، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ اشعری تھے۔ (التفسیر المیر ج ۱ ص ۲۱-۲۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

حضرت ابو بکر کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو ایک مصحف میں اس لیے جمع نہیں کیا گیا کہ نزول وحی کا عمل آپ کی حیات مبارکہ میں مسلسل جاری تھا اور ہر وقت کسی نئی وحی کے نازل ہونے کا امکان تھا البتہ قرآن مجید کی تمام آیات کپڑے کے ٹکڑوں پر ہڈیوں پر پتھروں پر اور پتوں سے صاف کی ہوئی کھجور کی ٹہنیوں پر لکھی جاتی تھیں پھر جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جنگ یمامہ کے دوران بہت سے حفاظ قرآن شہید ہو گئے تب قرآن مجید کو پہلی بار ایک مصحف میں جمع کرنے

کی تحریک ہوئی جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ یمامہ کے دوران حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلوایا اس وقت ان کے پاس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے حضرت ابو بکر نے کہا میرے پاس حضرت عمر آئے اور کہا جنگ یمامہ میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہو گئے اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ اگر یونہی مختلف جنگوں میں حفاظ قرآن شہید ہوتے رہے تو بہت سا قرآن مجید چلا جائے گا اور میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو جمع کرنے کا حکم دیں میں نے حضرت عمر سے کہا: آپ ایسا کام کیوں کر رہے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت عمر نے کہا: یہ خدا اس میں خیر ہے پھر حضرت عمر مسلسل مجھ سے یہ کہتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا شرح صدر کر دیا اور میری رائے حضرت عمر کی رائے کے موافق ہو گئی۔ حضرت زید بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے کہا: تم عقل مند شخص ہو اور ہم کو تمہارے متعلق کسی قسم کی کوئی بدگمانی نہیں ہے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی لکھتے تھے سو تم قرآن مجید کو تلاش کر کے جمع کرو یہ خدا اگر یہ لوگ مجھ سے یہ کہتے کہ پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دو تو یہ میرے لیے، تار دشوار نہ ہوتا جتنا قرآن مجید کو جمع کرنے کے حکم پر عمل کرنا میرے لیے دشوار تھا میں نے کہا: آپ لوگ ایسا کام کیوں کر رہے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت ابو بکر نے کہا: یہ خدا اس میں خیر ہے پھر حضرت ابو بکر مجھ سے مسلسل اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دیا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر کا سینہ کھول دیا تھا پس میں نے قرآن کریم کو تلاش کرنا شروع کیا میں نے بتوں سے صاف کی ہوئی کھجور کی شاخوں، پتھروں اور مسلمانوں کے سینوں سے قرآن مجید کو جمع کیا حتیٰ کہ سورہ توبہ کی آخری آیت: ”لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزَمَ بِذِكْرِكُمْ هَآءِهِ“ (توبہ: ۱۲۸) مجھے حضرت ابو خزیمہ انصاری کے پاس ملی پھر صحیفوں میں جمع شدہ یہ قرآن مجید حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس رکھا گیا پھر ان کی وفات کے بعد تاحیات حضرت عمر کے پاس رہا پھر ان کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۳۶، مطبوعہ دار محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

ابن ابی داؤد نے مصاحف میں سند حسن کے ساتھ عبد خیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا: مصاحف کا سب سے زیادہ اجر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہوگا اللہ تعالیٰ حضرت ابو بکر پر رحم کرے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مصحف میں قرآن مجید کو جمع کیا بعض روایات میں حضرت علی کے پہلے جمع کرنے کا ذکر ہے لیکن وہ ضعیف روایات ہیں اور بعض روایات میں حضرت عمر کے پہلے جمع کرنے کا ذکر ہے لیکن اس سے مراد ہے: ان کا جمع کرنے کے لیے مشورہ دینا۔

ابن ابی داؤد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے آکر کہا: جس شخص نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر جتنا قرآن مجید لکھ لیا ہو وہ اس کو لے کر آئے اور اس وقت لوگ صحیفوں میں تختیوں پر اور بتوں سے خالی شاخوں پر لکھتے تھے اور حضرت زید کسی سے اس وقت تک کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے جب تک کہ دو گواہ اس پر گواہی نہ دیتے اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت زید صرف لکھے ہوئے کو کافی نہیں سمجھتے تھے حتیٰ کہ دو گواہ اس پر گواہی دیتے کہ اس کو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے حالانکہ حضرت زید بن ثابت خود حافظ قرآن تھے لیکن وہ حفاظت میں مبالغہ کرنے کے لیے ایسا کرتے تھے۔

ابن ابی داؤد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے حضرت عمر اور حضرت زید سے فرمایا کہ آپ دونوں مسجد کے دروازہ پر

بیٹھ جائیں اور جو شخص کتاب اللہ پر دو گواہ لے کر آئے اس کو لکھ لیں علامہ ابن حجر نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دو گواہ اس پر گواہی دیں کہ انہوں نے اس آیت کو حفظ کیا تھا اور اس کو لکھ لیا تھا علامہ سخوی نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس پر گواہی دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس آیت کو لکھ لیا گیا تھا ابو شامہ نے کہا: ان کی اس سے غرض یہ تھی کہ صرف اسی آیت کو لکھا جائے جس کے متعلق یہ یقین ہو جائے کہ علیؑ اس آیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھ لیا گیا تھا کیونکہ جب تک کسی آیت کا تحریری ثبوت نہ مل جائے وہ اس کے صرف حفظ کو کافی نہیں سمجھتے تھے

ابن اشعث نے مصاحف میں لیث بن سعد سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابو بکر نے قرآن کو جمع کیا اور حضرت زید نے لکھا لوگ حضرت زید کے پاس قرآن مجید کی آیات لے کر آتے اور جب تک وہ ان آیتوں کے لکھے جانے پر دو گواہ پیش نہ کرتے حضرت زید ان کو نہیں لکھتے تھے اور سورہ توبہ کی آخری آیت کے مکتوب ہونے پر صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کی شہادت تھی حضرت زید نے کہا: اس کو لکھ لو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی اکیلی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا ہے پھر اس آیت کو لکھ لیا گیا۔ (الاقانج ۱/ ۵۸-۵۷ مطبوعہ مکتبہ اکیڈمی اہل بیت ۱۴۰۰ھ)

جس حدیث میں حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہے:

امام ابو داؤد دروایت کرتے ہیں:

عمارہ بن خزیمہ کے چچا رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا: وہ گھوڑے کی قیمت لے کر آتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی چل کر گھوڑے کی قیمت لینے گئے اور وہ اعرابی آہستہ آہستہ چلتا رہا لوگ اس اعرابی کے ساتھ چلے گئے اور اس سے اس گھوڑے کی قیمت پوچھنے لگے اور ان کو یہ بتا نہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے کو خریدا چکے ہیں اس اعرابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مذاہ کی: اے آپ اس گھوڑے کو خرید رہے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں اس گھوڑے کو بیچ رہا ہوں تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کی یہ مذاہ سنی تو آپ نے فرمایا: کیا میں تم سے یہ گھوڑا خرید نہیں چکا؟ اعرابی نے کہا: نہیں اب خدا میں نے یہ گھوڑا آپ کو نہیں بیچا آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! میں تم سے یہ گھوڑا خریدا چکا ہوں اعرابی کہنے لگا: اچھا آپ کو وہ لا میں حضرت خزیمہ نے کہا: میں گوہی دیتا ہوں کہ بے شک یہ گھوڑا آپ نے اس سے خریدا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر حضرت خزیمہ سے فرمایا: تم کس بنا پر گواہی دے رہے ہو؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کی تصدیق کرنے کی وجہ سے تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دیا۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۵۲ مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان ۱۴۰۵ھ)

بہ ظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دینا ان کے ایمان کی پختگی کی بنا پر تھا اور اس بات کا انعام تھا کہ انہوں نے بن دیکھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی تصدیق کر دی لیکن درحقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نور نبوت سے دیکھ رہے تھے کہ ایک وقت آئے گا کہ سورہ توبہ کی آخری آیت کے لکھے جانے پر حضرت خزیمہ کے علاوہ اور کوئی گواہ نہیں ہوگا اگر حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر نہ قرار دیا گیا تو سورہ توبہ کی آخری آیت قرآن میں درج ہونے سے رہ جائے گی اور قرآن نامکمل رہ جائے گا سو اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی اختیار کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ جس کو چاہیں نواز دیں اور ایک گواہی کو دو کے برابر کر دیں اور آپ کے علم کی عظمتوں کا بھی پتا چلتا ہے کہ مستقبل میں ہونے والے واقعات آپ کی نظر میں ہوتے ہیں اور نہ صرف نظر میں ہوتے ہیں بلکہ آپ ان کا تذکرہ بھی فرماتے ہیں۔

حضرت عثمان کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان

قرآن مجید سات حرفوں پر نازل ہوا تھا اور ہر قبیلہ کو ایک حرف پر قرآن مجید پڑھنے کی اجازت تھی، لیکن جب اسلام سرزمین عرب سے نکل کر دنیا کے دور دراز علاقوں میں پہنچا اور لوگوں نے مختلف حرفوں پر قرآن پڑھا تو جو شخص دوسرے حرف سے ناواقف تھا اس نے اس کی تکذیب شروع کر دی مثلاً کوئی پڑھتا تھا: "مشوہا" اور دوسرا پڑھتا تھا: "منشوہا" یا کوئی پڑھتا تھا: "فتمت کلمۃ ربک" اور دوسرا پڑھتا تھا: "تمت کلمات ربک" اور ہر شخص کو یہ اصرار تھا کہ جس حرف پر اس نے قرآن پڑھا ہے وہ صحیح ہے اور دوسرے کا پڑھا ہوا غلط ہے۔ اس صورت کی اصلاح کے لیے حضرت عثمان نے اس نسخہ کو منگوایا جو حضرت ابوبکر کے عہد میں جمع کیا گیا تھا اور اس کی متعدد نقلیں تیار کر کے تمام شہروں میں بھجوا دیں اور باقی تمام نسخوں کو اکٹھا کر کے پانی میں دھو ڈالا اور پھر ان اوراق کو جلا ڈالا اور تمام امت کو قرآن مجید کے ایک حرف پر جمع کر دیا جو لغت قریش کے مطابق تھا اور یہ وہی نسخہ تھا جس کو حضرت ابوبکر کے عہد میں جمع کیا گیا تھا اور بعد میں حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا نے پاس رکھوایا گیا تھا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ آرمینیا اور آذربائیجان کو فتح کرنے کے لیے جہاد میں گئے ہوئے تھے، حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان کو مسلمانوں کے قراءت میں اختلاف سے خبردار کیا، حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان سے کہا: اے امیر المومنین! اس سے پہلے کہ یہ امت اپنی کتاب میں یہود و نصاریٰ کی طرح مختلف ہو جائے اس کی کوئی تدبیر کر لیجئے، پھر حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس جو صحیفے ہیں وہ ہمیں بھیج دیجئے، ہم ان کو مصحف میں نقل کریں گے، پھر آپ کو واپس کر دیں گے، حضرت حفصہ نے وہ مصحف حضرت عثمان کے پاس بھیج دیا، حضرت عثمان نے حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمان بن حارث بن ہشام سے کہا کہ وہ اس مصحف کو لکھیں اور حضرت عثمان نے قریشیوں کی جماعت سے کہا: جب تمہارا اور حضرت زید بن ثابت کا کسی قراءت میں اختلاف ہو تو اس کو لسان قریش میں لکھنا کیونکہ قرآن مجید لسان قریش میں نازل ہوا ہے، سو انہوں نے ایسا ہی کیا اور جب انہوں نے حضرت حفصہ کے مصحف سے نقل کر کے ایک مصحف تیار کر لیا تو حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کا مصحف ان کو واپس بھیج دیا اور جو مصحف اس سے نقل کر کے تیار کیا تھا اس کی نقیضیں تیار کر کے ہر علاقہ میں بھجوا دیں اور یہ حکم دیا کہ اس کے ماسوا جس قدر مصحف میں قرآن مجید لکھا ہوا ہے ان کو جلا دیا جائے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶، مطبوعہ نور محمد اشعاع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

حضرت زید، حضرت ابن الزبیر، حضرت سعید اور حضرت عبدالرحمن قرآن مجید لکھنے کے لیے بیٹھے اور جب ان کا اس میں اختلاف ہوتا کہ اس لفظ کو کس لغت پر لکھا جائے تو وہ حضرت عثمان کی طرف رجوع کرتے مثلاً تابوت میں اختلاف ہوا کہ اس لفظ کو کس لغت پر لکھا جائے آیا اس کو ہا کے ساتھ تابوہ لکھا جائے یا تا کے ساتھ تابوت لکھا جائے، حضرت زید بن ثابت نے کہا: یہ تابوہ ہے اور تین قریشی صحابہ نے کہا: یہ تابوت ہے، تب انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا، حضرت عثمان نے فرمایا: اس کو لغت قریش پر لکھو کیونکہ قرآن لغت قریش پر نازل ہوا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، مطبوعہ دارالاندلس بیروت ۱۳۸۵ھ)

حضرت عثمان کے دور میں اوراقِ قرآن جلانے کا محمل اور قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کے متعلق فقہاء کے نظریات

”صحیح بخاری“ کی مذکور الصدر حدیث میں یہ گزر چکا ہے کہ حضرت عثمان نے اپنے جمع کیے ہوئے مصحف کی ٹھکیں سب شہروں میں بکوائیں اور اس سے پہلے جن صحیفوں میں قرآن لکھا ہوا تھا ان کو جلانے کا حکم دیا۔
حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

ابن ابی داؤد اور طبرانی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان کے بھیجے ہوئے مصحف کے خلاف جو مصحف تھا اس کو حضرت عثمان نے جلانے کا حکم دیا اور اس زمانہ میں عراق میں مصاحف کو جلایا گیا اور سوید بن غفلہ نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ مصاحف جلانے کے سلسلہ میں حضرت عثمان کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ نہ کہو اور ابو قلابہ کی روایت میں ہے جب حضرت عثمان مختلف شہروں میں مصحف بھیجنے سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے ان شہر والوں کی طرف لکھا ”میں نے اس طرح قرآن مجید جمع کیا اور میرے پاس (پہلے) جو کچھ لکھا ہوا تھا اس کو میں نے مٹا دیا اور تمہارے پاس جو کچھ پہلے لکھا ہوا ہے تم بھی اس کو مٹا دو۔“ اور مٹانے کا مفہوم ان صیغہ کو دھونے اور جلانے سے عام ہے۔ در اکثر روایات میں جلانے کی تصریح ہے اور ہوا یہی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کاغذات سے آیات کے نقوش کو دھو کر پھر انہیں جلادیا ہو اور قاضی عیاض مالکی نے وثوق سے کہا ہے کہ پہلے ان کاغذات کے نقوش کو دھویا پھر اس کو مٹانے میں مبالغہ کے لیے ان کاغذات کو جلادیا علامہ ابن بطل نے کہا اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جن کتابوں میں اللہ کا نام لکھا ہوا ہو ان کو جلانا جائز ہے اس عمل میں ان کتابوں کی تکریم ہے اور ان کو بے ادبی سے بچانا ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۱۱۱ مطبوعہ دار النشر، مکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۰ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

حضرت ابو بکر کے عہد میں جو مجموعہ تیار کیا گیا تھا وہ سورتوں کے الگ الگ صحائف تھے ہر سورت میں آیات ترتیب سے تھیں لیکن تمام سورتیں متفرق تھیں ترتیب وار نہ تھیں اور حضرت عثمان نے جو مصحف جمع کیا وہ مرتب تھا اس میں سورتیں ترتیب وار تھیں حضرت عثمان نے جو باقی صحائف کو جلانے کا حکم دیا تھا اس کا علامہ کرمانی نے یہ جواب دیا ہے کہ جو آیات منسوخ اتلاوت تھیں یا جو غیر لغت قریش پر آیات تھیں یا آیات کے ساتھ جو تفسیر لکھی ہوئی تھی اس کو جلانے کا حکم دیا تھا قاضی عیاض نے کہا ہے کہ آیات کو دھو کر پھر نقوش کے محو میں مبالغہ کرنے کے لیے کاغذات کو جلایا تھا علامہ ابن بطل نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ بے ادبی سے بچانے کے لیے جن کتابوں میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہے ان کو جلادیا جائے لیکن یہ جلانے کی صورت اس دور میں تھی اور اب اگر قرآن مجید کے کسی ورق کو زائل کرنا ہو تو اس کو دھونا بہتر ہے اور ہمارے اصحاب حنفی نے یہ کہا ہے کہ جب مصحف بوسیدہ ہو جائے اور وہ نفع پہنچانے کے قابل نہ رہے تو اس کو ایسی پاک جگہ دفن کر دیا جائے جو لوگوں کے پیروں تلے آنے سے بعید ہو۔ (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۹، ۱۸ مطبوعہ ادارة الطباعة الخیر یہ مصر ۱۳۳۸ھ)

ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو صحائف جلائے تھے ان پر قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کو قیاس نہیں کرنا چاہیے کیونکہ انہوں نے ان اوراق کو جلایا تھا جن کا قرآن ہونا ان کے نزدیک ثابت نہیں تھا یا جو الفاظ تفسیر قرآن کے الفاظ کے ساتھ اس طرح ملے ہوئے تھے جن کا الگ کرنا ممکن نہ تھا انہوں نے جلانے کو اس لیے اختیار کیا تھا تاکہ کوئی شخص یہ شک نہ کرے کہ انہوں نے قرآن مجید کا کچھ حصہ ترک کر دیا ہے کیونکہ اگر وہ واقعہ قرآن ہوتا تو کوئی مسلمان اس کے جلانے کو جائز نہ کہتا

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اس کی راکھ کو محفوظ کرنے اور نجات سے بچانے کا حکم بھی نہیں دیا اور بحث اس میں ہے کہ جس کا قرآن ہونا قطعیت سے ثابت ہے جب اس کے اوراق بوسیدہ ہو جائیں تو ان کو دھونا منافی ہے یا نہیں بلکہ چاہیے یہ کہ دھونے کے بعد ان کے غسالہ (دھوون) کو پیسا جائے کیونکہ قرآن ہر بیماری کی دوا ہے۔

(مرقات ج ۵ ص ۲۹ مطبوعہ مکتبہ ادریہ لبنان ۱۳۹۰ھ)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے جو بوسیدہ اوراق کے دھونے کا مسئلہ لکھا ہے یہ ان کے زمانہ کے اعتبار سے ہے آج کل جب کہ پختہ سیاحت سے طبیعت ہوتی ہے تو ان کا دھونا متصور نہیں ہے ان کو عزت و احترام سے ایسی جگہ دفن کر دینا چاہیے جو جگہ لوگوں کے پیروں تلے نہ آتی ہو۔

علامہ علاء الدین ہسکمی لکھتے ہیں:

جن بوسیدہ کتابوں سے نفع حاصل نہ کیا جائے ان سے اللہ فرشتوں اور رسول علیہ السلام کا نام مٹا کر باقی کو جلا دیا جائے اور ان کو اسی طرح جاری پانی میں ڈالنے میں بھی حرج نہیں ہے یا ان کو دفن کر دیا جائے اور یہ احسن ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق کہا جاتا ہے۔ (در مختار علی ہاشم حاشیہ المطھادی ج ۳ ص ۲۱۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۵ھ)

علامہ احمد طحاوی لکھتے ہیں:

قرآن مجید جب بوسیدہ ہو جائے اور اس کو پڑھنا دشوار ہو تو ہم اس کو آگ میں نہیں جلائیں گے ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔ (حاشیہ المطھادی ج ۳ ص ۲۰۱ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۵ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

”مجتہبی“ میں لکھا ہے کہ جب مصحف پڑانا اور بوسیدہ ہو جائے تو اس کو دفن کرنا احسن ہے جیسے نیووں اور ولیوں کو دفن کیا جاتا ہے اور باقی دینی کتابیں جب بوسیدہ ہو جائیں تو ان کا بھی یہی حکم ہے اور دفن کرنا تعظیم کے خلاف نہیں ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو بھی دفن کیا جاتا ہے اور ذخیرہ میں لکھا ہے کہ جب مصحف پڑانا ہو جائے اور اس سے پڑھنا دشوار ہو جائے تو اس کو آگ میں نہیں جلا دیا جائے گا امام محمد نے اسی طرف اشارہ کیا ہے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور مناسب یہ ہے کہ ایک کپڑے میں لپیٹ کر اس کی لحد بنائی جائے کیونکہ اگر اس کی قبر بہ طریق شق بنائی گئی تو اس پر مٹی گرے گی اور اس میں ایک قسم کی تحقیر ہے ہاں اگر چھت بنا کر پھر مٹی ڈالی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح اگر کسی پاک جگہ قرآن مجید کو رکھ دیا جائے جہاں نہ کسی بے وضو کا ہاتھ لگے نہ گرد و غبار پڑے اور نہ اس کی تعظیم میں فرق آئے تو یہ بھی جائز ہے۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۳۷۳-۳۷۲ مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

قرآن مجید کے غیر محرف ہونے کے متعلق علماء شیعہ کی تصریحات

شیخ ابو علی فضل بن حسن طبری لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سنو کہ روایات شاذہ میں ہے کہ قرآن مجید میں تحریف ہوئی اور اس کا بعض حصہ ضائع ہو گیا تو ان روایات کا کوئی وزن نہیں ہے یہ روایات مضطرب اور ضعیف ہیں اور یہ روایات مسلمانوں کے مخالف ہیں۔

(مجمع البیان ج ۱ ص ۱۹ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۱۱ھ)

نیز شیخ طبری لکھتے ہیں:

شیخ الحدیث نے ”کتاب الاعتقاد“ میں لکھا ہے کہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قرآن کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ

دعالم پر نازل کیا یہ وہ قرآن ہے جو مسلمانوں کے درمیان موجود ہے اور وہ اس سے زیادہ نہیں ہے اور ہمارے طرف یہ منسوب کرتا ہے کہ ہم اس سے زیادہ قرآن کو ماننے ہیں وہ جھوٹا ہے اور جن روایات میں ہے کہ قرآن مجید کو کم کر دیا گیا ہے ان کے کئی حمل ہیں شیخ مفید نے فصل الخطاب کے اواخر میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں سے کوئی کلمہ کوئی آیت اور کوئی سورت کم نہیں ہوئی البتہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے مصحف میں آیات قرآن کے معانی کی جو تفسیر اور تاویل لکھی ہوئی تھی اس کو حذف کر دیا گیا سید مرتضیٰ نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں کوئی کمی نہیں ہے بعض امامیہ اور بعض حنویہ نے بعض ضعیف روایات کی بنا پر یہ کہا کہ قرآن مجید میں کمی کی گئی ہے لیکن ان کا اختلاف غیر معتبر ہے اور شیخ طوسی نے تفسیر تہذیب کے اول میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں زیادتی اور کمی کے موضوع پر بحث کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں زیادتی کے باطل ہونے پر اجماع ہے اور کمی کا قول کرنا بھی مسلمانوں کے مذاہب کے خلاف ہے اور ہمارا صحیح مذہب یہی ہے اور یہی ظاہر الروایات ہے البتہ بہت سی روایات میں قرآن مجید میں کمی کرنے کا ذکر ہے لیکن یہ روایات اخبار احاد ہیں جو علم اور عمل کے لیے مفید نہیں ہیں اور ان سے اعراض کرنا بہتر ہے۔ (معجم البیان ج ۱ ص ۲۶ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۱۱ھ)

شیخ کاشانی لکھتے ہیں:

قرآن مجید جس طرح نازل ہوا تھا اسی طرح باقی ہے اور زیادتی اور کمی سے محفوظ ہے تمام علماء اسلام عام ہوں یا خاص اس پر متفق ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی چیز زیادہ نہیں ہوئی البتہ کمی کے متعلق ایک جماعت کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید میں کمی ہوئی ہے اور منافقین نے چند آیات کو حذف کر دیا اور شیعہ فرقے کے اکثر علماء اور سنی علماء اس پر متفق ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی تغیر تبدیل کی اور زیادتی نہیں ہوئی (الی قولہ) جن روایات سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں تحریف تبدیل حذف یا تغیر ہوا ہے ان روایات کی تاویل اور توجیہ کرنی چاہیے اور اگر ان روایات کی توجیہ نہ ہو سکے تو ان کو مسترد کر دینا چاہیے۔

(معجم الصادقین ج ۱ ص ۲۸ ۳۷ مطبوعہ خیون ناصر خسرو ایران)

جمع قرآن کے متعلق علماء شیعہ کا نظریہ

آیت اللہ مکارم شیرازی لکھتے ہیں:

اس جگہ ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ ایک گروہ کے درمیان یہ مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن متفرق صورت میں تھا اس کے بعد (حضرت) ابو بکر (حضرت) عمر (حضرت) عثمان کے زمانہ میں اس کو جمع کیا گیا اس کے برعکس واقعہ یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن اسی طرح جمع کیا ہوا تھا جس صورت میں آج جمع کیا ہوا ہے اور اس کی ابتداء میں یہی سورت فاتحہ تھی اور اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ یہ سورت سب سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ اس پر متعدد دلائل ہیں کہ جس صورت میں آج قرآن ہمارے سامنے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کے حکم سے اس کو اسی طرح جمع کیا گیا تھا۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ علی بن ابراہیم نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: قرآن مجید ریشم اور کاغذ وغیرہ کے ٹکڑوں میں متفرق ہے اس کو جمع کر دو پھر حضرت علی علیہ السلام اس مجلس سے اٹھے اور زرد رنگ کے ایک کپڑے میں قرآن مجید کو جمع کر کے اس پر مہر لگا دی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مشہور سنی عالم خوارزمی نے "کتاب المناقب" میں علی بن رباح سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابی بن کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن مجید کو جمع کیا تھا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اہل سنت کے شہور امام حاکم نیشاپوری نے "مستدرک" میں حضرت زید بن ثابت سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قرآن کو متفرق ٹکڑوں سے جمع کر کے پیش کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جس آیت کا جو مقام تھا وہاں اس آیت کو رکھنے کا حکم دیتے تھے البتہ اس وقت یہ نو شہ متفرق تھا (یکجا نہ تھا) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے کہا کہ اس کو ایک جگہ جمع کریں اور ہم کو اس سے خبردار کرتے تھے کہ کہیں قرآن صانع نہ ہو جائے۔

علماء شیعہ کے بہت بڑے عالم سید مرتضیٰ کہتے ہیں کہ جس صورت میں آج ہمارے پاس قرآن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس صورت میں موجود تھا۔

طبرانی اور ابن عساکر اشعری سے روایت کرتے ہیں کہ چھ انصاری صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن مجید کو جمع کیا اور قدوہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کس نے قرآن کو جمع کیا تھا؟ انہوں نے کہا: چار صحابہ نے اور وہ سب انصار سے تھے: حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت معاذ اور حضرت ابو زید۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی نے قرآن جمع کیا تھا یا دوسروں نے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی نے صرف قرآن کو جمع نہیں کیا تھا بلکہ اس مجموعہ میں قرآن بھی تھا، تفسیر بھی تھی، آیات کا شان نزول بھی تھا اور اس کی مثل دیگر امور تھے اور ہمارے ہاتھوں میں جو قرآن ہے یہ حضرت عثمان کا جمع کیا ہوا ہے جس میں انہوں نے اختلاف قراءات کو ختم کر کے ایک قراءت پر قرآن کو جمع کیا اور حروف پر نقطے لگائے کیونکہ اس سے پہلے نقطے لگانے کا رواج نہ تھا البتہ اس پر اصرار کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن جمع کیا ہوا نہ تھا یہ حضرت عثمان یا خلیفہ اول یا دوم کا حصہ ہے، محض ان کی فضیلت سازی ہے۔ (تفسیر نمونہ ج ۱ ص ۸۱-۸۲ مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ ایران ۱۳۶۹ھ)

تفسیر نمونہ کے اس اقتباس میں اس پر زور دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن مجید کو جمع کر لیا گیا تھا یہ ہمارے مخالف نہیں ہے جب کہ اس میں یہ اعتراف کر لیا ہے کہ جمع کا مطلب یہ ہے کہ آیات اور سورتوں کے نکل اور مقامات بتا دیئے گئے تھے اور اس کو لکھ کر جمع کر لیا گیا تھا لیکن ایک جگہ جمع نہیں کیا گیا، ایک جگہ جمع پہلی بار حضرت ابو بکر کے عہد خلافت میں حضرت عمر کے مشورہ سے کیا گیا اور حضرت عثمان نے مختلف لغات یا قراءات کو ختم کر کے ایک قراءت پر قرآن مجید کو جمع کیا اور یہ بہت بڑی فضیلت ہے، کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

سات حروف پر قرآن مجید کے نزول کی تحقیق

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریل نے مجھے ایک حرف پر قرآن پڑھایا، میں نے ان سے رجوع کیا اور مسلسل زیادتی طلب کرتا رہا اور وہ حروف زیادہ کرتے رہے حتیٰ کہ سات حروف پر انتہا ہو گئی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۷-۷۴۸ مطبوعہ نور محمد ص ۱۵۸ طبع کراچی ۱۳۸۱ھ)

نیز امام بخاری نے حضرت عمر سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے جو حرف تم کو آسان لگے اس پر قرآن پڑھو۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۷ مطبوعہ نور محمد ص ۱۵۸ طبع کراچی ۱۳۸۱ھ)

علامہ قرطبی مانتی لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ سات حروف سے کیا مراد ہے ابو حاتم محمد بن حبان ہستی نے اس مسئلہ میں علماء کے بیانیوں
اقوال ذکر کئے ہیں ہم ان میں سے پانچ اقوال کا اختصار کے ساتھ ذکر کریں گے۔

(۱) اکثر اہل علم مثلاً بنیائیں بن یسینہ عبد اللہ بن دھب ابن جریر طبری ابو نصر طحاوی وغیرہم کا یہ نظریہ ہے کہ سات حروف سے
مراد ہے سات مختلف الفاظ سے متقارب معانی مثلاً "اقبل" "تعال" "اور" "ہلم" "ان سب کا معنی ہے آؤ" اور "ادھب"
امسوع "اور" "عجل" "ان کا معنی ہے جاؤ" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب سورۃ
الحجہ کی آیت نمبر ۱۳ "لِّلذِّیْنِ اٰمَنُوا الظُّرُوْنَا" میں "لِّلذِّیْنِ اٰمَنُوا اٰمَلُوْنَا" "لِّلذِّیْنِ اٰمَنُوا اٰمَلُوْنَا" "لِّلذِّیْنِ اٰمَنُوا
اٰمَلُوْنَا" پڑھتے تھے اور حضرت ابی بن کعب سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۰ "كَلِمًا اَضَاءَ لَهُمْ مَشْوَاهِ" میں "مروا
فیہ" اور "معووا فیہ" پڑھتے تھے اور "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" میں ہے کہ ان تمام حروف کا معنی واحد ہے اور ان
میں حلال اور حرام کا کوئی فرق نہیں ہے۔

امام طحاوی نے کہا ہے کہ ان حروف میں پڑھنے کی لوگوں کو اس لیے اجازت دی گئی تھی کہ وہ اپنی لغت کے علاوہ دوسری
لغت پر پڑھنے سے عاجز تھے کیونکہ ماسواچند کے وہ سب ان پڑھ لوگ تھے اور دوسروں کی لغت پر پڑھنے سے ان کو دشواری
ہوتی تھی اس لیے جب معنی واحد ہو تو ان کو اختلاف الفاظ کی اجازت دی گئی حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ اس سے معلوم ہوا
کہ سات حروف میں پڑھنے کی اجازت اس خاص وقت میں ضرورت کی بنا پر تھی اور جب یہ ضرورت ختم ہو گئی تو سات حروف
میں پڑھنے کی اجازت ہی ختم ہو گئی اور اب صرف ایک حرف پر قرآن مجید پڑھنے کی اجازت ہے جس حرف پر ابتداء میں قرآن
مجید نازل ہوا تھا۔

(۲) ایک قوم نے یہ کہا کہ سات حروف سے مراد عرب کی سات لغات ہیں اور اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ ایک لفظ کو سات لغات
پر پڑھا جائے گا بلکہ یہ سات لغات قرآن مجید میں متفرق ہیں بعض آیات لغت قریش پر ہیں بعض لغت ہذیل پر ہیں
بعض لغت ہوازن پر ہیں بعض لغت یمن پر ہیں علامہ خطابی نے کہا کہ "عبد الطاغوت" کو سات لغات پر پڑھا گیا
ہے ان کی مراد یہ ہے کہ بعض آیات کو سات لغات پر پڑھا گیا ہے اور ہر آیت اس طرح نہیں ہے۔ ابو عبیدہ اور ابن عطیہ کا
یہی مختار ہے ابو عبیدہ نے اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ "صحیح بخاری" میں ہے کہ حضرت انس بیان کرتے ہیں
کہ جب حضرت عثمان نے صحابہ کی ایک جماعت کو مصحف لکھنے کا حکم دیا تو فرمایا: جب تمہارا اور زید کا اختلاف ہو تو اس لفظ
کو لغت قریش پر لکھنا قاضی ابن الطیب اور حافظ ابن عبد البر نے یہ کہا ہے کہ جس کا یہ قول ہے کہ قرآن مجید لغت قریش
پر نازل ہوا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کا اکثر حصہ لغت قریش پر نازل ہوا ہے کیونکہ اس میں بعض الفاظ
دوسری لغات پر بھی ہیں۔

(۳) ایک قوم نے یہ کہا کہ یہ سات لغات مضر میں ہیں کیونکہ حضرت عثمان نے کہا ہے کہ قرآن لغت مضر پر نازل ہوا ہے
اور انہوں نے یہ کہا کہ قریش کنانہ اسد ہذیل تمیم ضبہ وریس یہ سب مضر کے قبائل ہیں اور یہ سات لغات انہی مراتب
پر ہیں البتہ مضر میں بعض شواذ بھی ہیں کیونکہ قیس میں مونث کی ضمیر خطاب میں کاف کی جگہ شین آتے ہیں اور "جَعَلَكَ
رَبِّیْ لَنْ تَحْتَلَکَ سَیْرًا" (مریم ۲۳) کو یوں پڑھتے ہیں: "جَعَلَ دِش تَحْتَش سَیْرًا" اور تمیم "الاس" کو "السات"
اور "اکیاس" کو "اکیات" پڑھتے ہیں قرآن مجید کو اس طرح پڑھنا جائز نہیں ہے۔

(۴) سات حروف سے مراد سات قراءات ہیں صاحب "الدائل" اور قاضی ابن الطیب نے کہا ہے کہ ہم نے اختلاف قراءات میں تتبع کی تو یہ سات ہیں حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہر کلمہ اور ہر آیت میں سات قراءات جاری ہوتی ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک کلمہ میں قراءات کی زیادہ سے زیادہ سات دسویہ ہیں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض کلمات میں سات سے زیادہ وجوہ قراءات ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر اور غالب کلمات میں سات سے زیادہ قراءات نہیں ہیں۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۳۲ طبع ۱۴۰۱ھ) اس اختلاف قراءات کی حسب ذیل مثالیں ہیں۔

(ا) حرکت متغیر ہو اور صورت اور معنی غیر نہ ہو مثلاً "ولا یصار کاتب ولا شہید" پر زیر ہو یا پیش ہو۔
(ب) صیغہ کا تغیر ہو مثلاً "بعید بین امسارنا" اور "باعد بین امسارنا" پہلی قراءت میں امر کا صیغہ ہے اور دوسری میں فعل ماضی کا۔

(ج) نقطہ کا تغیر ہو مثلاً ایک قراءت میں "ثم مشرھا" ہے اور ایک قراءت میں "ثم سشرھا" ہے۔
(د) قریب اکثر ج لفظ کے ساتھ تبدیل کرنے یا نہ کرنے کا فرق مثلاً ایک قراءت میں ہے "طلع مصود" اور دوسری قراءت میں "طلع منصود" ہے۔

(ه) تقدیم اور تاخیر کا فرق ہو مثلاً "وجاءت مسکرة الموت بالحق" اور حضرت ابو بکر صدیق "طلحہ بن مصرف اور زین العابدین کی قراءت میں ہے "وجاءت مسکرة الحق بالموت"۔

(و) زیادتی اور کمی کے ساتھ تغیر مثلاً حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو درداء کی قراءت میں ہے "واللیل اذا بعشی والسهار اذا تجلی والذکر والانشی" یہ کمی کی مثال ہے کیونکہ مشہور قراءت میں ہے "وما خلق الذکر والانشی" اور زیادتی کی مثال یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود کی قراءت "واذر عشیرتک الاقربین" کے بعد ہے "ورھطک منهم المخلصین"۔

(ز) ایک کلمہ کو دوسرے مترادف کلمہ کے ساتھ بدلنا مثلاً مشہور قراءت میں ہے "کالعهن المہوش" اور حضرت ابن مسعود اور سعید بن جبیر کی قراءت میں ہے "کالصفوف المہوش"۔

(۵) سات حرفوں سے مراد قرآن مجید کے سات معانی ہیں اور وہ یہ ہیں امر نہی وعد وعید قصص مجادلہ اور امثال۔ ابن عطیہ نے کہا یہ قول ضعیف ہے کیونکہ ان عنوانات کو حروف نہیں کہتے نیز اس پر اجماع ہے کہ حلال حرام اور کسی معنی کے تغیر میں وسعت کی گنجائش نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۴۶۔ ۴۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو دہلی ۱۳۸۷ھ)

قرآن مجید کی سورتوں آیتوں اور حرفوں کی تعداد کا بیان

سورت کا لفظ سورہ مدینہ سے ماخوذ ہے شہر کے گرد جود یوار ہوتی ہے جس نے شہر کا احاطہ کیا ہوا ہوتا ہے اس کو سورہ مدینہ کہتے ہیں اور قرآن کی سورت نے بھی اس کے مضامین کا احاطہ کیا ہوا ہوتا ہے یا اس کا معنی ہے منازل قراءت میں سے ایک منزل۔
علامہ سیوطی لکھتے ہیں

اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ ایک سو تیرہ سورتیں ہیں انہوں نے سورہ انفال اور سورہ توبہ کو ایک سورت قرار دیا ہے۔

آیت کا لغوی معنی علامت ہے اور اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے قرآن مجید کا ایک طائفہ (مجموعہ) جو ماقبل اور مابعد سے منقطع ہو ایک قول یہ ہے کہ آیت کسی سورت کا ایک حصہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آیت ایک کلام کے ماقبل اور مابعد سے

منقطع ہونے کی علامت ت علامہ زحری نے کہا، آیات کا علم کافی ہے اس میں قیاس کی جہل نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ”الم“ جس سورت میں بھی ہے اس کو ایک آیت شمار کیا ہے اور ”المص“ کا بھی ایک آیت شمار ہے۔
 ”الر“ اور ”الد“ کو ایک آیت نہیں شمار کیا ”حم“ ”ز“ اور ”ط“ کو ایک آیت شمار کیا ہے اور ”طس“ کو آیت نہیں شمار کیا۔

آیات کو شمار کرنا بہت مشکل اور دقیق کام ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آیت کی طرف پر وقف فرمانے تھے اور بعض اوقات دو آیتوں کو ملا کر پڑھتے، جس سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کہ یہ ایک آیت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی کل آیات کی تعداد چھ ہزار چھ سو سولہ (۶۶۱۶) ہے اور قرآن مجید میں کل تین ہزار تیس ہزار چھ سو اکتتر (۳۲۳۶) حروف ہیں۔ علامہ دانی نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید میں چھ ہزار آیات ہیں، پھر اس کے بعد اختلاف ہے، بعض نے کہا: اس سے زیادہ نہیں ہیں۔ بعض نے کہا: دو سو چار زائد ہیں، بعض نے کہا: چودہ زائد ہیں، بعض نے انیس کہا، بعض نے پچیس کہا اور بعض نے چھتیس کہا۔ (الاقانین، ص ۶۷-۶۸، مطبوعہ مکتبہ امدی، ۱۳۰۰ھ) بعض محققین کی رائے ہے کہ کل آیات کی تعداد ۶۲۳۶ ہے۔

قرآن مجید کے محفوظ اور غیر مبدل ہونے پر مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات

ہم پہلے تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید کو تین مرتبہ جمع کیا گیا ہے:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کتابت میں قرآن مجید کو جمع کیا گیا، اور تم سورتوں اور آیتوں کو مرتب کر کے اپنی اپنی جگہ لکھ دیا گیا، امام بخاری روایت کرتے ہیں: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے میری طرف پیغام بھیجا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی کو لکھتے تھے، ہذا اب تم قرآن مجید کو جمع کرو۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶، مطبوعہ دار محمد، مطابع المطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

سو ہڈیوں پر، پتھروں پر اور کپڑوں کے ٹکڑوں پر قرآن مجید کو لکھا گیا لیکن یہ تمام اجزاء متفرق تھے اور کسی کتابی شکل میں مجتمع اور مدون نہیں تھے۔

(۲) حضرت ابو بکر کے عہد میں لغت قریش کے مطابق قرآن مجید کا ایک مجموعہ کتاب یا مصحف کی شکل میں مرتب کر لیا گیا، لیکن مسلمانوں کو اپنی لغت کے مطابق قرآن مجید پڑھنے کی اجازت تھی۔

(۳) حضرت عثمان کے عہد میں اسی نسخہ قرآن کی نقول تیار کی گئیں جو حضرت ابو بکر کے زمانہ میں لغت قریش پر مرتب کیا گیا تھا، اور تمام اسلامی شہروں میں اسی کی نقول ارسال کی گئیں اور باقی تمام نسخوں کو دھوا کر جوادیا گیا۔

عہد رسالت سے لے کر آج تک تمام امت مسلمہ کے پاس یہی قرآن مجید ہے، اس میں کسی قسم کی کوئی کمی اور بیشی نہیں ہوئی، مستشرقین اور غیر مسلم محققین نے قرآن مجید کے محفوظ اور غیر مبدل ہونے پر کئی اعتراضات کئے ہیں جن میں سے بعض اعتراض تو بالکل سطحی اور بے وزن ہیں جو مطلقاً لائق التفات نہیں ہیں، ہم چونکہ بلاوجہ طواست سے اجتناب کرنا چاہتے ہیں اس لیے ہم صرف ان اعتراضات کے جوابات لکھ رہے ہیں جن کی بہر حال کوئی نہ کوئی بنیاد ہے۔

پہلا اعتراض یہ ہے کہ پیغمبر اسلام حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قرآن مجید محفوظ نہیں تھا تو بعد والوں کو کیسے محفوظ رہے گا اس کی سند یہ ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات مسجد میں ایک شخص کو قرآن مجید کی ایک سورت پڑھتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا: اللہ اس شخص پر رحمت فرمائے اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جو مجھے فلاں فلاں سورت سے بھلا دی گئی تھی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۳ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد 'سابقہ' راپڑی ۱۳۸۸ھ)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے:

اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنی کسی حکمت کو پیدا کرنے کے لیے کسی چیز کی طرف سے وقتی طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ہٹا دیتا ہے اور بعد میں آپ کو پھر اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے عام لوگوں کے ساتھ بھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض اوقات وہ کسی چیز کو بھول جاتے ہیں پھر کسی سے سن کر یا کسی اور سبب سے ان کو وہ چیز یاد آ جاتی ہے اس سے قرآن مجید کے محفوظ اور غیر مبدل ہونے پر کیا زبرد پڑتی ہے اس حدیث کا منشا صرف اتنا ہے کہ کسی چیز سے وقتی طور پر توجہ کا ہٹ جانا منصب نبوت کے خلاف نہیں ہے اس شخص کے حفظ کرنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیتوں کو حفظ کر لیا تھا پھر وحی لکھنے والوں سے اس آیت کو لکھوا دیا تھا اور مسلمانوں کو اس آیت کی تبلیغ فرمادی تھی اور انہوں نے آپ سے سن کر ان آیتوں کو یاد کر لیا تھا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ چند آیتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بکری کھا گئی تھی اس لیے وہ ضائع ہو گئیں اس کی دلیل

یہ حدیث ہے:

امام احمد روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رجم کی آیت نازل کی گئی اور بالغ آدمی کو دس چسکیاں دودھ پلانے سے رضاعت کی آیت نازل کی گئی یہ آیتیں ایک پتے پر لکھی ہوئی تھیں جو میرے گھر میں میرے تکیے سے نیچے رکھا ہوا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو ہم آپ کی تیمارداری میں مشغول ہو گئے اور ایک چوپایہ گھر میں داخل ہوا اس پتے کو کھا گیا۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۶۹ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت رجم اور دس چسکیوں سے رضاعت کے ثبوت کی آیت منسوخ السلاوات ہے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس کے منسوخ ہونے کی قائل ہیں نیز اس کا ثبوت محض خبر واحد سے ہے تو اتر سے نہیں ہے اور قرآن اس مجموعہ کلام اللہ کا نام ہے جو ہم تک تو اتر سے پہنچا ہے لہذا ان آیتوں کے ضائع ہونے سے قرآن مجید کے محفوظ ہونے پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین ("قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ") ("الان: ۱) اور "قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ") ("الان: ۱) کو قرآن مجید کی دوسورتیں نہیں مانتے تھے اور اس کا ثبوت ان احادیث سے ہے:

امام احمد روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مصحف سے معوذتین کو کھرج دیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ دونوں اللہ تبارک و تعالیٰ کے کلام میں سے نہیں ہیں۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۰-۱۲۹ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے امام احمد کی سند صحیح ہے اور امام طبرانی کی سند ثقہ ہے۔ (معجم الزوائد ج ۷ ص ۱۳۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمان بن بزید بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود معوذتین کو پھر پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ جو اس میں نہیں اس کو تم کیوں زیادہ کرتے ہو؟ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے کہا: انہوں نے قرآن میں اس کو خلا کر دیا جو اس میں نہیں ہے تیسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے کہا: یہ دونوں کتاب اللہ سے نہیں ہیں جو تھی روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے کہا: جو قرآن میں نہیں اس کو قرآن کے ساتھ خلا نہ کر دے یہ دونوں پناہ طلب کرنے کی دعائیں ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دعاؤں کے ذریعہ پناہ طلب کی ہے۔

(انجم الکیر ج ۹ ص ۲۲۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس اشکال کے جواب میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے اس کے جواب میں شرح المہذب میں لکھا کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ معوذتین اور سورہ فاتحہ قرآن مجید میں شامل ہیں اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا بھی انکار کرے گا وہ کافر ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو معوذتین کے قرآن ہونے کا انکار منقول ہے وہ نقل باطل ہے اور روایت صحیح نہیں ہے۔ شیخ ابو محمد بن حزام نے بھی ”بخاری“ میں اس روایت کو جھوٹ قرار دیا ہے۔ امام رازی نے بھی تفسیر کبیر میں اس نقل کو جھوٹ اور باطل قرار دیا ہے۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ روایات صحیح ہوں تو ان کی توجیہ یہ ہے کہ ہر چند کہ حضرت ابن مسعود کے نزدیک معوذتین کا قرآن ہونا ثابت تھا لیکن ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معوذتین کا قرآن مجید میں لکھوانا ثابت نہیں تھا (اگرچہ دوسرے صحابہ کے نزدیک لکھوانا بھی ثابت تھا) اس لیے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کے لکھنے پر رد فرماتے تھے۔ امام رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ فی نفسہ اگرچہ معوذتین کا قرآن ہونا متواتر ہے لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ متواتر نہیں تھا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۳۳-۳۳۲ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۹۰ھ)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ شرح مواقف میں ہے قرآن مجید کی بعض سورتوں میں جو بعض صحابہ کا اختلاف منقول ہے وہ اخبار آحاد سے منقول ہے اور ان سورتوں کا قرآن ہونا تواتر سے ثابت ہے اور آحاد میں اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ تواتر کے مترجم ہو سکیں اور نہ ظن یقین کے معارض ہو سکتا ہے۔ (روح المعالی ج ۲ ص ۲۷۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ نے حافظ ابوشامی سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے یا ثقہ ہے اور اب آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ نقل باطل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ صرف سند کے صحیح ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ حدیث کی سند صحیح ہو اور اس کے متن میں کوئی علت خفیہ قاذبہ ہو اور وہ حدیث معلل ہو یا اس میں شذوذ ہو اور وہ حدیث شاذ ہو اور یہ دونوں امر صحت حدیث کے منافی ہیں۔ یہ حدیث شاذ اس لیے ہے کہ یہ زیادہ صحیح راویوں کی روایت کے خلاف ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آج رات مجھ پر ایسی آیات نازل کی گئی ہیں جن کی مثل نہیں دیکھی گئی ”قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ“ (العلق ۱) اور ”قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّكَاسِ“ (الناس ۱)۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۲ مطبوعہ نور محمد اصح لطائف راوی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۸۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں علت خفیہ یہ ہے کہ یہ تواتر اور اجماع مسالمین کے خلاف ہے لہذا یہ حدیث شاذ اور معلل ہے اس لیے یہ حدیث غیر صحیح اور غیر معتبر ہے اور لائق استدلال نہیں ہے۔

ایک اور توجیہ یہ کی گئی ہے کہ حضرت ابن مسعود نے معوذتین کے قرآن ہونے کا انکار اس وقت کیا تھا جب انہیں ان کے قرآن ہونے کا علم نہیں ہوا تھا اور جب ان کو ان کے قرآن ہونے کا علم ہو گیا اور تواتر اور اجماع سے ان کا قرآن ہونا ثابت ہو گیا تو حضرت ابن مسعود بھی معوذتین کے قرآن ہونے پر ایمان لے آئے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ عاصم کی قراءت از روہ از ابن مسعود ہے اور اس میں سورہ فاتحہ بھی ہے اور معوذتین بھی ہیں اور یہ چیز سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن مسعود سے ثابت ہے۔

حضرت ابن مسعود نے جس طرح معوذتین کو اپنے مصحف میں نہیں لکھا تھا اسی طرح انہوں نے سورہ فاتحہ کو بھی اپنے مصحف میں نہیں لکھا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ سورہ فاتحہ کا ان کے نزدیک قرآن ہونا اس قدر جلی اور واضح تھا کہ اس کو لکھ کر محفوظ کرنے کی ان کے نزدیک ضرورت نہیں تھی کیونکہ سورہ فاتحہ کو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے سو اس طرح کی توجیہ معوذتین کے متعلق بھی کی جاسکتی ہے تاہم قلعی اور یقینی بات یہ ہے کہ سورہ فاتحہ اور معوذتین کا قرآن ہونا تواتر سے ثابت ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار خبر واحد سے ثابت ہے اور خبر واحد خبر متواتر کے مزام نہیں ہو سکتی۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے اپنے مصحف میں دعاء قنوت "اللہم انا نستعینک و نستعیرک الح" بھی لکھی ہوئی تھی اور اس کا نام سورہ خلع اور سورہ خفہ رکھا تھا اور موجودہ قرآن میں یہ سورت نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں کمی بیشی ہوئی ہے۔

حافظ ایشی بیان کرتے ہیں:

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ہم کو امیہ بن عبد اللہ بن خالد نے خراسان میں نماز پڑھائی اور دوسورتوں میں سے "انا نستعینک و نستعیرک الح" پڑھا اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۵۷ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود کے مصحف میں ایک سو بارہ سورتیں تھیں کیونکہ انہوں نے معوذتین کو نہیں لکھا اور حضرت ابی بن کعب کے مصحف میں ایک سو سولہ سورتیں ہیں کیونکہ انہوں نے قرآن مجید کے آخر میں دوسورتیں خفہ اور خلع لکھی ہیں۔

امام ابو عبید نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے اپنے مصحف میں فاتحۃ الکتاب معوذتین اور "اللہم انا نستعینک و اللہم ایاک نعبد" لکھا۔ حضرت ابن مسعود نے ان کو ترک کر دیا اور حضرت عثمان نے ان میں سے

فاتحۃ الکتاب اور معوذتین کو لکھا۔ (الانفاق ج ۱ ص ۶۵ مطبوعہ کتب خانہ دارالکتاب)

حافظ سیوطی نے اپنی تفسیر کے آخر میں سورۃ الخلع اور سورۃ الخفہ سے متعلق روایات جمع کی ہیں۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۴۲۱-۴۲۰ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کلام اللہ کے اس مجموعہ کا نام ہے جو تواتر سے ثابت ہے اور سورہ خلع اور سورہ خفہ اخبار آحاد سے ثابت ہیں ہذا یہ قرآن نہیں ہیں اور حضرت ابی بن کعب کی طرف سے توجیہ یہ ہے کہ وہ ان کو بہ طور قنوت اور دعا کے اپنے مصحف میں لکھتے تھے بہ اعتبار قرآن کے نہیں لکھتے تھے۔

قرآن مجید پر نقطے اور اعراب لگانے کی تاریخ اور تحقیق

شروع میں جب قرآن مجید کو لکھا جاتا تھا تو قرآن مجید کے حروف پر نقطے نہیں لگائے جاتے تھے اور نہ حرکات سکونات اور

اعراب لگائے جانے تھے اور نہ رموز اوقاف تھے کیونکہ اہل عرب اپنی زبان اور محاورہ کی مدد سے نقطوں اور حرکات سکانات اور اعراب کے بغیر بالکل صحیح قرآن پڑھ لیتے تھے اور نہ انہیں کسی فقرہ کو طمانے یا اس پر وقف کرنے کے لیے رموز اوقاف کی ضرورت تھی وہ اہل زبان تھے اور ان تمام چیزوں سے مستغنی تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصحف تیار کیا تھا وہ بھی ان تمام چیزوں سے معرئی تھا پھر جیسے جیسے اسلام پھیلتا گیا اور غیر عرب لوگ مسلمان ہوتے گئے اور وہ اہل زبان نہ ہونے کی وجہ سے قراءات میں غلطیاں کرنے لگے تو پھر قرآن مجید کی کتابت میں ان تمام چیزوں کا اہتمام اور التزام کیا گیا۔ سب سے پہلے قرآن مجید کے حروف پر نقطے لگائے گئے پھر حرکات سکانات اور اعراب لگائے گئے پھر قرآن مجید کو صحیح پڑھنے کے لیے قراءات اور تجوید کے قواعد مقرر کئے گئے اور عام لوگوں کی سہولت کے لیے قرآن کریم کی آیتوں پر رموز اوقاف کو لکھا گیا۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

عبدالملک بن مروان نے مصحف کے حروف کو متشکل کرنے اور ان پر نقطے لگانے کا حکم دیا اس نے اس کام کے لیے حجاج بن یوسف کو شہر واسطہ میں فارغ کر دیا اس نے بہت کوشش سے اس کام کو انجام دیا اور اس میں احزاب کا اضافہ کیا اس وقت حجاج عراق کا گورنر تھا اس نے حسن اور یحییٰ بن یحمر کے ذمہ یہ کام لگایا اس کے بعد واسطہ میں ایک کتب لکھی جس میں قراءات کے متعلق مختلف روایت کو جمع کیا بڑے عرصہ تک وہی کتاب پر عمل کرتے رہے حتیٰ کہ ابن عابد نے قراءات میں ایک کتب لکھی۔

زہیدی نے ”کتب الطبقات“ میں مبرد کے حوالہ سے یہ لکھا ہے: جس شخص نے سب سے پہلے مصحف کے حروف پر نقطے لگائے وہ ابو الاسود الدؤلی (متوفی ۶۹ھ) ہیں اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ابن سیرین کے پاس ایک مصحف تھا جس پر یحییٰ بن یحمر نے نقطے لگائے تھے۔ (المصاحح احکام القرآن ج ۱ ص ۶۳ مطبوعہ انتشارات ماسر نشرہ ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ بابن خلکان لکھتے ہیں:

ابو الاسود الدؤلی کا پورا نام ہے: ظالم بن عمرو بن سفیان بن جندل بن یحمر بن حلس بن غاشہ بن عدی بن الدیل بن بکر الدیلی یہ وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے علم نحو کو وضع کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو بتایا کہ کلام کی کل تین قسمیں ہیں: اسم فعل اور حرف اور فرمایا: اس بنیاد پر تم قواعد تحریر کرو۔

ایک قول یہ ہے کہ ابو الاسود عراق کے گورنر زیاد کے بچوں کو پڑھانا تھا ایک دن وہ زیاد کے پاس گیا اور کہا: اللہ امیر کی خیر کرے میں دیکھتا ہوں کہ عربوں کے ساتھ بہ کثرت عجم مخلوط ہو گئے ہیں اور ان کی زبان متغیر ہو گئی ہے کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں ان کے لیے ایسے قواعد تحریر کروں جن کی بناء پر وہ درست طریقہ سے عربی بولیں؟ زیاد نے کہا: نہیں پھر ایک دن ایک شخص نے زیاد سے کہا: ”توفی ابانا و ترک بنون“ زیاد نے حیرت سے کہا: ”توفی ابانا و ترک بنون؟“ (کہنا چاہیے تھا: ”توفی ابونا و ترک بنین“ ہمارا باپ فوت ہو گیا اور اس نے بیٹے چھوڑے ہیں گویا اس نے عربی میں گرامر کی غلطی کی) تب زیاد نے کہا: ابو الاسود کو بلاؤ جب وہ آیا تو اس سے کہا: لوگوں کے لیے وہ قواعد تحریر کرو جن سے میں نے پہلے تم کو منع کیا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ زیاد نے از خود ابو الاسود سے اس علم کی فرمائش کی لیکن اس نے زیاد سے معذرت کر لی پھر ایک دن ابو الاسود نے ایک شخص سے سنا وہ سورہ توبہ کی آیت غلط پڑھ رہا تھا:

اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ بَرِّیْ ؕ وَ مِنَ الْمَشْرِکِیْنَ ؕ وَ رَسُوْلُهٗ

(التوبہ: ۳)

اس آیت میں رسولؐ میں رسول پر پیش ہے وہ شخص زیر پڑھا ہوا تھا اور اس سے یہ معنی ہو جاتا ہے اللہ شرکوں اور اپنے رسول سے بیزار ہے۔ العیاذ باللہ! تب ابوالاسودؓ زیاد کے پاس گیا اور کہا: میں اب عربی قواعد لکھنے پر تیار ہوں اس وقت ابوالاسود نے زیر کی علامت حرف کے اوپر ایک نقطہ قرار دی (۰) اور پیش کی علامت حرف کے سامنے ایک نقطہ قرار دی (۔) اور زیر کی علامت حرف کے نیچے ایک نقطہ قرار دی (—)۔ ابوالاسود ۶۹ھ میں بصرہ میں طاعون کی بیماری میں فوت ہوا اس کی عمر ۸۵ سال تھی۔

(انبات الاحیاء ج ۲ ص ۵۲۹-۵۳۵، ملخصا مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ابراہیم ۱۳۶۳ھ)

حافظ ابن عساکر نے اس واقعہ کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص نے سورہ توبہ کی اسی آیت کو غلط پڑھا تو حضرت عمر نے ابوالاسود کو قرآن مجید کے قواعد مرتب کرنے کا حکم دیا۔

(مختصر تاریخ دمشق، مطبوعہ دار الفکر ۱۳۰۳ھ)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ عراق کے گورنر زیاد کے کہنے سے ابوالاسود نے عربی زبان کے قواعد مرتب کیے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۱۲، دار الفکر بیروت ۱۳۹۳ھ)

علامہ ذرقانی لکھتے ہیں:

عبد الملک بن مروان نے حجاج کو یہ حکم دیا کہ قرآن مجید پر نقطے لگائے جائیں اور حجاج نے نصر بن عاصم اللیثی اور یحییٰ بن یحییٰ العدوانی کو اس کام کے لیے مقرر کیا یہ دونوں ابوالاسود الدؤلی کے شاگرد تھے اور ایک قول یہ ہے کہ ابوالاسود نے سب سے پہلے نقطے لگائے اور اس پر مورخین کا اتفاق ہے کہ جب ابوالاسود نے ایک شخص کو سورہ توبہ کی آیت غلط پڑھتے سنا تو اس نے حکم نحو ایجاد کیا اور زیر برزیر اور پیش کے لیے نقطوں کی علامات وضع کیں۔ ایک عرصہ تک حرکات اور اعراب کے لیے یہی علامات رائج رہیں لیکن چونکہ ان علامات کا نقطوں کے ساتھ التباس اور اشتباہ تھا اس لیے پھر زیر برزیر اور پیش کے لیے (—) اس طرح کی علامات مقرر کر دی گئیں۔ (مناہل العرفان ج ۱ ص ۳۰۱-۳۰۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

عبد الملک بن مروان ۶۶ھ میں سریر آراء سلطنت ہوا اور ۸۶ھ میں فوت ہوا اور ابوالاسود ۶۹ھ میں فوت ہوا اس کا مطلب یہ ہے کہ ۶۶ھ اور ۶۹ھ کے درمیان میں قرآن مجید پر نقطے اور اعراب لگائے گئے۔

قرآن مجید پر رموز اوقاف کی تاریخ اور تحقیق

قرآن مجید کو صحیح پڑھنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وقف اور وصل کا صحیح علم حاصل کیا جائے یعنی کس جملہ کو دوسرے جملہ یا کس لفظ کو دوسرے لفظ کے ساتھ ملا کر پڑھنا ہے یا کس جملہ اور لفظ کو دوسرے جملہ اور لفظ سے جدا کر کے پڑھنا ہے اردو میں اس کی مثال ہے: رو کو امت جانے دو اگر رو کو پر وقف کر لیا جائے تو اس کا معنی رو کنا ہے اور رو کو مت پر وقف کر کے جانے دو پڑھا جائے تو اس کا معنی نہ رو کنا ہے قرآن مجید سے اس کی حسب ذیل دو واضح مثالیں ہم پیش کر رہے ہیں:

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ (آیات تشابہات کی) تاویل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں: ہم

اس پر ایمان لاتے ہیں۔

اس آیت میں اگر ”إِلَّا اللَّهُ“ پر وقف کیا جائے تو یہی معنی ہوگا جو ہم نے لکھا ہے اور اگر ”وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ“ پر وقف کیا جائے تو معنی بدل جائے گا اور اب یوں معنی ہوگا: آیات تشابہات کی تاویل کو اللہ اور علماء راہنہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰتٰوْا
وَهَاجَرُوْا وَاٰجَاهُ دَاۤءِی سَبِيْلِ اللّٰهِ (النور: ۲۰-۱۹)

اس آیت میں اگر ”القوم الظالمین“ پر وقف کیا جائے تو یہی معنی ہوگا جو ہم نے لکھا ہے اور اگر اس پر وقف نہ کیا اور اس کو دوسری آیت کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو پھر یہ معنی ہوگا۔ اللہ ان ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور ایسے لوگوں کو ظالم کہنا قرآن مجید کی بہت ساری آیتوں کی تکذیب ہے اور قرآن مجید کی تکذیب کفر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں صحیح جگہ پر وقف نہ کرنا قرآن مجید کے معنی اور منشاء کو بدل دیتا ہے اور بعض اوقات کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

اہل عرب اپنی زبان دانی کی وجہ سے جس طرح بغیر اعراب کے قرآن مجید کو صحیح پڑھنے پر قادر تھے اسی طرح وہ قرآن مجید کو پڑھنے وقت صحیح جگہ پر وقف کرتے تھے اور ان سے معنی میں کوئی غلطی واقع نہیں ہوتی تھی لیکن جب اسلام کا پیغام عرب کے باہر پہنچا اور عربی زبان سے ناواقف لوگوں نے قرآن مجید کو پڑھنا شروع کیا تو معانی سے لاعلمی کی وجہ سے وہ غلط جگہ پر وقف کرنے لگے اس لیے اس وقت کے علماء نے قرآن مجید کی آیات پر رموز اوقاف لگانے کی ضرورت محسوس کی۔ سب سے پہلے اس موضوع پر امام احمد بن یحییٰ الشعلب النخوی المتوفی ۲۹۱ھ نے ”کتاب الوقف والا ابتداء“ کے نام سے کتاب لکھی۔ اس طرح تیسری صدی ہجری میں قرآن مجید کی آیات پر رموز اوقاف لگائے گئے۔

قرآن مجید کی آیات پر وقف کرنے کی اصل یہ حدیث ہے:

امام طحاوی روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک بڑے عرصہ تک ہمارا یہ معمول رہا کہ ہم میں سے کوئی شخص قرآن پڑھنے سے پہلے ایمان لے آتا تھا، سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی سورت نازل ہوتی، ہم اس سورت کے حلال اور حرام کا علم حاصل کرتے اور اس چیز کا علم حاصل کرتے کہ اس سورت میں کہاں کہاں وقف کرنا چاہیے جس طرح تم آج کل قرآن مجید کا علم حاصل کرتے ہو اور اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ ایمان لانے سے پہلے قرآن کو پڑھ لیتے ہیں، وہ فاتحہ سے لے کر آخر قرآن تک قرآن پڑھتے ہیں اور ان سے کسی کو یہ پتا نہیں ہوتا کہ قرآن نے کس چیز کا حکم دیا ہے اور کس چیز سے منع کیا ہے اور نہ اس کو یہ پتا ہوتا ہے کہ قرآن کی آیتوں میں کس کس جگہ وقف کرنا چاہیے۔

(شرح مشکل الآثار ج ۲ ص ۸۵ مطبوعہ مؤسسة الرسالة بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس حدیث کو امام حاکم^۱ اور امام بیہقی^۲ نے بھی روایت کیا ہے۔

حافظ ابوشامی نے فرمایا: اس حدیث کو امام طبرانی نے ”المعجم الاوسط“ میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۵ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حاجی خلیفہ لکھتے ہیں:

الوقف والا ابتداء کے موضوع پر حسب ذیل علماء اور ائمہ نے کتابیں تصنیف کی ہیں:

۱۔ امام ابوسعید حسن بن عبداللہ السیرانی المتوفی ۳۶۸ھ امام ابو جعفر احمد بن محمد النحاس النخوی المتوفی ۳۳۸ھ امام احمد بن یحییٰ

۱۔ (امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم میثاقوری متوفی ۴۰۵ھ المستدرک ج ۱ ص ۲۵ مطبوعہ مکتبہ دارالہدایہ لندن)

۲۔ (امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ سنن کبریٰ ج ۳ ص ۱۲۰ مطبوعہ نشر السنہ لبنان)

الشعلب النخوی التوفی ۲۹۱ھ امام محمد بن النضر الدوسی امام ابن مقسم محمد بن النضر التوفی ۳۵۵ھ امام ابو بکر محمد بن القاسم بن بشار
الانباری التوفی ۳۲۸ھ امام محمد بن محمد بن عبد الرشید بن طیفور السجادی التوفی ۶۰۰ھ امام ابو عمرو عثمان الدانی المقرئ
التوفی ۴۴۴ھ امام الزجاج النخوی التوفی ۳۱۰ھ امام برہاں الدین ابراہیم بن عمر الحسری التوفی ۳۲۲ھ امام ابو عبد اللہ محمد بن
محمد بن عباد المقرئ النخوی التوفی ۳۳۳ھ امام ابو محمد عبد السلام بن علی بن عمر الدادی التوفی ۶۸۱ھ۔

(کشف الظنون ج ۲ ص ۱۳۷ مطبوعہ مطبع اسلامیہ طبرستان ۱۳۷۸ھ)

وقف کی پانچ مشہور اقسام ہیں: وقت لازم، وقف مطلق، وقف جائز، المخصص بوجہ اور المخصص ضرورتاً ان کی تعریفات
اور مثالیں حسب ذیل ہیں:

(وقف لازم) اس کو کہتے ہیں کہ اگر اس جگہ وقف نہ کیا جائے اور ملا کر پڑھا جائے تو ایسا معنی لازم آئے گا جو اللہ کی مراد
نہیں ہے اس کی مثال یہ ہے:

هَآهُمْ بِمُؤْمِنِينَ يَخُذُ اللَّهُ (البقرہ: ۹-۸) (وہ منافق) مومن نہیں ہیں وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں۔

اگر اس جگہ ”بمؤمنین“ پر وقف نہ کیا جائے اور اس کو ”يَخُذُ اللَّهُ“ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو یہ معنی ہوگا: وہ
منافق ایسے مومن نہیں ہیں جو اللہ کو دھوکا دیں حالانکہ مراد یہ ہے کہ وہ مطلقاً مومن نہیں ہیں۔
(وقف مطلق) وہ ہے جس کو ملائے بغیر ابتداء پڑھنا مستحسن ہو اس کی مثال یہ ہے:

وَلَيْسَ لَكَ لَهُمْ مِنْ يَحْيَىٰ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا
يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا (انور: ۵۵) اور اللہ ان کے خوف کے بعد ان کی حالت کو ضرور امن
سے بدل دے گا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ
کسی کو شریک نہیں قرار دیں گے۔

پہلے جملہ میں اللہ تعالیٰ کے فعل کا بیان ہے اور دوسرے جملہ میں بندوں کے فعل کا بیان ہے اس لیے ان دونوں جملوں کو
ملائے بغیر الگ الگ پڑھنا مستحسن ہے۔

وقف جائز وہ ہے جس میں ایک جملہ کو دوسرے جملہ سے ملا کر پڑھنا اور پہلے جملہ پر وقف کر کے دوسرے کو ابتداء پڑھنا
دونوں طرح جائز ہو اس کی مثال یہ آیت ہے:

”وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ سَا اَبْرَهَانَ رَبِّهٖ“ (یوسف: ۲۳)

اگر ”ہم بہا“ پر وقف کیا جائے تو معنی اس طرح ہوگا: عزیز مصر کی عورت نے یوسف کے ساتھ برے فعل کا قصد کیا اور
یوسف نے اس عورت سے اجتناب کا قصد کیا اگر یوسف نے زنا کی برائی پر اپنے رب کی برہان کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو وہ اس
برائی میں مبتلا ہو جاتے، اور اگر ”ہم بہا“ کے بعد والے جملہ سے ملا کر پڑھا جائے تو معنی اس طرح ہوگا:
عزیز مصر کی عورت نے یوسف کے ساتھ برے فعل کا قصد کیا اگر یوسف نے اس فعل کی برائی پر اللہ کی برہان کا مشاہدہ نہ
کیا ہوتا تو وہ بھی اس عورت کے ساتھ برے فعل کا قصد کر لیتے۔

واضح رہے کہ ”ہم“ کا درجہ عزم سے کم ہوتا ہے ”ہم“ کا معنی ہے: کسی فعل کا قصد کیا جائے اور اس میں اس فعل کو نہ
کرنے کا بھی پہلو ہو اور عزم کا معنی ہے: کسی فعل کو کرنے کا پختہ قصد ہو اور اس میں اس فعل کو نہ کرنے کا پہلو بالکل نہ ہو۔ اس کی
وضاحت ہم نے ”وَلَا تَعَزُّوْا عَقْدَةَ الْيَنْكَاحِ“ (البقرہ: ۲۳۵) میں کر دی ہے۔

المخصص بوجہ جس میں ایک وجہ سے وقف کرنا اور دوسری وجہ سے ملا کر پڑھنا جائز ہو اس کی مثال یہ آیت ہے:

اُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ
فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ. (البقرہ ۸۶)

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلہ دنیا کی
زندگی خریدی تھی سو ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی۔

”فلا یخفف عنهم العذاب“ پہلے جملہ کے لیے بہ منزلہ سبب اور جزاء ہے اور اس کا تقاضا ملا کر پڑھنا ہے اور لفظ ذاء
ابتداء کو چاہتا ہے اس لیے پہلے جملہ پر وقف کر کے ”فلا یخفف“ سے ابتداء پڑھنا بھی جائز ہے
المرخص ضرورۃ جو لفظ یا جملہ پہلے لفظ یا جملہ سے مستغنی نہ ہو اور اس میں اصل ملا کر پڑھنا ہو لیکن مسلسل پڑھنے کی وجہ سے
انسان کا سانس ٹوٹ جائے اور وہ ملا کر پڑھنے کے بجائے ٹھہر جائے تو اس کی اجازت ہے اور دوبارہ ملا کر پڑھنے کی ضرورت
نہیں ہے اس کی مثال یہ آیت ہے:

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ لَارْضًا فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ
مِنَ السَّمَاءِ مَاءً. (البقرہ ۲۲)

جس ذات نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو
چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا۔

”انزل من السماء“ میں ”انزل“ کی ضمیر ”الذی“ کی طرف لوٹ رہی ہے اس لیے یہ جملہ پہلے جملہ سے مستغنی نہیں
ہے اور ان کو ملا کر پڑھنا چاہیے لیکن اگر طول کلام کی وجہ سے پڑھنے والے کا سانس ٹوٹ جائے، ورنہ ”والسمااء بناء“ پر
وقف کرے تو اس کی اجازت ہے کیونکہ ”وانزل من السماء ما“ کو الگ پڑھنے سے بھی اس کا معنی سمجھ میں آ جاتا ہے۔

جس جگہ ملا کر پڑھنا ضروری ہے اور وقف کرنا جائز نہیں ہے یہ وہ کلام ہے جو شرط اور جزاء پر مشتمل ہو شرط اور جزاء کو ملا کر
پڑھنا ضروری ہے اور شرط پر وقف کرنا جائز نہیں ہے یا کلام مبتدا اور خبر پر مشتمل ہو تو مبتدا پر وقف کرنا صحیح نہیں ہے اسی طرح
موصوف اور صفت کو ملا کر پڑھنا چاہیے اور موصوف پر وقف نہ کیا جائے۔ اس کی مثال یہ ہے

وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ
عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیثَاقِهٖ. (البقرہ ۲۷-۲۸)

اور اللہ صرف فاسقوں کو گمراہ کرتا ہے جو اللہ کے عہد کو پکا
کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔

اس آیت میں ”الذین یقضون“ ”الفسقین“ کی صفت ہے اس لیے ان کو ملا کر پڑھا جائے۔
رموز اوقاف کی تفصیل حسب ذیل ہے:

م: وقف لازم

ط: وقف مطلق

سکتے اس طرح ٹھہرا جائے کہ سانس نہ ٹوٹے پورے قرآن مجید میں صرف سات جگہ یہ علامت ہے۔
مذکورہ اعداد علامات پر وقف کرنا ضروری ہے۔

لا جب ۵ اور ھ کے بغیر ”لا“ ہو تو ملا کر پڑھنا ضروری ہے اس کی مثال یہ آیت ہے۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ رَّبِّہِمْ صٰدِقٌ لَّمَّا
مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِیْنَ
كَفَرُوا. (البقرہ ۸۹)

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب آگئی جو اس
کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس (اصل آسمانی کتاب)
ہے حالانکہ وہ (یہود) اس سے پہلے (اس کتاب اور صاحب کتاب
کے وسیلہ سے) کفار کے خلاف فتح کی دعا کرتے تھے۔

”وکانوا من قبل“ کا جملہ سابقہ جملہ کی ”ہم“ ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے اور حال اور زوال حال میں فصل نہیں ہوتا

اس لیے یہاں ملا کر پڑھنا ضروری ہے۔

حسب ذیل مقامات پر وصل کر کے پڑھنا اولیٰ ہے:

ز: وقف مجوز

ج: ز: وقف جائز و مجوز

ق: وقف کا قول ضعیف ہے۔

صلی: وصل کر کے پڑھنا اولیٰ ہے۔

اور جہاں وقف لکھا ہوا اس کا معنی ہے: وقف کرنا اولیٰ ہے۔

صل: ملاؤ۔

۵: اس کا مطلب ہے: اس وقف یا وصل میں اختلاف ہے۔

۶: وقف اور وصل دونوں جائز ہیں۔

ج: وقف کرنا جائز ہے۔

م: وقف کی رخصت ہے۔

قرآن مجید میں جب ایک مضمون ختم ہو جاتا ہے تو وہاں رکوع کی علامت رکھی ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں کل ۵۵۸ رکوع ہیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی۔ قرآن مجید میں سورتوں کے اسماء اور آیتوں کی تعداد لکھنے کا بھی پہلے رواج نہیں تھا حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں اس کا بہ کثرت رواج ہے اور علماء سلف کی اتباع کرنا اولیٰ ہے۔ (تفسیر القرآن ج ۷ ص ۳۵۱ مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵ھ)

”فتاویٰ عالمگیری“ میں مذکور ہے: قرآن مجید میں سورتوں کے اسماء اور آیتوں کی تعداد لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہر چند کہ یہ ایک نیا کام ہے لیکن یہ بدعت حسنہ ہے اور کتنے ہی کام نئے ہیں اور وہ بدعت حسنہ ہیں اور کتنی چیزوں کا حکم زمان اور مکان کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۲۳ مطبوعہ مطبعہ بواقی مصر ۱۳۱۰ھ)

مضامین قرآن کا خاکہ ایک نظر میں

۱۰۰۰	۳۰ (۷) وعید	(۱) قرآن مجید کے پارے
۱۰۰۰	۱۱۳ (۸) قصص و اخبار	(۲) قرآن مجید کی سورتیں
۱۰۰۰	(۹) عبر و امثال	(۳) قرآن مجید کی آیتیں حضرت ابن عباس کی روایت کے مطابق
۵۰۰	۶۶۱۶ (۱۰) حرام و حلال	(۴) امر
۱۰۰	۱۰۰۰ (۱۱) دعا	(۵) نہی
۱۲	۱۰۰۰ (۱۲) منسوخ احکام آیات (باعتبار شہرت)	(۶) وعد
	۱۰۰۰	

تفسیر اور تاویل کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

فسر کا معنی ہے: معقول کا اظہار کرنا مفرد الفاظ کی تفسیر اور مشکل معنی کے بیان کو تفسیر کہتے ہیں اور کبھی تفسیر پر تاویل کا

اطلاق ہوتا ہے اسی لیے خواب کی تعبیر بیان کرنے کو تفسیر اور تاویل کہتے ہیں۔

(المفردات ص ۳۸۰ مطبوعہ المکتبۃ الرقعیۃ ایرن ۱۳۳۲ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

ابن الاعرابی نے کہا، فسر کا معنی ظاہر کرنا اور بند چیز کو کھولنا ہے ”بصار“ میں ہے: معنی معقول کو منکشف کرنا فسر ہے نیز فسر کا معنی طبیب کا پیشاب کا معائنہ کرنا ہے تفسرہ اس پیشاب کو کہتے ہیں جس سے مریض کے مرض پر استدلال کیا جاتا ہے اس کا طبیب معائنہ کرتے ہیں اور اس کے رنگ سے مریض کے مرض پر استدلال کرتے ہیں تفسیر اور تاویل دونوں کا ایک معنی ہے یا تفسیر مشکل لفظ کی مراد کے بیان کرنے کو کہتے ہیں اور تاویل دو احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کے ترجیح دینے کو کہتے ہیں جو ظاہر عبارت کے مطابق ہو ”اسان العرب“ میں اسی طرح مذکور ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو جمل قصے ہیں ان کی شرح کرنا اور مشکل الفاظ کے معانی بیان کرنا اور آیات کا شان نزول بیان کرنا تفسیر ہے اور معانی تنشاب کو بیان کرنا تاویل ہے اور جن الفاظ کا غور و فکر کیے بغیر قطعیت کے ساتھ معنی معلوم نہ ہو سکے وہ تنشاب ہیں۔

(تاج المعرد ص ۳ ص ۲۷۰ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں:

تفسیر کا لغوی معنی ہے: کشف اور ظاہر کرنا اور اصطلاحی معنی ہے: واضح لفظوں کے ساتھ آیت کے معنی کو بیان کرنا اس سے مسائل مستنبط کرنا اس کے متعلق احادیث و آثار بیان کرنا اور اس کا شان نزول بیان کرنا۔

(کتاب التعریفات ص ۳۸ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

تاویل کا لغوی معنی ہے: اوٹانا اور اصطلاح شرع میں ایک لفظ کو اس کے ظاہری معنی سے ہٹا کر ایک ایسے معنی پر محمول کرنا جس کا وہ احتمال رکھتا ہو اور وہ احتمال کتاب اور سنت کے موافق ہو مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ“ (اردم: ۱۹) وہ مردے سے زندہ کو نکالتا ہے اگر اس آیت میں انڈے سے پرندے کو نکالنا مراد ہو تو تفسیر ہے اور اگر کافر سے مومن کو پیدا کرنا یا جاہل سے عالم کو پیدا کرنا مراد ہو تو یہ تاویل ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۲۲ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

تفسیر کی اصطلاحی تعریف

علامہ ابوالحیاء اندلسی لکھتے ہیں:

تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی کیفیت نطق ان کے مدلولات ان کے مفرد اور مرکب ہونے کے احکام حالت ترکیب میں ان کے معانی اور ان کے ثمنات سے بحث کی جاتی ہے۔ (المحرر المحیط ج ۱ ص ۲۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۲ھ)

الفاظ قرآن کی کیفیت نطق سے مراد علم قراءات ہے الفاظ قرآن کے مدلولات سے مراد ان الفاظ کے معانی ہیں اور اس کا تعلق علم لغت سے ہے مفرد اور مرکب کے احکام اس سے مراد علم صرف علم نحو (عربی گرامر) اور علم بیان اور علم بدیع (فصاحت اور بلاغت) ہے اور حالت ترکیب میں الفاظ قرآن کے معانی سے مراد یہ ہے کہ کبھی لفظ کا ظاہری معنی مراد نہیں ہوتا اور اس کو مجاز پر محمول کیا جاتا ہے اس کا تعلق علم معانی اور بیان سے ہے اور ثمنات سے مراد ناخ اور منسوخ کی معرفت آیات کا شان نزول اور مبہمات قرآن کا بیان کرنا ہے۔

علامہ ابن الجوزی لکھتے ہیں:

کسی چیز کو (جہالت کی) تاریکی سے نکال کر (علم کی) روشنی میں لانا تفسیر ہے اور کسی لفظ کو اس کے اصل معنی سے نقل

کر کے دوسرے معنی پر محمول کرنا تاویل ہے جس کی وجہ ایسی دلیل ہو کہ اگر وہ دلیل نہ ہوتی تو اس لفظ کو اس کے ظاہر سے نہ ہٹایا جاتا۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۴۰ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

تفسیر اور تاویل کا فرق

جس لفظ کا صرف ایک معنی ہو اس کا بیان کرنا تفسیر ہے اور جس لفظ کے کئی معانی ہوں تو دلیل سے کسی ایک معنی کو بیان کرنا تاویل ہے امام مازہدی نے کہا ہے کہ قطعیت سے بیان کرنا کہ اس لفظ کا یہ معنی ہے اور اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ سے یہ معنی مراد لیا ہے یہ تفسیر ہے سوا اگر کسی دلیل قطعی کی بنا پر یہ شہادت دی گئی ہے تو یہ تفسیر صحیح ہے ورنہ تفسیر بالرائے ہے اور یہ منع ہے اور لفظ کے کئی احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کو بغیر قطعیت اور شہادت کے متعین کرنا تاویل ہے اور ابو طالب ثعالبی نے بیان کیا ہے کہ لفظ کی حقیقت اور محمول کو بیان کرنا تفسیر ہے جیسے ”صراط“ کی تفسیر راستہ ہے اور ”صب“ کی تفسیر بارش ہے اور تاویل لفظ کے باطن کو بیان کرنا ہے مثلاً ”إِنَّ دَيْنَكَ لِأَبِیْصَادٍ“ (الفجر ۱۴۰) اس کا لفظی معنی ہے: ہے شک آپ کا رب ضرور گھات میں ہے اور اس کی تاویل یہ ہے کہ وہ نافرمانوں کو دیکھ رہا ہے اور اس سے ان کو نافرمانی کرنے سے ڈرایا گیا ہے۔ تاویل میں دلیل قطعی سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ یہاں لفظ کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے۔ علامہ اصہبانی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ تفسیر کا معنی ہے: قرآن کے معانی کو بیان کرنا، کبھی اس میں مشکل الفاظ کے معانی بیان کئے جاتے ہیں مثلاً بحیرہ سائبہ اور وصیلہ کے معانی اور کبھی کوئی کلام کسی قصہ کو متضمن ہوتا ہے اور اس قصہ کے بیان کیے بغیر اس کلام کی معرفت نہیں ہوتی مثلاً

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ (توبہ: ۳)

تقدیم و تاخیر کفر میں زیادتی کے سوا کچھ نہیں۔

یہ آیت اس قصہ کو متضمن ہے کہ کفار اپنی ہوائے نفس کی بنا پر مہینوں کو آگے پیچھے کر دیتے تھے اور تاویل میں کبھی لفظ کو عموم پر محمول کیا جاتا ہے اور کبھی خصوص پر مثلاً ایمان کا لفظ مطلقاً تصدیق کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے اور تصدیق شرعی کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔

اور کبھی ایک لفظ جو کئی معنی میں مشترک ہے اس کے کسی ایک معنی کی تعمین کی جاتی ہے جیسے ”قراء“ یہ حیض اور طہر دونوں میں مشترک ہے۔ بعض علماء نے کہا: تفسیر کا تعلق روایت کے ساتھ ہے اور تاویل کا تعلق روایت کے ساتھ ہے اور ابو نصر قشیری نے کہا: تفسیر اتباع اور سماع میں منحصر ہے اور تاویل کا تعلق استنباط کے ساتھ ہے علامہ بغوی اور کواشی نے کہا کہ آیت جس معنی کا احتمال رکھتی ہو اور اس کا سیاق اور سباق اس کے موافق ہو اور وہ معنی کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو تو استنباط کے طریقہ سے آیت کو اس معنی پر محمول کرنا تاویل ہے اور بعض علماء نے تفسیر کا یہ معنی بیان کیا: آیات کے اسباب نزول اور ان کے قصص اور ان کے مکی اور مدنی ہونے کا علم اور ان کے محکم، متشابہ، ناخ، منسوخ، خاص، عام، مطلق، مقید، مجمل، مفسر، طلال، حرام، وعد، وعید، امر، نہی، خبر اور امثال کا علم تفسیر ہے اور علامہ زرکشی نے کہا: تفسیر وہ علم ہے جس سے اس کتاب کی فہم حاصل ہوتی ہے جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اور اس کے معانی کا بیان اور اس کے احکام کا استخراج معلوم ہوتا ہے اور علم لغت، نحو، صرف، علم بیان، اصول فقہ اور قرأت سے اس میں مدد حاصل ہوتی ہے اور اس کی معرفت کے لیے اسباب نزول اور ناخ اور منسوخ کو جاننے کی ضرورت ہے۔ (الاتقان ج ۲ ص ۱۷۴ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

علم تفسیر کا فائدہ قرآن مجید کے معانی کی معرفت ہے اور اس کی غرض سعادت دہارین ہے اور اس کا موضوع کلام اللہ لفظی ہے کیونکہ موضوع وہ ہوتا ہے جس کے عوارض ذاتیہ سے اس علم میں بحث کی جاتی ہے اور علم تفسیر میں کلام لفظی کے عوارض ذاتیہ

سے بحث کی جاتی ہے۔
تفسیر قرآن کی فضیلت پر عقلی دلائل

امام راغب اصفہانی نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ تمام صنعتوں میں سب سے افضل صنعت قرآن مجید کی تفسیر اور تاویل ہے کیونکہ صنعت کی فضیلت یا تو اس کے موضوع کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ سار کی صنعت دباغ کی صنعت سے افضل ہے کیونکہ سار کا موضوع سونا اور چاندی ہے اور دباغ (کھال رنگنے والا) کا موضوع مردار کی کھال ہے یا صنعت کی فضیلت اس کی غرض کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسے طب کی صنعت جمہدار کی صنعت سے افضل ہے کیونکہ طب کی غرض صحت کا افادہ کرنا ہے اور جمہداری کی غرض بیت اللہاء کی صفائی ہے نیز صنعت کی فضیلت صورت کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسے تلوار کی صنعت بیڑیاں بنانے کی صنعت سے افضل ہے۔

اور صنعت تفسیر ان تینوں جہات کے اعتبار سے تمام صنعتوں سے افضل ہے کیونکہ اس کا موضوع اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ہر حکمت کا منبع اور ہر صورت کا معدن ہے اور اسکی صورت اللہ تعالیٰ کے مخفی اسرار کا اظہار ہے اور تدوین شریعت سے اور یہ ہر صورت سے افضل ہے اور اس کی غرض سعادت حقیقیہ تک پہنچنا اور خیر کثیر کا حصول ہے جو ہر غرض سے افضل ہے قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۚ

(البقرہ: ۲۶۹)

ایک قول یہ ہے کہ خیر کثیر سے مراد قرآن کریم کی تفسیر ہے۔
تفسیر قرآن کی فضیلت کے متعلق احادیث اور آثار

علامہ ابن عطیہ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قرآن کا کون سا علم افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کی عربیت، سو تم اس کو شعر میں تلاش کرو نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کے معانی کی فہم حاصل کرو اور اس کے مشکل الفاظ کے معنی تلاش کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے معانی کی معرفت حاصل کرنے کو پسند کرتا ہے (اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ نے حضرت ابن مسعود سے اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ سعیدی مغرلہ)

قاضی ابو محمد عبدالحق رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ قرآن مجید کے اعراب شریعت میں اصل ہیں کیونکہ اسی کے ذریعہ وہ معانی حاصل ہوتے ہیں جو شرع میں مطلوب ہیں۔

قاضی ابوالعالیہ نے ”وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا“ (البقرہ: ۲۶۹) کی تفسیر میں یہاں حکمت سے مراد قرآن کی فہم ہے اور قتادہ نے کہا: حکمت سے مراد قرآن میں تفکر کرنا ہے اور دوسرے علماء نے کہا: حکمت سے مراد قرآن کی تفسیر ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے علم کی تعریف کی ان میں سے ایک شخص نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں آپ کا خود اتنا عظیم مقام ہے اور آپ حضرت جابر کی تعریف کر رہے ہیں؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: حضرت جابر کو قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر کا علم ہے: ”إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي الْقُرْآنِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ“

(اتقصص: ۸۵)۔

شمسی نے کہا: سروق نے ایک آیت کی تفسیر کے لیے بھرہ کا سفر کیا وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ جو شخص اس آیت کی تفسیر کرنا تھا وہ شام چلا گیا ہے پھر وہ شام پہنچے اور اس شخص سے اس آیت کی تفسیر کا علم حاصل کیا۔

ایس بن معادیہ نے کہا: جو لوگ قرآن کریم پڑھتے ہیں اور اس کی تفسیر کو نہیں جانتے وہ اس لوگوں کی مثل ہیں جن کے پاس اندھیری رات میں بادشاہ کا مکتوب آیا ہو اور ان کے پاس چراغ نہ ہو اور ان کو علم نہ ہو سکے کہ اس میں کیا لکھا ہے اور وہ اس وجہ سے پریشان اور مضطرب ہوں اور جو لوگ قرآن مجید کی تفسیر جانتے ہیں ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جن کے پاس رات کے وقت بادشاہ کا مکتوب آیا ہو اور اس کے پڑھنے کے لیے ان کے پاس چراغ موجود ہو۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کی تفسیر نہیں جانتا وہ شعر پڑھنے والے جنگلی کی طرح ہے۔ (یعنی اشعار کی طرح جلدی جلدی پڑھتا ہے۔)

مجاہد نے کہا: اللہ کے نزدیک اس کی مخلوق میں سب سے زیادہ پسندیدہ وہ شخص ہے جس کو قرآن مجید کا سب سے زیادہ علم

ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص اس وقت تک مکمل فقیہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو قرآن کی وجوہ کثیرہ کا علم نہ

ہو۔

حسن بصری نے کہا: غیر عربی ہلاک ہو گئے ان میں سے ایک شخص قرآن مجید پڑھتا ہے اور اس کی وجوہ (تفسیر) سے جاہل ہوتا ہے پھر وہ اللہ تعالیٰ پر افتراء و بائدہتا ہے۔

حضرت ابن عباس اپنی مجلس میں پہلے قرآن پڑھتے پھر اس کی تفسیر کرتے پھر حدیث بیان کرتے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر چیز کا علم قرآن میں ہے لیکن انسان کی عقل اس کو حاصل کرنے سے

عاجز ہے۔

علامہ ابوالحیاء اندلسی نے بھی ان احادیث اور آثار کو بیان کیا ہے۔ (لحرر الوجہ ج ۱، ص ۱۶-۱۳ المکتبۃ النجفیہ النجفیہ مکہ مکرمہ)

قرآن مجید کی تفسیر کرنے پر اعتراضات کے جوابات

حافظ ابوشامی نے ”مسند بزار“ اور ”مسند ابویہی“ کے حوالے سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماسوا ان چند معدود آیات کے جن کا علم حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو پہنچایا ہے قرآن

مجید کی کسی آیت کی تفسیر اپنی رائے سے نہ بیان کی جائے۔ (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۰۳ مطبوعہ دارالکتب العربیہ ۱۴۰۲ھ)

علامہ ابوالحیاء اندلسی متوفی ۵۴۷ھ اور علامہ عبدالرحمان شعبانی متوفی ۸۷۵ھ نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ یہ

حدیث ان امور کی تفسیر پر محمول ہے جن کا تعلق توقیف سے ہے مثلاً جن کا تعلق مغیبات سے ہے جیسے وقت وقوع قیامت کا سم

یا صور پھونکنے کی تعداد اور آسمان و زمین کی تخلیق کی ترتیب کا علم اور اس سے وہ امور خارج ہیں جن کا تعلق بیان نکتہ مشکل

اعراب قرآن شان نزول اور احکام کے استخراج اور استنباط سے ہے۔

امام ترمذی حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس

شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے صحیح بات بھی کہی تو اس نے خطا کی۔ (جامع ترمذی ص ۱۹۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت سب

کراچی) اس حدیث کو امام ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۸ مطبوعہ مطبع مجتہبی پکستان ۱۴۰۵ھ)

علامہ آوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ اس حدیث کی صحت کے متعلق بحث کی گئی ہے ”مذہل“ میں ہے کہ اس حدیث کی صحت پر اعتراض ہے اور اگر بالفرض یہ حدیث صحیح ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص نے محض اپنی رائے سے صحیح بات بھی کہی ہے تو اس نے طریقہ میں خطا کی ہے کیونکہ قرآن مجید کی تفسیر کا طریقہ یہ ہے کہ معنی بیان کرنے کے لئے لغت کی طرف رجوع کیا جائے اور ناخ و منسوخ کو بیان کرنے کے لیے احادیث کی طرف رجوع کیا جائے اور مراد بیاں کرنے کے لیے صاحب شرع کی طرف رجوع کیا جائے اور جب یہ امور نہ ہوں تو پھر غور و فکر کرنے اور آیات سے معانی اور احکام کا استنباط کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ جو شخص قرآن کی تفسیر میں کوئی ایسی بات کہے جو اس کے مذہب کے موافق ہو اور اپنے مذہب کو اصل اور قرآن مجید کو اس کے تابع قرار دے تو اس نے واقعی خطا کی ہے کیونکہ اصل قرآن کریم ہے جو اس کے موافق ہو وہ مقبول ہے اور جو اس کے مخالف ہو وہ مردود ہے اور اس حدیث کا چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث تشابہات پر محمول ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں ہے تو ان کے متعلق اگر اس نے اپنی رائے سے کوئی صحیح بات بھی کہی تو اس کی خطا یہ ہے کہ اس نے آیات میں رائے زنی کی ہے جن میں غور و فکر کی اجازت نہیں ہے اور اس کا پانچواں جواب یہ ہے کہ جس شخص نے بلا دلیل قطعیت کے ساتھ یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے اس نے خطا کی کیونکہ بلا دلیل قطعیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مراد بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بغیر علم کے قرآن میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنی رائے سے قرآن میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے پہلی حدیث حسن صحیح ہے اور دوسری حسن ہے۔ (جامع ترمذی ص ۲۱۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کت کراچی)

ان حدیثوں کے حسب ذیل جوابات ہیں:

- (۱) جس شخص نے بغیر علم کے قرآن مجید کے کسی اشکال کو حل کرنے کی کوشش کی یہ وعید اس کے متعلق ہے۔
- (۲) جس شخص کو علم ہو کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ حق کے خلاف ہے اور محض ہوائے نفس یا اتانیت یا اپنی موضوعی فکر کی تائید میں کہہ رہا ہے وہ اس وعید کا مصداق ہے۔
- (۳) جس شخص نے بغیر کسی یقینی یا ظنی دلیل کے کوئی بات کہی یا بغیر کسی ایسی عقلی دلیل کے بات کہی جو قواعد شرع کے مطابق ہو۔
- (۴) جس شخص نے ائمہ لغت ائمہ عربیہ اور ائمہ مجتہدین کی نقل کے بغیر قرآن مجید کے کسی لفظ کا معنی یا کوئی شرعی حکم بیان کیا۔
- (۵) جس شخص نے اسباب نزول اور ناخ و منسوخ سے متعلق بغیر نقل صحیح کے اپنی طرف سے کوئی بات کہی یہ وعید اس کے متعلق ہے۔

قرآن مجید کی تفسیر کرنے کی مشروعیت اور جواز پر قرآن مجید احادیث اور آثار سے دلائل

تفسیر کی مشروعیت اور جواز پر قرآن مجید اور احادیث میں بہت دلائل ہیں بعض ازاں یہ ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اور اگر وہ اس بات کو رسول کی طرف لوٹا دیتے اور ان کی

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ

طرف لوٹا دیتے جو ان میں سے صاحبیں امر ہیں تو اس بات

الَّذِينَ يَسْتَشِيرُونَكَ مِنْهُمْ (النساء: ۸۳)

(کی مصلحت) کو وہ لوگ جان لیتے جو کسی بات کا نتیجہ نکالتے

کے اہل ہیں۔

اَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ اِنَّ اِمَامًا عَلٰی قُلُوْبٍ اُنْزِلَ اِلَيْهَا (۱)

گئے ہوئے ہیں O (محمد: ۲۴)

کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ بَرَكًا اٰتِيًّا وَلِيْتَذَكَّرَ

اُولُو الْاَلْبَابِ O (س: ۲۹)

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ

اَلْعَلِيُّونَ O (النکوٰۃ: ۴۳)

امام ابو نعیم اور دیگر ائمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن نرم اور ذوق جوہ ہے (اس سے متعدد محامل ہیں) سو اس کو سب سے بہتر محمل پر محسوس کرو۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو خبیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کے پاس کوئی (مخصوص) کتاب ہے؟ فرمایا: نہیں، صرف کتاب اللہ یا (استنباط کی) وہ فہم ہے جو مسلمان شخص کو دی گئی ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱ مطبوعہ نور محمد راجح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سینہ سے لگایا اور دعا کی کہ اے اللہ! اس کو کتاب کا علم عطا فرما۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۱ مطبوعہ نور محمد راجح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سینہ سے لگایا اور دعا کی: اے اللہ! اس کو سنت اور قرآن کی تاویل کا علم عطا فرما۔ (نس ابن ماجہ ص ۵۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

امام حمیدی، امام احمد، امام دین حبان، امام طبرانی اور امام بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس کے لیے دعا میں فرمایا: اے اللہ! اس کو دین کی فقہ (فہم) عطا فرما اور اس کو تاویل کا علم عطا فرما۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۱۷۰ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۲۰۰۱ھ)

اور امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار میرے لیے حکمت کی دعا کی اس لیے کتاب سے مراد قرآن ہے اور حکمت سے مراد سنت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا: تم کیا خوب تر جان قرآن ہو۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۷۶ مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

طبقات مفسرین کا بیان

مفسرین کے چھ مشہور طبقات ہیں:

(۱) دس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن مجید کی تفسیر کرنے میں معروف ہیں: حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو موسیٰ

اشعری اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم۔

خلفاء راشدین میں حضرت علی متوفی ۴۰ھ کی تفسیری روایات ہائی خلفاء سے بہت زیادہ ہیں اور حضرت ابن مسعود متوفی ۳۸ھ کی روایات حضرت علی سے بھی زیادہ ہیں حضرت عبداللہ بن عباس متوفی ۶۸ھ ترجمان القرآن صہ الامہ اور امام المفسرین ہیں اور ان سے بے شمار تفسیری روایات منقول ہیں علامہ فیروز آبادی صاحب "القاموس" کی روایت سے وہ تفسیر چھپ گئی ہے جو حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے علامہ فیروز آبادی نے اس کا نام "تنبیہ المقاص میں تفسیر ابن عباس" رکھا ہے اس تفسیر کو حضرت ابن عباس کی تفسیر قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ اس تفسیر کی سند یہ ہے: ارکلبی از ابی صالح از ابن عباس (الدر المنثور ج ۱ مطبوعہ مکتبۃ آیت اللہ العظمیٰ ایران) اور محمد بن سائب کلبی کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

یث بن ابی سلیم نے کہا: کوفہ میں دو کذاب تھے ایک کلبی اور دوسرا سدی یثی بن معین نے کہا یہ کوئی چیز نہیں ابو عوانہ نے کہا: میں نے کلبی سے کفریہ اقوال سنے ہیں ابو جریج نے کہا: میں شہادت دیتا ہوں کہ کلبی کافر ہے یزید بن زریج نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ کلبی کافر ہے۔ میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جبریل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لائے آپ کسی کام کے لیے اٹھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آکر بیٹھ گئے تو جبریل نے حضرت علی پر وحی نازل کر دی وہ اپنا سینہ پیٹ کر کہنا تھا کہ میں سہائی ہوں میں سہائی ہوں عقیلی نے کہا: وہ عبداللہ بن سبا کے اصحاب میں سے تھا ابو جناب کلبی کہتے ہیں کہ ابو صالح نے حلف اٹھا کر کہا: میں نے کلبی کو تفسیری روایات بالکل نہیں سنا کیں سفیان ثوری کہتے ہیں کہ کلبی نے کہا: میں نے از ابو صالح از ابن عباس جس قدر روایات بیان کی ہیں وہ سب جھوٹ ہیں ان کو مجھ سے روایت نہ کرذیہ شخص ۱۳۶ھ میں فوت ہو گیا تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۸۰-۱۷۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت) (کنز ۱۳۴۶ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جس سند سے "تویر المعباس" مروی ہے وہ جھوٹی سند ہے اور اس کتاب میں ہر قسم کی روایات ہیں اور اس کتاب کو حضرت ابن عباس کی تفسیر قرار دینا صحیح نہیں ہے حضرت ابن عباس کی صحیح تفسیری روایات وہ ہیں جو مستند کتب احادیث میں اسانید صحیحہ سے مروی ہیں۔ حضرت ابن عباس کی جس روایت میں محمد بن سائب کلبی متوفی ۱۳۶ھ اور محمد بن مروان اسدی متوفی ۱۸۶ھ دونوں موجود ہوں وہ غایت درجہ کی ضعیف روایت ہے۔

(۲) مفسرین کا دوسرا طبقہ تابعین کا ہے ان میں حضرت ابن عباس متوفی ۶۸ھ کے حسب ذیل تلامذہ بہت مشہور ہیں یہ علماء مکہ ہیں:

(۱) مجاہد بن جبر متوفی ۱۰۳ھ (ب) سعید بن جبیر متوفی ۹۴ھ (ج) سکرہ موئی ابن عباس متوفی ۱۰۵ھ (د) طائس بن کيسان یرانی متوفی ۱۰۶ھ (ه) عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۸ھ کے حسب ذیل تلامذہ تفسیری روایات میں معروف ہیں یہ علماء کوفہ ہیں:

(۱) علقمہ بن قیس متوفی ۱۰۲ھ (ب) اسود بن یزید متوفی ۷۵ھ (ج) ابراہیم بن علی متوفی ۹۵ھ (د) شعبی متوفی ۱۰۵ھ حضرت زید بن اسلم متوفی ۱۳۶ھ کے تلامذہ یہ علماء مدینہ ہیں:

(۱) عبدالرحمن بن زید متوفی ۱۸۲ھ (ب) مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ (ج) حسن بصری متوفی ۱۲۱ھ (د) عطاء بن ابی مسلم خراسانی متوفی ۱۳۵ھ (ه) محمد بن کعب قرظی متوفی ۱۱۷ھ (د) ابو العالیہ رفیع بن مہران ریاحی متوفی ۹۰ھ (ز)

ضحاک بن مزاحم متوفی ۱۰۵ھ (ح) عطیہ بن سعید عوفی متوفی ۱۱۱ھ (ط) قتادہ بن دعامة سدوسی متوفی ۱۱۷ھ (ی) ربیع بن انس متوفی ۱۳۹ھ (ک) اسماعیل بن عبدالرحمان سدوسی متوفی ۱۲۷ھ

(۳) مفسرین کا تیسرا طبقہ وہ ہے جس نے صحابہ اور تابعین کے اقوال کو جمع کیا ہے اس میں مشہور علماء حسب ذیل ہیں۔

- (۱) سفیان بن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ (ب) ولید بن جراح کوئی متوفی ۱۹۷ھ (ج) شعبہ بن جراح متوفی ۱۶۰ھ (د) یزید بن ہارون سلمی (ه) عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ (د) آدم بن ابی ایاس متوفی ۲۲۱ھ (ز) اعاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ (ح) روح بن عبادہ متوفی ۲۰۵ھ (ط) عبداللہ بن سعید چمی (ی) ابوبکر بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ

(۴) مفسرین کے چوتھے طبقہ میں ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ ہیں وہ اس زمانہ میں سب سے پہلے مفسر تھے علامہ سیوطی نے "اقتان" میں لکھا ہے کہ ان کی کتاب بہت عظیم تفسیر ہے وہ متضاد اقوال میں تطبیق دیتے ہیں اور بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں علامہ نووی اور علامہ ابوالحاق اسفرائینی نے اس تفسیر کی بہت تعریف کی ہے حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ کی تفسیر بھی اسی کا خلاصہ ہے۔ ان کے علاوہ اس طبقہ کے دیگر مفسرین یہ ہیں:

- (۱) علی بن ابی طلحہ متوفی ۳۲۳ھ (ب) ابن ابی حاتم عبدالرحمان بن محمد رازی متوفی ۳۲۷ھ (ج) ابو عبداللہ محمد ابن ماجہ قزوینی متوفی ۲۷۳ھ (د) ابن مردویہ ابوبکر احمد بن موسیٰ اصفہانی متوفی ۳۱۰ھ (ه) ابوالشیخ بن حبان بنی متوفی ۳۵۳ھ (د) ابراہیم بن منذر متوفی ۳۳۶ھ

(۵) پانچویں طبقہ میں ایسے مفسرین ہیں جنہوں نے اپنی تفسیروں میں اسانید کو حذف کر دیا ان کے اسما حسب ذیل ہیں:

- (۱) ابوالحاق زجاج ابراہیم بن السری النخوی متوفی ۳۱۰ھ (ان کی تفسیر کا نام معانی القرآن ہے) (ب) ابوعلی فارسی متوفی ۳۷۷ھ یہ لغت اور بلاغت میں ماہر تھے (ج) ابوبکر محمد بن الحسن المعروف بالشافعی المتوفی ۳۵۱ھ (د) مکی بن ابی طالب القیس النخوی المعری متوفی ۳۳۷ھ (ه) ابو جعفر الخاس مصری متوفی ۳۳۸ھ (د) ابو العباس احمد بن عمار المہدوی متوفی ۳۳۰ھ (ان کی تفسیر کا نام ہے: التفصیل الجامع لعلوم التزیل)

(۶) چھٹے دور میں ایسے مفسرین ہیں جنہوں نے اپنے اپنے زمانوں کے پہنچنے کا مقابلہ کیا کیونکہ اسلام کی نشر و اشاعت کئی براعظموں تک ہو چکی تھی اور مخالفین اسلام قرآن کریم اور اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کر رہے تھے یونان کے فلسفی منطق اور فلسفہ سے اسلام پر اعتراض کر رہے تھے یہود و نصاریٰ الگ اعتراضات کر رہے تھے دہریوں نے بھی ایک طوفان اٹھ رکھا تھا اور فقہی مکاتب فکر کے اختلاف کی وجہ سے آپس میں لے دے ہو رہی تھی اس دور میں قرآن مجید کی تفسیر کے ساتھ ساتھ ایک اور رنگ بھی شامل ہو گیا اور اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

- (۱) بعض علماء نے صرف قرآن مجید کی فصاحت اور بلاغت کے اعتبار سے قرآن کریم کی تفسیر کی ان میں مشہور علامہ جلال الدین خضریٰ متوفی ۳۶۷ھ کی تفسیر "کشاف" ہے یہ چونکہ معتزلی تھے اس لیے تفسیر میں اعتزال کا رنگ غالب ہے۔
(ب) بعض علماء نے صرف قرآن مجید کے الفاظ کے لغوی معنی بیان کئے اس سلسلہ میں امام راعب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ کی "المفردات" بہت مشہور ہے اور ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراہ متوفی ۲۰۷ھ کی معانی القرآن ہے۔ یہ تین جلدوں پر مشتمل ہے۔

(ج) بعض علماء نے خصوصیت کے ساتھ قرآن مجید کے صرفی اور نحوی مباحث کو موضوع بنایا زجاج نے اس موضوع پر "معانی القرآن" کے نام سے تفسیر لکھی اور علامہ واحدی نیشاپوری متوفی ۳۲۸ھ نے "ابھیط" کے نام سے تفسیر لکھی اور علامہ ابو حیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۵۵۲ھ نے "البحر المحیط" لکھی یہ کتاب نو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ "البحر المحیط" نحو کے علاوہ دیگر علوم اور مباحث کی بھی جامع ہے اور بہت عمدہ تفسیر ہے۔

(د) بعض علماء نے صرف گزشتہ واقعات اور قصص کی طرف توجہ کی اور انہوں نے قرآن مجید کے بیان کردہ قصص کی تفسیر میں کتب تاریخ اور اسرائیلیات سے جو چاہا نقل کر دیا انہوں نے اس سلسلہ میں تو رات انجیل اور اہل کتاب کے نزدیک دوسری معتبر کتابوں پر اقتصار نہیں کیا بلکہ انہوں نے یہودی اور عیسائی علماء سے جو کچھ سنا اس کو صحیح اور ضعیف کی تحقیق کئے بغیر نقل کر دیا اور اس بات کو واضح نہیں کیا کہ کون سی بات شرع اور عقل کے مخالف یا موافق ہے ان میں زیادہ مشہور ابو اسحاق احمد بن محمد ثعالبی کی "الکشاف والبدین من تفسیر القرآن" ہے اور علامہ علاؤ الدین بن محمد المعروف بالجازری متوفی ۷۲۵ھ کی "لباب التاویل" ہے۔

(ه) بعض علماء نے صرف فقہی مسائل کے استنباط اور تحقیق کی طرف توجہ کی ان میں علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی بھصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ کی "احکام القرآن" اور علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ کی "الجامع الاحکام القرآن" ہے۔

علامہ ابوبکر رازی نے فقہ حنفی پر دلائل فراہم کئے ہیں اور اختلاف مسائل میں زیادہ تر فقہ شافعی کا رد کیا ہے اور علامہ قرطبی مذاہب اربعہ کا ذکر کرتے ہیں اور فقہ مالکی کے دلائل فراہم کرتے ہیں فقہ کے علاوہ قرآن مجید کے دیگر اسرار اور نکات کا بھی بیان کرتے ہیں علامہ ابوبکر رازی کی تفسیر تین جلدوں میں ہے اور انہوں نے صرف فقہی احکام سے متعلق آیات کی تفسیر کی ہے اور علامہ قرطبی کی تفسیر میں جلدوں پر مشتمل ہے اور یہ بہت جامع تفسیر ہے علامہ ابوالحسن ماوردی شافعی متوفی ۵۰۵ھ نے "المنکات والعیون" کے نام سے چھ جلدوں میں تفسیر لکھی ہے اور اس میں فقہ شافعی پر دلائل فراہم کئے ہیں اور علامہ احمد جیون حنفی متوفی ۱۱۳۰ھ نے بھی احکام سے متعلق آیات کی ایک جلد میں مختصر تفسیر لکھی ہے جو "تفسیرات الاحمدیہ" کے نام سے دستیاب ہے۔

(د) بعض علماء نے زیادہ تر عقائد کے مباحث سے بحث کی اور اپنے زمانہ کے گمراہ فرقوں کا رد کیا ان میں امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ کی "تفسیر کبیر" مشہور ترین تفسیر ہے اس میں معتزلہ جبریتہ قدریہ اور رافضیہ کا بہت رد کیا گیا ہے اور آیات سے بہت نفیس اور عمدہ نکات کا استنباط کیا ہے فقہی مسائل میں فقہ شافعی کو ترجیح دینے میں کافی مبالغہ کیا ہے آیات کا شان نزول بیان کیا ہے اور احادیث کا بھی ذکر کیا ہے امام رازی سے پہلے ایسی جامع تفسیر کسی نے نہیں لکھی تھی ان کی وفات کو آٹھ سو سال گزر گئے اور اس کے بعد بہت تفسیریں لکھی گئیں لیکن امام رازی کی تفسیر کو کوئی تفسیر نہیں پہنچ سکی وہ واقعی تفسیر کبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ امام رازی کے درجات بلند کرے اور ان کو اپنے قرب خاص سے نوازے۔

(ز) بعض علماء نے فضائل آداب صوفیاء کی حکایات اور وعظ اور نصیحت پر زور دیا ان میں علامہ اسماعیل حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ کی "روح البیان" بہت مشہور ہے۔

(ح) بعض علماء نے اپنی تفسیر میں ایسے حقائق کی طرف اشارہ کیا جو صرف ارباب سلوک پر منکشف ہوتے ہیں اور طریقت اور معرفت کے رموز بیان کئے ہیں ان میں محی الدین بن عربی متوفی ۶۳۸ھ کی تفسیر ہے جو "عرائس البیان" کے نام سے مشہور ہے۔

(ط) متاخرین میں علامہ سید محمود آلوسی حنفی ۱۲۷۰ھ کی "روح المعانی" بہت عمدہ اور جامع تفسیر ہے اس میں صرف 'نحو' بلاغت' قراءات' شان نزول اور عقائد سے بحث کی ہے اور فقہی مسائل میں فقہ حنفی کو ترجیح دی ہے علامہ بیہقی نے

”شواہد الحق“ میں لکھ ہے کہ ان کا پوتا نعمان آدھی شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی اور شیخ ابن تیمیہ کے اذکار سے متاثر تھے اور اس نے ان کی تفسیر کے بعض مقامات میں تحریف کر دی ہے۔

سید محمد قطب شہید نے ”فی ظلال القرآن“ لکھی ہے اور اس میں مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات لکھے ہیں۔ علامہ طہطاوی جوہری نے ”الجواہر فی تفسیر القرآن“ لکھی ہے اور قرآن مجید کے مضامین کو سائنس کے مطابق کرنے کی کوشش کی ہے۔

(ی) اردو تفاسیر میں ہمارے شیخ حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز کی تفسیر ”التبیان“ نہایت جامع تفسیر ہے اس کا صرف ایک پارہ لکھا جاسکا اگر آپ کو حیات مہلت دیتی اور آپ یہ تفسیر مکمل کر لیتے تو یہ تفسیر تمام اردو تفاسیر پر فائق ہوتی۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ”تفہیم القرآن“ چھ جلدوں پر محیط ہے اس تفسیر میں بعض مقامات پر مقام نبوت کا ادب اور احترام نہیں کیا گیا اور ایک امتی کو اپنے نبی سے جو عقیدت اور محبت ہوتی ہے اس کا مصنف اس سے محروم ہے یہ وہابی عقائد کی ترجمان ہے۔

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری کی ”ضیاء القرآن“ پانچ جلدوں پر مشتمل ہے اس میں آیات اور مندرج احادیث کا ترجمہ بالعموم تحت اللفظ ہے تفسیر میں زیادہ تر اختصار ہے تفسیر کی عبارت اردو ادب کا بہترین شاہکار ہے اس میں مسلک اعلیٰ حضرت کو ترجیح دی گئی ہے۔

حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمہ اللہ کی ”تفسیر نعیمی“ بہت مبسوط تفسیر ہے۔ وہ گیارہویں پارے تک پہنچے تھے کہ انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ یہ تفسیر امام احمد رضا رحمہ اللہ کے افکار کی ترجمان ہے۔

مفتی محمد شفیع کی ”معارف القرآن“ آٹھ جلدوں میں ہے اس میں ترجمہ قرآن شیخ محمود الحسن کا ہے اور خلاصہ تفسیر کے عنوان سے شیخ تھانوی کی مکمل ”بیان القرآن“ ہے اور معارف و مسائل کے عنوان سے خود مفتی محمد شفیع نے تفسیر کی ہے اس تفسیر کا ماخذ ”تفسیر قرطبی“ اور ”البحر المحیط“ ہے اس تفسیر میں دیوبندی رنگ کو اجاگر کیا گیا ہے۔

شیخ امین احسن اصلاحی کی ”تذکر قرآن“ ہے یہ نو جلدوں میں ہے انہوں نے فہم القرآن کے لیے ادب جاہلیت کو بہت اہمیت دی ہے اور احمد فراہی کی فکر کے تابع ہیں۔ یہ اپنی تفسیر میں احادیث، آثار صحابہ، اقوال تابعین اور متقدمین کی تفسیروں کا بالکل ذکر نہیں کرتے صرف اپنے ذاتی غور و فکر کا حاصل بیان کرتے ہیں اقوال مجتہدین سے بحث کرتے ہیں نہ فقہی احکام سے۔

قرآن مجید کی تفسیر کے اصل مآخذ

قرآن مجید کی تفسیر کے چار اہم مآخذ ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) کسی آیت کی جو تفسیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو لیکن اس میں ضعیف اور موضوع روایات سے احتراز کرنا واجب ہے اور ایسی روایات بہت زیادہ ہیں اسی وجہ سے امام احمد نے کہا ہے کہ تین قسم کی کتابوں کی کوئی اصل نہیں ہے مغازی، ملائم (میدان ہائے جنگ) اور تفسیر۔

(۲) قرآن مجید کی تفسیر کا دوسرا مآخذ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیان کردہ تفسیر ہے کیونکہ قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق صحابہ کرام کے اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے یہ منزلہ ہیں اور تابعین کے اقوال کی طرف رجوع کرنے میں

حنا بلہ کے دقول ہیں ابن عقل نے منع کیا ہے لیکن ہم تفسیر کا ثل اس سے اس نے تائید نہیں کی تو اس کو اپنی تفسیروں میں درج کیا ہے کیونکہ اشرا پشتر تابعین کے اقوال سے اسے مان پر مبنی ہوتے ہیں (۳) تیسرا حد لغت ہے کیونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے نام نہانی نے ”عبد الایمان“ میں امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جس شخص کو لغت عرب کا علم نہ ہو وہ قرآن مجید کی تفسیر کرے تو میں اس کو ہر تاکہ اس کا (۴) چوتھا، خذ قواعد شرعیہ کے لحاظ سے قرآن مجید کی آیات سے احکام کا اخراٹ اور معانی کا انتہاط ہے یہاں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس کے لیے دعا کی ”وہی اے اللہ! اس کو وہ بن کی فہم و طافرا ما اور اس کو تائید کا علم و طافرا اور حضرت علی نے جو فرمایا تھا ”مگر اس میں قرآن مجید کی وہ فہم ہے جو ہر شخص کو وہی جاتی ہے اس سے بھی بڑی مراد ہے“ بغیر کسی اصل اور قاعدہ کے شخص رائے اور اجتہاد سے قرآن مجید کی تفسیر کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (ابراہیم: ۲۶) اور جس چیز کا تم کو علم نہیں اس کے درپے نہ ہو۔

”اور شیطان تمہیں صرف برے کاموں اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی باتیں کہ تمہیں کتاب جو تم نہیں جانتے“۔ (البقرہ: ۱۶۹)

قرآن مجید کی تفسیر کے لیے ضروری علوم

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی تفسیر میں علم لغت کی ضرورت ہے کیونکہ علم لغت کے ذریعہ مفردات قرآن سے حقیقی معنی معلوم ہوتے ہیں اور صرف اور نحو کے قواعد کا علم ضروری ہے کیونکہ اس سے قرآن مجید کی حرکات اور اعراب کا علم ہوتا ہے اور یہ پتا چلتا ہے کہ فلاں اعراب اور حرکت کے لحاظ سے قرآن مجید کا کیا معنی ہے معانی بیان اور بدیع (نصاحت و بلاغت) کے علم کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے ذریعہ متضمنی حال کے اعتبار سے معانی حقیقت مجاز اور کنایات کے مختلف پیرایوں کے اعتبار سے قرآن مجید کے معانی اور تحسین کلام کا علم ہوتا ہے علم حدیث کی ضرورت ہے اس سے اسباب نزول کا علم ہوتا ہے علم اصول فقہ کی ضرورت ہے اس سے قرآن مجید کے عام خاص مطلق مقید اور امر اور نہی کی دالالت کا علم ہوتا ہے علم کلام کی ضرورت ہے تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیا چیز جائز ہے اور کیا محال ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور اس کے مقام کا علم ہو اور علم قراءات کی ضرورت ہے تاکہ بعض قراءات کے بعض پر رائج ہونے کی وجہ معلوم ہو سکے۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)



سُورَةُ الْفَاتِحَةِ

(١)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة الفاتحہ

سورة الفاتحہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة الفاتحہ کی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں ایک دو کوں اور سات آیات ہیں

أَحْمَدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝ مُلِكُ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے اہل حق ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے ۝ نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ۝ روز جزا کا

يَوْمِ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ اهْدِنَا

مالک ہے ۝ (اے پروردگار) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں ۝ ہم کو

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝

سیدھے راستہ پر چلا ۝ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا ۝

سورة فاتحہ کے اسماء

سورة فاتحہ کے بہت اسماء ہیں اور کسی چیز کے زیادہ اسماء اس چیز کی زیادہ فضیلت اور شرف پر دلالت کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سورة فاتحہ بہت شرف اور مرتبہ والی سورت ہے ان اسماء کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) فاتحۃ الكتاب: فاتحۃ کتاب ہے۔ ساتھ اس سورت کو اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ مصحف کا افتتاح اس سورت سے ہوتا ہے تعلیم کی ابتدا بھی اس سورت سے ہوتی ہے اور نماز میں قرات کا افتتاح بھی اس سورت سے ہوتا ہے اور ایک قول کے مطابق کتاب اللہ کی سب سے پہلے یہی سورت نازل ہوئی تھی اور یہ شریعت میں تشریف سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو فاتحۃ الكتاب فرمایا

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو فاتحۃ الكتاب کہا

نہیں پڑھا اس کی نماز (کامل) کہیں ہوئی۔ (جامع ترمذی ص ۶۲ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)
اس حدیث کو امام ابن ماجہ^۱ اور امام احمد^۲ نے بھی روایت کیا ہے۔

(۲) ام القرآن: کسی چیز کی اصل اور اس کے مقصود کو ام کہتے ہیں اور پورے قرآن کا مقصود چار چیزوں کو ثابت کرنا ہے: ۱۔ الوہیت (اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات) معاد (مرکب دو پارہ اٹھنا) نبوت اور قضاء و قدر سورہ فاتحہ میں "الحمد لله رب العالمين الرحمن الرحيم" کی الوہیت پر دلالت ہے اور "مالك يوم الدين" کی معاد پر دلالت ہے "اياك نعبد و اياك نستعين" کی اس پر دلالت ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر سے ہے اور انسان محض ہے نہ اپنے افعال کا خالق ہے اور "اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين ارحم عليهم غير المعصوب عليهم ولا الضالين" کی نبوت پر دلالت ہے کیونکہ اس آیت میں اس راستہ کی ہدایت کی دعا کی گئی ہے جو انعام یافتہ لوگوں کا راستہ ہے اور انعام یافتہ لوگ انبیاء علیہم السلام ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو "ام القرآن" فرمایا ہے امام داری روایت کرتے ہیں:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الحمد لله "ام القرآن" ہے اور "ام الكتاب" ہے اور "سبع مثانی" ہے۔ (سنن داری ج ۲ ص ۳۲۱ مطبوعہ ثنائیہ لبنان)

اور امام مسلم نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "لأصلوة لعن لم يقرء بام القرآن" جو ام القرآن نہ پڑھے اس کی نماز کامل نہیں ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۹ مطبوعہ نور محمد ص ۱۶۹ مطبوعہ ثنائیہ لبنان)

(۳) سورۃ الحمد: اس سورت کا نام "سورۃ الحمد" بھی ہے کیونکہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جیسے سورہ بقرہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سورت میں بقرہ کا ذکر ہے اسی طرح سورہ اعراف سورہ انفال اور سورہ توبہ کے اسماء ہیں نیز مذکور الصدر "سنن داری" کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو الحمد لله سے تعبیر فرمایا ہے۔

(۴) السبع المثانی: قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي. (الحج: ۸۷)

ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو دہرائی جاتی ہیں۔

امام بخاری نے روایت کیا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الحمد لله رب العلمين" السبع المثانی ہے اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا

کیا گیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۹ مطبوعہ نور محمد ص ۷۴۹ مطبوعہ ثنائیہ لبنان)

سنن داری کی مذکور الصدر حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو السبع المثانی فرمایا۔ اس سورت کو سبع

اس لیے فرمایا ہے کیونکہ اس میں سات آیتیں ہیں اور مثانی فرمانے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(اول) اس سورت کے نصف میں اللہ تعالیٰ کی ثناء ہے اور نصف میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے (ثانی) ہر دو رکعت نماز میں

اس کو دو مرتبہ پڑھا جاتا (ثالث) یہ سورت دو بار نماز کی گئی ہے (رابع) اس سورت کو پڑھنے کے بعد نماز میں دوسری سورت کو

پڑھا جاتا ہے۔

(۵) ام الكتاب: سنن داری کی مذکور الصدر حدیث میں اس سورت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "ام الكتاب" فرمایا ہے اور

۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ سنن ابن ماجہ ص ۶۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۲۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۲ ص ۴۶۸ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

”صحیح بخاری“ میں ہے: حضرت ابو سعید خدری نے ایک شخص پر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا جس کو بچھو نے کاٹا ہوا تھا اور کہا: میں نے صرف ام الکتاب پڑھ کر دم کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹، مطبوعہ دار محمد مع الطباع کراچی ۱۳۸۱ھ)

(۶) الوافیہ: سفیان بن عیینہ نے اس کا نام سورہ وافیہ رکھا، کیونکہ صرف اس سورت کو نماز میں آدھا آدھا کر کے نہیں پڑھا جا سکتا، لیکن یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ سورہ الکوتر کو بھی ایک رکعت میں آدھا آدھا کر کے نہیں پڑھا جا سکتا لہذا یوں کہنا چاہیے کہ اس سورت کے مضامین جامع اور دانی ہیں اس لیے اس کو وافیہ کہا جاتا ہے۔

(۷) الکافیہ: اس سورت کو کافیہ اس لیے کہتے ہیں کہ دوسری سورتوں کے بدلہ میں اس سورت کو پڑھا جا سکتا ہے اور اس سورت کے بدلہ میں کسی سورت کو نہیں پڑھا جا سکتا۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ام القرآن“ دوسری سورتوں کا عوض ہے اور دوسری کوئی سورت اس کا عوض نہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۹۰ الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۱۳)

(۸) الشفاء: امام دارمی روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالملک بن عمیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاتحہ الکتاب ہر بیماری کی شفاء ہے۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۳۲۰، مطبوعہ نثرانیہ ملتان)

امراض جسمانی بھی ہیں اور روحانی بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا ہے: ”فَإِن قُلْتُمْ بِهِمْ قَوْلٌ مِّنْ أَمْرِ آلِهَةٍ“ (البقرہ: ۱۰۰) ان کے دلوں میں بیماری ہے اور اس سورت میں اصول اور فروع کا ذکر ہے جن کے تقاضوں پر عمل کرنے سے روحانی امراض میں شفاء حاصل ہوتی ہے اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی ثناء اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے جس سے جسمانی اور دیگر ہر قسم کی بیماریوں سے شفاء حاصل ہوتی ہے۔

(۹) سورۃ الصلوٰۃ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس سورت پر صلوٰۃ کا اطلاق کیا ہے امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نماز (سورہ فاتحہ) کو میرے اور میرے بندہ کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کیا گیا ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرے پس جب بندہ کہتا ہے: ”الحمد لله رب العلمین“ تو میں کہتا ہوں: بندہ نے میری حمد کی۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۰-۱۶۹، مطبوعہ دار محمد مع الطباع کراچی ۱۳۷۵ھ)

(۱۰) سورۃ الدعاء: یہ سورت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے شروع ہوتی ہے پھر بندہ کی عبادت کا ذکر ہے پھر اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم پر ثابت قدم رہنے کی دعا ہے اور دعا اور سوال کا یہی اسلوب ہے کہ پہلے داتا کی حمد و ثناء کی جائے پھر دست طلب بڑھایا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی ہے پھر اپنے لیے دعا کی ہے:

وہ جس نے مجھے پیدا کیا تو وہی مجھے ہدایت دیتا ہے O

اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے O اور جب میں بیمار پڑوں

تو وہی مجھے شفا دیتا ہے O اور وہی مجھے وفات دے گا اور پھر زندہ

فرمائے گا O اور اسی سے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن وہی

میری (ظاہری یا اجتہادی) خطائیں معاف فرمائے گا O اے

میرے رب! مجھے حکم عطا فرما اور مجھے نیکوں کے ساتھ لاحق کر

الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ۝ وَالَّذِي هُوَ يُطَهِّرُنِي
وَيُطَهِّرُنِي ۝ وَإِذَا امْرَأَتِي هُوَ يَشْفِينِ ۝ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ
يَحْيِينِ ۝ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ۝
رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَالْحَقِّقْ بِالْقُلُوبِ ۝ وَأَجْعَلْ لِي لِسَانَ
صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ۝ وَأَجْعَلْ لِي مِنْ ذُرِّيَّتِي جَنَّةَ النَّعِيمِ ۝

(اشعراء: ۸۵-۸۷)

دے O اور میرے بعد آنے والی نسلوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ O اور مجھے جنت النعیم کے وارثوں میں شامل کر دے O

حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی:

فَاظِرْ اَسْمَوَاتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَرَبِّي الذُّنْبَا
وَالْاَخِرَةُ تَوْفِئِي مُسْلِمَةً اَلْحَقْنِي بِالْطَّيِّبِيْنَ (۱)

اے آسمانوں اور زمینوں کو ابتدا، پدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کار ساز ہے میری وفات ا سلام رکھ اور مجھے نیکوں کے ساتھ احق کر دے O (یوسف: ۱۰۱)

سودعا کا یہی طریقہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جائے پھر اس سے سوال کیا جائے اور سورہ فاتحہ میں اسی طریقہ سے دعا کرنے کی تعلیم دی ہے اس لیے اس کو سورہ دعا کہتے ہیں۔

علامہ بقائی نے ان اسماء کے علاوہ سورۃ فاتحہ کے اسماء میں اساس کنز و قیر و قیر اور شکر کا بھی ذکر کیا ہے۔
علامہ بقائی نے ان اسماء میں نظم اور ربط کو بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

(۱) فاتحہ کے اعتبار سے ہر نیک چیز کا افتتاح اس سورت سے ہونا چاہیے (۲) اور ام کے لحاظ سے یہ ہر خیر کی اصل ہے (۳) اور ہر نیکی کی اساس ہے (۴) اور شئی کے لحاظ سے دوبار پڑھے بغیر یہ لائق ثناء نہیں (۵) اور کنز کی حیثیت سے یہ ہر چیز کا خزانہ ہے (۶) ہر بیماری کے لیے شفا ہے (۷) ہر مہم کے لیے کافی ہے (۸) ہر مقصود کے لیے وافی ہے (۹) دائقہ کے لحاظ سے ہر برائی سے بچانے والی ہے (۱۰) رقی کے اعتبار سے (۱۱) ہر سخت ناگہانی کے لیے دم ہے (۱۲) اس میں حمد کا اثبات ہے جو صفات کمال کا احاطہ ہے (۱۳) اور شکر کا بیان ہے جو تعظیم کی (۱۴) اور یہ بھی دعا ہے جو مطلوب کی طرف توجہ ہے ان تمام امور کی جامع صلوة ہے۔ (نظم الدرر ج ۱ ص ۲۰-۱۹ مطبوعہ دارالکتب - اسلامی قاہرہ ۱۳۱۳ھ)

علامہ آدوسی نے سورہ فاتحہ کے بائیس اسماء کا ذکر کیا ہے ان میں فاتحہ القرآن، تعظیم المسطر، سورۃ السواں، سورۃ المناجاة، سورۃ التھویض، شافیہ اور سورۃ النور بھی ہیں۔

سورہ فاتحہ کے فضائل

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا (دوران نماز) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا میں حاضر نہ ہوا میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اس وقت نماز پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا: یا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: "اَسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ" (۱۱۱: ۲۴) اللہ اور رسول کے بلانے پر (فورا) حاضر ہو جاؤ۔ پھر فرمایا: سنو! میں تم کو مسجد سے باہر نکلنے سے پہلے قرآن کی سب سے عظیم سورت کی تعظیم دوں گا پھر میرا ہاتھ پکڑ لیا: جب سم نے باہر نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تھا: میں تم کو قرآن کی سب سے عظیم سورت کی تعظیم دوں گا آپ نے فرمایا: "الحمد للہ رب العلمین" یہ سبغ مثانی ہے اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت سورۃ فاتحہ ہے اور اس کا نام "السبع المثانی" بھی ہے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر نماز کے دوران بار میں تب بھی آنا واجب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے نماز نہیں ہوتی۔

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک غریب شخص نے ایک جگہ قیام کیا ایک بزرگ نے آکر کہا کہ قبیلہ کے سردار کو ایک بھو نے ڈس دیا ہے اور ہمارے لوگ حاضر نہیں ہیں کیا تم میں سے کوئی شخص دم کر سکتا ہے؟ ہم میں سے ایک شخص اس کے ساتھ گیا جس کو اس سے پہلے ہم دم کرنے کی تہمت نہیں لگائے تھے اس نے اس شخص پر دم کیا جس سے وہ نڈرست ہو گیا اور اس سردار نے اس کو بیس بکریاں دیے کا حکم دیا اور ہم کو دودھ پلایا سب وہاں آیا تو ہم نے اس سے پوچھا: کیا تم پہلے دم کرتے تھے؟ اس نے کہا: نہیں میں نے تو صرف ام الکتاب (سورہ ۵۵) پڑھ کر دم کیا ہے ہم نے کہا: اب اس کے متعلق کوئی بحث نہ کرؤ حتیٰ کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے متعلق پوچھ لیں ہم مدینہ پہنچے تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو کیا معلوم کہ یہ دم ہے؟ (ان بکریوں کو) تقسیم کرؤ اور ان میں سے میرا حصہ بھی نکالو۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹ مطبوعہ دار محمد صحیح السانح ترکی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ پڑھ کر بیمار شخص پر دم کرنا جائز ہے اس لیے سورت کو "سورۃ ارقیہ" اور "سورۃ الشفاء" بھی کہتے ہیں اور اس حدیث میں یہ تصریح بھی ہے کہ اس سورت کو "ام الکتاب" بھی کہتے ہیں اور یہ کہ قرآن پڑھ کر دم کرنے کی اجرت بینا جائز ہے اور اس قرآن مجید اور کتب دینیہ پر اجرت لینے کا بھی جواز ہے اور اس میں مصحف کو قیمہ فروخت کرنے اور مصحف کی کتابت پر اجرت لینے کا بھی جواز ہے اور یہ کہ استاد کی تعلیم سے تلمیذ کو جو آمدنی ہو اس میں استاد کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اب کسی بیمار کو سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا جائے اور وہ شفاء نہ پائے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دم کرنے والے میں روحانیت کی کمی ہے سورہ فاتحہ کے شفاء ہونے میں کوئی کمی نہیں ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابی اور وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے حضرت ابی نے مڑ کر دیکھا اور حاضر نہیں ہوئے حضرت ابی نے بعد کی جلدی نماز پڑھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: "اسلام علیک یا رسول اللہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وعلیک" اے ابی! اب میں نے تم کو بلایا تھا تو تم کو آنے سے کس چیز نے روکا تھا؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نماز میں تھا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو میری طرف وحی فرمائی ہے کیا تمہیں اس میں یہ قسم نہیں ملتا؟ "إِسْتَجِیْبُوا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ" (الاحزاب: ۲۴) اب اللہ اور رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلاتے ہیں جو تمہیں زندہ کر دے گی تو (فورا) حاضر ہو جاؤ۔" حضرت ابی نے کہا: کیوں نہیں؟ اور میں ان شاء اللہ دوبارہ ایسا نہیں کروں گا آپ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ میں تم کو ایسی سورت کی تعلیم دوں جس کی مثل تورات میں نازل ہوئی نہ انجیل میں نہ زبور میں نہ قرآن میں؟ میں نے کہا: جی! یا رسول اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نماز میں کس طرح پڑھتے ہو؟ تو انہوں نے ام القرآن (سورہ فاتحہ) پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اس کی مثل تورات میں نازل ہوئی ہے نہ انجیل میں نہ زبور میں نہ فرقان میں "یٰۤاَلسَّعۃُ مِنَ الْعَمَلِ" (دود بار پڑھی جانے والی سات آیتیں) ہے اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۲۰۸ مطبوعہ دار محمد کارخانہ چارت کتب ترکی)

اس حدیث کو امام بغوی نے بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے نیز وہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

”السبع من المثاني“ میں ”من“ زائدہ ہے اس سے مراد سورہ فاتحہ ہے جس کی سات آیتیں ہیں اور اس کو مثنیٰ اس لیے کہتے ہیں کہ ہر نماز میں سورہ فاتحہ کو دوبار پڑھا جاتا ہے ایک قول یہ ہے کہ مثنیٰ استثناء سے ماخوذ ہے کیونکہ اس سورت کے ساتھ یہ امت مستثنیٰ ہے۔ اس امت سے پہلی امتوں پر یہ سورت نازل نہیں کی گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ثانی سے ماخوذ ہے کیونکہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مثنیٰ سے مراد قرآن مجید ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اللَّهُ تَوَكَّلْ أَحْسَنَ الْكَدِّينَ كَيْتَابُكَ تَشَابَهًا مَثَلًا ۝

اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا ایسی کتاب جس کی آیتیں آپس میں تشابہ ہیں بار بار دہرائی ہوئی ہیں۔ (الر: ۲۳)

تمام قرآن کو مثنیٰ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں قصص اور امثال کو دہرایا گیا ہے اس تقدیر پر ”السبع من المثاني“ کا معنی ہے: قرآن کی سات آیتیں اور ایک قول یہ ہے کہ مثنیٰ سے مراد قرآن مجید کی وہ سورتیں ہیں جن میں سو سے کم آیتیں ہوں۔

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے نماز باطل نہیں ہوتی کیونکہ تم ”السلام علیک ایہا البی“ کہہ کر نماز میں حضور سے خطاب کرتے ہو جب کہ کسی اور کے ساتھ نماز میں خطاب کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ (شرح السنہ ج ۳ ص ۱۵-۱۴) امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے اور میرے بندے کے درمیان صلوٰۃ (سورہ فاتحہ) کو آدھا آدھا تقسیم کر دیا گیا ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ چیز ہے جس کا وہ سوال کرے اور جب بندہ کہتا ہے: ”الحمد لله رب العلمین“ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”میرے بندہ نے میری حمد کی اور جب وہ کہتا ہے: ”الرحمن الرحیم“ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”میرے بندہ نے میری ثناء کی اور جب وہ کہتا ہے: ”مالک يوم الدين“ تو اللہ فرماتا ہے: ”میرے بندہ نے میری تعظیم کی اور ایک بار فرمایا: میرے بندہ نے (خود) کو میرے سپرد کر دیا اور جب وہ کہتا ہے: ”ایاک نعبد وایاک نستعین“ تو اللہ فرماتا ہے: ”یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرے اور جب وہ کہتا ہے: ”اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المعصوب علیہم ولا الضالین“ تو اللہ فرماتا ہے: ”یہ میرے بندہ کے لیے ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ چیز ہے جس کا وہ سوال کرے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۰، ۱۶۹ مطبوعہ نور محمد ص ۱۷۰ طبع لراہی ۷۵ ۱۳۷۱ھ)

اس حدیث میں سورہ فاتحہ کا ذکر ہے اور اس کے شروع میں ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کا ذکر نہیں ہے اس سے علماء احناف اور مالکیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے اور یہ ان کی بہت قوی دلیل ہے فقہاء شافعیہ نے اس کے جواب میں جو تاویلات کی ہیں وہ بہت ضعیف ہیں ہم نے ”شرح صحیح مسلم“ جلد اول میں ان کا ذکر کر کے ان کا رد کیا ہے۔

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس وقت جبرائیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے اوپر کی جانب سے ایک چڑچڑاہٹ کی آواز سنی حضرت جبرائیل نے کہا: یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو آج کھولا گیا ہے اور آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔ اس دروازہ سے ایک فرشتہ نازل ہوا حضرت جبرائیل نے کہا: یہ فرشتہ جو زمین

کی طرف نازل ہوا ہے یہ آج سے پہلے بھی نازل نہیں ہوا تھا اس فرشتہ نے آکر سلام کیا اور کہا: آپ کو دونوں کی بشارت ہو جو آپ کو دیئے گئے ہیں اور آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے (ایک نور) فاتحہ الکتاب ہے اور (دوسرا) سورہ بقرہ کی آخری آیتیں ہیں ان میں سے جس حرف کو بھی آپ پڑھیں گے وہ آپ کو رہے دیا جائے گا۔

(سنن نسائی ج ۵ ص ۳۳-۳۴ مطبوعہ دار محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام دارمی روایت کرتے ہیں:

عمر الملك بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاتحہ الکتاب سے ہر کاری لی شفاء ہے۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۳۲۰ مطبوعہ نشر المنہ بلقان)

حافظ نور الدین ایشی بیون کرتے ہیں:

حضرت ابو یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے کسی راستہ میں جا رہا تھا آپ نے ایک شخص کی آواز سنی جو تہجد کی نماز میں ام القرآن (سورہ فاتحہ) پڑھ رہا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اس سورت کو سنتے رہے حتیٰ کہ اس نے وہ سورت ختم کر لی آپ نے فرمایا: قرآن میں اس کی مثل (اور کوئی سورت) نہیں ہے امام طبرانی نے اس حدیث کو ”معجم اوسط“ میں روایت کیا ہے اس کی سند میں ایک راوی حسن بن دینار ضعیف ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۱۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن فاتحہ الکتاب (سورہ فاتحہ) نازل ہوئی اس دن ابلیس بہت رویا تھا اور یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے ”معجم اوسط“ میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۱۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

سورہ فاتحہ کا مقام نزول

سورہ فاتحہ کے نزول کے متعلق متعدد روایات ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے اس لیے محققین کا یہ موقف ہے کہ یہ سورت دو بار نازل ہوئی ہے ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں۔ علامہ سیوطی نے ان تمام روایات کو جمع کر دیا ہے۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

واحدی نے ”اسباب النزول“ میں اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورہ فاتحہ مکہ میں ایک خزانہ سے نازل ہوئی ہے جو عرش کے نیچے ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے ”مصنف“ میں اور ابو نعیم اور بیہقی دونوں نے اپنی اپنی ”دلائل النبوة“ اور واحدی اور ثعلبی نے از ابی میسرہ از عمرو بن شریل روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو میں ایک آواز سنتا ہوں ”ہے خدا! مجھے یہ خدشہ ہے کہ یہ کوئی عجیب و غریب چیز ہے“ حضرت خدیجہ نے کہا: معاذ اللہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ایسا نہیں کرے گا ”ہے خدا! آپ امانت کو ادا کرتے ہیں صلہ رحمی کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں اسی اثنا میں حضرت ابو بکر آئے اس وقت گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں تھے حضرت خدیجہ نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا اور کہا: آپ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ درقہ کے پاس جائیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو حضرت ابو بکر نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ درقہ کے پاس چلیں آپ نے پوچھا: تم کو کس نے بتایا؟ انہوں نے

کہا: حضرت خدیج رضی اللہ عنہا نے بھر دونوں ورق لے پاس گئے اور اس کو واقعہ سنا، آپ نے فرمایا: جب میں ضحوت میں ہوتا ہوں تو مجھے اپنے پیچھے سے آواز آتی ہے: یا محمد! یا محمد! تو میں بھاگنے لگتا ہوں، ورقہ نے کہا: آپ ایسا نہ کریں! جب آپ کے پاس یہ آواز آئے تو آپ بھرے رہیں اور میں کہہ دیا کہتا ہے پھر مجھے آ کر تائیں! پھر جب آپ خلوت میں تھے تو آپ کو آواز آئی: یا محمد! ہے: "بسم اللہ الرحمن الرحیم" الحمد للہ رب العلمین" اور اس کو "ولا الصالحین" تک پڑھا اور کہا: کہیے: "لا الہ الا اللہ" پھر آپ ورقہ کے پاس گئے اور اس کو یہ واقعہ سنایا، ورقہ نے کہا: آپ کو بشارت ہوگی، گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جس کے آنے کی ابن مریم کو بشارت دی گئی تھی اور آپ کے پاس حضرت موسیٰ کے ناموں کی مثل ہے اور آپ نبی مرسل ہیں۔

امام ابو نعیم نے دائل السبوة میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب بنو سہم کے جوان مسلمان ہوئے اور عمرو بن جوح کا بیٹا مسلمان ہوا تو عمرو کی بیوی نے عمرو سے کہا: تم اپنے بیٹے سے پوچھو وہ اس شخص سے کیا روایت کرتے ہیں؟ عمرو نے اپنے بیٹے سے کہا: مجھے اس شخص کا کلام سنا، تو اس کے بیٹے نے پڑھا: "الحمد للہ رب العلمین" اور "الصراط المستقیم" تک پڑھا، اس نے کہا: یہ تناسخ اور جمیل کلام ہے، کیا اس کا سارا کلام اسی طرح ہے؟ اس کے بیٹے نے کہا: اے ابائے اس سے بھی زیادہ حسین ہے اور یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے، ان تینوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے "مصنف" میں ابو سعید بن اعرابی نے "معجم" میں اور طبرانی نے "معجم" میں مجاہد کی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب فاتحہ المکتب نازل ہوئی تو ابلیس خوب رویا اور یہ مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔
دج اور فریابی نے اپنی تفسیروں میں ابو بکر بن انباری نے "فضائل قرآن" میں امام ابن ابی شیبہ نے "مصنف" میں عبد بن حمید اور ابن منذر نے اپنی تفسیر میں ابو بکر بن انباری نے "کتاب المصاحف" میں ابوالشیخ نے "معجم" میں اور ابو نعیم نے "حلیہ" میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ فاتحہ المکتب مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔
وکیع نے اپنی تفسیر میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ فاتحہ المکتب مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ النجفی ایران)

ان تینوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے۔

سورہ فاتحہ کی آیات کی تعداد

ہم اس سے پہلے مقدمہ میں بیان کر چکے ہیں کہ سب سے پہلے سورہ علق اور سورہ مدثر کی چند آیات نازل ہوئیں اور جو سب سے پہلے مکمل سورت نازل ہوئی وہ سورہ فاتحہ ہے یہ سورت دوبار نازل ہوئی، ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں اور اس میں باتفاق سات آیتیں ہیں اس لیے اس کو "السبع المثانی" کہا جاتا ہے، فقہاء، شافعیہ اور فقہاء، حنبلیہ کے نزدیک "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سورہ فاتحہ کا جز ہے اور اس سے یہ سورہ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں اور علماء احناف اور ملا و مالکیہ کے نزدیک "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے۔ ان کے نزدیک "صراط الذین اعمت علیہم" ایک آیت ہے اور اول الذکر کے نزدیک "صراط الذین اعمت علیہم" صراط المعصوب علیہم ولا الصالحین" مل کر ایک آیت ہے۔ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سورہ فاتحہ کا جز ہے یا نہیں اس پر مفصل گفتگو عنقریب آئے گی۔

۱۔ علامہ مفتی الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ ۱۲۲۱ھ مفتی ج ۱ ص ۲۸۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ

سورۃ فاتحہ کے مضامین

قرآن مجید کے حسب ذیل مضامین ہیں:

(۱) توحید: نزول قرآن کے وقت دنیا میں بالعموم بت پرستی کا دور دورہ تھا اور کفار عرب تو حید سے ملوثی اور ماننے سے باوجود اپنے زعم میں اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے بتوں کی عبادت کرتے تھے اس لیے قرآن کا مطالبہ یہ ہے کہ صرف خالق اور رب ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کو واحد ماننا کافی نہیں ہے بلکہ اعتدق عبادت نے اعتبار سے بھی اس کو واحد ماننا ضروری ہے یعنی اس کے سوا اور کوئی عبادت کا حق نہیں ہے۔

(۲) نبوت: عام انسان کی عقل اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کو جاننے کے لیے ناکافی ہے اور اللہ تعالیٰ نے حکام حاصل کرنے سے عاجز ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہ نمائی کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور یہی چونکہ اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے اس کو ماننا اللہ کو ماننا اور اس کا انکار کرنا اللہ کا انکار کرنا ہوتا ہے اس لیے قرآن نے نبی ماننے کو ضروری قرار دیا ہے۔

(۳) عبادت: بدن مال اور ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق صرف کرنا عبادت ہے قرآن نے یہ بتایا ہے کہ انسان خود اور اس کا مال اس کی ملکیت نہیں ہے اللہ کی ملکیت ہے اب وہ کس طرح اپنی جان اور مال کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق صرف کرے یہ قرآن نے تفصیل سے بتایا ہے۔

(۴) وعدہ اور وعید: اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بندہ پر انعام فرمائے گا جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اور بندہ کی نافرمانی کرنے سے اللہ تعالیٰ نے اس کو عذاب سے ڈرایا ہے اس وعدہ اور وعید کو اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔

(۵) قصص اور امثال: گزشتہ امتوں کے صالحین کے واقعات اور نافرمانوں پر عذاب کی عبرت انگیز مثالیں۔

(۶) معاد: مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور مومنین کے لیے جزاء اور کفار کے لیے سزا کا بیان۔

(۷) دعا: تمام عبادات کا خلاصہ اور حاصل اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں انسان کو ہدایت عطا فرمائے اور اس پر تاحیات برقرار رکھے اور آخرت میں عذاب سے نجات 'جنت نعیم' اپنی خوشنودی رضا اور دیدار عطا فرمائے۔ سورہ فاتحہ میں ان تمام مضامین کو اجمالاً اختصار اور اشارات سے بیان کر دیا گیا ہے۔

(۱) سورہ فاتحہ کے شروع میں فرمایا: "الحمد لله رب العلمین" تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے یعنی حمد کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہی تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی اپنی پرورش سے ان کو باقی رکھے ہوئے ہے آسمان زمین پہاڑ سمندر جمادات نباتات حیوانات انسان اور جن یہ سب اپنے وجود میں کسی موجد کے اور اپنی بقا میں کسی رب کے محتاج ہیں اور یہ سب ممکنات ہیں اس لیے ان کو پیدا کرنے والا اور ان کو باقی رکھنے والا ممکن نہیں ہو سکتا کیونکہ ممکن تو پھر انہی کی طرح اپنے وجود اور بقاء میں محتاج ہوگا اس لیے ضروری ہے کہ ان کا موجد اور ان کا رب واجب بالذات ہو اور واجب بالذات صرف اللہ تعالیٰ ہے وہی تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ان کی پرورش کرنے والا ہے اس کائنات رنگ و بو میں جو حسن اور کمال ہے وہ اسی کا دیا ہوا ہے اور حمد و ثناء اور کمال پر ہوتی ہے تو تمام ہی مد کا وہی مستحق ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لائق ہیں اس لیے میں جہاں یہ بتایا ہے کہ تعریف کا مستحق صاحب کمال نہیں ہے خالق کمال ہے وہاں یہ بھی بتا دیا ہے کہ تمام کائنات کا خالق اور مربی اللہ تعالیٰ ہے اور یہ

قرآن کا وہ پہلا مضمون ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

(۲) سورہ فاتحہ کی پچھٹی آیت میں ہے ”صراط الدین اعمت علیہم ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا“

اور جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ان کا بیان اس آیت میں ہے:

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ فَمِنْ اَسْبَغِیْنَ وَالْقَمٰی یَقِیْنَ وَالسُّہٰرِ
وَالصُّلٰحِیْنَ (النساء: ۶۹)

جن پر اللہ نے انعام کیا وہ انبیاء، صدیقین، اہل ہدایہ اور صالحین ہیں۔

نیز فرمایا:

اَدْلٰیكَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ فَمِنْ اَسْبَغِیْنَ
ذُرِّیَّۃِ اٰدَمَ (سرم: ۵۸)

جن پر اللہ نے انعام کیا وہ نسل آدم سے انبیاء ہیں۔

قرآن مجید کا دوسرا اہم مضمون نبوت ہے اور اس کی طرف اشارہ ”صراط الدین اعمت علیہم“ میں ہے۔

(۳) قرآن مجید کا تیسرا اہم مضمون عبادت ہے اور اس کا ذکر ”ایاک نعبد“ میں تیری ہی عبادت کرتے ہیں“ میں ہے۔

(۴) وعدہ اور وعید کی طرف اشارہ ”مالک يوم الدين“ میں ہے۔

(۵) گزشتہ امتوں کے واقعات اور مثالیں، نیکوں پر انعام اور بدکاروں پر غضب اور عذاب اس کی طرف اشارہ چھٹی اور

ساتویں آیت ”صراط الدین اعمت علیہم غیر المعصوب علیہم ولا الصالین“ میں ہے۔

(۶) مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور مومنین کے لیے جزا اور کفار کے لیے سزا کی طرف اشارہ بھی ”مالک يوم الدين“ میں ہے۔

الدين“ میں ہے۔

(۷) قرآن مجید کا بہت اہم مضمون اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ہے اور اس سورت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کس طرح

دعا کی جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے جس کا ذکر ”الحمد لله رب العلمین

الرحمن الرحیم“ میں ہے۔ پھر خضوع اور خشوع کا اظہار کیا جائے جس کا ذکر ”ایاک نعبد و ایاک نستعین“ میں

ہے پھر اپنے بجز اور احمیات کو بیان کیا جائے جس کا بیان ”ایاک نعبد و ایاک نستعین“ میں ہے پھر حرف مدعا زہد پر

لایا جائے اور اس سے مانگا جائے نیز یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ سے کیا مانگا جائے اور کیا نہ مانگا جائے تو بتلایا اس سے صراط

مستقیم پر برقرار رہنے کی ہدایت مانگو وہ راستہ جو اللہ تعالیٰ کے انعام یافتگان کا راستہ ہے نہ ان کا راستہ جن پر اللہ تعالیٰ

نے غضب فرمایا اور نہ گمراہوں کا پھر جیسے ہی ہدایت کی دعا ختم ہوتی ہے تو اس کے جواب میں فوراً ہدایت آ جاتی ہے

”الهم ۞ ذالک الكتاب لا ریب فیہ ہدی للمتقین“ یعنی تم نے ہم سے ہدایت مانگی تھی تو یہ پوری کتاب تمہارے

لیے ہدایت ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ سے دعا کرو گے تو اس دعا کی

استجاب یقینی ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

میں شیطان مردود (کے دوسوں) سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں

اعوذ باللہ کے مفردات کے معانی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خَازَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (نمل: ۹۸)
پس جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں O

استعاذہ کا معنی ہے: کسی ناپسندیدہ چیز سے بچنے کے لیے کسی چیز کی پناہ میں آنا شیطان کا لفظ "شیطن" سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے خیر سے دور ہونا شیطان کو شیطان اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی رحمت سے دور ہو گیا ایک قول یہ ہے کہ شیطان "شیط" سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے ہلاک ہونا اس بناء پر شیطان کو شیطان اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب میں ہلاک ہو گیا رجیم کا لفظ "رجیم" سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے سنگسار کرنا قتل کرنا حسرت کرنا اور دھنکارنا چونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان پر لعنت کی ہے اس کو دھنکار کر راندہ بارگاہ کر دیا ہے اس وجہ سے اس کو رجیم کہتے ہیں۔

اعوذ باللہ کے صرف اور اعراب کا بیان

شیطان صفت مشبہ کا صیغہ ہے اگر یہ "شیط" سے بنا ہے تو اس کا وزن فعلان ہے اور اگر یہ "شیطن" سے بنا ہے تو اس کا وزن فیعال ہے رجیم فعلیل کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے اور مفعول کے معنی میں ہے اس کا معنی ہے: راندہ ہوا دھنکارا ہوا۔

"من" ابتداء کے لیے ہے اور جار مجرور "اعوذ" کے متعلق ہے اس کا معنی ہے: میں شیطان رجیم سے پناہ مانگنے کی ابتداء اللہ سے کرتا ہوں اور یہ من سیبہ بھی ہو سکتا ہے اور اس کا معنی ہوگا: شیطان رجیم کے سبب سے میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ نماز اور غیر نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق احادیث

امام ابو داؤد و روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز میں قیام کرتے تو اللہ اکبر کہتے پھر پڑھتے:

"سبحانک اللہم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ حدک ولما لا یرک" پھر تین مرتبہ "لا الہ الا اللہ" پڑھتے پھر تین مرتبہ پڑھتے: "اللہ اکبر کبیرا اعوذ باللہ السميع العليم من الشیطان الرجیم من همزه و نفحه و لفظہ" (میں اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں جو بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے شیطان رجیم کے مجنون کرنے اس کے تکبر اور اس کے شر سے) اس کے بعد آپ قراءت کرتے۔ (نس ابوداؤد ج ۱ ص ۱۸۳ مطبوعہ مطبعہ عثمانی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو امام عبدالرزاق اور امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے تو فرماتے: "اللہم انی اعوذ بک من الشیطان الرجیم من همزه و نفحه و لفظہ"۔ (المصنف ج ۱ ص ۲۳۸ مطبوعہ دار الفکر قرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عطاء نے کہا: اعوذ باللہ پڑھنا ہر قراءت میں واجب ہے خواہ وہ قراءت نماز میں ہو یا غیر نماز میں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: پس جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔ (نمل: ۹۸) ابن جریر نے کہا: ہاں! میں

۱ امام عبدالرزاق بن امام متوفی ۲۱۱ھ المصنف ج ۱ ص ۱۸۳ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۹ھ

۲ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ سنن کبری ج ۱ ص ۳۶-۳۵ مطبوعہ شرکت الماتان

پڑھنا ہوں "بسم اللہ الرحمن الرحیم اعوذ باللہ السميع العليم الرحمن الرحیم" من الشیطان الرجیم و اعوذ
بک رب ان تحصروں اوید حلوا بنی الہدی یووسی "عطا نے کہا: یہ پڑھنا بھی تمہیں کدیت کرے گا، لیکن تم "اعوذ
باللہ من الشیطان الرجیم" سے زیادہ نہ پڑھا کرو (المصنف ج ۱ ص ۸۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۲۹ھ)

مکناں بن ابی العاص بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے اور میری ملاوت قرآن کے درمیان
شیطان حائل ہو جاتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شیطان کا نام خزب ہے تم جب اس کو کھڑوس کر دو "اعوذ باللہ
من الشیطان الرجیم" پڑھو اور بائیں جانب تین ہاتھ کو (المصنف ج ۱ ص ۸۵ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۲۹ھ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید پڑھنے سے پہلے "اعوذ
باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھتے تھے۔ (المصنف ج ۱ ص ۸۶ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۲۹ھ)

ابراہیم نے کہا، ہر چیز سے پہلے "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھنا کافی ہے۔

(المصنف ج ۱ ص ۸۵ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۲۹ھ)

نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا مذہب

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

امام مالک فرض نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے قائل نہیں ہیں اور تراویح میں پڑھنے کے قائل ہیں۔

(المجامع ۱۱ احکام القرآن ج ۱ ص ۸۶ مطبوعہ انتشارات المرحوم ابن کثیر ۱۴۲۸ھ)

علامہ درویر مالکی لکھتے ہیں:

نفل نماز میں سورہ فاتحہ سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا (باکراہت) جائز ہے اور فرض نماز میں مکروہ ہے۔

(الشرح والتبیین علی غامض المسوئی ج ۱ ص ۲۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ ابن قدام حنبلی لکھتے ہیں:

نماز میں قراءت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا سنت ہے حسن ابن سیرین عطا ثوری اور ابی شافعی در اسحاب رائے کا یہی
نظر یہ ہے امام مالک نے کہا، نماز میں قراءت سے پہلے اعوذ باللہ نہ پڑھے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نماز کو "الحمد للہ رب العلمین" سے شروع کرتے تھے۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

(المصنف ج ۱ ص ۳۳۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۵ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا محمل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اعوذ باللہ اور بسم اللہ کو جبراً نہیں
پڑھتے تھے نہ پڑھتے تھے اور جبراً قراءت "الحمد للہ رب العلمین" سے شروع کرتے تھے تاکہ اس روایت کا ان
احادیث سے تعارض نہ ہو جس میں قراءت قرآن سے پہلے "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھنے کی تصریح ہے۔

نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا مذہب

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

دعا، استفتاح (سبحانک اللہم) کے بعد "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھنا مستحب ہے ہمارے بعض
صحابہ نے کہا ہے کہ "اعوذ باللہ السميع العليم من الشیطان الرجیم" پڑھنے اور ہر اس لفظ کا پڑھنا جائز ہے جس سے

یہ معنی حاصل ہو اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ نماز سری ہو یا بھری اس کو سرا پڑھے ایک قول یہ ہے کہ بھری نماز میں بھرا پڑھے ایک قول یہ ہے کہ پڑھنے والے کو اختیار ہے ایک قول یہ ہے کہ مستحب یہ ہے کہ قطعاً آہستہ پڑھے نیز مذہب یہ ہے کہ ہر رکعت میں اعوذ باللہ پڑھے اور پہلی رکعت میں پڑھنا زیادہ سوکد ہے امام شافعی نے اس کی تصریح کی ہے

(روضۃ الطالبین ج ۱ ص ۳۲۶ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

جب نماز میں قراءت شروع کرے تو اعوذ باللہ پڑھے اگر سورہ فاتحہ مکمل پڑھنے کے بعد اس کو اعوذ باللہ پڑھنا یاد آیا تو اب اس کو چھوڑ دے اور اگر سورہ فاتحہ کے دوران اس کو یاد آیا تو اعوذ باللہ پڑھے اور از سر نو سورہ فاتحہ پڑھے اور جب شاگرد استاد کو قرآن مجید سنائے تو اس وقت اعوذ باللہ نہ پڑھے یعنی اس وقت پڑھنا سنت نہیں ہے جب مسبوق اپنی بقیہ نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو تو قراءت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھے امام عید کی نماز میں تکبیرات عید کے بعد اعوذ باللہ پڑھے کیونکہ تکبیرات عید کے بعد قراءت شروع ہوتی ہے (رد المحتار علی حاشی رد المحتار ج ۱ ص ۳۲۹-۳۲۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

اگر سورہ فاتحہ کے دوران اس کو اعوذ باللہ پڑھنا یاد آیا تو اب سورہ فاتحہ کو دوبارہ اعوذ باللہ کے ساتھ پڑھنا درست نہیں ہے کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ سنت کی وجہ سے فرض (قراءت) کو چھوڑ دیا جائے نیز اس سے واجب کا ترک کرنا بھی لازم آئے گا کیونکہ سورہ فاتحہ یا اس کے اکثر حصہ کو دوبارہ پڑھنا سجدہ ہو گا سو جب ہے اور فقیہ ابو جعفر نے ”نوادیر“ میں ذکر کیا ہے کہ نمازی نے اللہ اکبر پڑھنے کے بعد اعوذ باللہ اور ”بسم اللہ“ پڑھی اور ثناء پڑھنا بھول گیا تو اب ثناء نہ پڑھے اسی طرح اگر اس نے اللہ اکبر کے بعد قراءت شروع کر دی اور ثناء اعوذ باللہ اور ”بسم اللہ“ پڑھنا بھول گیا تو اب ان کو دوبارہ نہ پڑھے کیونکہ ان کا مکمل فوت ہو گیا اور اس پر سجدہ ہو نہیں ہے اس کو زامدی نے ذکر کیا ہے (خلاصہ یہ ہے کہ علامہ حصکفی کا یہ کہنا درست نہیں کہ اگر اعوذ پڑھنا بھول گیا اور سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کر دی تو اعوذ پڑھ کر از سر نو سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کرے)۔

”ذخیرہ“ میں یہ مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھے اور اس سے اس کا مقصد قرآن مجید کی تلاوت ہو تو اس سے پہلے اعوذ باللہ پڑھے اور اگر حصول برکت کے لیے بسم اللہ پڑھتا ہے تو پھر اس سے پہلے اعوذ باللہ نہ پڑھے کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب کوئی شخص شکر ادا کرنے کی نیت سے ”الحمد لله رب العلمین“ پڑھتا ہے تو پھر اس سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر قرآن مجید کی تلاوت کا قصد کرتا ہے تو پھر اس سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا ضروری ہے۔ یہ قاعدہ پڑھنے کے اعتبار سے ہے افعال کے لیے یہ قاعدہ نہیں ہے اس لیے بیت الخلاء جانے سے پہلے ”اعوذ باللہ من الحبث والحائث“ پڑھنا اس قاعدے کے منافی نہیں ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۲۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ حلبی حنفی لکھتے ہیں:

نماز میں ثناء کے بعد اعوذ باللہ پڑھنا جمہور علماء کے نزدیک سنت ہے۔ ثوری اور عطاء نے یہ کہا ہے کہ یہ واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید پڑھنے سے پہلے ”اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم“ پڑھنے کا حکم دیا ہے اور امر و جوب کے لیے ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا یہ قول اجماع کے خلاف ہے۔ اعوذ باللہ پڑھنے کے محل میں اختلاف ہے امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا محل ثناء کے بعد ہے اور یہ قراءت کے تابع نہیں ہے لہذا جو شخص بھی ثناء پڑھے گادہ اعوذ باللہ پڑھے گا کیونکہ اعوذ

باللہ پڑھنا دفع وسوسہ کے لیے ہے اور دفع دوسرے کے سب محتاج ہیں لہذا امام اور منفرد جس طرح شاء کے بعد اعوذ باللہ پڑھیں اسی طرح مقتدی بھی پڑھے اور عید کی نماز میں بھی امام اس کو ثناء کے بعد پڑھے نہ کہ تکبیرات کے بعد اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اعوذ باللہ پڑھنا قراءت کے تابع ہے لہذا جو شخص تلاوت قرآن کرے گا وہی اعوذ باللہ پڑھے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ طلب کرو اور مقتدی چونکہ قراءت نہیں کرتا اس لیے وہ اعوذ باللہ نہیں پڑھے گا اور امام اور منفرد چونکہ قراءت کرتے ہیں اس لیے وہ اعوذ باللہ پڑھیں گے۔ اسی طرح عید کی نماز میں چونکہ قراءت تکبیرات کے بعد شروع ہوتی ہے اس لیے تکبیرات کے بعد اعوذ باللہ پڑھی جائے گی۔ فادنی قاضی خاں ہدایہ اس کی شرح کافی اختیار اور اکثر کتابوں میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے قول کو ترجیح دی گئی ہے کہ اعوذ باللہ پڑھنا قراءت کے تابع ہے اور ہمارا بھی یہی مختار ہے۔ (عنیدہ المستملی ص ۲۰۴، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۱۲ھ)

نیز علامہ علی حنفی لکھتے ہیں:

دوسری رکعت میں ثناء پڑھے گا نہ اعوذ باللہ پڑھے گا کیونکہ ان کا محل اول صلوٰۃ اور اول قراءت ہے اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے اعوذ باللہ نہ پڑھنے سے امام ابو یوسف کی تائید ہوتی ہے کہ اعوذ باللہ پڑھنا ثناء کے تابع ہے اور جب دوسری رکعت میں ثناء نہیں پڑھی جائے گی تو اعوذ باللہ بھی نہیں پڑھی جائے گی اگر یہ قراءت کے تابع ہوتی جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے تو دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے اعوذ باللہ کو بھی پڑھا جاتا سو اس طریقہ میں امام ابو یوسف کے قول پر عمل ہے حالانکہ تمہارے نزدیک امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا قول مختار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب نمازی نے ایک مرتبہ قراءت سے پہلے اعوذ باللہ کو پڑھ لیا اور قراءت کے درمیان میں کسی اجنبی فعل کو داخل نہیں کیا تو اس کے لیے دوبارہ اعوذ باللہ پڑھنا سنت نہیں ہے اور افعال نماز قراءت کے حق میں اجنبی نہیں ہیں کیونکہ نماز کے اعتبار سے تمام افعال واحد ہیں لہذا اس کی قراءت کے دوران کوئی اجنبی فعل خلل انداز نہیں ہوا اس لیے اب اعوذ باللہ کا تکرار مسنون نہیں ہے۔

(عنیدہ المستملی ص ۲۲۴، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۱۲ھ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

بائے بسم اللہ کا معنی

عربی زبان میں باء متعدد معانی کے لیے آتی ہے اور اس میں تفصیل ہے کہ بسم اللہ میں باء کس معنی میں ہے علامہ زنجیری کی تحقیق یہ ہے کہ بسم اللہ میں باء مصحبت اور ملاہبت کے لیے ہے یعنی شروع کرنے کا فعل اللہ تعالیٰ کے نام سے ملاہب ہے اور اس کے نام کے ساتھ شروع ہے جیسے کہتے ہیں: ”کتبت بالقلم“ میں نے قلم کے ساتھ لکھا یا اس کا معنی ہے: ”مبصر کا بسم اللہ اقراء“ اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے میں پڑھتا ہوں یا شروع کرتا ہوں اور علامہ بیضاوی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ باء استعانت کے لیے ہے یعنی اللہ کے نام کی مدد سے میں شروع کرتا ہوں۔

(انوار المتوکل علی حاشیہ علیہ القاضی ج ۱ ص ۳۸، مطبوعہ بیروت)

بعض علماء نے یہاں فعل امر مقدر کیا ہے یعنی اللہ کے نام سے ہی شروع کرو۔

۱۔ علامہ جارا اللہ محمود بن عمر زنجیری متوفی ۴۶۶ھ، کشاف ج ۱ ص ۵۔ ۲۔ مطبوعہ مطبعہ بیہ مصریہ ۱۳۲۳ھ

فعل کو بسم اللہ کے بعد مقدر کرنے کی وجوہ

اس فعل کو بسم اللہ سے پہلے مقدر نہیں کیا بلکہ ”بسم اللہ“ کے بعد مقدر کیا ہے یعنی ”بسم اللہ اقراء یا اشرع“ ”اللہ کے نام سے ہی شروع کرتا ہوں یا پڑھتا ہوں اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ فعل کو بسم اللہ کے بعد مقدر ماننے سے عربی قواعد کے مطابق حصر ہو جائے گا اور معنی ہوگا: اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں، مشرکین کسی اہم کام کو بتوں کے نام سے شروع کرتے تھے اور جب ہم کہیں گے: اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں تو اس سے ان مشرکین کا رد ہوگا جیسے قرآن مجید میں ہے: ”ایاک نعبد“ اس میں بھی فعل کو موخر ذکر کیا ہے تاکہ حصر مستفاد ہو اس کا معنی ہے: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ مقدم اس کو کیا جاتا ہے جو اہم ہو اور اللہ تعالیٰ کے نام اور ہمارے فعل ان دونوں میں اہم اللہ تعالیٰ کا نام ہے اس لیے فعل کو موخر اور اللہ تعالیٰ کے نام کو مقدم ماننا چاہیے تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بندہ کے تذلل کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر ہو اور پھر ہمارے کام کا ذکر ہو چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ ترتیب نفس الامر اور واقع کے بھی مطابق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام پہلے ہے ہم اور ہمارا فعل بعد میں ہے پنجویں وجہ یہ ہے کہ انبیاء سابقین نے بعض مواقع پر پہلے اپنا ذکر کیا اور پھر اللہ تعالیٰ کا اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر موقع پر پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لیا پھر اپنا نام لیا مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”إِنَّهُ رَبِّي“ (اشرع: ۶۲) ”بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے“ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا“ (التوبہ: ۳۰) ”بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے“ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کی طرف خط لکھا:

إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(آئل: ۲۰) شک یہ اللہ کے نام سے ہے جو نہایت رحم فرمانے والا بہت

مہربان ہے

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قل کی طرف خط لکھا:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم (سیدنا) محمد عبد اللہ و رسولہ کی جانب سے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام“ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵)

اور صلح نامہ حدیبیہ میں لکھوایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ وہ ہے جس کا (سیدنا) محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فیصلہ کیا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۹)

سو اگر فعل بسم اللہ سے پہلے مقدر مانا گیا تو حضرت موسیٰ اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی اتباع ہوگی اور اگر بسم اللہ کے بعد فعل کو مقدر مانا گیا تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہوگی اور چھٹی وجہ یہ ہے کہ بسم اللہ کے بعد فعل کو مقدر ماننا کلام اللہ کے مطابق ہے کیونکہ قرآن مجید میں فعل کا ذکر بسم اللہ کے بعد ہے:

بِسْمِ اللَّهِ مَجْرَاهَا وَمُرْسَاهَا (حود: ۲۱)

اللہ کے نام کی مدد سے ہے اس کشتی کا چلانا اور اس کا

ٹھہرنا۔

ہم نے بسم اللہ کا ترجمہ کیا ہے: اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) اس میں لفظ اللہ کو پہلے ذکر کر کے ان وجوہ کی طرف اور ”ہی“ سے حصر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بسم اللہ میں اسم کا الف حذف کرنے کی وجہ

مشہور نحوی فراء لکھتے ہیں:

تمام مصاحف کے لکھنے والوں اور قراء کا اس پر اجماع ہے کہ بسم اللہ میں اسم کا الف محذوف ہے اور "فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ" (الواقہ ۷۲ الحاقہ ۵۲) میں الف کو برقرار رکھا گیا ہے کیونکہ سورتوں اور دیگر کتابوں کی ابتداء میں بسم اللہ کی جگہ معروف ہے اور پڑھنے والا اس کے معنی سے نادانف نہیں ہے اور اس کے الف کو پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے اس کو حذف کر دیا کیونکہ عرب کا طریقہ اختصار اور کثیر الاستعمال لفظ کے حروف کو کم کرنا ہے یہ شرطیکہ اس کا معنی معروف ہو اور "فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ" میں الف کو برقرار رکھا گیا ہے کیونکہ بسم اللہ کی بہ نسبت "بسم اللہ" کا استعمال بہت کم ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ کھانے پینے ذبح کرنے بلکہ ہر نیک کام سے پہلے بسم اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ (معانی القرآن مطبوعہ بیروت)

علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ اسم کا الف جو حذف کیا گیا ہے اس کے عوض بائے بسم اللہ کو لبا کر کے نکھا جاتا ہے۔

لفظ اللہ کا معنی اور کے وصف یا علم ہونے کی تحقیق

علامہ علی بن ابی طالب لکھتے ہیں:

لفظ اللہ اصل میں "الہ" ہے پھر اس پر الف لام داخل کیا گیا تو "الہ لام" ہو گیا پھر تخفیفاً الف کو حذف کیا اور اس کی حرکت پہلے لام پر داخل کر دی اور پہلے لام کا دوسرے لام میں ادغام کر دیا تو یہ لفظ "اللہ" ہو گیا ایک قول یہ ہے کہ یہ اصل میں "لہ" ہے اس پر الف لام داخل کیا اور لام کا لام میں ادغام کیا تو یہ لفظ "اللہ" ہو گیا اور ظیل سے منقول ہے کہ اس کی اصل "ولہ" ہے۔ (مشکل اعراب القرآن مطبوعہ انتشارات نور ایران ۱۳۶۲ھ)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

"الہ" کا معنی ہے حیرت زدہ ہونا کیونکہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال میں غور کرتا ہے تو حیرت زدہ ہو جاتا ہے اور "لہ" سرپائی زبان کا لفظ ہے جو چیز بلند اور مجوب ہو اس کو "لہ" کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسانی آنکھوں سے مجوب ہے اور جو چیز اس کے لائق نہ ہو اس سے بلند ہے اور "ولہ" کا معنی ہے بچہ کا خوف زدہ ہو کر ماں کی طرف پکنا اور تمام مخلوق اپنے مصائب اور پریشانیوں میں گھبرا کر اللہ تعالیٰ کی طرف لپکتی ہے ان وجوہ سے کہا جاتا ہے کہ لفظ اللہ "الہ" سے "لہ" سے یا "ولہ" سے بنا ہے۔ ابن اثیر نے کہا: یہ "الہ" سے بنا ہے اور منذری نے کہا: یہ "الہ" سے بنا ہے۔

(لسان العرب ج ۱۳ ص ۳۶۹-۳۷۰ مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قائم ایران)

اور علامہ فیروز آبادی لکھتے ہیں:

سیبویہ نے کہا کہ لفظ اللہ کا "لہ" سے بنتا جائز ہے اس کا معنی بلندی اور ارتقاع ہے۔

(تاج المصنف ج ۲ ص ۳۱۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۲ھ)

علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں:

زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ لفظ اللہ ذات واجب الوجود کے لیے علم (شخص نام) ہے جو کہ تمام صفات کمال کی جامع ہے اور یہ لفظ مشتق نہیں ہے ابن العربی نے کہا: یہ علم ہے اور الحق پر دلالت کرتا ہے اور یہ تمام اسماء حسنی الہیہ احد یہ کا جامع ہے۔

(تاج المعرف ج ۱ ص ۳۷۳ مطبوعہ المطبعۃ الخیرۃ مصر ۱۳۰۶ھ)

ہمارے نزدیک تحقیق یہی ہے کہ لفظ اللہ کسی لفظ سے نہیں بنا اور یہ اصل میں علم ہے وصف نہیں ہے کیونکہ لفظ اللہ موصوف ہوتا ہے اور کسی موصوف کی صفت نہیں بنتا نیز اللہ تعالیٰ کی متعدد صفات ہیں اور ان صفات کے عمل کے لیے کسی موصوف کی ضرورت ہے اور لفظ اللہ کے علاوہ اور کوئی لفظ اس کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اگر لفظ اللہ مشتق اور صفت ہو تو پھر ل الہ الا اللہ سے

تو حید ثابت نہیں ہوگی کیونکہ صفت کلی ہوتی ہے اور شرکت کثیرین سے مانع نہیں ہوتی اور علامہ بیضاوی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ لفظ اصل میں وصف تھا اور غلبہ استعمال کی وجہ سے یہ منزہ علم ہو گیا کیونکہ پھر مرتبہ وضع میں تو حید ثابت نہیں ہوگی اور ”الہ“ اور ”لہ“ کے ساتھ لفظی مناسبت سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ لفظ ان میں سے کسی ایک لفظ سے بنا ہوا اور حق یہ ہے کہ جس طرح اللہ کی ذات کسی سے نہیں بنی اسی طرح اس کی ذات پر دلالت کرنے والا بھی کسی لفظ سے نہیں بنا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

علامہ سعد الدین تفتازانی اور علامہ عصام الدین نے کہا ہے کہ لفظ اللہ اس ذات کے لیے علم (شخصی نام) ہے جو واجب الوجود ہے اور تمام صفات محمودہ کی جامع ہے اور علامہ میر سید شریف نے کہا: جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک کرنے سے انسان کی عقل حیران اور عاجز و دور ماندہ ہے اسی طرح اس کی ذات پر دلالت کرنے والے اسم کی حقیقت کو پانے سے بھی عقلیں حیران اور پریشان ہیں۔ کسی نے کہا: یہ لفظ سریانی ہے کسی نے کہا: یہ عربی ہے کسی نے کہا: یہ وصف اور مشتق ہے کسی نے کہا: علم ہے اور جمہور کا موقف یہ ہے کہ لفظ اللہ عربی ہے اور علم مرتجل ہے (کوئی اور لفظ اس کی اصل نہیں ہے) امام ابو حنیفہ امام محمد بن الحسن امام شافعی اور ظہیل کا یہی نظریہ ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم یہی اسم ہے امام طحاوی اور دیگر کثیر علماء اور عارفین کا یہی قول ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

رحمن اور رحیم کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

رحمت اس رقت قلب کو کہتے ہیں جس کا بقاضا یہ ہے کہ مرحوم پر احسان کیا جائے کبھی یہ لفظ رقت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی صرف احسان کے معنی اور جب رحمت اللہ تعالیٰ کی صفت ہو تو پھر اس کا معنی صرف احسان اور انفضال ہے نہ کہ رقت قلب اور جب رحمت آدمیوں کی صفت ہو تو پھر اس کا معنی رقت اور شفقت ہے۔

رحمان کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ رحمان کا معنی ہے: وہ ذات جس کی رحمت ہر چیز کو محیط ہو اور اس معنی کا مصداق اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا اور رحیم کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے غیر پر بھی ہو سکتا ہے کیونکہ رحیم کا معنی ہے: جو بہت رحم کرتا ہو قرآن مجید میں رحیم کا اطلاق اللہ پر بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ بِالشَّاكِرِينَ لَرَءُوفٌ تَرَحُّمًا ۝

بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر نہایت مہربان اور بہت رحم

(الحج: ۶۵) فرمانے والا ہے ۝

اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

بے شک تمہارے پاس تمہی میں سے ایک عظیم رسول

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا

آئے جن پر تمہارا مشقت میں مبتلا ہونا سخت دشوار ہے وہ

عَنْكُمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

تمہاری بھلائی پر بہت حریص ہیں اور مومنوں پر نہایت مہربان

(التوبہ: ۱۲۸)

اور بہت رحم فرمانے والے ہیں ۝

ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں رحیم ہے کیونکہ دنیا میں اس کا احسان مومنوں اور کافروں دونوں پر ہے اور آخرت

میں رحیم ہے کیونکہ آخرت میں اس کا احسان صرف مومنوں پر ہوگا کافروں پر نہیں ہوگا۔

(اعترافات ص ۱۹۲-۱۹۱ مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ ایران ۱۳۴۲ھ)

رحمن کو رحیم پر مقدم کرنے کی وجوہ

خلاصہ یہ ہے کہ رحمان اور رحیم دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اور رحمان میں رحیم کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہے۔ اب یہاں ایک سوال یہ ہے کہ عرب کا طریقہ یہ ہے کہ صفات مدح میں اولیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرنے میں مثلاً کہتے ہیں: "فلان عالم فحریب" (فلان شخص عالم باہر ہے) اس لیے بہ ظاہر پہلے رحیم اور پھر رحمان کا ذکر ہونا چاہیے تھا اس کا جواب یہ ہے کہ رحمن کا اطلاق چونکہ اللہ تعالیٰ کے غیر پر نہیں ہوتا اس لیے یہ لفظ اللہ کی طرح ہے اور بہ منزلہ علم ہے اور رحیم وصف ہے اور علم وصف پر مقدم ہوتا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ رحمن کا لفظ تمام عظیم اور جلیل نعمتوں کو شامل ہے جو بہ منزلہ اصول ہیں اور رحیم اس کا تتمہ ہے جو فروعی اور دقیق نعمتوں کو شامل ہے اور جو لفظ جلیل عظیم اور اصل نعمتوں پر دلالت کرتا ہے وہ اس لفظ پر مقدم ہونا چاہیے جو دقیق اور فروعی نعمتوں پر دلالت کرتا ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ رحمن کا تعلق دنیا سے ہے اور رحیم کا تعلق آخرت سے ہے اور دنیا آخرت سے پہلے ہے اس لیے رحمن کا ذکر رحیم سے پہلے کیا ہے چوتھا جواب یہ ہے کہ رحمان عام ہے کیونکہ اس کا تعلق مومن اور کافر دونوں سے ہے اور رحیم خاص ہے کیونکہ اس کا تعلق صرف مومن سے ہے اور عام خاص پر مقدم ہوتا ہے اس لیے رحمان کو رحیم پر مقدم کیا ہے کیونکہ رحمن میں رحیم کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہے اس لیے ہم نے رحمن کا معنی "نہایت رحم فرمانے والا" اور رحیم کا معنی "بہت مہربان" کیا ہے۔

بسم اللہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رمز اور اشارہ

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

الف بسیط اور مطلق ہے اور وہ اپنی بساطت اور اطلاق کی وجہ سے اللہ عزوجل کی ذات مطلقہ پر دلالت کرتا ہے اور الف کے بعد باء ہے اور یہ تمام تعینات پر مقدم ہے سو باء اپنے تعین اول کے لحاظ سے حقیقت محمدی پر دلالت کرتی ہے اسی طرح بسم اللہ کی باء میں ذات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف اشارہ ہے اور باء پر کسرہ (زیر) ہے اور اس سے آپ کی صفت رحمت کی طرف اشارہ ہے قرآن مجید میں ہے:

وَمَا أَدْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةٌ لِّلْحَمِیْنِ ۝ (الانبیاء: ۱۰۷)

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے صرف بہ طور رحمت بھیجا ہے ۝

نیز فرمایا:

بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَأُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ (التوبہ: ۱۲۸)

اور مومنوں پر نہایت مہربان اور بہت رحم فرمانے والے

ہیں ۝

اس میں یہ رمز ہے کہ جن پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے اور جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں اگرچہ وہ صاحب خلق عظیم ہیں اور ان کا ہر وصف اعلیٰ ہے لیکن ان پر صفت رحمت کا غلبہ ہے وہ "راء وف رحیم" ہیں اور جس کی طرف وہ دعوت دے رہے ہیں وہ "الرحمن الرحیم" ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کی ہر سورت سے پہلے بسم اللہ ہے اور اس میں آپ کی صفت رحمت کی طرف اشارہ ہے سورہ توبہ کی ابتداء میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی وہ براۓے شروع ہے اور باء سے آپ کی ذات اور باء کی فتح (زیر) سے آپ کی صفت جلال کی طرف اشارہ ہے قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں ایک سو تیرہ سورتوں میں بسم اللہ کے ذکر سے آپ کی رحمت کی طرف اشارہ ہے اور ایک سورت میں برکت کی نصب سے آپ کے غضب کی

طرف اشارہ ہے خلاصہ یہ ہے کہ ہر سورت کی لوح جہیں پر حقیقت محمدی کی طرف رمز ہے۔ ایک سو تیرہ سورتوں میں آپ کے جمال کی طرف اور ایک سورت میں آپ کے جلال کی طرف اشارہ ہے۔ (روح الامنی ج ۱ ص ۵۱-۵۲ مطبوعہ دار ادیان التراث العربی بیروت)

بعض محققین نے بیان کیا کہ بسم اللہ میں باء کے بعد اسم اللہ ہے اور اسم اللہ میں بھی حقیقت محمدی کی طرف رمز ہے کیونکہ اسم وہ ہے جو کسی پر دلالت کرے اور یوں تو ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتی ہے لیکن کامل دلالت کرنے والا وہ ہوگا جس کی دلالت سب کے لیے ہو جو نبیوں اور رسولوں کے لیے بھی اللہ کی دلیل ہو انسانوں اور جنوں کے لیے بھی رہنما ہو شجر و حجر دشت و جبل بحر و دریا اور کائنات کی ہر حقیقت کے لیے دلیل ہو اور ایسی کامل دلیل بہ جز ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نہیں ہے تو وہی اسم اللہ ہیں اور یوں اسم اللہ میں بھی حقیقت محمدی کی طرف رمز ہے۔ آپ اللہ کا اسم ہیں اور اسم مسند اور مسند الیہ ہوتا ہے اور آپ اللہ کی طرف مسند ہیں اور ساری کائنات کے لیے مسند الیہ ہیں اسم کا خاصہ ہے حرف جز اور جر کا معنی ہے کھینچنا اور آپ لوگوں کو جہنم کے کنارے سے کھینچ کھینچ کر جنت کی طرف لائے اور حروف جارہ میں ”من“ اور ”الی“ ہیں ”من“ ابتدا کے لیے اور ”الی“ انتہاء کے لیے ہے اور نبوت کی ابتداء بھی آپ سے ہے اور نبوت کی انتہا بھی آپ پر ہے اور حروف جارہ میں باء ہے باء الصاق کے لیے آتی ہے یعنی ایک چیز کو دوسری چیز سے ملانے کے لیے اور آپ نے بندوں کو خدا سے ملایا ہے اور حروف جارہ میں ”علی“ ہے ”علی“ استعلاء اور بندگی کے لیے آتا ہے اور آپ ساری کائنات پر بلند ہیں خلاصہ یہ ہے کہ بسم اللہ کی باء باء کے کسرہ اور اسم اللہ ان سب میں حقیقت محمدی کی طرف رمز ہے۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سے متعلق فقہی مباحث

ایک بحث یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے شروع میں جو ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ لکھی ہے آیا وہ قرآن کریم کا جز ہے یا نہیں۔ دوسری بحث یہ ہے کہ آیا وہ سورہ فاتحہ کا جز ہے یا نہیں تیسری بحث یہ ہے کہ سورتوں کے اوائل میں جو ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ لکھی ہے وہ ان سورتوں کا جز ہے یا نہیں۔ چوتھی بحث یہ ہے کہ نماز میں بسم اللہ پڑھی جائے یا نہیں چھٹی بحث یہ ہے کہ بسم اللہ کو جہر اُپڑھا جائے یا آہستہ اور ساتویں بحث میں بسم اللہ کے احکام شرعیہ اور مسائل ہیں اور آٹھویں بحث میں بسم اللہ کے فوائد اور حکمتیں ہیں۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کے آیت قرآن ہونے کی تحقیق

علامہ ابو بکر رازی لکھتے ہیں:

مسلمانوں کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سورہ نمل کی یہ آیت ”إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٍ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ“ (نمل: ۳۰) قرآن کریم کا جز ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ ”اقرا باسم ربك الذي خلق“ ہے۔ مسعودی نے حدیث کلبی سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے مکاتیب کی ابتداء میں ”باسمك اللهم“ لکھتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی: ”بِسْمِ اللَّهِ هَجْرًا وَمُرْسِيًا“ (حدود: ۲۱) تو آپ بسم اللہ لکھنے لگے پھر یہ آیت نازل ہوئی: ”قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَدْعُوا الرَّحْمَنَ“ (اسراء: ۱۱۰) تو آپ ”بسم اللہ الرحمن“ لکھنے لگے۔ ”سنن ابوداؤد“ میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کو اس وقت تک نہیں لکھا جب تک کہ سورہ نمل نازل نہیں ہوئی اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ حدیبیہ لکھوایا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: لکھو ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ تو سہیل نے کہا: ”باسمك اللهم“ لکھو کیونکہ ہمارے نزدیک الرحمن معروف نہیں ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پہلے قرآن مجید میں نہیں تھی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس

کو سورہ نمل میں نازل کیا (احکام القرآن ج ۱ ص ۸، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۰۰ھ)

”صحیح بخاری“ میں ہے: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ لکھوائی تو سہیل نے کہا: بہ خدا! میں نہیں جانتا کہ رحمن کیا چیز ہے لیکن آپ ”باسمک اللہم“ لکھیں جس طرح آپ پہلے لکھتے تھے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۹، مطبوعہ نور محمد اشعاع الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

ہر چند کہ سورہ نمل کی سورت ہے لیکن اس سے پہلے متعدد سورتیں نازل ہو چکی تھیں اگر ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ ہر سورت کے اوائل کا جز ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتنا ہی سے ”باسمک اللہم“ کی بجائے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ لکھتے ”لہذا“ سنن ابوداؤد“ کی مذکور الصدر حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سورہ نمل نازل ہونے سے پہلے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ قرآن مجید میں نہیں تھی اور نہ ہی اوائل سورہ قرآن کا جز تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم کے سورہ فاتحہ کے جز نہ ہونے کی تحقیق اور مذاہب اربعہ

علامہ ابوبکر رازی حنفی لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سورہ فاتحہ کا جز ہے یا نہیں قراء کوفیہ نے اس کو سورہ فاتحہ کی ایک آیت قرار دیا ہے اور قراء بصریہ نے اس کو سورہ فاتحہ کی آیات سے شمار نہیں کیا ہمارے اصحاب (فقہاء احناف) سے یہ تصریح منقول نہیں ہے کہ یہ سورہ فاتحہ کی آیت ہے البتہ ہمارے شیخ ابوالحسن کرخی نے فقہاء احناف کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ بسم اللہ کو نماز میں جہراً نہیں پڑھا جائے گا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ فقہاء احناف کے نزدیک بسم اللہ سورہ فاتحہ کی ایک آیت نہیں ہے ورنہ اس کو بھی جہراً پڑھا جاتا جیسے سورہ فاتحہ کی باقی آیات کو جہراً پڑھا جاتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بسم اللہ سورہ فاتحہ کی ایک آیت ہے۔

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے اور میرے بندے کے درمیان صلوة (سورہ فاتحہ) کو نصف نصف تقسیم کر دیا گیا ہے نصف میرے لیے ہے اور نصف میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرے پس جب بندہ کہتا ہے: ”الحمد لله رب العلمین“ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بندہ نے میری حمد کی اور جب بندہ کہتا ہے: ”الرحمن الرحیم“ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بندہ نے میری تعظیم کی یا میری شاک کی اور جب بندہ کہتا ہے کہ ”مالک يوم الدين“ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بندہ نے خود کو میرے سپرد کر دیا اور جب بندہ کہتا ہے: ”ایک سجد و ایک استعین“ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرے پھر میرا بندہ کہتا ہے: ”اهدنا الصراط المستقیم“ اخیر سورت تک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۸-۹، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۰۰ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۰-۱۶۹، مطبوعہ نور محمد اشعاع الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اگر بسم اللہ سورہ فاتحہ کا جز ہوتی تو سورہ فاتحہ کی آیات میں اس کا بھی ذکر اس حدیث میں ہوتا اور جب آپ نے سورہ فاتحہ کی آیات میں بسم اللہ کا ذکر نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ بسم اللہ سورہ فاتحہ کی آیت اور جز نہیں ہے۔

”شرح صحیح مسلم“ جلد اول میں ہم نے اس کے مزید دلائل ذکر کئے ہیں اور علماء شافعیہ نے ان دلائل کے جو جوابات دیئے ہیں ان پر بحث کی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سورہ فاتحہ کی جز نہیں

ہے اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک سورہ فاتحہ کی جز ہے۔

اوائل سور میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ان سورتوں کے جز نہ ہونے کی تحقیق اور مذاہب اربعہ علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

اوائل سور میں بسم اللہ قرآن کا جز ہے کیونکہ امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سوئے ہوئے تھے پھر آپ نے سکر اتے ہوئے سر اٹھایا ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کس بات پر نہیں رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھ پر ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے پھر آپ نے تلاوت کی: "بسم اللہ الرحمن الرحیم" اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (۱) (لاور)

(شرح مسلم ج ۱ ص ۱۷۲ مطبوعہ نور محمد ریح الطالح کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ کوثر سے پہلے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کو تبرکاً پڑھا ہے سورہ کوثر کی آیت ہونے کے لحاظ سے نہیں پڑھا کیونکہ اگر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" ہر سورت کی ابتداء میں اس کا جز ہوتی تو آپ پر سب سے پہلے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" نازل ہوتی حالانکہ صحیح بخاری اور دیگر کتب صحاح میں یہ تصریح ہے کہ آپ پر سب سے پہلے "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ" (العلق: ۱) نازل ہوئی ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے کہ آپ پر سب سے پہلے یہی آیت نازل ہوئی ہے۔

علامہ ابن العربی مالکی لکھتے ہیں:

اس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ سورہ نمل میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کتاب اللہ کی آیت ہے اور ہر سورت کی ابتداء میں اس کے آیت ہونے میں اختلاف ہے امام مالک اور امام ابو حنیفہ یہ کہتے ہیں کہ ہر سورت کی ابتداء میں یہ آیت نہیں ہے اس کو اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں سے سورت شروع ہوئی ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۵ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ ابوالحسن مردادی حنبلی لکھتے ہیں:

اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ سورہ فاتحہ کے سوا ہر سورت کے اول میں بسم اللہ اس سورت کا جز نہیں ہے علامہ زرکشی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (انصاف ج ۲ ص ۸۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۲ھ)

غالباً علامہ مردادی کو اس مسئلہ میں امام شافعی کے اختلاف کا علم نہیں ہے۔

علامہ ابوبکر رازی حنفی لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ آیا اوائل سور میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" ان سورتوں کی ایک آیت ہے یا نہیں؟ ہمارے نزدیک ہر سورت کے اول میں جو "بسم اللہ الرحمن الرحیم" ہے وہ اس سورت کی آیت نہیں ہے کیونکہ اس سورت کے ساتھ بسم اللہ کو جبراً نہیں پڑھا جاتا نیز جب یہ سورہ فاتحہ کی جز نہیں ہے تو اسی طرح باقی سورتوں کی بھی جز نہیں ہے کیونکہ یہ کسی کا قول نہیں ہے کہ یہ سورہ فاتحہ کی جز نہیں ہے اور باقی سورتوں کی جز ہے اور امام شافعی کا یہ قول ہے کہ ہر سورت سے پہلے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" اس سورت کی ایک آیت ہے اور ان سے پہلے یہ قول کسی نے نہیں کیا۔ اس سے پہلے صرف یہ اختلاف تھا کہ یہ سورہ فاتحہ کی جز ہے یا نہیں۔ اوائل سور سے پہلے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے جز نہ ہونے کے یہ دلائل ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے پوچھا اس کا کیا سبب ہے کہ آپ نے سورہ توبہ اور سورہ انفال کو سات بڑی سورتوں میں رکھا ہے اور آپ نے ان دو سورتوں کے درمیان "بسم اللہ الرحمن الرحیم" نہیں لکھی؟ حضرت عثمان نے کہا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی آیات نازل ہوتیں تو آپ اسی لکھنے والے کو بتاتے اور فرماتے: اس آیت کو فلاں سورت میں رکھو اور جب آپ پر ایک یا دو آیتیں نازل ہوتیں تب بھی آپ اسی طرح فرماتے سورہ انفال اس وقت نازل ہوئی جب آپ شروع شروع میں آئے تھے اور سورہ توبہ قرآن کی آخری سورتوں میں سے ہے اور سورہ انفال کا مضمون سورہ توبہ کے مضمون کے مشابہ تھا تو میں نے یہ گمان کیا کہ یہ اس کے ساتھ لاحق ہے اس لیے میں نے ان دونوں کو سات بڑی سورتوں میں رکھا اور ان کے درمیان "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کی سطر نہیں لکھی۔ اس حدیث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ تصریح کی ہے کہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کسی سورت کا جز نہیں ہے اور وہ سورت سے پہلے بسم اللہ کو صرف دو سورتوں کے درمیان فصل کے لیے لکھتے تھے نیز اگر ہر سورت سے پہلے بسم اللہ اس سورت کا جز ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے ہر شخص کو اس کا علم ہوتا جیسا کہ دوسری آیات کا سب کو بغیر کسی نزاع کے علم ہے۔ دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن میں ایک سورت کی تیس آیتیں ہیں جو اپنے پڑھنے والے کی شفاعت کرتی رہے گی حتیٰ کہ اس کی مغفرت کر دی جائے گی (وہ سورت ہے) "تبارک الذی بیدہ المملک" اور تمام قراء وغیرہ کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ "تبارک الذی" میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے علاوہ تیس آیتیں ہیں اگر بسم اللہ اس سورت کا جز ہو تو اس سورت کی اکتیس آیتیں بن جائیں گی اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے خلاف ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ تمام قراء اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ کوثر کی تین اور سورہ اخلاص کی چار آیتیں ہیں اگر بسم اللہ کو ان سورتوں کا جز مانا جائے تو پھر ان کی آیتوں کی تعداد چار اور پانچ ہو جائے گی اور یہ ان کے اتفاق کے خلاف ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۱۱۹ ملخصاً مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

نماز میں بسم اللہ پڑھنے کے متعلق مذاہب اربعہ

علامہ ابو بکر رازی صلی لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ امام محمد امام زفر اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ نماز میں "اعوذ باللہ" کے بعد سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھی جائے یا نہیں اسی طرح سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے یا نہیں۔ امام ابو یوسف نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے کہ ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک (ضم) سورت سے پہلے دوبارہ بسم اللہ نہ پڑھے اور امام محمد اور حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے یہ روایت کیا ہے کہ جب پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے بسم اللہ پڑھ لی ہے تو اب اس نماز میں سلام پھیرنے تک اس پر بسم اللہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے اور اگر اس نے ہر سورت کے ساتھ بسم اللہ پڑھ لی تو مستحسن ہے۔ حسن بن زیاد نے کہا: اگر وہ مسبوق ہے تو اس کی پہلی رکعت میں اس پر بسم اللہ پڑھنا ضروری نہیں ہے کیونکہ امام پہلی رکعت میں بسم اللہ پڑھ چکا ہے اور امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔

امام مالک بن انس نے یہ کہا ہے کہ فرض نماز میں بسم اللہ کو آہستہ پڑھنے نہ بلند آواز سے اور نفل میں اس کو اختیار ہے اگر

چاہے تو پڑھے اور اگر چاہے تو ترک کر دے اور ہمارے نزدیک تمام نمازوں میں بسم اللہ پڑھے کیونکہ حضرت ام سلمہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پڑھتے تھے: "بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العلمین" اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہم کی اقتداء میں نمازیں پڑھیں وہ پست آواز سے بسم اللہ پڑھتے تھے اور بعض روایات میں ہے کہ وہ جہراً بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۳۱، ۱۳۲ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

امام شافعی کے نزدیک چونکہ ہر سورت کے اول میں بسم اللہ اس سورت کا جز ہے اس لیے ان کے نزدیک ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے گی اور امام احمد کے نزدیک بسم اللہ صرف سورہ فاتحہ کا جز ہے اس لیے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے گی اور سورت سے پہلے نہیں پڑھی جائے گی۔
نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو آہستہ سے پڑھنے کی تحقیق اور مذاہب اربعہ

علامہ ابوبکر رازی حنفی لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب (احناف) اور ثوری نے یہ کہا ہے کہ نماز میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کو آہستہ پڑھا جائے اور امام شافعی نے کہا ہے کہ بسم اللہ کو نماز میں جہراً پڑھئے یہ اختلاف اس وقت ہے جب امام نماز میں جہراً قراءت کرے اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بہت اختلاف ہے عمر بن ذر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے بلند آواز سے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھی حماد نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بسم اللہ کو آہستہ پڑھتے تھے پھر سورہ فاتحہ جہر سے پڑھتے تھے حضرت انس سے بھی اسی طرح مروی ہے ابراہیم نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب "بسم اللہ الرحمن الرحیم" آہستہ پڑھتے تھے جہر سے نہیں پڑھتے تھے اور حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" آہستہ پڑھتے تھے اسی طرح حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور مغیرہ نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ نماز میں بسم اللہ کو جہر سے پڑھنا بدعت ہے امام ابو حنیفہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نماز میں بسم اللہ کو جہر سے پڑھنا اعرابیوں (بدوؤں) کا طریقہ ہے اسی طرح عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ابو داکل بیاں کرتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی نماز میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کو جہر سے پڑھتے تھے نہ "اعود ماللہ" کو نہ آمین کو اور حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نماز میں بسم اللہ کو آہستہ سے پڑھتے تھے اور حضرت عبداللہ بن مغفل جہر سے بسم اللہ پڑھنے کو بدعت کہتے تھے۔ (جامع ترمذی ص ۶۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو "اللہ اکبر" اور "الحمد للہ رب العلمین" کی قراءت سے شروع کرتے تھے اور سلام سے ختم کرتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فرض نماز میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کو جہراً نہیں پڑھا نہ حضرت ابوبکرؓ نے نہ حضرت عمرؓ نے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۱۶۱-۱۶۲ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

علامہ ابوالحسن مرداوی حنبلی لکھتے ہیں:

بسم اللہ کو نماز میں جہراً نہ پڑھا جائے خواہ ہم اس کو سورہ فاتحہ کا جز کہیں یا نہ کہیں یہی صحیح قول ہے مجد نے اپنی شرح میں اس کی تصحیح کی ہے اور انہوں نے لکھا ہے کہ ترک جہر کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے خواہ ہمارے نزدیک یہ سورہ فاتحہ کا جز

ہے ابن حمدان ابن نعیم ابن جوزی اور زکشی وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے اور اس قول کو مقدم رکھا ہے اور یہی جمہور کا موقف ہے۔

ابن عابد اور ابو الخطاب نے ایک روایت جہر کی بیان کی ہے نہ شرطیکہ بسم اللہ کو سورہ فاتحہ کا جز کہا جائے ابن عقیل نے بھی اس کا ذکر کیا ایک قول یہ ہے کہ مدینہ میں جہر کیا جائے اور ایک قول یہ ہے کہ نفل میں جہر کیا جائے اور شیخ تقی الدین کا مختار یہ ہے کہ ”بسم اللہ“ اعوذ باللہ اور سورہ فاتحہ کو نماز جنازہ وغیرہ میں کبھی کبھی جہر سے پڑھا جائے۔

(انصاف ج ۲ ص ۳۹-۳۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۲ھ)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

سنت یہ ہے کہ جہری نماز میں سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کی سورت سے پہلے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کو جہراً پڑھا جائے۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۳۳۸ مطبوعہ دار محمد صالح الطائی کراچی ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

امام مالک نے فرض نماز میں بسم اللہ پڑھنے سے منع کیا ہے خواہ جہری نماز ہو یا سری سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھے نہ

اس کے بعد والی سورت سے پہلے اور نفل نماز میں جائز کہا ہے۔ (بدایۃ المجد ج ۱ ص ۸۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک جہری نماز میں سورہ فاتحہ اور بعد کی سورت سے پہلے بسم اللہ کو جہراً پڑھے اور امام

ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک جہری نماز میں سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ کو آہستہ پڑھے اور امام مالک کے نزدیک فرض نماز میں

مطلقاً بسم اللہ نہ پڑھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم کے احکام شرعیہ اور مسائل

علامہ سید احمد طحاوی ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کے احکام شرعیہ کے بیان میں لکھتے ہیں:

(۱) ذبح کرتے وقت شکار کی طرف تیر پھینکتے وقت اور شکاری کتا چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔ ”البحر الرائق“ میں

لکھا ہے کہ بسم اللہ کہنا ضروری نہیں ہے صرف اللہ کا نام لینا شرط ہے اور بعض کتابوں میں ہے ”الرحمن الرحیم“ نہ

کہے (صرف بسم اللہ کہے) کیونکہ ذبح کے وقت رحمت کا ذکر من سب نہیں ہے۔

(۲) ”قنیه“ میں لکھا ہے کہ ہر رکعت میں ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھنا واجب ہے اور اس کے ترک سے مجتہد ہو

کرنا لازم ہے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔

(۳) وضو کی ابتداء میں ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھنا سنت ہے استنجاء سے پہلے اور بعد بھی لیکن حالت استنجاء اور محل

نجاست میں نہ پڑھے۔ اگر وضو کے شروع میں ”بسم اللہ“ پڑھنا بھول گیا تو دوران وضو جب بھی یاد آئے بسم اللہ

پڑھ لے وضو کے اول میں ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھنا سنت ہے اور درمیان میں پڑھنا مستحب ہے۔

(۴) کھانے کی ابتداء میں ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھنا سنت ہے اگر بھول گیا تو درمیان میں پڑھنا بھی سنت ہے

اور درمیان میں یوں پڑھے: ”بسم اللہ اولہ و آخرہ“۔

(۵) سورہ فاتحہ کے بعد دوسری سورت پہلے بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے خواہ نماز سری ہو یا جہری۔

(۶) کسی کتاب کے شروع میں اور ہر نیپ اور اہم کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔

(۷) قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے ”اعوذ باللہ“ کے بعد ”بسم اللہ“ پڑھنا مستحب ہے۔

(۸) مشتبہ پیز کھاتے وقت ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھنا مکروہ ہے، جمہور کے نزدیک تمباکو نوشی کے وقت بھی ”بسم اللہ“ پڑھنا مکروہ ہے۔

(۹) سورہ انفال کے بعد سورہ توبہ سے پہلے ”بسم اللہ“ پڑھنا مکروہ ہے اگر سورہ توبہ سے ہی پڑھنا شروع کیا ہے تو پھر بعض مشائخ کے نزدیک ”بسم اللہ“ مکروہ نہیں ہے۔

(۱۰) انھنے، بیٹھنے، چلنے پھرنے اور دیگر کاموں کے وقت، ”بسم اللہ“ پڑھنا مباح ہے۔

(۱۱) ”خلاصۃ الفتاویٰ“ میں مذکور ہے: اگر کسی شخص نے شراب پیتے وقت یا حرام کھاتے وقت یزنا کرتے وقت، ”بسم اللہ“ پڑھی تو وہ کافر ہو جائے گا، یہاں حرام سے مراد حرام قطعی ہے، کیونکہ کسی کام کے شروع میں اللہ تعالیٰ سے استعانت اور برکت حاصل کرنے کے لیے ”بسم اللہ“ پڑھی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے مدد اسی کام میں حاصل کی جائے گی جس کام کو اس نے جائز کیا ہو اور اس پر وہ راضی ہو اس لیے کسی حرام کام پر ”بسم اللہ“ پڑھنا اسکو حلال قرار دینے سے مترادف ہے اور حرام کو حلال قرار دینا کفر ہے۔

(۱۲) جنبی اور حائض کے لیے بطور قرآن ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھنا حرام ہے البتہ بطور ذکر اور برکت حاصل کرنے کے لیے پڑھنا جائز ہے۔ (حاشیہ الطحاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۶-۵ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسماء لکھنے اور پڑھنے کے آداب

علامہ سید احمد طحاوی لکھتے ہیں:

”فصول“ میں مذکور ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام سنے اس پر اللہ کی تعظیم کرنا واجب ہے مثلاً ”عروج حل معجده“ یا ”تبارک وتعالیٰ“ کہے اور جنس کتبوں میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا نام لکھے تو اس کے ساتھ کوئی تعظیسی کلمہ مثلاً عز وجل لکھے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی حفاظت کرے اور بار بار پڑھنے سے نہ اکتائے اگر اصل کتاب میں صلوٰۃ و سلام نہ ہو تو خود زبان سے پڑھے اسی طرح صحابہ کرام کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہ اور علماء کے اسماء کے ساتھ رحمہ اللہ لکھے اور پڑھے اور صرف صلوٰۃ و سلام پر اختصار کرنا مکروہ ہے ملا مسکین نے لکھا ہے: یہ مکروہ نہیں ہے لیکن ان کی مراد یہ ہے کہ یہ مکروہ تحریمی نہیں ہے مکروہ تنزیہی بہر حال ہے اسی طرح لکھتے وقت رزق اور اشارہ سے صلوٰۃ و سلام اور رضی اللہ عنہ لکھنا (مثلاً ص یا صلعم یا رحمہ) مکروہ ہے مکمل ”علیہ الصلوٰۃ والسلام“ اور ”رضی اللہ عنہ“ لکھنے تا تاریخانیہ کے بعض مقامات پر لکھا ہے کہ جس نے علیہ السلام کو ہمزہ اور میم کے ساتھ لکھ وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ یہ تخفیف ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تخفیف کفر ہے تاہم یہ کفر اس وقت ہوگا جب کوئی شخص تخفیف کے قصد سے ایسا کرے گا بہر حال اس سے احتیاط لازم ہے۔ (حاشیہ الطحاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۵ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم کے فوائد اور حکمتیں

(۱) علامہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنی کو مقدم کر کے ہمیں یہ ادب سکھایا ہے کہ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے تمام اقوال و افعال اور مہمات کو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی سے شروع کیا کریں۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۸ مطبوعہ مطبعہ امیر یہ کبریٰ بواقی مصر ۱۳۲۳ھ)

(۲) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ کھانے، پینے، ذبح کرنے، جماع کرنے، وضو کرنے، کشتی میں سوار ہونے، غرض ہر (شیخ) کام سے پہلے ”بسم اللہ“ پڑھنا مستحب ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَكُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا كَانَ ثَمَرُ الشَّجَرِ عَلَيْهِ (النعام ۱۱۸)
 وَقَالَ أَذْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَكِينًا وَمَرْسَلًا
 تو اس (ذبیحہ) سے کھاؤ، جس پر اللہ کا نام آیا گیا ہو۔
 اور نوح نے کہا، اس کشتی میں سوار ہو جاؤ اس کا چلنا اور
 (صودہ: ۳۱) رکنا اللہ کے نام سے ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دروازہ بند کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھو چرخ گل کرنے ہوئے بسم اللہ پڑھو برتن ڈھانتے ہوئے بسم اللہ پڑھو اور مشک کا منہ بند کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھو اور فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص عمل تزویج کے وقت کہے: بسم اللہ! اسے اللہ! ہم کو شیطان سے محفوظ رکھ اور جو (اولاد) ہم کو عطا کرے اس کو بھی شیطان سے محفوظ رکھ تو اگر اس عمل میں ان کے لیے اولاد مقدر کی جائے گی تو اس کو شیطان کبھی ضرر نہیں پہنچا سکے گا اور آپ نے عمر بن ابی سلمہ سے فرمایا: اے بیٹے! بسم اللہ پڑھو اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ اور آپ نے فرمایا: شیطان ہر کھانے کو حلال کر لیتا ہے ماسوا اس کھانے کے جس پر بسم اللہ پڑھی گئی ہو حضرت عثمان بن ابی العاص نے آپ سے شکایت کی کہ جب سے وہ اسامہؓ آئے ہیں ان کے جسم میں درد رہتا ہے آپ نے فرمایا: تین بار بسم اللہ پڑھو اور سات بار یہ پڑھو اَعُوذُ بِاللّٰهِ وَقُلُوتِهِ مِنْ شَرِّ مَا اَجَلَ وَاَحْذَرُ یہ تمام احادیث صحیح ہیں اور امام ابن ماجہ اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ہو آدم بیت الخلاء میں داخل ہوں تو ان کی شرم گاہوں اور شیاطین کے درمیان بسم اللہ حجاب ہے اور امام دارقطنی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تو پہلے بسم اللہ پڑھتے پھر اپنے ہاتھوں پر پانی ڈالتے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۹۸-۹۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

(۳) ہر نیک اور صحیح کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی انسان کو عادت پڑ جائے تو پھر اس کا برے کاموں سے باز رہنا زیادہ متوقع ہوگا کیونکہ اگر وہ کسی وقت خواہش نفس سے مغلوب ہو کر برائی میں ہاتھ ڈالے گا تو عادت اس کے منہ سے بسم اللہ نکلے گی اور پھر اس کا ضمیر اس کو سرزنش کرے گا۔

(۴) انسان اسی کا نام بار بار بیٹتا ہے جس سے اس کو محبت ہوتی ہے اس لیے جو انسان ہر صحیح کام کے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے یہ اس کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی دلیل ہے۔

(۵) علامہ قرطبی لکھتے ہیں: سعید بن ابی سیکنہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی نے ایک شخص کو ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ لکھتے دیکھا تو فرمایا: اس کو خوبصورت لکھو کیونکہ ایک شخص نے بسم اللہ کو خوبصورت لکھا تو اس کو بخش دیا گیا۔

(۶) سعید بن ابی سیکنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے کاغذ کو دیکھا اس میں ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ لکھی ہوئی تھی اس نے اس کو اٹھا کر بوسہ دیا اور اس کو اپنی آنکھوں پر رکھا تو اس کی بخش دیا گیا۔

(۷) بشر حافی پہلے ایک ڈاکو تھے انہوں نے راستہ میں ایک کاغذ دیکھا جو لوگوں کے پیروں تلے آرہا تھا انہوں نے اس کاغذ کو اٹھایا تو اس میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا تھا انہوں نے بہت قیمتی خوشبو خریدی اور اس کاغذ پر وہ خوشبو لگائی اور اس کو حفاظت کے ساتھ رکھ دیا رات کو خواب میں انہوں نے سنا کوئی کہہ رہا تھا اے بشر! تم نے میرے نام کو خوشبو میں رکھا ہے میں تم کو دنیا اور آخرت میں خوشبودار رکھوں گا۔ اس کے بعد انہوں نے توبہ کی اور ولی کامل بن گئے۔

(۸) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کے انیس فرشتوں سے نجات دے وہ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھے تاکہ اللہ تعالیٰ بسم اللہ کے ہر حرف کے بدلہ اس کو جہنم کے ایک فرشتے سے محفوظ رکھے کیونکہ بسم اللہ کے انیس حرف ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۹۲-۹۱ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

(۹) امام رازی لکھتے ہیں: روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی انگلی کی اور فرمایا: اس میں ”لا الہ الا اللہ“ لکھواؤ! حضرت ابو بکر نے تلاش سے کہا: اس میں ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ لکھ دو! جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ انگلی پیش کی تو اس میں لکھا ہوا تھا: ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابو بکر صدیق“ آپ نے پوچھا: اے ابو بکر! یہ زائد (کیسے لکھا ہوا ہے؟) حضرت ابو بکر نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے آپ کے نام کو اللہ تعالیٰ کے نام سے جدا کرنا پسند نہیں کیا اور باقی میں نے نہیں لکھوایا اور حضرت ابو بکر اس پر شرمندہ تھے تب جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: یا رسول اللہ! ابو بکر کا نام میں نے لکھا ہے کیونکہ جب ابو بکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو اللہ عزوجل کے نام سے جدا کرنے پر راضی نہ تھے تو اللہ تعالیٰ ابو بکر کے نام کو آپ کے نام سے جدا کرنے پر راضی نہ تھا اور اس میں سے نکتہ یہ ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی وجہ سے آپ کے فراق کو گوارا نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کی عنایات کا مرکز بن جاتا ہے تو جو اللہ تعالیٰ سے محبت کی وجہ سے اس کے نام سے فراق نہ گوارا کرے اور ہر کام کے ساتھ اللہ کا نام لے وہ کب اللہ تعالیٰ کی عنایات سے محروم ہوگا!

(۱۰) حضرت نوح علیہ السلام نے ”بسم اللہ معروھا و مرسھا“ کہا تو طوفان سے نجات پائی حالانکہ بسم اللہ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کا نصف ہے تو جب ایک بار نصف بسم اللہ کے پڑھنے سے طوفان سے نجات مل گئی تو جو شخص ساری عمر بسم اللہ پڑھتا رہے وہ نجات سے کیسے محروم ہوگا!

(۱۱) قیصر روم نے حضرت عمر کی طرف لکھا کہ اس کے سر میں درد رہتا ہے جس سے افاقہ نہیں ہوتا میرے لیے کوئی دوا بھیج دیجئے! حضرت عمر نے اس کے پاس ایک ٹوپی بھیجی وہ اس ٹوپی کو پہن بیٹا تو آرام آ جاتا اور اس ٹوپی کو اتار دیتا تو پھر سر میں درد شروع ہو جاتا وہ حیران ہوا اور ایک دن اس نے ٹوپی کو کھول کر دیکھا تو اس میں ایک کاغذ تھا جس میں لکھا ہوا تھا: ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“۔

(۱۲) بعض کفار نے حضرت خالد بن ولید سے کہا: آپ ہمیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں! آپ ہمیں اسام کی صداقت پر کوئی نشان دکھائیے تاکہ ہم بھی اسام لے آئیں! حضرت خالد نے زہر منگایا اور ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھ کر کھایا اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے صحیح سالم کھڑے رہے! مجوس نے کہا: واقعی یہ دین حق ہے۔

(۱۳) حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ایک قبر کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ عذاب کے فرشتے ایک مردہ کو عذاب دے رہے ہیں! جب اپنے کام سے واپس لوٹے تو اس قبر میں رحمت کے فرشتوں کو دیکھا جن کے پاس نور کے طباق تھے! حضرت عیسیٰ کو اس سے تعجب ہوا! انہوں نے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اے عیسیٰ! یہ شخص گنہگار تھا اور جب یہ مرا تو عذاب میں مبتلا ہو گیا! مرتے وقت اس کی بیوی حاملہ تھی! اس کے بچہ ہوا! اس نے اس کو پالا حتیٰ کہ وہ بڑا ہو گیا! اس نے اس کو مکتب میں داخل کیا! وہاں اس کو معلم نے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ (ان کی زبان میں) پڑھائی تو مجھے حیا آئی کہ جو بچہ زمین کے اوپر میرا نام لے رہا ہے! اس کے باپ کو میں زمین کے نیچے عذاب میں مبتلا رکھوں!

(۱۴) سورہ توبہ میں قال کا ذکر ہے لہذا اس سے پہلے بسم اللہ نہیں لکھی گئی اور ذبح سے پہلے ”بسم اللہ“ اللہ اکبر“ کہا جاتا ہے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ نہیں کہا جاتا کیونکہ ذبح کے وقت رحمت کا ذکر مناسب نہیں ہے تو جو شخص ہر روز سترہ مرتبہ فرض نمازوں میں ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھے گا وہ کب عذاب میں مبتلا ہوگا۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۸۹-۸۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمام تر نفیس اللہ ہی کے لائق ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے O (انقرضی ۱)
حمد کے لغوی اور اصلاحی معانی

علامہ جوہری لکھتے ہیں:

حمد ذم کی نقیض ہے 'تحمید' حمد سے زیادہ بلند ہے اور حمد شکر سے زیادہ عام ہے جس شخص میں بہ کثرت خصال محمودہ ہوں اس کو حمد کہتے ہیں۔ (الصحاح ج ۲ ص ۲۶۶ مطبوعہ دارالعلم بیروت ۱۴۰۳ھ)

علامہ فیروز آبادی لکھتے ہیں:

حمد کا معنی ہے: 'شکر' رضا، جزاء اور حق کو ادا کرنا، تحمید کے معنی ہیں: اللہ کی بار بار حمد کرنا اور حمد کے معنی ہیں: جس کی بار بار حمد کی گئی ہو۔ (تاسوس ج ۱ ص ۵۶۳ ۵۶۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

حمد مذمت کی نقیض ہے، ثعلب نے کہا: حمد کا تعلق نعمت اور غیر نعمت دونوں سے ہے اور شکر کا تعلق صرف نعمت سے ہے لہذا ان میں کوئی فرق نہیں ہے انفس نے کہا: "الحمد لله" کا معنی ہے: "الشکر لله" اور کہا: "الحمد لله" اللہ کی ثناء اور اس کی تعریف ہے ازہری نے کہا: شکر صرف اس ثناء کو کہتے ہیں جو نعمت پر کی جاتی ہے اور حمد بعض اوقات کسی کام کے شکر کو کہتے ہیں اور کبھی ابتداء نعمت کے بغیر کسی شخص کی ثناء کو حمد کہتے ہیں سو اللہ کی حمد اس کی ثناء ہے اور اس کی ان نعمتوں کا شکر ہے جو سب کو محیط ہیں اور حمد شکر سے عام ہے۔

(لسان العرب ج ۳ ص ۱۵۵ مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

حمد اور شکر متقارب ہیں اور ان میں حمد زیادہ عام ہے کیونکہ تم انسان کی صفات ذاتیہ اور اس کی عطاء پر اس کی حمد (تعریف) کرتے ہو اور اس کی صفات ذاتیہ پر اس کا شکر نہیں ادا کرتے (مثلاً کسی کی سخاوت کی تعریف کرنا شکر ہے اور اس کے حسن کی تعریف کرنا شکر نہیں حمد ہے) حدیث میں ہے: حمد رئیس شکر ہے جس شخص نے اللہ کی حمد نہیں کی اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا، حمد شکر کی رئیس اس لیے ہے کہ اس میں نعمت کا اظہار اور اس کو مشہور کرنا ہے اور حمد شکر سے عام ہے۔

(نہایہ ج ۱ ص ۴۳۷-۴۳۶ مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعاتی ایران ۱۳۶۳ھ)

علامہ میر سید شریف حمد پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حمد: کسی خوبی کی بطور تعظیم ثناء کرنا خواہ کسی نعمت کی وجہ سے ہو یا اس کے بغیر۔

حمد قولی: زبان سے اللہ تعالیٰ کی وہ تعریف کرنا جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی زبانوں کے ذریعہ خود اپنی تعریف فرمائی ہے۔

حمد فعلی: اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے بدن سے نیک اعمال کرنا۔

حمد حالی: روح اور قلب کے اعتبار سے ثناء کرنا مثلاً علمی اور عملی کمالات سے متصف ہونا اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہونا۔

حمد عرفی: منعم کے انعام کی وجہ سے کوئی ایسا فعل کرنا جس سے اس کی تعظیم ظاہر ہو عام ازیں کہ زبان سے ہو یا دیگر

اعضاء سے۔ (کتاب تعریفات ص ۳۲-۳۱ مطبوعہ المطبوعہ الخیرہ مصر ۱۳۰۶ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز کی غیر اختیاری خوبی پر اس کی تعریف کرنا مدح ہے مثلاً یا قوت اور سوت کی خوبصورتی پر تعریف کرنا اور کسی شخص کے انعام اور احسان پر اس کی تعظیم مثلاً کرنا شکر ہے اور کسی کی اختیاری خوبی پر اس کی تعظیم تعریف کرنا خواہ اس نے کوئی نعمت دی ہو یا نہ دی ہو یہ حمد ہے۔ کائنات کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے کہ جس کو اللہ نے کوئی نہ کوئی نعمت نہ دی ہو اس لیے اللہ تعالیٰ کی ہر شے اور ہر تعریف اس کا شکر ہے اور اس کی ہر حمد شکر کے ضمن میں ہے۔
تمام تعریفوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے اتخاق پر دلیل

”الحمد لله“ میں الف لام یا استغراق کے لیے ہے یا جنس کے لیے ہے اگر یہ لام استغراق ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ ہر حامد کی ہر زمانہ میں ہر حمد اللہ کا حق ہے اور اس کے ساتھ خاص ہے اور اگر لام جنس کا ہو تو معنی یہ ہے کہ حمد کی ماہیت اور حقیقت اللہ کا حق اور اس کی ملک ہے اور یہ اس کے منافی ہے کہ حمد کا کوئی فرد اللہ کے غیر کے لیے ثابت ہو تو ہر دو طریقوں سے یہ معلوم ہوا کہ حمد صرف اللہ کا حق ہے کسی اور کا حق نہیں ہے کیونکہ تعریف کسی حسن اور کمال کی ہوتی ہے اور تمام محاسن اور کمالات کا مبداء اللہ تعالیٰ ہے تو ثابت ہوا کہ تمام تعریفات کا مستحق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ ”لله“ میں لام یا اختصاص لائق کے لیے ہے یا ملک کے لیے ہے پہلی صورت میں معنی یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں کیونکہ ہر چیز کو اس نے پیدا کیا ہے اور ہر چیز اس کے فضل اور احسان سے معمور ہے دوسری صورت میں معنی یہ ہے کہ تمام تعریفوں کا اللہ ہی مالک ہے کیونکہ ہر چیز ہر حال میں اللہ کی مملوک ہے تو جس حال میں وہ حمد کرتے ہیں اس حال میں بھی وہ اللہ کی مملوک ہیں لہذا وہ حمد بھی اللہ کی مملوک ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بہ ظاہر کسی پھول کی خوشبو کی تعریف کر رہا ہے یا کسی عالم کے علم کی تعریف کر رہا ہے تو وہ درحقیقت اللہ ہی کی تعریف کر رہا ہے کیونکہ اس پھول میں خوشبو اور عالم میں علم کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لیے یہ تعریف درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے اور اسی ایک جملہ سے مخلوق پرستی کی جزکت جاتی ہے کیونکہ جو شخص سورج کی کسی نی کی یا کسی دیوی اور دیوتا کی پرستش کرتا ہے وہ ان میں کسی خوبی اور کمال کو دیکھ کر ان کی پرستش کرتا ہے حالانکہ وہ کمال اور حسن ان کا اپنا ذاتی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا اور اس کا عطا کردہ ہے اس لیے پرستش کا حق دار صاحب کمال نہیں ہے خالق کمال ہے۔

مخلوق کا شکر ادا کرنے سے پہلے خالق کا شکر ادا کیا جائے

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا محسن شکر یہ ادا کئے جانے کا مستحق نہیں ہے امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا

شکر ادا نہیں کرتا۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰۶ مطبوعہ مطبعہ نبوی پاکستان ۱۳۰۵ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر محسن اور ہر منعم کا شکر ادا کرنا چاہیے اور ہم اس سے منع نہیں کرتے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر نعمت درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ملتی ہے اس لیے کسی منعم کے انعام اور کسی محسن کے احسان پر اس کی تعریف کرنے اور اس کا شکر ادا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کی جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے کیونکہ ہر نعمت اور ہر احسان درحقیقت اللہ کی دی ہوئی نعمت اور اس کا احسان ہے مثلاً کسی بھوکے شخص کو بھوک سے بلبلائے دیکھ کر کوئی شخص اس کو کھانا کھلا دیتا ہے بہ ظاہر اس شخص کا احسان ہے لیکن غور کیجئے اگر اللہ کھانا ہی پیدا نہ کرتا تو وہ شخص بھوکے کو کیسے کھلاتا یا کھانا تو پیدا کیا تھا لیکن اس شخص کے پاس کھانا خریدنے کے لیے پیسے نہ ہوتے تو کہاں سے کھاتا کھانا بھی ہوتا اس کے حصول کے لیے پیسے بھی ہوتے لیکن اس کے دل میں بھوکے کو دیکھ کر رحم نہ پیدا ہوتا تو بھوکے کو کب کھلا سکتا تھا یہ سب کچھ ہوتا لیکن بھوکے آدمی میں کھانے کی صلاحیت نہ ہوتی مثلاً

اس کے منہ میں ناسور ہوتا یا اوپر کا ہنر اچھے ہنر سے پر ہٹھ جانے کی وجہ سے اس کا منہ بند ہو گیا ہوتا تو وہ بھوکے کو کب کھلا سکتا تھا؟ تو نعمت بھی اس نے پیدا کی نعمت کے حصول پر منعم کو قدرت بھی اس نے دی نعمت دینے کے لیے منعم میں رحم کا جذبہ بھی اس نے پیدا کیا اور نعمت سے فائدہ اٹھانے کی منعم علیہ میں صلاحیت بھی اس نے پیدا کی تو پھر حمد اور شکر کا کون مستحق ہو گا؟ اس لیے اولاً ہی کی حمد کی جائے اور اسی کا شکر ادا کیا جائے اب ہر اس کا کرم ہے کہ اس نے ظاہری وسائل اور اسباب کو بھی نظر انداز نہیں کیا اور اس ظاہری منعم اور محسن کا بھی شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کما حقہ حمد و ثنا سے مخلوق کا عاجز ہونا

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں لامحدود ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَحْضُرْ اَنْعَمَ اللّٰهُ لَا تُحْصُوْهَا (نحل: ۱۸) اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں گن نہ کو گے۔

تو جب ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گن نہیں سکتے تو ان کا شکر کیسے ادا کر سکتے ہیں؟ نیز اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق اور قدرت کے بغیر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں ہو سکتا اس لیے جب انسان کسی نعمت پر شکر ادا کرے تو اس شکر ادا کرنے کی توفیق اور قدرت پر بھی شکر ادا کرے پھر اس دوسرے شکر کی توفیق پر شکر ادا کرے اور یوں ساری عمر ختم ہونے کے باوجود اس کی کسی ایک نعمت کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ "تفسیر کبیر" میں منقول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہی عرض کیا کہ خدایا! میں تو تیری ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا کجا غیر متناہی نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد! جب تم نے یہ جان لیا کہ تم ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے عاجز ہو تو ہمارا شکر ادا ہو گیا بس تم اپنی قدرت اور طاقت کے مطابق ہمارا شکر ادا کرتے رہو!

ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ بندے اس کی حمد کرنے سے عاجز ہیں اور اس کی استطاعت نہیں رکھتے اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی حمد کی اور فرمایا: "الحمد لله رب العلمین" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کی نعمتوں کا عارف اور اس کی حمد و ثناء میں رطب اللسان رہنے والا کون ہو سکتا ہے اس کے باوجود آپ بارگاہ الہیہ میں عرض کرتے ہیں: "لَا احصى ثناء عليك انت كما اثبت على نفسي" میں تیری ایسی شان نہیں کر سکا جیسی شاتو خود اپنی کرتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۲ مطبوعہ نور محمد، صبح الطلوع، کراچی ۷۵ء ۱۳۷۵ھ)

اللہ کی حمد کرنے کے احوال اور اوقات

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا کام کی ابتدا "الحمد لله" سے نہیں کی جائے گی وہ ناتمام رہے گا۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۰۹ مطبوعہ مطبعہ نبوی پاکستان، لاہور ۱۳۰۵ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مہتمم باشن کام کی ابتدا "الحمد لله" سے نہیں کی گئی وہ ناتمام رہے گا۔ (سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۳۶ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کا کیسا نصیب رکھا ہے اس کو اگر بھلائی پہنچتی ہے تو اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اس کو

معصیت پہنچتی ہے تو اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور صبر کرتا ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۲-۱۷۷-۱۷۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ایک بندہ کا بچہ فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے: تم نے میرے بندہ کا بچہ اٹھالیا؟ وہ کہتے ہیں: ہاں اللہ فرماتا ہے: تم نے اس کے دل کا ٹکڑا اٹھ لیا؟ وہ کہتے ہیں: ہاں اللہ فرماتا ہے: میرے بندہ نے کیا کیا؟ وہ کہتے ہیں: تیری حمد کی اور "ان للہ واما الیہ راجعون" پڑھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اس کا نام بیت الحمد رکھ دو

(جامع ترمذی ص ۱۶۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۵۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کھاتے پیتے تو دعا کرنے: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم کو کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا۔ (جامع ترمذی ص ۲۹۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کھانا کھا کر کہا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور مجھ کو بغیر کوشش اور طاقت کے یہ رزق دیا تو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (جامع ترمذی ص ۲۹۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی شخص اپنا پسندیدہ خواب دیکھے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس پر "الحمد للہ" کہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۳۲، مطبوعہ نور محمد جامع المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کو چھینک آئے تو وہ "الحمد للہ" کہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۱۹، مطبوعہ نور محمد جامع المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ کرتے تو دعا کرتے: اے اللہ! میں تیرے نام سے مرتا ہوں اور زندہ ہونا ہوں اور جب بیدار ہوتے تو دعا کرتے تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے میرے نفس پر موت وارد کرنے کے بعد اس کو زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

(جامع ترمذی ص ۲۹۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی نییے یا کسی بلندی پر چڑھتے تو فرماتے: اے اللہ! ہر بلندی سے زیادہ بلندی تیرے لیے ہے اور ہر حمد سے بالا حمد تیرے لیے ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

اللہ کی حمد کی فضیلت اور اجر و ثواب

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ لک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پاکیزگی نصف ایمان ہے "الحمد لله" میزان کو بھر دیتا ہے اور "سبحان الله" اور "الحمد لله" آسمان اور زمین کے درمیان کو بھر دیتے ہیں۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

یعنی "الحمد لله" یا اس کے اجر کو اگر مجھ کو کہا جائے تو اس سے میزان بھر جائے گی "سبحان الله" سے مراد اللہ کی تشریح ہے اور "الحمد لله" سے مراد اس کی ثناء ہے گویا آسمان اور زمین کے درمیان ہر چیز اللہ تعالیٰ کے نقص سے بری ہونے اور اس کی تعریف اور ثناء پر دلالت کرتی ہے۔

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن کے بعد چار کلام افضل ہیں اور وہ بھی قرآن سے ہیں تم ان میں جس سے بھی ابتداء کرو کوئی مضائقہ نہیں ہے "سبحان الله" "الحمد لله" "لا اله الا الله" اور "الله اکبر"۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۰ ج ۴ ص ۳۶ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام کو "سبحان الله" کہا اس نے گویا سو حج کئے اور جس نے سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام کو "الحمد لله" کہا اس نے گویا جہاد فی سبیل اللہ کے لیے سو گھوڑے مہیا کئے۔ (جامع ترمذی ص ۵۰۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے کہا: "الحمد لله" شکر ہے اللہ کی فرمانبرداری کرنا ہے اور اس کی نعمت اور ہدایت کا اقرار کرنا ہے۔ (جامع البیان مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کہتے ہو: "الحمد لله رب العلمین" تو تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہو اور وہ تم کو زیادہ نعمت دے گا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اسود بن سریج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو حمد سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں ہے اسی لیے اس نے اپنی حمد کی اور فرمایا: "الحمد لله"۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ قرطبی بیان کرتے ہیں:

امام مسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بندہ کی اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ وہ کچھ کھائے تو اللہ کی حمد کرے اور کچھ پیے تو اللہ کی حمد کرے۔

حسن بھری نے کہا: ہر نعمت کی یہ نسبت "الحمد لله" کہنا افضل ہے۔

امام ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ کی دی ہوئی کسی نعمت پر "الحمد لله" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے افضل نعمت عطا فرماتا ہے۔

"نور الاصول" میں حضرت انس بن مالک کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: اگر کسی کو تمام

دیادے دی جائے پھر اس کو "الحمد لله" کہنے کی توفیق دی جائے تو "الحمد لله" کہنے کی نعمت تمام دنیا سے افضل ہے۔

(الجامع ۱۱ حکام القرآن ج ۱ ص ۱۳ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ابراہن)

خود اپنی حمد و ثنا کرنے کی شرعی نوعیت

جس طرح کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کو زیبا ہے اور انسان کے لیے تکبر کرنا حرام ہے اسی طرح انسان کا عیوب سے اپنی تنزیہ اور محاسن سے خود اپنی حمد و ثناء کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے کیونکہ تسبیح اور تنزیہ اور حمد و ثنا اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ستائی سے منع فرمایا ہے اور اس کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَلَّا تَرْكُوزُوا لَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ (انجم: ۳۲) خود ستائی نہ کرو دُپر ہیزگاروں کو وہی زیادہ جانتا ہے O

تزکیہ کا معنی ہے: عیوب اور قبائح سے منزہ کرنا یعنی نہ عیوب سے اپنی براءت بیان کرو نہ اپنے محاسن بیان کرو۔

علامہ آلوسی اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں:

یہ آیت ان مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو نیک اعمال کرتے پھر اپنی نمازوں اور حج کا ذکر کرتے تھے۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۶۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ جب یہود و نصاریٰ نے اپنی تعریف کی اور یہ کہا: "نحن ابناء الله واحباءه" ہم اللہ کے

بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ یہودیوں نے کہا: ہم بچوں کی طرح گناہوں سے پاک ہیں تو یہ آیت

نازل ہوئی:

الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ صَالِحُونَ يُكْفَرُونَ (النساء: ۲۹) کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی کا دعویٰ

کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جسکو چاہتا ہے پاکیزہ بنا دیتا ہے۔

صَنْ يَشَاءُ (النساء: ۲۹)

(الجامع ۱۱ حکام القرآن ج ۵ ص ۲۳۶ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ابراہن ۱۳۸۷ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

ابن عطا کہتے ہیں: میں نے اپنی بیٹی کا نام برہ (نیکو کارہ) رکھا مجھ سے حضرت زینب بنت ابی سلمہ نے کہا کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام سے منع فرمایا ہے میرا نام پہلے برہ تھا (یعنی نیکی کرنے والی) تو میرا نام زینب رکھا گیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم خود ستائی نہ کرو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ تم میں سے نیکی کرنے والا کون ہے سبھاہ نے

پوچھا: پھر ہم اس کا کیا نام رکھیں؟ آپ نے فرمایا: اس کا نام زینب رکھو۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۰۸ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

قرآن مجید کی ان آیات اور اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ انسان کا خود اپنی تعریف اور حمد و ثنا کرنا اور اپنے آپ کو

عیوب اور قبائح سے بری اور پاک دامن کہنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ناپسندیدہ ہے تسبیح اور

تنزیہ اور حمد و ثنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کو زیبا ہے وہی ہر عیب اور نقص سے پاک ہے اور وہی تمام خوبیوں اور کمالات کا جامع ہے

اور وہی تمام تعریفوں اور حمد و ثنا کا مستحق ہے۔

تاہم اگر کسی غرض صحیح کی وجہ سے انسان اپنی تعریف کرے تو یہ جائز ہے جیسے حضرت عثمان نے باغیوں کے سامنے اپنی

تعریف و توصیف کی تاکہ وہ باغی بغاوت سے باز آجائیں اور ان پر اللہ کی حجت تمام ہو جائے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

ابو عبد الرحمن سلمی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان کا می صرہ کر لیا گیا تو انہوں نے اپنے گھر کی چھت سے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر یاد دلاتا ہوں کہ جب جبل حراء پلٹنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حراء! پر کون ہو جا! کیونکہ تجھ پر صرف نبی ہے یا صدیق ہے یا شہید ہے یا غیور ہے! کہا: ہاں! آپ نے کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر یاد دلاتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے لیے یہ فرمایا تھا اس کے لیے کون مقبول خرچ مہیا کرتا ہے؟ اس وقت مسلمان سخت مشکل اور تنگ دستی میں تھے تو میں نے اس لشکر کے لیے زاد راہ مہیا کیا یا غیور نے کہا: ہاں! پھر آپ نے کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر یاد دلاتا ہوں کیا تمہیں علم ہے کہ چاہ رومہ (ایک کنواں) سے صرف قیمت دے کر پینے کے لیے پانی حاصل کیا جاتا تھا میں نے اس کنویں کو خرید کر امیروں غریبوں اور مسافروں کے لیے وقف کر دیا یا غیور نے کہا: ہاں! اس کے علاوہ اور بہت سی نیکیاں حضرت عثمان نے گنوائیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ۵۳۱-۵۳۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

ثمامہ بن حزن قشیری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان نے باغیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو چاہ رومہ کے سو اور کوئی بیٹھے پانی کا کنواں نہیں تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی ہے جو چاہ رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دے؟ اور اس نیکی کے عوض میں جنت لے لے! میں نے اس کنویں کو خالص اپنے مال سے خریدا اور آج تم مجھ کو اس کنویں کا پانی پینے نہیں دیتے حتیٰ کہ میں سمندر کا کھار پانی پی رہا ہوں یا غیور نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ مسجد نبوی میں جگہ کم تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی ہے جو فلاں شخص سے زمین خرید کر اس مسجد کو وسیع کرے؟ اور اس نیکی کے عوض جنت لے لے! پھر اس جگہ کو میں نے اپنے خالص مال سے خریدا تھا اور آج تم مجھے اس میں دو رکعت نماز پڑھنے نہیں دیتے! یا غیور نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ غزوہ تبوک کے لیے میں نے اپنے مال سے خرچ مہیا کیا تھا انہوں نے کہا: ہاں! آپ نے پھر فرمایا: میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں جبل ثبیر پر کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ تھے اور میں تھا اس وقت پہاڑ پلٹنے لگا حتیٰ کہ اس کے پتھر نیچے گرنے لگے تو آپ نے اس پر اپنا پیر مارا اور فرمایا: اے ثبیر! اس کن ہو جا! تجھ پر نبی ہے صدیق ہے اور دو شہید ہیں یا غیور نے کہا: ہاں! آپ نے ثمن بار فرمایا: اللہ اکبر! خدا کی قسم! ان باغیوں نے میرے حق میں گواہی دے دی اور میں شہید ہوں۔ (جامع ترمذی ص ۵۳۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت عثمان نے باغیوں کے سامنے اپنی حمد و ثنا اس لیے کی تھی کہ یہ باغی اسلام کے لیے حضرت عثمان کی خدمات اور بارگاہ رسالت میں ان کے مقام کو پہچان کر بغاوت سے باز آجائیں تو ایسی کوئی غرض صحیح ہو مثلاً غاصبوں کے سامنے اپنا استحقاق ثابت کرنے کے لیے یا محض اللہ تعالیٰ کے انعامات بیان کرنے کے لیے اپنی تعریف کی جائے اور اس سے اپنی بڑائی کا اظہار کرنا مقصود نہ ہو تو پھر اپنی تعریف کرنا جائز ہے اور اگر حمد و ثنا سے اپنی بڑائی کا اظہار کرنا مقصود ہو تو اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں حمد و ثناء اور کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اسی کو زیبا ہے۔

کسی دوسرے شخص کے سامنے اس کی حمد و ثنا کرنے کی شرعی نوعیت

جس طرح بغیر کسی غرض صحیح کے خود اپنی تعریف کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے اسی طرح کسی غرض صحیح کے بغیر کسی دوسرے شخص کے سامنے اس کی تعریف کرنا بھی مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔
امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے کسی کی تعریف کی آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے تم نے تو اپنے صاحب کی گردن کاٹ دی یہ جملہ آپ نے کئی بار فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص نے اپنے صاحب کی لالچالہ تعریف کرنی ہو تو یوں کہو کہ میرا فلاں کے متعلق یہ گمان ہے اور اس کو حقیقت میں اللہ ہی جاننے والا ہے اور میں کسی کو اللہ کے نزدیک سراہا ہوا نہیں کہتا خواہ وہ اس کے متعلق اسی طرح جانتا ہو۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص فلاں فلاں چیز میں اس سے افضل نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر افسوس ہے! تم نے اپنے صاحب کی گردن کاٹ دی۔ یہ جملہ آپ نے کئی بار فرمایا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کسی شخص نے خواہ مخواہ اپنے بھائی کی تعریف کرنی ہو تو یہ کہے: میرا فلاں کے متعلق یہ گمان ہے خواہ وہ اس کو اسی طرح سمجھتا ہو اور وہ یہ نہ کہے کہ وہ اللہ کے نزدیک ایسا ہی ہے۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۳، مطبوعہ نور محمد راجح الطابع، کراچی ۱۳۷۵ھ)

ان احادیث میں کسی شخص کے سامنے اس کی تعریف سے منع کیا گیا ہے اور بعض احادیث سے اس کا جواز بھی ثابت ہے امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا کہ اللہ سبحانہ نے ایک بندے کو دنیا اور جو اس کے پاس ہے اس کے درمیان اختیار دیا تو اس نے اس چیز کو اختیار کر لیا جو اللہ کے پاس ہے حضرت ابوبکر یہ سن کر رونے لگے حضرت ابوسعید کہتے ہیں: میں نے دل میں سوچا: اگر اللہ نے ایک بندے کو دنیا اور جو اس کے پاس ہے اس کے درمیان اختیار دے دیا ہے اور اس نے جو اللہ کے پاس ہے اس کو پسند کر لیا تو اس بوڑھے کو کیا چیز راتی ہے؟ لیکن آپ کے اس ارشاد میں بندے سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور حضرت ابوبکر ہم سب سے زیادہ عالم تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! امت روؤ! بے شک اپنی صحبت اور مال سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر ہیں اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیفہ بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اسلام کی اخوت اور محبت قائم رہے گی اور ابوبکر کے دروازے کے سوا مسجد میں (کھلنے والا) ہر دروازہ بند کر دیا جائے باقی نہ رکھا جائے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۶، ۵۱۷، مطبوعہ نور محمد راجح الطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۵۲۶، ۵۲۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، راجی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کے سامنے بھی ان کی تعریف کی ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان احد (پہاڑ) پر چڑھے وہ طے لگا آپ نے فرمایا: اے احد ساکن ہو جا! تجھ پر صرف نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔

(جامع ترمذی ص ۵۳۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب گراچی)

اور آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی ان کی تعریف کی ہے امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا: تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ کے لیے ہارون تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ (جامع ترمذی ص ۵۳۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی)

منہ پر تعریف کرنے کے جواز اور عدم جواز کا محمل

امام مسلم نے ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن میں کسی کے سامنے اس کی تعریف کرنے سے منع کیا گیا ہے جسکے ”معجم طبرانی“ میں ایسی روایات ہیں جن میں کسی کے سامنے تعریف کرنے کی اجازت ہے اور صحاح ستہ میں بکثرت ایسی روایات ہیں جن میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کے سامنے ان کی تعریف کی ہے اس لیے علماء کرام نے ان احادیث میں یہ تطبیق دی ہے کہ اگر کسی کے سامنے اس کی تعریف کرنے سے اس کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہو تو پھر اس کے سامنے اس کی تعریف نہ کی جائے اور اگر یہ خدشہ نہ ہو تو پھر اس کے سامنے اس کی تعریف جائز ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

امام مسلم نے وہ احادیث ذکر کی ہیں جن میں کسی کے منہ پر تعریف کرنے سے منع کیا گیا ہے صحیح بخاری صحیح مسلم اور بکثرت کتب حدیث میں ایسی روایات بھی ہیں جن میں منہ پر تعریف کی گئی ہے ان احادیث میں تطبیق اس طرح ہے کہ کسی کی بے جا تعریف کرنا یا تعریف میں مبالغہ کرنا یا دنیاوی طمع کی وجہ سے تعریف کرنا یا جس شخص کے متعلق یہ اندیشہ ہے کہ وہ تعریف سن کر اکڑ جائے گا یا تکبر میں مبتلا ہو جائے گا اس کے منہ پر تعریف کرنا منع نہیں ہے اور جس شخص کے کمال تقویٰ اور عقل میں پختگی کی وجہ سے یہ خدشہ نہ ہو اس کے منہ پر تعریف کرنا منع نہیں ہے بشرطیکہ وہ بے جا تعریف نہ ہو اور دنیاوی طمع کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اگر کسی دینی مصلحت کی وجہ سے تعریف کی جائے یا کسی شخص میں کسی نیک خصلت کے حصول یا اس کی زیادتی کے لیے یا اس کو اس نیک خصلت پر برقرار رکھنے کے لیے یا اس نیک خصلت کی اقتداء کے لیے اس کے منہ پر تعریف کی جائے تو یہ تعریف کرنا مستحب ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۲۱۳ مطبوعہ نور محمد اصحاح الحاج کراچی ۵۷۱۳ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطلال نے کہا ہے کہ ممانعت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص کسی کی ان اوصاف کے ساتھ تعریف کرے گا جو اس میں نہ ہوں تو ہو سکتا ہے کہ وہ شخص اپنے متعلق ان اوصاف کا یقین کر لے اور ان اوصاف پر اعتماد کر کے وہ شخص اپنے اعمال ضائع کر دے اور نیکی کی جدوجہد کرنا چھوڑ دے (مثلاً ایک شخص کسی سے کہے: میں نے تم کو خواب میں بارگاہ رسالت میں دیکھا ہے اور تمہارے جنتی ہونے کی بشارت سنی ہے یا کہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ جو تمہارے ساتھ پر بیعت کرے گا وہ جنتی ہوگا یا جو تمہارے وعظ میں شریک ہوگا وہ جنتی ہوگا۔ العیاذ باللہ) اس لیے جس حدیث میں یہ ہے کہ تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈال دو اس کا مطلب یہ ہے کہ جھوٹی تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈال دو اور جس شخص نے ان اوصاف کے ساتھ تعریف کی جو موصوف میں موجود ہوں تو وہ اس حکم میں داخل نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اشعار اور خطاب میں آپ کی تعریف کی اور آپ نے ان کے منہ میں مٹی نہیں ڈالی۔

علامہ ابن بطلال کا کلام ختم ہوا۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ کسی شخص نے حضرت عثمان کے سامنے ان کی تعریف کی تو حضرت مقداد نے اس کے منہ

پر کنکریاں پھینکے اور مذکورہ حدیث سے استدلال کیا اس حدیث کا دوسرا محمل یہ ہے کہ منہ پر مٹی ڈالنے کا مطلب ہے اس کو ناکام اور نامراد کرنا یعنی جھوٹی تعریف کرنے والے کی غرض اور مقصد کو پورا نہ کر دینا یہ ہے کہ اس سے کہو تمہارے منہ میں مٹی چوتھی تو جیہ یہ ہے کہ ممدوح اور موصوف اس جھوٹی تعریف سے دھوکا نہ کھائے اور تعریف کرنے والے سے کہے تم غلط کہہ رہے ہو میں ایسا نہیں ہوں اور یہ اس کے منہ میں مٹی ڈالنا ہے پانچویں تو جیہ یہ ہے کہ وہ شخص جس مقصد اور غرض سے تعریف کر رہا ہے اس کا وہ مقصد پورا کر کے اس کا مسدود کر دیا جائے اور اس کو راز کر دیا جائے تاکہ کوئی شخص کسی سے بھڑقم مانگنے کے لیے اس کی بے جا تعریف کر رہا ہے تو وہ اس کو وہ رقم دے کر کہے: یہ رقم لو اور جاؤ اور یہ اس کے مسدود کرنا ہے جو اس کے منہ میں مٹی ڈالنے کے مترادف ہے علامہ بیضاوی اور علامہ طباطبائی نے اسی تو جیہ کو اختیار کیا ہے

امام غزالی نے "احیاء العلوم" میں لکھا ہے کہ مدح کی آفت یہ ہے کہ مدح کرنے والا کبھی جھوٹ بولتا ہے اور کبھی اپنی مدح سے ممدوح کو مزید برائی میں مبتلا کرتا ہے خصوصاً جب وہ فاسق یا ظالم کی مدح کرے امام ابو یعلیٰ نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ جب فاسق کی مدح کی جائے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور کبھی وہ ایسی تعریف کرتا ہے جو اس کے نزدیک متفق نہیں ہوتی اور جس شخص کی مدح کی جائے وہ اس خطرہ سے خالی نہیں ہے کہ وہ اترانے لگے یا تکبر کرے یا تعریف کی شہرت پر اعتماد کر کے عمل میں کمی کر دے اگر تعریف ان قباحتوں سے خالی ہو تو پھر اس میں حرج نہیں ہے بلکہ بعض اوقات تعریف مستحب ہوتی ہے ابن عیینہ نے کہا: جو شخص اپنے نفس کو بچاتا ہو اس کو کسی کی تعریف سے ضرر نہیں ہوتا اور بعض سلف نے کہا: جب کسی کے منہ پر تعریف کی جائے تو وہ دعا کرے: اے اللہ! میرے ان کاموں کو بخش دے جن کو یہ لوگ نہیں جانتے اور ان کی تعریف کی وجہ سے میری پکڑ نہ کر اور مجھے ان کے گمان سے بہتر بنادے۔ (صحیح ابی ہریرہ ج ۱ ص ۷۸-۷۹ مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ، بیروت)

رب کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

الرب اللہ عز وجل ہے اور وہ ہر چیز کا رب ہے یعنی ہر چیز کا مالک ہے اور تمام مخلوق اس کی ملک میں ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ "رب الارباب" اور "مالک المملوک" ہے ابو منصور نے کہا: لغت میں مالک سید و بر اور مہتمم پر رب کا اطلاق ہوتا ہے اور جب اس پر الف لام ہو (الرب) تو پھر اس کا اللہ عز وجل کے غیر پر اطلاق نہیں ہوتا اور جب اللہ تعالیٰ سے غیر پر رب کا اطلاق کیا جائے تو پھر اس کی کسی چیز کی طرف اضافت کی جاتی ہے جیسے "رب الدار" (مکان کا مالک) حدیث میں علامات قیامت کے ذکر میں ہے: "ان تلد الامة ربها باندی اپنی مالک کو جنم دے گی" یعنی بہت زیادہ باندیاں ہوں گی اور اذان کی دعا میں "اللهم رب هذه الدعوة" اے اس نداء کے صاحب! اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کوئی مملوک اپنے مالک کو میرا رب نہ کہے آپ نے اس کو ناپسند کیا کہ مالک کو رب قرار دے کر اس کو ربوبیت میں اللہ کے ساتھ شریک کیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے: "ادکسری عند ربک" حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدی سے کہا تم اپنے رب کے سامنے میرا ذکر کرنا اور یہاں عزیز مصر پر رب کا اطلاق کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ کلام اس زمانہ اور ان لوگوں کے عرف کے مطابق تھا اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تم شدہ اونٹ کے متعلق فرمایا: "حتی یلقاھا ربھا اونٹ چرتا پھرے گا حتیٰ کہ اپنے رب (مالک) سے مل جائے گا" کیونکہ جو نور عبادت کرتے ہیں خدا احکام سے مخاطب ہوتے ہیں بلکہ جانور مال و متاع کے حکم میں ہیں اور جس طرح رب الدار وغیرہ کی اضافت جائز ہے اسی طرح ان کی طرف اضافت بھی جائز ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے جو فرمایا تھا: "اسہ دسی احسن متواہی بے شک وہ عزیز مصر

میرا صاحب ہے اس نے مجھے ابھی رہائش دی ہے۔ ”یہاں بھی صاحب پر رب کا اطلاق ان کے عرف کے مطابق ہے یا اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے ابھی رہائش دی ہے رب کی جمع ارباب اور ربوب ہے اور رائج عالم یا علم باطنی یا بہت بڑے عالم کو رہائی کہتے ہیں جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فوت ہوئے تو محمد بن حنفیہ نے کہا: آج اس امت کے رہائی فوت ہو گئے۔ (تاج المروء ج ۸ ص ۲۶۰ مطبوعہ المطبعة الخيرية مصر ۱۳۰۶ھ)

الْعَلَمِین کا لغوی اور عربی معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

عالم خاتم طابقی اور دائق کے وزن پر ہے اس کا معنی ہے: کل مخلوق اسی طرح صحاح میں ہے یا آمان اور اس کے نیچے جو جواہر اور اعراض ہیں وہ عالم ہیں جس طرح خاتم مہر لگانے کا آہ ہے اسی طرح عالم اسم آلہ ہے اس کا معنی ہے موجد کو جاننے کا آلہ حضرت جعفر صادق نے کہا: علم کی در قسمیں ہیں عالم کبیر اور عالم صغیر۔ آمان اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ عالم کبیر ہے اور انسان عالم صغیر ہے اور انسان میں وہ سب کچھ ہے جو عالم کبیر میں ہے۔ ہرے شیخ نے کہا ہے کہ مخلوق کو عالم اس لیے کہتے ہیں کہ وہ صانع پر علامت ہے بعض مفسرین نے کہا: عالم اس کو کہتے ہیں جس سے خالق کا علم حاصل ہو پھر یہ طور تغلیب جن اور انس میں سے عقلاء پر اس کا اطلاق کیا گیا یا جن اور انس پر یا انسان اور فرشتوں پر اور سید شریف کا مختار یہ ہے کہ اس کا اطلاق ہر جنس پر کیا جاتا ہے اور تمام اجناس کے مجموعہ پر بھی کیا جاتا ہے۔

زجاج نے کہا: عالم کا اس لفظ سے کوئی واحد نہیں ہے اور اس کے علاوہ اور کسی لفظ کی جمع واؤ اور نون (عالمون یا عالمین) کے ساتھ نہیں آتی ”بصائر“ میں مذکور ہے کہ اس کی جمع اس لیے آتی ہے کہ موجودات کی ہر نوع ایک عالم ہے مثلاً علم انسان عالم ناز و غیرہ اور روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دس ہزار سے زیادہ عالم پیدا کئے ہیں اور اس کی جمع سالم اس لیے آتی ہے کہ انسان بھی عالم کا ایک فرد ہے (ورنہ غیر ذوی العقول کی جمع جمع مکرر ہوتی ہے) ایک قول یہ ہے کہ اس کی جمع سالم اس لیے آتی ہے کہ اس سے مراد مخلوق کی اصناف میں سے صرف ملائکہ جن اور انس ہیں اور دوسرے غیر ذوی العقول یا غیر ذوی العلوم اس سے مراد نہیں ہیں یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے جعفر صادق نے کہا: اس سے صرف انسان مراد ہے اور ہر انسان ایک عالم ہے میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس نے ”رب العلمین“ کی تفسیر میں کہا: ”رب العجس والانس“ اور قتادہ نے اس کی تفسیر میں کہا: تمام مخلوق کے رب از ہری نے کہا: حضرت عباس کے قول کی دلیل یہ آیت ہے۔

لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (الفرقان: ۱)

اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جانوروں اور فرشتوں کے لیے نذیر نہیں ہیں حالانکہ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں آپ صرف جن اور انس کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اور وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ کل اٹھارہ ہزار عالم ہیں اور یہ دنیا ان میں سے ایک عالم ہے۔ (تاج المروء ج ۸ ص ۲۶۰ مطبوعہ المطبعة الخيرية مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے چالیس ہزار عالم پیدا کئے اور یہ دنیا شرق سے غرب تک ایک عالم ہے متقل نے کہا: اسی ہزار عالم ہیں چالیس ہزار خشکی میں ہیں اور چالیس ہزار سمندر میں ابو العالیہ سے مروی ہے کہ جن ایک عالم ہے انس ایک عالم ہے ان کے سوا زمین کے چار زاویے ہیں اور ہر زاویہ میں پندرہ سو عالم ہیں۔

(المجامع الحکام القرآن ج ۱ ص ۳۸ مطبوعہ انتشارات ماسر فسرہ ایران ۱۳۸۷ھ)

العلمین کے متعلق اقوال میں مصنف کا مختار

میں کہتا ہوں کہ ان تمام اقوال میں سچ قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر موجود عالم ہے اور مخلوق عالم میں خالق ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ كُنُتُمْ تُؤْمِنُونَ (الشعراء: ۲۳-۲۴) وہ آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان ہر چیز کا رب ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو O

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ تمام آسمان، زمین اور ان کے درمیان ہر چیز عالم ہیں اور اس کی جمع عالم کی انواع اور اصناف کے اعتبار سے لائی گئی ہے۔
اللہ تعالیٰ کی تربیت میں غور و فکر

ایک بیج زمین میں گر ادیا جاتا ہے پھر زمین میں وہ پھول جاتا ہے پھولنے کے بعد وہ ہر طرف سے پھٹ سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت باللہ کی وجہ سے وہ صرف اوپر اور نیچے سے پھٹتا ہے اوپر سے پھٹ کر اس میں سے ایک جز زمین کو پھڑک کر نکلتا ہے اور درخت بن جاتا ہے اس میں شاخیں پھوٹی ہیں پھر ان شاخوں میں پھول کھلتے ہیں اور پھل بنتے ہیں اور پھلوں میں چھلکا بنتا ہے مغز بنتا ہے اور مغز میں روغن ہوتا ہے اور بیج کے نیچے سے جو جز زمین کو پھڑک کر نکلتا ہے وہ جز بنتی ہے اور زمین کی گہرائی میں راستہ بنتی ہوئی وہ بڑی نکل جاتی ہیں ورمٹی اور پانی سے اپنی طبیعت غذا حاصل کر کے پورے درخت کو پہنچاتی ہیں اور اس کو سرسبز اور شاداب رکھتی ہیں۔

باپ کی پشت سے ایک قطرہ نکل کر ماں کے رحم میں پہنچتا ہے پھر وہ قطرہ پہلے جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر گوشت کا ٹکڑا پھر اس میں ہڈیاں، رگیں اور مختلف اعضاء بنتے ہیں پھر ان میں الگ الگ اثرات کی قوتیں رکھی جاتی ہیں آنکھ میں دیکھنے کی، کان میں سننے کی اور زبان میں گویائی کی قوت رکھی جاتی ہے تو سبحان ہے وہ جس نے ہڈی میں سماعت، چربی میں بصارت اور گوشت کے ایک ٹکڑے میں گویائی رکھی!

ماں باپ کے دل میں ایسا جذبہ رکھا کہ انہوں نے اپنے سکھ اور آرام کو چھوڑ کر اس کی پرورش کی، ماں کے سینے میں اس کے لیے دودھ اتارا اور باپ کے دل میں شفقت رکھی اور یوں تدبیر بجا اس کو پالتا رہا، تربیت کرتا رہا، بڑھتا رہا اور جب وہ اپنی نشوونما کے کمال طبعی کو پہنچ کر بالغ ہو گیا اس کا شعور پختہ اور عقل کامل ہو گئی تب کہا: اب ہماری ان نعمتوں کا شکر ادا کرو، ہمارے ان کمالات کی حمد و ثناء کرو جن کے نتیجہ میں تم اس کمال طبعی تک پہنچے ہو، دیکھو اس نے تمہارے چنے کے لیے زمین بنائی ہے، تمہارے سانس لینے کے لیے ہواؤں کے سمندر رواں دواں کئے ہوئے ہیں، تمہارے پینے کے لیے آسمان سے پانی اتارا اور زمین کی تہوں میں چشمے جاری کیے، تمہیں روشنی پہنچانے کے لیے دن بنایا، تمہارے آرام کے لیے رات بنائی، سورج کی حرارت سے تمہاری کھیتیاں پکتی ہیں اور چاند کی کرنوں سے ان میں ذائقہ پیدا ہوتا ہے، کیا اللہ تعالیٰ کے ان تمام احسانوں اور نعمتوں کو دیکھنے اور غور کرنے کے بعد تمہارے دلوں میں اس کی حمد و ثناء کرنے اور اس کا شکر بجالانے کا کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوتا!

کمال ذات، گزشتہ احسان، رجا اور خوف سے حمد و ثناء کا تقاضا

دنیا میں انسان کسی شخص کی چار وجوہ سے تعریف کرتا ہے: یا اس لیے کہ وہ شخص اپنی ذات و صفات میں کامل ہے اور

عیوب اور بھائیں سے بری ہے خواہ اس نے اس انسان پر کوئی احسان کیا ہے یا نہیں وہ محض کمال ذات کی وجہ سے اس کی تعریف کرتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے اس پر ماضی میں احسانات کیے ہیں اور انعامات دیے ہیں تو وہ ان گزشتہ احسانوں کی وجہ سے اس کی تعریف کرتا ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ مستقبل میں اس سے انعامات کی توقع رکھتا ہے چوتھی وجہ یہ ہے کہ وہ اس کے غیظ و غضب اور اس کے قہر اور قدرت سے ڈر کر اس کی تعریف کرتا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر تم کمال ذات کی وجہ سے کسی کی حمد و ثناء کرتے ہو تو میری ذات کمال ہے سو میری حمد کرو اور اس کی طرف "الحمد لله" سے اشارہ ہے اور اگر گزشتہ نعمتوں کی وجہ سے حمد و ثناء کرتے ہو تو ساری نعمتیں میں نے دی ہیں میری تعریف کرو میں ہی "رب العلمین" ہوں اور اگر مستقبل میں نعمتیں حاصل کرنے کے لیے تعریف کرتے ہو تو میں "الرحمن الرحیم" ہوں سو میری حمد کرو اور اگر ڈر اور خوف کی وجہ سے حمد و ثناء کرتے ہو تب بھی میری حمد و ثناء کرو میں ہی "مالک يوم الدين" ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O (الف: ۲)

بعض مفسرین کی فروگزاشت

"بسم الله الرحمن الرحيم" کی تفسیر میں ہم "الرحمن الرحیم" کی تفسیر کو بیان کر چکے ہیں یہاں پر ہم بعض مفسرین کی ایک فروگزاشت پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

انسان کا خاصہ ہے کہ جب کوئی چیز اس کی نگاہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے تو وہ مبالغہ کے صیغوں میں اس کو بیان کرتا ہے اور اگر ایک مبالغہ بول کر وہ محسوس کرتا ہے کہ اس شے کی فراوانی کا حق ادا نہیں ہوا تو پھر وہ اس معنی کا ایک اور لفظ بولتا ہے تاکہ وہ کمی پوری ہو جائے جو اس کے نزدیک مبالغہ میں رہ گئی ہے۔ اللہ کی تعریف میں رحمن کا لفظ استعمال کرنے کے بعد پھر رحیم کا اضافہ کرنے میں بھی یہی نکتہ پوشیدہ ہے۔ رحمان عربی زبان میں بڑے مبالغہ کا صیغہ ہے لیکن خدا کی رحمت اور مہربانی اپنی مخلوق پر اتنی زیادہ ہے اس قدر وسیع ہے ایسی بے حد و حساب ہے کہ اس کے بیان میں بڑے سے بڑا مبالغہ لفظ بول کر بھی جی نہیں بھرتا اس لیے اس کی فراوانی کا حق ادا کرنے کے لیے پھر رحیم کا لفظ مزید استعمال کیا گیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم کسی شخص کی فیاضی کے بیان میں "خی" کا لفظ بول کر جب تشنگی محسوس کرتے ہیں تو اس پر "داتا" کا اضافہ کرتے ہیں۔ رنگ کی تعریف میں جب "گورے" کو کافی نہیں پاتے تو اس پر "چنے" کا لفظ اور بڑھا دیتے ہیں۔ درازی قد کے ذکر میں جب "لبا" کہنے سے تسلی نہیں ہوتی تو اس کے بعد "ترنگا" بھی کہتے ہیں۔ (تفہیم القرآن ج ۱ ص ۲۳ مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن، نور ۱۹۸۲ء)

ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ اعزیز نے اس پر دو اعتراض کئے ہیں اول یہ کہ اگر کسی اہم چیز کا بیان مبالغہ کے صیغوں سے کرنا انسان کا خاصہ ہے تو اس کو اللہ کے کلام پر منطبق کرنا درست نہیں ہے کیونکہ خاصہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ جس چیز کا خاصہ ہو اسی میں پایا جاتا ہے دوسرے میں نہیں پایا جاتا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ "الرحمن الرحیم" کی مثال گورے چنے اور لمبے ترنگے سے دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ "الرحمن الرحیم" دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اور گورے چنے اور لمبے ترنگے میں سے کوئی لفظ بھی مبالغہ کا صیغہ نہیں ہے۔ (امنیان ص ۳۰-۲۹ کاظمی، بیلیکیشن ملتان ۱۹۹۳ء)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: روز جزاء کا مالک ہے O (الف: ۳)

مالک اور ملک کی دو قراءتیں

مالک اور ملک اس آیت میں دونوں متواتر قراءتیں ہیں امام عاصم امام کسائی اور امام یعقوب کی قراءت میں مالک ہے

اور باقی پانچ ائمہ کی قراءت میں مُلک ہے۔

مالک اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی مملوکہ چیزوں میں جس طرح چاہے تصرف کرنے پر قادر ہو اور مالک اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی رعایا میں حکام (مردمی) نافذ کرنا ہو۔

قرآن مجید کی بعض آیات مالک کی موافقت میں ہیں اور بعض مالک کی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلِ اللَّهُمَّ هَٰذَا لَكَ الْمُلْكُ نُوْنِي الْمُلْكُ مَنْ تَشَاءُ
وَتَنْزِعُ الْمُلْكُ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعْزِزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ
يَبْدِلُكَ الْخَيْرُ (آل عمران ۲۶)

کہیے: اے اللہ! ملک کے مالک اتو جس کو چاہتا ہے
ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے اور تو
جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت میں
جلا کرتا ہے اور تمام بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے۔

یہ وہ دن ہے جس میں کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز
کا مالک نہیں ہوگا اور اس دن اللہ ہی کا حکم ہوگا۔

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا ۚ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ
لِلَّهِ (الأنفال ۱۹)

ان دونوں آیتوں سے مالک کی تائید ہوتی ہے۔

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝

(الناس: ۱-۲)

رَحْمَنِ الْمُلْكِ الْيَوْمِ ۝ ذُو الْوَلَدِ الْقَهَّارِ ۝

(المومن: ۱۳)

الْمَلِكِ يَوْمَئِذٍ ۝ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ

(الحج: ۵۲)

آپ کہیے: میں تمام لوگوں کے رب تمام لوگوں کے
بادشاہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

آج کس کی بادشاہی ہے؟ اللہ کی جو واحد ہے اور سب
پر غالب ہے O

اس دن صرف اللہ ہی کی بادشاہی ہوگی وہی ان کے
درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

اور ان دو آیتوں سے مالک کی تائید ہوتی ہے۔

یوم کا عرفی اور شرعی معنی

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

عرف میں طلوع شمس سے لے کر غروب شمس تک کے زمانہ کو یوم کہتے ہیں اور شمس کے سوا اہل سنت کے نزدیک شریعت
میں طلوع فجر ثانی سے لے کر غروب شمس تک کے وقت کو یوم کہتے ہیں اور یوم قیامت اپنے معروف معنی میں حقیقت شریعہ ہے۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۸۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یوم قیامت کی مقدار

قیامت کے دن کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ

مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (اعمار: ۴)

جبریل اور فرشتے اس کی طرف عروج کرتے ہیں (جس
دن عذاب ہوگا) اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال ہے O

امام ابوہریرہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! قرآن مجید میں اس دن کے متعلق ہے

کہ وہ پچاس ہزار برس کا ہوگا یہ کتنا بادل ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! مومن پر اس دن میں خفیف کی جائے گی حتیٰ کہ وہ جتنی دیر میں دنیا میں فرض نماز پڑھتا تھا اس پر وہ دن اس سے بھی کم وقت میں گزرے گا۔ (مسند ابویعلیٰ ج ۲ ص ۱۳۴ مطبوعہ دارالاسلام تراث بیروت ۱۴۰۳ھ)
اس حدیث کو حافظ ابن جریر (جامع البیان ج ۲۹ ص ۴۵) اور حافظ ابن کثیر (تفسیر ابن کثیر ج ۷ ص ۱۱۳) نے بھی اپنی اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام ابن حبان نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

(موارد القماری ذوالنعمان ابن حبان ص ۶۳۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

علامہ بیہقی نے بھی اس کو امام احمد امام ابویعلیٰ امام ابن جریر امام ابن حبان اور امام بیہقی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے
(الدر المنثور ج ۶ ص ۲۶۵-۲۶۴ مطبوعہ مکتبۃ آیت اللہ العظمیٰ ایران)
علامہ آدوسی نے بھی اس کو مذکور الصدر حوالہ جات کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(روح المعانی ج ۲۹ ص ۵۷ مطبوعہ دارحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابوسعید خدری کی حدیث مذکور کے متعلق حافظ البیہقی لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام احمد اور امام ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے اس کا ایک راوی ضعیف ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۷ مطبوعہ دارالکتب العربی ۱۴۰۲ھ)

نیز حافظ البیہقی لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ رب العالمین کے سامنے آدھے دن تک کھڑے رہیں گے جو پچاس ہزار برس کا ہوگا اور مومن پر آسانی کر دی جائے گی جیسے سورج کے مائل بہ غروب ہونے سے اس کے غروب ہونے تک اس حدیث کو امام ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۷ مطبوعہ دارالکتب العربی ۱۴۰۲ھ)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ کافر کے لیے قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا مقرر کیا جائے گا کیونکہ اس نے دنیا میں نیک عمل نہیں کئے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۷۵ مطبوعہ مکتبۃ اسلامی بیروت ۱۴۰۸ھ)

عدل و انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ جو لوگ دنیا میں اس طرح نماز پڑھتے ہیں کہ گویا وہ نماز میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں پھر وہ اس میں اس طرح محو ہو جاتے ہیں کہ انہیں گرد و پیش کا ہوش نہیں رہتا امام ابو حنیفہ نماز پڑھ رہے تھے کہ مسجد کی چھت سے سانپ گر پڑا آخر اتفری مچ گئی مگر وہ اسی محویت سے نماز پڑھتے رہے ایک انصاری صحابی کو نماز کے دوران تیر لگا خون بہتا رہا اور وہ اسی انہماک سے نماز پڑھتے رہے اہم بخاری کو نماز میں تنبیہ نے سترہ ڈنک مارے اور انہیں احساس تک نہ ہوا سو ایسے ہی کاملین کی یہ جزاء ہوگی کہ قیامت کے دن ان کو فی الواقع دیدار الہی عطا کیا جائے اور جب ان کو دیدار الہی عطا کیا جائے گا تو وہ اس کی دید میں ایسے مستغرق ہوں گے کہ قیامت کے ہنگامہ خیز پچاس ہزار برس گزر جائیں گے اور ان کو یوں معلوم ہوگا جیسے ایک فرض نماز پڑھنے کا وقت گزرا ہو لیکن اللہ تعالیٰ ہم پر عدل نہیں کرم فرماتا ہے عدل کے لحاظ سے تو ہم دنیا میں بھی کسی نعمت کے مستحق نہیں ہیں اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ہم کو نیکوں کے صدقہ میں نعمتیں دیتا ہے سو آخرت میں بھی ان نیکوں کے طفیل ہم پر

قیامت کا دن بہ قدر فرض نماز گزارے گا اور اپنے دیدار سے معمور فرمائے گا۔
وقوع قیامت پر عقلی دلیل

ہم اس دنیا میں دیکھتے رہتے ہیں کہ بعض لوگ ختم کرنے کے لئے مرجاتے ہیں اور ان کو ان کے ظلم پر کوئی سزا نہیں ملتی اور بعض لوگ ظلم بہتے بہتے مرجاتے ہیں اور ان کی مظلومیت پر کوئی جزا نہیں ملتی اگر اس جہان کے بعد کوئی اور جہان نہ ہو تو ظالم سزا کے بغیر اور مظلوم جزا کے بغیر رہ جائے گا اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس عالم کے بعد کوئی اور عالم ہو جس میں ظالم کو سزا دی جائے اور مظلوم کو جزا۔

اور جزاء اور سزا کے نظام کے برپا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس عالم کو بالکل ختم کر دیا جائے کیونکہ جزا اور سزا اس وقت جاری ہو سکتی ہے جب بندوں کے اعمال ختم ہو جائیں اور جب تک تمام انسان اور یہ کائنات ختم نہیں ہو جاتی لوگوں کے اعمال کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا مثلاً قاتیل نے قتل کرنے کا طریقہ ایجاد کیا اب اس کے بعد جتنے قتل ہوں گے اس کے قتل کے جرم سے قاتیل کے نامہ اعمال میں گناہ لکھا جاتا رہے گا اس لیے جب تک قتل کا سلسلہ ختم نہیں ہو جاتا قاتیل کا نامہ اعمال مکمل نہیں ہوگا اسی طرح پاتیل نے ظالم سے بدلہ نہ لینے کی رسم ایجاد کی اب اس کے بعد جو شخص بھی یہ نیکی کرے گا اس کی نیکی میں سے پاتیل کے نامہ اعمال میں نیکی لکھی جاتی رہے گی اس لیے جب تک اس نیکی کا سلسلہ ختم نہیں ہو جاتا پاتیل کا نامہ اعمال مکمل نہیں ہوگا اسی طرح ایک شخص مسجد یا کنواں بنا کر مرجاتا ہے تو جب تک اس مسجد میں نماز پڑھی جاتی رہے گی جب تک اس کنوئیں سے پانی پیا جاتا رہے گا اس شخص کے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی اور کوئی شخص بت خانہ یا شراب خانہ بنا کر مر گیا تو جب تک وہاں بت پرستی یا شراب نوشی ہوتی رہے گی اس کے نامہ اعمال میں برائیاں لکھی جاتی رہیں گی۔

اس لیے جب تک یہ دنیا اور اس دنیا میں انسان موجود ہیں اس وقت تک لوگوں کا نامہ اعمال مکمل نہیں ہو سکتا اور لوگوں کے نامہ اعمال کو مکمل کرنے کے لیے انہی اور دنیا والوں کو مکمل ختم کرنا ضروری ہے اور اسی کا نام قیامت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کی مقتضی ہے کہ جزا اور سزا کا نظام قائم کیا جائے اور جزا اور سزا کو نافذ کرنے سے پہلے قیامت کا قائم کرنا ضروری ہے۔

وقوع قیامت پر شرعی دلائل

یہ دنیا دار الامتحان ہے اور اس میں انسان کی آزمائش کی جاتی ہے اور اس امتحان کا نتیجہ اس دنیا میں ظاہر نہیں ہوتا لیکن نیک اور بد اطاعت گزار اور نافرمان موافق اور مخالف اور مومن اور کافر میں فرق کرنا ضروری ہے اور یہ فرق صرف قیامت کے دن ظاہر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحَقِّ (البقرہ ۲۸)

تاکہ برے کام کرنے والوں کو ان کی سزا دے اور نیکی کرنے والوں کو اچھی جزا دے ○

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ (س ۲۸)

کیا ہم ایمان والوں اور نیکی کرنے والوں کو زمین میں فساد کرنے والوں کی طرح کر دیں گے؟ یا ہم پر ہیز گاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟ ○

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمُ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (س ۲۸)

کیا برے کام کرنے والوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم ان کو ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں

يَعْمَلُونَ (الجزء ۲۱)

نے نیک کام کئے کہ (ان سب کی) زندگی اور موت برابر ہو جائے؟ وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں؟

اَفَعْمَلُ التَّائِبِينَ كَالْمُصْرِفِينَ (مآلکہ صغیف)
تَعْمَلُونَ (القلم ۳۶-۳۵)

کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں جیسا کر دیں گے؟ تمہیں

کیا ہوا؟ تم کیسا فیصلہ کرتے ہو؟

دنیا میں راحت اور مصیبت کا آنا مکمل جزاء اور سزا نہیں ہے

ہر چند کہ بعض لوگوں کو دنیا میں ہی ان کی بد اعمالیوں کی سزائیں جاتی ہیں مثلاً ان کا مالی نقصان ہو جاتا ہے یا وہ ہولناک بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا ان پر دشمنوں کا خوف طاری ہو جاتا ہے لیکن یہ ان کی بد اعمالیوں کی پوری پوری سزا نہیں ہوتی اور ہم کتنے ہی لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ساری عمر عیش پرستی ہوسنا کیوں اور ظلم و ستم کرنے میں گزار دیتے ہیں پھر اچانک ان پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے اور ان کی دولت اور طاقت کا نشہ کافور ہو جاتا ہے لیکن ان کے جرائم کے مقابلہ میں یہ بہت کم سزا ہوتی ہے اس لیے ان کی مکمل سزا کے لیے ایک اور جہان کی ضرورت ہے جہاں قیامت کے بعد ان کو پوری پوری سزا ملے گی۔

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْاَكْثَرِ الَّذِي كَانُوا يَكْفُرُونَ (الاسجد ۲۱)
اور ہم ان کو بڑے عذاب سے پہلے (دنیا میں) ہلکا عذاب ضرور چکھائیں گے تاکہ وہ باز آجائیں

اس طرح بہت سے نیک بندے ساری عمر ظلم و ستم سہتے رہتے ہیں اور مصائب برداشت کرتے رہتے ہیں اور انہیں اپنی زندگی میں آرام اور راحت کا بہت کم موقع ملتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ قیامت کو قائم کرے گا اور ہر شخص کو اس کی نیکی اور بدی کی پوری پوری جزا اور سزا دے گا۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (الزلزال ۷-۸)
اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کی (سزا) پائے گا

دین کا لغوی معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

دین کا معنی ہے جزا اور مکافات قرآن مجید میں ”مآلک يوم الدين“ کا معنی ہے: یوم جزاء کا مآلک دین کا معنی عادت بھی ہے کہا جاتا ہے: ”ما زال ذالک دینی“ میری ہمیشہ سے یہ عادت ہے اور دین کا معنی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور دین کا معنی طاعت ہے حدیث میں ہے:

يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ مَرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَةِ
وہ امام کی اطاعت سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

(علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ ہجری ۲۰۸-۲۰۷ م مطبوعہ المطبعة الخيرية مصر ۱۳۰۶ھ)

دین شریعت اور مذہب وغیرہ کی تعریفات

میر سید شریف لکھتے ہیں:

دین ایک الہی دستور ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتا ہے جو عقل والوں کو قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے دین اور ملت متحد بالذات ہیں اور مختلف باعتبار ہیں کیونکہ شریعت بہ حیثیت اطاعت دین ہے اور بہ حیثیت ضبط اور تحریر ملت ہے اور جس حیثیت سے اس کی طرف رجوع کیا جائے مذہب ہے ایک قول یہ ہے کہ دین اللہ کی طرف منسوب ہے اور ملت

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے اور مذہب مجتہد کی طرف منسوب ہے

(کتاب التریقات ص ۳۷ مطبوعہ المطبعۃ الخیرۃ مصر ۱۳۰۶ھ)

عبودیت کا التزام کر کے حکم ماننا شریعت ہے ایک قول یہ ہے کہ شریعت دین کا ایک راستہ ہے

(کتاب التریقات ص ۵۵ مطبوعہ المطبعۃ الخیرۃ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں

”شريعة ومنهاجا“ کی تفسیر میں قتادہ نے کہا: دین ایک ہے اور شریعت مختلف ہے۔

(عمدة القاری ج ۱ ص ۱۱۷ مطبوعہ دارۃ المطبوعات الخیرۃ مصر ۱۳۲۸ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اہل تورات کے لیے تورات مقرر کی اور اہل انجیل کے لیے انجیل اور اہل قرآن کے لیے قرآن مقرر کیا اور یہ تقرر شریعتوں اور عبادتوں میں ہے اور اصل توحید ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(الجامع ۱۱ احکام القرآن ج ۶ ص ۳۱۱ مطبوعہ انتشارات ماسر فسرہ ایران ۱۳۸۷ھ)

امام بخاری مجاہد سے روایت کرتے ہیں:

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو اور حضرت نوح کو ایک ہی دین کی وصیت کی ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۱ھ)

قرآن مجید میں ہے:

اللہ نے تمہارے لیے اسی دین کا راستہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جس دین کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور وہ اسلام ہے۔

لِكُلِّ جَعَلْنَا دِينَكَ شَرِيعَةً وَمِنْهَا جَا... (المائدہ ۴۸) ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت اور واضح راہ عمل بتائی ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نبی کی شریعت الگ ہے۔

قرآن مجید کی ان آیات احادیث اور عبارات علماء کا حاصل یہ ہے کہ جو عقائد اور اصول تمام انبیاء میں مشترک ہیں مثلاً توحید رسالت قیامت جزاء سزا اللہ کی تعظیم اور اس کے شکر کا واجب ہونا قتل اور زنا کا حرام ہونا ان کا نام دین ہے اور ہر نبی نے اپنے زمانہ کے مخصوص حالات کے اعتبار سے عبادات اور نظام حیات کے جو مخصوص احکام بتائے وہ شریعت ہے اس کو مدون اور منضبط کرنا ملت ہے اور امام اور مجتہد نے کتاب اور سنت سے جو احکام مستنبط کیے ان کا نام مذہب ہے اور مشائخ طریقت نے جو اوراد اور وظائف کے مخصوص طریقے بتائے ان کا نام مسلک اور مشرب ہے اور کسی مخصوص درجہ گاہ کے نظریات کا نام مکتب فکر ہے مثلاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہم دین کے اعتبار سے مسلمان ہیں شریعت کے اعتبار سے محمدی ہیں مذہب کے اعتبار سے ماتریدی اور حنفی ہیں اور مسلک اور مشرب کے اعتبار سے قادری ہیں اور مکتب فکر کے لحاظ سے بریلوی ہیں۔

اللہ رب رحمن رحیم اور مالک یوم الدین میں وجہ ارتباط

سورہ فاتحہ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پانچ سماء ذکر کئے ہیں اللہ رب رحمن رحیم اور مالک یوم الدین اور ان میں

ارتباط اس طرح ہے کہ ”اللہ“ کے تقاضے سے اس نے انسان کو پیدا کیا ”رب“ کے تقاضے سے اس نے غیر مٹا ہی نعمتوں سے انسان کی پرورش کی ”رحمن“ کے تقاضے سے انسان کے گناہوں پر پردہ رکھا ”رحیم“ کے تقاضے سے انسان کی توبہ قبول کر کے اس کو معاف فرمایا اور ”مالك يوم الدين“ کے تقاضے سے انسان کو اس کے اعمال صالحہ کی جزاء عطا فرمائی اگر یہ سوال ہو کہ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ میں بھی اللہ تعالیٰ کی صفت رحمن و رحیم کا ذکر ہے اور سورہ فاتحہ کی ابتداء میں پھر ان صفات کا ذکر ہے اس کی کیا وجہ ہے کہ رحمن اور رحیم کو دوسرے ذکر کیا ہے اور باقی اسما کا دوسرے ذکر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس میں یہ اشارہ ہو کہ اللہ تعالیٰ پر رحمت کا غلبہ ہے اس لیے بندہ کو اس سے مایوس نہیں ہونا چاہیے اور ہر وقت اس کی رحمت پر نظر رکھنی چاہیے اس کے بعد ”مالك يوم الدين“ فرمایا کہ کہیں اس کی رحمت سے دھوکا کھا کر انسان گناہوں پر دلیر نہ ہو جائے کیونکہ وہ ”مالك يوم الدين“ بھی ہے۔ جس طرح اس آیت میں فرمایا ہے:

غَاظِرَ الذَّنْبِ ذِقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي

وہ گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا بہت سخت

عذاب دینے والا قدرت والا ہے۔

الطَّوْلِ (المومن: ۴۰)

”الحمد لله“ میں سند الیہ مقدم ہے اور خبر معرفہ ہے اور عربی قواعد کے مطابق ایسی ترکیب مفید حصر ہوتی ہے نیز اللہ تعالیٰ کی صفات رب رحیم اور ”مالك يوم الدين“ بہ منزلہ علت ہیں اس اعتبار سے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی حمد کا مستحق نہیں ہے کیونکہ وہی رب ہے وہی رحمان رحیم اور مالک روز جزاء ہے اور اس میں یہ رحیم ہے کہ جس میں یہ صفات نہ ہوں وہ تو ستائش کے لائق بھی نہیں ہے چہ جائیکہ وہ پرستش کا مستحق ہو اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ ہی حمد و ثناء کے لائق ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے تو ہم سے یہ کہلوایا: اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں O اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے پروردگار!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں O (الغاحہ: ۳)

عبادت کا لغوی معنی

علامہ جوہری لکھتے ہیں:

عبودیت کی اصل خضوع اور ذلت ہے عبادت کا معنی ہے: اطاعت کرنا اور تعبد کا معنی ہے: تنسک (فرمانبرداری کرنا)۔

(المصباح ج ۲ ص ۵۰۳ مطبوعہ دارالعلم بیروت ۱۴۰۳ھ)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

لغت میں عبادت کا معنی ہے خضوع (تواضع اور عاجزی) کے ساتھ اطاعت کرنا۔

(لسان العرب ج ۳ ص ۲۷۳ مطبوعہ نثر ادب الخوذة قم ایران ۱۴۰۵ھ)

علامہ سید زبیدی لکھتے ہیں:

عبادت کا معنی ہے طاعت بعض ائمہ نے کہا کہ عبودیت کی اصل ذلت اور خضوع ہے دوسرے ائمہ نے کہا: عبودت کا معنی ہے: رب کے فعل پر راضی ہونا اور عبادت کا معنی ہے: ایسا فعل کرنا جس سے رب راضی ہو اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ آخرت میں عبادت ساقط ہو جائے گی عبودت ساقط نہیں ہوگی کیونکہ عبودت یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے حقیقت میں متصرف ہونے کا عقیدہ نہ رکھے ہمارے شیخ نے کہا: یہ صوفیہ کی اصطلاح ہے اس میں لغت کا دخل نہیں ہے ازہری نے کہا: غلام جو اپنے مولیٰ کی خدمت کرتا ہے اس کو عبادت نہیں کہتے اور مسلمان جو اپنے رب کی اطاعت کرتا ہے اس کو عبادت

کہتے ہیں 'اللہ عزوجل نے فرمایا ہے "اعبدوا ربکم" اس کا معنی ہے 'اپنے رب کی اطاعت کرو اور "ایاک نعبد" کا معنی ہے: ہم خضوع اور عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ ابن الاثیر نے کہا: عبادت کا لغت میں معنی ہے۔ عاجزی کے ساتھ اطاعت کرنا۔ (تاج العروس شرح القاموس ج ۲ ص ۲۱۰ مطبوعہ المطبعة الخیرہ مصر ۱۳۰۶ھ)

عبادت کا اصطلاحی معنی

علامہ مرسید شریف لکھتے ہیں۔

نفس کی خواہش کے خلاف اپنے رب کی تعظیم کے لیے مکلف کا کوئی کام کرنا عبادت ہے
عہد کو پورا کرنا، اللہ کی حدود کی حفاظت کرنا، جو مل جائے اس پر راضی رہنا اور جو نہ ملے اس پر صبر کرنا عبودیت ہے۔
(کتاب التعریفات ص ۳۳ مطبوعہ المطبعة الخیرہ مصر ۱۳۰۶ھ)

قرآن مجید میں عبادت کا لفظ توحید اور اطاعت کے لیے استعمال ہوا ہے:
وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا. (النساء: ۳۶)
اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی اطاعت نہ کرنا۔ (یس: ۶۰)

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عبادت کا اصطلاحی معنی ہے: اعتقاد الوہیت کے ساتھ کسی کی تعظیم اور اطاعت کرنا اور "یسایہا الناس اعبدوا ربکم" کا معنی ہے: اے لوگو! اپنے رب کو اللہ مان کر اس کی تعظیم اور اطاعت کرو اور "ایاک نعبد" کا معنی ہے: ہم اعتقاد الوہیت کے ساتھ تیری تعظیم اور اطاعت کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں عبد کے اطلاق

قرآن مجید میں پانچ قسم کے لوگوں پر عبد کا اطلاق کیا گیا ہے:

(۱) غلام اور مملوک پر عبد کا اطلاق کیا گیا ہے:

الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ (البقرہ: ۱۷۸)

غلام کے بدلہ میں غلام (کو قتل کیا جائے)۔
"حَدَّبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ" اللہ مثال بیان فرماتا ہے ایک مملوک (غلام) کی جس کو کسی چیز پر قدرت نہیں ہے۔ (نمل: ۷۵)

(۲) جو اللہ کی تسخیر سے عبد ہیں:

إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَنِ عَبْدًا (مریم: ۹۳)
آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہیں وہ اللہ کی بارگاہ میں بطور عبد حاضر ہوں گے ○

(۳) جو اپنے اختیار سے اللہ کے عبد ہیں اور عبدیت میں کامل ہیں:

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا (نہ سرائیل: ۳)
ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی پر) سوار کیا تھا، بے شک وہ (نوح) عبد شاکر تھے ○

سبحان ہے وہ جو اپنے (مقدس) عبد کو رات کے ایک قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔
سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا. (نہ سرائیل: ۱)

(۴) جو اپنے اختیار سے اللہ کے عبد ہیں اور عبدیت میں ناقص ہیں:

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ
الْغَفُورُ الْحَكِيمُ (المائدہ: ۱۰۸)

اگر تو انہیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے
ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک وہی بہت غائب ہے
بڑی حکمت والا ہے ۵

قُلْ يُوعِظُكُمُ الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا
مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ (الرعد: ۵۲)

کہیے: اے میرے وہ بندہ! یہ لوں نے اپنی جانوں پر
زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو

(۵) جو اپنے اختیار سے غیر اللہ کے عہد ہیں:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ
أَنْتُمْ أَضَلُّنَا عَنْ عِبَادَتِي هَؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ (الفرقان: ۷)

اور جس دن اللہ انہیں جمع کرے گا اور جن کی وہ اللہ سے
سوا عبادت کرتے تھے پھر اللہ ان (معبودوں) سے فرماے گا:
کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود ہی گمراہ ہو
گئے تھے؟ ۵

يَحْشُرُهُ عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا
بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ (س: ۳)

ہائے افسوس ان بندوں پر ان کے پاس جو رسول بھی
آبا یہ اس کا مذاق اڑاتے تھے ۵

خاصہ یہ ہے کہ جو مملوک اور غلام ہیں جو تنخیر امید ہیں جو اپنے اختیار سے اللہ کے عہد میں اور عہد کامل میں اور جو اپنے
اختیار سے اللہ کے عہد میں اور عہد ناقص ہیں اور جو اپنے اختیار سے غیر اللہ کے عہد میں ان سب پر قرآن مجید میں عہد کا اطلاق
کیا گیا ہے۔

اپنے غلام کو "میرا عہد" کہنے کی کراہت اور عبد النبی وغیرہ نام رکھنے کی تحقیق

غلام کے لیے اپنے مالک کو میرا رب کہنا مکروہ تنزیہی ہے اسی طرح مالک کا غلام کو میرا عہد کہنا مکروہ تنزیہی ہے۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں کوئی شخص یہ نہ کہے کہ اپنے رب کو
کھلاؤ اپنے رب کو پلاؤ بلکہ میرا سید اور میرا مولا کہے اور تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے: میرا عہد اور میری بندی اسے یہ کہنا
چاہیے: میرا نوکر میری نوکرانی اور میرا غلام۔ (صحیح بخاری، اس ۲۲۶ ۲۲۷ مطبوعہ نور محمد آج الطبع، راہی ۱۳۸۱ھ)
امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے مملوک کے لیے
میرا عہد نہ کہے لیکن میرا خادم کہے اور نہ مملوک اپنے مالک کو میرا رب کہے لیکن میرا سید کہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۴ مطبوعہ کتاب اسلامیہ، ت ۹۸ ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابن اثیر جزی لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: کوئی شخص اپنے مملوک کو میرا عہد نہ کہے بلکہ میرا نوکر یا خادم کہے یہ
ممانعت اس لیے کی گئی ہے تاکہ مالک سے تکبر اور بڑائی کی نفی کی جائے اور مالک کی طرف غلام کی عبودیت کی نسبت کی نفی کی
جائے کیونکہ اس کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہی تمام بندوں کا رب ہے۔

(نہایح ۳ ص ۱۷۰ مطبوعہ دوست مطبوعاتی، ایران ۱۳۶۳ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

کسی شخص کا اپنے مملوک کو میرا عبد کہنا مکروہ تر یہی ہے حرام نہیں ہے کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مملوک اللہ کا عبد ہے اور اس کی عبادت کرتا ہے اب اگر اس کا مالک بھی اس کو اپنا عبد کہے تو یہ شرک اور مش بہت کو واجب کرتا ہے لہذا اس سے احتراز کے لیے مستحب ہے کہ وہ اس کو میرا نوکر اور میرا خادم کہے اور یہ حرام اس لیے نہیں ہے کہ قرآن مجید میں مالک کی طرف عبد کی اضافت کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَصَابَكُمْ خَائِدِكُمْ أَلَا يَأْتِي مِنْكُمْ وَاصِلِينَ مِنْ بَيْنِكُمْ (النور: ۲۲)

اور تم اپنے بے نکاح (آزاد) مردوں اور عورتوں کا اپنے نیک عباد (غلاموں) اور باندیوں سے نکاح کرو۔

علامہ ابن بطلال نے کہا کہ اس آیت کی رو سے کسی شخص کا اپنے غلام کو میرا عبد کہنا جائز ہے اور احادیث میں ممانعت تعلیظ کے لیے ہے تحریم کے لیے نہیں اور یہ مکروہ اس لیے ہے کہ یہ لفظ مشترک ہے کیونکہ اس کا غلام بہر حال اللہ کا عبد ہے اب اگر وہ اسے میرا عبد کہے گا تو اس سے اس غلام کا مشترک ہونا لازم آگیا۔

(عمدة القاری ج ۳ ص ۱۱۰ مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرة بمصر ۱۳۳۸ھ)

بعض لوگوں کا نام عبد النبی اور عبد الرسول رکھا جاتا ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی نے کفر اور شرک کی باتوں کا بیان اس عنوان کے تحت لکھا ہے۔

علی بخش، حسین بخش، عبد النبی وغیرہ نام رکھنا۔ (بشی زبورج اس ۵ مطبوعہ ناشران قرآن لمیدا اور)

ظاہر ہے کہ یہ دیں میں غلو اور زیدتی سے عبد النبی اور عبد الرسول نام رکھنا سورہ نور کی اس آیت کے تحت جائز ہے اور احادیث میں جو ممانعت وارد ہے اس کی وجہ سے مکروہ تنزیہی ہے۔ ہمارے نزدیک محتار یہی ہے کہ عبد النبی، عبد الرسول، عبد المصطفیٰ نام رکھنا ہر چند کہ جائز ہے لیکن چونکہ احادیث میں اس کی ممانعت ہے اس لیے مکروہ تنزیہی ہے اس لیے افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ ان کے بجائے غلام رسول اور غلام مصطفیٰ نام رکھے جائیں۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

فقہاء نے عبد فلاں نام رکھنے سے منع کیا ہے اس سے یہ معوم ہوتا ہے کہ عبد النبی نام رکھنا ممنوع ہے علامہ منامی نے علامہ دمیری (شافعی) سے نقل کیا ہے کہ ایک قول جواز کا ہے جب کہ اس نسبت سے شرف ہونا مقصود ہو اور اکثر فقہاء نے اس خدشہ سے منع کیا ہے کہ کوئی حقیقت عبودیت کا اعتقاد کرے جیسے عبد الدار نام رکھنا جائز نہیں ہے۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۶۹ مطبوعہ مطبعہ حنفیہ اشرفیہ ۱۳۲۷ھ)

عبادت کا اللہ تعالیٰ میں منحصر ہونا

(اے پروردگار!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں O اس آیت میں عبادت کا اللہ تعالیٰ میں حصر کر دیا ہے بعض علماء نے اس پر بھی بحث کی ہے کہ اس حصر کی وجہ کیا ہے اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی الہ (مستحق عبادت) نہیں ہے اس لیے ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں اور کسی کی عبادت نہیں کرتے اور اس کی یہ توجیہ بھی کی گئی ہے کہ عبادت نہایت تعظیم کو کہتے ہیں اور نہایت تعظیم اسی کی کی جائے گی جس نے بے شمار نعمتیں دی ہوں اور چونکہ تمام نعمتیں اسی کی دی ہوئی ہیں اس لیے عبادت بھی اسی کی کی جاتی ہے دیکھئے اللہ تعالیٰ ہم کو عدم سے وجود میں آیا، جہل سے نکال کر علم عطا فرمایا، پھر تمام زمین آسمان، سیارگان

جمادات نباتات اور حیوانات کو ہمارے نفع کے لیے مسخر کر دیا!

وَقَدْ خَلَقْنَاكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُنْ شَيْئًا

اور بے شک میں نے تم کو اس سے پہلے پیدا کیا حالانکہ

(مریم: ۹) تم کچھ بھی نہ تھے

اور اللہ نے تمہیں نہاری ماؤں کے پیٹ سے پیدا کیا

وَاللَّهُ أَخَذَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا لَّا تَعْلَمُونَ شَيْئًا

حالانکہ تمہیں کسی نیز کا علم نہ تھا اور تمہارے کان آنکھیں اور

وَجَعَلْنَا لَكُمْ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

(نمل: ۷۸) دل بنائے تاکہ تم شکر بجالاؤ

اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا قَنَةً

(الجم: ۱۳) کو اس نے اپنی طرف سے تمہارے نفع کے لیے مسخر کر دیا۔

اس سے بڑا اور کیا انعام ہوگا! تو اس کے سوا اور کون عبادت کا مستحق ہوگا۔

”ایاک نعبد“ میں حرف خطاب کو مقدم کرنے کے اسرار اور نکات

اس آیت میں یوں نہیں فرمایا: ”نعبدک“ ہم تیری عبادت کرتے ہیں بلکہ فرمایا ہے: ”ایاک نعبد“ تیری ہی عبادت

کرتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کا ذکر پہلے ہے اور ہماری عبادت کرنے کا ذکر بعد میں ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہے

اور ہم اور ہماری عبادت بعد میں ہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے: جس شخص کی نظر نعمت کے وقت نعمت کی بجائے منعم پر ہو تو

مصیبت کے وقت اس کی نظر مصیبت کی بجائے مصیبت میں مبتلا کرنے والے پر ہوتی ہے پھر مصیبت مصیبت نہیں رہتی اور

نعمت آنے کے بعد اگر وہ نعمت زائل ہو جائے تو اس کو ملال نہیں ہوتا اور جس کی نظر نعمت پر ہوتی ہے تو حصول نعمت کے وقت

بھی وہ پریشان رہتا ہے کہ کہیں وہ نعمت زائل نہ ہو جائے اور مصیبت کے وقت بھی وہ رنج اور افسوس میں مبتلا رہتا ہے اور جس

کی نظر ہر حال میں اللہ پر ہو وہ ہمیشہ خوش رہتا ہے لہذا ان کے مقام کا کیا کہنا جن کی توجہ ہر حال میں صفات کی بجائے ذات کی

طرف رہتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”واذکروا نعمتی“ میری نعمت کو یاد کرو اور

حضرت سیدنا محمد کی امت سے فرمایا: ”فادکرو لی اذکرکم“ تم مجھے (میری ذات کو) یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا ان کی

رسائی صفت تک تھی ہماری رسائی ذات تک کر دی ہے اور جب اس تصور سے انسان کہے گا: تیری ہی عبادت کرتے ہیں ہم اور

اس کی ذات کا اس لیے مقدم ذکر کرے گا کہ وہ ہر حال میں پہلے اس کو دیکھتا ہے بعد میں اور کو دیکھتا ہے تو پھر ”ایاک نعبد“

پڑھنے کا کچھ اور لطف ہوگا!

نیز اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ کامل عبادت یہ ہے کہ تم اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اس سے

بالمشافہ خطاب کر رہے ہو اور اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ عبادت میں صعوبت اور مشقت تو بہت ہے لیکن جب عابد کی نظر معبود

کے جمال پر ہو اور وہ محو نظارہ ذات ہو تو پھر کسی مشقت اور صعوبت کا پتا نہیں چلتا جس طرح مصر کی عورتوں کی نظر جب حسن

یوسف پر پڑی تو انہوں نے پھل کی جگہ انگلیاں کاٹ ڈالیں اور ان کو کچھ درد نہیں ہوا یہی وجہ ہے کہ ایک صحابی کو نماز کے دوران

تیر لگتے رہے خون بہتا رہا اور وہ اسی انہماک سے نماز پڑھتے رہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹) مسجد کی چھت سے سانپ گر پڑا

بھگدڑ مچ گئی اور امام ابو حنیفہ اسی محویت سے نماز پڑھتے رہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۲۹) امام بخاری کو نماز میں ہتھیہ نے سترہ ڈنک

مارے اور ان کو کچھ پتا نہیں چلا۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۸۱-۲۸۰) عروہ بن زبیر کے کسی عضو میں زخم ہو گیا اس عضو کا کاٹنا ضروری

تھا جب انہوں نے نماز شروع کی تو لوگوں نے وہ عضو کاٹ دیا اور ان کو ذرا احساس نہیں ہوا۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۲۹)

”ایاک نعبد“ میں جمع کا صیغہ لانے کے اسرار اور نکات

اس آیت میں فرمایا ہے: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں یہاں پر لفظ جمع لایا گیا ہے کیونکہ اگر بندہ یوں کہتا کہ میں تیری عبادت کرتا ہوں تو اس سے تکبر اور عجب کا وہم ہوتا اور جب کہا: ہم (سب) تیری ہی عبادت کرتے ہیں تو اس کا حاصل یہ ہے کہ میں تیرے عبادت گزار بندوں میں سے ایک عبادت گزار بندہ ہوں اور اس میں تواضع اور انکسار ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بندہ اپنی عبادت کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ اس کا اللہ تعالیٰ کے سامنے ذکر کرے اس میں بہت سے نقائص اور تقصیرات ہیں اس لیے وہ اپنی عبادت کو تمام عبادت گزاروں کی عبادت میں درج کر کے ذکر کرتا ہے کہ ان عبادت گزاروں میں صالحین اور مقبولین بھی ہیں جن کی عبادتوں کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا اور یہ اس کے کرم سے بعید ہے کہ وہ بعض کی عبادتیں قبول کرے اور بعض کو مسترد کر دے۔

علامہ محی الدین درویش لکھتے ہیں:

ایک شرعی مسئلہ یہ ہے کہ جو آدمی مختلف جنس کی چیزوں کو بیع واحد کے ساتھ فروخت کرے پھر خریدار بعض چیزوں کے کسی عیب پر مطلع ہو تو اس کو تمام چیزیں واپس کرنے کا اختیار ہے یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ بعض چیزوں کو رکھ لے اور بعض کو واپس کر دے کیونکہ تمام چیزیں بیع واحد کے ساتھ فروخت کی گئی ہیں وہ ان میں تفریق نہیں کر سکتا (مثلاً کوئی شخص سیبوں کا ایک کریٹ خریدے اور کوئی ایک سیب داغدار ہو تو وہ صرف اس سیب کو واپس نہیں کر سکتا یا سب کو واپس کرے گا یا سب کو رکھے گا) علیٰ ہذا القیاس جب عبادت گزار نے اپنی عبادت کو ناقص اور معیوب جانا تو اس نے اپنی عبادت کو الگ نہیں پیش کیا بلکہ تمام عابدوں کی عبادت میں درج کر دیا اس امید سے کہ تمام عبادات مسترد نہیں ہوں گی کیونکہ ان میں بعض مقبولین کی عبادات بھی ہیں اور جب باقی مقررین کی عبادات مقبول ہوں گی تو اس کی عبادت بھی مقبول ہو جائے گی اور یہی اس کے کرم عظیم کے مناسب اور فضل عظیم کے لائق ہے۔ (اعراب القرآن الکریم دہلی: ج ۱ ص ۱۸ دار ابن کثیر بیروت الطبعة الثالثہ ۱۴۱۳ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھر میں نماز پڑھنے پر ایک نماز کا اجر ہے اور قبائل کی مسجد (محلہ کی مسجد) میں نماز پڑھنے پر پچیس نمازوں کا اجر ہے (بعض روایات کے مطابق ستائیس نمازوں کا اجر ہے) اور جامع مسجد میں نماز پڑھنے پر پانچ سو نمازوں کا اجر ہے اور مسجد انصی میں پچاس ہزار نمازوں کا اجر ہے اور میری مسجد (مسجد نبوی) میں نماز پڑھنے کا (بھی) پچاس ہزار نمازوں کا اجر ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا اجر ایک لاکھ نمازوں کا اجر ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۷۲ مطبوعہ مجمع المطابع دہلی)

اجر میں اس اضافہ کی وجہ ایک تو ان مساجد کی عظمت اور خصوصیت ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ محلہ کی مسجد کی نسبت جامع مسجد میں زیادہ نمازی ہوتے ہیں اور جہاں زیادہ نمازی ہوں گے وہاں اللہ کے نیک بندے بھی زیادہ ہوں گے اللہ تعالیٰ اپنے مقرب اور نیک بندوں کو زیادہ اجر عطا فرمائے گا اور ان کے واسطے سے سب نمازیوں کو زیادہ اجر و ثواب عطا فرمادے گا علیٰ ہذا القیاس جیسے جیسے نمازیوں کی تعداد بڑھتی جائے گی اجر و ثواب بڑھتا جائے گا اس لیے بندہ اپنی عبادت کا علیحدہ ذکر نہیں کرتا بلکہ تمام عابدوں کی عبادت میں اپنی عبادت ضم کر کے ذکر کرتا ہے تاکہ اسے بھی وہ برکتیں مل جائیں جو مقررین بارگاہ ناز کے طفیل سب عابدوں کو ملیں گی۔

غیبوت سے خطاب کی طرف التفات کے اسرار اور نکات

بلاغت کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ کلام کے پیرائے کو مثلاً صیغہ غائب سے صیغہ خطاب کی طرف منتقل کیا جائے اس کو

اصطلاح میں، اتفاقات کہتے ہیں: کیونکہ اصل ایک طرز سے بننے والا، کتاب بنانا ہے اور جب کلام کا ہر ابجد بن گیا جاتا ہے تو اسے والے کا ذہن حاضر اور بیدار رہتا ہے اور اس کا شوق برقرار رہتا ہے اور تجس براعتا رہتا ہے۔

سورہ فاتحہ کے شروع کی آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا صیغہ غائب کے ساتھ ذکر کیا گیا اور اس کی حمد و ثناء کی گئی پھر ”ایاک نعبد“ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں“ میں اس سے بالمشافہ خطاب کیا گیا جس میں صفت اتفاقات کے علاوہ حسب ذیل اسرار ہیں:

(۱) جب زندہ سے اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت رحمت اور اس کے مالک ہونے کا ذکر کیا تو اس کو حرم ناز میں داخل ہے کی اجازت ملی اور اس سے کہا گیا کہ اب جو کہنا ہے بالمشافہ کہو تو زندہ نے کہا، ”ایاک نعبد و ایاک نستعین“۔

(۲) دعا اور سوال میں اصل یہ ہے کہ بالمشافہ خطاب کر کے سول کیا جائے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ سے فرمایا: ”قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا“ (ملہ ۱۳۰) آپ کہتے کہ اے رب امیر علم کو زیادہ کر سوائے تج پر یہاں یہ صورت خطاب دعا کی گئی ہے۔

(۳) ”الحمد“ سے ”مآلک یوم الدین“ تک اللہ کی حمد و ثناء ہے اور عریف میں اصل یہ ہے کہ غیاب میں کی جائے اور ”ایاک نعبد“ میں عبادت کا ذکر ہے اور عبادت میں اصل یہ ہے کہ حضور میں اور بالمشافہ ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان تعبد الله کانت تراہ

تم اس طرح عبادت کرو گویا کہ اللہ کو دیکھ رہے ہو۔

(مام۱، ائین مسلم بن حبان اثیری، ذی ۲۶۱ھ شیخ مسلم بن اس ۲۷ مطبوعہ دار الفکر، راپڑ ۱۳۷۵ھ)

استعانت کے معنی

استعانت کا لفظ عون سے ماخوذ ہے علامہ زبیدی عون کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کسی کام پر مدد کرنے والے کو عون کہتے ہیں عرب کہتے ہیں: جب قحط آتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے اعوان بھی آتے ہیں یعنی ٹڈیاں، ٹکھیاں اور بیماریاں لیٹ نے کہا: ہر وہ چیز جو تمہاری مدد کرے وہ تمہاری عون ہے جیسے روزہ عبادت کے لیے عون ہے اس کی جمع اعوان ہے اور عرب کہتے ہیں: ”استعنتہ فاعاننی“ میں نے اس سے مدد طلب کی تو اس نے میری مدد کی۔

(تاج العروس ج ۹ ص ۲۸۵ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

”ایاک نستعین“ کی تفسیر

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں:

”ایاک نستعین“ کا معنی یہ ہے: اے ہمارے رب! ہم اپنی عبادات اپنی طاعات اور اپنے تمام معاملات میں صرف تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں تیرے سوا اور کوئی مددگار نہیں ہے کفار اپنے معاملات میں اپنے باطل معبودوں سے مدد طلب کرتے ہیں اور ہم اخلاص کے ساتھ تیری عبادت کرتے ہیں اور اپنے تمام امور میں تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: ہم اپنی اطاعت اور تمام امور میں تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں

(جامع البیان ج ۱ ص ۵۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۰۹ھ)

عبادت کو استعانت پر مقدم کرنے کی وجوہ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عبادت بھی اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر نہیں ہوسکتی پھر یہ ظاہر یہ چاہیے تھا کہ پہلے ”ایاک نستعین“

ہوتا پھر "ایاک بعد" ہوتا اس کا ایک جواب یہ ہے کہ وہ اس ترتیب کا قاضا نہیں کرتی بیسا کہ قرآن مجید میں ہے:
 يَمُرُّ بِكَ أَقْتَرُكَ لِوَتِكَ وَاسْجُدْ وَادْكُحِي مَعَ
 الذِّكْرِ ۝ (المرن: ۴۳)
 اے مریم! اپنے رب کی عبادت کر جدہ کر اور رکوع
 کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر ۝

اس آیت میں پہلے جدہ اور پھر رکوع کا ذکر ہے حالانکہ ترتیب کے اعتبار سے پہلے رکوع اور پھر جدہ سے دو مرتبہ یاد دہانی ہے کہ وہ سبیل مقصود پر مقدم ہوتا ہے بندہ کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب تم نے دعا اور سوال کرنا ہو تو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تا کہ تمہاری دعا قبول ہو اس لیے مدد طلب کرنے سے پہلے عبادت کرنے کا ذکر کیا گیا "تیسرا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے "الحمد لله رب العلمین" اور "مالک يوم الدين" فرمایا تھا تو ای وزن پر "ایاک بعد وایاک يستعین" فرمایا اگر "ایاک يستعین وایاک بعد" ہوتا تو ان آیات کے آخری الفاظ کا اختتام ایک فصل اور ایک وزن پر نہ ہوتا۔

اولیاء اللہ سے استعانت کی تحقیق

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

استعانت میں عموم مراد ہے ہر چیز میں ہم صرف تجھ سے ہی استعانت کرتے ہیں کیونکہ حدیث صحیح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس سے فرمایا:

اذا استعنت فاستعن بالله (جامع ترمذی ص ۳۶۱) جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے

اسی حدیث کی وجہ سے حضرت ابن عباس نے استعانت میں عموم کا قول اختیار کیا ہے سو جس شخص نے اپنے اہم معاملات بلکہ دوسرے غیر اہم معاملات میں بھی غیر اللہ سے مدد چاہی ہو تو اس نے ایک عبث عمل کیا اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں مدد طلب کی جاتی حالانکہ وہ غنی کبیر ہے اور دوسروں سے کیسے مدد طلب کی جائے گی جب کہ سب اس کے محتاج ہیں اور محتاج کا محتاج سے مدد طلب کرنا ناہنجہ رے ہے اور عقل کی کج ردی اور میں نے کتنے لوگوں کو دیکھا جنہوں نے غیر اللہ سے عزت اور دولت طلب کی اور وہ ذلیل اور فقیر ہوئے سو اللہ کے سوا اور کوئی اس لائق نہیں کہ اس سے مدد طلب کی جائے۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۹۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ مراغی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کریں اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی ایسی تعظیم کریں جیسی معبود کی تعظیم کی جاتی ہے، اور اللہ کے سوا کسی سے مدد نہ طلب کریں اور کسی کام کو پورا کرنے کے لیے جو طاقت درکار ہوتی ہے وہ کسی اور سے نہ مانگیں ماسوا ان سباب کے جن کا کسب کرنا اور جن کو حاصل کرنا ہمارے لیے عام اسباب میں مشروع اور میسر ہے۔

اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اسباب کو مسبات کے ساتھ مربوط کیا ہے اسی طرح ارتفاع موانع پر بھی ان کو موقوف کیا ہے اور ان اسباب کے حصول کے لیے انسان کو علم اور معرفت سے نوازا ہے اور موانع اور رکاوٹوں کے دور کرنے پر انسان کو قدرت عطا کی ہے اور اسی اعتبار سے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم ایک دوسرے کی مدد کریں اور تعاون کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوُزُوا عَلَى الْيَدِ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوُزُوا عَلَى الْإِنِّمِ
 وَالْعُدَاوِينَ (اساۃ ۲)
 اور تم اپنی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے
 کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

قَالَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ لِي بِإِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِ يَدْعُونَ لِي بِإِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِ (الأنعام: ۹۵)

ذوالقرنین نے کہا: سرے رب نے جس پر مجھے

قدرت دی ہے وہ (تمہارے مال سے) بہتر ہے تو تم (مہنت کے کام میں) طاقت سے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان نہایت مضبوط دیوار بنا دوں گا O

اسی اعتبار سے ہم بیماروں کی شفا کے لیے اطباء سے دعا کیں طلب کرتے ہیں اور دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے ہتھیاروں اور سپاہیوں سے مدد طلب کرتے ہیں اور اپنی فصلوں کی فراوانی کے لیے شراۃ الارض اور مضر کیڑوں کوڑوں کو دور کرتے ہیں اور ان کو ہلاک کرتے ہیں اور ان اسباب کے بغیر اگر ہم بیماروں کے لیے شفاء اور دشمن پر غلبہ چاہتے ہوں تو اس کے لیے صرف اللہ تعالیٰ سے استعانت کی جائے گی اور زمین و آسمان کی تمام حاجات کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے دست سوال دراز کیا جائے گا اور نبی کی حیات طیبہ میں ہمارے لیے اسوہ اور نمونہ ہے آپ نے مختلف غزوات میں کفار کے خلاف غلبہ اور فتح کے لیے صرف اللہ کے آگے ہاتھ پھیلائے ہیں اسی سے فتح و نصرت کی دعائیں کی ہیں اور اسی سے بیماری میں حصول شفا کے لیے دعا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا اور فرمایا ہے کہ میں تمہاری شہرگ سے بھی زیادہ تم سے قریب ہوں۔

سو جو شخص اپنی حاجات پوری کرانے کے لیے کسی بیمار کی شفا کے لیے دشمن پر غلبہ کے لیے یا اولاد کی طلب کے لیے اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر ان سے مدد مانگتا ہے وہ شخص سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا اس نے اللہ کی شریعت سے اعراض کیا اور اس نے زمانہ جاہلیت کے بت پرستوں کا سا کام کیا۔ (تفسیر الراغب ج ۱ ص ۳۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ہمارے نزدیک علامہ مراۃ کا یہ فتویٰ علی الاطلاق صحیح نہیں ہے زمانہ جاہلیت میں کفار بتوں کو مستحق عبادت قرار دیتے تھے اور اسی عقیدہ کے ساتھ ان سے استعانت کرتے تھے لیکن جو مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مستحق عبادت قرار نہ دیتا ہو اور نہ اولیاء اللہ کو متصرف بالذات سمجھتا ہو نہ ان کو تصرف میں مستقل سمجھتا ہو بلکہ یہ سمجھتا ہو کہ اولیاء اللہ اللہ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے اس کائنات میں تصرف کرتے ہیں اور اسی عقیدہ کے ساتھ ان سے استعانت کرے تو اس مسلمان کا یہ فعل شرک ہے نہ زمانہ جاہلیت کے بت پرستوں کا سا کام ہے تاہم ہمارے نزدیک شریعت کا اصل تقاضا یہی ہے کہ ان تمام امور میں صرف اللہ تعالیٰ سے استعانت کرنی چاہیے اولیاء اللہ بھی اللہ کے محتاج ہیں اور ہم بھی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں تو سلامت روی اسی میں ہے کہ ہر حاجت اللہ سے طلب کی جائے اور ہر ضرورت میں اس کے آگے دست سوال دراز کیا جائے۔

ہم نے ان پڑھ عوام اور جہلاء کو اولیاء اللہ کے مزارات پر بار بار سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے جو منع کرنے کے باوجود باز نہیں آتے اسی طرح ان کو مزارات پر صاحب مزار کی نذر اور منت مانگتے ہوئے دیکھا ہے حالانکہ سجدہ عبادت ہو یا سجدہ تعظیم اللہ کے غیر کے لیے جائز نہیں ہے اور نذر بھی عبادت ہے اور غیر اللہ کی نذر ماننا جائز نہیں۔

وہی ہے جو تم کو خشک زمین اور سمندر میں چلا تا ہے حتیٰ کہ جب تم کو کشتیاں موافق ہوا کے ساتھ لے کر چلتی ہیں اور وہ اس پر خوش ہوتے ہیں تو (اچانک) کشتیوں پر تندہ تیز آندھیاں آئیں اور سمندر کی موجوں نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا اور (مسافروں نے) سمجھ لیا کہ وہ طوفان میں گھر گئے تب سب

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِ وَجَرْتُمْ بِهِمْ بِرِيحٍ طَبِيعَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهُمْ رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ فَلَمَّا أَنْجَيْنَاهُمْ

إِذَا هُمْ يَنْبُغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَيِّطِ

نے اپنے دین کو خاص اللہ کے لئے رہنے والے نہیں مانتیں کہ

(یونس: ۲۲-۲۳) اگر تو نے ہمیں اس (طوفان) سے بچا یا، ہم ضرور تیرے شکر

گزاروں میں سے ہو جائیں گے O پھر جب اللہ نے ان کو

بچالیا تو وہ ناگہاں زمین میں ناحق زیادتی کرنے لگے۔

جب انسان مصائب کے گرداب اور پریشانیوں کے طوفان میں گھر جائے تو کٹر سے کٹر شرک بھی صرف اللہ ہی کی طرف

رجوع کرتا ہے، سو مسلم اور موصد اس بات کے زیادہ سائق اور مستحق ہے کہ وہ اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں میں صرف اللہ تعالیٰ سے

التجاء کرے اسی سے مدد مانگے اور اس کے آگے ہاتھ پھیلائے۔

امام رازی سورہ یونس آیت: ۱۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان کافروں نے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی صورتوں کے بت بنا لیے تھے اور ان کا یہ زعم تھا کہ جب وہ ان بتوں

کی عبادت کریں گے تو وہ بت اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے اور اس زمانہ میں اس کی نظیر یہ ہے کہ بہت لوگ اولیاء

اللہ کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ جب وہ ان قبروں کی تعظیم کریں گے تو وہ اللہ کے پاس ان کی

شفاعت کریں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۵۵۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

قبر کو سجدہ کرنا، قبر کا طواف کرنا اور حصول منفعت کے لیے صاحب قبر کی نذر ماننا، قبر کے سامنے جھکانا یہ تمام امور ناجائز

اور حرام ہیں۔

اولیاء اللہ سے استعانت کا صحیح طریقہ

ہونا یہ چاہیے کہ اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کی جائے کیونکہ زیارت قبور سنت ہے ان کے مزارات پر ایصال ثواب

کیا جائے یہ بھی احادیث سے ثابت ہے ان کی مغفرت اور ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کی جائے کیونکہ قرآن مجید

میں وفات یافتہ مسلمانوں کے لیے دعا کرنے کی تعلیم ہے اور ان کے وسیع سے اپنی حاجات کی قبولیت کی دعا کی جائے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت اسد کی مغفرت کے لیے اپنے اور نبیاء سابقین کے وسیلہ سے دعا فرمائی ہے اور

زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ سے یہ درخواست کی جائے کہ وہ ہماری حاجت روائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیں اور

اس کی اصل نابینا کی حدیث ہے جس کو ان شاء اللہ ہم عنقریب تفصیل سے بیان کریں گے اب ہم وسیلہ اور غیر اللہ سے امتداد

کے موضوع پر تفصیل سے لکھ رہے ہیں۔ فقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانة یلیق

وسیلہ کا لغوی معنی

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

جس چیز سے کسی شے تک رسائی حاصل کی جائے اور

ہی فی الاصل ما يتوصل به الى الشيء

اس شے کا تقرب حاصل کیا جائے وہ وسیلہ ہے۔

ويتقرب به.

(علامہ محمد بن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ نہج ج ۵ ص ۱۸۵ مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعاتی ایران ۱۳۶۳ھ)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

امام لغت علامہ جوہری نے کہا ہے کہ جس چیز سے غیر کا

الجوہری: الوسيلة ما يتقرب به الى الغیر.

تقرب حاصل کیا جائے وہ وسیلہ ہے۔

(ید جمال اللہ بن محمد بن کرم اللہ بن منظور الفریقی متوفی ۷۱۷ھ ماہ ارباب ۱۱۵۱ھ ۷۲۲ھ "ذوالقعدة" ۱۱۵۱ھ) عام زبیدی نے ابن اثیر اور علامہ جوہری کے حوالوں سے وسیلہ کی تعریف میں مذکور المصادر عبارات نقل کی ہیں۔
(تاج الفروس ج ۸ ص ۱۵۳ مطبوعہ المطبعة الخيرية مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابن منظور الفریقی اور علامہ زبیدی نے عامہ جوہری کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے۔
"جس چیز سے غیر کا قرب کیا جائے وہ وسیلہ ہے" (تاج ج ۵ ص ۱۸۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ ۱۳۰۶ھ)
انہ لغت کی ان تفسیرات سے واضح ہو گیا کہ جس چیز سے غیر کا قرب حاصل کیا جائے وہ وسیلہ ہے اللہ تعالیٰ کا قرب اعمال صالحہ اور عبادات سے حاصل ہوتا ہے تاہم انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو عزت اور قرب حاصل ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت دعا کے لیے اس عزت اور وجاہت کو پیش کرنا اور ان سے دعا کی درخواست کرنا بھی جائز ہے زندگی میں اور وفات کے بعد بھی۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی ذوات سے توسل کے متعلق فقہاء اسلام کی عبارات

امام محمد بن جزری آداب دعا میں لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء علیہم السلام اور صالحین کا وسیلہ پیش کرے۔
(حسن حسین مع تخذ الذاکرین ص ۳۴ مطبوعہ مطبعہ المصطفیٰ البانی مصر ۱۳۵۰ھ)

ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

مصنف نے کہا: دعا میں انبیاء اور صالحین کا وسیلہ پیش کرنا امور مستحبہ میں سے ہے کیونکہ "صحیح بخاری" کی کتاب الاستسقاء میں ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پہلے ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے تو (اے اللہ!) تو بارش نازل فرماتا تھا اب ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم محترم کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں تو ہم پر بارش نازل فرماتا پھر ان پر بارش ہو جاتی اور جیسا کہ نابینا کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کا ذکر ہے جس کا کو امام حاکم نے اپنی "مستدرک" میں روایت کیا اور یہ کہا کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث صحیح غریب ہے۔ اور ہم نے اس کو "حسن" میں ذکر کیا ہے اور حدیث ابو امامہ کی بناء پر جس کو ہم نے صحیح کی دعاؤں میں ذکر کیا ہے اس حدیث کو امام طبرانی نے "معجم کبیر" اور "کتاب الدعاء" میں ذکر کیا ہے

(انحرز اثمن ص ۷۶ مطبوعہ مطبعہ امیریاہ مصر ۱۳۰۳ھ)

امام جزری نے حضرت ابو امامہ کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

استنک بسور وجھک الذی اشرفت له
السموات والارض وکل حق هولک وبحق
السائلین علیک
اے اللہ! میں تجھ سے تیری ذات کے اس نور کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جس سے آسمان اور زمین روشن ہیں اور تیرے ہر حق کے وسیلہ سے اور جو سوال کرنے والوں کا تجھ پر حق ہے اس کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں۔

(امام محمد بن جزری متوفی ۸۳۲ھ حسن حسین مع تخذ الذاکرین ص ۶۸ مطبوعہ مطبعہ المصطفیٰ البانی مصر ۱۳۵۰ھ)

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سوال کرنے والوں کا اللہ پر اس لیے حق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (اپنے کرم سے) ان کی دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے

گویا کہ بندے نے اللہ تعالیٰ سے بندوں پر اس کے حق کے وسیلے سے اور سائنس کا لہجہ پر جو حق ہے اس کے وسیلے سے سوال کیا اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں اس کی حمد و ثناء کریں اس کے احکام پر عمل کریں، اس کی تسبیح کی ہوئی چیزوں سے رئیس اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ اپنے وعدہ کے مطابق اس کو ثواب عطا کرے کیونکہ اس کے وعدہ کا پورا ہونا واجب ہے کہ اس کا وعدہ حق ہے اور اس کی خبر صادق ہے۔ (اسرار انیس ص ۱۷۶ مطبوعہ دار الفکر ۱۳۵۰ھ)

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

ہم یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرے والا یہ ہوتا ہے کہ میں تجھ سے فلاں کے حق اور فلاں فرمائے اور نبی، اور صالحین وغیرہم کے حق سے سوال کرتا ہوں یا فلاں کی حرمت اور فلاں کی وجاہت کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں اس دعا کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک ان مقربین کی وجاہت ہو اور یہ دعا صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقربین کی وجاہت اور حرمت ہے جس کا یہ تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور ان کی قدر افزائی کرے اور جب یہ شفاعت کریں تو ان کی شفاعت قبول کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ بخیرہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کون اس سے شفاعت کر سکتا ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۲۱۱ مطبوعہ دار فہد بن عبد العزیز)

غیر مقلد عالم قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ پر سائلین کے حق سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو مسترد نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ وعدہ فرمایا ہے، مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا

(تحفۃ الذاکرین ص ۶۹ مطبوعہ مطبعہ معنیٰ البانی دار الفکر مصر ۱۳۵۰ھ)

نیز قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام کے وسیلے کے جواز پر وہ حدیث دلیل ہے جس کو امام ترمذی نے روایت کر کے کہا: یہ حدیث حسن صحیح اور غریب ہے، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور امام حاکم نے اس کو روایت کر کے کہا: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے، حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری بصارت بحال کر دے آپ نے فرمایا یا میں رہنے دوں؟ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ پر نابینائی بہت دشوار ہے آپ نے فرمایا: جاؤ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو پھر کہو: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور محمد نبی رحمت کے وسیلے سے میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، الحدیث۔ "حصن حصین" کے باب صنوۃ الحاجۃ میں اس حدیث کا ذکر آئے گا اور صالحین کے توسل کے جواز پر وہ حدیث دلیل ہے جو صحیح (بخاری) میں ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش کے لیے دعا کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! ہم تیرے نبی کے علم محترم کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں۔

(تحفۃ الذاکرین ص ۳۷ مطبوعہ مطبعہ معنیٰ البانی دار الفکر مصر ۱۳۵۰ھ)

حضرت آدم علیہ السلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا کرنا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا مانگی جس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت آدم سے (ادھیڑاوی) خطا ہو گئی تو انہوں نے کہا: اے رب! میں تجھ سے بہ حق (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے اللہ عزوجل نے فرمایا: اے آدم! تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے جانا حالانکہ میں نے ابھی ان کو پیدا نہیں کیا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: کیونکہ اے رب! جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور تو نے مجھ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی تو میں نے سراٹھا کر دیکھا تو عرش کے پاؤں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا سو میں نے جان لیا کہ تو نے جس کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے وہ تجھ کو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: اے آدم! تم نے سچ کہا وہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں اور کیونکہ تم نے ان کے وسیلہ سے سوال کیا ہے اس لیے میں نے تم کو بخش دیا اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرنا نہ ہوتا تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔ (دلائل النبوة ص ۳۸۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اس حدیث کی سند میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم ایک ضعیف راوی ہے لیکن فضائل میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔ امام طبرانی نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر سے روایت کیا ہے۔

(معجم صغیر ج ۲ ص ۸۳-۸۴، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۳۸۸ھ)

امام ابن جوزی نے بھی اس حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس مضمون کی حدیث کو روایت کیا ہے۔ (الوفاء ص ۳۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد)

شیخ ابن تیمیہ نے بھی ان دونوں حدیثوں کو روایت کیا ہے لیکن انہوں نے لکھا ہے کہ ابو نعیم حافظ نے اس حدیث کو ”دلائل النبوة“ میں روایت کیا ہے اس نسبت میں شیخ ابن تیمیہ کو خطا لاحق ہوئی یہ حدیث حافظ ابو نعیم کی ”دلائل النبوة“ میں نہیں ہے بلکہ حافظ بیہقی کی ”دلائل النبوة“ میں ہے ان دونوں حدیثوں کے متعلق شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

یہ دونوں حدیثیں احادیث صحیحہ کی تفسیر کے درجہ میں ہیں۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۲ ص ۹۶، مطبوعہ دارالکلیل ریاض ۱۴۱۸ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو حافظ ابوشامی نے بھی ذکر کیا ہے وہ اس روایت کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام طبرانی نے ”معجم صغیر“ اور ”معجم اوسط“ میں روایت کیا ہے اور اس کے ایک راوی کو میں نہیں پہچانتا۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۳، مطبوعہ دارالکتب العربیہ ۱۴۰۲ھ)

شیخ ناصر الدین البانی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (توسل ص ۱۰۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

امام حاکم نیشاپوری نے بھی اس حدیث کو حضرت عمر سے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح الاسناد لکھا ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۶۱۵، مطبوعہ دارالہدای للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ)

امام حاکم نیشاپوری نے ایک اور حدیث اس کے مقابل روایت کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی کی: اے عیسیٰ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور جو تمہاری امت میں سے ان کا زمانہ پائے اس کو بھی ان پر ایمان لانے کا حکم دو کیونکہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو جنت اور دوزخ کو پیدا نہ کرتا اور میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ بہنے لگا پھر میں نے اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا تو وہ ساکن ہو گیا۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۶۱۵، مطبوعہ دارالہدای للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ)

علامہ ذہبی نے ان دونوں حدیثوں کے راویوں کی صحت سے اختلاف کیا ہے لیکن شیخ ابن تیمیہ کی تصحیح مقدم ہے۔

علامہ بیہقی نے امام حاکم، امام بیہقی، امام طبرانی، امام ابو نعیم اور امام ابن عساکر کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے۔ (خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶، مطبوعہ مکتبہ دیر رضویہ، فعل امام)
علامہ قسطلانی نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام حاکم کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(المواہب اللہیہ مع الزرقانی ج ۱ ص ۲۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۳ھ)

علامہ زرقانی نے اس کی شرح میں امام حاکم اور ابوالشاخ کے حوالے سے حضرت ابن عباس کی مذکور الصدر روایت بیان کی ہے اور لکھتے ہیں کہ امام حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ بکی نے "شفاء القمام" میں اور علامہ بیہقی نے اپنے فتاویٰ میں اس تصحیح کی تائید کی ہے اور کہا ہے کہ اس قسم کی بات رائے سے نہیں کہی جاسکتی اس لیے یہ حدیث حکما مرفوع ہے علامہ ذہبی نے کہا: اس کی سند میں عمرو بن اوس ہے پتا نہیں وہ کون ہے؟ اور امام دیلمی نے حضرت ابن عباس سے مرفوع روایت کیا ہے کہ میرے پاس حضرت جبرائیل آئے اور انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر آپ نہ ہوئے تو میں جنت کو پیدا کرتا نہ مار کو پیدا کرتا۔ (شرح المواہب اللہیہ ج ۱ ص ۲۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۳ھ)

علامہ علی قاری نے بھی امام دیلمی کی اس روایت کو استشہاد کے طور پر پیش کیا ہے۔

(موضوعات کبیر ص ۵۹، مطبوعہ مطبع مجتہد دہلی ۱۳۱۵ھ)

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے حقیقت محمدی پر بحث کرتے ہوئے یہ دو حدیثیں لکھی ہیں:

اگر آپ کو پیدا کرنا نہ ہوتا تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا اگر آپ کو پیدا کرنا نہ ہوتا تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔

(مکتوبات دفتر سوم، حصہ دوم، مکتوب نمبر ۱۲۲)

یہ حدیثیں ہر چند کہ ان الفاظ کے ساتھ کتب حدیث میں مذکور نہیں ہیں لیکن یہ معنی ثابت ہیں حدیث اولیٰ ک پر "مقالات سعیدی" میں ہمارا ایک تفصیلی مقالہ ہے۔

ان حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ مقربین بارگاہ کے وسیلہ سے دعا کرنا ابتداء آفرینش سے شروع اور معمول ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام مدح میں اس دعا کا ذکر فرما کر اس کے جواز اور استحسن کو بیان فرما دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنے وسیلہ سے دعا فرمانا

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم رضی اللہ عنہا فوت ہو گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی لحد کھودنے سے فارغ ہو گئے تو آپ ان کی لحد میں لیٹ گئے اور یہ دعا کی: اللہ ہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور وہی زندہ ہے جسے موت نہیں آئے گی اے اللہ! اپنے نبی اور مجھ سے پہلے انبیاء کے وسیلہ سے میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما ان کو حجت القافرا ان کی قبر کو وسیع کر بلاشبہ تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے پھر آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور آپ نے حضرت عباس نے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو قبر میں اتارا اس حدیث کو امام طبرانی نے "کبیر" اور "وسط" میں روایت کیا ہے اس میں روح بن صلاح نام کا ایک راوی ہے امام حبان اور امام حاکم نے اس کی توثیق کی ہے اور اس میں ضعف ہے اور اس کے باقی راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

(معجم الزوائد ج ۹ ص ۲۵۷، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۳۶۲ھ)

اس حدیث کو علامہ لورالدین سمہودی نے بھی ذکر کیا ہے۔

قاضی شوکانی "حصن حصین" کی شرح میں لکھتے ہیں۔

اس حدیث کو امام ترمذی، امام حاکم نے "مستدرک" میں اور نسائی نے روایت کیا ہے جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے امام طبرانی نے اس حدیث کی تمام اسانید بیان کرنے کے بعد کہا: یہ حدیث صحیح ہے امام ابن خزیمہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا، سوانہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے البتہ نسائی کی روایت میں یہ تفرد ہے کہ اس میں یہ ذکر بھی ہے: اس نے دو رکعت نماز پڑھی اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرنے کے جواز کی دلیل ہے اس کے ساتھ یہ اعتقاد لازم ہے کہ حقیقتہً دینے والا اور منع کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے جو وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ (تحفہ الذاکرین ص ۱۳۸، ۱۳۷، مطبوعہ مصلیٰ البابلی دار امداد مصر ۱۳۵۰ھ)

حضرت عثمان بن حنیف کی یہ حدیث جس کو بکثرت محدثین نے اپنی اپنی تصانیف میں صحت سند کی صراحت کے ساتھ روایت کیا ہے اس مطالب پر قوی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا اور آپ سے دعا کی درخواست کرنا جائز اور مستحسن ہے اور چونکہ آپ کی ہدایات قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے حجت ہیں اس لیے آپ کے وصال کے بعد بھی آپ کے وسیلہ سے دعا کرنا اور آپ سے دعا کی درخواست کرنا جائز ہے اور بالخصوص آپ کے وصال کے بعد آپ کے توسل سے دعا کے جواز پر دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک شخص کو اس کی قضاء حاجت کے لیے یہ دعا تعلیم کی اس حدیث کو امام طبرانی اور امام بیہقی نے اپنی اپنی تصانیف میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے جیسا کہ عنقریب ہم بیان کریں گے۔ یہاں تک جو ہم نے احادیث بیان کی ہیں ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہرہ میں آپ کے توسل پر دلیل ہے اب ہم ایسی احادیث پیش کر رہے ہیں جن میں آپ کی وفات کے بعد آپ کے توسل پر دلیل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں صحابہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی ۔۔۔۔۔ درخواست کرنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک سال قحط پڑ گیا تو حضرت بلال بن حارث مزی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر حاضر ہوئے اور عرض کیا: اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے۔ حافظ ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مالک الدار جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وزیر خوراک تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) لوگوں پر قحط آ گیا ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہو رہی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: عمر کے پاس جاؤ ان کو سلام کہو اور یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہوگی اور ان سے کہو: تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو یہ خبر دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لگے اور کہا: اے اللہ! میں صرف اسی چیز کو ترک کرتا ہوں جس میں میں عاجز ہوں۔

(المصنف ج ۱۲ ص ۲۲، مطبوعہ دار القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

نیز حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

حافظ ابو بکر بیہقی اپنی سند کے ساتھ مالک سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں (ایک بار) قحط

واقع ہوا ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ (قطر سے) ہلاک ہو رہی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: عمر کے پاس جاؤ اور ان کو میری طرف سے سلام کہو اور ان کو یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہوگی اور ان سے کہو کہ تم سوچہ بوجہ سے کام لو اس شخص نے جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی حضرت عمر نے کہا: اے میرے رب! میں صرف اس چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۲ ۹۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابو عمرو بن عبد البر اور حافظ ابن کثیر نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے۔

(الکامل فی التاريخ ج ۲ ص ۳۹۰-۳۸۹ مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ۱۴۰۰ھ)

علم حدیث میں حافظ ابن کثیر کی شخصیت موافقین اور مخالفین سب کے نزدیک مسلم ہے اور حافظ ابن کثیر نے امام بیہقی کی اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت بلال بن حارث مزی رضی اللہ عنہ نے آپ کی قبر انور پر جا کر آپ سے بارش کی دعا کے لیے درخواست کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ اور اپنا خواب بیان کیا اور حضرت عمر نے اس کو مقرر رکھا اور اس پر انکار نہیں کیا اس سے معلوم ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی وصال کے بعد صاحب قبر سے دعا کی درخواست کرنا جائز ہے۔

اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عمر کے خازن مالک الدار سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) قطر واقع ہوا ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ ہلاک ہو رہی ہے پھر اس شخص کو خواب میں آپ کی زیارت ہوئی اور یہ کہا گیا کہ عمر کے پاس جاؤ الحمد للہ۔ سیف نے "فتوح" میں روایت کیا ہے کہ جس شخص نے یہ خواب دیکھا تھا وہ یکے از صحابہ حضرت بلال بن حارث مزی رضی اللہ عنہ تھے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۹۶-۳۹۵ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ بیروت ۱۴۰۰ھ)

اس حدیث کو حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن حجر عسقلانی دونوں نے سند صحیح قرار دیا ہے اور ان دونوں کی تصحیح کے بعد کسی تردد کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور نہ کسی کا انکار درخور اعتناء ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں صحابہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔۔۔۔۔

دعا کی درخواست کرنا

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے کسی کام سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے اور نہ اس کے کام کی طرف دھیان دیتے تھے ایک دن اس شخص کی حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی اس نے حضرت عثمان بن حنیف سے اس بات کی شکایت کی کہ حضرت عثمان نے اس سے کہا: تم وضو خانہ جا کر وضو کر پھر مسجد میں جاؤ اور وہاں دو رکعت نماز پڑھو پھر یہ کہو: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور ہمارے نبی نبی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اے محمد! میں آپ کے واسطے سے آپ کے رب عزوجل کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ وہ میری حاجت روائی کرے اور اپنی حاجت کا ذکر کرنا پھر میرے پاس آنا حتیٰ کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں وہ شخص گیا اور اس نے حضرت عثمان بن حنیف کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل

۱۔ حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ عبد البر قرطبی مالکی متوفی ۴۶۳ھ استیعاب میں ۲۷۱۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت

کیا پھر وہ حضرت عثمان بن عفان کے پاس گیا، دربان نے ان کے لیے دروازہ کھولا اور ان کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا، حضرت عثمان نے اس کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا اور پوچھا: تمہارا کیا کام ہے؟ اس نے اپنا کام ذکر کیا، حضرت عثمان نے اس کا کام کر دیا اور فرمایا: تم نے اس سے پہلے اب تک اپنے کام کا ذکر نہیں کیا تھا اور فرمایا: جب بھی تمہیں کوئی کام ہو تو تم ہمارے پاس آ جانا، پھر وہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا اور جب اس کی حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر دے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے اور میرے معاملہ میں غور نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ آپ نے ان سے میری سفارش کی، حضرت عثمان بن حنیف نے کہا: بخدا! میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی بات نہیں کی، لیکن ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا، آپ کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور اس نے اپنی نابینائی کی آپ سے شکایت کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس پر صبر کرو گے؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے اور مجھے بڑی مشکل ہوتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: تم وضو خانے جاؤ اور وضو کرو، پھر دو رکعت نماز پڑھو، پھر ان کلمات سے دعا کرو، حضرت عثمان بن حنیف نے کہا: ابھی ہم الگ نہیں ہوئے تھے اور نہ ابھی زیادہ باتیں ہوئی تھیں کہ وہ نابینا شخص آیا درآں حالیکہ اس میں بالکل نابینائی نہیں تھی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

حفظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالحق منذری متوفی ۶۵۶ھ نے "الترغیب والترہیب" (ج ۱ ص ۴۷۶-۴۷۷) مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ ۱۴۰۷ھ) میں اور حافظ ابی نعیم نے مجمع الزوائد (ج ۲ ص ۲۷۹) مطبوعہ بیروت) میں اس حدیث کو بیان کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کے حوالے سے حضرت عثمان بن حنیف کی روایت کی تائید، توثیق اور تصحیح

امام طبرانی نے اس حدیث کو روایت کر کے کہا اس حدیث کو شعبہ نے ابو جعفر سے روایت کیا ہے اور شعبہ سے اس حدیث کو صرف عثمان بن عمر نے روایت کیا ہے اور وہ اس سے روایت کرنے میں متفرد ہے (یعنی اس کا کوئی متابع نہیں ہے اور یہ حدیث غریب ہے) اور حدیث صحیح ہے، شیخ ابن تیمیہ نے امام طبرانی پر اعتراض کیا کہ اس حدیث کو شعبہ سے روایت کرنے میں صرف عثمان بن عمر متفرد نہیں ہے بلکہ روح بن عبادہ نے بھی اس حدیث کو شعبہ سے روایت کیا ہے اور یہ اسناد صحیح ہے اس کا خلاصہ یہ ہے امام طبرانی کی یہ روایت دو صحیح سندوں سے مروی ہے، شیخ ابن تیمیہ کی اصل عبارت یہ ہے:

امام طبرانی نے کہا: اس حدیث کو شعبہ نے ابو جعفر سے روایت کیا ہے اور اس کا نام عمر بن ابی یزید ہے اور وہ ثقہ ہے، عثمان بن ابی عمر شعبہ سے اس روایت میں متفرد ہے۔ ابو عبد اللہ مقدسی نے کہا: اور حدیث صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام طبرانی نے اپنے مبلغ علم کے اعتبار سے عثمان بن ابی عمر کو متفرد کہا ہے، ان کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ روح بن عبادہ نے بھی شعبہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور یہ اسناد صحیح ہے اس سے معلوم ہوا کہ عثمان بن ابی عمر اس روایت میں متفرد نہیں ہے۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۹۵-۱۹۴ مطبوعہ دارالکلیل ریاض ۱۴۱۸ھ)

طبرانی کی روایت مذکورہ کا صحاح کی دوسری روایت سے تعارض کا جواب

ایک سوال یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف کی اس روایت کو امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام احمد اور امام ابن سنی نے روایت کیا اور اس میں حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں وسیلہ کے ساتھ دعا کا ذکر نہیں ہے اس کے برخلاف امام طبرانی اور امام بیہقی نے حضرت عثمان بن حنیف کی اس روایت میں حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں بھی حضور سے توسل کرنے کا ذکر کیا

ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ایک حدیث کو بعض ائمہ اختصار کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور بعض ائمہ تفصیل کے ساتھ روایت کرتے ہیں، اعتراض کا محل یہ تھا کہ اس روایت کی سند صحیح نہ ہوتی یا ضعیف ہوتی اور جب شیخ ابن تیمیہ نے خود بیان کیا کہ طبرانی کی مفصل حدیث دو صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہے تو پھر اعتراض کی کب گنجائش ہے؟

امام بیہقی نے پہلے دو سندوں کے ساتھ اس حدیث کو اختصاراً روایت کیا (دلائل النبوة ج ۲ ص ۱۶۷-۱۶۸) پھر اس حدیث کو روح بن قاسم بن ابی جعفر مدنی بن ابی امامہ بن ہبل بن حنیف کی سند سے تفصیل کے ساتھ روایت کیا جیسا کہ امام طبرانی نے روایت کیا ہے اس کے بعد مزید یہ کہا:

اس حدیث کو ہشام دستوائی نے از ابو جعفر از ابو امامہ بن ہبل از عم خود روایت کیا ہے ابو امامہ کے چچا حضرت عثمان بن حنیف ہیں۔ (دلائل النبوة ج ۲ ص ۱۶۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام بیہقی کی اس مفصل روایت کا اور اس دوسری سند کا شیخ ابن تیمیہ نے بھی ذکر کیا ہے لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے اس سند کے ساتھ قصہ کو روایت کیا ہے اور اس سے آپ کے وصال کے بعد آپ سے توسل پر استدلال کیا جاتا ہے بشرطیکہ یہ روایت صحیح ہو۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۲۶۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

توسل بعد از وصال پر شیخ ابن تیمیہ کے اعتراضات اور مصنف کے جوابات

شیخ ابن تیمیہ نے یہ تو کہا ہے کہ اگر اس حدیث کی سند صحیح ہو تو اس حدیث سے وفات کے بعد وسیلہ ثابت ہے لیکن انہوں نے اس حدیث کی سند پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور اس میں کوئی ضعف نہیں نکال سکے علاوہ ازیں امام بیہقی کی روایت بیان کرنے کے بعد انہوں نے اسی روایت کو امام طبرانی کے حوالے سے بیان کیا اور اس کا ایک مزاج بھی بیان کیا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ یہ دونوں سندیں صحیح ہیں جیسا کہ ہم باحوالہ بیان کر چکے ہیں لہذا جب امام طبرانی کی روایت صحیح ہے اور اس روایت کی دوسری سند بھی صحیح ہے تو شیخ ابن تیمیہ کے اپنے اقرار کے مطابق وفات کے بعد وسیلہ ثابت ہو گیا اور یہ واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ سے دعا کی درخواست کرنا اور آپ کو یا محمد کے صیغہ سے ندا کرنا صحابہ کرام کے نزدیک جائز تھا جیسا کہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یہ دعا تلقین کی کہ اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت پوری کر دے۔

شیخ ابن تیمیہ نے اس بحث میں جو آخری اعتراض کیا ہے وہ یہ ہے:

حافظ ابوبکر بن خلیفہ نے اپنی تاریخ میں اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: میری بینائی چلی گئی ہے آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا کیجئے آپ نے فرمایا: جا کر وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو پھر کہو: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اے محمد! میں اپنے رب کے حضور اپنی بصارت لوٹانے کے لیے آپ کی شفاعت طلب کرتا ہوں اے اللہ! میرے حق میں میری شفاعت کو قبول کر اور میری بصارت لوٹانے میں میرے نبی کی شفاعت قبول فرما اور اگر تمہیں کوئی اور کام ہو تو پھر اسی طرح کرنا

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی بصارت لوٹا دی۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۲۷۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس روایت پر شیخ ابن تیمیہ نے حسب ذیل اعتراضات کیے ہیں:

(۱) "اگر ہمیں کوئی اور کام ہو تو اسی طرح کر دو" یہ حضرت عثمان بن حنیف کے الفاظ ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں ہیں۔

(۲) دوسرے راویوں کی روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں (جیسا کہ گزر چکا ہے) اور اگر بالفرض یہ الفاظ ثابت ہوں تب بھی یہ دلیل نہیں ہے کیونکہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعا کے بعض الفاظ کافی ہیں کیونکہ انہوں نے مشروع دعا کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ دعا کے بعض الفاظ کہنے کا حکم دیا ہے۔

(۳) حضرت عثمان بن حنیف نے یہ گمان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی اس طرح (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے) دعا کرنا جائز ہے حالانکہ حدیث کے الفاظ اس کے خلاف ہیں کیونکہ نابینا صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ آپ اس کے لیے دعا کریں اور اس کو یہ یقین تھا کہ آپ اس کے لیے دعا کریں گے اور آپ نے اس کو حکم دیا تھا کہ وہ دعائیں یہ کہے کہ اے اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما! اور اس طریقہ سے یہ دعا اس وقت صحیح ہوگی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے دعا کریں اور اس کی شفاعت کریں اور جس کو آپ کی دعا کرنے اور آپ کے شفاعت کرنے کا علم نہیں ہے اس کا اس طریقہ سے دعا کرنا صحیح نہیں ہے اس طریقہ سے دعا کرنا اور شفاعت طلب کرنا آپ کی حیات دنیاوی میں ہی درست تھا اور یا قیامت کے دن درست ہوگا جب آپ شفاعت فرمائیں گے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۲۷۶-۲۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ ہوں بلکہ حضرت عثمان بن حنیف ہی کے ہوں تب بھی کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ کسی چیز کے جائز یا ناجائز ہونے میں شیخ ابن تیمیہ کی بہ نسبت صحابی رسول کی فہم اور ان کے اجتہاد پر اعتماد کرنا زیادہ قرین قیاس ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن ابی خیشمہ کی اس روایت سے ہمارا استدلال نہیں ہے اگر اس پر شیخ کو اعتراض ہے تو اس روایت کو ہم چھوڑ دیتے ہیں ہمارا استدلال تو امام طبرانی کی روایت ہے جس کے متعلق خود شیخ ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے کہ یہ دو صحیح سندوں سے مروی ہے۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس درخواست کی طرف متوجہ کر دیتا ہے یا اس درخواست پر مطلع کر دیتا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری دعا کی قبولیت کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کرتے ہیں اور اس میں کون سا شرعی یا عقلی استبعاد ہے؟ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر میری امت کے اچھے اور برے تمام اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس حدیث کے پیش نظر جب آپ کا کوئی امتی آپ سے دعا کی درخواست کرے گا تو آپ کو اس کا علم ہو جائے گا اور آپ اس کی شفاعت فرمائیں گے کیونکہ آپ نے خود اپنے وسیلہ سے دعا کرنے اور دعا کی درخواست کرنے کی ہدایت دی ہے اور اس ہدایت کو عام رکھا ہے اور اس میں حیات یا بعد از وفات کی قید نہیں لگائی اس لیے شیخ ابن تیمیہ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ "اور اس طریقہ سے دعا اس وقت صحیح ہوگی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے دعا کریں اور اس کی شفاعت کریں اور جس کو آپ کے دعا کرنے اور آپ کے شفاعت کرنے کا علم نہیں ہے اس کا اس طریقہ سے دعا کرنا صحیح نہیں ہے" کیونکہ حیات اور ممات

میں وسیلہ کے جواز اور عدم جواز کا فرق علم کے ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے ہو سکتا تھا اور آپ کو ہر دو صورت میں علم حاصل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام مسلمانوں کے لیے قیامت تک کے لیے حجت ہیں اور آپ کے افعال مسلمانوں کے لیے اسوہ اور نمونہ ہیں اگر آپ کا کوئی حکم صرف آپ کی حیات مبارکہ کے ساتھ مخصوص ہو اور بعد کے لوگوں کے لیے اس کا کرنا ناجائز ہو تو آپ پر لازم ہے کہ آپ یہ بیان فرمائیں کہ یہ حکم میری زندگی کے ساتھ خاص ہے اور بعد کے لوگوں کے لیے اس حکم پر عمل کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بردہ بن نیار کو ایک شش ماہہ بکرے کی قربانی کرنے کا حکم دیا اور فرمادیا: تمہارے بعد کسی کے لیے یہ عمل جائز نہیں ہے امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بردہ نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے بدلہ میں اور قربانی کر دو انہوں نے کہا: میرے پاس صرف چھ ماہ کا ایک بکرا ہے جو سال کے بکرے سے فرہ ہے آپ نے فرمایا: اس کے بدلہ میں اس کی قربانی کر دو اور تمہارے بعد کسی اور کے لیے شش ماہہ بکرے کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ استثناء اس لیے بیان فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال اور افعال مسلمانوں کے حق میں قیامت تک کے لیے حجت ہیں اگر آپ یہ استثناء نہ فرماتے تو چھ ماہ کے بکرے کی قربانی سب کے لیے قیامت تک جائز ہو جاتی شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں: وفات کے بعد کسی بزرگ سے دعا کی درخواست کرنا شرک کی طرف لے جاتا ہے:

ہر چند کہ انبیاء اور صالحین اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ وہ زندوں کے لیے دعا کرتے ہیں اور بے شک اس کی تائید میں احادیث بھی ہیں پھر بھی کسی شخص کے لیے ان سے دعا کو طلب کرنا جائز نہیں ہے اور پہلے لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کیا کیونکہ یہ شرک کا سبب ہے اور اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کا ذریعہ ہے اس کے برخلاف اگر ان کی زندگی میں ان سے دعا طلب کی جائے تو یہ شرک نہیں ہے۔ (نادی ابن تیمیہ ج ۱ ص ۳۳۰ مطبوعہ دار فہد بن عبد العزیز)

شیخ ابن تیمیہ کا یہ قاعدہ باطل ہے کیونکہ وفات کے بعد کسی سے دعا کی درخواست کرنا شرک کا سبب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نابینا صحابی سے فرمادیتے کہ اس طریقہ سے دعا کرنا صرف میری زندگی میں جائز ہے اور میرے وصال کے بعد اس طریقہ سے دعا کرنا جائز نہیں ہے بلکہ شرک کا سبب ہے کیونکہ آپ کی بعثت کا مقصد ہی شرک کی بچ کٹی کرنا تھا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی استثناء کے نابینا صحابی کو دعا کا یہ طریقہ تعلیم کیا تو معلوم ہوا کہ قیامت تک اس طریقہ سے دعا کرنا جائز ہے اور صحابی رسول حضرت عثمان بن حنیف نے اس حدیث سے یہی سمجھا تھا اسی وجہ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ایک شخص کو دعا کا یہ طریقہ بتلایا اور ہمارے لیے صحابی رسول کے طریقہ کی اتباع کرنا شیخ ابن تیمیہ کے افکار کی اتباع کرنے سے بہتر ہے۔

تو سل بعد از وصال کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا نظریہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

کاش میری عقل ان لوگوں کے پاس ہوتی جو لوگ اولیاء اللہ سے استمداد اور ان کی امداد کا انکار کرتے ہیں یہ اس کا کیا مطلب سمجھتے ہیں؟ جو کچھ ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ دعا کرنے والا اللہ کا محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور اس سے اپنی حاجت کو طلب کرتا ہے اور یہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! تو نے اپنے اس بندہ مکرم پر جو رحمت فرمائی ہے اور اس پر جو مطف و کرم

کیا ہے اس کے وسیلہ سے میری اس حاجت کو پورا فرما کہ تو دینے والا کریم ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اس اللہ کے ولی کو ندا کرتا ہے اور اس کو مخاطب کر کے یہ کہتا ہے کہ اے بندہ خدا اور اے اللہ کے ولی! میری شفاعت کریں اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ وہ میرا سوال اور مطلوب مجھے عطا کرے اور میری حاجت بر لائے سو مطلوب کو دینے والا اور حاجت کو پورا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور یہ بندہ درمیان میں صرف وسیلہ ہے اور قادر فاعل اور اشیاء میں تصرف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اولیاء اللہ اللہ تعالیٰ کے فعل سلطوت قدرت اور غلبہ میں قانی اور مالک ہیں اور ان کو اب قبر میں افعال پر قدرت اور تصرف حاصل ہے اور نہ اس وقت قدرت اور تصرف حاصل تھا جب وہ زندہ تھے۔

اور امداد و استمداد کا جو معنی میں نے ذکر کیا ہے اگر موجب شرک اور غیر اللہ کی طرف توجہ کو مستلزم ہوتا جیسا کہ منکر کا زعم فاسد ہے تو چاہیے یہ تھا کہ صالحین سے طلب دعاء اور توسل زندگی میں بھی ناجائز ہونا حالانکہ یہ بجائے ممنوع ہونے کے بالافتاق جائز اور مستحسن و مستحب ہے اور اگر منکر یہ کہیں کہ موت کے بعد اولیاء اللہ اپنے مرتبہ سے معزول ہو جاتے ہیں اور زندگی میں جو فضیلت و کرامت انہیں حاصل تھی وہ باقی نہیں رہی تو اس پر کیا دلیل ہے؟

اور اگر یوں کہیں کہ بعد موت کے وہ ایسی آفات و بلیات میں مبتلا ہوئے کہ انہیں دعاء وغیرہ کی فرصت نہ رہی تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے اور نہ اس پر دلیل ہے کہ اولیاء کے لیے ابتلا قیامت تک رہتا ہے زیادہ سے زیادہ جو کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر اہل قبر سے استمداد و سود مند نہیں ہوتی بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اولیاء جذب و استغراق کی کیفیت میں ہوں اور عالم لاہوت کے مشاہدہ میں اس طرح منہمک ہوں کہ اس دنیا کے حالات کی طرف توجہ اور شعور نہ رہے تو وہ اس دنیا میں تصرف نہ کریں جیسا کہ دنیا میں بھی اولیاء اللہ کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ ہاں اگر اولیاء اللہ کے حق میں زائرین کا یہ اعتقاد ہو کہ وہ مدد کرنے میں مستقل ہیں اور اللہ کی جانب میں توجہ کئے بغیر بطور خود ذاتی قدرت سے امداد کرتے ہیں جیسے بعض جہلاء کا عقیدہ ہے کہ وہ قبر کو بوسہ دیتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں یہ تمام افعال ممنوع اور حرام ہیں اور ناواقف عوام کے افعال کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ خارج از بحث ہیں اور عارف بشریعت و عالم بہ احکام دین ان تمام منکرات سے سخت بیزار ہیں اور مشائخ اور اہل کشف سے ارواح کاملہ سے استفادہ کے بارے میں جو کچھ مروی ہے وہ حصر سے خارج ہے اور ان کی کتابوں میں مشہور اور مذکور ہے حاجت نہیں کہ ہم اس کا ذکر کریں اور ممکن ہے کہ وہ منکر متعصب کو فائدہ نہ دے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس بد عقیدگی سے محفوظ رکھے۔ (مجموعہ المصنفات ج ۳ ص ۲۰۲-۲۰۱ مطبوعہ مطبعہ تاج کمار لکھنؤ)

توسل بعد از وصال کے متعلق علامہ آلوسی کا نظریہ

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپ کے وصال کے بعد آپ کی عزت اور وجاہت کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرنے میں میرے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے اور آپ کی وجاہت سے یہاں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت مراد ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کی آپ سے وہ کامل محبت جس کا یہ تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کو مسترد نہ کرے اور آپ کی شفاعت کو قبول فرمائے اور جب کوئی شخص دعا میں کہتا ہے: اے اللہ! میں تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ تو میری حاجت کو پورا فرما تو اس دعا کا یہ معنی ہے اے اللہ! میں اپنی اس حاجت کے پورا ہونے میں تیری محبت کو وسیلہ بناتا ہوں اور اس دعا میں اور تمہارے اس قول میں کوئی فرق نہیں ہے کہ اے اللہ! میں تیری رحمت کو وسیلہ بناتا ہوں کہ تو میرا یہ کام کر دے بلکہ میں یہ کہنا بھی جائز سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص یہ کہے کہ اے اللہ! میں تجھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کی قسم دیتا ہوں کہ تو یہ کام کر دے۔

وجاہت اور حرمت کے ساتھ سوال کرنے میں ایک جیسی بحث ہے تو تسل اور ذات محض کی قسم دینے میں یہ بحث جاری نہیں ہوگی ہاں وجاہت اور حرمت کے وسیلہ سے دعا کرنا کسی صحابی سے منقول نہیں ہے اور شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ صحابہ وسیلہ کے ساتھ دعا کرنے سے اس لیے اجتناب کرتے تھے کہ لوگوں کے ذہنوں میں کوئی بد عقیدگی جگہ نہ پکڑے کیونکہ ان کا زمانہ بتوں کے ساتھ تو تسل کرنے کے قریب تھا اس کے بعد ائمہ طاہرین نے بھی صحابہ کی اقتداء میں وسیلہ کے ساتھ دعا نہیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی اس وقت کی عمارت کو منہدم کر کے بناء ابراہیم پر اس کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہتے تھے لیکن چونکہ آپ کی قوم تازہ تازہ کفر سے نکلی تھی اس لیے آپ نے فتنہ پیدا ہونے کے خدشہ سے اپنے ارادہ کو ترک کر دیا جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے میں نے وجاہت سے تو تسل اور قسم دینے کا جواز اور اس کی توجیہ اس لیے بیان کی تاکہ عام مسلمانوں کو اس دعا میں حرج نہ ہو کیونکہ بعض لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے وسیلہ سے دعا کرنے پر گراہی کا حکم لگانے کا دعویٰ کرتے ہیں اس تقریر سے میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ اس طرح وسیلہ سے دعا کرنا ان دعاؤں سے افضل ہے جو قرآن مجید اور احادیث میں مذکور ہیں اور جن دعاؤں پر صحابہ کرام کا رہنما ہے اور اختیار تابعین نے جس طریقہ کو اپنایا یقیناً دعا کا یہی طریقہ زیادہ اچھا زیادہ جامع زیادہ نفع آور اور زیادہ سلامتی والا ہے۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۱۲۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تو تسل بعد از وصال کے متعلق غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان کا نظریہ

شیخ وحید الزمان لکھتے ہیں:

جب دعا میں غیر اللہ کے وسیلہ کا جواز ثابت ہے تو اس کو زندوں کے ساتھ خاص کرنے پر کیا دلیل ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو حضرت عباس کے وسیلہ سے دعا کی تھی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ممانعت پر دلیل نہیں ہے انہوں نے حضرت عباس کے وسیلہ سے اس لیے دعا کی تاکہ حضرت عباس کو لوگوں کے ساتھ دعا میں شریک کریں اور انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اسی طرح شہداء اور صالحین بھی زندہ ہیں ابن عطاء نے ہمارے شیخ ابن تیمیہ کے خلاف دعویٰ کیا پھر اس کے سوا اور کچھ ثابت نہیں کیا کہ بطور عبادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استعانت کرنا جائز نہیں ہے ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عثمان بن حنیف نے اس شخص کو آپ کے وسیلہ سے دعا تعلیم کی جو حضرت عثمان کے پاس جاتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف التفات نہیں کرتے تھے۔ اس دعا میں یہ الفاظ تھے: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور ہمارے نبی محمد نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے سند متصل کے ساتھ ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے کاش میری عقل ان منکرین کے پاس ہوتی! جب کتاب اور سنت کی تصریح سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے تو صالحین کے وسیلہ کو بھی اس پر قیاس کیا جائے گا اور امام جزری نے ”حصن حصین“ کے آداب دعا میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء اور صالحین کا وسیلہ پیش کرنا چاہیے اور ایک اور حدیث میں ہے: یا محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں سید نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے موضوع نہیں ہے امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے ایک حدیث میں ہے: میں تیرے نبی محمد اور موسیٰ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں اس کو علامہ ابن اثیر نے ”نہایہ“ میں اور علامہ طاہر ثقفی نے ”مجمع بحار الانوار“ میں ذکر کیا ہے اور امام حاکم امام طبرانی اور امام بیہقی نے ایک حدیث میں حضرت آدم کی اس دعا کو روایت کیا ہے: اے اللہ! میں تجھ سے بحق محمد سوال کرتا ہوں اور ابن منذر نے روایت کیا ہے: اے اللہ! تیرے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جو وجاہت اور عزت ہے میں اس کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں علامہ سبکی نے کہا ہے کہ وسیلہ پیش کرنا مدد طلب کرنا اور شفاعت طلب کرنا مستحسن ہے علامہ

فہملائی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر آہ دراری کرنے کا مقلد بن اور متاخرین میں سے کسی نے انکار نہیں کیا تھا سنی کہ ابن تیمیہ آیا اور اس نے انکار کیا قاضی شوکانی نے کہا کہ انبیاء میں سے کسی نبی اولیاء میں سے کسی ولی اور علماء میں سے کسی عالم کا بھی وسیلہ پیش کرنا جائز ہے جو شخص قبر پر جا کر زیارت کرے یا فقط اللہ سے دعا کرے اور اس میت کے وسیلہ سے دعا کرے کہ اللہ میں تجھ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے فلاں بیماری سے شفاء دے اور میں اس نیک بندے کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرنا ہوں تو اس دعا کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔ قاضی شوکانی کا کلام ختم ہوا۔

(بدیع الہدی ص ۴۹ مطبوعہ میور پریس دہلی ۱۳۲۵ھ)

توسل بعد از وصال کے متعلق غیر مقلد عالم قاضی شوکانی کا نظریہ

غیر مقلد عالم شیخ مبارکپوری "الدر النضید" سے قاضی شوکانی کی عبارت نقل کرتے ہیں:

انبیاء اور صالحین کے توسل سے منع کرنے والے قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں: ہم ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔ (الزمر ۳) اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو۔ (نہ ۱۸) اسی کو (معبود سمجھ کر) پکارنا برحق ہے اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو (معبود سمجھ کر) پکارتے ہیں جو ان کو کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ (ارعد ۱۳) ان آیات سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ سورہ زمر کی آیت نمبر ۳ میں یہ تصریح ہے کہ مشرکین بتوں کی عبادت کرتے تھے اور جو شخص مثلاً کسی عالم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے وہ اس کی عبادت نہیں کرتا بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس عالم کے علم کی وجہ سے اس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت اور وجاہت ہے وہ اس وجہ سے اس کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے اسی طرح سورہ جن کی آیت نمبر ۱۸ میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کر کے پکارنے (یا عبادت کرنے) سے منع کیا ہے مثلاً کوئی شخص کہے: میں اللہ اور فلاں کی عبادت کرتا ہوں اور جو شخص مثلاً کسی عالم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے وہ صرف اللہ سے دعا کرتا ہے اور اللہ کے بعض نیک بندوں کے اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کرتا ہے جیسا کہ ایک غار میں تین شخص تھے اور اس غار کے منہ پر ایک چٹان گر گئی تو انہوں نے اپنے اعمال صالحہ کے وسیلہ سے دعا کی اسی طرح سورہ رعد کی آیت نمبر ۱۳ میں ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو ان لوگوں کو (معبود سمجھ کر) پکارتے تھے جو ان کو کوئی جواب نہیں دے سکتے تھے اور اپنے رب کو نہیں پکارتے تھے جو ان کی دعا قبول کرتا ہے اور جو شخص مثلاً کسی عالم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے وہ صرف اللہ سے دعا کرتا ہے اور کسی اور سے دعا نہیں کرتا اللہ کے بغیر نہ اللہ کے ساتھ۔ (تختہ الاحوذی ج ۴ ص ۲۸۳ مطبوعہ نثرانیہ ملتان)

انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین سے براہ راست استمداد کے متعلق احادیث

انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین سے براہ راست مدد طلب کرنے کی اصل یہ حدیث ہے۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کرانا کا تبین کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کیے ہیں جو درختوں سے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں جب تم میں سے کسی شخص کو سفر میں کوئی مشکل پیش آئے تو وہ یہ ندا کرے اے اللہ کے بندو! تم پر اللہ رحم فرمائے میری مدد کرو۔ (المصنف ج ۱۰ ص ۲۹۰ مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ج ۱ ص ۱۳۰۶ھ)

حافظ ابو بکر دینوری معروف بابن السنی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی ایک شخص کی سواری ویران زمین میں بھاگ جائے تو وہ یہ ندا کرے: اے اللہ کے نیک بندو! اس کو روک لو! اے اللہ کے نیک بندو!

اس کو روک لو! کیونکہ زمین میں اللہ عزوجل کے چھ روکنے والے ہیں جو اس کو روک لیتے ہیں۔

(عمل الیوم والایام ص ۶۲، مطبوعہ مطبع مجلس الدائرة العارفہ، میدرا آباد دکن ۱۳۱۵ھ)

امام بزار اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کرانا کاتبین کے سوا اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جو درخت سے گرنے والے پتوں کو لکھ بیٹے ہیں، جب ہم میں سے کسی شخص کو جنگل کی سرزمین میں کوئی مشکل پیش آئے تو وہ یہ ندا کرے: اے اللہ کے نیک بندو! میری مدد کرو۔

(کشف الاستار عن زوائد البراء ج ۲ ص ۳۲، مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

حافظ البیہقی بیان کرتے ہیں:

حضرت عتبہ بن غزوہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی چیز کو گم کر دے درآن حالیکہ وہ کسی اجنبی جگہ پر ہو تو اس کو یہ کہنا چاہیے کہ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو! کیونکہ اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جن کو ہم نہیں دیکھتے۔ یہ امر مجرب ہے اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا اور اس کے بعض راویوں کے ضعف کے باوجود ان کی توثیق کی گئی ہے البتہ یزید بن علی نے حضرت عتبہ کو نہیں پایا۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۲، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کرانا کاتبین کے سوا اللہ کے فرشتے ہیں جو درخت سے گرنے والے پتوں کو لکھ بیٹے ہیں، جب کسی ویران زمین پر کسی کو مشکل پیش آئے تو وہ یہ ندا کرے۔ اے اللہ کے نیک بندو! میری مدد کرو۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۲، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک کی سواری ویران زمین میں بھاگ جائے تو وہ یہ ندا کرے: اے اللہ کے نیک بندو! روک لو! اے اللہ کے نیک بندو! روک لو! اے اللہ کے نیک بندو! روک لو! کیونکہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے روکنے والے ہیں جو اس کو عنقریب روک لیں گے اس کو امام ابویعلیٰ اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے: وہ اس کو تمہارے یہ روک لیں گے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۲، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

رجال غیب (ابدال) سے استمداد کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

علامہ نووی امام ابن السنی کی کتاب سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: مجھ سے میرے بعض اساتذہ نے بیان کیا جو بہت بڑے عالم تھے کہ ایک مرتبہ ریگستان میں ان کی سواری بھاگ گئی ان کو اس حدیث کا علم تھا انہوں نے یہ کلمات کہے: (اے اللہ کے بندو! روک لو) اللہ تعالیٰ نے اس سواری کو اسی وقت روک دیا۔ (علامہ نووی فرماتے ہیں:) ایک مرتبہ میں ایک جماعت کے ساتھ سفر میں تھا اس جماعت کی ایک سواری بھاگ گئی وہ اس کو روکنے سے عاجز آگئے میں نے یہ کلمات کہے تو بغیر کسی اور سبب کے صرف ان کلمات کی وجہ سے وہ سواری اسی وقت رک گئی۔

(کتاب الاذکار ص ۲۰۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، طبع رابع ۱۳۷۵ھ)

ملا علی قاری نے بھی علامہ نووی کی عبارت کو نقل کیا ہے۔

(المحرر الثمین شرح حصین علی ہاشم الدر الغلی ص ۷۸، مطبوعہ المطبعة المیریہ مکہ مکرمہ ۱۳۰۳ھ)

شیخ شوکانی نے بھی علامہ نووی کی اس عبارت کو اقل کیا ہے۔

(تفتہ الزکریٰ بعدۃ النہض الحسین ص ۱۵۵ مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البانی دارالادب مصر ۱۳۵۰ھ)

ملا علی قاری ”یا عباد اللہ“ کی شرح میں لکھتے ہیں:

”اے اللہ کے بندو!“ اس سے مراد فرشتے ہیں یا مسلمان جن یا اس سے مراد غیب مراد ہیں جن کو اہل کہتے ہیں

(یعنی اولیاء اللہ)۔ (المحرز اثبائے علی ہاشم الدر النہض ص ۲۷۸ مطبوعہ المطبعة المیریہ مکہ مکرمہ ۱۳۰۳ھ)

شیخ محمد بن جزری نے ”حسن حصین“ میں اس حدیث کو طبرانی، ابویعلیٰ، ابن السنی، بزار اور ابن ابی شیبہ کے حوالوں سے

درج کیا ہے ان تمام روایات کو درج کرنے کے بعد ملا علی قاری لکھتے ہیں:

بعض ثقہ علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور مسافروں کو اس کی ضرورت پڑتی ہے اور مشائخ سے مروی ہے کہ یہ

امر مجرب ہے۔ (المحرز اثبائے علی ہاشم الدر النہض ص ۲۷۹ مطبوعہ المطبعة المیریہ مکہ مکرمہ ۱۳۰۳ھ)

شیخ شوکانی حضرت ابن عباس کی روایت میں لکھتے ہیں:

مجمع الزوائد میں ہے کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں اس حدیث میں ان لوگوں سے مدد حاصل کرنے پر دلیل ہے جو نظر

نہ آتے ہوں جیسے فرشتے اور صالح جن اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ جب سواری کھسک جائے یا بھاگ جائے تو

انسانوں سے مدد حاصل کرنا جائز ہے۔ (تفتہ الزکریٰ ص ۱۵۶، ۱۵۵ مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البانی دارالادب مصر ۱۳۵۰ھ)

امام ابن اثیر اور حافظ ابن کثیر کے حوالوں سے عہد صحابہ میں ندائے یا محمد اہ کارواج

عہد صحابہ اور تابعین میں مسلمانوں کا یہ شعار تھا کہ وہ شہداء اور ابتلاء کے وقت ”یا محمد اہ“ کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو ندا کرتے تھے۔

جنگ یمامہ میں جب مسلمانوں کے درمیان گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی اس کا نقشہ کھینچنے کے بعد علامہ

ابن اثیر لکھتے ہیں:

پھر حضرت خالد بن ولید نے (دشمن کو) للکارا اور للکار نے دلوں کو دعوت (قل) دی پھر مسلمانوں کے معمول کے

مطابق یا محمد اہ کہہ کر نعرہ لگایا پھر وہ جس شخص کو بھی للکارتے اس کو قتل کر دیتے تھے۔

(الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۲۳۶ مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت)

حافظ ابن کثیر بھی جنگ کے اس منظر کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

پھر حضرت خالد نے مسلمانوں کے معمول کے مطابق نعرہ لگایا اور اس زمانہ میں ان کا معمول یہ محمد اہ کا نعرہ لگانا تھا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۲۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن اثیر اور ابن کثیر نے یہ تصریح کی ہے کہ عہد صحابہ اور تابعین میں شہداء اور ابتلاء کے وقت یا محمد اہ کہنے کا معمول

تھا ندائے غائب کے منکرین کے ہاں حافظ ابن کثیر کی بہت پذیرائی ہے اور ان کا یہ لکھنا کہ عہد صحابہ و تابعین میں یا محمد اہ کہنے کا

معمول تھا ان کے خلاف قوی حجت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ”المطالب العالیہ“ میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر عیسیٰ میری قبر پر

کھڑے ہو کر ”یا محمد“ کہیں تو میں ان کو ضرور جواب دوں گا۔ (المطالب العالیہ ج ۲ ص ۳۳۹ مطبوعہ مکہ مکرمہ)

ندائے یا محمد اور توسل میں علماء دیوبند کا موقف

شیخ رشید احمد گنگوہی "یار رسول اللہ انظر حالنا یا لہی اللہ اسمع قالنا" کے جواز یا عدم جواز کی بحث میں لکھتے ہیں۔ یہ خود معلوم آپ کو ہے کہ ندا غیر اللہ تعالیٰ کو دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل عقیدہ کرے ورنہ شرک نہیں، مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرمادے گا یا باذنہ تعالیٰ انکشاف ان کو ہو جاوے گا یا باذنہ تعالیٰ ملائکہ پہنچا دیں گے جیسا کہ درود کی نسبت وارد ہے یا محض شوقیہ کہتا ہو محبت میں یا عرض حال محل تحسرو حرمان میں ایسے مواقع میں اگرچہ کلمات خطاب یہ بولتے ہیں لیکن ہرگز نہ مقصود اسماع ہوتا ہے نہ عقیدہ، پس ان ہی اقسام سے کلمات مناجات و اشعار بزرگان کے ہوتے ہیں کہ فی حد ذاتہ نہ شرک ہیں نہ معصیت مگر ہاں بہ وجہ موہم ہونے کے ان کلمات کا مجامع میں کہنا مکروہ ہے کہ عوام کو ضرر ہے اور فی حد ذاتہ ابہم م بھی ہے لہذا نہ ایسے اشعار کا پڑھنا منع ہے اور نہ اس کے مولف پر ظمن ہو سکتا ہے۔ (القولہ) مگر اسی طرح پڑھنا اور پڑھوانا کہ اندیشہ عوام کا ہو بندہ پسند نہیں کرتا گو اس کو معصیت بھی نہیں کہہ سکتا مگر خلائی مصلحت وقت کے جانتا ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۲۸ مطبوعہ مسجد اہل سنت کراچی)

گویا یا محمد یا رسول اللہ کے نعروں سے علماء دیوبند کا منع کرنا ذاتی ناپسندیدگی کی وجہ سے ہے کوئی حکم شرعی نہیں ہے۔ شیخ گنگوہی سے سوال کیا گیا:

سوال: اشعار اس مضمون کے پڑھنے: "یار رسول کبریا فریاد ہے یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے" مدد کر بہر خدا حضرت محمد مصطفیٰ میری تم سے ہر گھڑی فریاد ہے" کیسے ہیں؟

جواب: ایسے الفاظ پڑھنے محبت میں اور خلوت میں بایں خیال کہ حق تعالیٰ آپ کی ذات کو مطلع فرمادے یا محض محبت سے بلا کسی خیال سے جائز ہیں اور عقیدہ عالم الغیب اور فریادیں ہونے کے شرک ہیں اور مجامع میں منع ہیں کہ عوام کے عقائد کو فاسد کرتے ہیں لہذا مکروہ ہوں گے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۹۵ مطبوعہ مسجد اہل سنت کراچی)

عام مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہیں سمجھتے، عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے البتہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی صفت عطا فرمائی ہے جس سے آپ پر حقائق غیبیہ منکشف ہو جاتے ہیں جس طرح ہم کو ایسی صفت عطا فرمائی ہے جس سے ہم پر عالم شہادت کے واقعات منکشف ہو جاتے ہیں نہ ہم بذاتہ شہادت (عالم ظاہر) کے عالم ہیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذاتہ غیب کے عالم ہیں۔ ہم پر اللہ تعالیٰ نے عالم شہادت منکشف کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ عزوجل نے عالم غیب بھی منکشف کیا۔ یہی عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور شیخ گنگوہی کی تصریح کے مطابق یہ شرک اور معصیت نہیں ہے بلکہ جائز ہے علماء اہل سنت اپنی تقاریر اور تصانیف میں عوام کو یہ فرق ہمیشہ سے ہر دور میں بتاتے رہتے ہیں اور عام مسلمان اس فرق کو جانتے ہیں اس لیے عوام کے جلسوں میں بھی اس قسم کے اشعار پڑھنا جائز ہیں کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک مانتا ہے اور اس کی عبادت بجا لاتا ہے اس کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقل سامع یا مستقل عالم گردانتا ہے البتہ ذاتی ناپسندیدگی کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

شیخ رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

اور اولیاء کی نسبت بھی یہ عقیدہ ایمان ہے کہ حق تعالیٰ جس وقت چاہے ان کو علم و تصرف دیوے اور عین حالت تصرف میں حق تعالیٰ ہی مصرف ہے اولیاء ظاہر میں مصرف ہی معلوم ہوتے ہیں عین حالت کرامت و تصرف میں حق تعالیٰ ہی ان کے واسطے سے کچھ کرتا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۴۹ مطبوعہ مسجد اہل سنت کراچی)

شیخ محمود الحسن "ایک فستعین" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔

(حاشیہ القرآن العظیم ص ۲۰ مطبوعہ تاج کتب کراچی)

مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں:

اور حقیقی طور پر اللہ کے سوا کسی کو حاجت روانہ سمجھے اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے کسی نبی یا دلی وغیرہ کو وسیلہ قرار دے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا اس کے منافی نہیں۔ (معارف القرآن مطبوعہ دارالعارف کراچی ۱۳۹۷ھ)

شیخ رشید احمد گنگوہی اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ دعائیں بحق رسول و ولی اللہ کہنا ثابت ہے یا نہیں بعض فقہاء وحدہ شیعہ منع کرتے ہیں اس کا کیا سبب ہے؟

جواب: بحق فلاں کہنا درست ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو لوگوں نے اپنے احسان سے وعدہ فرمایا ہے اس کے ذریعہ سے مانگنا ہوں مگر معتزلہ اور شیعہ کے نزدیک حق تعالیٰ پر حق لازم ہے اور وہ بحق فلاں کے یہی معنی مراد کہتے ہیں سوا اس واسطے معنی موہم اور مشابہ معتزلہ ہو گئے تھے لہذا فقہاء نے اس لفظ کا بولنا منع کر دیا ہے تو بہتر ہے کہ یہ لفظ نہ کہے جو رافضیوں کے ساتھ تشابہ ہو جاوے فقط۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۹ مطبوعہ محمد سعید ایڈمنسٹریٹر کراچی)

شیخ محمد سرفراز خاں صغیر لکھتے ہیں:

یہاں ہم صرف "الہند" کی عبارت پر اکتفاء کرتے ہیں جو علماء دیوبند کے نزدیک ایک اجماعی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ جواب: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء و اولیاء و صدیقین کا توسل جائز ہے ان کی حیات میں یا بعد وفات کے بایں طور کہے کہ یا اللہ! میں بوسیلة فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت پرائی چاہتا ہوں اسی جیسے اور کلمات کہے چنانچہ اس کی تصریح فرمائی ہے ہمارے مولانا محمد اسحاق دہلوی ثم الہکی نے پھر مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی اپنے فتاویٰ میں اس کو بیان فرمایا ہے جو چھپا ہوا آج کل لوگوں کے ہاتھ میں موجود ہے اور یہ مسئلہ اس کی پہلی جلد کے صفحہ نمبر ۹۳ پر مذکور ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ (انجی الہند ص ۱۲، ۱۳) (تکبیر الصدور ص ۴۳ مطبوعہ دارالعلوم کوثر النوالہ)

شیخ اشرف علی تھانوی امام طبرانی اور امام بیہقی کے حوالوں سے حضرت عثمان بن حنیف کی روایت ذکر کرنے کے بعد لکھتے

ہیں:

(ف) اس سے توسل بعد الوفا بھی ثابت ہوا اور علامہ ثبوت بالروایۃ کے درایۃ بھی ثابت ہے کیونکہ روایت اول کے

ذیل میں جو توسل کا حاصل بیان کیا گیا ہے وہ دونوں حالتوں میں مشترک ہے۔ (شرطیہ ص ۲۵۳ مطبوعہ تاج کتب کراچی)

حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر بارش کی دعا کے لیے درخواست کی تھی اس کے متعلق شیخ محمد سرفراز خاں صغیر لکھتے ہیں:

اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں اور حافظ ابن کثیر حافظ ابن حجر اور علامہ سہودی وغیرہ اس روایت کو صحیح کہتے ہیں

امام ابن جریر اور حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ۷ھ اور ۸ھ کی ابتداء کا ہے (تاریخ طبری ج ۳ ص ۹۸ البدایہ والنہایہ

ج ۷ ص ۹۱) اور مورخ عبدالرحمان بن محمد بن خلدون (المتون ص ۸۰۸ھ) فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ۸ھ کا ہے۔

(ابن خلدون ج ۲ ص ۹۶۹)

یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات سے تقریباً سات آٹھ سال بعد پیش آیا اس وقت بکثرت حضرات صحابہ کرام موجود تھے۔ خواب دیکھنے والے کوئی مجہول شخص نہیں تھے بلکہ جلیل القدر صحابی حضرت بلال بن حارث مزی (التوفی ۶۷ھ) رضی اللہ عنہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر طلب دعا اور سوال شفاعت ترک نہیں ورنہ یہ جلیل القدر صحابی یہ کارروائی ہرگز نہ کرتے۔

یہ معاملہ نرے خواب کا نہیں ہے بلکہ اس سچے خواب کو خیفہ راشد حضرت عمر کی تاکید و تصویب حاصل ہے اور اس کارروائی کا حکم پہلے تو ”علیکم بسنتی و سنتی الحلفاء الراشدين الحدیث“ کے تحت سنیت کا ہوگا ورنہ انتخاب اور اقل درجہ جواز سے کیا کم ہوگا۔ (تسکین الصدور ص ۳۵۲-۳۵۹ ملخصاً مطبوعہ ادارہ فقہ الفہم گویرانوالہ)

نیز شیخ محمد سرفراز خاں صنف لکھتے ہیں:

علاوہ ازیں متعدد کتابوں میں آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر طلب دعا کا تذکرہ ہے چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ایک جماعت نے عقی سے یہ مشہور حکایت نقل کی ہے جس جماعت میں شیخ ابو منصور العباغ بھی ہیں انہوں نے اپنی کتاب ”الشامل“ میں بیان کیا ہے کہ عقی فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا: السلام ملیک یا رسول اللہ میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہے ”اور اگر بے شک وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تیرے پاس آتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور ان کے لیے رسول بھی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے“ اس لیے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کے لیے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی پیش کرنے آیا ہوں۔ اس کے بعد اس نے درود دل سے چند اشعار پڑھے اور جذبہ محبت کے پھول نچھاور کر کے چلا گیا اور اسی واقعہ کے آخر میں مذکور ہے کہ خواب میں اس کو کامیابی کی بشارت بھی مل گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عقی! جا کر اعرابی سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی معفرت کر دی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۰) یہ واقعہ امام نووی نے ”کتاب الاذکار“ ص ۱۸۵ طبع مصر میں اور علامہ ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد الشافعی الحنفی التوفی ۷۱۰ھ نے اپنی تفسیر ”مدارک“ ج ۳ ص ۳۹۹ میں اور علامہ تقی الدین سبکی نے ”شفاء القام“ ص ۴۶ میں اور شیخ عبدالحق نے ”جذب القلوب“ ص ۱۹۵ میں اور علامہ بحر العلوم عبدالحق نے ”رسائل الارکان“ ص ۲۸۰ طبع لکھنؤ میں نقل کیا ہے اور علامہ علی بن عبدالحق السبکی اور علامہ سہودی لکھتے ہیں کہ

عقی کی حکایت اس میں مشہور ہے اور تمام مذاہب کے مصنفین نے مناسک کی کتابوں میں اور مورخین نے اس کا ذکر کیا ہے اور سب نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے اسی طرح دیگر متعدد علماء نے قدیم و حدیث اس کو نقل کیا ہے اور حضرت تھانوی لکھتے ہیں کہ مواہب میں بسند امام ابو منصور صباغ اور ابن اثجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی رحمہم اللہ تعالیٰ نے محمد بن حرب ہلالی سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ یا خیر المرسل! اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک نئی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد ہے: ”وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا“ (النساء: ۶۴) اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفر کرتا ہوا اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلہ سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں پھر دو شعر پڑھے اور اس محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی ہے اھ۔ غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت تکیر منقول نہیں بس حجت ہو گیا۔ (شرائط ص ۲۵۳) اور حضرت مولانا نانوتوی یہ آیت کریمہ لکھ کر فرماتے ہیں: ”کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یہ بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت

میں آنا اور استغفار کرنا اور کرنا جب ہی متصور ہے کہ قبر میں زندہ ہوں اھ (آب حیات ص ۴۰) اور حضرت سیدنا غلامہ عثمانی یہ سابق واقعہ ذکر کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ پس ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔ (اعمال النبی ص ۱۰، ص ۳۲۰) ان اکابر کے بیان سے معلوم ہوا کہ قبر پر حاضر ہو کر شفاعت مغفرت کی درخواست کرنا قرآن کریم کی آیت کے عموم سے ثابت ہے بلکہ امام کی فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس معنی میں صریح ہے۔ (شعاع الاحیاء ص ۱۳۸) اور خیر القرون میں یہ کارروائی ہوئی مگر کسی نے انکار نہیں کیا جو اس کے صحیح ہونے کی واضح دلیل ہے

(تسکین الصدور ص ۳۶۵ ۳۶۴ مطبوعہ ادارہ فہرۃ العلوم گوجرانوالہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر دعا کی درخواست کرنے کو ناجائز ثابت کرنے کے لیے شیخ ابن تیمیہ شیخ ابن قیم اور شیخ ابن الہادی وغیرہم کی ایک یہ دلیل ہے کہ حضرات صحابہ کرام ائمہ دین اور سلف صالحین سے ایسی کارروائی ثابت نہیں اگر یہ جائز ہوتی تو وہ ضرور ایسا کرتے اس کے جواب میں شیخ محمد سرفراز خان صفدر لکھتے ہیں:

یہ ان حضرات کا ایک علمی مغالطہ ہے کیونکہ قبر کے پاس حاضر ہو کر سفارش کرنا اور طلب دعا نہ تو فرض و واجب ہے اور نہ سنت مؤکدہ تاکہ یہ حضرات اس پر خواہ مخواہ ضرور عمل کر کے دکھاتے اور اس کارروائی کے نہ کرنے پر وہ مامست کئے جاتے اس کارروائی کے مقرر اس کو صرف جائز ہی کہتے ہیں اور جواز کے اثبات کے لیے حضرت بلال بن الحارث کا یہ فعل جس کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات صحابہ کرام نے تائید کی ہے کیا کم ہے اگر حضرت ابن عمر صحابی ہیں جنہوں نے ایسا نہیں کیا تو یقین جانئے کہ بلال بن الحارث اور ان کی اس کارروائی کے مصدقین بھی صحابہ ہی ہیں اگرچہ حافظ ابن تیمیہ یہ کارروائی تسلیم نہیں کرتے لیکن اس کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ کارروائی بعض متاخرین سے ثابت ہے۔ (مصلحہ قاعدہ ص ۷۲)

(تسکین الصدور ص ۳۵۴ مطبوعہ ادارہ فہرۃ العلوم گوجرانوالہ)

خلاصہ یہ ہے کہ تمام اکابر اور اصاغر علماء دیوبند کے نزدیک یا رسول اللہ کہنا جائز ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مقررین کے وسیلہ سے دعا کرنا اور ان سے دعا کی درخواست کرنا بھی جائز ہے بلکہ سنت اور مستحب ہے اور ہم بھی اس سے زیادہ نہیں کہتے۔

ندائے غیر اللہ اور توسل کے متعلق مصنف کا موقف

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استمداد کے متعلق جو ہم نے احادیث اور فقہاء اسلام کی عبارات نقل کی ہیں اس سے ہمارا صرف یہ منشاء ہے کہ عام مسلمان جو شہائد اور ابتلاء میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر پکارتے ہیں اس کا یہ پکارنا شرک نہیں ہے اور اس ندا کو شرک کہنا شدید ظلم اور زیادتی ہے کیونکہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہر حال اللہ کی مخلوق اور اس کا مقرب بندہ گردانتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ حقیقی کارساز صرف اللہ تعالیٰ ہے اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا ہر فعل اور ہر تصرف اللہ تعالیٰ کے اذن اس کی مشیت اور اس کی دی ہوئی قدرت کے تابع ہے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ہوں یا عام انسان اس کائنات میں جس سے بھی جو فعل صادر ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے صادر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی انسان کو کسی شے پر ذرہ برابر بھی قدرت نہیں ہے اور اس اعتقاد کے ساتھ ندائے غیر اللہ کو علماء دیوبند بھی جائز کہتے ہیں جیسا کہ شیخ گنگوہی کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

اس اعتقاد کے ساتھ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استمداد اور استغاثہ کرنا ہر چند کہ جائز ہے لیکن افضل انہی اور اولیٰ یہی ہے کہ ہر حال میں اور ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جائے اور اسی سے استمداد اور استغاثت کی جائے امام

ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن ایک سواری پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: اے بیٹے! میں تم کو چند باتوں کی تعلیم دیتا ہوں، تم اللہ کو یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا، تم اللہ کو یاد رکھو تم اللہ کو سامنے پاؤ گے، جب تم سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ تعالیٰ سے کرو اور جان لو کہ اگر تمام امت تم کو نفع پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو وہ تم کو صرف اسی چیز کا نفع پہنچا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، اگر تمام لوگ تم کو نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہو جائیں تو وہ تم کو صرف اسی چیز کا نقصان پہنچا سکتے ہیں جو اللہ نے لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لئے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ۳۶۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ^۱، امام ابن سنی^۲ اور امام ابن عبد البر^۳ نے بھی روایت کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم اور تلقین کے پیش نظر مسلمانوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں اور اسی سے مدد چاہیں اور دعا میں مستحسن طریقہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا مانگیں، زیادہ محفوظ اور زیادہ سلامتی اس میں ہے کہ وہ دعائیں مانگی جائیں جو قرآن مجید اور احادیث میں مذکور ہیں، تاکہ دعاؤں میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سایہ افکن رہے، اگر کسی خاص حاجت میں دعا مانگی ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مانگی چاہیے۔

ہمارے فاضل معاصر علامہ محمد عبد الحکیم صاحب شرف قادری ثم نقشبندی لکھتے ہیں:

البتہ یہ ظاہر ہے کہ جب حقیقی حاجت روا، مشکل کشا اور کارساز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو احسن اور اولیٰ یہی ہے کہ اسی سے مانگا جائے اور اسی سے درخواست کی جائے اور انبیاء و اولیاء کا وسیلہ اس کی بارگاہ میں پیش کیا جائے، کیونکہ حقیقت حقیقت ہے اور مجاز مجاز ہے، یا بارگاہ انبیاء و اولیاء سے درخواست کی جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں کہ ہماری مشکلیں آسان فرمادے اور حاجتیں بر لائے، اس طرح کسی کو غلط فہمی بھی پیدا نہیں ہوگی اور اختلافات کی خلیج بھی زیادہ وسیع نہیں ہوگی۔

(ندائے یار رسول اللہ ص ۱۲، مطبوعہ مرکزی مجلس رہنما لاہور ۱۳۰۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ نداء غیر اللہ اعتقاد مذکور کے ساتھ ہر چند کہ جائز ہے، لیکن افضل، اولیٰ اور احسن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جائے اور اسی سے استمداد اور استعانت کی جائے جیسا کہ حدیث مذکور کا تقاضا ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استمداد و نداء اور توسل کے متعلق میں نے بہت طویل بحث کی ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں اس مسئلہ میں جانہن سے غلو کیا جاتا ہے، شیخ ابن تیمیہ، ابن القیم اور ابن الہادی کے پیروکار اور علماء نجد غیر اللہ سے استمداد اور وصال کے بعد ان کے توسل سے دعا مانگنے کو ناجائز اور شرک کہتے ہیں اور بعض غالی اور ان پڑھ عوام اللہ سے دعا مانگنے کے بجائے ہر معاملہ میں غیر اللہ کی رہائی دیتے ہیں، انہی کو پکارتے ہیں اور انہی کی نذر مانتے ہیں، سو میں نے چاہا کہ قرآن مجید، احادیث صحیحہ، آثار صحابہ اور فقہاء اسلام کی عبارات کی روشنی میں حق کو واضح کر دوں، تاکہ بلاوجہ کسی مسلمان کو مشرک نہ کہا جائے نہ اللہ تعالیٰ سے دعا اور استعانت کا رابطہ منقطع کیا جائے اور نہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی تعظیم و تکریم میں کوئی

۱۔ امام ابو یعلیٰ احمد بن علی بن الحسنی الموصلی ۳۰۷ھ، مسند ابو یعلیٰ موصلی ج ۳ ص ۸۵-۸۲، مطبوعہ مؤسسۃ علوم القرآن، بیروت

۲۔ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن سنی متوفی ۳۶۳ھ، عمل الیوم واللیلۃ ص ۱۳۶

۳۔ حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ، تمہید ج ۴ ص ۱۱۱، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور ۱۳۰۲ھ

کی کی جائے۔

الاعلمین ان سطور میں اثر آفرینی پیدا فرمایا اور جانیں سے غلو کرنے والوں کو اعتدال کی راہ اور صراطِ مستقیم پر گامزن فرمایا مجھے اس کتاب کے مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمایا اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمایا اس کتاب کو میری بخشش کا ذریعہ بنادے اور اس کو میرے لیے صدقہ جاریہ کر دے۔ و احمر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین و الصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شمع المذہب و علی الہ الطیبین الطاہرین و اصحابہ الکاملین الراشدین و ارواحہ امہات المومنین و اولیاء امۃ الواصلین و علماء ملتہ الراہبیین و النائمۃ و المجتہدین المحدثین و المفسرین و سائر المسلمین اجمعین الی یوم الدین

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم کو سیدھے راستہ پر چلاؤ (الفاتحہ: ۵)

ہدایت کا لغوی معنی اور اس کی اقسام

”اہد“ کا لفظ ”ہدایۃ“ سے مشتق ہے علم و راغب اصفہانی ”ہدایۃ“ کا معنی بیان کرنے ہوئے لکھتے ہیں: جو چیز مطلوب تک پہنچا دے اس کی طرف ملائمت اور نرمی سے رہنمائی کرنا ہدایت ہے فلاں شخص کو ہدایت دی یعنی اس کی رہنمائی کی اللہ تعالیٰ نے انسان کو چار قسم کی ہدایت دی ہے۔

(۱) عقل اور شعور کی ہدایت اور ہدییہیت کا علم ہر شخص کو عطا فرمایا ہے:

أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ بِحَلْفَةِ نَفْسِهِ هُدًى (طہ: ۵۰) جس نے ہر چیز کو اس کی (مخصوص) بناوٹ عطا فرمائی

پھر ہدایت دی O

(۲) انبیاء علیہم السلام کی زبانوں سے اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ ہدایت عطا فرمائی:

وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يُهَدُّونَ بِأَمْرِنَا. (انبیاء: ۷۳) اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا وہ ہمارے حکم سے ہدایت

کرتے تھے۔

(۳) توفیق الہی جو ہدایت یافتہ لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے:

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادْنَاهُمْ هُدًى وَآتَيْنَاهُم تَقْوَاهُمْ O اور جن لوگوں کو ہدایت کی توفیق مل گئی (یعنی جنہوں نے

ہدایت قبول کی) اللہ نے ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیا اور انہیں

ان کا تقویٰ عطا فرمایا O

(۴) آخرت میں جنت کی طرف پہنچانا:

قَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا جنتی کہیں گے: اللہ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں جس

نے ہم کو یہاں تک پہنچایا۔ (اعراف: ۴۳)

یہ چاروں ہدایتیں ترتیب وار ہیں کیونکہ جس چیز کو ہدایت کی پہلی قسم (عقل و شعور) حاصل نہیں ہے اس کو باقی اقسام بھی حاصل نہیں ہوں گی بلکہ وہ مکلف بھی نہیں ہے جیسے حیوانات اور جس کو دوسری قسم کی ہدایت حاصل نہیں ہوئی اس کو باقی دو قسمیں بھی حاصل نہیں ہوں گی (اس میں اشکال ہے) اور جس کو تیسری قسم حاصل نہیں ہوئی جیسے کفار اس کو چوتھی قسم حاصل نہیں ہوگی اور جس کو چوتھی قسم حاصل ہوگی اس کو پہلی تین قسمیں حاصل ہو چکی ہوں گی۔

(المفردات ص ۵۳۹-۵۳۸ مطبوعہ المکتبۃ الرقنۃ فی ایران ۱۳۴۲ھ)

ہدایت کی اقسام کی مزید تفصیل

اس تفصیل میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ہدایت کی پہلی قسم وجدان ہے جو انسان کو مبداء واداء میں عطا کیا جاتا ہے جب اس کو بھوک اور پیاس کا اور اک ہوتا ہے جب وہ غذا کی طلب کے لیے روتا اور چلتا ہے اور دوسری قسم حواس کی ہدایت ہے اور یہ قسمیں انسان اور حیوان میں مشترک ہیں اور تیسری قسم عقل کی ہدایت ہے جو انسان کے ساتھ مخصوص ہے عقل کی ہدایت سے انسان حواس کی اصلاح کرتا ہے مثلاً صغریٰ مزاج والا ٹیٹھی چیزوں کو کڑوا محسوس کرتا ہے تو عقل ہدایت دیتی ہے کہ یہ ٹیٹھی چیز ہے ہدایت کی چوتھی قسم دین اور شریعت کی ہدایت ہے اور ہدایت کی پانچویں قسم توفیق ہے۔

وجدان حواس اور عقل کی ہدایت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الَّذِينَ يَجْعَلُونَ لَهُ عَيْنَيْنِ ۖ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۖ وَهَدَيْنَاهُ
التَّجْدِينَ ۖ (البلد: ۱۰، ۸)

کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں ۝ زبان اور ہونٹ نہیں
بنائے ۝ اور ہم نے اسے (نیکی اور بدی) دونوں واضح راستے
دکھادیے ۝

اور دین اور شریعت کی ہدایت کے متعلق فرمایا:

وَأَقَامُوا تَمُودَ هَدَيْنَاهُمْ فَأَسْتَبَقُوا الْعَنَى عَلَى الْهُدَى
(تم اسجد: ۱۷) انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر پسند کر لیا۔

اور ہدایت کی توفیق کے متعلق فرمایا:

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۖ (الفاتحہ: ۵)

ہم کو سیدھے راستے پر چلا ۝

اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار اس کی رضا اور جنت الفردوس کی ہدایت ہے اس ہدایت کے حصوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہم کو وجدان، عقل اور شعور (حواس سے ادراک) کی ہدایت عطا فرمائی پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے واسطے سے ہم کو دین اور شریعت کی ہدایت میسر کی اب ہم دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم کو دین اور شریعت پر چلا اور اس کی توفیق مرحمت فرماتا کہ ہم کو جنت کی ہدایت حاصل ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کا فرق

ہدایت کا ایک معنی "ایصال الی المطلوب الخیر" (نیک مطلوب تک پہنچانا) ہے اور دوسرا معنی "ارشاد" اور "اراءة الطريق" (راستہ دکھانا) ہے مطلوب خیر تک پہنچانا یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے اس کو ہدایت یافتہ بنانا اور باطن میں ہدایت دینے سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور "راستہ دکھانا" نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے اس کو ہدایت نافذ کرنے اور ظاہر اہدایت دینے سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہدایت کی نسبت کی گئی ہے اس سے مراد راستہ دکھانا ہے اور جہاں آپ سے ہدایت دینے کی نفی کی گئی اس سے مراد ہدایت یافتہ بنانا ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي
مَنْ يَشَاءُ ۖ (قصص: ۵۳)

بے شک آپ اس کو ہدایت یافتہ نہیں بناتے جس کو آپ
چاہیں لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ
يَشَاءُ ۖ (البقرہ: ۲۷۲)

انہیں ہدایت یافتہ بنانا آپ کے ذمہ نہیں لیکن اللہ جسے
چاہتا ہے ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔

ہدایت یافتہ بنانا 'مطلوب خیر تک پہنچانا اور باطن میں ہدایت دینا یہ آپ کا منصب نہیں ہے آپ کا منصب اللہ کی ہدایت

کو نافذ کرنا ظاہر اہدایت دینا اور راستہ دکھانا ہے اسی اعتبار سے فرمایا:

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

اور بے شک آپ ضرور صراط مستقیم دکھاتے ہیں ۝

(الشوری: ۵۲)

صراط مستقیم کا لغوی اور شرعی معنی

دونوں معنیوں کو ملانے والے سب سے چھوٹے خطا کو لغت میں صراط مستقیم کہتے ہیں اور شریعت میں صراط مستقیم سے مراد وہ عقائد ہیں جو سعادت دارین تک پہنچاتے ہیں یعنی وہ دین اسلام جس کو دے کر تمام انبیاء اور رسل کو مبعوث کیا گیا اور ان تمام کی نبوت اور رسالات کو حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر ختم کر دیا گیا جس دین سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح معرفت ہو اور تمام احکام شرعیہ کا علم ہو وہ صراط مستقیم ہے۔ یہ صراط مستقیم کا خاص معنی ہے اور اس کا عام معنی یہ ہے:

تمام اخلاق اعمال اور امور میں افراط اور تفريط کے درمیان متوسط طریقہ۔

خاص مسلمین کے نزدیک صراط مستقیم کا معنی یہ ہے:

کفر فسق جہل بدعت اور ہوائے نفسانیہ کے جہنم کی پشت پر علم عمل خق اور حال کے اعتبار سے شریعت پر استقامت کا پل۔

اس معنی میں صراط مستقیم سے ذہن آخرت کے پل صراط کی طرف متوجہ ہونا ہے پل صراط کے متعلق احادیث میں ہے کہ وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور شریعت پر استقامت بھی بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے مثلاً ہمارے ہاں عام طور پر دیور اور بھابھی میں پردہ نہیں ہوتا حالانکہ شریعت میں ان کے درمیان پردہ کی سخت تاکید ہے سرکاری ملازمتیں رشوت سود اور بے ایمانی کی آمدنی کے بغیر ممکن نہیں یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم مخلوط طریقہ تعلیم کے بغیر ناممکن ہے دکاندار اور ٹھیلے والے پولیس کو بھتہ دینے بغیر اپنا کاروبار نہیں چلا سکتے نجی اداروں اور دفاتر میں مردوں اور عورتوں کا مخلوط اسٹاف ہوتا ہے استقبالیہ اور معلوماتی کاؤنٹر پر بے پردہ خواتین سے گفتگو کرنی پڑتی ہے سرکاری ٹینڈرز پر کوئی ٹھیکہ رشوت کے بغیر منظور نہیں ہو سکتا پولیس اور دیگر سرکاری محکموں میں کوئی شخص رشوت میں ملوث ہوئے بغیر ملازمت نہیں کر سکتا غرضیکہ پورا معاشرہ شریعت کی خلاف ورزیوں اور اخلاقی پستیوں میں ڈوبا ہوا ہے ایسے معاشرہ میں اگر کوئی شخص شریعت پر مستقیم رہنا چاہے تو یہ صراط مستقیم بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور جو اس صراط مستقیم پر آسانی سے گزر گیا وہ آخرت کی پل صراط سے بھی آسانی سے گزر جائے گا۔

اور عوام مسلمین کے اعتبار سے صراط مستقیم کا یہ معنی ہے:

اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو ماننا اور اس پر عمل کرنا اور ہر اس کام سے رکنا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔

خاص جب "اهدنا الصراط المستقیم" کہتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہے: اے اللہ ہمیں "سیر الی اللہ" کے بعد "سیر فی اللہ" عطا فرما اور ہم پر اپنے جہاں اور جلال کی صفات غیر متناہیہ منکشف کر دے اور جب عوام "اهدنا الصراط المستقیم" کہتے ہیں تو اس کا معنی ہے: اے اللہ ہمیں اپنے تمام احکام پر عمل کی توفیق عطا فرما۔

کیا نمازی کا صراط مستقیم کی دعا کرنا تحصیل حاصل ہے؟

اس جگہ ایک مشہور سوال یہ ہے کہ جب نمازی نماز میں کہتا ہے: "اهدنا الصراط المستقیم" سو وہ تو خود صراط مستقیم

کی ہدایت پر ہے اگر صراطِ مستقیم پر نہ ہوتا تو نماز کیسے بڑھتا؟ لہذا یہ شخص صراطِ مستقیم پر ہے اس کے دو جواب ہیں
(۱) اس دعا کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ مجھ کو صراطِ مستقیم کی ہدایت پر قائم اور ثابت رکھ اور اس میں دوام عطا فرما یہ معنی عوام
مسلمین کے اعتبار سے ہے اور اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

ذَبْنَا لَا تَزُغْ قُتُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا
اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دے یہ سب بعد ہمارے،
(لہران: ۸۰) ہمارے دلوں کو نیزہا نہ کر

اور اس حدیث میں بھی اس کی تائید ہے: امام ترمذی روایت کرتے ہیں:
عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يكثرون ان يقول يا مقلب القلوب ثبت قلبي على دينك.
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یہ کثرت یہ کہتے تھے: اے دلوں کے پلٹنے
والے امیر! میرے دل کو بھی اپنے دین پر قائم اور ثابت رکھ۔

(جامع ترمذی ص ۲۱۲ مطبوعہ ذریعہ تجارت کراچی)

(۲) اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی معرفت کے درجات غیر متناہی ہیں اور نمازی معرفت کے جس درجہ میں ہے وہ اس سے
اگلے مقام کی معرفت کی دعا کرتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ میری ہدایت میں ترقی عطا فرما۔ یہ خواص مسلمین کے اعتبار سے ہے
اور اس کی تائید ان آیات میں ہے

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى (مریم: ۷۶)
اور ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اللہ تعالیٰ زیادتی
فرماتا ہے۔

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَاتَّقُوا نَفْسَهُمْ
اور ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت کو اللہ نے زیادہ کیا اور
انہیں ان کا تقویٰ عطا فرمایا۔ (محمد: ۱۷)

وَلَا يَخْرُجُ خَبْرٌ لَكَ مِنَ الْأُولَىٰ (اشعری: ۲)
اور بے شک آپ کی ہر بعد کی گفرتی پہلی گفرتی سے
بہتر ہے۔

جمع کے صیغہ سے دعا کرنے کی وجہ اور ربط آیات

دوسرا سوال یہ ہے کہ یہاں جمع کے صیغہ سے دعا کی تعلیم ہے ”ہم کو سیدھے راستہ پر چلا“ واحد کا صیغہ کیوں نہیں ہے؟
”مجھ کو سیدھے راستہ پر چلا“ اس کا جواب یہ ہے کہ جب نمازی تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے گا تو ان میں کچھ اللہ کے
مقرب اور مقبول بندے بھی ہوں گے جن کے حق میں اللہ تعالیٰ دعا کو قبول فرمائے گا اور یہ اس کے کرم عظیم سے بعید ہے کہ وہ
بعض کے حق میں دعا قبول کرے اور باقی بعض کے حق میں دعا کو مسترد کر دے۔

ان آیات میں ربط اس طرح ہے کہ جب بندوں نے کہا: اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی
مدد چاہتے ہیں تو گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہاری مہمات یا عبادات میں تمہاری کیسے مدد کروں؟ پس بندوں نے کہا: ہمیں
دین اسلام پر چلا اور چونکہ دین اسلام پر چنا اللہ کی خاص نعمت ہے اس لیے فرمایا:

ان دلوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا (التخ: ۷)

جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے وہ گزشتہ امتوں میں سے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔ امام ابن جریر

نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: میں ان لوگوں کے رات پر چلا جس پر تو نے اپنی اطاعت اور عبادت کا انعام کیا ہے جو ملکہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں جنہوں نے تیری اطاعت اور عبادت کی (صحیح البخاری ج ۱ ص ۵۸، ۵۹، مطبوعہ دار المعرفۃ، دہلی، ۱۴۰۹ھ)

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے انعام یافتہ لوگوں کا اجمالاً ذکر کیا ہے اور اس کی تفصیل ان آیتوں میں ہے

انعام یافتہ لوگوں کا بیان

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ (النساء: ۶۹)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِنْ صَلَواتِ نُوْحٍ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَآئِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا إِذْ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِ الرَّحْمَنِ خُذُوا سُبْحَانَ الَّذِي نُسَبِّحُ (مریم: ۵۸)

جن لوگوں پر اللہ نے انعام کیا وہ اولادِ آدم میں سے انبیاء ہیں اور ان لوگوں (کی نسل) سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (مکنتی میں) سوار کیا اور ابراہیم اور یعقوب کی نسل سے اور ان میں سے جن کو ہم نے ہدایت دی اور ان کو منتخب کر لیا جب ان پر رحمن کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہیں اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں ○

انعام یافتہ لوگوں کے راستوں کا بیان

ان انعام یافتہ نفوس قدسہ کے راستہ پر چلنے کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو بالکل اطاعت الہی اور اس کی قضاء پر راضی ہونے میں جذب کر لے اور ایسا ہو جائے کہ اگر اس کو یہ حکم دیا جائے کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دے تو اس کی اس طرح اطاعت کرے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی، اور اگر خود اس کو ذبح ہونے کا حکم دیا جائے تو اپنے آپ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح ذبح کے لیے تیار پائے اور اگر کسی بڑے منصب پر فائز ہونے کے بعد اس کو کسی سے علم حاصل کرنے کا حکم دیا جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح طلب علم کے لیے روانہ ہو جائے اور اپنی بڑائی کو عار نہ بنائے اور اگر اس کو یہ حکم دیا جائے کہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے خواہ اس راہ میں اس کو آڑے سے چیر دیا جائے تو حضرت یحییٰ اور زکریا کی طرح قتل ہو جائے اور افسانہ کرے سخت موذی بیماریوں میں مبتلا کیا جائے تو حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے اگر قاضی اور حاکم بنے تو عدل اور انصاف کے سامنے جھکنے میں عار محسوس نہ کرے اور اگر اس کے بیٹے کا کیا ہوا فیصلہ اس کے کئے ہوئے فیصلہ کے مقابلہ میں صحیح ہو تو قبول حق کے راستہ میں امانیت کو نہ آنے دے جیسے حضرت داؤد نے اپنے کئے ہوئے فیصلہ کے مقابلہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کو رائج قرار دیا تھا اور سلطنت اور شاہی سے تو حکومت کے رعب اور دبدبہ میں اللہ کی یاد، عبادت و ریاضت، ورشہ بیداری کو نہ بھولے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اتنی عظیم الشان حکومت ملنے کے باوجود اطاعت الہی سے غافل نہ تھے اور رکوع اور سجدوں میں راتیں گزارتے تھے اور اگر قضاء الہی سے کسی بلا اور مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو شکوہ و شکایت نہ کرے بلکہ اپنے قصور نفس کا اعتراف کرے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل میں مصروف رہے جیسے حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں گرفتار ہو کر بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل کرتے رہے اگر نوجوان حسین و جمیل اور پیارا بیٹا گم ہو جائے تو حرف شکایت زبان پر نہ لائے اور حضرت یعقوب کی طرح صبر جمیل کرے اور

اگر کوئی با اختیار و اقتدار حرمین و جمیل عورت کسی جوان مرد کو گماہ کی دعوت دے تو قید خانے میں جانا منظور کر لے، درگاہ سے دامن بچائے رکھے اور جب قید خانہ میں جائے تو وہاں بھی دعوت و ارشاد کو نہ بھولے اور وہاں کے قید ہوں کو اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت کی دعوت دے اور یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا اسوہ اور نمونہ ہے اور ان کا راستہ ہے۔

یہ سابق انعام یافتہ لوگوں کی سیرتوں کا اجمالی بیان ہے اور سب سے زیادہ انعام حضرت سید المرسلین و سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گیا ہے اور ان کی سیرت تمام انبیاء سابقین کی سیرتوں کی جامع کامل انم اور اکمل ہے اور بہ سار اقرآن انہی کی سیرت کا بیان ہے اور اس کی تفصیل آپ کی احادیث اور سنت میں ہے اس لیے قرآن اور سنت ہی دراصل صراط مستقیم ہے اس لیے جو شخص انعام یافتہ نفوس قدسیہ کی صراط مستقیم پر چلنا چاہتا ہو وہ قرآن اور سنت کو دانتوں سے پکڑ لے اور ان پر پورا پورا عمل کرے۔

”مغضوب“ کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: غضب کا معنی ہے: انتقام کے ارادے سے دل کے خون کا کھولنا اور جوش میں آنا اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غضب سے بچو کیونکہ یہ ایک انگارہ ہے جو بنو آدم کے دلوں میں دہکتا ہے کیا تم غضبناک شخص کی گردن کی پھولی ہوئی رگوں اور اس کی سرخ آنکھوں کو نہیں دیکھتے اور جب اس لفظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے صرف انتقام مراد ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَعَصِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ. (النساء: ۹۳) اور اللہ (مومن کے قاتل سے) انتقام لے گا اور اس کو اپنی

رحمت سے دور کرے گا۔

”المغضوب علیہم“ کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے یہود مراد ہیں۔

(المفردات ص ۳۶۱ مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۴۲ھ)

”المغضوب علیہم“ کی ماثور تفسیر

امام ابن جریر نے متعدد اسانید کے ساتھ حضرت عدی بن حاتم، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ ”المغضوب علیہم“ سے مراد یہود ہیں۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۶۱-۶۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

مغضوب کا معنی بیان کرنے میں بعض علماء کی لغزش

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ”المغضوب علیہم“ کے ترجمہ میں لکھا ہے ”اور جو معصوب نہیں ہوئے۔“

(تفسیر القرآن ج ۱ ص ۳۵ مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور)

ہمارے شیخ علامہ سید احمد سید کاظمی قدس سرہ العزیز اس پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایک معاصر نے ”غیر المغضوب علیہم“ کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ”جو معصوب نہیں ہوئے“ یہاں ”مغضوب“ کا ترجمہ ”معصوب“ صحیح نہیں عہد رسالت سے لے کر آج تک کسی نے یہ ترجمہ نہیں کیا بلکہ ادنیٰ تاں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ غضب سے عتاب مراد لینا مراد الہی کے قطعاً خلاف ہے اس لیے کہ اللہ کا غضب انہی لوگوں کے ساتھ ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے ارادہ انتقام متعلق فرمایا۔ رہا ”عتاب“ تو فی الجملہ وہ رسالوں کی طرف بھی متوجہ ہوا۔ صحیحین کی متفق علیہ حدیث میں

ہے۔ ”عتب اللہ علیہ“ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عتاب فرمایا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۹) بلکہ سورہ
 ”عبس و تولی“ کی تفسیر میں یہ حدیث وارد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کی آمد پر فرمایا:
 ”مرحباً لمن عاتبی فیہ دمی“ جس کی وجہ سے مجھ پر عتاب ہوا اس کو خوش آمدید (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۰، روح البانی ج ۳ ص ۳۹)
 ابن جریر ج ۳ ص ۲۹، ۲۸، ارشاد الاماری ج ۷ ص ۲۱۱) جس سے ظاہر ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی عتاب متوجہ ہوا۔
 اگر ”مغضوب“ کا ترجمہ ”معتوب“ صحیح ماں لیا جائے تو معاذ اللہ حبیب کلیم علیہا الصلوٰۃ والسلام بھی ”مغضوب علیہم“
 میں شامل ہو جائیں گے۔ واضح رہے کہ غضب جو اللہ کی صفت ہے اس کی بنیاد صرف عقوبت اور ارادۃ انتقام ہے اور اس عتاب
 کا مبنی مودت و محبت ہے۔ اہل لغت نے عتاب کے معنی ”محاطۃ الدلال“ لکھے ہیں یعنی محبوب کی لاپرواہی یا بے توجہی پر
 محبت بھری نگاہ کا اظہار۔ صاحب ”لسان العرب“ اور ”صاحب تاج العروس“ نے اس معنی پر بطور شاہد یہ شعر نقل کئے:

اعاتب ذا المودة من صديق اذا ما راہنی منه اجتناب
 اذا ذهب العتاب فلیس ود ویبقى الودعما بقی العتاب

(لسان العرب ج ۱ ص ۵۷۷، تاج العروس ج ۱ ص ۳۶۵)

”محبت والے دوست کے ساتھ میں عتاب سے پیش آتا ہوں جب مجھے اس کی کنارہ کشی کا اندیشہ ہو جب عتاب گیا تو
 محبت بھی نہ رہی کہ محبت اسی وقت تک رہتی ہے جب تک عتاب باقی رہے“ یعنی عتاب سے پیش آنا محبت کی نشانی ہے۔ اگر کہا
 جائے کہ اردو لغت کی کتابوں میں ”غضب“ کے معنی عتاب اور ”عتاب“ کے معنی غضب اور ”مغضوب“ کے معنی ”زیر
 عتاب“ لکھے ہیں تو عرض کروں گا کہ ہر زبان کے علماء لغت کی طرح اردو لغت والوں نے بھی اپنی اردو زبان کے استعمالات و
 محاورات کو اردو لغت کی کتابوں میں جمع کر دیا، مگر قرآن مجید ”اردو“ میں نہیں بلکہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ ہر زبان کے
 محاورات و استعمالات اس کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں اس لئے اردو استعمالات پر عربی استعمالات کا قیاس درست نہیں
 بالخصوص قرآنی استعمالات میں غضب اللہ سے عتاب مراد لینا یا مغضوب کا ترجمہ معتوب کرنا کسی طرح صحیح نہیں۔

(اصحیٰان ج ۱ ص ۳۳-۳۲ مطبوعہ عالمی پبلیکیشنز ملتان ۱۹۹۳ء)

”ضالین“ کے معانی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

ضلال کے معنی ہیں: طریق مستقیم سے عدول اور اعراض کرنا اس کی ضد ہدایت ہے قرآن مجید میں ہے:

فَإِنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ مُغْلِبٌ
 فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهِ ۚ (بنی اسرائیل: ۱۵)

ہدایت قبول کی اور جو گمراہ ہوا تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر

پڑا۔

صحیح راستہ سے ہر انحراف کو ضلال کہتے ہیں خواہ وہ انحراف عمداً ہو یا سہواً کم ہو یا زیادہ کیونکہ جو صحیح راستہ اللہ تعالیٰ کے
 نزدیک پسندیدہ ہے اس پر چلنا بہت دشوار ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مستقیم رہو اور تم ہرگز اس کا احاطہ نہ کر سکو گے، بعض
 حکماء نے کہا: ہمارے صحت اور صواب پر ہونے کی ایک وجہ ہے اور ہمارے ضلال پر ہونے کی بہت سی وجوہ ہیں بعض صالحین
 نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی تو پوچھا: آپ نے یہ کیوں فرمایا تھا کہ مجھے سورہ ہود اور اس کی نظائر نے بوڑھا
 کر دیا! ان میں سے کس آیت نے آپ کو بوڑھا کر دیا فرمایا: ”فَأَسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ“ جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے اس طرح

مستقیم رہو۔ (۱۱۲: ۱۱۳) اور جب کہ ضلال کا معنی ہے: طریق مستقیم کو ترک کرنا، خواہ یہ ترک کرنا عدا ہو یا سہواً، کم ہو یا زیادہ تو ضلال کا استعمال متعدد وجوہ سے ہوتا ہے یہ مفظ انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی استعمال ہوا ہے اور کفار کے لیے بھی استعمال ہوا ہے اگرچہ دونوں کی ضلالت میں بہت زیادہ فرق ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق اس کے بیٹوں نے کہا:

قَالُوا تَاكُلُهُ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيرِينَ

وہ بولے: اللہ کی قسم! یقیناً آپ اسی اپنی پرانی محبت میں

(یوسف: ۹۵) ہیں O

حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ حضرت یعقوب کو شدید محبت تھی اور یوسف کے بھائیوں کے خیال میں یہ بے جا محبت تھی اس لیے انہوں نے اس محبت کو ضلال کے ساتھ تعبیر کیا۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں بالکل وارفتہ ہو گئے تھے تو آپ کو امت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے فرمایا:

وَدَعَاكَ ضَالًّا لَهْدَى (النجم: ۷)

اور آپ کو (اپنی محبت میں) وارفتہ پایا تو (امت کی

طرف) راہ دی O

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ فَعَلْتُهَا إِذَا أَنَا مِنَ الضَّالِّينَ

موسیٰ نے کہا: میں نے وہ کام اس وقت کیا جب

(اشعراء: ۲۰) میں بے خبروں میں سے تھا O

اس میں یہ تنبیہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قطعی کاتل سہواً ہوا تھا۔ ضلال نسیان کے معنی میں بھی مستعمل ہے:

أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ

کہ ان دو میں سے کوئی ایک (عورت) بھول جائے تو

(البقرہ: ۲۸۲) ان میں سے دوسری اس کو یاد دلائے۔

علم اور عمل کے اعتبار سے ضلال کے دو اور معنی ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی وحدانیت اور نبوت اور رسالت میں کوئی شخص صحیح راہ سے بھٹک جائے اس معنی کا استعمال اس آیت میں ہے:

وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَكَاتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ

جو شخص اللہ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اس کے

الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا (النساء: ۱۳۶)

رسولوں اور روز قیامت کے ساتھ کفر کرے تو بے شک وہ گمراہ

ہو گیا (سیدھی راہ سے) بہت دور جا پڑا O

دوسرا معنی ہے: عبادات اور احکام شرعیہ میں صحیح راہ سے بھٹک جانا اس معنی کا استعمال اس آیت میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْطَادُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ

ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا (النساء: ۱۷۷)

سے روکا یقیناً وہ گمراہ ہو گئے (سیدھی راہ سے) بہت دور

جا پڑے O

ضلال غفلت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے:

قَالَ عَنْهُمْ عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا

(موسیٰ نے کہا: پچھلی قوموں کا) علم میرے رب کے

يَنْسِي (طہ: ۵۲)

پاس ایک کتاب (لوح محفوظ) میں ہے میرا رب نہ غافل ہوتا

ہے نہ بھولتا ہے O

زیر بحث آیت میں ضالین سے مراد انصاری ہیں۔ (المعربات ص ۲۹۸-۲۹۷ مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے ضالین کی منقول تفسیر
امام ابن جریر لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود اور کئی اصحاب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الضالین" سے مراد نصاریٰ ہیں۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۶۳ مطبوعہ دارالعرفان بیروت ۱۴۰۹ھ)
ہر وہ شخص جو سیدھے راستے سے انحراف کرے اس کو عرب ضال کہتے ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میسایوں کو ضالین فرمایا کیونکہ انہوں نے سیدھے راستے سے انحراف کر کے غلط راستہ اختیار کر لیا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہودی نے بھی تو طریق مستقیم سے انحراف کر کے غیر طریق مستقیم اختیار کر لیا پھر کیا وجہ ہے کہ ان کو مغضوب کی صفت کے ساتھ مخصوص کیا اور نصاریٰ کو ضالین کی صفت کے ساتھ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں ہی ضالین ہیں لیکن نصاریٰ نبی کی محبت میں گمراہ ہوئے اور نبی کو خدا کا بیٹا کہا اور یہودی نبی سے بغض میں گمراہ ہوئے کیونکہ انہوں نے کئی نبیوں کو قتل کر ڈالا اس لیے یہودی پر اللہ تعالیٰ کا غضب زیادہ ہے اور ان کو مغضوب فرمایا۔

جن لوگوں تک اسلام کا پیغام نہیں پہنچا آیا وہ شریعت کے مکلف ہیں یا نہیں؟

ضالین کا مصداق وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی بالکل معرفت حاصل نہیں ہوئی یا ان کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل نہیں ہوئی اول الذکر وہ لوگ ہیں جن کو نبوت کا پیغام نہیں پہنچا اور ثانی الذکر وہ لوگ ہیں جن کو پیغام نبوت پہنچا لیکن ان پر حق اور باطل اور صواب اور خطا میں اشتباہ ہو گیا اور جن لوگوں کے زمانے میں نبی مبعوث نہیں ہوا وہ اصحاب فترت ہیں وہ کسی شریعت کے مکلف ہیں نہ آخرت میں ان کو عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ﴿۱۰﴾

اور جب تک رسول کو نہ بھیج دیں ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں (بنی اسرائیل: ۱۰) O

جمہور کی رائے یہی ہے لیکن علماء کی ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ شریعت کا مکلف ہونے کے لیے صرف عقل کافی ہے سو جس شخص کو عقل دی گئی ہے اس پر لازم ہے کہ آسمانوں اور زمین کی نشانیوں میں غور و فکر کرے اور ان کے خالق کی معرفت حاصل کرے اور جس طرح اس کی عقل ہدایت دے اس کے مطابق خالق کی تعظیم اور عبادت کرے اور نعمتوں پر اس کا شکر بجالائے۔

علامہ محبت اللہ بہاری لکھتے ہیں:

جو شخص دو دراز کے پہاڑوں میں بلوغت کی عمر پالے اور اس کو پیغام نہ پہنچے اور وہ عقائد صحیحہ کا معتقد نہ ہو اور احکام شرعیہ پر عمل نہ کرے تو معتزلہ اور بعض احناف کے نزدیک اس کو آخرت میں عذاب ہوگا کیونکہ جن امور کا عقل ادراک کر سکتی ہے اس نے ان کے تقاضوں پر عمل نہیں کیا اور اشاعرہ اور جمہور احناف کے نزدیک اس کو آخرت میں عذاب نہیں ہوگا کیونکہ انسان احکام کا مکلف شریعت سے ہوتا ہے اور فرض یہ کیا گیا ہے کہ اس کو شریعت کی دعوت نہیں پہنچی۔

(مسلم الثبوت مع شرح للہم آبادی ص ۶۲ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

آمین کا معنی

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

یہ وہ کلمہ ہے جو دعا کے بعد کہا جاتا ہے یہ اسم اور فعل سے مرکب ہے اور اس کا معنی ہے: "اللہم استجب لی اے

اللہ امیری دعا کو قبول فرما“ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے حامیوں کے لیے دعا ضرر کی اور فرمایا:

رَبَّنَا اِظْهِرْ عَلٰی اَمَوَالِنَا نَارًا نَشْدُوْهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ
(یونس: ۸۸) اور ان کے دلوں کو سخت کر دے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی تو حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا آمین۔ ایک قول یہ ہے کہ آمین کا معنی ہے: اسی طرح ہوگا۔ زجاج نے کہا ہے: اس میں دو معنی ہیں: آمین اور آمین۔ ابو العباس نے کہا ہے کہ آمین عاصین کی طرح جمع کا صیغہ ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حسن سے منقول ہے کہ آمین اللہ عزوجل کے اسماء میں سے ایک اسم ہے مجاہد نے بھی کہا ہے کہ یہ اللہ کا ایک اسم ہے اور یہ یا اللہ کے معنی میں ہے اور اس کے بعد ”استجب“ مقرر ہے ازہری نے کہا: یہ قول صحیح نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آمین رب العالمین کی اپنے بندوں پر مہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کی آفات اور بلیات کو آمین سے دور کر دیتا ہے جیسے جب کسی لفافے پر مہر گادی جائے تو اس مہر کی وجہ سے اس میں فاسد اور ناپسندیدہ چیز داخل نہیں ہو سکتی۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آمین جنت میں ایک درجہ ہے ابو بکر نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ آمین کہنے والے کو جنت میں ایک درجہ ملے گا۔ (سنن العرب ج ۳ ص ۲۷-۲۶ مطبوعہ نثر ادب الخوازمیہ ایریں ۱۳۰۵ھ) نماز میں آمین کہنے کے متعلق مذاہب اربعہ

علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس الرشی الشافعی لکھتے ہیں:

سورہ فاتحہ یا اس کے قائم مقام کسی دعا کے بعد کچھ وقفہ سے آمین کہنا سنت ہے خواہ وہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں لیکن نماز میں یہ بہت زیادہ مستحب ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورہ فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہوتے تو بلند آواز کے ساتھ آمین کہتے اور الف کو کھینچ کر (درا کر کے) آمین کہتے۔

(نہایۃ المحتاج ج ۱ ص ۳۸۸-۳۸۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ)

علامہ محمد بن عبد اللہ خشی مالکی لکھتے ہیں:

”ولا الصالین“ کے بعد آہستہ آواز کے ساتھ آمین کہنا مستحب ہے سری نماز میں صرف امام آمین کہے اور جہری نماز میں امام اور مقتدی دونوں پست آواز کے ساتھ آمین کہیں کیونکہ آمین دعا ہے اور دعا میں اصل یہ ہے کہ پست آواز کے ساتھ کی جائے۔ (الخشی علی مختصر ظلیل ج ۱ ص ۲۸۲ مطبوعہ دارعباد بیروت)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

سنت یہ ہے کہ جہری نمازوں میں امام اور مقتدی جہراً آمین کہیں اور سری نمازوں میں دونوں سرا آمین کہیں۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک آمین آہستہ کہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آواز بلند آمین کہی اور آپ نے امام کے آمین کہنے کے وقت آمین کہنے کا حکم دیا اگر امام نے بلند آواز سے آمین نہ کہی تو امام کی آمین پر مقتدی کی آمین نہیں ہو سکے گی۔ (المفتی ج ۱ ص ۲۹۰ مطبوعہ دارالکریم بیروت ۱۳۰۵ھ)

علامہ حنفی حنفی لکھتے ہیں:

امام اور مقتدی پست آواز سے آمین کہیں خواہ سرا ہو یا جہراً اور جس حدیث میں یہ ہے کہ جب امام آمین کہے تو آمین کہو یہ

پست آواز سے آمین کہنے کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ معلوم اور متعین ہے کہ ”ولا الصالحین“ کے بعد آمین کہی جاتی ہے اس لیے مقتدی کا آمین کہنا امام سے منے پر موقوف نہیں ہے کیونکہ سورہ فتح کے اخیر میں آمین کہی جاتی ہے حدیث میں ہے جب امام ”ولا الصالحین“ کہے تو آمین کہو۔ (درمختار مع حاشیہ الطحطاوی ج ۱ ص ۲۲۰-۲۱۹ مطبوعہ دارالسرمد بیروت)

آمین کہنے کی فضیلت میں احادیث

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص آمین کہتا ہے تو آسمان میں فرشتے (بھی) آمین کہتے ہیں پس جب ایک فریق کی آمین دوسرے کے موافق ہو جائے تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۸ مطبوعہ نور محمد صبح الطمانج کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۶) امام ابوداؤد (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۵) امام نسائی (سنن نسائی ج ۱ ص ۱۴۷) امام مالک (موطا امام مالک ص ۶۹) اور امام احمد (مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۹) نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے لیے پس پشت دعا کرتا ہے تو وہ قبول ہوتی ہے جب بھی وہ اپنے بھائی کے لیے خیر کی دعا کرتا ہے تو اس کے پاس کھڑا ہوا ایک فرشتہ آمین کہتا ہے اور وہ فرشتہ اس کے لیے بھی وہی دعا کرتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۲۰۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۵ ج ۶ ص ۴۵۲ مطبوعہ دارالسرمد بیروت)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود تم سے کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کرتے جتنا وہ تم سے آمین پر حسد کرتے ہیں سو تم بہ کثرت آمین کہا کرو۔

(سنن ابن ماجہ ص ۶۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

آمین بالجبر کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ”ولا الصالحین“ پڑھتے تو پہلے آواز بلند فرماتے: آمین۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۵، ۱۳۴ مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور)

امام ترمذی نے اس حدیث کو اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں ”رفع بها صوته“ کی بجائے ”مدبھا صوته“ (آمین کو مد کے ساتھ پڑھا) ہے۔ (جامع ترمذی ص ۶۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

نیز امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی تو آپ نے پہلے آواز بلند آمین کہی۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۵ مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور ۱۳۰۶ھ)

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی تو آپ

نے اللہ اکبر کہہ کر کانوں کے باطن میں رفع مدین کیا پھر آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور اس سے فارغ ہو کر آواز بلند آئیں۔
(نسائی ج ۱ ص ۱۴۰ مطبوعہ دار محمد کائنات تجارت کتب کراچی)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے آمین کہنا ترک کر دیا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب "ولا الصالحین" پڑھتے تھے تو آمین کہتے تھے جس کو صف اول والے سنتے تھے پھر آمین کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی تھی

(نسائی ج ۱ ص ۶۱ مطبوعہ دار محمد کائنات تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام بوداؤد نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس میں یہ نہیں ہے کہ آمین سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔

(مسند ابوداؤد ج ۱ ص ۳۵ مطبوعہ مطبعہ صفا کی پاکستان ۱۹۷۶ء)

فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک یہ تمام احادیث ابتداء امر اور تعلیم پر محمول ہیں۔

آمین بالسر کے متعلق احادیث

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قرآن پڑھنے والا "عبر المعصوب عبدہم ولا الصالحین" کہے اور اس کے پیچھے (ممازی) آمین کہے اور اس کا قول آسمان والوں کے موافق ہو جائے تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۶ مطبوعہ دار محمد کائنات تجارت کتب کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ فرشتوں کی موافقت جبر سے نہیں انحصار سے حاصل ہوئی۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "عبر المعصوب عبدہم ولا الصالحین" پڑھا پھر کہا: آمین اور پست آواز سے کہا۔ (جامع ترمذی ص ۶۳ مطبوعہ دار محمد کائنات تجارت کتب کراچی)

حافظ زیلعی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام احمد امام ابوداؤد طحاوی اور امام ابویعلیٰ موصلی نے اپنی مسند میں امام طبرانی نے اپنی معجم میں اور امام دارقطنی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ (نصاب الراہ ج ۱ ص ۲۶۹ مطبوعہ مجلس علمی دہلی ۱۳۵۷ھ)

امام بغوی روایت کرتے ہیں:

شعبہ نے سلمہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کو آہستہ کہا۔

(شرح السنہ ج ۲ ص ۲۰۸ مطبوعہ دار لکنتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ)

ہر چند کہ امام بغوی نے اس کے مقابلہ میں سفیان کی روایت کو زیادہ صحیح کہا ہے جس میں "مدبھا صوتہ" سے آمین کو صحیح کر پڑھا لیکن مد کے ساتھ پڑھنا آہستہ پڑھنے کے خلاف نہیں ہے نیز شعبہ کی روایت کو بھی انہوں نے صحیح کہا ہے ضعیف نہیں قرار دیا۔

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

حضرت ابوداؤد کل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما (نماز میں) "بسم اللہ الرحمن الرحیم اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" اور آمین کو بلند آواز کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔

(جامع الاحادیث الکبیر ج ۱ ص ۳۶۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۳ھ)

”آئین“ قرآن مجید کا جز نہیں ہے

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

اس پر اجماع ہے کہ آئین قرآن مجید کا جز نہیں ہے اسی وجہ سے سورہ فاتحہ اور آئیں کے درمیان ٹھوڑا سا وقفہ کیا جاتا ہے مجاہد سے یہ منقول ہے کہ آئین سورت کا جز ہے لیکن یہ قطعاً باطل قول ہے مصحف عثمان اور دیگر مصاحف میں آئین کو نہیں لکھا جاتا اور محدث علماء نے یہ کہا کہ آئیں کو قرآن کا جز ماننا کفر ہے (روح المعانی ج ۷ ص ۹۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) فاتحہ خلف الامام میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی نماز (کامل) نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ کو نہ پڑھے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۹ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد کراچی ۱۴۲۵ھ) علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں:

اس حدیث سے نماز میں سورہ فاتحہ کی قراءت کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور اس سورت کا نماز میں پڑھنا متعین ہے اس کے سوا کوئی دوسری سورت اس سے کفایت نہیں کرتی الا یہ کہ کوئی شخص اس کی قراءت سے عاجز ہو یہ امام مالک امام شافعی جمہور فقہاء متابعین اور بعد کے علماء کا مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور ایک قلیل جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کی کسی ایک آیت کا پڑھنا واجب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو کچھ تم آسانی سے پڑھ سکو وہ پڑھو۔ (علامہ نووی نے یہ صحیح نہیں لکھا امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے کیونکہ فرضیت قطعی الثبوت اور قطعی الدلالة دلیل سے حاصل ہوتی ہے اور اس حدیث کی بنا پر امام ابو حنیفہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کو واجب کہتے ہیں امام اعظم کا مذہب ہم ان شاء اللہ غریب بیان کریں گے۔ سعیدی غفرلہ)

جمہور کی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ام القرآن (سورہ فاتحہ) کے بغیر نماز (کامل) نہیں ہوتی۔ اگر انہوں نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ نماز کامل نہیں ہوتی تو یہ خلاف ظاہر ہے (بلکہ یہی ظاہر ہے کیونکہ حدیث میں ہے: جس نے سورہ فاتحہ کو نہیں پڑھا اس کی نماز ناقص ہے یہ کلمہ آپ نے تین بار فرمایا اور ناقص کے مقابلہ میں کامل ہے اگر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہوتا تو آپ فرماتے: جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز باطل ہے اور اس کی تائید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے: وہ نماز کافی نہیں ہوتی جس میں سورہ فاتحہ کی قراءت نہ کی جائے اس حدیث کو امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں سند صحیح کے ساتھ بیان کیا ہے اور ابو حاتم بن حبان نے بھی بیان کیا ہے اور جس حدیث میں ہے: جو کچھ تم آسانی سے پڑھ سکو وہ پڑھو سورہ فاتحہ پڑھنے پر محمول ہے کیونکہ اس کا پڑھنا آسان ہے۔ (یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث میں لفظ ”ما“ ہے جو عام ہے۔ سعیدی غفرلہ)

اس حدیث میں امام شافعی اور ان کے موافقین کے مذہب پر دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام مقتدی اور متفرد سب پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنے کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا: ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو کیا کریں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: سورہ فاتحہ کو دل میں پڑھو اس کا معنی ہے اس کو چپکے چپکے پڑھو جس کو تم خود سنو اور بعض مالکیہ وغیرہم نے جو اس کا یہ تحمل بیان کیا ہے کہ سورہ فاتحہ کے معانی میں تدبر رویہ غیر مقبول ہے کیونکہ قراءت کا اطلاق صرف زبان کی اس حرکت پر ہوتا ہے جو سنائی دے اسی وجہ سے اس پر اتفاق ہے کہ جن اور

حائض اگر زبان کی حرکت کے بغیر قرآن مجید کے معانی میں تدبر کریں تو اس پر قراءت کا اطلاق نہیں ہوگا۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۱۷۰ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد کراچی ۱۴۲۵ھ)

علامہ نووی کا یہ جواب بھی صحیح نہیں ہے زبان کی جو حرکت نالی دے نواہ آ نہ یا زار سے وہ قراءت لفظی سے قراءت نفسی نہیں ہے قراءت نفسی کا معنی یہی ہے کہ الفاظ کے معانی میں تدبر کیا جائے جیسا کہ علامہ نووی نے بعض مالکیہ سے نقل کیا ہے اور اگر جنبی قرآن کے معنی میں تدبر کرے تو اس کو قراءت نفسی کہہ سکتے ہیں۔

فاتحہ خلف الامام میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

صحیح مذہب یہ ہے کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے یہ امام مالک، امام اوزاعی اور امام شافعی کا مذہب ہے امام احمد سے ایک روایت ہے کہ نماز کی صرف دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے انکی 'ثوری اور امام ابو حنیفہ سے بھی اسی طرح روایت ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پہلی دو رکعتوں میں قراءت کرو اور دوسری دو رکعتوں میں تسبیح کرو نیز اگر باقی رکعات میں قراءت واجب ہوتی تو جہری نمازوں میں ان میں جہر سے قراءت واجب ہوتی 'حسن بصری سے روایت ہے کہ اگر ایک رکعت میں قراءت کر لی تو کافی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ط (الزلزلہ: ۲۰) تو قرآن سے جتنا (تم پر) آسان ہو پڑھ لیا کرو۔

اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر تین رکعات میں قراءت کر لی تو کافی ہے کیونکہ وہ نماز کا اکثر حصہ ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعات میں سورۃ فاتحہ اور کوئی اور سورت پڑھتے تھے پہلی رکعت میں زیادہ قراءت کرتے اور دوسری میں کم اور کبھی ہم کو قراءت سناتے تھے اور دوسری دو رکعت میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے نیز امام بخاری اور امام مسلم کی روایت ہے: اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز (کامل) نہیں ہوتی اور حضرت ابو سعید اور حضرت عبادہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کو پڑھیں نیز جس شخص نے اچھی طرح نماز پڑھی تھی اس کو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی پہلی رکعت سکھائی تو اس کو فرمایا: تمام رکعات اس طرح پڑھو اور یہ حکم تمام رکعات میں قراءت کو بھی شامل ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے ایک رکعت نماز پڑھی اور اس میں قراءت نہیں کی تو اس کی یہ نماز صرف امام کے پیچھے ہو سکتی ہے۔ (اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ) اس حدیث کو امام مالک نے موطا میں روایت کیا ہے اور اس سے پہلے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر بیان کیا گیا ہے اس کی سند میں حارث اعور ہے اور اس کو شعبی نے کذاب کہا ہے نیز حضرت عمر اور حضرت جابر نے اس کی مخالفت کی ہے۔ (المثنی ج ۱ ص ۲۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

نیز علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد کچھ دیر خاموش رہے اور آرام کرے تاکہ اس وقفہ میں مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھ لیں تاکہ مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھنے میں امام کے ساتھ کھینچا تائی نہ کریں یہ امام اوزاعی، امام شافعی اور اسحاق کا مذہب ہے امام مالک اور اصحاب رائے نے اس کو نکر وہ کہا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ امام ابو داؤد اور امام ابن ماجہ نے روایت

کیا ہے کہ حضرت سرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو کتے یاد رکھے ہیں ایک سکتہ بکسر تحریر کے بعد اور ایک سکتہ "عیسر المصنوب علیہم ولا الصالین" کی قراءت کے بعد عمران نے اس کا تکرار کیا اور ان دونوں نے حضرت ابی بن کعب کو خط لکھا انہوں نے جواب دیا کہ سرہ کو یہ حدیث محفوظ ہے اور ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے کہا امام نے لیے دو سکتے ہیں اس میں سورۃ فاتحہ کی قراءت کو غیبت جاؤ ایک سکتہ نماز کے شروع کے وقت ہے اور ایک سکتہ جب وہ "ولا الصالین" کہے عروہ بن زبیر نے کہا میں امام کے ان دو سکتوں کو غیبت جانتا ہوں جب وہ "عیسر المصنوب علیہم ولا الصالین" کہتا ہے تو میں اس وقت سورۃ فاتحہ پڑھ لیتا ہوں اور جب وہ سورت ختم کرتا ہے تو میں رکوع سے پہلے قراءت کر دیتا ہوں یہ روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا ان کے نزدیک معروف تھا۔

(المختار ج ۱ ص ۲۹۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۵ھ)

فاتحہ خلف الامام میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ دشتانی ابی مالکی لکھتے ہیں:

قاضی عیاض مالکی نے بیان کیا ہے کہ اشہب مالکی ابن دہب مالکی اور کوفیوں کا قول یہ ہے کہ امام کے پیچھے کسی حال میں قراءت نہ کی جائے صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہے۔ ان سے کہا گیا کہ بعض اوقات ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں؟ حضرت ابو ہریرہ نے کہا: اس وقت اپنے دل میں پڑھو۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب امام قراءت کرے تو اس کے معانی میں تدریک و تابعین کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ امام کے پیچھے کسی حال میں قراءت نہ کی جائے وہ کہتے ہیں کہ صرف ہونٹ ہلائے جائیں اور خود کو بھی آواز نہ آئے اور جس نے خود کو سنایا اس نے اچھا کیا امام مالک اور ان کے عام اصحاب اور بہت سے متقدمین نے یہ کہا ہے: مقتدی امام کے ساتھ سری نمازوں میں پڑھے اور جہری نمازوں میں نہ پڑھے امام احمد نے یہ کہا ہے کہ امام کے پیچھے سری اور جہری دونوں نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھے امام شافعی کے اس میں تین قول ہیں ایک قول کو بیہین کی طرح ہے ایک قول امام احمد کی مثل ہے اور ایک قول جمہور صحابہ اور تابعین کی مثل ہے امام احمد اور داؤد ظاہری کے نزدیک سورہ فاتحہ کا سری نمازوں میں پڑھنا فرض ہے ہمارے نزدیک اس میں اختلاف ہے ایک قول سنت ہے اور ایک قول مستحب ہے۔ (اکمال الکمال المعلم ج ۲ ص ۱۵۰-۱۳۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

فاتحہ خلف الامام میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

مقتدی امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔ (من ابن ماجہ طحاوی) اور اس پر صحابہ کا اجماع ہے یہ رکن امام اور مقتدی دونوں کے درمیان مشترک ہے لیکن مقتدی کا کام یہ ہے کہ وہ خاموش رہے اور سنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو امام محمد سے ایک روایت یہ ہے کہ احتیاطاً قراءت کرنا مستحسن ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک امام کے پیچھے قراءت کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس پر وحید ہے۔

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں تمام نمازیوں کو قراءت کرنے کا حکم دیا گیا ہے "فاقرءوا ما فیہ من حید آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حکم ہے کہ کوئی نماز قرآن مجید پڑھے بغیر نہیں ہو سکتی "لیکن جب حدیث

صحیح میں وارد ہے۔ جس شخص کا امام ہو تو امام کی قراءت اس شخص کی قراءت ہے تو اس آیت اور حدیث کے عموم کی تخصیص کرنا واجب ہے جیسا کہ ائمہ عظام کا قاعدہ ہے اس لیے مقتدی اس حکم کے عموم سے خارج ہے نیز اس پر اجماع ہے کہ رکوع میں نماز کو پانے والا نماز کی رکعت کو پالنا ہے حالانکہ اس رکعت میں اس نے قراءت نہیں کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہر رکوع بھی قراءت کے عمومی حکم سے خارج ہے اسی طرح جس حدیث میں ہے، اللہ اکبر کہو پھر تم کو جس قدر قرآن یاد ہو پڑھو یہ بھی مقتدی کے غیر پر محمول ہے تاکہ وائل میں تطبیق ہو بلکہ یہ کہا جائے گا کہ مقتدی کے لیے بھی شرعاً قراءت ثابت ہے کیونکہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے اگر مقتدی نے قراءت کی تو ایک نماز میں دو قراءتیں ہو جائیں گی یہ حدیث متعدد اسانید سے حضرت جابر بن عبد اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے امام دارقطنی، امام بیہقی اور امام ابن عدی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا ضعیف ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے متعدد راویوں نے اس حدیث کو ارسال سے بیان کیا ہے ایک سند سے امام ابو حنیفہ نے بھی اس کو مرسل روایت کیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اکثر اہل علم کے نزدیک حدیث مرسل جہت ہے اور اس سے صرف نظر کر کے ہم یہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے سند صحیح کے ساتھ اس حدیث کو مرفوعاً بھی روایت کیا ہے امام محمد بن الحسن نے اپنی ”موطا“ میں روایت کیا ہے از ابو حنیفہ زبوان الحسن مہدی بن ابی عائشہ از عبد اللہ بن شداد از جابر رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے فرمایا: جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو بے شک امام کی قراءت اس شخص کی قراءت ہے اس حدیث کو سفیان شریک، جریر اور ابوالزہیر نے اپنی اپنی اسانید صحیحہ کے ساتھ اپنی اپنی مسانید میں مرفوعاً روایت کیا ہے اور سفیان کی سند امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اس لیے مخالفین کا اس حدیث کو مرسل قرار دینے پر اسرار کرنا محاطل ہے کیونکہ اگر ثقہ راوی کسی حدیث میں متفرد ہو تو اس کو قبول کرنا واجب ہے اور رفع ارسال پر زیادتی ہے اور ثقہ اگر متفرد ہو تب بھی اس کی زیادتی مقبول ہوتی ہے چہ جائیکہ یہاں چار سے زائد ثقہ راوی اس حدیث کو مرفوعاً روایت کر رہے ہیں اور ثقہ راوی کبھی حدیث کی ایک سند کو ارسال سے بیان کرتا ہے اور کبھی اتصال سے امام ابو عبد اللہ حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی آپ کے پیچھے ایک شخص قراءت کر رہا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی اس کو نماز میں قراءت سے روکتے رہے جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو اس نے سہیہ سے کہا: کیا تم مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں قراءت کرنے سے منع کرتے ہو؟ وہ دونوں تکرار کرنے لگے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس شخص کی قراءت ہوتی ہے امام ابو حنیفہ نے ایک روایت سے بیان کیا ہے کہ ظہر یا عصر کی نماز میں ایک شخص نے قراءت کی تو اس کو ایک صحابی نے منع کیا الحدیث اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کی اصل یہ واقعہ ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کبھی پورا واقعہ بیان کیا اور کبھی صرف اس کا حکم بیان کر دیا اور کبھی امام کے پیچھے قراءت کی ممانعت کو بیان کر دیا۔

اس حدیث کے معارض یہ روایت ہے: مجھ سے قرآن کیوں کھینچی جا رہا تھا اگر کسی مقتدی نے ضرور قرآن پڑھنا ہو تو وہ صرف سورہ فاتحہ پڑھے اسی طرح امام راؤد اور امام ترمذی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید پڑھا تو آپ پر قرآن پڑھنا دشوار ہوا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: شاید تم اپنے امام کے پیچھے قرآن پڑھ رہے تھے! ہم نے کہا: ہاں یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سو سورہ فاتحہ کے اس طرح نہ کرو کیونکہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس حدیث میں امام کے پیچھے قرآن مجید پڑھنے سے منع کیا ہے اس کی سند زیادہ قوی ہے اور اس

میں ممانعت علی الاطلاق ہے اس لیے قوت سند اور عموم لی ود سے وہ حدیث ان احادیث پر مقدم ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث دیگر احادیث سے موید ہے ہر چند کہ ان کی اس نید ضعیف ہیں اور صحابہ کے مذاہب سے بھی موید ہے حتیٰ کہ صاحب "بدایہ" نے یہ کہا کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے پر اجماع صحابہ ہے وہ احادیث حسب دلیں ہیں:

(۱) امام مالک نے اپنی "موطا" میں از مافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کیا جب تم میں سے کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس کے لیے کافی ہے اور جب وہ تنہا نماز پڑھے تو قراءت کرے اور حضرت ابن عمر امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے۔

(۲) امام دارقطنی نے اس حدیث کو مرفوعاً بیان کیا ہے اور یہ کہا کہ اس کا مرفوع ہونا راوی کا دسم ہے لیکن یہ حکام مرفوع ہے کیونکہ حضرت ابن عمر کا یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع پر محمول ہے۔

(۳) امام ابن عدی نے "کامل" میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کا امام ہو تو امام کی قراءت اس شخص کی قراءت ہے اس حدیث کی سند میں اسماعیل ضعیف راوی ہے اس کا کوئی متابع نہیں ہے۔

امام ابن عدی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ اسماعیل کا متابع ہے نصر بن عبد اللہ امام طبرانی نے "معجم اوسط" میں نصر بن عبد اللہ از حسن کی حدیث کو روایت کیا ہے اور حسن سے سند اور متناً بھی روایت ہے امام طبرانی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس سے بھی مرفوعاً روایت کیا ہے لیکن اس میں کلام ہے۔

(۴) امام طحاوی نے "شرح معانی الآثار" میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن مقام نے حضرت عبد اللہ بن عمر حضرت زید بن ثابت اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: کن نماز میں بھی امام کے پیچھے قراءت نہ کرو۔

(۵) امام محمد بن حسن نے اپنی "موطا" میں اپنی سند کے ساتھ ابوداؤد سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قراءت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: خاموش رہو نماز میں صرف ایک شخص ہے اور تمہارے لیے امام کافی ہے اور اسی کتاب میں حضرت سعد کے بعض بیٹوں سے روایت کیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے اس کے منہ میں انگارے ڈال دوں اس کو امام عبد الرزاق نے بھی روایت کیا ہے مگر ان کی روایت میں ہے: میں اس کے منہ میں پتھر ڈال دوں۔

(۶) امام محمد نے اپنی "موطا" میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرتا ہے کاش اس کے منہ میں پتھر ہوتے اس اثر کو امام عبد الرزاق نے بھی روایت کیا ہے۔

(۷) امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ ابو جمرہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس سے پوچھا: کیا میں امام کے ہوتے ہوئے قراءت کروں؟ انہوں نے کہا: نہیں۔

(۸) امام ابن ابی شیبہ نے اپنی "مصنف" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کرو خواہ جہری نماز ہو یا سری۔

(۹) امام عبد الرزاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے امام کے پیچھے قراءت کی اس نے

ایک شخص امام کو رکوع میں پائے اور اگر مقتدی کے لیے بھی قراءت رکن ہوئی تو اس عذر کی وجہ سے اس سے قراءت ساقط نہ ہوتی جیسے رکوع اور سجود اس سے ساقط نہیں ہوتے اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا رکوع کے فوت ہونے کے خدشہ سے قیام ساقط نہیں ہوتا؟ تو ہم کہیں گے نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص رکوع کی حالت میں اللہ اکبر کہے تو یہ جائز نہیں ہے بلکہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ کھڑا ہو کر اللہ اکبر کہے ابستہ قیام کا امتداد رکوع کے فوت ہونے کے خدشہ کی وجہ سے اس سے ساقط ہو جاتا ہے اور قیام کا فرض ادنیٰ قیام سے حاصل ہو جاتا ہے جیسے رکوع مطلقاً جھکنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

(فتح القدیر ج ۱ ص ۲۹۷ ۲۹۸ ملخصاً و موضحاً مطبوعہ مکتبہ لوریہ رضویہ، عکبر)

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے امام کی پشت سیدھی ہونے سے پہلے امام کو رکوع میں پالیا اس نے نماز (کی رکعت) کو پالیا۔ (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۲۷ مطبوعہ نشر الملتا)

”شرح صحیح مسلم“ جلد اول میں ہم نے قراءت خلف الامام کے موضوع پر مزید دلائل تحریر کئے ہیں۔

۱۰ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ کو میں نے تفسیر تبیان القرآن کا مقدمہ لکھنا شروع کیا اور اس دوران سفر حج کی تیاریوں میں بھی مصروف رہا سفر حج سے پہلے میں نے یہ مقدمہ مکمل کر لیا اللہ تعالیٰ کا بے حد کرم ہے کہ اس نے مجھے حج اکبر عطا فرمایا چالیس روز حرمین طہیین میں بسر ہوئے۔ تقریباً ایک ماہ سفر کی تھکاوٹ اتارنے میں گزرا اور آج تیس صفر ۱۴۱۵ھ کو سورہ فاتحہ کا ترجمہ اور اس کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ والحمد للہ

اللہ العلیین! جس طرح آپ نے مجھے سورہ فاتحہ کا ترجمہ اور تفسیر مکمل کرنے کی توفیق ہدایت اور سعادت عطا کی ہے اسی طرح باقی قرآن مجید کا ترجمہ اور اس کی تفسیر کی بھی توفیق ہدایت اور سعادت سے سرفراز فرمائیں اور اس تفسیر کو موافقین کے لیے استقامت، مخالفین کے لیے ہدایت اور میرے لیے نجات کا ذریعہ اور صدقہ جاریہ بنائیں مجھے میرے والدین احباب اور میرے قارئین کو دنیا اور آخرت کی ہر بلا اور عذاب سے محفوظ رکھیں اور دارین کی سعادتوں کو ہمارے لیے مقدر کر دیں۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم البیین شفیع المذنبین قائد المر المحجلین وعلی الہ الطیبین الطاہرین وعلی اصحابہ الکاملین الراشدین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔



سُورَةُ الْبَقَرَةِ

(٢)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة البقرہ

سورہ بقرہ کا اجمالی تعارف

سورہ بقرہ قرآن مجید کی سب سے طویل سورت ہے اور یہ مدنی سورت ہے علامہ واحدی نیشاپوری نے لکھا ہے کہ عکرمہ نے بیان کیا ہے کہ مدینہ میں جو سورت سب سے پہلے نازل ہوئی وہ سورۃ البقرہ ہے۔ (اسباب النزول ص ۱۱)

مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی تمام سورتوں میں مسلمانوں کے انفرادی اور اجتماعی نظام حیات، عبادات، سیاسیات، معاشیات، اقتصادیات اور عمرانیات کے اصول اور احکام بیان کئے گئے ہیں اس کے برخلاف مکی سورتوں میں اعتقادات اور اخلاقیات پر زیادہ زور دیا گیا ہے کیونکہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی اپنی ریاست قائم ہو چکی تھی اور نظام مملکت کو چلانے کے لیے جن اصول اور قواعد کی ضرورت ہوتی ہے اور مسلمانوں کی تمدنی زندگی کی فوز و صلاح اور عبادات کے اجتماعی نظام کے لیے جن ہدایات کی احتیاج ہو سکتی ہے وہ سب ان مدنی سورتوں میں نازل کی گئیں۔

عقائد اسلامیہ کی اساس ایمان بالغیب ہے اور بغیر دیکھے اللہ تعالیٰ کو واحد لا شریک ماننا ہے اس کے تمام رسولوں پر ایمان لانا ہے اور تمام آسمانی کتابوں کو ماننا ہے جزاء اور سزا کا اقرار کرنا ہے اور اعمال صالحہ میں ہمہ گیر اور ہمہ جہت عبادت نماز کو قائم کرنا ہے اور طبقاتی منافرت کا سد باب کرنے کے لیے اہم عبادت زکوٰۃ کو ادا کرنا ہے اس لیے سورہ بقرہ ایمان بالغیب، اقامت صلوٰۃ اور اداء زکوٰۃ کے بیان سے شروع ہوتی ہے پھر آگے چل کر اس سورت میں شریعت اسلامیہ کو وضاحت سے بیان کیا ہے اور عبادات اور معاملات کی تفصیل کی گئی ہے اور اقامت صلوٰۃ اور اداء زکوٰۃ کے علاوہ تحویل قبلہ، توحید پر دلائل، ماہ رمضان کے روزوں، بیت اللہ کے حج، جہاد فی سبیل اللہ، انفاق فی سبیل اللہ، والدین اور قرابت داروں کے حقوق، زکوٰۃ اور صدقات کے مصارف، یتیموں کی کفالت، عائلی زندگی کے اصول اور احکام میں نکاح، طلاق، رضاع، عدت اور ایلاء کو بیان کیا گیا ہے، قسم کھانے کا شرعی حکم، جادو کا حرام ہونا، قتل ناحق کی ممانعت، قاتل پر قصاص کو واجب کرنا، ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مال کھانے کی ممانعت، شراب جوئے اور سود کی حرمت، ایام حیض میں عمل ازدواج کی ممانعت، عورتوں سے عمل معکوس کرنے کی تحریم کو بیان کیا ہے۔

اسی سورت میں ایک آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی وحدت اور اس کی اہم صفات کا بیان ہے اور یہ آیت انگریزی ہے۔ (البقرہ: ۲۵۴) اسی سورت میں وہ آیت ہے جو قرآن مجید کی سب سے طویل آیت ہے اس کو آیت مدینہ کہتے ہیں اس آیت میں قرض دینے، قرض کو لکھنے اور کاروباری معاملات میں مردوں اور عورتوں کو گواہ بنانے، رہن رکھنے، امانت ادا کرنے اور گواہی چھپانے کی ممانعت کو بیان کیا ہے۔ (البقرہ: ۲۸۲) اسی سورت میں ایک ایسی آیت ہے جو قرآن مجید کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ہے۔

اور وہ آیت ہے:

وَالَّذِينَ ابْتَوُوا مَا تَرَجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تَوَلَّوْا
كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُفْلَهُونَ (۲۸۱) (البقرہ ۲۸۱)
اور اس دن سے ذرہ جس میں تم اللہ کی طرف لوٹاؤ
جاؤ گے پھر ہر شخص کے کیے ہوئے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا
اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا O

مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں صرف مشرکین تھے اس لیے انکی سورتوں میں صرف توحید اور آخرت پر ایمان لانے پر زور دیا ہے۔ مدینہ میں پہنچ کر حسب مختلف قبائل نے اسلام قبول کر لیا اور انصار کی وجہ سے مدینہ میں مسلمانوں کی ریاست قائم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے قانون، سیاست، معیشت، معاشرت اور تمدن اور ثقافت کے متعلق بھی اصول اور ہدایات نازل فرما دیں یہاں مسلمانوں کا مقابلہ یہود سے تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گزرے ہوئے تقریباً ۱۹ صدیوں گزر چکی تھیں اور اس عرصہ میں یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور تورات کو بالکل مسترد کر دیا تھا اور تورات میں لفظی اور معنوی تحریف ہو چکی تھی مدینہ منورہ میں یہود کے علاوہ منافقین بھی تھے یہ منافقین کئی قسم کے تھے سورہ بقرہ میں کفار و مشرکین، یہود و انصار کی اور منافقین سب کے متعلق آیات نازل کی گئی ہیں۔

سورہ فاتحہ میں اس دعا کی تعلیم دی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کی جائے اور اس دعا کی استجاب کے طور پر سورہ بقرہ میں مسلمانوں کے لیے صراطِ مستقیم بیان کی گئی ہے اور کامل مومنوں کی صفات بیان کی گئی ہیں اور ان کے مخالف کفار اور مشرکین کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں اس سورت کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کی سعادت کا مبنی دین اسلام کی اتباع اور شریعت اسلام پر استقامت ہے اس سورت کا خاتمہ اللہ تعالیٰ سے اس دعا پر ہے کہ وہ مثل اور دشوار احکام ہم سے اٹھالے اور کفار کے مقابلہ میں ہم کو فتح اور نصرت عطا فرمائے اور اپنے فضل اور احسان سے ہم کو ایمان اور اسلام پر ثابت قدم رکھے۔

سورہ بقرہ کی وجہ تسمیہ

سورہ بقرہ کا نام بقرہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں بقرہ (گائے) کا ذکر ہے قرآن مجید کی تمام سورتوں کے نام تو قیفی ہیں اور ادنیٰ مناسبت سے رکھے گئے ہیں۔ بعض احادیث سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس سورت کو سورہ بقرہ کہنا منع ہے۔ حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں: امام بیہقی نے ”شعب الایمان“ میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورہ بقرہ نہ کہو نہ سورہ آل عمران اور نہ سورہ نساء اسی طرح پورا قرآن لیکن یوں کہو کہ یہ وہ سورت ہے جس میں بقرہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور یہ وہ سورت ہے جس میں آل عمران کا ذکر کیا جاتا ہے اسی طرح پورے قرآن کی سورتوں کے متعلق کہو اور امام بیہقی نے ”شعب الایمان“ میں سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عمر کا یہ قول روایت کیا ہے کہ سورہ بقرہ نہ کہو لیکن یہ کہو کہ یہ وہ سورت ہے جس میں بقرہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۱۸ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ اعلیٰ ایران)

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں اس طرح سورتوں کا نام رکھنے سے منع کیا گیا تھا کیونکہ کفار ان سورتوں کا نام لے کر ان کا مذاق اڑاتے تھے پھر جب اسلام کا غلبہ ہو گیا اور قرآن کریم کا نور ہر طرف پھیل گیا تو یہ ممانعت منسوخ ہو گئی کیونکہ یہ کثرتِ احادیث اور آثار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سورت پر سورہ بقرہ کا اطلاق کیا ہے۔

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ نے ”مصنف“ میں امام احمد، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں اپنی اپنی اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے: حضرت حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رمضان کی ایک شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے بقرہ شروع کی میں نے دل میں

کہا: شاید آپ پوری سورت ایک رکعت میں پڑھیں گے پھر آپ نے نما شروع کی اور اس کو پڑھا پھر آپ نے آل عمران شروع کی اور اس کو آہستہ آہستہ پڑھا جب آپ ایسی آیت پڑھتے جس میں تسبیح کا ذکر ہوتا تو آپ بنان اللہ پڑھتے اور جب آپ والی آیت پڑھتے تو سوال کرتے اور جب نمود کی آیت پڑھتے تو اعوذ باللہ پڑھتے۔

امام احمد امام ابن الضریس اور امام بیہقی نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں ایک شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہی تھی آپ نے بقرہ آل عمران اور نسا کو پڑھا جب آپ بشارت والی آیت کو پڑھتے تو دعا کرتے اور جب آپ ذرانے والی آیت کو پڑھتے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے۔

امام ابو داؤد امام ترمذی نے "شامل" میں امام نسائی اور امام بیہقی نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت عوف بن مالک انجمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے سورہ بقرہ پڑھی آپ جب بھی کسی رحمت کی آیت کو پڑھتے تو ٹھہر کر سوال کرتے اور جب بھی کسی عذاب کی آیت کو پڑھتے تو رک کر اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے پھر آپ نے جتنا قیام کیا تھا اتنا ہی رکوع کرتے اور رکوع میں یہ پڑھتے: "سبحان ذی الجبروت والملكوت والکبرياء والعظمة" پھر اتنا ہی لمبا سجدہ کرتے اور سجدہ میں بھی یہی کلمات فرماتے پھر کھڑے ہو کر آپ نے آل عمران پڑھی پھر ایک ایک سورت پڑھی۔

امام ابویسیدہ امام احمد امام حید بن زنجویہ نے "فضائل القرآن" میں امام ابن الضریس امام ابن حبان امام طبری امام ابو ہریرہ نے "فضائل قرآن" میں امام حاکم اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابوامامہ بابلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے اصحاب کی شفاعت کرنے والا ہوگا زہروین (یعنی) سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھا کرو کیونکہ یہ قیامت کے دن بادلوں کی طرح آئیں گی یا صف باندھے ہوئے پرندوں کی طرح آئیں گی اور اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کریں گی سورہ بقرہ پڑھا کرو کیونکہ اس کا پڑھنا برکت ہے اور اس کا ترک کرنا حسرت ہے اور بدکار لوگ اس کو پڑھنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۱۸ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ قمی ایران)

ان احادیث اور آثار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے سورہ بقرہ سورہ آل عمران وغیرہ فرمایا ہے اس سے واضح ہوا کہ سورہ بقرہ کہنا جائز ہے نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تلاوت کے آداب میں سے یہ ہے کہ متنا رحمت کی آیت پڑھی جائے تو اللہ سے رحمت کے حصول کی دعا کی جائے اور عذاب کی آیت پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ سے عذاب سے پناہ طلب کی جائے اور رات کی نفل نمازوں میں اس طرح قرآن مجید پڑھنا جائز ہے اور آپ کی سنت ہے۔

سورہ بقرہ کے محل نزول اور آیات اور حروف کی تعداد کا بیان

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

سورہ بقرہ مدنی ہے یہ کافی عرصہ تک نازل ہوتی رہی ہے یہ مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی سب سے پہلی سورت ہے اس کی ایک آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اور وہ ہے: "وَاتَّقُوا يَوْمًا تُخْرَجُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ" (البقرہ: ۲۸۱)۔

یہ آخری آیت ہے جو آسمان سے نازل ہوئی۔ یہ حجۃ الوداع میں یوم نحر (عید الاضحیٰ) کو منیٰ میں نازل ہوئی ہے اور سورہ کی حرمت کی آیات بھی قرآن مجید کی آخری آیتوں میں سے ہیں۔ (جامع الاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۵۲ مطبوعہ انتشارات ماسرئہ ایران) یہ قرآن مجید کی سب سے طویل سورت ہے جیسے سب سے قصیر سورت سورہ کوثر ہے اور اس میں آیت مداینہ (البقرہ: ۲۸۱)۔

(۲۸۲) ہے جو قرآن مجید کی سب سے طویل آیت ہے جیسے واقعی اور الفجر قرآن مجید کی سب سے قصیر آیات ہیں۔
حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ سورت ایک ہزار خبر ایک ہزار امر اور ایک ہزار نہی پر مشتمل ہے اور شارک نے والوں نے بتایا ہے کہ اس سورت میں دو سو ستائیس آیات ہیں، چھ ہزار اسی کلمات ہیں اور پچیس ہزار پانچ سو حروف ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۷۱-۲۷۰ مطبوعہ دارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵ھ)

سورہ بقرہ کے فضائل میں احادیث اور آثار

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

نواس بن سلیمان کلابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن قرآن مجید اور اس پر عمل کرنے والوں کو لایا جائے گا ان کے آگے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران ہوں گی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سورتوں کی تین مثالیں بیان فرمائیں جن کو میں آج تک نہیں بھولا فرمایا: وہ ایسی ہیں جیسے وہ بدل ہوں یا دو سیاہ سابان ہوں جن کے درمیان نور ہو یا صف باندھے ہوئے پرندوں کی دو قطاریں ہوں وہ سورتیں اپنے پڑھنے والوں کی دکالت اور حمایت کریں گی۔

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا فرمائے گا جو بادل سا بان یا پرندوں کی قطاروں کی طرح ہوں گی اور قرآن پڑھنے والوں اور قرآن پر عمل کرنے والوں پر سایہ کریں گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ناگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آواز سنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اوپر اٹھایا حضرت جبرائیل نے کہا: یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جس کو صرف آج کھولا گیا ہے اور آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا پھر اس سے ایک فرشتہ نازل ہوا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: یہ فرشتہ جو آج نازل ہوا ہے آج سے پہلے کبھی نازل نہیں ہوا اس فرشتے نے سلام کیا اور کہا: آپ کو ان دونوروں کی بشارت ہو جو آپ کو دیئے گئے ہیں اور آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے ایک سورہ فاتحہ اور دوسرا سورہ بقرہ کا آخری حصہ ان میں سے آپ جو حرف بھی پڑھیں گے آپ کو اس کا مصداق مل جائے گا۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص رات کو سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھے گا وہ اس کو کافی ہوں گی۔

یعنی ناگہانی مصائب اور شیطان کی فتنہ انگیزیوں سے اس کی حفاظت کریں گی۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوالمہدی! کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے نزدیک کتاب اللہ کی سب سے عظیم آیت کون سی ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے آپ نے فرمایا: تمہارے نزدیک کتاب اللہ کی سب سے عظیم آیت کون سی ہے؟ میں نے عرض کیا: ”اللہ لا الہ الا هو الحی القيوم“ (آیت الکرسی) آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا: اے ابوالمہدی! تمہیں یہ علم مبارک ہو۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

آیت الکرسی کی ایک وجہ فضیلت یہ ہے کہ اس میں اسم ظاہر اسم صفت اور اسم ضمیر کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا سترہ مرتبہ ذکر ہے اور کسی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ کا اتنی بار ذکر نہیں ہے۔

امام سنائی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بہت خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھتے تھے وہ کہتے ہیں کہ ایک رات میں سورہ بقرہ پڑھ رہا تھا اس وقت میرا گھوڑا بندھا ہوا تھا اور میرا بیٹا بچی میرے قریب لیٹا ہوا تھا وہ اس وقت کم سن بچہ تھا اچانک وہ گھوڑا اچھلنے لگا میں کھڑا ہو گیا مجھے اس وقت صرف اپنے بیٹے بچی کے متعلق تشویش تھی پھر گھوڑا پر سکون ہو گیا اور میں نے وہ سورت پڑھنی شروع کر دی گھوڑا پھر اچھلنے لگا میں پھر کھڑا ہو گیا اور مجھے صرف اپنے بیٹے بچی کی فکر تھی میں نے پھر پڑھنا شروع کیا اور گھوڑے نے پھر اچھلنا شروع کیا اچانک میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان سے ایک سائبان کی طرح کوئی چیز اتر رہی ہے جس میں روشن چراغ ہیں میں خوفزدہ ہوا اور صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے یہ واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! پرہو میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب میں نے پڑھا تو گھوڑا اچھلنے لگا اور مجھے اپنے بیٹے کی فکر تھی آپ نے فرمایا: اے ابنِ حضیر! پڑھو وہ کہتے ہیں: میں نے پڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سر کے اوپر سائبان کی شکل کوئی چیز تھی اور اس میں چراغ روشن تھے میں خوفزدہ ہو گیا آپ نے فرمایا: یہ فرشتے ہیں جو تمہاری آواز کی وجہ سے قریب آئے ہیں۔ اگر تم صبح تک پڑھتے رہتے تو لوگ ان کو دیکھ لیتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ صدقہ کی کھجوروں کی حفاظت کر رہے تھے۔ انہوں نے سوس کیا کہ کوئی ہاتھ کھجوریں لے رہا ہے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا: تم اس کو پکڑنا چاہتے ہو تو یہ کہو: سبحان ہے وہ ذات جس نے تجھ کو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسخر کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ ناگاہ وہ ایک جن تھا جو میرے سامنے کھڑا ہوا تھا میں نے اس کو پکڑ لیا تا کہ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آؤں اس نے کہا: میں نے فقراء جن کے لیے یہ کھجوریں لی تھیں اور میں دوبارہ ہرگز نہیں آؤں گا حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں: وہ پھر آیا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا: تم اس کو پکڑنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: ہاں آپ نے فرمایا: کہنا: سبحان ہے وہ جس نے تجھ کو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسخر کر دیا پھر دوبارہ جب میں نے اس کو پکڑ لیا اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جانے لگا تو اس نے عہد کیا کہ وہ آئندہ نہیں آئے گا تیسری بار پھر ایسا ہی ہوا تو میں نے انہی کلمات کی برکت سے اس کو پکڑا اور کہا کہ تم مجھ سے عہد کرتے ہو اور جھوٹ بولتے ہو اور پھر آ جاتے ہو اس دفعہ میں تم کو ضرور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا اس نے کہا: تم مجھے چھوڑ دو میں تم کو ایسے کلمات سکھاتا ہوں کہ اگر تم وہ کلمات پڑھ لو تو کوئی مذکر یا مونث جن تمہارے قریب نہیں آسکے گا میں نے پوچھا: وہ کلمات کیا ہیں؟ اس نے کہا: ہر صبح اور شام کو آیت الکرسی پڑھ لیا کرو میں نے اس کو چھوڑ دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا آپ نے مجھ سے فرمایا: کیا تم کو نہیں معلوم ان کلمات (آیت الکرسی) کی یہی تاثیر ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہماری (دوسرے) دوگوں پر تین وجہ سے فضیلت ہے تمام روئے زمین ہمارے لیے مسجد بنا دی گئی ہے اور اس کی مٹی ہمارے لیے ذریعہ طہارت بنا دی گئی ہے اور ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح ہیں اور ہم کو یہ آیات دی گئی ہیں سورہ بقرہ کی آخری آیات جو عرش کے نیچے سے نازل ہوئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو دی گئی ہیں اور نہ میرے بعد کسی کو دی جائیں گی۔

(السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۵-۱۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۱ھ)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

امام دارمی کعب سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے بقرہ اور آل عمران کو پڑھا قیامت کے دن وہ سورتیں کہیں گی: اے ہمارے رب! اس سے مواخذہ نہ کر۔

امام ابو سعید نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے تو شیطان اس گھر سے نکل جاتا ہے۔

امام دارمی امام طبرانی امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر چیز کا ایک کوہن ہوتا ہے اور قرآن کا کوہن سورہ بقرہ ہے۔ جب کسی گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔

امام وحید امام حارث بن ابی اسامہ امام محمد بن نصر اور امام ابن الضریس نے سند صحیح کے ساتھ حسن بھری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید میں افضل سورہ بقرہ ہے اور اس میں ایک آیت سب سے عظیم ہے وہ آیت الکرسی ہے اور جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جائے شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے۔

(المند المکثور ج ۱ ص ۲۰-۱۹ مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ انجمن ایران)



﴿اٰیٰتِ الْکُرْسٰی﴾
﴿اٰیٰتِ الْکُرْسٰی﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿اٰیٰتِ الْکُرْسٰی﴾
﴿اٰیٰتِ الْکُرْسٰی﴾

سورۃ البقرہ مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہے) جو نہایت بڑے فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں ۱۱۰ جہاں آیات اور چالیس رکوع ہیں

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ لَا رَیْبَ فِیْهِ ۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝۱

الف لام میم (یہ) وہ عظیم الشان کتب ہے جس (کے کلام اللہ ہونے) میں کسی شک کی گنجائش نہیں بنیان میں اس کے لیے ہدایت ہے

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا

جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے

رَخَّ قَنَهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝۲ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ

(ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور یہ لوگ اس (کلام) پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل

اِلَیْكَ وَ مِمَّا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْآخِرَةِ هُمْ یُوقِنُوْنَ ۝۳

کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا وہی وہی وگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں

اُوْلٰئِكَ عَلٰی هُدًى مِّنْ رَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۴

وہی (کامل متقی) اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف لام میم (البقرہ: ۱)

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو ان حروف مقطعات کے ساتھ شروع فرمایا تاکہ قرآن مجید کے وصف اور اس کے اعجاز پر تنبیہ ہو اور اس چیلنج کی طرف اشارہ ہو کہ کوئی انسان قرآن مجید کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثل بھی نہیں لاسکتا اور یہ اللہ کا کلام ہے جس کے مشابہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے گویا اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا کہ یہ قرآن عربوں کی لغت اور ان کے حروف تہجی مثل الف لام میم سے مرکب ہو کر نازل ہوا ہے اگر یہ کسی انسان کا کلام ہے تو انہی حروف سے ایک کلام بنا کر تم بھی آؤ کیونکہ یہ ان حروف سب سے مرکب ہے جن سے ہر اہل زبان عرب کلام کرتا ہے اس کے باوجود جب تم اس کلام کی نظیر لانے سے ہمیشہ عاجز رہے تو پھر مان لو کہ یہ انسان کا نہیں اللہ کا کلام ہے

حروف مقطعات کے علم کی تحقیق

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا "الم" اور اس کی مثل دیگر حروف مقطعات کا معنی کسی کو معلوم ہے یا نہیں! ایک قول یہ ہے کہ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ سے اس قسم کی روایات منقول ہیں۔

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:

خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کی مراد یہ ہے کہ یہ حروف مقطعات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان

اسرار اور رموز ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو ان حروف مقطعات پر مطلع کرنے کا قصد نہیں کیا گیا اور یہ نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان حروف کے معانی کا علم نہ ہو ورنہ لازم آئے گا کہ غیر مفید کلام کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا اور یہ بہت بعید ہے۔ (انوار السریل مع النفاحی ج ۱ ص ۱۷۸ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۴۸۳ھ)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

فلن غاب یہ ہے کہ حروف مقطعات کا علم مخفی ہے علماء اس کی تاویل سے عاجز ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر کتاب کے اسرار ہوتے ہیں اور قرآن مجید کے اسرار اوائل سور ہیں امام شعی نے کہا: اللہ تعالیٰ کے اسرار کا کھوج نہ لگاؤ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کی معرفت صرف ادیا کرام کو ہے جو وارث علم رسول ہیں ان کو اسی دربار سے معرفت حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات یہ حروف خود ان کو اپنا معنی بتا دیتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں میں سنگریزوں نے تسبیح کا نطق کیا اور گوہ اور ہرن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کلام ہوئے۔ بعض علماء نے کہا: اگر ان حروف کا کوئی معنی نہ ہو تو یہ مہمل ہوں گے یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر یہ مراد ہو کہ تمام لوگوں کو ان حروف کا معنی معلوم ہو تو یہ ضروری نہیں اور اگر یہ مراد ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا معنی معلوم ہو تو کوئی مومن اس میں شک نہیں کر سکتا اور ہر صاحب ایمان کا یہ ایمان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حروف کے معنی معلوم ہیں۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۱۰۱-۱۰۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حروف مقطعات متشابہات میں سے ہیں اور فقہاء شافعیہ اور حنفیہ کا اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں متشابہات کا علم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادیا۔

ملاحظیون لکھتے ہیں:

متشابہ کا حکم یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اس کی مراد حق ہے اگر چہ قیامت سے پہلے ہم کو وہ مراد معلوم نہیں ہے اور قیامت کے بعد متشابہ ہر ایک پر منکشف ہو جائے گا اور یہ امت کے حق میں ہے اور بہر حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو متشابہات کا قطعی طور پر علم ہے ورنہ آپ کو ان سے خطاب کرنے کا فائدہ باطل ہو جائے گا اور یہ مہمل کلام سے خطاب کرنے کی طرح ہوگا جیسے حبشی کے ساتھ عربی میں گفتگو کی جائے اور یہ تقریر ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی کے نزدیک تمام ”واسحبس فی العلم“ کو متشابہات کا علم ہے۔ (نور الانوار ص ۹۳ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ کربلا)

قاضی ثناء اللہ مظہری نقشبندی لکھتے ہیں:

میرے نزدیک حق یہ ہے کہ حروف مقطعات متشابہات میں سے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اسرار ہیں ان حروف سے عام لوگوں کو سمجھانے کا قصد نہیں کیا گیا بلکہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حروف سے افہام مقصود تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کامل متبعین میں سے جن کو چاہیں ان کا معنی سمجھا دیں (ابن قولہ) علامہ سجاوندی نے کہا ہے کہ یہ حروف مقطعات اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اسرار ہیں اور کبھی محبین کے درمیان کچھ کلمات بہ طور معنی ہوتے ہیں ان میں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ ان کلمات کو محرمان راز کے سوا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

ایک قول یہ ہے کہ حروف مقطعات اور متشابہات کا علم اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے ساتھ مخصوص کر لیا ہے ان کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا ہے اور نہ آپ کے متبعین کو یہ قول بہت بعید ہے کیونکہ خطاب افہام کے لیے ہوتا ہے اگر ان حروف سے افہام نہ ہو تو ان سے خطاب کرنا مہمل کلمات سے خطاب کرنے کی طرح ہوگا یا جیسے عربی کے ساتھ ہندی میں خطاب کیا جائے

نیز پورا قرآن بیان اور ہدایت نہیں رہے گا (کیونکہ جب ان الفاظ کا کوئی مفہوم حاصل نہ ہو تو اس سے ہدایت کیسے حاصل ہوگی) اور اللہ تعالیٰ نے جو یہ وعدہ فرمایا ہے:

تُحَرِّرانَ عَلَیْنا بَیِّناتٌ (البقرہ: ۱۹)

پھر اس قرآن کا بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے O

اس وعدہ کا خلاف لازم آئے گا (اسی طرح "الرحمان علم القرآن" کا بھی خلاف لازم آئے گا) کیونکہ حروف مقطعات بھی قرآن ہیں اور رحمان نے ان کو نہیں کھیا) اس آیت کا تفسیر یہ ہے کہ قرآن خواہ مخام ہو یا مقننابہ بی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا بیان واجب اور ضروری ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں "راسخین فی العلم" سے ہوں اور میں ان علماء سے ہوں جن کو ان کی تاویل کا علم ہے اسی طرح مجاہد سے مروی ہے حضرت مجید الف ثانی رحمہ اللہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر حروف مقطعات کی تاویل کو ظاہر فرمادیا ہے اور ان کے اسرار کو بیان کر دیا ہے لیکن عام لوگوں کے لیے ان کا بیان ممکن نہیں ہے کیونکہ ان کا بیان کرنا ان کے اسرار الہیہ ہونے کے منافی ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۵-۱۴ مطبوعہ دوچستان بک اپو کوئٹہ) شیخ محمود الحسن لکھتے ہیں:

ان حروف کو مقطعات کہتے ہیں ان کے اصلی معنی تک اوروں کی سائی نہیں بلکہ یہ بھید ہے اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو بہ وجہ مصلحت و حکمت ظاہر نہیں فرمایا۔ (حاشیہ القرآن ص ۳ مطبوعہ تاج کینی لینڈ کراچی) ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اکثر علماء ان حروف مقطعات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اسرار قرار دیتے ہیں اور بعض علماء نے ان حروف کی تاویلات کی ہیں علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ حروف مقطعات ان سورتوں کے اسماء ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ تنبیہ کے لیے حروف زائدہ ہیں ایک قول یہ ہے کہ ان حروف سے ان کلمات کی طرف اشارہ ہے جو ان حروف سے مرکب ہیں جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الف سے مراد آلاء اللہ (اللہ تعالیٰ کی نعمتیں) ہیں اور لام سے مراد اللہ کا لطف ہے اور میم سے مراد اس کا ملک ہے اور حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ "الواحم" اور "ن" اس کے مجموعہ سے "الرحمن" مراد ہے اور یہ روایت بھی ہے کہ "الم" سے مراد ہے: "إنا اللہ اعلم" (میں اللہ ہی خوب جانتا ہوں) اور باقی سورتوں کے شروع میں جو حروف مقطعات ہیں ان سے بھی اسی طرح کے کلمات مراد ہیں حضرت ابن عباس سے یہ روایت بھی ہے کہ الف سے اللہ کی طرف لام سے جبریل کی طرف اور میم سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ قرآن اللہ نے مسان جبریل سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا یا ان حروف سے بعض اقوام کی مدتوں کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود آئے تو آپ نے ان پر "الم" البقرہ کی تلاوت کی انہوں نے حساب کر کے کہا: ہم اس دین میں کیسے داخل ہوں جس کی مدت اکہتر سال ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے انہوں نے کہا: اس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ تو آپ نے پڑھا: "المص" "الو" "المر" وہ کہنے لگے: آپ نے ہم پر حساب مشتبہ کر دیا اس کے علاوہ بھی تاویلات ہیں۔

(انوار المنیر علی حاشیہ التفسیر ج ۱ ص ۱۷۴-۱۷۵ ملخصاً مطبوعہ دار صادر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یہ) وہ عظیم الشان کتاب ہے جس (کے کلام اللہ ہونے) میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔

(البقرہ: ۲)

سورہ فاتحہ کے بعد سورہ بقرہ لانے کی مناسبت یہ ہے کہ سورہ فاتحہ میں اللہ کے بندوں نے اللہ سے صراط مستقیم کی ہدایت کا

سوال کیا تھا جو انعام یافتہ لوگوں کا راستہ ہو، گمراہ اور مضبوط لوگوں کا راستہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس ہدایت کا تم سے سوال کیا ہے وہ اس کتاب میں ہے اور اس میں انعام یافتہ لوگوں کی صفات بیان کیں کہ وہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں، فیس پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرتے ہیں، اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر جو کتاب نازل کی گئی اور آپ سے پہلے جو کتابیں نازل کی گئیں ان سب پر یقین رکھتے ہیں اور یہی لوگ دنیا میں ہدایت یافتہ ہیں اور آخرت میں فوز و فلاح پانے والے ہیں، پھر گمراہ اور مضبوط لوگوں کی نشانیاں بیان کیں کہ ان لوگوں پر پتھریں اور کڑی اثر نہیں ہوتا، یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں، یہ کلمہ حق کو سننے کے لیے بہرے ہیں، اعتراف حق کے لیے گونگے ہیں، آیات اللہ کو بہ غور دیکھنے سے اندھے ہیں، ان کی آنکھوں پر بغض اور عناد کی پٹی بندھی ہوئی ہے اور یہ حق و صداقت کی طرف رجوع نہیں کریں گے۔

عربی قواعد کے مطابق ”دالک“ کسی بعید چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے آتا ہے اور یہاں کتاب کی طرف اشارہ ہے جو قریب ہے لیکن یہاں بعدرتبہ کو بعد مسافت کے قائم مقام کیا گیا ہے اس لیے اس کا معنی ہے: وہ عظیم الشان کتاب۔

کتاب کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

کتاب کا معنی ہے چڑے کے دو ٹکڑوں کو کسی کر ایک دوسرے کے ساتھ ملا دینا اور عرف میں اس کا معنی ہے: بعض حروف کو لکھ کر بعض دوسرے حروف کے ساتھ ملانا اور کبھی صرف ان ملے ہوئے حروف پر بھی کتاب کا اطلاق ہوتا ہے ای اعتبار سے اللہ کے کلام کو کتاب کہا جاتا ہے اگرچہ وہ لکھا ہوا نہیں ہے قرآن مجید میں ہے: ”الْم دَالِك الْمَكْتَاب“ کتاب اصل میں مصدر ہے پھر مکتوب کا نام کتاب رکھ دیا گیا نیز کتاب اصل میں لکھے ہوئے صحیفہ کا نام ہے قرآن مجید میں ہے:

يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنْزِلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ
(احقار: ۱۵۳) آسمان سے کوئی صحیفہ نازل کر دیں۔

فرض اور تقدیر کے معنی میں کتاب کا لفظ مستعمل ہے قرآن مجید میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ
عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ (البقرہ: ۱۸۳)

قُلْ لَّنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كُتِبَ اللَّهُ لَنَا
(التوہ: ۵۱) اللہ نے مقدر کر دی ہے۔

کتاب کا لفظ بنانے اور شمار کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے قرآن مجید میں ہے:

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ (المرآن: ۵۳)

سو گواہی دینے والوں کے ساتھ ہمارا شمار کر لے

اللہ کی طرف سے حجت ثابتہ کے معنی میں بھی کتاب کا لفظ مستعمل ہے قرآن کریم میں ہے:

أَمْ آتَيْنَاهُم كِتَابًا مِّن قَبْلِهِ (الزخرف: ۲۱)

کیا ہم نے اس (قرآن) سے پہلے انہیں کوئی حجت ثابتہ دی ہے؟

فَاثْبُتُوا بِكُتُبِكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (الصافات: ۱۵۷)

تم اپنی حجت ثابتہ لے آؤ اگر تم سچے ہو

کتاب کا لفظ حکم کے معنی میں بھی وارد ہے قرآن مجید میں ہے:

لَوْلَا كِتَابُ قُرْآنٍ دَلِيلٌ لَّيَسِّرَنَّ لَكُمْ سُبُلَكُمْ فَيَسِّرَ لَكُمْ أَسْلَابَكُمْ عَذَابٌ
عَظِيمٌ (۱۱، اہل ۶۸)

اس میں ضرور بڑا عذاب پہنچتا

قرآن مجید میں جہاں ال کتاب کا لفظ آتا ہے تو اس کتاب سے نورانیت انجیل یا یہ دونوں کتابیں مراد ہوتی ہیں۔

(المفردات ص ۲۲۵-۲۲۳ مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

کتاب کا اصطلاحی معنی یہ ہے وہ صحیفہ جو ایسے متعدد مسائل کا جامع ہو جو علما متفق ہوں اور نو علم اور صنف مختلف ہوں اور وہ صحیفہ ابواب اور فصول پر منقسم ہو جیسے کتاب الطہارۃ، کتاب الزکوۃ وغیرہ۔
اس آیت میں کتاب سے مراد آسمانی صحیفہ ہے یعنی قرآن مجید۔

”ریب“ کا معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

”ریب“ کا معنی حاجت ہے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے کچھ یہودی گزرے بعض نے کہا ان سے سوال کرو اور بعض نے کہا: ”ما راسکم الیہ“ تمہیں ان سے سوال کی کیا حاجت ہے؟ اور ریب کا معنی شک اور نہت بھی ہے ابن الاثیر نے کہا ہے کہ ریب اس شک کو کہتے ہیں جس میں تہمت کا عنصر شامل ہو حدیث میں ہے جس چیز میں ریب ہو اس کو چھوڑ دو اور اس کو اختیار کرو جس میں ریب نہ ہو حضرت ابو بکر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وصیت کی ”علیک بالرائب من الامور“ جس چیز میں بالکل شبہ نہ ہو اس کو لازم کر لو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کے بارے میں فرمایا ”یوسی ما یویہا“ جو چیز (حضرت) فاطمہ کو بے قرار کرتی ہے وہ مجھے بے قرار کرتی ہے اور ”تہذیب“ میں ہے شک مع تہمت کو ”ریب“ کہتے ہیں۔ (تاج المراسن ج ۱ ص ۲۸۲-۲۸۳ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

قرآن مجید میں ”ریب“ کی نفی اور اثبات کا محمل

شک کی حقیقت ہے۔ کسی چیز کا دل میں کھٹکنا اور دل کا مضطرب ہونا شک کی ضد طمانیت ہے آیت کا معنی یہ ہے کہ اس کتاب کے منزل من اللہ ہونے میں اس کی ہدایت اور ارشاد میں فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے اس سے معجز اور بے مثال ہونے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا
بِسُورَةٍ مِّمَّنْ فَنُقَلِّبْهَا (البقرہ ۲۳)

اگر تم کو اس (کے منزل من اللہ ہونے) میں شک ہے تو اس جیسی کوئی سورت (بنا کر) لے آؤ۔

اس آیت سے یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شرکین کو اس میں شک تھا اور پہلی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے ایسے مرتبہ پر ہے کہ اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی تردید نہیں ہے اور جو شخص بھی کھلے ہوئے ذہن اور بصیرت کی آنکھوں سے اس کو پڑھے گا یہ غور اس کلام کو سنے گا اس کو اس کے کلام اللہ ہونے میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہوگا اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی شخص اس میں شک نہیں کرنا بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے واضح اور روشن دلائل کی وجہ سے یہ شک کا محل نہیں ہے اور اس میں تردید کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس کے

باوجود اگر کفار اور مشرکین اس میں شک کرتے ہیں تو اس کی وجہ ان کی بصیرت سے محرومی ہے خواہش نفس کی اتباع، تکبر اور ہٹ دھرمی ہے اور اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید ہے انہوں نے اپنے دماغ کے درتے بند کر لیے ہیں اور وہ کسی نئی فکر کو اپنے ذہن میں آنے نہیں دیتے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ”فیہ“ ”دیب“ کی صفت ہے اور ”للمعتقین“ اس کی خبر ہے اور معنی یہ ہے کہ متقین کے لیے اس میں کوئی شک نہیں ہے اور جن لوگوں نے شک کیا ہے وہ متقین نہیں ہیں کفار اور مشرکین ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (کتاب) متقین کے لیے ہدایت ہے O (البقرہ: ۲)

آیا قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے یا صرف متقین کے لیے؟

اس جگہ فرمایا کہ قرآن مجید متقین کے لیے ہدایت ہے اور ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ یہ تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ . رمضان کے مہینہ میں قرآن کو نازل کیا گیا ہے در اس

(البقرہ: ۱۸۵) حالیکہ وہ تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔

قرآن مجید کی صراطِ مستقیم پر دلالت ہے اور متقین کو قرآن مجید کے احکام پر عمل کی توفیق بھی نصیب ہوتی ہے وہ قرآن مجید کے انوار سے مستفید اور مستفید ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں تدبر اور تفکر کرنے سے ان کے دماغ کی گرہیں کھلتی چلی جاتی ہیں اور غیر متقین کے لیے بھی قرآن کریم ہدایت ہے نیکی اور دنیا کی خیر کی طرف رہنمائی ہے اگرچہ وہ اس کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے اور اس کے احکام پر عمل کر کے اپنی دنیا اور آخرت کو روشن نہیں کرتے اور جن کفار اور مشرکین نے قرآن مجید کی ہدایت کو قبول نہیں کیا اس سے قرآن مجید کے ہدایت ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا اگر اندھا آفتاب کو نہ دیکھے تو اس سے آفتاب کے روشن ہونے میں کیا فرق پڑتا ہے اور صفر اوی مزاج والا اگر شہد کی شیرینی محسوس نہ کرے تو اس سے شہد کی مٹھاس میں کیا کمی ہوتی ہے!

قرآن مجید میں جہاں فرمایا ہے کہ یہ تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ فی نفسہ قرآن مجید کی ہدایت تمام انسانوں کے لیے ہے اور یہاں جو فرمایا ہے کہ یہ متقین کے لیے ہدایت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ نتیجہ اور مآل کار یہ متقین ہی کے لیے ہدایت ہے کیونکہ اس ہدایت سے وہی فیضیاب ہوتے ہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں تعارض نہیں ہے کیونکہ حقیقت میں انسان وہی ہیں جو متقی ہیں اور رہے غیر متقی تو وہ اس آیت کا مصداق ہیں:

وَلَقَدْ نَادَرْنَا الْجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ النَّارِ وَالْإِنسِ رَلَهُمْ
قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ
أُذُنٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ
كُمُ الْغَافِلُونَ O (الاعراف: ۱۷۹)

اور بے شک ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے جن اور

انسان پیدا کیے ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے (بھی) زیادہ گمراہ ہیں وہی غافل ہیں O

اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ قرآن تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے لیکن چونکہ متقی انسانوں کے اعلیٰ افراد ہیں

اس لیے ان ہی کا تشریفاً اور تکریماً ذکر کیا گیا ہے۔

تقویٰ کا صیغہ اور اس کا لغوی معنی

علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں:

ابن سیدہ نے کہا ہے کہ ”تقویٰ“ اصل میں ”وہوی“ تھا یہ فعلی کے وزن پر اسم (حاصل بالصدر) ہے اور ”وقیت“

سے بنا ہے واد کو تاسے بدل دیا یہ "تقویٰ" ہو گیا اسی طرح "نقاۃ" اصل میں "وفاۃ" ہے اور "تجاہ" اور "قراۃ" اصل میں "وجاہ" اور "وراث" ہیں "وقاہ یقیہ" کا معنی ہے: کسی چیز کو اذیت سے محفوظ رکھنا اور اس کی حمایت اور حفاظت کرنا قرآن مجید میں ہے: "مَا لَكُمْ يَنْتَهِزُونَ الذِّكْرَ يَوْمَئِذٍ" (الرعد: ۳۲) "انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہے۔"

(تاج العروس ج ۱۰ ص ۳۹۶ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

تقویٰ کا معنی ہے: کسی ڈرانے والی چیز سے نفس کو بچنا اور اس کی حفاظت کرنا اور کبھی خوف کو بھی تقویٰ کہتے ہیں اور اس کا شرعی معنی ہے: گناہ کی آلودگی سے نفس کی حفاظت کرنا اور یہ منوعہ کاموں کے ترک سے حاصل ہوتا ہے اور کامل تقویٰ تب حاصل ہوتا ہے جب بعض مباحات کو بھی ترک کر دیا جائے جیسا کہ حدیث میں ہے حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے سو جو شخص مشتبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا الحدیث۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳ طبع کراچی) تقویٰ کے کئی مراتب ہیں جو حسب ذیل آیات سے ظاہر ہوتے ہیں:

فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

پس جو لوگ گناہوں سے باز رہے اور انہوں نے نیکیاں کیں تو ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O

(اعراف: ۲۵)

اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ. (آل عمران: ۱۰۲)

وَسَيُتَىٰ الَّذِينَ اتَّقَوْا أَدَبَهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا

(الزمر: ۷۲) گروہ درگروہ بھیجے جائیں گے۔

(المغردات ص ۵۳۱-۵۳۰ مطبوعہ المكتبة الرضویہ ایران ۱۳۴۲ھ)

تقویٰ کا اصطلاحی معنی

علامہ میر سید شریف نے تقویٰ کی حسب ذیل تعریفات لکھی ہیں:

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے نفس کو عدم اطاعت کے عذاب سے بچانا تقویٰ ہے اللہ تعالیٰ کی معصیت کے عذاب سے نفس کو بچانا تقویٰ ہے اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے خود کو محفوظ کرنا تقویٰ ہے آداب شریعت کی حفاظت کرنا تقویٰ ہے ہر وہ کام جو تم کو اللہ سے دور کر دے اس سے خود کو باز رکھنا تقویٰ ہے حظوظ نفسانیہ کو ترک کرنا اور ممنوعات سے دور رہنا تقویٰ ہے تم اپنے نفس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ دیکھو یہ تقویٰ ہے تم اپنے آپ کو کسی سے بہتر گمان نہ کرو یہ تقویٰ ہے ماسوی اللہ کو ترک کرنا تقویٰ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قونا اور فعلا اقتداء کرنا تقویٰ ہے۔ (کتاب التریفات ص ۳۹ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

تقویٰ کا معنی ہے: کسی ناپسندیدہ چیز سے خود کو بچانے کے لیے اپنے اور اس چیز کے درمیان کوئی آڑ بنالینا اور متقی وہ شخص ہے جو اپنے نیک اعمال اور پر خلوص دعاؤں سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لیے زربن جیش کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دن فرمایا: لوگ بہت ہیں لیکن ان میں بہتر وہ ہیں جو تائب ہوں یا متقی ہوں پھر ایک دن کہا: لوگ بہت ہیں لیکن ان میں بہتر وہ ہیں جو عالم ہوں یا متعلم ہوں ابو یزید بسطامی نے کہا: متقی وہ ہے جس کا ہر قول اور ہر عمل اللہ کے لیے ہو ابو سلیمان دارانی نے کہا: متقی وہ ہے جس کے دل سے شہادت کی محبت نکال لی گئی ہو ایک قول یہ ہے کہ

متقی وہ ہے جو شرک سے بچے اور نفاق سے بری ہو اس عظیم نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ فاسق بھی اسی طرح ہوتا ہے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا: کیا آپ نے کانٹوں والا راستہ دیکھا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! پوچھا: پھر آپ نے کیا کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے پائے اوپر اٹھائے، دوران سے بچ کر نکلا حضرت ابی بن کعب نے کہا: یہی تقویٰ ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: تقویٰ ہر قسم کی خیر کا جامع ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اولین اور آخرین کو وصیت کی ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۶۲ ۱۶۱ مطبوعہ انوارات ماسر مسرورہ انوار ۱۳۸۷ھ)

امام رازی لکھتے ہیں:

متقی وہ شخص ہے جو عبادات کو انجام دے اور منوعات سے بچے اس میں اختلاف ہے کہ گناہ صغیرہ سے بچنا بھی تقویٰ میں داخل ہے یا نہیں حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک متقین کے درجہ کو نہیں پا سکتا جب تک ان چیزوں کو ترک نہ کر دے جن میں حرج نہ ہو اس خوف سے کہ شاید ان میں حرج ہو حضرت ابن عباس نے فرمایا: متقی وہ لوگ ہیں جو عذاب سے بچنے کے لیے خواہش نفس پر عمل نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید رکھتے ہیں۔

امام رازی فرماتے ہیں: یہاں تقویٰ سے مراد خوف خدا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء اور سورہ حج کی ابتداء میں فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ ۖ (النساء: ۱) (۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔

حسب ذیل آیات میں بھی تقویٰ سے مراد خوف خدا ہے:

إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝

جب ان کے ہم قوم نوح نے ان سے کہا: کیا تم خدا سے

(الشعراء: ۱۰۶) نہیں ڈرتے؟ ۝

جب ان کے ہم قوم ہود نے ان سے کہا: کیا تم خدا سے

إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ (الشعراء: ۱۲۳۰)

نہیں ڈرتے؟ ۝

جب ان کے ہم قوم صالح نے ان سے کہا: کیا تم خدا سے

إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝

(الشعراء: ۱۳۲) نہیں ڈرتے؟ ۝

جب ان کے ہم قوم لوط نے ان سے کہا: کیا تم خدا سے

إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ (الشعراء: ۱۶۱۰)

نہیں ڈرتے؟ ۝

جب شعیب نے ان سے کہا: کیا تم خدا سے نہیں

إِذْ قَالَ لَهُمُ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ (الشعراء: ۷۷)

ڈرتے؟ ۝

اور ابراہیم نے جب اپنی قوم سے کہا: اللہ کی عبادت کرو

وَذَرُوا آلِهَتَكُمْ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ۖ

(الحکمت: ۱۶) اور اس سے ڈرو۔

اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ ۖ (آل عمران: ۱۰۳)

ہر چند کہ تقویٰ خشیت الہی کا نام ہے لیکن قرآن مجید میں تقویٰ توحید پر ایمان توبہ طاعت ترک معصیت اور احلاص کے

لیے بھی استعمال ہوا ہے:

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آلِهَتِهِمُ النَّتَقُونَ ۖ (الحج: ۲۶)

اور اللہ نے انہیں کلمہ توحید پر مستحکم کر دیا۔

اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے، ورنہ نہ کرتے۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا

(الاعراف: ۹۶)

لوگوں کو ڈراؤ کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، سو

أَنْ أَتَذَرُوا اللَّهَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ

(النحل: ۱۲) میری اطاعت کرو

اور گھروں میں ان کے در واردوں سے داخل ہو اور اللہ

وَاتَّقُوا الْبَيْتَ مِنَ آبَائِهَا وَإِذَا تَقَالَّبْتُمْ

(البقرہ: ۱۸۹)

کی نافرمانی نہ کرو۔

اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کی تو یہ دلوں

وَمَنْ يُعْظِمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ

(الحج: ۳۲) کے اخلاص سے ہے

تقویٰ کا مقام بہت عظیم اور بلند ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا

(النحل: ۱۲۸)

بے شک اللہ متقین کے ساتھ ہے۔

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے مکرم وہ ہے جو

سب سے زیادہ متقی ہے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے

زیادہ مکرم ہو وہ اللہ سے ڈرے اور حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا: معصیت پر اصرار نہ کرنا اور عبادت پر مقرر نہ ہونا

تقویٰ ہے ابراہیم بن ادھم نے کہا: تقویٰ یہ ہے کہ تمہاری زبان پر مخلوق کا عیب نہ ہو، فرشتے تمہارے افعال میں عیب نہ پائیں

اور اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں کوئی عیب نہ دیکھے علامہ واقدی نے کہا: تقویٰ یہ ہے کہ جس طرح تم اپنے ظاہر کو مخلوق کے لیے

مزین کرتے ہو اس طرح اپنے باطن کو اللہ کے لیے مزین کرو ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو وہاں نہ دیکھے جہاں اس نے منع

کیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اپنائے اور دنیا کو پس پشت ڈال دے اپنے نفس کو

اخلاص اور وفا کا پابند کرے اور حرام اور جفا سے اجتناب کرے وہی متقی ہے اور اگر

”فرمایا ہے اور اس کے بعد“

میں اور کوئی آیت نہ ہوتی تو یہی آیت کافی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں

”فرمایا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حقیقت میں انسان وہی ہے جو متقی ہو۔“ (تفسیر کبرج ص ۱۶۲، ۱۶۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

تقویٰ اور متقین کے متعلق احادیث

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت علیہ سعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک متقین میں سے

شمار نہیں ہوگا جب تک کہ وہ بے ضرر چیز کو اس خوف سے نہ چھوڑ دے کہ شاید اس میں ضرر ہو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(جامع ترمذی ص ۳۵۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت میمون بن مہران نے کہا: بندہ اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنا اس طرح حساب نہ کرے جس

طرح اپنے شریک کا محاسبہ کرتا ہے کہ اس کا کھانا کہاں سے آیا اور اس کے کپڑے کہاں سے آئے۔

(جامع ترمذی ص ۳۵۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دوسرے سے مدد نہ کرو، تخاص (کسی کو پھنسانے کے لیے زیادہ قیمت لگانا) نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے روگردانی نہ کرو، کسی کی بیعت پر بیعت نہ کرو، اللہ کے بند سے بھائی بھائی بن جاؤ، مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، اس پر ظلم نہ کرے، اس کو رسوا نہ کرے، اس کو حقیر نہ جانے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کر کے تین بار فرمایا: تقویٰ یہاں ہے، کسی شخص کے برے ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو برا جانے، ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر مکمل حرام ہے، اس کا خون اس کا مال اور اس کی عزت۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۳، مطبوعہ نور محمد، ص ۱۵۷، ص ۱۵۸، ج ۱ ص ۱۵۸)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "کی تفسیر میں فرمایا: " (جامع ترمذی ص ۳۷۰، مطبوعہ نور محمد، کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام دارمی روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا رب یہ فرماتا ہے کہ میں ہی اس بات کا مستحق ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے، سو جو شخص مجھ سے ڈرے گا تو میری شان یہ ہے کہ میں اس کو بخش دوں۔

(سنن دارمی ج ۲ ص ۲۱۳، مطبوعہ نشر المذنب، لبنان)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ایک ایسی آیت کا علم ہے کہ اگر لوگ صرف اسی آیت پر عمل کر لیں تو وہ ان کے لیے کافی ہوگی، جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۲۱۳، مطبوعہ نشر المذنب، لبنان)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

ابو نصرہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے ایام تشریق کے وسط میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ سنا اس نے یہ حدیث بیان کی، آپ نے فرمایا: اسے لوگو! سنو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، سنو! کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں ہے، نہ عجمی کو عربی پر فضیلت ہے، نہ گورے کو کالے پر فضیلت ہے، نہ کالے کو گورے پر فضیلت ہے، مگر فضیلت صرف تقویٰ سے ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید اس سال کے بعد تم مجھ سے ملاقات نہیں کرو گے، حضرت معاذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کے صدمہ میں رونے لگے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میرے سب سے زیادہ قریب متقی ہوں گے خواہ وہ کوئی ہوں اور کہیں ہوں۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

تقویٰ کے مراتب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید کا متقین کے لیے ہدایت ہونا تحصیل حاصل ہے کیونکہ متقین تو خود ہدایت یافتہ ہیں اس کے کئی جواب ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ متقین سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ تقویٰ حاصل کرنے کا ارادہ کریں سو یہ کتاب ان کے لیے ہدایت ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ ہدایت سے مراد ہدایت پر دوام اور ثبات ہے، یعنی اس کتاب کے مطالعہ اور اس پر عمل کرنے سے متقین کو ہدایت پر دوام اور ثبات حاصل ہوگا، تیسرا جواب یہ ہے کہ تقویٰ کے کئی مراتب ہیں: (۱) نفس کی کفر

اور شرک سے حفاظت کرنا (ب) نفس کی گناہ کبیرہ سے حفاظت کرنا (ج) نفس کی گناہ صغیرہ سے حفاظت کرنا (د) نفس کی خلاف سنت سے حفاظت کرنا (ه) نفس کی خلاف اولیٰ سے حفاظت کرنا (و) نفس کی ماسوی اللہ سے حفاظت کرنا سو جو شخص تقویٰ کے کسی ایک مرتبہ پر فائز ہو یہ کتاب اس کے لیے تقویٰ کے اگلے مرتبہ کے لیے ہدایت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ (البقرہ: ۳)

متقین کی تین صفات بیان کی ہیں ایمان بالغیب، اقامت صلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ پہلی صفت ایمان بالغیب ہے جس کا اس آیت میں بیان ہے اس آیت کریمہ کی تفسیر کے جاننے کے لیے ایمان اور غیب کو سمجھنا ضروری ہے ہم پہلے ایمان کی تشریح اور تحقیق کریں گے اور اس کے بعد غیب پر مفصل گفتگو کریں گے۔

ایمان کے لغوی معنی کی تفصیل اور تحقیق

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

ایمان امن سے ماخوذ ہے اور امن کا معنی ہے: نفس کا مطمئن ہونا اور خوف کا زائل ہونا امن امانت اور امان اصل میں مصاد اور ہیں امان انسان کی حالت امن کو کہتے ہیں انسان کے پاس جو چیز حفاظت کے لیے رکھی جائے اس کو امانت کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْنَكُمْ (الانفال: ۲۷)
اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی مانتوں میں خیانت کرو۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ
ہے شک ہم نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر اپنی امانت پیش کی۔ (الاحزاب: ۷۲)

اور قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا (آل عمران: ۹۷)
اور جو حرم میں داخل ہوا وہ بے خوف ہو گیا۔
یعنی وہ دوزخ سے بے خوف ہو گیا یا وہ دنیا کی مصیبتوں سے بے خوف ہو گیا اس کا معنی ہے کہ حرم میں اس سے قصاص لیا جائے گا نہ اس کو قتل کیا جائے گا۔

ایمان کا استعمال کبھی اس شریعت کو ماننے کے لیے کیا جاتا ہے جس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے کر آئے اس استعمال کے مطابق قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

إِنَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى
بے شک اسلام قبول کرنے والے یہودی، عیسائی اور
وَالصَّبِيَّانَ (البقرہ: ۶۲)
ستارہ پرست۔

ایمان کے ساتھ ہر اس شخص کو متصف کیا جاتا ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں داخل ہو درآں حالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کا اور آپ کی نبوت کا اقرار کرتا ہو۔

اور کبھی ایمان کا استعمال برسبیل مدح کیا جاتا ہے اور اس سے مراد ذہن کا بہ طور تصدیق حق کو ماننا اور قبول کرنا ہے اور اس کا تحقق دل کے ماننے زبان سے اقرار کرنے اور اعضاء کے عمل کرنے سے ہوتا ہے اس اعتبار سے ایمان کا اطلاق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ
وَالَّذِينَ كَفَرُوا سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (البقرة: ۱۹)
اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر (کامل) ایمان
لائے وہی اپنے رب کی بارگاہ میں صدیق اور شہید ہیں ان
کے لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہے۔

تصدیق بالقلب اقرار باللسان اور عمل بامارکان میں سے ہر ایک پر ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے تصدیق بالقلب پر
ایمان کا اطلاق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ (البقرة: ۲۲)
دل میں صرف تصدیق ہوتی ہے اس لیے اس آیت سے مراد صرف تصدیق ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں بھی ایمان
کا اطلاق تصدیق پر کیا گیا ہے:

وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ○
اور آپ ہماری بات کی تصدیق کرنے والے نہیں ہیں
(ہنف. ۱۷) خواہ ہم سچے ہوں ○

اور اعمال صالحہ پر ایمان کا اطلاق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:
وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ أَيْمَانَكُمْ (البقرة: ۱۳۳)
اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ (تحويل قبلہ سے پہلے
تمہاری پڑھی ہوئی) تمہاری نمازوں کو ضائع کر دے۔

جب جبرائیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کے
فرشتوں اس کے صحیفوں اس کے رسولوں قیامت اور ہر اچھی اور بری چیز کو تقدیر کے ساتھ وابستہ ماننا ایمان ہے اس حدیث میں
چھ چیزوں کے ماننے پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے یہ حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم اور حدیث کی دوسری مشہور کتابوں میں
ہے۔ (المفردات ص ۲۶-۲۵ مطبوعہ مکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)
علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

ایمان تصدیق ہے علامہ زخسری نے ”اساس“ میں اسی پر اعتماد کیا ہے اور اہل علم میں سے اہل لغت وغیرہ کا اسی پر اتفاق
ہے علامہ سعد الدین قنطاری نے کہا ہے کہ ایمان کا حقیقی معنی تصدیق ہے اور ”کشاف“ میں لکھا ہے کہ کسی شخص پر ایمان مانے
کا معنی یہ ہے کہ اس کو تکذیب سے مامون اور محفوظ رکھ جائے بعض محققین نے کہا ہے کہ ایمان کا معنی تصدیق ہو تو یہ ہنصر
متعدی ہوتا ہے اور جب اس کا معنی ذعان (ماننا اور قبول کرنا) ہو تو لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اور جب اس کا معنی عتراف
ہو تب بھی لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے ازہری نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے بندے کو جس امانت پر ائین بنایا ہے اس میں صدق
کے ساتھ داخل ہونا ایمان ہے اگر بندہ جس طرح زبان سے تصدیق کرتا ہے اسی طرح دل سے بھی تصدیق کرے تو وہ مومن
ہے اور جو صرف زبانی اقرار کرے اور دل سے تصدیق نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت کو ادا نہیں کر رہا وہ منافق ہے اور
جس کا یہ زعم ہے کہ تصدیق بالقلب کے بغیر صرف زبان سے اظہار کرنا ایمان ہے وہ یا منافق ہو گا یا جاہل (علامہ زبیدی کہتے
ہیں) میں کہتا ہوں کہ کبھی صرف زبانی اقرار پر بھی ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ
یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ (زبان سے) ایمان لائے پھر
(النافقون: ۳) انہوں نے (دس کا) کفر (ظاہر) کیا تو ان کے دلوں پر مہر
کردی گئی۔

اور اس آیت میں بھی زبانی اظہار پر ایمان کا اطلاق ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا
أُولَٰئِكَ فِي الْأَسْفَلِ (النساء: ۱۳۷)
بے شک جو لوگ زبان سے ایمان لائے پھر دل سے
کافر ہوئے پھر (زبان سے) ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر
وہ کفر میں اور بڑھ گئے۔

زجاج نے کہا ہے: کبھی ایمان کا اطلاق اظہارِ خشوع پر کیا جاتا ہے اور کبھی شریعت کے قبول کرنے پر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے ہیں اس پر اعتقاد رکھنے اور دل سے اس کی تصدیق کرنے پر ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے امام راغب نے کہا ہے کہ ایمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کا نام ہے اور کبھی بطور مدح حق کی تصدیق کرنے اور ماننے کو ایمان کہتے ہیں ایمان تصدیق اقرار اور عمل سے متحقق ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ بھی ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے مومن اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس کا معنی ہے: مخلوق کو ظلم سے امن دینے والا یا اپنے اولیاء کو عذاب سے امن میں رکھنے والا منذری نے ابو العباس سے روایت کیا ہے کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ امتوں سے اپنے رسولوں کی تبلیغ کے متعلق سوال کرے گا اور وہ امتیں انبیاء کی تکذیب کریں گی اور اللہ تعالیٰ کے مسلمان بندے انبیاء کی تصدیق کریں گے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لایا جائے گا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی تصدیق کریں گے اور اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی تصدیق کرے گا اور اسی تصدیق کی وجہ سے اللہ کا نام مومن ہے ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کرتا ہے اور وہ اس اعتبار سے مومن ہے ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کو عذاب سے امان میں رکھے گا اس وجہ سے وہ مومن ہے یہ علامہ ابن اثیر کا قول ہے۔

(تاج العروس ج ۹ ص ۱۲۵ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

ایمان کی تعریف میں اہل قبلہ کے مذاہب

ایمان کی تعریف میں اہل قبلہ کے مذاہب کا خلاصہ یہ ہے:

- (۱) جمہور متکلمین کے نزدیک صرف تصدیق بالقلب کا نام ایمان ہے۔
- (۲) امام ابو منصور ماتریدی کا مذہب ہے کہ ایمان صرف تصدیق بالقلب کا نام ہے اور اقرار اجراء احکام مسلمین کے یہ شرط ہے۔ یہ دونوں تعریفیں نفس ایمان کی ہیں۔
- (۳) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایمان کے دو جز ہیں اقرار اور تصدیق لیکن اکراہ کے وقت اقرار ساقط ہو سکتا ہے۔
- (۴) ائمہ ثلاثہ اور محدثین کے نزدیک ایمان کے تین جز ہیں تصدیق اقرار اور اعمال صالحہ لیکن اعمال کے ترک کرنے سے انسان ایمان سے خارج ہوتا ہے اور نہ کفر میں داخل ہوتا ہے بلکہ فاسق ہو جاتا ہے یہ تعریف ایمان کامل کی ہے۔
- (۵) معتزلہ میں سے واصل بن عطاء ابو الہذیل اور قاضی عبدالجبار کا یہ نظریہ ہے کہ تصدیق اقرار اور اعمال کے مجموعہ کا نام ایمان ہے اور اعمال میں واجب اور مستحب داخل ہیں اور عمل کے ترک کرنے سے انسان ایمان سے نکل جاتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا عمل کی نفی سے وہ ایمان سے خارج ہو گیا اور تکذیب نہ کرنے کی وجہ سے وہ کفر میں داخل نہیں ہوا۔
- (۶) ابو علی جبائی معتزلی اور ابو ہاشم معتزلی کا یہ مسلک ہے کہ فقط اعمال واجب کا نام ایمان ہے باقی تفصیل حسب سابق ہے۔
- (۷) نظام معتزلی کا مذہب ہے: جس کام پر وعید ہے اس کے ترک کرنے کا نام ایمان ہے۔
- (۸) خوارج کا مذہب ہے: تصدیق اقرار اور اعمال کے مجموعہ کا نام ایمان ہے اور انسان معصیت کے ارتکاب سے کافر

ہو جاتا ہے خواہ معصیت صغیرہ ہو یا کبیرہ۔

(۹) کرامیہ کا یہ قول ہے کہ فقط زبان سے اقرار کرنا ایمان ہے۔

(۱۰) غیلان بن مسلم دمشقی اور فضل رقاشی کا یہ نظریہ ہے کہ اقرار بہ شرط معرفت کا نام ایمان ہے۔

(۱۱) جہم بن صفوان کا یہ نظریہ ہے کہ فقط معرفت بالقلب کا نام ایمان ہے۔

(۱۲) مرجہ کے نزدیک ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اور اعمال کی کوئی ضرورت نہیں۔

نفس ایمان اور ایمان کامل کا بیان

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

امام شافعی سے منقول ہے کہ ایمان تصدیق، اقرار اور عمل کا نام ہے جس کی تصدیق میں خلل ہو وہ منافق ہے جس کے اقرار میں خلل ہو وہ کافر ہے اور جس کے عمل میں خلل ہو وہ فاسق ہے وہ دوزخ کے دائمی عذاب سے نجات پالے گا اور جنت میں داخل ہو جائے گا امام رازی نے کہا: اس مسلک پر یہ قوی اشکال ہے کہ جب اعمال ایمان کا جز ہیں اور جز کی نفی سے کل کی نفی ہو جاتی ہے تو بے عمل شخص مومن کیسے ہوگا؟ اور وہ کیسے دوزخ سے خارج اور جنت میں داخل ہوگا؟ اس اشکال کا یہ جواب ہے کہ شارع کے کلام میں ایمان کبھی اصل ایمان کے معنی میں ہوتا ہے اور اصل ایمان میں اعمال کا اعتبار نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس سے ملاقات پر اس کے رسولوں پر اور مرنے کے بعد اٹھنے پر ایمان لاؤ اور اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور نماز قائم کرو اور فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ (صحیح مسلم)

اور کبھی شارع کے کلام میں ایمان ایمان کامل کے معنی میں ہوتا ہے جس میں اعمال داخل ہوتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد عبد القیس سے فرمایا:

کیا تم جانتے ہو کہ اللہ وعدہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے آپ نے فرمایا: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت سے خمس ادا کرنا۔ (صحیح مسلم)

پہلی حدیث میں ایمان اصل ایمان یا نفس ایمان کے معنی میں ہے اور اس دوسری حدیث میں ایمان ایمان کامل کے معنی میں ہے اور جن احادیث میں اعمال کی نفی سے ایمان کی نفی کی گئی ہے ان میں ایمان سے مراد ایمان کامل ہے اور جن احادیث میں عمل کی نفی کے باوجود ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے اور جنت کی بشارت دی گئی ہے ان میں ایمان سے مراد نفس ایمان ہے اس کی مثال یہ ہے:

جس وقت زانی زنا کرتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث میں ایمان کامل کی نفی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

جس شخص نے بھی ”لا الہ الا اللہ“ کہا پھر اسی پر مر گیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا میں نے کہا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو! آپ نے فرمایا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث میں نفس ایمان مراد ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف لفظی ہے کیونکہ اس کا رجوع ایمان کی تفسیر کی طرف ہے اور ایمان کا کون سا معنی منقول شرعی ہے اور کون سا معنی مجاز ہے اس میں اختلاف ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جس ایمان کی وہ دوزخ میں دھوسے نجات ملتی ہے وہ ایمان کامل ہے اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور جس ایمان کی وجہ سے دوزخ کے خلود سے نجات ملتی ہے وہ نفس ایمان ہے اس میں اہل سنت کا اتفاق ہے اور خوارج اور معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے حاصل بحث یہ ہے کہ سلف اور امام شافعی نے جو اعمال کو ایمان کا جز کہا ہے اس ایمان سے ان کی مراد ایمان کامل ہے نہ کہ نفس ایمان یا اصل ایمان مراد ہے اور جب وہ کسی بے عمل یا بد عمل شخص پر مومن کا اطلاق کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد نفس ایمان ہوتی ہے نہ کہ ایمان کامل وہ کہتے ہیں کہ اس شخص میں ہر چند کہ ایمان کامل نہیں ہے لیکن وہ نفس ایمان کی وجہ سے نجات پا جائے گا۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۱۰۳-۱۰۲ مطبوعہ ادارة المطابع النیریہ مصر ۱۳۸۳ھ)

مومن ہونے کے لیے فقط جاننا اور سمجھنا کافی نہیں ہے بلکہ ماننا ضروری ہے

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

ایمان کی تعریف میں جو تصدیق بالقلب معتبر ہے اس سے مراد علم معرفت اور جاننا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی تصدیق کرنا اور آپ کو خبر صادق ماننا ہے کیونکہ بعض کفار بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو جانتے تھے لیکن وہ مومن نہیں تھے قرآن مجید میں ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقِينَ (البقرہ: ۱۷۷)

پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حکایت کی ہے انہوں نے فرعون سے فرمایا:

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ أَنَا وَإِنَّ لِلَّهِ وَلِيًّا (البقرہ: ۱۷۷)

نشانوں (کو آسمانوں اور زمینوں کے رب نے ہی اتارا ہے جو

آنکھیں کھولنے والی ہیں اور اے فرعون! میں گمان کرتا ہوں کہ

تو ہلاک ہونے والا ہے O

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا کفار اور فرعون کو علم تھا اس کے

باوجود وہ کافر تھے اور وہ مومن نہیں تھے نیز اس سے واضح ہوا کہ ایمان کے تحقق کے لیے صرف جاننا کافی نہیں ہے ماننا ضروری ہے یعنی اپنے قصد اور اختیار سے مخبر کی طرف صدق کو منسوب کرے اور اسے اس کی دی ہوئی خبروں میں صادق قرار دے۔

(عمدة القاری ج ۱ ص ۱۰۵-۱۰۴ مطبوعہ ادارة المطابع النیریہ مصر ۱۳۸۳ھ)

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

ایمان سچا سمجھنے کو کہتے ہیں عمل کرنا دوسری بات ہے پس جتنی کتابیں اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء علیہم السلام پر نازل کی ہیں

سب کو سچا سمجھنا فرض اور شرط ایمان ہے۔ (بیان القرآن ص ۳ مطبوعہ تاج کتب لیبڈلاہور)

جیسا کہ باحوالہ تفصیل اور تحقیق سے واضح ہو گیا ہے ایمان سچا سمجھنے یا سچا جاننے کو نہیں کہتے بلکہ ایمان سچا ماننے کو کہتے ہیں

اس لیے ایمان کی یہ تعریف صحیح نہیں ہے شیخ محمود الحسن نے بھی ”یؤمنون بالغیب“ کی تفسیر میں اسی طرح لکھا ہے: یعنی جو

پہریں اس کے عقل و حواس سے مخفی ہیں (جیسے دوزخ جنت ملائکہ وغیرہ) اس سب کو اللہ اور رسول کے ارشاد کی وجہ سے حق اور یقینی سمجھتے ہیں (شیخ محمود الحسن متوفی ۱۳۳۹ھ حاشیہ القرآن ص ۳ مطبوعہ امریہ سعودیہ) شیخ محمود اس کی بھی یہ عبارت صحیح نہیں ہے اللہ اور اس کے رسول کے ارشاد کی وجہ سے کسی خبر کو حق اور یقینی ماننا ایمان ہے اس کو حق اور یقینی سمجھنا ایمان نہیں ہے کیونکہ بعض کفار ان خبروں کو حق اور یقینی سمجھتے تھے لیکن عناد امانتے نہیں تھے البتہ انہوں نے اس کے بعد یہ عمل لکھا ہے ان امور غائبانہ کا منکر ہدایت سے محروم ہے۔ یہ حمد صحیح ہے لیکن ان دونوں شیعوں نے ایمان کی تشریف صحیح نہیں لکھی۔

ایمان کی حقیقت میں فقط تصدیق کے معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد

ہم نے ذکر کیا تھا کہ متفقین کا مذہب یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت فقط تصدیق بالقلب ہے اس پر متفقین نے مسب ذیل دلائل پیش کیے ہیں قرآن مجید میں ہے:

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ. (البقرہ: ۲۲)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت فرمادیا۔

قَالُوا إِنَّا بِأَفْوَهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ

انہوں نے اپنے منہ سے کہا: ہم ایمان لائے ہیں حالانکہ ان کے دل مومن نہیں۔

(المائدہ: ۴۱)

قَالَتِ الْأَعْرَابُ إِنَّمَا قُلُّ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا

دیہات کے لوگوں نے کہا: ہم ایمان لائے آپ فرمائیں: تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو: ہم نے اساعت کی ہے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ (الحجرات: ۱۳)

ان آیات میں ایمان کا کل قلب کو قرار دیا ہے اور قلب میں تصدیق ہوتی ہے اقرار کا کل زبان اور اعمال کا تعلق باقی اعضاء سے ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایمان صرف تصدیق بالقلب کا نام ہے۔

ایمان کی حقیقت میں فقط اقرار کے غیر معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد

صرف اقرار باللسان کے ایمان نہ ہونے پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَيَا لَيْتَ لَنَا

اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لے آئے حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں O

الْآخِرَةُ مَا هُم بِمُؤْمِنِينَ O (البقرہ: ۸)

زبان سے اقرار کے باوجود ان لوگوں کو اس لیے مومن نہیں قرار دیا گیا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی تصدیق نہیں کی تھی نیز قرآن مجید میں ہے:

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا إِنَّا شَهِدْنَا أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ

جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ

وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ أَنَّ الْمُنَافِقِينَ كَذِبُونَ

جانتا ہے کہ یقیناً ضرور آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی

(المنافقون: ۱)

دیتا ہے کہ بے شک منافق ضرور جھوٹے ہیں O

ایمان کی حقیقت میں اعمال کے غیر معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد

اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں اس پر قرآن مجید کی حسب ذیل آیت دلیل ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام

الْفِرَاقِ دُونَ تَرَلَّانٍ (الکہف: ۱۰۷)

کئے ان کے لیے جنت الفردوس کی مہمائی ہے (۱)

اس آیت میں اعمال کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے اور عطف میں اصل تغیر ہے اس سے معلوم ہوا کہ اعمال ایمان کا غیر ہیں اور ایمان میں داخل نہیں ہیں اور قرآن مجید میں ایسی بہت آیات ہیں:

مَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَذُتْنِي ۖ هُوَ مَوْمِنٌ
وَلَتَجْزِيَنَّهُ حَبِيبًا طَيِّبَةً (الحج: ۹۷)

جس نے نیک عمل کیے خواہ مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو ضرور باکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے۔

اس آیت میں اعمال کو مشروط اور ایمان کو شرط قرار دیا ہے اور مشروط شرط سے خارج ہوتا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ اعمال ایمان سے خارج ہیں اور اسی نکتہ پر یہ آیات ہیں:

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِمَّنْ ذَكَرٍ أَوْ أَتَتْهُ
هُوَ مَوْمِنٌ قَدْ وَلِيَكَ يَدٌ خُلُونِ الْجَنَّةِ (النساء: ۱۲۴)

اور جس نے نیک کام کئے خواہ مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مَوْمِنٌ ذَلَا يُخَفُ
ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا (ط: ۱۱۲)

اور جس نے نیک کام کئے بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو اس کو ظلم کا خوف ہوگا نہ کسی نقصان کا ○

وَأَصْلِحُوا إِذْ أَبَيْنَاكُمْ ۖ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِن
كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (۱۱۱ ل: ۱)

اور اپنے باہمی معاملات درست رکھو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو بہ شرطیکہ تم مومن ہو ○

قرآن مجید میں مرتکب کبیرہ پر بھی مومن کا اطلاق کیا گیا ہے اگر نیک اعمال ایمان کا جز ہوتے تو معصیت کبیرہ کرنے والے پر مومن کا اطلاق نہ کیا جاتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي
الْقَتْلِ ط (البقرہ: ۱۷۸)

اے ایمان والو! تم پر ان کا بدلہ فرض کیا گیا ہے جن کو ناحق قتل کیا گیا ہے۔

قصاص قاتل پر فرض کیا جاتا ہے اور اس آیت میں قاتل پر مومن کا اطلاق کیا گیا ہے اور قاتل کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

وَأَنَّ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا
بَيْنَهُمَا ط (الحجرات: ۹)

اور اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال کریں تو ان میں صلح کرادو۔

جب دو جماعتیں قتال کریں گی تو ان میں سے ایک حق پر اور دوسری باطل پر ہوگی اور اس آیت میں دونوں جماعتوں پر مومنوں کا اطلاق کیا گیا ہے:

وَتَوْبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا آيَةً الْمُؤْمِنُونَ ط (النور: ۳۱)

اے مومنو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو۔

توبہ معصیت پر واجب ہوتی ہے۔ اس آیت میں مومنین کو توبہ کا حکم دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ معصیت ایمان کے منافی نہیں ہے اور اسی نکتہ پر یہ آیت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ط
(التحریم: ۸)

اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ کرو۔

ایمان میں کمی اور زیادتی کے ثبوت پر قرآن مجید سے استشہاد
امیر ثلاثہ اور محدثین اور دیگر اسلاف جو یہ کہتے ہیں کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اور ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے وہ

قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں:

وَإِذَا تُبْلِغْتَ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا زَادَتْهُمْ إِيمَانًا

(النحل: ۲۰)

وَإِذَا مَا أَنْزَلْنَا سُورَةً فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ أَيْكُمُ
رَادَتْ هَذِهِ إِيْمَانًا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَرَّادَتْهُمْ
إِيْمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ (النحل: ۱۲۳)

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ
فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا (آل عمران: ۱۷۳)

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا
اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا
وَتَسْلِيمًا (الأحزاب: ۲۱)

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (محمد: ۱۷۰)

إِنَّمُ فَتْنَةٌ لِمَنْ أَهْتَدَى وَزَادَهُمْ هُدًى

(الأنعام: ۱۳)

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى (الأنعام: ۱۳)

وَمَا جَعَلْنَا عَدَّتَهُ إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا
لِيَسْتَيَقِنَ الَّذِينَ أُدْتُوا الْكِتَابَ وَيَزِدَّ الَّذِينَ آمَنُوا
إِيْمَانًا (المدثر: ۳۱)

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ
لِيَزِدَّادُ إِيْمَانًا مَعَ إِيْمَانِهِمْ (الفتح: ۲۰)

ہو۔

ایمان میں کمی اور زیادتی کے ثبوت پر احادیث سے استشہاد

ائمہ ثلاثہ محدثین اور دیگر اسلاف جن کے نزدیک اعمال ایمان میں داخل ہیں اور ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے انہوں نے بہ کثرت احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں سے بعض احادیث یہ ہیں:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

اور جب ان پر اللہ کی آیات پڑھی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیں۔

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں کس کے ایمان کو زیادہ کر دیا ہے؟ سو جو ایمان والے ہیں تو اس سورت نے ان کے ایمان کو زیادہ کر دیا اور وہ خوش ہوتے ہیں O

لوگوں نے ان سے کہا: بے شک لوگوں نے (تم سے مقابلہ کے لیے بڑے لشکر) جمع کر لیے ہیں سو تم ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا۔

اور جب مسلمانوں نے (کافروں کے) لشکر دیکھے (تو) کہنے لگے: یہ وہ ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا اور اس سے ان کا ایمان اور اسلام زیادہ ہی ہوا O

اور جن لوگوں نے ہدایت کو قبول کیا اللہ نے ان کی ہدایت کو اور زیادہ کر دیا۔

بے شک کچھ جوان اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیا O

اور جن لوگوں نے ہدایت پائی اللہ ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیتا ہے۔

اور ہم نے (دوزخ کے فرشتوں کی تعداد) صرف اس لیے مقرر کی ہے کہ کافروں کی آزمائش ہو اہل کتاب یقین کر لیں اور ایمان والوں کا ایمان اور زیادہ ہو جائے۔

وہی ذات ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں سکون نازل فرمایا تاکہ ان کے ایمان میں اور ایمان کی زیادتی ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان کے ساٹھ اور پچھ حصے ہیں اور حیا بھی ایمان کا ایک حصہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کے ضرر) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو اللہ کے منع کئے ہوئے کاموں کو ترک کر دے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۶، مطبوعہ نور محمد، ص ۱۷۸، طبع کراچی ۱۳۸۸ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا ظم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا حق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ کو ادا کریں اور جب وہ یہ کریں گے تو مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیں گے ماسوا اس کے جو اسلام کا حق ہو اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۸، مطبوعہ نور محمد، ص ۱۷۸، طبع کراچی ۱۳۸۸ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اللہ وحدہ پر ایمان لانے کا معنی جانتے ہو؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے آپ نے فرمایا: یہ شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مالی خیمت میں سے خنس ادا کرنا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳، مطبوعہ نور محمد، ص ۱۷۸، طبع کراچی ۱۳۸۸ھ)

ان احادیث میں ایمان کے متعدد اجزاء بیان کئے گئے ہیں اور جو شخص ان اجزاء میں سے کسی جز پر عمل کو ترک کرے گا اس کا ایمان اس شخص سے کم ہوگا جو ان تمام اجزاء پر عمل کرے گا۔
ایمان میں کمی اور زیادتی کے دلائل کا جواب

مذکورہ آیت اور احادیث سے ائمہ ثلاثہ اور محدثین نے اس پر استدلال کیا ہے کہ اعمال ایمان کا جز ہیں اور ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے اگر اعمال کم ہوں گے تو ایمان زیادہ ہوگا۔

ان تمام آیات اور احادیث کا جواب یہ ہے کہ تمام آیات اور احادیث ایمان کامل پر محمول ہیں اور ایمان کامل میں اعمال داخل ہیں اور نفس ایمان میں اعمال داخل نہیں ہیں اور ان آیات اور احادیث میں نفس ایمان بالاتفاق مراد نہیں ہے۔

امام رازی نے کہا: یہ بحث لفظی ہے کیونکہ اگر ایمان سے مراد تصدیق ہو تو وہ کمی زیادتی کو قبول نہیں کرتا اور اگر اس سے مراد عبادات ہوں تو وہ کمی اور زیادتی کو قبول کرتا ہے پھر امام نے کہا: عبادات تصدیق کی تکمیل کرتی ہیں اور جن دلائل کا یہ تقاضا ہے کہ ایمان کمی اور زیادتی کو قبول نہیں کرتا ان سے مراد اصل ایمان اور نفس ایمان ہے اور جن دلائل کا یہ تقاضا ہے کہ ایمان کمی اور زیادتی کو قبول کرتا ہے ان سے مراد ایمان کامل ہے جس میں اعمال داخل ہیں۔

بعض متاخرین نے یہ کہا ہے: حق یہ ہے کہ ایمان کمی اور زیادتی کو قبول کرتا ہے خواہ ایمان تصدیق اور اعمال کا مجموعہ ہو یا فقط تصدیق کا نام ہو کیونکہ تصدیق بالقلب وہ اعتقاد جازم ہے جو قوت اور ضعف کو قبول کرتا ہے کیونکہ جس شخص کو ہم قریب سے دیکھتے ہیں اس کی ہمیں اس سے زیادہ تصدیق ہوتی ہے جس کو ہم دور سے دیکھتے ہیں۔

بعض محققین نے یہ کہا کہ حق یہ ہے کہ تصدیق دو وجہوں سے کمی اور زیادتی کو قبول کرتی ہے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ تصدیق کیفیت نفسانیہ ہے جیسے خوشی، غم اور غصہ وغیرہ کیفیات نفسانیہ ہیں اور ان میں قوت، ضعف اور کمی اور زیادتی ہوتی ہے اسی طرح تصدیق میں بھی کمی اور زیادتی ہوتی ہے اور اگر ایمان نہ ہو تو لازم آئے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عام افراد امت کا ایمان

برابر ہو اور یہ اجماعاً باطل ہے اور دوسری وجہ ہے تصدیق لغوی، کیونکہ انسان کو جس چیز کے متعلق علم ہوتا جائے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لے کر آئے ہیں اس کا ایمان اس کے ساتھ متعلق ہوتا جائے گا اور ایمان زیادہ ہوتا جائے گا۔ بعض علماء نے اس تفصیل میں یہ کہا ہے کہ پہلے انسان اجمالی طور پر تمام شریعت پر ایمان لاتا ہے پھر یہ جیسے اس کو احکام شرعیہ کی تفصیل کا علم ہوتا جاتا ہے وہ اس سب پر ایمان لاتا جاتا ہے اور یوں اس کا ایمان زیادہ ہوتا ہے اور بعض محققین نے یہ کہا ہے کہ زیادہ غور و فکر کرنے اور کثرت دلائل سے ایمان زیادہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ صدیقین اور علماء راہین کا ایمان دوسروں کی بہ نسبت زیادہ قوی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ تشاکک اور مغالطہ آفرینی سے ان کا ایمان منزلزل نہیں ہوتا

(عمدة القاری ج ۱ ص ۱۰۹-۱۰۸، مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرة، مصر ۱۳۳۸ھ)

آیا اسلام اور ایمان متغایر ہیں یا متحد

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

ایک بحث یہ ہے کہ آیا اسلام اور ایمان متغایر ہیں یا متحد ہیں، پس ہم کہتے ہیں کہ لغت میں اسلام کا معنی ہے: انقیاد (اطاعت) اور اذعان (ماننا اور تسلیم کرنا) اور اسلام کا شرعی معنی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مان کر اللہ کی اطاعت کرنا، کلمہ شہادت پڑھنا، واجبات پر عمل کرنا اور منوعات کو ترک کرنا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ مفروضہ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور اسلام کا اطلاق دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بھی کیا جاتا ہے جیسے کہتے ہیں: دین یہودیت، دین نصرانیت، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ** (آل عمران: ۱۹) اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذاق طعم الاسلام من رضى بالله ربا
وبالاسلام ديناً
جس شخص نے اللہ کو رب مان لیا اور اسلام کو دین مان لیا اس نے اسلام کا ذائقہ چکھ لیا۔

پھر اس میں علماء کا اختلاف ہے، محققین کا مذہب یہ ہے کہ ایمان اور اسلام متغایر ہیں اور یہی صحیح ہے اور بعض محدثین متکلمین اور جمہور معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ ایمان اور اسلام شرعاً مترادف ہیں علامہ خطابی نے کہا: ایمان اور اسلام مطلقاً متحد یا متغایر نہیں ہیں، کیونکہ مسلم بعض اوقات مسلم ہوتا ہے اور بعض اوقات مسلم نہیں ہوتا، (یعنی بعض اوقات اسلام کے احکام کی پیروی کرتا ہے اور بعض اوقات نہیں کرتا) اور مومن ہر وقت مومن ہوتا ہے (یعنی ہر وقت انقیاد باطن کرتا ہے) لہذا ہر مسلم مومن ہوتا ہے اور ہر مومن مسلم نہیں ہوتا۔

ایمان کی اصل تصدیق ہے اور اسلام کی اصل استسلام اور انقیاد (اطاعت) ہے بسا اوقات انسان ظاہر میں اطاعت گزار ہوتا ہے اور باطن میں اطاعت گزار نہیں ہوتا اور کبھی باطن میں صادق ہوتا ہے اور ظاہر میں اطاعت گزار نہیں ہوتا، میں کہتا ہوں کہ اس کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اور ایمان میں عموم، خصوص مطلق کی نسبت ہے جیسا کہ بعض فضلاء نے اس کی تصریح کی ہے اور تحقیق یہ ہے کہ ان میں عموم، خصوص من وجہ کی نسبت ہے کیونکہ کبھی ایمان بغیر اسلام کے ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص کسی پہاڑ کی چوٹی پر اپنی عقل سے اللہ کی معرفت حاصل کرے اور کسی نبی کی دعوت پہنچنے سے پہلے اللہ کے وجود اس کی وحدت اور اس کی تمام صفات کی تصدیق کرے اسی طرح کوئی شخص تمام ضروریات دین پر ایمان لے آئے اور اقرار اور عمل

کرے سے پہلے اچانک مر جائے تو یہ مومن ہے اور مسلم نہیں ہے کیونکہ اس نے باطنی اور ظاہری اطاعت نہیں کی اور منافقین ظاہری اطاعت کرتے تھے اور باطنی اطاعت نہیں کرتے تھے تو وہ مسلم تھے مومن نہیں تھے اور صحابہ کرام تابعین اور بعد کے مسلمان مومن بھی ہیں اور مسلم بھی ہیں لہذا ایمان اور اسلام مفہوم متغیر اور مصداق مختلف ہیں۔
علامہ تغا زالی لکھتے ہیں:

ایمان اور اسلام واحد ہیں کیونکہ اسلام خضوع اور انقیاد ہے یعنی احکام کو قبول کرنا اور ماننا اور یہ ایمان کی حقیقت ہے اور اس کی تائید قرآن مجید کی ان آیات سے ہوتی ہے:

فَاَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۶﴾ وَمَا أَجَدْنَا
فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمَسْلُومِينَ ﴿۲۵﴾ (الذاریات ۲۵-۲۶)
اس بستی میں جو مومنین تھے ہم نے ان سب کو نکال دیا تو ہم نے اس میں مسلمین کے ایک گھر کے سوا (اور کوئی گھر) نہ پایا

اگر اسلام ایمان کا غیر ہو تو اس آیت میں مومنین سے مسلمین کا استثناء صحیح نہیں ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ شریعت میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فلاں شخص مومن ہے اور مسلم نہیں ہے یا مسلم ہے اور مومن نہیں ہے ایمان اور اسلام کے اتحاد سے ہماری یہی مراد ہے (یعنی ان دونوں کا مصداق واحد ہے خواہ مفہوم متغیر ہو) اور مشائخ کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایمان اور اسلام کو مصداق کے لحاظ سے واحد اور مفہوم کے لحاظ سے متغیر مانتے ہیں جیسا کہ کفایہ میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خبروں اس کے ادا کر اور نواہی کی تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے اور انقیاد اور خضوع (طاعت) کا نام اسلام ہے اور جب تک انسان اللہ تعالیٰ کے ادا کر اور نواہی کی تصدیق نہیں کرے گا انقیاد متحقق نہیں ہوگا اس لیے ایمان اسلام سے مصداق کے لحاظ سے الگ نہیں ہوتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں ہے:

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّمْ يُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا
(الحجرات: ۱۳) ایمان نہیں لائے ہاں! یہ کہو کہ ہم اسلام لائے (مطیع ہوئے ہیں)۔

اس آیت میں ایمان کے بغیر اسلام کے تحقق کی تصریح ہے ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ شریعت میں جو اسلام معتبر ہے وہ ایمان کے بغیر متحقق نہیں ہوتا اور اس آیت میں اسلام کا شرعی معنی مراد نہیں ہے بلکہ لغوی معنی مراد ہے یعنی تم ظاہری اطاعت کر رہے ہو باطنی اطاعت نہیں کر رہے جیسے کوئی شخص بغیر تصدیق کے کلمہ شہادت پڑھ لے۔
اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

اسلام یہ ہے کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور یہ کہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور اگر تم کو استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔

(بخاری و مسلم)

اس حدیث میں دلیل ہے کہ اسلام اعمال کا نام ہے نہ کہ تصدیق قلبی کا اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اسلام سے مراد اسلام کے ثمرات اور اس کی علامات ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عبد القیس کے وفد سے فرمایا:

کیا تم جانتے ہو کہ فقہ اللہ پر ایمان لانے کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے آپ نے فرمایا: یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے خمس ادا کرنا۔ (بخاری)

اس حدیث میں بھی ایمان سے مراد ایمان کی علامات اور اس کے ثمرات ہیں۔

غیب کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

جس چیز کا حواس (خبر) سے ادراک نہ کیا جاسکے اور نہ اس کو ابتداء عقل سے معلوم کیا جاسکے وہ غیب ہے اس کا علم صرف انبیاء علیہم السلام کے خبر دینے سے ہوتا ہے۔ (المفردات ص ۲۶۷ مطبوعہ المکتبۃ الرضویۃ ایران ۱۳۴۲ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

جو چیز تم سے غائب ہو وہ غیب ہے ابو اسحاق زجاج نے ”یؤمنون بالغیب“ کی تفسیر میں کہا ہے: جو چیز متقیوں سے غائب تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی خبر دی وہ غیب ہے جیسے مرنے کے بعد اٹھنا جنت دوزخ اور ہر وہ چیز جو ان سے غائب تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی خبر دی وہ غیب ہے۔

(تاج العروس ج ۱ ص ۲۱۶ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

آیت مذکورہ میں غیب کا مصداق

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

اس جگہ غیب کے مصداق میں مفسرین کا اختلاف ہے ایک گروہ نے کہا: اس آیت میں غیب سے مراد اللہ سبحانہ ہے ابن العربی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے دوسرے مفسرین نے کہا: اس سے مراد قضاء و قدر ہے ایک جماعت نے کہا: اس سے مراد قرآن اور قرآن میں مذکور غیوب ہیں بعض علماء نے کہا: ہر ایسی چیز جس کی طرف عقل کی رسائی نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے وہ غیب ہے مثلاً علامات قیامت عذاب قبر حشر نشر صراط میزان اور جنت دوزخ وغیرہ ابن عطیہ نے کہا: یہ اقوال متعارض نہیں ہیں بلکہ ان سب پر غیب کا اطلاق ہوتا ہے۔

(الجامع لا حکام القرآن ج ۱ ص ۱۶۳ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

آیت مذکورہ میں مومنین بالغیب کا مصداق

علامہ سمرقندی لکھتے ہیں:

اس سے مراد صحابہ کرام اور ان کے قیامت تک کے قبیحین ہیں کیونکہ وہ قرآن کے غیب کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام قرار دیتے ہیں حارث بن قیس نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: اے اصحاب محمد! ہم آپ کو اس لیے افضل سمجھتے ہیں کہ آپ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا ہے حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ہم تم کو اس لیے افضل سمجھتے ہیں کہ تم آپ پر بن دیکھے ایمان لائے ہو اور افضل ایمان ایمان بالغیب ہے پھر حضرت عبد اللہ نے یہ آیت پڑھی: ”الذین یؤمنون بالغیب“۔

(تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۹۰ مطبوعہ مکتبۃ دارالہدایہ مکہ مکرمہ ۱۳۱۳ھ)

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ کو دیکھا اس کے لیے ایک سعادت ہے اور جس نے مجھے نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کے لیے سات سعادتیں ہیں۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ہوں گے ان میں سے ایک شخص کی یہ خواہش ہوگی کہ کاش وہ اپنے (مارے) اہل و مال کے بدلہ میں میری زیارت کر لے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۹ مطبوعہ نور محمد اسحاق الملاح کراچی ۱۳۷۵ھ)

آیا مخلوق کے علم پر علم غیب کا اطلاق جائز ہے یا نہیں؟

اس آیت میں متقین کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں یعنی جنت و دوزخ وغیرہ کی تصدیق کرتے ہیں اور تصدیق علم کی قسم ہے اس کا معنی ہے: وہ غیب کا علم رکھتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متقین کے علم پر علم غیب کا اطلاق فرمایا ہے لیکن یہ واضح رہے کہ اس غیب سے مراد الغیب المطلق (جمع معنویت الہیہ) نہیں ہے بلکہ غیب کے وہ افراد مراد ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے متقین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے خبر دی ہے۔ ہمارا مدعا صرف اتنا ہے کہ مخلوق کی طرف علم غیب کا اسناد عقلاً جائز ہے شرک نہیں ہے۔ بشرطیکہ اس سے مراد مخصوص غیب ہو "الغیب المطلق" (تمام معلومات کا علم) نہ ہو۔

علامہ زنجیزی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

غیب سے مراد وہ مخفی چیز ہے جس کا ابتداء صرف اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے اور ہم کو اس میں سے صرف ان ہی چیزوں کا علم ہوتا ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم دیا ہے یا جن کے علم پر دلیل قائم ہے اس لیے مطلقاً یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فلاں شخص کو غیب کا علم ہے اور یہاں غیب سے مراد صانع اور اس کی صفات امور نبوت حشر و نشر اور حساب وغیرہ ہیں۔

(کشاف ج ۱ ص ۱۷۱ مطبوعہ مطبعہ بیہ مصر ۱۳۴۳ھ)

امام رازی لکھتے ہیں:

رہا وہ غیب جس کے حصول پر دلیل قائم ہے تو یہ کہنا جائز نہیں کہ ہمیں اس غیب کا علم ہے جس کے حصول پر ہمارے لیے دلیل قائم ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۶۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

متعدد مفسرین نے "وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عَلَمًا" (الکہف ۶۵) کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت خضر کو غیب کا علم تھا۔

علامہ سیوطی شافعی لکھتے ہیں:

حضرت خضر ایک مرد تھے جو علم الغیب جانتے تھے۔ (الدر المنثور ج ۴ ص ۲۳۱ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ الخلی ابراہیم)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کو علم الغیب سے علم عطا فرمایا تھا۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۱۶۹ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۷۰ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

ہم نے ان کو اپنا علم لدنی سکھایا یعنی علم الغیب۔ (الجامع ۱۱ کلام القرآن ج ۱۱ ص ۱۶ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابوسعود حنفی نے اس علم کے متعلق لکھا ہے۔

یہ غیوب کا علم ہے۔ (تفسیر ابوسعود علی حاشیہ المکیرج ج ۶ ص ۵۲۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ آلوسی حنفی نے بھی لکھا ہے: یہ غیوب کا علم ہے (روح المعانی ج ۱۵ ص ۳۲۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ان کے علاوہ علامہ ابن جریر طبری، علامہ ابو حیان اندلسی، علامہ شوکانی ظاہری، علامہ ابن عیسیٰ حنفی، علامہ بیضاوی شافعی اور نواب صدیق حسن خاں بھوپالی ظاہری نے بھی اس آیت کی تفسیر میں اسی طرح لکھا ہے۔

ان کے علاوہ بعض دیگر مستند علماء نے مخلوق کی طرف علم غیب کی اضافت کو جائز لکھا ہے۔

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے قرآن مجید کو سازوں کے ساتھ پڑھا یا اس سے پوچھا گیا: تم غیب جانتے ہو؟ اور اس نے کہا: ہاں تو یہ کفر ہے اور جو شخص سفر کے لیے نکلا اور کو ابول پڑا اور وہ لوٹ آیا تو اس کے کفر میں اختلاف ہے میں کہتا ہوں کہ صحیح یہ ہے کہ ان تینوں مسئلوں میں کفر نہیں ہے۔ (روضۃ الطالبین ج ۷ ص ۲۸۶ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن حجر مکی شافعی لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں جو کہتا ہوں کہ مومن کو غیب کا علم ہے اس سے میری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اولیاء کو بعض غیوب کا علم عطا فرماتا ہے تو اس کا یہ قول مقبول ہوگا کیونکہ یہ عقلاً جائز ہے اور نقلاً واقع ہے یہ ان حمد کرامات سے ہے جو شمار سے باہر ہیں۔ بعض اولیاء کو خطاب (الہام) کے ذریعہ غیب کا علم ہوتا ہے بعض کو کشف حجاب کے ذریعہ غیب کا علم ہوتا ہے اور بعض اولیاء اللہ کے لیے لوح محفوظ کو منکشف کر دیا جاتا ہے اور وہ اس کو دیکھ لیتے ہیں اور اس پر دلیل کے لیے یہ کافی ہے کہ حضرت خضر بعض کے نزدیک دلی تھے (اگرچہ تحقیق یہ ہے کہ وہ نبی تھے) اور قرآن مجید نے ان کے علم غیب کو بیان کیا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کے حمل کے متعلق خبر دی کہ ان کے ہاں لڑکا ہوگا اور اسی طرح ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر عجم میں ساریہ اور اس کا لشکر منکشف ہو گیا اور انہوں نے جمعہ کے دن دوران خطبہ کہا: اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ میں ہو جا "رسالہ قشیری" اور "عوارف المعارف" میں بعض اولیاء کے غیب کی خبر دینے کے بہت واقعات ہیں۔

(فتاویٰ حدیثیہ ص ۲۶۷ مطبوعہ مکتبہ مصطفیٰ الہابی دادلادہ مصر ۱۳۵۶ھ)

علامہ قاری حنفی لکھتے ہیں:

شیخ اکبر ابو عبد اللہ نے اپنی کتاب "معتقد" میں لکھا ہے: ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ بندہ اپنے احوال میں ترقی کرتا ہوا مقام روحانیت سے واصل ہو جاتا ہے پھر اس کو غیب کا علم ہوتا ہے۔ (مرقات ج ۱ ص ۶۲ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان ۱۳۹۰ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

جس شخص نے ایک معاملہ میں یا چند معاملات میں علم غیب کا دعویٰ کیا اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی علامہ نووی نے "روضۃ الطالبین" میں جو تکفیر کی نفی کی ہے اس کا یہی محمل ہے اور جس نے تمام معاملات میں علم کا دعویٰ کیا اس کی تکفیر کی جائے گی اور جن فقہاء نے علم غیب کے مدعی کی تکفیر کی ہے اس کا یہی محمل ہے۔ (رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۳۱۱ مطبوعہ بیہل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۶ھ)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

علامہ ابن حجر مکی نے کہا ہے کہ قرآن مجید کی جن آیتوں میں اللہ کے غیر سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے وہ اس کے منافی نہیں ہیں کیونکہ انبیاء اور اولیاء کا علم اللہ تعالیٰ کے اعلام (خبر دینے) سے ہے اور ہمارا علم ان کے اعلام سے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے

اس علم کا غیر ہے جس کے ساتھ وہ متفرد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی صفات قدیمہ ازلیہ دائمہ ابدیہ میں سے ایک صفت ہے جو علامات حدوث تغیر اور نقص سے منزہ ہے بلکہ وہ علم واحد ہے جس سے اس کو تمام کلیات اور جزئیات اور ”ماکان وما یکون“ کا علم ہے (صفت واحدہ امور غیر متناہیہ کے لیے منشاء انکشاف ہے) اور مخلوق کا علم اس طرح نہیں ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے جس علم کے ساتھ اپنی مدح کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کے علم میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اور اس کے سوا کوئی غیب کو نہیں جانتا وہ بھی علم ہے اور اللہ کے علاوہ اگر کسی کو غیب کا علم ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کے اسلام اور اس کی اطلاع سے چند جزئیات کا علم ہے اور اس وقت مطلقاً یہ نہیں کہا جائے گا کہ ان کو غیب کا علم ہے کیونکہ ان کے پاس ایسی کوئی صفت نہیں ہے جس کے ساتھ وہ مستقلاً علم غیب کو حاصل کرنے پر قادر ہوں نیز ان کو از خود علم نہیں ہوتا ان کو علم دیا جاتا ہے اور وہ غیب مطلق کو نہیں جانتے اور ان کو جس چیز کا علم دیا جاتا ہے اس میں فرشتے اور دوسرے بھی ان کے شریک ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا انبیاء اور اولیاء کو بعض غیب کی خبر دینا کسی وجہ سے محال کو مستلزم نہیں ہے اس لیے اس کا انکار کرنا عناد کے سوا کچھ نہیں۔

(رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۳۳۳ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۶ھ)

اور علامہ شامی لکھتے ہیں:

حاصل بحث یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ”الغیب المطلق“ کے علم کے ساتھ متفرد ہے جو تمام معلومات کے ساتھ متعلق ہے اور وہ اپنے رسولوں کو ان بعض غیب پر مطلع فرماتا ہے جو ان کی رسالت کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں ان کو یہ اطلاع وحی صریح کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے جو واضح اور جلی ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہوتا اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ وہ اپنے بعض اولیاء کو بھی بعض غیب سے مطلع فرمائے اور یہ اطلاع انبیاء علیہم السلام کی اطلاع سے کم مرتبہ کی ہوتی ہے بہر حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو غیب مختص ہے وہ الغیب المطلق ہے اور بندہ جس غیب کا مدعی ہوتا ہے وہ غیب حقیقی نہیں ہوتا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اعلام اور اس کی اطلاع سے ہوتا ہے۔ (رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۳۱۳ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۶ھ)

امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

علم جب کہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے اس کی تشریح ”حاشیہ کشاف“ پر میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے کر دی ہے اور یہ یقیناً حق ہے کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔ (المفہوم ج ۳ ص ۳۷۷-۳۷۸ مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

علامہ میر سید شریف نے ”حاشیہ کشاف“ پر لکھا ہے:

غیر اللہ کی طرف مطلقاً علم غیب کی نسبت کرنا اس لیے جائز نہیں کہ اس سے متبادر ہوتا ہے کہ وہ شخص ابتداً اور از خود علم غیب رکھتا ہے لیکن جب مفید کر کے یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم غیب دیا ہے یا اللہ تعالیٰ نے اس کو غیب پر مطلع کیا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (حاشیہ کشاف بر کشاف ج ۱ ص ۱۲۸ مطبوعہ مہر)

نیز امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

علم غیب میں عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا (الی قولہ) برابری تو درکنار میں نے اپنی کتابوں میں تصریح کر دی ہے کہ اگر تمام اولین و آخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علم الہی سے وہ نسبت ہرگز نہیں ہو سکتی جو ایک قطرہ کے کروڑوں حصہ کو کروڑوں سمندر سے ہے کہ یہ نسبت متناہی کی متناہی کے ساتھ ہے اور وہ (علم الہی) غیر متناہی ہے غیر متناہی کو متناہی سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ (المفہوم ج ۱ ص ۳۶۶ مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

قرآن مجید میں ہے:

عَلِمَهُ الْغَيْبُ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا
إِلَّا مَنِ اذْ تَضَرَّعَ إِلَيْهِ تَسْوِيًّا (الحج ۷۰)

وہ عالم الغیب ہے تو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں
فرماتا مگر مَن کو اس نے پسند فرمایا ہے جو اس کے (ب) رسول ہیں۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے رسولوں کو غیب پر مطلع فرماتا ہے اور اولیاء کو غیب پر مطلع نہیں فرماتا اور یہ کرامات اولیاء کے خلاف ہے عداوت تفتارانی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ”الغیب“ سے مراد عموم نہیں ہے (”الغیب المطلق“ مراد نہیں ہے) بلکہ ”مطلق الغیب“ مراد ہے (یعنی غیر رسول سے ہر غیب کی نفی مراد نہیں ہے) یا غیب سے مراد غیب خاص ہے اور وہ وقت وقوع قیامت ہے جیسا کہ سابق کلام سے معلوم ہوتا ہے اور یہ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض رسل ملائکہ یا رسل بشر کو وقت وقوع قیامت پر مطلع فرمائے (گویا کہ اولیاء کرام کو وقت وقوع قیامت پر مطلع نہیں فرماتا اور باقی غیوب میں سے جس قدر چاہے مطلع فرماتا ہے) اور اگر اس استثناء کو منقطع قرار دیا جائے تو پھر کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ جب اسم ہنس مضاف ہو تو وہ بہ منزلہ معرف باللام ہوتا ہے یا یہ کلام سب عموم کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ہر غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض کو بعض غیوب پر مطلع فرمائے اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ بہ طریقہ وحی صرف رسولوں کو غیب پر مطلع فرماتا ہے تب بھی کوئی اشکال نہیں (کیونکہ اولیاء کو بہ طریقہ الہام غیب پر مطلع فرماتا ہے)۔ خلاصہ یہ ہے کہ مخالفین کا استدلال اس پر قائم ہے کہ یہ کلام عموم السلب کے لیے ہو یعنی اللہ تعالیٰ اپنے غیب میں سے کسی چیز کو کسی فرد پر ظاہر نہیں فرماتا اور یہ لازم نہیں ہے۔

(شرح مقاصد ج ۵ ص ۷۷-۷۶، مطبوعہ منشورات الشریف ابراہیم ۱۳۰۹ھ)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

حق کی آنکھ سے کل کا مشاہدہ کرنا غیب ہے، کبھی قرب نوافل کی وجہ سے بندہ پر کرم ہوتا ہے اور حق سبحانہ اس کی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے کان ہو جاتا ہے جس سے سنتا ہے اور قرب فرائض کے بعد وہ اور ترقی کرتا ہے پھر وہاں ایسا نور ہو جاتا ہے کہ اس کے لیے غیب شہود ہو جاتا ہے اور جو چیزیں ہمارے سامنے سے غائب ہوں وہ اس کے سامنے حاضر ہو جاتی ہیں اس کے باوجود جو شخص اس مقام پر واصل ہو میں اس کے حق میں کہنا جائز نہیں قرار دیتا کہ اس کو غیب کا علم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا
اللَّهُ (النمل: ۶۵)

فرمادے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی
(بہ ذات خود) غیب کو نہیں جانتا۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۱۳۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

حق یہ ہے کہ جس علم کی اللہ تعالیٰ کے غیر سے نفی ہے یہ وہ علم ہے جو بہ ذات ہو اور بلا واسطہ ہو اور جو علم خواص کو حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے افاضہ کرنے کی وجہ سے ہے اس لیے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ انہوں نے بہ ذات ہو اور بلا واسطہ غیب کو جان لیا بلکہ یہ کفر ہے اس لیے یہ کہا جائے گا کہ ان پر غیب ظاہر کیا گیا ہے یا وہ غیب پر مطلع کئے گئے ہر چند کہ عقلاً یہ کہنا جائز ہے کہ

انہیں غیب کا علم دیا گیا سو انہیں غیب کا علم ہے یا وہ غیب جانتے ہیں لیکن اس کا اقبال شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کی ظاہر آیات سے تصادم اور تعارض ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ ذَا الْاُخْرٰی الْعَلِیْبُ اِلَّا اللّٰهُ" اور اس میں سوء ادب بھی ہے۔

(روح المعانی ج ۱۱ ص ۲۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

خلاصہ بحث

اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو علی حسب مراتب غیب کی خبروں پر مطلع فرمایا ہے لیکن غیب مطلق (یعنی تمام معلومات کا احاطہ کاملہ) یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اسی کو غیب مطلق کا علم ہے اور غیب کی جن خبروں پر اللہ نے اپنے خواص کو مطلع فرمایا ہے ان کے اعتبار سے ان بندوں کو غیب کا علم ہے لیکن اس کو علم الغیب کہنا درست نہیں ہے کیونکہ ان کو ایسی صفت حاصل نہیں ہے جس سے ان پر ہر غیب منکشف ہو یہ علامہ شامی کی بیان کردہ توجیہ ہے اور علامہ آلوسی کی توجیہ یہ ہے کہ اگرچہ ان کو بعض غیوبات پر مطلع کیا گیا لیکن ظاہر آیات سے تعارض کی بناء پر یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ان کو غیب کا علم ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان کو غیب پر مطلع کیا گیا ہے یا ان پر غیب ظاہر کیا گیا ہے اور امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ کی تحقیق ہے کہ مطلقاً علم غیب ہوا جائے تو اس سے علم ذاتی مراد ہوتا ہے اس لیے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فلاں شخص کو علم غیب ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض غیوب کو ظاہر فرمایا آپ کو بعض غیوب پر مطلع کیا گیا یا آپ کو غیب کی خبریں دی گئیں اور جن علماء اور فقہاء کی عبارات میں مخلوق کی طرف علم غیب کا اسناد کیا گیا ہے وہاں چونکہ غیب سے مراد غیب مطلق نہیں ہے اس لیے وہ عبارات عقلاً جائز ہیں اور کفر و شرک نہیں ہیں لیکن ایسا کہنا شرعاً تحسن نہیں ہے۔ جس غیب کی خبر دے دی جائے آیا وہ غیب رہا یا نہیں؟

ایک عام سوال یہ کیا جاتا ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو غیب کی خبر دے دی گئی تو پھر وہ غیب نہ رہا اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ غیب ایک امراضی ہے سو جن لوگوں کو اس کی خبر نہیں دی گئی ان کے اعتبار سے وہ غیب ہے جیسے اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز غائب نہیں سو اللہ تعالیٰ کا علم الغیب ہونا بھی اضافی ہے یعنی جو چیز ہمارے اعتبار سے غیب ہے وہ اس کا عالم ہے لیکن یہ سوال و جواب غیب کے لغوی معنی کے اعتبار سے ہیں غیب کے اصطلاحی معنی کے اعتبار سے یہ سوال وارد نہیں ہوتا کیونکہ غیب کا اصطلاحی معنی ہے جو چیز حواس خمسہ (عادیہ) اور بدہمت عقل سے معلوم نہ ہو سکے اور جس غیب کی خبر دے دی جائے وہ پھر بھی غیب ہے کیونکہ اس کو حواس خمسہ اور بدہمت عقل سے معلوم نہیں کیا جاسکتا مثلاً ہم کو جنت دوزخ اور قیامت کی خبر دے دی گئی لیکن یہ چیزیں پھر بھی غیب ہیں کیونکہ ہم ان کو حواس خمسہ سے معلوم نہیں کر سکتے نہ بدہمت عقل سے جاں سکتے ہیں اگر یہ سوال کیا جائے کہ صاحب قوت قدسیہ تو ان مغیبات کا مشاہدہ کر لیتا ہے اس کے لیے یہ چیزیں غیب نہ رہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چیزیں اس کے لیے بھی غیب ہیں کیونکہ وہ بھی اپنے حواس خمسہ عادیہ سے ان چیزوں کو نہیں جان سکتا اس نے ان کو غیر معمولی اور غیر عادی قوتوں سے جانا ہے اور اللہ تعالیٰ کو علم الغیب اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ جو چیز انسان کے حواس خمسہ (عادیہ) اور اس کی بدہمت عقل سے معلوم نہ کی جاسکے وہ اس کا عالم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ حواس خمسہ اور عقل سے پاک اور منزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نماز قائم رکھتے ہیں۔ (البقرہ: ۳)

ایمان بالغیب کے بعد اس آیت میں متقین کی دوسری صفت بیان کی ہے کہ وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں۔

صلوٰۃ کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

صلوٰۃ عبادات مخصوصہ (نماز) کا نام ہے اس کی اصل دعا ہے اور چونکہ اس عبادت کا ایک بجز دعا ہے اس لیے کل کو جز کا نام دے دیا گیا کوئی شریعت صلوٰۃ سے خالی نہیں رہی اگرچہ اس کی ہیئت مختلف شریعتوں میں مختلف تھی عبادت کی جگہ کو بھی صلوٰۃ کہتے ہیں اس لیے یہ سارے بھی صلوٰۃ کا اطلاق کیا جاتا ہے قرآن مجید میں ہے:

لَهْدِي صَلَاتَ صِدْقٍ وَأَمْرَ دِينٍ وَصَلَاتٌ وَمَسْجِدٌ

تو ضرور گرا دی جائیں رابیوں کی خانقہ ہیں گرے کلبے

(الحج: ۳۰) اور مسجدیں۔

(انفرادات ص ۲۸۶-۲۸۵ مطبوعہ المکتبۃ الرقعیہ ایران ۱۳۲۲ھ)

اقامت صلوٰۃ کے معانی اور محامل

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ جب کسی چیز کو اس کے تمام حقوق و فرائض اور اس کے تمام ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ ادا کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس کو اقامت کے ساتھ تعبیر فرماتا ہے قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْبَةَ وَالْإِنْحِيلَ وَمَا أُتْرِلَ

إِلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ لَّا كَلُوا مِنْ قَوْضِيَّتِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ

أَرْجُلِهِمْ (الزمرہ: ۶۶)

اور اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور اس (کلام) کو (قائم رکھتے) جو ان کے رب کی طرف سے ان کے لیے نازل کیا گیا ہے تو وہ ضرور اپنے اوپر سے کھاتے اور اپنے پاؤں تلے سے (کھاتے)۔

اسی دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ

(الشوریٰ: ۱۳۰)

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يَفْقَهُمَا حَدُّدَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا

فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ (البقرہ: ۲۲۹)

اگر تم کو یہ خوف ہو کہ وہ دونوں (میاں بیوی) اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت کے بدل خلع میں ان پر کوئی حرج نہیں ہے۔

وَاقِمُْوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ

(الرحمان: ۹) نہ کرو

اور انصاف کے ساتھ وزن کو قائم رکھو اور تولنے میں کمی

اس اعتبار سے اقامت صلوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ نماز کی تمام شرائط پوری کی جائیں اس کے تمام فرائض واجبات سنن اور مستحبات کے ساتھ نماز کی تمام ظاہری حدود پوری کی جائیں اور نماز میں ادھر ادھر کی سوچ و بچار نہ ہو اور نماز کے دوران دنیاوی منصوبوں اور دنیاوی خیالات میں منہمک اور مستغرق نہ ہو وہ صرف یہ سوچے کہ وہ اللہ کے دربار میں کھڑا ہے اور اس سے مناجات کر رہا ہے فقط اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور دوران نماز اس کا ڈر اور خوف دامن گیر رہے یہ نماز کی باطنی حدود ہیں اور اسی کا نام خشوع ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المومن: ۲)

وہ لوگ جو اپنی نمازیں خشوع سے پڑھتے ہیں

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

ثم قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

پھر حضرت عثمان بن عفان کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

من توضأ نحو وضوئی هذا ثم صلی رکعتین لا یحدث فیہما نفسہ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸، مطبوعہ نور محمد صبح الطالع کراچی ۱۳۸۱ھ)

نے فرمایا: جس نے میرے اس طریقہ سے وضو کیا پھر اس طرح دو رکعت نماز پڑھی کہ اس میں اپنے دنیاوی کاموں کے منصوبے بنائے اور نہ ان میں سوچ بچار کی تو اس کے بچھے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

عن انس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان احدکم اذا صلی یساجی ربہ الحدیث
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۶، مطبوعہ نور محمد صبح الطالع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے رب سے چپکے چپکے ہمکلام ہوتا ہے۔

نیز "اقام العود" کا معنی ہے: گیلی لکڑی کی کچی کو آگ کی گرمی پہنچا کر سیدھا کرنا اس لحاظ سے "اقامت صلوة" کا معنی ہے: ہر قسم کی کمی اور کچی سے افعال نماز کی حفاظت کرنا قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يَتَذَكَّرُونَ (المؤمنون: ۹)
"اقام" کا معنی کسی چیز کو دایم کرنا بھی ہے اس لحاظ سے "اقامت صلوة" کا معنی ہے نماز کو پابندی کے ساتھ ہمیشہ پڑھنا قرآن مجید میں ہے:

الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ
وہ لوگ جو نمازوں کو پابندی سے ہمیشہ پڑھتے ہیں

(العارج: ۲۳)

"اقام الامر" کا معنی کسی چیز کو شوق کی فراوانی پوری توجہ اور دلچسپی سے کرنا بھی ہے اس لحاظ سے "اقامت صلوة" کا معنی ہے: نماز کو اس کے وقت پر پوری توجہ شوق اور انہماک سے پڑھنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سستی اور غفلت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کی مذمت فرمائی ہے:

فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (الماعون: ۵-۴)
خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے غافل ہیں

وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يُذَكِّرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا (النساء: ۱۱۲)
اور جب منافق نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں (مھض) لوگوں کو دکھانے کے لیے اور صرف تھوڑا سا اللہ کا ذکر کرتے ہیں

خلاصہ یہ ہے کہ نماز قائم کرنے کا معنی ہے: نماز کو اس کے ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ پڑھنا ہر قسم کی کمی اور کچی سے نماز کی حفاظت کرنا نماز کو پابندی اور دوام کے ساتھ پڑھنا اور نماز کو اپنے وقت پر شوق اور توجہ سے پڑھنا۔

یہ تدریج نمازوں کی فرضیت کی کیفیت کا بیان

علامہ حنفی لکھتے ہیں:

بعثت سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی مخصوص نبی کی شریعت پر عمل نہیں کرتے تھے بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یا کسی اور نبی کی شریعت میں سے جو چیز آپ کے کشف (یا اجتہاد) کے مطابق ہوتی تھی آپ اس پر عمل کرتے تھے، اور حدیث صحیح میں ہے کہ آپ غار حرا میں عبادت کرتے تھے۔ (بخاری) (الدر المختار علی رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

غار حرا میں آپ کی عبادت کی انواع پر متل بھی دو گوں سے قبلہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور غور و فکر اور بعض علماء نے کہا کہ غار حرا میں آپ کی عبادت صرف تفکر تھی۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الفرائد لکھنؤ ۱۳۰۷ھ)

علامہ سیلی لکھتے ہیں کہ امام ابو نعیم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دی نازل ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور وضو کی تعلیم دی حضرت جبریل وضو کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو وضو کرنے ہوئے دیکھتے رہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح وضو کیا پھر جبریل علیہ السلام نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ (الروض الانف ج ۱ ص ۱۶۳ مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ملتان)

اس طرح پہلی وحی کے ساتھ نماز کی ابتدا ہو گئی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ شب معراج سے پہلے صرف رات کی ایک نماز فرض تھی اور اس میں وقت کی کوئی تحدید نہیں تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الْمَرْءُ قُلْ ۖ فِي الْبَيْتِ إِلَّا قَلِيلًا ۚ تَصَفَّهٗ أَوْ
انْقَضَ مِنْهُ قَلِيلًا ۚ أَوْ يَنْدُ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ يَلِ الْفُقَرَاءَ تَزَيَّيْلًا ۚ
(الزلزلہ: ۱۴)

اے چادر لپٹنے والے! رات کو نماز میں قیام کریں مگر
تھوڑی رات O آدمی رات یا اس سے کچھ کم کر دیں O یا اس پر
کچھ بڑھادیں اور (حسب عادت) ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھیں O

علامہ حربی نے کہا ہے کہ پہلے دو نمازیں فرض تھیں دو رکعت صبح (طلوع آفتاب سے پہلے) کی نماز فرض تھی اور دو رکعت شام (غروب آفتاب سے پہلے) کی نماز فرض تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَسَبِّحْ بِالنَّعِشِيِّ وَبِالنَّجَارِ ۚ (آل عمران: ۴۱)
اور امام شافعی نے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ پہلے پوری رات کی نماز فرض تھی پھر حسب ذیل آیت سے پوری رات کا قیام منسوخ ہو گیا اور رات کے بعض حصہ کا قیام فرض ہو گیا:

عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْ تَحْصُوهُ فَتَأْتِيَكُمْ فَتَاقِدًا ۚ وَامَّا
تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ (الزلزلہ: ۱۰)

اللہ کو علم ہے (اے مسلمانو!) تم پوری رات کا ہرگز احاطہ
نہ کر سکو گے تو وہ رحمت سے تم پر متوجہ ہوا سو اس میں سے جتنا
آسان ہو پڑھ لیا کرو۔

اور جب شب اسراء کو پانچ نمازیں فرض ہوئیں تو رات کے حصہ کے قیام کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۴۶۵ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۰۱ھ)

علامہ سیلی لکھتے ہیں:

معراج ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے ہوئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پہلے نماز دو دو رکعت فرض ہوئی تھی پھر فرمیں یہ تعداد برقرار رہی اور حضرت میں رکعات کی تعداد بڑھادی گئی ہجرت کے ایک سال بعد یہ تعداد بڑھائی گئی تھی۔

(الروض الانف ج ۱ ص ۱۶۳-۱۶۲ مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ملتان)

عبادات میں نماز کی جامعیت

نماز اسلام کی تمام عبادات کی جامع ہے نماز میں توحید و رسالت کی گواہی ہے راہ خدا میں مال خرچ کرنا ہے قبلہ کی طرف منہ کرنا ہے دوران نماز کھانے پینے کو ترک کرنا اور نفسانی خواہشوں سے باز رہنا ہے اور ان امور میں زکوٰۃ حج اور روزہ

کی طرف اشارہ ہے قرآن کریم کی تلاوت ہے اللہ تعالیٰ کی حمد و سبج اور اس کی تعظیم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برصوۃ و سلام اور آپ کی تکریم ہے آخر میں سلام کے ذریعہ مسلمانوں کی خیر خواہی ہے اپنے اور دوسرے مسلمانوں کے لیے دعا ہے اخلاص ہے خوف خدا ہے تمام برے کاموں سے بچنا ہے شیطان سے نفس کی خواہشوں سے اور اپنے بدن سے جہاد ہے ایمان کا ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان ہے اپنے گناہوں کا اعتراف اور استغفار ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے مراقبہ ہے مجاہدہ ہے مشاہدہ ہے اور مومن کی معراج ہے۔

قرآن کریم میں نوے سے زیادہ مرتبہ نماز کا ذکر کیا گیا ہے اسلام میں سب سے پہلی عبادت نماز ہے یہ صرف نماز کی خصوصیت ہے کہ وہ امیر و غریب، بوڑھے اور جوان، مرد اور عورت، صحت مند اور بیمار ہر ایک پر یکساں فرض ہے یہی وہ عبادت ہے جو کسی حال میں ساقط نہیں ہوتی اگر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھو اگر بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھو اگر قیام نہیں کر سکتے تو چلتے ہوئے پڑھو حالت جنگ یا سفر میں اگر سواری سے ار نہیں سکتے تو سواری پر پڑھو بہر حال نماز کسی حال میں مسلمان سے ساقط نہیں ہوتی۔

قرآن مجید اور احادیث میں نماز پڑھنے کی تاکید

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ اور نماز قائم رکھو اور تم مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ ۝

(الروم: ۳۱)

مَا سَأَلَكُمْ فِي سَفَرٍ ۝ كَالَّذِينَ نَزَّلْنَا مِنْ الْمُصَلِّينَ (جنتی بھرموں سے سوال کریں گے: تم کو اس چیز نے

دوزخ میں داخل کر دیا ۝ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں

میں سے نہ تھے ۝

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص اور اس کے کفر اور شرک کے درمیان (فرق) نماز کو ترک کرنا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

یعنی نماز کو ترک کرنا کافروں اور مشرکوں کا کام ہے۔

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ سے قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اگر وہ مکمل ہوئی تو مکمل لکھی جائے گی اور اگر اس میں کچھ کمی ہوئی تو کہا جائے گا: دیکھو کیا اس کی کچھ نقلی نمازیں ہیں جن سے اس کے فرض کی کمی کو پورا کر دیا جائے پھر باقی اعمال کا اسی طرح حساب لیا جائے گا۔

(سنن نسائی ج ۱ ص ۸۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دین میں نماز نہ ہو اس

میں کوئی خیر نہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام ابو داؤد روايت کرتے ہیں۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات سال کی عمر میں اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو اور دس سال کی عمر میں ان کو مار مار کر اس سے نماز پڑھو اور ان کے بسزائے الگ کر دو۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۱۷۷ مطبوعہ مطبع کتابی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۷، ۱۸۰، ۱۸۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس مرض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس میں آپ بار بار فرماتے تھے: نماز اور غلام۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۱۷ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام محمد بن سعد روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نزع روح کے وقت جب اپنی جان کی سخاوت فرما رہے تھے تو آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے: نماز اور غلام۔ (المطبوعات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۵۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

ابو عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا انہوں نے ایک خشک شاخ پکڑ کر اس کو ہلایا حتیٰ کہ اس کے پتے گرنے لگے پھر انہوں نے کہا: اے ابو عثمان! کیا تم مجھ سے سوال نہیں کرو گے کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے کہا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا تھا میں آپ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا آپ نے ایک خشک شاخ کو پکڑ کر اسے ہلایا حتیٰ کہ اس کے پتے جھڑنے لگے آپ نے فرمایا: اے سلمان! کیا تم مجھ سے سوال نہیں کرو گے کہ میں نے ایسا کیوں کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا: جب مسلمان اچھی طرح وضو کرتا ہے اور پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے گر رہے ہیں پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ كُلَّهَا تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَإِنْ أَحْسَنْتَ يُنْذِرِ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلَّذِينَ يَرْتَدُّونَ (حور: ۱۳)

اور دن کے دنوں کناروں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز کو قائم رکھو بے شک نیکیاں برائیوں کو متا دیتی ہیں یہ ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۹، ۲۳۸، ۲۳۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

اس حدیث کو امام دارمی، اور امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے:

حافظ ابوشامہ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور امام طبرانی نے اس حدیث کو ”مجموع اوسط“ اور ”مجموع کبیر“ میں روایت کیا ہے امام احمد کی سند میں ایک راوی علی بن زید ہے اس کی روایت سے استدلال میں اختلاف ہے اور اس کی سند کے بقیہ راوی صحیح ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۹۸ مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۳۰۲ھ)

۱۔ امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ سنن دارمی ج ۱ ص ۱۳۸ مطبوعہ نشر النسخة لبنان

۲۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ ”مجموع کبیر“ ج ۶ ص ۲۵۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

ابو داؤد بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب بندہ نماز پڑھنا ہے تو اس کے سر کے اوپر اس کے گناہ جمع ہو جاتے ہیں اور جب وہ بندہ لڑتا ہے تو گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں اس حدیث کو امام ابن زنجویہ نے روایت کیا ہے (جامع احادیث، تاجیر ج ۱۹ ص ۵۱۸، ۵۱۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ) امام ابن عساکر حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص وضو کرے اور نین پر اپنے ہاتھوں کو دھوئے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں کے ہر گناہ کو مٹا دیتا ہے اور جو کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے تو اللہ تعالیٰ اس کی زبان اور ہونٹوں کے ہر گناہ کو مٹا دیتا ہے اور جو اچھی طرح وضو کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھے وہ گناہوں سے اس طرح صاف ہو جاتا ہے جس طرح اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو راوی نے پوچھا: آپ نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے؟ فرمایا: ایک دو تین چار پانچ چھ بار نہیں بے شمار مرتبہ سنا ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۳۰، مطبوعہ دار الفکر دمشق ۱۴۰۳ھ)

تارک نماز کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

جو شخص نماز کی فرضیت کا انکار نہ کرتا ہو لیکن نماز کا تارک ہو اور کہنے کے باوجود بھی نماز نہ پڑھتا ہو اس کے متعلق امام احمد اسحاق اور ابن المبارک نے یہ کہا ہے کہ وہ کافر ہو گیا اور اس کو قتل کرنا واجب ہے اور امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس شخص کو حد اقل کر دیا جائے اور امام ابو حنیفہ اور اہل طہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کو قید کیا جائے اور اس پر تعزیر لگائی جائے حتیٰ کہ وہ نماز پڑھنے لگے۔

اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں احادیث مختلف ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کو تین وجوہ کے سوا اور کسی وجہ سے قتل کرنا جائز نہیں ہے ایمان کے بعد کفر کرے یا شادی شدہ شخص زنا کرے یا کسی شخص کو بغیر بدلہ کے قتل کرے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم) یہ حدیث امام ابو حنیفہ کی دلیل ہے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور ان کے درمیان (مسلمی کا) عہد نماز ہے سو جس شخص نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا (ترمذی و نسائی) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ اور کفر اور شرک کے درمیان (فرق) نماز کا ترک کرنا ہے۔ (صحیح مسلم)

یہ حدیثیں امام احمد اسحاق اور ابن المبارک کی دلیل ہیں جو تارک نماز کو کافر قرار دیتے ہیں اور اس کے کفر کی وجہ سے اس کے قتل کو واجب قرار دیتے ہیں اور امام ابو حنیفہ اس حدیث کو تغلیظ اور زجر و توخ پر محمول کرتے ہیں اور یہ تاویل کرتے ہیں کہ نماز کو ترک کرنا کافروں کا فعل ہے اور یہ صورت کفر ہے حقیقتہً کفر نہیں ہے اور امام مالک اور امام شافعی جو تارک نماز کے حد اقل قتل کرنے کو واجب کہتے ہیں ان کا قول ضعیف ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں ہے البتہ ایک ضعیف قیاس ہے کہ سب سے بڑا حکم نماز کا ہے اور سب سے بڑی نہی قتل ہے اور امام احمد وغیرہ جو تارک صلوٰۃ کو کافر کہتے ہیں یہ قول خارجیوں کے مذہب کے مشابہ ہے جو گناہوں کی وجہ سے مومن کی تکفیر کرتے ہیں۔ (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۶۶-۶۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تارک نماز کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں:

اگر کسی شخص نے نماز کی فرضت کا انکار کیے بغیر کسی سے نماز کو ترک کیا تو اس کو نماز پڑھنے کی دعوت دی جائے اگر وہ نماز کا وقت تنگ ہوئے تک نہ پڑھے تو اس کو قتل کرنا واجب ہے یہی مذہب ہے اور ای پر جوہر اسی کا عمل ہے ابو حنیفہ سے شغلانے کہا اگر اس نے ایک نماز نہیں پڑھی حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت بھی نکل گیا تو اس کو قتل کرنا واجب ہے بدوین سے ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ تین نمازیں ترک کرے اور چوتھی کا وقت تنگ ہو جائے تو اس کو قتل کرنا واجب ہے اور ایک روایت میں تین دن کی نمازوں کا ذکر ہے۔ (الانصاف ج ۱ ص ۳۰۱ ملاحظہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

نماز پڑھنے کی دعوت امام یا اس کے نائب کی طرف سے دی جائے گی اگر دعوت سے پہلے اس نے کثیر نمازیں بھی ترک کی ہوں تو اس کو قتل کرنا واجب نہیں ہے اس کی تو بہ نماز پڑھنا ہے

(الانصاف ج ۱ ص ۳۰۲ ملاحظہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

آیا اس کو قتل حد کیا جائے گا یا کفر؟ اس میں دو روایتیں ہیں ایک روایت یہ ہے کہ اس کو کفر کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور یہی مذہب ہے اور اکثر فقہاء کا مختار ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس کو حد قتل کیا جائے گا اور یہ بعض فقہاء کا مختار ہے اور مذہب حنبلیہ کے مطابق اس کا حکم کفار کا حکم ہے اس کو غسل دیا جائے گا نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی نہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا وہ کسی کا وارث ہوگا نہ اس کا کوئی وارث ہوگا اور وہ مرتد کی مثل ہے

(الانصاف ج ۱ ص ۳۰۵-۳۰۴ ملاحظہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

نماز کے علاوہ اور کسی عبادت کو سستی سے ترک کیا تو یہ کفر نہیں ہے۔

(الانصاف ج ۱ ص ۳۰۳ ملاحظہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

فقہاء حنبلیہ کا تارک نماز کو کافر قرار دینا صحیح نہیں ہے اور یہ مذہب خارجیوں کے مذہب کے مشابہ ہے ایمان کی بحث میں ہم خارجیوں کے مذہب کا رد کر چکے ہیں۔

تارک نماز کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں:

جس شخص نے نماز کی فرضیت کا انکار کیا وہ مرتد ہے اور اس پر مرتدین کے احکام جاری ہوں گے۔ جس شخص نے کسی عذر کی وجہ سے نماز کو ترک کیا مثلاً نیند یا نسیان کی وجہ سے تو اس پر فقط قصا ہے اور اس کے لیے وقت میں وسعت ہے۔ جس شخص نے بغیر کسی عذر کے سستی کی وجہ سے نماز کو ترک کیا تو صحیح قوں یہ ہے کہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور شاذ قول یہ ہے کہ وہ منکر نماز کی طرح مرتد ہے۔

صحیح قول کی بناء پر نماز کے تارک کو حد قتل کیا جائے گا اس کو کب قتل کیا جائے؟ صحیح قول یہ ہے کہ جب وہ ایک نماز کو ترک کر دے اور اس کا وقت تنگ ہو جائے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا دوسرا قول یہ ہے کہ جب دوسری نماز کا وقت تنگ ہو جائے تیسرا قول یہ ہے کہ جب چوتھی نماز کا وقت تنگ ہو جائے چوتھا قول یہ ہے کہ جب وہ چار نمازیں ترک کر دے پانچواں قول یہ ہے کہ جب وہ سستی کی وجہ سے نمازیں ترک کرنے کا عادی ہو جائے لیکن مذہب پہلا قول ہے۔

صحیح یہ ہے کہ اس کو مرتد کی طرح تلوار سے قتل کیا جائے گا۔

(روضۃ الطالبین ج ۱ ص ۶۶۸-۶۶۹ ملخصاً مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

جب تارک نماز کو قتل کیا جائے تو اس کو غسل دیا جائے گا کفن پہنایا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا اور مسلمانوں کی طرح اس کی قبر بنائی جائے گی جیسا کہ باقی مرتکبین کبیرہ کے لیے کیا جاتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو نہ غسل دیا جائے گا نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی نہ اس کو کفن پہنایا جائے گا اور اس کی قبر مٹا دی جائے گی۔ (روضۃ الطالبین ج ۱ ص ۶۳۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی نے بھی تارک نماز کے متعلق یہی تفصیل لکھی ہے

(نہایت المحتاج ج ۲ ص ۳۲۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

نیز علامہ نووی لکھتے ہیں:

تارک نماز کو حد قتل کرنے کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوا حُكْمَهُمْ
وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ لَّئِنْ تَابُوا وَآدَّوْا قُلُوبَهُمْ
الصَّلَاةَ وَآتَوْا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ (۵: ۸۴)

تم مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو ان کو گرفتار کرو اور ان کا محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو سوا اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے لوگوں سے قتل (جنگ) کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ مالہ اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیں نماز قائم کریں زکوٰۃ ادا کریں جب وہ ایسا کریں گے تو مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیں گے۔ (صحیح بخاری و مسلم) اور حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے نمازیوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ (سنن ابوداؤد)

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص نماز قائم نہ کرے اس کو قتل کرنے کا حکم ہے اور پہلی حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ جو نماز نہ پڑھے اس سے قتل کرنے کا حکم ہے اور دوسری حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ جو تارک نماز ہو اس کو قتل کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔

(شرح المہذب ج ۱ ص ۷۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فقہاء شافعیہ کے دلائل کے جوابات

اس آیت سے علامہ نووی نے جو استدلال کیا ہے فقہاء احناف نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں پہلا جواب یہ ہے کہ ان کا استدلال مفہوم مخالف سے ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک مفہوم مخالف سے استدلال صحیح نہیں ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اگر وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر وہ نماز نہ پڑھیں تو ان کا راستہ نہ چھوڑ دو اور راستہ نہ چھوڑنے کو قتل کرنا لازم نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو گرفتار کر کے ان کو قید کیا جائے یا مارا پیٹا جائے تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر راستہ نہ چھوڑنا کا مطلب قتل کرنا ہو تو پھر تارک نماز کی طرح تارک زکوٰۃ کو بھی حد قتل کرنا واجب ہونا چاہیے کیونکہ اس آیت میں دونوں کا ذکر ہے حالانکہ امام شافعی تارک زکوٰۃ کو قتل کرنے کے قائل نہیں ہیں چوتھا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے مسلمان تارک نماز کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا اور بحث اسی میں ہے۔

علامہ نووی نے "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کے حوالے سے جو حدیث ذکر کی ہے اس میں بھی مفہوم مخالف سے

استدلال ہے علاوہ ازیں اس میں تارک نماز سے قتال اور جنگ کرنے کا حکم دیا ہے اس کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا اور تیسرے جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں نماز اور زکوٰۃ دونوں کا ذکر ہے اس لیے شافعیہ کا تارک نماز اور تارک زکوٰۃ میں فرق کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔

علامہ نووی نے ”سنن ابوداؤد“ کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس میں بھی مفہوم مخالف ہے استدلال ہے علاوہ ازیں اس حدیث کے متعلق علامہ نووی نے خود لکھا ہے ”یہ حدیث ضعیف ہے اس میں ایک مجہول راوی ہے۔“

(شرح المہذب ج ۱ ص ۱۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تارک نماز کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ خطاب مالکی لکھتے ہیں:

جس شخص نے کئی نمازیں عدا ترک کیں حتیٰ کہ ان کا وقت نفل گیا اگر وہ ان کے متعلق سوال کرے تو اس سے کہا جائے گا کہ وہ استغفار کرے اور جس شخص کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ وہ سستی اور لاپرواہی کی وجہ سے نمازوں کو ترک کرتا ہے اسے نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے گا اور اگر اس نے نماز نہیں پڑھی تو اس کو دھمکایا جائے گا اور مارا پیٹا جائے گا اگر اس کے بعد بھی اس نے نماز نہیں پڑھی تو اس کو حد ا قتل کر دیا جائے گا نہ کہ کفر آپ شریک کہ وہ نماز کی فرضیت کا اقرار کرتا ہو اور منکر نہ ہو ابن التمسانی نے اپنی شرح میں ابن العربی سے نقل کیا ہے کہ روزہ بھی نماز کی طرح ہے اس کے تارک کو بھی قتل کیا جائے گا ”ذخیرہ“ میں لکھا ہے کہ امام مالک کے نزدیک روزہ اور نماز کا تارک قتل کیا جائے گا اور امام شافعی اور عراقیین کے نزدیک تارک زکوٰۃ کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ زکوٰۃ جبرانی جاسکتی ہے۔ (مواب الجلیل ج ۱ ص ۳۲۱-۳۲۰ مکتبہ انجاء بیروت)

علامہ خرقی مالکی لکھتے ہیں:

اگرچہ تارک نماز یہ کہے کہ میں نماز پڑھوں گا اور بدستور ترک کرتا رہے اور نماز شروع نہ کرے پھر بھی اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ مذہب کے نزدیک قولاً اور فعلاً امتناع اور صرف فعلاً امتناع میں کوئی فرق نہیں ہے اس کو نماز کے ترک کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور نماز کا ترک محقق ہے۔ (انقرضی علی مختصر طلیس ج ۱ ص ۲۲۷ مطبوعہ دار صادر بیروت)

علامہ درودیر مالکی لکھتے ہیں:

تارک نماز کو تلوار سے حد ا قتل کیا جائے گا اس کی نماز جنازہ کوئی فاضل عالم نہیں پڑھائے گا اور اس کی قبر قائم رکھی جائے گی اس کو ہموار نہیں کیا جائے گا۔ (الشرح الکبیر علی حاشیۃ السوئی ج ۱ ص ۱۹۱-۱۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فقہاء مالکیہ کا جواب بھی وہی دلائل ہیں جن کو ہم نے فقہاء شافعیہ کے رد میں ذکر کیا ہے کیونکہ مالکیہ اور شافعیہ دونوں اس کے قائل ہیں کہ تارک نماز کو حد ا قتل کر دیا جائے گا اور بقول قاضی ابن رشد مالکی اس نظریہ پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

تارک نماز کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ محمد بن علی بن محمد ہسکفی حنفی لکھتے ہیں:

جو شخص نماز کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہے اور جو شخص نماز کو عدا سستی سے ترک کرے وہ فاسق ہے اس کو قید کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ نماز پڑھنے لگے کیونکہ بندہ کو بندوں کے حق کے بدلہ میں قید کیا جاتا ہے تو اللہ کے حق کے بدلہ میں بندہ کو قید کرنے کا زیادہ حق ہے ایک قول یہ ہے کہ اس کو اس حد تک مارا جائے کہ اس کا خون بہنے لگے۔

(الدر المختار علی رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۷ھ)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

امام محبوبی نے کہا ہے کہ تارک نماز کو مارا جائے اور ”عبد“ میں لکھا ہے کہ یہی مذہب ہے اور کہا: ”شمول زہری ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ تارک نماز کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پر تعزیر لگائی جائے گی اور اس کو قید میں رکھا جائے گا حتیٰ کہ وہ مرجائے یا توبہ کرے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

فقہاء احناف کے موقف پر دلیل

فقہاء احناف تارک نماز کو قاتل کہتے ہیں اور اس کو حدایا کفر اُتس کرنے کے قاتل نہیں ہیں ان کے موقف پر یہ حدیث صراحۃً دلالت کرتی ہے امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں جس نے اچھی طرح ان کا وضو کیا اور ان نمازوں کو بن کے وقت میں پڑھا اور ان کے رکوع اور خشوع کو مکمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے (اپنے کرم سے) اس کو بخشے گا ذمہ لیا ہے اور جس نے ایسا نہیں کیا تو اس کا اللہ تعالیٰ پر کوئی ذمہ نہیں اگر وہ چاہے تو اس کو بخش دے اور چاہے تو اس کو عذاب دے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۶۱ مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۲-۲۱۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۸ھ)

اس حدیث کو حافظ سیوطی نے امام ابوداؤد اور امام بیہقی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

(الجامع لاحادیث الکبیر ج ۳ ص ۲۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ نووی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: اس حدیث کو امام ابوداؤد اور دیگر ائمہ حدیث نے اسانید صحیحہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (شرح المہذب ج ۱ ص ۷۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں (البقرہ: ۲۷۰) اس آیت میں متقین کی تیسری صفت بیان کی گئی ہے۔

رزق کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

رزق کا معنی ہے: عطا خواہ دنیاوی عطا ہو یا اخروی اور رزق کا معنی نصیب ہے جو غذا پیٹ میں جائے اس کو بھی رزق کہتے ہیں علم دینے کو بھی رزق کہتے ہیں۔ (المفردات ص ۱۹۳ مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

رزق کا اصطلاحی معنی

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

رزق وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ جائدار تک پہنچائے اور وہ اس کو کھائے اور پیئے خواہ وہ حلال ہو یا حرام۔

(شرح عقائد ص ۷۴ مطبوعہ مکتبہ علی تاجران کتب کراچی ۳۸)

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں:

رزق وہ ہے جس کو اللہ جائدار تک پہنچائے وہ اس کو کھائے اور رزق حلال اور حرام دونوں کو شامل ہے اور معتزلہ کے نزدیک رزق اس چیز کو کہتے ہیں جو بندہ کی ملکیت میں ہو اور وہ اس کو کھائے اس وجہ سے حرام رزق نہیں ہے کیونکہ وہ اس کی ملکیت میں نہیں ہوتا۔ (الترغیبات ص ۳۹-۳۸ مطبوعہ المطبعة الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

حرام کے رزق نہ ہونے پر معتزلہ کے دلائل

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف رزق کی اضافت کی ہے اس آیت میں فرمایا ہے: اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا ہے وہ خرچ کرتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ○

بے شک اللہ ہی بڑا رزاق اور بڑی زبردست قوت والا

(الذاریات: ۵۸) ہے ○

اگر حرام بھی رزق ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بندوں تک حرام چیزوں کا پہنچنے والے اور یہ قبیح کام ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے نیز اگر اللہ تعالیٰ نے بندوں تک حرام چیز پہنچائی اور بندوں نے اس کو کھایا تو پھر بندوں سے مواخذہ کرنا کس طرح صحیح ہوگا! اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رزق میں سے خرچ کرنے پر بندوں کی مدح فرمائی ہے اگر حرام بھی رزق ہو تو حرام کو راہ خدا میں خرچ کرنا کب لائق تعریف ہوگا! اور کفار نے جب بعض رزق کو حرام کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی اور فرمایا:

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِمَّنْ حَرَامًا مَآذٍ حَلَّالًا (یونس: ۵۹)

آپ کہیے کہ تم بتاؤ تو سہی اللہ نے تمہارے لیے جو رزق اتارا تو تم نے اس میں سے کچھ حرام کر لیا اور کچھ حلال!

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رزق کا حرام کو شامل ہونا صحیح نہیں ہے اس لیے رزق کی صحیح تعریف یہ ہے: کسی چیز سے نفع حاصل کرنے کے لیے اس کو جاندار تک پہنچانا اور دوسرے کو اس سے نفع اٹھانے سے روکنا، یعنی جس کو جو رزق دیا جائے اس سے نفع اٹھانا اسی کے ساتھ خاص ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ اس چیز کا مالک ہو اور اب حرام چیز رزق نہیں ہوگی، کیونکہ حرام چیز کا انسان مالک نہیں ہوتا۔

معتزلہ کے دلائل کے جوابات

اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام قبیح نہیں ہے ہر چند کہ رزق حلال اور حرام دونوں کو شامل ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ کا رزاق ہونا اور اس کی طرف رزق کی نسبت میں کوئی حرج نہیں ہے دیکھئے اللہ تعالیٰ خیر اور شر دونوں کا خالق ہے اور یہ معتزلہ کو بھی تسلیم ہے تو کیا اللہ کو خالق کہنے میں کوئی حرج ہے البتہ خصوصیت کے ساتھ شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا جائز نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے یا وہ عرش اور کرسی کا خالق ہے البتہ خصوصاً یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ کتوں اور خنزیر کا خالق ہے یا شیاطین کا خالق ہے۔ اسی طرح خصوصیت سے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ حرام چیزوں کا رزاق ہے۔

معتزلہ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر رزق حرام کو شامل ہو تو پھر مال حرام کھانے پر بندوں سے مواخذہ کیوں ہوگا؟ اس کا جواب واضح ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مال حرام کھانے سے بندوں کو منع کیا ہے اس لیے اس حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے بندوں سے مواخذہ ہوگا۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں رزق میں سے خرچ کرنے پر اللہ تعالیٰ نے متقین کی تعریف فرمائی ہے اگر رزق حرام کو بھی شامل ہے تو یہ کیسے لائق تعریف ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ متقین اللہ کے رزق میں سے خالص حلال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور یہی وصف قابل تعریف ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ ○ اے ایمان والو! اللہ کی راہ میں اپنی حلال اور پاک کمائی

(البقرہ: ۲۶۷) سے خرچ کرو۔

رہا یہ سوال کہ اس آیت میں رزق سے رزق حلال مراد لینے پر کیا دلیل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متقین کی مدح فرمائی ہے اور مدح اسی وقت ہوگی جب وہ رزق حلال کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے۔ چوتھا اعتراض یہ ہے کہ مشرکین نے بعض رزق کو حرام کر لیا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی مذمت اس وجہ سے کی ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا اس کو انہوں نے از خود حرام کر لیا جیسے انہوں نے بحیرہ سائبہ وغیرہ کو از خود حرام کر لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَيْعَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيَّةٍ
وَلَا حَاقِمٍ. (المائدہ: ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ نے (جانوروں میں سے) کسی کو بحیرہ بنایا ہے نہ سائبہ نہ وصیلہ اور نہ حام۔

حرام کے رزق ہونے پر اہل سنت کے دلائل

اہل سنت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے رزق کو از راہ کرم اپنے ذمہ لیا ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا. اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمہ (ہود: ۶) (کرم) پر ہے۔

فرض کیجئے ایک شخص نے ساری عمر حرام کھایا ہے اب اگر حرام کو رزق میں شامل نہ کیا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو رزق نہیں دیا اور یہ اس آیت کے خلاف ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام پر بھی رزق کا اطلاق فرمایا ہے امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے کہ عمرو بن مرہ آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! اللہ نے میری تقدیر میں شقاوت لکھ دی ہے اور میرا خیال ہے کہ میرے پاس سوائے اپنے ہاتھ میں دف (ڈھول) بجانے کے کماٹی کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے آپ مجھے اس قسم کے گانے کی اجازت دیں جس میں بے حیائی کے کلمات نہ ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تجھے اجازت نہیں دوں گا اور نہ تجھے عزت دے کر تیری آنکھیں ٹھنڈی کروں گا اے خدا کے دشمن! اللہ نے تجھے پاک اور حلال رزق دیا اور تو نے اللہ کے حلال کئے ہوئے رزق کے بدلہ میں اللہ کے رزق میں سے حرام کو اختیار کر لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے عمرو بن مرہ سے فرمایا:

اگر میں تجھے پہلے منع کر چکا ہوتا (اور تو اس کے بعد اجازت طلب کرتا) تو میں تجھے سزا دیتا میرے پاس سے اٹھ جا اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کر اور اگر تو نے اس کے بعد گایا بجایا تو میں تجھے سخت دردناک سزا دوں گا اور تیرا سرموٹ دوں گا اور تجھ کو مثلہ (ناک کان یا دیگر اعضا کاٹنا) کروں گا اور تجھے تیرے گھر سے نکال دوں گا اور تیرے مال اسباب کو مدینہ کے جوانوں کے لوٹنے کے لیے مباح کر دوں گا یہ سن کر عمرو وہاں سے اس قدر ذلت اور رسوائی کے ساتھ اٹھا جسے اللہ ہی جانتا ہے جب وہ بیٹھ

۱۔ جس جانور کا دودھ بتوں کے نام کر دیا جائے اور کوئی اس کو استعمال نہ کرے وہ بحیرہ ہے جو جانور بتوں کے نام پر ہمارے زمانہ کے سانڈ کی طرح چھوڑ دیا جائے وہ سائبہ ہے جو اونٹنی سلسل مادہ بچے جنے اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا اس کو وصیلہ کہتے تھے جو ز اونٹ ایک خاص عدد سے جفتی کر چکا ہو اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا اس کو حام کہتے تھے مشرکین نے ان چاروں جانوروں کے استعمال کو لوگوں پر حرام کر دیا تھا۔

پھیر کر چلا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی ادب نافرمان ہیں ان میں سے جو شخص بغیر توبہ کے مر گیا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اسی طرح ننگا اور محنت اٹھائے گا جس طرح دنیا میں وہ لوگوں سے اپنا ستر نہیں چھپاتا تھا جب بھی کھڑا ہوگا تو مدہوش ہو کر گر پڑے گا۔ (نس ابن مارس ۸۷ مطبوعہ دارالحدیث بیروت کتب کراچی)

اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے ہر بات کا مقام ہے جو ساروں کے ساتھ گانے میں مشغول رہتے ہیں۔
آیا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بالخصوص زکوٰۃ مراد ہے یا عام خرچ کرنا؟

اس آیت میں جو فرمایا ہے اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں یہاں پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کیا مراد ہے؟ امام ابن جریر روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے امول کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنا مراد ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۸۱ مطبوعہ دارالحدیث بیروت ۱۴۰۹ھ)
 اولیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس قدر ظاہری اور باطنی نعمتیں دی ہیں ان سب کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا مراد لیا جائے سو متفقین وہ ہیں جو ضرورت مندوں پر مال خرچ کرتے ہیں اہل و عیال قربات داروں اور عام لوگوں کی مدد کرتے ہیں زبان کو خدا کی راہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ خرچ کرتے ہیں ہاتھ پیروں کی طاقت سے کمزوروں کے کام آتے ہیں خدا کی دی ہوئی عقل سے کم عقلوں کو مشورے دیتے ہیں تقویٰ اور پرہیزگاری کے اثر سے ان کو جو روحانیت حاصل ہے اس سے لوگوں کا تزکیہ کرتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے جو علم دیا ہے اسے دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔

علامہ خفاجی لکھتے ہیں کہ حافظ ابن عساکر نے اپنی "تاریخ" میں اور امام طبرانی نے "معجم اوسط" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت کیا ہے کہ جس علم کو حاصل کرنے کے بعد اس کو بیان نہ کیا جائے وہ اس خزانے کی طرح ہے جس کو خرچ نہ کیا جائے۔ (عیان القاضی ج ۱ ص ۲۳۱ مطبوعہ دارالحدیث بیروت ۱۲۸۳ھ)

راہ خدا میں کل مال خرچ کرنے کی شرعی حیثیت

اس آیت میں "من" تبخیفیہ ہے یعنی کل مال سے اللہ کی راہ میں بعض مال کو خرچ کرنا مراد ہے کیونکہ جو شخص تنگی اور فقر پر صبر نہ کر سکے اس کے لیے کل مال کو صدقہ کرنا جائز نہیں ہے اور جو شخص مال نہ ہونے پر صبر کر سکتا ہو اس کے لیے کل مال کا صدقہ کرنا جائز ہے جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا کل اثاثہ لاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا کیونکہ آپ کو ان کے صبر کا علم تھا اور ان کے دل میں جو ایمان اور توکل علی اللہ کی قوت تھی آپ اس پر مطلع تھے حسن بن ہبل سے کہا گیا: اسراف میں کوئی خیر نہیں ہے تو انہوں نے کہا: خیر میں کوئی اسراف نہیں ہے یعنی خدا کی راہ میں اگر سب کچھ دے دیا جائے تو اسراف نہیں ہے لیکن یہ مرتبہ اور مقام کے اعتبار سے ہے امام رازی لکھتے ہیں:

شقیق بن ابراہیم بنی بھیس بدل کر عبد اللہ بن مبارک کے پاس گئے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: بخ نے پوچھا: کیا تم شقیق کو جانتے ہو؟ کہا: ہاں پوچھا: ان کے اصحاب کا کیا طریقہ ہے؟ کہا: جب انہیں کچھ نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں اور مل جاتا ہے تو شکر کرتے ہیں عبد اللہ بن مبارک نے کہا: یہ تو ہمارے ہاں کتوں کا طریقہ ہے شقیق نے پوچھا: پھر کالمین کا کیا طریقہ ہونا چاہیے؟ عبد اللہ بن مبارک نے کہا: کالمین وہ ہیں جنہیں کچھ نہ ملے تو شکر ادا کرتے ہیں اور مل جائے تو دوسروں کو دے دیتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۹۹ مطبوعہ دارالافتاء بیروت ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ لوگ اس (کلام) پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور یہی لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں (البقرہ: ۴)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں متقین کی چوتھی صفت کا بیان ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا عطف متقین پر ہو یعنی یہ کتاب ان کے لیے ہدایت ہے جنہوں نے اپنے آپ کو شرک سے بچا اور ان کے لیے بھی ہدایت ہے جو اہل کتاب سے ایمان لائے۔

”انزال“ کا معنی اور اس کی کیفیت

”انزال“ کے معنی ہیں: کسی چیز کو اوپر کی طرف سے نیچے کی طرف منتقل کرنا۔ ”انزال“ ایمان کا ہونا ہے اور یہاں وحی کا ”انزال“ مراد ہے جو از قبیل معنی ہے اور معانی کا ”انزال“ ان ذوات کے واسطے سے ہوتا ہے جن ذوات کے ساتھ وہ معانی قائم ہوتے ہیں وحی چونکہ اللہ کی جانب سے مخلوق کی طرف آتی ہے جو جانب علویں ہے اس لیے اس کو ”انزال“ کہا گیا ہے اللہ کا کلام اس کے رسولوں پر نازل ہوتا ہے اور اس کی صفت یہ ہے کہ یہ تو حضرت جبرائیل اللہ تعالیٰ سے اپنی نورانیت اور تجرد سے قریب ہوتے ہیں اور اللہ کا کلام حاصل کرتے ہیں اور یا اوح محفوظ سے اس کلام کو حاصل کرتے ہیں اور پھر اس کلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں۔

”ما انزل الیک وما انزل من قبلک“ کی تفصیل

”ما انزل الیک“ سے مراد وہ وحی ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآن کریم اور وہ وحی بھی مراد ہے جس کی تلاوت نہیں کی جاتی یعنی سنت جیسے نماز کی رکعات کی تعداد اور اس کی ہیئت مخصوصہ زکوٰۃ عشر اور قربانی کی مقدار اور کیفیت روزہ اور حج کے احکام اور جنایات حدود کی تفصیلات یہ تمام امور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ثابت ہیں قرآن مجید میں ہے:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ
اور ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے (انجیل: ۲۳)

غرضیکہ اس سے مراد پوری شریعت پر ایمان لانا ہے۔

”وما انزل من قبلک“ سے تو رات انجیل اور کتب سماویہ مراد ہیں ان کتابوں پر اجمالی ایمان لانا ضروری ہے بایں طور کہ یہ کتابیں اللہ کی طرف نازل کی گئی ہیں اور جو کلام آپ پر نازل کیا گیا ہے اس پر اجمالی ایمان لانا فرض عین ہے اور اس پر تفصیلاً ایمان لانا فرض کفایہ ہے کیونکہ قرآن اور سنت کے ہر ہر جز پر تفصیلاً ایمان لانا اگر ہر شخص پر فرض عین ہو تو لازم آئے گا کہ تمام مسلمان روزگار حیات کی تمام ذمہ داریوں کو ترک کر کے صرف پڑھنے پڑھانے پر لگ جائیں اور اس سے حرج اور فساد معاش لازم آئے گا اس لیے جو کلام آپ پر نازل کیا گیا ہے اس پر تفصیلاً ایمان لانا فرض کفایہ ہے۔

ختم نبوت پر دلیل

اس آیت میں یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ جو وحی آپ نازل ہوئی اس پر ایمان لایا جائے اور جو وحی آپ سے پہلے نازل ہوئی ہے اس پر ایمان لایا جائے اور اگر آپ کے بعد بھی وحی کا نزول ممکن ہوتا تو بعد میں آنے والی وحی پر بھی ایمان لانا ضروری قرار دیا جاتا اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نزول وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور آپ کے اوپر نبوت ختم ہو گئی آپ کے بعد کوئی نبی اور رسول مبعوث نہیں ہو گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے قرب قیامت میں نازل ہونا اس

کے منافی نہیں ہے کیونکہ وہ مبعوث نہیں ہوں گے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی کی حیثیت سے آئیں گے اور ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی اتباع کریں گے اور ہمارے امام کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے اور امام تم میں سے ہوگا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۰، مہلبوہ در محمد ص ۱۱۸، کراچی ۱۳۸۱ھ)
دار آخرت اور یقین کا معنی

دار آخرت سے مراد اعمال کا دارالجزاء ہے اور اس پر ایمان لانا حساب، میزان، صراط، جنت اور نار پر ایمان لانے کو مستلزم ہے بلکہ ہر اس چیز پر ایمان لانے کو مستلزم ہے جس کا ذکر قرآن اور سنت میں وارد ہے۔
یقین اس جازم تصدیق کو کہتے ہیں جس میں کوئی شک اور شبہ نہ ہو اور وہ جزم واقع کے مطابق ہو اور تشکیک مشکک سے رائل نہ ہو سکے اس کی تین قسمیں ہیں: علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین، ہمیں جو اللہ رسول اور آخرت پر یقین ہے وہ علم الیقین ہے، علم الیقین نظر اور استدلال سے حاصل ہوتا ہے، عین الیقین مشاہدہ سے اور حق الیقین تجربہ سے حاصل ہوتا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا علم یقین کے ساتھ متصف نہیں ہوتا، کیونکہ اس کا علم استدلالی نہیں ہے۔

آخرت پر یقین کا اظہار اعمال کے آثار سے ہوتا ہے جو شخص جھوٹی گواہی دیتا ہو شراب پیتا ہو لوگوں کے حقوق پامال کرتا ہو نماز اور روزہ کا تارک ہو اس کے آخرت پر یقین کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہے قرآن مجید میں آخرت اور قیامت پر بہت زور دیا گیا ہے کیونکہ صالحیت اور نیکی کی بنیاد آخرت اور قیامت پر یقین ہے جب انسان کو محاسبہ کا خطرہ نہ ہو تو وہ عیش پرستی کا دلدادہ اور ظلم اور سرکشی پر دلیر ہو جاتا ہے اس لیے قرآن مجید نے انسان کو بار بار یاد دلایا ہے کہ موت کے بعد اس کی دوسری زندگی شروع ہوگی اور اس دارالعمل کے بعد دارالجزاء ہے تاکہ انسان خوف آخرت سے گناہوں سے باز رہے اور نیکیوں کے لیے کوشاں رہے۔

اس آیت میں صبر کے ساتھ فرمایا ہے کہ متقین یا مومنین اہل کتاب ہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں کیونکہ جو اہل کتب غیر مومن ہیں ان کا آخرت پر صحیح ایمان نہیں ہے ان کا زعم ہے کہ جنت میں صرف یہودی یا عیسائی ہی داخل ہوں گے اور ان کا زعم ہے کہ ان کو صرف چند ایام کے لیے دوزخ کا عذاب ہوگا اور ان کا اس میں اختلاف ہے کہ جنت کی نعمتیں دنیا جیسی ہیں اور آیا جنت دائمی ہے یا نہیں لہذا آخرت کے متعلق ان کا اعتقاد صحت سے بہت دور ہے چہ جائیکہ وہ درجہ یقین پر ہو کیونکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یقین اس جزم کو کہتے ہیں جو واقع کے مطابق ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی (کامل متقی) اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں O (بقرہ ۵)
یہ متقین کی پانچوں صفات ہیں۔

اس آیت میں دونوں جگہ "اولئک" سے متقین کی طرف اشارہ کیا ہے جن کی پانچ صفات بیان کی ہیں یعنی جو متقین غیب پر ایمان لاتے ہیں نماز قائم رکھتے ہیں راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں قرآن مجید اور اس سے پہلی کتب سادہ پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ ان کے ہدایت یافتہ ہونے اور فلاح پانے کا سبب یہ مذکورہ اوصاف ہیں اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان مذکورہ اوصاف کا نتیجہ فلاح کامل ہے۔

فلاح کے معنی کسی چیز کو بھانڈنا اور کاٹنا ہے، کسان کو اس لیے فلاح کہتے ہیں کہ وہ ہل چلا کر زمین کو بھانڈتا ہے اور جو شخص محنت اور جدوجہد کرنے کے بعد کسی مطلوب کو حاصل کر لیتا ہے اس کو بھی فلاح کہتے ہیں گویا کہ اس پر غور و فکر کی راہیں کھل گئیں اور بند نہیں ہوئیں۔

مفسر لہ اور خوارج نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ فلاح 'کامل' متقی کے لیے بیان کی گئی اس سے لازم آیا کہ فاسق ہمیشہ جہنم میں رہے گا اس کا جواب یہ ہے کہ کامل فلاح کامل متقی کے لیے ہے اور نفس فلاح فاسق مومن کو بھی حاصل ہوگی کیونکہ وہ بھی مال کا رشتہ میں چلا جائے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنْذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ

بے شک جو لوگ کفر میں راسخ ہو چکے ہیں ان کے حق میں برابر ہے خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں

لَا يُؤْمِنُونَ ۖ خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ ۖ عَلَىٰ

وہ ایمان نہیں لائیں گے ۝ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر

أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

پردہ (پڑا ہوا) ہے اور ان کے لیے بڑا (سخت) عذاب ہے ۝

قرآن مجید میں پہلے مومنین اور متقین کی پانچ صفات بیان کیں اس کے بعد غیر مومنین کی صفات بیان کیں غیر مومنین میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنے کفر کا علی الاعلان اظہار کیا مذکورہ صدر دو آیتیں ان ہی کے متعلق ہیں اور بعض وہ ہیں جنہوں نے علی الاعلان کفر کے اظہار کی جرات نہیں کی انہوں نے بہ ظاہر مسلمانوں سے موافقت کی اور در پردہ کافر رہے ان کو قرآن کی اصطلاح میں منافق کہا گیا ہے اس کے بعد آنے والی تیرہ آیتوں میں منافقین کے احوال بیان کئے گئے ہیں اور ان کی مذمت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے بعد کفار کا بیان اس لیے شروع کیا ہے کہ شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے کیونکہ کفر ایمان کی ضد ہے کفار و انکی معذب ہیں اور مومن عذاب سے نجات پانے والے ہیں۔

کفر کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

لغت میں کفر کا معنی ہے کسی شے کو چھپانا رات کو کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ لوگوں کو چھپا لیتی ہے کسان کو کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ بیع کو زمین میں چھپا دیتا ہے جو شخص نعمت کو چھپائے اور اس کا شکر ادا نہ کرے اس کے فعل کو کفر اور کفران کہتے ہیں سب سے بڑا کفر وحدانیت یا شریعت یا نبوت کا انکار کرنا ہے قرآن مجید میں کفر کا لفظ کفران نعمت اور کفر باللہ دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔

تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور

يَبْلُوكُنِي ؕ أَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۚ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ

جس نے شکر کیا تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے شکر کرتا ہے اور جس

لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ زَيْدٌ عَنِّي كَوْنَهُ ۝ (نمل ۴۰)

نے ناشکری کی تو بے شک میرا رب بے پردہ بزرگی والا ہے ۝

اس آیت میں کفر کا لفظ کفرانِ نیت اور ناشکری کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ (البقرہ ۴۳)

اس آیت میں کفر کفر بالقرآن کے معنی میں ہے جب کافر کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے 'خلاف و دشمنی' ہے جو

وحدانیت یا شریعت یا نبوت یا ان تینوں کا انکار کرے۔ (امفادات ص ۲۳۴ - ۲۳۳ مطبوعہ المکتبۃ العلمیۃ، بیروت، ایران ۱۴۲۲ھ)

دیگر مفردات کے لغوی معانی

"الذار" کا معنی ہے کسی خطرہ سے خبردار کرنا "حتم" کا معنی ہے کسی چیز کو اس طرح چھپا دینا اور ڈھانپ دینا کہ اس میں دوسری چیز کی طرف سے داخل نہ ہو سکے قلوب سے مراد عقول ہیں یعنی ان کی عقول کو اس طرح ڈھانپ دیا ہے کہ اس میں ایمان اور نور داخل نہیں ہو سکتا اس میں استعارہ تصریح ہے اس کے قلوب (عقول) کو اس طرف کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس پر مہر لگا دی گئی ہو "سمع" سے مراد کان ہیں اور "ابصار" کا معنی آنکھیں ہیں جن سے رنگ، شکل اور دیگر مبصرات کا ادراک کیا جاتا ہے "غشاوة" کا معنی ہے پردہ مقصود یہ ہے کہ یہ کفر اللہ کی آیات کو دیکھنے سے باز خود اور دانستہ اندھے بن گئے ہیں عذاب کے معنی ہیں عبرت کسزا عذاب زائل کرنے کو بھی کہتے ہیں اور سزا آرام اور لذت کو زائل کرتی ہے اس لیے اس کو عذاب کہتے ہیں۔

شان نزول

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس کی رائے یہ ہے کہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ میں ایک محلہ بنالیا تھا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور کفر پر مہر لگائے۔ ان کی مذمت میں یہ آیات نازل ہوئیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر حریص تھے کہ سب لوگ ایمان لے آئیں اور ہدایت میں آپ کی اتباع کریں تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر دی کہ وہی لوگ ایمان لائیں گے جن کے لیے ازل میں ایمان الٰہی مقدر ہو چکا ہے اور وہی لوگ گمراہ رہیں گے جن کے لیے ازل میں شقاوت لکھی جا چکی ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس سے وہ کفار مراد ہیں جو بدر میں قتل کئے گئے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۸۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:

اس آیت سے معین کافر مراد ہیں مثلاً ابولہب، ابوجہل، ولید بن مغیرہ اور علماء یہود۔

(ادوار انٹرنل ص ۳۳ (دری) مطبوعہ مطبعہ میدی، ریجی)

اللہ تعالیٰ کے کلام کے قدیم ہونے پر معتزلہ کا اعتراض اور اس کا جواب

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ پہلے ابولہب وغیرہ نے کفر کیا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ انہوں نے کفر کیا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ان کے کفر کے بعد حادث ہوا لہذا قرآن حادث ہے اہل سنت اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ کا علم بھی حادث ہونا چاہیے کیونکہ جب انہوں نے کفر کیا تب ہی اللہ کو ان کے کفر کرنے کا علم ہوا اور اگر ان کے کفر کرنے سے پہلے یہ علم ہو کہ انہوں نے کفر کر لیا ہے تو یہ واقع کے خلاف ہے اور اگر پہلے یہ علم تھا کہ وہ کفر کریں گے اور پھر یہ علم ہوا کہ انہوں نے کفر کر لیا ہے تو اس کے علم میں تغیر آگیا اور ہر متغیر حادث ہوتا ہے تو اس طرح اللہ کا علم بھی حادث ہو جائے گا حالانکہ معتزلہ کے

زدیک بھی اللہ تعالیٰ کا علم مذہم ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ازل میں "لابشرط شئی" کے مرتبہ میں ہے اور اس میں ماضی حال اور استنبال کی اضافات نہیں ہیں اور ان اضافات کے بغیر اصل صفت علم میں تغیر پیدا نہیں ہوتا مثلاً ازل میں اللہ تعالیٰ کو ابولہب کے کفر کا علم ہے پھر جب اس کا ماضی سے تعلق ہوگا تو اس کی اور تعبیر ہوگی حال سے تعلق ہوگا تو اور تعبیر ہوگی اور مستقبل سے تعلق ہوگا تو اور تعبیر ہوگی یعنی ابولہب کفر کرے گا وہ کفر کر رہا ہے وہ کفر کر چکا ہے یہ تغیر متعلق میں ہے اصل صفت میں تغیر نہیں ہے اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص ایک ستون کے گرد گھوم رہا ہے تو کبھی وہ ستون اس کے سامنے ہوگا کبھی پیچھے کبھی دائیں کبھی بائیں لیکن یہ ان اوضاع اور نسبتوں میں تغیر ہے اس شخص کی ذات میں تغیر نہیں ہے اسی طرح اللہ کے علم کا تعلق جب مختلف زمانوں میں ہوگا تو ان تعلقات میں تغیر ہوگا نفس علم میں تغیر نہیں ہوگا اسی طرح اللہ کا کلام نفسی بھی ازل میں "لابشرط شئی" کے مرتبہ میں ہے اور اس کا تعلق جب زمانہ کے ساتھ ہوتا ہے تو اس تعلق میں اختلاف ہوتا ہے مثلاً ابولہب کفر کرے گا ابولہب نے کفر کر لیا وغیرہ اور اس کی صفت کلام جو کلام نفسی ہے اس میں کوئی تغیر اور اختلاف نہیں ہوتا قرآن مجید میں جہاں بھی ماضی کے صیغہ واقع ہوئے ہیں معتزلہ ان سے اسی طرح استدلال کرتے ہیں اور ان کا یہی جواب ہے یہ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفت کلام ہے وہ کلام نفسی ہے اور جن الفاظ کو ہم پڑھتے ہیں وہ کلام لفظی ہیں اور قدیم کلام نفسی ہے ان شاء اللہ اس کی مزید وضاحت اور اس پر بحث اپنے مقام پر آئے گی۔

اللہ تعالیٰ نے جس ممکن کے عدم وقوع کی خبر دی ہے اس کے ساتھ مکلف کرنے کی تحقیق

اللہ تعالیٰ نے ابولہب اور دیگر جن کفار کے متعلق خبر دی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے ان کا ایمان الانا ممکن بالذات اور ممنوع بالغیر ہے ان کا ایمان الانا ممکن بالذات اس لیے ہے کہ وہ ایمان لانے کے مکلف ہیں اور ممنوع لذات کے ساتھ مکلف کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ انسان کی وسعت میں نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ ۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں

کرتا۔

اور ممنوع بالغیر اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے اب اگر وہ ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ کی خبر کا ذب ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی خبر کا کاذب ہونا محال بالذات ہے لہذا ابولہب وغیرہ کا ایمان الانا محال بالذات کو مستلزم ہے اور جو ممکن محال بالذات کو مستلزم ہو وہ ممکن بالذات ممنوع بالغیر ہوتا ہے اس لیے ابولہب وغیرہ کا ایمان الانا ممکن بالذات ممنوع بالغیر ہے۔

محال بالذات کے ساتھ مکلف کرنے پر علامہ بیضاوی کی دلیل اور اس کا جواب

علامہ بیضاوی نے یہ کہا ہے کہ تکلیف بالمحال عقلاً جائز ہے لیکن تتبع اور استقراء (جستجو اور تفتیش) سے یہ ثابت ہے کہ تکلیف بالمحال واقع نہیں ہے جواز عقلی پر انہوں نے یہ دلیل دی ہے کہ اگر ابولہب مثلاً ایمان لانے کا مکلف ہو تو وہ پورے قرآن پر ایمان لانے کا مکلف ہوگا اور پورے قرآن میں "لایؤمنون" بھی ہے یعنی وہ ایمان نہیں لائے گا اور اس کی تصدیق تب ہوگی جب وہ ایمان نہ لائے تو وہ ایمان لانے اور ایمان نہ لانے کا مکلف ہوا اور یہ اجتماع نقیضین ہے جو محال بالذات ہے لہذا ثابت ہوا کہ ابولہب محال بالذات کا مکلف ہے لیکن علامہ بیضاوی کی اس تقریر کا تقاضا یہ ہے کہ محال بالذات کے ساتھ مکلف کرنا صرف عقلاً جائز ہی نہیں بلکہ واقع بھی ہے اور یہ خود ان کی تصریح کے خلاف ہے۔

اس تقریر کا جواب یہ ہے کہ ابولہب مثلاً ایمان لانے کا فی نفسہ مکلف ہے اس سے قطع نظر کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے

متعلق "لا یؤمنون" فرمایا ہے اور اس آیت سے صرف نظر کر کے فی نفسہ اس کا ایمان ماننا ممکن بالذات ہے اور وہ اسی اعتبار سے ایمان لانے کا مکلف ہے اور کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے کی خبر دینے سے وہ چیز نفس امکان سے خارج نہیں ہوتی مثلاً فرض کیجئے اللہ تعالیٰ کو زید کے متعلق علم ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا اب زید کا نماز پڑھنا محال ہوگا کیونکہ اگر وہ نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ کا علم جہل سے بدل جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا جہل محال بالذات ہے تو اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ زید کو نماز پڑھنے کا مکلف کرنا محال کا مکلف کرنا ہے کیونکہ اس کے نماز پڑھنے کا محال ہونا اللہ تعالیٰ کے علم کے اعتبار سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم سے قطع نظر فی نفسہ اس کا نماز پڑھنا ممکن ہے اور وہ اسی اعتبار سے نماز پڑھنے کا مکلف ہے خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے عدم وقوع کی خبر دی یا اس کو جس چیز کے عدم وقوع کا علم ہے اس کے وقوع کا مکلف کرنا ممکن بالذات اور ممنوع بالغیر ہے اور اس کے ساتھ مکلف کرنا جائز ہے اور اس چیز کا واقع ہونا محال بالغیر ہے کیونکہ وہ اللہ کے کذب یا اس کے جہل کو مستلزم ہے اور یہ دونوں محال بالذات ہیں۔ یہ واضح رہے کہ اشاعرہ کے نزدیک محال بالذات کا مکلف کرنا صحیح ہے اور ماترید یہ کے نزدیک محال بالذات کا مکلف کرنا صحیح نہیں ہے اور اکثر شوافع اشاعرہ ہیں اور اکثر احناف ماترید یہ ہیں۔

جن کا ایمان نہ لانا مقدر ہو چکا ہے ان کو تبلیغ کرنے کی وجہ

اگر یہ سوال ہو کہ جب یہ کفر تبلیغ کے باوجود اسلام قبول نہیں کریں گے تو پھر ان کو تبلیغ کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان کو تبلیغ نہ کی جائے تو ممکن ہے وہ قیامت کے دن یہ عذر پیش کریں کہ ہم کو تبلیغ ہی نہیں کی گئی ہم اسلام کیسے لاتے؟ لہذا ان پر حجت تمام کرنے کے لیے ان کو تبلیغ کی گئی دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ اسلام قبول کریں یا نہ کریں ان کو تبلیغ کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہر حال ثواب حاصل ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "سواء علیہم ان کے لیے برابر ہے" یہ نہیں فرمایا "سواء علیک آپ کے حق میں برابر ہے" جیسا کہ بت پرستوں کے متعلق فرمایا:

وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَهْدِيكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنْتُمْ صَاِمَتُونَ (الاعراف ۱۹۳)

اور (اے مشرکوا) اگر تم اپنے بتوں کو اپنی ہدایت کے لیے پکارو تو وہ تمہارے پیچھے نہ آسکیں گے (ہذا) تمہارے لیے برابر ہے کہ تم ان کو پکارو یا چپ رہو

اگر اس آیت سے معین کفار مراد ہوں جیسا کہ حضرت انس کی روایت ہے یا جس طرح علامہ بیضاوی نے نقل کیا ہے کہ اس سے ابولہب ابو جہل وغیرہ مراد ہیں تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ جن کے ایمان نہ لانے کی آپ نے پہلے خبر دے دی ہے وہ بہر حال ایمان نہ لائے اور کفر پر ہی مرے۔

جب کفار کے دلوں پر مہر لگا دی گئی تو پھر ان سے مواخذہ کیوں؟

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے تو ان کے لیے اسلام کے دلائل پر غور و فکر کرنا اور اس کو سننا اور دیکھنا ممکن نہ رہا تو اس صورت میں اگر وہ ایمان نہ لائے تو اس میں ان کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب کفار اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید میں راسخ ہو گئے کفر اور معصیت سے دلہانہ محبت کرنے لگے اور ایمان اور عبادت الہی کو بہت برا جاننے لگے اور اسلام کے دلائل میں غور و فکر کرنے سے اعراض اور امتناع پڑنے لگے اور اپنی بے جا ضد اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سرکشی اور ہٹ دھرمی کی سزا میں ان کے دلوں اور دماغوں کو ایسا بنا دیا کہ وہ قبول حق کے قابل نہ رہے اور کان حق کی سماعت سے عاری ہو گئے اس کیفیت کو امام ابو نعیم نے دلائل البیہ میں اسی طرح روایت کیا ہے۔ منہ

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگانے کے ساتھ تعبیر فرمایا اور انسان کی آنکھ خارج میں اور اپنے نفس میں جس صلاحیت سے دلائل توحید دیکھتی ہے ان کی آنکھوں سے وہ صلاحیت سلب کر لی اور اس کو ان کی آنکھوں پر پردہ کے ساتھ تعبیر فرمایا ورنہ اسی طور پر ان کے دلوں اور کانوں پر کوئی مہر تھی اور نہ ان کی آنکھوں پر کوئی پردہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کی مسلسل ہٹ دھرمی اور عناد کی سزا میں ان سے قبول حق کی استعداد سلب کر لی اس کو اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل آیتوں میں طبع اغفال اور اقسام سے تعبیر فرمایا ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمِعَتْهُمْ
وَأَبْصَارُهُمْ (آئل: ۱۰۸)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے۔
اور آپ اس کی اطاعت نہ کریں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا۔

فَمَا نَقْضِهِمْ مِّثْقَا فِئْتِهِمْ لَعَنَهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَسِيَةً
(انعامہ: ۱۳)

ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے بہ طور سزا ان کے دلوں اور کانوں کو قبول حق کے قابل نہ رہنے دیا اس کی دلیل حسب ذیل آیات ہیں:

فَمَا نَقْضِهِمْ مِّثْقَا فِئْتِهِمْ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ وَقَتْلِهِمُ
الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ
عَلَيْهَا لِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۚ وَكَفَرُوا بِرِجَالِهِمْ عَلَى
مَرْئِمَ يَهْتَابُونَ (النساء: ۱۵۶-۱۵۵)

پھر ان کے عہد توڑنے، اللہ کی آیات کا انکار کرنے، انبیاء (علیہم السلام) کو ناحق قتل کرنے اور یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں (یہ غلاف نہیں) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگادی تو ان میں سے ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑے اور ان کے کفر اور مریم پر بہت بڑا بہتان باندھنے کی وجہ سے بھی ○

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ
(الأنفال: ۲۳)

کَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ○
(المطففين: ۱۴)

امام ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مومن کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نشان ہو جاتا ہے پس اگر وہ توبہ کرے اس گناہ سے باز آئے اور استغفار کرے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ زیادہ گناہ کرے تو وہ سیاہ نشان زیادہ ہو جاتے ہیں اور یہی وہ زنگ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے: "كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ○" (المطففين: ۱۴)۔

(سنن ابن ماجہ ۳۳ مطبوعہ لور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

حافظ بیرونی نے اس حدیث کو امام احمد، امام عبد بن حمید، امام حاکم، امام ربیع (موسر الذکر لہما) نے اس حدیث کو صحیح سند سے روایت کیا ہے (امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابن جریر، امام ابن حبیب، امام ابن المنذر، امام ابن مردودہ اور امام بیہقی کی "شعب الایمان" کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔ (مدرک، ج ۶ ص ۲۲۵ مطبوعہ مکتبۃ آیت اللہ اعلیٰ ایران)

ہر چند کہ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ معصیت سے مومن کے دل پر زنگ چڑھ جاتا ہے اور اگر معصیت سے توبہ نہ کی جائے تو وہ زنگ اور زیادہ ہو جاتا ہے تاہم اس حدیث سے یہ قیاس کہا جاسکتا ہے کہ جب معصیت سے دس پر زنگ چڑھ جاتا ہے اور معصیت پر اصرار سے وہ زنگ زیادہ ہو جاتا ہے تو کفر اور اس پر اصرار اور بددھری سے تو دل پہ طریتی اولیٰ مکمل طور پر سیاہ اور تاریک ہو جاتا ہے اور دل کی یہ سیاہی اور تاریکی کفار کی اپنی شامت اعمال کی وجہ سے ہے اللہ کا ان پر کوئی ظلم اور جور نہیں ہے۔

قلب کی تعریف

قلب گوشت کا ایک صنوبری عضو ہے جس کا کام خون کو تمام جس میں پہنچانا ہے دل کے پھینے اور سکنے سے بھرے جسم میں خون گردش کرتا ہے اور جب طب اور میڈیکل سائنس کی زبان میں دل کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس سے یہی معنی مراد ہوتا ہے اور ادب اور روزمرہ گفتگو میں دل کے لفظ سے عقل کا ارادہ کیا جاتا ہے کیونکہ سوچ وچیز، غور و فکر اور علم اور ادراک کا محل عقل ہے اور قرآن طب اور میڈیکل سائنس کی کتاب نہیں ہے بلکہ رشد و ہدایت کی کتاب ہے اور اس میں عرب کے عام رواج اور اسلوب کلام کے مطابق خطاب کیا گیا ہے اس لیے قرآن کی زبان میں قلب سے عقل ہی مراد ہوتی ہے اس پر مزید تفصیل کے لیے "شرح صحیح مسلم" جلد رابع کا مطالعہ فرمائیں "فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ بِعَقْلِهِمْ" (نح ۳۶) کی تفسیر میں ہم اس پر ان شاء اللہ سیر حاصل بحث کریں گے۔

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:

اور قلب سے مراد علم کا محل ہے اور کبھی قلب کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس سے عقل اور معرفت مراد ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ (ق ۳۷) بے شک اس قرآن میں اس شخص کے لیے نصیحت ہے جس کے پاس عقل اور معرفت ہو۔

(انوار اشراق میں ۲۵ (دری) مطبوعہ مطبعہ سعیدی کراچی)

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَيَالْيَوْمِ الْآخِرِ

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لے آئے، حالانکہ وہ

وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝۸ يَخْدَعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا

مومن نہیں ہیں ۝ وہ (بے زعم خویش) اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور (درحقیقت) وہ صرف

يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝۹ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے ۝ ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری

وقف الزمر

فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ﴿۱۰﴾

کو زیادہ کر دیا اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہے کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے ○
اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو قرآن مجید کے بیان سے شروع کیا اور یہ فرمایا یہ کتاب متقیوں کے لیے ہدایت ہے پھر مومن
آیتوں میں متقیوں کی پانچ صفات بیان کیں اس کے بعد دو آیتوں میں کفار کا بیان کیا جو متقیوں کی ظاہر اور باطن ضد ہیں پھر اس
کے بعد اب تیرہ آیتوں میں منافقین کا بیان فرمایا ہے جو کفر اور ایمان کے درمیان مذہب تھے یہ وہ بان سے ایمان لائے اور دل
سے ایمان نہیں لائے یہ کفر کی بدترین قسم ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مغضوب ہے کیونکہ انہوں نے کفر پر ایمان
کا طمع چڑھایا دھوکہ اور فریب سے کام لیا اور درپردہ مسلمانوں کے ساتھ استہرا کیا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے نبٹ جہل
ان کے فریب اور ان کی ہٹ دھرمی کا طویل بیان فرمایا ان کی کئی مثالیں بیان فرمائیں اور یہ اعلان فرمایا کہ منافق جہنم کے سب
سے نچلے طبقے میں رہیں گے۔

”ومن الناس“ میں جن لوگوں کا ذکر فرمایا ہے یہ منافقین کی وہ جماعت ہے جو نزول قرآن کے زمانہ میں تھی ان میں بڑا
منافق عبد اللہ بن ابی بن سلول تھا ان میں اکثر یہودی تھے جو مطلب برآری کے لیے دقتی طور پر یہ ظاہر مسلمان ہو گئے تھے۔
”الیوم الاحد“ سے مراد حشر سے لے کر غیر متناہی مدت ہے یاروز حشر سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور روز خیروں
کے دوزخ میں جانے کا زمانہ مراد ہے۔

منافقین نے خصوصیت سے یہ کہا کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور آخرت پر ایمان لائے کیونکہ یہودیوں کا درحقیقت اللہ پر
ایمان تھا نہ آخرت پر اللہ پر ایمان اس لیے نہیں تھا کہ وہ کہتے تھے کہ عزیز خدا کا بیٹا ہے اس لیے وہ مشرک تھے اور آخرت پر اس
لیے ایمان نہیں تھا کہ ان کا اعتقاد تھا کہ جنت میں یہودیوں کے سوا اور کوئی داخل نہیں ہوگا اس لیے انہوں نے طمع کاری کے
لیے اللہ اور آخرت پر ایمان کا ذکر کیا تا کہ مسلمان یہ سمجھیں کہ وہ یہودیت سے تائب ہو کر خاص مسلمان ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا وہ مومن نہیں ہیں یعنی وہ ان سچے اور مخلص مسلمانوں میں داخل نہیں ہیں جن کا
یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ظلوت اور جلوت پر مطلع ہے کیونکہ منافقین بعض ظاہری عبادت کر لیتے تھے اور یہ زعم کرتے تھے
کہ ان سے ان کا رب راضی ہو جائے گا اس کے بعد حرص طمع شر اور فساد اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت اور دسیسہ کاری میں
مشغول رہتے تھے جیسا کہ اس کے بعد کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کے فتنہ اور فساد کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

منافقین کے اللہ اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے سلسلہ میں اعتراضات کے جوابات

”یحاددوں“ کا لفظ ”حدع“ سے بنا ہے ”حدع“ کا معنی ہے کسی شخص کے ساتھ کئے ہوئے مکروہ فریب یا سازش کو
خفی رکھ کر اس سے خیر خواہی اور ہمدردی کا اظہار کرنا جس کا خلاصہ ہے اس کو دھوکہ دینا ”یحاددعسوں“ چونکہ باب
”مفاعلہ“ سے ہے اس لیے اس کا معنی ہے ہر فریق کا دوسرے فریق کو دھوکہ دینا۔

منافقوں کا مسلمانوں کو دھوکہ دینا یہ تھا کہ وہ مسلمانوں پر یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ مومن ہیں اور اپنے کفر کو خفی رکھتے تاکہ
مسلمانوں کے خفیہ منصوبوں پر مطلع ہوں اور پھر اس کی خبر مسلمانوں کے دشمنوں یہودیوں اور مشرکوں تک پہنچا دیں۔

اس آیت میں یہ فرمایا کہ منافقین اللہ اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی تو وضاحت ہو گئی اب
سوال یہ ہے کہ اللہ کو دھوکہ دینا کس طرح صحیح ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی اور نہ وہ خود اللہ کو دھوکہ دینے کا قصد

کرتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں لفظ اللہ سے پہلے لفظ رسول بہ طور مضاف محذوف ہے اور یہ مجاز بالخلاف سے اور معنی یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دیتے تھے دوسرا جواب یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب اور خلیفہ ہیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو معاملہ کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دینا اللہ کو دھوکہ دینا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس کو واضح فرمایا ہے

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء: ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت عقبہ ثانیہ میں ستر انصار سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خریدا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ: ۱۱)

بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خریدا۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ (التح: ۱۰)

بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

سو جس طرح آپ کی اطاعت کرنا اللہ کی اطاعت کرنا آپ کا خریدنا اللہ کا خریدنا ہے اور آپ سے بیعت کرنا اللہ سے بیعت کرنا ہے اسی طرح آپ کو دھوکہ دینا اللہ کو دھوکہ دینا ہے اور یہ ”مجاز فی السبۃ الایقاعہ“ ہے۔

دوسرا سوال یہاں پر یہ ہے کہ ”یحادعون“ ”باب“ ”مفاعله“ سے ہے اور اب اس باب کے اعتبار سے اس کا معنی ہے ہر ایک کا دوسرے کو دھوکہ دینا منافقین تو اللہ کو اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے تھے اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ کہنا کس طرح درست ہوگا کہ وہ منافقین کو دھوکہ دیتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں استعارہ تمثیلیہ^۱ ہے یعنی منافقین کی اللہ کے سامنے ایمان کو ظاہر کرنے اور کفر کو مخفی رکھنے کی کارروائی اور اس کی سزا میں اللہ کی منافقوں پر مسلمانوں کے احکام جاری کرنے کی کارروائی (حالانکہ وہ اس کے نزدیک بدترین کافر ہیں) کی مثال ایسے ہے جیسے دو شخص ایک دوسرے کو دھوکہ دینے کی کارروائی کرتے ہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ ”یحادعون“ ”یحدعون“ کے معنی میں ہے اور اس کو مبالغہ ”یحادعون“ کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے

شعور کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ صرف اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے عقل سے جو ادراک کیا جائے اس کو علم کہتے ہیں اور حواس سے جو ادراک کیا جائے اس کو شعور کہتے ہیں۔ (البقرہ: ۹)

مرض کی تعریف اور منافقین کے مرض کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری کو زیادہ کر دیا۔ (البقرہ: ۱۰)

انسان کے بدن کو ایسی چیزیں عارض ہوں جن سے اس کے مزاج اور اعتدال میں فرق واقع ہو اور اس کی کارکردگی متاثر ہو جائے اس کو مرض کہتے ہیں عوارض جسمانیہ میں مرض حقیقت ہے اور عوارض نفسانیہ مثلاً حسد، بغض، برائی سے محبت وغیرہ میں مرض مجاز ہے منافقین کا مرض نفسانی تھا کیونکہ جب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تھے مدینہ میں یہودیوں کی ریاست جاتی رہی تھی اس غم میں ان کا دل جلتا رہتا تھا اور یہی جہنا اور حسد کرنا ان کا مرض تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

۱۔ ایک مرکب سے جو حالت یا کیفیت متزعزعت ہوتی ہے اس کو اس حالت یا کیفیت سے تشبیہ دینا جو دوسرے مرکب سے متزعزعت ہو رہی ہو۔

افذاردن بدن بڑھ رہا تھا اس سے ان کا مرض بڑھ رہا تھا یا بار بار وحی نازل ہونے اور ان کو دن بہ دن زیادہ احکام کا مکلف کرنے سے ان کا مرض بڑھ رہا تھا۔

جھوٹ کی تعریف اس کا شرعی حکم اور منافقین کے جھوٹ کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے O (بقرہ: ۱۱)

منافقین کا جھوٹ یہ تھا کہ ان کے دل میں کفر تھا اور زبان سے "امسا" (ہم ایمان لائے) کہہ کر جھوٹ بولتے تھے جو خبر واقع کے مطابق نہ ہو وہ جھوٹ ہے جھوٹ بولنا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولنے پر دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔

جھوٹ بولنے کی ممانعت اور اس کے عذاب کے متعلق احادیث

امام ابو داؤد در روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے آپ کو جھوٹ سے بچاؤ کیونکہ جھوٹ فجور (گناہ) تک پہنچاتا ہے اور فجور دوزخ تک پہنچاتا ہے ایک شخص جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کے مواقع تلاش کرتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۲۵ مطبوعہ مطبع کتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت حفص بن عاصم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی آدمی کے بھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ کئی سنائی بات کو بیان کر دے۔ (صحیح مسلم ج ۸ ص ۸ مطبوعہ نور محمد صحیح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر زمانہ میں ایسے دجال اور کذاب ہوں گے جو تم سے اسکی احادیث بیان کریں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے تم ان سے دور رہو وہ تم سے دور رہیں کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں اور فتنے میں مبتلا نہ کر دیں۔ (صحیح مسلم ج ۸ ص ۸ مطبوعہ نور محمد صحیح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تک بندہ کا ایمان مکمل نہیں ہوگا جب تک کہ وہ جھوٹ کو ترک نہ کر دے حتیٰ کہ مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے اور ریا کو ترک کر دے خواہ وہ اس میں صادق ہو۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا میں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ جبرائیل اور میکائیل میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ارض مقدسہ میں لے گئے میں نے دیکھا وہاں ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا اور دوسرا آدمی اس کے پاس کھڑا ہوا تھا جس کے ہاتھ میں لوہے کا آئکڑا تھا اس نے وہ آئکڑا اس کی ہاتھ میں داخل کیا اور آئکڑے سے اس کی ہاتھ کو کھینچ کر گدی تک پہنچا دیا پھر وہ آئکڑا دوسری ہاتھ میں داخل کیا اور اس کی ہاتھ کو گدی تک پہنچا دیا اتنے میں پہلی ہاتھ لگئی اور اس نے پھر اس میں آئکڑا ڈال دیا (ابی قولہ) جبرائیل نے کہا جس شخص کی ہاتھ پھانز کر گدی تک پہنچی جا رہی تھی یہ وہ شخص ہے جو جھوٹ بولتا تھا پھر اس سے وہ جھوٹ نقل ہو کے ساری دنیا میں پھیل جاتا

تھا اس کو قیامت تک اسی طرح عذاب دیا جاتا رہے گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۵ مطبوعہ دار محمد اسحق الطحاوی کراچی ۱۴۲۸ھ)
جھوٹ بولنے کی رخصت کے مواقع

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ کذب حرام ہے لیکن حلال اور حرام کرنے کے احکام شارع کے اختیار میں ہیں اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے حلال کر دے اور جس چیز کو چاہے حرام کر دے اللہ اور اس کے رسول نے کذب کو حرام قرار دیا ہے لیکن بعض مواقع پر اللہ اور اس کے رسول نے کذب کی اجازت دی ہے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں

عن اسماء بنت یزید قالت قال رسول الله
 رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يحل الكذب الا في ثلاث
 حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین صورتوں کے سوا
 یحدث الرجل امرء ته يرضيها والكذب في
 جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے (۱) ایک شخص کو راضی
 الحروب والكذب ليصلح بين الناس
 کرنے کے لیے جھوٹ بولے (۲) جنگ میں جھوٹ بولنا
 (جامع ترمذی ص ۲۸۷ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) (۳) لوگوں میں صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا۔

جان مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنے کی اجازت

علامہ شامی "احیاء العلوم" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ہر وہ نیک مقصد جس کو صدق اور کذب دونوں سے حاصل کیا جاسکتا ہو اس میں جھوٹ بولنا حرام ہے اور اگر کسی نیک مقصد کو صرف جھوٹ بولنے سے حاصل کیا جاسکتا ہو اور وہ مقصد مباح ہو تو اس کے لیے جھوٹ بولنا مباح ہے اور اگر کسی نیک مقصد کو صرف جھوٹ بولنے سے حاصل کیا جاسکتا ہو اور وہ مقصد واجب ہو تو اس کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے مثلاً کسی شخص نے دیکھا کہ ایک ظالم کسی بے گناہ مسلمان کو قتل کر رہا ہے یا ایذا پہنچا رہا ہے اور وہ جھوٹ بول کر اس کو بچا سکتا ہے تو اس صورت میں جھوٹ بولنا واجب ہے اسی طرح اگر ظالم اس سے کسی مسلمان کی امانت چھیننا چاہتا ہے تو اس کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے اسی طرح لڑائی میں صلح کرانے کے لیے اور کسی مظلوم کی دلجوئی کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے اسی طرح اگر کسی شخص نے چھپ کر زنا کیا یا شراب پی یا حاکم اس کے متعلق سوال کرے تو اس کے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ یہ کام میں نے نہیں کیا کیونکہ یہ کام ہر چند کہ بے حیائی ہے لیکن اس کا اظہار کرنا ایک اور بے حیائی ہے اسی طرح اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کا راز بتانے سے انکار کرے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ جھوٹ بولنے پر جو خرابی مترتب ہو رہی ہے آیا وہ سچ پر مترتب ہونے والی خرابی سے زیادہ ہے یا نہیں اگر جھوٹ بولنے سے زیادہ خرابی مترتب ہو تو جھوٹ نہ بولے ورنہ جھوٹ بول سکتا ہے۔ اگر جھوٹ بولنے سے انسان کا اپنا حق ضائع ہوتا ہے تو عزیمت یہ ہے کہ جھوٹ نہ بولے اگر دوسرے مسلمان کا حق ضائع ہوتا ہے تو پھر اس پر واجب ہے کہ وہ جھوٹ بولے اور دوسرے مسلمان کے حق کی حفاظت کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کا اپنی جان مال و عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے اور دوسرے مسلمان کی جان مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے۔

شعر اور مبالغہ میں جھوٹ کا جواز

کسی بات میں مبالغہ کرنا جھوٹ نہیں ہے جیسا کہ کوئی شخص کہے میں تمہارے پاس ہزار بار گیا ہوں یعنی بار بار گیا ہوں مبالغہ کے جواز پر اس حدیث صحیح میں دلیل ہے "اما ابو جهم فلا يضع عصاه عن عاتقه"۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۸۳ مطبوعہ

۱۔ علامہ سید محمد منین ابن عبدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار ج ۵ ص ۳۷۷ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ استنبول ۱۴۲۷ھ

اصح اصح (روپی) "لیکن ابوہم تو اپنے کدھے سے لٹھی اتارتا ہی نہیں" جی وہ بیوی کو بہت مارتا ہے اسی طرح "شعر میں بھی جھوٹ جائز ہے" نیز اس کو مبالغہ پر نہ محمول کیا جاسکے جیسا کہ یہ شعر ہے

انا ادعوك ليلا ونهارا ولا اخلي مجلسا عن شكرك

"میں دن رات تمہارے لیے دعا کرتا ہوں اور ہر مجلس میں تمہارا شکر ادا کرتا ہوں۔"

علامہ رافعی اور علامہ نووی نے اس دونوں صورتوں کو جائز لکھا ہے (رواج ۵ ص ۷۷ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ اٹارلی ۱۳۲۷ھ) ہر چند کہ علامہ شامی نے علامہ رافعی اور علامہ نووی کے حوالے سے شعر میں بغیر مبالغہ کے بھی جھوٹ بولنا جائز لکھا ہے لیکن ہمارے نزدیک اگر مبالغہ نہ ہو تو پھر شعر میں جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے کیونکہ مبالغہ کے لیے تو حضرت ابوہم کی حدیث اصل ہے اور شعر میں جھوٹ کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

تعریض اور تور یہ میں جھوٹ بولنے کا جواز

جمہور فقہاء اسلام نے تعریض اور تور یہ کے طور پر جھوٹ بولنا جائز لکھا ہے مگر بعض فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ تعریض اور تور یہ میں اس قدر وسعت ہے کہ اگر تعریض اور تور یہ سے کام لیا جائے تو پھر حقیقت جھوٹ بولنے کی کبھی ضرورت نہیں ہوتی اس پر دلائل دینے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ تعریض اور تور یہ کی تعریفات ذکر کر دیں تاکہ عام قارئین اس بحث سے مستفید ہو سکیں۔

تعریض کا لغوی معنی ہے: دوسرے پر ڈھال کر بات کرنا۔ (المنجد)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں تعریض "تسریح نہ کرنے کو کہتے ہیں اور معاریض کا معنی ایک چیز کا دوسری چیز سے تور یہ (کنایہ) کرنا ہے" حضرت عمران بن حصین بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاریض میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا معاریض مسلمان کو جھوٹ سے مستثنیٰ کر دیتی ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا مجھے معاریض سرخ اونٹوں سے زیادہ پسند ہیں اگر کسی عورت کو اس کی عدت میں نکاح کا پیغام دینا ہو تو اس کی تسریح نہ کرے اور تعریضا کہے تم بہت خوبصورت ہو یا کہے: "مجھے نکاح کی ضرورت ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا "ان و مسادك لعریض" تمہارا نگہ بہت چوڑا ہے اور نگہ سے ان کی نیند کا ارادہ کیا یعنی تم بہت سوتے ہو حدیث میں ہے:

من عرض عروصنا له ومن مشى على الكلا
القيناہ فی الہر
جو شخص تعریض کرے گا تو ہم بھی اس کے ساتھ تعریض کریں گے اور جو شخص دریا کے کنارے چلے گا ہم اس کو دریا میں ڈال دیں گے۔

اس کی تفسیر یہ ہے کہ جو شخص کسی مسلمان پر تعریضا تہمت لگائے گا تو ہم اس کو تعریضا سزا دیں گے یعنی ایسی سزا دیں گے جو حد سے کم ہوگی اور جو شخص کسی پر صراحت تہمت لگائے گا وہ تہمت کی کشتی پر سوار ہو کر دریا میں چلے گا ہم اس پر حد جاری کریں گے اور اس کو "حد" کے دریا میں ڈال دیں گے۔ (سنن العرب ج ۷ ص ۱۸۳-۱۸۴ مطبوعہ مشرک الحدیث قم ایران ۱۴۰۵ھ)

علامہ تفتازنی تعریض کی تعریف میں لکھتے ہیں کلام کو ایک ایسی جانب پھیرنا جو مقصود پر دلالت کرے تعریض سے یعنی جب اشارہ ایک جانب کیا جائے اور مراد دوسری جانب ہو تو یہ تعریض ہے۔ (مفہم معانی ص ۴۴۱-۴۴۰ مطبوعہ مکتبہ المدینہ - راپہ) خلاصہ یہ ہے کہ جب کلام میں صراحت ایک شخص کی طرف کی گئی ہو اور اشارہ اور مراد کوئی دوسرا شخص ہو تو یہ تعریض

ہے مثلاً کوئی بڑا افسردہ سے دفتر میں آتا ہو جس سے لوگوں کے کاموں میں دشواری ہوتی ہو اور اس کو صراحت تنبیہ کرنا اس کے وقار اور مرتبہ کے خلاف ہو تو کوئی شخص اس سے کہے کہ دفتر کا ٹاف یا کلرک وغیرہ سے دفتر آتے ہیں اور اس سے بڑا حرج ہوتا ہے۔

تو یہ کا معنی چھپانا اور کناہ کرنا ہے۔ علامہ زبیری لکھتے ہیں ”وردی المحبو قوریۃ“ کا معنی ہے اصل خبر کو چھپا کر کچھ اور ظاہر کیا حدیث میں ہے کہ جب آپ خبر کا ارادہ کرتے تو سفر کو چھپا کر یہ وہم ڈالتے کہ آپ کسی اور چیز کا ارادہ کر رہے ہیں۔

(تاج العروس ج ۱۰ ص ۳۸۹ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ تفتازانی تو یہ کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ تو یہ کو ابہام بھی کہتے ہیں اور اس کی تعریف یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں۔ قریب اور بعید اور بولنے والا کسی خفی قرینہ کی بناء پر اس لفظ کا بعید معنی مراد لے اور مخاطب اس سے قریب سمجھے۔

(مختصر المعانی ص ۲۵۷ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین (ظاہری) جھوٹ بولے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۳ مطبوعہ نور محمد اصح الطائفہ نراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث میں تو یہ پر جھوٹ کا اطلاق کیا گیا ہے کیونکہ وہ ظاہر اور صورت جھوٹ ہوتا ہے حقیقت جھوٹ نہیں ہوتا۔ قرآن اور حدیث میں تعریض اور تو یہ کی بہ کثرت مثالیں ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ○ (احضت ۸۹)

سقیم کا قریب معنی ہے جسمانی بیمار اور بعید معنی ہے روحانی بیمار حضرت ابراہیم جسمانی بیمار نہ تھے انہوں نے اس لفظ سے تو یہ کر کے روحانی بیماری مراد لی یعنی قوم کی بت پرستی کی وجہ سے ان کی روح بیمار تھی یا مستقبل میں بیمار ہونا مراد لیا۔

انہوں نے کہا اے ابراہیم! کیا آپ نے ہمارے معبودوں
قَالُوا أَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا يَا ابْنِ آدَمَ إِنَّكَ لَهُمْ ○ قَالَ بَلْ
فَعَلَهُ بِكُمْ نَفْسُهُ هَذَا أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○
(انبیاء ۶۳-۶۴) بڑے (بت) نے یہ کام کیا ہے اگر یہ بولتے ہیں تو تم ان سے

پوچھ لو ○

اس آیت میں ”کیسرو ہم ہدا“ کا قریب معنی ہے اس بڑے بت نے اور اس کا بعید معنی ہے قوم کے اس بڑے شخص نے لوگوں نے یہی سمجھا کہ آپ کہہ رہے ہیں کہ اس بڑے بت نے باقی بتوں کو توڑا ہے حالانکہ آپ کی مراد یہ تھی کہ قوم کے اس بڑے شخص یعنی خود حضرت ابراہیم نے ان بتوں کو توڑا ہے اور آپ نے اس بڑے بت کی طرف اس کا ابہام اس لیے کیا ہے کہ ان کی قوم خود کہے کہ یہ بت تو اہل جل بھی نہیں سکتے بتوں کو کس طرح توڑ سکتے ہیں اور ان کے خلاف حجت قائم ہو جائے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابراہیم اور حضرت سرہ ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں گئے اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ اس ملک میں ایک شخص آیا ہے اس کے ساتھ ایک عورت ہے جو تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت ہے بادشاہ نے حضرت ابراہیم کو بلوایا اور پوچھا کہ یہ عورت کون ہے؟ حضرت ابراہیم نے کہا یہ میری بہن ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۴، مطبوعہ نور محمد ریح الطالیح، کراچی، ۱۳۸۰ھ)

”اخت“ کے دو معنی ہیں: قریب معنی ہے نسبی بہن اور بعید معنی ہے دینی بہن، ہاشمہ نے اس لفظ سے نسبی بہن سمجھا اور حضرت ابراہیم نے دینی بہن کا ارادہ کیا اور یہ تو یہ ہے۔

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ کی خدمت میں سے ایک شخص نے سواری طلب کی آپ نے فرمایا میں تم کو اونٹ کے بچہ پر سوار کروں گا اس شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں اونٹ کے بچے کا کیا کروں گا آپ نے فرمایا: جو اونٹ پیدا ہوتا ہے وہ اونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے۔ (الادب المفرد ص ۷۷، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ لیل)

اس حدیث کو امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے بھی روایت کیا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا فوت ہو گیا انہوں نے (بیوی سے) کہا لا کے کی طبیعت کیسی ہے؟ حضرت ام سلیم نے کہا وہ پر سکون ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کو آرام مل گیا اور حضرت ابو طلحہ نے ان کی بات کو سچ سمجھا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷، مطبوعہ نور محمد ریح الطالیح، کراچی، ۱۳۸۱ھ)

حضرت ام سلیم نے جو کہا کہ ”بیٹا پر سکون ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کو راحت مل گئی“ اس کا قریب معنی یہ تھا کہ اس کو بیماری سے شفا مل گئی ہے اور بعید معنی یہ تھا کہ وہ فوت ہو گیا اور اس کو ابھی راحت مل گئی ہے، حضرت ام سلیم نے اس معنی کا ارادہ کیا تھا کیونکہ حضرت ابو طلحہ اسی وقت سفر سے آئے تھے اور وہ ان کو آتے ہی کوئی تکلیف دہ بات سنا نہیں چاہتی تھیں اس لئے انہوں نے صراحت یہ نہیں کہا کہ وہ فوت ہو گیا اور تو یہ سے کلام کیا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہم سے خوش طبعی کرتے ہیں آپ نے فرمایا: میں حق کے سوا اور کچھ نہیں کہتا۔ (جامع ترمذی ص ۱۹۳، ۱۹۴، مطبوعہ نور محمد ریح الطالیح، کراچی، ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ (الادب المفرد ص ۷۷، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ لیل)

تو یہ کے سلسلے میں فقہاء کی رائے

علامہ شامی لکھتے ہیں: غرض صحیح کے لیے تو یہ اور تعریف جواز ہے مثلاً مزاج میں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی (یعنی بڑھیا بہ حیثیت بڑھیا نہیں جائے گی بلکہ جوان ہو کر جائے گی) نیز فرمایا تیرے شوہر کی آنکھ میں سفیدی ہے نیز فرمایا ہم نم کو اونٹ کے بچہ پر سوار کریں گے (کیونکہ ہر اونٹ کسی اونٹ کا بچہ ہوتا ہے)۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۳۷۸، مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ)

خلاصہ بحث

قرآن مجید کی آیات احادیث آثار صحابہ ائمہ فقہاء کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ جس جگہ کسی مصلحت سے جھوٹ بولنا پڑے تو صراحت جھوٹ بولنے کے بجائے تو یہ اور تعریف سے کام لینا چاہیے تاہم بعض مواقع پر صراحت جھوٹ بولنے کی بھی

۱۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۲۶، مطبوعہ مطبع عثمانیہ پاکستان لاہور، ۱۴۰۶ھ

۲۔ امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۱۹۲، مطبوعہ نور محمد ریح الطالیح، کراچی

گنجائش ہے جیسا کہ ہم نے امام غزالی اور علامہ شامی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ مسلمان کے لیے اپنی جان، مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے لیکن یہ رخصت ہے اور عزیمت اس کے برعکس ہے اور دوسرے مسلمان کی جان، مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے اور ان مواقع پر بھی تو یہ شخص ہے۔

فقہاء کرام نے اپنی جان اور دوسرے مسلمان کی جان بچانے کے سلسلے میں جو جواز اور وجوب کا فرق کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے معاملہ میں تو رخصت کو چھوڑ کر عزیمت پر عمل کر سکتا ہے لیکن دوسرے شخص کے معاملہ میں اس کو یہ اختیار نہیں ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ

اور جب ان سے کہا گیا کہ زمین میں فساد نہ کرو تو انہوں نے کہا ہم تو صرف

مُصْلِحُونَ ۚ إِلَّا أَنَّهُمْ هُمُ الْفٰسِدُونَ وَلٰكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ۝۱۲

اصلاح کرنے والے ہیں ۝ سنو بے شک یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن ان کو شعور نہیں ہے ۝

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ

اور جب ان سے کہا گیا اس طرح ایمان لاؤ جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تو انہوں نے کہا کیا ہم اس طرح

كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۚ إِلَّا أَنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلٰكِنْ لَا

ایمان لائیں جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں؟ سنو یہی لوگ بے وقوف ہیں

يَعْلَمُونَ ۝۱۳

لیکن ان کو علم نہیں ہے ۝

منافقین اپنے افساد کو اصلاح کیوں کہتے تھے؟

منافقین کا فساد یہ تھا کہ وہ کفار سے تعاون کر کے اور مسلمانوں کے راز ان پر ظاہر کر کے جنگ کی آگ بھڑکاتے تھے اور فتنوں کو جگاتے تھے کیونکہ جنگ کے نتیجہ میں زمین پر لہلہاتے ہوئے کھیت اجڑ جاتے تھے، مال اور مویشی ہلاک ہو جاتے تھے اور انسانوں کا قتل ہوتا تھا یا ان کا فساد یہ تھا کہ وہ زمین پر اللہ کی نافرمانی کرتے تھے اور شریعت کے ساتھ استہزاء کرتے تھے اور اس کے نتیجہ میں زمین پر خون ریزی ہوتی تھی اور فتنہ اور فساد ہوتا تھا اور چونکہ منافقین کے دلوں میں بیماری تھی اس لیے وہ اپنے فساد کرنے کو اصلاح اور اپنی شر انگیزی کو کار خیر گمان کرتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَفَمَنْ ذُكِّرَ لَهُ سُورَةُ عَلَيْهِ قُرْآنُ حَسَنًا (الفاطر ۸)

تو کیا جس شخص کے لیے اس کا برا کام مرین کر دیا گیا تو اس نے اس کو اچھا سمجھا۔

منافقین کا مقصد یہ تھا کہ ہم تو فساد کرنے سے بہت دور ہیں کیونکہ ہم اپنے علماء اور پیروں کی پیروی کرتے ہیں جنہوں

نے امیاء علیہم السلام سے تعلیم حاصل کی ہے تو ہم ان کے طریقہ کو کیے پھوڑیں اور اپنے گلے میں ایک نئے دین کا قیام دے دیے
 ذال لیس ۹ اور ہم مسلمانوں کے خلاف جنگ کی آگ بھڑکا کر ان کو کمزور کر رہے ہیں تاکہ یہ نیا دین بھٹکتے بھٹکتے پائے نہا
 لوگوں کو اس نئے دین سے دور رکھے کی ہماری یہ کوشش لوگوں کی اصلاح اور ان کی فیر خواہی کے سوا کچھ نہیں ہے
 عہد رسالت سے لے کر آج تک افساد کو اصلاح کا نام دینے کا تسلسل

ہر زمانہ میں مفید دین کا یہی حال رہا ہے جو لوگ دین میں نئی نئی بدعات پیدا کرتے ہیں اور نئے نئے مذاہب ایجاد کرنے
 ہیں اور الحاد اور بے دینی کی تحریکات چلاتے ہیں وہ اپنی مختصر بدعات مذاہب اور تحریکات کو نہایت خوش نما اور خوبصورت نام
 دے دیتے ہیں جیسے محبت اللہ بیت کے نام پر تعزیر داری ماتم اور سب صحابہ کی بدعات نقل آئیں ہیں اور نو حید کے نام پر انبیاء
 علیہم السلام اور اولیاء کرام کی شان اور عظمت کو کم کیا جاتا ہے اور جب ان لوگوں کا محاسبہ کیا جائے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کر
 رہے ہیں اللہ بیت کی عظمت اجاگر کر رہے ہیں اور شرک کو مٹا رہے ہیں اسی طرح بعض غیر معتدل لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم سے عقیدت کے اظہار میں غلو کرتے ہیں نماز روزہ اور دیگر فرائض باقاعدگی سے ادا نہیں کرتے اور عید میاں دے جس کو
 باقاعدہ میہوں ٹھیلوں کی طرح نکالتے ہیں۔ (تاہم سب جلوس ایسے نہیں ہوتے میں نے برطانیہ میں کئی بار میاں دے کے جلوسوں میں
 شرکت کی جن میں نعت خوانی اور ذکر ہوتا ہے کوئی غیر شرعی بات نہیں ہوتی صبح سے جلوس نکلتا ہے اور ظہر سے پہلے ختم ہو جاتا
 ہے اور تمام شرکاء جلوس باجماعت ظہر کی نماز پڑھتے ہیں اور پھر جلسہ ہوتا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور
 آپ کی سیرت کا بیان ہوتا ہے اور عصر سے پہلے جلسہ ختم ہو جاتا ہے اور سب شرکاء جلسہ عصر کی نماز باجماعت ادا کرتے ہیں
 کاش پاکستان کے شہروں میں بھی ایسا ہوا) اسی طرح بعض غیر معتدل مقرر اور شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کو اللہ
 تعالیٰ سے بڑھا کر بیان کرتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ بن نعمان کی نگلی ہوئی آنکھ کو دوبارہ لگا دیا اور
 آپ کے دست اقدس کی برکت سے اس سے زیادہ نظر آنے لگا تو اس میں یہ نکتہ آفرینی کرتے ہیں کہ خدا کی دی ہوئی آنکھ سے
 اتنا نظر نہیں آتا تھا جتنا مصطفیٰ کی دی ہوئی آنکھ سے نظر آتا تھا حالانکہ دونوں آنکھیں خدا کی دی ہوئی ہیں فرق یہ ہے کہ پہلی
 آنکھ ماں باپ کے واسطے سے ملی ہے اور دوسری آنکھ سرکار کے ہاتھوں سے ملی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اور جب ان سے کہا گیا اس طرح ایمان لاؤ جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تو انہوں نے
 کہا کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں؟ (البقرہ ۱۳)
 ایمان لانے کے لیے صحابہ کرام کے ایمان کا معیار ہونا

علامہ ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "جس طرح اور لوگ ایمان
 لائے ہیں" اس سے مراد اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور منافقین نے جو کہا جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں اس سے
 ان کی مراد بھی اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۹۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے اس سے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب مراد ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۲۰۵ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ سیوطی نے ان اقوال کو نقل کرنے کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ "تاریخ ابن عساکر" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما
 سے روایت ہے کہ اس سے مراد حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔

(در منثور ج ۱ ص ۳۱-۳۰ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ اہل اہل)

شیخ مفسر شیخ فضل بن حسن طبری لکھتے ہیں اس آیت کا معنی یہ ہے کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر نازل شدہ کتاب کی اس طرح تصدیق کرو جس طرح آپ کے اصحاب نے اس کی تصدیق کی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ (حضرت) عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھ جو دوسرے یہودی ایمان لائے تھے ان کی طرح آپ کی تصدیق کرو۔

(مجمع البیان ج ۱ ص ۱۳۹ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۱۱ھ)

ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے کے لیے صحابہ کرام کا ایمان معیار ہے۔

زندیق کی توبہ کی قبولیت پر دلیل

اس آیت سے زندیق کی توبہ کے مقبول ہونے پر استدلال کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے غفاق کی خبر دی اور ان کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ظاہر اسلام کے قبول کرنے کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ کو ان کے فاسد عقائد کا جو علم تھا اس کے مطابق ان کے ساتھ کفار کا معاملہ کرنے کا حکم نہیں دیا اور یہ ثابت ہے کہ یہ آیات مدینہ منورہ میں کفار سے قتال کی شرمیت کے بعد نازل ہوئی ہیں نیز صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا حتیٰ کہ وہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی گواہی دیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں جب وہ ایسا کریں گے تو وہ اپنی جانوں اور مالوں کو مجھ سے محفوظ کر لیں گے البتہ اسلام کا حق لیا جائے گا اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے اور منافقین بہ ظاہر کلمہ پڑھتے تھے نماز پڑھتے تھے اور زکوٰۃ ادا کرتے تھے۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کو ایمان لانے کا حکم دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ منافق کا ایمان لانا اور اس کی توبہ مقبول ہے اسی پر زندیق کو قیاس کیا گیا ہے۔ اب ہم پہلے زندیق اور ملحد کی تعریفیں ذکر کریں گے پھر ان کا شرعی حکم بیان کریں گے۔

زندیق کی تحقیق اور اس کا شرعی حکم

علامہ تفتازانی نے کافروں کی حسب ذیل اقسام لکھی ہیں

کافر جو شخص ظاہر ایمان نہ لائے منافق جو شخص بہ ظاہر ایمان لائے اور حقیقت میں کافر ہو مرتد جو شخص اسلام لانے کے بعد اسلام سے رجوع کر کے کفر کو قبول کر لے مشرک جو شخص متعدد دھما مانے کتابی جو شخص ادیان سابقہ منسوخہ کا معتقد ہو جیسے یہودی اور عیسائی و ہری جو شخص دہر کو قدیم مانے اور حوادث کی نسبت دہر کی طرف کرے معطل جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود کو تسلیم نہ کرے زندیق جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعتراف کرتا ہو شعائر اسلام کا انہار کرتا ہو اور اس کے دل میں کفر یہ عقائد ہوں۔ (شرح المقاصد ج ۵ ص ۳۷ مطبوعہ منثورات الشریف الرضی ایران ۱۴۰۹ھ)

ملحد جو شخص شریعت مستقیمہ سے کفر کی کسی جہت کی طرف میلان کرے اس میں وجود باری کو ماننے کی شرط ہے نہ نبوت کے ماننے کی شرط ہے نہ کفر کو چھپانے کی شرط ہے نہ پہلے اسلام کو ماننے کی شرط ہے یہ کفر کی تمام اقسام سے عام ہے۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۱۲۶)

۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۱ ص ۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۳ھ

علامہ سید احمد طحطاوی حنفی زندیق کے متعلق لکھتے ہیں:

”قادی قاری الہدایہ“ میں لکھا ہے کہ زندیق وہ شخص ہے جو دہر کے قدیم ہونے کا معتقد ہو خالق اور آخرت پر ایمان نہ لائے اور اس کا اعتقاد ہو کہ اموال اور محرکات مشرک ہیں اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ زندیق وہ شخص ہے جو خدا کا قائل ہو نہ آخرت کا اور نہ کسی چیز کو حرام سمجھتا ہو یہ علامہ پیری سے منقول ہے اور ”فتح القدیر“ میں ہے کہ زندیق کسی دین کا قائل نہیں ہوتا اور ”حاشیہ ابی سعید“ میں ”ملغبات“ سے منقول ہے کہ زندیق کی تین قسمیں ہیں (۱) زندیق اصلی بہ وہ نجس شخص ہے جو اپنے سابق شرک پر قائم ہو (۲) زندیق غیر اصلی وہ شخص ہے جو پہلے مسلمان ہو اور پھر زندیق ہو جائے اس پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر یہ مسلمان ہو گیا تو فیہا ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ یہ مرتد ہے (۳) جو شخص پہلے ذمی ہو اور پھر زندیق ہو جائے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ کفر مات واحدہ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ زندیق کی توبہ مقبول ہے اور توبہ اس سے قتل کو ساقط کر دیتی ہے۔ (حاشیہ الطحطاوی علی اندر المختار ج ۲ ص ۲۸۵ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۵ھ)

علامہ طحطاوی نے زندیق کی جتنی تعریفیں لکھی ہیں یہ سب اس کے لغوی معنی ہیں اصطلاح شرع میں اس کا وہی معنی ہے جو علامہ تفتازانی نے لکھا ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

علامہ ابن کمال پاشا نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ لغت میں زندیق اس شخص کو کہتے ہیں جو خالق کی نفی کرے اور جو متعدد خداؤں کا قائل ہو اور جو اللہ کی حکمت کا انکار کرے اور اصطلاح شرع میں زندیق وہ شخص ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعتراف کرے اور کفر کو مخفی رکھے جیسا کہ ”شرح مقصد“ میں ہے زندیق کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ اپنی گمراہی کی طرف دعوت نہیں دیتا تو پھر اس کی تین قسمیں ہیں (زندقہ اصلی، غیر اصلی اور وہ زندیق جو پہلے نجس ہو ان کی تفصیل علامہ طحطاوی کی عبارت میں گزر چکی ہے) اور اگر زندیق اپنی گمراہی کی طرف لوگوں کو دعوت دے تو اگر اس نے گرفتار ہونے سے پہلے اپنے اختیار سے توبہ کر لی ہے تو اس کی توبہ قبول ہوگی ورنہ اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اگر یہ اعتراف کیا جائے کہ زندیق تو اپنے کفر کو مخفی رکھتا ہے وہ اپنی گمراہی کی طرف کیسے لوگوں کو دعوت دے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اپنے کفر پر اسلام کا طمع چڑھا کر اور اپنے عقائد فاسدہ کو عقائد صحیحہ کی صورت میں پیش کر کے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دے گا (جیسے ہمارے زمانہ میں مرزائی ہیں)۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۹۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سنو یہی لوگ بے وقوف ہیں لیکن ان کو علم نہیں ہے (۱۱۰ البقرہ ۱۳)

صحابہ کرام پر سب و شتم کی مذمت اور رد

منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو جاہل کہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا اور ان کی زیادہ جہالت بیان کی کہ وہ نہ صرف جاہل ہیں بلکہ ان کو اپنی جہالت کا علم بھی نہیں اور اس آیت میں قصر قلب ہے اور کئی وجہ سے تاکید ہے قصر قلب کا تقاضا یہ ہے کہ اصحاب رسول جاہل نہیں ہیں بلکہ یہی جاہل ہیں اور اپنی جہالت سے بھی جاہل ہیں اور خود کو عالم سمجھ رہے ہیں اور اس جملہ کو اللہ تعالیٰ نے ”الا“ ان ”اور اسمیت جملہ سے موکد فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ ہمیشہ ہمیشہ جہالت میں رہیں گے اور ان کو اپنی جہالت کا علم نہیں ہوگا اور ایسی جہالت زیادہ لائق مذمت ہے کیونکہ جس شخص کو کسی چیز کا پتا نہ ہو اس میں صرف ایک جہالت ہے اور وہ بس اوقات معذور ہوتا ہے اور جب اس کو اس چیز کا پتا چل جائے یا اس کو مسئلہ بتا دیا جائے تو اس کی جہالت زائل ہو جاتی ہے اور اس کو ہدایت سے نفع پہنچتا ہے اور جو شخص جاہل ہو اور وہ اپنی جہالت سے بھی جاہل ہو اس

ہیں دو جہالتیں ہیں ایک مسئلہ سے جہالت دوسری اپنی بہالت سے جہالت اس کو جہل مرکب کہتے ہیں۔
اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو سب دشتم کرنا اللہ کو بہت ناگوار ہے منافقین نے ایک بار صحابہ کو جاہل کہا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ آیت نازل کر دی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ جاہل نہیں بلکہ اس کو جاہل کہنے والے خود جاہل ہیں اور اپنی جہالت سے بھی جاہل ہیں اور ان کا جہل دائمی ہے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی جہل سے برائت کی اور ان کو جاہل کہے والوں کی مذمت کی منافقوں نے تو ایک بار صحابہ کو جاہل کہا تھا لیکن جب تک قرآن مجید پڑھا جاتا رہے گا یہ کہا جاتا رہے گا کہ منافق جاہل ہیں اور دائمی جہل میں گرفتار ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ پر سب دشتم کرنے والوں کا رد کرنا چاہیے اور صحابہ کا دفاع کرنا چاہیے کہ یہ سنت، لہجہ ہے

وَإِذْ يَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَقَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ

اور جب یہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اور جب یہ اپنے شیطانوں کے ساتھ تنہائی میں

شَاطِئِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزَؤُونَ ﴿۱۴﴾

ہوتے ہیں تو کہتے ہیں یقیناً ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان کے ساتھ مذاق کرتے ہیں ○

اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۵﴾

اللہ ان کو ان کے مذاق کی سزا دے رہا ہے اور ان کو ڈھیل دے رہا ہے یہ اپنی سرکشی میں اندھوں کی طرح بھٹک رہے ہیں ○
ان شیطانیوں کا بیان جن سے منافق خلوت میں ملتے تھے

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ بعض یہودی (یعنی منافق) جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے ملاقات کرتے تو کہتے ہم تمہارے دین پر ہیں اور جب اپنے اصحاب سے تنہائی میں ملتے جو کافروں کے سردار تھے تو کہتے یقیناً ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف مذاق کرتے ہیں۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۱۱۱ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ حازن اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ سامنے سے صحابہ کرام ان کی طرف آرہے ہیں اس نے اپنی قوم سے کہا دیکھو میں ان بے وقوفوں کو کس طرح تم سے واپس کرتا ہوں اس نے حضرت ابو بکر کا ہاتھ پکڑ کر کہا مرد بااے بنو تیم کے سردار! شیخ الاسلام عار میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رفیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنی جان اور مال کو خرچ کرنے والے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا مرد بااے بنو عدی کے سردار! فاروق اللہ کے دین میں قوی اپنی جان اور مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے پھر حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر کہا مرد بااے رسول اللہ کے عم زاد! آپ کے داماد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تمام بنو ہاشم کے سردار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابی اللہ سے ذرففاق نہ کر منافق اللہ کی بدترین مخلوق ہیں عبد اللہ بن ابی نے کہا اے ابو الحسن! ذرا ٹھہریے خدا کی قسم! میں نے یہ باتیں ازراہ نفاق نہیں کہیں ہمارا ایمان آپ ہی کی طرح ہے پھر صحابہ کرام کے جانے کے بعد عبد اللہ بن ابی نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم نے دیکھا

میں نے ان کو کیے بے وقوف بنایا (معاذ اللہ) صحابہ کرام نے واپس آ کر یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن ج ۱ ص ۳۰-۳۹ مطبوعہ دارالکتب المصریہ بیروت)

علامہ خفاجی نے اس روایت پر حسب ذیل تبصرہ کیا ہے:

اس حدیث کو واحدی نے اپنی سند کے ساتھ روایت ہے حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی سند بیان کر کے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے اور کہا یہ سلسلۃ الذہب نہیں ہے بلکہ سلسلۃ الکذب ہے (یعنی جھوٹی حد ہے) اور اس حدیث کے موضوع ہونے کے آثار ظاہر ہیں کیونکہ محدثین کی تصحیح کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے آتے ہی شروع میں سورہ بقرہ نازل ہوئی تھی اور ہجرت کے دوسرے سال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ سے شادی ہوئی تھی اور اس حدیث میں ہے کہ عبد اللہ بن ابی نے حضرت علی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا داماد کہا۔

(علیہ القاضی ج ۱ ص ۳۳۹ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب یہ اپنے شیاطین سے خلوت میں ملتے ہیں۔ (البقرہ ۳)

علامہ ابواللیث سمرقندی نے لکھا ہے کہ شیاطین سے مراد یہود کے پانچ قبیلے ہیں، کعب بن اشرف مدینہ میں ابوہریرہؓ و اسلم بن ابوالسوداء شام میں عبدالدار جہینہ میں سے و عوف بن مالک بنو اسد سے ابو عبیدہ نے کہا ہر وہ شخص جو گمراہ اور سرکش ہو وہ شیطان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ان کے ساتھ استہزاء فرماتا ہے۔ (البقرہ ۱۵)

اللہ تعالیٰ کے استہزاء کی توجیہ

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ قصد مذاق کرنے کو استہزاء کہتے ہیں اور استہزاء کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہو تو اس کا معنی استہزاء کی جزا دینا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ایک مدت تک مہلت دیتا ہے پھر اچانک ان کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اس کو استہزاء اس لیے فرمایا ہے کہ منافقین اس دھوکے میں تھے کہ وہ مسلمانوں کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے نفاق اور سرکشی کے باوجود ان پر مسلمانوں کے احکام جاری کئے گئے اور ان سے مواخذہ نہیں کیا گیا لیکن حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے نفاق کا علم تھا اور آخرت میں ان کے ساتھ صورۃ استہزاء پیا جائے گا۔ حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

امام ابن المنذر نے ابوصالح سے روایت کیا ہے کہ دوزخ میں دوزخیوں سے کہا جائے گا کہ دوزخ سے نکلو اور دوزخ سے دروازے کھول دیے جائیں گے جب وہ دوزخ کے کھلے ہوئے دروازے دیکھیں گے تو وہ دوزخ سے نکلنے سے بھاگتے ہیں اور مومن جنت میں اپنے تختوں پر بیٹھے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے ہوں گے اور جب کفار دروازوں کے قریب پہنچیں گے تو وہ دروازے بند ہو جائیں گے اور مومن ان پر غصے گے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے

قَالِیَوْمَ الَّذِینَ اٰمَنُوا مِنَ الْکُفَّارِ یَصْطَعُکُوْنَ عَلٰی الْاَرَآءِیَکَ یَنْظُرُوْنَ ۝ هَلْ نُنَبِّئُکَ مَا کَانَوْا یَفْعَلُوْنَ ۝ ہیں وہ (عالی شان) تختوں پر بیٹھے ہوئے دیکھتے ہیں کہ (مطفحین ۳۶-۳۷) کافروں کو ان کے کیے ہوئے کاموں کا کیا بدلہ ملا ہے

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے استہزاء کی جزا (سزا) کو استہزاء صورۃ فرمایا ہے حقیقت میں یہ استہزاء نہیں ہے اس کی تفسیر یہ

۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ درمنثور ج ۱ ص ۲۶ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران

آیت ہے۔

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ (الشوریٰ ۴۰)

اور برائی کا بدلہ ای کی مثل برائی ہے۔

حالانکہ برائی کا بدلہ حقیقت میں عدل و انصاف ہوتا ہے برائی نہیں ہوتی لیکن کسی چیز کا بدلہ سورۃ ان کی مثل ہوتا ہے اس لیے اس کو برائی فرمایا اسی طرح منافقین کے اسہرا کا بدلہ طیفۃ استہراء کہیں سورۃ مائیں ہونے کی وجہ سے اس کو اسہرا فرمایا۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۖ فَمَا يَحْتَسِبُ تِجَارَتُهُمْ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلہ میں خریدا سو ان کی تجارت نفع بخش نہ ہوئی اور

وَمَا كَانُوا مُهْتَدِیْنَ ۚ ۱۶ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ

نہ یہ ہدایت یافتہ تھے ۱۶ ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی اور جب

فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي

اس کا ماحول روشن ہو گیا تو اللہ نے ان کا نور بصارت سلب کر لیا اور ان کو

ظُلُمٰتٍ لَا یُبْصِرُونَ ۚ ۱۷ صُمُّ بَكْمٌ عَنِ ذٰلِكَ لَا یَرْجِعُونَ ۚ ۱۸

اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ نہیں دیکھتے ۱۷ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں پس وہ (ہدایت کی طرف) رجوع نہیں کریں گے ۱۸

اس جگہ خرید و فروخت کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ انہوں نے ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو اختیار کر لیا ان کے سامنے قرآن کریم اور رسول اللہ کی پیش کردہ ہدایت بھی تھی اور اس کے مقابلہ میں یہودیت کے عارضی منافع بھی تھے لیکن انہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو اختیار کر لیا اس تجارت میں اس کا اس المال بھی ضائع ہو گیا کیونکہ ان کی نصرت میں ہدایت کو قبول کرنے کی جو استعداد اور صلاحیت تھی وہ بھی ضائع ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی اور جب اس کا ماحول روشن ہو گیا تو اللہ نے ان کا نور بصارت سلب کر لیا۔ (البقرہ: ۱۷)

منافقین کے احوال کی پہلی مثال

علامہ ابن جریر لکھتے ہیں:

فقادہ نے بیان کیا ہے کہ جب منافق "لا الہ الا اللہ" کہتا ہے تو اس کے لیے دنیا میں روشنی ہو جاتی ہے وہ مسلمانوں سے اپنی جان و مال کو محفوظ کرتا ہے زکوٰۃ صدقات اور مال غنیمت کے فوائد حاصل کرتا ہے اور مسلمانوں میں نکاح کرتا ہے اور ان کا وارث ہوتا ہے اور جب اس کو موت آتی ہے تو اسلام کے تمام ثمرات اور فوائد ختم ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ دل سے مسلمان نہ تھا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۱۱۱-۱۱۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور ان کو ظلمات (اندھیروں) میں چھوڑ دیا۔ (البقرہ ۱۷)

ظلمت اس چیز کو کہتے ہیں جو دیکھنے سے منع کرتی ہے منافعوں کے لیے کئی ظلمات ہیں ظلمت کفر، ظلمت فساد اور ظلمت یوم قیامت جس دن مومنوں کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب چمک رہا ہوگا اور منافقوں کے سامنے اندھیرا ہوگا یا اس سے مراد ہے گمراہی کی ظلمت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی ظلمت اور دائمی عتاب کی ظلمت۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس لوگوں کی مثال بیان کی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ایک طرح کی ہدایت مہیا کی اور انہوں نے اس کو ضائع کر دیا اور جنت کو حاصل نہیں کیا اس آیت کے عموم میں یہ منافق بھی داخل ہیں کیونکہ انہوں نے کلمہ بڑھا لیکن کفر کو مخفی رکھنے اور اپنے شیطانوں کی موافقت کرنے کی وجہ سے اس کو ضائع کر دیا اس آیت کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گئے اور اس آیت میں وہ بھی داخل ہیں جو مقام ارادت (یہ احوال سالک کی ابتداء سے جس سے وہ نفسانی خواہشوں کو ترک کرتا ہے راضی بہ رضاء الہی رہتا ہے تو اس پر انوار الہیہ کا فیضان ہوتا ہے) پر فائز ہوتے ہیں اور اس سے اگلے مقام مقام محبت کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں تو مقام ارادت کا نور بھی جاتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں پس وہ (ہدایت کی طرف) رجوع نہیں کریں گے (البقرہ ۱۸) یعنی حق کو سننے سے بہرے ہیں حق بولنے سے گونگے ہیں اور حق دیکھنے سے اندھے ہیں اللہ تعالیٰ نے کان اس لیے دیے ہیں کہ وہ حق کو سنیں سو جس نے حق کو نہیں سنا وہ خواہ کان رکھتا ہو اللہ کے نزدیک بہرے اور زبان کلمہ حق بولنے کے لیے دی ہے سو جس نے کلمہ حق نہیں بولا وہ خواہ زبان رکھتا ہو وہ اللہ کے نزدیک گونگا ہے اور جس نے حق کو نہیں دیکھا وہ خواہ آنکھیں رکھتا ہے وہ اللہ کے نزدیک اندھا ہے یہ لوگ اب اس ہدایت کی طرف نہیں لوٹیں گے جس کو ضائع کر چکے ہیں اور اس گمراہی کو ترک نہیں کریں گے جس کو اختیار کر چکے ہیں۔

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَّجْعَلُونَ

یا ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو آسمان سے برسنے والی بارش میں (گھرے ہوئے) ہوں اس بارش میں تاریکیوں، ترک

أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ

اور چمک ہو وہ ترک (سن کر) جان کے خوف سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس بیٹے ہیں اور اللہ کافروں کو

بِالْكَافِرِينَ ۙ يَكَادُ الْبَرْقُ يُخْطِفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ

گھرے ہوئے ہے ۞ لگتا ہے کہ بجلی ان کی بصارت اچھ لے گی جب بھی ان کے لیے بجلی

مَشَوْافِيهِ ۖ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ

چمکتی ہے تو وہ اس میں چپے لگتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں اور

بِسْمِعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت کو سلب کر لیتا یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۞

منافقین کے احوال کی دوسری مثال

امام ابن جریر طبری اس آیت کے تاں نزول میں اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن مسعودؓ وغیرہما سے روایت کرتے ہیں:

اہل مدینہ سے دو منافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے مشرکین کی طرف بھاگے تو ان کو اس بارش نے آلیہ جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے اس میں شور گرج اور کڑک تھی اور بجلی چمک رہی تھی اور جب بھی بجلی زور سے کڑکتی تو وہ موت کے ڈر سے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس لیتے اور جب بجلی چمکتی تو وہ اس کی روشنی میں چلتے اور جب اندھیرا چھا جاتا تو کھڑے رہ جاتے وہ کہنے لگے کہ کاش صبح ہو جائے تو ہم پھر (سیدنا حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلے جائیں پھر جب صبح ہوئی تو وہ آپ کے پاس آئے اور خصوص دل سے اسلام لے آئے اور انہوں نے نیکی کے ساتھ اسلام کے احکام پر عمل کیا اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے منافقوں کی مثال ان دو منافقوں کے ساتھ دی ہے جو مدینہ سے نکلے تھے۔

منافق جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تو وہ اس خوف سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے کہ مبادا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے متعلق کوئی کلام نازل ہوا ہو یا ان کی کوئی بات پکڑی گئی ہو اور ان کو قتل کرنے کا حکم دیا جائے جس طرح بارش میں گھرے ہوئے ان دو منافقوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لی تھیں اور جب فتوحات اسلام کی وجہ سے ان کو بہت زیادہ مال غنیمت ملا اور ان کے ہاں اولاد ہوئی تو وہ اسلام پر کچھ قائم ہوئے اور کہنے لگے کہ (سیدنا حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین حق ہے جس طرح وہ دو منافق بجلی کی روشنی میں چل پڑتے تھے اور جب کسی مصیبت کی وجہ سے ان کا مال اور اولاد ہلاک ہو جاتے پھر کفر کی طرف لوٹ جاتے اور کہتے کہ یہ دین (سیدنا حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وجہ سے ہے جس طرح جب بجلی چمکتی اور اندھیرا چھا جاتا تو وہ دو منافق کھڑے رہ جاتے تھے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۱۱۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

دونوں مثالوں کا تجزیہ

پہلی مثال ان لوگوں کی ہے جو دل میں قطعی منکر تھے اور کسی دنیاوی غرض اور مصلحت کی وجہ سے مسلمان بن گئے تھے اور یہ دوسری مثال ان منافقین کی ہے جو شک اور تذبذب میں مبتلا تھے زکوٰۃ اور مال غنیمت کو تو دلی رغبت سے قبول کرتے لیکن اسلام کی خاطر جہاد کی آزمائشوں کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

آیا عہد رسالت کے بعد منافقوں کا وجود ہے یا نہیں؟

منافقوں کا وجود صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری ہی میں ممکن تھا یہ آپ ہی کا منصب تھا کہ آپ وحی الہی سے یہ بتائیں کہ فلاں شخص منافق ہے اور اب جب کہ وحی منقطع ہو چکی ہے تو اب کسی شخص کے متعلق یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ وہ منافق ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخص قطعی طور پر کسی کے دل کے حال پر مطلع نہیں ہو سکتا لہذا جو شخص اسلام کو ظاہر کرے گا وہ مسلمان ہے اور جو کفر کو ظاہر کرے گا وہ کافر ہے اور جو اسلام سے کفر کی طرف لوٹ جائے گا وہ مرتد ہے اور جو شخص اپنے کفریہ عقائد پر اسلام کا طمع چڑھائے گا وہ زندیق ہے اور حقیقی منافق کوئی نہیں ہے البتہ جو شخص بے عمل ہو اس کو عمل کے اعتبار سے منافق کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے (۱۰) (عرہ ۱۰)
شے کے معنی میں اہل سنت اور معتزلہ کا اختلاف

شے کے معنی میں معتزلہ اور اہل سنت کا اختلاف ہے معتزلہ کے نزدیک شے کا معنی ہے جس کا موجود ہونا صحیح ہو یہ معنی واجب اور ممکن دونوں کو شامل ہے معتزلہ کے نزدیک شے کی دوسری تعریف یہ ہے کہ جس چیز کا معلوم ہونا صحیح ہو یا جس چیز کی خبر دینا صحیح ہو اور یہ معنی واجب ممکن اور متمنع بنیوں کو شامل ہے اور جب کہ واجب اور متمنع تحت قدرت نہیں ہیں اس لیے ہر تقدیر پر معتزلہ کو شے کے ساتھ ممکن کی قید لگانی پڑے گی یعنی اللہ ہر شے ممکن پر قادر ہے اہل سنت کے نزدیک شے موجود کے ساتھ خاص ہے کیونکہ شے مصدر ہے اگر یہ بمعنی اسم فاعل ہے یعنی "شاء" تو اس وقت یہ واجب کو بھی شامل ہوگا جیسا کہ اس آیت میں ہے:

قُلْ أَتَى شَيْءٌ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ
آپ کہیے سب سے بڑی گواہی کس کی ہے؟ آپ
(۱۱) انعام ۱۹ کہیے اللہ۔

شے کا دوسرا معنی ہے "مشییء و حوۃ" جس کا وجود چاہا گیا ہو یہ اس وقت بمعنی مفعول ہے اس کا معنی ہے جو موجود ہو خواہ حال میں خواہ استقبال میں "ان اللہ خالق کل شئی اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے" اور "ان اللہ علی کل شیء قدیور" میں شے بمعنی موجود ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر موجود پر قادر ہے خواہ وہ اب موجود ہو یا مستقبل میں۔

(انوار اشراق میں ۳۸) (دری) مطبوعہ محمد سعید ایڈمنسٹریشن کراچی

اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کا محال ہونا

بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کے امکان کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اور کذب بھی ایک شے ہے لہذا اللہ تعالیٰ کذب پر بھی قادر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ شے کا معنی موجود ہے خواہ حال میں یا استقبال میں اگر تم اس آیت سے اللہ تعالیٰ کے کذب پر استدلال کرتے ہو تو صرف کذب کا امکان لازم نہیں آئے گا بلکہ یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ حال یا استقبال میں بالفعل کذب ہو (مع اللہ) اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

مخالفین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ زید کو اپنے کذب پر قدرت ہے اب اگر خدا کو اپنے کذب پر قدرت نہ ہو تو زید کی قدرت خدا کی قدرت سے بڑھ جائے گی۔ اس کا جواب (بہ طور نقض اجمالی) یہ ہے کہ اس طرح تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ زید کو اپنے عدم پر قدرت ہے مثلاً وہ خودکشی کر لے اب اگر خدا کو اپنے عدم پر قدرت نہ ہو تو زید کی قدرت خدا سے بڑھ جائے گی تو خدا کا معدوم ہونا بھی ممکن ہو گیا اور جس کا عدم ممکن ہو وہ ممکن ہوتا ہے واجب نہیں ہوتا اور اس کا دوسرا جواب (بہ طور نقض تفصیلی) یہ ہے کہ زید کی قدرت کا خدا کی قدرت سے بڑھنا تب لازم آئے گا کہ جس پر زید کو قدرت ہے عینہ اسی چیز پر خدا کو قدرت نہ ہو اور یہاں اس طرح لازم نہیں آتا کیونکہ زید کو اس پر قدرت ہے کہ زید جھوٹ بولے اور اس پر خدا کو بھی قدرت ہے کہ زید سے جھوٹا کلام صادر کرے بلکہ اصل میں خدا ہی کی قدرت ہے کہ زید کی قدرت تو عجز ہے اور جس پر خدا کی قدرت نہیں ہے کہ خدا سے جھوٹ صادر ہو اس پر زید کو کذب قدرت ہے اہل خالطہ کی وجہ یہ ہے کہ معتزلہ نے دونوں جگہ اپنے اپنے لفظ کو دیکھ کر زید کو اپنے کذب پر قدرت اور خدا کو اپنے کذب پر قدرت اور یہ نہیں غور کیا کہ زید کو اپنے کذب پر قدرت کا معنی ہے زید سے کذب کا صدور ہو اور خدا کو اپنے کذب پر قدرت کا معنی ہے خدا سے کذب کا صدور ہونا

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے معنی کی تحقیق اور اس کے کذب کے محال ہونے پر دلائل علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

قادر وہ شخص ہے جو اگر چاہے تو کوئی کام کرے اور اگر چاہے تو وہ ترک کر دے اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو فعل اور ترک فعل کا اختیار ہو اور یہ اس کے لیے ممکن ہو یعنی اگر اس کے لیے فعل کا دعویٰ اور ترک ہو تو اس کے لیے فعل کرنا ممکن ہو اور اگر اس کے لیے ترک کا باعث اور ترک ہو تو اس کے لیے ترک کرنا ممکن ہو۔

(شرح القاصد ج ۳ ص ۸۹، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی، ایران ۱۳۰۹ھ)

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں

قدرت وہ صفت ہے جس کی وجہ سے کسی زندہ شخص کے لیے اپنے ارادہ سے کسی فعل کا کرنا یا اس کا ترک کرنا ممکن ہوتا ہے۔ (تحریرات ص ۷۳، مطبوعہ المطبعۃ الخیر، مصر ۱۳۰۶ھ)

عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کذب، ظلم، جہل اور دیگر برائیوں پر قادر نہ ہو تو یہ اس کے علی الاطلاق قادر ہونے کے منافی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال اس وقت لازم آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کذب، ظلم اور جہل وغیرہ کا ارادہ کرتا اور ان کو وجود میں نہ لاسکتا لیکن اللہ تعالیٰ کذب اور ظلم وغیرہ کا ارادہ نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ سبحان ہے اور اس کے سبحان اور قدوس ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے لیے برائی کا ارادہ کرنا محال ہو اس لیے کذب پر قادر نہ ہونے سے اس کا عجز لازم نہیں آتا عجز اس وقت ہوتا جب وہ کذب اور ظلم کا ارادہ کرتا اور ان کو وجود میں نہ لاسکتا دوسرا جواب یہ ہے کہ عجز اس وقت ہوتا جب کسی فعل کا ہونا ممکن ہوتا اور پھر اس فعل کو وجود میں نہ لایا جاسکتا سو جس طرح دوسرے خدا کو پیدا کرنا ممکن نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے ولد کا ہونا ممکن نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی زوجہ کا ہونا ممکن نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا پیدا ہونا یا اس کا مرنا ممکن نہیں ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا اور اس کا ظلم کرنا ممکن نہیں ہے اور چونکہ یہ تمام امور ممکن نہیں ہیں اس لیے اس پر اللہ تعالیٰ کے قادر نہ ہونے سے اس کا عجز لازم نہیں آتا۔

رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا کذب کیوں ممکن نہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت قدیم ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت حادث ہو تو وہ کل حوادث ہوگا اور کل حوادث خود حادث ہوتا ہے اور جب کذب قدیم ہوگا تو پھر اللہ تعالیٰ صدق سے متصف نہیں ہو سکتا کیونکہ صدق تو کذب کی نقیض ہے لہذا اگر صفت کذب کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ صدق سے متصف ہو تو اجتماع نقیضین لازم آئے گا اور یہ محال ہے اور اللہ تعالیٰ صدق سے متصف ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا (النساء ۸۷) اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون صادق ہے O

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صادق ہے اور اس کا صدق قدیم ہے اور کذب صدق کے زوال کا نام ہے اور اس کا صدق زائل نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ قدیم ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کا کذب ہو نہیں سکتا صدق جا نہیں سکتا اور کذب آ نہیں سکتا۔

نیز ہم اس سے پہلے علامہ بیضاوی کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ "اِنَّ اللّٰهَ عَسٰی کَلَّ شَنِیْ قَدِیْرٌ" کا معنی ہے اللہ تعالیٰ ہر اس چیز پر قادر ہے جس کو وہ موجود کرنے کا ارادہ فرمائے اور اللہ تعالیٰ اس چیز کا ارادہ فرمائے گا جو اس کے سبحان اور قدوس ہونے کے خلاف نہ ہو کذب اور ظلم میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے تحت آسکیں اس لیے وہ اس کی قدرت کے تحت نہیں ہیں جیسے بال تفاق اللہ تعالیٰ کے شریک کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی قدرت کے تحت نہیں ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا اس امید پر کہ

قَبْلَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۲۱﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا

تمہیں (پرہیزگار) بن جو جس نے تمہارے نفع کے لیے زمین کو فرش

وَالسَّمَاءَ بَنَاءً ۖ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنْ

اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی نازل کیا اور پانی سے تمہارے رزق کے لیے کچھ

الشَّجَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أُندَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۲﴾

پھل پیدا کیے لہذا تم اللہ کے لیے شرکا نہ بناؤ جب کہ تم جانتے ہو

ربط آیات اور التفات کے فوائد

اللہ تعالیٰ نے سورہ قرہ کے شروع سے یہاں تک مومنین، کفار اور منافقین کا ذکر فرمایا اور ان میں سے ہر ایک کے خواص کا ذکر فرمایا کہ مومنین نے قرآن مجید کی ہدایت سے نفع اٹھایا، غیب پر ایمان لائے، نماز پڑھی اور خدا کی راہ میں مال خرچ کیا اور دنیا اور آخرت میں فلاح پائی، کفار نے کفر پر اصرار کیا اور ان کی ضد اور عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اور ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے اور منافقین نے اپنے کفر کو مخفی رکھا اور اپنے زعم میں خدا ر سوں اور مومنوں کو ہموکا دیا پھر ان کی خصوصیات کے متعلق دو بلیغ مثالیں بیان فرمائیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان تمام گروہوں کو اے لوگو! فرما کر خطاب کیا اور ان سب کو عبادت کرنے کا حکم دیا۔ پہلے ان کا غائب کے صیغوں کے ساتھ ذکر فرمایا اور پھر ان سے باشاف خطاب فرمایا تاکہ سننے والوں کا ذہن بیدار اور متوجہ رہے اور ان کی رغبت اور شوق میں اضافہ ہو اور اس پر تنبیہ ہو کہ عبادت ایک مہتمم باشان فعل ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں سے مخاطب ہو کر ان کو عبادت کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ خطاب کی لذت سے عبادت کی مشقت اور کلفت جاتی رہے۔ ہم اس سے پہلے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں عبادت کا معنی بیان کر چکے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اعتقاد الوہیت کے ساتھ کسی کی تعظیم اور اطاعت کرنا یا نفس کی خواہش کے خلاف اپنے رب کی تعظیم کے لیے مکلف کا کوئی کام کرنا عبادت ہے۔

باد جود اللہ تعالیٰ کے قرب کے ”یا ایہا الناس“ سے ندا کرنے کی توجیہ

عربی زبان میں بعید شخص اور دور والے کو ندا کرنے کے لیے ”یا“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور قریب والے اور نزدیک شخص کو ندا کرنے کے لیے ”ای“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور بعض اوقات قریب شخص کو بعید کے قائم مقام کر کے اس کو بھی ”یا“ کے ساتھ ندا کی جاتی ہے کبھی کسی کی عظمت کی وجہ سے بعد رتبہ کو بعد مقام کے مرتبہ میں نازل کرتے ہیں جیسے دعا کرنے والا ”یا اللہ“ کہتا ہے اور کبھی کسی غفلت کی وجہ سے اس کو بعید قرار دیتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”یا ایہا الناس“ اور کبھی اس اعتبار سے کہ واجب اور قدیم کے مقابلہ میں ممکنات اپنے حدوث اور امکان کی وجہ سے انتہائی پستی اور بعد میں ہیں جیسے

قرآن مجید میں "یا سماء یا ارض یا حال یا نار" وغیرہ کی نداء ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں سے اس کی نداء کی بھی مراد قریب ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے "یا ایہا الناس" فرمایا اس لیے کہ تمام لوگ اپنی غفلت یا اپنے امکان اور حادثہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے بعید ہیں۔

"یا ایہا الناس" سے سورہ بقرہ کے مدنی ہونے پر اعتراض کا جواب

علامہ خفاجی لکھتے ہیں:

امام براز نے اپنی "مسد" میں امام حاکم نے "مستدرک" میں اور امام بیہقی نے "دلیل اللہ" میں اپنی اپنی سندوں سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس سورت میں "یا ایہا الناس" ہو مدنی ہے اور جس سورت میں "یا ایہا الدین اموا" ہو وہ مدنی ہے اس لحاظ سے یہاں پر یہ اشکال ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور اس میں "یا ایہا الناس" سے خطاب ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ جس سورت میں فقط "یا ایہا الناس" ہو وہ مدنی ہوتی ہے اور اس سورت میں "یا ایہا الناس" کے علاوہ "یا ایہا الدین اموا" سے بھی متعدد جگہ خطاب ہے نیز ایک اور قاعدہ یہ ہے کہ جس سورت میں منافقین کا ذکر ہو وہ سورت مدنی ہوتی ہے لہذا روایت اور روایت کے لحاظ سے اس سورت کا مدنی ہونا متعین ہے اور علامہ بیضاوی وغیرہ کا اس قاعدہ پر اعتراض کرنا عدم تہ پر مبنی ہے۔ (عیان القاسم ج ۲ ص ۶ ملخص مطبوعہ دارالحدیث دہلی ۱۳۸۳ھ)

مومنین، کفار اور منافقین کے لیے عبادت کے حکم کا الگ الگ معنی

اس آیت میں مومنین، کفار اور منافقین کو عبادت کرنے کا حکم دیا ہے مومنین کو عبادت کے حکم کا یہ معنی ہے کہ وہ ریہہ عبادت کریں یا دایما عبادت کریں اور عبادت پر ثابت قدم رہیں اور منافقین کو عبادت کے حکم کا معنی یہ ہے کہ وہ غفلت و ترک کر کے اخلاص سے عبادت کریں اور کفار کو عبادت کے حکم کا معنی یہ ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد عبادت کو شروع کریں کیونکہ جو کام کسی چیز پر موقوف ہو تو اس کام کا حکم دینا اس کو مستلزم ہے کہ پہلے اس چیز کو حاصل کر دے پھر اس کام کو کرے جس طرح سی شخص کو نماز کا حکم دینا اس کو مستلزم ہے کہ وہ پہلے وضو کرے اور پھر نماز پڑھے اسی طرح کفار کو عبادت کا حکم دینا اس کو مستلزم ہے کہ وہ پہلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائیں اور پھر اس کی عبادت کریں۔

کفار کے فروع کے مکلف ہونے میں علماء بخارا اور علماء شافعیہ کا اختلاف اور صحیح موقف کا بیان

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کفار فروع (مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ) کے مکلف فقط اعتقاد میں ہیں یا اداء اور اعتقاد دونوں کے مکلف ہیں بخارا کے علماء احناف کا مسلک یہ ہے کہ وہ صرف حق اعتقاد میں مکلف ہیں یعنی کفار پر یہ ضروری ہے کہ وہ نماز، روزہ وغیرہ کی فرضیت کا اعتقاد رکھیں اور جب تک وہ ایمان نہ لائیں ان پر ان عبادات کا ادا کرنا فرض نہیں ہے اور عراق کے علماء احناف اور علماء شافعیہ کا یہ مسلک ہے کہ کفار نماز، روزہ وغیرہ کی فرضیت پر ایمان لانے اور ان کو ادا کرنے دونوں کے مکلف ہیں اور ان کو ادا نہ کرنے کی وجہ سے ان کو عذاب ہوگا امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے ان میں سے کسی جانب تہریخ نہیں کی البتہ امام محمد کی بعض عبارات سے عراقی علماء کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے اور قرآن مجید کی ان آیات کا بھی بہ ظاہر یہی تقاضا ہے:

وَالَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ ۚ وَالَّذِينَ لَا يَحْكُمُونَ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ ۚ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰﴾

اور عذاب ہے مشرکوں کے لیے ۱۰ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہی آخرت کے مشرک ہیں ۱۰

علامہ بخارا اس آیت کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ مشرکین کو زکوٰۃ کی فرضیت کا اعتقاد نہ رکھنے کی وجہ سے عذاب ہوگا فریقین

کے اس اختلاف کا بہ طور مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علماء بخارا کا نظریہ صحیح ہے کیونکہ اگر کفار اپنے کفر کے زمانہ میں نماز اور روزہ وغیرہ کے ادا کرنے کے مکلف ہوں تو اسلام قبول کرنے کے بعد ان پر نمازوں اور روزوں کی قضاء لازم ہونی چاہئے حالانکہ عہد رسالت میں اس کی کوئی نظیر نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو اسلام قبول کرنے کے بعد زمانہ کفر میں چھوڑی ہوئی نمازوں اور روزوں کا مکلف کیا ہو۔

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ عراقیوں کا قول ہی معتد ہے جو کہتے ہیں کہ کفار اعتقاد اور اداء دونوں کے مخاطب ہیں

(رد المحتار ج ۳ ص ۳۳۳ 'دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ (۱۱۱: ۲۱)

اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا اعتراف

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ تمام انسانوں کو یہ تسلیم ہے کہ ان کو دوران سے پہلے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ کفار نے بھی اس کا اعتراف کر لیا تھا کہ ان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے قرآن مجید میں ہے

وَلَيْن سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَلَّىٰ يُؤْفَكُونَ

اور اگر آپ ان سے یہ سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے سو یہ کہاں بھٹک رہے

ہیں ○

وَلَيْن سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَنْ خَلَقَ السَّمَنَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَلَّىٰ يُؤْفَكُونَ ○

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے سو یہ کہاں بھٹک رہے ہیں ○

اور اگر کوئی کافر اور مشرک اس کا اعتراف نہ کرے کہ ان کا اور ان سے پہلے لوگوں کا بلکہ کائنات کا پیدا کرنے والا اللہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں بے شمار ایسے دلائل رکھے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خالق اور اس کے رب ہونے پر دلائل کرتے ہیں جو شخص ذرا سا بھی غور و فکر کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ کے خالق اور رب ہونے میں کوئی شک نہیں رہے گا ہم ان میں سے کچھ دلائل کا ذکر کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے خالق اور لاشریک ہونے پر دلائل

اس کائنات کا خالق انسان نہیں ہو سکتا کیونکہ انسان کا پیدا ہونا اور مرنا ہمارے سامنے ہے جمادات نباتات حیوانات دریا اور سمندر وغیرہ خالق نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کا بھی پیدا ہونا فنا ہونا اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متغیر ہونا ہماری نظر میں ہے سورج چاند اور ستارے وغیرہ خالق نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کا ایک مقررہ نظام کے تحت گردش کرنا ہمارے مشاہدہ میں ہے اور ان کا ایک مقررہ نظام کے تابع ہونا اس پر دلائل کرتا ہے کہ وہ کسی زبردست اور قہر نظام کے بنائے ہوئے نظام کے پابند ہیں اور جب اس سلسلہ کائنات میں سے کوئی چیز بھی اس کائنات کی خالق اور رب نہیں ہے تو ضرور اس کائنات کے علاوہ کوئی قادر و قیوم ہستی ہے جو اس سلسلہ ممکنات اور حوادث کی غیر ہے جو واجب اور قدیم ہے جس نے اس کائنات کو بنایا ہے اور وہ اللہ ہی ہے کیونکہ اسی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ اس پوری کائنات کو بنانے والا اور عدم سے وجود میں لانے والا ہے اسی نے دنیا والوں کے پاس انبیاء اور رسل بھیجے اور کتابیں نازل کیں اور نبیوں اور کتبوں کے واسطے سے اپنی ذات کا عرفان کرایا اور یہ پیغام بھیجے کہ سب انسان اس کی مخلوق ہیں اور سب پر اس کی عبادت لازم ہے اللہ کے سوا اور کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو اس

کائنات سے الگ اور مخار ہو اور اس نے اس کائنات کو بنائے اور اپنے رب ہونے کا دعویٰ کیا ہو یا کسی بی اور رسول کو بھیجا دیا یا ہی جنت قائم کرنے کے لیے کوئی کتاب نازل کی ہو اور جب اس کائنات کے اندر کوئی چیز بھی اس کائنات کی خالق نہیں ہے اور اس کائنات سے باہر اللہ کے سوا اور کوئی اس کائنات کی تخلیق کا دعویٰ دار نہیں ہے اور تعبیر کسی کے بنائے بہ کائنات ان نہیں ملتی و پھر اللہ کا یہ دعویٰ کیوں نہ مانا جائے کہ وہی اس کائنات کا خالق اور رب ہے اور وہی عبادت کا حق ہے واحد الاشریف ہے۔

عادہ ازیں اس کائنات کے اندر بھی کسی جن انسان 'فرشتے' پھر کے تراشے، نے بت پائی درست یا تارے نے کبھی از خود یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ اس کائنات کا بنانے والا ہے سورج کے سامنے زمین کی گردش سے لیل و نہار ان کے قسم سے بچتے ہیں اسی کے حکم سے ہارش نازل ہوتی ہے کسی چیز نے آج تک از خود اس پوری کائنات کے خالق ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس سلسلہ میں ممکنات اور حوادث میں سے کوئی چیز بھی اس کائنات کی خالق نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کوئی چیز اس کی تخلیق کی مدعی ہے تو پھر اس کائنات کا خالق ضرور اس کائنات کا غیر اور اس سے الگ کوئی ہستی ہے جو اس کائنات کی طرح حادث اور ممکن نہیں قدیم اور واجب ہے اور جب اس کائنات کے اندر اور باہر اللہ کے سوا اور کوئی اس کی تخلیق کا دعویٰ دار نہیں ہے تو پھر اللہ کو اس کائنات کا خالق اور رب کیوں نہ مانا جائے اور اس کو واحد اور الاشریف کیوں نہ تسلیم کیا جائے

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ ساری کائنات بغیر کسی بنانے والے کے از خود بن گئی ہے تو یہ بات بالکل بدایت کے خلاف ہے مٹی کے تیل کا ایک چراغ بھی از خود نہیں جلتا تو آسمانوں پر یہ ایروں تارے خود بہ خود کیسے روشن ہو گئے ایک گاس پانی بھی خود بہ خود مہیا نہیں ہوتا تو زمین کے نیچے ٹھٹھے خود بہ خود کیسے رواں ہو گئے اور اتنا بڑا سمندر کیسے وجود میں آگیا اور یہ زمین و آسمان کیسے خود بہ خود بن گئے پھولوں میں رنگ اور خوشبو پھولوں میں ذائقہ اور ایک مربوط اور مقرر نظام کے تحت اس کائنات کا چلنا کیسے خود بہ خود ہو گیا!

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

أَمْ خَلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ۝ أَمْ هُمْ خَالِقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ بَلْ لَا يُؤْقِنُونَ ۝ (النور ۲۶-۲۵)

کیا وہ کسی شے کے بغیر پیدا کئے گئے ہیں یا وہ (خود) خالق ہیں؟ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ وہ یقین نہیں رکھتے ۝

بیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

أَمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُشْكِرُوا شَجَرَهَا إِلَى إِلَهِكُمْ إِلَهُ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْبُدُونَ ۝ أَمْ مَنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَادِسَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۚ إِنْ إِلَهُ مَعَ الْإِلَهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۚ أَمْ مَنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاكَ ۚ

(بھلا بتاؤ تو سہی!) آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اور تمہارے لیے آسمان سے پانی کس نے نازل کیا ہے؟ ہم نے ہی اس پانی سے خوشنما باغ اگائے تمہارے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ تم ان (باغوں) کے درخت اگاتے کیا (اس تخلیق میں) اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو راہ راست سے انحراف کر رہے ہیں ۝ (بھلا بتاؤ تو

۱۔ فرعون وغیرہ نے اپنی ربوبیت یعنی لوگوں کے پالنے کا دعویٰ کیا پوری کائنات کے بنانے کا دعویٰ نہیں کیا وہ اپنی پرورش کرا۔ ۲۔ رشتہ عبادت ہونے کے خواہاں اور مدعی تھے اور ان کے مرنے کے بعد ان کے دعویٰ کا جھوٹا ہونا ظاہر ہو گیا۔

يَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُ لَكُمْ خُلَافَاءَ مِنْ دُونِ آلِهِ مَعَ اللَّهِ
قَلِيلًا مِمَّا تَكْفُرُونَ ۝ اَمَنْ يَهْدِيَكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ
وَمَنْ يُدْسِلِ الزَّيْبَ يُفْرَأْ بِكَ يَدِي وَحَمِيدٌ إِلَهُ مَعَ أَهْلِهِ
تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ اَمَنْ يَبْنِي السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ ثُمَّ يَعْبُدُكَ
مَنْ يَرَىٰكُمْ قُلْ لَلَّهِ لُحُوفُ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ مَعَ الْعَالَمِينَ ۝ قُلْ
هَٰذَا بَرَأٰنَا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ حَادِثِينَ ۝ (نمل ۶۳-۶۰)

مسی! زمین کو کھنہ نے اور فرار کی جگہ س نے بنایا اور زمین کے درمیان دریا کس نے پیدا کیے؟ اور زمین (کے قرار) کے لیے مضبوط پہاڑ کس نے پیدا کیے؟ اور وہ سمندروں کے درمیان آڑ کس نے پیدا کی؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ (نہیں) بلکہ اکثر دگ علم نہیں رکھتے O (بتاؤ) آپ ب قرار شخص اس کو پکارتا ہے تو اس کی پکار کا کون جواب دیتا ہے؟ اور اس سے تکلیف کو کون دور کرتا ہے؟ اور تمہیں زمین پر (پہلے لوگوں کا) نائب کون بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم بہت کم فہمت قبول کرتے ہو O (بتاؤ) تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں کون راہ دکھاتا ہے؟ اور اس کی رحمت کی خوشخبری دینے والی ہواؤں کو کون بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ جن چیزوں کو یہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں اللہ ان سے بری اور برتر ہے O (بتاؤ) ابتداء مخلوق کو کس نے بنایا تھا؟ اور اس کو دوبارہ کون لوٹائے گا؟ اور تم کو آسمان اور زمین سے کون رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ آپ کہیے اگر تم چھ ہو تو اپنی دلیل لے آؤ O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا ہے اس امید پر کہ تم متقی بن جاؤ۔ (البقرہ: ۲۱)

”لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ“ میں امید کی نسبت بندوں کی طرف ہے

عربی میں ”لعل“ کا لفظ امید کے لیے آتا ہے اور میں اس کا معنی ”شاید“ کیا جاتا ہے اور یہ اس شخص کے کلام میں متصور ہے جس کو مستقبل کا علم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ تو عالم الغیوب ہے اس لیے یہاں اس لفظ کا معنی یہ نہیں ہے کہ اللہ کو امید ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم یہ امید رکھو کہ عبادت کرنے سے تم متقی بن جاؤ گے دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں ”لعل“ بہ معنی ”مسی“ ہے یعنی تمہیں عبادت کرنے کا حکم دینے کی حکمت یہ ہے کہ تم متقی بن جاؤ اور فوز و فلاح دارین حاصل کرو۔

انسان عبادت پر غرور کرے نہ عبادت کی وجہ سے خود کو اجر کا مستحق سمجھے

تقویٰ کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے بری ہو جائے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو چھوڑ کر غاروں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام فرائض و حقوق اور ذمہ داریوں کو اللہ کی وجہ سے پورا کرے اور ہر کام میں اس کی نیت اللہ کی اطاعت اور اس کی خوشنودی رہے اور یہ تقویٰ ہی مالمین کے درجہ کی انتہاء ہے اسی کو فانی اللہ کا مرتبہ کہتے ہیں۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ عبادت سے اصل مقصود تقویٰ کا حصول ہے اور یہ کہ انسان کو اپنی عبادت سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے بلکہ مکمل عبادت کرنے کے بعد بھی یہ یقین نہ کرے کہ وہ متقی ہو گیا

ہے بلکہ یہ امید رکھے کہ شاید متقی ہو گیا ہو اور اپنے آپ کو خوف اور رجا کے درمیان رکھے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی گرفت سے ڈرتا رہے اور اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو اور اپنی بخشش اور مغفرت کی امید رکھے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

تَسْجَعَانِي جُنُودُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ سَائِلَهُمْ
خَوْفًا وَطَمَعًا (اسجدہ ۱۶)

اور آپ کے بندوں نے اپنے رب کو پکارنے ہیں۔
جن بندگان کی (یہ کافر) پرستش کرتے ہیں وہ خود اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے (کہ اس کی دعا سے خدا کا قرب حاصل ہو) وہ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ شب بیدار تہجد گزار اور اللہ کے مقرب بندوں کا بھی یہ حال ہے کہ وہ خوف اور طمع کے درمیان ہیں اپنی عبادت پر بھروسہ یا گنہگار نہیں کرتے بلکہ اس کی رحمت اور فضل کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں جب اس کے شب بیدار اور مقرب بندوں کا یہ حال ہے تو عام فرائض اور نوافل ادا کرنے والوں کا کیا حال ہونا چاہئے؟
امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن ابی ہریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لن یسجی احدا منکم عملہ قال رجل ولا ایاک یا رسول اللہ قال ولا ایاہی الا ان یتغمدنی اللہ منہ برحمۃ ولکن صدوا۔
(امام مسلم بن حجاج قشیری متون ۲۶۲ ص ۲ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶ مطبوعہ نور محمد ریح المصباح کراچی ۱۳۷۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل ہرگز نجات نہیں دے گا ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں! آپ نے فرمایا مجھ کو بھی نہیں البتہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے گا لیکن تم نیک اعمال کی کوشش جاری رکھو۔

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے بلکہ یہ تمام جہان اس کی ملک ہے اور دنیا اور آخرت اس کی سلطنت ہے اور وہ اپنی سلطنت میں جو چاہے کرے۔ اگر وہ تمام نیکو کاروں اور صالحین کو عذاب دے اور جہنم میں داخل کر دے تو یہ اس کا عین عدل ہوگا اور اگر وہ ان پر کرم فرمائے ان کو نعمتوں سے نواز دے اور جنت میں داخل کر دے تو یہ اس کا فضل ہے اور اگر وہ کافروں کو بھی جنت میں داخل کر دیتا تو وہ اس کا مالک تھا لیکن اس نے خیر دی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا بلکہ مومنین کو بخش دے گا اور ان کو جنت میں داخل کرے گا اور یہ اس کا فضل ہے اور کافروں کو عذاب دے گا اور ان کو ہمیشہ جہنم میں رکھے گا اور یہ اس کا عدل ہے اور اللہ تعالیٰ کی خبر کا جھوٹا ہونا محال ہے۔ اس خیال میں نہیں رہنا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے جنت کا وعدہ کر لیا ہے تو وہ بہر حال جنتی ہیں اور اس وجہ سے عذاب سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے کیا پتا خاتمہ ایمان پر ہو یا نہ ہو اور اگر خاتمہ ایمان پر ہو بھی گیا تو کیا پتا کہ ابتدائی مرحلہ میں نجات ہو جائے گی یا اپنی تقصیرات پر گرفت اور عذاب کے بعد نجات ہوگی اس لیے ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس نے تمہارے نفع حاصل کرنے کے لیے زمین کو کچھونا اور آسمان کو چھوت بنایا۔ (البقرہ ۲۲)

زمین کا گول ہونا اور اس کا گردش کرنا اس کے فرش ہونے کے منافی نہیں ہے

پانی کی طبیعت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مٹی کے اوپر ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے زمین کے بعض حصوں کو پانی سے الگ کر دیا اور زمین کو سختی اور نرمی کے درمیان متوسط رکھا تاکہ وہ فرش کی طرح ہو جائے اور لوگوں کا اس پر بیٹھنا اور لیٹنا ممکن ہو اور زمین کا فرش ہونا اس کے گول ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ جو بہت عظیم اور جسیم کرہ ہو وہ بہ طور ایک مسلح جسم معلوم ہوتا ہے اسی طرح زمین کا گردش کرنا بھی اس کے فرش ہونے کے خلاف نہیں ہے جیسے لوگ بحری جہاز میں سفر کرتے ہیں جہاز حرکت کر رہا ہوتا ہے اور وہ اس پر بستر بچھا کر سو جاتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَسْتَكِلُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَتَّىٰ أَنْ تَزُولَا ۚ

بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کو اپنی جگہ (محور) سے ہٹنے سے روکتا ہے۔ (الفاطر ۴۱)

بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ مطلب نکالا ہے کہ زمین ساکن ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو روکا ہوا ہے اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ زمین اور آسمان اپنے محور پر گردش کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے محور سے ہٹنے نہیں دیتا۔ اب جبکہ سائنٹفک طریقہ سے زمین کی گردش ثابت ہو چکی ہے تو علم اور سائنس کے خلاف قرآن مجید کی تفسیر کرنے سے خدشہ ہے کہ سائنس کے طلباء اور ماہرین قرآن مجید کا انکار کر دیں اور اس ترقی یافتہ دور میں پرانی لکیروں کو پٹختے رہنے میں دین کی کوئی خدمت نہیں ہے۔

آسمان کیا ہے؟ اس کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں سائنس دان ابھی چاند تک ہی پہنچ پائے ہیں چاند زمین سے پونے دو لاکھ میل کی مسافت پر ہے آسمان تو چاند سورج اور سیاروں سے بہت دور ہے قدیم یونانی فلسفیوں کا خیال تھا کہ چاند پہلے آسمان میں مرکوز ہے لیکن تحقیق اور مشاہدہ سے یہ بات غلط ثابت ہو گئی ہے قرآن مجید نے آسمان کی حقیقت اور ماہیت کے متعلق کوئی چیز نہیں بتائی اور نہ یہ قرآن کا موضوع ہے۔ قرآن مجید عقائد اور اعمال کی اصلاح کے لیے رشد و ہدایت کی کتاب ہے اشیاء کی حقیقت اور ماہیت اور اس کے طبعی خواص بیان کرنا قرآن مجید کا موضوع نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آسمان سے پانی نازل کیا اور پانی سے تمہارے رزق کے لیے کچھ پھل پیدا کئے۔ (البقرہ ۲۲)

پھلوں کو بتدریج پیدا کرنے کی حکمت

پھل اور زمین سے پیدا ہونے والی تمام غذائی اجناس صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی مشیت سے پیدا ہوتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا ظاہری سبب مٹی میں آلودہ پانی کو بنایا ہے جس طرح نطفہ کو جاندار کی پیدائش کا مادہ بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے زمین میں قوت قابلہ رکھی ہے اور پانی میں قوت فاعلہ رکھی ہے اور ان دونوں قوتوں کے اجتماع سے زرعی اجناس پیدا ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر تھا کہ مٹی اور پانی کے بغیر پھلوں کو پیدا کر دیتا جس طرح خود مٹی اور پانی کو کسی سبب کے بغیر پیدا کیا ہے لیکن ان کو بتدریج پیدا کرنے میں نظر غائر سے دیکھنے والوں کے لیے ایسی حکمتیں ہیں جو ان کو دفعہ پیدا کرنے میں نہیں ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کے لیے یہ سبب بنایا ہے کہ مرد و عورت کے رحم میں تخم ریزی کرے اور نو ماہ کی طویل مدت کے بعد ایک بچہ کی شکل میں انسان کی پیدائش عمل میں آئے تاکہ بہ ظاہر انسان کی سعی اور جدوجہد بھی اس پیدائش کے حصول میں شامل ہو اور اسی وجہ سے انسان اپنے بچہ سے محبت کرتا ہے اور اس کی پرورش کرتا ہے اسی طرح ہل چدا کر زمین کو قابل کاشت بنانے اور اس میں پانی پہنچانے سے زرعی پیداوار میں انسان کی سعی اور عمل کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے اور اس سعی اور عمل پر بے شمار ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔

مبارک بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا باطنی معنی یہ ہے کہ اس آیت میں انسان نے بدن کو زمین سے تشبیہ دی ہے اور روح کو آسمان سے تشبیہ دی ہے اور عقل کو یانی سے تشبیہ دی ہے اور انسان کو طفل اور جو اس کے استعمال کرنے اور قوت بدنیہ اور روحانیہ کے استخراج کے واسطے ہے جو جسمی اور عقلی کمالات عطا کئے ہیں ان کو ان بھلاؤں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ ہر آیت کا ایک ظاہری معنی ہے اور ایک باطنی معنی ہے اور ہر حد کے لیے ایک مطلق ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "هَذَا نَمُ اللہ کے لیے شر کا، نہ بناؤ جب کہ تم جانتے ہو" (۱۱۰ امرہ ۲۲)

اللہ تعالیٰ کے لاشریک ہونے کا بیان

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی یہ بڑی بڑی نعمتیں متحقق ہو چکی ہیں اور تمہارے ضم میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل آچکے ہیں تو پھر تم کے ہر وجود اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بناؤ کیونکہ تم غور و فکر کی اہلیت رکھتے ہو اور تم انسانی تامل سے یہ جان سکتے ہو کہ انسانوں کو اور زمین و آسمان کو پیدا کرنا اور زرعی اجناس کو اگانا یہ ایسا کام ہے جس کو اس کائنات میں سے کوئی بھی نہیں کر سکتا اور ممکنات میں سے کسی ممکن کی قدرت میں ان کو پیدا کرنا نہیں ہے تو ضرور ان کا پیدا کرنے والا اس کائنات اور ممکنات کا غیر ہے جو واجب اور قدیم ہے اور وہ اللہ ہی ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جن شرکاء کی تم پر تشکر کرتے ہو وہ انسانوں، آسمانوں اور زمین اور زرعی اجناس کے اگانے پر قدرت نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یبیتکم ثم یخرجکم

هل من شریک لکم من یفعل من ذلکم من شئ

(الروم: ۲۰) تمہارے شریکوں میں سے کوئی (شریک) ایسا ہے جو ان

کاموں میں سے کوئی کام کر سکے؟

اور جیسے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی نے اس کائنات کی تخلیق کا دعویٰ نہیں کیا تو معلوم ہو گیا کہ اس کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے وہ تنہا خالق ہے واجب اور قدیم ہے اور قادر مختار ہے اور صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اس آیت میں "امداد" کی نفی کی ہے "امداد" "ند" کی جمع ہے "مد" اس مخلف کو کہتے ہیں جو حیرت و ذلت میں کسی شخص کے مساوی ہو اور ایک جنس کے تحت جو دو ایسے افراد ہوں جو آپس میں مخاف ہوں اور جمع نہ ہو سکیں ان کو ضد کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی "ند" نہیں ہے کیونکہ کوئی اس کی ذات کے مساوی نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی ضد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اوپر کوئی جنس نہیں ہے۔

مشکابین نے اللہ تعالیٰ کے شریک نہ ہونے پر برہان قانع سے استدلال کیا ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ اگر دو خدا فرض کئے جائیں اور ان میں سے ایک زید کے متحرک ہونے کا ارادہ کرے اور دوسرا اسی وقت اس کے ساکن ہونے کا ارادہ کرے تو یہ ایک وقت زید متحرک ہو اور ساکن بھی یہ اجتماع ضدین ہونے کی وجہ سے محال ہے تو ان دونوں میں سے کسی ایک کا ارادہ پورا ہوگا اور جس کا ارادہ پورا ہوگا وہی خدا ہے اور جس کا ارادہ پورا نہ ہو سکے گا وہ عاجز ہوگا اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا لہذا فرض کیا تھا خدا دو ہیں لازم آیا کہ ایک خدا ہے اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ دونوں اتفاق کر لیتے ہیں اور ایک دوسرے کے ارادہ کی مخالفت نہیں کرتے تو ہم کہیں گے کہ ان میں اختلاف کرنا ممکن تو ہے اور اس مکان کی تقدیر پر جس کا ارادہ پورا ہوگا وہی خدا ہوگا نیز جب وہ اتفاق کریں گے تو ایک دوسرے کی موافقت کرے گا اور موافقت کرنے والا تابع اور دوسرا متبوع ہوگا اور تابع خدا نہیں ہوتا غرضیکہ جب بھی دو خدا فرض کریں گے لازم آئے گا کہ دو خدا نہیں ہیں ان میں سے ایک خدا ہے۔

معلقوں نے اس طرح دلیل دی ہے کہ اگر دو خدا فرض کریں تو وہ دونوں واجب ہوں گے اور وجوب ان میں باہم اشتراک ہوگا اور وہ دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہوں گے کیونکہ اثبیت بلا امتیاز باطل ہے تو ان میں ایک مابہ الاماز بھی ہوگا لہذا ہر ایک خدا دو چیزوں سے مرکب ہوگا مابہ الاشتراک اور مابہ الامتياز سے اور جو مرکب ہو وہ اپنے اجزاء کی طرف متین اور حادث ہوتا ہے اور محتاج اور حادث خدا نہیں ہوتا۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ ہر کثرت وحدت کی تابع ہوتی ہے مشارکتی وزیر ہوں تو ان پر ایک وزیر اعلیٰ ہوتا ہے کسی وزیر ان ہوں تو ان پر ایک وزیر اعظم ہوتا ہے کسی کابینہ میں ہوں تو ان پر ایک ہیڈ کابینہ ہوتا ہے کسی ڈائریکٹر ہوں تو ان کا ایک چیرمین ہوتا ہے۔ اگر سب وزیر ہوں اور ان کے اوپر کوئی وزیر اعلیٰ نہ ہو تو دربارت کا نظام فاسد ہو جائے گا اگر کسی ماسٹر ہوں اور ان کے اوپر کوئی ہیڈ ماسٹر نہ ہو تو اسکول کا نظام فاسد ہو جائے گا لہذا جب تک کثرت کے اوپر کوئی وحدت نہ ہو اس کثرت کا نظام فاسد ہو جاتا ہے تو اس کائنات کی کثرت کے اوپر اگر اللہ کی وحدت نہ ہوتی تو اس کا نظام فاسد ہو جاتا اور اس نظام کا قائم رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کسی وحدت کے تابع ہے۔

اسی کے قریب یہ دلیل ہے کہ کسی ملک میں مساوی طاقت اور اختیار کے دو حکمران نہیں ہوتے۔ جہاں پارلیمانی نظام ہے وہاں صرف ایک بااختیار وزیر اعظم ہوتا ہے اور جہاں صدارتی نظام ہے وہاں صرف ایک بااختیار صدر ہوتا ہے۔ اگر کسی ملک میں دو مساوی اختیار کے حکمران ہوں تو وہاں کا نظام چل نہیں سکتا ان میں اختلاف اور ٹکراؤ ہوگا اور ان میں سے کسی کی بھی حکومت قائم نہ رہ سکے گی تو جب ایک ملک کے دو صدر یا دو وزیر اعظم نہیں ہو سکتے تو اس کائنات کے دو خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟

شرک کی تعریف

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں

الاشراك هو اثبات الشريك في الالهية
بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنى
استحقاق العادة كما لعبدة الاصنام
(شرح الحقايق ص ۵۶ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی) مانتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ شرک کا مدار صرف دو چیزوں پر ہے وجوب وجود اور استحقاق عبادت اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے سوا کسی کو واجب الوجود یا مستحق عبادت مانے تو یہ شرک ہے ورنہ نہیں۔

علامہ زبیدی لکھتے ہیں

”وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ“ (احق ۱۰۰) کی تفسیر میں ابو العباس نے کہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ شیطان کی عبادت بھی کرتے ہیں اسی وجہ سے یہ مشرک ہو گئے۔

(تاج العروس ج ۷ ص ۱۳۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کیا چیز شرک ہے اور کیا چیز شرک نہیں ہے

اگر کوئی شخص کسی کی کوئی صفت مستقل بالذات مانے تو یہ بھی اس کو واجب الوجود مانتا ہے لہذا جو شخص کسی نبی علیہ السلام یا کسی ولی کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ ان کے سننے یا دیکھنے کی صفت مستقل ہے یعنی وہ اپنی ذاتی طاقت سے سننے یا دیکھتے ہیں یا ان کا علم ذاتی ہے یا ان کی قدرت ذاتی ہے تو یہ شرک ہے اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے وہ سننے ہیں اور

دیکھتے ہیں اور ان کا علم اور قدرت اللہ کی عطا سے ہے تو یہ شرک نہیں ہے۔

”یا شیخ عبدالقادر جیلانی شینا للہ“ پڑھنے کے متعلق شیخ رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں

اور جو شیخ قدس سرہ کو متصرف بالذات اور عالم غیب بالذات خود جان کر پڑھے گا وہ شرک ہے اور اس عقیدہ سے پڑھنا کہ شیخ کو حق تعالیٰ اطلاع کر دیتا ہے اور باز نہ تعالیٰ شیخ حاجت براری کر دیتے ہیں تو یہ شرک نہ ہوگا

(فتاویٰ رشیدیہ کامل، صوبہ ص ۵۰، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سز، کراچی)

”یا رسول اللہ انظر حالنا“ کہنے کے متعلق شیخ رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں۔

یہ خود آپ کو معلوم ہے کہ نداء غیر اللہ تعالیٰ کو کرنا دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل اعتقاد کرے ورنہ شرک نہیں مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرما دیوے گا یا باز نہ تعالیٰ انکشاف ان کو ہو جاوے گا یا باز نہ تعالیٰ ملائکہ پہنچا دیویں گے جیسا درود کی نسبت وارد ہے یا محض شوقیہ کہتا ہو محبت میں یا عرض حال محل تحسّر و حرمان میں کہ ایسے مواقع میں اگر یہ کلمات خطاب یہ بولتے ہیں لیکن ہرگز نہ مقصود اسماع ہوتا ہے نہ عقیدہ پس انہی اقسام سے کلمات مناجات و اشعار بزرگان کے ہوتے ہیں کہ فی حدیث اللہ نہ شرک نہ معصیت۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل، صوبہ ص ۶۸، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سز، کراچی)

اہل قبور سے استعانت کے متعلق شیخ گنگوہی لکھتے ہیں

استعانت کے تین معنی ہیں ایک یہ کہ حق تعالیٰ سے دعا کرے کہ بحرمت فلاں میرا کام کر دے یہ باتفاق جائز ہے خواہ عند القبر ہو خواہ دوسری جگہ اس میں کسی کو کلام نہیں دوسرے یہ کہ صاحب قبر سے کہے کہ تم میرا کام کر دو یہ شرک ہے خواہ قبر کے پاس کہے خواہ قبر سے دور کہے اور بعض روایات میں جو آیا ہے ”اعیسیٰ عباد اللہ“ تو وہ فی الواقع کسی میت سے استعانت نہیں بلکہ عباد اللہ جو صحرا میں موجود ہوتے ہیں ان سے طلب اعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو اسی کام کے واسطے وہاں مقرر کیا ہے تو وہ اس باب سے نہیں ہے اس سے حجت جواز پرانا نا جہل ہے معنی حدیث سے تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں اتم میرے واسطے دعا کر دو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے اس میں اختلاف سنا، کا ہے مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مقرر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل، صوبہ ص ۱۱۲، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سز، کراچی)

یہاں تک ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجب الوجود مانا جائے یا کسی غیر اللہ کی کوئی صفت مستقل بالذات مانی جائے تو یہ شرک ہے ورنہ شرک نہیں ہے لہذا عطائی علم عطائی قدرت اور عطائی اختیارات ماننا شرک نہیں ہے اور اس عقیدہ سے یا رسول اللہ کہنا جائز ہے جیسا کہ علماء دیوبند کے سب سے بڑے عالم شیخ رشید احمد گنگوہی کے حوالوں سے نذر چکا ہے۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر غیر اللہ کی تعظیم بہ طور عبادت کی جائے تو یہ شرک ہے اور اگر بہ طور عبادت تعظیم نہ کی جائے تو یہ شرک نہیں ہے۔

علامہ محمد حنفی لکھتے ہیں:

۱۔ شیخ گنگوہی اس سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ جو شخص شیخ کو متصرف بالذات اور عالم الغیب کے عقیدہ کے ساتھ ”یا شیخ عبدالقادر جیلانی شینا للہ“ کہے تو شرک ہے یہی قید یہاں بھی ملحوظ ہونی چاہیے کہ جو شخص صاحب قبر کو متصرف بالذات سمجھ کر یہ کہے ”تم میرا کام کر دو“ تو یہ شرک ہے۔

اگر کوئی شخص غیر اللہ کی تعظیم کے لیے جانور ذبح کرے تو یہ حرام ہے اور اس کے کفر ہونے میں دو قول ہیں "صید المذبہ" میں لکھا ہے کہ یہ مکروہ ہے اور کفر نہیں ہے، کیونکہ ہم کسی مسلمان کے منہ سے یہ گئی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے کسی آدمی کا تقرب حاصل کرے گا۔ (الدر المختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۵ ص ۱۹۷-۱۹۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ) علامہ شامی تقرب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جو تقرب بہ طور عبادت ہو، کیونکہ اسی تقرب سے تکفیر کی جائے گی اور یہ مسلمان کے حال سے بہت بعید ہے (کہ وہ کسی شخص کا تقرب بہ طور عبادت حاصل کرنے کے لیے جانور ذبح کرے گا) اس لیے ظاہر ہے کہ اس نے دنیا کے حصول کے لیے جانور ذبح کیا ہے یا اس سے اظہار محبت کے لیے جانور ذبح کیا ہے، لیکن جب کہ اس ذبح میں غیر اللہ کی تعظیم شامل ہے تو اس کا بسم اللہ اکبر پڑھنا علماً خالص اللہ کے لیے نہیں ہے اس لیے یہ فعل حرام ہوگا جیسے کوئی شخص ذبح کے وقت کہے بسم اللہ و بسم فلاں تو یہ فعل حرام ہے، لیکن کسی چیز کے حرام ہونے اور اس کے کفر ہونے میں کوئی تعلق نہیں ہے۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۱۹۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ محمد حاکمی لکھتے ہیں:

بعض لوگ علماء اور مشائخ کے سامنے زمین کو بوسہ دیتے ہیں یہ فعل حرام ہے اس فعل کا کرنے والا اور اس پر راضی ہونے والا دونوں گنہگار ہیں کیونکہ یہ بت پرستوں کی عبادت کے مشابہ ہے اور آیا اس پر تکفیر کی جائے گی؟ اگر یہ فعل بہ طور عبادت اور تعظیم ہو تو یہ کفر ہے اور اگر یہ فعل صرف بہ طور تعظیم ہو تو پھر یہ کفر نہیں ہے، لیکن گناہ کبیرہ ہے۔

(در مختار ج ۵ ص ۲۲۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ کسی شخص کی کسی صفت کو مستقل بالذات سمجھنا شرک ہے اور کسی شخص کی تعظیم بہ طور عبادت کرنا شرک ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تعظیماً قیام کرنا اور یا رسول اللہ کہنا شرک نہیں ہے اور اسی نوع کے دوسرے افعال جو آپ کی تعظیم اور محبت کی جہت سے کیے جاتے ہیں شرک نہیں ہیں۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ

اور اگر تم کو اس کتاب (کے کلام الہی ہونے) میں شک ہے جس کو ہم نے اپنے (محبوب) بندے پر نازل کیا ہے تو اس کی

مِنْ قِتْلِهِ ۚ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ

مانند کوئی اور سورت (بنا کر) لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلاؤ اور

كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۳﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا

تم سچے ہو O سو اگر تم نہ کر سکو اور تم ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آیت سے بچو جس کا

النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۲۴﴾

انہیں آدی اور پتھر ہوں گے جس کو کافروں کے لیے تیار کیا گیا ہے O

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو مخاطب فرما کر اپنے خالق رب اور وحدہ الٰہ شریک دہنے پر دلیل قائم کی تھی اور اب اس پر دلیل قائم کی ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کا نام کو اس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا اور اس میں آپ کی رسالت پر دلیل ہے کیونکہ عرب اپنی فصاحت و بلاغت پر بہت فخر کرنے لگے تھے اور انہیں اپنے مقابلہ میں مائی دنیا کو ختم کئے تھے اس کے باوجود قرآن مجید کی کسی جھوٹی سورت کی مثال لانے سے بھی عاجز رہے اور اس سے مقابلہ میں کوئی سورت اس کے بجائے جنگ و جدال کے درپے ہوئے اور اس سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دعویٰ کا سچ ہونا ظاہر ہو گیا کہ ان پر اللہ کا کلام نازل ہوا ہے اور جس طرح انہیں آیتوں میں یہ پایا گیا تھا کہ ان سے مائی نازل کرنا اور اس سے زرعی انسان کو اگانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور کوئی یہ کام نہیں کر سکتا اور یہ اس کے خالق ہونے کی دلیل ہے اسی طرح ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ ایسا فصیح و بلیغ کلام اور جو کلام غیب کی خبروں اور علوم و معارف پر بھی مشتمل ہو وہ صرف قرآن کریم ہے اور کوئی شخص اس کلام کی نظیر نہیں لے سکتا اور یہ آیتیں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دلیل ہیں۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کئی سورتوں میں قرآن مجید کی نظیر لانے کا چیلنج کیا تھا اور شاد فرمایا۔

قُلْ لَّيِّنَ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَا كُنَّا لَهُمْ لَٰعِنِينَ
فرمائیے اگر تمام انسان اور جن اس قرآن کی مثل لانے پر جمع ہو جائیں تو وہ اس کی مثل نہیں لے سکیں گے خواہ وہ ایک کلپڑا (بنی اسرائیل ۸۸) دوسرے کی مدد بھی کریں O

اور جب وہ اس پورے قرآن کی مثل لانے سے عاجز رہے تو اللہ تعالیٰ نے چیلنج میں تخفیف کر کے فرمایا
فَأَنذِرْ بَشَرًا مِّمَّنْ يَلْقَىٰ فَتْلَهُ (ممد ۲)

اور جب وہ اس کی مثل دس سورتیں بھی نہ لے سکے تو اور تخفیف کر کے فرمایا
قُلْ فَأَنذِرْ بَشَرًا مِّمَّنْ يَلْقَىٰ فَتْلَهُ (بقرہ ۲۸)
آپ کہیے ہم اس کی مثل کوئی ایک سورت لے آؤ اور جب وہ کوئی ایک سورت بھی نہ لے سکے تو فرمایا:

فَلْيَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا (الطور ۲۴)
یہ (مگر) اس کی مثل ایک بات (آیت) ہی لے سکیں۔
یہ تمام کئی سورتوں کی آیتیں ہیں جن میں قرآن مجید کی مثل لانے کا چیلنج کیا گیا ہے اور اب اس مدنی سورت میں اس چیلنج کا دوبارہ ذکر کیا گیا ہے تاکہ باقی کفار و مشرکین کے سامنے بھی قرآن مجید کا عجز اور حجت ہونا ظاہر ہو جائے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل

ان آیتوں میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر کئی وجوہ سے دلیل ہے
مشرکین عرب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت مخالف اور معاند تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو قرآن مجید کی سورتوں جیسی ایک سورت لانے کا چیلنج دیا اور اللہ تعالیٰ نے پیش گوئی بھی کر دی کہ وہ اس کی مثل نہیں لے سکتے یہ قرآن ان کی لغت میں نازل ہوا تھا اگر اس کی مثل لانا ان کے لیے ممکن ہوتا تو وہ اس کی مثل ضرور لے آتے کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کو باطل کرنا اور آپ کے اصحاب کو آپ سے فخر کرنا ان کا انتہائی مقصود تھا اور جب وہ اس کی مثل لانے سے عاجز رہے تو ظاہر ہو گیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور اس سے معارضہ کرنا مخلوق کی قدرت میں نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عجز و قیامت تک باقی رہے گا۔ انبیاء سابقین علیہم السلام کو اپنے اپنے زمانے میں معجزات دیئے گئے مثلاً حضرت موسیٰ کو یار بیضا دیا گیا اور ان کو عصا دیا گیا جو ان کے ہاتھ میں اتر دھا بن جاتا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھوں کو بینائی عطا کرتے اور برص کے

مربضوں کو شفاء دیتے اور مردوں کو زندہ کرنے مگر ان کے یہ معجزات صرف ان کی حیات اور اس کے زمانہ میں قائم اور رہتے تھے اور جب یہ انبیاء علیہم السلام ظاہری نگاہوں سے رخصت ہوئے تو یہ معجزات بھی ان کے ساتھ رخصت ہو گئے اس کے برخلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی قرآن مجید اسی طرح مجزہ ہے اب سے چودہ سو ساں پہلے بھی قرآن مجید کی نظیر کوئی نہیں آکا تھا اور نہ اب تک آکا ہے حالانکہ قرآن مجید کے مخالفین کی تعدادوں بہت زیادہ ہو رہی ہے اور علوم و فنون بھی روز افزوں رتی پر ہیں تو اگر کسی شخص کے لیے قرآن مجید کی نظیر آنا ممکن ہوتا تو وہ اب تک آچکا ہوتا۔ اگر سی یہودی یا عیسائی اپنے دین کے متعلق تردد ہو تو اس کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جو اس کو اپنے نبی کی نبوت کے متعلق مطمئن رکھے اس کے برخلاف اگر کسی مسلمان کو اپنے دین کے متعلق بالضرر تردد ہو تو اس کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق یقین اور اطمینان پہنچانے کے لیے قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتیں موجود ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ موافقین اور مخالفین سب کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر بہت دور رہی تھی۔ آپ بہت معاملہ فہم اور انتہائی دانش مند تھے آپ کی رائے بہت صائب اور فکر بہت صحیح تھی پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ آپ نبوت کا دعویٰ کرتے اور اپنی نبوت کی دلیل ایسے کلام کو قرار دیتے جس کی مثل پیش کرنے پر ہر عرب قادر ہوتا اور اس سے آپ کے دعویٰ کا کذب اور بطلان ظاہر ہوتا (العیاذ باللہ) ظاہر ہے کہ آپ ایسا غیر معمولی ذہین شخص اس قسم کا کمزور پہنچ نہیں کر سکتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ جس کلام کی نظیر لانے کا آپ نے جتن کھینچا تھا وہ اللہ کا کلام ہے اور اس کلام کی نظیر آنا کسی انسان کی قدرت میں نہیں ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وَلَوْ تَصَدَّقُوا" تم اس کلام کی مثل ہرگز نہ لاؤ گے "یہ اللہ تعالیٰ کی قسم دہی ہے اور اس آیت میں غیب کی خبر ہے اور بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ پیش گوئی درست تھی اور غیب کی یہ خبر صادق تھی اور اب تو چودہ صدیاں گزر چکی ہیں اسلام کے مخالفین بہ کثرت ہیں لیکن آج تک کوئی شخص قرآن مجید کی کسی آیت کی نظیر نہیں پیش کر سکا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کے سوا اپنے شہداء (مددگاروں) کو بھی لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ (البقرہ: ۲۳)

شہید کا معنی

شہداء: شہید کی جمع ہے اس کا معنی ہے حاضر گواہی دینے والا مددگار اور امام اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والے وہی شہید کہتے ہیں کیونکہ اس کے قتل ہوتے ہی اس کے سامنے اس کا اجر اور سعادت حاضر ہو جاتی ہے یا اس سے سامنے سوریں حاضر ہو جاتی ہیں یا اس کی عزت افزائی اور اس کو بشارت دینے کے لیے فرشتے حاضر ہو جاتے ہیں قرآن مجید میں سے

تَنْزِيلٌ عَلَيْهِمُ الْبَلَاءُ لَا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَالْإِشْرَافُ

بِالْبَصَرِ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ○ (نم اسمدہ: ۳۰)

جنت کے ساتھ خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ○

اور اس شہید سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے کفر سے لڑتا ہوا شہید ہوا یہ دنیا اور آخرت کے حق میں شہید ہے اور جو شخص دین کی سر بلندی کے لیے لڑتا ہوا قتل نہیں ہوا بلکہ اپنی جان مال یا عزت و حفاظت کو قربان کر دیا ہو گیا یا ظلماً قتل کیا گیا وہ دنیا کے اعتبار سے شہید ہے اور جو شخص غرق ہوا یا پیٹ کی بیماری میں فوت ہوا وہ آخرت کے اعتبار سے شہید ہے۔ اول الذکر دونوں قسم کے شہیدوں کو غسل دیا جائے گا نہ کفن پہنایا جائے گا ان کو بغیر غسل کے انہی پرانے میں دفن کیا جائے گا اور ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قرآن کی سورت کی مثل لانے کے لیے ہم انسانوں، جنوں اور خود ساختہ معبودوں کو مدد اور ان سے مدد حاصل کر لو اللہ کے سوا اس کلام کی مثل اور کوئی نہیں لاسکتا یا اللہ کے سوا اور گواہوں کو ہذا جو یہ گواہی دیں کہ تمہارا بنایا ہوا کلام اللہ کے کلام کی مثل ہے یا شہداء، سے مراد وہ غیر اللہ ہیں جن کو تم نے اپنا کار ساز بنا کر رکھا ہے یا شہداء سے مراد وہ خود ساختہ معبود ہیں جن کے متعلق تمہارا عقیدہ ہے کہ وہ قیامت کے دن تمہارے حق میں گواہی دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اگر تم نہ کر سکو اور تم ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

(البقرہ: ۲۵)

دوزخ میں چلنے والے پتھروں کا بیان

ان پتھروں سے مراد وہ بت ہیں جن کو بنا کر انہوں نے ان کی پرستش کی قرآن مجید میں ہے

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۚ

بے شک تم اور اللہ کے سوا تم جن (بتوں) کی عبادت کرتے ہو وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ (الابیہ: ۹۸)

بتوں کو اس لیے آگ میں ڈالا جائے گا تاکہ مشرکین کی زیادہ ذلت اور رسوائی ہو اور یہ واضح ہو کہ جن بتوں کو وہ اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے وہ خود اپنے آپ کو عذاب سے نہیں بچا سکتے یا اس لیے کہ ان کے جرم اور شرک کا غشاء یہ بت تھے اس لیے ان بتوں کو عذاب دیا جائے گا جس طرح جو شخص سونے چاندی کی محبت کی وجہ سے ان کی زکوٰۃ نہ نکالے سونا چاندی تپا کر ان سے اس کی پیشانی پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا قرآن مجید میں ہے

يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فُتَّلَاوِي يَهَا
يُحَاكُّهُمْ وَيُجْنُوهُمْ وَيُطْوَوْنَ فِيهَا ۖ (البقرہ: ۳۵)

جس دن وہ (سونا چاندی) جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں ان کے پیٹھوں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا۔

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کو یہ بشارت دے دیجئے کہ ان کے لیے ایسے باغات

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا

ہیں جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں جب بھی ان کو ان باغات سے کوئی پھل کھانے کے لیے دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ

الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأَنْتُمْ بِمُتَشَابِهٍ ۚ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ

یہ وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا اور ان کو صورت ملتے جلتے پھل دیئے جائیں گے اور ان کے لیے ان باغات میں پہلے

مُطَهَّرَةٌ ۚ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۵﴾

ازدواج ہوں گی اور وہ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے ○

نجات کا مدار اللہ کے فضل پر ہے نہ کہ اعمال پر

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ ترہیب کے بعد ترغیب اور ڈرانے کے بعد خوشخبری کا ذکر فرماتا ہے، اس سے پہلے کفار کو دوزخ کے دائمی عذاب سے ڈرایا تھا اور اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امر فرمایا ہے کہ آپ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو جنت، جنت کے پھلوں، پاکیزہ بیویوں اور ان نعمتوں کے دوام کی خوشخبری دے رہے ہیں ان چار نعمتوں کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ انسان بنیادی طور پر رہائش، طعام اور نکاح کو چاہتا ہے اس کی رہائش کے لیے جنت کی طعام کے لیے جنت کے پھلوں کی اور نکاح کے لیے پاکیزہ بیویوں یعنی حوروں کی خوشخبری دی اور اگر کسی نعمت کے ساتھ اس کے زوال کا بھی خدشہ اور خطرہ لاحق ہو تو پھر انسان اس نعمت سے پوری طرح لطف اندوز نہیں ہو سکتا اور حالت عیش میں بھی وہ فکر مند رہتا ہے اس لیے مومنوں کو یہ بشارت بھی دی کہ یہ نعمتیں دائمی ہیں اور کبھی فنا نہیں ہوں گی اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خوشخبری کے سننے کا حکم دیا ہے اور آپ کے وصال کے بعد ہر زمانہ کے علماء اور مسلمانوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو یہ خوشخبری سنائیں۔

یہ خوشخبری سننے کا حکم ان لوگوں کے لیے دیا گیا ہے جو ایمان لائے ہوں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہوں اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس بشارت کا استحقاق ان دونوں کا مجموعہ ہے۔ ایمان بنیادی طرح ہے اور نیک اعمال اس پر بنی ہوئی عمارت کی طرح ہیں اور جس بنیاد پر عمارت نہ ہو وہ رہائش کے لیے کافی نہیں ہوتی اسی لیے قرآن مجید میں ان دونوں کا اکثر و بیشتر ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ لوگ اپنے ایمان اور اعمال صالحہ کے اعتبار سے ان نعمتوں کے مستحق ہوں گے لیکن یہ استحقاق اس اعتبار سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نیک عمل کرنے والے مومنوں اور اس پر برقرار رہنے والوں سے ان نعمتوں کا وعدہ کر لیا ہے یہ وجہ نہیں ہے کہ وہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے ان نعمتوں کے مستحق ہوتے ہیں کیونکہ انسان بالغ ہونے کے بعد نیک عمل شروع کرتا ہے اور اس کے ہر لقمہ، ہر سانس کے ساتھ اللہ کی غیر متناہی نعمتیں وابستہ ہیں سو اس کی ساری عمر کی عبادتیں تو ان نعمتوں کے برابر بھی نہیں ہیں جو وہ اس دنیا میں حاصل کر چکا ہے تو اب وہ اخروی نعمتوں کا مطالبہ کون سی عبادتوں کے عوض کرے گا اس کے لیے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے اپنی پچھلی نعمتوں کا حساب نہ مانگے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کسی شخص کو بھی اس کا عمل جنت میں ہرگز نہیں داخل کرے گا عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا مجھ کو بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے گا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۷۷ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

جنت کا معنی قرآن اور حدیث میں جنت کی ترغیب اور اس کی طلب کا بیان

علامہ راغب اصفہانی جنت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جن“ کا اصل میں معنی ہے کسی چیز کو حواس سے چھپا لینا قرآن مجید میں ہے

جب رات نے ان کو چھپا لیا۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ (الانعام ۷۶)

جنان، قلب کو کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی حواس سے مستور ہوتا ہے جنین پیٹ میں بچہ کو کہتے ہیں وہ بھی مستور ہوتا ہے جن، اور جنت ڈھال کو کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی حملہ آور کے حملہ سے چھپاتی ہے اور جن بھی حواس سے مستور ہوتے ہیں درجہ جنت اس باغ کو کہتے ہیں جس میں بہت زیادہ گھنے درخت ہوں اور درختوں کے گھنے پن اور زیادہ ہونے کی وجہ سے زمین چھپ گئی ہو اور دارالجزاء کا نام جنت اس لیے ہے کہ اس کو زمین کی جنت (گھنے باغ) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اگرچہ دونوں جنتوں میں

بہت فرق ہے یاں کو اس وجہ سے جنت کہا گیا ہے کہ اس کی نعمتیں ہم سے ستور ہیں، قرآن مجید میں ہے
 فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ
 سو کسی کو معلوم نہیں کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک نے لیے
 (اسجدہ: ۱۷) کیا چیز پوشیدہ رکھی گئی ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: جمع کے صیغہ سے "حسان" اس لیے فرمایا ہے کہ جنتیں سات ہیں (۱) جنت الفردوس
 (۲) جنت عدن (۳) جنت النہیم (۴) دارالکلد (۵) جنت الماوی (۶) دارالسلام (۷) طہین۔

(الفردوس ص ۹۸، مطبوعہ المکتبۃ الرقنویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

بعض سو فیہ اور قرب الہی کے مدعی جنت کو بہت کم درجہ کی اور گھٹیا چیز قرار دیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ہم کو جنت نہیں
 رہنے سے مولیٰ چاہیے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جس چیز کی تعریف و توصیف کی ہے، اس کو صلب کرنے کا
 حکم دیا ہے اس کو کم درجہ اور گھٹیا کہنے سے اللہ کیسے راضی ہوگا، بعض کہتے ہیں کہ ہم کو جنت نہیں مدینہ چاہیے اور جنت کو مولیٰ اور
 مدینہ کو مولیٰ قرار دیتے ہیں حالانکہ مدینہ کی افضلیت اس وجہ سے ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن ہے اور جس جگہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب آرام فرما رہے ہیں وہ بھی جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور آخرت میں بھی آپ کی
 قیام گاہ جنت ہوگی تو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن ہونا وجہ محبت ہے تو آپ کا مسکن دنیا میں بھی جنت ہے اور آخرت
 میں بھی جنت ہے تو اول آخر جنت ہی کو محبوب ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں جنت کی قدر و منزلت پیدا فرمائے۔
 قرآن مجید میں ہے:

وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا
 السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ
 اپنے رب کی مغفرت اور ایسی جنت کی طرف جلدی کرو
 جس کی پہنائی آسمان اور زمین ہیں اس کو متقین کے لیے تیار کیا
 (آل عمران: ۱۳۳) گیا ہے O

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے میں نے
 اپنے نیک بندوں کے لیے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں
 ان کا خیال آیا ہے اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: "فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ" سو کسی کو معلوم نہیں کہ ان کی
 آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیز پوشیدہ رکھی گئی ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو پہلا کروہ جنت میں داخل ہوگا
 ان کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگا، نہ وہ اس میں تھوکیں گے نہ ناک سے ریش آئے گی نہ فضلہ خارج ہوگا، ان
 کے برتن جنت میں سونے کے ہوں گے اور کنگھے سونے اور چاندی کے ہوں گے اور اس میں عود کی خوشبو ہوگی، ان کا پسینہ مشک کی
 طرح خوشبودار ہوگا، ہر جنتی کو دو بیویاں ملیں گی، ان کی پنڈلیوں کا مغز گوشت کے پار سے نظر آئے گا، یہ ان کے حسن کی جھلک
 ہے، ان کے دلوں میں اختلاف اور بغض نہیں ہوگا، سب کے دل ایک طرح کے ہوں گے اور وہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں
 گے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت ہبل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں چاہک جتنی
 جگہ بھی دینا و مانیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جنت میں ایک درخت ہے جس کے پائے میں ایک سو اسی سال تک پتہ لگے گا اور اگر تم چاہو تو یہ پڑھو "وطل ممدود"۔

(کنز الخیر ج ۱ ص ۳۶ "مطبوعہ دار الفکر" بیروت ۱۴۰۸ھ)

اور دائیں طرف والے کیا ہی خوب ہیں دائیں طرف والے وہ بے کانوں کی بیڑیوں میں رہیں گے اور تہ بہ تہ کیاوں میں اور چیل ہوئی لمبی چھان میں (بیش) چھانکے ہوئے پانی میں اور بہت سے (لذیذ) پھلوں میں جو نہ ختم ہوں گے نہ روکے ہوئے ہوں گے اور اپنے بستروں میں بے شک ہم نے (ان خوروں کو) خصوصیت سے بنایا اور ہم نے ان کو کنواریاں بنایا اور اپنے شوہروں سے محبت کرنے والیاں اور ہم عمر اور دائیں طرف والوں کے لیے ہوں گی

وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ وَيَطْلَقُ مَهْدُودٍ وَنَارٌ نَّاسُودٍ وَفَالِكٌ كَثِيرٌ وَلَا مَفْطُوعَةٌ وَلَا مَمْنُوعَةٌ وَفَرَسٌ مَّرْفُوعٌ إِنْكَارٌ أَشْأَنُ فَصَحْنَهُنَّ أَنْكَارًا نُّرَبًّا أَنْزَلْنَا الْوَصْفَ الْيَمِينِ (البقرہ ۲۸-۲۷)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے شک جنت میں سو درخت ہیں اور ہر دو درجوں میں آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے اور فردوس سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور ان درجوں کے وسط میں ہے اور اس کے اوپر رحمن کا عرش ہے اور وہیں سے جنت کے دریا جاری ہوتے ہیں پس جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔ (جامع ترمذی ص ۳۶۲ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں (البقرہ ۲۵)

"بحر" کا معنی ہے سمندر "نہر" کا معنی ہے دریا اور "حدول" نہر کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان باغات کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ دریا کے دونوں کناروں پر درخت لگے ہوئے ہیں یہ مطلب نہیں ہے کہ وہاں کوئی لمبی نہر زمین میں کھودی ہوئی ہے مسروق سے امام ابن جریر امام ابن مبارک اور امام بیہقی نے اس اثر کو روایت کیا ہے۔

(عناوین القاضی ج ۲ ص ۶۶ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۴۸۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب بھی ان کو ان باغات سے کھانے کے لیے کوئی پھل دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ یہ وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا۔ (البقرہ ۲۵)

حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنتی کو ایک پیالہ دیا جائے گا وہ اس میں سے کھائے گا پھر اس کو دوسرا اسی طرح کا پیالہ دیا جائے گا تو وہ کہے گا یہ تو پہلے کی طرح ہے تو فرشتے کہیں گے تم کھاؤ ان کا رنگ ایک ہے اور ذائقہ مختلف ہے اور امام ابن جریر نے موقوفہ روایت کیا ہے اور حاکم نے "مسند رک" میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مرفوعہ روایت کیا ہے کہ اہل جنت میں سے کوئی شخص پھل توڑے گا اور ابھی وہ پھل اس کے منہ تک نہیں پہنچے گا کہ اس درخت پر اس کے بدلہ دوسرا چل لگ جائے گا تو وہ کہے گا کہ یہ تو اسی طرح ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جنت کے پھل تھل و صورت میں دنیا کے پھلوں کی طرح ہوں تاکہ جنتی ان کی طرف راغب ہوں کیونکہ جب انسان کوئی نئی چیز دیکھتا ہے تو اس سے متوش ہوتا ہے اور اس وقت جنتی کہیں گے: یہ ایسے ہی پھل ہیں جیسے ہم کو دنیا میں دیئے گئے تھے حالانکہ وہ صرف صورت میں دنیا کے پھلوں کی طرح ہوں گے ذائقہ

مختلف ہوگا اور اس میں یہ حکمت ہے کہ ان کو بہت تجب اور خوشی ہوگی کہ صورۃً مثل ہونے کے باوجود ان کا ذائقہ کس قدر مختلف ہے۔ اس آیت کا ایک محمل یہ ہے کہ اللہ کے یک بندوں کو اللہ کی عبادت اور اس کی معرفت سے جو لذت دنیا میں حاصل ہوتی تھی اسی جنس کی لذت جنت میں بھی ذکر الہی اور اس کی معرفت سے حاصل ہوگی لیکن جنت میں یہ لذت بہت زیادہ ہوگی اس کو بچاؤں سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ جس طرح بچاؤں سے حواس کو لذت حاصل ہوتی ہے اسی طرح معرفت الہی سے روح کو لذت حاصل ہوتی ہے۔ (عناہ القاسمی ج ۲ ص ۷۲ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۴۸۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اور ان کے لیے ان باغات میں پاکیزہ پیو یاں ہوں گی۔ (البقرہ: ۲۵)

جنتی عورتوں اور حوروں کی پاکیزگی، حسن و جمال اور ان کے ساتھ نکاح کی کیفیت کا بیان

امام ابن جریر اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ نجاست سے پاک ہوں گی مجاہد سے روایت ہے کہ وہ بول اور براز اور منی سے پاک ہوں گی اور مجاہد ہی سے روایت ہے کہ حیض سے بول اور براز سے پاک کی ریزش سے تھوک سے منی سے اور بچہ جننے سے پاک ہوں گی قتادہ سے روایت ہے کہ گناہ سے پاک ہوں گی۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۱۳۷ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۱۹ھ)

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام احمد اور امام ترمذی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ادنیٰ درجہ کا جنتی شخص وہ ہوگا جس کے اتنی ہزا نام اور ہزار پیو یاں ہوں گی۔ (حافظ جمال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ درمنثور ج ۱ ص ۲۹ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران) (دو دنیا کی عورتیں ہوں گی اور ستر آخرت کی۔ ابن عساکر)

امام ابن ابی شیبہ امام احمد امام نسائی امام عبد بن حمید امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم اپنی اپنی اسانید سے روایت کرتے ہیں کہ اہل کتاب میں۔ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا اے ابو القاسم آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ اہل جنت کھائیں گے اور پیئیں گے آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقت میں میری جان ہے ایک جنتی شخص کو کھانے پینے جماع اور شہوت سے سو دنیاوی آدمیوں کی قوت دی جائے گی اس نے کہا جو شخص کھاتا پیتا ہے وہ رفع حاجت بھی کرتا ہے اور جنت پاک جگہ ہے وہاں نجاست نہیں ہوتی آپ نے فرمایا ان کی رفع حاجت ایک پسینہ نکلنے سے ہوگی جس سے مشک کی سی خوش بو آئے گی اور پسینہ آنے کے بعد ان کا پیٹ خالی ہو جائے گا۔

(درمنثور ج ۱ ص ۴۰ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

امام طبرانی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ پیشاب اور جنابت (جماع کے وقت منی کا خروج) ایک پسینہ ہوگا جو ان کے بالوں کے نیچے سے لے کر پیروں تک سے نکلے گا اور اس سے مشک کی خوشبو آئے گی۔

(درمنثور ج ۱ ص ۴۰ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

حافظ نور الدین الحیثمی بیان کرتے ہیں:

امام طبرانی اور امام بزار نے حضرت سعید بن عامر بن حدید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر اہل جنت کی ازواج میں سے کوئی عورت جھانکے تو تمام روئے زمین مشک کی خوشبو سے بھر جائے اور سورج اور چاند کی روشنی ماند پڑ جائے۔ (معجم الزوائد ج ۱ ص ۱۰۷ مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۰۲ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا

یارسول اللہ! قرآن مجید میں ہے "حود عین" اس کی تفسیر فرمائیے آپ نے فرمایا وہ گورے رنگ کی بڑی بڑی آنکھوں والی ہوں گی اور ان کی اتنی گھنی پلکیں ہوں گی جیسے گدھ کے پر میں نے کہا یارسول اللہ! قرآن کی آیت "کساہن الباقوت والموحان" کی تفسیر فرمائیے آپ نے فرمایا جیسے صدف میں موتی صرف اور شفاف ہوتا ہے جس کو کسی نے چھو نہ، وہ اس طرح صاف اور ان چھوٹی ہوں گی میں نے عرض کیا یارسول اللہ! "فیہن حیرات حسن" کی تفسیر فرمائیے آپ نے فرمایا ان کی صورت سن دوریرت جمل ہوگی میں نے عرض کیا یارسول اللہ! "کساہن بیص مکوں" کی تفسیر فرمائیے فرمایا ان کی کھال اس طرح باریک ہوگی جیسے انڈے کے چمکے کے اندر لپٹی ہوئی کھال باریک ہوتی ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ! "عوما اقربا" کی تفسیر فرمائیے آپ نے فرمایا جو عورتیں دنیا میں بوزھی ہو کر فوت ہوں گی ان سے ہاں خید ہو چکے ہوں گے اور وہ کمزور ہو چکی ہوں گی اللہ تعالیٰ ان کو بڑھاپے کے بعد دوشیزہ بنا کر اٹھائے گا اور وہ اپنے شوہروں سے محبت کرنے والی ہوں گی اور سب ایک عمر کی ہوں گی میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آیا دنیا کی عورتیں افضل ہوں گی یا حورمیں افضل ہوں گی؟ آپ نے فرمایا دنیا کی عورتیں حورمیں سے اس طرح افضل ہوں گی جس طرح ظاہر باطن سے افضل ہوتا ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اس کی وجہ؟ آپ نے فرمایا اس کی فضیلت کا سبب ان کے روزے، اور ان کی نمازیں ہیں اللہ تعالیٰ ان سے چہروں میں نور پیدا کر دے گا ان کا جسم ریشم کی طرح ہوگا رنگ گورا ہوگا کپڑے بڑے ہوں گے سنہرے زیورات ہوں گے ان کی آنکھیں موتی کی ہوگی اور ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی وہ کہیں گی، سنو! ہم دائی ہیں، کبھی نہیں مریں گی، سنو! ہم ہمیشہ نعمت میں ہیں کبھی مغموم نہیں ہوں گی ہم قیام کرنے والیں ہیں کبھی سفر نہیں کریں گی ہم خوش ہونے والیاں ہیں کبھی ناراض نہیں ہوں گی اس کو مبارک ہو جس کے لیے ہم ہیں اور وہ ہمارے لیے ہے میں نے عرض کیا ہماری بعض عورتیں دنیا میں دو خاوندوں سے (یکے بعد دیگرے) نکاح کرتی ہیں بعض تین سے اور بعض چار سے تو وہ عورت جنت میں کس خاوند کے نکاح میں ہوگی؟ آپ نے فرمایا اے ام سلمہ! اس عورت کو اختیار دیا جائے گا اور جس خاوند کا اخلاق دنیا میں سب سے اچھا ہوگا وہ اس کو اختیار کرے گی وہ کہے گی اے میرے رب! میرے اس خاوند کا اخلاق سب سے اچھا تھا میرا اس کے ساتھ نکاح کر، اے ام سلمہ! دنیا اور آخرت کی خیر اچھے اخلاق کے ساتھ وابستہ ہے۔ (اتم الکبیر ج ۲۲ ص ۳۶۸-۳۶۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جس عورت نے دنیا میں متعدد نکاح کیے ہوں وہ آخرت میں کس خاوند کے نکاح میں ہوگی؟

جس عورت نے متعدد نکاح کیے ہوں تو ایک صورت یہ ہے کہ ہر خاوند نے اس کو طلاق دے دی ہو اور جب وہ فوت ہو تو وہ کسی خاوند کے نکاح میں نہ ہو اس صورت میں اس کو جنت میں اختیار دیا جائے گا کہ جس خاوند کے اخلاق سب سے اچھے ہوں وہ اس سے نکاح کرے جیسا کہ حضرت ام سلمہ کی مذکورہ حدیث میں ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے متعدد نکاح کیے ہوں اور آخری خاوند نے اس کو طلاق نہ دی ہو اور وہ اس کے نکاح میں فوت ہوئی ہو اس صورت میں وہ جنت میں آخری خاوند کے نکاح میں ہوگی جیسا کہ حضرت ابوداؤد اور حضرت حذیفہ کی حدیث میں ہے۔

(نہدی حدیث ص ۴۱ مطبوعہ مصطفیٰ اہلبائی داؤدہ ممصر ۱۳۵۶ھ)

جن مردوں اور عورتوں کا دنیا میں نکاح نہیں ہوا ان کا جنت میں نکاح ہو جائے گا

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں،

جو کم سن بچہ حشر میں دنیاوی عمر اور جسمت پر اٹھایا جائے گا، جنت میں دخول کے وقت اس کی جسمت بڑھائی جائے گی اور وہ بالغوں کی طرح جنت میں داخل ہوگا اور اس کا دنیاوی عورتوں اور مردوں کے ساتھ نکاح کر دیا جائے گا۔

(فتاویٰ حدیثیہ ص ۱۵۶ مطبوعہ مصطفیٰ البابی دادا دادہ مصر ۱۳۵۶ھ)

اس عبارت کی وضاحت یہ ہے کہ جس طرح بعض کم سن بچے فوت ہوتے ہیں اسی طرح بعض کم سن بچیاں فوت ہو جاتی ہیں اور یہ دونوں باتوں کی طرح جنت میں داخل ہوں گے اور ان کا ایک دوسرے سے نکاح کر دیا جائے گا۔
اسی طرح بعض مردوں کا ساری زندگی نکاح نہیں ہوتا اور وہ تہجد کی زندگی گزارتے ہیں اور بعض عورتیں بھی بغیر نکاح کے بوڑھی ہو جاتی ہیں ان کا بھی جنت میں ایک دوسرے سے نکاح کر دیا جائے گا
جنت میں ناپاک اور ناجائز خواہشیں نہیں ہوں گی

بعض لوگ یہ بے ہودہ سوال کرتے ہیں کہ مردوں کو تو حوریں ملیں گی عورتوں کو جنت میں کیا ملے گا! بعض کہتے ہیں کہ جنت میں ان کو غلام ملیں گے بعض کہتے ہیں کہ جب مردوں کو کئی حوریں اور بیویاں ملیں گی تو عورتوں کو کھنی بنی کی خاوند بننے چاہئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی بے ہودہ اور ناپاک خواہشوں کا منبع شیطان ہے اور چونکہ شیطان جنت میں نہیں ہوگا اس لیے یہ ناپاک خواہشیں بھی جنت میں نہیں ہوں گی جب کوئی شخص یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کے کئی باپ ہوں تو اس کو یہ بھی نہیں سوچنا چاہیے کہ ایک عورت کے کئی خاوند ہوں۔

قرآن مجید میں ہے

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشَاءُونَ أَنْفُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ

(تم اس جگہ ۲۱) خواہش کرو اور جس کی تم طلب کرو O

جنت میں انسان کی ہر خواہش پوری ہوگی لیکن ناپاک اور ناجائز خواہشیں وہاں اس کے دل میں نہیں پیدا ہوں گی۔ فرض سمجھئے کوئی شخص یہ خواہش کرے کہ شیطان کو جنت میں داخل کر کے اس کو بیویوں اور رسولوں سے اونچا مقام دے دیا جائے حالانکہ یہ محال ہے تو اس کا یہی جواب ہے کہ اس قسم کی لغو ناپاک اور ناجائز خواہشوں کا منبع شیطان ہے اور جب وہ جنت میں نہیں ہوگا تو ایسی لغو اور ناجائز خواہشیں بھی جنت میں نہیں ہوں گی۔

جنت کی عظمت اور کرامت کے متعلق میں نے بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں جھوٹے صوفی اور بناوٹی محبت رسول جنت کا بہت حقارت سے ذکر کرتے ہیں اور جنت طلب کرنے والوں کی خدمت کرتے ہیں اور ان کی تضحیک کرتے ہیں۔ اے بارالہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے ہم کو جنت الفردوس عطا فرما۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ط

بے شک اللہ (ہدایت کے سلسلہ میں) کسی بھی مثال کے بیان کو ترک نہیں کرتا خواہ چھپر کی مثال ہو یا اس سے بھی زیادہ حقیر چیز کی

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنََّّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا

رے وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ مثال ان کے رب کی طرف سے پتی ہے اور رے وہ لوگ

الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا يُضِلُّ

جنہوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ اس (حقیر) مثال سے اللہ نے کیا ارادہ کیا ہے! وہ اس (مثال کے بیان) سے بہت لوٹوں

دقت لازم

بِهَ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٧﴾

کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہت لوگوں کو اس سے ہدایت دیتا ہے اور وہ صرف فاقوں کو ہی اس سے گمراہی میں مبتلا کرتا ہے ۵

الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ

جو اللہ سے خوب پکا عہد کرنے کے بعد اس کو توڑتے ہیں اور جن چیزوں کو اللہ نے ملائے کا

مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ وَلَئِكَ

حکم دیا ہے ان کو کائنات میں اور زمین میں فساد کرتے ہیں وہی وہ

هُمْ الْخٰسِرُونَ ﴿٢٨﴾

نقصان اٹھانے والے ہیں ۵

امام ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن مسعودؓ اور کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے منافقین کی دو مثالیں بیان کیں (آگ جلانے والے کی اور بارش میں گھرے ہوئے شخص کی) تو منافقین نے کہا اللہ کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ وہ مثالیں بیان کرے اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں: سیاق و سباق کے یہی شان نزول مناسب ہے نیز امام ابن جریر طبری نے قنادہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکھی اور مکزی کی جو مثالیں دی تھیں ان پر شریعت نے اعتراض کیا کہ اللہ کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ مکھی اور مکزی کی مثالیں بیان کرے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۱۳۸ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بتوں کی حقارت بیان کرنے کے لیے ان کو مکھی اور مکزی سے تشبیہ دی ہے

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے مددگار بنائے ان

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ

کی مثال مکزی کی مثال ہے جس نے (جائے گا) گھر بنایا اور

الْعَنَكَبُوتِ ۚ إِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ

بے شک سب سے کمزور گھر مکزی کا گھر ہے۔

الْعَنَكَبُوتِ (العنکبوت ۴۱)

اور اگر مکھی ان بتوں سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو

وَإِنْ يَسْلُبْهُمْ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ

وہ اس کو اس سے چھڑا نہیں سکتے طالب اور مطلوب دونوں

مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ۝ (الحج ۷۳)

کمزور ہیں ۵

پہلی مثال میں بتوں کی عبادت کا کمزور ہونا بتایا ہے کہ وہ مکزی کے جالے کی مثل ہے اور دوسری مثال میں بتوں کی خسرت اور حقارت بتائی ہے کہ اگر بتوں سے مکھی کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس کو چھڑا نہیں سکتے۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں ان مثالوں پر منافقوں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ کیا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رب کو حیا نہیں آتی کہ وہ مکھی اور مکزی کی جھوٹی اور حقیر چیزوں کی مثالیں بیان کرتا ہے تب ان کے رد میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

(مدونة القاری ج ۱ ص ۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۸ھ)

مثال بیان کرنے کا قاعدہ

مثال دینے کا قاعدہ یہ ہے کہ جس کی وجہ سے مثال دی گئی ہے اس وجہ سے وہ مثال مثال لہ کے موافق ہو اگر کسی چیز کی عظمت بیان کرنا مقصود ہو تو عظیم چیز سے مثال دی جائے گی اور اگر کسی چیز کی خست بیان کرنا مقصود ہو تو حقیر چیز سے مثال دی جائے گی کیونکہ مثال کے ذریعہ مثال لہ (مقصود) کے معنی کو متکشف کیا جاتا ہے اور امر معقول کو کچھ دوس اور مشاہد کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ مسئلہ سمجھ آ جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ (ہدایت کے ۶۷ سلسلے میں) کسی بھی مثال کے بیان کو ترک نہیں کرتا (۱۲۰: ۲۶)

حیا کا معنی اور قرآن اور حدیث میں اللہ کی طرف حیا کی نسبت کا محمل

برا کام کرتے وقت لوگوں کی ملامت اور مذمت کے خوف سے انسان کا منقبض ہونا (مثلاً سکڑنا) اس کو حیا کہنے ہیں یہ بے باکی اور بزدلی کی ایک درمیانی کیفیت ہے بے باک شخص دلیری کے ساتھ برے کام کرتا ہے اور بزدل شخص مطلقاً کوئی کام نہیں کر سکتا برا ہو یا اچھا حیا کا یہ معنی اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ کسی کی ملامت سے متاثر ہو اس لیے یہاں حیا کا لازمی معنی مراد ہے حیا کی وجہ سے انسان کسی کو دیکھ کر برا کام ترک کر دیتا ہے اس لیے حیا کو ترک کرنا لازم ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے جب حیا کا لفظ استعمال ہو تو اس سے ترک کرنا ہی مراد ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ترک کا لفظ استعمال کیوں نہیں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بریاء مشاکلست ہے کیونکہ منافقوں نے کہا تھا کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کو حیا نہیں آتی کہ وہ نکھی اور سکڑی کی مثالیں دیتا ہے! تو ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حق واضح کرنے کے لیے کسی بھی مثال دینے سے حیا نہیں فرماتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف حیا کی نسبت کی ہے۔ علامہ علی مرتضیٰ ہندی، امام ابن الجوزی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں

عس انس رضى الله عنه قال قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم ان الله يستحي من عبده
وامته يشيان فى الاسلام ان يعذبهما
(کنز العمال ج ۱۵ ص ۶۷۲ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۵ھ)
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا جو بندہ اور بندہ کی اسلام میں
پوڑھے ہو جو میں اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دینے سے حیا فرماتا
ہے۔

حافظ سیوطی 'امام ابن التجار کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بوزہا شخص صحیح عمل کرتا ہو اور پابندی سے سنت پر عمل کرتا ہو اللہ تعالیٰ کو اس سے جیہ آتی ہے کہ وہ کوئی سوال کرے اور اللہ اس کو نہ دے۔

(جامع الاحادیث الکبیر ج ۲ ص ۳۰۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۱ھ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی اللہ کا بندہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو اللہ کو اس سے حیا آتی ہے کہ وہ اپنی کسی حاجت کا سوال کرے اور اس کے پورا ہونے سے پہلے لوٹ جائے۔

(جامع الاحادیث الکبریٰ ج ۳ ص ۳۰۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

امام ابو داؤد اور روایت کرتے ہیں:

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تمہارا رب حیا دار کریم ہے۔ جب بندہ اس کی طرف دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ ان کو خالی لوٹانے سے حیا فرماتا ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۹ مطبوعہ مطبعہ نبوی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی^۱، امام ابن ماجہ^۲ اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

حافظ سیوطی نے بھی اس حدیث کو متعدد حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

(جامع الاحادیث الکبیر ج ۲ ص ۲۷۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

یہاں پر غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک اور مولیٰ ہو کر بندوں کی بات مانگے اور اس کی دعا مسترد کرنے سے دیا فرماتا ہے تو جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کسی کام کا حکم دے تو اس کے حکم پر عمل نہ کرنے سے بندوں کو کس قدر حیا کر لی چاہئے؟ غالباً اسی نکتہ پر متنبہ کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے لیے ترک کرنے کے بجائے حیا کرنے کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ اس (مثالی کے بیان) سے بہت لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہت لوگوں کو اس سے ہدایت دیتا ہے۔ (البقرہ: ۲۶)

اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے کی توجیہ

کذاور منافقین نے جو یہ سوال کیا تھا کہ اللہ نے ان مثالوں کے بیان کرنے سے کیا ارادہ کیا ہے؟ اس آیت میں اس کا جواب ہے یعنی جن لوگوں پر جہالت غالب ہے اور جو ضد اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے وہ جب ان مثالوں کو سنیں گے تو ضد اور عناد کی وجہ سے ان مثالوں پر غور و فکر نہیں کریں گے اور فوراً ان کا انکار کر دیں گے لہذا ان مثالوں کا بیان کرنا ان کے حق میں گمراہی کا موجب ہوا اور جن لوگوں کی عادت یہ ہے کہ وہ ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیتے کھلے ہوئے ذہن سے سوچتے ہیں اور غور و فکر کرتے ہیں وہ جب ان مثالوں کو سنیں گے تو ہدایت پا جائیں گے کلیات اور باریک چیزوں کی وضاحت مثال سے ہی ہوتی ہے اور جو شخص ان مثالوں پر غور و فکر کرتا ہے وہ ہدایت پالیتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَبَلَدِكَ لَكُمَثَالٌ تَضَرُّبُهَا إِنشَاءُ ذِمَّةٍ مَا يَبْهَلُونَ أَلَّا

أَعْلَمُونَ ○ (النکبوت: ۲۳)

ایک سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ کثیر کو گمراہ کرتا ہے اور کثیر کو ہدایت دیتا ہے حالانکہ گمراہ تو کثیر ہیں اور ہدایت یافتہ قلیل ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ گمراہ عدد کثیر ہیں اور ہدایت یافتہ اپنے مرتبہ اور شرف کے اعتبار سے کثیر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ صرف فاسقوں کو ہی اس سے گمراہی میں مبتلا کرتا ہے ○ (البقرہ: ۲۶)

فسق کی تعریف اور اس کی اقسام

فسق کا معنی ہے اعتدال اور طریق مستقیم سے خروج اور شریعت میں گناہ کبیرہ کرنے والے کو فاسق کہتے ہیں۔ اس کے تین مراتب ہیں: (۱) تغابی جو شخص کبھی کبھی گناہ کبیرہ کرے اور اس کو برا جانتا ہو (فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے) (۲) انہاک جو شخص گناہ کبیرہ کا عادی ہو اور اس کو اس کا کوئی خوف نہ ہو (۳) تجود جو شخص گناہ کبیرہ کو اچھا اور صحیح سمجھ کر کرے پس جو شخص اس درجہ میں پہنچ جائے اس کا ایمان جاتا رہتا ہے اور وہ کافر ہو جاتا ہے اور جب تک وہ تغابی اور انہاک

۱۔ امام ابویسٰی محمد بن یسٰی ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۵۱۲ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۲۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ سنن ابن ماجہ ص ۲۷۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۳۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۵ ص ۳۸ ج ۶ ص ۳۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

کے درجہ میں ہوتا ہے وہ ایمان سے نہیں نکلتا کیونکہ اس کے دل کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق قائم رہی ہے اور اسی تصدیق کا نام ایمان ہے۔

یہاں فاسق سے مراد وہ منافقین ہیں جو فتنے کے تیسرے درجہ میں پہنچ چکے تھے اور اللہ تعالیٰ نے گمراہ کرنے کو جو فاسقوں میں منحصر کر دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فتنے نے ہی ان کو گمراہی تک پہنچایا کیونکہ مسلسل حق کا انکار کرنے اور باطل پر اصرار کرنے کی وجہ سے وہ ایسے معاند اور ہٹ دھرم ہو گئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بیان کی ہوئی مثالوں پر غور نہیں کیا اور یہ نہیں سمجھا کہ مکھی اور مکڑی کی مثالیں دے کر اللہ تعالیٰ نے بتوں کی خست اور حقارت کو بیان کیا ہے اور ان کی بہالت اور گمراہی دور پہنچتے ہو گئی اور اس طرح ان مثالوں کا مذہبی اثر اٹانے اور انکار کرنے سے ان فاسقوں کی گمراہی اور زیادہ راسخ ہو گئی اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ صرف فاسقوں کو ہی اس سے گمراہ کرتا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو اللہ سے خوب پکا عہد کرنے کے بعد اس کو توڑتے ہیں۔ (بقرہ: ۲۷)
عہد موثق کا معنی اور اس کی اقسام

بکے عہد کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی رعایت اور حفاظت کی جائے جیسے قسم اور وصیت کی رعایت اور حفاظت کی جاتی ہے اس عہد سے مراد وہ عہد ہے جو لوگوں کو عقل دینے کی صورت میں لیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنی ذات اور صفات پر دلائل قائم کئے ہیں اور نشانیاں رکھی ہیں اور عقل میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ان نشانوں سے صاحب نشان تک پہنچ سکتی ہے۔ اس عہد کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَنَّا نَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ○ (اعراف: ۱۷۲)

اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بنایا (فرمایا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ ہم نے گواہی دی (یہ گواہی اس لیے لی ہے) کہ (کہیں) قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہنے لگو کہ ہم اس سے بے خبر تھے ○

دوسرا عہد وہ ہے کہ جو نبیوں اور رسولوں کے واسطوں سے ان کی امتوں سے لیا گیا اور وہ یہ عہد تھا کہ جب اس نے پاس وہ عظیم رسول آجائیں جن کی پچھلی کتابوں میں تصدیق ہے اور معجزات سے ان کی رسالت ثابت ہو جائے تو یہ سب اس عظیم رسول کی اتباع کریں گے اور ان کی کتابوں میں اس کی نبوت کا جو بیان ہے اس کو نہیں چھپائیں گے اور اس کی مخالفت نہیں کریں گے اور اس عہد کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِنْ بَنِي آدَمَ الْأَكْثَبَ لِشَبَابَتِهِمْ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبَيَّسَ مَا يَشْتَرُونَ ○

اور یاد کرو جب اللہ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ تم یہ عہد لوگوں سے ضرور بیان کرو گے اور اس کو نہیں چھپائے گے سو انہوں نے اس عہد کو پس پشت پھینک دیا اور اس عہد کے بدلہ میں حقیر معاوضہ لے لیا تو یہ کیسی بری چیز کو خرید رہے ہیں ○

(آل عمران: ۷۵)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کی فطرت میں جو بہایت رکھی تھی اس کو انہوں نے غور و فکر سے کام نہ لے کر ضائع کر دیا اور ان کے نبیوں اور رسولوں نے جو ان سے سخری نبی کی پیروی کا عہد لیا تھا انہوں نے اپنے تعصب اور عناد کی

وجہ سے اس عہد کو بھی توڑ دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن چیزوں کو اللہ نے مٹانے کا حکم دیا ہے ان کو کاتے ہیں اور زمین میں فساد کرنے ہیں اور یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں O (البقرہ: ۲۷)

منافقین کا شر اور فساد

اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا تھا کہ رشتے داروں سے تعلق جوڑیں یہ توڑتے تھے اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ مسلمانوں سے محبت کریں یہ ان سے اعراض کرتے تھے اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ نبیوں میں ایمان لانے کے لحاظ سے فرق نہ کریں یہ فرق کرنے تھے فرض نماز کو جماعت سے پڑھنے کا حکم تھا یہ ترک کرتے تھے اور ہر وہ کام جس میں خیر ہو اس کو ترک کر کے شر کو اختیار کرتے تھے اور زمین میں ان کا فساد یہ تھا کہ لوگوں کو ایمان لانے سے روکتے تھے اللہ تعالیٰ کی آیت کا مذاق اڑاتے تھے اور جن چیزوں سے وصل سے امن عالم قائم ہے ان میں فصل کرتے تھے۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَانًا فَاحْيَاكُمْ ۖ ثُمَّ

تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تم کو زندہ کیا پھر وہ

يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَ

تم پر موت طاری کرے گا پھر تم کو زندہ کرے گا پھر اس کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے O (اللہ) وہی ہے جس نے

لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ

تمہارے نفع کے لیے زمین میں سب چیزوں کو پیدا کیا پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے سات

سَعٰى سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾

ہموار آسمان بنا دیئے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے O

اس آیت میں کفار کو مخاطب کر کے یہ بتایا کہ تم کس طرح اللہ کے ساتھ کفر کر سکتے ہو حالانکہ پہلے تم نطفہ کی شکل میں بہ ظاہر مردہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے جسم میں روح پھونک کر تم کو زندہ کیا پھر جب تمہاری مدت حیات پوری ہو جائے گی تو پھر تم پر موت طاری کرے گا پھر قبر میں سوال و جواب کے وقت یا صور پھونکنے کے وقت تم کو دوبارہ زندہ کرے گا پھر حشر کے بعد تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور اللہ تم کو تمہارے اعمال کو جزا دے گا اور جب تم کو اپنے ان احوال کا علم ہے تو پھر تمہارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا کس قدر تعجب خیز ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار کو یہ علم تھا کہ وہ پہلے مردہ تھے پھر ان کو زندہ کیا گیا اور پھر ان پر موت آئے گی لیکن موت کے بعد دوبارہ زندگی کے تو وہ قائل نہ تھے تو اس حیات کو ان کے خلاف بہ طور حجت پیش کرنا کس طرح درست ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ حیات بعد الموت پر دلائل بالکل ظاہر ہیں اس لیے ان دلائل کے ظہور کو کفار کے علم کے قائم مقام کیا گیا ہے اور اس آیت میں بھی حیات بعد الموت پر دلیل ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے پہلی بار ان کو مردہ حالت میں زندگی کی طرف

مقتل کیا تو دوبارہ اس پر موت طاری کر کے انہیں زندہ کرنا اس کے لیے کب مشکل ہو سکتا ہے اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ موت طاری کرنے کو کس طرح نصرتوں میں سے شمار کیا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ موت دوسری حیات کی طرف پہنچاتی ہے اور وہی حقیقی حیات ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں مومنوں سے خطاب ہو کہ پہلے تم مردہ تھے جسے جاہل تھے پھر تم کو زندہ کیا یعنی علم و ایمان سے سرفراز کیا پھر تم پر معروف موت طاری کی جائے گی اور تم کو نجاتی حیات دے دی جائے گی اور نعم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر نعم کو ان با اجر و ثواب دیا جائے گا جس کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ اس کا کسی دل میں خیال آیا ہے۔

حیات اور موت کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

حیات کے متعدد معنی ہیں:

(۱) نباتات میں جو نشوونما کی قوت ہے اس کو حیات کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے
 اَنَّ اللّٰهَ يَخْلُقُ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (الحجۃ: ۵)

بے شک اللہ ہی زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ فرماتا ہے۔

(۲) حیوانات میں جو احساس اور حرکت ہمارادہ کی قوت ہے اس کو حیات کہتے ہیں

وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاءُ وَلَا الْاَمْواتُ (الانعام: ۲۲)

اور زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے۔

(۳) عمل اور عقل کی قوت کو حیات کہتے ہیں۔

اَوْ مَنْ كَانَ صَيِّفًا فَاصْبَحْنَا وَجَعَلْنَاهُ نُوْرًا اَيُّمِّنِي
 (الانعام: ۱۱۲)

اور کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کو روشنی دی جس سے وہ چلنے لگا۔

(۴) حیات اخرویہ ابدیہ جس کو عقل اور علم سے حاصل کیا جاتا ہے

اَسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَرِسُوْا اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا حَيَّیْكُمْ
 (النفال: ۲۴)

اللہ اور رسول جب تمہیں ابدی زندگی دینے والی چیز کی طرف بلائیں تو فوراً حاضر ہو جاؤ۔

(۵) جس حیات کے ساتھ اللہ تعالیٰ متصف ہے اور اللہ تعالیٰ کے حی ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس نے لیے موت محسوس نہیں ہے

اور وہ عالم در قادر ہے۔ حیات کے معنی کے مقابلہ میں موت کا معنی ہے زمین کا بے آب و گیاہ ہونا ورنہ ہونا زمین کی

موت ہے جس اور حرکت ارادہ کی قوت کا ختم ہو جانا جانداروں اور حیوانوں کی موت ہے عمل اور عقل کی قوت کا ختم

ہو جانا انسانوں کی موت ہے۔ (المفردات: ۱۳۸-۱۳۹ مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۲۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اللہ) وہی ہے جس نے تمہارے نفع کے لیے زمین میں سب چیزوں کو پیدا کیا پھر وہ آسمان کی

طرف متوجہ ہوا تو اس نے سات ہموار آسمان بنادیے۔ (البقرہ: ۲۹)

زمین اور آسمان کی تخلیق کی ترتیب

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ زمین کو پہلے بنایا گیا یا آسمان کو جو علماء پہلے زمین کی تخلیق کے قائل ہیں ان کا استدلال اس

آیت سے ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو پیدا کرنے کے بعد آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور حسب ذیل آیت سے بھی ان کا استدلال

ہے:

قُلْ إِنِّي كُنْتُ نَسْفُوتٌ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي
يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ذَلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ وَ
جَعَلَ فِيهَا رَوَاسِي مِنْ خِزْفٍ وَبَارَكَ فِيهَا وَكَرَّمَهَا
أَقْوَامَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِلنَّاسِ لَدُنْهُ أَشْيَاءُ
إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْسًا
أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ فَفَضَّلَهُنَّ سَبْعُ مِائَاتٍ
فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْخَى فِي كُلِّ سَبْعٍ أَمْرَهَا وَنَزَّلْنَا السَّمَاءَ
النَّبِيَّابِصَالِيَّةَ وَحَفَظْنَا ذَلِكَ تَقْدِيرًا عَزِيزًا عَلِيمًا
(نم اسرہ ۹۱۲)

آپ کیسے کیا تم واقعی اس ذات کے ساتھ کفر کرتے
ہو جس نے دو دن میں زمین کو بنایا اور تم اس کے لیے شریک
بناتے ہو وہ (عظیم) رب ہے تمام جہانوں کا O اور اس نے
زمین میں بھاری پہاڑوں کو گاڑ دیا اور اس میں برکت بھی
اور زمین میں رہنے والوں کی غذا بھی چار دنوں میں مندر کی
جو طلب کرنے والوں کے لیے مسادی ہے O پھر آسمان کی
طرف قصد کیا در آس حالیکہ وہ دھواں تھا پھر آسمان اور زمین
سے فرمایا تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہونا دونوں نے
کہا ہم خوشی سے حاضر ہوئے O پھر دو دن میں سات آسمان
بنادئے اور ہر آسمان میں اس کے موافق حکم بھیجا اور ہم نے
آسمان دنیا کو چرخوں سے مزین کیا اور اس کی حفاظت کی یہ
بہت زبردست ذات اور بڑے علم والے کا مقرر کیا ہوا اندازہ
ہے O

یہ آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا گیا ہے ورنہ ہم ابن جریر طبری نے قنادت یہ نقل کیا
کہ آسمان کو پہلے بنایا گیا ہے اور پھر زمین کو بنایا گیا ہے ان کا استدلال قرآن مجید کی ان آیات سے ہے
وَإِنَّمَا أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءِ بَنَاهَا وَفَعَّ سَمَكُهَا
فَسَوَّيْنَاهَا وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُغْضُهَا وَالْأَرْضَ
بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا (النمرات ۳۰ ۳۱)

آپ تمہاری تخلیق زیادہ جلد سے یہ آسمان کی (اللہ نے)
آسمان کو بنایا O اس کی بہت بلندی پھر اس کو ہموار کیا O اور اس کی
رات تاریک کی اور اس کے دن کی روشنی کو ظہر کیا O اور اس سے
بعد زمین کو پھیلا یا O

اس آیت سے یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو آسمان کے بعد پیدا کیا گیا ہے لیکن جمہور علماء اس کا یہ جواب دیتے ہیں
کہ زمین کی تخلیق پہلے کی گئی تھی جیسا کہ سورہ البقرہ اور سورہ حم السجدة سے واضح ہوتا ہے اور زمین کو پھیلائے کا مثل آسمان کی
تخلیق کے بعد کیا گیا جیسا کہ سورہ الزمرات سے واضح ہوتا ہے۔

اباحت کے اصل ہونے کی تحقیق

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے نفع کے لیے زمین میں سب چیزوں کو پیدا کیا۔
اس آیت میں لام انتفاع کے لیے ہے سبب اور تعاقب کے لیے نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کی کوئی علت نہیں ہوتی۔
(بیجاوی) اس آیت سے جمہور فقہاء اور اصولیین نے یہ استدلال کیا ہے کہ احکام شرعیہ کے وارد ہونے سے پہلے اصل میں سب
اشیاء مباح ہیں پھر جب احکام شرعیہ وارد ہوئے تو بعض کام واجب ہو گئے اور بعض کام حرام ہو گئے مثلاً شراب نوشی اور کتوں
کے ساتھ اشتغال اور تصویریں بنانا پہلے مباح تھا اور جب شریعت میں ان سے ممانعت وارد ہو گئی تو یہ کام حرام ہو گئے اسی طرح
والدین کی اطاعت کرنا پہلے مباح تھا جب شریعت نے اس کا حکم دے دیا تو یہ واجب ہو گیا اور جن مشرکوں نے حکم شرع سے
بغیر از خود کسی چیز کو حرام کر لیا جس طرح مشرکوں نے سائبہ بحیرہ وغیرہ جانوروں کو حرام کر دیا تھا ان کا دودھ پینا ان پر سواری کرنا

اور ان کا گوشت کھانا سب کچھ حرام کر لیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت میں یہ آیات نازل فرمائیں۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَا كُفِرُ بِهِ هَذَا حَلَالٌ
وَهَذَا حَرَامٌ لَتَنفَذُوا عَلَى اللَّهِ الْكِبَ (النحل ۱۱۶)

اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی
ہیں ان کے متعلق نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام تاکہ تم اللہ پر
بہتان باندھو

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ
مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ إِنَّ اللَّهَ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ
تَفَتُّونَ (یونس ۵۹)

آپ کہئے کہ بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے لیے جو رزق اتارا
تو تم نے کچھ اس میں حرام کر لیا اور کچھ حلال آپ کہئے کہ آیا
اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی تھی یا تم اللہ پر بہتان

باندھتے ہو

ان آیات سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کو از خود حرام کرنا صحیح نہیں ہے جب تک اللہ اور رسول کسی چیز سے منع نہ کریں وہ چیز
حلال ہے اسی طرح حدیث میں ہے:

عن سلمان قال سئل رسول الله صلى الله
عليه وسلم عن السمن والحبن والفراء فقال
الحلال ما احل الله في كتابه والحرام ما حرم
الله في كتابه وما سكت عنه فهو مما عفا عنه

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی، پیپر اور پوشین (کھال کی قمیص)
چند کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا جو چیز حلال ہے
اس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کر دیا اور جو چیز حرام ہے
اس کو اپنی کتاب میں حرام کر دیا اور جس کے متعلق اللہ نے
سکوت کیا اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

اس حدیث کو امام ابن ماجہ^۱ اور امام ابو داؤد^۲ نے بھی روایت کیا ہے۔
علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

اکثر لکبہ نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اس حال میں ان کے نزدیک کوئی حکم نہیں ہے اور جب
شریعت وارد ہوگی تو جو حکم چاہے گی وہ نافذ کرے گی اور عقل کسی چیز کو واجب یا حرام نہیں کر سکتی عقل کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اشیاء
کی اس طرح معرفت حاصل کرے جس طرح وہ ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۲۵۲ - ۲۵۱ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ بیضاوی شافعی لکھتے ہیں:

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ تمام اشیاء نافذ مباح ہیں۔ (انوار التریل (دری) ص ۵۷ مطبوعہ سید ایض سنز کراچی)
علامہ شامی حنفی لکھتے ہیں:

”تحریر ابن ہمام“ میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ جمہور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک احکام میں اصل اباحت ہے ”ہدایہ“ اور

۱۔ امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۳۱۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۲۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ سنن ابن ماجہ ص ۳۱۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۳۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۸۳ مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ

”خانیہ“ میں بھی اسی طرح لکھا ہے ”شرح تحریر“ میں لکھا ہے کہ معتزلہ بصرہ کثیر شافعیہ اور اکثر حنفیہ کا یہی قول ہے امام محمد نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ کیونکہ انہوں نے کہا کہ جس شخص سے کسی نے یہ کہا کہ تم مردار کھاؤ یا شراب پیو ورنہ تم کو قتل کر دیا جائے گا اور اس نے اس طرح نہیں کیا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا گیا تو مجھے غصہ ہے کہ وہ گناہ گار ہوگا کیونکہ مردار کا کھانا اور شراب کا پینا صرف شریعت کی ممانعت کی وجہ سے حرام کیا گیا ہے۔ امام محمد نے اس عبارت میں اباحت کو اصل قرار دیا ہے اور حرمت کو شریعی ممانعت کی وجہ سے عارضی قرار دیا ہے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۷۱۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قرآن سنت اور فقہاء کرام کی آراء کے مطابق احکام میں اصل اباحت ہے اور قرآن اور سنت میں جن کاموں کو فرض واجب حرام یا مکروہ نہیں قرار دیا گیا ان کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مشاہیر اسلام کے فضائل اور سیرت کی مجالس کو منعقد کرنا اور آپ کے میاں پر خوشی کا اظہار کرنا صدقہ خیرات اور دیگر عبادات کا ثواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بزرگان دین اور اپنے رشتہ داروں کو پہنچانا انفرادی اور اجتماعی طور پر صلوٰۃ سلام پڑھنا تراویح میں باجماعت قرآن مجید کو ختم کرنا وسیع و عریض مساجد بنانا لائبریریاں قائم کرنا مصحف (قرآن) پر سورتوں کا نام اور آیتوں کی تعداد لکھنا پاروں کے حساب سے قرآن مجید کو تقسیم کرنا مسجدوں میں محراب اور منبر بنانا وعظ و نصیحت کے لیے جلسے منعقد کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے ایام میں جلوس نکالنا اور ان کے ذکر کی مجلسیں قائم کرنا دینی مدارس کے سالانہ جلسے کرنا دورہ حدیث پڑھانا اور ختم بخاری کرنا اور ایسے بہت سے دینی امور جن سے دین کے شعار اور اس کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے ہر چند کہ شریعت میں ان کے کرنے کا حکم ہے نہ ان کے کرنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ تمام کام اپنی اصل پر مباح ہیں لیکن ان کو فرض اور واجب اعتقاد نہ کیا جائے نہ ان کے ساتھ فرض اور واجب کا معاملہ کیا جائے ان کاموں کو لازم سمجھا جائے نہ ان کے نہ کرنے و اہوں پر ملامت کی جائے اور نہ ان پر طنز و تشنیع کی جائے۔ جب کسی مباح کام کو فرض اور واجب کا درجہ دے دیا جاتا ہے تو وہیں سے بدعت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے O (البقرہ ۲۹)

حشر اجساد پر دلیل

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حشر اجساد پر دلیل قائم کی ہے مشرکوں کو یہ اشکال ہوتا تھا کہ مرنے کے بعد انسانوں کے اجسام بوسیدہ ہو جاتے ہیں اور پھر مٹی میں مل جاتے ہیں پھر مختلف زلزلوں آندھنیوں اور طوفانوں میں یہ ذرات بکھر کر منتشر ہو جاتے ہیں اور دوسرے ذرات کے ساتھ غلط ملط ہو جاتے ہیں ایک ہی انسان کا جسم ذرات میں بکھر کر تہ میوں اور ہواؤں کے ذریعہ کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے اور اسی طرح کے دوسرے ذرات سے غلط ہو جاتا ہے تو اب مثلاً ایک انسان کے تمام ذرات کو مختلف مقامات سے بچا کرنا اور دوسرے ذرات سے ممتاز اور الگ کرنا ان کے خیال میں بہت بعید تھا اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بتا دیا کہ یہ اس کے لیے بعید ہوگا جس کو علم نہ ہو اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے اور اس کے لیے ان منتشر ذرات کو پھر سے جمع کر دینا کچھ مشکل نہیں اور جب وہ تم کو اور تم سے کہیں بڑی چیزوں آسمان اور زمین کو بنا چکا ہے تو پھر دوبارہ تم کو پیدا کرنا اس کے لیے کب مشکل ہے بلکہ زیادہ آسان ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّيْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط

اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں

قَالُوا اجْعَلْ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ

فرشتوں نے کہا کیا آپ اپنے نفس کو، کب بنا میں گے بوز میں میں فساد اور خور ہزی کرے گا؟ حالانکہ ہم آپ کی حمد کے ساتھ تسبیح

بِحَمْدِكَ وَتُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ

رہتے ہیں اور آپ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں فرمایا ہے شک میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے O اور اللہ نے

أَدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي

آدم کو سب چیزوں کے نام سکھ دیجئے پھر ان چیزوں کو فرشتوں پر پیش کر کے فرمایا اگر تم جے ہو تو

بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۱﴾ قَالُوا سُبْحَنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا

مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ O فرشتوں نے کہا تو پاک ہے ہمیں صرف انہی چیزوں

إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يَا أَدَمُ ابْنِئْهُمْ

کا علم ہے جن کی تو نے ہمیں تعلیم دی ہے شک تو ہی سب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے O فرمایا اے آدم ان کو ان سب چیزوں کے

بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ إِنِّي

نام بتاؤ جب آدم نے ان سب چیزوں کے نام ان کو بتا دیے تو فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں ہی

أَعْلَمُ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ

آسمانوں اور زمین کا غیب جاننے والا ہوں اور جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور جس کو تم چھپاتے

تَكْتُمُونَ ﴿۳۳﴾

تمہ وہ سب جانتا ہوں O

رابطہ آیات

جس طرح اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا تاکہ انسان ان نعمتوں کا اعتراف کرے اور کفر اور معصیت سے باز آئے اللہ پر ایمان لائے اور اس کی اطاعت کرے اسی طرح ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ انسان کے مورد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کن نعمتوں سے نوازا حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ اور نائب بنایا ان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ان کو کائنات کی تمام اشیاء کے اسماء کا علم عطا فرمایا اور ان کو مسجود ملک بنایا ان کو پہلے جنت میں رکھا پھر ان کو خلافت جاری کرنے کے لیے زمین پر بھیجا اور یہ حضرت آدم پر اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی ادا د

اپنے سورت اعلیٰ پر کی گئی ان نعمتوں کا شکر بجالائے اچھی طرح سے اس کی اطاعت کرے اور کفر اور معصیت سے دور رہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں۔ (البقرہ: ۳۰)

ملائکہ کی حقیقت ان کی خصوصیت اور ان کے فرائض منصبی کا بیان

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:

”ملائکہ“ کا لفظ ”ملائک“ کی جمع ہے یہ ”الو کة“ سے بنا ہے جس کا معنی رسالت (پیغام پہنچانا) ہے کیونکہ ملائکہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے درمیان واسطہ ہیں ان میں سے بعض حقیقتہً رسول ہیں مثلاً جو فرشتے خود ان کے لیے رسول ہیں ان کی حقیقت میں عقائد کا اختلاف ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ جوہر ہیں جو قائم بذاتہ ہے اکثر مسلمانوں کا یہ نظریہ ہے کہ یہ اجسام لطیفہ ہیں جو مختلف شکلوں میں متشکل ہونے پر قادر ہیں کیونکہ انبیاء کرام ان کو اسی طرح دیکھتے تھے ان کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ ہیں جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مستغرق رہتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ وَاللَّهُ هَاكَ لَا يَغْفِرُونَ (انبیاء: ۲۰) وہ رات اور دن اس کی تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے نہیں

ہیں ○

ان فرشتوں کو علیین اور ملائکہ مقرر ہیں کہا جاتا ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے نکوئی نظام کی تدبیر کرتے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی سر موخافت یا نافرمانی نہیں کرتے قرآن مجید میں ہے:

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا كُنْتُمْ مُرْسِدُونَ ○ وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے

(التحریر: ۶) ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ○

ان فرشتوں کو ”المعبرات امور“ کہا جاتا ہے ان میں سے بعض فرشتے آسمانوں کے نکوئی نظام کی تدبیر کرتے ہیں اور بعض زمین کے نکوئی نظام کی تدبیر کرتے ہیں۔ (الانوار المتقویں (دوسری حصہ) ۵۹ مطبوعہ محمد سعید ابد سزا کراچی) محمد رشید رضا لکھتے ہیں:

سلف صالحین نے فرشتوں کے متعلق یہ کہا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے وجود کی اور ان کے بعض کاموں کی خبر دی ہے جس پر ہمیں ایمان لانا واجب ہے اور یہ ایمان انان کی حقیقت کے جاننے پر موقوف نہیں ہے اس لیے ہم ان کی حقیقت کا علم اللہ کے حوالے کرتے ہیں۔ جب شریعت میں یہ وارد ہے کہ فرشتوں کے پر ہیں تو ہم اس پر ایمان لاتے ہیں لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جیسے ان پروں کی کیفیت کا علم نہیں ہے اور جب شریعت میں یہ وارد ہے کہ فرشتے سمندروں اور ہندو زاروں پر مقرر کیے گئے ہیں تو ہم اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اس کائنات میں اس عالم محسوس سے زیادہ لطیف ایک اور عالم ہے اور اس عالم میں فرشتے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں اور عقل کے نزدیک یہ جائز ہے اور وحی اس کی تصدیق کرتی ہے۔ (النہج اس ۲۵۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

فرشتے جو محیر العقول کارنامے انجام دیتے ہیں اور ایک سیکنڈ کے ہزاروں حصے میں آسمان سے زمین پر پہنچ جاتے ہیں اور آسمانوں کی خبریں زمین تک پہنچاتے ہیں سائنس کی ترقی اور کمپیوٹر کے اس دور میں اس کا سمجھنا آسان ہو گیا جب خلائی سیاروں اور برقی لہروں کے ذریعہ ایک براعظم سے دوسرے بحید براعظم تک ایک آن میں آواز اور تصویر پہنچ سکتی ہے اور چاند سے زمین پر نیسی فون سے گفتگو ہو سکتی ہے تو فرشتوں کے تصرفات اور نظام عالم میں ان کی تدبیروں کا واقع ہونا اب بحید از فہم

نہیں رہا۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

کبھی فرشتے ایسے بدنوں میں ظاہر ہوتے ہیں جن کو ہر خاص اور عام دیکھ لیتا ہے، راس حالیکہ وہ اپنی اصل صورت پر بھی قائم رہتے ہیں حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت وحیہ کلّی رضی اللہ عنہ کی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہارگاہ میں حاضر ہوتے تھے تو اسی وقت سدرۃ المنتہیٰ میں بھی موجود ہوتے تھے اور کامل، ولی اللہ بھی اسی طرح ایک وقت کئی جگہ موجود ہوتا ہے اور ہر چند کہ یہ چیز بہ ظاہر نقل سے بعید ہے لیکن میرا اس پر ایمان ہے

(روح المعانی ج ۱ ص ۲۱۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سب ذیل آیات میں فرشتوں کی بعض خصوصیات اور افعال کو بیان کیا گیا ہے

اللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَهُنَّ فِي سَمَٰوٰتٍ مُّتَوَسَّطَاتٍ ۚ يَخْلُقْنَ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ يَخْتَارُ ۚ (النساء: ۱۰۵)

اللہ ہی فرشتوں اور ملاء میں سے رسولوں کو چن لیتا ہے۔

ن فرشتوں کی قسم جو بہت خفی سے (کافر کی جان) کھینچتے ہیں O اور جو بہت زری سے (مومن کی جان کی کرہ) کھولتے ہیں O اور جو (زمین و آسمان میں) سرعت سے تیرتے پھرتے ہیں O اور جو (احکام الہیہ کی اطاعت میں) پوری قوت سے آئے بڑھتے ہیں O اور جو (امور مگویہ اور نظام عالم کی) تدبیر کرتے ہیں O

اور قسم ہے ن فرشتوں کی جو کام تقسیم کرنے والے ہیں O

وَالَّذِينَ عَزَّزْتَ غَزَقًا ۖ وَالنَّشِيطَاتِ تَشَاطُؤًا ۖ وَالسَّخِيَّاتِ سَبِيحًا ۖ فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا ۖ (النساء: ۱۰۵)

(النساء: ۱۰۵)

فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا ۖ (الذاریات: ۴)

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَكْفُرُوا ۖ لَوْلَا يُنذِرُ الَّذِينَ يَلْعَنُونَ ۚ كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۖ (م آسجدہ: ۳۰)

وَرُسُلَنَا إِلَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ۖ (الزمر: ۸۰)

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۖ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۖ يَعْنُونَ

مَا تَعْمَلُونَ ۖ (الانفطار: ۱۰-۱۲)

خليفة کی تعریف اور اس کی اقسام

خليفة نائب یا قائم مقام کو کہتے ہیں جب اصل شخص خود کار حکومت انجام نہ دے سکے تو اس کا خلیفہ مقرر کیا جاتا ہے مثلاً اصل شخص کہیں چلا جائے تو عارضی طور پر اس کی جگہ کام کرنے کے لیے خلیفہ مقرر کرتے ہیں یا اصل شخص فوت ہو جائے تو اس کی جگہ خلیفہ مقرر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کہیں جانے یا فوت ہونے سے پاک ہے تو پھر اس کو خلیفہ کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خلیفہ کی ضرورت نہ تھی بلکہ بندوں کو ضرورت تھی کیونکہ انسان اپنی مادی کثافت اور عدم قرب کے تجابات کی وجہ

سے اللہ تعالیٰ سے براہ راست فیض حاصل نہیں کر سکتا تھا اور اس سے احکام وصول نہیں کر سکتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے اور انسانوں کے درمیان ایک خلیفہ بنایا اور اس کا نام نبی اور رسول رکھا اور انبیاء علیہم السلام کو ایسی صلاحیت اور استعداد عطا فرمائی کہ وہ فرشتوں کے واسطے سے یا بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے احکام حاصل کر سکیں۔ عام انبیاء اور مرسلین کی طرف فرشتے بھیجے جاتے ہیں اور مقررین سے اللہ تعالیٰ خود بھی کلام فرماتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے میقات میں کلام فرمایا اور ہمارے نبی حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج کلام فرمایا۔

خلیفہ کا ایک معنی یہ ہے جو اللہ کا نائب ہو اور اس کا خلیفہ ہو اور اللہ سے احکام حاصل کر کے بندوں تک پہنچائے یہ معنی نبی اور رسول کے مترادف ہے خلیفہ کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جو نبی اور رسول کا نائب اور اس کا خلیفہ ہو اور نبی کی بیان کی ہوئی شریعت کو لوگوں پر نافذ کرے اور منہاج نبوت پر حکومت چلائے قرآن مجید میں ہے

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ (۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ان سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کو ضرور بہ ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔

اس آیت میں خلیفہ کا یہی دوسرا معنی مراد ہے اس معنی میں خلیفہ کے تقرر میں اہل سنت اور اہل تشیع کا اختلاف ہے شیعہ امام کے نزدیک خلیفہ کے تقرر کے لیے نبی اور رسول کی نص صریح ضروری ہے جب کہ اہل سنت کے نزدیک نص اہل اجتہاد کے سامع اور ارباب حل و عقد کے انتخاب سے خلیفہ کا تقرر کرنا جائز ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خلیفۃ اللہ صرف اللہ کا نبی ہوتا ہے اور خلیفہ رسول لوگوں کے مقرر کرنے سے مقرر ہوتا ہے۔

آیت مذکورہ میں خلیفہ کے مصداق کا بیان

اس آیت میں خلیفہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں یا حضرت آدم اور ان کی اولاد مراد ہیں کیونکہ حضرت آدم اللہ کے خلیفہ تھے اور ان کے بعد آنے والی ان کی اولاد لغوی معنی کے اعتبار سے ان کی خلیفہ تھی یعنی بعد میں آنے والے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نائب کے لیے چار الفاظ استعمال فرمائے ہیں اس آیت میں خلیفہ فرمایا اور اس کے بعد اسی آیت میں اس کو آدم فرمایا۔

اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھادیے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (البقرہ ۳۰)

اس کو بشر سے تعبیر فرمایا:

إِنِّي خَالِئٌ بِبَشَرٍ مِّن طِينٍ (س ۷۱)

(جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا) میں مٹی

سے بشر بنانے والا ہوں ○

اس کو انسان بھی فرمایا

اور بنے شکم نے انسان کو بننے والی سیاحی سے پیدا

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ

○ کیا

مَسْنُونٍ ○ (الحجر ۲۶)

اللہ کے نائب ہونے کے اعتبار سے آپ کو خلیفہ فرمایا گندی رنگ کی جلد سے آدم فرمایا جسم کی ظاہری وضع چہرے

مہرے اور کھال کی ساخت کے اعتبار سے بشر فرمایا اور حقیقت اور مابیت کے اعتبار سے انسان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف مشورہ کی نسبت کا شرعی حکم

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے جو فرمایا تھا میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں یہ فرشتوں سے مشورہ نہیں تھا کیونکہ مشورہ کا معنی ہے کسی شخص کا دوسرے شخص کی طرف رجوع کر کے ایک رائے کو حاصل کرنا۔ (۱۰۰) میں نے محمدؐ سے یہی سنا ہے کہ ۵۰۲ھ المنبریات ۲۷۰ مشورۃ اللہ فی المراضیٰ یا ایہا النبی (۱۳۳۲ھ) اور اللہ تعالیٰ اپنے کام میں کسی کی رائے حاصل کرنے سے پاک اور بری ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنی تخلیق کی پہنچ خبر دی تھی تاکہ فرشتے اس خبر پر اپنی رائے کا اظہار کریں اور اللہ تعالیٰ اس کی رائے کے متعلق اپنا حکم اور اپنی نعمتوں کو بیان فرمائے اس لیے علامہ بیضاوی کا اس آیت کو مشورہ کی تعلیم پر محمول کرنا نتیجہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فرشتوں نے کہا کیا آپ ایسے شخص کو نائب بنا میں گے جو زمین میں فساد اور خون ریزی کرے گا؟ حالانکہ ہم آپ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور آپ کی پاکیزگی بیاں کرتے ہیں فرمایا ہے شک میں ان چیزوں کو جو مسلمانوں جن کو تم نہیں جانتے (البقرہ: ۳۰)

حضرت آدم کے خلیفہ بنانے پر فرشتوں کے سوال کرنے کا محمل

اگر حضرت آدم کے متعلق فرشتوں نے یہ کہا تھا کہ وہ فساد اور خون ریزی کریں گے تو اس کی تاویل یہ ہے کہ چونکہ حضرت آدم اپنی اولاد کی اصل اور فضا ہیں اور اولاد آدم میں سے بعض لوگ فتنہ فساد اور خون ریزی کریں گے اس لیے فرشتوں نے ان کی طرف ان کاموں کا اسناد کر دیا اور اگر فرشتوں نے حضرت آدم کی اولاد کے متعلق یہ کہا تھا تو پھر تو کسی تاویل کی ضرورت نہیں کیونکہ حضرت آدم کی اولاد میں سے بعض فساق نے بہر حال یہ کام کئے۔

فرشتوں کا یہ قول اللہ تعالیٰ کی اس خبر یا اطلاع پر اعتراض یا انکار اور بنو آدم کی غیبت نہیں ہے کیونکہ فرشتے معصوم ہیں بلکہ یہ اس پر اظہار تعجب ہے کہ زمین کی تباہ کاری اور اصلاح کے لیے فساد یوں اور خون ریزوں کو خلیفہ بنایا جائے گا یا فرشتوں جیسے اطاعت گزاروں کو چھوڑ کر نافرمانوں کو خلیفہ بنایا جائے گا یا فرشتے اس سوال کے ذریعہ اس حکمت کو جاننا چاہتے تھے جس کی بنا پر ان مفسدوں کے فساد سے صرف نظر کر کے ان کو خلیفہ بنایا جائے گا جیسے استاذ کی تقریر پر معلم کو کوئی شبہ پیدا ہو تو وہ اس شبہ کے ازالہ کے لیے استاذ سے سوال کرتا ہے اس لیے فرشتوں کا یہ سوال اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر انکار ہے نہ بنو آدم کی غیبت اور عیب جوئی ہے فرشتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بَلْ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الَّذِينَ يَخْلَوْنَ بِالَّذِينَ لَمْ يَنْحَلُوا مِنْهُمْ شَيْئًا قُلْ يَخْلَوْنَ بَيْنَهُمْ وَاللَّهُ عَالِمُ غُيُوبِهِمْ (النور: ۲۷-۲۸)

مطابق عمل کرتے ہیں

باقی رہا یہ کہ فرشتوں کو کیسے علم ہوا کہ بعض بنو آدم فساد اور خون ریزی کریں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے مطلع فرمایا تھا یا انہوں نے وح محفوظ میں صرف اتنا مطالعہ کر لیا تھا کہ بنو آدم فساد کریں گے اور بنو آدم کے شرف اور فضیلت کے مطالعہ سے ان کو روک دیا گیا تھا کیونکہ وہ اس کا بھی مطالعہ کر لیتے تو پھر ان کو کوئی شبہ نہ رہتا یا ان کی عقل میں یہ مرتکز تھا کہ معصوم ہونا صرف ان کا خاصہ ہے اس لیے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کے سوا باقی مخلوق گناہ کرے گی یا اس لیے کہ اس سے پہلے زمین پر جن فساد کر چکے تھے تو انہوں نے انسان کو بھی جنوں پر قیاس کیا۔

حضرت آدم کو خلیفہ بنانے کی وجہ اور فرشتوں کے شبہ کا ازالہ

فرشتوں نے جو کہا ہم تیری بیعت 'حمد اور تقدیس' کرنے ہیں اس سے خود ستائی 'خود نمائی' عجب اور نفاخہ منقصد نہیں تھا بلکہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ اس کو خلیفہ بنایا گیا ہے اس میں میں تو ہیں تو تو نہیں تو تو شہوانی 'قوت عشویہ' اور قوت عقلیہ 'پہلی دہقنوں' کے لحاظ سے وہ تو اور فساد کرے گا اور ان دو قوتوں کے اعتبار سے تو اس کو پیدا ہی نہیں کرنا چاہیے چہ جائیکہ اس کو خلیفہ بنانا جائے اور وہی قوت عقلیہ اور فرشتوں کو بھی حاصل ہے اور ان کو اس لیے ترجیح ہے کہ ان میں ثبوت اور غضب نہیں ہے جو قوت و فساد کی وجہ ہو پھر راجح کو پھوڑ کر سر جو ح کو خلیفہ بنانے کی کیا حکمت ہے؟ اور اس میں حکمت یہ بھی کہ ثبوت کو جب اعتدال میں رہنا جائے تو وہ قابل تعریف صفت ہے جس کو عفت کہتے ہیں اور غضب کو جب اعتدال میں رہا جائے تو وہ بھی قابل ستائش وصف ہے اور اس کو شجاعت کہتے ہیں اور جب ان دو قابل تعریف وصفوں کے ساتھ قوت عقلیہ بھی ہو تو اس قوتوں کا حامل اس سے یقیناً افضل ہے جو صرف قوت عقیدہ کا حامل ہو اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے قول میں اہم کی اشارہ فرمایا بے شک میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے اور اگر یہ سوال ہو کہ بنو آدم میں نیک اور صالح افراد کم ہیں اور شریر اور فاسق زیادہ ہیں اس وجہ سے بنو آدم کو پیدا نہیں کرنا چاہیے تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ نیک اور صالح افراد میں خیر کثیر ہے اور فاسق اور فاجر افراد اگرچہ زیادہ ہیں لیکن نیک اور صالح افراد کی خیر کی عظمت اور شرف کے مقابلہ میں ان کا شر قابل ہے اور شریل کی وجہ سے خیر کثیر کو ترک نہیں کیا جاتا اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ جن میں خیر غالب ہے ان کو پیدا کیا جائے پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر حضرت آدم کی فضیلت علمی بیان کی اور یہ ظاہر فرمایا کہ خلیفہ بننے سے اہل حضرت آدم ہی ہیں نہ کہ فرشتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھا دیئے پھر ان چیزوں کو فرشتوں پر پیش کر کے فرمایا اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ (البقرہ: ۳۱)

آدم کی لفظی تحقیق اور حضرت آدم کی تخلیق کے مراحل

محی الدین درویش لکھتے ہیں:

آدم اسم علم ہے اور محی ہے جیسے آذر یا برادر عذر ہے اور یہ طبیعت اور ثمت کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ یہ 'ادمہ' (گندم گوں رنگ) سے مشتق ہے یا 'ادیم الارض' (زمین کی سطح) سے مشتق ہے ان کا قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اشتقاق عربی زبان کا خاصہ ہے محی غلط کا وہ اشتقاق عربی الفاظ کیسے ہو سکتے ہیں۔

(اعراب القرآن دیباج ص ۸۰ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۲ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

امام فریابی امام ابن سعد امام ابن جریر امام ابن ابی حاتم امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم کو آدم اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کو ادیم الارض (زمین کی سطح) سے بنایا گیا ہے سرخ سفید اور سیاہ مٹی سے اسی طرح لوگوں کے رنگ مختلف ہیں سرخ سفید اور سیاہ پاک اور نجس۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۴۹ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

امام عبد بن حمید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو دیم الارض سے پیدا کیا سرخ سفید اور سیاہ مٹی سے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۴۹ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

امام ابن سعد، امام ابو یعلیٰ، امام ابن مردویہ اور امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر اس کو کچڑ (گیلی مٹی) کر دیا، پھر اس کو چھوڑ دیا، مٹی کی سیاد گارا ہو گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے آدم کا پتلا بنایا اور ان کی صورت بنائی، پھر اس کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ خشک ہو کر جتنے والی مٹی کی طرح ہو گیا، ابلیس اس پتلے کے پاس سے گزر کر کہتا تھا کہ یہ کسی امر عظیم کے لیے بنایا گیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس پتلے میں اپنی پسندیدہ روح پھونک دی، اس روح کا اثر سب سے پہلے ان کی آنکھوں اور نگوں میں ظاہر ہوا، ان کو چھینک آئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو الحمد للہ کہنے کا لفظ کیا، انہوں نے الحمد للہ کہا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا یرحمک اللہ، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! اس جماعت کے پاس جاؤ اور ان سے بات کرو، دیکھو یہ کیا کہتے ہیں، حضرت آدم ان (فرشتوں) کے پاس گئے اور کہا السلام علیکم انہوں نے کہا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ، پھر حضرت آدم اللہ کے پاس گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا انہوں نے کیا کہا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے، حضرت آدم نے کہا اے رب! میں نے ان کو سلام کیا، انہوں نے کہا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! یہ تمہارا اور تمہاری اولاد کے سلام کرنے کا طریقہ ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۸، مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو پیدا کیا تو ان کا طول ساٹھ ذراع (تیس انگریزی گز) تھا اور فرمایا: جاؤ فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کرو اور سنو وہ کیا جواب دیتے ہیں اور یہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا، حضرت آدم نے جا کر کہا السلام علیکم فرشتوں نے کہا: السلام علیک ورحمۃ اللہ انہوں نے رحمۃ اللہ کا لفظ زیادہ کہا، سو جو شخص بھی آدم کی صورت پر بہشت میں داخل ہوگا اس کا طول ساٹھ ذراع ہوگا، پھر یہ طول بتدریج کم ہوتا رہا حتیٰ کہ اب اتنا طول رہ گیا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۸، مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

حضرت آدم کو تمام اسماء کی تعلیم کا بیان

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت آدم نے ان چیزوں کے نام اللہ تعالیٰ کی تعلیم دینے کی وجہ سے بتائے اگر فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتادیے جاتے تو وہ بھی ان چیزوں کے نام بتا دیتے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کا خیر مختلف اجزاء اور متضاد قوتوں کو ملا کر بنایا تھا اس وجہ سے وہ معقولات، محسوسات، مخیلات اور مہومات کے ادراک کی صلاحیت رکھتے تھے اور فرشتوں میں یہ صلاحیت نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اشیاء کے حقائق، خواص، اسما، علوم، قواعید اور مختلف صنعتوں کے قوانین تعلیم فرمائے، پھر فرشتوں کو عاجز کرنے اور اہلیت خلافت سے ان کے بجز کو ظاہر کرنے کے لیے ان کو حکم دیا کہ ان چیزوں کے نام بتاؤ، اگر تم اس دعویٰ میں سچ ہو کہ معصوم ہونے کی وجہ سے صرف تم خلافت کے اہل ہو، ہر چند کہ فرشتوں نے صراحت یہ دعویٰ نہیں کیا تھا لیکن ان کے کلام سے یہ دعویٰ مترشح ہوتا تھا۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ط

اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا آدم کو سجدہ کرو، تو ابلیس کے سوا سب فرشتوں نے سجدہ کیا، اس نے انکار کیا

وَاسْتَكْبَرَ ۖ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝۳۴ وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ

اور تکبر کیا اور کافر ہو گیا ۝ اور ہم نے فرمایا اے آدم! تم اور تمہاری

وَزَوْجِكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا

ہماری جنت میں رہو اور اس جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت سے قریب

هَذِهِ الشَّجَرَةُ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۵﴾ فَازْلَمَهُمَا الشَّيْطَانُ

نے جانا اور تم حد سے بڑھنے والوں میں شمار ہو گے O پس شیطان نے انہیں

عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ

اس درخت کے ذریعے لغزش میں مبتلا کیا اور جہاں وہ رہنے تھے وہاں سے ان کو نکال دیا ہم نے فرمایا تم (سب) نیچے اترنا

لِبَعْضٍ عَدَاؤُكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿۳۶﴾ فَتَلَقَىٰ

تم میں سے بعض بعض سے دشمنیوں کے اور تمہارے لیے زمین میں ایک وقت مقرر تک بھکانا اور فائدہ اٹھانا ہے O پھر آدم نے

أَدَمَ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۳۷﴾

اپنے رب سے چند کلمات کہے لیے تو اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی بے شک وہی بہت توبہ قبول فرماتے والا ہے اور رحم فرمانے والا ہے O

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ

ہم نے فرمایا تم سب جنت سے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئی تو جس نے میری ہدایت

هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

کی پیروی کی تو انہیں کوئی ڈر ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O اور جن لوگوں نے نہ مانا اور

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۹﴾

ہماری آیات کی تکذیب کی وہی لوگ روزِ قیامت میں وہ ہمیشہ اس دورِ کفر میں رہیں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا آدم کو سجدہ کرو۔ (البقرہ: ۳۳)

حضرت آدم کو فرشتوں کے سجدہ کرنے کی وجہ

جب حضرت آدم کی فرشتوں پر فضیلت علمی ظاہر ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے حضرت آدم کی فضیلت علمی کا اعتراف

کرائے کے لیے انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کا اسم باری

فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا

فَإِذَا اسْوَيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ

سو جب میں اس کو پورا بنا چلوں اور اس میں اپنی

نہیاء القمار

بندہ دل

سُجَّدَاتِ (۱۰) (الحج: ۲۹)

پندیدہ روح بھونک دوں تو تم اس سے ایسے جدہ کرے ہو
گر جائے

اس آیت کے اظہار سے فرشتوں کا امتقان ہے اور حضرت آدم کی فضیلت کا ظہار اور فرشتوں کی اطاعت لازمی بیان ہے۔

سجدہ کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ محمد الدین فیروز آبادی نے لکھا ہے کہ سجدہ کا معنی ہے سر نیچے کیا اور جھک کیا

(۱۰) (۱۰) (۱۰) (۱۰) (۱۰) (۱۰) (۱۰) (۱۰) (۱۰) (۱۰)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں

سجدہ کا لغوی معنی ہے تذلل کے ساتھ جھکنا سجدہ کو اللہ کی عبادت سے تعبیر کرتے ہیں سجدہ کی دو قسمیں ہیں ایک سجدہ اختیاری ہے اور دوسرا سجدہ تسخیر ہے سجدہ اختیاری باعث ثواب ہے قرآن مجید میں ہے

فَاَسْجُدْ وَاقْبُدْ (۱۰) (الحج: ۶۲)

اور سجدہ تسخیر انسان حیوان اور نباتات سب ادا کرتے ہیں (انفرادات ص ۲۲۳ مہجور الملکۃ المرتضیٰ ایران ۱۳۴۲ھ)

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طٰوْعًا

اور جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خوشی یا مجبوری

وَكَرْهًا (الرعد: ۱۵)

سجدہ کے شرعی معنی کے متعلق علامہ بیضاوی لکھتے ہیں عبادت کے قصد سے پیشانی کو زمین پر رکھنا سجدہ ہے

(الولاء المشرقی (دوسری) ۶۲ مہجور محمد - میداؤن سنز لراچی)

پیشانی کو زمین پر رکھنا ہاتھوں کو اور گھٹنے یا پیروں میں سے کسی ایک کے زمین پر رکھنے پر موقوف ہے اس لیے سجدہ کا رکن پیشانی ہاتھوں اور گھٹنوں اور پیروں میں سے کسی ایک کو زمین پر رکھنا ہے اور سنت کے مطابق سجدہ سات اعضاء پر ہوتا ہے چہرہ دونوں گھٹنے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر بعض علماء نے جو یہ لکھا ہے کہ پیروں کی انگلیاں اٹھ جائیں یا مڑ جائیں تو سجدہ نہیں ہوتا یہ صحیح نہیں ہے اس کی پوری تفصیل اور تحقیق "شرح مسلم" جلد اول میں بیان کی گئی ہے۔

فرشتوں کو جس سجدہ کا حکم دیا گیا تھا اس سے یہ تو شرعی سجدہ مراد ہے اس صورت میں سجدہ اللہ تعالیٰ کو تھا اور حضرت آدم کو ان کی عزت افزائی کے لیے قبلہ بنایا گیا تھا اور یہ لغوی سجدہ تھا یعنی سجدہ تعظیم اور فرشتوں کو حضرت آدم کی تعظیم اور تعجیب کے لیے تو انھیں جھک جانے کا حکم دیا گیا تھا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تواضع سجدہ کر کے تعظیم کی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تو ابلیس کے سوا سب فرشتوں نے سجدہ کیا اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافر ہو گیا (البقرہ: ۳۴) تکبر کا معنی اور ابلیس کے تکبر کا بیان

تکبر کا معنی ہے کوئی شخص اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ بڑا خیال کرے اور انگاہار کا معنی اپنے لیے بڑی طلب کرنا

ہے۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے کہا ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ

اس کا لباس اچھا ہوا اس کے جوئے اچھے ہوں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہمیں ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے تکبر (کا معنی ہے) حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو تغیر جانا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۵ مطبوعہ نور محمد ریح الطائف کراچی ۱۳۷۵ھ) ابلیس کا تکبر یہ تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو حلیہ جانا اور ان کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔

ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو برا جانا کیونکہ اس کے خیال میں وہ حضرت آدم سے افضل تھا اور افضل کو مفضول کی تعظیم کا حکم دینا بیجا اور برا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو برا جانا کفر ہے حسب ذیل آیات میں اس کے کفر کی وجہ سرائت بیان کی گئی ہے

اللہ نے فرمایا کہ اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا؟ آیا تو نے اب تکبر کیا ہے یا تو پہلے سے ہی متکبرین میں سے تھا؟ O اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا O

قَالَ يَا ابْلِيسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِكَ
اَنْتَ كَبَّرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ قَالَ اَنْذَيْتُكَ فَخَلَقْتَنِي
مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَ مِنْ طِينٍ O (ص ۷۵-۷۴)

ابلیس کا معنی اور اس کے فرشتہ یا جن ہونے کی تحقیق

محی الدین درویش لکھتے ہیں:

لفظ ابلیس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ مشتق ہے یا نہیں؟ صحیح قول یہ ہے کہ عجی علم ہے اور اسی وجہ سے یعنی حمیت اور تجریت کی وجہ سے یہ غیر محض ہے اور اگر یہ "ابلاس" (یعنی مایوس ہونے) سے مشتق ہوتا تو محض ہوتا۔

(اعراب القرآن و تفسیر ج ۱ ص ۸۴ مطبوعہ دارالمنیرہ بیروت ۱۳۱۲ھ)

محمد صافی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (اعراب القرآن و تفسیر ج ۱ ص ۱۰۳ مطبوعہ انتشارات مدینہ ایمان ۱۳۱۲ھ)

جرج نے کہا ہے کہ یہ علم ہے اور علامہ قرطبی نے اس کو مشتق لکھا ہے۔
علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

جہور کے قول کے مطابق ابلیس فرشتوں میں سے تھا حضرت ابن عباس حضرت ابن مسعود ابن جرج ابن مسیب اور قتادہ غیر محکم کا یہی مختار ہے امام ابوالحسن اشعری کا بھی یہی نظریہ ہے امام ابن جریر طبری نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ابلیس کا نام عزرا زیل تھا اور یہ معزز فرشتوں میں تھا اور چاروں والا تھا اس کے بعد یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیا گیا قتادہ سے روایت ہے کہ یہ فرشتوں کی عمدہ قسم میں شامل ہوتا تھا سعید بن جبیر نے کہا: کچھ مانگہ مار (آب) سے پیدا کئے گئے تھے ابلیس بھی، نبی میں سے تھا، اور باقی ملائکہ کو نور سے پیدا کیا گیا۔

ابن زید حسن اور قتادہ نے کہا کہ ابلیس ابوالحسن ہے جیسا کہ حضرت آدم ابوالبشر ہیں اور وہ فرشتہ نہیں ہے اور اس کا نام حادث ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے شحر بن حوشب اور بعض اصولیہوں نے یہ کہا کہ ابلیس ان جنوں میں سے تھا جو زمین پر رہتے تھے فرشتوں نے ان سے قتال کیا اور کم عمری میں اس کو قید کر لیا اس نے فرشتوں کے ساتھ عبارت کی اس وجہ سے اس کو فرشتوں کے ساتھ مخاطب کیا گیا اس قول کو امام ابن جریر نے حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے اس بنا پر یہ استثناء منقطع ہوگا۔

جن صحابہ اور ان کے نظریہ کے ابلیس فرشتے نہیں جن تھا ان کی دلیل یہ ہے کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی قسم عدویٰ بن گئی اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی حکم عدویٰ نہیں کرنے

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿۵۰﴾
وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور اپنی ریت میں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ﴿۵۰﴾

اور اس آیت میں صاف تصریح ہے کہ ابلیس جن تھا: كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنَّهُمْ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿۵۰﴾
ابلیس کے سوا سب فرشتوں نے جحد کیا وہ جنوں میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔

تعبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابلیس فرشتوں کے اس قبیلہ میں سے تھا جس کو جن کہا جاتا ہے ان کو جنوں میں والی آگ سے پیدا کیا گیا تھا اور فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا تھا اس کا نام سریانی زبان میں مزازیل اور عربی زبان میں حارث ہے یہ جنت کے خازنوں میں سے تھا اور آسمان دنیا کے فرشتوں کا سردار تھا آسمان اور زمین پر اس کی سلطنت تھی علم اور عبادت میں اس کی کوشش سب فرشتوں سے زیادہ تھی آسمان سے زمین تک کے معاملات کا یہ محافظ اور منتظم تھا ان امور کی وجہ سے یہ پنا شرف اور مرتبہ سب سے زیادہ سمجھتا تھا اس زعم نے اس کو کفر پر برا بھختہ کیا سو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کو شیطان رجیم اور راندہ درگاہ قرار دیا۔

(الجامع احکام القرآن ج ۱ ص ۳۹۵-۳۹۴ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ابلیس ملائکہ میں سے تھا ان کی دلیل سورہ بقرہ کی یہ آیت ہے اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا ابلیس کو سجدہ کا حکم اسی وقت ہوگا جب وہ فرشتہ ہو گا۔ اس آیت میں سجدہ کا حکم فرشتوں کو دیا گیا ہے اور جو ملائکہ یہ کہتے ہیں کہ ابلیس فرشتہ نہیں تھا وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابلیس جن تھا ابلیس وہ فرشتوں کے درمیان چھپر رہتا تھا اس لیے ہر تعظیم وہ بھی فرشتوں میں داخل تھا دوسرا جواب یہ ہے کہ جنوں کو بھی جحد کرنے کا حکم تھا لیکن فرشتوں کے ذکر کے بعد ان کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ جب اکابر کو کسی کی تعظیم کرنے کا حکم دیا جاتا ہے تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اصاف کو اس کی تعظیم کا ہر طریق اولیٰ قسم ہے۔

امام ابن جریر طبری، علامہ قرطبی، امام رازی، قاضی بیضاوی، علامہ ابوالحیون اندلسی اور علامہ آدوی وغیرہ فی تحقیق سے کہ ابلیس ملائکہ میں سے تھا اس سے برخلاف علامہ سیوطی، علامہ نسفی، علامہ رمشری، بعض دیگر مفسرین اور متکلمین نے یہ کہہ دیا ہے۔
ابلیس جن تھا اور قرآن مجید کی ظاہر آیات اسی سے موافق ہیں علامہ تفسیر زانی لکھتے ہیں

ابلیس جن تھا اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی لیکن چونکہ وہ فرشتوں کی طرح عبادت گزار تھا اور ان میں پہچا رہتا تھا اس لیے اس کو بھی تغلیب فرشتوں میں شامل کر کے سجدہ کا حکم دیا گیا تھا۔

(شرح مقام ص ۹۹ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ انجمن)

ابلیس کے جن ہونے پر حسب ذیل دلائل قائم کئے گئے ہیں

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "كَانَ مِنَ الْجِنِّ" (الکہف ۵۰) اس آیت میں ابلیس کے جن ہونے کی تصریح ہے

(۲) فرشتوں کی نسل نہیں چلتی اور ابلیس کی نسل ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے

اَفَسَتَجِدُونَكَ وَاٰلَکَآءَکَ اَوْلَادًا ﴿۵۰﴾ کیا تم شیطان اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہیں؟

حضرت ابن عباس کی طرف جو یہ منسوب ہے کہ فرشتوں کی ایک نوع میں ذوالدہوتا ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے

(نبی اس میں ۳۱۱)

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ“ (اتحریم ۶) فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اور ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

(۴) امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا۔ (المسلمین بن حبان تشریح متول ۲۶۱ ص ۲۶۱ صحیح مسلم ۲ ص ۳۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ) اور قرآن مجید میں تصریح ہے کہ شیطان کو نار سے پیدا کیا گیا ہے۔

جو علماء ابلیس کو فرشتہ قرار دیتے ہیں وہ ان تین آیات اور اس حدیث میں تاویل کرتے ہیں اور جو ابلیس کو جن قرار دیتے ہیں وہ صرف ”فَجَعَلُوهُمُ إِبْرَیْمَ“ (البقرہ ۳۳) میں تاویل کرتے ہیں یا اس استثناء کو منقطع قرار دیتے ہیں اور زیادہ آیتوں میں تاویل کرنے کی بہ نسبت ایک آیت میں تاویل کرنا اولیٰ ہے۔

ایک اور سوال یہ ہے کہ امام طبرانی نے ”معجم اوسط“ میں حضرت عمر سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس میں ہے حضرت جبرائیل رو رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جبرائیل! اللہ نے تمہیں اتنا بڑا مقام دیا ہے اور پھر بھی تم رو رہے ہو حضرت جبرائیل نے کہا: میں کیوں نہ روؤں میں رونے کا زیادہ حقدار ہوں ہو سکتا ہے اللہ کے علم میں میرا یہ مقام نہ ہو جس پر میں فائز ہوں اور ہو سکتا ہے کہ مجھے اس طرح آزمائش میں ڈالا گیا ہو جس طرح ابلیس کو آزمائش میں ڈالا گیا تھا ہے شک وہ بھی فرشتوں میں سے تھا۔ (جامع الاحادیث الثمینیہ ۱۲ ص ۳۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا ایک روایت متروک ہے جیسا کہ اس حدیث کے آخر میں لکھا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ابلیس کے جن یا فرشتہ ہونے میں اختلاف ہے لیکن اس کے جن ہونے پر زیادہ دلائل قیام ہیں اور فرشتہ ہونے پر صرف اس آیت میں استثناء متصل سے استدلال کیا گیا ہے اور اس استثناء میں یا تاویل کی جانے یا اس کو استثناء منقطع پر محمول کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور ہم نے فرمایا اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ (البقرہ ۲۵)

حضرت حوا کی خلقت کا بیان

قرآن مجید میں حضرت حوا کو پیدا کرنے کا ذکر ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا
ذَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا. (الاعراف ۸۹)

(اللہ) وہی ہے جس نے تم کو ایک ذات سے پیدا کیا اور اسی ذات سے اس کی بیوی کو بنایا تاکہ اس کی طرف سکون حاصل کرے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کے ساتھ خیر خواہی اور اچھا سلوک کرو کیونکہ عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور پسلی میں سب سے زیادہ نیر ہا پن اس کے اوپر والے حصے میں ہوتا ہے اگر تم اس کو سیدھا کرو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اگر اس کو چھوڑ دو گے تو وہ نیر ہی رہے گی سو عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت) (۱۳۸۱ھ)

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن مسعود اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ پھر ابلیس کو جنت سے نکال دیا گیا اور اس پر لعنت کی گئی اور حضرت آدم کو جنت میں رکھا گیا۔ حضرت آدم جنت میں تھے اور ان کو وحشت ہوتی تھی ان کی بیوی نہیں تھی جس سے ان کو سکون ملے ایک دن وہ سو گئے جب وہ بیدار ہوئے تو ان کے سر ہانے ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کی پہلی سے پیدا کیا تھا۔ حضرت آدم نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا: عورت پوچھا: تم کو کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ کہا: تاکہ تم کو مجھ سے سکون ملے فرشتوں نے حضرت آدم سے پوچھا اے آدم! اس کا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: حوا، پوچھا: آپ نے اس کا نام حوا کیوں رکھا؟ فرمایا: اس لیے کہ یہ جی (زندہ شخص) سے پیدا کی گئی ہے! تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ۔ (باصح ابی یوسف ج ۱ ص ۱۸۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۹ھ)

آیا حضرت آدم کو جنت الخلد میں رکھا گیا تھا یا زمین کے کسی باغ میں؟

علامہ ابن عطیہ لکھتے ہیں:

جنت اس باغ کو کہتے ہیں جس کے گرد ہاڑ ہو جس جنت میں حضرت آدم کو رکھا گیا تھا اس میں اختلاف ہے آیا وہ جنت الخلد تھی یا ان کے لیے کوئی باغ تیار کیا گیا تھا جو یہ کہتے ہیں کہ وہ جنت الخلد نہیں تھی ان کی دلیل یہ ہے کہ جو جنت الخلد میں داخل ہو جائے وہ اس سے نکلتا نہیں ہے اور یہ حال ہے البتہ احادیث میں یہ ہے کہ جو بہ طور ثواب کے جنت میں داخل ہو وہ اس سے نہیں نکلے گا اور جو حضرت آدم کی طرح ابتداً جنت میں داخل ہو اس کا جنت سے نکلتا محال نہیں ہے اور اس کے متعلق احادیث میں یہ نہیں ہے کہ وہ نہیں نکلے گا۔ (المحرر الوجیز ج ۱ ص ۱۸۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۵ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

معزلہ اور قدر یہ کا یہ نظریہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت الخلد میں رہنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ ان کو عدن کے ایک باغ میں رہنے کا حکم دیا تھا ان کی دلیل یہ ہے کہ جنت الخلد میں ابلیس نہیں جاسکتا کیونکہ جنت الخلد کے تخلیق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا (البقرہ: ۲۵)
وہ اس میں کوئی بے ہودہ بات نہیں کہے نہ گندہ کی بات ○
لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِدًّا بَارًّا (النہ: ۳۵)
وہ اس میں کوئی بے ہودہ بات نہیں کہے نہ جھوٹی بات ○
لَا يَمَسُّهُ فِيهَا هَافٍ وَلَا يَمُوتُ فِيهَا يَمُوتُ جُنًّا (البقرہ: ۲۵)
انہیں وہاں کوئی تکلیف پہنچے گی نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے ○ (البقرہ: ۳۸)

وہ کہتے ہیں کہ ابلیس نے جنت میں جھوٹ بولا اور بے ہودہ بات کی اور آدم اور حوا کو ان کی مصیبت کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ جنت کی یہ صفت اس وقت ہوگی جب قیامت کے بعد لوگ بہ طور جزاء کے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ جنت دار الخلد ان لوگوں کے لیے ہوگی جن کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رکھنا چاہے گا اور جن کے لیے موت مقدر کر دی گئی ہے وہ جنت میں داخل ہونے کے بعد اس سے نکل آئیں گے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج جنت میں گئے اور پھر باہر آئے اور حضرت آدم کے معروف جنت میں داخل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا: آپ وہ آدم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی پسندیدہ روح بھونگی اور اپنے

فرشتوں سے آپ کو بندہ لایا اور آپ کو اپنی جنت میں رکھا پھر آپ نے اپنی خطا کی وجہ سے دلوں کو زمین پر اتارا (بخاری ص ۱۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو دارالخلد میں رکھا تھا

(المجامع ۱۱ احکام القرآن ج ۱ ص ۳۰۲ مطبوعہ ایران ۱۳۸۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اس جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا اور نہ تم سے بڑھتے والوں میں شمار ہو گے O (البقرہ ۲۵)

شجر ممنوع کا بیان

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں

اس درخت کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ یہ درختوں کا درخت تھا ایک روایت یہ ہے کہ یہ گندم کا درخت تھا اور ایک روایت یہ ہے کہ یہ انگور کا درخت تھا۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت حواء کو کسی معین درخت کے پھل کھانے سے منع کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ صراحت نہیں کی کہ وہ کون سا درخت ہے اس درخت کا نام ذکر کیا اور نہ اس کی طرف کوئی اشارہ کیا اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے درختوں میں سے کسی خاص درخت کا پھل کھانے سے حضرت آدم اور حضرت حواء کو منع کیا تھا باقی تمام درختوں سے منع نہیں کیا تھا ہمارے پاس اس کے علم کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ وہ کونسا درخت تھا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا کوئی ذکر کیا ہے نہ سنت صحیحہ میں اس کی کوئی تعیین ہے اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں کہ یہ گندم کا درخت تھا یا زیتون کا درخت تھا یا انگور کا درخت تھا اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کون سا درخت تھا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اس درخت کے قریب نہ جانا اور نہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے O (البقرہ ۲۵)

آیا شجر ممنوع سے کھانا معصیت تھا یا نہیں؟

اب سوال یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس درخت سے کھایا اور اس درخت کے قریب گئے تو کیا وہ ظالموں میں سے ہو گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قصد اور ارادہ سے درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا ہے کیونکہ جب کسی کام سے منع کیا جائے تو اس کا محمل یہی ہوتا ہے کہ اس کام کو قصد اور ارادہ سے نہ کیا جائے اور گناہ کی بھی یہی تعریف ہے کہ قصد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے اور جو کام نسبت اور خطا سے سرزد ہو گیا وہ گناہ نہیں ہوتا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت آدم نے اس درخت سے قصد کھایا یا بھول کر تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَلَقَدْ نَهَيْنَا آلَ آدَمَ مِنْ كُنْزِ فَتَسَىٰ ذَٰلِكَ نَجْجِلُهُ

(کہ وہ اس درخت سے قریب نہ جائیں) پس وہ بھول گیا

عَنْ هَارٍ (د ۱۱۵)

اور ہم نے ان کا قصد نہیں پایا O

اور جب آدم علیہ السلام نے بھول سے اس درخت سے کھایا تو نہ ان سے معصیت سرزد ہوئی اور نہ وہ ظالموں میں سے ہوئے۔

اب اگر یہ سوال ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے: آدم نے معصیت کی

آدم نے اپنے رب کی معصیت کی سو وہ (جنت کی

وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ (طہ ۱۲)

سکونت سے) بے راہ ہو گئے O

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ حضرت آدم بھول کر درخت کے قریب گئے تھے اور ان کا یہ فعل حقیقت میں معصیت نہیں تھا لیکن یہ فعل اپنی ظہری صورت کے اعتبار سے معصیت تھا اور اس آیت میں ان کے اس فعل کو ظاہر اور صورت کے اعتبار سے معصیت فرمایا ہے اس آیت سے مقصود تو یہ تھا کہ حضرت آدم اس درخت سے نہ کھائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اس درخت کے قریب نہ جانا اس سے معلوم ہوا کہ جو کام ممنوع ہو اس کے سوا کی اور مقدمات بھی ممنوع ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے پس شیطان نے انہیں اس درخت کے ذریعے لغزش میں مبتلا کیا اور جہاں وہ رہتے تھے وہاں سے ان کو نکال دیا۔ (البقرہ: ۳۶)

شجر ممنوع سے کھانے کے لیے ابلیس کی وسوسہ اندازی کا بیان

اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسہ کا حسب ذیل آیتوں میں بیان فرمایا ہے

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَسُلُوكِ الْأَيْمَنِ (۱۲۱) فَكَأَكَلَا مِنْهَا خَبَذَاتٍ لَّهُمَا آسَوَاتُهُمَا وَكُفِعَا يَخْضَعْنَ عَلَيْهِمَا مِنَ الدَّرَقِ الْجَنَّةِ (طہ ۱۲۱-۱۲۰)

پھر شیطان نے آدم کی طرف وسوسہ کیا کہا اے آدم! کیا تمہیں (جنت میں) ہمیشہ رہنے کا درخت بتا دوں اور ایسی بادشاہت جو کبھی کمزور نہ ہو؟ تو (آدم و حوا) دونوں نے اس درخت سے کھالیا سو ان کی ستر گاہیں کھل گئیں اور وہ دونوں جنت کے پتوں سے اپنا جسم چھپانے لگے۔

اور شیطان نے کہا تم دونوں کو تمہارے رب نے اس درخت سے صرف اس لیے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ اور ان دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں ○

حضرت آدم نے اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کوئی جھوٹی نہیں تھا سکتا اور انہوں نے یہ اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تزیہا منع کیا ہے اور یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے تحریم منع فرمایا تھا یا انہوں نے یہ اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے خاص اس درخت سے منع فرمایا ہے میں اس نوع کے کسی اور درخت سے حالیتا ہوں دونوں صورتوں میں ان کے اجتہاد کو خطا ادا حق ہوئی اور وہ یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نوع شجر سے منع کیا تھا اور یہ واضح رہے کہ اجتہاد کی خطا اور نسیان حسرت کے منافی نہیں ہے ورنہ ہر ہر ماں کا عرصہ دراز تک تو یہ اور استغفار کرتا تو یہ ان کا مال تو ضیع اور انکسار ہے

ایک اور سوال یہاں پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو جنت سے نکال دیا تھا تو وہ حضرت آدم کو سارے ذائقے کے لیے جنت میں کیسے پہنچ گیا؟

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا قَاتِلُكَ دَرَجَتُكَ (۲۴) فرمایا تو جنت سے نکل جا سو بے شک تو مردود ہے ○

مفسرین نے اس کی متعدد توجیہات کی ہیں ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عزت اور کرامت کے ساتھ جنت میں اس کے دخول کو منع فرمایا تھا ورنہ چوروں کی طرح چھپ کر گیا اور کسی اور صورت میں متمثل ہو کر حضرت آدم سے یہ گفتگو کی اور ان کو وسوسہ ڈالنا وہ جنت کے دروازہ کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اور وہاں سے حضرت آدم کو دروازے لہرایا یا وہ سی جانور کی صورت میں جنت میں چلا گیا اور جنت کے محافظ اس کو نہ پہچان سکے یا وہ سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں گیا یا اس نے اپنے بعض چیلوں کو یہ پیغام دے کر جنت میں بھیجا۔

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم یہاں کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے فرمایا اس آدمؑ اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا اور نہ تم دونوں حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے اس وقت ابلیس نے ان دونوں کے پاس جنت میں جانے کا ارادہ کیا جنت کے محافظوں نے اس کو جانے نہیں دیا اس وقت سائب اونٹ کی طرح ایک چوپایہ تھا اور بہت حسین جاذب تھا ابلیس نے اس سے کہا وہ اس کو اپنے منہ میں رکھ کر جنت میں لے جائے سو سائب ابلیس کو اپنے منہ میں رکھ کر چلا آیا اور جنت کے محافظوں کو پتہ نہ چلا پھر ابلیس نے حضرت آدمؑ سے کہا کیا میں تم کو ایسا درخت نہ بتاؤں جس کو کھانے کے بعد تم دونوں فرشتوں کی طرح ہو جاؤ گے یا ہمیشہ زندہ رہنے والے ہو جاؤ گے اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی اور قسم کھ کر کہا کہ وہ اس کی خیر خواہی کر رہا ہے حالانکہ اس کا ارادہ یہ تھا کہ ان کا ستر کھل جائے حضرت آدمؑ نے انکار کیا تو حضرت حواؑ نے آئے بڑھ کر اس درخت سے کھالیا اور حضرت آدمؑ سے کہا اے آدمؑ اسے کھاؤ دیکھو میں نے کھایا ہے مجھے کچھ نہیں ہوا جب حضرت آدمؑ نے اس کو کھالیا تو ان دونوں کی شرم گاہیں کھل گئیں اور وہ درخت کے پتوں سے اپنے اپنے جسموں کو ڈھاپنے لگے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۸۷ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابن حبان اندلسی نے کہا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ ابلیس نے زمین سے ہی حضرت آدمؑ کو بہ طریق وسوسہ ڈھابایا تھا اور وہ دھنکارے جانے کے بعد زمین سے آسمان کی طرف نہیں گیا۔ (ابن ماجہ ج ۱ ص ۳۱۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

حضرت آدمؑ علیہ السلام نے شجر ممنوع سے پھل کھایا اور اس کے نتیجہ میں ان کا ستر کھل گیا اور ان کو جنت سے زمین پر بھیج دیا گیا پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہاں یہ بحث کی جاتی ہے کہ آیا ان کا شجر ممنوع سے کھانا ان کی عصمت کے منافی ہے یا نہیں اس لیے ہم عصمت کا اصطلاحی معنی عصمت انبیاء میں مذاہب عصمت انبیاء پر داخل اور بہ ظاہر عصمت کے منافی امور کا جواب اور قصہ آدمؑ کے توبہ کی جو بات ذکر کریں گے ہم نے اس موضوع پر ”شرح صحیح مسلم“ جلد سابع (۷) میں بہت تفصیل اور تحقیق سے گفتگو کی ہے تاہم یہاں بھی ہم ضروری امور کا ذکر کریں گے۔ فقول وباللہ التوفیق وہ الاستعانة بلیق

عصمت انبیاء کا اصطلاحی معنی

علامہ میر سید شریف جرجانی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک عصمت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام میں گناہ پیدا نہ کرے اور عقلماء کے نزدیک عصمت ایک ملکہ (صفت راۓ صفت نفسانیہ) ہے جو معاصی کی قبحیت اور عبادت کی فضیلت کے طبعی وجہ سے ان دونوں سے راقبتی ہے اور عبادت پر برا بیخندہ کرتی ہے اور اوامر اور نواہی کی مسلسل وحی کی وجہ سے یہ صفت اور راسخ ہو جاتی ہے اور انبیاء علیہم السلام سے جو سہوا اور بعض کے نزدیک عدا صغائر صادر ہوتے ہیں یا وہ کسی اولیٰ اور افضل کام کو ترک کر دیتے ہیں اس سے ان کی عصمت پر اعتراض نہیں ہوگا کیونکہ صفات نفسانیہ ابتداءً غیر راسخ ہوتی ہیں پھر بتدریج راسخ ہو جاتی ہیں (اور راسخ ہونے کے بعد وہ صفات ملکیہ کہلاتی ہیں) اور ایک قوم (عامة شیعہ) نے عصمت کی تعریف میں یہ کہا ہے کہ کسی انسان کی روح یا اس کے بدن میں ایسی خاصیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس سے گناہوں کا صدور ممکن ہوتا ہے یہ تعریف اس لیے باطل ہے کہ اگر ان سے گناہوں کا صدور محال ہو تو وہ گناہوں کے ترک پر دنیا میں مدح اور آخرت میں ثواب کے حق نہ ہوں کیونکہ جو چیز محال

ہو اس کے ترک سے تعریف ہوتی ہے نہ ثواب کیونکہ اس کا کرنا قدرت اور اختیار میں نہیں ہے نیز اس پر اجماع منعقد ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو گناہوں کے ترک سے ثواب ہوتا ہے اور وہ گناہوں کے ترک کرنے کے مکلف ہیں اور اگر ان سے گناہوں کا صدور محال ہوتا تو ان کو مکلف نہ کیا جاتا نہ ثواب دیا جاتا کیونکہ محال کو ترک کرنے کا مکلف نہیں کیا جاتا نہ اس پر ثواب دیا جاتا ہے نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہیے کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے یہ آیت اس پر دالہ کرتی ہے کہ جو امور بشریت کی طرف راجع ہیں آپ ان میں تمام بشروں کی مثل ہیں اور آپ کا امتیاز صرف وحی سے ہے اس لیے جس طرح اور بشروں سے گناہوں کا صدور محال نہیں ہے انبیاء علیہم السلام سے بھی گناہوں کا صدور محال نہیں ہوگا۔

(شرح المواقیف ج ۸ ص ۲۸۱ ۲۸۰ مطبوعہ منشورات الشریف ایران ۴۱۲)

انبیاء علیہم السلام اور عام بشروں میں صرف وحی کے لحاظ سے ہی فرق نہیں ہوتا بلکہ خصوصیات کے لحاظ سے بھی فرق ہوتا ہے ان کی بشریت مادی کثافتوں سے منزہ ہوتی ہے اور کمال قرب الہی کی وجہ سے ان کا قلب انوار الہیہ کی جلوہ گاہ ہوتا ہے اور جس قدر خوف خدا ان کو ہوتا ہے مخلوق میں سے کسی کو نہیں ہوتا۔

علماء شیعہ میں سے شیخ طوسی اور شیخ طبری نے یہ تصریح کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں صغیرہ اور کبیرہ گناہ محال ہیں۔

علماء اہل سنت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام گناہوں پر قدرت اور اختیار کے باوجود خوف خدا کے غلبہ سے گناہوں سے باز رہتے ہیں۔ صغیرہ اور کبیرہ عدا نہیں کرتے البتہ نسیان یا اجتہادی خطاء سے ان سے بعض اوقات صغیرہ کا صدور ہو جاتا ہے یا تبلیغی مصلحت کی وجہ سے وہ کسی افضل اور اولیٰ کام کو ترک کر دیتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر دلائل

انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے پر حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) اگر انبیاء علیہم السلام سے (العیاذ باللہ) گناہ صادر ہوتا تو ان کی اتباع حرام ہوگی حالانکہ ان کی اتباع کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ (آل عمران ۳۱)

آپ فرمادیجئے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تمہیں محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

(۲) جس شخص سے گناہ صادر ہوں اس کی شہادت کو بلا تحقیق قبول کرنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَحَقُّوا

اے ایمان والو! اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ (الحجرات: ۶)

اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شہادت کو بلا تحقیق قبول کرنا واجب ہے۔

(۳) فاسق نبوت کا اہل نہیں ہے قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَا يَسْمُؤُا عَهْدِي الظَّالِمِينَ ○

اللہ نے فرمایا: ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچتا ○

(المائدہ: ۱۲۳)

۱۔ شیخ ابو جعفر محمد حسن طوسی متوفی ۴۶۰ھ التہیان ج ۱ ص ۱۵۹ مطبوعہ دارالایضات العربیہ بیروت

۲۔ شیخ ابو علی فضل بن حسن طبری متوفی ۵۲۸ھ مجمع البیان ج ۱ ص ۱۹۵ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۰۹ھ

(۴) اگر نبی سے گناہ صادر ہوں تو اس کو (امریاۃ اللہ) ملاست کر ناجائز ہوگا اور اس سے نبی کو ایذا پہنچنے کی اور انبیاء علیہم السلام کو ایذا پہنچانا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے
ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے۔

(۵) انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
وَاذْكُرْ عَبْدًا نَاثِرًا يَدْعُوهُ وَاسْمُهُ يَسْقُوهُ وَيَعْقُوبُ آدِلًا يُتَىٰ
وَالْأَبْصَارِ (۱) إِنَّا اخْتَصَمْنَاهُمْ (س ۲۱ ص ۱۵)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مخلصین کو شیطان گمراہ نہیں کر سکتا
 قَالَ ذِيعَرَتِكَ لَا تُغْوِيَنَّهُمْ جَمْعِيْنَ (۱) اِلَّا عِبَادَكَ وَهُمْ
 المخلصين (س ۸۲-۸۳)
 ابلیس نے کہا تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ
 کر دوں گا ○ سوائے میرے مخلص بندوں کے ○

(۶) گناہ گار لائقِ مذمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی عزت افزائی کی ہے
وَإِنَّهُمْ بِعِنْدَنَا لَلْيَمِينِ الْمُصْطَفَيْنِ الْأَخْيَارِ ﴿۷﴾
اور بے شک وہ (سب) ہمارے بارگاہ میں ضرور پسندیدہ
(ص: ۴۷) بندوں میں سے ہیں O

(۷) انبیاء علیہم السلام لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اگر وہ خود گناہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

كَيْفَ مَقَاتِلَتْهُ اِنَّ تَقُولُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات سخت ناراضگی کی موجب ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے ○ (الف ۳)

حالانکہ اللہ تعالیٰ انبیاء سے راضی ہے اور شاد ہے:
عَلِمَ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا
إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ (الحج ۲۷ ۳۱)
وہ عالم الغیب ہے تو وہ اپنے غیب پر کسی کو (بذریعہ
وحی) مطلع نہیں فرماتا۔ بجز اس کے جن سے وہ راضی ہے جو
اس کے (سب) رسول ہیں۔

اس آیت میں واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سب رسواؤں سے راضی ہے اور نیکی کا حکم دے کر خود عمل نہ کرنے والے سے راضی نہیں ہے۔

(۸) اگر معاذ اللہ انبیاء علیہم السلام سے گنہوں کا صدور ہوتا تو وہ مستحق عذاب ہوتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ
خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا (النجم ۲۳)
اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا
اور یہ اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش
رہے گا

(۹) انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں اور فرشتوں سے گناہ صادر نہیں ہوتے تو انبیاء علیہم السلام سے بطریق اولیٰ گناہ صادر نہیں ہوں گے فرشتوں سے افضلیت کی دلیل یہ ہے کہ فرشتے عالمین میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اس پر اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام جہنم سے محفوظ اور مومن ہیں اور ان کا مقام جنت خلد ہے۔

السلام کو تمام عالمین پر فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ

ہے شک اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل

عمران کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے ۵

عَمْرَانَ عَلَىٰ الْعَالَمِينَ ۝ (آل عمران: ۳۳)

(۱۰) اگر انبیاء علیہم السلام معصیت کریں تو ہم پر معصیت کرنا واجب ہوگی کیونکہ ان کی اتباع واجب ہے اور دوسرے وائیل سے ہم پر معصیت کرنا حرام ہے سو لازم آئے گا کہ ہم پر معصیت کرنا واجب بھی ہو اور حرام بھی ہو اور یہ اجتہاد ضدین ہے۔

عصمت انبیاء کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات اور مذاہب

امام رازی نے عصمت انبیاء کے متعلق حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

- (۱) حشو یہ کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے عدا گناہ کبیرہ کا صدور جائز ہے۔
- (۲) اکثر معتزلہ کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے عدا گناہ کبیرہ کا صدور جائز نہیں البتہ عدا گناہ صغیرہ کا صدور جائز ہے البتہ ان صفات کا صدور جائز نہیں جن سے لوگ متغیر ہوں۔
- (۳) جہائی کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے عدا کبائر اور صفات دونوں کا صدور جائز نہیں البتہ تاویلا جائز ہے۔
- (۴) انبیاء علیہم السلام سے بغیر سہو اور خطا کے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا لیکن ان سے سہو اور خطا پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔
- (۵) رافضیوں کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے کسی گناہ کا صدور ممکن نہیں ہے صغیرہ نہ کبیرہ سہو نہ عدا تاویلا نہ خطا۔

(تفسیر کبیرہ ج ۱ ص ۳۰۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

مذکور الصدور اقوال نقل کرنے کے بعد امام رازی اپنا مختصر بیان کرتے ہیں

عصمت انبیاء کے متعلق محققین کا مذہب

امام رازی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے زمانہ نبوت میں یقینی طور پر کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا کبیرہ نہ صغیرہ۔

(تفسیر کبیرہ ج ۱ ص ۳۰۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ قفازانی لکھتے ہیں:

ہمارا مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اعدان نبوت کے بعد گناہ کبیرہ مطلقاً نہیں کرتے اور صفات نہ نہیں کرتے البتہ ان سے سہو صغیرہ کا صدور ہو جاتا ہے لیکن وہ اس پر اصرار نہیں کرتے اور نہ وہ اس پر برقرار رکھے جاتے ہیں بلکہ ان کو تنبیہ کی جاتی ہے اور وہ متنبہ ہو جاتے ہیں۔ (شرح القاصد ج ۲ ص ۱۹۳ مطبوعہ دار المعارف البغدادیہ ۱۳۰۱ھ)

میر سید شریف جرجانی حنفی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے زمانہ نبوت میں مطلقاً گناہ کبیرہ سے اور عدا صغیرہ سے معصوم ہوتے

ہیں۔ (شرح ۱۲۱ ص ۶۸۹ مطبوعہ مطبعہ خشی زکندر لکھنؤ)

انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر اعتراضات کا اجمالی جواب

انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کا اجمالی جواب یہ ہے کہ کچھ روایات میں انبیاء علیہم السلام کی طرف بعض ایسے واقعات منسوب ہیں جو عصمت کے خلاف ہیں یہ تمام واقعات اخبار احاد سے مروی ہیں اور یہ

روایت ضعیف اور ساقط اعتبار ہیں اور قرآن مجید کی بعض آیات میں جو انبیاء علیہم السلام کی طرف عصیان و نواہت اور ذنب کی نسبت ہے وہ ہونسیان ترک اولیٰ یا اجتہادی خطا پر محمول ہے ورنہ انبیاء علیہم السلام کا توبہ اور استغفار کرنا ان کی کمال تواضع و انکسار و راتصال امر پر محمول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ہم نے فرمایا: تم (سب) نیچے اتر دو تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے اور تمہارے لیے زمین میں ایک وقت مقرر تک ٹھکانا اور فائدہ اٹھانا ہے (البقرہ: ۳۶) حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجنے کی حکمتوں کا بیان

اس آیت میں حضرت آدم اور حوا کو خطاب ہے کیونکہ قرآن مجید میں تشبیہ کے صیغہ کے ساتھ خطاب ہے 'اھیطاً وھنھا' (نہ: ۲۲) اور یہاں جمع کے صیغہ کے ساتھ خطاب ہے 'اس میں حضرت آدم کی پشت میں جو ان کی دریت ہے اس کو بھی خطاب ہے یا حضرت آدم حوا اور ابلیس کو خطاب ہے ہر چند کہ ابلیس کو پہلے بھی نکال دیا تھا لیکن جب وہ چوری سے چھپ کر دوسرے کونے کے لیے داخل ہوا تو اس کو دوبارہ نکال دیا۔

منکرین عصمت یہ اعتراض بھی کر لے ہیں کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام نے گناہ نہیں کیا تھا تو ان کو سزا کیوں ملی اور ان کو جنت سے کیوں نکالا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجے کا حکم دینا ان کے حق میں سزا نہیں ہے بلکہ یہ ان کے مقصد تخلیق کی تکمیل ہے کیونکہ ان کو زمین پر خلافت الہی کے لیے پیدا کیا گیا تھا بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آدم اور ابلیس کے معرکہ میں ابلیس کامیاب ہو گیا اور اس نے ان کو جنت سے نکلوا دیا یہ بات بھی بالکل غلط ہے کیونکہ شیطان تو حضرت آدم کے جنت میں عارضی قیام کو بھی نہیں برداشت کر سکا تھا اور وہ اب دنیا میں آکر و فرافرض نبوت اور کار خلافت کو انجام دے کر دائمی قیام کے لیے جنت میں جائیں گے اور شیطان تو ان کے تہاد وجود کو جنت میں برداشت نہیں کر سکا تھا اور حضرت آدم دنیا میں آنے کے بعد اپنی بے شمار ذریت کے ساتھ جنت میں جائیں گے اور شیطان لغتی ہو کر ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائے گا اس لیے حضرت آدم کا دنیا میں آنا ایک بہت بڑی کامیابی کا پیش خیمہ تھا اور شیطان کی ناکامی و رونا مروی کا مقدمہ تھا سو اس معرکہ میں حضرت آدم علیہ السلام ہی کامیاب تھے اور ابلیس خائب و خاسر ہوا۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت آدم شجر ممنوع سے نہ کھاتے تو ہم جنت میں ہی رہتے اور آپ کا کیا استحقاق تھا؟ جنت تو پاک لوگوں کی جگہ ہے ہمیں بھی جنت سے آنا پڑا اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کیسے جنت میں رہتے اور آپ کا کیا استحقاق تھا؟ جنت تو پاک لوگوں کی جگہ ہے حضرت آدم کی پشت میں پاک لوگ بھی تھے اور ناپاک لوگ بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو دنیا میں بھیجا کہ اپنی پشت سے تمام ذریت کو نکال کر زمین پر چھوڑ آؤ پھر جو پاک لوگ ہوں گے وہ جنت میں چلے جائیں گے اور جو ناپاک ہوں گے ان کو دور رخ میں بھیج دیا جائے گا اور اس اعتبار سے دیکھا جائے تو حضرت آدم کی پشت میں ان ناپاک لوگوں کا وجود ان کے جنت سے آنے کا سبب تھا اور حقیقت یہ ہے کہ چونکہ حضرت آدم کو زمین کی خلافت کے لیے بنایا گیا تھا اس لیے انہوں نے بہر حال زمین میں آنا تھا شجر ممنوع سے کھانا سبب نہ ہوتا تو کوئی اور سبب ہوتا نیز انبیاء علیہم السلام بعض اوقات اپنے مخالفین کے شر کی وجہ سے اپنی جگہ سے ہجرت کرتے ہیں لیکن وہ پھر دوبارہ کامیاب و کامران ہو کر اس جگہ لوٹتے ہیں جیسے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے شر کی وجہ سے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی اور پھر مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ حضرت موسیٰ نے منہ سے مدین کی طرف ہجرت کی اور پھر مصر میں فاتحانہ لوٹے حضرت عیسیٰ نے زمین سے آسمان کی طرف ہجرت کی اور پھر زمین پر آئیں گے اور حضرت آدم علیہ السلام نے جنت سے زمین کی طرف ہجرت کی اور پھر جنت میں فاتحانہ داخل ہوں گے اور اللہ

تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ طَخَلَقَهُ مِنْ
تُرَابٍ. (آل عمران: ۵۹)

اسے مٹی سے بنایا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا متعدد حکمتوں کی وجہ سے ہے اور ان کی فضیلت کا موجب ہے کوئی
سزا نہیں ہے۔

علامہ ابو جعفر طبری لکھتے ہیں:

حضرت آدم کے آسمانوں اور جنت میں ٹھہرنے کی مدت دنیاوی سالوں کے اعتبار سے تینتالیس سال ہے اور حضرت بن
عباس سے روایت ہے کہ یہ مدت پانچ سو سال ہے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت آدم کو ہند میں اور حضرت حواء کو جدو
میں اتارا گیا حضرت آدم ان کی طلب میں گئے اور میدان عرفات میں دونوں کی ملاقات ہوئی اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں
کہ حضرت آدم اور حواء جنت کی نعمتوں کے چلے جانے پر دو سو سال تک روتے رہے چالیس دن تک کھانا کھایا نہ پانی پیا اور
حضرت آدم علیہ السلام ایک سو سال تک حضرت حواء سے مقابلہ نہیں ہوئے۔ زمین پر آنے کے بعد اولاد آدم اور ابلیس اور اولاد
آدم اور سانپ میں اس وقت سے دشمنی چلی آ رہی ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۸۹-۸۸ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات یکھ لیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی بے شک وہی
بہت توبہ قبول فرمانے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (البقرہ: ۲۷)

حضرت آدم کی توبہ کے کلمات اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم نے کہا: اے رب! کیا تو نے مجھے اپنے دست قدرت
سے پیدا نہیں کیا؟ فرمایا: کیوں نہیں! کہا: کیا تو نے مجھ میں اپنی پسندیدہ روح نہیں پھونکی؟ فرمایا: کیوں نہیں! کہا: کیا تو نے مجھے
اپنی جنت میں نہیں رکھا؟ فرمایا: کیوں نہیں! عرض کیا: اے رب! کیا تیری رحمت غضب پر غالب نہیں ہے؟ فرمایا: کیوں نہیں!
عرض کیا: یہ بتا کہ اگر میں توبہ کروں اور اصلاح کروں تو کیا تو مجھے اپنی جنت کی طرف اوتار دے گا؟ فرمایا: ہاں! ثناء اور حسن
نے کہا: وہ کلمات یہ ہیں:

رَبِّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَكُ تَغْفِيرُكَ لَنَا وَكَرْهًا

اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور
اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان
انھارنے والوں میں سے ہو جائیں گے ○

لَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ○ (الاعراف: ۲۳)

(جامع البیان ج ۱ ص ۱۹۳ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حافظ ابن کثیر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد نے بیان کیا کہ وہ کلمات یہ ہیں (ترجمہ) اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری تسبیح اور حمد کے ساتھ میں کہتا
ہوں اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا سو مجھے بخش دے تو سب سے اچھا بخشے والا ہے اے اللہ! تیرے سوا کوئی
معبود نہیں تیری تسبیح اور حمد کے ساتھ میں کہتا ہوں: میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو مجھ پر رحم فرما بے شک تو سب سے اچھا رحم
فرمانے والا ہے اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری تسبیح اور حمد کے ساتھ میں کہتا ہوں اے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو

میری توبہ قبول فرما، بے شک تو بہت توبہ قبول کرنے والا ہے اور بے حد رحیم ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۳۲، مطبوعہ دارالاندلس بیروت ۱۳۸۵ھ)

امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدم علیہ السلام نے (صورۃ) گناہ کر لیا تو انہوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا اور عرض کیا میں محمد کے حق (دلیلہ) سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری مغفرت فرما، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی محمد کون ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: تیرا نام برکت والا ہے، جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ تو میں نے جان لیا کہ تیرے نزدیک اس شخص سے زیادہ بلند مرتبہ کوئی شخص نہیں ہوگا جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے، تب اللہ عزوجل نے ان کی طرف یہ وحی کی۔ اے آدم علیہ السلام اوہ تمہاری اولاد میں سے تمام نبیوں کے آخر ہیں اور ان کی امت تمہاری اولاد کی امتوں میں سے آخری امت ہے اور اگر وہ نہ ہوتے اے آدم تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

(المصنوع ج ۲ ص ۸۳، مطبوعہ مکتبہ سفیہ مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ)

اس حدیث کو امام بیہقی^۱، امام ابن جوزی^۲ اور امام حاکم^۳ نے بھی اپنی اپنی اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حافظ نور الدین ابوشامہ^۴، حافظ جلال الدین سیوطی^۵، شیخ ابن تیمیہ^۶ نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو حاکم بیہقی اور ابن عساکر کے حوالے سے لکھا ہے اور اس کے اخیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم علیہ السلام! تم نے سچ کہا، یہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں اور جب تم نے ان کے وسیلہ سے سوال کیا ہے تو میں نے تم کو بخش دیا اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۸۱، مطبوعہ دارالمکرم بیروت ۱۳۹۳ھ)

”شرح صحیح مسلم“ جلد سابع میں ہم نے اس حدیث کے مزید حوالہ جات بیان کئے ہیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے کہا ہے کہ حضرت آدم نے عرش کے پائے پر ”محمد رسول اللہ“ لکھا ہوا دیکھا تو آپ کے وسیلہ سے دعا کی اور کلمات سے یہی کلمات مراد ہیں، یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا۔

(الجامع الاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۴۳، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

خواجہ عبداللہ انصاری لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ حضرت آدم نے عرش پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ ہوا دیکھا تھا، جب ان سے لغزش ہو گئی تو انہوں نے

۱۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوة ج ۵ ص ۴۸۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۲۔ امام عبدالرحمان جوزی متوفی ۵۹۷ھ، الوفاء ص ۳۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد

۳۔ امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۲ ص ۶۱۵، مطبوعہ دارالباز، مکہ مکرمہ

۴۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر ابوشامہ المتوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۲، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ

۵۔ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الدر المنثور ج ۱ ص ۵۸، مطبوعہ آیت اللہ العظمیٰ ایران

۶۔ شیخ ابوالعباس تقی الدین احمد بن تیمیہ ضلی متوفی ۷۲۸ھ، فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۹۶، مطبوعہ السعویہ، بیروت

بی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی اور کہا: اے اللہ! مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے معاف فرما، رب العالمین نے فرمایا: تم نے ان کو کیسے پہچانا جو ان کے وسیلہ سے دعا کی؟ عرض کیا: جب میں نے عرش پر تیرے نام کے ساتھ ان کا نام لکھا ہو اور دیکھا تو جان لیا کہ یہ بندہ تجھے بہت محبوب ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تمہیں بخش دیا۔

(کنف الاسرار عددۃ الارواح ص ۱۵۶ ۱۵۵ مطبوعہ مکتبہ اہل بیت علیہم السلام)

علامہ شعبی^۱ علامہ اسماعیل حقی^۲ اور علامہ آلوسی^۳ نے بھی اس روایت کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ حضرت آدم نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی۔
حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

امام ابن المذہب محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم سے عرش ہو گئی تو ان کو بہت رنج ہوا اور شدید ندامت ہوئی تو حضرت جبرائیل آپ کے پاس آئے اور کہا: اے آدم! کیا میں آپ کو توبہ کا دروازہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ قبول کر لے؟ حضرت آدم نے کہا: کیوں نہیں! کہا آپ اللہ تعالیٰ سے مناجات کریں اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کریں آپ نے کہا: اے جبرائیل! میں کیا کہوں؟ انہوں نے کہا آپ کہئے (ترجمہ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اس کا ملک ہے اور اس کے لیے حمد ہے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اور اس کو موت نہیں آئے گی تمام اچھائیاں اس کی قدرت میں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اس کے بعد آپ اپنی خطا پر توبہ کریں اور کہیں اے اللہ! تو سبحان ہے اور تیری حمد ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور برا کام کیا تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے وسیلہ سے اور ان کی تیرے نزدیک کرامت کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری خطا کو بخش دے حضرت آدم نے اسی طرح دعا کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم کو یہ دعا کس نے تعلیم کی؟ حضرت آدم نے کہا اے رب! جب تو نے مجھ میں روح پھونکی اور میں ہموار بشر کی صورت میں کھڑا ہوا تو میں نے عرش پر یہ لکھا ہوا دیکھا "بسم اللہ الرحمن الرحیم لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ محمد رسول اللہ" اور جب میں نے دیکھا کہ تیرے نام کے ساتھ کسی مقرب فرشتے کا نام لکھا ہے نہ کسی نبی مرسل کا تو میں نے جان لیا کہ یہ تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے مکرم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم نے سچ کہا اور میں نے تمہاری خطا کو بخش دیا پھر حضرت آدم نے اپنے رب کی حمد و ثناء کی اور اس کا شکر ادا کیا اور بہت خوش ہو کر لوٹے اور فرشتوں نے فوج در فوج آکر حضرت آدم کو مبارکباد دی۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۶۰ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

(حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت جبریل کی تعلیم کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام خود بھی عرش پر لکھا ہوا دیکھا)

تھا اس لیے اسی کا حوالہ دیا۔

توبہ کا لغوی اور شرعی معنی

توبہ کا لغوی معنی ہے: رجوع کرنا اور بندہ کی توبہ یہ ہے کہ وہ معصیت سے طاعت کی طرف اور غفلت سے اللہ کو یاد کرنے کی طرف رجوع کرے اللہ کے توبہ قبول کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ دنیا میں بندہ کے گناہ پر پردہ رکھے بایں طور کہ کوئی شخص اس

۱۔ علامہ عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف شعبی متوفی ۸۷۵ھ تفسیر شعبی ج ۱ ص ۵۳ مطبوعہ مکتبۃ اسلامیات بیروت

۲۔ علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ روح البیان ج ۱ ص ۱۱۳ مطبوعہ مکتبۃ اسلامیہ کوئٹہ

۳۔ علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ روح البیان ج ۱ ص ۱۱۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کے گناہ پر مطلع نہ ہو اور آخرت میں اس کو سزا نہ دے خلاصہ یہ ہے کہ وہ عذاب دینے سے مغفرت کی طرف رجوع کرے۔
توبہ کا شرعی معنی یہ ہے کہ گناہ کو برا جاں کر فی الفور ترک کر دے اس سے جو قصص ہوئی ہے اس پر نادم ہو آئندہ اس گناہ کو نہ کرنے کا عزم مصمم کرے اور جو گناہ اس سے ہو گیا اس کا تدارک اور تلافی کرے (مثلاً فوت شدہ نمازوں اور روزوں کو قضا کرے) اور اگر اس گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو پھر توبہ کے قبول ہونے کی ایک زائد شرط یہ ہے کہ وہ صاحب حق کو اس کا حق واپس کرے یا اس سے معاف کرے اور اگر اس کے ذمہ حقوق اللہ ہیں تو وہ نوافل اور فروض کفایہ میں مشغول ہونے سے بجائے دن فوت شدہ فرائض کو داکرے کیونکہ جس شخص کی نمازیں اور روزے قضا ہوں اور وہ نوافل میں مشغول ہو تو وہ نفل ادا کرنے کے حال میں بھی فسق سے خارج نہیں ہوگا۔

قرآن مجید اور سنت میں توبہ کا بیان

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا انْتَبِهُوا إِلَى اللَّهِ تَوَنُّةً فَصُحِّحُوا

(التحریم: ۸)

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ الشُّوْءَ
بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ
عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ
لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ
الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْإِثْمَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ
وَهُمْ كَفَّارَةٌ (النساء: ۱۸-۱۷)

اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ (رجوع) کرو۔

اللہ پر توبہ (کا قبول کرنا) صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو (عذاب الہی سے) بھارت کی بنا پر گناہ کر بیٹھیں پھر جلدی سے توبہ کریں تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ قبول فرماتا ہے اور اللہ بہت جاننے والا اور بہت حکمت والا ہے اور توبہ (کا قبول ہونا) ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو (مکمل) گناہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو کہتا ہے میں نے اب توبہ کی اور نہ یہ (قبول توبہ) ان لوگوں کے لیے ہے جو کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں۔

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ کی توبہ یہ ہے کہ توبہ کے بعد دوبارہ گناہ نہ کرے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۶ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت معقل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ندامت توبہ ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۲۱۳ مطبوعہ دار محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۳-۳۳۴-۳۷۶ ج ۶ ص ۲۱۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم خطائیں کرو حتیٰ کہ تمہاری خطاؤں سے آسمان بھر جائے پھر تم توبہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا۔

(سنن ابن ماجہ ص ۲۱۳ مطبوعہ دار محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص گناہ سے توبہ کرے وہ اس شخص کی مثل ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو۔ (نن ابن ماجہ ص ۲۱۳ مطبوعہ درمحد کارخانہ تجارت سب کراچی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بنی آدم خطا کار ہے اور خطا کاروں میں سب سے اچھے توبہ کرنے والے ہیں۔

اس حدیث کو امام دارمی اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ غرہ موت (جب سانس اکٹھے لگتا ہے) سے پہلے پہلے بندہ کی توبہ قبول فرمالتا ہے۔ (نن ابن ماجہ ص ۲۱۳ مطبوعہ درمحد کارخانہ تجارت سب کراچی)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے استغفار کر لیا اس نے اصرار نہیں کیا خواہ وہ ایک دن میں ستر مرتبہ گناہ کرے۔ (نن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۱۲ مطبوعہ مطبعہ اسلامی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند قوی نہیں ہے۔

(جامع ترمذی ص ۵۱۲ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت سب کراچی)

ستر مرتبہ سے مراد کثرت ہے یعنی اگر ایک دن میں انسان کئی بار گناہ کرے اور ہر گناہ کے بعد نادم ہو اور صحیح نیت سے توبہ کرے اور شامت نفس سے پھر گناہ کر بیٹھے اور پھر نادم ہو اور توبہ کرے اور بار بار ایسا ہوتا رہے تو یہ گناہ پر اصرار نہیں ہے اصرار اس وقت ہوتا ہے جب معصیت پر نادم اور تائب نہ ہو اور بغیر ندامت اور توبہ کے گناہ پر گناہ کرتا چلا جائے صغیرہ گناہ پر اصرار اس کو کبیرہ بنا دیتا ہے مجھ سے علماء کی مجلس میں ایک محترم فاضل نے سوال کیا تھا کہ صغیرہ کے بعد دوبارہ صغیرہ کا ارتکاب کرنا اسی کی مثل اور اسی درجہ کی معصیت ہے یہ کبیرہ کیوں ہو جاتا ہے؟ میں نے جواب دیا جب انسان صغیرہ کے ارتکاب کے بعد بغیر توبہ اور استغفار اور بغیر ندامت کے دوبارہ اسی معصیت کو کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ معصیت کو بہت خفیف اور معمولی جانتا ہے اور کسی بھی معصیت کو ہلکا سمجھنا کبیرہ گناہ ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کے بعد اس پر اصرار کرنا یعنی اس پر نادم اور تائب ہوئے بغیر دوبارہ اسی گناہ کا ارتکاب کرنا اس گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے امام ابن عساکر روایت کرتے ہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ کبیرہ استغفار کے بعد کبیرہ نہیں رہتا (یعنی مٹ جاتا ہے) اور صغیرہ پر اصرار کرنے کے بعد وہ گناہ صغیرہ نہیں رہتا (یعنی کبیرہ ہو جاتا ہے)۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۴ ص ۲۸ مطبوعہ دار الفکر دمشق ۱۴۰۳ھ)

نیز امام ابن عساکر روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے استغفار کرنے کو لازم کر لیا اللہ تعالیٰ اس کی ہر پریشانی کا حل بنا دے گا اور ہر تنگی سے اس کے لیے کشادگی کر دے گا اور اس کو دہاں

۱ امام عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ نن دارمی ج ۲ ص ۲۱۳ مطبوعہ نشر النہ ماتان

۲ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۸ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

سے رزق دے گا جہاں اس کا وہم و گمان نہ ہوگا۔ (مختصر تاریخ ذی قح ۳ ص ۱۵۴، مطبوعہ دار الفکر، دمشق ۱۴۰۲ھ)

اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرتا رہے اور یہ پڑھا کرے

”رب اغفر وارحم وانت خير الراحمين“ یا یہ پڑھا کرے، ”اللهم اغفر لی وتب علی ادک انت التواب

الرحیم“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے فرمایا تم سب جنت سے اتر جاؤ، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئی تو

جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو انہیں کوئی ذرہ ہوگا اور نہ وہ ٹمگیں ہوں گے (البقرہ ۳۸)

دوبارہ نیچے اترنے کا حکم دینے کی حکمت

اس آیت پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اس سے پہلی آیت میں بھی یہ فرمایا تھا کہ تم (سب) نیچے اتر جاؤ اور دوبارہ پھر وہی

حکم دیا ہے اور یہ تکرار ہے جو بلاغت کے منافی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تکرار نہیں ہے بلکہ تاکید ہے اور دونوں آیتوں سے

مقصود مختلف ہے پہلی آیت سے مقصود یہ تھا کہ تم دارالبقاء سے دارابلا کی طرف منتقل ہو جاؤ جہاں تم ایک دوسرے سے عداوت

رکھو گے اور تمہیں دوام نہیں ہوگا اور دوسری آیت سے مقصود یہ ہے کہ تم دارالجزاء سے دارالکلیف کی طرف منتقل ہو جاؤ جہاں

تمہیں احکام شرعیہ کا مکلف کیا جائے گا جو ان پر عمل کرے گا وہ نجات پائے گا اور جو مخالفت کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ ایک

قول یہ ہے کہ پہلی آیت سے مقصود ہے جنت سے آسمان دنیا کی طرف اترنا اور دوسری آیت سے مقصود ہے آسمان دنیا سے زمین

کی طرف اترنا لیکن اس توجیہ پر یہ اعتراض ہے کہ دوسری آیت میں ”مہا“ کی ضمیر جنت کی طرف راجع ہے لہذا اس آیت

میں بھی جنت سے زمین کی طرف اترنا مراد ہے۔

علامہ ابواللیث سمرقندی نے لکھا ہے کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ معصیت نعمت کو زائل کر دیتی ہے کیونکہ حضرت آدم

کو ان کی (ظاہری) معصیت کی وجہ سے جنت سے زمین پر بھیج دیا گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم میں اس

وقت تک تغیر نہیں کرتا یعنی ان کو نعمت دے کر واپس نہیں لیتا جب تک کہ وہ خود اپنے اندر تغیر نہ کر لیں یعنی اطاعت اور شکر کے

بجائے معصیت اور کفر ان نعمت کو اختیار نہ کر لیں۔ (تفسیر سمرقندی ج ۳ ص ۱۱۳، مطبوعہ مکتبہ دارالباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئی۔ الخ

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی نبی یا رسول کو بھیجے اور کوئی کتاب یا صحیفہ نازل کرے تو جو لوگ ان کی دی ہوئی

ہدایت کی پیروی کریں گے ان کو اپنے مستقبل (آخرت) کے متعلق کوئی خوف ہوگا نہ وہ اپنے ماضی پر پشیمان اور ٹمگیں ہوں گے

واضح رہے کہ اس آیت میں مطلقاً خوف کی نفی نہیں کی ہے کیونکہ اللہ کے نیک بندوں کو بہر حال خدا کا خوف ہوگا اور جو شخص جتنا

زیادہ اللہ تعالیٰ کا مقرب ہے اس کو اتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے یہاں وہ خوف مراد ہے جو باعث ضرر ہو کیونکہ عربی قواعد کے

مطابق ”علی“ ضرر کے لیے آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا خوف نفع کا باعث ہے۔

پھر اس آیت کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی وہی لوگ

دوزخی ہیں وہ ہمیشہ اس دوزخ میں رہیں گے ○

عصمت آدم پر حشو یہ کے اعتراضات اور ان کے جوابات

فرقہ حشو یہ نے حضرت آدم کے قصہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم نہیں ہوتے ان کے دلائل اور

جوابات حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کو شجر ممنوع کے قریب جانے سے منع کیا تھا انہوں نے اس درخت سے کھایا اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم نے اس نمی کو تنزیہ پر محمول کیا یا وہ کھانے وقت اسی نمی کو بھول گئے

(۲) حضرت آدم علیہ السلام نے خود کہا ہم نے ظلم کیا اور ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے تواضع و انکسار ایسا کیا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا آدم نے معصیت کی اور وہ بے راہ ہوئے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ظاہری اور سوری معصیت ہے حقیقت میں معصیت نہیں ہے کیونکہ حضرت آدم بھول گئے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

(۴) حضرت آدم کو توبہ کی تلقین کی گئی اور بندہ کی توبہ یہ ہے کہ وہ گناہ پر نادم ہو اور طاعت کی طرف رجوع کرے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم اپنی اس غفلت پر نادم تھے جس کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کو بھول گئے اور اسی غفلت پر روتے رہے اور توبہ کرتے رہے اور یہی انبیاء علیہم السلام کی توبہ ہوتی ہے اور گناہ پر نادم ہونا عام انسانوں کی توبہ ہے۔

(۵) اگر آدم علیہ السلام نے گناہ نہیں کیا تھا تو اس درخت سے کھاتے ہی ان کا لباس کیوں اتر گیا اور انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا کر زمین پر کیوں بھیجا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی غفلت پر عتاب تھا اور غفلت گناہ نہیں ہے اور عتاب سزا نہیں ہے دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ سبب پر مسبب کا ترتیب ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے اس درخت سے کھانے کو لباس کے اترنے اور زمین پر جانے کا سبب بنایا ہو جیسے کوئی بھولے سے زہر کھالے تو وہ پھر بھی مر جائے گا کیونکہ زہر کھانا موت کا سبب ہے۔

(۶) جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ اس درخت کے پھل کھانے سے وہ جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہو جائیں گے اور اس کے بعد انہوں نے اس درخت سے کھایا تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے بھولے سے کھالیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کے اس دوسرے فوراً بعد انہوں نے پھل نہیں کھایا لیکن اس کے کہنے سے ان کی طبیعت میں اس پھل کی طرف میلان پیدا ہو گیا اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو اس پھل کے کھانے سے روکتے رہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ ہو پھر ایک بار وہ اس حکم کو بھول گئے اور غلبہ میلان کی وجہ سے اس کو کھایا یا انہوں نے اپنے اجتہاد سے اس نمی کو تنزیہ پر محمول کیا یا اس نمی کو اس معین درخت سے متعلق سمجھا اور اس نوع کے کسی اور درخت سے کھالیا۔

حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقت میں خلیفہ اعظم ہونا

عالم اجسام اور ظاہر میں حضرت آدم علیہ السلام ہی پہلے انسان اور اللہ کے خلیفہ ہیں لیکن حقیقت میں اول خلق اور اللہ کے خلیفہ اعظم سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسا کہ حسب ذیل احادیث میں اس کی تصریح ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب ثابت ہوئی؟ آپ نے فرمایا: اس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(جامع ترمذی ص ۵۱۹ مطبوعہ دار محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام محمد بن سعد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں

حضرت عبد اللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! آپ نبی کب بنے تھے؟ لوگوں

نے کہا چپ کر دو پچ کر دو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو چھوڑ دو جس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے میں اس وقت نبی تھا۔ (المطہرات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۳۸ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۴۲۸ھ)

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (المصنف ج ۱۲ ص ۲۹۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۶ھ)
امام ابن جوزی روایت کرتے ہیں:

حضرت میسرۃ الفجر بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کب نبی بنے تھے؟ فرمایا جس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (الوفاء ج ۱ ص ۲۳ مطبوعہ مکتبہ نوریہ ندویہ فہل آباد)

اس حدیث کو امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۰۹ مطبوعہ مکتبہ دار الہدایہ کربلا)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کب نبی بنائے گئے تھے؟ فرمایا جس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۶۶ مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام احمد نے عبد اللہ بن شقیق کی روایت کو ایک اور سند سے بھی بیان کیا ہے اور اس حدیث کو حضرت میسرہ کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۷۹ مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

حافظ البیہقی حضرت میسرہ الفجر کی اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں

اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۳ مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حافظ سیوطی حضرت میسرۃ الفجر کی اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں۔

اس حدیث کو امام ابو نعیم نے "حلیۃ الاولیاء" میں روایت کیا ہے اور امام طبرانی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس سے

روایت کیا ہے۔ (جامع الاحادیث الکبیر ج ۶ ص ۴۶۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ)

امام رازی لکھتے ہیں کہ فرشتوں کو جو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ حضرت آدم کو سجدہ کریں اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت حضرت

آدم علیہ السلام کی پیشانی میں حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور تھا۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۰۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اور علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی حقیقت میں خلیفہ اعظم ہیں اور زمینوں اور آسمانوں کی بلندیوں میں وہی خلیفہ اور پہلے امام ہیں

اور اگر وہ نہ ہوتے تو آدم پیدا کیے جاتے اور نہ کوئی اور چیز پیدا کی جاتی۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۲۱۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ بیروت)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔

سادات صوفیہ کا مسلک ہے کہ فرشتوں میں سے عالین کو سجدہ کرنے کا حکم نہ تھا اور ان آیات میں جن فرشتوں سے اللہ

تعالیٰ نے خطاب فرمایا اور جن کو سجدہ کا حکم دیا اور جنہوں نے سجدہ کیا وہ سب عالین کے ماسوا تھے کیونکہ جو فرشتے عالین ہیں وہ

ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات میں مستغرق رہتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کسی چیز کا شعور نہیں ہوتا اور اس آیت

میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

اَمْشِكُزَتْ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ (س ۷۵) تو نے تکبر کیا ہے یا تو عَالِین میں سے تھا؟

اور عَالِین میں سے ہی ایک فرشتہ ہے جس کا نام روحِ قلمِ اعلیٰ اور عقلِ اولیٰ رکھا گیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا آئینہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا ظہور صرف اس فرشتے میں ہوتا ہے اور باقی تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی صرف صفات کا ظہور ہوتا ہے اور وہ فرشتہ دنیاوی اور اخروی عالم کا قطب ہے اور جنت اور دوزخ، النور کا قطب ہے اور کثیب اور اعراف والوں کا قطب ہے اور تمام مخلوقات کا مدار اس فرشتہ پر ہے اس فرشتہ کو حضرت آدم کی تخلیق اور ان کے مرتبہ کا علم تھا کیونکہ اسی نے اوج میں ماکان و مایکون کو لکھا تھا اور قلم نے جو کچھ لکھا اس کا اوج کو علم ہے اور اس فرشتہ کا اپنے تمام کمالات کے ساتھ حقیقت محمدیہ میں ظہور ہوا جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے:

وَكَذَلِكَ اَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحَنَا (اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے امر سے روح

(الغوری: ۵۲) کی وحی ہے۔

اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں افضل علی الاطلاق ہیں بلکہ وہی ساتوں آمانوں میں حقیقت میں خلیفہ ہیں۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۱۲۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اسی سبب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وما من نبی یومئذ ادم فمں سواہ الا تحت لوائی۔ (جامع ترمذی ص ۵۲۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب جھنڈے کے نیچے ہوگا۔ کراچی)

جس دن اللہ کے حضور کسی نبی کو شفاعت کا حوصلہ نہیں ہوگا اور صرف آپ ہی مقام محمود پر فائز ہوں گے آپ ہی کوڑ کے ساتی ہوں گے اور آپ ہی شفاعت کبریٰ فرمائیں گے اور ساری خلقت کا آپ ہی کی طرف رجوع ہوگا اس دن آپ کے خلیفہ اللہ الاعظم ہونے کا ظہور تام ہوگا۔

بشر اور فرشتے کے درمیان افضلیت کا بیان

فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں قرآن اور حدیث سے ان کا وجود ثابت ہے ”صحیح مسلم“ میں ہے کہ فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے۔ (ج ۲ ص ۴۳) تاہم ہمیں ان کی حقیقت کا علم نہیں ہے وہ معصوم ہیں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی نہیں کرتے اس میں اختلاف ہے کہ بشر افضل ہے یا فرشتہ بعض علماء نے کہا فرشتے افضل ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ابلیس نے حضرت آدم سے کہا تم اس شجر سے کھا لو تو فرشتہ ہو جاؤ گے اور زلیخا کی مہمان عورتوں نے جب حضرت یوسف کو دیکھا تو بے ساختہ کہا یہ بشر نہیں ہے یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے اور بعض علماء نے کہا کہ نوع بشر نوع ملائکہ سے افضل ہے اور اللہ تعالیٰ نے نوع بشر کے ایک فرد کو تمام فرشتوں سے سجدہ کرایا فرشتے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور ان کا اس اطاعت میں کوئی مزاحم نہیں ہے اور بشر کے اندر اللہ تعالیٰ نے بھوک پیاس شہوت اور غضب کو رکھا ہے اور وہ ان کی مزاحمت کے باوجود اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے بعض علماء نے کہا فرشتوں کو نور سے بنایا ہے اور بشر کو مٹی سے بنایا ہے کہ نور مٹی سے افضل ہے اس لیے فرشتے جو ہر ذات کے اعتبار سے بشر سے افضل ہیں لیکن اس پر کون سی شرعی دلیل ہے کہ نور مٹی سے افضل ہے؟ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ مٹی نور سے افضل ہے کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کا مبداء خلقت ہے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ خواص بشر (حضرات انبیاء علیہم السلام) خواص ملائکہ اور عام ملائکہ سے افضل ہیں اور خواص ملائکہ (رسل ملائکہ) عوام بشر سے افضل

ہیں اور عوام بشر (نیک مسلمان اس میں کفار اور فساق داخل نہیں ہیں) عوام ملائکہ سے افضل ہیں بہر حال یہ علیل کا یہ مسئلہ فنی ہے اور اس میں کسی جانب قلعیت نہیں ہے اس لیے بعض علماء نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔

قصہ آدم و ابلیس میں حکمتیں اور نصیحتیں

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض علوم اور حکمتوں پر کسی کو مطلع نہیں فرمایا مگر فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا کہ حضرت آدم کو حلیہ بنانے میں کیا حکمت ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے مگر جس کو عام لوگ حقیر جانتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس مٹی سے انسان بنایا اور اس کو سوم و عارف سے نوازا اور اس کو اتنی عزت دی کہ سارے فرشتوں نے اس کو سجدہ کیا۔

(۳) انسان اتنی عزت و کرامت کے باوجود ضعیف البیان ہے وہ بھول گیا اور شجر ممنوع سے کھالیا۔

(۴) اپنی تقصیر پر نادم ہونا اور اللہ سے توبہ کرنا بند درجہ جات کے حصول کی دلیل ہے اپنا قصور ماننا آدم کا طریقہ ہے اور نہ ماننا اور اکڑنا ابلیس کا طریقہ ہے۔

(۵) معصیت سے نعمت زائل ہو جاتی ہے اور شکر سے نعمت میں زیادتی ہوتی ہے۔

(۶) جنت پیدا کی جا چکی ہے اور وہ جانب علویں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم سب اس جنت سے نیچے اتر جاؤ۔

(۷) انسان خلوص دل سے تائب ہو تو اس کی توبہ مقبول ہوتی ہے۔

(۸) حضرت آدم نے بھول سے شجر ممنوع سے کھایا اس کے باوجود تواضع توبہ کی اور کہا ہم نے ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سر پر تاج خلافت رکھا شیطان نے عداوت فرمائی کی اور اللہ تعالیٰ سے کہہ اے رب اتو نے مجھے گمراہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے گلے میں لعنت کا طوق ڈال دیا۔

(۹) ابلیس آدم اور اولاد آدم کا دشمن ہے اور ان کو زک دینے کی تاک میں لگا رہتا ہے۔

(۱۰) حضرت حوا کے توبہ کرنے کا الگ سے ذکر نہیں فرمایا کیونکہ عورتوں کے احکام مردوں کے احکام کے تابع ہوتے ہیں۔

(۱۱) جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ نجات یافتہ ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کا کفر اور نافرمانی کرے گا وہ عذاب میں ہلاک ہوگا۔

(۱۲) ہدایت ربانی بھیجنے کا سلسلہ حضرت آدم سے شروع ہوا اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَوْفُوا

اے بنو اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی اور تم میرا عہد

پہنھائی اَوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِیَّایْ فَارْهَبُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَاِیْنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ

پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا اور تم مجھ سے ہی ڈرو اور اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جس کو میں نے نازل

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ کَافِرٍ بِهٖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِآیَّتِیْ

کیا ہے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے اور تم سب سے پہلے اس کے منکر نہ بنو اور تھوڑی قیمت کے بدلے

ثُمَّ نَاقِلِيلاً وَإِيَّايَ فَانْفُتُونِ ۝ (۲۱) وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ

میں میری آیتوں کو فروخت نہ کرو، اور مجھ ہی سے ڈرو ۝ اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاو اور

تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ (۲۲) وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ

دبہ دانت حق کو نہ چھپاؤ ۝ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو

وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ۝ (۲۳) اتَّامِرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ

اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ۝ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو

أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ (۲۴) وَاسْتَعِينُوا

حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ۝ اور صبر و

بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝ (۲۵) الَّذِينَ

نماز (کے ذریعہ) سے مدد حاصل کرو اور بے شک نماز ضرور دشوار ہے سوالن لوگوں کے جو (اللہ کی طرف) جھکنے والے ہیں ۝ جو یہ

يُظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُسْلِمُونَ ۝ (۲۶) وَأَنْتُمْ إِلَيَّ رَاجِعُونَ ۝ (۲۷)

یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ۝

ربط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید رسالت اور حشر و نشر پر اہل قلم فرمائے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی عام نعمتوں کو ذکر فرمایا جن سے ہر انسان مستفید ہوا اور ان نعمتوں کا وجود اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا کوئی موجد ہے جو حکیم اور حمید ہے اور وحدہ اشریک ہے ان نعمتوں کا سبب آسمانی کتابوں میں ذکر تھا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کے ذکر کو نازل فرمایا اور سب کو معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کتابوں کو نہیں پڑھا اور نہ کسی عالم کی صحبت اختیار کی اور پھر آپ نے وہ مضامین اور گزشتہ امتوں کی خبریں اور واقعات بیان کیے جو آسمانی کتابوں میں موجود ہیں اور غیب کی خبریں دیں اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ آپ کا خود ساختہ کلام نہیں ہے بلکہ اللہ کا کلام ہے جو اس نے آپ کے قلب پر نازل فرمایا ہے نیز اس بیان میں حشر و نشر پر بھی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اور آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور جب وہ ان سب کو ابتداء پیدا کرنے پر قادر ہے تو فنا کے بعد دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اہل علم اور اہل کتاب کو خطاب کیا اور ان سے فرمایا کہ وہ ان نعمتوں کو یاد کریں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کریں اور دلائل کے مطابق حق کی پیروی کریں اور ان کو چاہیے کہ وہ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید پر سب سے پہلے ایمان لائیں اور ان کے احکام پر عمل کریں اور آخرت کو نہ بھولیں۔

۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اے بنو اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی اور تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔ (البقرہ: ۴۰)

بنو اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان اور ان نعمتوں کے یاد دلانے کی وجہ

اسرائیل عبرانی زبان کا لفظ ہے اس کا معنی ہے اللہ کا برگزیدہ بندہ یا عبد اللہ یا امیر اور مجاہد اور یہ حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ کا لقب ہے۔ انسان پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

ذٰلِكَ نَعْنَدُ اَنْ نُّصِغَ لَكَ اللّٰهُ لَا تُخْصِصُوهَا (ابراہیم ۲۴)

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کر دو تو شمار نہ کر سکو گے۔

عام نعمتوں کے علاوہ جو نعمتیں بالخصوص اولاد اسرائیل کو عطا فرمائیں وہ یہ ہیں کہ ان کو آل فرعون سے نجات دی ان میں سے انبیاء بنائے ان پر امن و سلوکی نازل کیا ایک پتھر سے ان کے لیے بارہ جیشے رواں کر دیے اور ان کو تورات کا ایمان بنایا جس میں سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا بیان ہے اور آپ کی نبوت اور رسالت کا ذکر ہے۔ ہر چہ کہ یہ نعمتیں اس زمانہ کے یہود کے آباء و اجداد کو عطا کی گئی تھیں لیکن آباء و اجداد کو دی گئی نعمتیں ان کی اولاد کے حق میں بھی نعمتیں ہوتی ہیں کیونکہ ان نعمتوں سے ان کو عظمت اور فضیلت حاصل ہوتی ہے اور خصوصاً یہ نعمتیں ان کی بقاء کا سبب ہیں اگر فرعون بنو اسرائیل کی نسل کشی جاری رکھتا یا فرعون کے ساتھ بنو اسرائیل کو بھی سمندر میں غرق کر دیا جاتا تو آج دنیا میں یہودیوں کا وجود نہ ہوتا اور وہ اب کے صفی ہستی سے مٹ چکے ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ نعمتیں اس لیے یاد دلائی ہیں کہ وہ غور و فکر کریں اور جب کوئی شخص کسی کی بہ کثرت نعمتوں کو یاد کرتا ہے تو اس کو اس کی مخالفت سے حیا آتی ہے سو یہودیوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت سے باز آنا چاہیے اور تورات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جن صفات کا ذکر ہے ان کو چھپانا نہیں چاہیے اور تورات کی وساطت سے یہودیوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اس کو پورا کرنا چاہیے اور وہ عہد یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے احکام میں ایک حکم یہ بھی تھا کہ وہ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے تو اللہ بھی ان سے کیا ہوا عہد پورا کرے گا اور ان کو جنت میں داخل کر دے گا۔

بنو اسرائیل اور اللہ تعالیٰ کے مابین عہد کا بیان

اور یہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی کرم اور اس کا فضل ہے کہ اس نے برابر کا معاملہ کرنے کا فرمایا کہ تم مجھ سے کیا ہوا عہد پورا کرو میں تم سے کیا ہوا عہد پورا کروں گا ورنہ کہاں بندہ کہاں خدا بندہ اس کا حکم بجالائے تو اس کا کام ہی بندگی کرنا ہے اور اس اطاعت پر جو اس نے جنت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا وہ محض اس کا کرم اور فضل ہے کسی کا اس پر کوئی استحقاق نہیں ہے۔

یہودیوں کا اللہ سے عہد اور اللہ کا ان سے عہد یہ ہے کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے کا عہد پورا کریں تو اللہ تعالیٰ ان سے سخت اور مشکل احکام کا بوجھ اتارنے کا عہد پورا کرے گا اور ان کو جنت میں داخل کرے گا اور عام لوگوں سے عہد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں تو دنیا میں ان کی جان اور مال محفوظ رہے گا اور آخرت میں وہ دائمی عذاب سے محفوظ رہیں گے اور جو فرائض اور واجبات کو ادا کریں گے اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو مغفرت سے نوازے گا اور جو صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رہیں گے وہ ابتداءً جنت میں چلے جائیں گے اور جو بحرِ توبہ میں اس طرح مستغرق رہیں گے کہ وہ اپنی ذات سے بھی غافل ہو جائیں انہیں اللہ تعالیٰ کا دیدار اس کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہوگی اور اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ اس عہد کے معاملہ میں خاص مجھ سے ڈرنا کیونکہ عہد شکنی کی صورت میں اللہ کے قہر

اور غضب کا سامنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اس (قرآن) پر ایمان آؤ جو میں نے نازل کیا ہے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ (البقرہ ۲۱)

قرآن مجید کس چیز میں تورات کا مصدق ہے؟ ہر نبی کے زمانہ میں اس کی شریعت پر عمل۔۔۔۔۔ اور حضور کی رسالت کا عموم

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تورات میں یہودیوں نے جو تحریف کر دی ہے قرآن مجید ان تحریفات کا بھی مصدق ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اس کا مصدق ہے کہ تورات بھی ایک آسمانی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور تورات میں انبیاء سابقین کے صحیح واقعات علماء یہود سے لیے ہوئے ہوئے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عبادت کا حکم لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کا ارشاد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بے حیائی کے کاموں سے ممانعت ان امور میں قرآن مجید تورات کا مصدق ہے اور چونکہ ہر نبی کی شریعت الگ ہوتی ہے اور اس نبی کے زمانہ اور اس کے تقاضوں کے اعتبار سے احکام وضع کیے جاتے ہیں اس لیے قرآن مجید بعض جزوی احکام شرعیہ میں تورات کا مخالف ہے لیکن یہ مخالفت اصول دین میں نہیں ہے بلکہ فروعی احکام میں اس زمانہ کی خصوصیات کے لحاظ سے ہے مثلاً وضو نماز روزہ اور حلال اور حرام چیزوں کی تعداد اور کیفیات میں اختلاف ہے اور اگر قرآن اس زمانہ میں نازل ہوتا تو اس میں وہی تورات کے احکام ہوتے اور اگر تورات اب نازل ہوتی تو اس میں وہی قرآن مجید کے احکام ہوتے اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے امام احمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل کتاب سے کوئی مسئلہ معلوم نہ کرو کیونکہ وہ تم کو ہرگز ہدایت نہیں دیں گے وہ خود گمراہ ہو چکے ہیں (ان سے سوال کر کے) یا تو تم کسی باطل کی تصدیق کر دے یا حق کی تکذیب کر دے۔ بے شک اگر موسیٰ اس وقت زندہ ہوتے تو ان کے لیے میری اتباع کے سوا اور کچھ جائز نہ ہوتا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۸ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام ابو یعلیٰ نے بھی اس حدیث کو ان ہی الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ ج ۲ ص ۴۷۷۔ ۴۷۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ البیہقی لکھتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کو بعض اہل کتاب سے ایک کتاب ملی وہ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھا آپ غضب ناک ہوئے اور فرمایا: اے ابن الخطاب! کیا تم اس میں متحیر ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقت رت میں میری جان ہے! میں تمہارے پاس صاف صاف دین لایا ہوں تم ان سے جب بھی کسی چیز کے متعلق سوال کرو گے یہ تم کو سچی خبر دیں گے تو تم اس کی تکذیب کرو گے اور جھوٹی خبر دیں گے تو تم اس کی تصدیق کر دے گے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقت رت میں میری جان ہے! اگر موسیٰ تمہارے اس زمانہ میں زندہ ہوتے تو ان کے لیے میری پیروی کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اس حدیث کو امام احمد امام ابو یعلیٰ اور امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں مجالد بن سعید ایک ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۳ مطبوعہ دار الکتب العربیہ ۱۴۰۲ھ)

امام احمد اور امام ابو یوسف کی روایت کا متن وہ ہے جس کو ہم نے اس سے پہلے ان کے حواہی سے نقل کیا ہے اور دوسری روایت کا متن غالباً "مسند بزار" میں سے ابھی تک "مسند بزار" مکمل نہیں چھپی ہمارے پاس اس کی ابتدائی میں جلدیں ہیں ان میں یہ روایت نہیں ہے۔

اس حدیث کی ایک تقریر تو یہ ہے کہ ہر نبی کی شریعت اس کے زمانہ میں واجب العمل ہے حتیٰ کہ اگر متاخر نبی متقدم کے زمانہ میں مبعوث ہوتا یا متقدم نبی متاخر کے زمانہ میں مبعوث ہوتا تو اس کی عین وہی شریعت ہوتی علماء بیضاوی کی تفسیر اسی تقریر کے مطابق ہے اور اس حدیث کی دوسری تقریر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو شامل ہے اور یہ آپ کی خصوصیت ہے اس لیے انبیاء سابقین میں سے جو نبی بھی آپ کے زمانہ میں زندہ ہوتا تو اس کے لیے آپ کی اتباع کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوتا اور آپ کی رسالت کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی شریعت کے بغیر کوئی عمل جائز نہ ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی شریعت تمام شریعتوں سے اکمل ہے اور آپ کی رسالت کے عموم پر یہ آیت دلیل ہے

وَإِذَا أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ لَهَآءِ الْبَيْتِ قُلُوبُهُمْ لَنُكَلِّمَهُنَّ وَلَنُخَبِّرَنَّ عَنْهُمْ سُرُوسَهُمْ وَلَنُنْزِلَنَّ فِيهِمُ الْوَحْيَ وَالْأَمْرَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ ۚ إِنَّهُمْ فِتْنَةٌ لَّكَ وَلَئِنَّ يَوْمًا لَّكَ فَتْنَةٌ ۚ وَتُخَالَفُ شَوْأَ الْأَكْثَرِ الْأَعْمَى ۚ (آل عمران ۸۱)

اور (یاد کیجئے) جب اللہ نے (سب) نبیوں سے یہ عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں پھر تمہارے پاس عظیم رسول آجائیں جو اس کی تصدیق کرنے والے ہوں جو تمہارے پاس (کتاب اور حکمت) ہے تو ضرور ضرور تم اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا فرمایا کیا تم نے قرار کیا اور اس پر میرا بھاری عہد قبول کیا؟ سب نے کہا: ہم نے اقرار کیا فرمایا: پس گواہ رہنا اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں O

اگر یہ تمام نبی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتے تو ان سب پر لازم تھا کہ یہ آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی نصرت کرتے سو یہ تمام نبی حکما اور تقذیراً آپ کی امت ہیں اور ہم تحقیقاً آپ کی امت ہیں اور آپ کی رسالت سب کو عام ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر انبیاء علیہم السلام پر اپنی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا

وَأَرْسَلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كُلِّهِمْ حَتَّىٰ يَسْمَعُوا رِسَالَاتِي ۚ وَكَذَٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ ۚ إِنَّهُمْ فِتْنَةٌ لَّكَ وَلَئِنَّ يَوْمًا لَّكَ فَتْنَةٌ ۚ وَتُخَالَفُ شَوْأَ الْأَكْثَرِ الْأَعْمَى ۚ (آل عمران ۸۱)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہودیوں سے پہلے تو مشرکین قرآن مجید کا انکار کر چکے تھے تو یہود کس طرح اس کے سب سے پہلے منکر ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مراد یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے تم سب سے پہلے اس کے منکر نہ ہو دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں یہ تعریف ہے کہ چونکہ یہ کتاب تمہاری کتاب کی مصدق ہے تو تم کو سب سے پہلے اس پر ایمان لانا چاہیے تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور تھوڑی قیمت کے بدلہ میں میری آیتوں کو فروخت نہ کرو اور مجھ ہی سے ڈرو O (البقرہ ۴۱)

تعلیم قرآن پر اجرت لینے کی تحقیق

"شراء" کا لفظ لغت اضداد سے ہے اور یہ خریدنے اور فروخت کرنے دونوں معنوں میں آتا ہے اور یہاں اس سے مراد "استبدال" ہے کیونکہ یہودی علماء دنیاوی فوائد کی وجہ سے قرآن پر ایمان نہیں لاتے تھے اور انہوں نے دنیاوی فوائد کے

بدلہ میں قرآن پر ایمان نہ مانے کو اختیار کر لیا تھا اور ان کے یہ دنیاوی فوائد اگرچہ ان کے نزدیک بہت زیادہ تھے لیکن قرآن مجید پر ایمان مانے سے ان کو جو اخروی فوائد حاصل ہونے ان کے مقابلہ میں یہ بہت قلیل اور حقیر تھے یہ علماء اپنی قوم کے رئیس تھے اور ان کی قوم ان کو تحفے اور ہدیے پیش کرتی تھی اور ان کو یہ خوف تھا کہ اگر وہ قرآن پر ایمان لائے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی تو ان کو وہ نذرانے نہیں ملیں گے اس لیے انہوں نے ان ہدیوں اور نذرانوں کو آخرت پر ترجیح دی ایک قول یہ ہے کہ وہ رشوت لے کر حق چھپاتے تھے۔

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے تم کو جو اپنی کتاب اور آیات کا علم دیا ہے تم اس علم کو دنیا کے قلیل مال کے عوض فروخت نہ کرو کیونکہ وہ لوگوں سے تو رات میں حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ذکر کو پھپھتے تھے حالانکہ تو رات میں لکھ ہوا تھا کہ وہ نبی امی ہیں جن کا ذکر تو رات اور انجیل میں ہے اور وہ اپنے پیروکاروں پر اپنی ریاست اور ان سے نذرانے لینے کے لالچ میں اس کو چھپانے تھے حالانکہ اس کے عوض میں ان کو ساری دنیا بھی مل جاتی تو وہ قلیل تھی۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۰۱۔ ۲۰۰ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اس آیت سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز نہیں ہے لیکن واضح رہے کہ اس آیت میں اجرت لینے سے منع نہیں کیا بلکہ دنیاوی متاع کے بدلہ میں اللہ کی آیات کو چھپانے سے منع کیا ہے۔

علامہ قرطبی ماکلی لکھتے ہیں:

”صحیح بخاری“ میں ہے کہ جس چیز پر تمہیں سب سے زیادہ اجرت لینے کا حق ہے وہ اللہ کی کتاب ہے۔ اس حدیث میں قرآن مجید پر اجرت لینے کی صاف تصریح ہے اور اسی پر اعتماد کرنا چاہیے اور اس آیت کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے مخاطب بنو اسرائیل ہیں اور یہ ہم سے پہلے کی شریعت ہے اور یہ ہم پر حجت نہیں ہے۔

(جامع الاحکام القرآن ج ۱ ص ۲۳۶۔ ۲۳۵ مطبوعہ انتشارات ماسرفسر و ایران ۱۳۸۷ھ)

جب خصوصیت مورد اور عام الفاظ میں تعارض ہو تو اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے لیکن بعض اوقات قرآن کی وجہ سے خصوصیت مورد کا اعتبار کیا جاتا ہے اور یہاں دلیل کی وجہ سے خصوصیت مورد متعین ہے علامہ قرطبی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ہم سے پہلے کی شریعت ہے۔

ہمارے نزدیک تعلیم قرآن حج، امامت، اذان اور دیگر عبادات پر اجرت لینا جائز ہے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن چیزوں پر تم اجر لیتے ہو ان میں اجر کی سب سے زیادہ مقدار اللہ کی کتاب ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۰۳ ج ۲ ص ۸۵۳ مطبوعہ نور محمد ص ۱۳۸۵ لہجہ عراقی ۱۳۸۵ھ) یہ حدیث تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے باب میں نص صریح ہے بعض علماء نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ اس حدیث میں دم کرنے پر اجرت لینے کا جواز ہے اس سے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا جواز لازم نہیں آتا لیکن یہ تاویل اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس حدیث میں افعال عام ہیں اور خصوصیت مورد کے مقابلہ میں عموم الفاظ کو ترجیح دی جاتی ہے اور جن احادیث میں ممانعت ہے وہ سب سند اضعیف ہیں جو اس حدیث صحیح سے معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۳۵۳۔ ۳۵۴ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ ۱۴۰۱ھ)

اس مسئلہ پر دوسری دلیل یہ ہے کہ خلفاء راشدین پانچ وقت کی نمازیں اور جمعہ پڑھاتے تھے وعظ و نصیحت کرتے تھے

مقدّمات کے فیصلے کرنے تھے مسلمانوں کے اندرونی اور بیرونی مسائل کے حل کے لیے کوشاں رہتے تھے اور جہاد کا نظام کرتے اور ان تمام خدمات کے عوض ان کو بیت المال سے وظیفہ دیا جاتا تھا اور اختیار، امت کا یہ تعامل اس مسئلہ پر واضح دلیل ہے کہ تعلیم قرآن، امامت، خطابت اور دیگر عبادات پر اجرت لینا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ خلفہ راشدین کی سنت ہے امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے تو انہوں نے فرمایا میری قوم کو معلوم ہے کہ میرا کسب (تجارت) میرے اہل و عیال کی کفالت کے لیے ناکافی نہیں تھا اور اب میں مسلمانوں کے معاملات میں مشغول ہو گیا ہوں اب ابو بکر کے اہل و عیال بیت المال کے مال سے کھائیں گے اور ابو بکر مسلمانوں کے لیے کسب کرے گا (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۷۸ مطبوعہ نور محمد ریح المطابع، اپریل ۱۳۸۵ھ) علامہ بدرالدین عینی بھی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابن سعد نے ثقہ راویوں کی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا گیا تو وہ اپنے معمول کے مطابق سر پر کپڑوں کی گھڑی رکھ کر بازار میں تجارت کے لیے چلے گئے راستہ میں حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابوسعیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی انہوں نے کہا: یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ حالانکہ آپ مسلمانوں کے ولی مقرر ہو چکے ہیں؟ حضرت ابو بکر نے کہا: اگر میں تجارت نہ کروں تو پھر پئے عیال کو کہاں سے کھلاؤں گا؟ انہوں نے کہا ہم آپ کے لیے وظیفہ مقرر کرتے ہیں پھر انہوں نے ہر روز کے لیے نصف بکری مقرر کر دی۔

میسون سے روایت ہے کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نایفہ بنا دیا گیا تو مسلمانوں نے آپ کا دو ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا حضرت ابو بکر نے فرمایا میرے اہل و عیال کا خرچ زیادہ ہے مجھے اس سے زیادہ کی ضرورت ہے پھر مسلمانوں نے پانچ سو درہم کا اضافہ کر دیا۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۱۸۵ مطبوعہ دار الفکر، مصر ۱۳۲۸ھ)

نیز علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

”صحیح بخاری“ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی عامل کے اوپر کوئی اور عامل نہ ہو تو وہ اپنی ضرورت کے مطابق بیت المال سے وظیفہ لے سکتا ہے اور ہر وہ شخص جس کو مسلمانوں کے اعمال کی کوئی ذمہ داری سونپی جائے اس کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے کیونکہ اس کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات کے لیے رقم کی احتیاج ہوتی ہے کیونکہ اگر اس کو کوئی وظیفہ نہیں دیا جائے گا تو وہ بلا عوض مسلمانوں کے کسی کام پر تیار نہیں ہوگا اور اس سے مسلمانوں کے اجتماعی مفادات اور مصالح ضائع ہو جائیں گے اسی بنا پر اہل ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ قاضی کو وظیفہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور قاضی شریعہ رضی اللہ عنہ قضاء کا وظیفہ لیا کرتے تھے امام بخاری نے رزق الحکام کے باب میں اس کا ذکر کیا ہے پھر اگر قاضی ضرورت مند ہو تو بیت المال سے اس کی کفالت واجب ہے اور اگر اس کے پاس اتنی دولت ہو کہ وہ وظیفہ سے مستغنی ہو تو پھر اس کا بیت المال سے وظیفہ نہ لینا افضل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ پھر بھی اس کا وظیفہ لینا زیادہ صحیح ہے تاکہ وہ قضاء کے معاملہ اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں سستی نہ کرے کیونکہ جب وہ اپنے کام کا کوئی وظیفہ نہیں لے گا تو قضاء کی ذمہ داریوں کو توجہ اور باقاعدگی سے پورا نہیں کرے گا۔ (عمدة القاری ج ۲ ص ۱۸۹ مطبوعہ دار الفکر، مصر ۱۳۲۸ھ)

علامہ عینی نے قاضی کو وظیفہ دینے کی جو وجوہات بیان کی ہیں وہ تمام وجوہات تعلیم قرآن، امامت اور اذان وغیرہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔

علامہ آدی حنفی "ولا تشتروا بایاتی ثمنا قلیلا" کی تفسیر میں لکھتے ہیں

بعض اہل علم نے اس آیت سے قرآن مجید اور دیگر علوم کی تعلیم کی اجرت کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے اور اس مسئلہ میں بعض احادیث بھی مروی ہیں جو صحیح نہیں ہیں حالانکہ حدیث میں یہ ہے کہ صحابہ نے عرض کیا کیا ہم تعلیم قرآن پر اجرت لیں؟ آپ نے فرمایا جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں سب سے بہتر کتاب اللہ ہے اور اس کے جواز کے سلسلہ میں علماء کے بکثرت اقوال منقول ہیں اگرچہ بعض علماء نے اس کو مکروہ بھی کہا ہے اور اس آیت میں اس کی کراہت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۶۵۵ مطبوعہ دارالتراتیث امرتسریہ دہلی)

اگر یہ کہا جائے کہ عالم دین پر دینی علوم کی تعلیم دینا اور فرائض کی جماعت کرانا فرض ہے اور فرض کا اجر اللہ کے ذمہ ہے (اس کے وعدہ کی بنا پر جو اس نے محض اپنے فضل سے کیا ہے) بندوں کے ذمہ نہیں ہے تو میں کہوں گا کہ یہ صحیح اور برحق ہے لیکن عالم دین پر یہ کب ضروری ہے کہ وہ مثلاً جامعہ نعیمیہ میں جا کر تعلیم دے اور وہاں نماز پڑھائے اور اس پر یہ کب ضروری ہے کہ وہ آٹھ سے بارہ بجے تک چار گھنٹے پڑھائے اسی طرح اس پر مثلاً ظہر کی نماز پڑھانا ضروری ہے یہ کب ضروری ہے کہ وہ ڈیڑھ بجے ظہر کی نماز پڑھائے نیز یہ کب ضروری ہے کہ مدرسہ کے معین کردہ نصاب کے عین مطابق پڑھائے پھر اس پر یہ کب ضروری ہے کہ وہ فلاں فلاں طالب علم کو پڑھائے اور فلاں فلاں لوگوں کو نماز پڑھائے؟

اس لیے جب کوئی ادارہ کسی عالم دین کو مخصوص مدرسہ کے مخصوص نصاب کے مطابق مخصوص طلبہ کو تعلیم دینے کا پابند کرے گا یا مخصوص مسجد کے مخصوص اوقات میں مخصوص لوگوں کو نماز پڑھانے یا اذان دینے کا پابند کرے گا تو وہ معاوضہ ان خصوصیات اور تفہیدات کے مقابلہ میں ہوگا نفس عبادات کا معاوضہ نہیں ہوگا اور نہ کسی عالم کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ وہ ان عبادات کا معاوضہ لے رہا ہے عالم کو جس جگہ جس وقت اور جن لوگوں کا پابند کیا جاتا ہے وہی جگہ اس وقت اور ان لوگوں کی پابندی کرنے کا معاوضہ لینا ہے۔

اسی طرح یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان دینی فرائض کو ادا کرنے میں عالم دین جو وقت صرف کرتا ہے وہ معاوضہ اس وقت کا ہوتا ہے ان عبادات کا معاوضہ نہیں ہوتا یا ان ذمہ دار یوں کو ادا کرنے میں اس کی جو توانائی خرچ ہوتی ہے یہ معاوضہ اس توانائی کا ہے ان عبادات کا معاوضہ نہیں ہے یا جس طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں اس وقت کوئی اور ذریعہ معاش اختیار کرتا تو وہ میری ضروریات کا کفیل ہوتا اب مسلمانوں کے ان امور کی انجام دہی کی وجہ سے وہ اس کار معاش کو اختیار نہیں کر سکا لہذا اس کے بدلہ میں اس کی ضروریات کا خرچ قوم یا کسی قوی ادارہ پر واجب ہوگا۔

امام مالک اور امام شافعی نے اور ایک قول میں امام احمد نے عبادات پر معاوضہ لینے کو جائز کہا ہے۔ ہر چند کہ متقدمین فقہاء احناف نے اسلامی فرائض کی بجا آوری پر اجرت لینے سے منع کیا تھا لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت علماء کے لیے بیت المال سے وظائف مقرر کیے جاتے تھے لیکن اب جبکہ امراء اور سلاطین نے سماء کی کفالت ترک کر دی ہے تو اب علماء کا اپنے فرائض منصبی پر اجرت لینا جائز ہے اور متاخرین فقہاء احناف نے بھی اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

امام خیراز نے کہا ہے کہ ہرے زمانہ میں امام مؤذن اور معلم کا اجرت لینا جائز ہے اسی طرح "روضہ" اور "ذخیرہ" میں ہے۔ (مناہج شرح ہدایہ ج ۳ ص ۶۵۵ مطبوعہ ملک سز لیل آباد)

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں:

ہمارے بعض مشائخ نے اس زمانہ میں تعلیم قرآن کی اجرت دینے کو سن قرار دیا ہے کیونکہ امور دینیہ میں لوگوں پر سستی غالب ہو گئی ہے اور اجرت نہ دینے میں حفظ قرآن کے ضائع ہونے کا خدشہ ہے فتویٰ وی قوں پر ہے۔

(ہدایہ آخرین ص ۳۰۳ مطبوعہ مکتبہ دارالایمان)

علامہ باری اس کی شرح میں لکھتے ہیں

اس زمانہ میں تعلیم قرآن پر جرت دینا جائز ہے اور فقہاء نے اسکے لیے مدت اور اجرت کے مقرر کرنے کو بھی جائز کہا ہے اور کثرت مقرر نہ کی گئی ہو تو اجرت مثلی دینے کے وجوب کا فتویٰ دیا ہے۔

فتہاء نے کہا ہے کہ متقدمین نے تعلیم قرآن مجید کی اجرت دینے سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ پہلے معلمین کے لیے بہت المال سے وظائف مقرر تھے اس لیے معلمین اپنی ضروریات اور معاش میں مستثنیٰ تھے نیز اس زمانہ میں محض ذواب کے لیے قرآن مجید کی تعلیم دینے کا بھی رجحان تھا اور اب یہ بات باقی نہیں رہی امام ابو عبد اللہ اخیر اخروی نے کہا کہ اس زمانہ میں امامان و ائمان اور معلم کے لیے بھی اجرت لینا جائز ہے۔ (عیالہ ملی ہاشم الخلدیران ص ۸۰ مطبوعہ مکتبہ دینیہ رضویہ ستر)

علامہ علاؤ الدین اصفہانی لکھتے ہیں:

اس زمانہ میں اجرت پر قرآن مجید کی تعلیم دینے فقہ پڑھانے امامت کرنے اور اذان دینے کے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے اور اجرت پر تعلیم دلوانے والے کو مقررہ اجرت دینے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر پہلے اجرت ملنے کی گئی ہو تو اس کو اجرت مثلی دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ (اربعین علی ہاشم الخلدیران ص ۵۳ مطبوعہ مکتبہ دینیہ رضویہ ستر)

علامہ زین الدین ابن نجیم لکھتے ہیں:

علامہ ابن اثنین نے کہا ہے کہ فقہاء مدارس سے جو وظیفہ پیتے ہیں وہ اجرت نہیں ہے کیونکہ اس میں جاریہ کی شرائط نہیں پائی جاتیں اور نہ یہ صدقہ ہے کیونکہ غنی بھی یہ وظیفہ لیتے ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء درس کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیتے ہیں اس لیے یہ ان کی اعانت ہے حتیٰ کہ اگر وہ کسی کام یا مشغولیت کی وجہ سے درس میں نہ آ سکیں پھر بھی ان کا وظیفہ لینا جائز ہے۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۹ مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر ۱۳۱۱ھ)

اب ایک نقطہ بحث طلب رہ گیا ہے کہ اگر علماء ان عبادات پر اجرت میں تو کیا ان کو آخرت میں اجر ملے گا یا نہیں میرا یہ گمان ہے کہ اگر علماء اس معاوضہ کو اپنی عبادات کا معاوضہ سمجھ کر پیتے ہیں تو پھر وہ اجر اخروی کے مستحق نہیں ہیں اور اگر وہ سمجھتے ہیں کہ وہ عبادات تو محض للہ فی اللہ ہیں وہ محض پابندی اوقات کا معاوضہ پیتے ہیں تو پھر ان کو اجر اخروی کی امید رکھنی چاہیے۔

اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث اور جانہین کے دلائل پر تبصرہ ہم نے "شرح صحیح مسلم" کی ساتویں جلد میں کیا ہے۔

قرآن خوانی کے نذرانوں کے جواز کا بیان

بعض علماء نے یہ بات کہ میت کو ثواب پہنچانے کے لیے جو قرآن خوانی کی جاتی ہے اس میں پڑھنے والے چونکہ پیسوں کے عوض قرآن مجید پڑھتے ہیں اس لیے ان کو اس پڑھنے کا اجر نہیں ملتا اور جب ان کو خود اجر نہیں ملتا تو یہ میت کو کس چیز کا اجر پہنچائیں گے اور تعلیم قرآن کی اجرت کے لیے جو نذرانے دیات کی جاتی ہیں کہ یہ ضرورت کی وجہ سے ہیں اور قرآن خوانی میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ممانعت بعض احادیث کی وجہ سے بیان کی جاتی ہے "شرح صحیح مسلم" جلد سابع کے آخر میں میں نے تفصیل کے ساتھ ان احادیث کا ضعف اور محمل بیان کیا ہے اور جواز ہے "صحیح بخاری" کی وہ حدیث کافی سے جس میں یہ

ذکر ہے کہ کتاب نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے کی اجرت لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بہ فرمایا کہ جس پرزوں پر ہم اجرت دیتے ہوں ان میں اجرت کی سب سے زیادہ حق کتاب اللہ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۴)

ثانیاً ہمارے عرف میں قرآن خوانی سے پہلے اجرت ملے نہیں کی جاتی پڑھنے والے بغیر کی مطالبے قرآن مجید پڑھتے ہیں اور پڑھوانے والے حسب توفیق کچھ خدمت کر دیتے ہیں اور اگر وہ کچھ نہ دیں تو کوئی ان سے مطالبہ نہیں کرتا اور یہ کہنا کہ پڑھنے والے پیسوں کی نیت سے پڑھتے ہیں باوجود دوسروں کے حق میں بدگمانی کرنا ہے نیت کا حال اللہ سے ہوا اور کسی کو معلوم نہیں تاہم اگر یہ اصرار کیا جائے کہ نہیں وہ پیسوں ہی کی وجہ سے پڑھتے ہیں تو جن تاویلات کی وجہ سے ہم فرس امامت اذان خطابت اور تدریس کا معاوضہ جائز ہے وہی تاویلات یہاں بھی جاری ہو جائیں گی اور ضرورت کا فرق اس وقت مفید نہ آتا جب احادیث صحیحہ سے اس کی ممانعت ہوتی اس کے برخلاف بخاری کی حدیث صحیحہ سے اس کا جواز ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور دیدہ دانستہ حق کو نہ چھپاؤ (البقرہ ۲۶)

یہود کی تلبیس اور کتمان حق کا بیان

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں

"التبیس" کا معنی ہے اختلاط یعنی حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہیں اور یہ حق تھا اور وہ اس حق کے ساتھ اپنی اس باطل تاویل کو ملاتے تھے کہ آپ ان کی طرف مبعوث نہیں ہیں بلکہ ان کے غیر کی طرف مبعوث ہیں اور یہ باطل ہے کیونکہ آپ تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں نحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کا معنی ہے سچ کو جھوٹ کے ساتھ نہ ملاؤ۔

ابن زید نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ حق سے مراد تو رات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا اور باطل سے مراد وہ تحریفات ہیں جن کو وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے تھے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۰۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے حق کو چھپانے کی تفسیر میں فرمایا یہود حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو چھپاتے تھے حالانکہ ان کو یہ علم تھا کہ آپ اللہ کے برحق نبی ہیں اور آپ وہی نبی ہیں جن کے مبعوث ہونے کا ذکر تو رات میں کیا گیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۳۳ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ عالم پر حق کا اظہار کرنا واجب ہے اور حق کو چھپنا حرام ہے سورہ بقرہ ۱۵۹ میں حق کو چھپنے پر لعنت کی گئی ہے۔ امام ابو داؤد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص سے کسی چیز کے علم کے متعلق سوال کیا گیا اور اس نے اس کو چھپایا قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۹ مطبوعہ مطبعہ حبیبی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ (البقرہ ۴۳)

زکوٰۃ کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کے وجوب کی شرائط کا بیان

سورہ بقرہ ۳ میں نماز کا معنی نماز قائم کرنے کی تفسیر اور نماز کی تاکید اور اس کے فوائد کے متعلق تفصیل سے لکھا گیا ہے زکوٰۃ کا لغت میں معنی ہے کسی چیز کا بڑھنا اور پاکیزہ ہونا اور اس کا شرعی معنی یہ ہے

نصاب کے مطابق جس مال پر ایک سال گزر گیا ہو اس مال میں سے چالیسویں حصہ کا کسی غیر ہاشمی فقیر کو اللہ کی رضا کے

لیے مانگ بنا دینا۔ (در تاملی سائنس راجنہ ۲ ص ۲۰۲) اور دارالاحیاء والاثاث العربیہ (ت)

زکوٰۃ مسلمان عاقل بالغ اور آزاد شخص پر فرض ہوتی ہے اور اس کی فرضیت کا سبب اس مال ہے جو نصاب کے مطابق ہو اور اس پر ایک سال گزر گیا ہو اور اس مال پر کسی مخلوق کا قرض نہ ہو اگر اس مال پر اللہ کا حق ہو مثلاً اس کے چھپی زکوٰۃ مؤذریا کفارہ کی ادائیگی ہو یا حج ہو تو وہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مانع نہیں ہے البتہ وہ مال اس کی حاجات اصلیہ سے زاد ہو حاجات اصلیہ میں اس کے اور اس کے بیوی اور بچوں پر اس کے بوزھے مال پر پے نہ کھائے چیتے علاقہ کپڑاں اور رہائش کے اخراجات شامل ہیں اور ای طرح جو اس نے کسی کا قرضہ ادا کرنا ہے وہ بھی اس میں شامل ہے اس چیزوں سے اخراجات منہا کرنے کے بعد جو رقم اس کے پاس بچے اور نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے لقبہ۔ سلام کا اس پر اتفاق ہے کہ چاندی کا نصاب دو سو درہم یا پانچ اوقیہ چاندی ہے جو ساڑھے ہاون تو لے یا ۳۶۰، ۶۱۲ گرام کے برابر ہے اور سونے کا نصاب چالیس دینار یا بیس مثقال ہوتا ہے جو ساڑھے سات تو لے یا ۲۸، ۸۷ گرام کے برابر ہے۔ کڑی نووں اور مال تجارت کو چاندی کے نصاب کے تابع کیا جائے گا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو O (البقرہ ۴۳)

باجماعت نماز پڑھنے کے فوائد

اس کا معنی ہے نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو رکوع نماز کا ایک جز ہے اور یہاں جز کا کل پر اطلاق کیا گیا ہے اور خصوصیت سے رکوع کا ذکر اس لیے فرمایا کہ یہودیوں کی نماز میں رکوع نہیں ہے اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو اس کا مطلب ہے جماعت کے ساتھ نماز پڑھو اور یہ اس لیے فرمایا ہے کہ یہودی الگ الگ نماز پڑھتے تھے تو ان کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا تاکہ ان کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے فوائد حاصل ہوں۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے حسب ذیل فوائد ہیں:

- (۱) تنہا نماز پڑھنے کی بہ نسبت جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ زیادہ ثواب ہوتا ہے۔
- (۲) ہو سکتا ہے تنہا نماز پڑھنے والے کی نماز قبول نہ ہو اور جماعت میں کوئی ایسا مقبول بارگاہ ہو جس کی وجہ سے سب کی نماز قبول ہو جائے۔
- (۳) بعض لوگ قراءت صحیح نہیں کرتے یا طہانیت اور اعتدال سے رکوع اور سجود نہیں کرتے تنہا نماز پڑھیں گے تو ان کی نماز ناقص یا باطل ہوگی اور جماعت کے ساتھ نماز صحیح داہو جائے گی۔
- (۴) جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے کسی شخص پر بے نمازی ہونے کی تہمت نہیں لگائی جائے گی اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ کون شخص اللہ کا فرمانبردار ہے اور کون شخص نافرمان ہے۔
- (۵) اس سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں تقویت ملے گی وہ ایک دوسرے کے دکھ درد صحت اور بیماری خوشی اور غمی اور خوشحالی اور افلاس پر مطلع ہو سکیں گے اور ایک دوسرے کے کام آنے کے مواقع میسر آئیں گے۔

جماعت کے شرعی حکم میں مذاہب فقہاء

جو علماء جماعت کے وجوب کے قائل ہیں وہ اس آیت میں امر کو وجوب پر محمول کرتے ہیں اور جو وجوب کے قائل نہیں ہیں وہ اس امر کو استحباب پر محمول کرتے ہیں۔

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں

داؤد ظاہری، عطاء، ابو ثور، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے نزدیک جماعت سے ساتھ نماز پڑھنا فرض عین ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے، "غایت" میں مذکور ہے کہ ہمارے عام مشائخ کے نزدیک جماعت واجب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سنت موکدہ ہے جو واجب کے قریب ہے۔ (شیخ القدیری ص ۳۰۰)

علامہ محمد بن علی بن محمد حاکمی لکھتے ہیں:

مردوں کے حق میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا سنت موکدہ ہے زہد کی نے کہا کہ تا کہہ سے مراد وہ جو بے طر جمعہ اور عید میں جماعت شرط ہے اور تراویح میں جماعت سنت کفایہ ہے اور رمضان کے وتر میں جماعت مستحب ہے اور غنہ رمضان اور نفل میں یہ طور مذاہن کے جماعت مکروہ تنزیہی ہے (بہ شرطیکہ دائم ہو) محلہ کی مسجد میں اذان اور اقامت کے ساتھ جماعت کا تکرار کرنا مکروہ ہے (اذان اور اقامت کے بغیر بیعت تبدیل کر کے تکرار جماعت جائز ہے) راہ کی مسجد میں یا جس مسجد میں کوئی امام معین نہ ہو اور نہ مؤذن ہو وہاں جماعت کا تکرار مکروہ نہیں ہے۔ (درمناہ علی حاشیہ رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

جمعہ میں جماعت فرض عین ہے اور باقی فرائض میں جماعت کے بارے میں اختلاف ہے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ فرض کفایہ ہے دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سنت ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ فرض عین ہے۔

(روضة الطالبین ج ۱ ص ۳۳۳ مطبوعہ کتاب المائتہ ج ۱ ص ۱۳۰۵ھ)

علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں:

مردوں پر پانچ وقتوں کی نماز کے لیے جماعت واجب ہے شیخ تقی الدین وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے۔

(الاصناف ج ۲ ص ۲۱۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ خرشی مالکی لکھتے ہیں:

فرض نمازوں کے لیے یا قضا نمازوں کے لیے جماعت سنت موکدہ ہے اور جمعہ کے سوا کسی نماز میں جماعت واجب نہیں ہے۔ (الخرشی علی مختصر خلیل ج ۲ ص ۷۱ مطبوعہ دار صادر بیروت)

رکوع کا معنی نماز میں رکوع کرنا بھی ہے اور خضوع اور خشوع بھی ہے اس لیے یہ لفظ جماعت کے لیے قطعی الدالہ نہیں ہے اور اس سے جماعت کی فرضیت پر استدلال کرنا ضعیف ہے۔ حسب ذیل احادیث سے جماعت کے سنت موکدہ ہونے پر استدلال کیا گیا ہے:

امام مسلم روایت کرتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی شخص مسجد میں لے جانے والا نہیں ہے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی آپ نے اس کو اجازت دے دی جب وہ چلا گیا تو آپ نے پھر اس کو بلایا اور فرمایا تم اذان کی آواز سنئے ہو؟ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا تو پھر نماز کے لیے جاؤ۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳۲ مطبوعہ دار محمد السیاح الطابع لراچی ۱۴۰۷ھ)

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کو ان کے نابینا ہونے کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی تھی اس لیے اس حدیث میں امر استحب پانچوں ہے اور اس کا وجوب منسوخ ہے یعنی جماعت کی نسبت حاصل کر کے لیے مسجد میں جاؤ ہر چند کہ یہ تم پر واجب نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہماری رائے یہ تھی کہ نماز کی جماعت صرف وہ شخص چھوڑتا ہے جو ایسا منافق ہو جس کا خفاق معلوم ہو یا وہ بہت بیمار ہو یا بہ شک ایک بیمار آدمی دو آدمیوں کے درمیان ہمارے سے چل کر نماز پڑھے کے لیے جاتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سنن الہدیٰ کی تعلیم دی اور سنن الہدیٰ میں سے یہ ہے کہ جس مسجد میں اذان دی گئی ہو اس میں نماز پڑھی جائے (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، راپڑ ۱۳۷۵ھ)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس آدمی کو اس سے خوشی ہو کہ کل وہ اللہ سے حالت اسلام میں ملاقات کرے اسے چاہیے کہ جب ان نمازوں کی اذان دی جائے تو وہ ان کی حفاظت کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کے لیے سنن الہدیٰ کو شروع کیا ہے اور ان کو جماعت سے پڑھنا سنن الہدیٰ میں سے ہے اور اگر تم نے گھروں میں نماز پڑھی جیسا کہ فلاں تارک جماعت اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے تو تم اپنے نبی کی سنت کو ترک کر دو گے اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت کو ترک کیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، راپڑ ۱۳۷۵ھ)۔

ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنا سنت موکدہ ہے اور اس کو فرض عین یا فرض کفایہ کہا ضعیف قول ہے۔ عورتوں کا مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اگر چہ فی نفسہ جائز ہے مگر ان کا گھروں میں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے "شرح صحیح مسلم" کی پانچویں جلد میں اس کی بحث ہے۔ نماز عبادات بدنیہ میں سب سے افضل ہے اور زکوٰۃ عبادات مالیہ میں سب سے افضل ہے اس لیے ان دونوں کو ساتھ ذکر کیا ہے امام رازی نے کہا ہے کہ یہود زکوٰۃ نہیں دیتے تھے اس لیے زکوٰۃ کا ذکر کیا اور وہ جماعت سے نماز نہیں پڑھتے تھے اس لیے جماعت نماز پڑھنے کا ذکر کیا۔

امام شافعی وغیرہ جو اس کے قائل ہیں کہ کفار فردوع کے مخاطب ہوتے ہیں وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ یہود کافر تھے اور ان کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے اور جو اس کے قائل نہیں ہیں وہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یا یہ حکم مسلمانوں کو ہے۔

ہم نے جماعت کے سنت موکدہ ہونے کے متعلق تفصیل سے گفتگو کی ہے ہمارے زمانہ میں نوافل کی جماعت عورتوں کی عورتوں کے لیے امامت اور سمجھ دار نابالغ لڑکے کی ترویج میں امامت کے متعلق کافی بحث کی جاتی ہے اس لیے ہم یہاں اس مسئلہ کی تحقیق کر رہے ہیں۔ فنقول وبالله التوفیق۔

نوافل کی جماعت کی تحقیق

فقہاء احناف کے نزدیک چار سے کم افراد کی جماعت کرنا مطلقاً جائز ہے اور اگر چار سے زیادہ افراد ہوں اور وہ امام کے ساتھ نوافل کی جماعت کی جائے تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر کبھی کبھی نوافل کی جماعت کی جائے تو پھر مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

"مختصر قدوری" میں یہ لکھا ہے کہ نوافل کی جماعت جائز نہیں ہے اس سے مراد جواز کی نفی نہیں ہے بلکہ فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے کیونکہ "خصصۃ الفتاویٰ" میں "قدوری" سے نقل کیا ہے کہ نوافل کی جماعت مکروہ نہیں ہے اور اس کی تائید "حلیہ" میں مذکور ہے کہ امام طحطاوی نے منصور بن عمر سے روایت کیا ہے کہ ہم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو رات میں دفن کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے وتر نہیں پڑھے پھر وہ کھڑے ہو گئے اور ہم نے ان کے پیچھے صف باندھی حضرت عمر نے ہم کو تین رکعت وتر کی نماز پڑھائی اور صرف آخر میں سلام پھیرا پھر صاحب "الحلیہ" نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ نوافل کی جماعت غیر مستحب ہے اگر یہ جماعت کبھی کبھی ہو جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

وتر کی جماعت کرائی تھی تو یہ مباح غیر مکروہ ہے اور اگر داما ہو تو پھر یہ بدعت مکروہ ہے۔ یونکہ یہ منقول کے خلاف ہے اور مختصر قدوری میں جو اس کو ناجائز یعنی مکروہ لکھا ہے وہ امام پر محمول ہے اور دیگر کتابوں میں جو اس کے خلاف لکھا ہے وہ اس صورت پر محمول ہے۔ جب نوافل کی جماعت حدیثاً (کبھی کبھی) ہو عداہ سنائی فرماتے ہیں میں کہتا ہوں صاحب "الحلیہ" کی تابعدار سے ہوتی ہے کہ "البدائع" میں مذکور ہے کہ تراویح کے سوا نوافل کی جماعت سنت نہیں ہے (بدائع النکاح ص ۲۹۸) یونکہ سنت کی بھی کراہت کو مستلزم نہیں ہے ہاں اگر عداہ نوافل کی جماعت لی جائے تو پھر یہ مکروہ ہے اور علامہ خیر الدین رٹلی نے "البحر الرائق" کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ کراہت کی صحت دوام ہے اور "نہایہ" میں مذکور ہے کہ وتر من بعد نفل ہیں یونکہ وتر کی ہر رکعت میں قراءت واجب ہے اور وتر بغیر اذان اور اقامت کے ادا کیے جاتے ہیں اور نفل جماعت کے ساتھ غیر مستحب ہیں کیونکہ رمضان کے عداہ صحابہ نے وتر جماعت کے ساتھ نہیں پڑھے اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ نوافل کی جماعت مکروہ تنزیہی ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۶ "مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ بخاری لکھتے ہیں۔

اگر امام کے سوا تین نمازی ہوں تو نوافل کی جماعت بالاتفاق مکروہ نہیں ہے اور چار میں مشائخ کا اختلاف ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ بھی مکروہ نہیں ہے۔ (فتاویٰ فتاویٰ ج ۱ ص ۵۳ "مطبوعہ مکتبہ زیدیہ کو۔") امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں

امام کے سوا تین آدمیوں تک تو اجازت ہی ہے چار کی نسبت کتب حنفیہ میں کراہت لکھتے ہیں یعنی کراہت تنزیہیہ جس کا حاصل خلاف اولیٰ ہے نہ کہ گناہ و حرام جیسا کہ ہم نے اپنے فتاویٰ میں بیان کیا ہے۔ (فتاویٰ مسیونہ ص ۲۸۵۔ ۲۸۰) مگر مسئلہ مختلف فیہ ہے اور بہت اکابرین سے جماعت نوافل بالاتفاق ثابت ہے اور عوام نفل خیر سے منع نہ کیے جائیں گے علما امت و حکماء ملت نے ایسی ممانعت سے منع فرمایا ہے۔ (امام احمد رضا قادری فتاویٰ ۱۳۲۰ھ فتاویٰ مسیونہ ص ۵۰۰ "مطبوعہ دار احیاء التراث العربی") علامہ نور اللہ بصیر پوری نے لکھا ہے کہ کبھی کبھی نوافل کی جماعت کرنا مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے

(فتاویٰ نور یہ ج ۱ ص ۲۷۲ "مطبوعہ دار احیاء التراث العربی ۱۹۸۳ء)

خواتین کی امامت کی تحقیق

جماعت کے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ عورتوں کی جماعت ہے امام شافعی کے نزدیک عورت کا عورتوں کو نماز پڑھانا اور ان کا باجماعت نماز پڑھانا جائز ہے امام احمد کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ عورتوں کی جماعت مستحب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ غیر مستحب ہے امام مالک کے نزدیک عورتوں کا عورت کی اقتداء میں نماز پڑھنا ناجائز ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت کا عورتوں کے لیے امام ہونا مکروہ تحریمی ہے ہر چند کہ امام احمد و امام شافعی کے نزدیک عورت کا عورتوں کے لیے امام ہونا جائز ہے لیکن انہوں نے یہ تصریح کی ہے کہ عورتوں کا مردوں کے لیے امام ہونا ناجائز ہے اور مردوں کے لیے عورت کی امامت کے باطل ہونے پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے عورت کی امامت کے جواز کے سلسلہ میں جو احادیث ہیں پہلے ہم ان کا ذکر کریں گے پھر فقہاء کے مذہب کو بیان کریں گے۔ فقہول و باللہ التوفیق

خواتین کی امامت کے متعلق احادیث

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمان بن خالد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ورقہ سے ملنے ان کے گھر جاتے تھے آپ

نے ان کے لیے ایک سوزن سفر کیا تھا جو ان کے لیے اذان دینا تھا اور آپ نے حضرت ام ورقہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھا میں۔ عبدالرحمن کہتے ہیں میں نے ان کے سوزن کو دیکھا وہ ایک بوزھا شخص تھا۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۸۸-۸۷ مطبوعہ مطبعہ تہذیبی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں

ولید بن جمح بیان کرتے ہیں کہ میری دادی نے حضرت ام ورقہ بنت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام ورقہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کے لیے جاتے تھے اور آپ نے ان کا نام شہیدہ رکھا تھا حضرت ام ورقہ نے قرآن حفظ کیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ بدر کے لیے گئے تو حضرت ام ورقہ سے عرض کیا مجھے بھی اپنے ساتھ جانے کی اجازت دیں میں زخمیوں کی دوا دارو کروں گی اور مریضوں کی دیکھ بھال کروں گی شہید اللہ تعالیٰ میرے لیے بھی شہادت مقدر کر دے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے شہادت مقدر کر دی ہے اور آپ نے ان کا نام شہیدہ رکھ دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھائیں انہوں نے اپنی ایک باندی اور ایک غلام کو مدبر کر دیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان دونوں نے حضرت ام ورقہ کو قتل کر دیا وہ دونوں قتل کرنے بھاگ گئے اور پکڑے گئے اور ان کو پھانسی دی گئی اور یہ پہلے لوگ تھے جن کو مدینہ میں پھانسی دی گئی اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ چلو ہم شہیدہ کی زیارت کریں۔

(سنن کبریٰ ج ۳ ص ۱۳۰ مطبوعہ نشر الملتان)

امام حاکم روایت کرتے ہیں

حضرت ام ورقہ انصار یہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے چلو شہیدہ کے پاس جائیں اور ہم ان کی زیارت کریں اور آپ نے یہ حکم دیا تھا کہ ان کے لیے اذان دی جائے اور اقامت پئی جائے اور وہ آپ گھر والوں کو فرض نمازیں پڑھائیں مسلم بن ولید بن جمح نے اس سے استدلال کیا ہے میں اس مسئلہ میں اس حدیث کے ساتھ اور کسی حدیث متصل کو نہیں جانتا اور ہم نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وہ اذان دیتی تھیں اقامت کہتی تھیں اور عورتوں کو نماز پڑھاتی تھیں۔ (المستدرک ج ۱ ص ۲۰۳ مطبوعہ مکتبہ دارالابازہ مکہ مکرمہ)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں

رابطہ حنفیہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرض نمازوں میں عورتوں کی امامت کی اور ان کے وسط میں کھڑی ہوئیں۔ (سنن کبریٰ ج ۳ ص ۱۳۱ مطبوعہ نشر الملتان)

عطاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اذان دیتی تھیں اقامت کہتی تھیں اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور ان کے وسط میں کھڑی ہوتی تھیں۔ (سنن کبریٰ ج ۳ ص ۱۳۱ مطبوعہ نشر الملتان)

جمیرہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی امامت کی اور ان کے وسط میں کھڑی ہوئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عورت عورتوں کی امامت کرے اور ان کے وسط میں کھڑی ہو۔

(سنن کبریٰ ج ۳ ص ۱۳۱ مطبوعہ نشر الملتان)

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں امامت کرتی تھیں اور آپ نے

ان کو اجازت دی تھی کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھائیں۔ (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۴۴۳ مطبوعہ نثرانیہ ملتان)

رائٹ حنفیہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرض نماز میں ہماری امام ہوئیں اور ہمارے درمیان بھڑکی ہوئیں۔ (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۴۴۳ مطبوعہ نثرانیہ ملتان)

حجرہ بنت حصین بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی اور ہمارے درمیان بھڑکی ہوئیں۔ (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۴۴۳ مطبوعہ نثرانیہ ملتان)

خواتین کی امامت کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

آیا عورت کا عورتوں کو نماز پڑھانا مستحب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ مستحب ہے حضرت عائشہ حضرت ام سلمہ عطاء ثوری اور زائی امام شافعی اسحاق اور ابو ثور سے روایت ہے کہ عورت عورتوں کی امامت کرائے اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ غیر مستحب ہے اسحاب رائے (فقہاء احناف) نے اس کو مکروہ کہا ہے لیکن اگر وہ پڑھیں گی تو نماز ہو جائے گی۔ شعبی نخعی اور قدامہ نے کہا ہے کہ نوافل میں عورتوں کا امامت کرنا جائز ہے فرائض میں جائز نہیں ہے حسن بصری اور سلیمان بن یسار نے کہا ہے کہ عورت فرض میں امامت کرائے نہ نفل میں امام مالک نے کہا ہے کہ عورت کسی شخص کی کسی نماز میں امامت نہ کرے کیونکہ عورت کا اذان دینا مکروہ ہے اور اذان کی تعریف ہے جماعت کی دعوت دینا اور جب اس کے لیے جماعت کی دعوت دینا مکروہ ہے تو جماعت کرنا بھی مکروہ ہے اور ہماری دلیل حضرت ام ورقہ کی حدیث ہے۔ (المختار ج ۲ ص ۱۷۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں:

ہمارا مذہب یہ ہے کہ عورتوں کا مردوں کی امامت کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے۔

(الانصاف ج ۲ ص ۲۴۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۲ھ)

خواتین کی امامت کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

اگر عورت مردوں کو نماز پڑھائے تو مردوں کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر عورت عورتوں کو نماز پڑھائے تو جمعہ کی نماز کے سوا یہ تمام نمازوں میں صحیح ہے اور جمعہ کی نماز میں دو قول ہیں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ نماز نہیں ہوئی اور دوسرا قول یہ ہے کہ نماز ہو جائے گی۔ (شرح المہذب ج ۳ ص ۱۵۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

خواتین کی امامت کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

امام بخاری نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ بل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنالیا ہے تو آپ نے فرمایا: وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنے معاملات کا والی عورت کو بنادیا اور امام ابو داؤد نے عبدالرحمان خلاد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ورقہ کی زیارت کے لیے ان کے گھر جاتے تھے اور آپ نے ان کے لیے ایک موذن مقرر کیا تھا جو ان کے لیے اذان دیتا تھا اور آپ نے حضرت ام ورقہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھائیں عبدالرحمان کہتے ہیں کہ میں نے ان کے موذن کو دیکھا وہ ایک بوڑھا شخص تھا

امام تافہی نے کہا جو مرد عورت کے پیچھے نماز پڑھے وہ اپنی نماز دہرائے۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے علماء نے کہا ہے کہ عورت کی امامت مطلقاً صحیح نہیں ہے مردوں کے لیے نہ عورتوں کے لیے امام مالک نے کہا عورت اسی صورت میں امام نہ بنے اور اکثر فقہاء کا بھی قول ہے

(الجامع الاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۵۶-۳۵۵ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

علامہ عبدیری مانگی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک عورت کی امامت صحیح نہیں ہے اور جو شخص بھی عورت کی اقتداء میں نماز پڑھے وہ اپنی نماز دہرائے خواہ وقت نکل جائے۔ (النہج ص ۲ ج ۲ ص ۹۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

خواتین کی امامت کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ المرغینانی لکھتے ہیں:

تنہا عورتوں کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ (تحریمی) ہے کیونکہ یہ فعل حرام کے ارتکاب سے خالی نہیں ہے اور وہ امام کا صف کے درمیان میں کھڑا ہونا ہے جیسے برہنہ لوگ کھڑے ہوتے ہیں اس لیے یہ فعل مکروہ ہے اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو جو عورت امام بنے وہ صف کے درمیان میں کھڑی ہو کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی طرح کیا تھا اور حضرت عائشہ کا عورتوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھانا ابتداء اسلام پر محض ہے۔ (ہدایہ اولیں ص ۱۲۳ مطبوعہ مکتبہ شریعت مدینہ لٹان)

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

”مبسوط“ میں اسی طرح لکھا ہے عدم سروجی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ توجیہ حمید ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت کے بعد مکہ میں تیرہ سال رہے جیسا کہ امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے پھر آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور ہجرت کے ایک سال بعد مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ کی رخصتی ہوئی اس وقت ان کی عمر نو سال تھی اور وہ نو سال آپ کے پاس رہیں اور نماز میں امامت انہوں نے بلوغت کے بعد ہی کی ہوگی تو یہ ابتداء اسلام کب ہے؟ لیکن یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ جب عورتوں نے مسجد میں جا کر آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنا شروع کر دیا تو یہ فعل منسوخ ہو گیا۔ بین ”مستدرک“ میں یہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ اذان دیتی تھیں اقامت کہتی تھیں اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور عورتوں کے درمیان کھڑی ہوتی تھیں اور امام محمد نے ”کتاب الآثار“ میں امام ابو حنیفہ کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رمضان کے مہینہ میں امامت کرتی تھیں اور عورتوں کے وسط میں کھڑی ہوتی تھیں۔ (کتاب الآثار ص ۴۳ ج ۱) ادارۃ القرآن (کراچی) اور یہ بات معلوم ہے کہ تراویح کی جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مروج ہوئی ہے اور ”سنن ابوداؤد“ میں ہے کہ حضرت ام ورقہ انصاریہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھا میں اور ان کے لیے ایک موزن مقرر کیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت ام ورقہ کو ان سے ایب نامہ اور باندی نے چادر سے ان کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا تھا اور وہ زبان رسالت کی پیشگوئی کے مطابق شہیدہ ہو گئیں۔ عبد الرحمن نے کہا میں نے ان کے موزن کو دیکھا تھا وہ بڑھا شخص تھا یہ تمام روایات دعویٰ نسخ کی نفی کرتی ہیں۔ ”سنن ابوداؤد“ کی روایت کی سند میں ولید بن جمیع اور عبد الرحمن بن خالد انصاری پر ابن القطن نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ان دونوں کا حال معلوم نہیں لیکن امام ابن حبان نے ان کاثبات میں ذکر کیا ہے۔

ان حدیثوں کے جواب میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ورقہ کو جو نماز پڑھانے کی اجازت

دی تھی اس سے اس احادیث کا دوام اور استمرار لازم نہیں آتا اس لیے ہو سکتا ہے کہ بعد میں بہ اجازت منسوخ ہوئی ہو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو مفسرین میں امامت کرتی تھیں تو اس سے یہ کب اور مآتا سے کہ وہ تراویح کی امامت کرتی تھیں اور "مصنف عبدالرزاق" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول روایت کیا گیا ہے کہ عورتوں کی امامت کرے اور ان کے وسط میں کھڑی ہو۔ (المصنف ج ۲ ص ۱۴۰) اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس و تراویح کا علم نہ ہوا، لیکن اس کے باوجود بہ سوال قائم رہے گا کہ وہ کون سا تراویح ہے جس نے ان احادیث کو منسوخ کر دیا؟ بعض علماء نے یہ کیا کرنا ہے کہ "سنن ابوداؤد" اور "صحیح ابن خریزہ" وغیرہ میں یہ حدیث ہے کہ عورت کا اپنی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا تجرد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور کوٹھڑی در کوٹھڑی میں نماز پڑھنا کوٹھڑی میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ بالکل اندرونی کوٹھڑی جماعت کی گنجائش نہیں رکھتی اس حدیث کو بعض علماء نے حضرت عائشہ حضرت ام ورقہ اور حضرت ابن عباس کی احادیث کا تراویح قرار دیا ہے لیکن اس حدیث کا تراویح ہونا واضح نہیں ہے اور اگر اس کو تراویح مان بھی یہاں سے یہ لازم آئے گا کہ عورت کا امامت کرنا اب مستنون نہیں ہے اور یہ کراہت تحریم کو مستلزم نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ سے زیادہ اس فعل کا مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہونا لازم آئے گا اور ہم پر یہ لازم نہیں ہے کہ ہم اس کو مکروہ تحریمی ثابت کریں ہمارا مقصود تو حق کی اتباع کرنا ہے خواہ وہ کسی جگہ ہو۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۰۷ ۳۰۸ مسند ابی یوسف ج ۱ ص ۱۰۷)

علامہ ابن حنبل نے اس عبارت سے یہ اتار دیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام احمد اور امام شافعی کا قول صحیح ہے کیونکہ وہ احادیث کے موافق ہے اور امام مالک نے حضرت ابوبکرؓ کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ امام مملکت کی ولایت سے منطلق ہے نماز کی امامت سے نہیں ہے نیز احادیث صحیحہ سے عورت کا عورتوں کی نماز میں امامت کرنا ثابت ہے اور اس کا تراویح متعین اور متحقق نہیں ہے اور احادیث رسول اقبال فقہاء پر مقدم ہیں۔

سمجھ دار نابالغ لڑکے کی امامت

نابالغ اور سمجھ دار لڑکے کی امامت میں ائمہ کا اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ نے نزدیک اس کی امامت مطلقاً جائز نہیں ہے فرائض میں نہ نوافل میں البتہ مشائخ احناف کا اس میں اختلاف ہے۔ بلخ کے مشائخ نابالغ حافظ قرآن کی تراویح میں امامت کو جائز کہتے ہیں۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۱۱-۳۱۲) علامہ کاسانی حنفی نے لکھا ہے جو بچہ سمجھ دار ہو وہ تراویح میں بچوں کی امامت کی صلاحیت رکھتا ہے اور بالغوں کے متعلق اس کی امامت میں مشائخ کا اختلاف ہے اور جو بچہ نابالغ ہو وہ امامت کا بالکل اہل نہیں ہے کیونکہ وہ نماز کے لائق نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۵۷)

امام مالک کے نزدیک بھی نابالغ کا بالغوں کو نماز پڑھانا جائز نہیں ہے (المجامع الحکام القرآن للقرطبی ج ۱ ص ۲۵۲) اور امام احمد کے نزدیک فرائض میں نابالغ کی امامت جائز نہیں ہے اور نوافل میں اس کے وہ قائل ہیں (المفتی ج ۲ ص ۲۲-۲۱) اور امام شافعی کے نزدیک نابالغ سمجھ دار لڑکے کی امامت مطلقاً جائز ہے خواہ فرض ہو یا نفل۔ (شرح المہد ج ۲ ص ۳۹)

ماہرین کی دلیل یہ ہے کہ بالغ کی نماز فرض ہے اور نابالغ کی نماز نفل ہے اور مقتفل کی اقتداء میں مفترض کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ امام نزدیکی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام ضامن ہے (جامع ترمذی ص ۵۷) یعنی امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن اور شامل ہوتی ہے اور فرض نفل کو شامل ہوتا ہے نفل فرض کو شامل نہیں ہوتا اور مجوزین کی دلیل یہ ہے کہ احادیث سے نابالغ کا بالغوں کو نماز پڑھانا ثابت ہے خاص طور سے جب کہ نابالغ کو بالغوں سے زیادہ قرآن یاد ہو وہ حافظ قرآن ہو اور اچھا قاری ہو کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو امام بنانے پر زور دیا

ہے جس کو قرآن زیادہ یاد ہو۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو لوگوں میں سب سے زیادہ قرآن یاد ہو اس کو امام بناؤ اگر قرآن میں سب برابر ہوں تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو اور اگر ہجرت میں سب برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو اور کوئی شخص کسی کی ولایت اور اس کے گھر میں نماز نہ پڑھانے اور نہ اس کی معزز نشست پر بیٹھے ہو اس کے کہ وہ اس کو اجازت دے دے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶ مطبوعہ نور محمد راجح الطائیف کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام نسائی کی روایت میں ہے کہ اگر سب ہجرت میں برابر ہوں تو جو سن کا زیادہ عالم ہو اس کو امام بناؤ۔

(سنن نسائی ج ۱ ص ۱۲۶ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۳۷۵ھ)

حافظ ابوشامہ بیان کرتے ہیں:

امام بزار نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب تم سفر کرو تو جس شخص کو تم میں سب سے زیادہ قرآن یاد ہو اس کو امام بناؤ خواہ وہ تم میں سب سے چھوٹا ہو اور جو شخص تمہارا امام ہوگا وہی تمہارا امیر ہوگا

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۶۳ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگوں کی گزرگاہ میں رہتے تھے ہمارے پاس سے سوارزرتے رہتے تھے ہم ان سے پوچھتے رہتے تھے کہ لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ اور یہ شخص کون ہے؟ لوگ بتاتے کہ وہ شخص یہ کہتے ہیں کہ ان کو اللہ نے بھیجا ہے اور ان کی طرف یہ یہ وحی کی ہے میں ان سے اس کام کو سہ کر یا کرتا رہتا ہوں کہ وہ کلام میرے دس میں رائج ہو گیا اور عرب اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے وہ کہتے تھے کہ اس شخص کو اس کی قوم کے ساتھ چھوڑ دو اگر وہ ان پر غالب آ گیا تو پھر وہ سچا نبی ہوگا جب مکہ فتح ہو گیا تو سب لوگوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی اور میرے والد اپنی قوم میں سب سے پہلے اسلام لے آئے جب وہ آئے تو انہوں نے کہا کہ یہ خدا! میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آیا ہوں وہ برحق ہیں آپ نے فرمایا ہے فلاں فلاں وقت میں نماز پڑھا کرو اور جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے اور جس کو تم میں سب سے زیادہ قرآن یاد ہو وہ امامت کرے جب انہوں نے تلاش کیا تو مجھ سے زیادہ کسی کو قرآن یاد نہیں تھا کیونکہ میں سواروں سے سن کر قرآن یاد کرتا تھا تو انہوں نے مجھے امام بنا دیا اس وقت میری عمر چھ یا سات سال کی تھی میں نے ایک چھوٹی سی چادر کا تہبند باندھا ہوا تھا جب میں جدہ میں جاتا تو وہ سمت کر اوپر آ جاتا قبیلہ کی ایک عورت نے کہا تم اپنے قاری کی شرم گاہ ہم سے کیوں نہیں چھپاتے! تب لوگوں نے مجھے ایک قمیض خرید کر دی مجھے اس قمیض سے اس وقت سب سے زیادہ خوشی ہوئی۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۶-۶۱۵ مطبوعہ نور محمد راجح الطائیف کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام نسائی نے اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ امام مالک اور امام احمد کا مذہب قیاس کے زیادہ قریب ہے اور امام شافعی کا مذہب احادیث کے زیادہ قریب

۱ امام احمد شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ سنن نسائی ج ۱ ص ۱۲۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۲ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۵ ص ۷۱ ۲۰ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

ہے ہمارے زمانہ میں بچے جلد قرآن مجید حفظ کر لیتے ہیں اگر ۱۰ تراویح میں قرآن مجید - نام میں یا نہ سیکھیں تو قرآن مجید بھول جائے گا اس لیے اگر شیخ کے مشائخ احناف کے قول پر عمل کرنے ہوئے نابالغ حافظ کو تراویح میں امام بنادیا جائے تو قرآن مجید کی حفاظت اور ان احادیث کے پیش نظر مناسب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جانے ہو، حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو! کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ (البقرہ: ۱۷۰)

یہود کی بے عملی کا بیان

بھولنے سے مراد یہاں چھوڑ دینا ہے کیونکہ کوئی شخص اپنے آپ کو نہیں بھولتا، یعنی تم خود نیکی پر عمل نہیں کرتے اور دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہو یہاں نیکی کے حکم میں کئی اقوال ہیں۔

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ تم لوگوں کو تورات کے عہد اور نبوت کے ساتھ کفر کرنے سے روکتے ہو اور خود تم تورات میں کیے ہوئے عہد سے کفر کرتے ہو میرے رسولوں کی تصدیق نہیں کرتے مجھ سے کیے ہوئے عہد کو توڑتے ہو اور میری کتاب میں مذکور احکام کا انکار کرتے ہو۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ تم لوگوں کو (سیدنا حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہونے کا اور نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہو اور خود اس پر عمل نہیں کرتے۔

سہی سے روایت ہے کہ تم لوگوں کو اللہ سے ڈرنے اور اس کی اطاعت کا حکم دیتے ہو اور خود اس کی معصیت کرتے ہو

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۰۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

بے عمل علماء کے عذاب کا بیان

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ جنت میں سے کچھ لوگ دوزخیوں کو دیکھ کر کہیں گے تم کیسے دوزخ میں ہو حالانکہ ہم تمہاری تعلیم پر عمل کر کے جنت میں پہنچ گئے؟ وہ کہیں گے کہ ہم کہتے تھے اور عمل نہیں کرتے تھے۔

اس حدیث کو طبرانی، خطیب اور ابن مساکر نے سند ضعیف سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

امام طبرانی، خطیب اور اصہبانی نے حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس عالم کی مثال جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دے اور اس پر عمل نہ کرے اس چراغ کی طرح ہے جو لوگوں کو روشنی دیتا ہے اور خود کو جلاتا رہتا ہے۔ امام اصفہانی نے ”ترغیب“ میں سند ضعیف سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوالامام نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عالم سو، کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور جس طرح گدھا چکی کے ساتھ گردش کرتا ہے اس طرح اس کی استزیاں دوزخ میں گردش کر رہی ہوں گی۔

امام احمد بن حنبل نے ”کتاب الزہد“ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو آدمی نہیں جانتا اس کے لیے ایک عذاب ہے اور اگر اللہ چاہے تو اس کو علم دے دیتا اور اس شخص کے لیے سات عذاب ہیں جو جانتا ہے اور پھر اس پر عمل نہیں کرتا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۶۵ مطبوعہ مکتبۃ قیۃ اللہ عظمیٰ ایران)

آئی نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لیے خود نیک ہونا ضروری ہے؟

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے ساء نے تین شرطیں ذکر کی ہیں اول مکلف ہونا ثانی ایمان ثالث عدل یعنی اس کا نیک ہونا۔ بعض علماء نے چوتھی شرط بھی ذکر کی ہے کہ امام کی طرف سے اس کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اجازت ہو، لیکن امام غزالی اور دیگر محققین نے اس شرط کو مسترد کر دیا ہے باقی رہی تیسری شرط یعنی نیکی کا حکم دینے کے لیے خود نیک ہونے کی شرط تو اس کے متعلق بھی علماء نے کافی بحث کی ہے۔
امام غزالی لکھتے ہیں:

بعض علماء نے امر بالمعروف کے لیے عدالت کو شرط قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ قسط کا کسی کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا جائز نہیں ہے انہوں نے قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کیا ہے

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ
کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول

(البقرہ: ۳۳) جاتے ہو؟

یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ كَبُرَ
مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ (اسف ۲-۳)
اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے
ہو؟ ۱۰ اللہ کو سخت ناراض کرنے والی بات یہ ہے کہ تم وہ بات
کہو جو خود نہیں کرتے ۱۱

عدالت کی شرط پر ان احادیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے:

امام احمد امام ابو یعلیٰ امام طبرانی اور امام ابو نعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معراج کی شب میں ایک قوم کے پاس سے گزرا جن کے ہونٹوں کو آگ کی قینچیوں سے کاٹا جا رہا تھا میں نے پوچھا: تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور خود نیکی نہیں کرتے تھے اور لوگوں کو برائی سے روکتے تھے اور خود برے کام کرتے تھے اور امام ابو نعیم نے ”حلیہ“ میں مالک بن دینار سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اللہ نے وحی کی اپنے آپ کو نصیحت کرنا اگر تم نے خود نصیحت پر عمل کر لیا تو پھر لوگوں کو نصیحت کرو ورنہ مجھ سے حیا کرو۔

عدالت کی شرط پر قیاس سے بھی استدلال کیا گیا ہے کیونکہ غیر کا ہدایت حاصل کرنا خود ہدایت یافتہ ہونے کی فرع ہے اور غیر کو مستقیم کرنا خود مستقیم ہونے کی فرع ہے اور غیر کی اصلاح خود صالح ہونے کی فرع ہے تو جو شخص خود نیک نہ ہو دوسرے کو کب نیک کر سکتا ہے۔

یہ مذکورہ دلائل بہ اعتبار ظاہر ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ فاسق بھی امر بالمعروف کر سکتا ہے کیونکہ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ کیا امر بالمعروف کے لیے تمام گناہوں سے معصوم ہونا ضروری ہے؟ اگر یہ شرط لگائی جائے تو ایک تو یہ اجماع کے خلاف ہے دوسری بات یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام بھی معصوم نہیں تھے چہ جائیکہ بعد کے لوگ! اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی شخص تبلیغ کر سکتا ہے نہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر سکتا ہے حالانکہ قرآن مجید اور احادیث میں امت مسلمہ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مکلف کیا گیا ہے اور اگر وہ یہ کہیں کہ امر بالمعروف کے لیے کبیرہ گناہوں سے پاک ہونا ضروری ہے اور مرتکب کبیرہ کے لیے یہ جائز نہیں ہے حتیٰ کہ جو شخص ریشم کا لباس پہنے ہوئے ہو اس کے لیے زنا اور شراب نوشی سے روکنا جائز نہیں ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ آیا ریشم پہننے والے کے لیے کفار کے خلاف جہاد کرنا اور ان کو کفر سے روکنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہیں کہ نہیں تو یہ اجماع کے خلاف ہے کیونکہ اسام کے ہر دور میں نیک اور بد لوگ لشکر اسلام میں شامل ہو کر کفار کے

خلاف جہاد کرتے رہے ہیں اگر وہ کہیں کہ ہاں یہ جائز ہے تو پھر ثابت ہو گیا کہ مرتکب کبیرہ کے لیے تبلیغ اسلام سزاوار اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا جائز ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر مرتکب کبیرہ کے لیے تبلیغ جائز ہو تو لازم آئے گا کہ ایک شخص کسی ایسی عورت سے زنا بالجبر کر رہا ہو جس نے اپنا منہ چھپایا ہوا ہو دوران زنا وہ عورت خود اپنا منہ کھول دے اور وہ شخص اس سے بے توجہ غیر محرم کے سامنے چہرہ کیوں کھولا؟ زنا کرانے میں تو تو مجبور تھی چہرہ دکھانے میں تو مجبور نہیں تھی! تو یہ ایسی تبلیغ ہے جس کو ہر عقل مند بر سمجھے گا اور اس سے نفرت کرے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات حق بالظن برا لگتا ہے اور باطل بالظن اچھا لگتا ہے اور اتباع دلیل کی جاتی ہے وہی اور خیالی نفرت کی نہیں کی جاتی اس حال میں اس عورت کو منہ چھپانے کا حکم دینا کیا حرام ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ حرام نہیں ہے کیونکہ نامحرم کے سامنے منہ کھولنا معصیت ہے اور معصیت سے روکنا حق ہے باقی رہا یہ کہ طبیعت ان کاموں سے متنفر ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ شخص زیادہ اہم چیز (زنا سے اجتناب) کو ترک کر کے کم درجہ کی اہم چیز میں مشغول ہو گیا جیسے طبیعت ان کاموں سے متنفر ہوتی ہے کہ ایک آدمی ہمیشہ سود کھاتا ہو اور کسی غصب شدہ چیز کو کھانے سے احتراز کرے یا جو شخص جھوٹی گواہی دیتا ہو اور وہ غیبت سے احتراز کرے اور اس طبعی تنفر سے یہ لازم نہیں آتا کہ غصب شدہ طعام کھانا حرام نہ ہو یا غیبت کو ترک کرنا واجب نہ ہو۔

(ادبیات علوم الدین علی ہاشم انجاء السادة المتقين ج ۷ ص ۱۷۱-۱۲۱ مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ)

امام رازی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مكلف کو دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے ایک معصیت کو ترک کرنا دوسرا غیر کو معصیت سے منع کرنا اور ایک حکم پر عمل نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دوسرے حکم پر بھی عمل نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے کہ ”تم دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو“ اس آیت کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ مطلقاً اپنے آپ کو بھولنے یعنی خود عمل نہ کرنے سے منع یہ ہے دوسرا محمل یہ ہے کہ جس وقت وہ خود عمل نہ کر رہا ہو اس وقت دوسروں کو اس کا حکم دینے سے منع کیا ہے۔ ہمارے نزدیک اس آیت کا پہلا محمل مراد ہے نہ کہ دوسرا۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۲۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

ہمارے نزدیک ان آیات اور احادیث کا غشاء یہ ہے کہ انسان کا نیکی پر عمل نہ کرنا اور برائی سے اجتناب نہ کرنا عقلاً برا ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کا موجب ہے لیکن اس وقت زیادہ برا ہے اور زیادہ غضب اور عذاب کا موجب ہے جب وہ دوسروں کو نیکی کا حکم دے رہا ہو اور ان کو برائی سے روک رہا ہو تو جو چیز قبیح ہے اور غضب اور عذاب کا موجب ہے وہ خود عمل نہ کرنا ہے نہ کہ دوسروں کو عمل کی تبلیغ کرنا کسی دنیاوی طمع کی بناء پر برائی سے نہ روکنا مدافعت ہے اور کسی دینی منفعت کی وجہ سے خاموش رہنا مدارات ہے اور کفر سے موالات (دوستی رکھنا) حرام ہے اور ان سے صرف معاملات مثلاً بیع و شرا کرنا جائز ہے۔

بے علم کے وعظ، تقریر اور اس کے مرید کرنے کا شرعی حکم

تقریر اور وعظ کرنے کے لیے علم دین کا حاصل کرنا شرعاً واجب ہے اور بے علم آدمی کا تقریر اور وعظ کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اس پر اصرار کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے عالم کا معیار یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ کر سکے احادیث کی عربی عبارات صحیح صحیح پڑھ سکے اور سمجھ سکے علم کلام اور علم فقہ کی عبارات کو پڑھ اور سمجھ سکے محض اردو کی کتابوں کو پڑھ کر وعظ کرنا اور لوگوں کو مسائل بتلانا شرعاً حرام ہے البتہ اگر علماء اور مفتی طلباء کسی محقق عالم دین (مثلاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری صدر الشریعہ

مردانا امجد علی صدرالفاصل 'دوانا' یومحمد حیم الدین اور غزالی رہاں علامہ سداہد سعید کاظمی رحمہم اللہ) کی اردو تصانیف سے مطالعہ اور استفادہ کر کے بیان کریں تو یہ جائز ہے، لیکن جو شخص علوم عربیہ سے بالکل جاہل ہو اس نے ایسے اردو کی کتابیں پڑھ کر وعظ کرنا قطعاً حرام ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَبَلَدِكَ الْأَمْثَالَ نَصْرُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ (النملہ: ۲۳)

اور ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور ان کو صرف عالم ہی سمجھ سکتے ہیں O

اس آیت سے یہ معلوم ہو گیا کہ جو شخص قرآن مجید کی آیت کا از خود ترجمہ نہ کر سکے اور اس کے لفظ اور دقیق کو سمجھ سکے وہ عالم نہیں ہے۔ امام رازی عالم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

نظری اور دقیق مسائل کو عالم ہی سمجھتا ہے جب اس کے سامنے کوئی ظاہر امر پیش کیا جائے تو وہ اس کی کنہ کا ادراک کر لیتا ہے جو چیز دقیق ہو اس کو جاننے کے لیے عالم ہونا ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے جو مثالیں بیان کی ہیں اس کی حقیقت اور ان کے تمام فوائد کو صرف علماء سمجھ سکتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۹۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ خفاجی حنفی لکھتے ہیں:

اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص صفت علم میں کامل ہو۔ (علیہ القاضی ج ۷ ص ۱۰۴، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۳ھ)

علامہ سراغی لکھتے ہیں:

ان مثالوں کے مغز کو اور ان کی تاثیر کی معرفت کو صرف ماہر علماء ہی جان سکتے ہیں اور ان مثالوں سے کثیر فوائد کو علماء ہی مستنبط کر سکتے ہیں جو غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔ (تفسیر المرائی ج ۲ ص ۱۳۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے لکھا ہے کہ قرآن مجید کی مثالوں کو وہی سمجھ سکتے ہیں جن کو علم سے وافر حصہ ملا ہو اور وہ قضایا اور مسائل میں منہمک رہتے ہوں۔ (التفسیر المیز ج ۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

اس آیت اور اس کی تفسیر سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ عالم اس شخص کو کہتے ہیں جو قرآن مجید کا ترجمہ کر سکے اس کے معانی کے دقائق کو سمجھ سکے اور اس کے فوائد کو مستنبط کر سکے۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کتاب اللہ میں اپنی رائے سے کہا اس نے خطا کی اگرچہ اس نے صحیح کہا ہو۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۸، مطبوعہ مکتبۃ پاکستان اسلام آباد ۱۳۰۵ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بغیر علم کے قرآن سے کچھ بیان کیا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ۲۱۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ شریعت کتب کراچی)

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی تفسیر کے لیے پندرہ علوم ضروری ہیں لغت، نحو، تفسیر، اشتقاق، معانی، بیان، بدیع، قراءات، اسباب نزول، القصص، ناسخ اور منسوخ، فقہ، احادیث، اصول حدیث اور اصول فقہ، اصول تفسیر۔ (مرقات ج ۱ ص ۱۹۶، مطبوعہ مکتبہ المدینہ، ملتان ۱۳۹۰ھ)

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تفسیر لکھنے کے لیے یہ علوم ضروری ہیں بلکہ یہ اصول عام ہے وہ زبانی کسی آیت کی تشریح

کرے یا اس کو لکھے اس کے لیے ان علوم کا جاننا ضروری ہے کہ وہ کسی معتبر تفسیر سے پڑھ کر سائے (خواہ وہ کسی زبان میں ہو) یا اس کو ضبط کر کے اس کے حوالے سے بیان کرے اس وضاحت سے یہ معلوم ہو گیا کہ غیر عالم کے لیے دستخط اور تقریر کرنا جائز نہیں ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب علم کو اٹھائے گا تو اس کو لوگوں کے سینوں سے نہیں نکالے گا، لیکن علماء کو اٹھانے کے ذریعہ علم کو اٹھائے گا حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنائیں گے ان سے سوال کیا جائے گا اور وہ بغیر علم سے فتویٰ (جواب) دیں گے سو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰ مطبوعہ نور محمد ریح الصالح، لراپی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام ابن عساکر نے بھی حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۱۵۷-۱۲ مطبوعہ دار الفکر دمشق ۱۴۰۲ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا سیادت (منصب) حاصل کرنے سے پہلے علم حاصل کرو۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۱ مطبوعہ نور محمد ریح الصالح، لراپی ۱۳۸۱ھ)

امام دارمی روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس شخص کو اس کی قوم نے فقہ کی وجہ سے امیر بنایا اس میں اس کی بھی حیات ہے اور اس کی قوم کی بھی اور جس شخص کو اس کی قوم نے بغیر فقہ کے امیر بنایا اس میں اس کی بھی ہلاکت ہے اور اس کی قوم کی بھی۔

(سنن دارمی ج ۱ ص ۶۹ مطبوعہ نشر السنن، لبنان)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

ابوالخثری روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص وعظ کر کے لوگوں کو ڈرا رہا تھا آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ شخص لوگوں کو وعظ کر رہا ہے آپ نے فرمایا یہ شخص لوگوں کو وعظ نہیں کر رہا لیکن یہ دراصل یہ کہہ رہا ہے کہ میں فلاں بن فلاں ہوں مجھ کو پہچان لو (یعنی وعظ سے اس کا مقصد خود نمائی ہے) آپ نے اس کو بلا کر دریافت کیا کیا تم قرآن مجید میں ناسخ اور منسوخ کو جانتے ہو؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا ہماری مسجد سے نکل جاؤ اور اس میں وعظ نہ کرو! یہ روایت میں ہے آپ نے پوچھا تم ناسخ اور منسوخ کو جانتے ہو؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا تم ہلاک ہو گئے تم ہلاک ہو گئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس روایت کی مثل منقول ہے۔

(المجامع ۱۱ احکام القرآن ج ۲ ص ۶۲ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران ۱۳۸۷ھ)

ان احادیث اور آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ بے علم شخص کا وعظ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس مسئلہ کو مزید متبحر کرنے کے لیے ہم

امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ کا حوالہ پیش کر رہے ہیں ان سے سوال کیا گیا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانہ میں بہت لوگ اس قسم کے ہیں کہ تفسیر و حدیث بے خواندہ و بے اجازت اساتذہ برسر بازار مسجد بطور وعظ و نصائح کے بیان کرتے ہیں حالانکہ معنی و مطلب میں کچھ سمجھ نہیں فقط اردو کتابیں دیکھ کے کہتے ہیں ان کا کہنا اور بیان کرنا ان لوگوں کے لیے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بیوا تو جروا۔

الجواب 'گرام ہے اور اپنا دعوہ سننا بھی گرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "من قال فی القرآن معبر علم فلیسوا مقعدہ من النار" (جو شخص بغیر علم کے قرآن سے کچھ بیان کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے) والعیاذ باللہ (ترجمہ) (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۲۱۴ مطبوعہ دارالحدیث، ام احمد رضا، لراچی ۱۹۸۸ء، مکتبہ رضویہ ج ۱۰ ص ۱۸۸)

علامہ اور مرشدین کے لیے جس قدر علم ضروری ہے اس کے متعلق امام بیہقی لکھتے ہیں
امام شافعی نے فرمایا عوام کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ تمام فرائض واجبات سنن اور آداب اور تمام محرمات اور مکروہات کا علم حاصل کریں اور خواص کے لیے ضروری ہے کہ وہ احکام شرعیہ کی تمام فروعات قرآن مجید کی صریح عبارات والالت اشارات اور اقتضائے نصوص کا علم حاصل کریں قیس اور اس کی شرائط کا علم حاصل کریں اور اپنی مہارت حاصل کریں کہ ہر پیش آمدہ مسئلہ کا حل کتاب اور سنت سے بتایا جاسکے ہر شخص کے لیے اتنی مہارت حاصل کرنا ضروری نہیں لیکن مسلمانوں میں سے چند افراد کے لیے اتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۲۵۳ ملخصاً مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۱ھ)

امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ نے شیخ طریقت کی چار شرطیں لکھی ہیں ان کے بغیر اس کا بیعت لینا جائز نہیں ہے

(۱) مسلمان ہو اور اس کا عقیدہ صحیح ہو۔

(۲) عقائد کے دلائل اور تمام احکام شرعیہ کا عالم ہو حتیٰ کہ ہر پیش آمدہ مسئلہ کا حل بیان کر سکتا ہو۔

(۳) علم کے مطابق عمل کرتا ہو فرائض واجبات اور سنن اور مستحب پر دائمی عمل کرتا ہو اور تمام محرمات اور مکروہات سے بچتا ہو

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کی نسبت متصل ہو اور اس کے مشائخ کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو۔

ہمارے زمانہ میں بے علم لوگ وعظ کرتے ہیں اور لوگوں سے بیعت لیتے ہیں یہ لوگ اپنی بے علمی کا عیب چھپانے کے لیے علماء کی تنقیص کرتے ہیں ان کو منافق اور بے عمل کہتے ہیں اور سادہ لوح عوام علماء کو چھوڑ کر بے علم واعظین اور بے علم مرشدین کے حلقہ ارادت میں کثرت سے شامل ہو رہے ہیں ہم اس جہالت اور تعصب سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

(فتاویٰ افریقیہ ص ۱۳۷-۱۳۶ ملخصاً مطبوعہ مکتبہ تبلیغ لکھی لراچی)

بے علم کا اپنے آپ کو مولوی اور عالم کہنا وعظ کرنا اور مرید کرنا اس کے متعلق امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ لکھتے ہیں

یونہی اپنے آپ کو بے ضرورت شرعی مولوی صاحب لکھنا بھی گناہ و خالف حکم قرآن عظیم ہے قال اللہ تعالیٰ "هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذَا نَشَأْتُمْ مِنَ الْاَرْضِ اِذَا نْتُمْ اِحْسَنُ فِيْ نَطْوِنِ اَمَلِكُمْ فَلَا تَرْكُوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ اَتَقَى" (انجم ۳۲) اللہ تمہیں خوب جانتا ہے کہ جب اوس نے تمہیں زمین سے اٹھان دی اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں چھپے تھے تو اپنی جانوں کو آپ اچھا نہ کہو خدا خوب جانتا ہے جو پرہیزگار ہے اور فرماتا ہے "اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْا اَنْفُسَهُمْ بِاللّٰهِ يَزِيْزُكَى مَنْ يَّشَاءُ" (النساء ۴۹) کیا تو نے دیکھا ان لوگوں کو جو آپ اپنی جان کو ستر ایتاتے ہیں بلکہ خدا ستر کرتا ہے جسے چاہے حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "من قال انا عالم فھو جاهل" جو اپنے آپ کو عالم کہے وہ جاہل ہے۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط

عن ابن عمر رضى الله تعالى عنهما بسند حسن "ہاں! اگر کوئی شخص حقیقت میں عالم دین ہو اور لوگ اس کے فضل سے ناواقف اور یہ اس کی غیبت سے کہ وہ آگاہ ہو کر فیض لیں ہدایت پائیں اپنا عالم ہونا ظاہر کرے تو مضائقہ نہیں جیسے سیدنا یوسف علی نبینا الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا تھا "انی حفیظ علیم" پھر یہ بھی سچے عالموں کے لیے ہے۔ زید جاہل کا اپنے آپ کو مولوی صاحب کہنا دو گنا گناہ ہے کہ اس کے ساتھ جھوٹ اور جھوٹی تعریف کا پسند کرنا بھی شامل ہوا قال اللہ عزوجل "لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ

يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُجِبُونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا إِلَّا تَحْسِبُهُمْ بِمَقَازٍ مِنَ الْعَذَابِ وَكَرِهَهُمْ عَذَابُ الْيَوْمِ“ (آل عمران ۱۸۸) ہرگز نہ جانو تو انہیں جو اتراتے ہیں اپنے کام پر اور دوست رکھتے ہیں اسے کہ تعریف کیے جائیں اس بات سے جو انہوں نے نہ کی تو ہرگز نہ جانو انہیں عذاب سے پناہ کی جگہ میں اور ان کے لیے دکھ کی مار ہے۔ ”معالم شریف“ میں عکرمہ تابعی شاگرد عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ”یفرحون باضلالہم الناس وبسببہ الناس ایامہم الی العلم ولیسوا باہل العلم۔ خوش ہوتے ہیں لوگوں کو بہکانے پر اور اس پر کہ لوگ انہیں مولوی کہیں حالانکہ مولوی نہیں“ جاہل کی وعظ گوئی بھی گناہ ہے وعظ میں قرآن مجید کی تفسیر ہوگی یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یا شریعت کا مسئلہ اور جاہل کو ان میں کسی چیز کا بیان جائز نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”من قال فی القرآن بغیر علم فلیتوا مقعدہ من النار جو بے علم قرآن کی تفسیر بیان کرے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے“ رواہ الترمذی وصحیحہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ احادیث میں اسے صحیح وعظ وثابت وموضوع کی تمیز نہ ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”من یقل علی مالہ اقل فلیتوا مقعدہ من النار“ (جو مجھ پر وہ بات کہے جو میں نے نہ فرمائی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے) رواہ البخاری فی صحیحہ عن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ”التوا بغیر علم فصلوا واضلوا۔ بے علم مسئلہ بیان کیا سو آپ بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا“ رواہ الانعمۃ احمد والشیخان والترمذی وابن ماجہ عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ دوسری حدیث میں آیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”من افقی بغیر علم لعنتہ ملئکۃ السماء والارض۔ جو بے علم فتویٰ دے اسے آسمان وزمین کے فرشتے لعنت کریں“ رواہ ابن عساکر عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ۔ جاہل کا پیر بننا لوگوں کو مرید کرنا چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانا چھوٹا منہ بڑی بات ہے پیر ہادی ہوتا ہے اور جاہل کی نسبت ابھی حدیثوں سے گزرا کہ ہدایت نہیں کر سکتا نہ قرآن سے نہ حدیث سے نہ فقہ سے

کہ بے علم تڑاں خدرا رشناخت

ع

(امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ فتاویٰ رضویہ ج ۱/ ۱۰ ص ۹۶-۹۵ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا۔

مسئلہ: ازاجیر مقدس محلہ لاکی کوٹھڑی اوپری گلی نزد پیر زادگان مسئلہ کمال الدین ۸ شوال ۱۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک اپنے کو عوام پر مولوی ظاہر کرے جس نے نہ تو کسی مدرسہ میں تعلیم باقاعدہ حاصل کی ہو اور نہ جس نے کوئی سند فاضل کی حاصل کی اور خود ساختہ استفتاء پر خود ہی جواب تحریر کر دے اور طلباء و مدرسین سے دستخط کرائے اور جس سے اپنی ذات کا متمتع ہونا مقصود ہو اور جو جید عالم و مولوی صاحبان وقاضی صاحب پر شہرت حاصل کرنے اور زر حاصل کرنے کی غرض سے جا بجا حملہ کرے اور جو مدت تک قاضی صاحب کے پیچھے نماز ادا کرتا رہا ہو اور چند روز سے قاضی صاحب کے پیچھے نماز ادا نہیں کرتا ہے اور صد ہا علماء قاضی صاحب کے پیچھے نماز ادا کرتے رہے ہیں۔ یسوا نوجروا۔

الجواب: سند حاصل کرنا تو کچھ ضرور نہیں ہاں باقاعدہ تعلیم پانا ضرور ہے مدرسہ میں ہو یا کسی عالم کے مکان پر اور جس نے بے قاعدہ تعلیم پائی وہ جاہل محض سے بدتر نیم ملا خطرہ ایمان ہوگا ایسے شخص کو فتویٰ نویسی پر جرات حرام ہے حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ”من افقی بغیر علم لعنتہ ملئکۃ السماء والارض۔ جو بے علم فتویٰ دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت ہے“ اور اگر فتویٰ سے اگرچہ صحیح ہو وجہ اللہ مقصود نہیں بلکہ اپنا کوئی دنیاوی نفع منظور ہے تو یہ دوسرا سبب

”نت ہے کہ آیات اللہ کے عوض شس نسل حاصل کرنے پر فرمایا ”أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْتَظِرُ
 إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ“ (ال عمران ۷۷) ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور اللہ ان سے کلام نہ
 فرمائے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر رحمت کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے“
 اور علمائے دین کی توہین کرنے والا منافق ہے حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”ثَلَاثَةٌ لَا يَسْتَحِبُّ بِحَقِّهِمْ
 الْإِمَافِقُ بَيْنَ الْمَنَافِقِ دَوَالْعِلْمِ وَذَوَا الشَّيْءِ فِي الْإِسْلَامِ وَامَامٌ مَقْصُطٌ تَمْنِ مَخْصُودٌ كَا حَقِّ بَاكَانَ جَانِے گانگر جو منافق کھلا
 منافق ہو (۱) عالم (۲) اور وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا اور (۳) سلطان اسلام عااں۔ تحصیل زر کے کے لیے علماء و مسلمین پر
 بے جا حملہ کرنے والا ظالم ہے اور ظلم قیامت کے دن ظلمات۔ قاضی مذکور جیسے امام کے پیچھے بلاوجہ شرعی نماز ترک کرنا تفریق
 جماعت یا ترک جماعت ہے اور دونوں حرام و ناجائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ ج ۲/۱۰ ص ۳۰۸ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)
 اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے اس جواب سے یہ ظاہر ہو گیا کہ بے علم کا وعظ کرنا اور لوگوں کو بیعت کرنا جائز نہیں ہے اور علماء
 دین کی توہین کرنا نفاق ہے جیسا کہ جاہل بیروں کا عام وطیرہ ہے وہ علماء دین کی تحقیف کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور صبر اور نماز (کے ذریعہ) سے مدد حاصل کرو۔ (البقرہ ۴۵)

اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہ رہنے اور گمراہ کرنے سے منع فرمایا اور یہ ان کے لیے دشوار امر تھا کیونکہ گمراہی ان کی طبیعت
 میں رچ اور بس چکی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے مرض کا علاج بتلا دیا کہ وہ صبر کریں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ
 ہے کہ وہ روزے رکھیں۔

صبر کے معانی

صبر کا معنی ہے کسی چیز کو تنگی میں روکنا نیز کہتے ہیں کہ نفس کو عقل اور شریعت کے تقاضوں کے مطابق روکنا صبر ہے۔
 مختلف مواقع اور محل استعمال کے اعتبار سے صبر کے مختلف معانی ہیں مصیبت کے وقت نفس کے ضبط کرنے کو صبر کہتے ہیں اس
 کے مقابلہ میں جزع اور بے قراری ہے اور جنگ میں نفس کے ثابت قدم رہنے کو بھی صبر کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں بزدلی
 ہے حرام کاموں کی تحریک کے وقت حرام کاموں سے رکنے کو بھی صبر کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں فسق ہے عبادت میں
 مشقت جھیلنے کو بھی صبر کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں معصیت ہے قلیل روزی پر قناعت کو بھی صبر کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ
 میں حرص ہے دوسروں کی ایزد سانی برداشت کرنے کو بھی صبر کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں انتقام ہے۔

صبر کے متعلق احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صبر کی دو قسمیں ہیں مصیبت کے وقت صبر
 اچھا ہے اور اس سے بھی اچھا صبر ہے اللہ کے محارم سے صبر کرنا (یعنی نفس کو حرام کاموں سے روکنا)۔
 امام ابن ابی الدنیا ابوالشیخ اور دیلمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا صبر کی تین قسمیں ہیں مصیبت پر صبر کرنا اطا عت پر صبر کرنا اور معصیت سے صبر کرنا۔

امام احمد امام عبد بن حمید امام ترمذی امام ابن مردودہ اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ
 میں سواری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا اے بیٹے! کیا میں تم کو ایسے کلمات نہ سکھاؤں جن
 سے اللہ تمہیں نفع دے میں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا اللہ کو یاد رکھو اللہ تمہیں یاد رکھے گا اللہ کو یاد رکھو تم اس کو اپنے

سامنے پاؤ گئے اللہ تعالیٰ کو آسانی میں یاد رکھو وہ تم کو مشکل میں مادر رکھے گا اور جان لو کہ جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے وہ تم سے ملنے والی نہیں تھی اور جو مصیبت تم سے مل گئی ہے وہ تمہیں پہنچنے والی نہیں تھی اور اللہ نے تمہیں جس چیز کے دینے کا ارادہ نہیں کیا تمام مخلوق بھی جمع ہو کر تمہیں وہ چیز نہیں دے سکتی اور جو چیز اللہ تمہیں دینا چاہے تو سب مل کر اس کو روک نہیں سکتے قیامت تک کی تمام باتیں لکھ کر قلم خشک ہو گیا ہے جب تم سوا کر دو تو اللہ سے کرو اور جب تم رد چاہو تو اللہ سے چاہو اور جب تم کسی کا دامن پکڑو تو اللہ کا دامن پکڑو اور شکر کرتے ہوئے اللہ کے لیے عمل کرو اور جان لو کہ ناگوار چیز پر صبر کرنے میں خیر کثیر ہے اور صبر کے ساتھ صبر ہے اور تکلیف کے ساتھ کشادگی ہے اور مشکل کے ساتھ آسانی ہے امام بیہقی نے حضرت ابو الجحیرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے لیے خوشی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بہ قدر حاجت رزق دیا اور اس نے اس پر صبر کیا۔ امام بخاری نے "الادب المفرد" میں اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان لوگوں سے مل جل کر رہتا ہے اور ان کی ایذا پر صبر کرتا ہے وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی ایذا پر صبر نہیں کرتا۔

امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایمان کے دو حصے ہیں نصف صبر ہے اور نصف شکر ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۶۷-۶۸ ملتقطاً مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

نماز سے مدد حاصل کرنے کا بیان

جب وہ روزہ رکھ کر اپنے نفس کو صاف کر لیں گے تو ان کی دعاؤں کا قبول ہونا زیادہ متوقع ہوگا اور نماز سے مدد حاصل کرنے کی بھی یہی صورت ہے کیونکہ نماز کی صورت میں متعدد عبادات حاصل ہو جاتی ہیں مثلاً عینکاف قرآن مجید کا پڑھنا تسبیح اور استغفار وغیرہ اور نماز میں اللہ تعالیٰ سے مناجات ہے اور نماز سے بندہ کے گناہ دھل جاتے ہیں اور انسان دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتا ہے تو جب وہ گناہوں سے پاک صاف ہو کر تسبیح اور استغفار کے بعد دن میں پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کرے گا تو اس کی دعا کا قبول ہونا زیادہ متوقع ہے۔

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام احمد امام ابن جریر اور امام ابوداؤد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز سے خوف یا دہشت لاحق ہوتی تو آپ نماز پڑھتے۔

امام ابن ابی الدنیا اور امام ابن عساکر نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب کسی رات کو آنندھی آتی تو آنندھی رکنے تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں پناہ لیتے اور جب سورج گرہن لگتا یا چاند گرہن لگتا تو نماز پڑھتے۔

امام سعید بن منصور امام ابن المنذر امام حاکم اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک سفر میں ان کو ان کے بیٹے کی موت کی خبر دی گئی وہ سواری سے اترے دو رکعت نماز پڑھی اور "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اور کہا ہم نے اللہ کے حکم پر عمل کیا ہے کہ "صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو"۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۶۷ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور بے شک نماز ضرور دشوار ہے سوا ان لوگوں کے جو (اللہ کے لیے) خشوع کرنے والے ہیں (البقرہ: ۴۵)

خشوع کا معنی

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

نفس کی وہ حالت جس کا اثر ظاہری اعضاء میں کون اور تواضع سے ظاہر ہوتا ہے اس کو خشوع کہتے ہیں، خدا نے کہا دل میں خوف اور نماز میں نظر پچی رکھنے کو خشوع کہتے ہیں، زحان نے کہا جس پر ذلت کے آثار دکھائی دیں وہ خشوع کرنے والا ہے، ابراہیم نخعی نے کہا سوکھی روٹی کھائے سخت اور موٹے کپڑے پہنے اور سر جھکانے سے خشوع نہیں ہوتا، خشوع یہ ہے کہ حق بات میں تمہارے زیادہ عزت اور حقیر برابر ہوں اور اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی تم پر فرض کی ہے اس کی اطاعت میں ہٹک جاؤ، حضرت عمر بن الخطاب نے ایک شخص کو سر جھکانے دیکھا تو فرمایا سر اٹھاؤ، خشوع صرف تمہارے دل میں ہے، حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا خشوع دل میں ہوتا ہے اور یہ کہ مسلمانوں کے لیے تمہارے ہاتھ ملائم ہوں اور نماز میں ادھر ادھر التفات نہ کرو، جس نے اپنے دل سے زیادہ خشوع کو ظاہر کیا اس نے نفاق کو ظاہر کیا، سہل بن عبد اللہ نے کہا خشوع اس وقت ہوگا جب خوف خدا سے تمہارے بدن کا ہر روتکا کھڑا ہو جائے، قرآن مجید میں ہے:

تَشْهَرُونَ جُلُودَ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ (قرآن سننے سے) لوگوں کے روٹنے کھڑے

(الزمر: ۲۳) ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

سلف صالحین اپنے خشوع کے اثرات کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔ ایسا خشوع محمود ہے، در خشوع مذموم یہ ہے جسے جاہل لوگ تکلف سے روتے ہیں اور سر جھکاتے ہیں تاکہ لوگ ان کو نیک اور بزرگ جانیں، یہ نفس کا فریب اور شیطان کا کمراد کرنا ہے۔ (الملاح: ۱ حکام، قرآن ج ۱ ص ۳۷۵ ۳۷۴، مبلوہ، المنشارات ناصر خسرو، ایران ۱۳۸۷ھ)

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ شریکین اور جو لوگ فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے اور آخرت کے منکر ہیں ان پر نماز کا پڑھنا دشوار ہے اور جو مخلص مومنین ہیں اور اطاعت گزار ہیں، اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کے دیدار کے متاق ہیں ان پر نماز آسان ہے، اس کوئی پر اپنے آپ کو پرکھ کر دیکھنا چاہیے اور اگر ہمیں نماز پڑھنا گراں اور دشوار معلوم ہو تو پھر ہمیں، اپنے ایمان اور آخرت پر یقین کا جائزہ لینا چاہیے۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلُ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاِنِّیْ

اے بنو اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی اور یہ کہ میں نے تم کو (اس زمانہ کے) لوگوں

فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوا یَوْمًا لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ

پر فضیلت دی تھی O اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی شخص کا بدلہ نہ ہو سکے گا

عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا

اور نہ کسی شخص کی (بلا اذن الہی) شفاعت قبول کی جائے گی اور نہ کسی شخص سے ندیہ

عَدْلٌ وَلَا هُمْ یُنصَرُونَ ﴿۴۸﴾

لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O

اس آیت کو دوبارہ ذکر کیا ہے تاکہ بنو اسرائیل کو نعمتیں یاد دلانے کی تاکید ہو اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ بنو اسرائیل اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حق ادا کرنے سے غافل ہیں اس آیت میں فرمایا ہے کہ میں نے تم کو تمام عالمین پر فضیلت دی تھی اس پر یہ سوال ہے کہ تمام عالمین میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت بھی داخل ہے حالانکہ یہود ان سے افضل نہیں ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ عالمین سے مراد ان کے زمانہ کے لوگ ہیں قیامت تک کے لوگ مراد نہیں ہیں۔ اس تاویل کی اس لیے ضرورت ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو خیر امت قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارتداد ہے

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔
تم ان امتوں میں سب سے بہترین امت ہو جو لوگوں

(آل عمران: ۱۱۰) کے لیے ظاہر کی گئی ہیں۔

ہر چند کہ اس آیت کے مخاطب سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بنو اسرائیل ہیں مگر اس سے مراد ان کے آباء و اجداد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کے بعد تھے جنہوں نے اپنے دین میں کوئی تغیر اور تبدل کیا تھا اور نہ تو رات میں کوئی تحریف کی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت نعمتیں عطا فرمائی تھیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَاذْكُرْ اٰیٰتِیْهِۦ یٰۤاٰیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اٰیٰتِیْہِۦ لَظٰہِرٰۃٌ لِّلنَّاسِ
اور یاد کیجئے جب موسیٰ نے اپنی امت سے کہا اے میری امت! اللہ کی وہ نعمتیں یاد کرو جو اس نے تم کو عطا کیں جب اس نے تم میں انبیاء بنائے اور تم کو بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ کچھ دیا جو (اس زمانہ میں) سارے جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیا تھا ○ (المائدہ ۲۰)

یہ نعمتیں ان مخاطبین کے حق میں اس لیے نعمتیں ہیں کہ آباء و اجداد کی فضیلتیں اولاد کے حق میں بھی موجب شرف ہوتی ہیں۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کو اپنی نعمتیں یاد دلانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ ان کو عذاب آخرت سے ڈرا کر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے بنو اسرائیل! اگر تم نے اللہ کی نعمتوں اور اس کی دی ہوئی فضیلتوں کے تقاضوں کو پورا نہ کیا اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے تو تم اللہ کے عذاب سے کسی طرح بچ نہیں سکو گے سزا سے بچنے کی چار صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ مجرم کے بدلہ میں اس شخص کو سزا دی جائے دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص مجرم کی عذرت کر دے تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص مجرم کی طرف سے تاوان یا فدیہ ادا کرے اور چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص دباؤ اور زور ڈال کر مجرم کی مدد کرے اور اس کو عذاب سے چھڑائے ان چاروں صورتوں میں سے کسی صورت سے بھی مجرم کو اللہ کے عذاب سے چھڑایا نہیں جاسکتا۔

شفاعت کی تحقیق

اس آیت سے یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مجرموں کی شفاعت جائز نہیں ہے خوارج اور معتزلہ کا یہی مذہب ہے شیخ ابن تیمیہ اور شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کا بھی یہی نظریہ ہے شیخ اسماعیل دہلوی کا بھی یہی مذہب ہے اور ان کے تابعین کا بھی یہی نظریہ ہے اور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ اللہ کے اذن سے انبیاء علیہم السلام ملائکہ اور پیغمبر کرام ملانے کا حق ہے اور صالح مومنین گنہ گاروں کی شفاعت کریں گے یہ شفاعت گناہ کبیرہ کرنے والوں کی مغفرت اور تخفیف عذاب کے لیے ہوگی اور

صالحین کے لیے نرئی درجات کی شفاعت ہوگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض کفار کے لیے بھی تحفیف عذاب کی شفاعت کریں گے شفاعت کبریٰ اور شفاعت کی بعض دیگر اقسام ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفاعت بالوجاہت بھی عطا فرمائی ہے۔

ہم نے "شرح صحیح مسلم" جلد ثانی میں مسئلہ شفاعت پر تفصیل سے بحث کی ہے شفاعت کا معنی 'مکریں شفاعت کے مذاہب ان کے دلائل اور ان کے جوابات بیان کیے ہیں اور شفاعت کے ثبوت میں قرآن مجید کی پچاس سے زائد آیات اور چالیس احادیث ذکر کی ہیں اور مسئلہ شفاعت پر اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں اور شفاعت کی ۴۹ اقسام ذکر کی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص اقسام کا بیان کیا ہے اس مسئلہ کو تفصیل سے جاننے کے لیے اس مقام کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس جگہ ہم شفاعت کے ثبوت میں قرآن مجید کی چند آیات اور بعض احادیث ذکر کریں گے۔

فنقول وبالله التوفیق وبه الاستعانة یلیق.

شفاعت پر قرآن کریم سے دلائل

انبیاء علیہم السلام کی شفاعت

حضرت نوح علیہ السلام

(۱) رَبِّ اغْفِرْ لِي ذَلِيلًا ذَلِيلًا دَخَلْتُ بَيْتِي مُؤْمِنًا
(نوح: ۲۸)
اے میرے رب! میری میرے والدین کی اور جو مومن
میرے گھر میں داخل ہوں ان کی مغفرت فرما۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام:

(۲) رَبَّنَا اغْفِرْ لِي ذَلِيلًا ذَلِيلًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ
(ابراہیم: ۴۱)
اے ہمارے رب! روزِ حشر میری میرے والدین کی
اور تمام مومنوں کی مغفرت فرما

(۳) سَأَسْتَغْفِرُكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِنِي حَقِيًّا
(مریم: ۴۸)
میں عنقریب اپنے رب سے تیری شفاعت کروں گا وہ
مجھ پر مہربان ہے

(۴) إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبْنَيْهِ لَا اسْتَغْفِرَنَّ لَكَ
(اسحق: ۴)
مگر ابراہیم کا قول اپنے باپ کے لیے کہ میں تیری
شفاعت کروں گا۔

(۵) فَمَنْ يَتَعَنَّى فَإِنَّهُ يَتَىٰ وَفَن عَصَانِي يَا لَكَ عَفْوٌ
رَحِيمٌ (ابراہیم: ۳۶)
جو میرا پیروکار ہے وہ میرا ہے اور جس نے میرے کہنے
پر عمل نہیں کیا تو اس کے لیے تو بخشنے والا اور مہربان ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام:

(۶) رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلَا تَجْعَلْ لِي دَاخِلًا فِي رَحْمَتِكَ
(الاعراف: ۱۵)
اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور
ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر دے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام:

(۷) سَوْفَ اسْتَغْفِرُكَ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ
(یوسف: ۹۸)
میں عنقریب اپنے رب سے تمہاری شفاعت کروں
گا لا ریب وہ بخشنے والا مہربان ہے

حضرت یوسف علیہ السلام:

(۸) لَا تَنْتَرِبُ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ

(یوسف ۹۲)

فرمائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام:

(۹) إِنْ نَعِدْكُمْ فَأَتِمُّوَا عِبَادَتَكُمْ إِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (المائدہ: ۱۱۸)

حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت:

(۱۰) وَلَوْ أَنَّكُمْ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ جَاءَتْكُمْ فَاستَغْفِرُوا

اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا

(النساء ۶۴)

(۱۱) وَاسْتَغْفِرْ لِنَافِكَ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

(محمد ۱۹)

(۱۲) فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (آل عمران ۵۹)

صالحین کی شفاعت مومنین کے لیے:

(۱۳) رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ

(احقر ۱۰)

فرشتوں کی شفاعت:

(۱۴) الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ

رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا

(المومن ۷)

(۱۵) يَوْمَ يَقُومُ الزُّدُوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ

إِلَّا مَنْ أَمَرَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا (النبا ۲۸)

(۱۶) وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَى (الانبیاء ۲۸)

(۱۷) فَاعْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ

الْجَحِيمِ (المومن ۷)

(۱۸) رَبَّنَا وَادْخُلْهُمْ جَنَّاتٍ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ

صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ

آج تم پر کوئی ملامت نہیں! اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت

فرمائے۔

اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو

ان کو بخش دے تو تو غالب اور حکمت والا ہے ○

اور اگر یہ لوگ گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو

آپ کی بارگاہ میں حاضری دیں اپنے گناہوں پر اللہ تعالیٰ سے

توبہ کریں اور آپ ان کی شفاعت کر دیں تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو

توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں ○

اور اپنے (بہ ظاہر) خلاف ادنیٰ کاموں اور مسلمان

مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے مغفرت طلب کیجئے

ان کو معاف کر دیجئے اور ان کے لیے شفاعت کیجئے۔

اے ہمارے رب! ہماری مغفرت فرما اور ہم سے پہلے

گزرے ہوئے ہمارے مسلمان بھائیوں کی۔

وہ فرشتے جو عرش الہی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس

کے ارد گرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں اور اس

کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے لیے بخشش طلب

کرتے ہیں۔

جس دن جبریل اور عام فرشتے صف باندھے کھڑے

ہوں گے اس دن اللہ تعالیٰ کے حضور ہی بات کر سکے گا جس کو

رحمن اجازت دے گا اور وہ صحیح بات کرے گا ○

اور فرشتے اسی کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت پر

اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔

اے اللہ! ان لوگوں کو معاف کر جنہوں نے توبہ کی اور

تیری راہ پر چلے اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچا ○

اے ہمارے رب! مسلمانوں کو دائمی جنت میں داخل فرما

جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور جو ان کے آباء ازواج

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (المؤمن ٨)

اور اولاد میں سے صالح ہوں، ان کو بھی جنت میں داخل فرما
ااریب تو غالب اور نکت والا ہے O

(١٩) وَفَرِّمُ السَّيَّاتِ^ط وَتَنْ تَقِي السَّيَّاتِ يَوْمَئِذٍ قَدْ
رَجَعْتَهُ^ط وَذَلِكَ هُوَ أَنْفُوسُ الْعَظِيمِ ○ (١٠ من ٩)

اے اللہ! اس دُکھ کو گنت ہوں، عذاب سے چاہا اور جس شخص کو تو نے اس دُکھ سے عذاب سے بچا لیا اس پر تو نے رحم کیا اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○

کفار کا شفاعت سے محروم ہونا شفاعت کا ان کے لیے نفع آور نہ ہونا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہونا اور اس محرومی پر ان کی حسرت (اگر مسلمانوں کو بھی کسی کی نصرت اور شفاعت حاصل نہ ہو تو کفار کے لیے یہ محرومی باعث حسرت نہ ہوتی نہ ہو سکتی ہو) دیکھیں گے کہ مسلمان بھی اس محرومی میں ان کے ساتھ ہیں۔

(۲۰) فَبَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ۝

کفار کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہ دے

۵۴
تو کیا ہماری شفاعت کرنے والے کوئی ہیں؟

(CA. 244)

(۲۱) دَهْلُ تَكَا مِنْ شُفْعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا (۱/۵۳)

جوہری شفاعت کریں O

(۲۲) كَمَا لَتَابِينَ شَاقِيقَيْنِ ۖ (الشعراء، ۱۰۰)

اللہ سے ہٹ کر کنار کا کوئی مددگار ہے نہ کوئی شفاعت کرنے والا۔

(۲۳) لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ

(۱۱) (فہم: ۵۱)

کفار کے لیے کوئی ایسا دگڑا اور شفاعت کرنے والا نہ ہوگا جس کی بات مانی جائے O

(۲۳) كَالْظَالِمِينَ مِنْ حَبِيبٍ وَلَا تَفْقَهُ بِطَارُ ○

(المؤرخ)

شفاعت پر احادیث سے دلائل

امام بخاری روایت کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں
عبدہ ریز دیکھوں گا۔ اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے عبدہ میں رکھے گا پھر مجھ سے کہا جائے گا، اپنا سراٹھادو، مانگو، گا شفاعت
کر قبول ہوگی، پھر میں اپنے رب کی وہ حمد کروں گا جو اللہ تعالیٰ مجھے اس وقت تعلیم کرے گا، پھر میں شفاعت کروں گا، پھر میرے
لیے ایک حد مقرر کی جائے گی، پھر میں گنہگاروں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا، پھر میں دوبارہ عبدہ کروں گا، اور پھر
شفاعت کروں گا (تین یا چار بار) حتیٰ کہ جہنم میں صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جن کو قرآن نے روک لیا ہے۔ قندہ سبتے تھے
جن پر جہنم کا دوام واجب ہو چکا ہے۔ (سیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، راپڑ ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میری شفاعت حاصل کرنے میں سب سے زیادہ کامیاب شخص وہ ہوگا جس نے خلوص دل سے کلمہ پڑھا۔

(صحیح بخاری ج ۱، ص ۲۰ مطبوعہ نور محمدیہ مطبع الطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ایک ماہ کی مسافت کے رعب سے میری مدد کی گئی، تمام روئے زمین کو

میرے لیے اور آلہ تیم بنادیا لہذا میری امت سے جو شخص نماز کا وقت پائے نماز پڑھے اور میرے لیے مال فقیرت حلال کر دیا گیا جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھا مجھے شفاعت عطا کی گئی پہلے نبی ایک خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں لوگوں میں سب سے پہلے جنت کی شفاعت کروں گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کی ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور ہر ایک نے اس دعا کو دنیا میں خرچ کر لیا اور میں نے اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے بچا کر رکھا ہے اور یہ ان شاء اللہ میری امت کے ہر اس فرد کو حاصل ہوگی جو شرک سے پاک رہے گا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم میں ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول تلاوت فرمایا: ”رب انہیں اصلل“ اور عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول تلاوت فرمایا اے اللہ اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو غالب اور حکیم ہے پھر آپ نے ہاتھ بلند کیے اور عرض کیا: اے اللہ میری امت میری امت پھر آپ پر گریہ طاری ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبرائیل! محمد کے پاس جاؤ اور پوچھو (حالانکہ وہ خوب جانتا ہے) ”کیوں روتے ہو؟“ پھر جبرائیل آپ کے پاس آئے اور آپ سے دریافت کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خبر دی پھر جبرائیل نے جا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا حالانکہ وہ خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور فرمایا جا کر کہو ہم تم کو تمہاری امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے چچا ابو طالب کا ذکر کیا گیا آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری شفاعت سے اس کو فائدہ پہنچے گا (عذاب میں تخفیف ہوگی)۔

(جامع ترمذی ص ۳۵۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنی امت کے گناہ کبیرہ کرنے والوں کی شفاعت کروں گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے ایک شخص (اویس قرنی یا عثمان) کی شفاعت کے سبب سے سو تیسیم کے افراد سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے کچھ لوگ ایک گروہ کی شفاعت کریں گے کچھ ایک قبیلہ کی کچھ ایک جماعت کی اور کچھ ایک شخص کی حتیٰ کہ وہ سب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (جامع ترمذی ص ۳۵۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس اللہ کا پیغام آیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ اللہ میری آدمی امت کو جنت میں داخل کر دے یا میں شفاعت کروں۔ میں نے شفاعت کو اختیار

کر لیا اور یہ شفاعت ہر اس مسلمان کو حاصل ہوگی جو شرک پر نہیں مرے گا۔ (جامع ترمذی ص ۲۵۱ مطبوعہ دارخانہ تجارت اسلام آباد)۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے جس شخص کے دو پیش رو (فوت شدہ کم سن بچے) ہوں وہ اس شخص کو جنت میں لے جائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا آپ کی امت میں سے جس شخص کا ایک پیش رو ہو؟ فرمایا اے صاحبہ خیرات اس کو وہ ایک پیش رو ہی سے جائے گا عرض کیا جس کا کوئی پیش رو نہ ہو؟ فرمایا "جس کا کوئی نہیں ہوگا اس کا" میں "ہوں گا کیونکہ میری امت کو میری جدائی سے بڑھ کر کسی کی جدائی سے تکلیف نہیں پہنچی۔ (جامع ترمذی ص ۱۷۲ مطبوعہ دارخانہ تجارت اسلام آباد)۔
امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم مومنوں سے اذان سنو تو وہ کلمات دہراؤ پھر مجھ پر درود شریف پڑھو کیونکہ جو مجھ پر ایک صلوٰۃ بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس صلوٰات نازل فرماتا ہے پھر میرے لیے وسیلہ (مقام رفیع) کی دعا کرو کیونکہ وہ جنت میں ایک مرتبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں گا جس شخص نے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۶ مطبوعہ دارمحمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)۔
امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۷۸ مطبوعہ نشر اسلام آباد)۔

وَإِذْ نَجَّيْنَكُمْ مِنَ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ

اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی جو تم کو بدترین عذاب پہنچاتے تھے

يَذَبْحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ

تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے

مِّنْ سَاءِ نَّكَاحٍ عَظِيمٍ ۝۴۹ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَكُمْ وَ

عظیم آزمائش تھی ۵ اور جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو چیر دیا پھر ہم نے تم کو

أَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝۵۰ وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ

نجات دی اور ہم نے آل فرعون (فرعون اور اس کے تابعین) کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے ۵۰ اور ابراہیم نے

أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ۝۵۱

سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا پھر اس کے بعد تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ظالم تھے ۵۱

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِمَّنْ يَعِدُ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۲﴾ وَإِذْ آتَيْنَا

پھر اس کے بعد ہم نے تم کو معاف کیا تاکہ تم (مجرم) شکر ادا کرو O اور جب ہم نے

مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۵۳﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَى

موسیٰ کو کتاب دی اور حق اور باطل میں فرق کرنے والا (معجزہ) دیا تاکہ تم ہدایت پاؤ O اور جب موسیٰ نے

لِقَوْمِهِ يَقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ

اپنی امت سے کہا اے میری امت! بے شک تم نے بھڑے کو (معبود) بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے

فَتَوَيَّأُوا إِلَىٰ بَارِكُمْ فَأَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ

پس تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو سو تم ایک دوسرے کو قتل کرو تمہارے خالق کے نزدیک یہ تمہارے

بَارِكُمْ ۚ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۵۴﴾

لیے زیادہ بہتر ہے تو اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہے صدر رحم فرمانے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی جو تم کو بدترین عذاب پہنچاتے تھے۔

(البقرہ ۴۹)

بنو اسرائیل پر فرعون کے عذاب کا بیان

سورہ بقرہ کی آیت ۴۹ سے لے کر آیت ۶۰ تک اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل پر کی گئی دس نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے ان میں پہلی نعمت بنو اسرائیل کو فرعون کے مظالم اور اس کے عذاب سے نجات عطا فرمانا ہے۔

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ فرعون بنو اسرائیل کو عذاب دیتا تھا ان سے طرح طرح کے کام لیتا تھا بعض سے مکان بنواتا بعض سے کاشتکاری کراتا بعض سے مزدوری لیتا اور جن سے کوئی کام نہ لیتا ان سے جزیہ لیتا تھا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۸۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

سہی نے بیان کیا ہے کہ فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نمودار ہوئی اور مصر کے مکانوں کو لپیٹ میں لیتی ہوئی آئی اور قبطیوں کو جلاؤ والا اور بنو اسرائیل کو چھوڑ دیا اس نے جادو گروں اور کاهنوں کو بلایا اور اس خواب کی تعبیر معلوم کی انہوں نے کہا جس شہر سے بنو اسرائیل آئے ہیں یعنی بیت المقدس سے وہاں ایک شخص پیدا ہوگا جس کے ہاتھ سے مصر کے دگ مارے جائیں گے تب فرعون نے یہ حکم دیا کہ بنو اسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے اور جو لڑکی پیدا ہو اس کو چھوڑ دیا جائے اس نے قبطیوں سے کہا تمہارے جو غلام باہر کام کرتے ہیں ان کو بلاؤ اور ان کی جگہ بنو اسرائیل سے کام لو اور ان سے بچ اور ذیل کام لو جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضِعُّ مِنْهُ مِثْقَاتُ الْيَدَيْنِ يَذَّبُ عَنْهُمُ الْعَذَابَ فَكُنُوزًا لِلنِّسَاءِ اللَّهُ بَصِيرٌ (النس ۲)

بے شک فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس نے (اپنے) اہل زمین میں الگ الگ گروہ کر کے اس میں ایک گروہ (عسرائیل) کو کمزور کر رکھا تھا ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا

ہو، اسرائیل کے بیٹے مارے جا رہے تھے اور، عسرائیل کے بوڑھے فقہاء الہی سے مر رہے تھے ان میں سے کوئی بچہ بڑا نہیں ہوتا تھا تب قبطیوں نے کہا کہ عسرائیل کے بچے بڑے نہیں ہو رہے اور بوڑھے مر رہے ہیں اس طرح ان میں کوئی مرد باقی نہیں رہے گا پھر ہمارے کام کون کرے گا؟ تب فرعون نے یہ حکم دیا کہ ایک سال عسرائیل کے بیٹے ذبح کر دیئے جائیں اور ایک سال چھوڑ دیئے جائیں جس سال وہ ذبح نہیں کرتے تھے اس سال حضرت ہارون پیدا ہوئے اور ان کو چھوڑ دیا گیا اور جس سال بچوں کو ذبح کیا جاتا تھا اس سال حضرت موسیٰ پیدا ہوئے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۵۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

فرعون کا نام

فرعون مصر کے بادشاہ کا لقب ہے جیسے روم کے بادشاہ کا لقب قیصر ہے اور فارس کے بادشاہ کا لقب کسریٰ ہے، ورمین کے بادشاہ کا لقب تیج ہے اور حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہے ترک کے بادشاہ کا لقب خاقان ہے مسلمانوں کے بادشاہ کا لقب سلطان ہندوؤں کے بادشاہ کا لقب راجا اور انگلستان کے بادشاہ کا لقب جارج ہے فرعون کا لفظ ثمرہ اور عظمت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

امام ابن جریر طبری نے امام ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ قرآن میں جس فرعون کا ذکر ہے اس کا نام ولید بن مصعب بن الریان تھا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۵۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

آل کا لغوی معنی

علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں

کسی شخص کے اہل (بیوی) اور اس کے عیال (اولاد) کو اس شخص کی آل کہتے ہیں اور اس شخص کے تبعین اور ادبا کو بھی آل کہتے ہیں حدیث میں ہے: "سلمان ہمارے آل بیت سے ہے" قرآن مجید میں ہے: "کذاب ال فرعون" اس میں آل فرعون سے مراد اس کے تبعین ہیں اور نبی صلی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: "صدقہ محمد اور آل محمد کے لیے جائز نہیں ہے" امام شافعی نے کہا اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل ہی وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور صدقہ کے بدلہ میں ان کو خنس دیا گیا اور یہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا آپ کی آل کون ہیں؟ فرمایا آل علی آل جعفر آل عقیل اور آل عباس حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آل محمد کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ہر تقی (متقی)۔

آل کا استعمال غالباً اشراف میں ہوتا ہے اس لیے آل الکاف (موجیوں کی آل) نہیں کہا جائے گا اگرچہ اصل الکاف کہا جاتا ہے نیز اس کی اضافت اعلام ناظرین کی طرف ہوتی ہے نکرہ زمان اور مکان کی طرف اس کی اضافت نہیں ہوتی اس لیے آل رجل آل زمان یا آل مکان نہیں کہا جائے گا اس کی اصل اہل ہے اور اس کی تصغیر اہل آتی ہے۔

(جامع المعروض ج ۷ ص ۵۶، مطبوعہ المطبعة الخیرہ مصر ۱۳۰۶ھ)

امام ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ آل فرعون سے مراد فرعون کے اہل دین اور اس کے تبعین ہیں۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے مصداق کی تحقیق

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے متعلق تین قول ہیں آپ کے قمیص اور آپ کی ازادان اور آپ کی دریت ورمہ منین میں سے آپ کے کسی قرابت دار اور یہ آل علی بن ابی طالب اور آل عباس اور آل حارث بن عبدالمطلب ہیں۔ (دارالکتاب ص ۲۰۶) آل سے آپ کے قمیص ہونے پر دلیل یہ ہے کہ قرآن میں جہاں آپ فرعون کا لفظ آیا ہے اس سے فرعون کے قمیص اور اس کے اہل، بن مراد ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام سے ان کے بیٹے کے متعلق فرمایا

إِنَّكَ كَيْتِسٌ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ

بے شک وہ آپ کے اہل سے نہیں ہے بے شک اس کے عمل نیک نہیں ہیں۔ (سورہ: ۴۶)

یہی وجہ ہے کہ ابو اہل اور ابو لہب کو آپ کی آل اور اہل نہیں قرار دیا جاتا حالانکہ آپ کے اور ان کے درمیان یہی قرابت داری ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ آواز بلند فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سوائے شخص کی آل میرے ولی نہیں ہیں میرا ولی اللہ ہے اور نیک مومن میرے ولی ہیں۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۵ مطبوعہ مطبعہ نور محمد ص ۱۳۷ کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۸۶ مطبوعہ نور محمد ص ۱۳۷ کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ امام عبدالرزاق سے روایت کرتے ہیں

ایک شخص نے ثوری سے پوچھا آل محمد کون ہیں؟ ثوری نے کہا اس میں لوگوں کا اختلاف ہے بعض نے کہا اہل بیت ہیں اور بعض نے کہا جو آپ کی اطاعت کرے اور آپ کی سنت پر عمل کرے وہ آپ کی آل ہے امام بیہقی نے کہا امام عبدالرزاق کا بھی یہی قول ہے اور یہی رائے حق کے مشابہ ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح سے فرمایا کہ کشتی میں ہر جوڑے میں سے دو کو اور اپنے اہل کو سوار کرو حضرت نوح نے عرض کیا میرا بیٹا بھی میرے اہل سے ہے تیرا وعدہ حق ہے اور تو انکم الجاکین ہے فرمایا اے نوح اے شک تمہارا بیٹا تمہارے اہل سے نہیں ہے اس کے عمل نیک نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شرک کی وجہ سے حضرت نوح کے بیٹے کو ان کے اہل سے نکال دیا۔ (سنن کبریٰ ج ۲ ص ۵۲ مطبوعہ نشر السنۃ دہلی)

نیز امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل آپ کی امت ہے۔

(سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۵۲ مطبوعہ نشر السنۃ دہلی)

امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟ فرمایا ہر متقی شخص۔ (انجم الصیرج ج ۱ ص ۱۱۵ مطبوعہ مکتبہ سفینہ مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ)

حفظ الہی نے اس حدیث کو درج کر کے لکھا ہے۔ اس میں نوح بن ابی مریم ایک ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۶۹ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام بخاری نے اس حدیث کو ایک اور سند سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس میں ابوہریرہؓ کی ایک ضعیف راوی ہے۔
(سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۵۲ مطبوعہ نشر المکتبۃ النعمان)

قاضی عیاض مالکی نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔ (الانصار ج ۲ ص ۶۶ مطبوعہ عبدالحق اب الکیڑی ملتان)
حافظ بیوطی نے اس حدیث کو امام ابن مردودہؒ طبرانی اور بیہقی کے حوالوں سے اپنی تفسیر میں درج کیا ہے
(الدر المنثور ج ۳ ص ۱۸۳ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

ہر چند کہ اس حدیث کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے لیکن یہ تعداد اسانید کی وجہ سے حسن لغیرہ ہوگئی اور فضائل اور مناقب میں حدیث ضعیف کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے نیز اس حدیث کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بخاری روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوگ اپنے اپنے صدقات لے کر آتے تو آپ فرماتے اے اللہ! آل فلاں پر صلوٰۃ نازل فرما سو میرے والد آپ کے پاس اپنا صدقہ لے کر آئے تو آپ نے فرمایا اے اللہ! آل ابی اوفی پر صلوٰۃ نازل فرما۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۳ مطبوعہ نور محمد صحیح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)
اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر صلوٰۃ پڑھی جاتی ہے اور آپ کا آل ابی اوفی پر صلوٰۃ پڑھنا اس کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ بھی آپ کی آل میں ہیں۔
نیز امام حاکم روایت کرتے ہیں:

حضرت مصعب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک مسلمان ہمارے اہل بیت سے ہیں۔ (المصدر ج ۳ ص ۵۹۸ مطبوعہ دارالبازکہ کرمہ)
اس حدیث میں بھی اس پر دلالت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قبیع اور صالح مومن آپ کی آل سے ہے۔
آل کے متعلق دوسرا قول ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت اور آپ کی ازواج اس کی دلیل یہ حدیث ہے امام مسلم روایت کرتے ہیں:

ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہم آپ پر کس طرح صلوٰۃ پڑھیں؟ آپ نے فرمایا تم کہو اے اللہ! محمد پر صلوٰۃ نازل فرما اور آپ کی ازواج اور آپ کی ذریت پر جیسا کہ تو نے آل ابراہیم پر صلوٰۃ نازل فرمائی ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۵ مطبوعہ نور محمد صحیح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)
اس حدیث میں آپ نے آل کی جگہ ازواج اور ذریت کا ذکر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی ازواج اور آپ کی ذریت بھی آپ کی آل ہیں۔

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کون ہیں؟ ازہری اور دیگر محققین کا مختار یہ ہے کہ تمام امت آپ کی آل ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت (ازواج) اور آپ کی ذریت ہے۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۱۷۵ مطبوعہ نور محمد صحیح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

آل کے متعلق تیسرا قول ہے مومنین میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی قرابت دار یعنی بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب آپ کی آل ہیں اس پر دلیل یہ حدیث ہے امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نے صدقہ کی ایک کھجور اپنے منہ

میں رہے لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوڑ دو چھوڑ دو اس کو پھینک دو کیا تم کو علم نہیں کہ ہم صدق نہیں بھانے؟

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۳-۲۳۴ مطبوعہ نور محمد ریح الطائفہ کراچی ۱۳۷۵ھ)

حضرت عبداللہ بن حارث بن نوفل ہاشمی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہ صدقات لوگوں کا نیل ہیں یہ محمد اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال نہیں ہیں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۵-۲۳۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور بسبب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پیر دیا پھر ہم نے تم کو نجات دی۔ (البقرہ ۵۰)

بنو اسرائیل کے لیے سمندر چرنے کا بیان

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں جب حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کو بے کرمصر سے جانے لگے تو فرعون کو اس کی خبر پہنچ گئی اس نے کہا ابھی رہنے دو صبح مرغ کی اذان کے ساتھ ان کا پیچھا کریں گے اس رات مرغ نے اذان نہیں دی جب صبح ہوئی تو فرعون نے ایک بکری ذبح کرائی اور کہا جب میں اس کی کھجی کھانے سے فارغ ہوں تو یہاں چھ لاکھ قبیلے جمع ہو جائیں پھر چھ لاکھ قبیلوں کے ساتھ فرعون نے بنو اسرائیل کا پیچھا کیا ادھر حضرت موسیٰ جب سمندر کے کنارے پہنچے تو ان کے اصحاب میں سے یوشع بن نون نے کہا اے موسیٰ! آپ کے رب نے کس طرف سے نکلنے کا حکم دیا تھا؟ حضرت موسیٰ نے اپنے سامنے سمندر کی طرف اشارہ کیا۔ یوشع نے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا حتیٰ کہ جب وہ سمندر کی گہرائی میں پہنچا تو پھر لوٹ آئے اور پھر پوچھا کہ آپ کے رب نے کہاں سے نکلنے کا حکم دیا تھا؟ تین بار اس طرح ہوا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف یہ وحی کی کہ اپنے عصا کو سمندر پر ماریں جب حضرت موسیٰ نے سمندر پر عصا مارا تو وہ بارہ حصوں میں منقسم ہو کر پھٹ گیا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کے بارہ گروہوں کے ساتھ اس سے پار گزر گئے۔ بعد میں جب فرعون اور اس کے ساتھ قبیلے اس سے گزرنے لگے تو سمندر آپس میں مل گیا اور فرعون اور قبیلے غرق ہو گئے۔ یہ سمندر بحر قلزم تھا فقادہ نے کہا ہے کہ بنو اسرائیل چھ لاکھ تھے اور قبیلے بارہ لاکھ تھے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۱۱۸-۱۱۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا پھر اس کے بعد تم نے پچھڑے کو معبود بنا لیا۔ (البقرہ ۵۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نام و نسب کا بیان

امام رازی لکھتے ہیں:

لفظ موسیٰ عبرانی زبان کا لفظ ہے اور دو کلموں سے مل کر بنا ہے 'مو' کا معنی ہے پانی اور 'سا' کا معنی ہے درخت حضرت موسیٰ کو ان کی ماں نے فرعون کے خوف سے تابوت میں رکھ دیا تھا اور اس تابوت کو سمندر میں ڈال دیا سمندر کی موجیں اس تابوت کو فرعون کے گھر کے قریب درختوں کے جھنڈ میں لے آئیں فرعون کی بیوی آسیہ کو وہ تابوت ملا اس نے اس تابوت سے بچہ نکال لیا اور چونکہ یہ بچہ اسے پانی اور درختوں میں ملا تھا تو اس جگہ کی مناسبت سے اس کا نام موسیٰ رکھ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام و نسب یہ ہے موسیٰ بن عمران بن صہر بن قاعث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

تورات کا نزول اور بنو اسرائیل کی گنو سالہ پرستی

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں

امام ابن کثیر نے یہاں کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کر دیا اور حضرت موسیٰ اور بنو اسرائیل کو اس سے نجات دے دی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے تیس راہوں کا وعدہ فرمایا پھر ان کو دس مزید راہوں سے پورا کیا ان راہوں میں حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے ملاقات کی اور حضرت ہارون کو بنو اسرائیل پر خلیفہ بنایا اور مائیں اسے رب کے پاس جلدی میں جا رہا ہوں ہم میرے خلیفہ ہارون کو دس راہوں کی سیروی نہ کرنا حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے ملاقات کے ثواب میں جلدی چلے گئے حضرت ہارون قائم مقام ہوئے اور سامری بھی ان کے ساتھ رہا۔

ابوالعالیہ نے بیان کیا ہے کہ بعد از ایک ماہ ذوالحجہ ہارون دن ذوالحجہ کے تھے اس مدت میں حضرت موسیٰ اپنے اصحاب کو چھوڑ کر چلے گئے اور حضرت ہارون کو ان پر خلیفہ بنایا اور طور پر چالیس راہیں شہر سے اور ان پر زمرہ کی راہیں تورات نازل کی گئی اللہ تعالیٰ نے ان کو قریب کر کے سرگوشی کی اور ان سے ہم کلام ہوا اور حضرت موسیٰ نے قلم کے جلے کی ادائیگی اور ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ ان چالیس راہوں میں وہ پھنسے ہوئے تھے کہ طور سے واپس آئے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۲۲ "طبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ")

امام رازی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جب فرعون کو غرق کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تورات کے نازل کرنے کا وعدہ فرمایا تو موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون کو خلیفہ بنا کر طور پر چلے گئے بنو اسرائیل کے پاس قبیلوں کے وہ کپڑے اور زبورات تھے جو آئے سے پہلے قبیلوں سے انہوں نے عاریتہ لیے تھے حضرت ہارون علیہ السلام نے ان سے فرمایا یہ کپڑے اور زیورات تمہارے لیے جائز نہیں ہیں ان کو جلا دو انہوں نے ان کو جمع کر کے آگ لگا دی جب حضرت موسیٰ ہندو میں جا رہے تھے تو سامری نے حضرت ہیرائیل علیہ السلام کو ایک گھوڑی پر چاہے ہوئے دیکھا تھا اس نے اس گھوڑی کے منہ میں سے آگ کی ایک ٹپھی اٹھالی تھی سامری کے پاس جو سونا اور چاندی تھی اس نے اس کو بکھلا کر اس کا ایک ٹکڑا بنالیا اور اس میں وہ منی ڈال دی اس کے اثر سے اس بھسکے ٹکڑے کی آواز نکلنے لگی پھر سامری نے بنو اسرائیل سے کہا یہ تمہارا اور حضرت موسیٰ کا خدا ہے اور وہ قوم اس گنو سالہ کی پرستش کرنے لگی حضرت ہارون اور بارہ ہزار دیگر افراد کے علاوہ سب نے گنوساہ پرستی کی

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۲۲ "طبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۸ھ")

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان دی۔ (البقرہ ۵۳)

کتاب سے مراد تورات ہے اور اس کے نزول کا واقعہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے اور فرقان سے مراد حضرت موسیٰ کے معجزات ہیں جن میں عصا تھا اور ید بیضا اور بھی کئی معجزات تھے جن کو نو آیات پینات سے تعبیر فرمایا ہے ان سب کی تفصیل ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور جب موسیٰ نے اپنی امت سے کہا اے میری امت بے شک تم نے مجھ سے کو (معبود) بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ (البقرہ ۵۳)

بنو اسرائیل کی قبولیت تو بہ کا بیان

اس آیت کے پس منظر اور پیش منظر کو اللہ تعالیٰ نے سورہ طہ میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے اس کا ترجمہ اس طرح ہے (ہم نے طور پر موسیٰ سے فرمایا) اے موسیٰ! آپ نے لوگوں کو چھوڑ کر آنے میں کیوں جلدی کی؟ حضرت موسیٰ نے کہا وہ لوگ میرے پیچھے آ رہے ہیں اور اے میرے رب! میں تجھے راضی کرنے کے لیے تیری بارگاہ میں جلدی حاضر ہوا فرمایا ہم

نے آپ کے بعد آپ کی امت کو آزمائش میں ڈال دیا ہے اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا، سو حضرت موسیٰ بہایت غم و غصہ کی حالت میں واپس ہوئے اور فرمایا میری امت اکیاسم ہے تمہارے رب نے (تورات عطا کرنے کا) اچھا وعدہ نہیں کیا تھا پھر کیا تم پر بہت طویل مدت گزر گئی تھی یا تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو کیونکہ تم نے میرے وعدہ کی خلاف ورزی کی ہے انہوں نے کہا ہم نے اپنے اختیار سے آپ سے وعدہ نڈائی نہیں کی، لیکن ہم بر قوم فرعون کے بھاری روبرو کا بوجھ تھا، ہم نے ان زیورات کو آگ میں ڈال دیا اور سامری نے بھی اپنے حصہ کے زیورات کو آگ میں ڈال دیا، پھر اس نے ان کے لیے پچھڑے کا بے جان جسم نکالا جو نیل کی آواز نکالتا تھا، لوگوں نے کہا یہی موسیٰ کا مجبود ہے اور تمہارا مجبود ہے، موسیٰ و بھول گئے، کہا یہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ وہ پچھڑا تو ان کی کسی بات کا جو ب بھی نہیں دے سکتا تھا اور نہ وہ ان کے لیے کسی نفع اور نقصان کا مالک تھا اور بے شک بارون نے پہلے ہی بن سے کہا، یا تھا کہ اے میری قوم اس پچھڑے کے ذریعہ تم آزمائش میں ڈالے گئے ہو اور بے شک تمہارا رب رحمن ہے، سو تم میری اتباع کرو اور میرا کہا مانو، انہوں نے کہا ہم تو اسی کی پوجا پر جسے رہیں گے جب تک کہ موسیٰ ہمارے پاس لوٹ کر نہ آئیں، (موسیٰ نے واپس آ کر) کہا اے بارون! جب آپ نے انہیں گمراہ ہوتے ہوئے دیکھا تو آپ کو کیا چیز مانع تھی کہ آپ نے میری اتباع نہ کی؟ کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟ (بارون نے) کہا اے میری ماں کے بیٹے! میری دڑھی اور میرے سر (کے بالوں) کو نہ پکڑیے، بے شک مجھے یہ ڈر تھا کہ (اگر میں نے ان کو سختی سے روکا) تو آپ کہیں گے کہ تم نے بنو اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میرے حکم کا انتظار نہ کیا، (موسیٰ نے سامری سے) فرمایا اے سامری! تیرا کیا بیان ہے؟ اس نے کہا میں نے وہ چیز دیکھی جو دوسروں نے نہ دیکھی تھی (مجھے گھوری پر جبرائیل سو نظر آئے) تو میں نے رسول (جبرائیل) کی سواری کے نقش قدم (کی مٹی) سے ایک مٹی بھر لی پھر میں نے اس کو (پچھڑے کے مجسمہ میں) ڈال دیا اور میرے دل میں اسی طرح بات آئی تھی فرمایا تو (اب) ادفع ہو جا، بے شک، بے زندگی بھر تیری پیڑا ہے کہ تو کہتا پچھڑے کہ (خبردار مجھے) نہ چھوٹا اور تیرے لیے (عذاب کا) وعدہ ہے جو ہرگز تجھ سے نہیں ملے گا اور اپنے اس مجبود کو دیکھ جس کی پوجا میں تو جہا بیٹھا تھا، ہم اس کو ضرور جلا کر بھجھ کر دیں گے، پھر اس (کی راکھ) کو (اڑ کر) دریا میں بہا دیں گے، تمہارا معبود صرف اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، جس نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر لیا، اسی طرح ہم آپ کو گزشتہ واقعات کی خبریں بیان فرماتے ہیں اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ذکر (قرآن) عطا فرمایا ہے۔

(طہ ۹۹-۸۳)

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

سدی نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے اس گنہگار کے نکلے نکلے کیے اور اس کو جلا کر اس کے ذرات کو سمندر میں بہا دیا، پھر حضرت موسیٰ نے فرمایا اس سمندر سے پانی پو تو جو اس پچھڑے سے محبت کرتا تھا اس کی مونچھوں پر اس سونے کے ذرات لگ گئے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ان کے کفر کی وجہ سے پچھڑا ان کے دلوں میں پلایا گیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد جب بنو اسرائیل کو اپنی گمراہی کا یقین ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم پر ہمارا رب رحم نہ فرمائے اور ہماری مغفرت نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی حال میں بنو اسرائیل کی توبہ قبول کرنے سے انکار کر دیا، پس موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا، اے میری امت! تم نے پچھڑے کی عبادت کرنے کی جاذبہ پر بعض منسرفین سے کہا ہے کہ وہ مجھ کو شت پوست اور ہڈیوں میں تبدیل ہو گیا تھا، حضرت موسیٰ نے ان کو اتار کرے با، اور انہیں نے کہا وہ اسی طرح سونے اور چاندی کا مجسمہ تھا، اس کو آلات سے نکلے نکلے کر کے ریر و ریزہ کر دیا۔

ظلم کہ ہے تم اپنے خالق کی طرف تو۔ رو، دوسرے کو قتل کرنا پھر انہوں نے دو صفتیں بنا میں ایک صفت میں پھڑے کی عبادت کرنے والے کھڑے ہوئے اور دوسری صفت میں وہ کھڑے ہوئے انہوں نے پھڑے کی عبادت میں کی تھی اور انہوں نے گنواں پر توں کو قتل کیا اور ستر ہزار افراد قتل کر دیے گئے پھر حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے دعا کی کہ اے رب اس طرح تو سارے اسرائیل ہلاک ہو جائیں گے اے رب ابقیہ کو معاف فرما دے تب نہیں تھیار دینے کا حکم دیا جو قتل ہو گئے وہ شہید قرار پائے اور چونکہ گئے اس کا کفارہ ہو چکا تھا۔ (جامع ایاں ج ۱ ص ۱۲۷) (شہداء دارالحدیث دہلی ص ۱۲۰۹)

یہ اسرائیل کی تو پتھی اور ہمارے لیے توبہ یہ ہے کہ گناہوں پر اٹک ندامت میں سناہ کہ فوراً ترک کر دیں اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر لیں کہ دوبارہ اس گناہ کو نہیں کریں گے اور اس سناہ کے ذریعہ جو حق ضائع ہوا ہے اس کی تلافی کر لیں۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَرٰى اللّٰهَ جَهْرَةً

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ ہم اللہ کو اپنے سامنے دیکھ لیں سو تم

فَاَخَذَتْكُمْ الصَّيْقَةُ ۚ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِ

کو ایک کڑک نے پکڑ لیا اور تم (اس منظر کو) دیکھ رہے تھے ۵ پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد

مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ ۖ وَاَنْزَلْنَا

تمہیں دوبارہ زندہ کیا تاکہ تم شکر ادا کرو ۵ اور ہم نے غم پر بادل کو سیاہی لگن کیا اور تم پر

عَلَيْكُمُ الْمَنِّ وَالسَّلٰوٰى ط كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا

من و سلویٰ کو نازل کیا ہم نے تم کو جو پاک چیزیں دی ہیں ان سے کھاؤ اور (ہماری حکم عدولی کر کے) انہوں نے

ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذْ قُلْنَا اَدْخُلُوْا

ہم پر ظلم نہیں کیا البتہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ۵ اور جب ہم نے کہا اس شیر میں

هٰذِهِ الْقَرْيَةُ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَاَدْخُلُوْا

داخل ہو اور اس میں تم جہاں سے چاہو جا روک ٹوک اٹھاؤ اور دروازہ میں جھکتے ہوئے داخل

الْبَابِ سٰجِدًا ۖ وَقُولُوْا اِحْطٰٓةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْئَتَكُمْ ط

ہونا اور یہ کہو ”حطّہ“ (ہمارے گناہ معاف فرما) تو ہم تمہارے سناہ معاف کر دیں گے اور عنقریب نیکی

۱ امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ ستر ہزار افراد بڑا امتیاز قتل کئے گئے اور علامہ خازن نے لکھا ہے کہ بری سے مجرم کو قتل کیا۔

(خازن ج ۱ ص ۵۴) منہ

سَتَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۸﴾ قَبَلِ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ

کرنے والوں کو زیادہ ابر دیں گے ۵۸ جو قول کہنے کے لیے ان سے کہا یہ تھا اس کو ظالموں سے بدلہ دے

الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَاتْرُكْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِمَّنْ

پس ہم نے ظالموں پر انان سے عذاب نازل کیا

السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۵۹﴾

کیونکہ وہ فسق کرتے تھے ۵۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ (البقرہ: ۵۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معذرت کے لیے ستر بنو اسرائیل کو طور پر لے جانا

امام محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن ابی نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ اپنی قوم کی طرف اٹھے اور پچھڑے کی عبادت کرنے پر بنو اسرائیل کو ملامت کی اور پچھڑے کو جلا کر اس کے ذرات کو مندر میں ڈال دیا پھر حضرت موسیٰ نے اپنی امت میں سے انہالی تک افراد جن کی تعداد ستر تھی سے فرمایا تم میرے ساتھ اللہ سے ملاقات کے لیے چلو اور ایسی اس گنواں پر بیٹھی پر اللہ تعالیٰ سے معذرت کرو جب حضرت موسیٰ ان کو لے کر پہاڑ طور پر گئے تو انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا آپ اپنے رب سے یہ سوال کریں کہ ہم بھی اپنے رب کا کلام سن لیں حضرت موسیٰ نے فرمایا اچھا حضرت موسیٰ جب پہاڑ کے قریب پہنچے ایک بادل آیا اور اس نے پورے پہاڑ کو ڈھانپ لیا حضرت موسیٰ اس بادل میں داخل ہو گئے اور قوم سے کہا تم قریب آ جاؤ جب حضرت موسیٰ اپنے رب سے ہم کلام ہوتے تو ان کی پیشانی پر بہت چمکدار نور ظاہر ہوتا جس کو دیکھنے کی کوئی انسان تاب نہیں آ سکتا تھا تو وہ اپنی پیشانی پر نقاب ڈال لیتے تھے جب قوم اس بادل کے اندر داخل ہوئی تو جلد میں گر گئی حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ سے کلام کر رہے تھے اور وہ سن رہے تھے جب موسیٰ علیہ السلام فارغ ہوئے اور بادل چھٹ گیا تو یہ لوگ حضرت موسیٰ سے کہنے لگے ہم ہرگز اللہ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو بالکل ظاہر عیاں اور بیاں دیکھ نہ لیں اسی وقت ان پر بجلی کی ایک کڑک آپڑی اور وہ سب مر گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور عرض کیا اے اللہ اگر تو چاہتا تو ان کو پہلے ہی ہلاک کر دیتا جب میں اپنی قوم کے پاس جاؤں گا تو میری کیسے تصدیق کریں گے کہ وہ کڑک سے ہلاک ہو گئے اور آسمان مجھ پر کب اعتماد کریں گے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام مسلسل دعا کرتے رہے بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان میں رجس اور ایمان پیدا کیا بنو اسرائیل نے جو پچھڑے کی پریشانی تھی اس پر توبہ کی مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تک کہ یہ ایک دوسرے کو قتل نہ کریں

اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا۔ (جامع میان ج اس ۳۲۱ - ۳۲۲، البقرہ: ۵۷ تا ۵۹)

اللہ تعالیٰ کے دیدار کو طلب کرنا جائز ہے لیکن بنو اسرائیل نے چونکہ سرشی اور عناد سے دیدار طلب کیا تھا اس لیے ان کو پہلی کڑک کا عذاب ہوا۔ اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو دیکھنا حرام ہے اور آخرت میں مسلمان اللہ تعالیٰ کا دیدار معزز اس کے منکر ہیں سورہ اعراف ۱۳۲ میں ان شاء اللہ اس کی مفصل بحث آئے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے پھر ہم نے نہاری موت کے بعد تیس دن دوبارہ زندہ کیا (البقرہ: ۵۹)
ستر اسرائیلوں کا دوبارہ زندہ ہونا ان کے مکلف ہونے کے منافی نہیں
ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے۔

قَالُوا اَدْبَارُ امْنِئْنَا اَلَّذِیْنَ وَاَجَبْتَنَا اَلَّذِیْنَ
وہ کہیں گے اے رب! تو نے ہمیں دوبارہ زندہ کیا اور
(البقرہ: ۱۱۰) دوبارہ تو نے ہمیں زندہ فرمایا۔

پہلے انسان بے جان مٹی کی صورت میں یا بے جان نطفہ کی صورت میں تھا پھر اس کو زندہ کیا پھر اس پر مٹی کی موت آئی اور
اس کو پھر آخرت میں زندہ کیا اس طرح ہر انسان کے لیے دو موتیں اور دو دیا تیں ہیں اور اس کو اسرائیل کے لیے تین موتیں اور
تین دیا تیں ہو گئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عام عادت جاری یہی ہے کہ ہر شخص پر دوبارہ موت آتی ہے لیکن کبھی اللہ
تعالیٰ اپنی قدرت کے ظہار کے لیے نئی عادت کے خلاف بھی کرنا ہے جیسا کہ عام عادت یہ ہے کہ انسان کو ایک مرد اور ایک
عورت سے پیدا کرتا ہے لیکن حضرت عیسیٰ کو بغیر مرد کے حضرت حوا کو بغیر عورت کے اور حضرت آدم کو مرد اور عورت دونوں کے
بغیر پیدا کر دیا اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جن لوگوں کی مدت عمر علم الہی میں پوری ہو چکی تھی ان کو دنیا میں دوبارہ زندگی نہیں دی
جاتی اور جس لوگوں کی مدت عمر علم الہی میں ابھی باقی تھی اور یہ طور سزا یا کی دوسری حکمت کی وجہ سے ان پر اجل سے پہلے موت
ملاری کی گئی ان کو مرنے کے بعد دنیا میں دوبارہ زندگی عطا کی جاتی ہے اور ان ستر بنو اسرائیل پر موت کے بعد جہاں طاری کرنا
اسی قبیل سے تھا اس سے یہ بھی معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نبیوں کی دعا سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ان ستر بنو اسرائیل کو زندہ کرنے کے بعد ان کو پھر مکلف کیا گیا حالانکہ مرنے کے بعد انہوں نے
احوال آخرت کو دیکھ لیا تھا اور ان پر غیب مشاہد ہو چکا تھا اور اگر ان کو مکلف کرنا جائز ہے تو عام لوگوں کو مرنے کے بعد زندہ
کر کے دوبارہ مکلف کرنا کیوں جائز نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دوبارہ مکلف نہ کرنے کی وجہ صرف مرنے کے بعد دوبارہ
زندہ ہونا نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد انسان احوال آخرت کا مشاہدہ کر لیتا ہے جنت کی راحت یا دوزخ
کے عذاب کو جان لیتا ہے اور اب آخرت پر ایمان اس کے نزدیک بدیہی اور ضروری ہو جاتا ہے اور اس میں عقل کی آزمائش اور
امتحان کا کوئی دخل نہیں رہتا اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ ان ستر بنو اسرائیل نے مرنے کے بعد احوال آخرت کا مشاہدہ نہ کیا ہو اور
عام لوگوں پر موت کے بعد جو واردات مرتب ہوتی ہیں وہ ان پر مرتب نہ ہوتی ہوں اس لیے ان کو دوبارہ مکلف کرنے پر کوئی
اعتراض نہیں ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بنو اسرائیل کی خصوصیت ہو کیونکہ بنو اسرائیل کو ایسی نشانیاں دکھائی گئیں جن کے بعد عقل کی آزمائش
کا دخل نہیں رہتا اس کے باوجود ان کو مکلف کیا گیا مثلاً انہوں نے دیکھا کہ پہاڑ ان کے اوپر ہوا میں معلق ہو گیا ہے اسی طرح
چالیس سال تک بادل کا ان پر سایا کرنا ان پر من اور ملوئی کا نازل ہونا نیز حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے بھی عذاب کے
آثار دیکھے لیے تھے اور اس کے بعد وہ ایمان لائے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور ہم نے تم پر بادل کو سایہ لگن کیا اور تم پر من اور ملوئی کا نازل کیا۔ (البقرہ: ۵۷)

میدان تہ میں بنو اسرائیل کی سرگردانی کا پس منظر و پیش منظر اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان
علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

بنو اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ بارہا ان کے لیے میں اصل موت اور ان کے لیے جہنم میں موت ہے۔

سے کہا آپ اور آپ کا رب ان سے جنگ کریں ہم ہیں گناہی کی اس گناہی کی سزا کے طور پر اس کو یہاں یہ میں چالیس سال تک سرگرداں رکھ گیا میدان۔ یہ مصر اور شام کے دریاں پانچ چھ فرخ (ایک فرخ تین شری میل کا ہوتا ہے) کا ایک وسیع و عریض میدان ہے۔ اس کی تفصیل اور پس نظر اس طرح ہے

بنی اسرائیل کا اصل وطن ملک شام تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں یہ لوگ مصر آ کر ٹہرے ہوئے۔ فرعون مصری غلامی کا دور بھی ان لوگوں نے مصر میں گزارا باآخرا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان نجات عطا فرمائی۔ فرعون مندر میں غرق ہوا اور بنی اسرائیل نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس دور میں ملک شام پر قوم المالقہ قابض ہو چکی تھی۔ فرعون کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ المالقہ سے جہاد کر کے ان سے اپنا وطن راد کر آئیں۔ بنی اسرائیل جہاد کے لیے ملک شام کی طرف روانہ ہوئے جب یہ المالقہ کی حدود کے قریب پہنچے تو ان کی قوت و روحیت کا حال سن کر ہمت ہار بیٹھے اور جہاد سے منہ موڑ کر واپس لوٹے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جرم کی سزایوں دی کہ وہ اپنے گھروں تک جانے کی فکر میں دن بھر سفر کرتے رات بسر کرنے کے بعد صبح کو اپنے آپ کو وہیں پاتے جہاں سے گزشتہ صبح انہوں نے سفر کا آغاز کیا ہوتا اسی پریشان حالی کے عالم میں چالیس سال انہوں نے میدان تیر میں گزار دیئے۔ اس دلدلی میں نہ کوئی سایہ دار درخت تھا اور نہ ہی کوئی عمارت نہ پینے کے لیے پانی نہ کھانے کے لیے کوئی چیز نہ ضروریات زندگی کے دیگر لوازمات اس سب سرد و سہانی کے عالم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کے لیے سب سامان مہیا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے دھوپ سے بچاء اور سایہ کے حصول کے لیے بادل بطور سامان نازل فرما دیا کھانے کے لیے من و سلوئی بھیج دیا من و سلوئی کے بارے میں مختلف اقوال ہیں صحیح قول یہی ہے کہ من سے مراد درختیں ہیں جو ایک نفیس شیریں ذائقہ دار مادہ تھا جو شبنم کی طرح صبح کے وقت آسمان سے اترتا اور کثیر مقدار میں چھوٹے چھوٹے درختوں پر منجمد ہو جاتا تھا۔

سلوئی کے بارے میں بھی متعدد اقوال ہیں صحیح قول یہی ہے کہ وہ شیر تھا بعض نے کہا کہ وہ بھنا ہوا اترتا تھا اور بعض کا قول ہے کہ بکثرت زندہ پرندے ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے وہ انہیں زندہ پکڑ لیتے اور ذبح کرتے تھے الغرض من و سلوئی ان کی شیریں اور نمکین غذا تھیں جنہیں کھاتے تھے حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پتھر پر عصا مارا اور اس سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ تاریکی دور کرنے کے لیے عمودی شکل میں ایک روشنی ظاہر ہو جاتی تھی۔ لباس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ اس طرح دکھایا کہ نہ ان لوگوں کے کپڑے میلے ہوتے نہ پھٹتے اور ان کے بچوں کے جسم کے ساتھ ساتھ بچوں کا لباس بھی بڑھتا رہتا تھا۔ (المجامع الاحکام القرآن ج ۱ ص ۴۰۸۔ ۴۰۶ مطبوعہ انتشارات ماسر خروہ بران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اور جب ہم نے کہا اس شہر میں داخل ہو اور اس میں تم جہاں سے چاہو بلا روک ٹوک کھاؤ اور دروازے میں جھکتے ہوئے داخل ہونا اور یہ کہو ”حطۃ“ (ہمارے گناہ معاف فرما)۔ (البقرہ ۵۸)

بنو اسرائیل کا ”حطۃ“ کو ”حنطۃ“ کہنا

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

جمہور کے قول کے مطابق اس شہر سے مراد بیت المقدس ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اریحا ہے ابن کيسان نے کہا اس سے مراد شام ہے اور ضحاک نے کہا اس سے مراد بلق ہے یعنی اردن اور فلسطین۔ اس آیت میں ایک اور نعمت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو میدان تیر سے نجات دی اور بیت المقدس میں داخل ہونے کا موقع عنایت فرمایا اس کی تفصیل اس طرح ہے

جیسا کہ پہلی آیت میں بیان فرمایا ہے بنو اسرائیل چالیس سال تک میدان تپ میں سرگرداں رہے اس طرح میں پہلے حضرت ہارون کی اور پھر حضرت موسیٰ علیہما السلام کی وفات ہوگئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے قوم عاتقہ سے جہاد کیا اور بنو اسرائیل زندہ بچ گئے تھے انہوں نے حضرت یوشع بن نون کا ساتھ دیا اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا فرمائی اور چالیس سال بعد بنو اسرائیل کو میدان تپ سے نجات حاصل ہوئی حسب بیت المقدس میں فاتحانہ شان سے داخل ہونے کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیت المقدس کے دروازہ میں سدہ کرنے ہوئے داخل ہونا اور حطہ (ہمارے گناہوں کو معاف فرما) کہتے ہوئے داخل ہونا مگر یہ لوگ اللہ کے حکم کے برخلاف سرین کے بل کھینچتے ہوئے اور ”حطہ“ یا ”حطۃ فی شعرة“ (گندم گندم بالی میں) کہتے ہوئے داخل ہوئے اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ ان کو گندم چاہیے

(الجامع احکام القرآن ج ۱ ص ۳۱۱۔ ۳۰۹ مطبوعہ انتشارات ماسرصرہ، ایران ۱۳۸۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سو جو قول کہنے کے لیے ان سے کہا گیا تھا اس کو طاعونوں نے بدل دیا پس ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا۔ (البقرہ: ۵۹)

بنو اسرائیل پر طاعون کا عذاب

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن زید نے بیان کیا کہ جب بنو اسرائیل سے کہا گیا کہ دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں اور وہ سرین کے بل داخل ہوئے اور حطہ کی جگہ انہوں نے حطہ کہہ کر طاعون کی دبا کی شکل میں ان پر آسمانی عذاب آیا جس سے ان کے تمام بڑے لوگ ہلاک ہو گئے اور ان کے بیٹے بچ گئے اور بنو اسرائیل میں جس فضل اور عبادت کا ذکر کیا جاتا ہے وہ ان کے بیوں میں تھا اور ان کے تمام آباء و اجداد طاعون کی اس دبا میں ہلاک ہو گئے تھے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۳۲ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اس طاعون سے ستر ہزار بنو اسرائیل ہلاک ہوئے تھے۔

(الجامع احکام القرآن ج ۱ ص ۳۱۱ مطبوعہ انتشارات ماسرصرہ ایران ۱۳۸۷ھ)

طاعون کے متعلق احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام احمد امام ابن جریر امام مسلم امام نسائی اور امام ابن ابی حاتم حضرت سعید بن مالک حضرت اسامہ بن زید اور حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ طاعون سندی ہے اور تم سے پہلے جن لوگوں کو عذاب دیا گیا ان کا بچا ہوا عذاب ہے اگر کسی علاقہ میں طاعون پھیلے اور تم وہاں ہو تو تم وہاں سے مت نکلو اور اگر تم کو یہ خبر پہنچے کہ فلاں علاقہ میں طاعون ہے تو تم وہاں نہ جاؤ۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۷۲ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۳ مطبوعہ نور محمد و صحیح الطحاوی کراچی ۱۴۸۱ھ)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق دریافت کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ عذاب ہے اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اس کو بھیج دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو مومنین کے لیے رحمت بنا دیا جس بندہ کے شہر میں طاعون واقع ہو اور وہ صبر کے ساتھ وہیں ٹھہرا رہے اور اس کا ایمان ہو کہ اس کو وہی مصیبت

کہے گی جو اس کی غدیر میں ہے تو اس کو ایک تہید کا اجر ہوگا (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۳ ۸۵۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی سلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طاعون ہر انسان کے لیے مہلکت
ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف سودہ کو فرمایا ہے
مہاجرین کی جماعت اپنی چیزیں ایسی ہیں کہ جب غم ان میں مبتلا ہو سکے (اور میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ غم ان میں
بمبتلا ہو) تو غم پر مختلف عذاب نازل ہوں گے: جب قوم علانیہ بدکاری کرنے لگے تو اس میں طاعون پھیل جاتا ہے اور اسے
دردوں والی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں جو ان سے پہلے لوگوں میں نہیں تھیں اور جو قوم ناپ اور تول میں کمی کرتی ہے اس میں
قحط سالی سخت مشقت اور ظالم حکومت مارل کی جاتی ہے اور جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے وہ بارش سے محروم کر دیے جاتے ہیں
اور اگر جانور نہ ہوتے تو ان پر بارش بالکل نہ ہوتی اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے عہد شکنی کرتے ہیں ان پر ان کے
دشمنوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے جو ان کے بعض اموال کو لوٹ لیتے ہیں اور جو حکمران کتاب اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتے
وہ آپس کی جنگوں کے خوف میں مبتلا رہیں گے۔ (انس اب ۱۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)۔
طاعون کے متعلق قدیم علماء اور جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق

علامہ نووی لکھتے ہیں۔

طاعون جسم میں نکلنے والی گلیاں ہیں یہ گلیاں کہیں 'بغلوں' ہاتھوں 'انگیوں' اور سارے بدن میں نکلتی ہیں اس سے
ساتھ سوجن ہوتی ہے اور سخت درد ہوتا ہے یہ گلیاں جلن کے ساتھ نکلتی ہیں اور ان کی جگہ سیاہ سرخ یا سر ہو جاتی ہے اور اس کی
وجہ سے طبیعت میں گھبراہٹ ہوتی ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۲۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)۔
جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق یہ ہے کہ طاعون کی بیماری کی اصل وجہ ایک خوردبینی جرثومہ ریسیسیا ٹیسٹس
(YARISIMIAPASTIS) ہے جو ایک پھونما کیڑے میں پرورش پاتا ہے یہ پسو زیادہ تر چوسوں اور چونوں کی اقسام
کے جانوروں میں پائے جاتے ہیں اور یہ چوہے کی کھال کے ساتھ مضبوطی سے چپے ہوتے ہیں۔ جب یہ چوہے طاعون زدہ
پسو کو سوار کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں یا مر جاتے ہیں تو پسو دوسرے جانوروں یا انسانوں میں منتقل ہو جاتے
ہیں اور بیماری کا باعث بنتے ہیں بیماری زیادہ تر ان ہی پسوؤں کے کانٹے سے جنم لیتی ہے اس کے علاوہ یہ بیماری دوسرے
ذرائع سے بھی ہوتی ہے اس میں ہوا کے ذریعے جرثومہ کی بیمار آدمی سے تندرست آدمی تک منتقلی یا جرثومہ کا کسی اور جانور میں
منتقل ہونا اور بعد ازاں بیماری کی وجہ بنتا شامل ہے۔

طاعون کی علامت دو طرح سے نمودار ہوتی ہے

(۱) غدودی طاعون یہ پسوؤں کے کانٹے سے ہوتا ہے اس میں مرض بڑھے ہوئے غدودوں کے ساتھ آتا ہے ساتھ ساتھ
اس کو خارش میں درد سستی اور پیٹ کی تکلیف وغیرہ بھی ہوتی ہے غدودوں کا سائر ایک سم سے دس سم تک ہوتا ہے یہ غدود
زیادہ تر چڑھوں کے حصہ میں پائے جاتے ہیں اس کے علاوہ بغل اور گردن میں بھی پائے جاسکتے ہیں یہ بالائی لہاں اور
زیریں حصہ سے جڑے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ ہائے جاسکتے ہیں بالائی لہاں زیادہ تر سرخ ہو جاتی ہے غدودوں کے ظاہر
ہونے سے پہلے بخار اور کھپکی طاری ہو جاتی ہے غدودوں کے ظہور کے ساتھ متلی آلتی و درست کی علامات بھی ہوسکتی ہیں اگر

اس مرحلہ پر علاج نہ کیا جائے تو یہ جراثیم مارنے میں ناکام رہیں اور موت کا باعث ہو جائے گا۔
(۲) نیوولی طاعون یہ طاعون دوائے ذریعہ بیمار سے مدرسہ میں منتقل ہوتے ہیں اس قسم کے طاعون میں سمیٹھڑے سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور مریض میں موت کی علامت ہوتی ہیں اس میں بخار، لہائی اور سانس کا تیز جانا مائل ہوتا ہے اگر بروقت علاج نہ ہو تو مادی شربت انداز کر لیتی ہے جس سے مائیں میں دھواں ہوتی ہے تنوک میں خون آنے لگتا ہے اور بار خرمیٹھڑے کام کرنا پھوڑ دیتے ہیں مریض کی شخص میں لہائی کی کوئی خاص علامت نہیں زیادہ تر قبض مریض کی علامت اور وہابی نکل میں دھواں سے ہی ہو جاتی ہے

طاعون کا علاج

مریض کا علاج فوری طور پر اینٹی بائیوٹک (ANTIBIOTICS) سے کیا جاتا ہے جس میں سب سے اہم کلین (TETRACYCLINE) اسٹریپٹومائی سین (STREPTOMYCIN) اور کلورومائی سین (CLORUOMYCIN) شامل ہیں جب طاعون کی دوا پھیل جائے تو مادی اسباب بھی اختیار کرنا چاہئیں شہر کو گندگی اور چوہوں سے صاف کیا جائے اور فوراً کسی قابل ڈاکٹر کے مشورہ سے علاج کیا جائے اور باقی صحت مند افراد کو مریض سے الگ رکھا جائے اور روحانی اسباب بھی اختیار کرنے چاہئیں اپنے اپنے گناہوں کو فوراً ترک کر دیا جائے اور ان پر توبہ اور استغفار کیا جائے۔

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ارجاع خبیثہ کی تاثیرات سے بھی طاعون ہو جاتا ہے اور اس کو دفع کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کیا جائے اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے در سے ارواح طیبہ کا نزول ہوتا ہے اور وہ ارجاع خبیثہ کے شر کو دور کر دیتی ہے (اراد المعاد ج ۳ ص ۶۷۷ ۵۵ مطبوعہ مکتبۃ اسلامیہ اہل بیت ص ۶۹ ص ۱۳۶)

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا تو ہم نے فرمایا اپنا عصا اس پتھر پر مارو

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ

تو اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے جسے ہر گروہ نے اپنے پانی پینے کی جگہ

مَشْرَبَهُمْ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْتُوا فِي

کو جان لینا اللہ کے رزق سے کھاؤ اور پیو اور زمین

الْأَرْضِ مُمْسِدِينَ ۚ وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسَىٰ لَنْ نُّصْبِرَ عَلَىٰ

میں فساد کرتے ہوئے نہ پھرو اور جب ہم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز ایک قسم سے (لھانے پر صبر

طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِنْهَا ثِيَابًا نَلْبَسُ

نہیں کریں گے سو آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ (میں اور سوئی کی جگہ) ہمیں زمین کی

مِنْ يَّقْلِيهَا وَقِتَّآبِيهَا وَفُوهِيهَا وَعَدَسِيهَا وَبَصِلِيهَا ط قَالَ

اگلی ہوئی چیزیں سزی گڑی گندم سور اور پیاز نکال کر دے فرما

اَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ط اِهْبِطُوا

کیا تم اچھی چیز کے بدلہ میں ادنیٰ چیز مانگتے ہو؟ شہر میں چلے جاؤ وہاں تم کو

مِصْرًا فَاِنْ لَّكُمْ مَّا سَالْتُمْ ط وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلٰلَةُ

وہ چیزیں مل جائیں گی جن کا تم نے سوال کیا اور ان پر ذلت اور بدحالی

وَالْمَسْكَنَةُ ط وَبَاءُ وَبِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوا

ڈال دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں آ گئے یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ

يَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيْنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط ذٰلِكَ

کی آیات کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے یہ اس لیے (بھی) ہوا کہ وہ نافرمان تھے اور

بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوا يَعْتَدُوْنَ ع ۶۱

حد سے تجاوز کرتے تھے ۰

زمین سے پانی نکالنے میں حضرت موسیٰ کا معجزہ اور اس کے مقابلہ میں ہمارے نبی کا معجزہ

میدان تیار میں جب بنو اسرائیل کو پیاس لگی تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے پانی کے لیے دعا کریں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلاں چٹان پر اپنا عصا روا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس چٹان پر عصا مارا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے وہ چٹان اب بھی جزیرہ نمائے سین میں موجود ہے ایک عیسائی محقق نے انیسویں صدی کے وسط میں بائبل کے مقامات مقدسہ کی جغرافیائی تحقیق کے لیے فلسطین کا سفر کیا اور اس چٹان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ چٹان دس اور پندرہ فٹ کے درمیان بلند ہے اور آگے کی طرف جھکی ہوئی ہے۔

ایک پتھر پر عصا مارنا اور اس سے پانی کے چشموں کا پھوٹ پڑنا حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے اس پتھر نے زمین کی اندرونی تہوں سے پانی کھینچ لیا تھا یا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس پتھر میں پانی پیدا کر دیا چٹان پر انھی مار کر پانی نکالنا خلاف عادت کام ہے لیکن بہت زیادہ بعید نہیں ہے کیونکہ زمین کے نیچے پانی ہوتا ہے اور آلات کے ذریعہ زمین کو کھود کر پانی نکالا جاسکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ یہ تھا کہ انہوں نے آلات کے بغیر انھی کی ایک ضرب سے بارہ چشمے جاری کر دیئے لیکن ہمارے نبی حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اس سے بڑھ کر ہے کیونکہ آپ نے ہاتھ کی انگلیوں سے پانی کو جاری کر دیا اور وہاں سے پانی نکالا جہاں عادتاً پانی ہوتا نہیں ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو پیاس لگی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماننے چمڑے کا ایک چھوٹا سا برتن نکھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو سب لوگ ٹوٹ پڑے، آپ نے پوچھا تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے کہا ہمارے پاس وضو کے لیے پانی ہے اور نہ پینے کے لیے صرف یہی پانی ہے جو آپ کے پاس ہے آپ نے اس برتن پر اپنا ہاتھ رکھا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشموں کی طرح پانی ایلنے لگا ہم سب نے اس سے پانی پیا اور ہم سب نے وضو کیا، راوی نے پوچھا حدیبیہ کے دن آپ لوگوں کی کتنی تعداد تھی؟ حضرت جابر نے کہا ہم لوگ پندرہ دہے تھے لیکن اگر ہم ایک اکٹھے بھی ہوتے تو ہمیں وہ پانی کافی ہو جاتا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، راجی ۱۳۸۱ھ)

حضرت جابر نے پندرہ سو صحابہ کے وضو کرنے کا ذکر کیا ہے یہ حدیبیہ کا واقعہ ہے قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تین سو صحابہ کے وضو کرنے کو روایت کیا ہے یہ مدینہ منورہ میں مقام زوراء کا واقعہ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۴) حسن صری نے حضرت انس سے ستر صحابہ کے وضو کا واقعہ روایت کیا ہے یہ کسی سفر کا واقعہ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۵) حمید نے حضرت انس سے اسی صحابہ کے وضو کرنے کو روایت کیا ہے یہ مدینہ منورہ میں مسجد کے قریب کسی جگہ کا واقعہ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۵) اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے چشمے پھوٹنے کا معجزہ متعدد بار سفر اور حضر میں رونما ہوا اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے کئی درجے افضل ہے۔

یہودیوں کے نبیوں کو قتل کرنے پر تو رات کی شہادت

جب بنو اسرائیل نے من اور سلوئی کی بجائے زمین کی پیداوار میں سے گندم اور مسور کی دال وغیرہ کو طلب کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تعجب اور سرزنش کرتے ہوئے فرمایا تم اس کامل اور لذیذ غذا کے بدلہ میں ادنیٰ درجہ کی چیزیں مانگ رہے ہو تم کسی بھی زرعی زمین میں چلے جاؤ وہاں تم کو مطلوبہ اجناس مل جائیں گی، لیکن بنو اسرائیل نے جو کفران نعمت کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واضح معجزات کا مذاق اڑایا اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا، کیونکہ انہوں نے اشعیا، زکریا اور یحییٰ علیہم السلام وغیرہم کو بلا وجہ قتل کیا تھا اس کی سزا میں ان پر دنیا میں ذلت اور خواری مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی لعنت کے مستحق ہوئے اور آخری عذاب دائم اس کے علاوہ ہے۔

بنو اسرائیل نے انبیاء علیہم السلام کو جو ایذا پہنچائی اور قتل کیا اس کی شہادت تو رات سے صبح ذیل ہے:

اور انہی اب نے سب کچھ کیا جو انبیاء نے کیا تھا اور یہ بھی کہ اس نے سب نبیوں کو تلوار سے قتل کر دیا۔

(۱- سلاطین باب ۱۹، آیت ۱۰ پرانا عہد نامہ ص ۳۵۳، مطبوعہ ۱۱۱۰ء)

اور شاہ اسرائیل نے کہا میکایا (یہ نبی تھے سعیدی غفرلہ) کو لے کر اسے شہر کے ناظم امون اور یوآس کے پاس لوٹا لے جاؤ اور کہنا بادشاہ یوں فرماتا ہے کہ اس شخص کو قید خانہ میں ڈال دو اور اسے مصیبت کی روٹی کھانا اور مصیبت کا پانی پلانا جب تک میں سلامت نہ آؤں۔ (۱- سلاطین باب ۲۲، آیت ۲۷، ۲۸ پرانا عہد نامہ ص ۳۵۸، مطبوعہ ۱۱۱۰ء)

تب خدا کی روح یہودید کا بن کے بیٹے زکریا پر نازل ہوئی، سودہ لوگوں سے بلند جگہ پر کھڑا ہو کر کہنے لگا خدایوں فرماتا ہے کہ تم کیوں خداوند کے حکموں سے باہر جاتے ہو کہ یوں خوش حال نہیں رہ سکتے؟ چونکہ تم نے خداوند کو چھوڑا ہے اس نے بھی تم کو چھوڑ دیا۔ تب انہوں نے اس کے خلاف سازش کی اور بادشاہ کے حکم سے خداوند کے گھر کے صحن میں اسے سنگسار کر دیا۔

(۲- توران باب ۳۳، آیت ۵-۲۴ پرانا عہد نامہ ص ۳۶۶، مطبوعہ ۱۱۱۰ء)

جو میں ایک ابن کو ترک کرے دوسرے دین کو اختیار کر لے اس کو اس میں صابی کہتے ہیں مجاہد سے اس کا کوئی ذکر نہیں ہے ایک اور روایت ہے کہ صابی کچھ اور مجہود کے دو میں ایک قوم ہے ان کا ذکر ہے ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے ابن نصری سے روایت ہے کہ صابی فرشتوں کی پرستش کرنے والے اور ان کا کہا صابین اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے جو روم کو ترک کر دیا ہے

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۵۳-۲۵۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

اخاف نے کہا صابین اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے امام ابو حنیفہ نے کہا اس کا ذکر نہیں ہے اور اس کی عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

خیل نے کہا ان کا دین نصری کے مشابہ ہے جنوب کی ہوا کی طرف ان کا قبلہ ہے اور اس کا رسم یہ ہے کہ یہ حضرت نوح کے دین پر ہیں حضرت ابن عباس نے کہا ان کا ذبیحہ نہ ہایا جائے ہمارے علماء نے جو ان کے متعلق بیان کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ صابی موحد ہیں اور ستاروں کی تاثیر کا اعتقاد رکھتے ہیں اسی وجہ سے ابو سعید خدری نے ان کی تاثیر کی ہے۔ (المجموع احکام القرآن ج ۱ ص ۳۳۵-۳۳۴ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ بیضاوی نے ان اقوال کے علاوہ یہ قول نقل کیا ہے کہ صابی ستارہ پرست ہیں۔

(انوار الشریعہ (دوسری ص ۷۹ مطبوعہ محمد سعید ایڈیٹر کراچی)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

صابین کے کئی فرقے ہیں روم کے صابی ستارہ پرست ہیں ہند کے صابی بت پرست ہیں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صابی بت پرست نہیں ہیں یہ ستاروں کی اس طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح ہم لعب کی تعظیم کرتے ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ موحد ہیں اور ستاروں کی تاثیر کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۱۷۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

صابیہ کا ذبیحہ حلال ہے کیونکہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اقرار کرتے ہیں (تہ حلالی) اور بدائع میں مذکور ہے ان کی کتاب زیور ہے اور ہو سکتا ہے کہ ان کے کئی فرقے ہوں۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۱۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۷ھ)

اغلب یہی ہے کہ صابین کے کئی فرقے ہیں ان کے متعلق جتنے اقوال ہیں ان کے اتنے ہی فرقے ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے جس فرقے کے متعلق کہا کہ ان کا ذبیحہ جائز ہے وہ حکماً اہل کتاب ہیں تمام صابین کے متعلق امام اعظم کا یہ فتویٰ نہیں ہے۔

ایمان لائے ہوئے لوگوں کے ایمان لانے کی وجہ

اس آیت میں دوسری تحقیق طلب بات یہ ہے کہ بے شک جو لوگ ایمان لائے یہودی عیسائی اور صابی ان میں سے جو اللہ اور آخرت پر ایمان لائے ان کو کوئی غم اور خوف نہیں ہوگا تو جو ایمان لا چکے ہیں ان کے متعلق یہ کہنا کس طرح درست ہوگا ان میں سے جو ایمان لائے کیونکہ ایمان لانے ہوئے لوگوں کا پھر ایمان لانا نہیں حاصل ہے۔ اس سوال کے متعدد جوابات ہیں

۱۔ علامہ ابواللیث سمرقندی حنفی نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ان کا ذبیحہ حلال اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ فرشتوں کی پرستش کرتے ہیں (تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۱۲۵)۔

(۱) "ان الدین امنوا" سے مراد یہ ہے کہ جو زبان سے ایمان لائے اور "من امن باللہ" سے مراد سے دل سے ایمان لائیں یعنی جو لوگ صرف زبان سے ایمان لائے ہیں جیسے منافقین ان میں سے جو دل سے ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں تو اس کو کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا اس آیت کی تفسیر یہ آیت ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔

(النساء: ۱۳۶)

یعنی جو صرف زبان سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں وہ دل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں۔

(۲) "ان الدین امنوا" سے مراد یہ ہے کہ جو ماضی میں اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور "من امن باللہ" سے مراد یہ ہے کہ وہ مستقبل میں بھی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے میں برقرار اور ثابت قدم رہیں۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ "ان الدین امنوا" سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ایمان رکھتے تھے اور یہود اور نصاریٰ نے جو دین میں باطل چیزیں داخل کر لی ہیں ان سے بری تھے مثلاً قس بن ساعدہ، بحیرہ راسب، حبیب النجار، زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل، سلمان فارسی اور نجاشی کا وفد، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا جو لوگ بعثت محمد سے پہلے ایمان لائے تھے اور یہود و نصاریٰ میں سے جو ادیان باطلہ پر ہیں ان میں سے جو بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لے آیا اس کو آخرت میں خوف اور غم نہیں ہوگا

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۶۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

آیا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے سے موجودہ یہودیوں اور عیسائیوں کی نجات ہو جائے گی؟

اس آیت سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ نجات کے لیے مسلمان ہونا اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے بلکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ مسلمان، یہودی، عیسائی اور صابئی جو بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں ان کو آخرت میں خوف اور غم نہیں ہوگا اور موجودہ یہودی اور عیسائی بھی اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں لہذا ان میں سے جو بھی نیک کام کرنے والے ہیں ان سب کی نجات ہوگی۔

اس سے جواب یہ ہے کہ "من امن باللہ" کا معنی ہے کہ اللہ پر صحیح ایمان لائیں اور اللہ پر ایمان اسی وقت صحیح ہوگا جب اللہ تعالیٰ سے برحق اور اس سے برحق کو مان لیا جائے اور جب تک سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول اور آپ کو خاتم النبیین نہ مان لیا جائے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں ہوگا کیونکہ قرآن مجید میں ہے

مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ (التح: ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ (احزاب: ۴۰)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے آخر ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جب تک سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول اور آخری نبی نہ مان لیا جائے اللہ تعالیٰ پر ایمان انا صحیح نہیں ہے نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (آل عمران: ۱۹)

بے شک اللہ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ
لِيُظَاهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝

(۲۳۰)

دی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور اس حق سے
ساتھ بھیجا تاکہ اس کو ہر دین پر غلبہ کر دے خواہ مشرکین
پسند نہ کریں ۝

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ
فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ (۱۱۱) (۱۱۱)

اور جس نے اسلام کے سوا کوئی دین کو ماننا شروع
کيا اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان
اٹھانے والوں میں سے ہوگا ۝

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جب تک کوئی یہودی یا عیسائی یا صابی اپنے مذہب کو ترک کر کے اسلام کو قبول نہیں کرے گا
اس کا اللہ پر ایمان نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ اس کے نزدیک اسلام کے سوا اور کوئی دین قابل قبول نہیں ہے
نیز یہ بات بھی ملحوظ رکھی جاوے کہ کسی ایک آیت یا کسی ایک حدیث کو دیکھ کر کوئی نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے مذہب تک کہ اس
موضوع سے متعلق تمام آیات اور احادیث کا مطالعہ نہ کر لیا جائے کیونکہ بعض آیات مجمل ہوتی ہیں اور ان کی تفصیل دوسری
آیات میں ہوتی ہے بعض آیات بہ ظاہر متعارض ہوتی ہیں اور ان میں کسی دقیق وجہ سے تطبیق ہوتی ہے اور بعض آیات منسوخ
اور بعض ناسخ ہوتی ہیں بعض آیات عام ہوتی ہیں اور بعض دوسری آیات ان کے لیے تخصیص ہوتی ہیں اور یہی حال احادیث ہ
ہے اس لیے کسی ایک آیت یا کسی ایک حدیث کو دیکھ کر نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے۔
نجات کے لیے صرف دین کی طرف منسوب ہونا کافی نہیں ہے

علامہ رشید رضا لکھتے ہیں:

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت کیا ہے کہ مسلمان یہود اور نصاریٰ آپس میں ملے یہود نے
مسلمانوں سے کہا ہم تم سے بہتر ہیں ہمارا دین تم سے پہلے ہے اور ہماری کتاب تم سے پہلے ہے اور ہمارے نبی تمہارے نبی
سے پہلے ہیں اور ہم ہی دین ابراہیم پر ہیں اور جنت میں صرف یہودی ہی داخل ہوں گے نصاریٰ نے بھی اسی طرح کہا
مسلمانوں نے کہا ہماری کتاب تمہاری کتاب کے بعد ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے نبی کے بعد ہیں اور یہود
دین تمہارے دین کے بعد ہے اور تم کو اپنے دین کے ترک کرنے اور ہمارے دین کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے ہم
تم سے بہتر ہیں ہم ہی حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق کے دین پر ہیں اور جنت میں وہی شخص داخل ہوگا جو
ہمارے دین پر ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

لَيْسَ بِأَمَانَتِكُمْ وَلَا أَمَانَتِي أَهْلُ الْكِتَابِ مَنْ
يَعْمَلْ سَوْئًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ
وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ
أُولَٰئِكَ يَرْجُو أَوَّلَ نَصْرِ اللَّهِ ۝ (۱۲۳-۱۲۴)

تمہاری خواہشوں پر (چھ موقوف ہے) نہ اہل کتاب کی
امیدوں پر جو برا کام کرے گا اس کی سزا دی جائے گی اور وہ
اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور مددگار نہ پائے گا ۝ اور جو حالت ایمان
میں نیک کام کریں گے خواہ مرد ہو یا عورت اور مدت میں داخل
ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے ۝

(المائدہ ۱۲۳-۱۲۴) (۱۲۳-۱۲۴)

خلاصہ یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ کا یہ دعویٰ کرنا باطل ہے کہ جنت ان کے ماتھے تختوں سے اور نہ ہی مسلمان کا بخشش رسانی
ایمان کا دعویٰ کرنا کافی ہے بلکہ جو اللہ اور اس کے رسول پر صحیح ایمان کے ساتھ نیک عمل کرے گا وہ جنت میں ہے یہ آیت

ہے کہ جو لوگ کس زبان سے اسلام کا دعویٰ کرنے ہیں اور یہودی، عیسائی اور صابی ان کا کھڑا کرنا سے اسلام کا دعویٰ کرنا کسی کا یہودی ہونا یا کسی کا عیسائی ہونا یا کسی کا صابی ہونا نجات کا سبب نہیں ہے نجات کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائیں اور آخرت کو مانیں یہی طور کہ حضرات ہدانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانیں اور پہلے تمام انہوں کو پہلے مانیں اور آپ کی الٹی ہوئی شریعت کی پیروی کریں اور ان کو آخرت میں کوئی خوف نہ ہو اور وہ مسکین ہوں گے

وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور ہم نے (پہاڑ) طور کو تم پر اٹھایا کہ ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے

بِقُوَّةٍ وَإِذْ كُرُوا مَا فِيهِ لَعَنَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ

اس کو مضبوطی سے لے لو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو اس امید سے یاد کرو کہ تم پر ہیزگار بن جاؤ (۶۳) اس (عہد) نے بعد

بَعْدَ ذَلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ

پھر تم نے اعراض کیا سو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور

مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدُوا مِنكُمْ فِي

نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے (۶۴) اور بے شک تم اس لوگوں کو جانتے ہو جنہوں نے تم میں سے

السَّيِّئَاتِ فَعَلْنَا لَهُمْ كُتُوبًا قَرْدَةً خَاسِرِينَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا

پست کے دن حد سے تجاوز کیا تھا پس ہم نے ان سے کہا تم دھنکارے ہوئے بندر بن جاؤ (۶۵) سو ہم نے اس (واقعہ) کو

لِّمَآبٍ يَدَّيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۶۶﴾

اس زمانے کے لوگوں اور بعد کے لوگوں کے لیے عبرت بنایا اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت بنایا (۶۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا۔ (البقرہ ۶۳)

عہد اور میثاق کا معنی

عہد کا معنی ہے کسی شے کی حفاظت کرنا اور ہر حال میں اس کی رعایت کرنا جس عہد کی رعایت لازم ہو اس کو بھی عہد کہتے ہیں ہماری عقوبتوں میں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اقرار ہے اس کو بھی عہد کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں کتاب اور سنت کے ذریعے احکام دیے ہیں اور ہم نے ان کی اطاعت کا اقرار کیا ہے اس کو بھی عہد کہتے ہیں اور جس چیز کو شریعت نے لازم نہیں کیا تھا لیکن ہم نے از خود نذرمان کر اس کو لازم کر لیا اس کو بھی عہد کہتے ہیں جو کفار مسلمہوں کے عہد میں داخل ہوں ان کو ذمہ عہد اور معاہدہ کہتے ہیں۔ عاقدین کے درمیان جس عہد کو حفاظت کے لیے لکھا جاتا ہے اس کو عہدہ اور وثیقہ کہتے ہیں۔

(المفردات ص ۲۵۰ مطبوعہ المکتبۃ الرضویۃ ایران ۱۳۳۲ھ)

وثائق کے معنی ہیں کسی چیز کو مضبوط کرنا، اسی سے باندھنا، بیشق اس عقد کو کہتے ہیں جس کو تم اور اقرار کے ذریعہ موکد کیا گیا ہو۔ (المفردات ص ۵۱۲۔ ۵۱۱، الملکۃ الرضویہ ایران ۱۳۲۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور ہم نے (پہاڑ) طور کو تم پر اٹھایا (الخ) (البقرہ ۶۳)

کتابوں کو نازل کرنے سے مقصود عمل ہے

اس آیت میں جو طور کا لفظ ہے اس کے مصداق میں اختلاف ہے حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا، مجاہد اور قتادہ نے کہا اس سے غیر معین پہاڑ مراد ہے مجاہد نے کہا، سریانی زبان میں طور پہاڑ کو کہتے ہیں۔

جب حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کے پاس تورات کی الواح لے کر آئے اور فرمایا ان کو لو اور ان کی اطاعت کا اقرار کرو تو انہوں نے کہا جب تک اللہ تعالیٰ آپ کی طرح ہم سے کلام نہیں کرے گا ہم یہ اقرار نہیں کریں گے پھر وہ بجلی کی ایک کڑک کے ذریعہ ہلاک کیے گئے اور پھر زندہ کئے گئے۔ حضرت موسیٰ نے ان سے پھر تورات کے قبول کرنے کے لیے فرمایا انہوں نے پھر انکار کیا تب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ فلسطین کے پہاڑوں میں سے ایک فرسخ لمبے پہاڑ کو اکھاڑ کر ساہن کی طرح ان پر معلق کر دیں ان کے پیچھے سمندر تھا اور ان کے سامنے سے آگ آرہی تھی اس سے کہا گیا کہ قسم کھا کر اقرار کرو کہ تم تورات کے احکام پر عمل کر دے ورنہ یہ پہاڑ تم پر گر جائے گا تب انہوں نے تورات پر عمل کرنے کا پختہ عہد کیا اور توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر گئے انہوں نے کروٹ کے بل سجدہ کیا تھا اور مارے خوف کے پہاڑ کی طرف دیکھ رہے تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا تو انہوں نے کہا اس سجدہ سے افضل کوئی سجدہ نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اور جس کی وجہ سے اپنے بندوں پر رحم فرمایا پھر انہیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ کروٹ کے بل یعنی ایک شق پر سجدہ کیا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو خوب کوشش سے ادا اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد کرو یعنی اس میں تدبر اور غور و فکر کرو اور اس کے احکام کو ضائع نہ کرو کیونکہ کتابوں کو نازل کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان کے منتظمی پر عمل کیا جائے یہ نہیں کہ ان کے معنی پر غور و فکر کیے بغیر ان کی صرف تلاوت کر لی جائے۔ امام نسائی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لوگوں میں سب سے بدتر فاسق وہ ہے جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کے کسی حکم کی طرف رجوع نہیں کرتا اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلادیا ہے کہ قرآن مجید پڑھنے سے مقصود عمل ہے۔

(الجامع احکام القرآن ج ۳۷۔ ۳۶، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

کیا بنو اسرائیل کے سروں پر پہاڑ کو معلق کر کے ان سے تورات کو قبول کرانا ان کے اختیار کے منافی نہیں تھا؟

اس مقام پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جب پہاڑ ان کے سروں پر معلق کر دیا گیا تو پھر ان کا تورات کو قبول کرنا جبر سے ہوا اور جبر کے ساتھ کسی کا ایمان ادا مقبول نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جبر نہیں ہے جبر وہ ہوتا ہے جس میں انسان کا اختیار نہ ہو اور اس میں ان کا اختیار تھا وہ چاہتے تو پہاڑ کے نیچے رہنا قبول کر لیتے اور چاہتے تو تورات کو قبول کر لیتے سو انہوں نے جان بچانے کے لیے تورات کو قبول کر لیا البتہ یہ اکراہ ہے اکراہ وہ ہوتا ہے جس میں جان سے مارنے کی دھمکی دے کر کوئی کام کرایا جائے اور ہو سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں اکراہ کے ساتھ ایمان جائز ہو۔ ہماری شریعت میں بھی ابتداء دین میں اکراہ ممنوع تھا بعد میں جب کفار اور مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا اور جب کافروں سے یہ کہا گیا کہ یادہ اسلام قبول کر لیں یا جزیہ دیں

در نہ ان کو قتل کر دیا جائے گا تو پھر دین میں اکراہ کی ممانعت نہ ہو گئی۔

(عاشیہ القاضی ج ۲ ص ۱۷۴-۱۷۳ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۹۸۳ء)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور ہے شک تم ان لوگوں کو جانتے ہو جنہوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کیا تھا پس تم نے ان سے کہا: تم دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ۔ (البقرہ ۶۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ قوم حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں "بل" میں آباد تھی یہ شہر مدینہ اور شام کے درمیان ساحل سمندر پر واقع تھا اس جگہ کے سمندر میں سال کے ایک مہینہ میں اتنی کثرت سے مچھلیاں آتی تھیں کہ پانی دکھائی نہیں دیتا تھا اور باقی مہینوں میں ہفتہ کے دن اس میں بہت مچھلیاں آتی تھیں ان لوگوں نے مختلف جگہ دھن کھودے اور سمندر سے نالیاں نکال کر ان دھنوں سے ملا دیں ہفتہ کے دن ان دھنوں میں مچھلیاں چلی جاتیں اور وہ اتوار سے دن ان کا شکار کر لیتے بنو اسرائیل کا ہفتہ کے دن مچھلیوں کو دھنوں میں مقید کر لینا یہی ان کا حد سے تجاوز کرنا تھا وہ ایک بڑے لمبے عرصے تک اس نافرمانی میں مشغول رہے نسل در نسل ان کی اولاد بھی اس میں موٹ رہی خدا کا خوف رکھنے والے کچھ لوگ منع کرتے تھے کچھ اس کو برا جانتے تھے اور اس خیال سے منع نہیں کرتے تھے کہ یہ باز آنے والے نہیں ہیں نافرمان لوگ کہتے تھے کہ ہم اتنے بڑے عرصہ سے یہ کام کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان مچھلیوں میں اضافہ فرما رہا ہے مانعین کہتے تھے کہ تم دھوکے میں نہ آؤ ہو سکتا ہے تم پر عذاب نازل ہو جائے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۷۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اس شہر میں رہنے والے ستر ہزار نفوس تھے اور ان کو منع کرنے والے بارہ ہزار تھے جب مجرموں نے ان کی نصیحت قبول کرنے سے انکار کر دیا تو مانعین نے کہا یہ خدا ہم ایک علاقہ میں نہیں رہیں گے انہوں نے شہر کے درمیان ایک دیوار کھینچ دی اور ان سے الگ رہنے لگے اور کئی سال اسی طرح گزر گئے پھر معصیت پر ان کے مسلسل اصرار کی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر لعنت کی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا غضب نازل فرمایا ایک دن منع کرنے والے اپنے دروازے سے نکلا تو دیکھ کہ مجرمین میں سے کوئی نہیں نکلا جب کافی دیر ہو گئی تو وہ دیوار پھانڈ کر گئے دیکھا تو وہ تمام لوگ بندر بن چکے تھے ایک قول یہ ہے کہ جو ان بندر بن گئے تھے اور بوڑھے خزی بن گئے تھے وہ دوسروں کو پہچان رہے تھے اور دوسرے ان کو نہیں پہچان رہے تھے وہ تین دن اس حال میں روتے رہے پھر سب ہلاک ہو گئے اور کوئی مسخ شدہ شخص تین دن سے زیادہ نہیں رہا اور نہ ان کی نسل چلی۔ (تفسیر خازن ج ۱ ص ۶۰ مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت)

اس واقعہ کے بیان میں ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا اظہار ہے کیونکہ آپ امی تھے آپ نے اعلان نبوت سے پہلے نہ کسی چیز کو پڑھا تھا نہ لکھا تھا اور نہ علماء اہل کتاب کی مجلس میں رہے تھے اس کے باوجود آپ نے اس واقعہ کو بیان فرمایا جو ان کے علماء کے درمیان معروف تھا اور ان کی کتابوں میں لکھا ہوا تھا اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے جو کچھ بیان فرمایا وہ وحی الہی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہفتہ کے دن شکار کرنے سے منع کر دیا تھا تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ سمندر میں ہفتہ ہی کے دن بہ کثرت مچھلیاں آتی تھیں اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی اور بنو اسرائیل کا امتحان تھا کہ وہ مچھلیوں کی بہتات دیکھ کر بھسل جاتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے پر جے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

أَحْسِبَ النَّاسَ أَنْ يُلْزَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ○ (العنکبوت ۲)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ (مختص) اس کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی

آرامش نہیں کی جائے گی؟

اس امتحان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کو تمیز کرتا ہے۔

موجودہ بندروں کے سُخ شدہ اسرائیلی ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق

ایک بحث یہ ہے کہ موجودہ بندر اور خنزیر آیا انہی بنو اسرائیل کی نسل سے ہیں جن کو سُخ کر دیا تھا یا دی بندر اور خنزیر ہیں جو شروع سے اُسل در اُسل چلے آ رہے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام سُخ شدہ بنو اسرائیل تین دن بعد مر گئے تھے۔ امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس کی ایک طویل روایت ذکر کی ہے اس میں ہے

جن لوگوں نے ہفتہ کے دن پھلی کا سُخ کر لیا تھا ان کی مصیبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو سُخ کر کے بندر بنا دیا وہ زمین میں صرف تین دن زندہ رہے انہوں نے کچھ کھایا نہ پیا نہ ان کی نسل چلی اور اللہ تعالیٰ نے بندروں، خنزیروں اور باقی تمام مخلوق کو چھ دنوں میں پیدا کیا تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو بندروں کی صورت میں سُخ کر دیا اور وہ جس کے ساتھ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (جامع البیہن ج ۱ ص ۳۱۱ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

تقریباً تمام علماء اسلام، محدثین، مفسرین اور متکلمین کا اس پر اتفاق ہے البتہ علامہ ابن العربی مالکی نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

ہمارے علماء نے کہا اس میں اختلاف ہے کہ جن کو سُخ کیا گیا تھا ان کی ان کے بعد نسل چلی یا نہیں۔ بعض نے یہ کہا ان کی نسل نہیں چلی اور بعض نے کہا ان کی نسل چلی ہے اور اس کی دو دلیلیں ہیں پہلی دلیل یہ ہے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گوہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ایک امت سُخ کی گئی تھی اور مجھے خدشہ ہے کہ گوہ اسی امت سے ہے۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۲۳۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۲-۱۵۱ مطبوعہ درمحد مصحح المطابع، راپڑی ۱۳۸۱ھ)

امام ابو داؤد نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے

حضرت ثابت بن وہب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لشکر میں تھے ہم نے بہت سی گوہ شکار کیں میں نے ان میں سے ایک گوہ بھون کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دی آپ ایک لکڑی سے اپنی انگلیاں گنتے رہے پھر آپ نے فرمایا بنو اسرائیل کے ایک گروہ کو سُخ کر کے زمین میں چنے والا جانور بنا دیا تھا میں نہیں جانتا وہ کون سا جانور تھا پھر آپ نے گوہ نہیں کھائی اور نہ اس سے منع فرمایا۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۷۶ مطبوعہ مطبعہ مجتبیٰ پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

امام نسائی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (نسائی ج ۲ ص ۱۹۸-۱۹۷ مطبوعہ درمحد کارخانہ تجارت کتب، راپڑی)

امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو ثابت بن زید انصاری سے روایت کیا ہے اس میں مذکور ہے آپ نے گوہ کے متعلق فرمایا بنو اسرائیل کے ایک گروہ کو سُخ کر کے زمین میں چنے والا جانور بنا دیا تھا میں (از خود) نہیں جانتا شاید کہ وہ یہی جانور ہو۔

(سنن ابن ماجہ ص ۳۳۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، راپڑی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۶۶-۱۹-۵ مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۰۸ھ)

حافظ البیہقی بیان کرتے ہیں

حضرت عبدالرحمان بن حسنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے ہم اسی جگہ ٹھہرے جہاں گاوہ بہت تھیں ہم نے ان کو ذبح کیا اور جس وقت ہم بتیوں میں اس کو پکا رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا اسرائیل کا ایک گروہ گم ہو گیا تھا اور مجھے ڈر ہے کہ وہ یہی گاوہ ہیں ان دیگیوں کو الٹ دو تو ہم نے بھوکے ہونے کے باوجود دیگیوں کو الٹ دیا اس حدیث کو امام احمد، امام طبرانی (نے معجم کبیر میں) امام ابویعلیٰ اور امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس تمام امر کی اسانید صحیح ہیں (معجم زاد المعاد ج ۳ ص ۳۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوہوں کے متعلق بھی اسی قسم کے خدشہ کا اظہار فرمایا ہے امام مسلم روایت کرتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل کا ایک گروہ گم ہو گیا تھا یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ کہاں ہے اور میرا گمان ہے کہ وہ (مسخ شدہ) چوہے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب چوہوں کے سامنے اونٹ کا دودھ رکھا جائے تو وہ اس کو نہیں پیتے اور جب ان کے سامنے بکری کا دودھ رکھا جائے تو وہ اس کو پی پیتے ہیں دوسری روایت میں ہے چوہا مسخ شدہ ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۳ مطبوعہ نور محمد صالح الطباع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام عبدالرزاق، امام احمد، اور امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ یہ دو حدیثیں جو بہ کثرت اسانید صحیحہ کے ساتھ مروی ہیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غابہ حال کی وجہ سے اندیشہ تھا کہ گاوہ اور چوہے بنو اسرائیل کی مسخ شدہ نسل ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اندیشہ اس وقت تھا جب آپ کو وحی کے ذریعہ یہ قطعی طور پر معلوم نہیں ہوا تھا کہ جن لوگوں کو مسخ کر دیا جائے ان کی نسل نہیں چلتی اس کی نظیر یہ ہے کہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ تھا کہ شاید دجال آپ کے زمانہ میں ظاہر ہو جائے لیکن بعد میں آپ کو وحی کے ذریعہ قطعی طور پر بتا دیا گیا کہ دجال کا ظہور قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے زمانہ میں ہوگا پھر آپ کا اندیشہ زائل ہو گیا۔ مسخ شدہ لوگوں کے فوراً ہلاک ہونے اور ان کی نسل نہ چلنے کے متعلق یہ صریح حدیث ہے امام مسلم روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا بندر اور خنزیر مسخ شدہ لوگ ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے کسی قوم کو ہلاک کر کے یا کسی قوم کو عذاب دے کر اس کی نسل نہیں چلائی اور بندر اور خنزیر تو ان سے پہلے بھی ہوتے تھے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۸ مطبوعہ نور محمد صالح الطباع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام ابویعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند ابویعلیٰ ج ۵ ص ۱۳۲ مطبوعہ دارالماہون تراث بیروت ۱۴۰۲ھ) یہ حدیث زیر بحث مسئلہ میں صاف تصریح ہے کہ موجودہ بندر اور خنزیر مسخ شدہ بنو اسرائیل نہیں ہیں۔ علامہ ابن العریبی نے اپنے نظریہ پر جو دوسری دلیل قائم کی ہے وہ یہ ہے

امام بخاری نے عمرو بن میمون سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں دیکھا کہ بندر ایک بندریا کو رجم کر رہے تھے حدیث کی عبارت یہ ہے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں دیکھا کہ ایک بندریا نے زنا کیا تھا اس کے گرد دوسرے بندر جمع ہو گئے جنہوں نے اس کو سنگسار کیا میں نے بھی اس کو سنگسار کیا یہ حدیث صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں ہے اور بعض میں نہیں ہے۔

۱۔ امام عبدالرزاق بن حمام متوفی ۲۱۱ھ المصنف ج ۲ ص ۲۳۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ

۲۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۲ ص ۲۱۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

۳۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ معجم صغیر ج ۲ ص ۲۳۲ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ

علامہ ابن العربی نے کہا اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا جانوروں میں بھی بنو اسرائیل کی شریعت کے احکام معروف تھے حتیٰ کہ وہ نسل در نسل ان احکام کے وارث چلے آرہے تھے؟ تو ہم کہیں گے کہ ہاں اسی طرح ہے حتیٰ کہ جب یہود نے رجم کے حکم کو تبدیل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کیا کہ شیخ شدہ اسرائیلیوں (بندروں) میں بھی رجم موجود ہے تاکہ ان کے انکار کے خلاف یہ قوی حجت ہو کہ رجم کا حکم ان کی کتابوں میں ہے ان کے علماء میں معروف ہے اور حتیٰ کہ یہ حکم شیخ شدہ اسرائیلیوں میں بھی موجود ہے۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۴۳۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

علامہ قرطبی، علامہ ابن العربی کی اس دلیل کے جواب میں لکھتے ہیں:

امام حمیدی نے کہا ہم نے اس حدیث کو ”صحیح بخاری“ کے نسخوں میں تلاش کیا تو یہ بخاری کے تمام نسخوں میں نہیں ہے یہ حدیث ”صحیح بخاری“ کے بعض نسخوں میں ہے فربری کی روایت سے یہ حدیث نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ بعد میں کسی نے اس حدیث کو ”صحیح بخاری“ میں ملا دیا ہو اور یہ حدیث الحاقی ہو امام بخاری نے ”تاریخ کبیر“ میں اپنی سند کے ساتھ عمرو بن میمون سے روایت کیا ہے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں دیکھا ایک بندریا کے گرد بہت سے بندر جمع ہو کر اس کو پتھر مار رہے تھے سو میں نے بھی ان کے ساتھ اس کو پتھر مارے۔ اس میں یہ لفظ نہیں ہے کہ اس نے زنا کیا تھا تو اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس سے امام بخاری کا مقصود صرف اتنا ہے کہ عمرو بن میمون نے جاہلیت کا زمانہ پایا ہے اور ان کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں کیا گمان کیا تھا۔ (المجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۴۳۲ - ۴۳۱ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

ہمارے پاس جو ”صحیح بخاری“ کے معروف نسخے ہیں ان سب میں یہ حدیث موجود ہے امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندریا دیکھی جس نے زنا کیا تھا اس کے گرد دوسرے بندر جمع تھے جو اس کو سنگسار کر رہے تھے میں نے بھی ان کے ساتھ مل کر اس کو سنگسار کیا۔

(صحیح بخاری ج ۳ ص ۵۴۳ مطبوعہ نور محمد مع الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

اسماعیل نے اس حدیث کو تفصیل سے روایت کیا ہے انہوں نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا کہ عمرو بن میمون نے کہا کہ میں یمن میں اپنی بکریاں چارہا تھا میں نے ایک بلند جگہ سے دیکھا کہ ایک بندر بندریا کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ کے اوپر سر رکھ کر سو گیا پھر ایک اور بندر آیا اور اس نے بندریا کو اشارہ کیا بندریا نے چپکے سے بندر کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکالا اور اس بندر کے ساتھ چلی گئی اور اس بندر نے اس کے ساتھ جنسی عمل کیا بندریا پھر جا کر چپکے سے اسی بندر کے ساتھ لیٹ گئی جب وہ بندر بیدار ہوا تو اس نے اس بندریا کو سونگھا اور غضب ناک ہو کر چیخا پھر بہت جلد بہت سے بندر جمع ہو گئے۔ بندر نے اس بندریا کی طرف اشارہ کیا بندروں نے دائیں بائیں دیکھا اور اس بندر کو پکڑ لائے اور ان دونوں کو سنگسار کر دیا۔ اس وقت میں نے پہلی بار غیر بنو آدم میں رجم کو دیکھا۔ علامہ ابن القیم نے کہا کہ شاید یہ بندر ان لوگوں کی نسل سے تھے جن کو شیخ کر دیا گیا تھا اور ان میں یہ حکم باقی تھا پھر انہوں نے کہا کہ مسوخ کی نسل نہیں چلتی کیونکہ ”صحیح مسلم“ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قوم کو ہلاک کیا یا عذاب دیا اس کی نسل نہیں چلائی اور ان بندروں کے رجم کرنے کا یہ جواب ہے کہ جب بنو اسرائیل کو مسخ کر کے بندر بنایا تھا تو ہو سکتا ہے کہ اصلی بندر بھی ان کے ساتھ آکر رہنے لگے ہوں اور انہوں نے بنو اسرائیل کے بعض افعال دیکھ کر یاد کر لیے ہوں باقی جانوروں کی بہ نسبت بندر بہت ذہین جانور ہے اور اس میں شدید غیرت

ہوتی ہے اور ایک بندہ اپنی بندریا کے قریب دوسرے بندہ کو نہیں جانے دیتا

علامہ ابن عبد البر نے عمرو بن میمون کی اس روایت کو بہت عجیب و غریب قرار دیا ہے اور کہا اس میں غیر مکلف کے فعل کو زنا کہا ہے اور جانوروں پر حد کا ذکر ہے اور یہ اہل علم کے نزدیک ناقابل یقین ہے اور اگر بالفرض یہ روایت صحیح ہے تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ بندروں کی صورت میں یہ جن تھے اور جن مکلف ہیں تاہم یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ فعل صورتہ زنا تھا اسی طرح یہ صورتہ رجم تھا حقیقتہً یہ زنا اور رجم نہیں تھا۔

امام حمیدی نے "المجمع بین الصحیحین" میں نہایت عجیب بات کہی اور انہوں نے یہ ذمہ کیا کہ یہ حدیث "صحیح بخاری" کے بعض نسخوں میں ہے صرف ابو مسعود نے اس کا اطراف میں ذکر کیا ہے اور یہ "صحیح بخاری" کے نسخوں میں اصلاً نہیں ہے اور یہ امام بخاری کی کتاب میں الحاقی حدیث ہے ان کا یہ قول مردود ہے کیونکہ یہ حدیث بخاری کے ان تمام معظم اصول میں موجود ہے جس سے ہم واقف ہیں اور حافظ ابو ذر کا اس حدیث کو تین اماموں کی روایت کے ساتھ فربری سے نقل کرنا کافی ہے اسی طرح اسماعیلی اور ابو نعیم نے بھی اس کو اپنی اپنی مستخرج میں ذکر کیا ہے اور ابو مسعود نے اطراف میں البتہ نسخی کی روایت میں یہ حدیث نہیں ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ فربری کی روایت میں نہ ہو کیونکہ فربری کی روایت سے نسخی کی روایت کی بہ نسبت بہت احادیث زیادہ ہیں اور یہ کہنا کہ "صحیح بخاری" میں کوئی الحاقی حدیث ہے علماء کے اجماع کے خلاف ہے کیونکہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اس کتاب میں درج تمام احادیث صحیح ہیں اور جب کسی ایک حدیث میں یہ مان لیا جائے کہ وہ الحاقی ہو سکتی ہے تو ہر حدیث میں یہ احتمال قائم ہوگا پھر یہ کتاب قابل اعتناء نہیں رہے گی۔

(مع ابوریٰ بن نعیم ص ۱۶۱، ۱۶۰ طبع دار نشر الکتاب، بیروت، ۱۴۰۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے "اصابہ" میں بھی اس حدیث کو درج کیا ہے اور علامہ ابن عبد البر کا یہ جواب اُٹھ گیا ہے کہ وہ بندہ جن تھے اور امام حمیدی نے جو اس حدیث کو الحاقی قرار دیا ہے اس پر رد کیا ہے۔ (اصابہ ج ۲ ص ۱۱۸ طبع دار السنن، بیروت، ۱۳۹۰ھ)

تناخ اور تناخ کا بیان

کفار کے بعض فرقے مثلاً آریہ قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ انسان کی روحیں اپنے اعمال کی جزا اور سزا پانے کے لیے ہمیشہ سے آواگون کے چکر میں ہیں اور ہر شخص موت کے بعد اپنے اعمال کے مطابق دوسرا جنم لیتا ہے اچھا انسان مرنے کے بعد اچھا اور برا انسان مرنے کے بعد برا جنم لیتا ہے، یو اسرائیل کو جو مسخ کر کے بند بنا دیا گیا تھا اس سے بھی دو آواگون پر استدلال کرتے ہیں ہمارے شیخ حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز نے اپنے زمانہ تعلیم میں پنڈت رام چند سے مناظرہ کیا اس نے اس آیت سے تناخ پر استدلال کیا آپ نے فرمایا تناخ میں مرنے کے بعد روح دوسرے جسم میں منتقل ہوتی ہے اور یہاں یو اسرائیل مرے نہیں تھے زندگی میں ہی ان کی تنکیں مسخ کر دی گئی تھیں سو یہ تناخ نہیں ہے تناخ ہے اس نے کہا اب تو میں جا رہا ہوں کئی سال اسی جگہ پھر ملوں گا آپ نے فرمایا زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں یہ بتاؤ کہ اگر تم مر گئے تو کس جون میں آکر مجھ سے ملاقات کرو گے؟ وہ اس جواب سے بہت خوش ہوا اور انعام میں آپ کو اپنی گھڑی دے گیا۔

حیلہ کی تحقیق

علامہ آوسی لکھتے ہیں

بعض علماء نے اس آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ ناجائز کاموں کو کسی حیلہ سے جائز کرنا باطل ہے امام مالک کا یہی

مذہب ہے ان کے نزدیک کسی صورت میں بھی حیلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ علامہ کواشی نے کہا اکثر علماء کے نزدیک حیلہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کی وجہ سے کسی باطل چیز کو حاصل نہ کیا جائے اور نہ کسی کا حق باطل کیا جائے اور یہود نے ہفتہ کے دن پھیلیوں کے شکار کا حیلہ نہیں کیا تھا بلکہ جب انہوں نے ہفتہ کے دن پھیلیوں کو حوضوں میں قید کر لیا تو ان کا پھیلوں کو قید کرنا ہی ان کا شکار کرنا تھا تو انہوں نے بعینہ حرام کا ارتکاب کیا تھا اور اس کے لیے کوئی حیلہ نہیں کیا تھا۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۲۸۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اسی طرح جب یہود پر چربی کو حرام کیا گیا تو انہوں نے اس کو پٹھلا کر فروخت کرنا شروع کر دیا یہ بھی حیلہ نہیں تھا بلکہ بعینہ حرام کا ارتکاب تھا اسی لیے آپ نے ان کے اس فعل پر لعنت کی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع راپڑی ۱۳۸۱ھ)

قرآن اور سنت میں حیلہ کا ثبوت

حیلہ کی اصل قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَحُذِّرْ بَيْنَكَ وَفُتْنًا فَاصْرِبْ يَهُدَىٰ وَلَا تَحْتَسِبْ

(ص: ۴۴) جھاڑو لے لیں پھر اس سے ماریں اور اپنی قسم نہ توڑیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کسی وجہ سے اپنی بیوی سے ناراض ہو گئے اور یہ قسم کھالی کہ وہ صحت یاب ہونے کے بعد اپنی بیوی کو سو کوڑے ماریں گے صحت یاب ہونے کے بعد ان کو یہ پریشانی ہوئی کہ اگر میں قسم پوری کرتا ہوں تو میری خدمت گزار بیوی کو اذیت پہنچے گی اور اگر نہیں مارتا تو قسم ٹوٹ جائے گی تب اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حیلہ بتایا کہ وہ سوتلوں کی ایک جھاڑو لے کر ان کو ماریں اس طرح آپ کی قسم بھی پوری ہو جائے گی اور آپ کی بیوی بھی اذیت پہنچنے سے محفوظ رہے گی۔

حیلہ کے جواز کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت یوسف اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے تو ان کے شاہی کارندے نے شاہی پیمانہ بنیامین کے سامان میں رکھ دیا اور اس ملک کا قانون یہ تھا کہ جس شخص کے پاس سے مال سروقہ برآمد ہو تو یہ طور سزا اس شخص کو مالک کے حوالہ کر دیا جاتا تھا سو جب بنیامین کے سامان سے وہ شاہی پیمانہ برآمد ہوا تو ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالہ کر دیا گیا قرآن مجید میں ہے:

كَذَلِكَ كُنَّا لَبِئُوسُفًَٰ مَا كَانَ لِيَاخُذَ أَخَاهُ فِي

دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (يوسف ۷۶)

احادیث میں بھی حیلہ کا ثبوت ہے امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں

انصار میں سے ایک شخص بیمار ہو گیا حتیٰ کہ وہ بہت کمزور ہو گیا اور اس کی کھال ہڈیوں سے چپک گئی اس کے پاس انصار کی ایک باندی آئی جس پر وہ فریفتہ ہو گیا اور ہشاش بشاش ہو گیا اور اس نے جنسی عمل کر لیا پھر جب اس کے قبیلہ کے لوگ اس کے پاس عیادت کے لیے آئے تو اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے متعلق حکم معلوم کرو کیونکہ میں نے اس باندی سے جماع کر لیا ہے صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا اور کہا ہم نے اس جتنا بیمار شخص اور کوئی نہیں دیکھا اگر ہم اس کو بٹھا کر آپ کے پاس لائیں تو اس کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی اس کی ہڈیوں پر کھال لپٹی ہوئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ایک گچھا لے آؤ اور اس پر اس کی ایک ضرب مارو۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۸ مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ پتلی پتلی سو

شانوں کا ایک گچھا لے آؤ اور اس پر اس کی ایک ضرب مارو۔ (نہج البلاغہ ص ۱۸۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت عادتاً کتب تراوی) امام احمد نے بھی اس حدیث کو حضرت سعد بن عبادہ سے اسی طرح روایت کیا ہے امام ابن عساکر نے بھی اس حدیث کو حضرت سعد بن عبادہ سے روایت کیا ہے اور امام بخاری روایت کرتے ہیں

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر کا عامل مقرر کیا وہ آپ کے پاس عمدہ کھجوریں لے آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا خیبر کی ساری کھجوریں اسی طرح ہیں؟ اس نے کہا نہیں یہ خدا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ دو صاع (ایک صاع تقریباً چار کلو گرام کا پیمانہ ہے) کھجوریں دے کر یہ ایک صاع لیتے ہیں یا تین صاع کھجوریں دے کر دو صاع یہ کھجوریں لیتے ہیں آپ نے فرمایا اس طرح نہ کرو سب کھجوروں کو درابم کے بدلہ میں بیچو اور عمدہ کھجوروں کو درابم کے بدلہ میں خریدو۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت تراوی ۱۳۸ھ) اس حدیث میں آپ نے سود سے بچنے کا حیلہ بیان فرمایا ہے۔

حیلہ کی تعریف اور اس کی اقسام

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

- کسی خفیہ طریقہ سے مقصود کے حاصل کرنے کو حیلہ کہتے ہیں علماء کے نزدیک اس کی کئی اقسام ہیں
- (۱) اگر جائز طریقہ سے کسی حق (خواہ اللہ کا حق ہو جیسے زکوٰۃ یا بندہ کا حق ہو) باطل کیا جائے یا کسی باطل (مثلاً سود رشوت اور پکڑی وغیرہ) کو حاصل کیا جائے تو یہ حیلہ حرام ہے۔
 - (۲) اگر جائز طریقہ سے کسی حق کو حاصل کیا جائے یا کسی باطل یا ظلم کو دفع کیا جائے تو یہ حیلہ مستحب یا واجب ہے۔
 - (۳) اگر جائز طریقہ سے کسی ضرر سے محفوظ رہا جائے تو یہ حیلہ مستحب یا مباح ہے۔
 - (۴) اگر جائز طریقہ سے کسی مستحب کو ترک کرنے کا حیلہ کیا جائے تو یہ مکروہ ہے۔

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۲۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت تراوی ۱۳۸ھ)

فقہاء کے بیان کئے ہوئے بعض حیلے

علامہ سرحدی لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا میں نے قسم کھائی ہے کہ اگر میں نے اپنے بھائی سے بات کی تو میری بیوی کو تین طلاقیں ہوں حضرت عمر نے فرمایا اپنی بیوی کو ایک حلاق بائن دے دو اور اپنے بھائی سے کلام کر لو اور بیوی سے پھر دوبارہ نکاح کر لو۔ (المطبوعہ ج ۳ ص ۲۰۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت تراوی ۱۳۹۸ھ)

زکوٰۃ میں تسلیک شرط ہے اگر کوئی شخص کسی کا مثلاً ہزار روپے کا مقروض ہے اور اس نے ہزار روپے زکوٰۃ میں نکالنے میں توجہ اپنا قرض کس طرح وصول کرے؟ علامہ محمد حاکمی لکھتے ہیں

جواز کا حیلہ یہ ہے کہ وہ اپنے مقروض کو جو صاحب نصاب نہ ہو اپنی زکوٰۃ دے اور اس کو مالک بنادے پھر اس مقروض سے اپنا قرض وصول کرے اور اگر نہ دے تو اس سے چھین لے کیونکہ وہ اپنا بقیہ قرض حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے اور اگر زکوٰۃ کی رقم سے کسی غریب آدمی کا کفن بنانا ہو تو کسی غریب کو کفن کی رقم زکوٰۃ میں دے دے پھر وہ شخص اس کو کفن پہنا دے

۱۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۲ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت تراوی ۱۳۹۸ھ

۲۔ امام ابو القاسم حسن بن علی الشافعی ابن عساکر متوفی ۵۷۵ھ مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۲۲۸ مطبوعہ دار الفکر دمشق تراوی ۱۳۰۳ھ

اس میں دونوں کو ثواب ملے گا۔ سجد کی تعمیر میں بھی زکوٰۃ کی رقم اسی طرح لگائی جاتی ہے۔

(در مختار ج ۲ ص ۱۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ حنفی لکھتے ہیں:

زکوٰۃ کی رقم کو مسجد، سرائے، سبیل وغیرہ پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور اس کا حیلہ یہ ہے کہ یہ رقم کسی غریب آدمی کو دے دے پھر اس کو کہے کہ وہ رقم ان نیک کاموں میں اپنی طرف سے خرچ کرے

(در مختار ج ۲ ص ۶۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

زکوٰۃ ادا کرنے والے کو زکوٰۃ کا ثواب مل جائے گا اور اس غریب شخص کو ان عبادات میں رقم خرچ کرنے کا ثواب مل جائے گا۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

حافظ سیوطی نے ”جامع صغیر“ میں یہ حدیث بیان کی ہے کہ اگر صدقہ سو ہاتھوں سے منتقل ہوتا ہو کسی شخص کو ملے تو ہر شخص کو اتنا ثواب ہوگا جتنا پہلے شخص کو ثواب ملے گا اور کسی کے ثواب میں کمی نہیں ہوگی۔

(فیض القدیر شرح جامع صغیر ج ۵ ص ۳۳۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۹۱ھ)

علامہ منادی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو خطیب بغدادی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کی سند میں بشیر بنی ضعیف راوی ہے۔

اسی اصل پر فقہاء نے حیلہ اسقاط کو جائز کہا ہے۔

حیلہ اسقاط کی تحقیق

علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں:

نماز، روزہ، دیگر کفارات اور جنایات کو میت سے ساقط کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان تمام حقوق مالیہ کا ایک اندازہ کر لیا جائے اور اس کے تہائی مال سے اس رقم کو صدقہ کر دیا جائے بشرطیکہ اس نے وصیت کی ہو اگر اس نے وصیت نہ کی ہو اور کوئی وارث یا کوئی اور شخص اپنی طرف سے یہ طور احسان میت کی طرف سے صدقہ کر دے تو جائز ہے اور اگر اتنی رقم نہ ہو سکی ہو مثلاً کل رقم ایک لاکھ ہے اور وارث کے پاس ہزار روپے ہیں تو سو آدمی بیٹھ جائیں اور وہ ایک شخص کو ہزار روپے میت کا ذمہ ساقط کرنے کی نیت سے دے دے وہ دوسرے شخص کو اسی نیت سے ہزار روپے دے دے حتیٰ کہ جو ننانوے واں شخص ہے وہ سوویں شخص کو اسی نیت سے ہزار روپے دے دے یہ وارث اور فقیر ایک دوسرے کو سو ہارویں تو میت کی طرف سے ایک لاکھ روپے کے حقوق ساقط ہو جائیں گے اور ان سو آدمیوں میں سے ہر شخص کو ایک ہزار روپے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔

(مرآۃ الفلاح ص ۳۶۲-۳۶۱ ملخصاً و موصفاً مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی دہلہ ۱۳۵۶ھ)

علامہ محمد حنفی لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص فوت ہو گیا اور اس کی کئی فوت شدہ نمازیں ہیں تو وہ ان کے کفارہ کی وصیت کرنے اور ہر نماز کے لیے نصف صاع (دو کلو گرام) گندم کفارہ دے اسی طرح وتر اور ہر روزہ کا کفارہ ہے یہ کفارہ اس کے تہائی مال سے دیا جائے گا اگر اس نے مال نہیں چھوڑا تو اس کا وارث مثلاً نصف صاع گندم (یا اس کی قیمت) قرض لے لے وہ یہ گندم ایک فقیر کو میت کی طرف

سے نماز کے فدیہ میں صدقہ کرے وہ فقیر و بارہ اس وارث کو یہ گندم صدقہ کر دے اور اسی طرح بار بار یہ دور کرتے رہیں حتیٰ کہ بہت کی تمام نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا ہو جائے (در مختار ج ۱ ص ۲۹۲ علی حاشیہ رد المحتار دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ) علامہ شامی لکھتے ہیں:

اثر یہ ہے کہ میت کی نمازوں کا اندازہ کر کے اس کے حساب سے قرض لئے مرد پر بارہ مال اور عورت پر نو مائیں کی عمر میں نماز فرض ہو جاتی ہے تو ان کی عمر کی قصا نمازوں کا اندازہ کرے اور پھر ماہ یا ایک سال کی نمازوں کے فدیہ کی رقم ادھار لئے پھر وہ رقم فقیر کو صدقہ کرے اور فقیر پھر وارث کو یہ رقم صدقہ کر دے یا کسی اور فقیر کو صدقہ کر دے (اور اگر ایک سال کے فدیہ کی رقم قرض لی تھی اور نمازیں دس سال کی ہیں تو وارث اور فقیر ایک دوسرے کو دس یا دس فقیروں میں اس رقم کو بار بار دیں اور بعد میں یہ رقم قرض خواہ کو واپس کر دیں) اسی طرح سے میت کے روزوں اور اس کے دوسرے مالی حقوق کی طرف سے بھی فدیہ دیا جائے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۹۳-۲۹۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

ہمارے دیہاتوں میں یہ رواج ہے کہ میت کی فوت شدہ نمازوں اور دیگر حقوق مالی کا حساب ایسے بغیر چند آدمی بیٹھ کر ایک قرآن مجید اور چند روپوں کا آپس میں دور کرتے ہیں اس سے تمام نمازوں اور دیگر مالی حقوق کا فدیہ ادا نہیں ہوتا بلکہ قرآن مجید کی قیمت اور دوسرے روپوں کا جتنی بار دور کیا جاتا ہے اس کے حساب سے فقط اتنی نمازوں کا فدیہ ادا ہوگا

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا بے شک اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے

قَالُوا اتَّخَذْنَا هُزُؤًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ

انہوں نے کہا کیا آپ ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہیں؟ موسیٰ نے کہا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں

الْجَاهِلِينَ ۖ ۶۷ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۖ قَالَ

جاہلوں سے ہو جاؤں O انہوں نے کہا آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بیان کرے کہ وہ (گائے)

إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ ۖ لَا فَارِصٌ وَلَا يَكَرُّ ۖ عَوَانٌ بَيْنَ

کیسی ہے؟ موسیٰ نے کہا بے شک وہ فرماتا ہے کہ بالتحقیق وہ گائے نہ بوزھی ہے نہ بچھیا ان کے درمیان متوسط عمر کی ہے

ذَلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ۖ ۶۸ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ

سو تم کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجا لاؤ O انہوں نے کہا ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں

لَنَا مَا لَوْنَهَا ۖ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ ۖ صَفْرَاءُ ۖ فَاقْعَرُ

یہ بیان کرے کہ اس کا رنگ کیسا ہے؟ موسیٰ نے کہا بے شک اللہ فرماتا ہے بالتحقیق وہ چمکدار زرد رنگ کی گائے ہے

لَوْنَهَا تَسْرُ النَّظِيرِينَ ﴿٢٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا

دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہے ۰ انہوں نے کہا آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بیان کرے کہ

هِيَ اِنَّ الْبَقَرَ تَشْبَهُ عَلَيْنَا وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَهْتَدُوْنَ ﴿٣٠﴾

اس کے اوصاف کیسے ہیں؟ بے شک گائے ہم پر مشتبہ ہوگئی ہے اور بے شک اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور ہدایت پا جائیں گے ۰

قَالَ اِنَّهُ يَقُولُ اِنَّهَا بَقْرَةٌ اَذْلُوْا تَشِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي

موسیٰ نے کہا: بے شک اللہ فرماتا ہے بالتحقیق وہ ایسی گائے ہے جو نہ محنت کرنے والی ہے کہ زمین میں ٹل چلائی ہو اور نہ وہ

الْحَرْتُ مَسْلَمَةٌ لَا تَشِيْءُ فِيْهَا قَالُوا اَلَنْ جِئْتُ بِالْحَقِّ ﴿٣١﴾

کبھتی میں پانی دیتی ہے وہ صحیح سالم اور بے داغ ہے وہ پکاراٹھے کہ اب آپ نے ٹھیک بات بتائی ہے

فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٢﴾

پھر انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا اور وہ یہ کام کرنے والے نہ تھے ۰

بنو اسرائیل کے گائے ذبح کرنے کا بیان

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ ابو العالیہ سے روایت کرتے ہیں

بنو اسرائیل میں ایک مال دار شخص تھا (علامہ قرطبی نے کہا: اس کا نام عامیل تھا) اس کی اولاد نہ تھی اس کا وارث اس کا ایک رشتہ دار تھا (سدی کی روایت میں ہے وہ اس کا بھتیجا تھا) اس نے اس مالدار شخص کو قتل کر دیا تاکہ اس کا وارث ہو اور اس کی لاش لوگوں کے راستہ میں ڈال دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر کہا میرا رشتہ دار قتل کر دیا کیا فرمیں۔ نزدیک آپ کے ہوا اور کوئی شخص نہیں جو اس کے قتل کا نام بتا سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں میں علان کیا کہ جس شخص کو بھی اس کے قتل کا علم ہو وہ ہمارے پاس آکر بیان کرے: آپ کوئی شخص نہ آیا تو وہ قاتل پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا آپ اللہ کے نبی ہیں آپ اللہ سے سوال کریں کہ وہ ہمیں قاتل بتا دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک گائے ذبح کریں ان کو اس پر تعجب ہوا کہ قاتل بتلانے میں اور گائے کے ذبح کرنے میں کیا مناسبت ہے اس لیے انہوں نے کہا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں حضرت موسیٰ نے کہا میں جاہل ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں انہوں نے کہا آپ اللہ سے معلوم کریں کہ وہ کیسی گائے ہے! فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ بوڑھی نہ نہ بچھیا پھر کہا: اللہ سے دعا کریں کہ فرمائے اس کا رنگ کیسا ہو! اللہ فرماتا ہے وہ شوخ زرد رنگ کی گائے ہو جو دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہو انہوں نے پھر کہا: معلوم کریں اس کی صفت کیسی ہو؟ یہ گائے ہم پر مشتبہ ہوگئی ہے اور ان شاء اللہ ہم ہدایت پا جائیں گے۔ فرمایا وہ گائے محنت کے کام نہ کرتی ہو نہ ٹل چلاتی ہو نہ ہیٹوں کو پانی دیتی ہو، اور وہ صحیح سالم اور بے داغ ہو انہوں نے کہا اب آپ نے پوری بات بتائی ہے پھر انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا اور وہ یہ کام کرنے والے نہ تھے۔

جس وہ اس لوگوں کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا اگر یہ اسی وقت کسی بھی گائے کو ذبح کر دیتے تو کافی تھا، لیکن انہوں نے سوالات کر کے گائے میں فیوداٹ لکوا میں تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی اور اگر یہ آخر میں ان شاء اللہ نہ کہتے تو یہ اس گائے کی طرف کبھی بھی ہدایت نہ پاتے، جس گائے کا انہوں نے تعین کیا تھا وہ صرف ایک بوڑھی عورت کے پاس تھی جس کے قیمتی بچے تھے جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ اس گائے کے علاوہ اور کسی گائے کو ذبح نہیں کریں گے تو اس نے اس گائے کی قیمت بہت بڑھادی (سدی کی روایت میں ہے اس عورت نے اس کے وزن سے دس گنا زیادہ سونا طلب کیا۔ طبری ج ۱ ص ۲۱۹) وہ حضرت موسیٰ کے پاس گئے اور کہا وہ عورت بہت زیادہ قیمت مانگ رہی ہے، حضرت موسیٰ نے فرمایا تم نے خود اپنے اوپر سختی کی ہے اب اس کی منہ مانگی قیمت دو انہوں نے وہ قیمت ادا کر کے گائے کو خرید لیا اور اس کو ذبح کیا، حضرت موسیٰ نے حکم دیا کہ اس کی ہڈی لے کر مقتول کے جسم پر مارو جب مقتول پر گائے کی ہڈی ماری گئی تو وہ زندہ ہو گیا اور اس نے قاتل کا نام بتا دیا اور پھر مر گیا اور قاتل وہی شخص تھا جس نے اس کے قاتل کا مطالبہ کیا تھا اس کو اس بے عمل کی پاداش میں قتل کر دیا گیا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۱۸۔ ۲۱۷، مطبوعہ دارالسرۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو البیان اندلسی لکھتے ہیں:

اس مقتول کا نام عامیل تھا، عطاء اور سدی نے کہا کہ اس کا قاتل اس کا چچا زاد بھائی تھا، ایک قول یہ ہے کہ وہ اس کا بھائی تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ اس کا بھتیجا تھا، نیز عطاء نے کہا ہے کہ عامیل کے عقد میں اس کی چچا زاد تھی اور وہ بنو اسرائیل میں سب سے حسین عورت تھی، قاتل نے اس سے قتل کیا کہ وہ اس عورت سے بعد میں نکاح کرے

(البحر المحیط ج ۱ ص ۴۰۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۲ھ)

بنو اسرائیل کی گائے کا بیان

بنو اسرائیل نے جس گائے کو ذبح کیا تھا اس کے متعلق حافظ سیوطی لکھتے ہیں

امام ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بنو اسرائیل میں ایک نوجوان ایک دکان میں کچھ چیزیں فروخت کرتا تھا اس کا باپ بوڑھا آدمی تھا، ایک دن ایک اور شہر سے ایک شخص آیا اور اس سے کچھ سودا طلب کیا، اور اس کی قیمت دے دی، وہ اس کے ساتھ دکان کھولنے گیا، تاکہ اس کو وہ چیز دے دے، چابی اس کے والد کے پاس تھی اور وہ دکان کے سائے میں سو رہا تھا، اس شخص نے کہا: اس کو جگا دو اس لڑکے نے کہا: وہ سو رہا ہے اور میں اس کو بیدار نہیں کروں گا، اس شخص نے اس کو جگانے کے لیے دگنی قیمت پیش کی، اس لڑکے نے انکار کر دیا، حتیٰ کہ وہ شخص چلا گیا، اس لڑکے نے جو اپنے باپ کے ساتھ نیکی کی تھی اللہ تعالیٰ نے اسکی یہ جزا دی کہ ان کی گائے سے وہ گائے پیدا ہوئی جس کی بنو اسرائیل کو تلاش تھی، بنو اسرائیل اس گائے کو خریدنا چاہتے تھے اور وہ لڑکا راضی نہ ہوتا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس کو راضی کر کے گائے خریدو، بالآخر اس کی قیمت یہ طے کی گئی کہ اس کے وزن کے برابر سونا دیا جائے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۷۶، مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

امام ابن جریر نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۱۹۔ ۲۱۸، مطبوعہ دارالسرۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

گائے ذبح کرنے کے واقعہ سے استنباط شدہ مسائل

بنو اسرائیل کے گائے کو ذبح کرنے کے واقعہ سے حسب ذیل مسائل معلوم ہوئے

(۱) بنو اسرائیل کو اس حکم میں جو بھی اشکال ہوا اس کے حل کے لیے انہوں نے حضرت موسیٰ سے دعا کی درخواست کی، از خود

دعا نہیں کی نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا کم خود دعا کرو اس سے، بلکہ اور مفر بین سے دعا کرانے کا دوت ہے۔

(۲) مذاق کرنا جانوں کا کام ہے البتہ مزاح اور چہر ہے یعنی کوئی نکتہ افروز بات کرنا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے علم پر بے چوں و چرا عمل کرنا چاہیے اور اس میں حیل و حجت نہیں نکالنی چاہیے
(۴) اگر کوئی شخص اپنے اوپر غشی کرے تو اللہ بھی اس پر غشی کرتا ہے بنو اسرائیل نے بے جا سوالات کر کے اپنے اوپر غشی کی تو اللہ نے بھی اس میں قیودات لگائیں۔

(۵) جو شخص ماں باپ کا ادب اور ان کی فرماں برداری کرے اللہ اس کو اچھی جزا دیتا ہے۔
(۶) ان شاء اللہ کہنے کی برکت سے کام ہو جاتا ہے کیونکہ جب تک انہوں نے ان شاء اللہ نہیں کہا گائے کی طرف ہدایت نہیں پائی تھی۔

(۷) انسان کو اپنی چیز کی قیمت مقرر کرنے کا اختیار ہے حتیٰ کہ ایک گائے کی قیمت اس کے ہم وزن سونا بھی ہو سکتی ہے۔
(۸) شوخ زرد رنگ اللہ کا پسندیدہ رنگ ہے۔

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَرَأْتُمُوهَا ۖ وَأَلَّهِ مَخْرَجُ مَا كُنْتُمْ

اور یہ ذکر وہ جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا تھا پھر تم ایک دوسرے کو اس قتل میں ملوث کرنے لگے اور اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والا

تَكْتُمُونَ ۚ ۞ فَقُلْنَا اضْرِبُوهَ بِبَعْضِهَا ۖ كَذَلِكَ يُخَيِّ اللَّهُ

تھا جس کو تم چھپاتے تھے ۞ سو ہم نے کہا: اس گائے کے ایک ٹکڑے کو اس مقتول پر مارو اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ فرمائے گا

الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ ۛ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ

اور وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو ۝ پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے

مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۖ وَإِنَّ

وہ پتھروں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت ہیں اور بے شک بعض پتھروں سے

مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۖ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَاءً يَشَقُّ

دریا پھوٹ پڑتے ہیں اور بے شک بعض پتھر پھٹتے ہیں تو ان سے پانی

فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۖ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَاءً يَهِيطُ مِنْ خَشْيَةِ

نکل آتا ہے اور بے شک بعض پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں

اللَّهُ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۷۴﴾

اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے ۵

گائے کا ایک عضو مقتول پر مارنے سے اس کا زندہ ہونا

ان آیات میں بھی اسی قصہ کو بیان فرمایا ہے جس واقعہ کا اس سے پہلی آیات میں ذکر تھا اس کا کٹقن پہلے ہوا تھا اور اس کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے تاکہ خواہ اسرائیل کو ان کی خود سری ہٹ دھرمی اور شقاوت پر دوبارہ سرزنش کی جائے اگر یہ سوال کیا جائے کہ قتل تو ایک شخص نے کیا تھا اور اس آیت میں تمام ہوا اسرائیل کی طرف اس کا اسناد کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عرب کا اسلوب ہے کہ قبیلہ کے ایک فرد نے فعل کیا ہو تو پورے قبیلہ کی طرف اس کی نسبت کر دیتے ہیں ہوا اسرائیل قاتل کو مخفی رکھنا چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنا چاہتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایک گائے ذبح کرو جس کی تفصیل اس سے پہلی آیات میں ذکر کی جا چکی ہے اور فرمایا اس گائے کے کسی عضو کو اسی مقتول پر مارو اس عضو میں مختلف اقوال ہیں مثلاً زبان دم کان ہڈی اور دل وغیرہ جب گائے کے عضو کو مقتول پر مارا گیا تو اس کی رگوں سے خون بہنے لگا اور اس نے کہا مجھے میرے بھتیجے نے قتل کیا ہے۔

گائے ذبح کر کر مقتول کو زندہ کرنے کی حکمت

ربا یہ سوال کہ اس مقتول کو اس طرح کیوں زندہ کیا گیا؟ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ کی دعا سے ویسے ہی زندہ فرما دیتا آخر اس سے پہلے بھی تو ستر اسرائیلیوں کو زندہ فرمایا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ مقتول کو زندہ کرنے کے سلسلہ میں مشقت کا کچھ بار اللہ تعالیٰ ہوا اسرائیل پر ڈالنا چاہتا تھا اور ان کی کج بخشی اور حیلہ جوئی کو دکھانا چاہتا تھا اور اس ذریعہ سے ایک صالح اور ماں باپ کے فرمانبردار لڑکے کو فائدہ پہنچانا چاہتا تھا اور یہ بتلانا چاہتا تھا کہ کسی چیز کو طلب کرنے سے پہلے کسی عبادت سے تقرب حاصل کرنا مستحسن ہے اور حصول ثواب کا ذریعہ ہے نیز ان کے سوالات کرنے کی وجہ سے گائے میں قیودات لگا کر شقی کی گئی تاکہ دوسروں کو عبرت ہو کہ اللہ کے حکم پر ذلیل و جنت کے بغیر عمل کرنا چاہیے اور یہ کہ اللہ کے حکم سے جو جانور ذبح کیا جائے وہ بہت قیمتی صحیح سالم بے داغ اور حسین و جمیل ہونا چاہیے اور اس میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوتا لیکن اگر عادل نے باغی کو قتل کیا یا کسی حملہ آور کو مدافعت میں قتل کیا تو وہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو (قیامت کے دن) زندہ فرما یگا ہر چند کہ یہ آیت ہوا اسرائیل سے خطاب کے سلسلہ میں ہے لیکن اس میں ان لوگوں کی تعریض ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مر کر دوبارہ اٹھنے کا انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے۔ (البقرہ ۷۴)

اس میں مردہ کو زندہ کرنے کی طرف اشارہ ہے یا اس کے کلام کرنے کی طرف اشارہ ہے یا اس سے پہلے جن نشانیوں کا ذکر ہوا ان کی طرف اشارہ ہے یعنی پتھر سے پانی کے چشموں کا جاری کرنا ان پر پہاڑ معلق کر دینا یا بعتہ سے دن شکار کرنے والوں کو بندر اور خنزیر بنادینا۔ ان نشانیوں کو دیکھنے کے بعد ان کے دل کی سختی کا یہ عالم تھا کہ جب مقتول نے زندہ ہو کر بتایا کہ فلاں شخص اس کا قاتل ہے تو انہوں نے کہا یہ جھوٹ ہے۔ علاوہ ان ان نشانیوں کے دیکھنے کے باوجود اپنی ہٹ دھرمی اور نافرمانیوں سے باز نہیں آئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور بے شک بعض پتھروں سے دریا پھوٹ پڑتے ہیں اور بے شک بعض پتھر پھنسے اس توان سے پانی نکل آتا ہے اور بے شک بعض پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ (اسرہ ۷۴)

پتھروں، درختوں اور جانوروں کا ادراک اور ان کا آپ کی رسالت کی گواہی دینا

اس آیت میں اثر پذیری کے اعتبار سے پتھروں کی تین قسمیں بتائی ہیں ایک قسم وہ ہے جس سے دریا پھوٹ پڑتے ہیں اس میں سب سے زیادہ اثر پذیری ہے دوسری قسم میں اس سے کم اثر پذیری ہے جن سے پانی نکل آتا ہے اور سب سے کم اثر پذیری ان پتھروں میں ہے جو خوف خدا سے گر پڑتے ہیں۔ نو اسرائیل میں اتنی اثر پذیری بھی نہیں ہے اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پتھروں میں بھی ادراک ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان میں خدا کا خوف ہوتا ہے قرآن مجید کی دوسری آیات میں بھی اس پر دلائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پتھروں اور پہاڑوں میں ایک قسم کا ادراک پیدا کیا ہے

لَوْ أَنزَلْنَاهُ الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا
مُتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ (احشر ۲۱)

اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو ہم ضرور اس کو جھکتا ہوا اور اللہ کے خوف سے پھٹتا ہوا دیکھتے۔

یُنَادِیْ اِیَّیْ مَعَهُ وَالطَّيْرِ (ہا ۱۱)

اے پہاڑ اور پرندو! تم داؤد کے ساتھ تسبیح کرو۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں

حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احد پہاڑ کے متعلق فرمایا احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۱ - ۲۰۰ ج ۲ ص ۵۸۵ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مکہ میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو اعلان نبوت سے پہلے مجھ پر سلام عرض کرتا تھا میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۲۵ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ (معجم صغیر ج ۱ ص ۶۲ مطبوعہ مکتبہ حنفیہ مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حجر اسود اور رکن یمانی کو اس حال میں اٹھائے گا کہ ان کی دو آنکھیں زبان اور دو ہونٹ ہوں گے اور جس نے ان کی پوری تعظیم کی وہ اس کے حق میں گواہی دیں گے۔ (تہذیب ج ۱ ص ۱۳۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ ابوشامہ بیان کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سات یا نو کنکریں اپنے ماتھ میں میں تو وہ تسبیح کرنے لگیں شہد کی مکھیوں کی بھنھن ہٹ کی طرح اس کی آواز سنائی دیتی تھی الحدیث۔ اس حدیث کو امام بزار نے سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور ایک سند کے راوی ثقہ ہیں۔ (معجم الزوائد ج ۸ ص ۲۹۹ مطبوعہ دار المناقب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مجھ پر وحی کی گئی تو میں جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتا تھا وہ بہتا تھا السلام علیک یا رسول اللہ اس حدیث کو امام بزار نے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۶۰-۳۵۹ مطبوعہ دارالکتب العربیہ ۱۴۰۲ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر نکلا آپ جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرنے تھے وہ آپ کو سلام عرض کرتا تھا حافظ ابی ثنی نے کہا اس حدیث کو امام طبرانی نے "معجم اوسط" میں روایت کیا ہے اس کی سند میں ایک راوی کا مجھے علم نہیں باقی راوی ثقہ ہیں (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۶۰ مطبوعہ دارالکتب العربیہ ۱۴۰۲ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے کسی راستہ میں جا رہا تھا کہ آپ کے سامنے جو بھی پہاڑ یا درخت آتا وہ کہتا السلام علیک یا رسول اللہ (جامع ترمذی ص ۵۳۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ ندرت کتب کراچی) ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پتھروں کے علاوہ درختوں میں بھی ادراک پیدا کیا ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے منبر بنا کر لایا گیا تو جس کھجور کے ستون کے ساتھ آپ ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے وہ اس طرح چیخ مار کر رو رہا تھا جیسے اونٹنی اپنے بچے کے فراق میں روتی ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۵ مطبوعہ نور محمد جامع المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ سامنے سے ایک اعرابی آ رہا تھا جب وہ قریب آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا تم کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا اپنے اہل کے پاس آپ نے فرمایا کیا تم کوئی خیر حاصل کرو گے؟ اس نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہ لا شریک ہے اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اس نے کہا آپ کے اس قول پر کون گواہ ہے؟ آپ نے فرمایا یہ درخت وہ درخت وادی کے کنارے تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کو بلایا تو وہ زمین کو پہاڑ بنا ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا آپ نے اس سے تین مرتبہ اپنی رسالت پر شہادت طلب کی اور اس نے اسی طرح شہادت دی جس طرح آپ نے کلمہ شہادت پڑھا تھا پھر وہ درخت اپنی جگہ واپس چلا گیا وہ اعرابی اپنی قوم کی طرف چلا گیا اور اس نے کہا اگر قوم نے میری بات مان لی تو میں ان کو لے کر آؤں گا ورنہ خود حاضر ہوں گا۔

(معجم کبیر ج ۱۲ ص ۲۳۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ بیروت)

اس حدیث کو امام ابو یوسف نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند ابویوسف ج ۵ ص ۲۵۸ مطبوعہ دار امامون تراث بیروت ۱۴۰۳ھ) حافظ ابی ثنی لکھتے ہیں اس حدیث کو امام بزار نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۲ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

جانوروں کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ادراک تھا امام طبرانی روایت کرتے ہیں

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ ایک محفل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں بنو سلیم کا ایک اعرابی آیا اس نے ایک گاوہ شکار کر کے اپنی آستین میں رکھی ہوئی تھی اس نے جب یہ جماعت دیکھی تو لوگوں سے پوچھا اس جماعت کا امیر کون ہے؟ لوگوں نے بتایا وہ شخص ہیں جو خود کو نبی گمان کرتے ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا اے محمد! تم سے بڑھ کر جھوٹا کوئی نہیں ہے اور میرے نزدیک تم سے بڑھ کر

مبغوض کوئی نہیں ہے اور اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ میری قوم مجھ کو جلد باز کہے گی تو میں تم کو قتل کر دیتا اور اس پر سب لوگ خوش ہوتے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ کو اہل زرت دین میں اس کو قتل کر دوں اور رسول اللہ نے فرمایا تم کو معلوم نہیں کہ نبی بردبار ہوتا ہے! اس اعرابی نے کہا اگر یہ گوہ آپ پر ایمان لے آئے تو اہل زرت اور عزیٰ کی قسم! میں آپ پر ایمان لے آؤں گا اور اس نے آئین سے گوہ نکال کر رسول اللہ کے سامنے پھینک دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ سے کہا اے گوہ! اس نے فصیح عربی میں کہا: اے رب العالمین کے رسول! بلکہ میں حاضر ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی عبادت کی جاتی ہے؟ اس نے کہا: جس کا آمان میں عرش ہے اور زمین میں اس کی سلطنت ہے، ہند میں جس کی سبیل ہے جنت میں جس کی رحمت ہے اور دوزخ میں جس کا عذاب ہے! آپ نے فرمایا اے گوہ! میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ رب العالمین کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں! جس نے آپ کی تصدیق کی وہ کامیاب ہے اور جس نے آپ کی تکذیب کی وہ ناکام ہے پھر اس اعرابی نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے برحق رسول ہیں! بے شک جس وقت میں آیا تھا تو میرے نزدیک آپ سے بڑھ کر مبغوض کوئی نہیں تھا! اور اب میرے نزدیک آپ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں ہے۔ (مجم صفر ج ۲ ص ۶۵ - ۶۴ مطبوعہ مکتبہ سفید مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ)

حافظ البیہقی لکھتے ہیں:

محمد بن علی بن ولید بصری کے علاوہ اس کی سند کے باقی راوی صحیح ہیں! اس حدیث کا مدار اسی پر ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۳ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحرا میں تھے کہ کسی آواز دینے والے نے آواز دی: یا رسول اللہ! آپ نے مڑ کر دیکھا تو کوئی نظر نہیں آیا! آپ پھر متوجہ ہوئے تو ایک ہرنی بندھی ہوئی تھی! اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے قریب آئیں! آپ اس کے قریب گئے اور فرمایا: تمہیں کیا کام ہے؟ اس نے کہا اس پہاڑ میں میرے دو بچے ہیں! آپ مجھے کھول دیں تاکہ میں جا کر انہیں دودھ پلاؤں! پھر میں آپ کے پاس واپس آ جاؤں گی! آپ نے فرمایا تم ایسا کرو گی؟ اس نے کہا: اگر میں ایسا نہ کروں تو اللہ مجھے اس اونٹنی کے عذاب میں مبتلا کرے جس کے بچے گم ہو گئے ہوں! آپ نے اس کو کھول دیا وہ گئی! جا کر اس نے اپنے بچوں کو دودھ پلایا! پھر واپس آ گئی اور آپ نے اس کو باندھ دیا! اعرابی بیدار ہوا تو اس نے پوچھا یا رسول اللہ! کو کوئی کام ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! اس ہرنی کو کھول دو! وہ چھلا تھیں لگاتی ہوئی گئی اور کہہ رہی تھی: میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

(مجم کیر ج ۲۳ ص ۳۳۲ مطبوعہ دارالاحیاء التراث العربیہ بیروت)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۵ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

اَفَتَطْمَعُونَ اَنْ يُّؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ

(اے مسلمانو!) کیا تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ (یہودی) تمہاری خاطر ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان کا ایک فریق اللہ کا

يَسْمَعُونَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوا

کلام سنا تھا پھر اس کو سمجھنے کے بعد جو اس میں دانستہ

وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۷۵﴾ وَإِذَا قُلُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا

تبدیلی کر دیتا تھا O اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے

وَإِذَا خَلَا بِعَضُدٍ إِلَى بَعْضٍ قَالُوا اتَّخَذُوا آلَهُم بِمَافَتَرَ

اور جب یہ ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کیا تم ان (مسلمانوں) کو وہ (حق)

اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۷۶﴾

باتیں بتا دیتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں تاکہ وہ ان باتوں کو تمہارے رب کے سامنے حجت بنائیں کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ O

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۷۷﴾

کیا وہ (یہودی) نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں اور جس کو ظاہر کرتے ہیں O

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِي وَإِنَّهُمْ

اور ان میں سے بعض ان پڑھ ہیں جو زبانی پڑھنے کے سوا (اللہ کی) کتاب کا علم نہیں رکھتے اور وہ صرف

إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۷۸﴾ قَوْلُ الَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ

ظن (گمان) کرتے ہیں O پس عذاب ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں

ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا

پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس کے بدلہ میں تھوڑی قیمت لیں سو ان کے لیے

قَوْلُ لَّهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿۷۹﴾

عذاب ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا اور جو کچھ انہوں نے لکھا اس کے سبب سے ان کو عذاب ہو گا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (اے مسلمانو!) کیا تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ (یہودی) تمہاری خاطر ایمان لے آئیں گے؟

(البقرہ ۷۵)

آیات مذکورہ کا شان نزول

جب کسی چیز کی بہت زیادہ رغبت ہوتی ہے اور انسان اس کے حصول کی قوی امید کر لیتا ہے تو اس کو طمع کہتے ہیں، ہم نے اس کا ترجمہ تو قح کیا ہے۔ علاہ ابوالحیاء اندلسی لکھتے ہیں اس آیت کے شان نزول میں دو قول ہیں

(۱) یہ آیت ان انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے جو یہود کے حلیف تھے وہ ان کے پڑوسی بھی تھے اور ان کے درمیان رضاعت بھی تھی وہ یہ چاہتے تھے کہ یہ یہودی مسلمان ہو جائیں۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان یہ خواہش رکھتے تھے کہ ان کے زمانہ میں جو یہودی ہیں وہ مسلمان ہو جائیں کیونکہ وہ اہل کتاب تھے اور ان کے پاس شریعت تھی، حضور ان کے ساتھ نرمی کرتے تھے اور ان کی وجہ سے دوسروں پر سختی کرتے تھے تاکہ وہ یہودی مسلمان ہو جائیں۔ (البحر المحیط ج ۱ ص ۴۳۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، حاکم ان کا ایک فریق اللہ کا کلام سنتا تھا پھر اس کو سمجھنے کے باوجود اس میں دانستہ تبدیلی کر دیتا تھا ○ (البقرہ ۷۵)

بنو اسرائیل کی تحریف کا بیان

اس آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ ایک فریق اللہ کا کلام سنتا تھا اس کی تفسیر میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا اور پھر اس میں تبدیلی کی اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کلام اللہ سے مراد تورات ہے جس میں وہ تحریف کرتے تھے۔ پہلے قول کے متعلق امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں

امام محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ مجھے بعض اہل علم سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ کے دیدار اور ہمارے درمیان کڑکھائل ہو گئی لیکن جب اللہ تعالیٰ آپ سے ہم کلام ہو تو آپ ہمیں اس کا کلام سنادیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا، حضرت موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم غسل کرو صاف کپڑے پہنو اور روزے رکھو پھر وہ ان کو لے کر طور پر آئے، جب بادل نے ان کو ڈھانپ لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا: سجدہ میں گر جائیں وہ سجدہ میں گر گئے، حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے کلام کیا اور انہوں نے اس کلام کو سنا، اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کا امر کیا اور بعض چیزوں سے منع کیا، انہوں نے اس کو سن کر سمجھ لیا، جب بنو اسرائیل کے پاس پہنچے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس چیز کا حکم دیا ہے اور اس چیز سے منع کیا ہے تو ان لوگوں نے اس میں تحریف کر دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بتائے ہوئے احکام کو بدل دیا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۹۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام ابن جوزی اس روایت پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بعض اہل علم نے اس روایت کا شدید انکار کیا ہے، ان میں سے امام ترمذی صاحب "نوار اناصول" بھی ہیں، انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کے کلام کو بلا واسطہ سنا صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے، ورنہ ان میں اور حضرت موسیٰ میں کیا فرق رہے گا؟ اس قسم کی احادیث کو کلیبی نے روایت کیا ہے اور وہ جھوٹا شخص ہے۔

(ادالہ میر ج ۱ ص ۱۰۳-۱۰۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

دوسرے قول کے متعلق امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں

ابن زید نے کہا: اس کلام اللہ سے مراد تورات ہے، بنو اسرائیل اس میں تحریف کر کے اس کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتے تھے اور حق کو باطل اور باطل کو حق بیان کرتے تھے۔ جب ان کے پاس صاحب حق رشوت لے کر آتا تو کتاب سے اس

کی منشاء کے مطابق مسئلہ بیان کرتے اور جب باطل پر قائم کوئی شخص ان کے پاس رشوت لے کر آتا تو کتاب سے اس کی مرضی کے مطابق حکم بیان کرتے اور جب کوئی شخص رشوت لے کر نہ آتا تو پھر کتاب سے صحیح حکم نکال کر بیان کر دیتے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۹۱ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابن جریر فرماتے ہیں: زیادہ صحت کے قریب یہ ہے کہ تورات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات مذکور تھیں ان میں دانستہ تحریف کرتے تھے اور آپ کی صفات کو تبدیل کر کے بیان کرتے تھے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۹۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ آدوی نے لکھا ہے کہ تورات میں مذکور تھا کہ آپ کا گوار رنگ ہے اور متوسط قد ہے اور جب ان سے آخری نبی کی صفات پوچھی جاتیں تو یہ کہتے ان کا سانوا رنگ ہے اور لمبا قد ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۹۸ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔ (البقرہ ۷۶)

یہود کے نفاق کا بیان

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب منافقین یہود حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے ملتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور ابوالعالیہ اور قتادہ نے بیان کیا کہ جب یہ آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تمہاری کتاب میں جو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صفات بیان کی گئی ہیں وہ تم مسلمانوں کے سامنے کیوں بیان کرتے ہو وہ اس بیان کو تمہارے خلاف حجت بنالیں گے کہ جب یہ وہی آنے والے نبی ہیں تو تم ان پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۹۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور ان میں سے بعض ان پڑھ ہیں جو زبانی پڑھنے کے سوا (اللہ کی) کتاب کا علم نہیں رکھتے۔

(البقرہ ۷۸)

”امی“ اور ”امنیہ“ کا معنی

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کئی گراہ فرقوں کا بیان فرمایا ہے پہلے اس فرقہ کا بیان کیا جو اللہ کے کلام میں تحریف کرتا ہے پھر دوسرے فرقہ کا بیان کیا جو منافقین ہیں پھر تیسرے فرقہ کا بیان کیا جو مجاہدین (بحث میں ضد سے کام لینے والے) تھے اور یہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کے سامنے تورات کی ایسی آیات بیان کرو جو خود تمہارے خلاف حجت ہوں اس کے بعد اب جو تھے فرقہ کا بیان کیا جو عوام اور ناخواندہ لوگ ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے امین فرمایا امی وہ شخص ہے جو لکھتا ہونہ پڑھتا ہو یعنی جس طرح ماں کے بطن سے ناخواندہ پیدا ہوا تھا اسی حالت پر ہو اور کسی سے علم حاصل نہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ کتاب کا علم نہیں رکھتے ماسوا ”امی“ کے ”امنی“ کی جمع ہے ”امنیہ“ کا ایک معنی ہے پڑھنا یعنی یہ عام ان پڑھ لوگ صرف زبانی تورات کو پڑھ لیتے ہیں اس کا معنی نہیں جانتے جیسے ہمارے برصغیر میں عام ناخواندہ لوگ قرآن مجید کی عبارت کو معنی سمجھے بغیر پڑھتے ہیں اور اس کا دوسرا معنی ہے تمنا اور آرزو یعنی ان کی صرف تمنائیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا اور ان گناہوں پر گرفت نہیں فرمائے گا اور ان کے آباء و اجداد میں جو انبیاء ہیں وہ ان کی شفاعت کریں گے یا ان کے علماء کی جوتمائیں تھیں کہ دوزخ کی آگ ان کو صرف چند دن جلائے گی یا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ سوائے ان جھوٹی اور من گھڑت باتوں کے کتاب کا علم نہیں رکھتے جو انہوں نے اپنے علماء سے سنا لی ہیں اور ان کو بہ طور تقلید کے مانتے

چلے آ رہے ہیں لیکن یہاں "امیہ" کو تمنا کے معنی پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کے بعد کی آیت میں ان کی اس تمنا کا ذکر آ رہا ہے کہ ان کو صرف چند دن آگ جلانے کی۔ ہم نے "شرح صحیح مسلم" کی پانچویں جلد میں امی کا معنی زیادہ تفصیل اور تحقیق سے بیان کیا ہے اور سورہ اعراف میں ان شاء اللہ اس پر مکمل بحث کریں گے اسی طرح ان شاء اللہ سورہ حج میں "امیہ" کے معنی پر بحث کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس عذاب ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر جیتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ (البقرہ: ۷۹)
ویل کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

اُسمی نے کہا "ویل" بری چیز ہے اور اس کا استعمال حسرت کے موقع پر ہوتا ہے اور "وبیح" کا استعمال ترحم کے طور پر ہوتا ہے۔ (المفردات ص ۵۳۵ مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۴۲ھ)

امام ابن جریر طبری اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا: "فویل لہم" کا معنی ہے ان پر عذاب ہو ابو عیاض نے کہا: ویل اس پیپ کو کہتے ہیں جو جہنم کی جز میں گرتی ہے حضرت عثمان بن عفان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ ویل جہنم میں ایک پہاڑ ہے اور حضرت ابوسعید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ ویل جہنم میں ایک وادی ہے کافر اس کی گہرائی تک پہنچنے سے پہلے چالیس سال تک گرتا رہے گا۔ ان احادیث اور آثار کے اعتبار سے ویل کا معنی یہ ہے کہ جو یہودی اپنی طرف سے لکھ کر کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہیں ان کو جہنم کی گہرائی میں اہل جہنم کی پیپ پینے کا عذاب ہوگا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۰۰ - ۲۹۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

ابوالعالیہ نے کہا کہ یہود سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں تحریف کرتے تھے اور دنیاوی مال کی وجہ سے اس میں تبدیلی کرتے تھے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہود نے اپنی خواہش کے مطابق تورات میں احکام لکھ دیئے اور جو احکام ان کو ناپسند تھے ان کو انہوں نے تورات سے مٹا دیا نیز انہوں نے تورات سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مٹا دیا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر غضب فرمایا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۰۱ - ۲۰۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ

اور انہوں نے کہا کتنی کے چند دنوں کے سوا ان کو ہرگز آگ نہیں چھوئے گی آپ کہیے آیا تم نے اللہ سے کوئی

عِنْدَ اللَّهِ عَهْدٌ أَفَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى

عہد لے لیا جس کی اللہ ہرگز خلاف درزی نہیں کرے گا یا تم اللہ کے متعلق وہ بات کہتے ہو

اللَّهُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸۰﴾ بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ

جس کا تمہیں علم نہیں ہے؟ ۸۰ کیوں نہیں! جنہوں نے بُرا کام کیا اور اُن کی برائی نے اُن کو (پوری طرح)

بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨١﴾

گھیر لیا وہ جہنمی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ جنتی ہیں

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨٢﴾

وہی اس میں ہمیشہ رہیں گے O

عذاب یہود کے مزعومہ چند دنوں کا بیان

یہودی کہتے تھے ان کو صرف چند دن عذاب ہوگا اور ان چند دنوں کے متعلق دو قول ہیں ایک قول یہ ہے

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے دشمن یہودیوں نے کہا اللہ تعالیٰ ہمیں جہنم میں صرف قسم پوری کرنے کے لیے داخل کرے گا اور یہ چالیس دن کی مدت ہے جس میں ہم نے پچھڑے کی پرستش کی تھی۔

اور دوسرا قول یہ ہے

مجاہد نے بیان کیا کہ یہودی یہ کہتے تھے کہ دنیا کی مدت ہزار سال ہے اور ہمیں ہر ہزار کے مقابلہ میں ایک سال عذاب دیا

جائے گا یعنی کل سات سال عذاب دیا جائے گا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۰۳-۳۰۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کیوں نہیں جنہوں نے برا کام کیا اور ان کی برائی نے اُن کو (پوری طرح) گھیر لیا وہ جہنمی ہیں۔

(البقرہ: ۸۱)

بلا تو بہ مرتکب کبیرہ مرنے والے کے دائمی عذاب پر معتزلہ کا استدلال اور اس کا جواب

معتزلہ اور خوارج نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس مسلمان نے گناہ کبیرہ کیا اور بغیر توبہ کے مر گیا وہ ہمیشہ

ہمیشہ جہنم میں رہے گا لیکن ان کا یہ استدلال دو وجہوں سے باطل ہے

اول تو اس وجہ سے کہ امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس

آیت میں ”سینہ“ (برائی) سے مراد کفر ہے اور ابوداؤد، یحییٰ اور قتادہ سے مروی ہے کہ ”سینہ“ سے مراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ

شرک کرنا ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۰۵-۳۰۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اور جو شخص مشرک ہو وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ برائی اس کا

احاطہ کر لے اور احاطہ اس وقت ہوگا جب اس کے دل سے بھی تصدیق نکل جائے اور اس میں ایمان اور خیر مطلقانہ رہے اور ایسا

شخص کافر ہے اور وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔

اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اگر گناہ کبیرہ کا مرتکب مسلمان بغیر توبہ کے مر گیا تو اس کی بخشش ہو سکتی ہے اور ان کی دلیل قرآن

مجید کی یہ آیت ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ. (البقرہ: ۲۸)

بے شک اللہ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کو نہیں بخشتے گا اور جو (گناہ) اس سے کم ہو اس کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس مسلمان نے شرک نہیں کیا خواہ اس نے کوئی گناہ کیا ہو تو بہ کی ہو یا نہ کی ہو اللہ چاہے گا تو اس کو بخش دے گا۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ

اور یاد کرو جب ہم نے بنو اسرائیل سے یہ پختہ عہد لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ

اور ماں باپ رشتہ داروں یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ

نیک کرنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کرنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۸۳﴾

پھر تم میں سے چند لوگوں کے علاوہ تم سب (اس عہد سے) منحرف ہو گئے اور تم (ہو ہی) منہ موڑنے والے O

ربط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ بنو اسرائیل نے برے کام کیے اور برے کاموں نے ان کا احاطہ کر لیا اب اللہ تعالیٰ اس کی تفصیل بیان فرما رہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے پختہ عہد کیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور ماں باپ رشتہ داروں یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کریں گے لوگوں سے اچھی باتیں کریں گے نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے پھر چند اشخاص کے سوا باقی سب نے اس عہد کی خلاف ورزی کی۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی عبادت کرنا نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ماں باپ رشتہ داروں یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کرنا یہ اس قسم کی عبادت ہیں جو ہر نبی کے دور میں مشترک رہی ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کو اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کا اپنی عبادت کے ساتھ متصلاً ذکر کیا ہے اس لیے ہم یہاں اس کی کچھ تفصیل ذکر کر رہے ہیں اور اس کے بعد رشتہ داروں یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کا بھی بیان کریں گے ان شاء اللہ۔

والدین کی اطاعت پر ثواب کے متعلق احادیث

حافظ منذری بیان کرتے ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اللہ کو سب

سے زیادہ کون سائل پسند ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز کو وقت پر پڑھنا میں نے پوچھ پچھ کر کون سائل؟ فرمایا ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا۔ (بخاری، مسلم)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آکر جہاد کی اجازت طلب کی آپ نے فرمایا کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے کہا ہاں فرمایا اس کی خدمت میں جہاد کرو۔ (بخاری، مسلم ابوداؤد نسائی)

(۳) معاویہ بن جاحمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جاحمہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے جہاد کا ارادہ کیا ہے میں آپ کے پاس مشورہ کے لیے آیا ہوں آپ نے فرمایا کیا تمہاری ماں (زندہ) ہے؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا: اس کے ساتھ چمے رہو کیونکہ جنت اس کے پیروں کے پاس ہے۔ (ابن ماجہ نسائی حاکم حاکم نے کہا: اس کی سند صحیح ہے)

اس حدیث کو سند جید کے ساتھ طبرانی نے روایت کیا ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ سے جہاد کے متعلق مشورہ کیا آپ نے فرمایا تمہارے ماں باپ ہیں؟ میں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا ان کے پیروں کے ساتھ چمے رہو جنت ان کے پیروں کے نیچے ہے۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا میں جہاد کی خواہش رکھتا ہوں اور مجھے اس پر قدرت نہیں ہے آپ نے فرمایا کیا تمہارے والدین میں سے کوئی ایک ہے؟ اس نے کہا میری ماں ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے ساتھ نیکی کرنے کی زیادہ کوشش کرو جب تم یہ کر لو گے تو تم حج کرنے والے عمرہ کرنے والے اور جہاد کرنے والے ہو گے۔ اس حدیث کو ابو یعلیٰ اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور دونوں کی سند عمدہ ہے۔

(۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا تھا اور حضرت عمر اس کو ناپسند کرتے تھے انہوں نے مجھ سے کہا اس کو طلاق دے دو میں نے انکار کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو طلاق دے دو۔ (ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ ابن ہب)

(۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے اس کے لیے ملوٹی (جنت کا ایک سایا دار درخت) ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں زیادتی کرتا ہے۔

(ابو یعلیٰ طبرانی حاکم ابن ماجہ حاکم نے کہا: اس کی سند صحیح ہے)

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی ناک خاک آلودہ ہو اس کی ناک خاک آلودہ ہو اس کی ناک خاک آلودہ ہو پوچھا کس کی؟ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا جس نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کا بڑھاپا پایا اس کے باوجود وہ جنت میں داخل نہیں ہوا۔ (مسلم)

(۸) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھتے ہوئے فرمایا آمین آمین آمین آپ نے فرمایا میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا اے محمد! جس نے اپنے ماں باپ کو یا ان میں سے ایک کو پایا اور ان کے ساتھ نیکی کیے بغیر مر گیا وہ دوزخ میں جائے اور اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کرنے کہے آمین تو میں نے کہا آمین پھر کہا یا محمد! جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور مر گیا اور اس کی مغفرت نہیں ہوئی (یعنی اس

نے روزے نہیں رکھے) وہ دوزخ میں داخل کیا جائے اور اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کرنے کیلئے آمین تو میں نے کہا: آمین اور جس کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے وہ آپ پر درود نہ پڑھے وہ دوزخ میں جائے اور اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کرنے کیلئے آمین تو میں نے کہا: آمین (اس حدیث کو امام طبرانی نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے جن میں سے ایک سند حسن ہے امام ابن حبان نے اس کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور اس کو امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے)۔

(۹) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی غر کر رہے تھے۔ ان کو بارش نے آلیا انہوں نے پہاڑ کے اندر ایک غار میں پناہ لی غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک چٹان ٹوٹ کر آگری اور غار کا منہ بند ہو گیا پھر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: تم نے جو نیک عمل اللہ کے لیے کیے ہوں ان کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرو شاید اللہ غار کا منہ کھول دے ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ! میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میری ایک چھوٹی بچی تھی میں جب شام کو آتا تو بکری کا دودھ دودھ کر پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا پھر اپنی بچی کو پلاتا ایک دن مجھے دیر ہو گئی میں حسب معمولی دودھ لے کر ماں باپ کے پاس گیا وہ سوچکے تھے میں نے ان کو جگانا پسند کیا اور ان کے دودھ دینے سے پہلے اپنی بچی کو دودھ دینا پسند کیا بچی رات بھر بھوک سے میرے قدموں میں روتی رہی اور میں صبح تک دودھ لے کر ماں باپ کے سر ہانے کھڑا رہا۔ اے اللہ! تجھے خوب علم ہے کہ میں نے یہ فعل صرف تیری رضا کے لیے کیا تھا تو ہمارے لیے اتنی کشادگی کر دے کہ ہم آسمان کو دیکھ لیں اللہ عزوجل نے ان کے لیے کشادگی کر دی حتیٰ کہ انہوں نے آسمان کو دیکھ لیا۔ (بخاری، مسلم، ابن حبان)

(۱۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے؟ فرمایا: تمہاری ماں اس نے پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: تمہاری ماں اس نے پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: تمہاری ماں اس نے پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: تمہارا باپ۔ (بخاری، مسلم)

(۱۱) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔ (ترمذی، ابن حبان، حاکم، طبرانی)

(۱۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہا: یا رسول اللہ! میں نے بہت بڑا گناہ کر لیا ہے کیا اس کی کوئی توبہ ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے کہا: نہیں فرمایا: کیا تمہاری خالہ ہے؟ اس نے کہا: ہاں! فرمایا: اس کے ساتھ نیکی کرو۔ (ترمذی، ابن حبان، حاکم)

(۱۳) حضرت ابواسید مالک بن ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ بوسلہ کا ایک شخص آیا کہنے لگا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں ماں باپ کی موت کے بعد ان کے ساتھ نیکی کر سکتا ہوں؟ فرمایا: ہاں! ان کی نماز جنازہ پڑھو ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو کسی کے ساتھ ان کے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کرو ان کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرو ان کے دوستوں کی عزت کرو۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان)

(الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۲۳-۲۲۴، مطبوعہ دار الحدیث القاہرہ ۱۴۰۷ھ)

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب عمل ہے اس کا ثواب جہاد کے برابر بلکہ اس سے بڑھ کر ہے اور اس کا اجر حج اور عمرہ کے مساوی ہے ماں باپ کے قدموں میں رہنا جنت کی طرف پہنچاتا ہے

اس سے عمر زیادہ ہوتی ہے دعا قبول ہوتی ہے دوزخ سے نجات ملی ہے 'معفرت ہوتی ہے اور ان کو راضی کرنے سے اللہ راضی ہوتا ہے۔

ماں باپ کی نافرمانی پر عذاب کے متعلق احادیث

حافظ منذری بیان کرتے ہیں:

(۱) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں بار فرمایا کیا میں تم کو سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شریک کرنا 'ماں باپ کی نافرمانی کرنا' آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے پھر بیٹھ گئے اور فرمایا: سنو اور جھوٹ اور جھوٹی گواہی! آپ بار بار یہ فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے کہا کاش آپ سکوت فرماتے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخصوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا: ماں باپ کا نافرمان، عادی شرابی، کوئی چیز دے کر احسان جتانے والا اور تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے: ماں باپ کا نافرمان، دیوث (اپنی بیوی کی بدکاری پر علم کے باوجود خاموش رہنے والا) اور جو عورت مردوں کی مشابہت کرے۔

(نسائی، بزازان، دوؤں کی مدح میں ہے۔ حاکم نے کہا اس کی سند صحیح ہے اور ابن ابی شیبہ میں اس کا پہلا حصہ روایت کیا ہے) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ سو میل کی مسافت سے جنت کی خوشبو آئے گی اپنے کام کا احسان جتانے والے کو: ماں باپ کے نافرمان کو اور عادی شرابی کو یہ خوشبو نہیں ملے گی۔

(طبرانی)

(۳) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کا اللہ تعالیٰ کوئی فرض قبول کرے گا نہ نفل: ماں باپ کا نافرمان، احسان جتانے والا اور تقدیر کو جھٹلانے والا۔ (تذکرۃ النساب)

(۵) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت کرے 'عرض کیا یا رسول اللہ! کوئی شخص اپنے والدین پر کیسے لعنت کرے گا؟ فرمایا: وہ کسی شخص کے باپ کو گالی دے گا تو وہ اس کے باپ کو گالی دے گا وہ کسی کی ماں کو گالی دے گا تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

(۶) حضرت عمرو بن مرہ جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور پانچ نمازیں پڑھتا ہوں، اپنے مال کی زکوٰۃ دیتا ہوں، رمضان کے روزے رکھتا ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس عمل پر فوت ہو گیا وہ قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا پھر آپ نے دونوں انگلیاں اٹھائی کر کے فرمایا: بشرطیکہ اس نے ماں باپ کی نافرمانی نہ کی ہو۔ (احمد، طبرانی، ان دونوں نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور ان میں سے ایک سند صحیح ہے ابن خزیمہ اور ابن ابی شیبہ نے اس کو اپنی تصحیح میں اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے)۔

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سات آسمانوں کے اوپر سے لعنت بھیجتا ہے اور ان میں سے ہر ایک پر تین بار لعنت بھیجتا ہے اور ہر ایک کو ایسی لعنت بھیجتا ہے جو اس کو کافی ہے

قوم لوط کا عمل کرنے والا ملعون ہے قوم لوط کا عمل کرنے والا ملعون ہے قوم لوط کا عمل کرنے والا ملعون ہے غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے والا ملعون ہے اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا ملعون ہے۔ (طبرانی حاکم نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔)

(۸) حضرت عبد اللہ بن ابی اونی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا ایک جوان آدمی قریب المرگ ہے اس سے کہا گیا کہ لا الہ الا اللہ پڑھو تو وہ نہیں پڑھ سکا آپ نے فرمایا وہ نماز پڑھنا تھا؟ اس نے کہا ہاں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ اٹھے آپ اس جوان کے پاس گئے اور فرمایا کہ لا الہ الا اللہ اس نے کہا مجھ سے نہیں پڑھا جا رہا آپ نے اس کے متعلق پوچھا کسی نے کہا یہ اپنی والدہ کی نافرمانی کرتا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اس کی والدہ زندہ ہے؟ اوگوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا اس کو بلاؤ وہ آئی آپ نے پوچھا یہ تمہارا بیٹا ہے اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر آگ جلائی جائے اور تم سے یہ کہا جائے کہ اگر تم شفاعت کرو تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں ورنہ اس کو آگ میں ڈال دیتے ہیں تو کیا تم اس کی شفاعت کرو گی؟ اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میں اس کی شفاعت کروں گی آپ نے فرمایا تب تم اللہ کو گواہ کرو اور مجھ کو گواہ کر کے کہو کہ تم اس سے راضی ہو گئی ہو اس عورت نے کہا اے اللہ! میں تجھ کو گواہ کرتی ہوں اور تیرے رسول کو گواہ کرتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہوں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لڑکے! اب کہو۔ ”لا الہ الا اللہ وحده لا شریک له واشھد ان محمد عبده ورسوله“ تو اس لڑکے نے کلمہ پڑھا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے اس کو میری وجہ سے آگ سے نجات دی۔

(طبرانی جامع) (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۲۳-۳۲۴ ملتقطاً مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ ۱۴۰۱ھ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے اس کی وجہ سے انسان جہنم میں جا گرتا ہے محشر میں جنت کی خوشبو سے محروم رہتا ہے ماں باپ کے نافرمان کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا موت سے پہلے اس کو دنیا میں فقر اور ذات اور مہلک بیماریوں کی سزا ملتی ہے۔ اس پر اللہ اور اس کے رسول کی اور فرشتوں کی لعنت ہے ماں باپ کے نافرمان کا خاتمہ خراب ہوتا ہے اس کی بصیرت سلب ہو جاتی ہے اور ایمان جاتا رہتا ہے اور وہ مرتے وقت کلمہ شہادت نہیں پڑھ سکتا۔ اے اللہ! ہم پر ہمارے والدین کو راضی رکھ اور ان کو ہماری طرف سے بہترین جزا عطا فرما!

رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق احادیث

حافظ منذری بیان کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر میں زیادتی کی جائے وہ رشتہ داروں سے تعلق جوڑے۔ (بخاری و مسلم)

(الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۲۳ مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر جمعرات کو جمعہ کی شب بنو آدم کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں جو شخص رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا ہو اس کا عمل قبول نہیں ہوتا اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۲۳ مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

حضرت اہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو مل کر اشارہ کیا۔ (بخاری ابوداؤد ترمذی)

(الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۳۳۶ مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ گھروہ ہے جس میں یتیم عزت کے ساتھ رہتا ہو (طبرانی، المعجم، (الترغیب، الترہیب ج ۲ ص ۳۳۸ مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیوہ اور مسکین کی پرورش سے لیے جہاد کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثل ہے اور میرا گمان ہے آپ نے فرمایا اس شخص کی مثل ہے جو اکتائے بغیر قیام کرے اور مسلسل روزے رکھے۔ (بخاری، مسلم، ابن ماجہ) (الترغیب، الترہیب ج ۲ ص ۳۵۱ مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ

اور جب ہم نے تم سے یہ پختہ عہد لیا کہ تم ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور نہ ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے

أَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿٨٣﴾ ثُمَّ

نکالنا پھر تم نے (اس کا) اقرار کیا (اور اس عہد پر) تم خود بھی گواہی دیتے ہو O پھر تم

أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِّنْكُمْ

ہی وہ لوگ ہو جو ایک دوسرے کو قتل کرتے ہو اور تم اپنے ایک فریق کو ان کے گھروں سے

مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظْهَرُونَ عَلَيْهِم بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَإِنْ

نکالتے ہو اور تم ان کے خلاف گناہ اور سرکشی میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو اور اگر وہ

يَأْتُوكُمْ أَسْرَىٰ فَقَدْ وَهُمْ وَأَهُمْ وَأَهُمْ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجَهُمْ

قبضی ہو کر تمہارے پاس آئیں تو تم ان کا فدیہ دیتے ہو حالانکہ ان کو (گھروں سے) نکالنا (بھی تو) تم پر حرام کیا یہ تھا

أَفْتَوْمُنُونَ بَعْضُ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا

کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض حصہ کا کفر کرتے ہو؟ سو تم

جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ

میں سے جو لوگ یہ کام کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو گی کہ وہ دنیا کی زندگی میں

الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا

رسوا ہوں اور قیامت کے دن وہ زیادہ شدید عذاب کی طرف وٹائے جائیں گے اور

اللَّهُ يَغْفِرُ عَمَّا تَعْمَلُونَ^(۸۵) أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ

اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے O یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت

الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يَخَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ

کے بدل میں خرید لیا سو نہ ان سے عذاب کم کیا جائے گا اور نہ ان کی

يُنْصَرُونَ^(۸۶)

مرد کی جائے گی O

یہود مدینہ کا ایک دوسرے کو قتل کر کے بیثاق توڑنے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے تو رات میں بنو اسرائیل سے یہ پختہ عہد لیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل نہیں کریں گے اور نہ ایک دوسرے کو گھروں سے نکالیں گے، نسل در نسل یہ عہد و بیثاق مدینہ میں آباد یہودیوں میں بھی منتقل ہوا، مدینہ میں اوس اور خزرج 'مشرکوں' کے دو قبیلے تھے جو کسی شریعت کے پیروکار تھے نہ کسی چیز کے حرام اور حلال ہونے کے قائل تھے یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتے تھے۔ مدینہ میں رہنے والے یہود بھی دو حصوں میں بٹ گئے تھے بنو قریظہ اور بنو نضیر اور بنو قریظہ اوس کے حلیف تھے۔ جب اوس اور خزرج میں جنگ ہوتی تو بنو قریظہ خزرج کا ساتھ دیتے اور بنو نضیر اور بنو قریظہ اوس کا ساتھ دیتے اور اس جنگ میں یہود ایک دوسرے کو قتل کرتے اور گھروں سے نکال دیتے اور جب جنگ ختم ہو جاتی تو بنو نضیر اور بنو قریظہ کے جو لوگ خزرج کی قید میں ہوتے ان کو بنو قریظہ فد یہ دے کر چھڑا لیتے اور جب ان سے کہا جاتا کہ تم فریق مخالف کے قیدیوں کو فد یہ دے کر کیوں چھڑا رہے ہو؟ تو کہتے کہ ہمیں تو رات میں یہ حکم دیا گیا کہ قیدیوں کو فد یہ دے کر چھڑا لیں پھر ان سے کہا جاتا کہ تو رات میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ تم ایک دوسرے کو قتل نہ کرو اور اور گھروں سے نہ نکالو تو تم اس کی مخالفت کیوں کرتے ہو؟ تو کہتے کہ ہم اپنے حلیف سے کیے ہوئے عہد کی پاس داری کرتے ہیں یعنی مشرکوں سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے تھے اور خدا سے کیے ہوئے عہد کو توڑتے تھے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۱۳، مطبوعہ دارالسرمد بیروت ۱۴۰۹ھ)

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَتَفَيَّنَّا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے بعد لگاتار رسول بھیجے

وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ط

اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح بلیں دین اور ہم نے روح القدس (جبریل) سے

أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ

ان کی تائید کی تو کیا ہر بار (ایسا نہیں ہوا) کہ جب بھی رسول تمہارے پاس ایسا پیغام لے کر آیا جو تمہاری مرضی کا

فَقَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَقَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوا ااٰقْلُوْبِنَا غُلْفٌ

نہ تھا تو تم نے تکبر کیا (رسولوں کے) ایک گروہ کی تم تکذیب کرتے تھے اور ایک گروہ کو تم قتل کرتے تھے ۸۷ اور (یہود نے) کہا: ہمارے دلوں

بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾

پر لعنات ہیں بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت فرمائی ہے سو ان میں سے بہت تھوڑے ایمان لائے ہیں ۸۸

عیسیٰ، مریم اور روح القدس کے معنی

عیسیٰ اور یسوع عبرانی زبان کے الفاظ ہیں ان کا معنی ہے سید یا برکت والا مریم بھی عبرانی زبان کا لفظ ہے اس کا معنی ہے خادم کیونکہ ان کی ماں نے یہ نذر مانی تھی کہ ان کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گی بینات سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں مثلاً مردوں کو زندہ کرنا پیدائشی نابینا کو بینا کرنا برص زدہ لوگوں کو ٹھیک کرنا روح القدس سے مرد ہے پاکیزہ روح حضرت جبریل کو روح القدس کہتے ہیں قدس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور روح کی اضافت تشریف کے لیے ہے یعنی اللہ کی پسندیدہ روح قرآن مجید میں حضرت جبریل کو روح القدس بھی فرمایا ہے اور الروح الامین بھی فرمایا ہے:

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ

آپ کہے کہ اس قرآن کو حق کے ساتھ روح القدس نے

(انجیل: ۱۰۲) آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا ہے۔

نَزَّلَ بِهِ الرُّوحَ الْأَمِينَ ۚ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ

الْمُنذِرِينَ ۚ (اشعرا: ۱۹۳)

آپ کے قلب پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں ۸۸

”غلف“ کے معنی ہیں: ڈھانپنے والی چیز پردے۔

انبیاء کرام سے یہود کے عناد رکھنے کا بیان

ان آیات میں یہودیوں کے دل کی سختی بیان فرمائی ہے اور یہ کہ وہ مادہ پرست اور نفسانی خواہشوں پر چلنے والے تھے اس

وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان میں بار بار رسول بھیجے امام رازی نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سے لے کر حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت تک یکے بعد دیگرے مسلسل رسول آتے رہے علامہ ابوالحیاء اندلسی نے لکھا ہے کہ جب تک حضرت

یوشع کو نبی نہیں بنادیا گیا اس وقت تک حضرت موسیٰ فوت نہیں ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع حضرت

شمویل حضرت شمعون حضرت داؤد حضرت سلیمان حضرت شعیا حضرت ارمیا حضرت عزیر حضرت حزقیل حضرت الیاس

حضرت ایسع حضرت یونس حضرت زکریا حضرت یحییٰ اور بہت سے رسول آئے۔ امام ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جو رسول بھی مبعوث ہوا وہ بنو اسرائیل کو تورات پر ایمان لانے

اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وَقَفَّيْنَا“ یعنی ایک رسول کے بعد دوسرا رسول اسی

منہاج اور اسی شریعت پر بھیجی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت بعض احکام میں تورات سے مختلف تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے

ان کو بھڑات سوا فرمائے وہ مردوں کو زندہ کرتے مٹی سے پرندے کی شکل کا ایک جانور بنادیتے اس میں پھونک مانتے تو وہ اللہ کے اذن سے پرندہ بن جاتا بیماروں کو تندرست کر دیتے غیب کی خبریں دیتے ان کے صدق کی تائید میں حضرت جبریل ان کے ساتھ رہتے تھے۔ بنو اسرائیل ان سے بہت حسد اور بغض رکھتے تھے کیونکہ ان کے بعض احکام تو رات کے خلاف تھے قرآن مجید میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل سے فرمایا:

وَلَا أُحِلُّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي سُوِّدَ عَلَيْكُمْ

اور (میں اس لیے آیا ہوں) کہ تمہارے لیے بعض اس

(آل عمران ۵۰) چیزوں کو حلال کر دوں جو تم پر حرام کی گئی تھیں۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب بھی کوئی رسول ایسی شریعت سے کر آتا جو ان کی خویش کے خلاف ہوتی تو وہ اس کا کفر کرتے اور اس کے خلاف مہم چلاتے اور بے عادت کرتے ان میں سے بعض رسولوں کی تو انہوں نے تکذیب کی جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بعض رسولوں کو انہوں نے قتل کر دیا جیسے حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا علیہما السلام اور ان آیات میں ہمارے نبی حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر بنو اسرائیل نے آپ کی تکذیب کی اور آپ پر ایمان نہیں دئے تو اس میں کسی تعجب اور غم اور افسوس کی بات نہیں ہے کیونکہ نبیوں سے عناد رکھنا اور ان کی تکذیب کرنا ان کی سرشت اور عادت ہے ان آیات میں تمام یہودیوں سے خطاب کیا گیا ہے حالانکہ اس زمانہ کے یہودیوں نے انبیاء سابقین کی تکذیب یا ان کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ یہ کام ان کے اسلاف اور آباء واجداد نے کیا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ کے یہودی اپنے پہلوں کے ان کاموں پر راضی تھے اور ان سے براءت کا اظہار نہیں کرتے تھے۔

یہود کے نتیجہ اقوال میں سے ایک قبیح قول یہ تھا کہ انہوں نے ہمارے ہی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ ہمارے دلوں پر خلاف چڑھے ہوئے ہیں اس لیے آپ کی بات ہمارے دلوں میں نہیں اترتی اور نہ ہم اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ بات نہیں ہے تمہارے دلوں میں بھی غور و فکر کرنے اور حق بات کو قبول کرنے کی استعداد و حسنی تھی لیکن تم نے جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بغض اور عناد رکھا ان کی تکذیب کی اور ان کو قتل کیا اس سبب سے یہ طور سزا اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور یہ تم پر اللہ تعالیٰ کا ظلم نہیں ہے بلکہ تم نے خود ایسے قبیح کام کیے جس کے نتیجے میں تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری اور لعنت کے مستحق ہوئے اسی وجہ سے یہود میں سے بہت کم لوگ ایمان لانے والے ہیں۔

آیات مذکورہ سے مسائل کا استنباط

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ کے احکام سے اعراض کرے یا ان کا انکار کرے یا تلبر کی وجہ سے ان کو قبول نہ کرے وہ اللہ کی رحمت سے دور کر دیا جاتا ہے اور لعنت اور عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا بنو اسرائیل میں لگاتار انبیاء اور رسل کو مبعوث فرمانا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کی اصلاح اور ہدایت کی متقاضی تھی لیکن انہوں نے خود ہدایت کے بجائے گمراہی کا راستہ اختیار کر لیا ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کو تم پر دیا ہے اس لیے اب اصلاح اور ہدایت کے لیے کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا البتہ ہر دور میں علما و ربانیں مجتہدین اور مجددین پیدا ہوتے رہتے ہیں جو بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کرتے ہیں اور بدلے ہوئے حالات اور عصر کی تقاضوں اور سنت سے مسئلہ کے لیے قرآن اور سنت سے حل پیش کرتے ہیں اور مسلمانوں کی رہنمائی کرتے ہیں اور ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا بنو اسرائیل کو جو رحمت سے دور کیا گیا اس کا سبب ان کا کفر تھا یہودی اپنی جن برائیوں کو تو رات میں چھپاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دے دی اس میں آپ کے ظلم غیب

کا ثبوت ہے اور آپ کی نبوت کے صدق پر دلالت ہے

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آئی جو اس آسمانی کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا

اور وہ اس سے پہلے (اس نبی کے وسیلہ سے) کفار کے خلاف فتح کی دعا کرتے تھے

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى

اور جب ان کے پاس وہ آگئے جن کو وہ جان اور پہچان چکے تھے تو انہوں نے ان کے ساتھ کفر کیا سو کافروں

الْكٰفِرِيْنَ ۝۹۰ بِئْسَ مَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا

پر اللہ کی لعنت ہو ۝ کیسی بُری چیز ہے وہ جس کے عوض میں انہوں نے اپنی جانوں کو فروخت کیا ہے

بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ بَعْثًا أَنْ يُنَزِّلَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلَى مَنْ

کہ وہ اس کتاب کا کفر کریں جس کو اللہ نے نازل کیا ہے اس پر سرکشی کرتے ہوئے کہ اللہ اپنے فضل سے

يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ فَبَاءٌ وَرِغْصٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ

اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے (کتاب) نازل فرماتا ہے وہ غضب در غضب میں آگئے اور کافروں کے لیے

عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝۹۱

ذلیل و خوار کرنے والا عذاب ہے ۝

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کا قبول ہونا

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود اوس اور خزرج کے خلاف جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ کے وسیلہ سے فتح طلب کرنے کی دعا کرتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو عرب میں مبعوث کر دیا تو جو کچھ وہ آپ کے متعلق کہتے تھے اس کا انہوں نے انکار کر دیا ایک دن حضرت معاذ بن جبل اور حضرت بشر بن البراء بن معرور رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا اے یہودیو! اللہ سے ڈرو اور اسلام لے آؤ جب ہم شرک تھے تو تم ہمارے خلاف سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے فتح کی دعا کرتے تھے تم ہم کو یہ خبر دیتے تھے کہ وہ نبی مبعوث ہونے والے ہیں اور تم اس نبی کی وہی صفات بیان کرتے تھے جو آپ میں موجود ہیں اس کے جواب میں سونفیر کے سلام بن مشکم نے کہا وہ کوئی ایسی چیز

لے کر نہیں آئے جس کو ہم پہچانے ہوں اور یہ وہ نبی نہیں ہیں جس کا ہم تم سے ذکر کیا کرتے تھے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۱۲۵ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں

امام ابو نعیم نے "وسائل النبوة" میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ پیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہود کفار کے خلاف جنگ میں اللہ تعالیٰ سے یوں فتح کی دعا کرتے تھے اے اللہ! ہم نبی امی سے دیکھنے سے تجھ سے نصرت طلب کرتے ہیں تو ہماری مدد فرما، تو ان کی مدد کی جاتی اور جب وہ نبی آئے جن کو وہ پہچانتے تھے تو انہوں نے ان کا کفر کیا امام ابو نعیم نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس کی روایت میں اس طرح دعا کا ذکر کیا ہے۔

اے اللہ! اپنے اس نبی کے وسیلہ سے ہماری مدد فرما اور اس کتاب کے وسیلہ سے جو تو ان پر نازل کرے گا تو نے وعدہ کیا ہے کہ تو ان کو آخر زمانہ میں مبعوث فرمائے گا۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۸۸ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ اسلامی ایران)

خلاصہ آیات اور استنباط مسائل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہودی تھے وہ یہ جانتے تھے کہ تو رات میں حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی ہی بشارت دی گئی ہے لیکن وہ حسد اور سرکشی کی وجہ سے ایمان نہیں لائے اور ان کو یہ ذکر تھا کہ اگر وہ آپ پر ایمان لے آئے تو ان کو جو نذرانے ملتے تھے اور وہ مجرموں سے جو رشوتیں وصول کرتے تھے وہ بند ہو جائیں گی اور عام یہودیوں پر جو علماء یہود کی ریاست تھی وہ ختم ہو جائے گی اور وہ اس کو ناپسند کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس پر وحی نازل کر دے ان کی خوشنہی تھی کہ بنو اسرائیل ہی میں سے وہ نبی مبعوث ہوں انہوں نے پہلے نبیوں کا بھی انکار کیا اور اب ہمارے نبی کو نہ مان کر نیا انکار کیا اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کو ذات کی زندگی دی اور آخرت میں ان کو ذلیل کرنے والے عذاب کا مستحق قرار دیا اس آیت میں مقربین کے وسیلہ سے دعا کا ثبوت ہے اور بالخصوص ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنے کا ثبوت ہے اور یہ کہ آپ کے وسیلہ سے دعا قبول ہوتی ہے اور یہ کہ آپ کی بعثت سے پہلے ہی آپ کی آمد کا شہرہ تھا اور آپ کے نام کے وسیلہ سے حاجت روائی ہوتی تھی بنو اسرائیل حسد اور سرکشی کی وجہ سے آپ پر ایمان نہ لائے اس سے معلوم ہوا کہ حسد اور سرکشی حرام ہے اور حسد کی وجہ سے انسان اللہ کی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ حسد کرنے کی وجہ سے بنو اسرائیل دولت ایمان سے محروم رہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ ذلت اور اہانت والا عذاب کفار کے ساتھ خاص ہے اگر بعض گنہگاروں کو عذاب ہو تو وہ ذلت اور اہانت کا عذاب نہیں ہوگا بلکہ وہ ان کی طہارت اور پاکیزگی کا سبب ہوگا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُوْمِنُ بِمَا أَنزَلَ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ بنو اسرائیل تم پر ایمان اؤ جن کو اللہ نے نازل کیا تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے گے جو ہم پر نازل کیا

عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَ كَافً وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ

کہیے ہیں اور اس کے ماسو کا کفر کرتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے اور جو (اصل) کتاب ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہے

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ

آپ کہیے اگر تم (تورات پر) ایمان لانے والے ہو تو اس سے پہلے انبیاء کو کیوں

مُؤْمِنِينَ ۹۱) وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَى بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمْ

قتل کرتے تھے؟ O اور بے شک تمہارے پاس موسیٰ واضح دلائل لے کر آئے پھر تم نے اس کے بعد

الْعِجْلِ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ۹۲) وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ

بچھڑے کو (معبود) بنا لیا اور تم ظالم تھے O اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا

وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمْ الطُّورَ طُورًا خَذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَأَسْمِعُوا

اور (پہاڑ) طور کو تم پر اٹھایا (اور فرمایا) جو ہم نے تم کو دیا ہے اس کو مضبوطی سے لو اور سناؤ

قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأَشْرَبُونَا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ

انہوں نے کہا ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں میں بچھڑا بسا

بِكُفْرِهِمْ طُورًا قُلْ بِئْسَ مَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ

دیا گیا تھا آپ کہیے اگر تم (تورات پر) ایمان لانے والے ہو تو یہ کیسی بڑی چیز ہے جس کا تمہیں

مُؤْمِنِينَ ۹۳)

تمہارا ایمان حکم دیتا ہے O

تورات پر یہود کے دعویٰ ایمان کا رد اور ابطال

جب مدینہ کے یہودیوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی نازل کی ہوئی تمام کتابوں پر ایمان آؤ تو انہوں نے کہا ہم صرف تورات پر ایمان لائیں گے جو ہم پر نازل کی گئی ہے اور قرآن پر ایمان لانے سے انکار کر دیا اللہ تعالیٰ ان کا رد فرماتا ہے کہ قرآن حق ہے اور اس (اصل) تورات کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے اور دونوں اللہ کے کلام ہیں تو جب تمہارا تورات پر ایمان ہے تو قرآن کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ وہ بھی تورات کی طرح اللہ کی کتاب ہے اور تمہاری کتاب کا مصدق بھی ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی تمام کتابوں پر ایمان لایا جائے پھر اللہ تعالیٰ ان پر دوسری حجت قائم فرماتا ہے کہ اگر تم تورات پر ایمان لانے والے ہو تو تم انبیاء علیہم السلام کو قتل کیوں کرتے تھے؟ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں کی طرف قتل کی نسبت کی ہے حالانکہ قتل ان سے پہلے کے

یہودیوں نے کیا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس فعل پر راضی تھے اور اس کو اللہ کے معصوم کی مخالفت اور معصیت نہیں کہتے تھے اور نہ اس سے انہوں نے براہت کا اظہار کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور بے شک تمہارے پاس موسیٰ آیات بیانات لے کر آئے پھر ہم نے اس کے بعد پچھڑے کو (مسمود) بنالیا اور تم ظالم تھے ○ (البقرہ: ۹۲)

ان آیات بیانات سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو تورات کی مینار سے پہلے نازل ہوئی تھیں، فرس مجید میں ہے
وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ
اور بے شک ہم نے موسیٰ کو نورش نشان دیں

(بنی اسرائیل ۱۰)

وہ نو نشانیاں یہ تھیں عصا موسیٰ علیہ السلام، بیضا، حضرت موسیٰ کی زبان کی لالت کو دور کرنا، سو اسرائیل کے لیے مندر کر چیرنا، مڈی دل کی صورت میں عذاب، طوفان، بدن کے کپڑوں میں جوؤں کا پیدا کرنا، مینڈکوں کا عذاب کہ ہر کھانے کی چیز میں مینڈک آجاتے تھے اور خون کا عذاب کہ ہر برتن میں خون آجاتا تھا، لیکن ان نشانوں کے باوجود ان کے شرک اور بت پرستی میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور انہوں نے اللہ کی نعمتوں پر شکر کرنے کے بجائے پچھڑے کی پرستش کرنی شروع کر دی، اسی کو اللہ تعالیٰ نے ظلم فرمایا ہے، کیونکہ کسی تحقیق شخص کا حق دوسرے کو دے دینا ظلم ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا کہ اللہ کا حق دوسرے کو دے دیا جائے اور عبادت کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے اور جب اللہ کو چھوڑ کر پچھڑے کی عبادت کی جائے تو یہ کتنا بڑا ظلم ہے اور اس میں یہود پر تیسرا رد ہے کہ اگر تم تورات پر ایمان لانے والے تھے تو تم پچھڑے کی عبادت کیوں کرتے تھے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور (پہاڑ) طور کو تم پر اٹھایا۔ (البقرہ: ۹۳)

اس میں یہود پر چوتھا رد ہے کہ اگر تمہارا تورات پر ایمان تھا تو تورات کے احکام منوانے کے لیے تم پر پہاڑ طور کیوں اٹھایا گیا؟ اور جب تم سے کہا گیا کہ تورات کے احکام قبول کرو اور سنو تو تم نے یہ کیوں کہا تھا کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی؟ کیا تورات پر ایمان لانے کے یہی تقاضے ہیں؟ یہ سب پہلے یہودیوں کے کثوت تھے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں کو ان کا اس لیے مخاطب قرار دیا ہے کہ انہوں نے اپنے پیروں کے ان کاموں سے نفرت اور براہت ظاہر نہیں کی تھی۔
قرآن مجید کے احکام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے لمحہ فکر یہ

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کتاب پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کتاب کے تمام احکام اور تمام تقاضوں پر عمل کیا جائے اور ان آیات میں بار بار یہی فرمایا گیا ہے کہ اگر تمہارا تورات پر ایمان تھا تو تم اس کے احکام کی خلاف ورزی کیوں کرتے تھے؟ آج ہم بھی قرآن مجید پر ایمان لانے کے دعویٰ دار ہیں لیکن قرآن مجید پر عمل نہیں کرتے تو جو بات یہود سے کہی گئی ہے وہی ہم پر صادق آرہی ہے۔ قرآن نے ہمیں نماز پڑھنے، روزے رکھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے اور ہماری بھاری اکثریت اس پر عمل نہیں کرتی۔ قرآن نے ہمیں ناجائز طریقہ سے مسلمانوں کا مال کھانے سے منع کیا اور ہم رشوت، اسگلنگ، مداخلت، مصنوعی اشیاء، بلیک مارکیٹنگ، چور بازاری، لوٹ مار اور ڈکوں سے دوسرے مسلمانوں کا مال کھارہے ہیں، قرآن نے ہمیں قتل ناحق سے منع کیا اور ہم مسلمانوں کا خون بہانے سے باز نہیں آتے، قرآن نے ہماری عورتوں کو گھر میں رہنے کا حکم دیا، اور بوقت ضرورت پردے کے ساتھ نکلنے کا حکم دیا، لیکن ہمارے معاشرہ کے ہر طبقہ میں عورت بے پردہ بناؤ، سنگھار کر کے اجنبی مردوں کے سامنے رہتی ہے اور بے حیائی کی راہیں کھلتی ہیں، یہود کے متعلق بار بار فرمایا کہ ان پر اللہ کا غضب ہلائے غضب ہے اور وہ جہاں بھی ہوں ان پر اللہ کی لعنت ہے اور آج ان یہودیوں کو اللہ نے مسلمانوں پر مسلط کر دیا اور

یہودیوں نے مسلمانوں کے علاقے یحییٰ لے لیے اور بار بار مسلمان یہودیوں سے شکست کھا رہے ہیں تو سوچنا چاہیے کہ جو قوم اس لعنتی اور مفسوب قوم سے پیہم شکست کھا رہی ہے وہ خود کس قدر اللہ کے غضب میں ڈوبی ہوئی اور رحمت سے دور ہوئی۔

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ

آپ کہیے کہ اگر در آخرت اللہ کے نزدیک اور لوگوں کے بجائے خصوصیت سے تمہارے لیے

دُونِ النَّاسِ فَتَمْنُوا الْوُتَّ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۴﴾

ہے تو اگر تم چاہے ہو تو موت کی تمہارے (۱) اور

لَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُمْ إِلَيْهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

جو اعمال وہ پہلے کر چکے ہیں ان کی وجہ سے وہ موت کی ہرگز تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب

بِالظَّالِمِينَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيٰوَةٍ

جاننے والا ہے O اور آپ ضرور دیکھیں گے کہ وہ اور لوگوں سے اور مشرکین سے بھی زیادہ زندگی کے دلدادہ ہیں

وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرَ أَلْفٌ

ان میں سے ہر ایک شخص یہ خواہش رکھتا ہے کہ کاش اس کی عمر ہزار

سَنَةٍ ۚ وَمَا هُو بِمُزَحَّزَّجٍ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ ط

سال ہو اور یہ عمر اسے دی جائے تو یہ اس کو عذاب سے دور کرنے والی نہیں ہے

وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ ع

﴿۹۶﴾

اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اس کو اللہ خوب دیکھنے والا ہے O

یہودیوں کے اس دعویٰ کا رد کہ جنت کے صرف وہی مستحق ہیں

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اور یہود اور ان کے علماء کے خلاف حجت قائم کی ہے کہ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ تمہارا دین برحق ہے اور آخرت میں صرف تم ہی جنت کے مستحق ہو تو تم دنیا کی مستحقوں اور تکلیفوں سے نجات حاصل کرنے اور آخرت میں جنت و راس کی نعمتوں کو پانے کے لیے موت کی تمنا کرو تا کہ معلوم ہو جائے کہ کس کا دین سچ ہے لیکن انہوں نے موت کی تمنا نہیں کی کیونکہ آخرت کی تو وہ یہی ان کو امید نہ تھی کہیں دنیا بھی ہاتھ سے جاتی نہ رہے مشرکین جو مرنے کے بعد دوسری زندگی پر یقین نہیں رکھتے اصل میں ان کو دنیا میں لمبی عمر کی تمنا ہوتی چاہیے کیونکہ ان کے لیے جو کچھ ہے یہی دنیا ہے لیکن یہ یہودی جو دنیا کے بعد آخرت اور جنت کے دعویٰ دار تھے ان مشرکوں

عند المتأخرین ۱۲

۱۱

سے بھی زیادہ لمبی عمر کی خواہش رکھتے تھے حتیٰ کہ اس میں سے کوئی کوئی ہزار سال کی زندگی کی تمنا کرنا تھا اور موت کی تمنا کرنے کے بجائے لمبی زندگی کی خواہش کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دنوں جنت کے متعلق ان کا دعویٰ جھوٹا ہے فراس مجید میں فرمادیا کہ وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کر رہے ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر وہ ایک دن بھی موت کی تمنا کرتے تو روئے زمین پر کوئی یہودی زندہ نہ رہتا اور صفحہ آخری سے یہودیت مٹ جاتی۔ (جامع ترمذی ج ۱ ص ۲۲۶، مسند دار، مسند بیروت ۱۳۰۹ھ)

قرآن مجید کی صداقت اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل

اس آیت میں قرآن مجید کی حقانیت اور ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل ہے کیونکہ قرآن مجید نے یہ پیش گوئی کی کہ یہودی موت کی تمنا ہرگز نہیں کریں گے اگر یہودی بچے تھے تو وہ موت کی تمنا کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہتے لو ہم نے موت کی تمنا کر لی ہے اور یوں قرآن جھوٹا ہو جاتا اور آپ کی نبوت باطل ہو جاتی یہ بڑی نازک اور خطرناک پیش گوئی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفوں اور دشمنوں کے متعلق پیش گوئی کی کہ وہ موت کی تمنا نہیں کر سکتے کبھی نہیں کریں گے ان کے لیے بڑا آسان تھا کہ آپ کے دعویٰ نبوت کو باطل کرنے کے لیے موت کی تمنا کر لیتے لیکن ایسا نہ ہو سکا اور آپ کی نبوت کا صدق اور قرآن مجید کی حقانیت ظاہر ہو گئی۔ جھوٹا نبی کبھی ایسی پیش گوئی کی جرات نہیں کر سکتا جس کو باطل کرنا مخالف کے اختیار میں ہو اور اس کے تمنا کرنے پر موقوف ہو۔ جھوٹے نبی کی کوئی پیش گوئی پوری نہیں ہوتی مرزا غلام احمد نے محمدی بیگم سے نکاح کی پیش گوئی کی لیکن اس کا نکاح مرزا سلطان محمد سے ہو گیا پھر اس نے پیش گوئی کی کہ سلطان محمد ڈھائی سال بعد مر جائے گا اور محمدی بیگم اس کے نکاح میں آجائے گی لیکن غلام احمد مر گیا اور مرزا سلطان محمد اس کے بعد تادیر زندہ رہا اس طرح اس نے ایک بیمار عیسائی پادری آتھم کے متعلق پیش گوئی کی وہ ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء کو مر جائے گا لیکن وہ اس تاریخ کو نہیں مرا بلکہ تندرست ہو گیا۔

حصول شہادت کے لیے موت کی تمنا کا استحباب اور مصیبت سے گھبرا کر موت کی تمنا کی ممانعت

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگر یہودی مسلمانوں سے یہ کہیں کہ اگر تم اسلام کے دین حق ہونے اور دخول جنت کے مدعی ہو تو تم موت کی تمنا کرو حالانکہ تم موت کی تمنا نہیں کرتے بلکہ تمہارے نبی نے موت کی تمنا کرنے سے منع کیا ہے؟

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں

ہم کہتے ہیں کہ سیدنا محمد علیہ السلام اور یہودیوں کے درمیان فرق ہے کیونکہ سیدنا محمد یہ کہہ سکتے ہیں کہ مجھے احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لیے مبعوث کیا گیا ہے اور یہ مقصود ابھی تک حاصل نہیں ہوا اس لیے میں قتل کیے جانے پر راضی نہیں ہوں اور تمہارا معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۶۰۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

امام رازی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح یہودی بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے ابھی تورات کی تعلیمات کو پوری دنیا میں پھیلا دیا ہے اور یہ مقصود ابھی تک حاصل نہیں ہوا اس لیے ہم قتل کیے جانے پر راضی نہیں ہیں۔

اور میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے اس کے جواب میں یہ کہتا ہوں

اس کا جواب یہ ہے کہ اول ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ صرف ہمارے نبی کے پیروکار جنت میں جائیں گے بلکہ ہر نبی کے

بچے پیروکار جنت میں جائیں گے دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی مشکلات اور مصائب سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنے سے منع کیا ہے اور اللہ سے ملاقات جنت اور شہادت کے حصول کے لیے موت کی تمنا کی ہے۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس سے بقدر قدرت میں میری جان ہے اٹیں یہ پسند کرنا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۲ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد رپ ۱۳۸۱ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسول کے شہر میں میری موت واقع کر۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۴ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد رپ ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو بھی مرنے کے بعد ثواب مل جائے وہ دنیا میں واپس جانا نہیں چاہتا سوا شہید کے کیونکہ شہادت کی فضیلت دیکھنے سے بعد وہ دوبارہ دنیا میں جا کر خدا کی راہ میں مرنا چاہتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۲ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد رپ ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے ساتھ ملاقات سے محبت رکھتا ہے اللہ بھی اس کے ساتھ ملاقات سے محبت رکھتا ہے اور جو اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۳۳ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد رپ ۱۳۷۵ھ)

ان احادیث میں اس چیز کی تصریح ہے کہ اللہ سے ملاقات جنت و شہادت کے لیے موت کی تمنا صحیح ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اور صحابہ نے یہ تمنا کی ہے البتہ دنیا کی مشکلات اور مصائب سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنا ممنوع ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت آنے کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے اور اگر اس نے ضرورتاً تمنا کرنی ہو تو یوں کہے اے اللہ! جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو تو مجھے وفات دے دے۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۲ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد رپ ۱۳۷۵ھ)

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجَبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ

آپ کہیے کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہے (تو ہوا کرے) پس بے شک اسی جبریل نے اللہ کے حکم سے آپ

بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ

کے دل پر (قرآن) نازل کیا جو ان (آسمانی کتابوں) کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس (کے نزول) سے پہلے موجود ہیں اور وہ مومنین

لِلْمُؤْمِنِينَ ۙ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ

کے لیے ہدایت اور بشارت ہے ۝ جو شخص اللہ کا اس کے فرشتوں کا اس کے رسولوں کا

وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ

اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ کافروں کا دشمن ہے O اور ہے شک (اے رسول!)

أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ﴿۹۹﴾

ہم نے آپ کی طرف واضح آیتیں نازل کی ہیں اور ان آیتوں کا صرف فاسق ہی انکار کرتے ہیں O

أَوْ كَلِمَا عَهْدٍ وَأَعْهَدًا نَبَذَ كَافِرِيْنٌ مِنْهُمْ بَلْ أَكْثَرُهُمْ

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جب بھی یہ کوئی عہد کرتے ہیں تو ان کا ایک گروہ اس عہد کو پس پشت ڈال دیتا ہے بلکہ ان میں سے اکثر

لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ

ایمان نہیں لاتے O اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ عظیم رسول آئے جو اس (آسمانی کتاب) کی تصدیق

لِمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ

کرنے والے ہیں جو ان کے پاس ہے تو اہل کتاب کے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب (تورات) کو اس

اللَّهِ وَرَأَى ظُهُورِهِمْ كَانَتْهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾

طرح اپنے پس پشت پھینک دیا گویا انہیں کچھ علم ہی نہیں ہے O

یہود کا جبریل کو اپنا دشمن کہنا

تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیتیں سوا سرائیل کے اس قول کے جواب میں نازل ہوئیں کہ جبریل ہمارا دشمن ہے اور میکائیل ہمارا دوست ہے امام ابو جعفر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہم آپ سے چار ایسی چیزوں کے متعلق سوال کرتے ہیں جن کا جواب نبی کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جو چاہو سوال کرو لیکن اس کی ضمانت دو کہ اگر تم ان جوابات کا صدق پہچان لو تو پھر تم اسلام کو قبول کراد گئے انہوں نے اس کا وعدہ کر لیا انہوں نے سوال کیا کہ تورات نازل ہونے سے پہلے حضرت یعقوب نے کون سے طعام کو اپنے اوپر حرام کیا تھا؟ آپ نے فرمایا میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے تورات کو نازل کیا ہے! کیا تم کو معلوم ہے کہ حضرت یعقوب سخت بیمار ہو گئے اور جب ان کی بیماری طول پکڑ گئی تو انہوں نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بیماری سے صحت دے دی تو میں اپنا پسندیدہ طعام اور شراب اپنے اوپر حرام کراؤں گا اور ان کا پسندیدہ طعام اونٹ کا گوشت تھا (ابو جعفر نے کہا: میرا گمان ہے کہ ان کا پسندیدہ شراب اونٹنیوں کا دودھ تھا) انہوں نے کہا ہاں! ان کا دوسرا سوال تھا کہ مرد کا پانی کیسا ہے اور عورت کا پانی کیسا ہے؟ اور مذکر اور مؤنث کیسے بنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا

کوئی معبود نہیں ہے اور جس نے موسیٰ پر تورات نازل کی اکیاتم کو معلوم ہے کہ مرد کا پانی عید اور گاز سوتا ہے اور عورت کا مانی پتلا اور زرد ہوتا ہے اور جس کا پانی غالب ہو بچہ اسی (جنس) کا ہوتا ہے اور اللہ نے اذن سے اس کی مشابہت ہوتی ہے انہوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اے اللہ! تو گواہ ہو جا! ان کا تیسرا سوال تھا اس نبی امی کی میندکیں ہے؟ آپ نے فرمایا تم کو اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ پر تورات نازل کی اکیاتم کو معلوم ہے کہ اس نبی امی کی آنکھیں سولی ہیں اور اس کا دل نہیں سوتا؟ انہوں نے کہا بد خدا ہاں! آپ نے فرمایا اے اللہ! گواہ ہو جا! انہوں نے کہا اب آپ میں یہ بتائیں کہ فرشتوں میں — آپ کا دوست کون ہے؟ اور آپ کے دین قبول کرنے یا نہ کرنے کا مدار اس سوال کے جواب پر ہے؟ آپ نے فرمایا میرا دوست جبریل ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا اس کے وہی دوست تھے انہوں نے کہا اب ہم آپ کو چھوڑتے ہیں اگر کوئی اور فرشتہ آپ کا دوست ہوتا تو ہم آپ کی اتباع کر لیتے اور آپ پر ایمان لے آتے؟ آپ نے فرمایا تم جبریل کی قصد یعنی کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا وہ ہمارا دشمن ہے پھر یہ آیت نازل ہوئی

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۳۲-۳۳۱ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے اور حافظ سیوطی نے اس کا امام حیا سی ابو نعیم سیوطی اور ابن ابی حاتم کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ (در منثور ج ۱ ص ۹۰-۸۹ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ طبعی ایران) نیز امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قنادہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر بن الخطاب یہود کے پاس گئے جب انہوں نے حضرت عمر کو دیکھا تو ان کو خوش آمدید کہا، حضرت عمر نے فرمایا میں کوئی تم سے محبت یا تمہاری طرف رغبت کی وجہ سے نہیں آیا ہوں، لیکن میں تمہاری باتیں سننے کے لیے آیا ہوں، پھر دونوں نے ایک دوسرے سے سوالات کیے اور بحث کی یہودیوں نے پوچھا آپ کے نبی کا دوست کون ہے؟ حضرت عمر نے کہا جبریل انہوں نے کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے وہ آسمان سے آکر (میدنا حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے راز بتا دیتا ہے وہ جب بھی آتا ہے جنگ و رقت سالی لے کر آتا ہے ابنت ہمارے نبی کا دوست میکائیل ہے وہ جب بھی آتا ہے صلح خوشحالی اور غلہ کی فراوانی کے ساتھ آتا ہے حضرت عمر نے کہا تو تم جبریل کو بچھڑاتے ہو اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کرتے ہو پھر حضرت عمر وہاں سے اٹھ گئے اور پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہے جو شخص جبریل کا دشمن ہے (تو ہوا کرے)۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۳۲ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو عبد اللہ بن سلام (ایک یہودی عالم) آپ کے پاس آئے اور کہا میں آپ سے تین چیزوں کے متعلق سوال کرتا ہوں جن کو نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ جنتی سب سے پہلے کیا چیز کھائیں گے؟ بچہ ماں یا باپ میں سے کس پر ہوتا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ابھی جبریل نے ان چیزوں کی خبر دی ہے عبد اللہ نے کہا فرشتوں میں جبریل یہود کا دشمن ہے (صحیح بخاری میں ہے تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: "قل من كان عدوا لجبریل" الا یہ) آپ نے فرمایا قیامت کی سب سے پہلی علامت یہ ہے کہ ایک آگ ظاہر ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے لے کر مغرب کی طرف جمع کرے گی اور

۱۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۱ ص ۸۷۷-۸۷۸ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

۲۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ معجم کبیر ج ۱۲ ص ۱۹۱-۱۹۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

جس چیز کو جنتی سب سے پہلے کھائے، وہ چھلی کی پٹنی ہوگی اور بچہ کا معاملہ یہ ہے کہ جب مرد کا پانی غالب ہو تو وہ بچہ کو کھینچ لیتا ہے اور جب عورت کا پانی غالب ہو تو وہ بچہ کو کھینچ لیتا ہے، عبد اللہ بن سلام نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے کوئی عبادت کا حق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، یہود بہتان لگانے والے ہیں، اگر میرے متعلق پوچھنے سے پہلے آپ نے ان کو میرے مسلمان ہونے کے متعلق بتا دیا تو مجھ پر بہتان باندھیں گے۔ جب یہود آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تمہارے نزدیک عبد اللہ بن سلام کیسا شخص ہے؟ انہوں نے کہا وہ ہم سب سے اچھا ہے اور اس کا باپ بھی سب سے اچھا تھا، آپ نے فرمایا یہ ہمارا اگر عبد اللہ بن سلام لے آئے؟ انہوں نے کہا اللہ اس کو اسلام سے اپنی پناہ میں رکھے، تب حضرت عبد اللہ بن سلام نے آکر کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ وہ کہنے لگے یہ ہم میں سب سے برا آدمی ہے اور اس کا باپ بھی سب سے برا تھا، اور ان کی مذمت کی، حضرت عبد اللہ نے کہا یا رسول اللہ! مجھے اسی بات کا خوف تھا۔ (نہ کبریٰ ج ۶ ص ۲۸۷-۲۸۶ مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ بیروت ۱۴۱۱ھ)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۳ مطبوعہ نور محمد احیاء المطابع کرچی ۱۳۸۱ھ)

جبریل کو دشمن کہنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب

ان آیتوں کی تفسیر یہ ہے کہ اے نبی! ان سے کہیے کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہوگا وہ اللہ کی وحی کا دشمن ہوگا کیونکہ تورات اور قرآن دونوں وحی کے ذریعہ نازل ہوئے ہیں اور قرآن مجید تورات زبور اور انجیل کا مصدق ہے اور یہ تمام آسمانی کتابیں اللہ کی توحید، عبادت اور اخلاق حسہ کی دعوت دیتی ہیں اور یہی گمراہی سے ہدایت دیتی ہیں اور ان پر عمل کرنے والوں کو جنت کی بشارت دیتی ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تاکید کے لیے فرمایا جو شخص جبریل کا دشمن ہوگا وہ اللہ کا دشمن ہوگا کیونکہ جبریل کو اللہ تعالیٰ بھیجے والا ہے اور جو جبریل کا دشمن ہوگا وہ سارے فرشتوں کا دشمن ہوگا کیونکہ سارے فرشتے جبریل کے موافق ہیں اور جو جبریل کا دشمن ہوگا وہ سب رسولوں کا دشمن ہوگا کیونکہ جبریل تمام رسولوں کا ولی اور مویذ ہے اور جو جبریل کا دشمن ہوگا وہ میکائیل کا بھی دوست نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کے موافق ہیں، دونوں رسل ملائکہ میں سے ہیں اور دونوں مقرب فرشتے ہیں اور جو ان کا دشمن ہے وہ سن لے کہ اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص اللہ کا اس کے فرشتوں کا اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور بے شک (اے رسول!) ہم نے آپ کی طرف واضح آیتیں نازل کی ہیں اور ان آیتوں کا سرف

فاسق ہی انکار کرتے ہیں (البقرہ ۹۹)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (ایک یہودی عالم) ابن صوریہ القظیونی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے محمد! آپ ایسی کوئی چیز لے کر نہیں آئے جس کو ہم جانتے پہچانتے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی آیت بیشہ (واضح) نازل نہیں فرمائی تاکہ ہم آپ کی اتباع کریں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ بے شک ہم نے آپ کی طرف واضح آیتیں نازل کی ہیں۔ (الایۃ جامع البیان ج ۱ ص ۳۵۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۲۰۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح آیات نازل فرمائیں جن سے وہ تمام علوم اور اسرار ظاہر ہو گئے جن کو علماء یہود،

چھپایا کرتے تھے اور جس شخص نے تورات کا مطالعہ نہ کیا ہو وہ اس پر مطلع نہیں ہو سکتا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو تورات کے اصل احکام کیا تھے اور علماء یہود نے ان میں کیا تحریف کردی سو جو شخص دہ اور انقض کا شکار ہو کر پیوستہ ہو نہ کھوپکا ہو اس کے لیے آپ کی نبوت کا صدقہ بالکل واضح تھا کیونکہ جس شخص نے نہ کسی کتاب کو بڑھا سوز کی علم نہ جس میں بیٹھا ہو وہ خیر اللہ کی رحمت سے اس کئی چیزوں کو کیسے جاہ ملتا ہے اور کیسے بیان کر سکتا ہے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جب بھی یہ کوئی عہد کرے میں تو ان کا ایک گروہ اس عہد کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ (البقرہ: ۱۰۰)

یہودیوں کا آپ پر ایمان لانے کے عہد کو توڑنا

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے کیا کیا عہد و پیمان کیے ہیں تو ایک یہودی عالم مالک بن صیف نے کہا خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق ہم سے کوئی عہد نہیں لیا اور نہ ہم سے کوئی پیمان لیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یہ حقیقت نہیں ہے کہ جب بھی یہ کوئی عہد کرے میں تو ان کا ایک گروہ اس عہد کو پس پشت ڈال دیتا ہے بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۵۱ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے بار بار یہ عہد لیا تھا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانا لیکن انہوں نے اس عہد اور پیمان کا انکار اور کفر کیا اور اللہ تعالیٰ نے تورات میں آپ کی صفات کو بیان کیا تھا جس کو انہوں نے چھپایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ عظیم رسول آئے جو اس (آسمانی کتاب) کی تصدیق کرنے والے ہیں جو ان کے پاس ہے تو اہل کتاب کے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پس پشت پھینک دیا گویا انہیں کچھ علم ہی نہیں O (البقرہ: ۱۰۱)

جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور آپ دین کے عام اصول اور عقائد میں تورات کی تصدیق کرتے تھے مثلاً اللہ تعالیٰ کی توحید، قیامت، جزا و سزا، رسولوں کی تصدیق اور تقدیر پر ایمان وغیرہ تو وہ قرآن پر ایمان نہ لائے اور قرآن پر ایمان نہ لانا اس کو مستلزم ہے کہ ان کا مکمل تورات پر ایمان نہ ہوا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے اللہ کی کتاب (تورات) کو پس پشت ڈال دیا انہوں نے مکمل تورات کو ترک نہیں کیا تھا بلکہ تورات کے صرف اس حصہ کو ترک کیا تھا جس میں یہ بشارت دی گئی تھی کہ اولاد اسماعیل سے ایک نبی آنے والا ہے اور یہ بشارت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عائدہ اور کسی پر منطبق نہیں ہوتی تھی۔

وَاتَّبِعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكٍ سُلَيْمٍ ۖ وَمَا كَفَرُوا

اور انہوں نے اس (جادو کے کفریہ کلمات) کی پیروی کی جس کو سلیمان کے دور حکومت میں شیطان پڑھا کرتے تھے اور

سُلَيْمٍ ۚ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا ۖ وَأَعْلَمُونَ النَّاسَ السَّحَرُ ۚ

سلیمان نے کوئی کفر نہیں کیا البتہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے وہ لوگوں کو جادو (کفریہ کلمات) سکھاتے تھے

وَمَا أَنزَلَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا

اور انہوں نے اس (جادو) کی پیروی کی جو شہر بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل کیا تھا اور

يَعْلَمِينَ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ

(فرشتے) اس وقت تک کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک کہ یہ نہ کہتے ہم تو صرف آزمائش ہیں تو تم کفر نہ کرو

فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ

وہ ان سے اس چیز کو دیکھتے جس کے ذریعہ وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان علیحدگی کر دیتے

وَمَا هُمْ بِضَآئِرِينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَتَعَلَّمُونَ

اور اللہ کی اجازت کے بغیر وہ اس (جادو) سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے وہ اس چیز کو سیکھتے تھے جو ان کو

مَا يَصْرِفُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ

نقصان پہنچائے اور ان کو نفع نہ دے اور بے شک وہ خوب جانتے تھے کہ جس نے اس (جادو) کو خرید لیا

فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ

اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور کیسی بُری چیز ہے وہ جس کے بدلہ میں انہوں نے اپنے آپ کو فروخت کر ڈالا ہے

لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝۱۰۲ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ

کاش یہ جان لیتے ۱۰۲ اور اگر یہ ایمان لے آتے اور متقی بنتے تو اللہ کے پاس سے ثواب

مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝۱۰۳

بہت بہتر ہے کاش یہ جان لیتے ۱۰۳

حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جادو کی نسبت کی تحقیق

مدینہ کے یہود حضرت سلیمان علیہ السلام کو ساحر اور جادوگر کہتے تھے اور جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کا نبیوں میں ذکر فرماتے تو وہ اس پر طعن اور تشنیع کرتے اور کہتے کہ دیکھو ان کو کیا ہوا ہے کہ یہ سلیمان کا نبیوں میں ذکر کرتے ہیں حالانکہ سلیمان محض جادوگر تھے امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں

سہی نے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور حکومت میں شیاطین آسمان پر گھات لگا کر بیٹھ جانے اور بیٹھ کر فرشتوں کا کلام کان لگا کر سنتے کہ زمین میں کون کب مرے گا بارش کب ہوگی اور اس قسم کی دیگر باتیں پھر آکر کانوں کو وہ

بائیں بنائے' کا پس لوگوں کو وہ بائیں بتائے' اور وہ بائیں اس طرح واقع ہو جائیں' ان کے ساتھ بہت سے جھوٹے لوگوں نے وہ بائیں کتاب میں لکھ لیں' اور بنو اسرائیل میں یہ مشہور ہو گیا کہ جنات کو غیب کا علم ہے' حضرت سلیمان نے ان کہوں کو تلاش کر دیا' اور ایک صندوق میں رکھ کر اپنی کرسی کے نیچے دفن کر دیا اور یہ طین میں سے جو بھی اس کی کرسی سے قریب جاتا وہ جل جاتا' اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے علان کر دیا کہ میں نے جس شخص کے متعلق بھی یہ سنا کہ وہ کہتا ہے کہ یہاں غیب جانتے ہیں' میں اس کی گردن ازادوں گا' سلیمان علیہ السلام فوت ہو گئے اور وہ مایہ بھی گزر گئے جس کو یہ واقعہ معلوم تھا اور بہت باہت گزر گئیں تو ایک دن وہ شیطان انسان کی صورت میں کر بنو اسرائیل کی ایک جماعت کے پاس گیا اور کہا میں تم کو ایک نعمت ہونے والا خزانہ دکھاتا ہوں اس نے ان سے کہا اس کرسی کے نیچے زمین کھودو انہوں نے کھودا تو وہ کتابیں نکل آئیں شیطان نے کہا سلیمان اس جادو کی وجہ سے انسانوں جنوں اور پرندوں پر حکومت کرتے تھے پھر بنو اسرائیل میں نسل در نسل یہ مشہور ہو گیا کہ سلیمان جادوگر تھے حتیٰ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ نے حضرت سلیمان کا انبیاء علیہم السلام میں ذکر کیا تو بنو اسرائیل نے اس پر اعتراض کیا اور کہا سلیمان تو جادوگر تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی اور انہوں نے اس کی پیروی کی جس کو سلیمان کے دور حکومت میں شیطان پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے (جادو کر کے) کوئی کفر نہیں کیا' البتہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے (جامع البیان ج ۱ ص ۲۵۳ مطبوعہ دارالسرۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

نیز امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب شیاطین (جنوں) کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا علم ہوا تو انہوں نے سحر کی مختلف اصناف اور اقسام کو لکھ کر ایک کتاب میں مدون کیا اور اس کے اوپر یہ نام لکھ دیا کہ یہ سلیمان بن داؤد کے دوست آصف بن برخیا کی تحریر ہے اور اس میں علم کے خزانوں کے ذخیرے ہیں پھر اس کتاب کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نیچے دفن کر دیا پھر بعد میں بنو اسرائیل کی باقی ماندہ قوم نے اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نیچے سے نکال لیا جب انہوں نے اس کتاب کو پڑھا تو انہوں نے کہا کہ سلیمان بن داؤد کی حکومت اس کتاب کی وجہ سے تھی پھر انہوں نے خود بھی جادو سیکھا اور لوگوں کو بھی جادو سکھایا اور اس طرح جادو پھیلا دیا اور جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیمان بن داؤد کا انبیاء اور مرسلین میں ذکر کیا تو مدینہ کے یہودیوں نے کہا کیا تم (حضرت سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر تعجب نہیں کرتے کہ وہ سلیمان کا انبیاء میں ذکر کرتے ہیں حالانکہ وہ صرف ایک جادوگر تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل کی اور انہوں نے اس کی پیروی کی جس کو سلیمان کے دور حکومت میں شیطان پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے (جادو کر کے) کوئی کفر نہیں کیا' البتہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۵۳ مطبوعہ دارالسرۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ان دونوں روایتوں کو طبری کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۲۳ مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

امام ابن جریر نے ان آیتوں کے شان نزول میں مزید چار قول نقل کیے ہیں

(۱) ابوصالح نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت سلیمان کے ہاتھ سے ان کی سلطنت نکل گئی تو شیاطین (جنوں) نے سحر کو لکھ کر ان کی جائے نماز کے نیچے دفن کر دیا اور جب ان کی وفات ہوئی تو اس کو نکال لیا اور کہا ان کی سلطنت اس سحر کی وجہ سے تھی متاعل کا بھی یہی قول ہے۔

(۲) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آصف بن برخیا حضرت سلیمان کے احکام لکھ لیا کرتے تھے

اور ان کو ان کی کری سے نیچے فین کر دیا کرتے تھے جب حضرت سلیمان فوت ہو گئے تو اس کتاب کو شیطانوں نے نکال لیا اور ہر دو بطور کے درمیان سر اور جھوٹ لکھ دیا اور بعد میں اس کو حضرت سلیمان کی طرف منسوب کر دیا (۳) علم نے کہا شیطانوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد سر کو نکھا اور اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا

(۴) قتادہ نے کہا شیطانوں نے جادو کو ایجاد کیا حضرت سلیمان نے اس پر قبضہ کر کے اس کو اپنی نری سے نیچے فین کر دیا تاکہ لوگ اس کو نہ سمجھیں جب حضرت سلیمان علیہ السلام فوت ہو گئے تو شیطانوں نے اس کو نکال لیا اور لوگوں کو حیرتی تعلیم دی اور کہا یہی سلیمان کا علم ہے (رد المسیر ج ۲ ص ۲۱ مطبوعہ کتاب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ) **سحر کے لغوی معنی**

علامہ بیروز آبادی نے لکھا ہے کہ جس چیز کا ماخذ لطیف اور دقیق ہو وہ سحر ہے۔

(قاموس ج ۲ ص ۶۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۶۲ھ)

علامہ جوہری نے بھی یہی لکھا ہے۔ (الصحاح ج ۲ ص ۶۷۹ مطبوعہ دار العلم بیروت ۱۴۰۴ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

”تہذیب“ میں مذکور ہے کہ کسی چیز کو اس کی حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف پلٹ دینا سحر ہے کیونکہ جب ساحر کسی باطل کو حق کی صورت میں دکھاتا ہے اور لوگوں کے ذہن میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ وہ چیز اپنی حقیقت کے مغائر ہے تو یہ اس کا سحر ہے۔ (تاج العروس ج ۳ ص ۲۵۸ ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

سحر وہ عمل ہے جس میں شیطان کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے اور اس کی مدد سے کوئی کام کیا جاتا ہے نظر بندی کو بھی سحر کہتے ہیں ایک چیز کی صورت میں دکھائی دیتی ہے حالانکہ وہ اس کی اصلی صورت نہیں ہوتی (جیسے دور سے سراب پانی کی طرح دکھائی دیتا ہے یا جیسے تیز رفتار سواری پر بیٹھے ہوئے شخص کو درخت اور مکانات دوڑتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں) کسی چیز کی کیفیت کے پلٹ دینے کو بھی سحر کہتے ہیں کوئی شخص کسی بیمار کو تندرست کر دے یا کسی کے بغض کو محبت سے بدل دے تو کہتے ہیں اس نے اس پر سحر (جادو) کر دیا۔ (لسان العرب ج ۳ ص ۲۴۸ ملخصاً مطبوعہ نشر ادب الحواۃ قم ایران ۱۴۰۵ھ)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

سحر کا کنی معانی پر اطلاق کیا جاتا ہے

(۱) نظر بندی اور تنجیلات جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی جیسے شعبہ باز اپنے ہاتھ کی صفائی سے لوگوں کی نظریں پھیر دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا أَتَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ
فَلَمَّا أَتَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ (۱۶ ص ۱۶) ”لوگوں نے لوگوں کی نظریں پھیر دیں اور ان کو ڈرایا۔“

لوگوں کو ان باتوں سے ڈرایا اور انہیں دھمکیاں دیتے ہوئے سانپوں کی شکل میں دکھائی دینے لگیں اور وہ دھمکیاں دیتے ہوئے کہتے تھے: قَدْ أَجْلَلْنَاكُمْ وَرَبُّكُمْ يُحْيِيكُمُ لِلْآخِرَةِ مِنْ خَيْرٍ مِمَّا نَحْنُ بِكُمُ
تو اچانک ان سے جاں سے موی کو خیال ہوا کہ ان کی

رسیاں اور انہیں دوڑ رہی ہیں ○

تسفی ○ (طہ ۶۶)

(۲) شیطان کا 'تقرب حاصل کرے اس کی مدد سے کوئی غیر معمولی کام (عام عادت کے خلاف) کرے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ
الْبَشَرِ شَبَطَانُونَ نَفَرٌ كَفَرُوا بِمَا لَوْ كَانُوا يَدْرُسُونَ (جادو) لکھا ہے
(البقرہ ۱۰۲) تھے۔

(۳) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جادو سے کسی چیز کی ماریت اور صورت بدل دی جاتی ہے مثلاً انساں کو گدھا بنا دیا جاتا ہے لیکن اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

(۴) کسی چیز کو کوٹ کر اور پس کر باریک کرنے کو بھی سحر کہتے ہیں اسی لیے محدہ کے فعل ہنسم کو سحر کہتے ہیں اور جس چیز میں کوئی معنوی لطافت اور باریکی ہو اس کو بھی سحر کہتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے بعض بیان کرتے ہیں۔

(المفردات ص ۳۶ مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ ایران ۱۳۴۲ھ)

سحر کا شرعی معنی

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:

جس کام کو انسان خود نہ کر سکے اور وہ شیطان کی مدد اور اس کے تقرب کے بغیر پورا نہ ہو اور اس کام کے لیے شیطان کے شر و رنجش نفس کے ساتھ مناسبت ضروری ہو اس کو سحر کہتے ہیں اس تعریف سے سحر معجزہ اور کرامت سے ممتاز ہو جاتا ہے مختلف جہلوں آیات رواؤں اور ہاتھ کی صفائی سے جو عجیب و غریب کام کیے جاتے ہیں وہ سحر نہیں ہیں اور نہ وہ مذموم ہیں ان کو مجزا سحر کہا جاتا ہے کیونکہ ان کاموں میں بھی دقت اور باریکی ہوتی ہے اور لغت میں سحر جس چیز کو کہتے ہیں جس کے صدور کا سبب دقیق اور مخفی ہو۔ (انوار المتزیل (دری) ص ۹۶-۹۵ مطبوعہ بیج۔ ایم۔ سید ایدہ کہنی راپڑی)

سحر کے تحقق میں مذہب سحر کے دلائل اور ان پر اعتراضات کے جوابات

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

کسی خبیث اور بدکار شخص کے مخصوص عمل کے ذریعہ کوئی غیر معمولی اور عام عادت کے خلاف کام یا چیز صادر ہو اس کو سحر کہتے ہیں اور یہ باقاعدہ کسی استاذ کی تعلیم سے حاصل ہوتا ہے اس اعتبار سے سحر معجزہ اور کرامت سے ممتاز ہے سحر کسی شخص کی طبیعت یا اس کی فطرت کا خاصہ نہیں ہے اور یہ بعض جگہوں بعض اوقات اور بعض شرائط کے ساتھ مخصوص ہے جادو کا معارضہ کیا جاتا ہے اور اس کو کوشش سے حاصل کیا جاتا ہے سحر کرنے والا فسق کے ساتھ ملعون ہوتا ہے ظاہری اور باطنی نجاست میں سوٹ ہوتا ہے اور دنیا اور آخرت میں رسوا ہوتا ہے اہل حق کے نزدیک سحر عقلاً جائز ہے اور قرآن اور سنت سے ثابت ہے اسی طرح نظر لگتا بھی جائز اور ثابت ہے۔

معتزلہ نے کہا سحر کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ محض نظر بندی ہے اور اس کا سبب کرب ہاتھ کی صفائی اور شعبہ باری ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ سحر فی نفسہ ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو پیدا کرنے پر قادر ہے اور اس کا خالق ہے اور ساحر صرف فاعل اور کاسب ہے اور اس کے دفع اور تحقق پر تمام فقہاء اسلام کا اجماع ہے۔ اس کا ثبوت قرآن مجید کی ان آیات میں ہے

(ترجمہ) البتہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور انہوں نے (یہودیوں نے) اس (جادو) کی پیروی کی جو شہر بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اتارا گیا تھا اور وہ فرشتے اس وقت تک کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک کہ یہ نہ کہتے ہم تو صرف آزمائش ہیں تو تم کفر نہ کرو وہ ان سے اس چیز کو سیکھتے تھے جس کے ذریعہ وہ مرد اور اس کی

یہی میں طاعت کی کر دیتے اور اللہ کی اجازت کے بغیر وہ اس جادو سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے وہ اس سحر کو پہنچنے سے پہلے
اس کو نقصان پہنچائے اور ان کو نفع نہ دے (امرد ۱۰۳ ۱۰۲) اور قرآن مجید میں ہے

وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقُبِ (العلق ۵)

آپ کہئے کہ میں گرہوں میں (جادو کی) بہت پھونک

مارنے والی عورتوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں O

اگر جادو کی کوئی حقیقت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کے شر سے پناہ طلب کرے گا حکم نہ دینا۔

اس آیات سے معلوم ہوا کہ خرائک حقیقت ثابت ہے سحر کے ذریعہ نقصان پہنچ جاتا ہے مرد اور اس کی بیوی میں علیحدگی
ہو جاتی ہے۔

اسی طرح جہور مسہبن کا اس پر انفاق ہے کہ سورہ بلاق اس وقت نازل ہوئی جب ایک یہودی لبید بن اعصم نے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں آپ تین راتیں بیمار رہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا گیا حتیٰ کہ آپ یہ خیال کرتے تھے
کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا حتیٰ کہ آپ ایک دن میرے پاس تشریف فرما تھے آپ نے
اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا کی پھر آپ نے فرمایا اے عائشہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے جو پوچھا تھا وہ اللہ تعالیٰ
نے مجھے بتا دیا میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا میرے پاس دو آدمی آئے ایک
میرے سر ہانے بیٹھ گیا اور ایک میرے پاؤں کی جانب پھر ایک نے دوسرے سے کہا اس شخص کو کیا درد ہے؟ اس نے کہا ان
پر جادو کیا گیا ہے پوچھا جادو کس نے کیا ہے؟ کہا لبید بن اعصم یہودی نے جو بنو زریق سے ہے پوچھا کس چیز میں جادو کیا
ہے؟ کہا ایک کنگھی میں اور زکھور کے غلاف میں لپٹے ہوئے خوشہ میں ہے پوچھا وہ کہاں ہے؟ کہا وہ ذی اروان کے کنویں
میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ اس کنویں پر گئے آپ نے اس میں بھانک کر دیکھا اس کنویں
کے پاس ایک کھجور کا درخت تھا پھر آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس گئے اور فرمایا یہ خدا اس کنویں کا پانی
گوذھی ہوئی مہندی کے پانی کی طرح ہے اور گویا اس کھجور کے خوشہ شیاہین کے سر ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ آپ نے
اس کو کنویں سے نکال کیوں نہ لیا؟ آپ نے فرمایا نہیں مجھ کو تو اللہ نے شفا دے دی اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ اس کے نکالنے سے
لوگوں کو ضرر پہنچے گا پھر آپ نے اس کنویں کو دفن کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۸)

اسی طرح روایت ہے کہ ایک باندی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر سحر کیا اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما
پر سحر کیا گیا تو ان کی کلائی ٹیر بھی ہو گئی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر جادو کا اثر ثابت ہوتا تو جادوگر تمام انبیاء اور صالحین کو نقصان پہنچاتے اور وہ جادو کے
ذریعہ اپنے لیے ملک اور سلطنت کو حاصل کر لیتے نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
ہے:

وَاللّٰهُ يَعْلَمُكَ مِنَ النَّاسِ (امرد ۶۷)

اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَى (طہ ۶۹)

اور ساحر جہاں بھی جائے وہ کامیاب نہیں ہو سکتا O

کہا جاتا ہے کہ سحر ہر زمانہ اور ہر وقت میں نہیں پایا جاتا اور نہ ہر علاقہ اور ہر جگہ میں پایا جاتا ہے اور نہ سحر کا اثر ہر وقت
ہو سکتا ہے اور نہ ہر معاملہ میں جادوگر کا تسلط ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ رکھے گا اس کا

مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کو لوگوں کے ہلاک کرنے سے محفوظ رکھے گا یا آپ کی نبوت میں حائل ڈالنے سے محفوظ رکھے گا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جادوگر آپ کو کوئی نقص نہیں پہنچا سکتا یا آپ کے بدن میں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔

ایک اور اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِنَّا تِلْكَ عَلَيْنَا مَغْشُورٌ
أَتَنْظُرُ كَيْفَ صَرَّبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا أَكْثَرَ لَا يَسْتَطِيعُونَ
سَبْطًا (اسرائیل ۴۸-۴۷)

دب کہ ظالم یہ کہتے ہیں کہ تم صرف اس شخص کی پیروی کرتے ہو جس پر جادو کیا ہوا ہے O دیکھئے انہوں نے آپ کے لیے ایسی مثالیں بیان کی ہیں تو وہ اس طرح گمراہ ہو چکے کہ اب صحیح راستہ پر نہیں آ سکتے O

کافر نے کہا کہ آپ پر جادو کیا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو گمراہی فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ آپ پر جادو کا اثر نہیں ہو سکتا اور ”صحیح بخاری“ میں یہ حدیث ہے کہ آپ پر جادو کا اثر ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کی مراد یہ تھی کہ جادو کے اثر سے آپ کی عقل زائل ہو گئی ہے اور آپ کا دعویٰ نبوت کرنا اور وحی الہی کو بیان کرنا اسی جادو کے اثر سے ہے اور اسی جادو کے اثر سے جب سے آپ نے عربوں کے دین کو ترک کر دیا اور حدیث میں جادو کے جس اثر کا بیان ہے اس کا اثر آپ کی عقل پر نہیں تھا بلکہ آپ کے حواس پر تھا آپ نے کوئی کام نہیں کیا ہوتا تھا اور آپ خیال کرتے تھے کہ آپ نے وہ کام کر لیا ہے اور جس طرح آپ پر بیماری کا طاری ہونا آپ کا سواری سے گرنا جسم سے خون کا ٹپکنا عوارض بشریہ کی وجہ سے تھا اور نبوت کے منافی نہیں تھا اسی طرح آپ پر جادو کا اثر ہونا عوارض بشریہ سے تھا اور یہ آپ کی نبوت کے منافی نہیں تھا اور اس میں حکمت یہ تھی کہ سحر زدگی کے لیے بھی آپ کی زندگی میں نمونہ ہو۔ اس کی مفسر تفسیر بنی اسرائیل ۴۸-۴۷ کی تفسیر میں ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے:

فَخَنَيْنَا لَهُ مِصْرَ هَاجِرًا سَاحِقًا (۶۶)

حضرت موسیٰ کو خیال ہوا کہ ان کے جادو کی وجہ سے اس

لی رسیاں اور انھیاں اتر رہی ہیں O

اس سے معلوم ہوا کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ صرف نظر بندی ہے اور سی کے ذہن میں خیال، الٹا ہے ہم کہتے ہیں کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ فرعون کے جادو کروں کا خرابی تخیل اور نظر بندی تھا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے علاوہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اسی طرح نظر لگنا بھی ثابت ہے کیونکہ بعض انسانوں میں ایسی خاصیت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی چیز کی تعریف اور تحسین کرتے ہیں تو اس چیز پر کوئی آفت آ جاتی ہے اور یہ چیز مشاہدات میں سے ہے اور اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نظر حق ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۰ مطبوعہ راہی)

(شرح القاصد ج ۵ ص ۸۱-۷۹ موضحاً مفصلاً مطبوعہ منشورات الشریف الرشی ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

بحر میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ صرف تخیل ہے علامہ ستر بازی شافعی علامہ ابوبکر رازی حنفی اور علامہ ابن حزم ظاہری کی یہی رائے ہے۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ سحر کی حقیقت ہے جمہور کے نزدیک یہ قطعی ہے عام سماء کی یہی رائے ہے۔ کتاب سنت صحیح مشہورہ کی اسی پر دالت ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ سحر سے انقلاب حقائق ہو جاتا ہے یا نہیں۔ جو کہتے ہیں کہ سحر صرف تخیل ہے وہ اس کا انکار کرتے ہیں اور جو کہتے ہیں کہ اس کی

حقیقت ہے ان کا اس میں اختلاف ہے کہ جادو کی تاثیر صرف کسی چیز کے مزاج میں ہوتی ہے مثلاً صحت مند کو بیمار کرنا یا اس سے کسی چیز کی حقیقت بھی بدل جاتی ہے مثلاً پتھر کو حیوان بنادینا جمہور یہ کہتے ہیں کہ اس کا اثر صرف مزاج میں ہوتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس سے حقیقت بدل جاتی ہے۔ علامہ مازری نے کہا ہے کہ 'عز' معجزہ اور کرامت میں یہ فرق ہے کہ سحر بعض اقوال اور افعال ذیضہ سے مکمل ہوتا ہے اور کرامت میں اس کی احتیاج نہیں ہوتی بلکہ وہ علما اتفاقاً صادر ہوتی ہے اور معجزہ میں پیش ہوتا ہے امام الحرمین نے یہ نقل کیا ہے کہ سحر صرف فاسق سے صادر ہوتا ہے اور کرامت کا تلہور فاسق سے نہیں ہوتا (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۳۳-۲۳۲ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۰۱ھ)

سحر کے شرعی حکم کی تحقیق

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات ہلاک کرنے والے کاموں سے بچو صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون سے کام ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شریک کرنا جادو کرنا جس کو قتل کرنے سے اللہ نے منع کیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا سود کھانا یتیم کا مال کھانا میدان جہاد سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور مسلمان پاک دامن عورت کو زنا کی تہمت لگانا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۸ مطبوعہ دار محمد صالح الطباع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے (صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۳ مطبوعہ دار محمد صالح الطباع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ فی نفسہ جادو کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اگر جادو کے عمل میں شریک اقوال یا افعال ہوں تو پھر جادو کرنا کفر ہے اور جادو کے سیکھنے اور سکھانے میں فقہاء کے مختلف نظریات ہیں

سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

جادو کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سات ہلاک کرنے والے کاموں میں شمار کیا ہے اس کا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہے اگر جادو کرنے والے کے قول یا فعل میں کوئی چیز کفر کی مقتضی ہو تو جادو کرنا کفر ہے ورنہ نہیں بلکہ گناہ کبیرہ ہے اسی طرح جادو کے سیکھنے یا سکھانے میں کوئی توں یا فعل کفر کا مقتضی ہو تو کفر ہے ورنہ گناہ کبیرہ ہے ہمارے نزدیک جادو گر کو قتل نہیں کیا جائے گا اس سے توبہ طلب کی جائے گی اگر اس نے توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۳۳ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۰۱ھ)

نیز علامہ نووی نے لکھا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے یہ کہا ہے کہ جادو کا سیکھنا جائز ہے تاکہ انسان کو جادو کی معرفت ہو اور وہ جادو کے ضرر سے بچ سکے اور جادو گر کا رد کر سکے اور ان کے نزدیک جادو کی ممانعت جادو کرنے پر محمول ہے جادو سیکھنے پر نہیں۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۶۵ مطبوعہ دار محمد صالح الطباع کراچی ۱۳۷۵ھ)

سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ درودیر مالکی لکھتے ہیں

علامہ ابن العربی نے سحر کی یہ تعریف کی ہے کہ یہ وہ کلام ہے جس میں غیر اللہ کی تعظیم کی جاتی ہے اور اس کی طرف حوادث کائنات کو منسوب کیا جاتا ہے امام رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ جادو کا سیکھنا اور سکھانا کفر ہے خواہ اس سے جادو کا عمل نہ کیا جائے کیونکہ شیاطین کی تعظیم کرنا اور حوادث کی نسبت اس کی طرف کرنا یہ ایسا کام ہے کہ کوئی عاقل مسلمان یہ کہنے کی جرات

نہیں کر سکتا کہ یہ فعل کفر نہیں ہے اگر جادو کا توڑ اسی کی مثل جادو سے کیا جائے تو یہ بھی کفر ہے جادو کے توڑ کے لیے کسی کو کرایہ پر لینا جائز ہے بشرطیکہ جادو سے یہ توڑ نہ کیا جائے جادو کے ذریعہ احوال اور صفات میں تغیر ہو جاتا ہے اور خدائق بدل جاتے ہیں اگر یہ کام آیات قرآنیہ اور اسماء الہیہ سے ہو جائیں تو پھر یہ کفر نہیں ہے اب اگر جادو کے ذریعہ دو آدمیوں کے درمیان عدالت پیدا کی جائے یا کسی کی جان اور مال کو نقصان پہنچایا جائے تو یہ حرام ہے اگر کوئی شخص علی الاعلان جادو کرتا ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کا بال فنی ہے (یعنی اوٹ لیا جائے گا) بشرطیکہ وہ توبہ نہ کرے۔

(الشرح الکبیر ج ۴ ص ۳۰۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ دسوقی مالکی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۴ ص ۳۰۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ خرشی مالکی، علامہ علی مالکی، علامہ خطاب مالکی اور علامہ العبدری نے بھی یہی لکھا ہے۔

سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

امام ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جادو کا سیکھنا اور سکھانا حرام ہے اور ہمارے علم کے مطابق اس میں اہل علم کا اتفاق ہے جادو کے سیکھنے اور جادو کے عمل کی وجہ سے ساحر کی تکفیر کی جائے گی خواہ وہ جادو کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو یا اس کے مباح ہونے کا اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ امام احمد نے فرمایا: عرف کا بن اور ساحر کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ ان کے ان افعال پر ان سے توبہ طلب کی جائے کیونکہ میرے نزدیک وہ حکماً مرتد ہیں اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کو چھوڑ دیا جائے۔ راوی نے پوچھا اگر توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا؟ تو کہا نہیں بلکہ اس کو قید میں رکھا جائے گا حتیٰ کہ وہ توبہ کر لے راوی نے پوچھا: اس کو قتل کیوں نہیں کیا جائے گا؟ کہا: جب تک وہ نماز پڑھتا ہے تو اس کی توبہ اور رجوع کی توقع ہے۔ امام احمد کا یہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ ساحر کا کفر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وما کفر سليمان سليمان نے کفر نہیں کیا“ یعنی انہوں نے جادو نہیں کیا حتیٰ کہ ان کی تکفیر کی جائے اور فرشتوں نے کہا ”انما نحن فتنة فلا تكفر“ ہم تو محض آزمائش ہیں تو تم جادو سیکھ کر کفر نہ کرو۔ ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ جادو کرنا کفر ہے اور حضرت علی نے فرمایا: ساحر کا کفر ہے۔

حضرت عمر، حضرت عثمان بن عفان، حضرت ابن عمر، حضرت حصہ، حضرت جندب بن عبد اللہ، حضرت حبیب بن کعب، حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہم کا قول یہ ہے کہ ساحر کو بہ طور حد کے قتل کر دیا جائے گا امام ابو حنیفہ اور مالک کا بھی یہی قول ہے امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو قتل کرنا صرف تین وجوہوں سے جائز ہے ایمان لانے کے بعد کفر کرنے، شادی کرنے کے بعد زنا کرے یا ناحق قتل کرے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم) ساحر نے ان میں سے کوئی کام نہیں کیا اس لیے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اس کا جواب یہ ہے کہ سحر کرنا بھی ارتداد ہے نیز حضرت جندب بن

۱۔ علامہ محمد بن عبد اللہ علی الخرشی التتونی ۱۱۰۱ھ الخرشی علی مختصر الجلیل ج ۸ ص ۶۳ مطبوعہ دار صادر بیروت

۲۔ علامہ علی بن احمد الصعیدی العدوی المالکی حاشیہ العدوی علی الخرشی ج ۸ ص ۶۳ مطبوعہ دار صادر بیروت

۳۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن الکھباب المالکی التتونی ۹۵۴ھ مواہب الجلیل ج ۶ ص ۲۸۰۔ ۲۷۹ مطبوعہ مکتبۃ النجاشی

۴۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف العبدری التتونی ۸۹۷ھ التاج والاکلیل علی حاشی مواہب الجلیل ج ۶ ص ۲۸۰۔ ۲۷۹ مطبوعہ مکتبۃ

النجاشی

عبداللہ ہی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ساحر کی حد اس کو تلوار سے مارنا ہے (ابن المنذر) اور امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہر ساحر کو قتل کر دو۔ (المغنی ج ۹ ص ۳۶ ۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت) علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں

ساحر کی تکفیر کی جائے گی اور اس کو قتل کیا جائے گا یہی مذہب ہے اور یہی جمہور اصحاب کا نظریہ ہے ایک روایت یہ ہے کہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور جو شخص دواؤں اور دھوکے سے شعبہ بازی کرتا ہو اس کو صرف تعزیری دی جائے گی۔ (الانصاف ج ۱۰ ص ۳۵۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۲ھ)

سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابن صہام حنفی لکھتے ہیں:

سحر کی حقیقت ہے اور جسم کو تکلیف پہنچانے میں اس کی تاثیر ہے جادو کو سکھانا بال تفاق حرام ہے اور اس کی اہانت کا اعتقاد کرنا کفر ہے ہمارے بعض اصحاب امام مالک اور امام احمد کا یہ مذہب ہے کہ جادو کا سیکھنا اور جادو کا کرنا کفر ہے خواہ اس کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھے یا نہ رکھے اس کو قتل کر دیا جائے گا حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت جندب بن عبداللہ حبیب بن کعب قیس بن سعد اور عمر بن عبدالعزیز نے ساحر سے توبہ طلب کئے بغیر اس کے قتل کا فتویٰ دیا حضرت جندب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ساحر کی حد یہ ہے کہ اس کو تلوار سے مار دیا جائے ام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جب تک ساحر جادو کے مباح ہونے کا اعتقاد نہ رکھے اس کو کافر کہا جائے نہ اس کو قتل کیا جائے ساحر کو کافر قرار دینے نہ دینے میں امام شافعی کے مذہب پر عمل کرنا واجب ہے البتہ اس کو قتل کرنا واجب ہے جس شخص کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ کوشش کر کے جادو کرنا ہے اس سے توبہ طلب کیے بغیر اس کو قتل کر دیا جائے۔

(فتح القدیر ج ۵ ص ۱۳۳ ۱۳۲ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ کھڑ)

علامہ شامی حنفی لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ ساحر جب تک کسی کفریہ امر کا اعتقاد نہ کرے اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی "المنہر المفاق" میں اسی پر اعتقاد کیا ہے اور علامہ حصکفی نے بھی اسی کی اتباع کی ہے اور ساحر کو مطلقاً قتل کر دیا جائے گا "فتاویٰ قاضی خاں" میں مذکور ہے کہ جو شخص کسی آدمی اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کے لیے کوئی عمل کرے وہ مرتد ہے اور اس کو قتل کر دیا جائے بہ شرطیکہ وہ تفریق میں اس عمل کی تاثیر کا اعتقاد رکھتا ہو اور جو شخص لوگوں کو ضرر پہنچانے کے لیے سحر کرتا ہو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور جو ساحر تجربہ کے لیے سحر کرتا ہو اور اس پر اعتقاد نہ رکھتا ہو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا جس شخص کا سحر کرنا اس کے اقرار یا گواہی سے ثابت ہو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس سے توبہ نہیں طلب کی جائے گی اس میں مسلمان آدمی آزاد اور غلام برابر ہیں ساحر سے مراد وہ شخص نہیں ہے جو معوذات سے جادو کو دور کرتا ہو نہ طلسم کرنے والا مراد ہے (شعبہ باز)۔ علامہ ابن صہام نے جو ہمارے بعض اصحاب سے سحر کا حکم کفر نقل کیا ہے وہ اس پر مبنی ہے کہ سحر کا تحقق کلمات کفریہ کہنے پر موقوف ہے۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۶۶ ۲۶۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ حصکفی حنفی نے لکھا ہے کہ اگر پکڑے جانے سے پہلے جادو گر نے توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور قتل نہیں کیا جائے گا ورنہ توبہ قبول نہیں ہوگی اور قتل کیا جائے گا۔ (رد مختار علی ہاشم رد المحتار ج ۳ ص ۲۶۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) نیز علامہ شامی لکھتے ہیں۔

شر کی ایک قسم جس مخصوص کلمہ سے ہوتی ہے اور یہ ہوس نہ۔ میں ادراک کو واجب کرتی ہے اس کو یہ یا کہتے ہیں دوسری قسم مہمیا ہے جو کلمہ نے پینے کی چیز میں پھیل واقع کرتی ہے اور تیسری قسم وہ ہے جس سے بعض اشیاء کے احوال میں تاثیر ہوتی ہے شر کی اور بھی قسمیں ہیں لیکن شر کی ہر قسم کفر نہیں ہے کیونکہ کسی کو ضرر پہنچانے کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جاتی بلکہ کسی کفر یہ امر کی وجہ سے تکفیر کی جاتی ہے مثلاً ستاروں میں الوہیت کا اعتقاد رکھ جائے یا فرآن مجید کی آیات کی پائے یا کوئی کفر یہ کلمہ کہا جائے لیکن ساحر کی تکفیر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو قتل بھی نہ کیا جائے اس لیے جو شخص شر کے ذریعہ لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہے اس کو قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ ڈاکوؤں کے ضرر پہنچانے کی وجہ سے ان کو قتل کر دیا جاتا ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

ڈاکٹر دھرم زبلی نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ساحر کافر ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

(التفسیر المنیر ج ۱ ص ۲۵۲۔ ۲۵۱ مطبوعہ دار اشکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

مذہب اربعہ کا خلاصہ اور تجزیہ

امام مالک اور امام احمد کے نزدیک ساحر مطلقاً کافر ہے اور امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ساحر مطلقاً کافر نہیں ہے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک ساحر کفر یہ عقائد اور کفر یہ اقوال اور افعال کے بغیر متحقق نہیں ہوتا اس لیے وہ ساحر کو مطلقاً کفر کہتے ہیں اور امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ساحر عام ہے یہ کفر کے بغیر بھی ہو سکتا ہے اس لیے ساحر مطلقاً کفر نہیں ہے البتہ جس ساحر میں کفر کا دخل ہو وہ ان کے نزدیک بلاشبہ کفر ہے جیسا کہ ان کی عبارات سے واضح ہے اور اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ ساحر حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے اور اس کا سیکھنا اور کھانا بھی حرام ہے البتہ بعض شافعیہ سے یہ منقول ہے کہ دفع ضرر کے لیے جادو کا سیکھنا جائز ہے اور امام مالک امام احمد اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے نزدیک ساحر کو حد اقل کرنا واجب ہے اور وہ ڈاکو کے حکم میں ہے امام شافعی کے نزدیک ساحر کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور ان یہودیوں نے اس (جادو) کی پیروی کی جو شہر باہل میں ہاروت اور ماروت پر اتارا گیا تھا۔

(اقرہ ۱۰۲)

ہاروت اور ماروت پر سحر کو نازل کرنے کی حکمت

ہاروت اور ماروت دو فرشتے ہیں ان کے متعلق علماء اسلام میں اختلاف ہے محققین کا یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لیے بھیجا تھا تا کہ وہ لوگوں کو جادو کی حقیقت بتائیں اور لوگوں پر یہ واضح کریں کہ لوگ جو سحر کے نام سے مختلف حیوں اور شعبوں سے عجب و غریب کام کرتے ہیں وہ سحر نہیں ہے وہ لوگوں پر جادو کی حقیقت واضح کرنے کے لیے جادو کی تعلیم دیتے تھے اور جادو پر عمل کرنے سے روکتے تھے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی آزمائش کے لیے سحر کو نازل کیا جس نے سحر سیکھ کر اس پر عمل کیا وہ کافر ہو گیا اور جس نے سحر کو نہیں سیکھا جادو کے ضرر سے بچنے کے لیے اور جادو کی حقیقت جاننے کے لیے اس کو سیکھا اور اس پر عمل نہیں کیا وہ اپنے ایمان پر سلامت رہا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب جادو حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے جادو سکھانے کے لیے فرشتوں کو کیوں نازل کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خیر اور شر میں چیز کا خالق ہے نہ ہر کھانا اور کھانا حرام ہے کتے اور خنزیر کو کھانا حرام ہے شراب پینا حرام ہے چوری قتل زنا کرنا حرام ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں اور تمام کاموں کو پیدا کیا ہے اور انسان کو ان تمام چیزوں کے ترک کرنے اور ان سے باز رہنے کا حکم دیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزمائش کے لیے فرشتوں کو

جادو کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تا کہ ظاہر ہو جائے کہ کون جادو پر عمل کرنے سے باز رہتا ہے اور کون جادو دیکھ کر اس پر عمل کرتا ہے۔

ہاروت اور ماروت کی معصیت کی روایت

ہاروت اور ماروت اللہ تعالیٰ کے دو مقرب فرشتے ہیں اور ان کا راقعہ صرف اسی قدر ہے جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے بعض روایات میں ان کے متعلق یہ مذکور ہے کہ انہوں نے زمین پر آ کر گدہ کیا ان تمام روایات کو متفقین علماء نے مسترد کر دیا ہے ہم پہلے وہ روایات بیان کرتے ہیں پھر ان کے مردود ہونے پر دلائل کو پیش کریں گے پھر ان کے متعلق متفقین کی تصریحات کو بیان کریں گے۔ **فَنَقُولُ بِاَللّٰهِ التَّوْفِیْقِ وَبِهَ الْاِسْتِعَانَةِ یٰلِیْقِ**۔

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لیے آسمان سے جھری کی جب انہوں نے بنو آدم کو گناہوں کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا اے رب! یہ وہ بنو آدم ہیں جن کو تو نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور اپنے فرشتوں سے ان کو سجدہ کرایا اور وہ گناہوں کا ارتکاب کر رہے ہیں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر ان کی جگہ تم ہوتے تو تم بھی ان کی طرح عمل کرتے انہوں نے کہا تو سبحان ہے ہم ایسا نہیں کر سکتے پھر ان سے کہا گیا کہ تم دو فرشتوں کو منتخب کر لو تو انہوں نے ہاروت اور ماروت کو منتخب کر لیا انہیں زمین پر بھیج دیا گیا اور ان کے لیے زمین پر ہر چیز حلال کر دی گئی اور شرک، چوری، زنا، شراب نوشی اور قتل ناحق سے منع کر دیا وہ زمین پر آ کر رہنے لگے وہاں انہوں نے بیذغت نام کی ایک عورت دیکھی جو بہت حسین تھی وہ اس پر فریفتہ ہو گئے انہوں نے اس سے زنا کا ارادہ کیا اس نے کہا پہلے تم اللہ کے ساتھ شرک کرو شراب پیو قتل ناحق کرو اور اس بت کو سجدہ کرو شروع میں انہوں نے انکار کیا لیکن جب وہ عورت اس کے بغیر راضی نہ ہوئی تو انہوں نے یہ سب کام کر لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ منظر دکھایا فرشتوں نے کہا تو سبحان ہے اور تجھ کو خوب علم ہے پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے ذریعہ ان کو یہ پیغام دیا کہ وہ دنیا اور آخرت کے عذاب میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیں انہوں نے دنیا کے عذاب کو اختیار کر لیا سوان کو بابل (دبوند یا عراق یا کوفہ کی ایک بستی) میں عذاب دیا جا رہا ہے۔ (مجاہد نے بیان کیا کہ وہ لوہے کی زنجیروں کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں) (ص ۳۱۵) اور ان کے منہوں کو اس کی گردنوں کے ساتھ بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۱۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فارس میں زہرہ نام کی ایک حسین عورت تھی ہاروت اور ماروت نے اس سے اپنی خواہش پوری کرنا چاہی اس نے کہا مجھے وہ کلام سکھاؤ جس کو پڑھ کر میں آسمان پر چلی جاؤں انہوں نے اس کو وہ کلام سکھایا وہ اس کو پڑھ کر آسمان پر چلی گئی اور وہاں اس کو مسخ کر کے زہرہ ستارہ بنا دیا گیا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۱۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

۱۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام ابن احنق کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہاروت اور ماروت کا قصہ حضرت نوح کے زمانہ سے پہلے کا ہے اور بحر نوح علیہ السلام سے پہلے موجود تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ قوم نوح نے ان کو مار گمان کیا اور قوم فرعون سے پہلے بحر موجود تھا وہ بھی حضرت سیمیا سے پہلے تھی۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۲۳) اور طبری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ حضرت سیمیا یا یہ السلام کے زمانہ کا ہے واللہ اعلم۔ ۱۳

ہاروت اور ماروت کی معصیت کی روایت کا قرآن مجید سے بطلان

زہرہ ستارہ تو آسمان پر شروع سے موجود ہے اس لیے یہ روایت عقلاً باطل ہے اور ہاروت اور ماروت کے گناہ کا جو ذکر ہے یہ قرآن مجید کی ان آیات کے خلاف ہے جن میں فرشتوں کی عصمت کو بیان فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (فرشتے) اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور

وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے (الاحزاب: ۶۶)

بَلْ رِجَالٌ مِّمَّنْ كَرُمُونَ (سب فرشتے) ان کے کرم بندے ہیں (انبیاء: ۲۷-۲۸)

(کی اجازت) سے پہلے بات نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر

کاربند رہتے ہیں

وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ (فرشتے) تکبر نہیں کرتے (فرشتے) اپنے اور پر اپنے رب

کے عذاب سے ڈرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے (الاحزاب: ۵۰-۵۱)

اور جو اس کے پاس (فرشتے) ہیں وہ اس کی عبادت

سے تکبر نہیں کرتے اور نہ وہ ٹھکتے ہیں (انبیاء: ۲۰-۱۹)

تبیح کرتے ہیں (اور ذرا) سستی نہیں کرتے

ہاروت اور ماروت کی معصیت کی روایت پر بحث و نظر

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں

ہاروت اور ماروت کے قصہ میں بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ زہرہ ایک عورت تھی انہوں نے اس سے اپنی خواہش پوری کرنی چاہی اس نے کہا پہلے مجھے اسم اعظم سکھاؤ وہ یہ اسم پڑھ کر آسمان پر چلی گئی اور ستارہ بن گئی میرا گمان ہے کہ اس قصہ کو اسرائیلیوں نے وضع کیا ہے ہر چند کہ اس کو کعب الاحبار نے روایت کیا ہے اور ان سے متقدمین کی ایک جماعت نے یہ طور حدیث بنی اسرائیل کے نقل کیا ہے امام احمد اور امام ابن حبان نے اس کو اپنی صحیح میں اپنی سندوں کے ساتھ حضرت ابن عمر سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس میں بہت طویل قصہ ہے اور امام عبد الرزاق نے اس کو اپنی سند کے ساتھ کعب الاحبار سے روایت کیا ہے اور اس کی سند زیادہ صحیح ہے امام حاکم نے "مستدرک" میں اور امام ابن ابی حاتم نے اس کو اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ (الہدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۸-۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نیز حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

ہاروت اور ماروت کے قصہ میں تابعین کی ایک جماعت مثلاً مجاہد سدی حسن بصری قتادہ ابوالعالیہ زہری ربیع بن انس مقاتل بن حیان وغیرہم نے روایات ذکر کی ہیں اور بہت سے متقدمین اور متاخرین مفسرین نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور اس کا مرجع بنی اسرائیل ہیں کیونکہ اس قصہ میں معصوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم صادق اور مصدق سے کوئی حدیث مرفوعہ صحیح متصل الاسناد مروی نہیں ہے اور قرآن مجید نے ہاروت اور ماروت کا بغیر کسی تفصیل کے اجمالاً ذکر کیا ہے سو ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو قرآن میں اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۳۸ مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

یہ تمام روایات ضعیف ہیں حضرت ابن عمر وغیرہ سے بہت بعید ہے کہ وہ ایسی روایت کریں ان میں سے کوئی روایت صحیح

نہیں ہے فرشتے اللہ کے سفیر اور اس کی وحی پر امین ہیں وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ہر چند کہ عقلاً فرشتوں سے معصیت ممکن ہے اور ان میں شہوت کا پیدا ہونا ممکن ہے اور ہر ممکن اللہ کی قدرت میں ہے لیکن یہ ممکن بغیر کسی صحیح حدیث کے ثابت نہیں ہو سکتا اور اس قصہ میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اور اس کے صحیح نہ ہونے پر یہ دلیل ہے کہ جب اللہ نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں ان سات سیاروں کو پیدا کیا زحل مشنری بہرام قطارد زہرہ شمس اور قمر اور اس روایت میں یہ بیان کیا ہے کہ وہ عورت زہرہ ستارہ بن گئی۔

(الجامع احکام القرآن ج ۲ ص ۵۲ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

قاضی ابوبکر بن العربی نے لکھا ہے کہ فرشتوں سے معصیت ممکن ہے اور قرآن مجید کی جن آیات میں یہ طرق عموم فرشتوں کی عصمت بیان کی گئی ہے ان میں تخصیص ہو سکتی ہے کیونکہ علم اصول میں مقرر ہے کہ عام میں تخصیص ہو سکتی ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۴۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

قاضی ابوبکر کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید کا عموم قطعی ہے اور اس کے عموم کا نسخ اور تخصیص بھی اس کے مساوی ہونا چاہیے اس لیے اس عموم کا تخصیص یا تو قرآن مجید ہو سکتا ہے یا حدیث صحیح متواتر اور ان روایات میں سے تو ایک حدیث بھی صحیح نہیں ہے چنانچہ احادیث صحیحہ متواترہ ہوں۔

امام رازی لکھتے ہیں:

یہ تمام روایات فاسد مردود اور غیر مقبول ہیں کتاب اللہ میں ان میں سے کسی پر دلالت نہیں ہے اور قرآن مجید میں فرشتوں کی عصمت بیان کی گئی ہے یہ روایات اس کی مخالف ہیں نیز ان روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہاروت اور ماروت کو عذاب دنیا اور عذاب آخرت میں اختیار دیا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ تاحیات شرک کرنے والے کو بھی توبہ اور عذاب آخرت کے درمیان اختیار دیتا ہے سو یہ روایات اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ کے بھی خلاف ہیں اور ان بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ حالت عذاب میں لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور جادو کی دعوت دیتے تھے اور یہ غیر منقول ہے رہا یہ امر کہ ان فرشتوں کو کیوں نازل کیا گیا تھا؟ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں بہت جادوگر ہو گئے تھے جو جادو سے عجیب و غریب کام کرتے اور نبوت کا دعویٰ کرتے اور لوگوں کو اس کے معارضہ کا چیلنج کرتے تب اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو جادو سکھانے کے لیے بھیجا تا کہ مومنین جھوٹے نبیوں کا جادو سے معارضہ کر سکیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام رازی کی بیان کردہ یہ وجہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جادو کا معارضہ کرنا جادو کرنے پر موقوف ہے حالانکہ لوگوں کو جادو کرنے سے وہ فرشتے منع کرتے تھے البتہ یہ کہنا صحیح ہے کہ جادو کی حقیقت جاننے کے بعد لوگوں پر یہ بات کھل گئی تھی کہ جھوٹے نبی جو کچھ عجیب و غریب کام دکھا رہے ہیں یہ جادو ہے مجزہ نہیں ہے اس لیے اس زمانہ میں جادو کا سیکھنا اور سکھانا صحیح تھا۔

علامہ ابوالحمیان اندلسی لکھتے ہیں:

ان روایات میں سے کوئی چیز صحیح نہیں ہے اور فرشتے معصوم ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے اور فرشتوں کو جادو سکھانے کے لیے اس لیے بھیجا گیا تھا کہ جس جادو سے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور اس کے دوستوں میں تفرق ہو جائے وہ اس زمانہ میں مباح یا مستحب تھا۔ (البحر المحیط ج ۱ ص ۵۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

قاضی بیضاوی شافعی لکھتے ہیں:

یہ روایات یہود سے نقل کی گئی ہیں اور یہ ہو سکتا ہے کہ متقدمین کی رموز ہوں جن کا عمل کرنا اہل علم پر مخفی نہیں ہے ایک قوس یہ ہے کہ ہاروت اور ماروت دو آدمی تھے جن کو ان کی غیر معمولی نیکیوں کی وجہ سے فرشتہ کہا گیا

(انوار التنزیل (دری) ص ۹۶ مطبوعہ مکتبہ المدینہ کراچی)

علامہ شہاب الدین خجندی لکھتے ہیں:

قاضی بیضاوی نے جو یہ کہا ہے کہ یہ رموز متقدمین ہیں اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ فرشتہ بہ شہیت فرشتہ گناہوں سے معصوم ہے اور جب اس کی حقیقت بدل دی جائے اور اس کو آدمی کے خواص اور اس کی قوتوں سے مرکب کر دیا جائے تو پھر اس کا گناہ کرنا قرآن مجید کی آیات کے مخالف نہیں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس قصہ میں تئیں بیان کی گئی ہو اور ہاروت و ماروت سے مراد انسان کا بدن اور زہرہ سے مراد اس کی روح ہو بدن نے روح کو گناہ پر ابھارا اور جب روح اس پر متنبہ ہوئی تو وہ آسمان پر چلی گئی اور اگر یہ کہا جائے کہ ہاروت اور ماروت دو آدمی تھے جن کو ان کی غیر معمولی عبادت کی وجہ سے فرشتہ کہا گیا تو پھر کوئی اشکال نہیں ہے۔ (علیہ القاضی ج ۲ ص ۲۶ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور بے شک وہ خوب جانتے تھے کہ جس نے اس (جادو) کو خرید لیا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور کیسی بری چیز ہے وہ جس کے بدلہ میں انہوں نے اپنے آپ کو فروخت کر ڈالا ہے کاش! یہ جان لیتے (البقرہ ۱۰۳) علم کے تقاضوں پر عمل نہ کرنا حکماً جہل ہے

اس آیت کے اس میں یہ فرمایا ہے کہ وہ جادو کی برائی جانتے تھے اور آخر میں فرمایا ہے کہ وہ جان لیتے یعنی وہ نہیں جانتے اور یہ ظاہر یہ تناقض ہے کہ وہ جانتے بھی تھے اور نہیں بھی جانتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو جادو کی برائی کا علم تھا لیکن چونکہ وہ علم کے تقاضے پر عمل نہیں کرتے تھے اور جادو کرتے تھے اس لیے ان کے علم کو عدم علم کے قائم مقام کر کے فرمایا کاش وہ جان لیتے اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو عالم علم کے مطابق عمل نہ کرے وہ بہ منزلہ جاہل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت کا فرق

”کاش وہ جان لیتے“ اس سے یہ دہم نہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ وہ علم کے تقاضوں پر عمل کریں لیکن اللہ کا چاہا پورا نہیں ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر چاہا ہوا پورا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی ایک مشیت ہے اور ایک مرضی ہے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تو ہو سکتا ہے لیکن اس کی مشیت کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا یہودیوں کا ایمان لانا اور ان کا جادو نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی اس کی مشیت نہیں تھی اللہ تعالیٰ کفر اور بد عملی پر راضی نہیں لیکن دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔ ”کاش وہ جان لیتے“ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا جادو کرنا اور علم کے خلاف عمل کرنا اللہ کی مرضی کے خلاف تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا سَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا

اے ایمان والو! (اپنے رسول سے) راعنا نہ کہو انظرنا کہو اور ابتداء (غور سے)

وَأَسْمِعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۰۴ مَا يَوَدُّ الَّذِينَ

سنا کر ڈ اور کافروں کے لیے درد ناک عذاب ہے ۝ کافروں میں سے اہل کتب اور

كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنْزَلَ

مشرکین یہ نہیں پسند کرتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی خیر (حجی) نازل

عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِّنْ سَائِلِكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ

کی جائے اور اللہ جس کو چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص

مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ۝

”راعنا“ کہنے کی ممانعت اور ”انظرونا“ کہنے کا حکم

ان آیات میں یہود کے ایک اور عناد اور حسد کو بیان فرمایا ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرتے ہوئے ایسا لفظ استعمال کرتے تھے جس سے گستاخی کا پہلو نکلتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال کرنے سے منع فرما دیا۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ”راعنا“ کہتے تھے یعنی ہماری رعایت فرمائیے اور ہماری طرف التفات اور توجہ فرمائیے جب کوئی بات سمجھ نہ آتی تو وہ اس موقع پر کہتے تھے ”راعنا، ہماری رعایت فرمائیں“ یہود کی لغت میں یہ لفظ بددعا کے لیے تھا اور اس کا معنی تھا: سنو تمہاری بات نہ سنی جائے انہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور کہنے لگے کہ پہلے ہم ان کو تنہائی میں بدعا دیتے تھے اور اب لوگوں میں اور برسر مجلس ان کو بدعا دینے کا موقع ہاتھ آ گیا ہے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ”راعنا“ کہتے تھے اور آپس میں ہنستے تھے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو یہود کی لغت کا علم تھا انہوں نے جب ان سے یہ لفظ سنا تو انہوں نے کہا تم پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں نے آئندہ تم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ لفظ کہتے ہوئے سنا تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا یہود نے کہا کیا تم لوگ یہ لفظ نہیں کہتے؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے کہا گیا (جب کوئی بات سمجھ نہ آئے تو) تم ”راعنا“ نہ کہو بلکہ ”انظرونا“ کہو (ہم پر نظر رحمت اور مہربانی فرمائیں) تاکہ یہود کو یہ موقع نہ ملے کہ وہ صحیح لفظ کو غلط معنی میں استعمال کریں اور پہلے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات غور سے سن لیا کر دتا کہ یہ نوبت نہ آئے۔ (المجامع لحکام القرآن ج ۲ ص ۵۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بھی ”راعنا“ کہنے سے منع فرمایا ہے:

بعض یہود اللہ کے کلمات کو اس کے سیاق اور سبق سے بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم نے سنا اور نافرمانی کی (اور آپ سے کہتے ہیں) سنیے درآن حالیکہ آپ کی بات نہ سنی گئی ہو اور دین میں طعن کرنے کے لیے اپنی زبانوں کو موڑ کر ”راعنا“ کہتے ہیں اور اگر وہ یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور آپ ہماری بات سنیں اور ہم پر نظر (کرم) فرمائیں تو یہ (ان)

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمِعْ غَيْرَ مَسْمُوعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمِعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ وَلَٰكِن لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

(النساء ۴۶)

(ان کے حق میں) بہت اچھا اور بہت درست ہوتا لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت فرمادی تو صرف قلیل لوگ ایمان لائیں گے ○

امام ابن جریر نے ابن زید سے روایت کیا ہے کہ وہ زبان مؤخر کر ”راعما“ کی جگہ ”راعن“ کہتے تھے اور ”راعن“ کے معنی خطا ہیں تو وہ اس لفظ میں تحریف کر کے آپ کو خطا کرنے والا کہتے تھے۔ (امام محمد بن جریر طبری صوفی ۱۰/۲۱۰ باب ۱۱۱۱ ج ۱ ص ۳۷۴ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ) سوال اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی اور اس کا سد باب کرنے کے لیے مسلمانوں کو ”راعما“ کہنے سے منع فرمادیا۔

اس آیت سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کسی صحیح کام سے کسی بڑی برائی کا راستہ نکلتا ہو تو اس بڑی برائی کے سد باب کے لیے اس صحیح کام کو بھی ترک کر دیا جائے گا۔ قرآن مجید اور احادیث میں اس کی بہت نظر ہیں اللہ تعالیٰ فرمانا ہے

وَلَا تَسْبُوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسْبُوا
اللَّهُ عَدُوًّا بَغِيًّا عَلَيْهِ. (الانعام: ۱۰۸)

اور تم مشرکین کے معبودوں کو برا نہ کہو ورنہ وہ عداوت اللہ سے اللہ کو برا کہیں گے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ کی کسی زوجہ نے ذکر کیا کہ میں نے حبشہ کے ملک میں عیسائیوں کی ایک عبادت گاہ دیکھی ہے جس کا نام ”ریہ“ ہے حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ حبشہ سے آئی تھیں انہوں نے اس عبادت گاہ کی خوبصورتی اور اس کی تصویروں کو بیان کیا آپ نے سرائٹھ کر فرمایا۔ جب ان میں کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر ایک مسجد بنادیتے اور اس میں یہ تصویریں بنادیتے ”یہ لوگ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔“ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۹ مطبوعہ نور محمد ریح الطالح کراچی ۱۳۸۱ھ)

عیسائیوں کے پہلے لوگوں نے نیک انسانوں کی تصویریں اس لیے بنائی تھیں کہ لوگ ان کی تصویروں کو دیکھ کر ان کے نیک اعمال کو یاد کریں اور ان کی طرح نیکی کرنے کی کوشش کریں اور ان کی قبروں کے پاس اللہ کی عبادت کریں جب کافی زمانہ گزر گیا اور بعد میں لوگوں کے عقائد اور اعمال میں فساد ظاہر ہوا اور بعد کے لوگ ان تصویروں کی غرض سے ناواقف ہو گئے تو شیطان نے ان کے دلوں میں یہ دوسرے ڈالا کہ تمہارے آباء واجداد ان تصویروں کی عبادت کرتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سد باب کے لیے تصویریں بنانے سے مطلقاً منع فرمادیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ یہود اور نصاریٰ انبیاء کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے اور ان کی تعظیم کے لیے ان کی قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور انہوں نے ان کی قبروں کو بت بنالیا تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لعنت کی اور مسلمانوں کو اس فعل سے منع فرمایا البتہ جو شخص کسی نیک مسلمان کے قرب میں مسجد بنائے اور اس کے قرب سے برکت حاصل کرنے کا قصد کرے اور اس قبر کی تعظیم کا قصد نہ کرے اور نہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو وہ ۴۸ عید میں داخل نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۵۲۵ مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ ماہوز ۱۴۰۱ھ)

اس آیت سے دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ جس لفظ میں توہین کا معنی نکلتا ہو اس لفظ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں استعمال کرنا ناجائز ہے ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کفر ہے ہم اس مقام پر اس مسئلہ کی تحقیق کر رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کے شرعی حکم کی تحقیق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنا بالاجماع کفر ہے اور توہین کرنے والا بالاتفاق واجب القتل ہے اور اس کی توبہ قبول کرنے میں ائمہ مذاہب کے مختلف اقوال ہیں خواہ توہین کا تعلق آپ کی ذات کے ساتھ ہو یا آپ کے نسب کے ساتھ ہو آپ کے دین کے ساتھ ہو یا آپ کی کسی صفت کے ساتھ ہو اور یہ اہانت خواہ صراحت ہو یا کنایت ہو تخریض ہو یا تلویح ہو یا طرح کوئی شخص آپ کو بددعا کرے آپ پر لعنت کرے یا آپ کا برا چاہے آپ کے عوارض بشریہ یا آپ سے متعلق اشیاء یا اشخاص کا آپ کی طرف نسبت کرتے ہوئے بطریق طعن یا مذمت ذکر کرے غرض جس شخص سے کوئی ایسا کلام صادر ہو جس سے آپ کی اہانت ظاہر ہو وہ کفر ہے اور اس کا قاتل واجب القتل ہے۔

خاصی عیاض لکھتے ہیں:

محمد بن یحیون نے کہا ہے کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کرنے والا اور آپ کی تنفیص (آپ کی شان میں کمی) کرنے والا کافر ہے اور اس پر عذاب الہی کی وعید جاری ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم قتل کرنا ہے اور جو شخص اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (اشفاج ۲ ص ۱۹۰ مطبوعہ عبدالنواب اکیڈمی ملتان)

بعض فقہاء حنفیہ کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کی توبہ قبول نہیں ہوگی علامہ علائی لکھتے ہیں جو شخص کسی نبی کو گالی دینے سے کافر ہو گیا اس کو بطور حد قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ مطلقاً قبول نہیں ہے (خواہ خود توبہ کرے یا اس کی توبہ پر گواہی ہو) اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور نبی کو گالی دینا بندے کا حق ہے اور جو شخص اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا۔

(در مختار علی المردج ۳ ص ۴۰۰ مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول)

علامہ شامی حنفی عدم قبول توبہ کی تشریح کرتے ہیں:

کیونکہ حد توبہ سے ساقط نہیں ہوتی اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حکم دنیا کے ساتھ خاص ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی توبہ مقبول ہوگی اسی طرح "البحر الرائق" میں ہے۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۴۰۰ مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول)

بعض فقہاء شافعیہ کا بھی یہی قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کی توبہ مطلقاً قبول نہیں ہے۔ علامہ عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ ابن منذر نے نقل کیا ہے کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صراحتاً گالی دی اس کو قتل کرنا واجب ہے اور ائمہ شافعیہ میں سے علامہ ابو بکر قاسمی نے "کتاب الاجماع" میں لکھا ہے کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قذف صریح کے ساتھ گالی دی اس کے کفر پر علماء کا اتفاق ہے اگر وہ توبہ کرے گا تب بھی اس سے قتل ساقط نہیں ہوگا کیونکہ یہ حد قذف ہے اور حد قذف توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۲۸ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

احناف اور شوافع کا ایک قول یہ ہے کہ جس شخص نے رسول اللہ کو گالی دی اس کو قتل کیا جائے گا خواہ اس نے توبہ کر لی ہو امام مالک کی مشہور روایت اور حنابلہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور جمہور احناف اور شوافع کا مذہب ہے کہ توبہ کے بعد اس کو قتل نہیں کیا جائے گا جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی وہ کافر ہو گیا خواہ مذاق سے خواہ سنجیدگی سے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے استہزاء کیا یا

اس کی ذات سے یا اس کے رسولوں سے یا اس کی کتابوں سے وہ کافر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
 وَلَٰكِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَ
 نَلْعَبُ ۚ قُلْ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا تَكْفُرُونَ
 لَا تَعْتَدُوا ۚ وَأَخَذَ الْكُفْرُ ثَمَرَهُ ۚ لَنَبْلُوَنَّكُمْ
 (۶۳-۶۵-۶۶)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو یہ کہیں گے ہم تو صرف
 مذاق کر رہے تھے آپ کہے کیا تم اللہ تعالیٰ اس کی آیات اور
 اس کے رسول کا استہزاء کر رہے تھے؟ اب مذر نہ پیش کرو
 کیونکہ تم ایمان لانے کے بعد یقیناً کافر ہو چکے ہو۔

(المعنی ج ۹ ص ۲۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

مشہور آزاد محقق شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

محمد بن یحیٰی بن حمزہ فرماتے ہیں، علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اس کے متعلق عذاب الہی کی وعید ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے اور جو شخص اس کے کفر اور اس کے عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اور اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا کافر ہے اور اس کو بال اتفاق قتل کیا جائے گا اور یہی ائمہ اربعہ وغیرہ کا مذہب ہے اسحاق بن راہویہ وغیرہ نے اس اجماع کو بیان کیا ہے اور اگر گالی دینے والا ذی ہو تو امام مالک اور اہل مدینہ کے نزدیک اس کو بھی قتل کیا جائے گا اور غفریب ہم ان کی عبارت نقل کریں گے اور امام احمد اور محدثین کا بھی یہی مذہب ہے امام احمد نے متعدد مقامات پر اس بات کی تصریح کی ہے جنہیں کہتے ہیں میں نے ابو عبد اللہ (امام احمد) سے سنا ہے فرماتے تھے جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی یا آپ کی تنقیص کی خواہ مسلمان ہو یا کافر اس کو قتل کرنا واجب ہے اور میری رائے یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے اور اس کی توبہ نہ قبول کی جائے۔

(الصارم المسلول ص ۴ مطبوعہ نشر المکتبۃ الاسلامیہ)

خاصی عیاض مالکی لکھتے ہیں:

جان لو کہ امام مالک ان کے اصحاب سلف صالحین اور جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس نے گالی دی اور اس کے بعد توبہ کر لی تو اس کو بہ طور حد قتل کیا جائے گا نہ بہ طور کفر شیخ ابوالحسن قاسمی رحمہ اللہ نے فرمایا جب کسی شخص نے آپ کو گالی دینے کا اقرار کیا اور اس کے بعد توبہ کر لی اور توبہ کا اظہار کر دیا تو اس کو گالی کے سبب سے قتل کیا جائے گا کیونکہ یہ اس کی حد ہے ابو محمد بن ابی زید نے بھی یہی کہا ہے البتہ اس کی توبہ اس کو آخرت میں نفع دے گی اور وہ عند اللہ مومن قرار پائے گا۔

(الاشعاع ج ۲ ص ۲۳۳-۲۳۲ مطبوعہ مکتبۃ)

علامہ شامی لکھتے ہیں

جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی ہو اس کی توبہ قبول نہ کرنا امام مالک کا مشہور مذہب ہے اور امام احمد بن حنبل کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور ایک روایت ان سے یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی لہذا ان کا مذہب امام مالک کی طرح ہے امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس کا حکم مرتد کی طرح ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ مرتد کی توبہ قبول کی جاتی ہے جیسا کہ نینف وغیرہ سے منقول ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کا یہ حکم ہے تو حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما یا ان میں سے کسی ایک کو گالی دینے والے کا حکم بطریق اولیٰ یہی ہوگا کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے۔

بہر حال یہ بات ظاہر ہو گئی کہ احناف اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور امام مالک سے بھی یہ ایک ضعیف روایت سے ثابت ہے۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۰۲-۳۰۱ مطبوعہ مکتبۃ عثمانیہ اشبول)

خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ گستاخ رسول کی (دنیاوی احکام میں) توبہ قبول نہیں ہوگی اور اس کو قتل کیا جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور ایک قول یہ ہے کہ (دنیاوی احکام میں) اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور اس کو ہر حال میں قتل کیا جائے گا۔

گستاخانہ کلام میں تاویل کی گنجائش

عام طور پر یہ ہے کہ جس کلام میں خانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام کا ہو اس کلام کو سلام پر محمول کیا جائے گا اور قاتل کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ علامہ علانی لکھتے ہیں

”درر“ وغیرہ میں ہے کہ جب کسی مسئلہ میں کچھ وجوہ کفر کو واجب کرتی ہوں اور ایک وجہ کفر سے روکتی ہو تو مفتی پر واجب ہے کہ اس کو ”منع عن الکفر“ پر محمول کرے بشرطیکہ قاتل کی نیت بھی وہی ہو ورنہ مفتی کے ”منع عن الکفر“ پر محمول کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ (درمنار علی الردج ۳ ص ۲۹۹ مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ اتنبول)

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

”خلاصہ“ وغیرہ میں ہے کہ جب کسی مسئلہ میں متعدد وجوہ سے کفر لازم ہو اور ایک وجہ کفر سے روکتی ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ اس وجہ کی طرف مبالغہ کرے جو کفر سے روکتی ہو کیونکہ مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیے اور ”بیزاریہ“ میں ہے البتہ جب قاتل خود اس احتمال کا التزام کرے جس وجہ سے تکفیر ہو تب تاویل سے فائدہ نہیں ہوگا اور ”تاتارخانیہ“ میں ہے جس کلام میں کئی احتمال ہوں اس پر تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ کفر انتہائی سزا ہے جو انتہائی جرم کا تقاضا کرتی ہے اور جب دوسرا احتمال موجود ہو تو یہ انتہائی جرم نہیں ہے۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۵ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

علامہ شامی اور علامہ ابن نجیم کی ان عبارات سے واضح ہو گیا کہ جس لفظ یا جس جملہ میں متعدد احتمالات ہوں اور ان احتمالات میں سے کچھ کفریہ ہوں اور کچھ غیر کفریہ اس وقت یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مفتی کو چاہیے کہ وہ قاتل کے کلام کو غیر کفریہ معنی پر محمول کرے لیکن اگر کسی کلام کے متعدد احتمالات نہ ہوں بلکہ صرف ایک معنی ہو اور وہ معنی خدا نخواستہ کفریہ ہو تو اب مفتی کے لیے قاتل کی تکفیر کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں۔

گستاخانہ کلام میں توبہ کی نیت کی بحث

ایک بحث یہ ہے کہ کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمہ بولتا ہے اور جب اس کی تکفیر کی جائے تو وہ اپنے دفاع میں کہتا ہے کہ اس کلمہ سے میری نیت یہ نہیں تھی آیا اس کا یہ جواب صحیح ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں تحقیق ہے کہ جس لفظ کے متعدد معنی ہوں اس کے متعلق قاتل یہ کہہ سکتا ہے کہ میری نیت میں فلاں گستاخانہ معنی نہیں تھا بلکہ فلاں معنی ہے لیکن جس لفظ کا از روئے لغت یا عرف یا شرع کے اعتبار سے صرف ایک ہی معنی ہو اور وہ معنی خدا نخواستہ گستاخانہ اور کفریہ ہو تو اب قاتل کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اس کی تکفیر کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہوگا۔ دیکھئے ”امت طالق“ (م کو طلاق) کا لفظ عرف اور شرع میں طلاق کے لیے معین ہے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ”امت طالق“ کہہ دے تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی اب اگر وہ یہ کہے کہ طالق سے میری نیت لغوی معنی تھی یعنی وہ کھلی ہوئی ہے بندھی ہوئی نہیں ہے یا میں نے یہ کلمہ یونہی کہہ دیا تھا میری نیت اس کلمہ سے طلاق دینا نہیں تھی تو اس کی نیت کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ لفظ صریح میں نیت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ”انت امی“ (تو میری ماں کی مثل ہے) کہتا ہے تو یہ لفظ کیونکہ طلاق کے لیے

معین نہیں ہے اس میں اس کی نیت کا اعتبار ہوگا اگر وہ طلاق کا ارادہ کرنا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر عزت اور کرامت کا ارادہ کرتا ہے تو اس معنی کا اعتبار ہوگا اور طلاق نہیں ہوگی اسی طرح فقہاء نے لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی کو ولد الحرام یا حرام زادہ کہتا ہے تو اس پر تحریر لگائی جائے گی اور اگر قائل یہ کہے کہ حرام سے میری نیت ناجائز اولاد نہیں بلکہ حرمت اور کرامت تھی یا میری نیت اس شخص کی اہانت نہیں تھی تو اس کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ عرف میں یہ الفاظ ناجائز اولاد کے لیے معین ہیں اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کو غصہ میں یا کافر کہہ دے تو اس کو تحریر لگائی جائے گی اور اگر قائل کہے کہ میری نیت کافر بالظاہر تھی تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ عرف میں کافر کافر باللہ کے لیے معین ہے۔ اس تصریح کے پیش نظر جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسا کلام کہتا ہے جو عرف میں توہین کے لیے متعین ہو تو اس کی تکفیر کی جائے گی خواہ اس نے توہین کی نیت نہ کی ہو۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

جو چیز توہین کی دلیل ہو اس پر تکفیر کی جائے گی خواہ اس نے توہین کی نیت نہ کی ہو۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۳۹۲ مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

ایک شخص سے کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کی قسم! تو اس نے کہا اللہ رسول اللہ کے ساتھ ایسا کرے اور بہت قبیح کلام ذکر کیا۔ اس سے کہا گیا کہ اے اللہ کے دشمن اتم کیا کہہ رہے ہو؟ تو اس نے اس سے بھی زیادہ شدید قبیح کلام کیا پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ سے کچھو کی نیت کی ہے (یعنی کچھو بھی اللہ کا بھیجا ہوا ہے) ابن ابی سلیمان نے کہا اس کو قتل کرنے میں میں بھی تمہارے ساتھ اس کے خلاف شہادت دیتا ہوں اور اس کے ثواب میں شریک ہوں اور حبیب بن ریح نے کہا: لفظ صریح میں تاویل کا دعویٰ قبول نہیں کیا جاتا۔ (اشعریہ ج ۲ ص ۱۹۱ مطبوعہ عبدالنواب اکیڈمی دہلی)

قاضی عیاض کی اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری اور علامہ خفاجی نے بھی اس بات کو مقرر رکھا ہے کہ صریح لفظ میں تاویل قبول نہیں ہوتی اسی طرح علامہ دشتانی مالکی نے بھی شرح مسلم میں کہا ہے کہ لفظ صریح تاویل کو قبول نہیں کرتا نیز قاضی عیاض نے تصریح کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین آمیز کلمات کہے جائیں تو توہین کا قصد ہو یا نہ ہو قائل کی تکفیر کی جائے گی۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں:

جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی بات کہے اور اس کا قصد نہ گالی دینے کا ہو نہ آپ کی توہین کا اور نہ وہ اس کا اعتقاد کرتا ہو لیکن وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسا کفریہ کلمہ کہے جس میں لعنت ہو یا گالی ہو یا آپ کی تکذیب ہو یا آپ کی طرف کسی ایسی چیز کی اضافت کرے جو ناجائز ہو یا اس چیز کی نفی کرے جو آپ کے لیے واجب ہو یا وہ بات کہے جو آپ کے حق میں نقص ہو یا آپ کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت کرے یا تبلیغ رسالت میں ممانعت کی نسبت کرے یا آپ کے مرتبہ اور شرف نسب یا آپ کے علم کی عظمت اور آپ کے زہد میں کمی کرے یا آپ کے جو اوصاف مشہور اور متواتر ہیں ان کی تکذیب کرے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی نازیبا بات کہے جو از قسم گالی ہو اگرچہ اس کے حال سے یہ ظاہر ہو کہ وہ آپ کی توہین کا قصد نہیں کرتا نہ اس پر اعتقاد کرتا ہے یا اس نے جہالت کی وجہ سے کہا ہو یا رنج اور قلق کی بنا پر یا نشہ کی وجہ سے کہا ہو یا سبقت مسانی سے ایسا کہا ہو یا یونہی بے سوچے سمجھے یا جوش غضب سے ایسا کہہ دیتا ہے تو ایسے شخص کا بلا تو قف یہ حکم ہے۔

۱۔ ملا علی قاری ہروی حنفی متونی ۱۰۱۳ھ شرح شفاء علی ہاشم نسیم الریاض ج ۴ ص ۲۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت

۲۔ علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی متونی ۱۰۶۹ھ نسیم الریاض ج ۴ ص ۲۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت

۳۔ علامہ دشتانی مالکی متونی ۸۲۸ھ اکمل اکمال المعلم ج ۳ ص ۱۹۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کہ اس کو قتل کر دیا جائے کیونکہ جہالت تکفیر میں عذر نہیں ہے نہ سبقت لسانی کا دعویٰ نہ مذکور الصدر اسباب میں سے کوئی اور سبب جبکہ اس کی عقل صحیح ہو سو اس شخص کے جس کو ان کلمات کے کہنے پر مجبور کیا گیا ہو اور اس کے دل میں ایمان ہو

(الشفاء ج ۲ ص ۲۰۴ - ۲۰۳ مطبوعہ عبد الفتاح اکیڈمی ملتان)

قاضی عیاض رحمہ اللہ کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات یا آپ کی صفات متناہ کمال علم یا کمال قدرت کے متعلق کوئی نازیبا بات کہی خواہ اس کا قصد اور نیت تو یہ نہ ہو اور نہ وہ اس کا اعتقاد رکھتا ہو بلکہ وہ آپ کے کمالات کا قائل ہو پھر بھی اس نازیبا بات کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا اور اس کو قتل کرنا واجب ہے۔ ملا علی قاری حنفیؒ اور علامہ شہاب الدین خفاجی حنفیؒ نے بھی اس عبارت کو مقرر رکھا ہے۔

شیخ رشید احمد گنگوہی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

سوال نمبر ۳۰: شاعر جو اپنے اشعار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صنم یا بت یا آشوب ترک فتنہ عرب باندھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے۔ بینوا تو جروا۔

جواب: یہ الفاظ قبیح بولنے والا اگرچہ معنی حقیقیہ بہ معانی ظاہرہ خود مراد نہیں رکھتا بلکہ معنی مجازی مقصود لیتا ہے مگر تاہم ایہام گستاخی، اہانت و اذیت ذات پاک حق تعالیٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی نہیں، یہی سبب ہے کہ حق تعالیٰ نے لفظ "راعسا" سے صحابہ کو منع فرمایا "انظروا" کا لفظ عرض کرنا ارشاد کیا حالانکہ مقصود صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہرگز وہ معنی کہ جو یہود مراد لیتے تھے نہ تھی مگر ذریعہ شوخی یہود کا اور موہم اذیت و گستاخی جناب رسالت کا تھا لہذا حکم ہوا "لا تقولوا راعسا و قولوا انظروا" اور علیٰ ہذا حضرات صحابہ کا پکار کر بولنا مجس شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں بہ وجہ اذیت و گستاخی محاذ اللہ نہ تھا بلکہ حسب عادت و طبع تھا مگر چونکہ اذیت و بے اعتنائی شان والا کا اس میں ایہام تھا یہ حکم ہوا۔

"يا ايها الذين امنوا لا ترفعوا اصواتكم فوق صوت النبي ولا تجهروا له بالقول كجهر بعضكم لبعض ان تحبط اعمالكم وانتم لا تعلمون" کیا صاف حکم ہے کہ اگرچہ تمہارا قصد گستاخی نہیں مگر اس فعل سے جب اعمال تمہارے ہو جاویں گے اور تم کو خبر بھی نہ ہوگی اور ایسا ہی حدیث میں ہے "تکسی بکسی ابی القاسم" آپ کی حیات شریفہ میں منع ہوگئی تھی بہ وجہ اذیت ذات سرور عالم کے کہ کوئی کسی کو اگر پکارے گا تو آپ یہ سمجھ کر کہ مجھ کو ارادہ کرتا ہے التفات فرمائیں گے حالانکہ نادری ہرگز اذیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کرتا تھا اور ابن ماجہ نے روایت کیا کہ اشعث بن قیس کندی جب آئے تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ ہم میں سے نہیں ہیں؟ اور یہ عرض والغیب عند اللہ ہیں وجہ تھی کہ سب عرب از قریش تا کندہ بنو اسماعیل ہیں تو آپ نے فرمایا ہمارے ماموؤں کو تہمت زنا مت لگا اور ہمارے نسب کی نفی ہمارے باپوں سے مت کر ہم اودانظر ہیں دیکھ اس لفظ میں فقط ایہام بعید کو کس قدر آپ نے نفی کر کے نفی فرمایا اور کلام کا ادب تلقین کیا "و علیٰ ہذا خبثت نفسی" کو منع فرمایا اور "لقدست نفسي" کی اجازت دی کہ وہ بہ ظاہر سخت لفظ ہے گو معنی ایک ہیں الحاصل ان الفاظ میں گستاخی اور اذیت ظاہرہ ہے پس ان الفاظ کا بکن کفر ہوگا "ان الدين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله في الدنيا والاخرة واعد لهم عذابا مهيبا"۔

(اس کے بعد شیخ گنگوہی نے قاضی عیاض کی عبارت پیش کی ہے جس کا ترجمہ ہم شروع میں لکھ چکے ہیں۔)

۱ ملا علی قاری ہروی حنفی متونی ۱۰۱۴ھ شرح شفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۲ ص ۳۸۸ - ۳۸۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت

۲ علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی متونی ۱۰۶۹ھ نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۸۸ - ۳۸۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت

پس ان کلمات کفر کے لکھنے والے کو منع کرنا شدید چاہیے اور مقدور ہوا اگر باز نہ آوے تو قتل کرنا چاہیے کہ موسیٰ و گستاخ
شان جناب کبریٰ تعالیٰ اور اس کے رسول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بندہ رشید احمد گنگوہی غفری عنہ

(فتاویٰ رشیدیہ کابل محبوب ص ۷۲۔ ۷۱ مطبوعہ محمد سعید ایڈمنسٹریشن کراچی)

شیخ گنگوہی نے اپنے اس طویل فتویٰ میں اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ جو کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں
موجب اہانت ہوا اس کا کہنے والا کافر ہے خواہ کہنے والا اس کفر پر معنی کا راہ نہ کرے اور نہ ہی اس کی نیت توہین کی ہو اور اس نقطہ
پر استدلال کرنے کے لیے شیخ گنگوہی نے بھی قاضی عیاض کی اسی عبارت سے استدلال کیا ہے جس کا ترجمہ ہم پیش کر چکے
ہیں۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا

جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا جس آیت کو ہم ذہنوں سے محو کر دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس کی مثل آیت لے آتے ہیں

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۱۰۶

(اے نبی! کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے؟) ۱۰۶

تنسخ کی تحقیق

یہود مسلمانوں سے حسد اور بغض رکھتے اور ان پر اعتراض کرنے اور دین اسلام میں طعن کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے
جانے نہیں دیتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا قبلہ بدلا اور مسلمان مسجد اقصیٰ کے بجائے مسجد حرام کی طرف منہ کر کے نماز
پڑھنے لگے تو یہود نے کہا کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو پہلے ایک حکم دیتے ہیں اور پھر اس سے منع
کر دیتے ہیں سو یہ قرآن ان ہی کا بنایا ہوا ہے اس لیے اس کے احکام متضاد ہیں تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ ہم جس
آیت کو منسوخ یا محو کرتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی دوسری آیت لے آتے ہیں۔

ہم نے اس جگہ کے مقدمہ میں نسخ کا معنی نسخ میں مذاہب نسخ کی اقسام آیات منسوخ کی تعداد اور نسخ کی حکمتوں کو تفصیل
سے بیان کیا ہے تاہم اس جگہ چند مزید نکات بیان کر رہے ہیں۔

نسخ کے دو معنی

لغت میں نسخ کے دو معنی ہیں ایک معنی لکھنا اور نقل کرنا اس اعتبار سے تمام قرآن منسوخ ہے یعنی روح محفوظ سے آسمان
دنیا کے بیت العزت کی طرف نقل کیا گیا ہے قرآن مجید میں نسخ کا لفظ لکھنے اور نقل کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے

إِنَّا كُنَّا نُنْشِئُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ (الباقیہ: ۲۹)

بے شک ہم لکھتے رہے جو کچھ تم کرتے تھے ۝

نسخ کا دوسرا معنی ہے کسی چیز کو باطل اور زائل کرنا اور اس کی دو قسمیں ہیں

(۱) کسی چیز کو زائل کر کے دوسری چیز کو اس کے قائم مقام کر دیا جائے جیسے عرب کہتے ہیں کہ بڑھاپے نے جوانی کو منسوخ
کر دیا یعنی جوانی کے بعد بڑھاپا آگیا اور پر بحث آیت میں ہے ہم جس آیت کو منسوخ کرتے ہیں تو اس سے بہتر یا
اس جیسی دوسری آیت لے آتے ہیں۔ اس کی تعریف یہ ہے دلیل شرعی سے کسی حکم شرعی کو زائل کرنا۔

(ب) کسی چیز کا قائم مقام کیے بغیر اس کو زائل کر دیا جائے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم اس کو محو کر دیتے ہیں یعنی ہم تمہارے

ذہنوں اور دلوں سے اس آیت کو نکال دیتے ہیں پس وہ آیت یاد آتی ہے نہ اس کو پڑھا جاتا ہے اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے

علامہ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام عبدالرزاق نے "مصنف" میں امام طحاوی اور امام سعید بن منصور نے امام عبداللہ بن احمد نے "زوائد مسند" میں امام نسائی اور امام ابن منذر نے اور ابن ابی شیبہ نے "مصابیح" میں امام دارقطنی نے امام حاکم نے "مستدرک" کے ساتھ امام ابن مرددہ نے اور امام الصبیہ نے "المختارۃ" میں زر بن حبیش سے روایت کیا ہے کہ مجھ سے حضرت ابی بن کعب نے کہا تم سورہ احزاب میں کتنی آیات پڑھتے ہو؟ میں نے کہا تہتر آیات حضرت ابی بن کعب نے کہا مجھے یاد ہے کہ سورہ احزاب سورہ بقرہ کے برابر یا اس سے بھی بڑی تھی اور ہم نے اس میں یہ آیت پڑھی تھی کہ جب بوڑھا مرد یا بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو رجم کر دو یہ اللہ کی طرف سے عبرت والی سزا ہے اور اللہ عزیز اور حکیم ہے پھر ان میں سے جو آیتیں محو کر دی گئیں وہ محو کر دی گئیں۔ امام بخاری نے اپنی "تاریخ" میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورہ احزاب پڑھی تھی مجھے اس کی ستر آیتیں بھلا دی گئی ہیں جن کو اب میں نہیں پاتا۔

امام ابو عبیدہ امام ابن ابی شیبہ اور امام ابن مرددہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورہ احزاب میں دو سو آیتیں پڑھی جاتی تھیں اور جب حضرت عثمان نے مصحف کو لکھا تو وہ صرف اتنی آیات لکھنے پر قادر ہوئے جواب میں۔ (در منثور ج ۵ ص ۱۸۰ ۱۷۹ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

سخ اور بداء کا فرق

یہود نے سخ کا انکار کیا ہے اور ان کے خلاف یہ دلیل ہے کہ تورات میں مذکور ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں خون کے سوا ہر چیز حلال تھی پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہت سے حیوان حرام کر دیے اور حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن کا بھائی سے نکاح جائز تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اللہ نے اس کو حرام کر دیا اور پہلے حضرت ابراہیم کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا اور پہلے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ پتھرے کی پرستش کرنے والوں کو قتل کریں اور ستر ہزار اسرائیلیوں کے قتل کے بعد اس حکم کو منسوخ کر دیا اور یہ بداء نہیں ہے بلکہ ایک عبارت سے دوسری عبارت کی طرف اور ایک حکم سے دوسرے حکم کی طرف منتقل کرنا ہے اور اس میں کوئی مصلحت ہوتی ہے اور کسی حکم کا اظہار ہوتا ہے بداء اس وقت ہوتا جب حکم دینے والے کو اس حکم کے انجام کا علم نہ ہوتا اور جس کو اپنے حکم کے نتیجہ کا علم ہو اور وہ مصلحت کے تبدیل ہونے سے اپنے احکام تبدیل کرتا ہو وہ بداء نہیں ہوتا جیسے ماہر ڈاکٹر کو مریض کے احوال کا علم ہوتا ہے اور وہ نسخہ بدل بدل کر دوائیں لکھتا ہے اللہ تعالیٰ کے احکام اور خطا ہات تبدیل ہوتے ہیں اور علم اور ارادہ میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔

یہود نے سخ اور بداء کو ایک چیز قرار دیا اسی وجہ سے انہوں نے بداء کو ناجائز کہا نحاس نے کہا سخ اور بداء میں فرق یہ ہے کہ سخ میں عبارت کے ایک حکم کو دوسرے حکم سے بدل دیا جاتا ہے مثلاً پہلے کوئی چیز حلال تھی پھر اس کو حرام کر دیا یا اس کے برعکس اور بداء اس کو کہتے ہیں کہ آدمی ایک کام کا ارادہ کرے پھر اس کو ترک کر دے مثلاً ایک شخص کہے فلاں آدمی کے پاس جاؤ پھر اس کو خیال آئے کہ اس کے پاس نہ جانا بہتر ہے تو وہ اپنے اس قول سے رجوع کر کے کہے وہاں مت جاؤ اور یہ انسانوں کو عارض ہوتا ہے کیونکہ ان کا علم ناقص ہے اور مال کار کو محیط نہیں ہے مثلاً کوئی شخص کہے اس سال فلاں چیز کی کاشت کرو پھر اس کو خیال آئے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے اور کہے یہ کاشت نہ کرو تو یہ بداء ہے اور اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب ہے اس کے حق

میں یہ متصور نہیں ہے۔

علماء شیعہ اللہ تعالیٰ کے حق میں بداء کے قائل ہیں، شیخ کلینی روایت کرتے ہیں:

ابو عبد اللہ علیہ السلام نے اس آیت "بمحو اللہ ما یشاء ویشت" کے متعلق فرمایا: اللہ اسی چیز کو مٹاتا ہے جو ثابت تھی اور اسی چیز کو ثابت کرتا ہے جو نہیں تھی۔ (الاصول من الکافی ج ۱ ص ۱۳۶، مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ تہران)

شیخ طباطبائی اس حدیث کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

بداء ان اوصاف میں سے ہے جن کے ساتھ ہمارے افعال اختیار یہ مصف ہوتے ہیں، کیونکہ ہم کسی مصلحت کے علم کی وجہ سے کسی فعل کو اختیار کرتے ہیں، پھر ہمیں کسی اور مصلحت کا علم ہوتا ہے جو پہلی مصلحت کے خلاف ہوتی ہے، پھر ہم پہلے ارادہ کے خلاف ارادہ کرتے ہیں کیونکہ جو چیز ہم سے پہلے مخفی تھی وہ اب ظاہر ہوئی ہے اور اسی کو بداء کہتے ہیں کیونکہ بداء کا معنی ظہور ہے (الی قولہ) یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام موجودات اور حوادث کا واقع کے مطابق علم ہے اور اس علم میں مطلقاً بداء نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا ایک علم وہ ہے جو اشیاء کے مبادی اس کے مقتضیات اور شرائط اور اس کے موانع کے عدم کے ساتھ متعلق ہے (مثلاً فلاں چیز نہ ہو تو فلاں چیز ہوگی جیسے بارش ہو اور سیلاب نہ آئے تو فصل اچھی ہوگی) اور اس علم میں یہ ممکن ہے کہ جس چیز کا ہونا اللہ کے نزدیک ظاہر تھا وہ کسی شرط کے عدم یا کسی مانع کے وجود کی وجہ سے نہ ہو اور پھر اللہ کو معلوم ہو کہ وہ چیز نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا "بمحو اللہ ما یشاء ویشت" اس سے یہی مراد ہے۔

(حاشیہ الاصول من الکافی ج ۱ ص ۱۳۶، مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ تہران)

شیخ طباطبائی نے علم کی جو دوسری قسم بیان کی ہے وہ مخلوق کا علم تو ہو سکتا ہے خالق اور عالم الغیب کی شان کے لائق یہ علم نہیں ہے، کیونکہ یہ علم نہیں ہے حقیقت، جہل ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی چیز کے ہونے کی شرط یا مانع کے عدم کا اللہ کو پہلے علم نہ ہو اور اس پر یہ چیز بعد میں ظاہر ہو اور بداء کہلائے! اور اس آیت سے مراد تقدیر مطلق ہے مثلاً کسی شخص کی عمر چالیس سال لکھ دی، پھر اس نے کوئی نیکی کی یا کسی نے دعا کی تو اس کی عمر بڑھا کر پچاس سال کر دی اور چالیس سال کو مٹا دیا اور اگر نیکی نہیں کی یا کسی نے دعا نہیں کی تو چالیس سال کو برقرار رکھا، لیکن یہ اس کا علم نہیں ہے اس کو لوح محفوظ میں اس لیے لکھا ہے کہ نیکی اور دعا کی فضیلت ظاہر ہو۔

خبر کے منسوخ ہونے یا نہ ہونے کا اختلاف

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اخبار میں نسخ واقع ہوتا ہے یا نہیں، جمہور کا موقف ہے کہ نسخ صرف ادا امر اور نواہی (احکام) کے ساتھ مخصوص ہے، خبر منسوخ نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کی خبر دی ہے اگر وہ منسوخ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر خبر کسی حکم شرعی کو متضمن ہو تو اس کا منسوخ ہونا جائز ہے اور اس کی مثال یہ آیت ہے:

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا (النحل ۶۷)

اور کھجور اور انگور کے بعض پھل ہیں جن سے تم سکر اور اچھا رزق بناتے ہو۔

"سکر" کا ایک معنی ہے سرکہ اور میٹھا مشروب اور سکر کا دوسرا معنی ہے نشہ آور مشروب اگر اس کا معنی سرکہ یا میٹھا مشروب ہو تو پھر اس کا نسخ سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن ابن جبیر، نحس، شعمی اور ابو ثور کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد نشہ آور مشروب اور خمر ہے اور یہ آیت مکی ہے اور خمر (انگور کی شراب) کے حرام ہونے سے پہلے نازل ہوئی ہے، یہ آیت اس حکم شرعی کو

متضمن ہے کہ خبر طلال ہے اور سورہ مائدہ میں جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی خبر کو حرام کر دیا گیا۔ بہر حال اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر خبر کسی حکم شرعی کو متضمن ہو تو اس پر نسخ وارد ہو سکتا ہے۔

نسخ اور تخصیص کا فرق

جب عام میں تخصیص کی جاتی ہے تو اس تخصیص پر بھی نسخ کا گمان کیا جاتا ہے حالانکہ تخصیص نسخ نہیں ہے کیونکہ نسخ کی تعریف ہے دلیل شرعی سے کسی حکم شرعی کا انکشاف دینا اور تخصیص کی تعریف ہے عام کو اس کے بعض افراد میں منحصر کر دینا ہر چند کہ دونوں کی تعریضیں الگ الگ ہیں لیکن ان دونوں میں قوی مشابہت ہے کیونکہ نسخ میں حکم کو بعض زمانہ کے ساتھ خاص کر دیا جاتا ہے اور تخصیص میں بعض افراد سے حکم کو ساقط کر دیا جاتا ہے اس کے باوجود ان دونوں میں حسب ذیل وجوہ سے فرق ہے (۱) تخصیص کے بعد عام مجاز ہے کیونکہ عام کے لفظ کو کل افراد کے لیے وضع کیا گیا ہے اور اس کا قرینہ تخصیص ہے اور یہ مجاز کی علامت ہے اور جو نص منسوخ ہوگی وہ اسی طرح حقیقت ہے اور وہ اپنے دلوں کے لحاظ سے تمام زمانوں کو شامل ہے البتہ نسخ نے اس پر دلالت کی کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں وقت تک اس حکم پر عمل کرانے کا ارادہ کیا ہے۔

(۲) تخصیص سے جو افراد خارج ہو گئے وہ لفظ عام سے مراد نہیں ہوتے اور جو حکم منسوخ ہو گیا وہ اس لفظ سے مراد ہوتا ہے۔ (۳) جو نص منسوخ ہو جائے اس سے استدلال کرنا باطل ہے اور تخصیص کے بعد بھی عام اپنے باقی ماندہ افراد میں حجت ہوتا ہے۔ (۴) نسخ صرف کتاب اور سنت سے ہوتا ہے اور تخصیص حس اور عقل سے بھی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت ہود نے قوم عاد سے فرمایا

بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ دَرِيْرٌ ذِي عَذَابٍ اَلِيْمٌ ۝
تَدْعُوْنَ كُلَّ شَيْءٍ مُّذِيبًا مُّذِيبًا ۝ (احزاب ۲۵-۲۴)
بلکہ یہ وہ (عذاب) ہے جس کو تم نے جلدی طلب کیا ہے ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے ۝ یہ آندھی ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے برباد کر دے گی۔

ہر چیز کے عموم میں زمین اور آسمان بھی شامل ہیں اور جس ان کی تخصیص ہے کیونکہ اس آندھی سے زمین اور آسمان برباد نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہدہ نے بلقیس کے متعلق بیان کیا
وَاَوْثِقَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَذَلَّلَهَا عَرْشُ عَزِيْزٍ ۝
اور اس کو ہر چیز دی گئی ہے اور اس کا بہت بڑا تخت (انمل: ۲۳) ہے ۝

ظاہر ہے کہ بلقیس کے پاس ہر چیز نہیں تھی اور جس اس کی تخصیص ہے کہ اس کے پاس حضرت سلیمان اور اس کے درباری نہیں تھے اور موجودہ دور کی ایجادات بلقیس کے پاس نہیں تھیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (البقرہ ۲۰)
بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۝
اس کے عموم کی عقل تخصیص ہے کیونکہ واجب اور محال اللہ کی قدرت میں نہیں ہیں اپنا شریک بنانا اور اپنے آپ کو معدوم کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں نہیں ہیں۔

(۵) جمہور کے نزدیک خبر میں نسخ نہیں ہوتا اور تخصیص خبر میں بھی ہوتی ہے۔

نسخ اور تقیید کا فرق

بعض عبارات میں کسی خبر کو مطلق بیان کیا جاتا ہے اور بعض دوسری عبارات میں اس خبر کی تقیید بیان کر دی جاتی ہے اس تقیید کو بھی بعض علماء نسخ گمان کر لیتے ہیں حالانکہ یہ اطلاق اور تقیید کے باب سے ہے نسخ نہیں ہے اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن

مجید میں ہے:

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا حَسَنَ (البقرہ: ۱۸۶)

جب کوئی شخص دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا

ہوں۔

یہ ظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم مطلق ہے اور اللہ تعالیٰ ہر دعا کرنے والے کی دعا کو ہر حال میں قبول فرماتا ہے لیکن ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے دعا کے قبول کرنے کو اپنی مشیت کے ساتھ مقید کر دیا ہے

بَلْ إِيَّاكَ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِن شَاءَ (النعام: ۴۱)

بلکہ تم اسی سے دعا کرو تو وہ اگر چاہے تو اس مصیبت کو دور کر دے گا جس کے لیے تم اس سے دعا کرتے ہو۔

عرف اور تعامل کا بدلنا نسخ نہیں ہے

ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ احکام شرعیہ میں نسخ صرف کتاب اور سنت سے ہوتا ہے اور فقہاء کا جو یہ قاعدہ ہے کہ زمانہ کے اختلاف سے احکام مختلف ہو جاتے ہیں اور تعامل اور عرف کے بدل جانے سے احکام بدل جاتے ہیں اس کو نسخ نہیں کہتے یہ مجتہدین کا اختلاف ہے مثلاً متقدمین تعلیم قرآن امامت اذان خطبہ اور تدریس کی اجرت کو ناجائز کہتے تھے لیکن متاخرین نے اس کو جائز کہا اسی طرح مفتو والخیر کے متعلق متقدمین پہلے امام اعظم کے قول پر یہ کہتے تھے کہ اس کی بیوی نوے سال تک انتظار کرے پھر اس کو مردہ قرار دے کر اس کی بیوی کو نکاح ثانی کی اجازت دی جائے گی لیکن متاخرین فقہاء احناف امام مالک کے قول پر اس کو صرف چار سال تک انتظار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اسی طرح پہلے صاع وغیرہ کے اعتبار سے خرید و فروخت ہوتی تھی اب کلوگرام کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

قرآن مجید کی آیات منسوخہ کی تعداد میں اختلاف کا منشاء

بعض متقدمین علماء نے نسخ کا بہت عام معنی مراد لیا اور مطلقاً ازالہ کو نسخ قرار دیا ان کے نزدیک کسی تلاوت کا ازالہ بھی نسخ ہے اور کسی حکم شرعی کا بدل جانا بھی نسخ ہے عام کی تخصیص بھی نسخ ہے استثناء بھی نسخ ہے مطلق کی تفسیر بھی نسخ ہے کسی آیت میں بیان کیے گئے وصف کا ازالہ بھی نسخ ہے اس لیے ان کے نزدیک آیات منسوخہ کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی اور محققین علماء نے یہ کہا کہ نسخ صرف دلیل شرعی سے حکم شرعی کے زائل کرنے کو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہلے کسی حکم کو بیان کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کے علم میں وہ حکم کسی مصلحت کی وجہ سے کسی خاص وقت کے لیے ہوتا ہے لیکن چونکہ اس حکم کے ساتھ اس مدت کو بیان نہیں کیا جاتا اس لیے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ حکم دائمی ہے اور جب اللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم کو زائل کر دیتے ہیں تو اس پہلے حکم کو منسوخ سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس نسخ کے ذریعہ اللہ یا اس کا رسول اس پہلے حکم کی مدت بیان فرماتے ہیں کہ جس حکم کو تم دائمی سمجھ رہے تھے وہ دراصل اس مدت تک کے لیے تھا خلاصہ یہ ہے کہ نسخ سابق حکم شرعی کی مدت کا بیان ہے اور ہمارے نزدیک قرآن مجید کی صرف بارہ آیات منسوخ ہیں ان کو ہم نے اس کتاب کے مقدمہ میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

أَلَمْ تَعْلَم أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ

(اے مخاطب!) کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہی کے لیے ہے؟ (اے مسلمانو!) اللہ کے سوا

مَنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝۱۰۷ أَمْ تَرِيدُونَ أَنْ

تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے ۝ کیا تم (بھی) اپنے رسول سے

تَسْأَلُوا أَسْوَكَمُ كَمَا سِئِلَ مُوسَى مِنْ قَبْلُ ۖ وَمَنْ يَتَّبِدْ

ایسے (یعنی) سوال کرنا چاہتے ہو جیسے اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے تھے اور جس نے ایمان

الْكُفْرِ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝۱۰۸ وَكَثِيرٌ

کو کفر سے ہٹا وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہو گیا ۝ بہت سے

مَنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُّدُّكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖ

اہل کتاب نے ان پر حق واضح ہو جانے کے باوجود اپنے حسد کی وجہ سے یہ چاہا

حَسَدًا ۖ مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ ۖ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ

کہ کاش وہ ایمان کے بعد تم کو پھر کفر کی طرف لوٹا دیتا

فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ

سو تم (ان کو) معاف کرو اور درگزر کر دیتی کہ اللہ اپنا (کوئی اور) حکم صادر فرمائے بے شک اللہ ہر چیز پر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۱۰۹ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۖ وَمَا

قادر ہے ۝ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو

تَقَدَّ مَوْلَا أَنْفُسِكُمْ ۖ فَن خَيْرٌ لِّجَدْوَةٍ ۖ لَا عِنْدَ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ

نیک کام تم اپنے لیے پہلے بھیجو گئے ان کو اللہ کے پاس یاد گئے بے شک اللہ تمہارے

بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝۱۱۰ وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن

کاموں کو دیکھنے والا ہے ۝ اور اہل کتاب نے کہا: جنت میں صرف

كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۖ تِلْكَ أَمَاتِيهِمْ ۖ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ

یہودی یا عیسائی جائیں گئے یہ ان کی (باطل) تمنائیں ہیں آپ کہیے اگر تم سچے ہو

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۱۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰسَلَمُوْا وَجْهَہٗٓ لِلّٰہِ وَہُوْ

تو دلیل پیش کرو O کیوں نہیں اس نے اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور وہ

مُحْسِنٌ فَلَہٗٓ اَجْرٌہٗٓ عِنْدَ رَبِّہٖٓ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْہُمْ وَلَا

نیکی کرنے والا بھی ہے تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور (آخرت میں) ان کو نہ خوف ہو گا اور

ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

نہ وہ غمگین ہوں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مخاطب!) کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمینوں کا ملک اللہ ہی کے لیے ہے؟ (البقرہ: ۱۰۷) **ربط آیات**

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں ہے بلکہ اس میں عام مخاطب یا عام مسلمانوں سے خطاب ہے کیونکہ اس آیت کے دوسرے جز میں فرمایا ہے۔ اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نسخ پر دلیل قائم کی ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک اور حاکم ہے اور جو مالک اور حاکم ہو وہ اپنے مملوک اور مملوک لوگوں کی مصلحتوں اور ان کے احوال کی رعایتوں سے واقف ہوتا ہے اس لیے وہ ان کی رعایتوں اور مصلحتوں کے اعتبار سے احکام بدلتا رہتا ہے کبھی ایک مصلحت کے اعتبار سے ایک حکم نافذ کرتا ہے اور مصلحت کے پورا ہونے کے بعد اس حکم کو منسوخ کر کے دوسرے حال کے اعتبار سے دوسرا حکم نازل کرتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا مالک ہے اور مالک اپنی مملوک میں جو حکم چاہے نازل کرے اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔ دلی کا معنی ہے قریب اور دوست اور نصیر کا معنی ہے مددگار کبھی دوست مددگار ہوتا ہے اور کبھی دوست ہوتا ہے اور مددگار نہیں ہوتا اور کبھی اجنبی مدد کرتا ہے اور وہ دوست نہیں ہوتا ان میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کیا تم (بھی) اپنے رسول سے ایسے (یعنی) سوال کرنا چاہتے ہو جیسے اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کئے گئے تھے؟ (البقرہ: ۱۰۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کی ممانعت کا محمل

اس آیت میں کن ساکلیں کی طرف خطاب متوجہ ہے؟ اس میں تین قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ سوال کرنے والے یہود تھے اور یہی سیاق اور سباق کے مناسب ہے دوسرا قول ہے یہ آیت مشرکین مکہ کے سوالوں کے رد میں ہے اور تیسرا قول ہے کہ مسلمانوں کے سوال کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ رافع بن حریمہ اور دھب بن زید (یہودیوں) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ہمارے پاس ایسی کتاب لے کر آئیں جو آسمان سے نازل ہو اور ہم اس کو پڑھیں اور ہمارے لیے دریا جاری کر دیں پھر ہم آپ کی اتباع اور تصدیق کریں گے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

مجاہد نے بیان کیا کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ وہ ان کے لیے پہاڑ صفا کو سونے کا بنادیں۔

ابوالعالیہ نے بیان کیا کہ ایک مسلمان شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکاش ہمارے کفارات سوا اسرائیل کے کفارات کی طرح ہوتے انہی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم کو جو کفار عطا فرمائے ہیں وہ بنی اسرائیل کے کفاروں سے بہت بہتر ہیں جب اس میں کوئی شخص گناہ کرتا تھا تو اس کے دروازہ پر وہ گناہ اور اس کا کفارہ لکھا ہوا ہوتا تھا اگر وہ کفارہ دے دیتا تو اسے دنیا میں ذلت اٹھانی پڑتی اور اگر کفارہ نہ دیتا تو اس کے لیے آخرت میں رسوائی ہوتی اور نہ ہارے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس شخص نے کوئی برائی کی یا اپنی جان پر ظلم کیا پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا پائے گا اور فرمایا دن کی پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کا وقفہ ان کے درمیان میں ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہیں اور جس شخص نے کسی نیکی کا قصد کیا اور اس نیکی کو نہیں کیا تو اس کی ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر وہ نیکی کرے تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اللہ کے غضب میں وہی ہلاک ہوتا ہے جو اپنے آپ کو کسی بڑے گناہ میں مبتلا کر لیتا ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۸۶-۳۸۵ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کیا تم (بھی) اپنے رسول سے ایسے (ایٹنی) سوال کرنا چاہتے ہو جیسے اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے تھے۔ اس آیت کے بعد فرمایا ہے: جس نے ایمان کو کفر سے بدل دیا جیسا ایمان کے مقابلہ میں کفر کو اختیار کیا وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے کوئی ایسا سوال کیا تھا جو کفر تھا یہودیوں نے ایک مکمل کتاب لانے کا مطالبہ کیا تھا اور مشرکین نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ صفا کو سونے کا بنادیں اور نبوت پر کسی دلیل کا مطالبہ کرنا کفر نہیں ہے لیکن ان کا یہ سوال چونکہ بہ طور عناد اور سرکشی تھا اس وجہ سے اس کو کفر فرمایا جیسے بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا تھا کہ جب تک ہم خدا کو دیکھ نہ لیں ایمان نہیں لائیں گے امام ابن جریر نے مسلمانوں کا جو سوال نقل کیا ہے کہ ہمارے لیے بنو اسرائیل کے کفاروں کی مثل کفارے ہوں یہ کفر نہیں ہے امام رازی نے نقل کیا ہے کہ بعض مسلمانوں نے کہا تھا کہ ہمارے لیے بھی ایک خدا بنادیا جائے جس پر ہم چڑھا دے چڑھائیں تب یہ آیت نازل ہوئی اور یہ سوال کرنا یقیناً کفر ہے تاہم زیادہ قوی قول یہ ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے یا بلا ضرورت اور ایٹنی سوالات کرنا ممنوع ہے لیکن کوئی مسئلہ معلوم کرنے کے لیے یا کسی چیز کی وضاحت کے لیے سوال کرنا جائز ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا علمی کا علاج سوال کرنا ہے صحابہ کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل دیدیہ معلوم کرتے تھے اور آپ ان کو جوابات دیتے تھے قرآن مجید میں ہے:

فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۰۹﴾

اگر تم کو علم نہ ہو تو علم والوں سے سوال کرو ○

(نمل ۱۰۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بہت سے اہل کتاب نے ان پر حق واضح ہو جانے کے باوجود اپنے حسد کی وجہ سے یہ چاہا کہ کاش وہ ایمان کے بعد تم کو پھر کفر کی طرف لوٹادیں۔ (البقرہ: ۱۰۹)

امام رازی اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں:

جب مسلمان جنگ احد میں شکست کھا گئے تو فنیحاص بن عاز اور زید بن قیس اور کچھ اور یہودی حضرت حذیفہ بن یمان اور عمار بن یاسر کے پاس گئے اور کہا: تم نے دیکھا تم پر کیسی مصیبت آئی ہے اگر تم حق پر ہوتے تو تم پر یہ مصیبت نہ آتی اب تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ وہ تمہارے لیے بہتر اور افضل ہے اور ہمارا دین سیدھا راستہ ہے حضرت عمار نے پوچھا تمہارے ہاں عہد شکنی کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا: وہ بہت بڑا گناہ ہے! انہوں نے کہا: میں نے عہد کیا ہے کہ میں تمہاری حیات

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کفر نہیں کروں گا یہود نے کہا وہ اپنا آپائی دین ترک کر چکے ہیں؟ حضرت حدیفہؓ نے کہا میں اس پر راضی ہوں کہ میرا رب اللہ ہے اسلام میرا دین ہے قرآن میرا امام ہے بعد ازاں ہے اور سب مسلمان بھائی ہیں پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ آپ کو سنایا آپ نے فرمایا تم نے درست کہا اور تم کامیاب ہو گئے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۸ھ)

حسد کی تحقیق

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہود حسد کی وجہ سے مسلمانوں کو ان کے دین سے لانا چاہتے تھے اس لیے ہم یہاں حسد کی تحقیق کریں گے حسد کا معنی حسد کے متعلق احادیث حسد کے مراتب حسد کے اسباب و حسد کو زائل کرنے کے طریقے بیان کریں گے۔ فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة بلیق علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

جس مستحق شخص کے پاس نعمت ہو اس سے نعمت کے زوال کی تمنا کو حسد کہتے ہیں روایت ہے کہ مومن رشک کرتا ہے اور منافق حسد کرتا ہے قرآن مجید میں ہے ”من شر حاسدا اذا حسد۔ جب حاسد حسد کریں تو میں ان کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔“ (المفردات ص ۱۱۸ مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۴۲ھ)

صاحب نعمت کے پاس نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ اس کے پاس یہ نعمت رہے اور ہمیں بھی اس کی مثل مل جائے یہ رشک ہے حسد کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابو داؤد در روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں اور گھاس کو کھا جاتی ہے۔

(نس ابوداؤد ج ۲ ص ۲۶ مطبوعہ مطبع مکتبہ پائستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (نس ابن ماجہ ص ۳۱۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارتات کتب راپڑی) امام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندے کے دل میں احسان اور حسد جمع نہیں ہوتے۔ (نس نسائی ج ۲ ص ۲۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارتات کتب راپڑی)

ان دونوں حدیثوں کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ (عقب ایمان ج ۵ ص ۲۷۷ مطبوعہ دار المکتب العلمیہ بیروت) امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت حارث بن نعمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں میری امت کو لازم ہیں بد فالی حسد اور بد گمانی ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ جس شخص میں یہ خصوصیات ہوں وہ ان کا کس طرح تدارک کرے آپ نے فرمایا جب تم حسد کرو تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور جب بد گمانی کرو تو اس پر جسے نہ رہو اور جب تم کسی کام کی بد فالی کا اوتو وہ کام کر گزرو۔ (معجم کبیر ج ۳ ص ۲۲۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

بشر بن حارث بیان کرتے ہیں کہ رشتہ داروں میں عداوت ہوتی ہے پڑوسیوں میں حسد ہوتا ہے اور بھائیوں میں منفعت

ہوتی ہے۔ (شعب الایمان ج ۵ ص ۲۷۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۱ھ)

احنف بن قیس نے کہا پانچ چیزیں ایسی ہیں جس طرح اس کو میں بیان کرتا ہوں حاد کے لئے کوئی رایت نہیں ہے جھوٹے کی کوئی مردت نہیں ہے حاکم کی دعا نہیں، بخیل کا کوئی حیل نہیں اور بدخلق کی کوئی سبست نہیں ہے۔

(شعب الایمان ج ۵ ص ۲۷۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۱ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت صمرہ بن شاذان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک دُک حسد نہیں کریں گے وہ خیریت سے رہیں گے (معجم کبیر ج ۸ ص ۳۰۹ مطبوعہ دارالحدیث، سرائے احمدی بیروت)

حافظ منذری نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۴۷ مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ)

حافظ منذری بیان کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں حسد کرنے والا چغلی کرنے والا اور کہانت کرنے والا میرے طریقہ پر نہیں ہے اور نہ میں ان کے طریقہ پر ہوں اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔
حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلی امتوں کی بعض بیماریاں تم میں سرایت کر گئی ہیں حسد اور بغض بغض موٹہ ہے والا ہے میں یہ نہیں کہتا کہ وہ باؤں کو موٹتا ہے لیکن وہ دین کو موٹتا ہے اس حدیث کو امام بزار نے جید سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے فرمایا ابھی تمہارے پاس اہل جنت میں سے ایک شخص آئے گا پھر ایک شخص آیا جس کی ڈاڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا اور اس کے بائیں ہاتھ میں اس کی جوتیاں تھیں دوسرے دن پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا اور پھر وہی شخص آیا تیسرے دن پھر آپ نے یہی فرمایا اور پھر وہی شخص آیا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تین دن اس شخص کے ساتھ رہے تاکہ اس کا وہ عمل معلوم کریں جس کی وجہ سے آپ نے اس کو تین بار جنت کی بشارت دی تھی حضرت عبداللہ بن عمر نے دیکھا وہ شخص رات کے قیام کے لئے نہیں اٹھتا تھا البتہ اللہ کا نام لے کر سوتا اور صبح اللہ کا نام لے کر اٹھتا تھا حضرت عبداللہ نے کہا میں نے اس کی زبان سے خیر کے سوا کسی کا ذکر نہیں سنا جب تین دن گزر گئے تو میں نے اس سے پوچھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مرتبہ تمہارے متعلق جنت کی بشارت سنی ہے اور میں نے تم کو کوئی غیر معمولی نیکی کرتے ہوئے نہیں دیکھا آخر وہ کیا عمل ہے جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت دی ہے اس نے کہا بس وہی عمل ہے جو آپ نے دیکھا جب حضرت عبداللہ جانے لگے تو اس نے آپ کو آواز دی اور کہا وہ عمل میرے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کیسہ نہیں ہے اور جس کسی مسلمان کو اللہ نے کوئی نعمت دی ہو میں اس پر حسد نہیں کرتا۔ حضرت عبداللہ نے کہا ای نیکی کی وجہ سے تم اس مرتبہ کو پہنچے ہو اس حدیث کو امام احمد نے امام بخاری کی شرط کے مطابق روایت کیا ہے اور اس کو امام مسلم امام نسائی امام ابویعلیٰ اور امام بزار نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے افضل کون شخص ہے؟ آپ نے فرمایا جو مخموم القلب اور راست گو ہو صحابہ نے کہا راست گو کو تو ہم جانتے ہیں مخموم القلب کا کیا معنی؟ کہانت کا معنی ہے خبریں سن کر اور اس میں اپنی طرف سے کچھ مل کر آدموں کو غیب کی خبریں دینا۔

ہے؟ آپ نے فرمایا جو شخص تنہی ہو صاف دل ہو اس نے کوئی گناہ اور سرکشی نہ کی ہو وہ کسی سے کینہ رکھتا ہو نہ مد رکھتا ہو اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے سند صحیح کے ساتھ اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے ابدال زیادہ نمازوں روزوں اور صدقات کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوں گے لیکن وہ اللہ کی رحمت، انفس کی سخاوت اور (حسد اور بغض سے) بے صاف رکھنے کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے اس حدیث کو امام ابن ابی الدنیا نے "کتاب الاولیاء" میں مسند روایت کیا ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۵۵۱ ۵۳۷ مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ ۱۴۰۷ھ)

حسد کے مراتب

حسد کے چار درجات ہیں:

(۱) کسی شخص میں کوئی نعمت دیکھ کر انسان یہ چاہے کہ خواہ اس کو وہ نعمت نہ ملے لیکن اس شخص سے زائل ہو جائے یہ انتہائی حسد ہے۔

(۲) دوسرے شخص سے وہ نعمت زائل ہو جائے اور اس کو مل جائے۔

(۳) وہ بیچنے اس نعمت کی خواہش نہ کرے بلکہ یہ چاہے کہ اس کو بھی اس جیسی نعمت مل جائے اور اگر اس کو ایسی نعمت نہ ملے تو دوسرے شخص سے وہ نعمت زائل ہو جائے تاکہ دونوں میں فرق نہ رہے۔

(۴) اس کو اس جیسی نعمت مل جائے لیکن اگر اس کو نہ ملے تو دوسرے شخص سے زائل نہ ہو دنیوی نعمتوں میں اس قسم کی خواہش مباح اور اخروی نعمتوں میں یہ خواہش مستحسن ہے۔

کسی شخص میں دنیوی نعمت دیکھ کر اس کی تمنا کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے:

وَلَا تَتَّبِعُوا مِمَّا فُتِلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۚ

اور اس کی تمنا نہ کرو جس کے ساتھ اللہ نے تم میں سے

(النساء: ۳۳) بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

اور کسی شخص میں اخروی نعمت (کثرت عبادت اور تقویٰ) دیکھ کر اس کو طلب کرنے کی اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے

وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴿۲۶﴾ (المطففين: ۲۶) اور رغبت کرنے والوں کو اسی (نیک لوگوں) میں رغبت

کرنی چاہیے ۵

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صرف دو شخصوں پر حسد کرنا جائز ہے ایک اس شخص پر جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن عطا فرمایا اور وہ دن رات قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہو سو وہ آدمی یہ تمنا کرے کہ کاش مجھے بھی قرآن دیا جاتا تو میں بھی اس کی طرح دن رات قرآن مجید کی تلاوت کرتا دوسرے اس شخص پر جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہو اور وہ شخص حق کے راستے میں اس مال کو خرچ کرتا ہو سو آدمی یہ تمنا کرے کہ کاش مجھے بھی مال دیا جاتا تو میں بھی اس کی طرح مال خرچ کرتا ۱ اس حدیث میں حسد سے مراد حسد کا یہی چوتھا مرتبہ ہے۔

حسد کے اسباب

(۱) عداوت اور بغض حسد کا سبب ہے جب انسان کسی سے عداوت رکھتا ہے تو وہ اس کو ذلیل کرنا چاہتا ہے اگر وہ اس کو ذلیل

۱ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ

نہ کر سکے تو یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس جو نعمتیں ہیں وہ اس سے زائل ہو جائیں۔

(۲) تکبر بھی حسد کا سبب ہے ایک انسان اپنے معاصروں پر فوقیت حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس کو فوقیت ملنے کے بجائے اس کے کسی معاصر کو عزت اور بڑائی مل جاتی ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس کو وہ عزت نہیں ملی تو اس کے معاصر سے بھی وہ عزت زائل ہو جائے تاکہ اگر اس کو فوقیت نہیں ملی تو اس کے معاصروں کو بھی نہ ملے۔

(۳) لوگ کسی شخص کو کم درجہ کا خیال کرتے ہوں اور اچانک اس کو کوئی منصب مل جائے تو وہ اس سے حسد کرنے لگے اور چاہتے ہیں کہ اس سے یہ منصب زائل ہو جائے مگر کے سرداروں کے ایمان نہ لانے کا یہی سبب تھا وہ کہتے تھے کہ ایک یتیم شخص ہم سے کیسے بڑھ گیا ہم اس کے آگے اپنا سر کیسے جھکائیں اللہ تعالیٰ ان کے قول کو نقل کر کے فرماتا ہے

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَوْمِ الْيَتِيمِينَ

انہوں نے کہا یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ اور مدینہ) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا O (الزمر ۳۱)

(۴) جب کئی شخص کسی ایک مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہوں اور ان میں سے کوئی ایک کامیاب ہو جائے تو باقی لوگ اس سے حسد کرنے لگتے ہیں۔

(۵) اپنا تفرد اور تسلط چاہنا بھی حسد کا سبب ہے مثلاً کوئی شخص کسی فن میں کہاں حاصل کر کے یگانہ روزگار ہو پھر اس کو معلوم ہو کہ کوئی اور شخص بھی اس کی طرح صاحب کمال ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس کا کمال زائل ہو جائے تاکہ اس کا تسلط و تفرد برقرار رہے۔

حسد کو زائل کرنے کا علاج

حسد کو زائل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان تقدیر پر اپنے ایمان کو مستحکم کرے اور جو نعمتیں اس کو مل گئی ہیں ان پر راضی رہے اور ان کا شکر ادا کرے اور جو نعمتیں اس کو نہیں ملیں ان پر صبر کرے اور دوسرے شخص میں ان نعمتوں کو دیکھ کر بول نہ ہو۔ اور ان نقصانوں پر غور کرے جو اس کو حسد کی صورت میں پیش آئیں گے

(۱) حسد کی وجہ سے انسان اللہ کے حکم اور اس کی تقسیم کو ناپسند کرتا ہے۔

(ب) انسان جب کسی مسلمان کے پاس زیادہ نعمتیں دیکھ کر حسد کرتا ہے تو وہ اولیاء اللہ کے زمرہ سے خارج ہو کر ابلیس کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے کیونکہ سب سے پہلے حسد کرنے والا ابلیس تھا جس نے حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کیا تھا۔

(ج) حسد کرنے والا شخص ہمیشہ جلتا اور کڑھتا رہتا ہے اور جیسے جیسے دوسرے شخص پر زیادہ نعمتیں ہوتی ہیں اس کی جلن بڑھتی جاتی ہے۔

(د) حسد کرنے والا شخص لوگوں کے نزدیک مذموم اور اللہ کے نزدیک ملعون ہوتا ہے۔

(ه) حاسد ہمیشہ یہ تمننا کرتا ہے کہ جس سے وہ حسد کرتا ہے اس سے نعمت زائل ہو جائے اگر وہ عالم ہے تو غلط مسئلہ بتائے اور پکڑا جائے یا کسی مصیبت کا شکار ہو لوگوں میں رسوا ہو سخت بیمار ہو یا مر جائے اور جو شخص کسی کا برا چاہتا ہے وہ خود اس برائی میں پڑ جاتا ہے۔

حسد کرنے والے کو چاہیے کہ وہ ایسے کام کرے جو حسد کے تقاضوں کے خلاف ہوں اگر حسد کی وجہ سے وہ اس کی برائی کرنا چاہتا ہو تو اس کی تعریف کرے اگر حسد کی وجہ سے وہ اس کے سامنے اپنی بڑائی کا اظہار کرنا چاہتا تھا تو اس کے سامنے

تواضع کرے اگر وہ اس سے کسی بھائی اور فیض کو قطع کرنا چاہتا تھا تو اس کو خیر اور نفع پہنچائے وہ اس سے جن نعمتوں کے زوال کی تمنا کرتا تھا اس کے لئے ان نعمتوں میں زیادتی کی دعا کرے۔

جب حسد کرنے والا حسد کے نقصانات پر غور کرے گا اور اس کی تلافی کیلئے محسوس کا بھلا چاہے گا تو اس سے حسد رائل ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سوّم (ان کو) معاف کرو اور درگزر کر حتیٰ کہ اللہ اپنا (کوئی اور) حکم صادر فرمائے۔ (۹۱: ۱۰۱)

کافروں اور مشرکوں کی زیادتی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا درگزر کرنا

کافروں اور مشرکوں سے جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ایذا رسانوں کو برداشت کیا کرتے تھے اور درگزر فرماتے تھے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدک کی بنی ہوئی ایک سوئی چادر اوڑھ کر دراز گوش پر سوار ہو کر بنو خزرج کے امیر حضرت سعد بن عبادہ کی عیادت کے لئے جا رہے تھے اور حضرت اسامہ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے یہ جنگ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے آپ ایک مجلس کے پاس سے گزرے جس میں عبد اللہ بن ابی ابن سلول بیٹھا ہوا تھا یہ اس وقت تک اسلام نہیں آیا تھا اس مجلس میں مسلمانوں 'مشرکوں' بت پرستوں اور یہودیوں کے بہت سے لوگ تھے اور مسلمانوں میں حضرت عبد اللہ بن رواحہ بھی تھے جب اس مجلس کو آپ کی سواری کے گرد و غبار نے ڈھاپ لیا تو عبد اللہ بن ابی نے اپنی ناک پر چادر رکھ لی پھر کہہ ہم پر گرد نہ ڈاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے مڑ کر کے توقف کیا اور ان سے اللہ کی (عبادت کی) دعوت دی اور ان پر قرآن پڑھا عبد اللہ بن ابی ابن سلول نے کہا اے شخص اس کلام سے اچھی کوئی چیز نہیں ہے اگر یہ حق ہے تو تم ہمیں ہماری مجلس میں ایذا نہ دو اور اپنی سواری پر واپس چلے جاؤ اور جو تمہارے پاس آئے اس کو سناؤ حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے کہا کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ ہماری مجلس میں ٹھہریں ہم اس کو پسند کرتے ہیں پھر مسلمان 'مشرک' اور یہود ایک دوسرے کو برا کہنے لگے حتیٰ کہ وہ لڑنے کے قریب ہو گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ٹھنڈا کرتے رہے حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گئے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے اور حضرت سعد بن عبادہ کے پاس پہنچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سعد! کیا تم نے نہیں سنا کہ ابو بابر (عبد اللہ بن ابی) نے کیا کہا ہے؟ اس نے یہ یہ کہا ہے حضرت سعد بن عبادہ نے کہا یا رسول اللہ! اس کو معاف کر دیجئے اور اس سے درگزر کیجئے اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی ہے اے شک اللہ نے آپ پر جو کتاب نازل کی ہے وہ حق ہے اس شہر کے لوگوں نے اس پر اتفاق کر لیا تھا کہ وہ عبد اللہ بن ابی کو سرداری کا تاج پہنائیں گے اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق دے کر بھیجا اور اس کو یہ موقع نہیں دیا تو وہ غضبناک ہو گیا اسی وجہ سے اس نے وہ سب کیا جو اس نے کیا اور آپ نے دیکھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف کر دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اللہ کے حکم کے یہ موجب اہل کتاب اور یہودیوں کو معاف کر دیتے تھے اور ان کی ایذا پر صبر کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام مسلم اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۶-۶۵۵ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ

۲۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۰-۱۰۹ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ

۳۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۵ ص ۲۰۳ مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَتَبْلُوتُنَّ فِيْ أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَنْشَرَكُمُ آذَى كَثِيْرًا ۖ وَإِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَدَمِ الْأُمُورِ ۝ (آل عمران ۱۸۶)

بے شک تمہارے مال اور جان میں ضرر و تباہی آ رہا ہے اور اہل کتاب اور مشرکین سے تم ضرر و ہمتی دل زور باتیں سناؤ گے اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے حتیٰ کہ اللہ اپنا (کوئی اور) حکم صادر فرمائے عفو اور درگزر کا منسوخ ہونا

اللہ تعالیٰ نے یہود کے حسد اور ان کی ریشہ دوانیوں پر اور اسی طرح مشرکین کی ایذا رسیدوں پر ہی صلی اللہ علیہ وسلم کو معاف کرنے اور درگزر کرنے کا حکم دیا اور یہ حکم دائمی نہیں تھا بلکہ ایک وقت مقرر تک کیلئے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا حتیٰ کہ اللہ اپنا (کوئی اور) حکم صادر فرمائے۔ مشرکین اور یہودیوں سے درگزر کرنے کا حکم اس وقت تک کیلئے تھا جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے قتال کا حکم نہیں دیا تھا۔ بعد میں اللہ نے یہ حکم دیا کہ یا تو وہ اسلام قبول کریں یا مسلمانوں کے تابع ہو کر رہیں، ورنہ جزیہ دیں علماء نے بیان کیا کہ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے:

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ
دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ
عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝ (التوبہ ۲۹)

جو اہل کتاب اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہ لائیں اور اللہ اور اس کے رسول کے حرام کئے ہوئے کو حرام نہ کہیں اور نہ دین حق کی اطاعت کریں ان سے قتال کرتے رہو حتیٰ کہ وہ مغلوب ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں ۝

اس آیت میں اہل کتاب سے قتال کا حکم ہے اور درج ذیل آیت میں مشرکین سے قتال کا حکم ہے۔
فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (التوبہ ۵)

سو مشرکین کو تم جہاں پاؤ انہیں قتل کر دو۔

ایک سوال یہ ہے کہ جب کافروں اور مشرکوں سے درگزر کرنے کا حکم دائمی نہیں تھا بلکہ ایک خاص وقت تک تھا تو قتال کا حکم آنے کے بعد اس پہلے حکم کو منسوخ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اس حکم میں مدت کو بیان نہیں کیا گیا تھا

بلکہ اس کو مبہم رکھا گیا تھا اس لئے اس کو منسوخ کہا جاتا ہے۔

شخصی معاملے میں زیادتی سے درگزر کرنا اور دین کے معاملہ میں رعایت نہ کرنا

معاف کرنے اور درگزر کرنے کیلئے اسی سے کہا جاتا ہے جو سزا دینے اور بدلہ لینے پر قادر ہو اس میں یہ اشارہ ہے کہ

مسلمان تعداد میں کم ہونے کے باوجود ایمان کی طاقت سے اس قدر قوی تھے کہ وہ یہودیوں اور مشرکوں کو سزا دے سکتے تھے

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کی وجہ سے ان کو عفو اور درگزر کا حکم دیا۔ بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں جو قریظہ اور

بنو نضیر سے درگزر کرنے کا حکم ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے بنو قریظہ کو قتل کرنے اور بنو نضیر کو جلا وطن کرنے کا حکم دیا۔ بعض علماء نے یہ

کہا کہ اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ کس کو معاف کرو اور کس سے درگزر کرو اس میں یہ اشارہ ہے کہ مسلمانوں کا عام حال یہ ہونا

چاہیے کہ وہ تمام جاہلوں اور زیادتی کرنے والوں کو معاف کر دیں اور ان سے درگزر کر لیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا

مبارک طریقہ یہ تھا کہ اگر آپ کی ذات کے ساتھ کوئی شخص زیادتی کرتا تو معاف کر دیتے لیکن اگر کوئی شخص اللہ کی حرمت اور

اس کے احکام کے خلاف کوئی کام کرتا تو پھر آپ کوئی رعایت نہیں کرتے تھے امام ترمذی روایت کرتے ہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شرم و دیا کے منافی بات نہیں کرتے تھے نہ بازاروں میں زور سے بولتے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معاف کر دیتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کسی زیادتی کا بدلہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا، یہ شرطیکہ حدود اللہ کی خلاف ورزی نہ کی جائے اور حسب کوئی حدود اللہ کی خلاف ورزی کرتا تو آپ اس پر سب سے زیادہ غضب کرنے والے تھے اور جب بھی آپ کو دو کاموں میں سے ایک کام کا اختیار دیا جاتا تو آپ اس میں سے آسان کو اختیار کرتے یہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد فی سبیل اللہ کے سوا کسی کو نہیں مارا کسی خادم کو مارا نہ کسی عورت کو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس کے لئے تین چیزوں کو ترک کر دیا تھا: ضد بحث کرنا، اپنے لئے بڑائی چاہنا اور غیر متعاقب باتوں میں پڑنا اور لوگوں کے لئے بھی تین چیزوں کو ترک کر دیا تھا: کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے کسی کا عیب بیان نہیں کرتے تھے اور کسی کے عیوب کا کھوج نہیں لگاتے تھے صرف انہی امور میں کلام فرماتے جن میں ثواب کی امید ہوتی۔ (جامع ترمذی ص ۵۹۶، مطبوعہ دار محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

آج ہماری زندگی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بالکل برعکس گزر رہی ہے اللہ تعالیٰ اصلاح فرمائے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے۔

آخرت کے لئے نیکیوں کا بھیجنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو نیک کام تم اپنے لئے پہلے بھیجو گے ان کو اللہ کے پاس پاؤ گے۔

(البقرہ: ۱۱۰)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے جب انسان مر جاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اس نے کیا چھوڑا اور فرشتے کہتے ہیں کہ اس نے کیا بھیجا؟ امام نسائی روایت کرتے ہیں: حضرت عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ کون شخص ہے جس کو اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہے؟ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص اپنے مال کی بہ نسبت اپنے وارث کے مال کو ہی محبوب رکھتا ہے تمہارا مال وہ ہے جس کو تم نے (آخرت کے لئے) بھیج دیا اور تمہارے وارث کا مال وہ ہے جس کو تم نے رکھ چھوڑا ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں ہے: انسان کا مال وہی ہے جو اس نے (آخرت کے لئے) بھیج دیا اور جو اس نے رکھ چھوڑا ہے وہ اس کے وارث کا مال ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھیج الفرقہ (مدینہ کا قبرستان) کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا: ”السلام علیکم اهل القبور“ ہمارے پاس یہ خبریں ہیں کہ تمہاری بیویوں نے دوسری شادیاں کر لیں تمہارے مکانوں میں اور لوگ رہنے لگے اور تمہارے اموال تقسیم کر دیئے گئے تو غیب سے ایک آواز آئی اے ابن الخطاب! ہمارے پاس یہ خبریں ہیں کہ ہم نے آخرت کے لئے جو صدقات بھیجے تھے وہ ہم نے پائے اور ہم نے آخرت کے لئے جو خرچ کیا تھا ہمیں اس کا نفع مل گیا اور ہم نے جو دنیا میں چھوڑ دیا تھا اس کا ہم نے نقصان اٹھایا۔

۱۔ سنن نسائی ج ۲ ص ۱۲۸، مطبوعہ دار محمد کراچی، مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۲، مطبوعہ بیروت

(المآبع ۱۱ حکام القرآن ج ۲ ص ۷۳، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ کون سے صدقہ کار پادہ اجر ہے؟ آپ نے فرمایا تم اس وقت صدقہ کرو جب تم تندرست اور بخیل (ضرورت مند) ہو تم کو تنگ دستی کا اندیشہ ہو اور تم کو شنی ہو نے کی امید ہو صدقہ کرنے کو سوخندہ کرتے رہو حتیٰ کہ جب تمہاری روح خلق تک آجائے تو کہو فلاں کو، تادے دولاں کو اتنا دے دو (اب تم کہو یا نہ کہو) فلاں فلاں کو تو اب مل ہی جائے گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۱، مطبوعہ نور محمد اسحاق اعطاف، روپڑی ۱۳۸۱ھ)

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو مال کی کثرت نے عبادت سے غفل کر دیا حتیٰ کہ تم نے قبروں کو دیکھ لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کہتا رہتا ہے کہ یہ میرا مال ہے یہ میرا مال ہے حالانکہ تمہارا مال تو صرف وہ ہے جس کو تم نے کھالیا اور فنا کر دیا یا کپڑے پہن کر بوسیدہ کر دیئے یا صدقہ کر کے آخرت کے لئے روانہ کر دیا (یعنی اس کے علاوہ جو مال ہے وہ تمہارا نہیں ہے تمہارے وارثوں کا ہے)۔

(سنن نسائی ج ۲ ص ۱۳۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ گھردالوں نے ایک بکری ذبح کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اس میں کچھ باقی ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اس کی صرف ایک دستی باقی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ایک دستی کے سوا وہ سب باقی ہے جس کو تم نے تقسیم کر دیا۔ (جامع ترمذی ص ۳۵۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۵۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل کتاب نے کہا: جنت میں صرف یہودی یا عیسائی جائیں گے یہ ان کی باطل تمنائیں ہیں۔

(البقرہ: ۱۱۱)

یعنی یہود نے کہا صرف یہودی جنت میں جائیں گے اور عیسائیوں نے کہا صرف عیسائی جنت میں جائیں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیے تم اگر سچے ہو تو اس پر دلیل لاؤ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کیوں نہیں جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لیے جھکا دیا اور وہ نیکی کرنے والا ہے تو اس پر کوئی غم اور خوف نہیں ہے۔ تمام اعضاء میں سے صرف چہرہ کو خاص کیا ہے کیونکہ وہ اشرف الاعضاء ہے اور خواص فکر اور تخیل کا معدن ہے جب اللہ کے لیے چہرہ جھک جائے گا تو باقی جسم پر طریق اولیٰ جھک جائے گا دوسری وجہ یہ ہے کہ ذات سے چہرہ کو تعبیر کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

كُلُّ شَيْءٍ بِوَجْهِكَ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص: ۸۸)

ہے۔

وَيَبْقَىٰ وَجْهُكَ لَكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝

(الرحمن: ۲۷) بزرگی والا ہے ۝

تیسری وجہ یہ ہے کہ نماز میں افضل رکن سجدہ ہے اور وہ چہرہ زمین پر رکھنے سے ادا ہوتا ہے اس لیے اسان کو چہرہ سے تعبیر

فرمایا۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ

اور یہود نے کہا کہ نصاریٰ کا دین کچھ نہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ

لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ كَذَلِكَ

یہود کا دین کچھ نہیں حالانکہ وہ (دونوں آسمانی) کتاب پڑھتے ہیں ان طرح

قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ

بے علم لوگ (مشرکین) ان کی مثل باتیں کرتے ہیں سو اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان

يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۱۳﴾

اس چیز میں فیصلہ فرمادے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے ۵

یہود و نصاریٰ کا فرقوں میں بننا

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نجران کے عیسائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہود آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان سے بحث کرنا شروع کر دی رافع بن حریمہ یہودی نے کہا: تمہارا دین کچھ نہیں اور حضرت عیسیٰ کی نبوت کا انکار کیا اور انجیل کا کفر کیا اور نجران کے عیسائیوں میں سے ایک شخص نے کہا: تمہارا دین کچھ نہیں اور حضرت موسیٰ کا انکار کیا اور تورات کا کفر کیا تب یہ آیت نازل ہوئی۔

قنادہ نے کہا: متقدمین عیسائی صحیح دین پر تھے بعد میں انہوں نے دین میں بدعتیں نکالیں اور فرقوں میں بٹ گئے اسی طرح متقدمین یہودی صحیح دین پر تھے بعد میں انہوں نے دین میں بدعتیں نکالیں اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

اس آیت میں جن بے علم لوگوں کا ذکر ہے ان کے متعلق عطاء نے کہا کہ یہ تورات اور انجیل کے نزول سے پہلے کے لوگ ہیں اور بعض نے کہا اس سے مراد مشرکین عرب ہیں چونکہ یہ اہل کتاب نہیں تھے اس لیے ان کو جاہل فرمایا۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے اختلاف میں اپنا فیصلہ سنائے گا اور حق باطل سے ممتاز ہو جائے گا اہل حق ثواب پائیں گے اور اہل باطل کو عذاب ہوگا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۹۶۔ ۳۹۷ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

ملت اسلامیہ کا بیان اور اسلامی فرقوں کی تحقیق

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے اسی طرح نصاریٰ اور میری امت بہتر فرقوں میں بٹے گی اور حضرت ابن عمر کی روایت میں ہے یہ سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک ملت کے صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوہ کون سی ملت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں (جامع ترمذی ص ۳۷۹-۳۷۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)
اس حدیث کو امام ابو داؤد (سنن ابو داؤد ص ۲۷۵) امام ابن ماجہ (سنن ابن ماجہ ص ۲۸۷) امام احمد (مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۲)
امام داری (سنن داری ج ۲ ص ۱۵۸) امام طبرانی (معجم الطبرانی ج ۱ ص ۲۵۶) امام حاکم (المستدرک ج ۳ ص ۵۳۷) اور امام ابن عساکر
(تہذیب تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۲۴) نے بھی روایت کیا ہے۔

حافظ البیہقی (معجم الزوائد ج ۱ ص ۱۸۹) علامہ علی نقی (کنز العمال ج ۱۱ ص ۱۱۵-۱۱۴) اور علامہ زبیدی (تخاف، ادادۃ التہذیب ج ۸
ص ۱۴۱-۱۴۰) نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

علامہ طبری لکھتے ہیں:

”سنن ابو داؤد“ کی صحیح روایت میں ہے: عنقریب میری امت کے بہتر فرقے ہوں گے، بہتر فرقے جہنم میں ہوں گے
اور ایک فرقہ جنت میں ہوگا۔ (شرح البیہقی ج ۱ ص ۲۳۷ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعة الاولیٰ ۱۴۱۳ھ)
شیخ ابن القیم الجوزی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فرقوں کو میری امت فرمایا ہے، اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ تمام فرقے دین سے خارج
نہیں ہیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جو فرقہ کسی تاویل سے کوئی نظریہ رکھے وہ ملت سے خارج نہیں ہوگا، خواہ اس نے تاویل
میں خطا کی ہو۔ (تہذیب ابن القیم مع مختصر سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)
علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

جو لوگ ضروریات دین پر متفق ہوں مثلاً حدیث عالم حشر اجسام اور ان کے مشابہ امور (روز مرہ کی پانچ نمازیں، ماہ
رمضان کے روزے، زکوٰۃ اور حج بیت اللہ) اور اس کے ماسوا اصول میں مختلف ہوں مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات (اشاعرہ اور
ماتریدیہ کے درمیان سات صفات پر اتفاق ہے، حیات، علم، قدرت، سمع، بصر، کلام، ارادہ اور ماتریدیہ ایک زائد صفت ”تخلیق“
کے بھی قائل ہیں اور معتزلہ صفات کی نفی کرتے ہیں اور علماء کہتے ہیں کہ صفات اللہ کی ذات کا عین ہیں) اعمال کا مخلوق ہونا
(معتزلہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے اور اہل سنت کے نزدیک انسان کے اعمال کو اللہ خلق کرتا ہے) اللہ کے
ارادہ کا عموم اللہ کے کلام کا قدیم ہونا (معتزلہ کے نزدیک اللہ کا کلام حادث ہے) اللہ کے دکھائی دینے کا جواز (معتزلہ کے
ز نزدیک یہ جائز نہیں ہے) اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ ان امور میں حق صرف ایک ہی ہے اور جو شخص اس حق کے خلاف
اعتقاد رکھتا ہو یا اس کی تکفیر کی جائے گی یا نہیں؟ اور اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ اہل قبلہ میں سے جو شخص عالم کے
قدیم ہونے کا قائل ہو حشر اجسام کو نہ مانتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے لیے جزیات کے علم کا قائل نہ ہو اور اسی طرح کی دیگر ضروریات
دین کا قائل نہ ہو خواہ وہ شخص ساری عمر عبادت کرتا رہا ہو وہ قطعاً کافر ہے اور ہم نے جو ذکر کیا ہے کہ باقی اصول میں اختلاف
کرنے والا کافر نہیں ہے یہ امام اشعری اور دیگر اصحاب کا مذہب ہے امام شافعی نے فرمایا میں اہل بدعت میں سے کسی کی
شہادت کو رد نہیں کرتا، ماسوا خطابیہ کے کیونکہ وہ جھوٹ کو جائز سمجھتے ہیں اور ”متشکی“ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ
انہوں نے اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کی اور اسی پر اکثر فقہاء کا اعتقاد ہے (الی قولہ) استاذ ابو احنق اسفرائینی نے کہا جو
ہماری تکفیر کرے گا ہم اس کی تکفیر کریں گے اور جو ہماری تکفیر نہیں کرے گا ہم اس کی تکفیر نہیں کریں گے اور امام رازی کا مختار
یہ ہے کہ وہ اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر اسلام کا صحیح ہونا ان اصول میں حق کے اعتقاد پر
موقوف ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء راشدین ایمان لانے والے سے ان چیزوں (مثلاً صفات رویت

خالق اعمال) پر ایمان لانے کا مطالبہ کرتے اور اس کے عقائد کے متعلق تحقیق کرتے کہ ان امور کے متعلق اس کا کہا عقیدہ ہے اور ان اصول میں حق بات پر اس کو تبیہ کرنے کا انکار ایسا نہیں ہوا۔

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۱۲۹-۱۲۸ مطبوعہ منشورات الشریف ابراہیم ۱۳۰۵ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد حنفی لکھتے ہیں:

اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کی جائے گی حتیٰ کہ خوارج کی بھی تکفیر نہیں کی جائے گی جو ہمارے قتل کو اور ہمارے مال کو مباح سمجھتے ہیں اور اصحاب رسول کو برا کہنا جائز سمجھتے ہیں اور اللہ کی صفات اور اس کے دھماکی دینے کا انکار کرتے ہیں کیونکہ ان کے یہ عقائد کسی تاویل اور شبہ پر مبنی ہیں، ماسوا خطابیہ کے ان سب کی شہادت مقبول ہے اور ہمارے بعض علماء نے ان کی تکفیر کی ہے (علامہ شامی نے لکھا ہے کہ معتزہ مذہب تکفیر کے خلاف ہے) اور اگر اس نے ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کیا تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔ (رد المحتار علی حاشیہ راجع اس ۳۷۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

علامہ ابن ہمام نے "التحریر" کے اواخر میں لکھا ہے کہ معتزہ جو اللہ تعالیٰ کی صفات عذاب قبر شفاعت اور اللہ کے دیدار کا انکار کرتے ہیں ان کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ ان امور میں قرآن حدیث اور عقل سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ اہل قبلہ کی تکفیر منع ہے اور ان کی شہادت قبول کرنے پر اجماع ہے اور جو شخص بغیر دلیل کے محض ہٹ دھرمی سے کسی معصیت قطع کو حلال سمجھے وہ کافر ہے برخلاف اس کے جو دلیل شرعی سے ایسا سمجھے اور بدعتی کو اس کی دلیل میں خطا لاحق ہوئی وہ ہٹ دھرمی سے ایسا نہیں کرتا۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

جو شخص عناد (بغیر دلیل کے) کی وجہ سے اولہ قطعہ کا انکار کرے گا جن میں کوئی شبہ نہ ہو مثلاً جو شخص حشر اور حدوث عالم کا انکار کرے گا وہ قطعاً کافر ہے اور جو شخص کسی شبہ کی وجہ سے کسی عقیدہ ثابتہ کا انکار کرے جیسے معتزلی، اللہ کی جلالت اور عظمت کی وجہ سے اس کے دیدار کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر نہیں ہے کیونکہ اس کا انکار ایک شبہ پر مبنی ہے خواہ وہ شبہ فاسد ہے اور ہر وہ شخص جو ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے اور اس کی بدعت کسی شبہ پر مبنی ہے اس کو کافر نہیں کہا جائے گا البتہ جو حشر حدوث عالم اور دیگر ضروریات دین کا انکار کرے اس کے کفر میں شک نہیں ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اس امت کے تہتر فرقوں کا ذکر ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس سے مراد امت دعوت ہے یا امت اجابت امت دعوت سے مراد تمام دنیا کے لوگ ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی اور امت اجابت سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کر لیا اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ اس سے مراد امت اجابت ہے ترمذی کی روایت میں ہے صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون سی ملت ہے؟ آپ نے فرمایا جس (طریقہ) پر میں اور میرے صحابہ ہیں اور یہ نجات پانے والے اہل سنت و جماعت ہیں اور باقی فرقے بدعتی ہیں۔ "شرح مواقف" میں مذکور ہے کہ اصل میں کل آٹھ فرقے ہیں اور باقی ان کی فرع ہیں:

(۱) معتزلہ یہ اس کے قائل ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے یہ نیک لوگوں کے لئے ثواب اور بدکاروں کے لئے عذاب کے وجوب کے قائل ہیں اور روایت باری اور شفاعت کا انکار کرتے ہیں پھر اس کے بیس فرقے ہیں۔

(۲) شیعہ یہ حضرت علی کی محبت میں افراط کرتے ہیں، خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا انکار کرتے ہیں اور صحابہ کرام پر لعنت اور سب و شتم کرتے ہیں ان کے ہاتھیں فرقتے ہیں۔

(۳) خوارج یہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کو کافر کہتے ہیں، گناہ کبیرہ بلکہ صغیرہ کے مرتکب کو بھی کافر کہتے ہیں ان کے بیس فرقتے ہیں۔

(۴) مرجئہ ان کے نزدیک ایمان لانے کے بعد گناہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ان کے پانچ فرقتے ہیں۔

(۵) نجاریہ: یہ اللہ کے کلام کو حادث مانتے ہیں اور اس کی صفات کو نہیں مانتے، ابتدائے ان کے افعال کو مخلوق مانتے ہیں ان کے تین فرقتے ہیں۔

(۶) جبریہ: جو انسان کو مجبور محض کہتے ہیں ان کا ایک فرقہ ہے۔

(۷) مشبہ: یہ اللہ تعالیٰ کو جسم مانتے ہیں۔

(۸) فرقہ ناجیہ: اور یہ اہل سنت و جماعت ہیں۔

ملا علی قاری نے باطل فرقوں میں شیعہ کے علاوہ جتنے فرقے ذکر کئے ہیں یہ سب مردہ مذاہب ہیں اب دنیا میں ان کا کوئی ماننے والا نہیں ہے البتہ کچھ نئے مذاہب وجود میں آ گئے ہیں جیسے شیخ ابوسلیمان بن داؤد علی ظاہری متوفی ۳۰۷ھ کے پیروکار یہ عرف میں غیر مقلدین کہلاتے ہیں یہ ائمہ کی تقلید کو شرک کہتے ہیں اور عقائد اور افکار میں شیخ ابو نعیم احمد بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ کے متبع ہیں خصوصاً انکار توہل میں اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ کے پیروکار یہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الوفا ان سے توہل استمداد اور شفاعت کے قائل نہیں اور ان کے قائل کو شرک کہتے ہیں یہ عرف عام میں دہابیہ کہلاتے ہیں موجودہ غیر مقلدین کے بھی یہی عقائد ہیں لیکن دہابیہ حنبلی المذہب ہیں اور شیخ محمد قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۷ھ کے پیروکار یہ حنفی المذہب ہیں لیکن عقائد اور نظریات میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ اور شیخ محمد اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۳۶ھ کے تابع ہیں ان کے عقائد اور نظریات کا مطابقت "تقویت الایمان" اور "صراط مستقیم" نامی کتابوں سے کیا جا سکتا ہے اور سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ کے پیروکار ان کے متبعین جماعت اسلامی کے نام سے موسوم ہیں ان کے عقائد اور افکار بھی شیخ اسماعیل دہلوی کے تابع ہیں اور عبداللہ چکڑالوی یہ شخص مطلقاً احادیث کی حجیت کا منکر تھا اس کے پیروکار بہت کم ہیں اور غلام احمد پرویز کے پیروکار یہ بھی مطلقاً احادیث کی حجیت کا منکر تھا لیکن بعض احادیث سے استدلال بھی کرتا تھا اس کے علاوہ قادیانی، بہائی، ذکری، دیندار، جماعت وغیرہ بھی ہیں لیکن ہم ان کو اسلام کے فرقوں میں شمار نہیں کرتے کیونکہ انہوں نے ایک الگ نبی مان کر اپنے آپ کو امت اجابت سے نکال لیا ہے۔

اس حدیث میں ہے: ایک ملت کے سوا سب جہنم میں جائیں گے اس کی تشریح میں ملا علی قاری لکھتے ہیں

ان باطل فرقوں میں سے جو حد کفر کو پہنچ گئے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور جو فرقے بدعات سیدہ کے معتقد ہیں اور انہوں نے کسی کفر کا ارتکاب نہیں کیا وہ دوزخ میں داخل ہونے کے مستحق ہیں ۱۱ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادے۔

(مرقات ج ۱ ص ۲۳۸ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ)

ہماری رائے یہ ہے کہ جن مسائل اعتقاد یہ میں ان فرقوں کو شبہات واقع ہوئے اور انہوں نے دلائل سے اپنی رائے کو حق سمجھا اور ان شبہات کو دور کرنے کے لئے علماء اہل سنت نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ ان تک نہیں پہنچ سکے کہ اس حکم میں دخل نہیں ہیں یا جن لوگوں تک وہ دلائل پہنچ گئے لیکن ان دلائل سے ان کا شرعاً حشر نہیں ہو سکا اور بنو ان کے شبہات باقی

رہے وہ بھی معذور ہیں لیکن جن لوگوں پر بھت تمام ہو گئی اور وہ محض کج بخشی اور ہٹ دھرمی سے اپنے باطل موقف پر قائم رہے تو اگر ان کا موقف کسی کفر کو مستلزم ہے تو وہ دائماً دوزخ میں رہیں گے اور اگر ان کا موقف کسی گمراہی کو مستلزم ہے تو وہ دوزخ میں دخول کے مستحق ہیں اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادے مثلاً جو شیعہ حضرت علی کی الوہیت کے معتقد ہیں یا جو وحی لانے میں حضرت جبرائیل کی خطا کے قائل ہیں یا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تذف (تہمت) لگاتے ہیں یا جو حضرت ابو بکر کی صحابیت کا انکار کرتے ہیں یا جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تین یا چھ صحابہ کے علاوہ سب صحابہ مرتد ہو گئے تھے یہ سب کافر ہیں اور جو خلفاء ثلاثہ کو مفسوس کہتے ہیں یا ان پر سب کرتے ہیں (گالی دیتے ہیں) وہ کافر نہیں ہیں لیکن وہ بدترین فسق اور گمراہی میں مبتلا ہیں اسی طرح جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں صریح کفریہ عبارات لکھیں وہ کافر ہیں اور جو لوگ ان عبارات پر مطلع ہو گئے اور ان پر وجہ کفر منکشف ہو گئی لیکن وہ مذہبی تعصب اور ہٹ دھرمی سے ان عبارات کو صحیح کہتے ہیں وہ بھی کافر ہیں لیکن جو لوگ ان عبارات پر مطلع نہیں ہیں یا ان پر وجہ کفر منکشف نہیں ہوئی اس لئے وہ تکفیر نہیں کرتے تاہم اس قدر سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن کی تکفیر پر پوری ملت اسلامیہ کا اجماع ہے جیسے مرزا سیّد کا قادیانی گروپ اور لاہوری گروپ یا اور کوئی ایسا فرقہ جس کی تکفیر پر پوری ملت اسلامیہ متفق ہو اور اس کی تکفیر واضح اور غیر مشتبہ ہو اور بعض اعتقادی مسائل میں شبہ کی وجہ سے اختلاف کرتے ہیں مثلاً علم غیب اور تصرف میں ذاتی اور عطائی کا فرق نہیں کرتے یا بدعت حسنہ کا انکار کرتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق نہیں کرتے یا استمداد اور ندائے غیر اللہ کو ناجائز کہتے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت آپ کے معجزات و تصرفات اور آپ کی علمی روحانی اور بعض مواقع پر حسی نورانیت کے قائل ہیں آپ کی حیات کے معتقد ہیں اور قبر انور پر آپ سے شفاعت طلب کرنے اور یا رسول اللہ کہنے کے معتقد ہیں ان پر کفر کا حکم نہیں ہے ان مسائل میں اختلاف محض فروعی ہے جیسے بعض امور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہیں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہیں یا اس کے برعکس۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۲۵۳ مطبوعہ سنی دارالاشاعت لائل پور)

شریعت طریقت اور حقیقت کا بیان

علامہ علی قاری لکھتے ہیں:

ملت اسلامیہ کے ظاہر کو شریعت باطن کو طریقت اور اس کے خلاصہ کو حقیقت کہتے ہیں شریعت بدن کا حصہ ہے طریقت قلب کا حصہ ہے اور حقیقت روح کا حصہ ہے شریعت میں احکام کی اطاعت ہے طریقت میں علم اور معرفت ہے اور حقیقت امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ان کے کفر میں شک ہی کرے تو خود کافر جب کہ ان کے بحث اقوال پر مطلع ہو۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۲۵۳ مطبوعہ سنی دارالاشاعت لائل پور)

علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں ہم کسی دیوبند یا لکھنؤ والے کو کافر نہیں کہتے ہمارے نزدیک صرف وہی لوگ کافر ہیں جنہوں نے معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم و محبوبان ایزدی کی شان میں صریح گستاخیاں کیں اور باوجود تنبیہ شدید کے انہوں نے گستاخیوں سے توبہ نہیں کی نیز وہ لوگ جو ان کی گستاخیوں کو حق سمجھتے ہیں اور گستاخیاں کرنے والوں کو اہل حق 'مومن' اپنا مقتداء اور پیشوا مانتے ہیں اور بس ان کے علاوہ ہم نے کسی مدعی اسلام کی تکفیر نہیں کی ایسے لوگ جن کی ہم نے تکفیر کی ہے اگر ان کو ٹھوٹا جائے تو وہ بہت قلیل اور معدود افراد ہیں ان کے علاوہ نہ کوئی دیوبند کا رہنے والا کافر ہے نہ لگی نہ ندوی ہم سب مسلمانوں کو مسلمان سمجھتے ہیں۔

(مقالات کاظمی ج ۲ ص ۲۵۹-۲۵۸)

میں مشہور ہو بیت ہے اگر شریعت حقیقت سے موید نہ ہو تو وہ غیر مقبول ہے اور اگر حقیقت شریعت سے مقید نہ ہو تو وہ غیر مستبر ہے شریعت احکام کی اطاعت ہے اور حقیقت قضاء و قدر کا مشاہدہ ہے۔ (المرقات ج ۱ ص ۲۳۸ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان ۱۳۹۰ھ)

ایک قول یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال شریعت ہیں آپ کے افعال طریقت ہیں اور آپ کے احوال حقیقت ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ تمام فرائض واجبات سنن اور مستحب پر عمل کرنا اور تمام حرمت اور مکروہات سے بچنا شریعت ہے اور شیخ طریقت نے جو اوراد اور وظائف بتائے اور سلوک کے لئے جو ہدایات دیں ان پر عمل کرنا طریقت ہے اور حسب دل تجلیات الہیہ کے لئے آئینہ ہو جائے اور نیند اور بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رابطہ ہو جائے تو یہ حقیقت ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ جسم کے اعضاء کو گناہوں سے روکنا شریعت ہے اور دل کو گناہوں کی خواہشوں اور دہن کو اس کے تصورات سے روکنا طریقت ہے اور جب یہ حالت ہو کہ بغیر کسی کوشش اور کسب کے دل و دماغ میں گناہ کی خواہش اور تصورات نہ آئیں تو یہ حقیقت ہے اور یہ بہت عمدہ قول ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا ۚ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا

اور اس سے بڑا ظالم اور کون ہے جو اللہ کی مسجد میں اس کے نام کے ذکر سے منع کرے اور

سَعَىٰ فِي خَرَابِهَا ۚ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا

ان کو ویران کرنے کی کوشش کرنے یہ لوگ بغیر خوف کے مسجدوں میں داخل ہونے کے لائق نہیں

إِلَّا خَائِفِينَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ

ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا

عَظِيمٌ ۝۱۱۴ **وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُولُوْا فَاثْمَرْتُمْ وَجْهَ**

عذاب ہے ۝ اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں تم جہاں کہیں بھی منہ کرو گے

اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝۱۱۵

وہیں اللہ کی طرف منہ کرو گے بے شک اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے ۝

آیت مذکورہ کے شان نزول کی تحقیق

اس آیت کے شان نزول میں دو قول ہیں راجح قول یہ ہے۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجاہد نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد نصاریٰ ہیں جو بیت المقدس میں گندگی پھینکتے تھے اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے۔ قتادہ نے کہا اس سے مراد اللہ کے دشمن نصاریٰ ہیں جنہوں نے یہود کے بغض کی وجہ سے بخت نصر بابل کی بجوسی کی بیت المقدس کو ویران کرنے میں مدد کی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مشرکین ہیں ابن زید نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کے قصد سے (چودہ سو اصحاب کے

ساتھ) مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو حدیبیہ کے مقام پر مشرکین نے آپ کو روک لیا اور عمرہ کرنے کے لئے مسجد حرام میں جانے نہیں دیا اور انہوں نے کہا: "ہم ان لوگوں نے ہمارے آباء و اجداد کو جنگ بدر میں قتل کیا تھا ہم ان کو مسجد حرام میں حج اور عمرہ کیلئے نہیں جانے دیں گے" تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کی مسجدوں میں اللہ کے نام سے ذکر سے روکنے والوں سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا؟ کیونکہ حج اور عمرہ سے روکنے مسجد حرام میں اللہ کے ذکر سے روکنا اور اس کو ویراں کرنا ہے علامہ ابن جریر نے کہا ہے کہ اس آیت کے شان نزول میں پہلا قول راجح ہے کہ نصاریٰ نے بخت نصر کی مدد سے جو اسرائیل کے مومنوں کو بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا تھا اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس آیت کے یاق اور سہاق میں یہود اور نصاریٰ کے برے افعال کا بیان کیا جا رہا ہے مشرکین کی برائیوں کا بیان نہیں ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر چند کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوم حدیبیہ میں عمرہ کرنے سے روکا تھا لیکن ان کا مقصد مسجد حرام کو ویراں اور برباد کرنا نہیں تھا بلکہ مسجد حرام کی تعمیر کرنے والے اور اس پر فخر کرنے والے تھے اس لئے آیت کا روئے سخن بخت نصر مجوسی کی طرف ہی متوجہ ہے جو بیت المقدس کو ویراں اور برباد کرنے کے لئے اس میں گندگی اور مردار ڈال دیتا تھا اور جو اسرائیل کے مومنوں کو اس میں نماز پڑھنے سے منع کرتا تھا اور یہودیوں سے بغض کی وجہ سے نصاریٰ اس کے شریک تھے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۹۸-۲۹۹ ملاحظہ مطبوعہ دارالسر للہ بیروت ۱۳۰۹ھ)

ذکر بالجہر کی تحقیق

اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ مسجدوں میں جہر متوسط کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے البتہ اس قدر گاہ چھانچ کر چلانا نہیں چاہیے جو مسجد کے احترام اور وقار کے بھی خلاف ہے اور اس سے دوسرے نمازیوں کی عبادت میں بھی خلل پڑتا ہے اور اس کا ذہن الجھتا ہے مسجد میں فرض نماز کے بعد ذکر بالجہر کے شروع اور مسنون ہونے پر یہ دلیل ہے امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں معروف تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اللہ اکبر کی آواز آتی تو میں جان لیتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

ابو الزبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن الزبیر ہر نماز کے سلام پھیرنے کے بعد کہتے تھے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ (الی قولہ) اور حضرت ابن الزبیر بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر نماز کے بعد لا الہ الا اللہ آخراً خرتک پڑھتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد لا الہ الا اللہ آخراً خرتک پڑھتے تھے اس پر محمول ہے کہ آپ یہ ذکر بلند آواز کے ساتھ کرتے تھے جب ہی حضرت ابن الزبیر نے اس ذکر کو یاد کر لیا اگر آپ یہ ذکر آہستہ کرتے تو حضرت ابن الزبیر کیسے سنتے اس وجہ سے امام ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۷ھ نے "مشکوٰۃ" میں اس حدیث کے الفاظ بقول بصوتہ الاعلیٰ آپ بلند آواز سے ذکر فرماتے تھے لکھا ہے (مشکوٰۃ ص ۸۸) جب کہ "صحیح مسلم" میں یہ الفاظ نہیں ہیں لیکن حضرت ابن الزبیر کا ان الفاظ کو سننا اس وقت متصور ہو سکتا ہے جب آپ بلند آواز سے ذکر فرمائیں اس لحاظ سے اس کو روایت بالمعنی کہا جاسکتا ہے لیکن یہ امام تبریزی کا وہم نہیں ہے جیسا کہ "حکم الذکر بالجہر" کے مولف کو وہم ہوا ہے۔

۱۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ

ہم نے لکھا ہے کہ متوسط جہر کے ساتھ ذکر کرنا صحیح ہے اور گا، پھاڑ کر اور چلا کر ذکر کرنا جس سے نمازیوں کی عبادت میں خلل ہو مکروہ ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ امام بخاری روایت کرتے ہیں

حضرت ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس الشعمری المتوفی ۵۰ھ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر سے نکلے تو لوگ ایک میدان میں پہنچے اور انہوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر اللہ کبر کہا شروع کر دیا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی جانوں پر نرمی کر ڈبے شکم مہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے تم اس کو پکار رہے ہو جو سننے والا اور قریب ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۵ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد راپڑی ۷۳۷۵ھ)

علامہ خیر الدین رمی نے لکھا ہے اس حدیث میں اس جہر سے منع فرمایا ہے جو بہت شدید اور مضرب ہو۔

(فتاویٰ خیر علی حاشیہ المکاشفہ ج ۲ ص ۲۸۲ مطبوعہ مکتبہ حبیبہ کوئٹہ)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

بعض احادیث سے ذکر بالجہر کی تائید ہوتی ہے اور بعض سے ذکر خفی کی ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ یہ اشخاص اور احوال کے اختلاف پر محمول ہیں اور جس حدیث میں ہے کہ سب سے بہتر ذکر خفی ہے وہ اس کے معارض نہیں ہے کیونکہ ذکر خفی اس وقت بہتر ہے جب جہر سے ریا کا غدشہ ہو یا کسی کی نیند یا عبادت میں خلل کا اندیشہ ہو اور جب یہ موانع نہ ہوں تو بعض علماء نے کہا کہ جہر افضل ہے کیونکہ اس کا نفع سننے والوں تک پہنچتا ہے اور اس کے قلب کو بیدار کرتا ہے اس کو غور و فکر کا موقع ملتا ہے اس کی نیند دور ہوتی ہے اور اس کی فرحت زیادہ ہوتی ہے اور علامہ حموی نے امام شعرانی سے نقل کیا ہے کہ تمام اگلے اور پچھلے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مساجد وغیرہ میں جماعت کے ساتھ ذکر بالجہر مستحب ہے ماسوا اس کے جب ان کے جہر سے سونے والے یا نماز پڑھنے والے یا قرآن پڑھنے والے کو تشویش اور خلل ہو۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۴۴۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اس بحث کو زیادہ تفصیل سے جاننے کے لئے ہمارا رسالہ ”ذکر بالجہر“ ملاحظہ فرمائیں۔

مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق مذاہب ائمہ

اس آیت میں ہے: یہ لوگ بغیر خوف کے مسجدوں میں داخل ہونے کے لائق نہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

مسجد میں مشرک کے دخول کے متعلق کئی مذاہب ہیں فقہاء احناف کے نزدیک مسجد میں مشرک کا دخول مطلقاً جائز ہے امام مالک کے نزدیک مطلقاً منع ہے اور امام شافعی کے نزدیک مسجد حرام میں مشرک کا داخلہ منع ہے اور باقی مساجد میں جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۵۶۰ مطبوعہ دار نشر المکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

مسجد حرام میں ذمیوں کا داخلہ کسی صورت میں جائز نہیں اور غیر حرم کی مساجد کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک روایت یہ ہے کہ مسلمانوں کی اجازت کے بغیر ان کا مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ کسی صورت میں بھی کافروں کا مسجد میں دخول جائز نہیں ہے۔ (الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۸۷-۲۸۶ مصنفہ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

حرم اور غیر حرم کسی مسجد میں بھی کافروں کا داخل ہونا جائز نہیں ہے۔

(الجامع ۱۱ کام القرآن ج ۴ ص ۱۰۴ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ محمد ہسکی حنفی لکھتے ہیں:

فقہاء احناف نے مساجد میں مشرکین کے گزرنے کو جائز کہا ہے خواہ وہ جہنی ہوں۔

(در مختار علی ہاشم رد المحتار ج ۵ ص ۳۳۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس بحث کو تفصیل کے ساتھ ان شاء اللہ ہم سورہ نوبہ کی تفسیر میں لکھیں گے اور ”شرح صحیح مسلم“ جلد ثانی اور جلد سابع میں ہم نے اس بحث کو تفصیل سے ذکر کیا ہے فقہاء کے دلائل اور مذہب احناف کی ترجیح کو جاننے کے لئے اس کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لئے ہیں تم جہاں کہیں بھی منہ کرو گے وہیں اللہ کی طرف منہ کرو گے۔
(البقرہ ۱۱۵)

”وللہ المشرق والمغرب“ کے شان نزول کا بیان

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جس چیز کو قرآن مجید نے منسوخ کیا وہ قبلہ ہے اور اس کا بیان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو مدینہ میں زیادہ تر یہودی تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا یہود اس سے بہت خوش ہوئے آپ سولہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں آپ اس کی دعا کر رہے تھے اور مسجد حرام کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: (ترجمہ) ”بے شک ہم آسمان کی طرف آپ کے چہرہ کے پھرنے کو دیکھ رہے ہیں (الی قولہ) تم اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔“ اس وقت یہود نے یہ اعتراض کیا کہ ان کو ان کے پہلے قبلہ کی طرف سے کس نے پھیر دیا؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں تم جہاں کہیں بھی منہ کرو گے وہیں اللہ کی طرف منہ کرو گے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۰۰ - ۳۹۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اس آیت کے شان نزول میں دوسرا قول یہ ہے:

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں جس طرف سواری کا منہ ہوتا اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں تم جہاں کہیں بھی منہ کرو گے وہیں اللہ کی طرف منہ کرو گے اور حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر نفل پڑھتے جس طرف سواری کا منہ ہوتا تھا اور اشارہ سے رکوع اور سجدہ فرماتے تھے۔

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے وہ سخت سیاہ اندھیری رات تھی ہم ایک جگہ ٹھہرے اور ہر شخص نے اپنی اپنی سجدہ گاہ کی طرف پتھر رکھے اور نماز پڑھی صبح کو معلوم ہوا کہ سب نے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے اس رات غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لئے ہیں تم جہاں کہیں بھی منہ کرو گے وہیں اللہ ہی کی طرف منہ کرو گے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۴۰۱ - ۴۰۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

چلتی ہوئی ٹرین میں فرض نماز پڑھنے کا جواز

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ سفر میں سواری پر نفل پڑھنا جائز ہیں خواہ سواری کا منہ کسی طرف ہو اور فرض نماز سواری پر بلا عذر پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ قبلہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے اور بلا عذر فرض سے قطعاً نہیں ہوتا اور اگر عذر ہو تو پھر جائز ہے اور اگر راستہ میں کچھ ہو اور سواری سے نیچے اتر کر نماز پڑھنے سے کپڑے کچھڑ میں منلوٹ ہوں تو سواری پر فرض نماز پڑھنا جائز ہے امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

یعنی بن مرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سفر میں تھے کہ نماز کا وقت آگیا آسمان سے بارش ہو رہی تھی اور نیچے زمین پر کچھڑ تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر اذان دی اور اقامت کہی پھر آپ اپنی سواری پر آگے بڑھ گئے اور صحابہ کرام آپ کے پیچھے سواریوں پر تھے آپ نے سواری پر انہیں اشارہ سے نماز پڑھائی آپ سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکتے تھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے بھی کچھڑ کی وجہ سے سواری پر نماز پڑھی۔ (جامع ترمذی ص ۸۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

علامہ قاضی خاں اوزجندی لکھتے ہیں:

بغیر عذر کے سواری پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اعذار یہ ہیں چوپایہ (سواری) سے اترنے میں اسے اپنی جان یا چوپایہ کی جان کا درندہ سے یا چور سے خطرہ ہو یا زمین پر کچھڑ ہو اور خشک جگہ نہ پائے یا چوپایہ سرکش ہو اس سے اترنے کے بعد بغیر مددگار کے اس پر سوار نہ ہو سکتا ہو اور مددگار میسر نہ ہو ان احوال میں چوپایہ پر نماز جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ترجمہ) اگر تمہیں خوف ہو تو پیادہ یا سوار ہو کر نماز پڑھو۔ (البقرہ ۲۳۹) اور سواری سے اترنے پر قادر ہونے کے بعد اس پر نماز کا دہرانا لازم نہیں ہے جیسا کہ مریض سواری پر اشاروں کے ساتھ نماز پڑھتا ہے خواہ چوپایہ اس وقت چل رہا ہو۔

(فتاویٰ قاضی خاں علی ہاشم الہندی ج ۱ ص ۱۷۰، مطبوعہ مطبعہ بوق، مصر، الطبعة الثانیہ ۱۳۱۰ھ)

”فتاویٰ عالمگیری“ میں کچھ مزید عذر بیان کیے گئے ہیں:

بغیر عذر کے چوپایہ پر فرض نماز جائز نہیں ہے اور اعذار یہ ہیں چوپایہ سے اترنے میں اس کو اپنی جان یا اپنے کپڑوں یا سواری کی جان کا چور درندہ یا دشمن سے خطرہ ہو یا چوپایہ سرکش ہو اور اترنے کے بعد بغیر مددگار کے اس پر سوار نہ ہو سکتا ہو یا بوڑھا ہو اور خود سے سوار نہ ہو سکتا ہو اور سوار کرانے والا نہ پائے یا زمین پر کچھڑ ہو اور خشک جگہ نہ ہو ”محیط“ میں اسی طرح ہے اور اترنے پر قادر ہونے کے بعد اس پر اعادہ لازم نہیں ہے اسی طرح ”سراج و ہاج“ میں ہے۔

(عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۳، مطبوعہ مطبع کبریٰ بوق، مصر، الطبعة الثانیہ ۱۳۱۰ھ)

قاضی خاں اور عالمگیری کے علاوہ یہ اعذار علامہ کاسانی^۱، علامہ ابن ہمام^۲، علامہ بابر^۳، علامہ خوارزمی^۴، علامہ حلبی^۵

۱۔ ملک العلماء علاؤ الدین بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۰-۹، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید کراچی ۱۴۰۰ھ

۲۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ فتح القدیر ج ۱ ص ۴۰۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر

۳۔ علامہ محمد بن محمود بابر متوفی ۷۸۶ھ عتایہ علی ہاشم فتح القدیر ج ۱ ص ۴۰۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر

۴۔ علامہ جلال الدین خوارزمی کفایہ مع فتح القدیر ج ۱ ص ۴۰۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر

۵۔ علامہ ابراہیم حلبی متوفی ۷۷۶ھ تفتیہ المستملی ص ۲۷۰-۲۶۹، مطبوعہ مطبعہ مکتبہ ربانی، دہلی ۱۳۳۳ھ

علامہ شاہ ابن تیمیہؒ، علامہ مصطفیٰؒ، علامہ ترمذیؒ، علامہ طحاویؒ، علامہ شافعیؒ، علامہ ابن برازکریؒ اور مولانا امجد علیؒ نے بھی بیان کئے ہیں۔

جب کوئی تیز رفتار ایک پہر میں نریں نماز کے پورے وقت میں کسی ٹین پر نہر کے نو چلتی ٹرین میں فرض نماز پڑھنا جا رہے ہو بلکہ فرض ہے کیونکہ قرآن مجید (البقرہ: ۱۱۹) سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر جان جانے کا خطرہ ہو تو سواری پر نماز پڑھی جاتی ہے اور چلتی ٹرین سے نیچے اتر کر نماز پڑھنے میں یقیناً جان کا خطرہ ہے ہمارے فقہاء نے اس سے کم خطرہ میں سواری پر فرض نماز پڑھنے کو جائز لکھا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ اس میں نماز کا اعادہ نہیں ہے جب کچھ میں اتھڑنے سے اندیشہ ہے اور قافہ سے کٹ جانے کے خدشہ سے چلتی سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے تو جان کے خطرہ کی وجہ سے تیز رفتار دوزقی سوئی ٹرین میں فرض نماز پڑھنا بہ طریق اولیٰ جائز ہوگا۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اور انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے وہ اس سے پاک ہے بلکہ تمام آسمان

وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهِ قَنَبَتُونَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

اور زمینیں اسی کی ملکیت ہیں سب اسی کے مطیع ہیں O (وہ) آسمانوں اور زمینوں کو ابتدا پیدا کرنے والا ہے

وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۱۱۷﴾ و

اور جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے صرف یہ فرماتا ہے ”ہو جا“ تو وہ ہو جاتی ہے O اور

قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ ط

جاہلوں (مشرکوں) نے کہا: اللہ ہم سے کام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ

ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح ان کے قول کی مثل کہا تھا ان سے دل ایک دوسرے سے

۱۔ علامہ ابن ماجہ میں شاہی متون ۱۲۵۱ھ رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۵ مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

۲۔ علامہ ابن الدین بن جہم متون ۹۷۰ھ البحر الرائق ج ۲ ص ۶۳ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

۳۔ علامہ علاء الدین حصکفی متون ۱۰۸۸ھ رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۶ مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

۴۔ علامہ حسن بن محمد ترمذی متون ۱۰۶۹ھ مراۃ الفلاح علی باش الشھادہ ص ۳۳۳ مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البانی مصر الطبعة الثانیہ

۵۔ علامہ احمد بن محمد الطحاوی متون ۱۲۳۱ھ حاشیۃ الشھادہ ص ۳۳۳ مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البانی مصر الطبعة الثانیہ ۱۳۵۶ھ

۶۔ شیخ شمس الحاشی علی تفسیر التفسیر ج ۱ ص ۷۷ مطبوعہ مکتبہ مدادیہ مائتان

۷۔ علامہ محمد ابن برازکری متون ۸۴۷ھ فتاویٰ برازیلی علی باش الہندیہ ج ۳ ص ۷۰ مطبوعہ مطبع کبریٰ بولاق مصر الطبعة الثانیہ

۸۔ مولانا امجد علی متون ۱۳۶۷ھ بہار شریعت ج ۴ ص ۱۹ مطبوعہ شیخ نامہ علی سندھ کراچی

قُلُوبِهِمْ طَبَائِثًا أَلِيتَ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۱۱۸﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ

مشابہ ہو گئے ہیں بے شک یقین کرنے والے لوگوں کے لیے ہم نے نشانیاں بیان فرمادی ہیں O بے شک ہم نے آپ کو حق

بِالْحَقِّ بِشِيرَآءٍ وَتَذِيرًا وَلَا تَسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ﴿۱۱۹﴾

کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے اور جہنمیوں کے متعلق آپ سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا O

اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونے پر دلائل

یہودیوں نے کہا تھا کہ حضرت عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں نے کہا تھا کہ حضرت مسیح اللہ کے بیٹے ہیں اور مشرکوں نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اس سے پہلے آیات میں یہود و نصاریٰ اور مشرکوں کے مذموم عقائد اقوال اور افعال کا بیان کیا گیا ہے ان کے مذموم اقوال میں سے ایک قول یہ تھا کہ اللہ اولاد رکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے اور اولاد باپ کی ملکیت نہیں ہوتی نیز اولاد باپ کی مثل اور اس کی جنس سے ہوتی ہے اگر اللہ کی اولاد ہوتی تو وہ بھی اللہ کی طرح واجب قدیم اور لازم ہوتی جب کہ متعدد واجب اور قدیم نہیں ہو سکتے نہ متعدد ہو سکتے ہیں کیونکہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی مملوک اور اس کی مطیع ہے اور واجب قدیم اور لازم کسی کا مملوک اور مطیع نہیں ہو سکتا ہم نے سورہ بقرہ کی آیت ۲۲ میں واجب اور قدیم کے تعدد کے باطل ہونے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ثبوت میں بہت دلائل پیش کئے ہیں۔

میری ایک دفعہ ایک عیسائی پادری سے گفتگو ہوئی میں نے کہا نعم اللہ کو باپ اور حضرت عیسیٰ کو ان کا بیٹا کہتے ہو حسب اللہ کی کوئی بیوی نہیں ہے تو اس کا بیٹا کیسے ہوگا اس نے کہا ہم عیسیٰ کو جسمانی طور پر اللہ کا بیٹا نہیں کہتے نہ اللہ کو جسمانی باپ مانتے ہیں بلکہ باپ میں جو شفقت کا معنی ہے اس لحاظ سے اللہ کو باپ اور مسیح کو اس کا بیٹا کہتے ہیں میں نے کہا پھر تم اللہ کو رحیم اور رحمان کہو باپ کا لفظ جسم کی صفت ہے وہ اللہ کی شان کے لائق نہیں اس سے اللہ کی ذات میں نقص کا وہم ہوتا ہے۔ اس نے کہا اللہ کے ہاں کہنے والے کے خلوص کو دیکھا جاتا ہے ان ملی طائف اور باریکیوں کو نہیں دیکھتا جانتا میں نے کہا تم ملی باریکیوں اور لطائف کو نہیں جانتے حضرت عیسیٰ تو عالم تھے تمہاری کتاب کے مطابق انہوں نے اللہ تعالیٰ کو باپ کیوں کہا اس پر وہ مبہوت اور لا جواب ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ (وہ) آسمانوں اور زمینوں کو ابتداء پیدا کرنے والا ہے۔ (البقرہ ۱۷)

ابداع اور بدعت کا معنی

اللہ تعالیٰ نے ”بدیع“ فرمایا ہے یہ لفظ ”بداع“ سے بنا ہے علامہ راغب اصفہانی اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

کسی صنعت کو کسی کی اقتداء اور پیروی کے بغیر بنانا (یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کسی چیز کو بغیر مثال اور نمونہ کے بنانا) جو نیا کنواں کھودا ہو اس کو ”رکبتہ بدیع“ کہتے ہیں اور جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہو تو اس کا معنی ہے کسی چیز کو بغیر آلہ بغیر مادہ اور بغیر زمان و مکان کے بنانا قرآن مجید میں ہے ”بدیع السموات والارض آسمانوں اور زمینوں کو بغیر آلہ بغیر مادہ اور بغیر نمونہ کے بنانے والا“ اور مذہب میں بدعت کا معنی ہے کسی ایسے قول کو وارد کرنا جس کے قائل اور فاعل

نے صاحب شریعت کی اتباع نہ کی ہو اور نہ اس کو سابقہ شرعی مشاؤون اور شرعی قواعد سے منہ پھرا کر اس کے "حق حدیث" میں ہے (دین میں) ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے۔

(المفردات ص ۲۹ مطبوعہ المکتبۃ المرقسویۃ ایران ۱۳۴۲ھ)

بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام

علامہ جزری لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیام رمضان (تراویح کی جماعت) کے متعلق فرمایا "نعم البدعة هذه" یہ کیا اچھی بدعت ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۹) بدعت کی دو قسمیں ہیں ایک بدعت ہدایت ہے اور ایک بدعت ضلال ہے جو چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہو وہ مذموم اور واجب الانکار ہے اور جو چیز کسی ایسے عموم کے تحت داخل ہو جس کو اللہ اور اس کے رسول نے پسند فرمایا ہو اور اس کی طرف رغبت دل کی ہو وہ مستحسن ہے اور لائق تعریف ہے اور جس چیز کا پہلے کوئی نمونہ نہ ہو جیسے جو دو سخا کی اقسام اور نیک کام وہ افعاں محمودہ ہیں اور یہ جائز نہیں ہے کہ وہ شریعت کے خلاف ہوں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے نیک کاموں کے ایجاد کے لئے ثواب بیان کیا ہے آپ نے فرمایا جس نے کسی نیک کام کو ایجاد کیا اس کو خود بھی اس نیک کام کا اجر ملے گا اور اس نیک کام پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی ملے گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۷ مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۷) اور جو کسی برے کام کو ایجاد کرے اس کے لئے عذاب کو بیان کیا ہے آپ نے فرمایا جس نے کسی برے کام کو ایجاد کیا اس کو اپنی برائی کا بھی گناہ ہوگا اور اس برائی پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ ہوگا اور یہ اس وقت ہوگا جب وہ کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہو اور بدعت ہدایت میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا (تراویح کی جماعت کے لئے) یہ فرمانا ہے "نعم البدعة هذه" جب کہ تراویح کی جماعت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے سنت نہیں قرار دیا آپ نے تین راتیں تراویح پڑھیں پھر اس کو ترک کر دیا آپ نے اس کی حفاظت نہیں کی اور نہ مسلمانوں کو اس کیسے جمع کیا اور نہ یہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں تھی صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت کو قائم کیا اور لوگوں کو اس کی ترغیب دی اس اعتبار سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بدعت فرمایا اور چونکہ یہ نیک کاموں میں سے ہے اور لائق تعریف عمل ہے اس لئے اس کی مدح کی اور فرمایا کیا ہی اچھی بدعت ہے! حضرت عمر نے اس کو بدعت کہا لیکن درحقیقت یہ سنت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے تحت داخل ہے تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے۔ (جامع ترمذی ص ۲۸۳، مسند احمد ج ۵ ص ۵، مسند احمد ج ۲ ص ۱۲۷-۱۲۸) نیز آپ نے فرمایا ابوبکر اور عمر جو میرے بعد ہیں ان کی اتباع کرو۔ (طبرانی بحوالہ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۵۳) اسی تاویل کے مطابق اس حدیث کو محمول کیا جائے گا جس میں ہے ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۵) اس سے مراد وہ بدعت ہے جو اصول شریعت کے مخالف ہو اور سنت کے موافق نہ ہو بدعت کا زیادہ استعمال بدعت مذمومہ میں ہی ہوتا ہے۔

(نہایہ ج ۱ ص ۱۰۷-۱۰۶ مطبوعہ موسسہ مطبوعاتی ایران ۱۳۶۳ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں:

بدعت کی پانچ اقسام ہیں واجبہ مستحبہ محرمہ مکروہہ اور مباحہ بدعت واجبہ کی مثال ہے متکلمین کے وہ دلائل جو انہوں نے ملحدوں اور بدعتیوں کے رد پر قائم کئے ہیں اور اس کی امثال بدعت مستحبہ کی مثال ہے علم کی کتابوں کو تصنیف کرنا دینی مدارس اور سرائے وغیرہ بنانا بدعت مباحہ کی مثال ہے لباس اور طعام میں وسعت کو اختیار کرنا بدعت حرام اور مکروہ ظاہر ہیں

میں نے ”تہذیب الائمہ واللغات“ میں اس کی تفصیل کی ہے۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۲۸۵) ”مطبوعہ نور محمد کارخانہ عمارت قرآن راجی“ علامہ نووی نے جس تفصیل کا حوالہ دیا ہے اس کے متعلق انہوں نے ”تہذیب الائمہ واللغات“ میں لکھا ہے بدعت واجبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں علم نحو کا پڑھنا جس پر قرآن اور حدیث کا سمجھنا موقوف ہے قرآن اور حدیث کے معانی جاننے کے لئے علم لغت کو حاصل کرنا، علم فقہ کو مرتب کرنا، حدیث میں جرح اور تعدیل کا علم حاصل کرنا، تاکہ صحیح اور ضعیف حدیث میں امتیاز حاصل ہو سکے، بدعت محرمہ کی بعض مثالیں یہ ہیں قدریہ جہر یہ مرجہ اور محرمہ کے نظریات (ای لہو شعیہ) دہابیہ اور منکرین حدیث کے نظریات (اور ان لوگوں پر رد کرنا بدعت واجبہ میں داخل ہے۔ بدعت مستحبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں، سرائے اور مدارس بنانا، ہر وہ اصلحی اور فلاحی کام جو عہد رسالت میں نہیں تھا، تراویح کی جماعت، تصوف کی دقیق اور کثات، بدعتیہ فرقوں سے مناظرے کرنا اور جلے منعقد کرنا (قرآن مجید کے اعراب، مصحف شریف میں سورتوں کے نام، آیات کی تعداد اور رکوعات کا لکھنا، قرآن مجید اور ”صحیح بخاری“ کو پاروں میں تقسیم کرنا اور مسجد میں محراب بنانا وغیرہ) بدعت مکروہہ، مساجد کو مزین کرنا، مصحف کو سجانا (عصر کے بعد التزام سے مصافحہ کرنا، کسی مستحب کام کے ساتھ واجب اور لازم کا معاملہ کرنا، کسی مستحب کام پر ملامت کرنا) بدعت مباحہ کی بعض مثالیں یہ ہیں کھانے اور لباس میں وسعت کو، اختیار کرنا، سبز چادریں اوڑھنا، کھلی آستینوں کی قمیص پہننا وغیرہ۔ (تہذیب الائمہ واللغات ج ۱ ص ۳۳-۳۴) ”مطبوعہ موسسۃ مطبوعات ایران“ ۱۳۶۳ھ علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی نے بھی بدعت کی پانچ اقسام ذکر کی ہیں۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۲۵۳) ”مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور“ ۱۴۰۱ھ

علامہ قرطبی مالکی نے تفصیل سے بدعت کی دو قسمیں ذکر کی ہیں بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ جس طرح علامہ جزری نے ذکر کیا ہے۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۸۷، ۸۶) ”مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران“

علامہ ابن عابدین شافعی نے بھی علامہ نووی کی ”تہذیب الائمہ“ علامہ مناوی کی ”شرح الجامع الصغیر“ اور برکلی کی ”الطریقۃ الحمدیہ“ کے حوالے سے بدعت کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں اور بدعت سیئہ کی یہ تعریف کی ہے جو نیک عقیدہ یا نیک عمل یا نیک حال کسی شبہ یا کسی استحسان کی وجہ سے اختراع کیا گیا ہو اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے خلاف ہو اور اس کو صراط مستقیم اور دین توہیم بنالیا گیا ہو۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۷-۳۷۶) ”مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت“ ۱۴۰۷ھ

علماء دیوبند کے مشہور عالم شیخ شبیر احمد عثمانی نے بھی علامہ نووی کے حوالے سے بدعت کی پانچ مشہور اقسام لکھی ہیں۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۲۸۶) ”مطبوعہ مکتبہ المجاز کراچی“

مشہور غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان نے چار قسمیں لکھی ہیں بدعت مباحہ، بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔

(ہدیۃ الحمد ص ۱۱۷) ”مطبوعہ میوہ پریش دہلی“ ۱۳۲۵ھ

اور مشہور نجدی عالم شیخ محمد بن علی شوکانی نے ”فتح الباری“ سے نقل کر کے بدعت کی پانچ اقسام لکھی ہیں۔

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۲۵) ”مطبوعہ مکتبۃ النکایات لاہور“ ۱۳۹۸ھ

بدعت اور سنت باہم مقابل ہیں ہم نے بدعت کی تعریف اور اقسام لکھی ہیں تو یہاں پر اختصار کے ساتھ سنت کی تعریف

اور اس کی اقسام بھی لکھ رہے ہیں۔

سنت کی تعریف اس کی اقسام اور اس کا شرعی حکم

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

سنت کا معنی ہے طریقہ اور سنت النبی کا معنی ہے بی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ۔

(المغربات ص ۳۵ مطبوعہ المکتبۃ الرضویۃ ۱۳۴۲ھ)

علامہ ابن اثیر جزی لکھتے ہیں:

سنت کا لغوی معنی ہے طریقہ اور سیرت اور اس کا شرعی معنی ہے جس کام کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہو یا اس سے منع کیا ہو یا اس کو تولا یا فحلاً تحت قرار دیا ہو (نہایہ ج ۲ ص ۲۰۹ مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعات ایران ۱۳۶۳ھ)

علامہ میرید شریف لکھتے ہیں

سنت کا شرعی معنی ہے بغیر فریضت اور وجوب کے جو طریقہ دین میں رائج کیا گیا ہو جس کام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دائماً کیا ہو اور کبھی ترک بھی کیا ہو وہ سنت ہے اگر یہ دوام بہ طور عبادت ہو تو یہ سنن الزوائد ہیں سنت الہدی وہ ہے جس کو قائم کرنا دین کی تکمیل کیلئے ہو اور اس کا ترک کرنا کراہت یا اسماوت ہے اور سنن الزوائد وہ ہیں جن پر عمل کرنا مستحسن ہے اور ان کا ترک کراہت نہیں ہے اور نہ اسماوت ہے جیسے اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے اور لباس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سنن الہدی کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں جیسے اذان اور اقامت سنت مؤکدہ کا مطالب واجب کی طرح ہے مگر واجب کے ترک پر سزا کا استحقاق ہے اور اس کے (احیاناً) ترک پر عقاب نہیں ہے

(کتاب التریقات ص ۵۳-۵۴ مطبوعہ المطبعۃ الخیرۃ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں:

بغیر لزوم کے دین میں جو طریقہ دائماً رائج کیا گیا ہو وہ سنت ہے اور اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ اس کے کرنے میں ثواب ہے اور اس کے (احیاناً) ترک کرنے پر عتاب اور علامت ہے اور سزا نہیں ہے نیز علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس فعل کو دائماً کیا ہو اور کبھی ترک نہ کیا ہو وہ سنت مؤکدہ کی دلیل اور علامت ہے جیسے رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے آپ نے اس کو کبھی ترک نہیں فرمایا اور جس فعل کو آپ نے کبھی کبھی ترک فرمایا وہ سنت غیر مؤکدہ کی دلیل اور علامت ہے اور جس فعل کو آپ نے دائماً کیا ہو کبھی ترک نہ فرمایا ہو اور اس کے ترک پر انکار فرمایا ہو وہ وجوب کی دلیل اور علامت ہے۔

(المجملہ الرائق ج ۱ ص ۱۷ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

ڈاڑھی میں قبضہ کی بحث

بعض علماء ڈاڑھی میں قبضہ کو واجب کہتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ وجوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے ثابت ہوتا ہے اور کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ آپ نے قبضہ تک ڈاڑھی رکھنے کا امر فرمایا ہو۔ بعض علماء وجوب پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دائماً قبضہ تک ڈاڑھی رکھی اور کبھی اس کا ترک نہیں کیا اور یہ وجوب کی دلیل ہے ہم کہتے ہیں کہ صرف دوام سے وجوب ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ نے اس فعل کے ترک پر انکار بھی فرمایا ہو جیسا کہ علامہ ابن نجیم نے فرمایا ہے اور علامہ ابن ہمام کی بھی یہی تحقیق ہے اور کسی حدیث میں یہ منقول نہیں ہے کہ آپ نے قبضہ سے کم ڈاڑھی رکھنے پر انکار فرمایا ہو نیز آپ وضو میں ہمیشہ دائیں جانب سے ابتدا کرتے تھے اور یہ بالافاق واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے ہمارا موقف یہ ہے کہ نفس ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور منہ انا حرام ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈاڑھی منڈانے والے مجوسی پر انکار فرمایا (المصنف ج ۸ ص ۲۷۹) نیز ڈاڑھی رکھنا اسلام اور مسلمانوں کا شعار ہے البتہ قبضہ تک ڈاڑھی رکھنا واجب نہیں ہے لیکن ڈاڑھی کی اتنی مقدار رکھنا ضروری ہے جس پر عرف میں ڈاڑھی کا اطلاق آسکے

کیونکہ احکام میں عرف کا اعتبار سے علامہ شامی نے لکھا ہے کہ عام اوجیف کافی حد یہ ہے کہ جس چیز کی شرعاً مقدار مبین نہ ہو اس میں بتلاہ کی رائے کا اعتبار ہوتا ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۲۸ مطبوعہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

شخصی، ازہمی یا فرنیج کٹ ڈازہمی سے یہ تقاضہ پورا نہیں ہوتا یہ ایک فنی بحث ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ لمبی اور دراز ڈازہمی رکھی جائے جو ہند کے بالائی حصہ کو بھر لے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازہمی لمبی تھی جو سینہ مبارک کو بھرتی تھی

کیا ترک سنت کی سزا شفاعت سے محرومی ہے؟

علامہ سید طحطاوی لکھتے ہیں:

”نقیہ“ میں مذکور ہے کہ سنت (موکدہ) کا تارک فاسق ہے (صحیح یہ ہے کہ فرض کا تارک اور حرام کا مرتب فاسق ہے سعیدی غفرلہ) اور اس کا منکر بدعتی ہے ورنہ ”تلویح“ میں مذکور ہے کہ سنت موکدہ کو ترک کرنا حرام ہے قریب ہے اور اس کا تارک شفاعت سے محروم ہونے کا مستحق ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے میری سنت کو ترک کیا وہ میری شفاعت کو نہیں پائے گا اور شیخ زین نے ”شرح المنار“ میں لکھا ہے کہ سنت موکدہ سے ترک سے گناہ ہوگا لیکن یہ گناہ ترک واجب کے گناہ سے کم ہوگا۔ (حافضہ سراجی اصلاح ص ۳۹ مطبوعہ مطبع مسطیٰ الباہی، الدار، مصر ۱۳۵۶ھ)

علامہ طحطاوی نے ”تلویح“ کے حوالہ سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے جس نے میری سنت کو ترک کیا وہ میری شفاعت کو نہیں پائے گا یہ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے اور یہ حدیث احادیث صحیحہ کے خلاف ہے بن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لئے میری شفاعت ہے اور سنت کا ترک گناہ کبیرہ نہیں ہے فرض کا ترک یا حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے اور سنت کے ترک کا گناہ ترک واجب کے گناہ سے بھی کم درجہ کا ہے اگر بالفرض یہ حدیث ہو تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ جو سنت موکدہ کو بہ طور تخفیف یا بہ طور انکار ترک کرنے علامہ شامی نے ابن الجانی کی ”شرح تحریر“ کے حوالے سے لکھا ہے جو شخص بلا عذر سنت موکدہ کو بہ طور صراحت ترک کرے وہ ملامت کئے جانے اور عذاب کا مستحق ہوگا لیکن سنت موکدہ کے ترک کا گناہ ترک واجب کے گناہ سے کم ہے (اور اگر کبھی کبھی سنت موکدہ کو ترک کرے تو وہ صرف ملامت کا مستحق ہے)۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۲۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۰۷ھ)

”کن فیکون“ کی تحقیق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اس کے لئے صرف یہ فرماتا ہے ”ہو جا“ تو وہ ہو جاتی ہے O (البقرہ: ۱۱۷)

اس آیت پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس چیز کو یہ خطاب (ہو جا) اس چیز کے وجود میں آنے سے پہلے ہے یا اس چیز کے وجود میں آنے کے بعد ہے اگر اس چیز کے وجود میں آنے سے پہلے اس کو خطاب ہے تو یہ خطاب بالمعہوم ہے اور یہ باطل ہے اور اگر اس کے وجود میں آنے کے بعد اس کو خطاب ہے تو یہ تحصیل حاصل ہے اور یہ بھی باطل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ ”کن“ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے اس کو فوراً پیدا کر دیتا ہے اور جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے وہ اس کے لئے تفکر، تدبیر، معائنہ اور تجربہ کا محتاج نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ لفظ ”کن“ سرعت تخلیق سے استعارہ ہے۔

۱۔ امام ابویسی محمد بن یحییٰ ترمذی منوی ۹۷۷ھ جامع ترمذی ص ۳۵۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کو تمام اشیاء کا علم تھا اللہ تعالیٰ جس چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے اس کی صورت عین کی طرف متوجہ ہو کر فرماتا ہے "کس" یعنی خارج میں موجود ہو جا تو وہ چیز ہو جاتی ہے پس تحصیل حاصل ازم آئی نہ خطاب بالمعدوم۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر لفظ "کس" سرعت تخلیق سے استعارہ ہے تو پھر زمین اور آسمان کی پیدائش چھ دنوں میں کس طرح ولی اور آسمان کی پیدائش نو ماہ میں کیوں ہوتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز کی پیدائش کے لئے اللہ تعالیٰ نے تدریج مقدر کی ہے اور اس تدریج کے لئے جتنا عرصہ مقرر کیا ہے وہ اس عرصہ کے بعد فوراً ہو جاتی ہے خلاصہ یہ ہے کہ وہ جس چیز کو جب اور اور جتنے وقت میں پیدا کرنا چاہے وہ اس وقت میں علی الفور پیدا ہو جاتی ہے بعض چیزوں کو وہ مادہ سے پیدا کرتا ہے اور بعض چیزوں کو وہ بغیر مادہ کے پیدا کرتا ہے جیسے نفس مادہ کو یا روح کو لیکن وہ اپنی تخلیق میں مادہ کا محتاج ہے نہ وقت کا محتاج ہے نہ منصوبہ بندی اور تجربہ کا محتاج ہے وہ جس چیز کو جب چاہتا ہے جیسے چاہتا ہے جتنے عرصہ میں چاہتا ہے فو پیدا کر دیتا ہے یہی "کن فیکون" کا مطلب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جاہلوں (مشرکوں) نے کہا اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ اس سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا۔ (البقرہ ۱۱۸)

مشرکین کے فراموشی معجزات اور مطالبات پورا نہ کرنے کی وجوہ

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکوں نے کہا اللہ ہم سے کلام کر کے ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق کیوں نہیں بتاتا تا کہ ہمیں یقین ہو جائے کہ وہ نبی ہیں اور ہم ان پر ایمان لے آئیں یا ہمارے پاس کوئی ایسی نشانی کیوں نہیں آتی جو ان کی نبوت پر دلالت کرے اس سے پہلے یہود اور نصاریٰ یا پچھلی امتوں کے کافروں نے بھی اسی طرح کہا تھا سرکشی بہت دھری ہے ہو وہ مطالبوں اور ایمان نہ لانے میں ان کے دل ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے ہیں ایمان لانے والوں کے لئے تو ہم نشانیاں بیان کر چکے ہیں۔

جاہل اور مشرک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کے مطالبات کرتے تھے

اور انہوں نے کہا ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دیں یا آپ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو پھر آپ اس کے درمیان بہتی ہوئی نہریں جاری کر دیں یا جیسے آپ نے کہا ہے آپ ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے بے حجاب لے آئیں یا آپ کے لئے سونے (کی دھات) کا گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے پر بھی ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہم پر ایک کتاب نازل کریں جس کو ہم پڑھیں آپ کہہ دیجئے: میرا رب (ایسے لایعنی مطالبات کو پورا کرنے سے) پاک ہے میں تو صرف بشر رسول ہوں

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةٌ
يَكُونُ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّجِيلٍ وَّعِنَبٌ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ
حَدِيثًا فَنَجِيَّزًا أَوْ تَسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زُحَّمَتْ عَلَيْنَا سِفًّا أَوْ نَأْتِي
بِآلِهَةٍ وَآلِهَتِكَ كَذِبًا أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ ذُرْهُنَّ أَوْ
تَنزِلَ فِي السَّمَاءِ مَائِدَةٌ مِّنْ لُّوقِيٍّ حَتَّى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا
نَقْرُوهُ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ

(ہو. سرائیل ۹۳-۹۰)

جس طرح مشرکین مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان لانے کیلئے بے سرو پا مطالبات کئے تھے اسی طرح اس سے پہلے یہودیوں نے بھی حضرت موسیٰ سے ایسے ہی مطالبات کئے تھے انہوں نے میدان تیر میں کہا ہم ایک قسم کے لکھنے پر صبر نہیں کریں گے انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا ہمارے لئے بھی ایسا خدا بنا دو جیسا ان لوگوں کا خدا ہے اور انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم خدا کو بالکل ظاہر نہ دیکھ لیں۔

(۱) جب اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک نشانی پیش کر دی تو وہ ایک مکلف اور انصاف پسند شخص کے ایمان لانے کیلئے کافی ہے اور وہ نشانی قرآن مجید ہے جس کی نظیر لانے سے آج تک ساری دنیا عاجز ہے اور جو شخص کج بحث، کٹ حجت اور ہٹ دھرم ہو اس کے لئے ہزاروں نشانیاں بھی ناکافی ہیں اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک یقین کرنے والے لوگوں کے لئے ہم نے نشانیاں بیان فرمادی ہیں۔

اور کافروں نے کہا ان پر ان کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں نازل کی گئیں؟ آپ کہتے کہ نشانیاں تو صرف اللہ ہی کے پاس ہیں، میں تو صرف واضح طور پر

ڈرانے والا ہوں ○ کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر ایک (عظیم) کتاب نازل کی ہے جس کو ان پر تلاوت کیا جاتا ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ بِيَدِنَا ۖ وَأَنزَلْنَاهَا قُرْآنًا مَّعْرُوفًا ۚ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ الْكِتَابُ يُنْتَلَىٰ عَلَيْهِمْ (العنکبوت ۵۱-۵۰)

(۲) اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ ہوتا کہ ان فرمائی معجزات کو نازل کرنے سے ایمان لے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ان معجزات کو نازل فرما دیتا لیکن اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ اگر وہ ان کے مطالبات پورے بھی کر دے تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے بلکہ اور ضد بحث کریں گے اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ دُكُوًا ۚ أَوْ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا أَغْنَاءَ ۚ أَوْ لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَغْرَضُونَ ○ (۱۱۱ مال ۲۳)

(۳) جس قسم کے معجزات کا انہوں نے مطالبہ کیا تھا ان کو پورا کرنے کے بعد عقل کی آزمائش اور ایمان بالغیب کی کوئی گنجائش نہ رہتی اور یہ چیز اللہ کی حکمت کے خلاف ہے کہ ایمان لانے میں عقل کے امتحان کا کوئی دخل نہ ہو اور غیب پر ایمان نہ ہو کیونکہ جب سب لوگ فرشتوں کو بھی دیکھ لیتے اور خدا کو بھی دیکھ لیتے تو پھر ایمان بالغیب نہ رہتا۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاری ہے کہ جب کوئی قوم کسی معجزہ کی فرمائش کرے اور پھر اس کے بعد ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہلاک اور مایا میٹ کرنے کے لئے آسمانی عذاب نازل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ پھر بھی مان نہیں لائیں گے اور اللہ وعدہ کر چکا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے آسمانی عذاب نہیں آئے گا اب اس کے مطالبات پورے ہونے کے بعد یہ ایمان نہ لائے اور اللہ تعالیٰ عذاب نازل نہ کرتا تو یہ اس کی سنت کے خلاف تھا اور عذاب نازل کر دیتا تو یہ اس کے وعدہ کے خلاف تھا۔

(۵) جس قدر کثرت کے ساتھ یہ مجربات کا مطالبہ کر رہے تھے گراں گزشتہ کثیر مجربات آجاتے تو پھر مجزہ مجزہ نہ رہتا بلکہ عادت اور معمول کے مطابق ایک کام ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دی ہے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے اور جہنمیوں کے متعلق آپ سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا (البقرہ ۱۱۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کی بحث

جب کفار نے ضد اور عناد سے اپنے فرمائی مجربات کے مطالبہ پر اصرار کیا اور ایمان نہیں لائے جب کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر نشانیاں نازل کر دی تھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ایمان نہ لانے پر رنج اور افسوس ہوا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ آپ کا کام تو صرف ایمان لانے والوں کو بشارت دینا اور ایمان نہ لانے والوں کو دوزخ سے ڈرانا ہے پھر بھی اگر کوئی ایمان نہیں مانتا تو آپ سے ان دوزخیوں کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا جائے گا۔

علامہ ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میرے ماں باپ کے ساتھ کیا کیا گیا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۴۰۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث معضل اسناد اور ضعیف ہے اور حجت نہیں ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۱۱۱ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

علامہ قرظی لکھتے ہیں کہ ہم نے کتاب (الذکرہ) میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ماں باپ کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لے آئے۔ (الجامع احکام القرآن ج ۲ ص ۹۳ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے نجات یافتہ ہونے کے متعلق متعدد مسک ہیں۔ مسک اول آپ کے والدین کریمین آپ کی بعثت سے پہلے فوت ہو گئے تھے اور جو بعثت سے پہلے فوت ہو گئے تھے ان کو عذاب نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا

اور ہم عذاب دینے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج دیں (بنی اسرائیل ۱۵) دیں

یہ آیت ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن کو کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی اور ابوین کریمین کو کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی انبیاء سابقین کا زمانہ اس سے بہت بعید تھا کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے اور ان کے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان زمانہ فترت (انقطاع نبوت) چھ سو سال ہے پھر وہ زمانہ جاہلیت میں تھے اور اس وقت شرق اور غرب میں جہالت پھیل چکی تھی دنیا کے چند عداوتوں میں گنتی کے سلا، اہل کتاب تھے اس کے علاوہ شریعت کی معرفت کے ذرائع معدوم ہو چکے تھے اور آپ کے والدین شریفین نے کہیں سفر نہیں کیا صرف آپ کے والد گرامی ایک بار مدینہ منورہ گئے اور انہوں نے زیادہ عمر نہیں پائی جب حضرت آمنہ امید سے ہوئیں تو اس وقت حضرت عبد اللہ کی عمر اٹھارہ سال تھی اس وقت آپ مدینہ گئے اور وہیں وفات پائی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چھ سال کی تھی تو حضرت آمنہ غالباً اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے مدینہ گئیں اور وہیں فوت ہو گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تین ہزار ساس سے زیادہ کا عرصہ تھا

مسلم ثانی: آپ کے ابوین کریمین سے شرک صادر نہیں ہوا، بلکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے جیسے اور بھی کئی عرب تھے مثلاً زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل وغیرہما، امام فخر الدین رازی نے اپنی کتاب "اسرار التریل" میں لکھا ہے: "آذر حضرت ابراہیم کے والد نہیں بچے تھے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد کا فرض نہیں تھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **الَّذِي يُولَدُ لَكَ جَنِينَ تَقُوْمُ ۚ وَتَقْلِبُكَ فِي السُّجُوْدِ**" جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں O

(اشعرا، ۲۱۹) اور دیکھتا ہے جب وہ کرنے والوں میں آپ کے پٹنے کو O

یعنی آپ کا نور ہمیشہ مجدہ کرنے والوں میں ایک دوسرے سے منتقل ہوتا رہا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اِسْمًا الْمُسْتَرِكُوْنَ نَجِصٌ (البقرہ ۲۸) سب مشرکین محض نجس ہیں۔

اور آپ نے فرمایا میں ہمیشہ طاہرین کی پشتوں سے طاہرات کے رحموں میں منتقل ہوتا رہا اس لیے واجب ہے کہ آپ کے آباء و اجداد میں سے کوئی مشرک نہ ہو (امام رازی کا کلام ختم ہوا) نیز احادیث سے ثابت ہے کہ آپ کے تمام آباء اپنے زمانہ میں سب سے افضل اور خیر تھے کیونکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ہر قرن میں ہو آدم کے خیر قرن سے معوث ہوا ہوں حتیٰ کہ وہ قرن جس میں میں معوث ہوا اور امام بیہقی نے "دلائل النبوة" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب بھی لوگوں کے دو فرقے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں سے خیر میں رکھا میں اپنے ماں باپ سے پیدا کیا گیا اور مجھے زمانہ جاہلیت کی کسی چیز نے نہیں چھوا حضرت آدم سے لے کر میرے والدین تک میں (ہمیشہ) نکاح سے پیدا ہوا زنا سے پیدا نہیں ہوا میں تم سے خیر (افضل) ہوں اور میرے باپ تمہارے باپ سے خیر ہیں اور امام عبدالرزاق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر دور میں روئے زمین پر کم از کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں اگر ایمان نہ ہوتا تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے اس حدیث کی سند امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

اور مومن اور کافر میں مومن خیر ہے قرآن مجید میں ہے:

وَالْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ (البقرہ ۲۱۱) اور غلام مومن مشرک سے خیر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء ہر زمانہ کے لوگوں میں خیر تھے اور خیر مومن ہے اور ہر زمانہ میں مومن تھے تو ثابت ہوا کہ آپ کے تمام آباء ہر زمانہ میں مومن تھے۔

مسلمک ثالث: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ابوین کریمین کو زندہ کیا حتیٰ کہ وہ آپ پر ایمان لے آئے امام ابن شاہین حافظ ابو بکر خطیب بغدادی علامہ سیبلی علامہ قرطبی محبت طبری اور علامہ ناصر الدین وغیرہ کا یہی مسلک ہے انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جس کو امام ابن شاہین نے "الناخ والمسنوخ" میں خطیب بغدادی نے "السابق واللاحق" میں امام دارقطنی اور امام ابن عساکر نے "غرائب" میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کیا پھر میرے ساتھ ایک گھائی پر جون میں آئے در آں حالیکہ آپ غزوہ تھے اور رو رہے تھے آپ کافی دیر ٹھہرے رہے پھر میرے پاس لوٹے اس وقت آپ خوش تھے اور مسکرا رہے تھے آپ نے فرمایا میں اپنی والدہ کی قبر پر گیا تھا میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کو زندہ کر دے اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر اللہ نے ان کو نوادیا یہ حدیث محدثین کے اتفاق سے ضعیف ہے بلکہ ایک قول یہ ہے کہ موضوع ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ

یہ ضعیف ہے نہ موضوع نہیں ہے میں نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے علامہ پہلی نے "الروضہ الناف" میں ایک سند سے روایت کیا ہے جس میں مجہول راوی ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ آپ کے والدین کو زندہ کر دے اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا وہ آپ پر ایمان لے آئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی اس کے بعد علامہ پہلی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی رحمت اور قدرت اس سے عاجز نہیں ہے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس لائق ہیں کہ وہ ان کو اس خصوصیت کے ساتھ اپنے فضل اکرم سے نوازے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ابوین کریمین کو زندہ کرنے کی حدیث اور ان کے لیے استغفار کی ممانعت میں کوئی تضاد نہیں ہے (کیونکہ غیر معصوم کے لیے استغفار کرنا ان کے حق میں معصیت کا وہم پیدا کرتا ہے) علامہ قرطبی نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بے شمار ہیں اور ابوین کریمین کو زندہ کرنا عقلاً و شرعاً محال نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں بنو اسرائیل کے مقتول کو زندہ کرنے اور اپنے قاتل کی خبر دینے کا ذکر ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے قاضی ابوبکر بن العربی مائنی سے کسی نے پوچھا کہ جو شخص یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد دوزخ میں ہیں اس کا کیا حکم ہے انہوں نے کہا وہ ملعون ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ترجمہ) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے (۱۱ آیت ۵۷) اور آپ کے لیے اس سے جڑھ کر اور کیا ایذا ہوگی کہ آپ کے والد کو جہنمی کہا جائے (صحیح مسلم کی جس حدیث میں سے میرا باپ اور تمہارا باپ جہنم میں ہے اس میں باپ کا اطلاق چچا پر ہے اور اس سے مراد ابو طالب ہے)۔ علامہ باجی نے بھی "المستغنی" میں اسی طرح لکھا ہے۔ امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت طلح بن علی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو پا لیتا میں مشائی نماز میں ہوتا اور وہ مجھے یا محمد کہہ کر پکارتے تو میں ہیک کہتا۔ (الحادی للحدادی ج ۲ ص ۳۳۳-۳۴۲ مطبوعہ مکتبہ ذریعہ رشیدیہ فیصل ۱۰)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ عزت دی کہ آپ کے والدین کریمین کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لے آئے جیسا کہ اس حدیث میں ہے جس کو علامہ قرطبی اور حافظ ناصر الدین نے صحیح قرار دیا ہے اور انہوں نے خلاف قعدہ موت کے بعد ایمان کا نفع پایا اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی ہے جیسے بنو اسرائیل کے مقتول کو زندہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اللہ نے مردوں کی ایک جماعت کو زندہ کیا۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۹۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں، احادیث صحیحہ میں ہے کہ ابو طیبہ اور حضرت ابن الزبیر نے آپ کے اس خون کو پی لیا جو آپ نے ان کو پھینکنے کے لیے دیا تھا آپ نے فرمایا میرا خون جس خون کے ساتھ مل گیا اس کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی تو جس کے شکم میں اس کے خون اور دودھ سے آپ کی پرورش ہوتی رہی اور جو آپ کی خلقت کی اصل ہیں وہ دوزخ سے کیونکر نہ محفوظ ہوں گے۔ (فتح القنادی للحدادی ج ۲ ص ۳۶۵ مطبوعہ مکتبہ صبیحہ کوئٹہ)

وَلَكِنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ

اور یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے حتیٰ کہ آپ ان کی ملت کی

اس کا جواب یہ ہے کہ سورہ مقررہ میں یہود و نصاریٰ کے حسد اور بغض کی وجہ سے ان کے ایمان لانے کی نفی فرمائی ہے اور قرب قیامت میں نزول مسیح کے وقت جب یہود و نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو دین اسلام اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی کرتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کا حسد اور بغض زائل ہو جائے گا اور ان پر آپ کی حقانیت واضح ہو جائے گی اور وہ سب آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

بعض آیات میں یہ ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حقیقت میں مسلمانوں سے خطاب ہونا

اس کے بعد فرمایا ہے۔ اگر آپ نے وحی نازل ہونے کے بعد بھی یہ فرض محال یہود و نصاریٰ کی خواہشات کی پیروی کی تو آپ کو (معاذ اللہ) اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا اس آیت میں مسلمانوں سے تعریضاً خطاب ہے تعریض اس کو کہتے ہیں کہ صراحتاً اور بہ ظاہر کسی سے خطاب ہو اور حقیقتاً دوسروں سے خطاب ہو اسی طرح اس آیت میں بھی یہ ظاہر صراحتاً تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور تعریضاً عام مسلمانوں سے ہے یعنی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی اتباع کرنا محال ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ وعید سنائی ہے تو عام مسلمانوں کی طرف یہ وعید بہ طریق اولیٰ متوجہ ہے۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

لَٰكِنَّ اَشْرَکْتَ كَيْبَظَنَّ عَمَلُکَ (الرعر ۶۵)

اگر (یہ فرض محال) آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

اس آیت میں بھی عام مسلمانوں کو تعریض ہے یہ ظاہر صراحتاً خطاب آپ سے ہے اور مراد عام مسلمان ہیں یعنی اگرچہ آپ کا شرک کرنا محال ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس محال کی تقدیر پر جب یہ وعید سنائی ہے تو اگر عام مسلمان شرک کریں تو ان کی طرف یہ وعید بہ طریق اولیٰ متوجہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی اس طرح تلاوت کرتے ہیں جو تلاوت کرنے کا حق ہے وہی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ (البقرہ: ۱۲۱)

تورات اور انجیل کی تلاوت کا ناجائز ہونا اور قرآن مجید کی تلاوت کے آداب

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں سے مراد اہل کتاب ہیں یا مسلمان ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں کیونکہ اس سے پہلی آیات میں بھی اہل کتاب کا ذکر ہے اور پہلے اہل کتاب میں ان لوگوں کی مذمت کی تھی جنہوں نے تورات میں تحریف کی اور کج بحثی اور ہٹ دھرمی کا اظہار کیا اور اب ان اہل کتاب کا ذکر ہے جنہوں نے تحریف نہیں کی تورات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیاں پڑھ کر آپ پر ایمان لے آئے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور تورات کی تلاوت کرنا جس طرح تلاوت کرنے کا حق ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو بغیر تحریف کے پڑھنا یا اس کو پڑھ کر اس کے احکام پر عمل کرنا دوسرا قول یہ ہے کہ ان لوگوں سے مراد مسلمان ہیں اور کتاب سے مراد قرآن کریم ہے کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جو کتاب کی اس طرح تلاوت کرتے ہیں جو تلاوت کرنے کا حق ہے اس آیت میں کتاب کی تلاوت کرنے کی تعریف کی ہے اور اس پر برا بیچتہ کیا ہے اور یہ صفت صرف قرآن مجید کی ہے تورات اور انجیل کی نہیں ہے کیونکہ ان کی تلاوت اب جائز نہیں ہے حافظ البیہقی نے امام بزار کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تورات پڑھ رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا اگر اب موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کے لیے میری اتباع کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۳۔ "تلاوت دارالاب لامر بنی" ۱۴۰۴ھ)

اس لیے متعین ہو گیا کہ یہاں کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور اس کی تلاوت کا حق یہ ہے کہ

(۱) قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے اس کے معانی میں غور و فکر کرنا۔

(۲) اگر جنت یا آیت رحمت کو پڑھے تو اس کو طلب کرے عذاب کی آیت پڑھے تو اس سے پناہ مانگے اگر نیک لوگوں کی

صفات پڑھے تو ان کو اپنانے کی دعا کرے برے لوگوں کا ذکر پڑھے تو ایسے اعمال سے محفوظ رہنے کی دعا کرے احکام کی

آیات پڑھے تو ان پر عمل کرنے کی توفیق طلب کرے۔

(۳) قرآن مجید کی تلاوت اس طرح کرے کہ اس کے تقاضوں پر عمل کرے۔

(۴) قرآن مجید کو خشوع اور خضوع سے پڑھے آیات غضب کو پڑھ کر اس پر خوف طاری ہو اور اس کے بدن کے رونگٹے

کھڑے ہو جائیں اپنے گناہوں پر اشک ندامت بہائے۔

(۵) قرآن مجید کی حکم آیات پر عمل کرے نقابہات پر ایمان لائے اور ان کا معنی اور مراد اللہ تعالیٰ کی طرف منقوض کر دے۔

قرآن مجید کی تلاوت کے آداب کا ہم نے اس کتاب کے مقدمہ میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلُ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنْتُمْ

اے بنو اسرائیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی ہیں اور

اَنْتُمْ فَصَلُّوْا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۲۳ وَاتَّقُوا یَوْمًا لَا تَجْزِیٰ

بے شک میں نے تم کو (تمہارے زمانہ میں) تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے O اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص

نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَیْئًا وَلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا

کسی شخص کی طرف سے کوئی بدلہ نہیں دے سکے گا اور نہ کسی شخص سے کوئی فدیہ (تاوان) قبول کیا جائے گا اور نہ کسی

شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ یُنصَرُونَ ۝۱۲۴ وَاِذْ اَبْتَکٰی اِبْرٰهٖمَ رَبُّہٗ

شخص کو (بلا اذن) کسی کی شفاعت نفع دے دی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O اور جب کہ ہاتھوں میں ابراہیم کی ان کے رب نے آزمائش

بِکَلِمٰتٍ فَاَنْتَهٰتِهِنَّ ط قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ط قَالَ

کی تو انہوں نے ان (سب) کو پورا کر دیا اللہ نے فرمایا بے شک میں تم کو (تمام) لوگوں کا امام بنانے والا ہوں (ابراہیم نے) کہا

وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ط قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظَّالِمِیْنَ ۝۱۲۵

اور میری اولاد سے بھی اللہ نے فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا O

نسبت ابراہیم کی وجہ سے یہود و نصاریٰ اور مشرکین پر دین اسلام کا حجت ہونا پہلی دو آیتوں کی تفسیر سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۸، ۱۲۹ میں گزر چکی ہے، پیری آیت میں ارشاد ہے اور جب کئی باتوں میں ابراہیم کی ان کے رب نے آزمائش کی۔ (بقرہ ۱۲۴)

اللہ تعالیٰ نے پہلے تفصیل سے ہوا اسرائیل پر کئے گئے انعامات کو بیان فرمایا، پھر یہ بیان فرمایا کہ انہوں نے اپنے دین اور اعمال میں کیا کیا بدعات اور خرابیاں پیدا کیں، اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ شروع فرمایا، اور اس کی حکمت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے شخص ہیں کہ تمام ادیان اور مذاہب کے پیروکار ان کی فضیلت کا اعتراف کرتے ہیں اور مشرکین مکہ بھی اس پر فخر کرتے تھے کہ وہ حضرت ابراہیم کی اولاد سے ہیں اور خدام حرم ہیں اور یہود و نصاریٰ بھی ان کی فضیلت کا اعتراف کرتے تھے اور ان کی اولاد سے ہونے کا شرف ظاہر کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا جس سے حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کے دین کا ان سب پر حجت ہونا لازم آتا ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔

(۱) حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خصوصیت حج بیت اللہ ہے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ بیت اللہ کا حج حضرت ابراہیم کی یادگار ہے اور اس کا داعی صرف اسلام ہے اس لیے جو حضرت ابراہیم کو ماننے والے ہیں ان پر دین اسلام کو ماننا واجب ہے۔

(۲) جب کعبہ کو قبۃ بنا دیا گیا تو یہود نے اس کا برا منایا اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ تم حضرت ابراہیم کو ماننے والے ہو اور یہ کعبہ ان ہی کا بنایا ہوا ہے تو اس کے قبۃ بنائے جانے پر تو تمہیں ناراض ہونے کی بجائے خوش ہونا چاہیے۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جن کلمات سے آزمائش کی گئی اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ ان کا تعلق بدن کی صفائی اور پاکیزگی سے تھا اور یہ طہارت صرف دین اسلام میں ہے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت کرنے والوں پر لازم ہے کہ وہ دین اسلام کو مانیں۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج، چاند اور ستاروں کی خدائی کا انکار کیا اور بت پرستی کا رد کیا اور اسلام بھی اسی کا داعی ہے۔

(۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم سے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹے کی جگہ مینڈھے کو ذبح کر دیا اور اس تاریخ کو سنت ابراہیم کے مطابق قربانی کرنا صرف دین اسلام میں ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے۔

(سنن ابن ماجہ ۳۶)

ان کلمات کا بیان جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کی گئی

امام بن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جن کلمات سے آزمائش کی گئی ان کے متعلق متعدد اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے:

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیس کلمات سے آزمائش کی گئی جن میں سے دس کا ذکر سورہ توبہ میں، دس کا ذکر سورہ احزاب میں اور دس کا ذکر سورہ مومنوں میں ہے، سورہ توبہ میں جن دس

کلمات کا ذکر ہے وہ یہ ہیں

الْمُتَّقِينَ الْعِزَّةُونَ الْمُحْسِنُونَ التَّائِبُونَ الزَّكَاةُونَ
السَّاجِدُونَ الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَيَنْشُرُونَ الْمُؤْمِنِينَ

(التوبہ: ۱۱۲)

توبہ کرنے والوں، عبادت کرنے والوں، حمد کرنے
والوں، روزہ رکھنے والوں، رکوع کرنے والوں، سجدہ کرنے
والوں، نیکی کا حکم دینے والوں، برائی سے روکنے والوں، اللہ کی
حدود کی حفاظت کرنے والوں اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا
دیتے ہیں

سورہ احزاب میں ان دس کلمات کا ذکر ہے:

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
وَالْقُرْبَانِ وَالْقَنَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ
وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ
وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ
فُرُوجَهُمُ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ
أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا (الاحزاب: ۳۵)

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان
والے مرد اور ایمان والی عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار
عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور
صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع
کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے
والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی
عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی
شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بہت ذکر
کرنے والے مرد اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والی عورتیں اللہ
نے ان سب کے لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے

اور سورہ مؤمنون میں جن دس کلمات کا ذکر ہے وہ یہ ہیں:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ
خَاشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝ وَالَّذِينَ
هُم لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا
عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنْ
ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ
لِأَمْوَالِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ
(المؤمنون: ۱-۹)

بے شک ایمان والے کامیاب ہوئے جو اپنی نماز
خشوع سے پڑھتے ہیں اور جو بے ہودہ باتوں سے اعراض
کرتے ہیں اور جو زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں
کی حفاظت کرتے ہیں ماسوا اپنی بیویوں اور باندیوں کے
بے شک اس میں ان پر کوئی ملامت نہیں اور جو اس کے سوا
کسی اور کو طلب کرے تو وہی لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے
والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت
کرنے والے ہیں اور جو اپنی نماز کی (قضا ہونے سے)
حفاظت کرتے ہیں

اور طووس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دس کلمات سے
آزمائش کی گئی پانچ کا تعلق سر کی طہارت سے اور پانچ کا تعلق باقی جسم کی طہارت سے ہے وہ دس کلمات یہ ہیں
امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ دس چیزیں فطرت سے ہیں (سنت ہیں) مونچھیں کم کرنا، ڈاڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ٹاک میں پانی ڈالنا، ناخن تراشنا، انگلیوں کے جوڑ دھونا، بغل کے بال نوچنا، زیر ناف پاؤں کو موٹنا، استنجا کرنا، راوی نے کہا میں دسویں چیز بھول گیا البتہ وہ کلی کرنا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۹، مطبوعہ نور محمد امجد الطحا کرچی ۱۳۵۵ھ)

ان دس چیزوں کی مکمل تشریح ہم نے شرح صحیح مسلم جلد اول میں کر دی ہے۔

اور حدیث نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کلمات کی تفسیر میں جسمانی طہارت کے علاوہ مناسک حج کا بھی ذکر کیا ہے اور ان میں طواف، سعی، رمی جمار اور وقوف عرفات کا ذکر کیا ہے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۱۲۵-۱۲۴، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک میں تم کو (تمام) لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ (البقرہ: ۱۲۳)

امام کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

امام اس کو کہتے ہیں جس کی اقتداء کی جائے خواہ وہ انسان ہو جس کے قول اور فعل کی اطاعت اور اتباع کی جائے یا کتاب ہو جس میں مذکور احکام کی اطاعت کی جائے اور خواہ وہ امام حق ہو یا باطل، قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ كُنَّا عُرُوفًا اَنَّا بِلِقَائِ رَبِّنَا مُلْقَمُونَ (نور اہل ۷۱)

جس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔

اس آیت میں امام سے مراد وہ شخص ہے جس کی اقتداء کی گئی ہو خواہ وہ حق ہو یا باطل اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کتاب ہے۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْمَيْنَا فِيْ اَمَامَةٍ مُّبِينٍ (نور ۱۲)

اور ہم نے ایک روشن کتاب میں ہر چیز کا احاطہ کر لیا ہے۔

○ ہے

اس آیت میں امام سے مراد لوح محفوظ ہے۔ (المفردات ص ۲۳، مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

اہل سنت کے نزدیک امام کا شرعی معنی

جب امام کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے مراد وہ شخص ہے جس کی منہاج نبوت پر امور دین میں پیروی کی جائے اور اس کا مصداق انبیاء علیہم السلام، خلفاء راشدین، قضاۃ، فقہاء ائمہ اور نماز کے امام ہیں، انبیاء علیہم السلام اس لیے امام ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امور دین میں ان کی اتباع اور اقتداء لازم کر دی ہے اور خلفاء راشدین اس لیے امام ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اقتداء لازم کر دی ہے، حضرت عمر باض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری سنت کی پیروی کرو اور میرے خلفاء راشدین کی پیروی کرو اور قضاۃ، فقہاء، ائمہ مجتہدین اور ائمہ تفسیر و حدیث بھی امام ہیں کیونکہ یہ سب اولی الامر میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اولی الامر کی اطاعت کو بھی لازم کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ
وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (النساء ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے صاحبان امر ہیں۔

۱۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۷ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۷۹، مطبوعہ مطبع مکتبہ پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ

اور نماز کے امام کو اس لیے امام کہا جاتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: امام کو اس لیے امام بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے جب وہ قیام کرے تو قیام کر دے جب وہ رکوع کرے تو رکوع کر دے اور جب وہ سجدہ کرے تو سجدہ کر دے انبیاء علیہم السلام کا امامت میں سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے پھر خلفاء راشدین ہیں پھر علماء فقہاء ائمہ مجتہدین عادل قاضی اور نماز کے امام ہیں اور جب امام سے مراد امام باطل ہو تو اس کے ساتھ کوئی ایسا فریہ ہوتا ہے جس سے اس پر داللت ہو کہ یہاں امام باطل مراد ہے قرآن مجید میں ہے۔

فَقَاتِلُوا آلَ ابْنِ مَرْثَدَةَ الْكَافِرِ (التوبہ: ۱۲)

کفر کے اماموں سے قتل کرو۔

اور ہم نے ان کو ایسا امام بنایا کہ وہ لوگوں کو دوزخ کی

(قصص: ۳۱) طرف بلاتے ہیں۔

ہر چند کہ امام کا اطلاق خلفاء راشدین فقہاء ائمہ مجتہدین اور ائمہ مساجد پر بھی ہوتا ہے لیکن اس جگہ امام سے مراد نبی ہے کیونکہ اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خطاب ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب بہ طور امتنان اور احسان ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس سے امامت کا اعلیٰ درجہ مراد لیا جائے اور وہ نبوت ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ الناس میں امام استخراق ہے اور اس کا معنی ہے میں تم کو تمام لوگوں کا امام بنانے والا ہوں اور جو تمام لوگوں کا امام ہو وہ نبی ہوتا ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ یہاں امام سے مراد امام معصوم ہے کیونکہ جب حضرت ابراہیم نے کہا اور میری اولاد سے بھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا اور امام معصوم صرف نبی ہوتا ہے اس لیے اس آیت میں امام سے مراد نبی ہے۔

تمام مسلمانوں کے امیر کو بھی امام کہتے ہیں اس کی تعریف یہ ہے جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب اور خلیفہ ہو اور اس کو دین اور دنیا کے تمام امور میں ریاست عامہ حاصل ہو علامہ تقی نازانی نے لکھا ہے کہ امت کے لیے ایک امام ضروری ہے جو دین کے احکام کو زندہ کرے سنت کو قائم کرے مظلوموں کے ساتھ انصاف کرے اور حق داروں کو ان کے حقوق پہنچائے امام کے تقرر کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ مکلف ہو مسلمان ہو نیک ہو آزاد ہو مرد ہو مجتہد ہو بہادر ہو صاحب رائے ہو سمیع بصیر اور ناطق ہو اور قرشی ہو اس کے لیے ہاشمی ہونا معصوم ہونا اور سب سے افضل ہونا ضروری نہیں ہے۔

(شرح القاصد ج ۵ ص ۱۳۳-۱۳۲ مطبوعہ منشورات الرضی ایران ۱۳۰۹ھ)

اہل تشیع کے نزدیک امامت کا شرعی معنی اور بحث و نظر

محققین شیعہ کی کتاب "تفسیر نمونہ" میں لکھ ہے۔

دنیاوی حکومت یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی حدود کو جاری کرنا اور دینی تربیت یعنی لوگوں کے ظاہر و باطن کو شریعت کے مطابق اور پاک اور صاف بنانا ان دونوں منصبوں کا مجموعہ امامت ہے اور یہ مرتبہ رسالت اور نبوت سے بلند تر ہے کیونکہ رسالت اور نبوت سے صرف اللہ کے احکام کی تبلیغ کی جاتی ہے ذرا یا جاتا ہے اور خوشخبری دی جاتی ہے اور امامت میں اس کے ساتھ ساتھ ظاہر اور باطن کی تربیت بھی کی جاتی ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ امامت کا معنی صرف اراء طریق (نیکی کا راستہ دکھانا) نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ایصال بہ مطلوب (صالح مومن بنادینا) ہے۔ امام کا یہ منصب بارہ اماموں پر صادق آتا ہے اور بعض بزرگ انبیاء علیہم السلام کو بھی امامت کا یہ منصب حاصل ہے۔

نبوت کا معنی ہے: اللہ کی وحی کو حاصل کرنا رسالت کا معنی ہے: وحی الہی کی تبلیغ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو بندوں تک

۱ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ

پہنچانا اور امامت کا معنی ہے دنیا میں احکام الہی کو جاری کرنا اور خلق خدا کے ظاہر اور باطن کو نیک بنانا خلاصہ یہ ہے کہ نبوت اور رسالت کا منصب اراءت طریق ہے اور امامت کا مرتبہ ایصال بہ مطلوب ہے۔

(تفسیر نمونہ ج ۱ ص ۳۳۱ - ۳۳۸ مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ ایران ۱۳۶۹ھ)

علامہ شیعہ کا یہ کہنا کہ امامت کا منصب ایصال بہ مطلوب ہے اس لیے صحیح نہیں ہے کہ پھر اماموں کو چاہیے تھا کہ وہ اپنے اپنے زمانوں میں سب لوگوں کو مومن بنادیتے اور کوئی کافر شرک اور کفری و فاجر باقی نہ رہتا۔ ”تفسیر نمونہ“ میں اس کا یہ جواب لکھا ہے کہ ائمہ لوگوں کو جبراً مسلمان نہیں بناتے بلکہ ان کو ان کے اختیار سے مسلمان کرتے ہیں جیسے سورج موجودات کی تربیت کرتا ہے یا بارش زمین کو زندہ کرتی ہے پھر بھی بہت سی زمینیں مردہ ہیں۔ (تفسیر نمونہ ج ۱ ص ۳۳۵)

اس جواب سے ان کو نجات نہیں ملے گی یہ جواب اس وقت صحیح ہوتا جب ائمہ کا منصب صرف اراءت طریق یعنی راستہ دکھانا ہوتا خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے لیکن اس کے برعکس شیعہ کہتے ہیں کہ ائمہ کا منصب ایصال بہ مطلوب ہے اور ظاہر اور باطن میں ہدایت کو پہنچانا ہے تو کیوں نہ ائمہ نے کافروں اور فاسقوں کے باطنوں میں انقلاب برپا کیا اور ان کے دلوں کی کجی کو سیدھا کیا اور کیوں نہ ان کو مسلمان اور صالح بنایا اس اعتراض سے ان کی جان نہیں چھوٹ سکتی حتیٰ کہ شیعہ یہ اقرار کر لیں کہ ایصال بہ مطلوب صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور انبیاء علیہم السلام اور ائمہ دونوں کا منصب اراءت طریق یعنی راستہ دکھانا ہے ائمہ کو انبیاء سے بڑھانے کے شوق میں شیعہ نے یہ کہا کہ انبیاء اور مرسلین صرف اراءت طریق کرتے ہیں اور ائمہ ایصال بہ مطلوب کرتے ہیں۔

امامت کو نبوت اور رسالت سے بڑھانے کے لیے شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کو نبوت کے بعد امامت ملی اس سے معلوم ہوا کہ امامت کا مرتبہ نبوت سے زیادہ ہے یہ کہنا بھی غلط ہے اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امام بنانے سے شیعہ کی اختراعی امامت مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بعد میں آنے والے تمام انبیاء اور مرسلین کا مبداء اور باپ بنا دیا اور بعد کے تمام انبیاء آپ کی نسل سے مبعوث ہوئے۔

علامہ شیعہ کا بارہ اماموں کو انبیاء اور رسل سے افضل اور بلند تر قرار دینا صریح کفر ہے اور بداعتہ باطل ہے قرآن مجید میں

ہے

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَالْإِسْمَٰئِيلَ عَلَى الْعَالَمِينَ ○ (آل عمران ۳۳)

بے شک اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہان والوں پر بزرگی دی ہے ○

آل ابراہیم اور آل عمران میں ان کی اولاد میں سے انبیاء مراد ہیں خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے لے کر حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام نبیوں کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے اور تمام جہان والوں میں وہ ائمہ بھی داخل ہیں جو نبی نہیں ہیں پس ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام ان سے افضل ہیں نیز قرآن مجید میں ہے

اور ہم نے ابراہیم کو اخیوت اور یعقوب عطا کیے اور ہم نے

سب کو ہدایت دی اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی

اور ان کی اولاد سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون

کو ہدایت دی اور ہم نیک کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے

ہیں ○ اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور ایسا یہ سب صالحین میں سے

وَدَّهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا

هَبْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ

وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ○

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصَّٰلِحِينَ ○

وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيُوسُفَ وَكَوْنًا وَكَوْنًا فَضَلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ○

(۱) انعام ۸۶، ۸۷) ہیں اور انا عیسیٰ بن مریم (کو بھی ہم نے ہدایت

دی) اور ہم نے سب کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی O

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے از حضرت نوح تا آخر تمام نبیوں کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے اور تمام جہان والوں میں غیر نبی ائمہ بھی ہیں لہذا غیر نبی اماموں کا انبیاء اور رسل سے افضل ہونا باطل ہو گیا امام کے معصوم ہونے پر علماء شیعہ کے دلائل اور بحث و نظر ملا ہا تقریبی لکھتے ہیں:

تمام علماء امامیہ کا اس پر اجماع ہے کہ امام تمام گناہوں سے از اول عمر تا آخر معصوم ہوتا ہے خواہ وہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ ہو یا ہوں یا عمدہ اور اس پر حسب ذیل دلائل ہیں

(۱) امام کو مقرر کرنے کا سبب یہ ہے کہ رعیت سے گناہوں کا صدور جائز ہے اس لیے کوئی ایسا شخص ہونا چاہیے جو ان کو گناہوں سے باز رکھے اگر امام سے بھی گناہ کا صدور چار ہو تو اس کے لیے ایک اور امام کی ضرورت ہونی پڑے اور اگر اس سے بھی گناہ کا صدور جائز ہو تو اس کے لیے پھر ایک اور امام کی ضرورت ہوگی اور اس سے تسلسلہ لازم آئے گا اور وہ باطل ہے اور جو باطل کو مستلزم ہو وہ بھی باطل ہوتا ہے لہذا امام کا معصوم نہ ہونا باطل ہے۔ یہ دلیل اس لیے صحیح نہیں ہے کہ امت کو گناہوں سے باز رکھنے کے لیے نبی کا وجود کافی ہے اور نبی معصوم ہوتا ہے اور نبی کی وفات کے بعد اس کی تعلیمات کافی دورانی ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے کسی اور امام معصوم کی ضرورت نہیں ہے اگر امام معصیت کرے گا تو امت کے علماء اور فقہاء قرآن اور حدیث سے اس کی معصیت کی نشان دہی کریں گے اور اگر وہ معصیت پر صراحت کرے گا تو وہ اس کو بشرط استطاعت معزول کر دیں گے۔

(۲) قرآن مجید اور احادیث میں تمام احکام کی تفصیل نہیں ہے اور غیر معصومین کا اجماع جنت نہیں ہے لہذا شریعت کی حفاظت کے لیے اور احکام کی تفصیل کے لیے امام معصوم کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر امام معصوم نہ ہو تو اس کی بتائی ہوئی تفصیل پر اعتماد نہیں ہوگا۔

یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اجماع علماء حجت ہے اگرچہ انفرادی طور پر ہر عالم کی رائے غلط ہو سکتی ہے لیکن جب کسی زمانہ کے تمام علماء کسی رائے پر متفق ہو جائیں تو وہ حجت ہوگا کیونکہ کل اور جز کے احکام متغایر ہوتے ہیں نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ایک سے دو بہتر ہیں دو سے تین بہتر ہیں تین سے چار بہتر ہیں تم جماعت کے ساتھ لازم رہو کیونکہ اللہ عزوجل میری امت کو صرف ہدایت پر ہی مجتمع کرے گا۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۳۵ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

نیز فرمایا میں نے اللہ عزوجل سے یہ سوال کیا کہ وہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۶ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

اور امام ابن ماجہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی اور امام بخاری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ امت ہمیشہ اللہ کے دین پر قائم رہے گی کسی کی مخالفت اس کو ضرر نہیں پہنچائے گی حتیٰ کہ قیامت آجائے گی نیز

۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۵۳ھ سنن ابن ماجہ ص ۲۸۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کرچی

۲۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۱ ص ۶ مطبوعہ نور محمد صحیح کتب کرچی ۱۳۸۱ھ

اجتہادی مسائل میں صرف ظن غالب پر عمل کر لینا کافی ہے خود شیعہ حضرات تمام فروعی مسائل میں ہر دور میں زندہ مجہد کے اجتہاد اور اس کے فتویٰ پر عمل کرتے ہیں امام غائب کے انتظار میں نہیں بیٹھے رہتے ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ امام حسن عسکری کا ۲۶۰ھ میں انتقال ہوا تھا اس وقت امام محمد بن الحسن جن کو قائم امام غائب اور امام منتظر کہتے ہیں ان کی عمر پانچ سال تھی وہ اس وقت سے غائب ہیں تا تو گویا ۲۶۵ھ سے تمام شیعہ کسی امام معصوم کے بغیر احکام شرعی پر عمل کر رہے ہیں لہذا ثابت ہوا کہ حفاظت شریعت کے لیے کسی امام معصوم کی ضرورت نہیں ہے۔

(۳) اگر امام سے خطا واقع ہو تو لوگ اس کو ملامت کریں گے اور یہ اس کی اطاعت کے وجوب کے منافی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔
اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی (النساء: ۵۹) جو تم میں سے صاحبان امر ہیں۔

یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مستقل ہے اور صاحبان امر کی اطاعت اسی وقت واجب ہے جب وہ اللہ اور رسول کے احکام کے مطابق حکم دیں امام مسلم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان شخص پر خوشی اور ناخوشی میں سنتا اور احکام عت کرنا لازم ہے، سوا اس کے کہ اس کو معصیت کا حکم دیا جائے اگر اس کو معصیت کا حکم دیا جائے تو اس پر سنتا اور احکام عت کرنا لازم نہیں ہے اگر امام سے معصیت صادر ہو تو اس کو امام بنانے کی غرض فوت ہو جائے گی کیونکہ اس کو امام بنانے کی غرض یہ تھی کہ تمام امت اس کے اقوال اور افعال کی پیروی کرے۔ (حیات القلوب ج ۳ ص ۱۵ مطبوعہ کتاب فروغ اسلام، تہران)

یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ تمام امت پر جس کے تمام اقوال اور افعال کی پیروی لازم ہے وہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور امام کا کام صرف اللہ تعالیٰ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرنا ہے نیز امام محمد بن حسن نو ۲۶۵ھ کے بعد غائب ہو گئے تھے تو ۲۶۵ھ کے بعد سے لے کر اب تک کون سے امام معصوم کے تمام اقوال اور افعال کی پیروی لازم ہے؟

علماء شیعہ کے نزدیک اللہ اور رسول کی تصریح سے امام کا تقرر اور بحث و نظر ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

علماء امامیہ کا اس پر اجماع ہے کہ امام اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مخصوص ہونا چاہیے اور اس پر حسب ذیل دلائل ہیں۔

- (۱) امام کا معصوم ہونا ضروری ہے اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کون معصوم ہے لہذا وہی امام کا تقرر کر سکتا ہے۔ یہ دلیل امام کے معصوم ہونے پر مبنی ہے اور ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ امام کا معصوم ہونا ضروری نہیں ہے۔
- (۲) تنبیح اور استقراء سے معلوم ہے کہ اگر کوئی قاہر حاکم نہ ہو جو لوگوں کو ایک دوسرے پر زیادتی اور فساد سے نہ روکے تو خلق خدا فساد کرتی ہے اس لیے شریعت کے مطابق اصلاح کے لیے ہر زمانہ میں امام معصوم کا تقرر کرنا لازم ہے اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرے تو لازم آئے گا کہ وہ فساد سے راضی ہے اور یہ محال ہے۔

۱۔ ملا محمد باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۰۰ھ جلاء العیون (مترجم) ج ۲ ص ۲۷۹ مطبوعہ لاہور

۲۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۵ مطبوعہ نور محمد صالح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ

یہ دلیل اس لیے صحیح نہیں ہے کہ فساد کو روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا اور ان پر شریعت نازل کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت قیامت تک کے لیے ہے۔ دور خلفاء راشدین اور ہر زمانہ میں علماء ربانین اس شریعت پر عمل کرانے کی جدوجہد کرتے رہے ہیں اور اس جدوجہد کے نتیجہ میں فساد کا ختم ہونا لازم نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں منافقین فساد کرتے رہے حضرت علی کے دور میں خارجی فساد کرتے رہے اور اسی طرح باقی گیارہ اماموں کے دور میں فساد ہوتا رہا نیز ہم پوچھتے ہیں کہ اگر ہر زمانہ میں اللہ کی طرف سے امام معصوم مخصوص ہوتا ہے جو شریعت پر عمل کرائے اور فساد دور کرے تو امام حسن عسکری منوفی ۲۶۵ھ کے بعد کون فساد کو دور کر رہا ہے؟ کیونکہ امام محمد بن حسن تو سڑھے گیارہ سو سال سے غائب ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر جو شفقت ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کا کوئی خلیفہ ہو اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت امیر المومنین (علی) علیہ السلام کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی امامت کی تصریح نہیں کی۔

یہ صراحۃً غلط ہے اس کے برعکس مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت کی تصریح کی ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے ایام میں فرمایا میرے لیے اپنے باپ ابو بکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ حتیٰ کہ میں ان کو ایک مکتوب لکھ دوں کیونکہ مجھے یہ خدشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمہارے گھر کا اور کہے گا کہ میں ہی زیادہ (خلافت کا) حق دار ہوں اور اللہ اور مسلمان ابو بکر کے سوا ہر ایک کا انکار کر دیں گے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۳ مطبوعہ نور محمد اصح الطائغ کراچی ۱۳۷۵ھ) اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۶ ج ۲ ص ۱۰۷۲-۱۰۷۱ مطبوعہ نور محمد اصح الطائغ کراچی ۱۳۸۱ھ)

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب غزوات میں تشریف لے جاتے تو کسی کو اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کر کے جاتے اس لیے ضروری ہوا کہ وفات کے وقت بھی آپ کسی کو مقرر کرتے۔

(حیات المفلوب ج ۳ ص ۳۳-۳۴ مطبوعہ کتاب فروش اسلامیت تہران)

ہاں! لیکن اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ آپ حضرت علی کو مقرر کرتے آپ نے ایام مرض میں حضرت ابو بکر کو نمازوں کا امام مقرر کیا اور حضرت عائشہ سے حضرت ابو بکر کے لیے امر خلافت لکھنے کا اظہار کیا ان تمام دلائل سے متعین ہے کہ آپ کے نزدیک آپ کے بعد حضرت ابو بکر ہی خلیفہ ہونے تھے۔

علماء شیعہ کے نزدیک امام کو مقرر کرنے کا اللہ پر وجوب اور بحث و نظر

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا بندوں پر لطف کرنا اور ان کے حق میں زیادہ بہتر کام کو کرنا واجب ہے اور مسلمانوں کے لیے امام کا وجود اللہ کا لطف ہے۔

یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر بندوں کے حق میں زیادہ بہتر کام کرنا اللہ پر واجب ہو تو بندوں کے حق میں تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ بغیر امام کے از خود نیک کام کریں کیونکہ کسی کے نیک بنانے کے بعد نیک بننے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ انسان از خود نیک ہو اور صحیح بات یہ ہے کہ اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

(۲) تحریف، تغیر، زیادتی اور کمی سے حفاظت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا کوئی محافظ ضروری ہے اور قرآن مجید میں جو احکام مجمل ہیں ان کی تفصیل کے لیے اور استنباط احکام کے لیے امام ضروری ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت کاغذ اور قلم طلب کیا تھا تا کہ آپ امت کے لیے ایسا مکتوب لکھ دیں جس کے بعد امت ہرگز گمراہ نہ ہو سکے لیکن ایک شخص نے کہا ہمیں قرآن کافی ہے حالانکہ وہ شخص قرآن مجید کی ایک آیت کی بھی تفسیر نہیں جانتا تھا اور امام باقر نے معتبر سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ڈرانے والے تھے اور ہدایت دینے والے حضرت علی تھے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ هَادٍ (الرعد ۷) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کا ایک

ہدایت دینے والا ہے O

اور سند صحیح کے ساتھ امام باقر سے منقول ہے کہ اس آیت میں ہادی سے مراد امام ہے یعنی ہر زمانہ میں اللہ کی طرف سے لوگوں کا ایک امام ہوگا جو ان کو ہدایت دے گا اور حلال اور حرام بیان کرے گا۔

(حیات القلوب ج ۲ ص ۳۰۳ - ۳۰۴ ملاحظہ مطبوعہ کتاب فروش اسلامپہ تہران)

یہ دلیل کئی مغالطہ آفرینوں پر مبنی ہے قرآن مجید کی حفاظت کا خود اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے اس کے لیے الگ محافظ کی ضرورت نہیں ہے اور قرآن مجید کے احکام کی تفصیل اور استنباط مسائل کے لیے احادیث اور ائمہ مجتہدین کافی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کاغذ اور قلم لانے کا حکم فرمایا تھا یہ حتمی حکم نہیں تھا ورنہ آپ کو کاغذ اور قلم منگوانے سے کون روک سکتا تھا اور حضرت عمر کا منع کرنا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت مرض میں زحمت نہ دینے کے لیے آپ کی محبت کے پیش نظر تھا دین مکمل ہو چکا تھا اور تکمیل دین کی آیت نازل ہو چکی تھی اگر حضرت عمر کا جواب غلط تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مسترد کر دیتے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان نہیں ہے کہ آپ کے سامنے کوئی غلط بات کہی جائے اور آپ اس پر سکوت فرمائیں اور کاغذ اور قلم منگوانے سے یہ کب لازم ہے کہ آپ امام کو نامزد کرنے کے متعلق لکھوانا چاہتے تھے اور اگر امام ہی کے متعلق لکھوانا چاہتے تھے تو یہ کب لازم ہے کہ حضرت علی کو امام لکھوانا چاہتے تھے بلکہ آپ حضرت ابو بکر کے متعلق لکھوانا چاہتے تھے جیسا کہ ہم "صحیح مسلم" سے حضرت عائشہ کی روایت نقل کر چکے ہیں۔ حدیث قرطاس کی مکمل بحث ہم نے "شرح صحیح مسلم" جلد رابع میں کر دی ہے اور رہا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ڈرانے والے تھے ہادی حضرت علی تھے قرآن مجید کی معنوی تحریف ہے سیاق و سباق کے ساتھ یہ آیت اور اس کا صحیح ترجمہ اس طرح ہے:

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ هَادٍ (الرعد ۷) اور کافر کہتے ہیں ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ نازل ہوئی؟ (یہ آپ کا کام نہیں) آپ تو

صرف (عذاب سے) ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کو ہدایت

دینے والے ہیں O

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عذاب سے ڈرانے کے ساتھ ہدایت بھی دیتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (الشوری ۵۲) اور بے شک آپ ضرور صراط مستقیم کی ہدایت دیتے ہیں O

اس سے بڑا اور کیا ظلم ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ڈرانے والا اور آپ کے مقابلہ میں حضرت علی کو ہدایت

دینے والا کہا جائے۔

اہل تشیع کے بارہ اماموں کا بیان

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

شیعہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی علیہ السلام کو خلیفہ مانتے ہیں اور امامیہ اور اثنا عشریہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو قائم حضرت مہدی تک بارہ اماموں کو مانتے ہیں اور ان کو امام اور اللہ اور رسول کا خلیفہ جانتے ہیں اور امام کے لیے معصوم ہونے کو شرط مانتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی (۱) متوفی ۴۰ھ کو امام اور خلیفہ مانتے ہیں اور ان کے بعد حضرت حسن بن علی (۲) متوفی ۴۹ھ اور ان کے بعد حضرت حسین (۳) متوفی ۶۱ھ ان کے بعد حضرت زین العابدین (۴) متوفی ۹۵ھ ان کے بعد حضرت محمد باقر (۵) متوفی ۱۱۳ھ ان کے بعد حضرت جعفر بن محمد الصادق (۶) متوفی ۱۴۰ھ ان کے بعد حضرت علی بن موسیٰ بن جعفر کاظم (۷) متوفی ۱۶۳ھ ان کے بعد حضرت علی بن موسیٰ الرضا (۸) متوفی ۲۰۳ھ ان کے بعد حضرت محمد علی نقی (۹) متوفی ۲۲۰ھ ان کے بعد حضرت علی بن محمد نقی (۱۰) متوفی ۲۵۴ھ ان کے بعد حضرت حسن بن علی عسکری (۱۱) متوفی ۲۶۰ھ اور ان کے بعد حجت ابن الحسن مہدی (۱۲) کو امام منتظر مانتے ہیں۔ یہ پانچ سال کی عمر میں غائب ہو گئے تھے اور تاحل غائب ہیں۔ (حقائق ج ۱ ص ۲۷۹ مطبوعہ کتاب فروغ اسلامہ تہران ۱۳۵۷ھ)

امام غائب کا نام محمد بن الحسن ہے لیکن اہل تشیع کے نزدیک ان کے ظہور سے پہلے ان کا نام لینے کی اجازت نہیں ہے وہ مخالفین اور دشمنوں کے خوف سے روپوش ہیں۔ ہم نے ان تمام ائمہ کے سنین وفات ملا باقر مجلسی کی جلاء العیون سے اخذ کئے ہیں حق الیقین میں صرف ان کے اسماء لکھے ہیں سنین وفات نہیں ہیں۔

اہل سنت کے نزدیک امامت کو منعقد کرنے کے طریقے

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں امامت کو منعقد کرنے کے حسب ذیل طریقے ہیں۔

(۱) علماء اور رؤسا میں سے ارباب عل و عقد کسی شخص کو امام منتخب کر لیں اس میں عدد کی شرط نہیں ہے اور نہ یہ شرط ہے کہ تمام شہروں کے لوگ اس کی امامت پر اتفاق کریں۔

(۲) امام کسی شخص کو اپنا ولی عہد اور خلیفہ نامزد کر دے اور اگر وہ اس کام کے لیے ایک مجلس شوریٰ بنادے اور وہ اپنے اتفاق سے کسی شخص کو خلیفہ بنادیں تو یہ بھی صحیح ہے اگر امام خلافت سے دستبردار ہو جائے تو یہ اس کی موت کے قائم مقام ہے پھر امامت ولی عہد کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

(۳) کوئی شخص غلبہ اور طاقت سے حکومت پر قبضہ کر لے جب کہ وہ بیعت لینے اور خلافت کی تمام شرائط کا جامع ہو وہ لوگوں کو اپنی طاقت سے مقہور کرے تو اس کی خلافت منعقد ہو جائے گی اسی طرح اگر وہ شخص فاسق یا جاہل ہو تو اظہر قول کے مطابق پھر بھی اس کی امامت منعقد ہو جائے گی ال یہ کہ وہ اپنے افعال سے معصیت کرے (یہ استثناء محل نظر ہے کیونکہ فاسق مرتکب معصیت ہی کو کہتے ہیں یہ ظاہر یہ علامہ تفتازانی کا تسامح ہے)۔

(شرح القاصد ج ۵ ص ۱۲۳ مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران ۱۳۰۹ھ)

امامت کے مسائل

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

امام عادل ہو یا ظالم جب تک وہ احکام شرع کی مخالفت نہ کرے اس کی اطاعت کرنا واجب ہے اور اظہر قول کے مطابق ایک وقت میں دو اماموں کو مقرر کرنا جائز نہیں ہے ایک شخص طاقت اور غلبہ سے امام بنا پھر دوسرے شخص نے طاقت اور غلبہ

سے اس کو معزول کر دیا تو اب یہ امام ہو جائے گا کسی شخص کو بغیر کسی سبب کے امامت سے معزول کرنا جائز نہیں ہے اور اگر لوگ اس کو معزول کریں تو یہ عزل نافذ نہیں ہوگا اگر وہ حکومت چلانے سے عاجز ہو جائے تو پھر معزول ہو جائے گا فسق اور بے ہوش ہونے سے امام معزول نہیں ہوتا جنون اندھا ہونے بہرا اور گونگا ہونے اور جس مرض سے وہ تمام علوم بھول جائے اس عوارض سے وہ معزول ہو جائے گا۔

(بہرا ہونا پہلے انجیل مسئلہ تھا اب ہیرنگ اینڈ (آلہ سماعت) کی ایجاد کی وجہ سے یہ انجیل مسئلہ نہیں ہے اس لیے اب اس کو مستثنیٰ کرنا لازم ہے البتہ جس شخص میں بالکل سماعت نہ ہو اس کا معاملہ الگ ہے۔)

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۳۳۲ - ۳۳۳ مطبوعہ منشورات اشرف الرضی ایران ۱۴۰۹ھ)

امامت کے وجوب پر دلائل

امام مقرر کرنے کے وجوب پر حسب ذیل دلائل ہیں:

- (۱) امام مقرر کرنے کے وجوب پر اجماع ہے حتیٰ کہ صحابہ نے اس معاملہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین پر مقدم رکھا۔
- (۲) حدود کو قائم کرنا احکام شرع کو نافذ کرنا اور مسلمانوں کے ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا واجب ہے اور یہ امور امام پر موقوف ہیں اور واجب کا موقوف علیہ بھی واجب ہوتا ہے۔
- (۳) عدل و انصاف کو قائم کرنا ظلم و جور کو دور کرنا اور معاش اور معاد کی اصلاح کرنا واجب ہے اور یہ امور امام پر موقوف ہیں۔
- (۴) کتاب و سنت سے امام کی اطاعت واجب ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ امام کو مقرر کرنا واجب ہو۔

امام کو مقرر کرنے کے وجوب پر اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأَدِی الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۚ

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی (افشاء: ۵۹) جو تم میں سے صاحبان امر ہیں۔

اور اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے امام مسلم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً ۚ

جو شخص کسی کی بیعت کیے بغیر مرا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۸ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

کیا اب امام نہ بنانے کی وجہ سے پوری امت گمراہ ہے؟

واضح رہے کہ امام اس کو کہتے ہیں جو روئے زمین کے تمام اسلامی ملکوں کا واحد امیر ہو جیسے خلفاء راشدین خلفاء بنو امیہ اور خلفاء بنو عباس تھے اور امامت کی شرائط مذکورہ بھی اسی کے لیے ہیں اور جو صرف کسی ایک ملک کا امیر ہو اس کو سلطان کہتے ہیں جیسے آج کل اسلامی ممالک کے امراء ہیں ان میں سے بعض بادشاہ ہیں بعض منتخب صدر ہیں اور بعض مطلق العنان آمر ہیں جنہوں نے طاقت سے اقتدار پر قبضہ کیا نہ یہ امام ہیں نہ ان کے لیے امامت کی شرائط ضروری ہیں۔

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں

اگر امام کا مقرر کرنا واجب ہو تو لازم آئے گا کہ اکثر زمانوں میں تمام مسلمانوں نے اس واجب کو ترک کیا ہو کیونکہ صفات مذکورہ کا حامل ان زمانوں میں نہیں رہا خصوصاً خلافت عباسیہ کے ختم ہونے کے بعد نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد ہے میرے بعد امت میں خلافت تیس سال رہے گی پھر اس کے بعد ملوکیت ہو جائے گی۔ (جامع ترمذی ص ۲۲۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تیس سال پورے ہو گئے حضرت معاویہ اور ان کے بعد کے حکمران ملوک اور امراء تھے انہ اور خلفاء نہ تھے اور تمام مسلمان ترک واجب پر متفق نہیں ہو سکتے کیونکہ واجب کو ترک کرنا معصیت اور گمراہی ہے اور پوری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پوری امت کا گمراہ ہونا تب لازم آتا جب وہ قدرت اور اختیار سے اس واجب کو ترک کرتی نہ کہ بجز اور اضطراب سے (اور خلافت عباسیہ ساتویں صدی ہجری میں ختم ہو گئی تھی اور اسلامی حکومتیں مختلف نکلڑوں میں بٹ گئی تھیں اس وقت چالیس سے زیادہ اسلامی ملک ہیں اور ان سب کا کسی ایک امت کے ماتحت ہونا بہ ظاہر ممکن نہیں ہے اس لیے اس دور کے مسلمان امام کے قائم نہ کرنے میں معذور ہیں۔ ہم نے اس مسئلہ کی مفصل اور مکمل تحقیق ”شرح صحیح مسلم“ جلد خامس میں کی ہے) اور یہ حدیث ہر چند کہ خبر واحد ہے تاہم اس کا محمل یہ ہے کہ خلافت کا مد یا پے درپے خلافت متصل تیس سال تک رہے گی کیونکہ اس کے بعد بنو امیہ اور بنو عباس میں خلفاء رہے ہیں۔

(شرح القامد ج ۵ ص ۳۸۹ - ۳۸۸ مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران ۱۴۰۹ھ)

فاسق کی امامت امت میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ تمام مسلمان جس کی امامت اور بیعت پر متفق ہو جائیں اس کی امامت ثابت ہو جائے گی امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے دل سے کسی مسلمان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا وہ اس کی حتی المقدور اطاعت کرے اور اگر کوئی دوسرا شخص اس سے امامت میں نزاع کرے تو اس دوسرے کی گردن اڑا دو اور حضرت عرفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میری امت کسی ایک شخص کی امامت پر مجتمع ہو پھر کوئی دوسرا شخص اس کے خلاف خروج کرے تو اس کی گردن اڑا دو خواہ وہ کوئی شخص ہو اور صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ باغیوں سے قتال کیا جائے گا اور اسی کے حکم میں اس شخص کی امامت ہے جس کو امام اول نے امام مقرر کر دیا ہو جیسے حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو امام بنایا تھا اور اگر کوئی شخص امام کے خلاف خروج کرے اور اپنی طاقت سے اس کو زیر کرے اور اپنی تلوار سے مسلمانوں کو مغلوب کرے حتی کہ وہ اس کی اطاعت کا اقرار کر لیں تو اب وہ امام ہو جائے گا اور اس سے قتال کرنا اور اس کے خلاف خروج کرنا حرام ہوگا کیونکہ عبدالملک بن مردان نے حضرت ابن الزبیر کے خلاف خروج کیا ان کو قتل کر دیا اور تمام مالک اور ان کے باشندوں پر غلبہ حاصل کر لیا اور سب نے طوعاً و کرہاً اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اب وہ امام ہو گیا اور اس کے خلاف خروج حرام ہو گیا۔ (الفتی ج ۹ ص ۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

فاسق کی امامت امت میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

علماء کی ایک جماعت نے ”لا ینال عہدی الظالمین میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا“ سے یہ استدلال کیا ہے کہ امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ صالح ہو اور نظام سلطنت کو قائم کر سکتا ہو اور امام مسلم نے حضرت عبود بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس بات پر بیعت لی کہ جو شخص امامت کا اہل ہوگا ہم اس سے نزاع نہیں کریں گے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۵) اور فاسق اور ظالم امامت کے اہل نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”لا ینال عہدی

الطالمیں "اسی وجہ سے حضرت ابن الزبیر اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہم نے خروج کیا اور عراق کے صالحین اور علماء نے حجاج کے خلاف خروج کیا اور اہل مدینہ نے بنو امیہ کے خلاف خروج کیا جس کے نتیجہ میں واقعہ حرہ برپا ہوا۔

اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ظالم امام کی اطاعت پر صبر کرنا اس کے خلاف خروج کرنے سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس کے خلاف خروج کرنے میں امن کو خوف سے بدلنا ہے خون بہانا ہے مسلمانوں پر لوٹ مار کا دروازہ کھولنا ہے اور زمین میں فساد کرنا ہے بعض معتزلہ اور خوارج کا مذہب اس کے برعکس ہے کہ ظالم امام کے خلاف خروج کرنا زیادہ بہتر ہے۔

ابن خویر منداد نے کہا ہے کہ ظالم نہ نبی ہو سکتا ہے نہ خلیفہ نہ حاکم نہ مفتی نہ نماز کا امام اور نہ اس کی حدیث کی روایت قبول کی جائے گی نہ احکام میں اس کی شہادت قبول کی جائے گی البتہ وہ فسق کی وجہ سے از خود معزول نہیں ہوگا حتیٰ کہ ارباب حل و عقد اس کو معزول کر دیں اور اس کے دیئے ہوئے سابقہ احکام میں سے جو صحیح ہوں گے وہ بدستور نافذ رہیں گے امام مالک نے یہ تصریح کی ہے کہ باغیوں اور خوارج کے احکام میں جو احکام کسی بھی اجتہاد کے اعتبار سے صحیح ہوں ان کو باقی رکھا جائے گا جب تک کہ وہ نصوص کے مخالف نہ ہوں یا اجماع کے منافی نہ ہوں کیونکہ ان پر صحابہ کا اجماع ہے کہ ایام صحابہ میں خوارج نے خروج کیا اور ان کے احکام کو باقی رکھا گیا انہوں نے جو مسلمانوں سے زکوٰۃ لی تھی اور جو حدود قائم کی تھیں ان کو باطل نہیں قرار دیا گیا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۰۹-۱۰۸ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

فاسق کی امامت امت میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں

جس چیز پر علماء کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ اگر مسلمان بغیر فتنہ اور ظلم کے امیر کو معزول کرنے پر قادر ہوں تو ان پر اس کا معزول کرنا واجب ہے ورنہ ان پر صبر کرنا واجب ہے بعض علماء سے یہ منقول ہے کہ ابتداءً فاسق کو کسی منصب کا امیر بنانا جائز نہیں ہے اور اگر کوئی امیر پہلے نیک تھا بعد میں فاسق ہو گیا تو اس کے خلاف خروج کرنے میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کے خلاف خروج کرنے سے منع کیا جائے گا الا یہ کہ اس سے کفر صادر ہو پھر اس کے خلاف خروج کرنا واجب ہے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۸ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۰۱ھ)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تم کسی امام سے علی الاعلان کسی ایسے کفر کو نہ دیکھ لو جس پر تمہارے پاس اللہ کی طرف سے دلیل ہو اس وقت تک اس کے خلاف خروج نہ کرو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۵) اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ امراء اور حکام کی امارت اور حکومت میں ان کی مخالفت نہ کرو اور ان پر اعتراض نہ کرو ہاں اگر تم ان میں کوئی ایسی برائی دیکھو جس کا برا ہونا قواعد اسلام سے یقینی طور پر ثابت ہو تو ان پر انکار کرو اور تم جہاں کہیں بھی ہو حق کو بیان کرو لیکن ان کے خلاف خروج کرنا اور ان سے قتال کرنا یہ اجماع مسلمین سے حرام ہے خواہ وہ امراء فاسق اور ظالم ہوں اور اس کی تائید میں بہ کثرت احادیث وارد ہیں اور اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ سلطان فسق سے معزول نہیں ہوتا اور ہماری فقہ کی بعض کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ وہ فسق سے معزول ہو جاتا ہے تو یہ غلط ہے اور اجماع کے خلاف ہے اس کے معزول نہ ہونے اور اس کے خلاف خروج کے حرام ہونے کی علماء نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس سے فتنہ اور فساد ہوگا اور مسلمانوں کا خون بہے گا لہذا فاسق کو اس کے منصب پر باقی رکھنے کی بہ نسبت اس کو معزول کرنے میں فساد زیادہ ہے قاضی عیاض مالکی نے کہا کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کافر کی امامت منع نہیں ہوتی اور اگر اس سے بعد میں کفر صادر ہو تو وہ معزول ہو جائے گا اور اگر وہ نمازوں کو ترک کرے

یا نماز کی طرف دعوت دیے کو ترک کرے یا بدعت کا ارتکاب کرے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور بعض بصریوں نے کہا فاسق کی امامت منعقد ہو جائے گی اور اس کو برقرار رکھا جائے گا کیونکہ وہ تاویل کرنے والا ہے قاضی عیاض نے کہا اگر امام پر بعد میں کفر طاری ہو یا وہ شریعت میں تغیر کرے یا کسی بدعت کا ارتکاب کرے تو وہ امامت کے منصب سے خارج ہو جائے گا اور اس کی اطاعت ساقط ہو جائے گی اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اس کو معزول کر دیں اور کسی امام عادل کو مقرر کریں بہ شرطیکہ یہ ممکن ہو بدعتی کو معزول کرنا واجب نہیں ہے ہاں! اگر وہ اس پر قادر ہوں تو پھر واجب ہے اور اگر ان کا اس (کافر کو معزول کرنے) سے عاجز ہونا یقینی ہو تو وہ اس سرزمین سے ہجرت کر جائیں اور اپنے دین کو بچائیں قاضی عیاض نے کہا فاسق کی امامت ابتداءً منعقد نہیں ہوتی اور اگر خلیفہ بعد میں فاسق کرے تو بعض نے کہا اس کو معزول کرنا واجب ہے بہ شرطیکہ اس سے فتنہ اور جنگ نہ ہو اور جمہور اہل سنت کے فقہاء، محدثین اور متکلمین نے یہ کہا کہ امام اور خلیفہ ظلم اور فسق سے معزول نہیں کیا جائے گا اور اس کے خلاف خروج جائز نہیں ہے بعض علماء نے یہ کہا کہ اس پر اجماع ہے اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت حسن، حضرت ابن الزبیر اور اہل مدینہ نے بنو امیہ کے خلاف خروج کیا اور قرن اول کے مسلمانوں نے حاج کے خلاف خروج کیا اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے اس مسئلہ میں اختلاف تھا بعد میں اس پر اجماع ہو گیا کہ امام اور خلیفہ اگر خلافت کے بعد فاسق کرے تو اس کے خلاف خروج سے منع کیا جائے گا۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۱۲۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

فاسق کی امامت امت میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابو بکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

اس آیت "لَا يَتَنَالُ الْعَهْدِي الْقَلْبَيْنِ" (البقرہ ۱۲۲) سے ثابت ہوتا ہے کہ فاسق کا نبی ہونا جائز ہے نہ نبی کا خلیفہ ہونا جائز ہے نہ قاضی نہ مفتی نہ حدیث کی روایت کرنا نہ کسی معاملہ میں شہادت دینا اور اس کے لیے ہر وہ منصب ناجائز ہے جس کی رو سے دوسروں پر اس کی کوئی چیز لازم ہو اور یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ نماز کے ائمہ یک اور صالح ہونے چاہئیں نہ کہ فاسق اور ظالم کیونکہ اس آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امور دین میں امامت کے منصب کے لیے عادل اور صالح ہونا ضروری ہے۔

بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں فاسق کا امام اور خلیفہ ہونا جائز ہے اور یہ کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک فاسق حاکم اور قاضی تو نہیں بن سکتا امام اور خلیفہ ہو سکتا ہے متکلمین میں سے زرقان نے اس کو ذکر کیا اور یہ بالکل جھوٹ اور باطل ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک خلیفہ اور قاضی دونوں کے لیے عادل اور صالح ہونا شرط ہے اور فاسق کے لیے دونوں منصب جائز نہیں ہیں امام ابو حنیفہ کی طرف اس چیز کی نسبت کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہوگی حالانکہ بنو امیہ کے ایام میں ابن عبیدہ نے امام ابو حنیفہ کو قضاء کے عہدہ کے لیے مجبور کیا لیکن آپ نے اس منصب کو قبول نہیں کیا اس نے آپ کو قید کر لیا اور وہ ہر روز آپ کو کوڑے مارتا تھا لیکن آپ نے اس کو قبول نہیں کیا حتیٰ کہ جب آپ کی جان کا خوف ہوا تو فقہاء نے یہ کہا آپ اس کا کوئی اور کام قبول کر لیں تو آپ نے گھس کے گٹھوں کا گنا قبول کر لیا تب اس نے آپ کو رہا کیا پھر بنو عباس کے دور میں خلیفہ منصور نے آپ کو قضا کے عہدہ کو قبول کرنے کا حکم دیا آپ نے پھر انکار کیا اس نے بھی آپ کو قید کر لیا حتیٰ کہ آپ نے مضافات شہر سے بغداد میں آنے والی اینٹوں کے گننے کو قبول کر لیا ظالم اور فاسق ائمہ کے متعلق امام ابو حنیفہ کا مذہب مشہور تھا زید بن علی امامت کے مدعی تھے اور وہ اس منصب کے لیے موزوں تھے امام ابو حنیفہ ان کی مالی امداد کرتے تھے اور ان کی نصرت کرنے اور ان کی حمایت میں قتال کرنے کا خفیہ طور پر فتویٰ دیتے تھے۔ اسی طرح عبداللہ بن حسن کے دو صاحبزادوں

محمد اور ابراہیم کی بھی انہوں نے تائید کی امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ جب قاضی فی نفسہ عادل اور صالح ہو تو اس کا نظام امام کی طرف سے منصب قضا کو قبول کرنا جائز ہے یہ صحیح مذہب ہے لیکن اس سے لازم نہیں آتا کہ امام ابو حنیفہ فاسق کی امامت کو جائز کہتے ہیں کیونکہ جب قاضی خود صالح ہوگا اور اس کو اقتدار حاصل ہوگا تو وہ احکام شریعہ کو نافذ کر سکے گا۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۷۱-۷۹ مطبوعہ سبیل اکیڈمی لاہور)

علامہ جصاص کے ذکر کردہ قاعدہ سے تو یہ لازم آتا ہے کہ امام اعظم قضاء کے عہدہ کو قبول کر جاتے۔

علامہ ابن حمام حنفی لکھتے ہیں:

امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ مرد ہو، نیک ہو، قادر ہو، صاحب رائے ہو اور بہادر ہو تا کہ قصاص لینے میں حدود قائم کرنے میں میدان جنگ میں اور لشکر تیار کرنے میں بزدلی نہ کرے اور وہ قریشی ہو اور اس کا ہاشمی ہونا اور معصوم ہونا شرط نہیں ہے بعض علماء نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ وہ اصول دین اور فروع میں اجتہاد کر سکتا ہو اور بعض کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے اور ائمہ حنفیہ کے نزدیک امامت کی صحت کے لیے عدالت (نیک ہونا اور فاسق نہ ہونا) شرط نہیں ہے اس لیے فاسق کو بھی امام بنانا جائز ہے لیکن یہ مکروہ ہے اور جب نیک شخص کو امام بنایا جائے اور وہ بعد میں فاسق ہو جائے تو وہ معزول نہیں ہوگا لیکن وہ معزول کیے جانے کا مستحق ہوگا بشرطیکہ اس میں فتنہ نہ ہو اس کو نیکی کی دعوت دی جائے اور اس کے خلاف خروج کرنا واجب نہیں ہے اسی طرح فقہاء احناف نے امام ابو حنیفہ سے نقل کیا ہے اور تمام ائمہ احناف نے ہا، تفاق اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ حضرات سنی بہ رضی اللہ عنہم نے بعض بنو امیہ کی اقتداء میں نمازیں پڑھی ہیں اور ان کے دیئے ہوئے عہدے قبول کئے ہیں لیکن اس توجیہ پر یہ اعتراض ہے کہ یہ بنو امیہ امام نہ تھے بلکہ ملوک تھے انہوں نے غلبہ سے ملک پر قبضہ کر لیا تھا اور منقلب کے دیئے ہوئے عہدوں کو ضرورت کی بناء پر قبول کرنا جائز ہے اور کسی کے پیچھے نماز پڑھنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ نیک ہو (کیونکہ امام ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر امام کے ماتحت تم پر جہاد کرنا واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد اور ہر مسلمان کی نماز جتنا زہ پڑھنا تم پر واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد کار اور گناہ کبیرہ کرتا ہو)۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۳۳ مسامرہ ص ۲۹۲) (المسامرہ مع النساہہ ج ۱ ص ۲۹۲-۲۸۶ مطبوعہ دارۃ المعارف الاسلامیہ لبنان)

علامہ ابن ہمام نے امام کے متعلق جو نیک ہونے کی شرط لگائی ہے اس کے متعلق علامہ کمال بن ابی شریف لکھتے ہیں علامہ ابن ہمام نے امام کے لیے ورع (نیک) کی شرط لگانے میں حجت اسلام غزالی (شافعی) کی اتباع کی ہے اور اس سے مقصود فاسق سے احتراز کرنا ہے کیونکہ وہ بسا اوقات خواہش نفس کی پیروی میں بیت المال کا غلط استعمال کرے گا اور مسلمانوں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے۔ (المسامرہ ج ۱ ص ۲۸۷ مطبوعہ دارۃ المعارف الاسلامیہ مکرم)

علامہ محمد بن علی بن محمد حنفی لکھتے ہیں:

امام کے لیے یہ شرائط ہیں مرد ہو، عاقل بالغ ہو، قادر ہو، قرشی ہو، ہاشمی، علوی یا معصوم ہونے کی شرط نہیں ہے فاسق کو امام بنانا مکروہ ہے اگر فتنہ نہ ہو تو وہ فاسق کی وجہ سے معزول کر دیا جائے گا اور اس کو نیکی کی دعوت دینا واجب ہے اور جو وقت سے غلبہ حاصل کر لے اس کی سلطنت صحیح ہے۔ (در مختار ج ۱ ص ۳۶۹-۳۶۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

علامہ حنفی نے یہ اشارہ کیا ہے کہ امام کے لیے عدالت (نیک ہونے) کی شرط نہیں ہے اور علامہ ابن ہمام نے "مسامرہ" میں امام غزالی کی اتباع میں عدالت کی شرط لگائی ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۶۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابوالبرکات نسفی حنفی زیر بحث آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت سے معتزلہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ فاسق امام بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں ظالم سے مراد کافر ہے یعنی کافر مسلمانوں کا امام نہیں بن سکتا۔

(مدارک انظر علی صاحب الجازن ج ۱ ص ۸۷ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت)

علامہ نسفی حنفی کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ احناف کے نزدیک فاسق امام بن سکتا ہے علامہ ابن ہمام علامہ حنفی علامہ شامی اور صاحب فتاویٰ تاتار خانیہ نے بھی یہی لکھا ہے اور اس مذہب کو امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے اس کے برعکس علامہ ابوبکر بھٹائی نے یہ لکھا ہے کہ یہ جموٹ اور افتراء ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک فاسق کی امامت جائز نہیں ہے اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ نے اہل بیت میں سے امامت کا دعویٰ کرنے والوں کی خفیہ طور پر مدد کی اور ابن ہبیرہ اور خلیفہ منصور نے ان کو قضا کی جو پیش کش کی تھی اس کو قبول نہیں کیا واللہ تعالیٰ اعلم۔

فاسق کی امامت نماز میں ائمہ مالکیہ کا نظریہ

جو شخص علی الاعلان گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہو (گناہ صغیرہ پر اصرار بھی گناہ کبیرہ ہے مثلاً بغیر امامت اور توبہ کے مسلسل ڈاڑھی منڈانا) مثلاً شراب پینا، قتل کرنا، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور دیگر فرائض کو ترک کرنا، فرائض قطعہ کا ترک اور حرام قطعی کا ارتکاب فسق قطعی ہے اور ڈاڑھی منڈانا فسق ظنی ہے۔

فاسق کی امامت کے متعلق فقہاء مالکیہ کے مختلف اقوال ہیں، علامہ ظلیل مالکی نے لکھا ہے کہ فاسق کی اقتداء میں نماز باطل ہے۔ (مختصر ظلیل مع الخرش ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)

علامہ خرسی مالکی نے لکھا ہے کہ معتد قول یہ ہے کہ فاسق کی امامت صحیح اور اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

(الخرشی علی مختصر ظلیل ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)

علامہ عدوی مالکی نے لکھا ہے کہ فاسق کی اقتداء حرام ہے۔ (حاشیہ العدوی علی الخرش ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)

فاسق کی امامت نماز میں ائمہ حنبلیہ کا نظریہ

فقہاء حنبلیہ کا مذہب یہ ہے کہ فاسق کی امامت ناجائز ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ کراہت کے ساتھ اس کی امامت جائز ہے۔

علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں:

فاسق کی امامت جائز نہیں ہے اور یہی مذہب ہے خواہ اس کا فسق از روئے اعتقاد ہو یا از روئے افعال اکثر اصحاب در مشائخ کا یہی مختار ہے زرکشی نے کہا: یہی مشہور ہے ابن ابی موسیٰ قاضی شیرازی اور ایک جماعت کا یہی مختار ہے مسبوک الذہب رعایتین حاوی صغیر اور مجمع البحرین میں لکھا ہے کہ صحیح روایت کے مطابق فاسق کی امامت جائز نہیں ابن حقیل وغیرہ نے "التذکرۃ" میں اسی پر اعتماد کیا ہے "وجیز" میں لکھا ہے کہ فاسق کی امامت جائز نہیں "الفروع" اور "المستوعب" وغیرہ میں اسی قول کو مقدم کیا ہے۔ شیخ تقی الدین نے کہا ہے کہ صاحب ہوا (ہد مذہب) بدعتی اور فاسق کے پیچھے قدرت کے باوجود نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ کراہت کے ساتھ فاسق کی امامت جائز ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ نفل میں جائز ہے البتہ جو از روئے اعتقاد کے فاسق ہو اس کی اقتداء کسی حال میں جائز نہیں اور مذہب مختار کے مطابق جو شخص فاسق کی اقتداء میں نماز

پڑھے اس کو دہرانا لازم ہے خواہ اس کو نماز کے وقت اس کے فسق کا علم ہو یا بعد میں پتا چلے خواہ اس کا فسق ظاہر ہو یا نہ ہی صحیح مذہب ہے۔ (الانصاف ج ۲ ص ۲۵۳-۲۵۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

فاسق کی امامت نماز میں ائمہ شافعیہ کا نظریہ

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

فاسق کی اقتداء میں نماز مکروہ ہے اور جس کی بدعت کفر کی حد تک نہیں پہنچی اس کے پیچھے بھی نماز مکروہ ہے اور جس کی بدعت حد کفر تک پہنچی ہے اس کی اقتداء میں نماز جائز نہیں ہے صاحب "الافصاح" نے کہا: جو شخص خلق قرآن کا قائل ہو یا جو اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کرے وہ کافر ہے امام ابو حامد اور ان کے متابعین کا یہی مذہب ہے اور معتزلہ کی تکفیر کی جاتی ہے اور خوراج کی تکفیر نہیں کی جاتی اور ہمارے بہت سے اصحاب اہل بدعت کی اقتداء میں جواز نماز کے قائل ہیں اور ان کی تکفیر نہیں کرتے صاحب "العدة" نے کہا: امام شافعی کا ظاہر مذہب یہی ہے۔

(علامہ نووی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ صاحب "العدة" کا قول ہی صحیح اور صواب ہے کیونکہ امام شافعی نے فرمایا: میں خطاب یہ کے سوا تمام اہل اصواء کی شہادت کو قبول کرتا ہوں کیونکہ خطاب یہ اپنی موافقت میں جھوٹی گواہی کو جائز کہتے ہیں اور تمام سلف اور خلف معتزلہ وغیرہ کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے ہیں اور ان کے ساتھ مناکحت میراث اور مسلکوں کے تمام معاملات کرتے رہے ہیں اور ہمارے جن علماء اور محققین نے معتزلہ کی تکفیر کی ہے اس تکفیر کی حافظ ابو بکر بیہقی نے یہ تاویل کی ہے کہ کفر کفران نعمت کے معنی میں ہے ملت اسلامیہ سے خروج کے معنی میں نہیں ہے۔

(روضۃ الطالبین ج ۱ ص ۳۶۰-۳۵۹ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابو العباس ربلی شافعی لکھتے ہیں:

آزاد فاسق کی بہ نسبت نیک غلام کی اقتداء میں نماز پڑھنا اولیٰ ہے کیونکہ امام حاکم نے روایت کیا ہے اگر تم کو یہ پسند ہو کہ تمہاری نماز قبول ہو تو تم میں بہتر لوگ تمہاری امامت کریں اور فاسق کی امامت صحیح ہے کیونکہ حضرت ابن عمر حجاج کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے اور امام شافعی نے کہا: اس کا فاسق ہونا کافی ہے اور فاسق کی اقتداء اور جس کی بدعت کفر تک نہ پہنچی ہو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (نہایہ الحجاج ج ۲ ص ۱۸۰-۱۷۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ شبراہی قاہری اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

اگر فاسق اور بدعتی کے سوا جماعت نہ مل سکے تو پھر اس کی اقتداء مکروہ نہیں ہے فاسق کا از خود امام بننا مکروہ ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ جہاں نیک لوگ ہوں وہاں لوگ اس کی اقتداء کر لیں تو ان کی اقتداء مکروہ نہیں ہے فاسق کی امامت مکروہ ہے (الی قولہ) خلاصہ یہ ہے کہ حرمت یا کراہت فاسق کے حق میں ہے اور جو معتزلی فاسق کو مکروہ جانتے ہوں ان کا اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ (حاشیہ فی فیہ علی نہایہ الحجاج ج ۲ ص ۱۸۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

فاسق کی امامت نماز میں ائمہ احناف کا نظریہ

فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف کا اختلاف ہے بعض علماء کے نزدیک اس کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے اور مکروہ تنزیہی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

جو شخص از روئے عمل کے فاسق ہو مثلاً زانی اور شرابی ہو تو ابن الجیب نے یہ زعم کیا کہ جس نے شرابی کی اقتداء میں نماز

پڑھی وہ ہمیشہ نماز دہرائے لاریہ کہ وہ امام حاکم ہو اور ایک روایت میں ہے کہ فاسق کی اقتداء میں نماز صحیح ہے
(مجموعہ القاری ج ۵ ص ۲۲۲ مطبوعہ دارالطباعۃ النور بیروت مصر ۱۳۳۸ھ)

علامہ زبیلی حنفی فرماتے ہیں:

فاسق کو جب امامت سے ہٹانا مشکل ہو تو جمعہ اس کے پیچھے پڑھ لے اور جمعہ کے علاوہ نمازیں کسی اور مسجد میں پڑھے۔
(تبيين الحقائق ج ۱ ص ۱۳۵ مطبوعہ مکتبہ ادریہ لبنان)

علامہ شرنبلالی حنفی لکھتے ہیں:

فاسق عالم کی امامت مکروہ (تحریمی) ہے کیونکہ وہ احکام دین کا اہتمام نہیں کرتا اس لیے اس کی اہانت شرعاً واجب ہے لہذا اس کو امام بنا کر اس کی تعظیم نہ کی جائے اور اگر اس کو امامت سے ہٹانا دشوار ہو تو جمعہ اور باقی نمازوں کے لیے کسی اور مسجد میں جائے اور اگر صرف وہی جمعہ پڑھانا ہو تو اس کی اقتداء میں پڑھ لے۔

(مراقی الفلاح ص ۱۸۱ مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابلی وادارہ مصر ۱۳۵۶ھ)

اس عبارت کی شرح میں علامہ طحاوی لکھتے ہیں:

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ فاسق کی امامت اور اس کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔

(حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۸۱ مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابلی وادارہ مصر ۱۳۵۶ھ)

علامہ طبری حنفی لکھتے ہیں:

اگر لوگوں نے فاسق کو امام بنایا تو گنہگار ہوں گے کیونکہ فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔

(غیۃ المستملی ص ۳۷۹ مطبوعہ مطبعہ مجتہدانی دہلی)

علامہ ابن بزاز کردری لکھتے ہیں:

جو شخص سود خوری میں معروف ہو اس کی اقتداء میں نماز مکروہ ہے فاسق جمعہ پڑھاتا ہو اور اس کو منع کرنا دشوار ہو تو بعض علماء نے کہا اس کی اقتداء میں جمعہ پڑھ لے اور اس کی امامت میں جمعہ کو ترک نہ کرے۔

(فتاویٰ بزاز علی حاشیہ ج ۳ ص ۵۵ مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیر یہ واق مصر ۱۳۱۰ھ)

ان علماء کے علاوہ دوسرے فقہاء احناف نے فاسق کی اقتداء میں نماز کو کراہت کے ساتھ جائز لکھا ہے یعنی یہ کراہت

تنبہ یہی ہے کیونکہ کراہت تحریمی جواز کے ساتھ جمع نہیں ہوتی۔

شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں:

امام محمد فرماتے ہیں نایبنا دیہاتی غلام ولد زنا اور فاسق کی امامت جائز ہے اور ان کے علاوہ دوسروں کی امامت میرے

نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے (الی قولہ) اس کے بعد علامہ سرخسی فرماتے ہیں کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ فاسق کو امامت کے لیے مقدم کرنا

جائز ہے اور مکروہ (تنبہ یہی) ہے امام مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فاسق کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے کیونکہ وہ احکام دین کا

اہتمام نہیں کرتا اور اس کی شہادت مردود ہوتی ہے ہماری دلیل مکحول کی یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایمر

کے ساتھ جہاد واجب ہے اور ہر امام کے پیچھے نماز واجب ہے اور ہر میت کے اوپر نماز واجب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھو۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۳۳) (المسوط ج ۱ ص ۴۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ مرغینانی صاحب "ہدایہ" نے بھی فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو جائز کہا ہے اور اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

(ہدایہ اولین ص ۱۲۲ مطبوعہ شرکت علیہ لبنان)

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ حدیث مکحول سے مروی ہے اور ان کا حضرت ابو ہریرہ سے سماع نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور ہمارے نزدیک حدیث مرسل مقبول ہوتی ہے اس پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے اور اس کی ہر سند میں ضعیف راوی ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ جو حدیث متعدد ضعیف طریقوں سے مروی ہو وہ محققین کے نزدیک درجہ "حسن" کو پہنچ جاتی ہے۔ (شیخ القدیری ج ۱ ص ۲۰۵ مطبوعہ مکتبہ لوربہ رضویہ کبیر)

مصنف یہ کہتا ہے کہ اس مسئلہ میں حدیث متصل بھی موجود ہے۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عدی بن خیبار بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت عثمان کے پاس اس وقت گئے جب باغیوں نے ان کا محاصرہ کیا ہوا تھا عدی نے کہا آپ عام مسلمانوں کے امام ہیں اور آپ پر وہ اقتاد پڑی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں اب ہمیں قتل کرنے والا (باغی) امام نماز پڑھاتا ہے اور ہم اس میں گناہ سمجھتے ہیں حضرت عثمان نے فرمایا نماز لوگوں کے اعمال میں سے اچھا عمل ہے جب لوگ اچھا کام کریں تو تم ان کے ساتھ اچھا کام کرو اور جب وہ برا کام کریں تو تم ان کی برائی سے اجتناب کرو۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۹۶ مطبوعہ نور محمد صالح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کی شرح میں علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جن کی اقتاد میں نماز مکروہ ہے ان کے پیچھے نماز پڑھ لینا جماعت کو ترک کرنے سے اولیٰ ہے (اولیٰ قولہ) اور "مبیط" میں لکھا ہے کہ اگر فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھی تو جماعت کا ثواب مل جائے گا البتہ متقی کے پیچھے نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا اور "مبسوط" میں ہے کہ بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ (تنبیہ) ہے۔

(عمدة القاری ج ۵ ص ۳۳۲ مطبوعہ دارالطباعة السیسیہ مصر ۱۳۳۸ھ)

حدیث مکحول بیان کرنے کے بعد علامہ سرحدی لکھتے ہیں:

(اور فاسق کی اقتاد میں نماز کا جواز اس لیے ہے کہ) صحابہ اور تابعین حجاج کی اقتداء میں جمعہ اور دوسری نمازیں پڑھنے سے احتراز نہیں کرتے تھے حالانکہ وہ اپنے زمانہ کا بدترین فاسق شخص تھا حسن نے کہا اگر ہر امت اپنے اپنے خبیثوں کو لے کر آئے اور ہم صرف حجاج کو لے کر آئیں تو ہم غالب رہیں گے (اور فاسق کی اقتداء میں) کراہت کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے گریز کریں گے امام ابو یوسف نے "امالی" میں کہا میرے نزدیک امام کا صاحب بدعت ہونا اس لیے مکروہ ہے کہ لوگ اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے متنفر ہوں گے۔ (المبسوط ج ۱ ص ۳۱ - ۳۰ مطبوعہ دارالعرفان بیروت)

علامہ قاضی خاں اور جندی حنفی فرماتے ہیں:

جہمہ قدس سرہ اور غالی رافضی کے سوا باقی لوگوں کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز اور مکروہ (تنبیہ) ہے اسی طرح اس شخص کی اقتداء بھی جائز ہے جو سود خوری میں معروف ہو اور فاسق معطن ہو یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ سے مروی ہے اور جب کوئی شخص فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھ لینا ہے تو اس کو جماعت کا ثواب مل جاتا ہے۔

(فتاویٰ قاضی خاں علی صاحبہ رحمہ اللہ ج ۱ ص ۹۲ - ۹۱ مطبوعہ بواقی مصر ۱۳۱۰ھ)

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

”محیط“ میں لکھا ہے کہ اگر فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھی تو اس کو جماعت کا ثواب مل جائے گا لیکن متقی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا۔

”محیط“ کی عبارت میں بدعتی سے مراد وہ شخص ہے جس کی بدعت کفر تک نہ پہنچی ہو اور اس تفصیل کے ساتھ تمام اہل اہواء کی اقتداء میں نماز جائز ہے البتہ جہمیہ قدریہ غالی و افغص خلق قرآن کے قائلین خطابیہ اور مشیمہ کے پیچھے نماز جائز نہیں خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص ہمارے قبلہ والا ہو اور غلو نہ کرنا ہو اور اس کی تکفیر نہ کی گئی ہو اس کے پیچھے نماز کراہت کے ساتھ جائز ہے البتہ عذاب قبر، شفاعت، رویت باری اور کرأما کاتبین کے منکروں کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔

(فتح القدیر ج ۱ ص ۳۰۳ مطبوعہ مکتبہ نوریہ دہلیہ مصر)

علامہ ابن نجیم حنفی فرماتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ ان لوگوں کی اقتداء میں نماز پڑھنا افضل ہے یا تنہا نماز پڑھنا بہتر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھنا بہر حال بہتر ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے کتب فتاویٰ سے نقل کر چکے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا امام بننا اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے اگر ان کے علاوہ کسی اور کی اقتداء میں نماز پڑھنا ممکن ہو تو فہم ورنہ تنہا نماز پڑھنے سے ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا اولیٰ ہے اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا اس وقت مکروہ ہے جب دوسروں کی اقتداء میں نماز پڑھنا میسر ہو ورنہ کوئی کراہت نہیں ہے۔ (المحرر الرائق ج ۱ ص ۳۲۹ مطبوعہ مطبعہ علیہ مصر ۱۳۱۱ھ)

علامہ علاؤ الدین حصکفی لکھتے ہیں:

غلام اعرابی فاسق اور نابینا کی امامت مکروہ تنزیہی ہے۔

(در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی مکروہ تنزیہی کی وجہ میں لکھتے ہیں

کیونکہ امام محمد نے اصل (مبسوط) میں لکھا ہے کہ ان لوگوں کے غیر کی امامت میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے پھر فرمایا ان کا امام بننا اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے اگر ان کے علاوہ دوسروں کی اقتداء میں نماز پڑھنا ممکن ہو تو افضل ہے ورنہ اکیلے نماز پڑھنے سے ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا بہتر ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ طحاوی نے بھی ”در مختار“ کی شرح میں کراہت تنزیہی کی یہی وجہ بیان کی ہے اور یہی لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اکیلے نماز پڑھنے کی بہ نسبت فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا اولیٰ ہے۔

(حاشیہ الطحاوی علی الدرر ج ۱ ص ۳۳۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۹۵ھ)

علامہ عالم بن العلاء الانصاری لکھتے ہیں:

بدعتی خواہ فاسد تاویل کرتا ہو اگر اس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچی ہو تو اس کی اقتداء میں نماز کراہت (تنزیہی) کے ساتھ جائز ہے (الی قولہ) ”منہن“ میں مذکور ہے امام محمد سے شارح خبر کی اقتداء کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا اس کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھنی چاہیے اور اس میں کراہت (تحریمی) نہیں ہے۔

امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۱ ص ۶۰۲-۶۰۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

علامہ عبد اللہ بن محمود بن مودود موصلی حنفی لکھتے ہیں:

فاسق کی اقتداء میں نماز کراہت (تزیہی) کے ساتھ جائز ہے۔ (الاختیار ج ۱ ص ۵۸ مطبوعہ دار الفکر للنشر والتوزیع مصر)
علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری حنفی لکھتے ہیں:

اگر فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھی تو اس کو جماعت کا ثواب مل جائے گا لیکن ایسا ثواب نہیں ملے گا جو متقی کے پیچھے نماز پڑھنے سے ملتا ہے (جامع الرموز ج ۱ ص ۱۵۰ مطبوعہ مکتبہ الشیخ الاسلام لکھنؤ)

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں:

اعرابی فاسق نابینا اور بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تزیہی ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۷۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کراچی)
ملا علی قاری لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ فاسق کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ نہیں ہے (الی قور) ”متقی“ میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ سے اہل سنت و جماعت کے مذہب کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا تم حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو فضیلت دو حضرت عثمان اور حضرت علی سے محبت رکھو موزوں پر مسح کو جائز سمجھو اور ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھو (کیونکہ معتزلہ فاسق کی امامت کے قائل نہیں ہیں)۔ (شرح فقہ اکبر ص ۶۷ مطبوعہ مطبع مصلیٰ البابا وادارہ مصر ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابوسعود حنفی لکھتے ہیں:

اگر غیر فاسق موجود ہو تو فاسق کی اقتداء میں نماز مکروہ تزیہی ہے ورنہ کوئی کراہت نہیں ہے (بحر) اور ”النہر“ میں لکھا ہے کہ فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے سے جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ (فتح المصنوع علی ملائکین ج ۱ ص ۲۰۸-۲۰۷)
خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء احناف میں سے امام ابو یوسف (۱) علامہ زیلی حنفی (۲) علامہ شرنبلالی (۳) علامہ طبری حنفی (۴) اور علامہ ابن براز کردری (۵) کے نزدیک فاسق کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی ہے اور امام ابو حنیفہ (۱) امام محمد شیبانی (۲) شمس الدائمہ سرخسی (۳) علامہ قاضی خاں اوز جندی (۴) علامہ المرغینانی صاحب ”ہدایہ“ (۵) علامہ ابن ہمام (۶) صاحب ”محیط“ (۷) علامہ ابن نجیم حنفی (۸) علامہ علاؤ الدین حصکفی (۹) علامہ ابن عابدین شامی (۱۰) علامہ سید طحطاوی (۱۱) علامہ عالم بن العداء انصاری دہلوی صاحب ”فتاویٰ تانار خانہ“ (۱۲) علامہ عبد اللہ بن محمود صاحب ”الاختیار“ (۱۳) علامہ عبد الرشید بخاری صاحب ”خلاصۃ الفتاویٰ“ (۱۴) علامہ قسطلانی (۱۵) علامہ ابوسعود حنفی (۱۶) صاحب ”النہر الفاسق“ (۱۷) اور ملا علی قاری (۱۸) کے نزدیک فاسق کی اقتداء میں نماز مکروہ تزیہی ہے۔

فقہاء احناف کے ان کثیر حوالہ جات کو پیش کرنے سے ہمارا مقصد فاسق کی امامت کی حوصلہ افزائی نہیں ہے بلکہ اس سے ہمارا صرف اتنا مقصد ہے کہ یہ محقق ہو جائے کہ اس مسئلہ میں فقہاء احناف کا کیا مذہب ہے۔

دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ کسی متقی امام کی اقتداء نہ کرنے کی وجہ سے فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھ لینا ایک الگ چیز ہے اور اسی کو فقہاء احناف نے کراہت تزیہی کے ساتھ جائز کہا ہے اور کسی فاسق معطل کا از خود امام بننا یا لوگوں کا اس کو امام بنا دینا ایک الگ بات ہے اور فقہاء احناف میں سے کسی نے اس کو جائز نہیں کہا یہ باموافاق مکروہ تحریمی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ولا یومعاجر مومنا کوئی فاسق کسی مومن کا امام نہ بنے“۔ (سنن ابن ماجہ ص ۷۵) امام بیہقی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تم میں سے سب سے بہتر ہوں ان کو امام بناؤ۔ (سنن کبریٰ ج ۳ ص ۹۰) اس لیے جب امام بننے کا مرحلہ ہو تو اس شخص کو امام بنایا جائے جو عالم اور متقی ہو اور جو شخص فاسق معطل ہو اس کو امام بنانا ناجائز اور گناہ ہے ڈاڑھی منڈانے والا بھی فاسق معطل ہے اگرچہ اس کا فسق ظنی ہے اس کو امام نہ بنایا جائے اور جو شخص فریج کٹ

ڈاڑھی یا خشکی ڈاڑھی رکھتا ہو اس کو بھی امام نہ بنایا جائے جس شخص کی ڈاڑھی سنت کے مطابق ہو اور اس کا ظاہر حال نیک ہو وہ عالم ہو اور اس پر کسی وجہ سے فسق کی تہمت نہ ہو اس کو امام بنایا جائے "شرح صحیح مسلم" جلد دوم میں بھی میں نے یہی تحقیق کی ہے فاسق کے امام بنانے یا از خود امام بننے کو ناجائز لکھا ہے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱۰) اور اس کی افتداء میں نماز پڑھنے کو اکثر یا بعض فقہاء کے حوالوں سے جائز لکھا ہے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۱) لیکن بعض معاندین نے ان عبارات کو گنڈ کر دیا اور میری طرف یہ منسوب کیا کہ وہ فاسق اور ڈاڑھی منڈے کے امام بنانے کو جائز کہتے ہیں فالی اللہ العزیز! اسی طرح میں نے فاسق کی افتداء میں نماز پڑھنے کے متعلق مذاہب بیان کیے اور باحوالہ لکھا کہ بعض احناف کے نزدیک اس کی افتداء میں نماز مکروہ تحریمی ہے اور اکثر احناف کے نزدیک اس کی افتداء میں نماز مکروہ تنزیہی ہے اور ان سب کے حوالہ جات بیان کیے لیکن بعض معاندین نے ان حوالوں کو حذف کر کے میری طرف یہ منسوب کر دیا کہ ایک جگہ یہ فاسق کی افتداء میں نماز کو مکروہ تحریمی کہتا ہے اور ایک جگہ مکروہ تنزیہی کہتا ہے خیر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان سب باتوں کا حساب ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ابراہیم نے کہا) اور میری اولاد سے بھی! اللہ نے فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا O (البقرہ ۲۳) حضرت ابراہیم کے مطلقاً ذریت کے لیے دعا کرنے کی توجیہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں سے بعض کے لیے امامت کی دعا کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم تھا کہ ظالم اور کافر امام نہیں بن سکتے لیکن اس دعا کے وقت ان کا ذہن اس طرف متوجہ نہیں تھا اس لیے انہوں نے اپنی دعا میں یہ قید نہیں لگائی کہ میری اولاد میں سے مومنین اور صالحین کو امامت عطا فرما اور مطلقاً عرض کیا اور میری اولاد سے بھی اللہ تعالیٰ نے مسئلہ واضح کرنے کے لیے فرما دیا کہ میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّٰی وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ إِسْمَاعِيلَ

اور (یاد کیجئے) جب ہم نے بیت اللہ (کعبہ) کو لوگوں کے لیے مسجد اور امن کی جگہ بنا دیا اور مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے

مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّٰی ط وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ إِسْمَاعِيلَ

کی جگہ بنا لیا اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے تاکید فرمائی کہ میرے گھر کو

أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝۱۲۵

طواف کرنے والوں اعتکاف کرنے والوں رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو O

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ

اور (یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب اس جگہ کو امن والا شہر بنا دے اور اس میں رہنے والوں میں

أَهْلَهُ مِنَ الشَّرِّ مَنْ آمَنَ بِهِ بِرَبِّهِ يَوْمَئِذٍ وَآلِهِ

سے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائیں ان کو پھلوں سے رزق عطا فرما

قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمْتِئَتْهُ قَلِيلًا ثُمَّ اضْطُرَّ إِلَى عَذَابِ النَّارِ

فرمایا: اور جس نے کفر کیا میں اس کو (بھی) تھوڑا سا فائدہ پہنچاؤں گا پھر اس کو مجبور کر کے دوزخ میں ڈالوں گا

وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۲۶﴾

اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے ○

”مثابہ“ کا معنی ہے لوٹنے کی جگہ کیونکہ جو شخص بھی بیت اللہ سے واپس جاتا ہے وہ سیر نہیں ہوتا اور پھر دوبارہ وہاں جاتا ہے یا جانا چاہتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی ہو اجر و ثواب کی جگہ کیونکہ عبادت پر جس قدر اجر و ثواب یہاں ملتا ہے کہیں اور نہیں ملتا۔

حرم میں قصاص لینے اور حدود جاری کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ

”امنا“ کا معنی ہے۔ امن کی جگہ ہر چند کہ یہ بیت اللہ کی صفت ہے لیکن اس سے مراد پورا حرم ہے۔

اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ کعبہ میں کسی پر حد نہیں جاری کی جائے گی لیکن باقی حرم میں بھی حد جاری کی جائے گی یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ علامہ قرطبی، مکی لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ حرم میں حد جاری کی جائے گی اور ”مس دحلہ کان امنا“ منسوخ ہے۔ (المجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۱۱ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

امام رازی شافعی لکھتے ہیں:

حرم میں حد جاری کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت عاصم بن ثابت بن اُلیح اور حضرت خبیب کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اگر وہ قادر ہوں تو ابو سفیان کو مکہ میں اس کے گھر میں قتل کر دیں اور اس وقت مکہ حرم تھا اور قرآن مجید میں جو ہے۔ یہ امن کی جگہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جنگ نہیں کی جائے گی یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قحط اور آفات سے امن کی جگہ بنا دیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۷۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں

حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ جس شخص نے کسی اور جگہ جرم کیا ہو پھر وہ حرم میں آ کر پناہ لے لے تو وہ مامون ہے لیکن اہل مکہ کو چاہیے کہ وہ اس کو کوئی چیز فروخت کریں نہ کھلائیں نہ پلائیں اور نہ اس کو پناہ دیں نہ اس سے کلام کریں حتیٰ کہ وہ حرم کی حدود سے نکل جائے اور جب وہ حرم کی حدود سے باہر آ جائے تو اس پر حد جاری کر دیں۔ امن کی جگہ بیت اللہ کی صفت ہے لیکن اس سے مراد پورا حرم ہے جیسے فرمایا: ”ہدیا بالغ الکعبۃ“ قربانی جو کعبہ کو پہنچنے والی ہے۔ ”یہاں بھی کعبہ سے مراد پورا حرم ہے کیونکہ کعبہ اور مسجد حرام میں جانور کو ذبح نہیں کیا جاتا۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۱۴۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حرم میں کسی شخص سے قصاص لیا جائے گا نہ کسی پر حد جاری کی جائے گی اگر کسی مجرم نے حرم میں آ کر پناہ لے لی تو اس پر کھانا پینا بند کر دیا جائے گا اور اس سے کوئی معاملہ نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ حرم سے باہر آ جائے اور جب وہ باہر آ جائے گا تو اس پر حد جاری کر دی جائے گی۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۳۷۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ آیت ہے۔

وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا (آل عمران ۹۷)

اور جو حرم میں داخل ہوا وہ مومن ہے۔

علامہ قرطبی مالکی نے جو کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اس پر انہوں نے کوئی دلیل قائم نہیں کی اور امام رازی تافہی نے جو لکھا ہے کہ حضرت عاصم اور حضرت خبیب کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ مکہ میں جا کر ابو سفیان کو قتل کر دیں یہ بر تقدیر صحت روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر محمول ہے نیز امام رازی نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ اس کا مطاب یہ ہو سکتا ہے کہ اس شہر میں جنگ نہیں کی جائے گی یا یہ شہر قدرتی آفات سے ماسون ہے یہ تاویلات اس آیت سے مطابقت نہیں رکھتیں جو حرم میں داخل ہوا وہ مومن ہے ظاہر قرآن میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد کی تائید ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اور مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو۔ (البقرہ ۱۲۵)

مقام ابراہیم کی تعیین کی تحقیق

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے دوران یہ جملہ معترضہ ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ جب ہم نے کعبہ کو یہ عظمت اور جلالت عطا کی کہ اس کو مشرق اور مغرب سے لوگوں کے بار بار آنے کی جگہ بنا دیا اور اس کو تمہارے لیے عبادت اور امن کی جگہ بنا دیا اور اس کو تمام روئے زمین کے نمازیوں کے لیے قبلہ بنا دیا تو جس شخص نے اس عظیم کعبہ کو بنایا ہے اس کے کھڑے ہونے کی جگہ کو تم اپنا مصلیٰ بنا لو۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے کہا، میں نے اپنے رب کی تین چیزوں میں موافقت کی ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کاش! ہم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لیں! تو یہ آیت نازل ہو گئی، "وَأَنۢتَ خِذْ أَمۡنَ مَّقَامِ إِبۡرٰہٖمَ مۡصَلًّی" (البقرہ ۱۲۵) اور آیت حجاب میں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کاش! آپ اپنی ازواج کو یہ حکم دیں کہ وہ حجاب میں رہیں کیونکہ ان سے نیک اور بد (ہر قسم کا شخص) کلام کرتا ہے تو آیت حجاب نازل ہو گئی اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج غیرت میں مجتمع ہو گئیں تو میں نے کہا، اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو بعید نہیں کہ ان کا رب تمہارے بدلہ میں ان کو تم سے بہتر بیویاں دے دے تو یہ آیت نازل ہو گئی، "عَسٰی سَآئِلُہٗ اِنْ طَلَفَ لَہٗ اَنۡ یُّنۡبِیَ لَہٗ اَزۡوَآجًا خَیۡرًا مِّمَّنۡ کُنَّ" (الاحزاب ۵) (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے سات طواف کیے پھر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعات نماز پڑھی اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

مقام ابراہیم کی تعیین میں کئی اقوال ہیں، عکرمہ اور عطاء نے کہا پورا حج مقام ابراہیم ہے، شخصی نے کہا عرفہ، مزدنہ اور جہار مقام ابراہیم ہیں، شخصی نے کہا پورا حرم مقام ابراہیم ہے اور سب سے صحیح قول یہ ہے کہ وہ پھر جس کو اب لوگ مقام ابراہیم کے عنوان سے پہچانتے ہیں اور جس کے پاس طواف کی دو رکعت پڑھتے ہیں وہ مقام ابراہیم ہے اور یہ حضرت جابر بن عبد اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور قتادہ وغیرہ کا قول ہے امام مسلم نے ایک طویل حدیث میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بیت اللہ کو دیکھا تو حجر اسود کو تعظیم دی اور پہلے تین طوافوں میں رٹ کیا

اور اس کے بعد چار طواف معمول کے مطابق چل کر کیے پھر مقام ابراہیم کی طرف گئے اور طواف کی دو رکعتیں پڑھیں اور امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس کو اس وقت بلند کر دیا گیا تھا جب حضرت ابراہیم کو ان پتھروں کے اٹھانے سے ضعف الحق ہوا جو ان کو حضرت اسماعیل لا کر دے رہے تھے اور حضرت ابراہیم کے قدموں کے نشان اس پتھر میں نقش ہو گئے تھے حضرت انس نے کہا میں نے ”مقام“ میں حضرت ابراہیم کی انگلیوں، ایڑیوں اور تلووں کے نشان ثبت دیکھے۔ سدی نے بیان کیا ہے کہ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس کو حضرت اسماعیل کی زوجہ نے حضرت ابراہیم کا سر دھو تے وقت اس کے قدموں کے نیچے رکھا تھا۔ (تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۱۱۳ - ۱۱۲ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ۱۳۸۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں

حضرت اسماعیل پتھر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم ان پتھروں کو جوڑ کر لگاتے تھے جب کعبہ کی عمارت بلند ہو گئی تو وہ اس پتھر کو لائے اور اس کو حضرت ابراہیم کے لیے رکھا حضرت ابراہیم اس پتھر پر کھڑے ہو کر بنانے لگے اور حضرت اسماعیل ان کو پتھر لا کر دے رہے تھے۔ (المحدیث) (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۷۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام رازی نے سدی کی روایت کو ترجیح دی ہے (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۷۳) لیکن صحیح یہ ہے کہ امام بخاری کی روایت کو ترجیح ہے۔ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنانے کے حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء کا مقام کس قدر بلند ہے اور آثار انبیاء سے برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! اس جگہ کو امن والا شہر بنادے۔ (الانبیاء)

(البقرہ: ۱۲۶)

آیا مکہ مکرمہ ابتداء آفرینش سے حرم ہے یا حضرت ابراہیم کی دعا کے بعد سے؟

اس میں اختلاف ہے کہ آیا مکہ مکرمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے حرم بنایا اس سے پہلے حرم تھا ایک قول یہ ہے کہ جابر حکمران زلزله زمین کا دھنسا قحط خشک سالی اور دیگر مصائب اور قدرتی آفات جو دوسرے شہروں میں نازل ہوتی ہیں مکہ مکرمہ ہمیشہ سے ان سے مامون اور محفوظ رہا ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اس شہر کو اللہ نے اس دن حرام کیا جس دن آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا پس یہ شہر اللہ کے حرام کرنے سے قیامت تک کے لیے حرام ہے اور مجھ سے پہلے اس شہر میں کسی کے لیے بھی جنگ کرنا جائز نہ تھا اور میرے لیے صرف دن کی ایک ساعت میں یہ جنگ کرنا جائز ہوا اور اب یہ اللہ کے حرام کرنے سے قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

دوسرا قول یہ ہے کہ پہلے شہر مکہ حرم نہیں تھا حضرت ابراہیم کی دعا کے بعد یہ حرم ہوا اس کی دلیل یہ حدیث ہے امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور اہل مکہ کے لیے دعا کی اور میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں جیسا کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا تھا اور میں مدینہ کے صانع اور مد میں اس سے دگنی برکت کی دعا کرتا ہوں جو حضرت ابراہیم نے اہل مکہ کے لیے کی تھی۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۰ مطبوعہ نور محمد صحیح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے بعد حرم بنا لیکن اس حدیث کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اصل میں مکہ ابتداء آفرینش سے حرم ہے اور حضرت ابراہیم نے اس کی تحریم کی تجدید اور تحریم کی بقاء اور دوام کے لیے دعا کی تھی اس وجہ سے اس کی طرف تحریم کی نسبت کی جاتی ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا اس لیے حضرت ابراہیم نے دعا میں یہ کہہ کر اس میں رہنے والے سومنوں کو رزق عطا فرما اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جس نے کفر کیا میں اس کو (بھی) تھوڑا سا فائدہ پہنچاؤں گا پھر اس کو مجبور کر کے دوزخ میں ڈالوں گا اور وہ کیا برا ٹھکانا ہے O

وَإِذْ رَفَعْنَا ابْرَاهِيمَ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلَ ط رَبَّنَا

اور (یاد کیجئے) جب ابراہیم اور اسماعیل کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (اور اس وقت وہ یہ دعا کر رہے تھے) اے ہمارے رب!

تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝۱۲۷ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ

ہم سے قبول فرما بے شک تو ہی بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے O اور اے ہمارے رب! ہمیں خالص اپنی فرمانبرداری

لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا

پر برقرار رکھ اور ہماری اولاد میں سے ایک امت کو خاص اپنا فرمانبردار کر اور ہمیں حج کی عبادات بتا

وَنُثِّبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝۱۲۸

اور ہماری توبہ قبول فرما بے شک تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے O

تفسیر کعبہ کی تاریخ کے متعلق روایات کا بیان

اس مسئلہ میں مختلف روایات اور مختلف اقوال ہیں کہ سب سے پہلے کعبہ کی تعمیر فرشتوں نے کی تھی یا حضرت آدم نے کی تھی یا حضرت ابراہیم نے کی تھی۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں

عطاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب! میں فرشتوں کی آواز نہیں سنتا فرمایا اس کی وجہ تمہاری (ظاہری) خطا ہے لیکن تم زمین پر اتر جاؤ اور میرے لیے ایک بیت (گھر) بناؤ پھر اس کے گرد طواف کرو جس طرح تم نے آسمان میں میرے بیت کے گرد فرشتوں کو طواف کرتے ہوئے دیکھا تھا پھر حضرت آدم نے حرا طور زیتا طور سینا جبل لبنان اور جودی پانچ پہاڑوں سے مٹی لے کر بیت اللہ کو بنایا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو جنت سے اتارا تو فرمایا میں تمہارے ساتھ ایک بیت (بھی) اتاروں گا جس کے گرد اس طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے اور اس کے پاس ایسے نماز پڑھی جائے گی جیسے میرے عرش کے پاس نماز پڑھی جاتی ہے طوفان کے زمانہ میں اس بیت کو اٹھ لیا گیا انبیاء اس کا حج کرتے تھے اور انہیں اس کی جگہ کا علم نہیں تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اس کی جگہ سے مطلع کیا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۳۸ 'مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

ان دونوں روایتوں کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی بیان کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۰۷۔ ۴۰۶ 'مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

دوسری روایت کو علامہ عینی نے بھی بیان کیا ہے۔ (عمدة القاری ج ۹ ص ۱۶۶ 'مطبوعہ ادارة المطابع المیسریہ مصر' ۱۳۳۸ھ)

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

کعبہ کو پانچ مرتبہ بنایا گیا ہے پہلی بار شیث بن آدم نے بنایا دوسری بار ان ہی بنیادوں پر حضرت ابراہیم نے بنایا تیسری بار ظہور اسلام سے پانچ سال پہلے قریش نے بنایا چوتھی مرتبہ حضرت ابن الزبیر نے بنایا اور حطیم کو کعبہ میں شامل کر لیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا تھا پانچویں بار عبدالملک بن مروان نے بنایا اور حطیم کو پھر باہر کر دیا ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کے بعد جب ایک یا دو بار سیلاب آیا تو اس کو قوم جرہم نے بنایا اور امام ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلے کعبہ کو حضرت ابراہیم نے بنایا تھا۔ (الروض ۱۱۱ ص ۱۲۸۔ ۱۲۷ 'مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ملتان')

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم نے کعبہ کو بنایا اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے ایک حدیث مرفوعہ مروی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے اور قوی قول یہ ہے کہ کعبہ کو سب سے پہلے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بنایا حضرت علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ پھر کعبہ منہدم ہو گیا پھر اس کو عمارت نے بنایا پھر منہدم ہو گیا پھر اس کو جرہم نے بنایا پھر منہدم ہو گیا پھر اس کو قریش نے بنایا اور یہ آپ کی بعثت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے ایک قول یہ ہے کہ پندرہ سال پہلے کا واقعہ ہے اور زہری سے روایت ہے کہ اس وقت آپ بلوغت کے قریب تھے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۲۸۔ ۱۲۷ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۳ھ)

میں کہتا ہوں کہ "صحیح بخاری" سے امام زہری کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کعبہ کو کس نے بنایا ایک قول یہ ہے کہ اس کو سب سے پہلے فرشتوں نے بنایا امام ابن اسحاق نے کہا: اس کو سب سے پہلے حضرت آدم نے بنایا اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو سب سے پہلے حضرت شیث بن آدم نے بنایا۔ (عمدة القاری ج ۱۶ ص ۲۸۸ 'مطبوعہ ادارة المطابع المیسریہ مصر' ۱۳۳۸ھ)

علامہ احمد قسطلانی نے ان تمام اقوال اور روایات کو جمع کر کے یہ فرمایا کہ کعبہ کو دس مرتبہ بنا گیا

(۱) پہلی بار کعبہ کو فرشتوں نے بنایا (۲) دوسری مرتبہ حضرت آدم نے بنایا (۳) تیسری بار حضرت شیث بن آدم نے بنایا (۴) چوتھی بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا (۵) پانچویں بار قوم عمارت نے بنایا (۶) چھٹی بار جرہم نے بنایا (۷) ساتویں بار قصی بن کلاب نے بنایا (۸) آٹھویں بار قریش نے بنایا (۹) نویں بار حضرت عبداللہ بن زبیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب منشا کعبہ کو بنایا اس میں دو دروازے رکھے ایک داخل ہونے اور ایک خارج ہونے کا اور حطیم کو کعبہ میں داخل کیا اور یہی بناء ابراہیم تھی قریش اپنے وسائل میں کمی کی وجہ سے اس کو مکمل بناء ابراہیم پر نہیں بنا سکے تھے اور آپ کی خواہش تھی کہ اس کو بناء ابراہیم پر بنا دیا جائے لیکن فتنہ کے خدشہ سے آپ نے نہیں بنایا تھا (۱۰) دسویں بار عبدالملک بن مروان کے حکم سے حجاج بن یوسف نے اس کو پھر منہدم کر کے قریش کی بناء کے مطابق بنا دیا۔

(ارشاد الساری ج ۳ ص ۱۴۳-۱۴۴ مطبوعہ مطبعہ مہر ۱۳۰۶ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

جب ہارون رشید کو یہ روایت پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کو اس طرح بنانا چاہتے تھے تو اس نے چاہا کہ کعبہ کو پھر حضرت ابن الزبیر کی بناء کے مطابق بنادے لیکن امام مالک نے اس کو منع کیا اور فرمایا میں تم کو تم دینا ہوں اب کعبہ کو اس طرح رہنے دو بار مہدم کرنے اور بنانے سے اس کی ہیبت اور جلال میں کمی آئے گی۔ احمد حمیری نے سب سے پہلے کعبہ کو غلاف چڑھایا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے اور حجاج بن یوسف نے سب سے پہلے اس پر ریشم کا غلاف چڑھایا تھا۔ (المصنف ۱۱ احکام القرآن ج ۲ ص ۱۲۵ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے دعا کی) اور ہمیں خاص اپنی فرمانبرداری پر برقرار رکھ اور ہماری اولاد میں سے ایک امت کو خاص اپنا فرمانبردار کر۔ (البقرہ ۱۲۸)

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے مسلمان کرنے کی دعا پر اعتراض اور اس کا جواب

قرآن مجید کی اس آیت میں "واجعلنا" کا لفظ ہے یعنی ہم کو اپنے لیے مسلم کر دے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل پہلے بھی تو مسلم ہی تھے! اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اسلام کا معنی اطاعت ہے اور یہ اطاعت میں زیادتی کی دعا ہے یعنی ہم کو اور زیادہ مطیع اور فرمانبردار کر دے دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اطاعت اور فرمانبرداری میں دوام کے حصول کی دعا ہے یعنی جس طرح ہم اب مطیع ہیں ہمیں آئندہ بھی اپنا مطیع اور فرمانبردار رکھنا تیسرا جواب یہ ہے کہ اسلام سے مراد یہاں تمام احکام شرعیہ کو ماننا اور قضاء و قدر کو تسلیم کرنا اور اس پر راضی رہنا ہے یعنی ہمارے دلوں کو ایسا بنادے کہ احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے خلاف دل میں کوئی تنگی نہ آئے اور قضاء و قدر کے معاملات کے خلاف دل میں کوئی سال نہ آئے چوتھا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد صرف تسمیہ ہے یعنی ہمارا نام مسلم کر دے۔

اپنی اولاد کے لیے دعا کی تخصیص کا جواب

دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کے لیے خصوصاً دعا کیوں کی عام لوگوں کے لیے دعا کیوں نہیں فرمائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاد شفقت اور مصلحت کی زیادہ مستحق ہوتی ہے قرآن مجید میں ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو

(اتقریم: ۶) آگ سے بچاؤ۔

نیز جب انبیاء علیہم السلام کی اولاد نیک اور صالح ہوگی تو وہ دوسرے لوگوں کی نیکی اور خیر کا بھی ذریعہ بنے گی اس دعا پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی ذریت میں سے کوئی عرب مسلمان نہیں تھا۔

امام رازی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

نقال نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی ذریت میں ہمیشہ موحد رہے ہیں جو صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے زمانہ جاہلیت میں زید بن عمرو بن نفیل اور قس بن ساعدہ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت عبدالمطلب بن ہاشم بھی موحد تھے اسی طرح عامر بن الظرب تھے۔ یہ سب موحد تھے قیامت اور ثواب اور عقاب کے قائل تھے مردار کھاتے تھے نہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۸۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے کہا اور ہم کو ہمارے مناسک دکھا۔ (انقرہ ۱۲۸)
حضرت ابراہیم کو مناسک حج کی تعلیم کا بیان

شریعت میں "مسک" عبادت کا نام ہے اور یہاں "مناسک" سے مراد حج کی عبادات ہیں۔
علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

زبیر بن محمد سے روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کو بنانے سے فارغ ہو گئے تو دعا کی اے رب! میں اس کو بنانے سے فارغ ہو گیا اب ہم کو ہماری عبادات بتا تب اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو بھیجا اور اسہوں نے حضرت ابراہیم کے ساتھ حج کیا حتیٰ کہ جب وہ میدان عرفات سے لوٹے اور یوم نحر (دس ذوالحجہ) آیا تو شیطان ظاہر ہوا حضرت جبرائیل نے کہا اس کو نکریاں ماریے تو حضرت ابراہیم نے اس کو سات نکریاں ماریں پھر دوسرے اور تیسرے روز پھر حضرت ابراہیم شیر (مکہ اور منی کے درمیان ایک پہاڑ) پر چڑھے اور فرمایا اے اللہ کے بندو! جو اب رو تو جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی ایمان تھا اس نے کہا۔ "لبيك اللهم لبيك" اور روئے زمین پر ہمیشہ کم از کم سات آدمی مسلمان رہے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے۔ حضرت جبرائیل نے حضرت ابراہیم کو تمام مناسک دکھائے صفا مروی منی اور مزدلفہ وغیرہ۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۲۹-۱۲۸ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَ

اے ہمارے رب! ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج دے جو ان لوگوں پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ

ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کے نفوس کی اصلاح کرے بے شک تو ہی بہت غالب ہے

الْحَكِيمُ ۝۱۲۹

بڑی حکمت والا

حضرت ابراہیم نے جس عظیم رسول کی بعثت کی دعا کی وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا کی تھی کہ مکہ میں اہل مکہ میں سے ایک عظیم رسول بھیج دے اس سے مراد حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس پر حسب ذیل دلائل ہیں:

- (۱) تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس رسول سے مراد حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ اجماع حجت ہے۔
- (۲) امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عرواض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میں اللہ کے نزدیک حاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے اور میں تم کو اپنی ابتداء کی خبر دیتا ہوں میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا ان سے ایک ایسا نور نکلا تھا جس سے ان کے لیے شام کے

مجلات روشن ہو گئے تھے۔ اس حدیث کو امام بزار^۱، امام طبرانی^۲، امام ابن حبان^۳، امام حاکم^۴، امام ابو نعیم^۵، امام بیہقی^۶ اور امام بغوی^۷ نے بھی بیان کیا ہے۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا اہل مکہ کے لیے کی ہے اور مکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ہدانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا۔

اہل مکہ ہی میں سے رسول کو مبعوث کرنے کی حکمت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ مکہ میں اہل مکہ ہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث فرما اس میں ایک بات تو یہ بتائی ہے کہ یہ رسول انسانوں کی جنس سے ہے فرشتوں یا جنات کی جنس سے نہیں ہے کیونکہ اگر وہ رسول فرشتہ یا جنس ہوتا تو انسان اس کو دیکھ نہ سکتے اس کا کلام سن نہ سکتے اور اس کی سیرت انسانوں کے لیے نمونہ اور حجت نہ ہوتی دوسری بات یہ ہے کہ جب وہ رسول اہل مکہ میں سے ہوگا تو اہل مکہ اس کی پیدائش اس کی تربیت اور اس کی نشوونما سے واقف ہوں گے اس کا صدق اس کی امانت اور دیانت اور اس کی زندگی کا ایک ایک گوشہ ان پر عیاں اور بیاں ہوگا اور پھر اس کی رسالت کو تسلیم کرنے کے لیے خود اس کی زندگی ہی میں ان کو قرآن اور دلائل مل جائیں گے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان کافروں سے کہیے

فَقَدْ آتَيْنَا فِيكُمْ مُّذَمَّرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ میں اس سے پہلے تم میں عمر (کا ایک حصہ) گزر چکا ہوں تو کیا تم نہیں سمجھتے ○ (یونس: ۱۶)

نیز حضرت ابراہیم نے اہل مکہ میں سے اپنی ذریت کے لیے دعا کی تھی اور ان کو یہ علم تھا کہ جب وہ رسول مکہ میں پیدا ہوگا تو یہ ان کی ذریت کے لیے باعث عزت اور فخر ہوگا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا دو ہزار سات سو پچھتر سال بعد قبول ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ دعا کا درجہ قبول ہونا مقبولیت کے منافی نہیں ہے۔

نماز میں حضرت ابراہیم پر صلوٰۃ کی تخصیص اور ان کے ساتھ تشبیہ کی حکمتیں

حضرت ابراہیم نے ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک بار دعا کی اور آپ نے ہر نماز میں تشہد کے بعد ان کے لیے دعا کی ہدایت کر دی کہ جب مجھ پر صلوٰۃ پڑھو تو حضرت ابراہیم پر بھی صلوٰۃ پڑھو اور جب میرے لیے برکت کی دعا کرو تو حضرت ابراہیم کے لیے بھی برکت کی دعا کرو باقی رہا یہ اعتراض کہ اس دعا میں ہے اے اللہ! سیدنا محمد اور سیدنا محمد کی آل پر صلوٰۃ نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم پر اور آل ابراہیم پر صلوٰۃ نازل فرمائی ہے دعا میں سیدنا محمد مشبہ ہیں اور حضرت ابراہیم مشبہ بہ ہیں اور مشبہ بہ مشبہ سے اقویٰ ہوتا ہے اس سے حضرت ابراہیم کی حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت

۱۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۲ ص ۱۲۸-۱۲۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

۲۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الشیخی المتوفی ۸۰۷ھ کشف الاستار عن زوائد الزوارج ج ۳ ص ۱۱۳ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت

۳۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۵۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۴۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الشیخی المتوفی ۸۰۷ھ موارد اللہ عن زوائد ابن حبان ص ۵۱۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۵۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن حاکم غیثا پوری متوفی ۴۰۵ھ المستدرک ج ۲ ص ۶۰۰ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ

۶۔ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۹۰-۸۹ مطبوعہ دار الکتب العربیہ ۱۴۰۷ھ

۷۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ دلائل النبوة ج ۲ ص ۱۳۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۸۔ امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ شرح السنہ ج ۷ ص ۱۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ

الزم آئے گی حالانکہ آپ تمام انبیاء سے افضل ہیں اس اعتراض کے حرب ذیل جوابات ہیں
(۱) یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات مشبہ افضل ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے۔ ”مَثَلُ نُوحٍ كَمَثَلِ إِبْرَاهِيمَ“ (سورہ ۲۵)
”اللہ کے نور کی مثال جیسے ایک طاق ہو۔“

(۲) تشبیہ ابراہیم اور آل ابراہیم کے مجموعہ سے ہے اور آل ابراہیم میں دیگر انبیاء کے ساتھ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں۔

(۳) یہ تشبیہ نفسِ صلوة میں ہے اس کی کیفیت سے قطع نظر کے ساتھ جس طرح قرآن مجید میں ہے ”إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَلِمًا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ“ (النساء ۱۶۳) ”ہم نے آپ کو ایسی وحی کی ہے جیسے نوح کی طرف کی تھی“ حالانکہ آپ پر جو وحی ہے وہ قرآن ہے اور وہ بالا جماع افضل ہے۔

(۴) اس دعا میں کاف تشبیہ کے لیے نہیں ہے بلکہ تعلیل کے لیے ہے جیسے ”وَلْيُكْفِرُوا بِاللَّهِ عَلَىٰ مَا هَدَيْتَهُمْ“ (البقرہ ۱۸۵)
”تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کر دو کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے“ میں ہے اور اس دعا کا معنی ہے اے اللہ! سیدنا محمد پر اور سیدنا محمد کی آل پر صلوة نازل فرما کیونکہ تو نے ابراہیم پر اور ان کی آل پر صلوة نازل کی ہے۔

کتاب و حکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفس کی تشریح

اس عظیم رسول کی صفت بیان کرتے ہوئے حضرت ابراہیم نے کہا: وہ تیری آیات کی تلاوت کرے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کے نفوس کی اصلاح کرے۔

آیات کی تلاوت کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ ان پر قرآن مجید کی تلاوت کریں یا مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر جو دلائل آیات اور علامات ہیں ان کو بیان کریں۔

کتاب کی تعلیم سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید میں بیان کیے ہوئے احکام پر عمل کر کے دکھائیں اور جن آیات کی تفصیل کی ضرورت ہے ان کی تفصیل کریں اور جن آیات کے شرعی معنی بیان کرنے کی ضرورت ہے ان کے شرعی معنی بیان کریں۔

حکمت کا معنی ہے معرفت الوجودات اور فعل الخیرات اور یہاں اس سے مراد ہے قرآن کے ناخ اور منسوخ اور محکم اور متشابہ کو جاننا یا قرآن مجید کے اسرار اور دقائق کو جاننا یا حکمت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی احادیث ہیں۔

اور اصلاح نفس سے مراد یہ ہے کہ آپ ان کو معصیت کی آلودگی سے پاک کرتے ہیں ان کے ظہر اور باطن کو رذائل اور نقائص سے دور کرتے ہیں اور ان کی عبادات میں خلوص للہیت اور دوام کو اجاگر کرتے ہیں جس سے ان کا دل تجلیات الہیہ کا آئینہ بن جاتا ہے۔

وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ ۚ وَ

اور ملت ابراہیم سے اس شخص کے سوا کون منحرف ہو گا جو بے وقوف ہو اور

لَقَدْ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۳۰﴾

بے شک ہم نے ان کو دنیا میں منتخب کر لیا اور بے شک وہ آخرت میں صالحین میں سے ہیں O

اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ اَسْلِمْ لَا قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۳۱﴾

اور (یاد کیجئے) جب ان سے ان کے رب نے کہا میری اطاعت پر (برقرار) رہو انہوں نے کہا میں تمام جہانوں کے رب کی اطاعت پر قائم ہوں O ملت کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

ملت ان احکام کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی زبانوں سے اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمائے تاکہ بندوں کو اللہ کا قرب حاصل ہو دین کا بھی یہی معنی ہے لیکن دین اور ملت میں یہ فرق ہے کہ دین کی اضافت اللہ کی طرف بھی ہوتی ہے جیسے "لَا تَاْخُذْ بَعْدَ اٰفَاقِهِ دِيْنَ اللّٰهِ" (النور ۲) اور انبیاء علیہم السلام کی طرف بھی دین کی اضافت ہوتی ہے جیسے "قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ" (یونس ۱۰۳) اور مسلمانوں کی طرف بھی دین کی اضافت ہوتی ہے جیسے "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنََكُمْ" (المائدہ ۳) اس کے برعکس ملت کی اضافت صرف انبیاء علیہم السلام کی طرف کی جاتی ہے۔

(المفردات ص ۲۷۱، مطبوعہ المکتبۃ الرضویۃ ایران ۱۳۳۲ھ)

دین 'ملت' شریعت وغیرہا کے مفایم اور ان کا باہمی فرق ہم نے سورہ فاتحہ میں "مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ" کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

ملت ابراہیم سے انحراف کا حماقت ہونا

اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ بیان کیا تھا کہ حضرت ابراہیم اللہ تعالیٰ کی آزمائش میں پورے اترے اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام لوگوں کا امام بنایا انہوں نے اللہ کے حکم سے بیت اللہ بنایا اور فرمایا کہ ان کو اپنی اولاد پر شفقت تھی انہوں نے اس کے لیے دعا کی مدینہ میں رہنے والے یہود اپنا نسب حضرت اٹحق کے واسطے سے حضرت ابراہیم سے ثابت کرتے تھے اور نصاریٰ بھی حضرت عیسیٰ کی ماں کے واسطے سے حضرت ابراہیم کی طرف خود کو منسوب کرتے تھے اور قریش مکہ حضرت اسماعیل کے واسطے سے خود کو حضرت ابراہیم کی طرف منسوب کرتے تھے الغرض یہ سب حضرت ابراہیم کی طرف منسوب ہونے میں اپنا فخر سمجھتے تھے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت ابراہیم نے حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی دعا کی تھی اور آپ نے جس دین کی دعوت دی وہی ملت ابراہیم ہے تو اب جو شخص خود کو ابراہیمی کہتا ہو اور دین ابراہیم سے اعراض اور انحراف کرتا ہو اس سے بڑا بے وقوف اور کون ہوگا!

تمام انبیاء کا پیدائشی مومن ہونا

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اسلم اسلام لاؤ" امام رازی نے کہا اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ کس وقت فرمایا ایک قول یہ ہے کہ یہ نبوت سے پہلے فرمایا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ستارے چاند اور سورج کے ڈوبنے سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر استدلال کر رہے تھے اور جب حضرت ابراہیم نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسلام لاؤ اور انہوں نے کہا میں تمام جہانوں کے رب پر اسلام لایا۔

امام رازی نے کہا: اکثر علماء کی یہی رائے ہے اور بعض علماء نے کہا یہ حکم نبوت کے بعد تھا اور اس کا معنی ہے: اسلام پر

مستقیم رہو اور تو حید پر قائم رہو۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۸۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۹ھ)

علامہ ابو الحیان اندلسی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (المعجم الجید ج ۱ ص ۶۳۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۲۲ھ)

اور علامہ آدوی نے بھی یہ (قول ذکر کہے ہیں۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۳۸۸) ”طود دار اہل البیاء والراث (سری اہل رات) بہر حال یہ حکم نبوت سے پہلے ہو یا بعد انبیاء علیہم السلام پیدا کی موسیٰ ہوتے ہیں اور نبوت سے پہلے کفر سے موصوم ہونے ہیں اس لیے اس کا معنی ہے، اعضاء سے اطاعت کرو یا اسلام پر ثابت قدم رہو ما اپنے آپ کو میں سوچ دو اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ ایمان سے آؤ جس سے یہ ہم ہو کہ آپ پہلے موسیٰ نہیں تھے۔ معاذ اللہ

وَوَصَّي بِهَا إِبْرَاهِيمَ بَيْنِيهِ وَيَعْقُوبَ يَنبَىٰ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ

اور اسی ملت کی ابرہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی اور یعقوب نے (بھی) اسے میرے بیٹا بے شک اللہ نے تمہارے لیے اس

لَكُمْ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۲﴾ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ

دین کو پسند کر لیا پس تم تادم مرگ مسلمان رہنا O کیا تم اس وقت حاضر تھے

إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ

جب یعقوب کو موت آئی؟ جب یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا تم میرے بعد

بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَالِلّٰهِ أَبَائُكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ

کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اسماعیل

وَإِسْحٰقَ إِلَهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ

اور اسحق کے معبود کی ایک معبود کی اور ہم سب اسی کے فرمانبردار ہیں O وہ امت

قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ

گزر چکی ہے اس نے جو کام کیے اس کے لیے ان کا بدلہ ہے اور تم نے جو کام کیے تمہارے لیے ان کا بدلہ ہے اور ان کے

عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۴﴾

کاموں کے متعلق تم سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا O

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں کی سوانح

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل تھے ان کی ماں حاجرہ قطیبہ تھیں حضرت ابراہیم ان کو شیر خوارگی میں مکہ لے آئے یہ اپنے بھائی حضرت اسحاق سے چودہ سال بڑے تھے جس وقت حضرت اسماعیل کی وفات ہوئی تو ان کی عمر ایک سو ستائیس (۱۳۷) سال تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے وقت ان کی عمر نو اسی (۸۹) سال تھی حضرت اسماعیل

ہی ذبح اللہ ہیں۔ حضرت اسحاق کی والدہ سارہ ہیں ایک قول یہ ہے کہ وہ ذبیحہ ہیں (علامہ قرطبی کے نزدیک حضرت اسحاق کی ذبیحہ ہیں لیکن ہمیں اس سے اختلاف ہے ان شاء اللہ سورہ اہصاف میں یہ بحث آئے گی) اس کی اول دینی اسرائیل ہیں حضرت اسحاق کی عمر ایک سو اسی (۱۸۰) سال تھی یہ ارض مقدسہ میں فوت ہوئے اور اپنے باپ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے پاس دفن کیے گئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ حضرت سارہ فوت ہو گئیں تو انہوں نے فطور انت یفلس کنعانیہ سے شادی کر لی اور اس سے مدین مداین، نہشان، زمران، نشین اور شیوخ پیدا ہوئے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام فوت ہو گئے ان کی وفات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے درمیان تقریباً تین ہزار سال کا عرصہ ہے۔ یہود اس مدت سے چار سو سال کم کرتے ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا ذکر ان شاء اللہ سورہ یوسف میں آئے گا حضرت یعقوب اپنے جد امجد حضرت ابراہیم کی وفات کے بعد پیدا ہوئے اور جس طرح حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی حضرت یعقوب نے بھی اسی طرح اپنے بیٹوں کو وصیت کی حضرت یعقوب ایک سو پینتالیس (۱۳۷) سال زندہ رہے اور مصر میں فوت ہوئے آپ نے وصیت کی تھی کہ آپ کو ارض مقدسہ میں لے جایا جائے اور وہاں آپ کے باپ حضرت اسحاق کے پاس دفن کیا جائے تو حضرت یوسف نے آپ کو ان کے پاس دفن کیا۔

(المجامع ۱۱ حکام القرآن ج ۲ ص ۱۳۶ ۱۳۵ مطبوعہ انتشارات ماسر حصرہ ایران ۱۳۸۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب یعقوب کو موت آئی؟ (البقرہ: ۱۳۲)

یہودیہ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے ان کے دین پر تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ کیا تم یعقوب کی موت کے وقت حاضر تھے اور کیا تم کو معلوم ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو کیا وصیت کی تھی؟ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب نے تو اپنے اپنے بیٹوں کو اسلام پر ثابت رہنے اور توحید پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ امت گزر چکی ہے اس نے جو کام کیے اس کے لیے ان کا بدلہ ہے اور تم نے جو کام کیے تمہارے لیے ان کا بدلہ ہے۔ (البقرہ: ۱۳۳)

جبر یہ اور قدر یہ کے نظریہ کا رد

اس آیت میں یہ بتایا کہ بندہ کے عمل اور کسب کی اس کی طرف نسبت کی جاتی ہے اگرچہ بندہ کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور جو نیک کام ہیں وہ اللہ کے فضل سے ہوتے ہیں اور جو برے کام ہیں وہ بندہ کے اپنے نفس کی شامت ہیں بل سنت و جماعت کا یہی مذہب ہے قرآن مجید کی بہت سی آیات اور بہت سی احادیث اس پر والہ کرتی ہیں بندہ صرف کسب کرتا ہے اور کسب کا معنی ہے کسی فعل کا ارادہ کرنا خواہ وہ اچھا ہو یا برا اور جس وقت بندہ ارادہ کرتا ہے اللہ اسی وقت اس میں اس فعل کی قدرت پیدا کر دیتا ہے اس لیے یہ کہا جاتا ہے کہ بندہ فعل کا کسب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ فعل کو خلق کرتا ہے۔ اس کے برعکس جبر یہ یہ کہتے ہیں: بندہ کا فعل میں کوئی دخل نہیں اور اس کو فعل پر کوئی قدرت اور اختیار نہیں جیسے درختوں کے پتے ہواور سے اپنے اختیار کے بغیر مل رہے ہیں اسی طرح بندہ اپنے اختیار کے بغیر افعال کر رہا ہے لیکن یہ بدھتہ باطل ہے ہم اپنے اختیار سے کسی کام کو کرتے ہیں یا ترک کرتے ہیں جس شخص پر ریشہ طاری ہو اس کے اختیار کے بغیر اس کا ہاتھ حرکت کرتا ہے جبکہ ہم اپنے اختیار سے اپنے ہاتھ کو حرکت دیتے ہیں پھر اگر بندہ کا فعل بالکل اختیار نہ ہو تو انبیاء علیہم السلام کو دنیا میں بھیجتا قیامت اور جزا اور سزا کا نظام عبث ہو کر رہ جائے گا معتزلہ اور قدر یہ یہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اور یہ قرآن مجید کی اس آیت کے صراحۃً خلاف ہے:

وَالَّذِي خَلَقَكُمْ ذَكَاتَعْمَلُونَ (اسافات ۹۱) اور اللہ نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور ان کے کاموں کے تعلق تم سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا (الزمرہ ۱۲۴) کسی کے گناہ کی سزا دوسرے کو نہ دینا

یعنی کسی شخص سے گناہ کی وجہ سے دوسرے شخص سے مواخذہ نہیں ہوگا اور اسی کی مثل قرآن مجید کی یہ آیت ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (الزمرہ ۷) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

یہاں پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ایک حدیث اس آیت کے خلاف ہے؟ امام بخاری حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی ظلماً قتل کیا جائے گا اس کے خون (کی سزا) کا ایک حصہ آدم کے بیٹے (قائیل) پر ہوگا کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ ایجاد کیا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعد کے قاتلوں کو عذاب نہیں ہوگا اور ان کے گناہ کا عذاب قاتیل کو ہوگا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر قاتل کو اپنے گناہ کی پوری پوری سزا ملے گی لیکن ظلماً قتل کرنے کو قاتیل نے ایجاد کیا تھا لہذا ہر قاتل کا سبب قاتیل قرار پایا اور قیامت تک جتنے بھی قتل ہوں گے سب کے قتل کا سبب ہونے کی سزا قاتیل کو ملے گی اور ان قاتلوں کی اپنی سزائیں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے

امام مسلم حضرت ابن جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا جس شخص نے کسی برے کام کو ایجاد کیا اس پر اپنی برائی کا بھی بوجھ ہوگا اور اس کے بعد اس برائی پر عمل کرنے والوں کا بھی بوجھ ہوگا اور ان برائی کرنے والوں کے گنہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۷۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

اس مسئلہ کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے امام بخاری روایت کرتے ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ وار کیے گئے تو حضرت صہیب روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے ہائے میرے بھائی ابائے میرے صاحب! حضرت عمر نے کہا اے صہیب! تم مجھ پر رو رہے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میت کے گھر والوں میں سے کسی کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے حضرت ابن عباس نے کہا جب حضرت عمر فوت ہو گئے تو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کا ذکر کیا حضرت عائشہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت عمر پر رحم فرمائے بہ خدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ میت کے گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے اور تمہارے لیے قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے ”وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ“ (الزمرہ ۷)

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام بخاری نے لکھا ہے کہ اگر میت نے یہ وصیت کی ہو کہ اس پر فوجہ کیا جائے تو پھر گھر والوں کے رونے سے اس کو

عذاب ہوگا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

قرآن اور حدیث کی بناء پر اکابر علماء سے اختلاف کرنے کا جواز

حضرت عمر یہ کہتے تھے کہ میت پر گھر والوں کے رونے سے اس میت کو عذاب ہوگا اور حضرت عائشہ نے حضرت ابن عباس

کے سامنے اس کا قرآن مجید سے رد کیا (صحیح بخاری) حالانکہ حضرت عمر دوسرے خلیفہ راشد ہیں اور ان کا مرتبہ حضرت عائشہ سے بڑا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دلیل کے ساتھ اکابر علماء سے اختلاف کرنا جائز ہے۔ اسی طرح حضرت عمر اور عثمان صحیح کلمہ کرنے سے منع کرتے تھے اور حضرت علیؓ حضرت عمران بن حصین وغیرہ ان سے اختلاف کرتے تھے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح کلمہ کرنا ثابت ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

مروان بن الحکم بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عثمان اور حضرت علی کے زمانہ میں حاضر تھا، حضرت عثمان صحیح کلمہ کرنے سے منع کر رہے تھے جب حضرت علی نے یہ دیکھا تو حضرت علی نے حج اور عمرہ کا احرام باندھا اور فرمایا میں کسی شخص کے قول کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک نہیں کروں گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲، مطبوعہ نور محمد، ص ۱۳۸۱)۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ کے عہد میں صحیح کلمہ کیا اور قرآن مجید بھی نازل ہوا ("فَمَنْ تَشْتَرِ بِالْعُمُرَةِ إِلَى الْحَبِشَةِ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَنْدِ") (البقرہ ۱۹۶) جس نے حج کے ساتھ عمرہ ملا کر صحیح کلمہ کیا تو اس پر وہ قربانی لازم ہے جو اسے آسان ہو۔ اور ایک شخص (حضرت عمر) نے اپنی رائے سے جو چاہا کہا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳، مطبوعہ نور محمد، ص ۱۳۸۱)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

سلم بن عبد اللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ شام کے ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تمتع کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا یہ حلال ہے شامی نے کہا آپ کے باپ (حضرت عمر) اس سے منع کرتے تھے! حضرت ابن عمر نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اگر میرے باپ نے تمتع سے منع کیا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمتع کیا ہو تو میرے باپ کے حکم پر عمل کیا جائے گا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر عمل کیا جائے گا؟ اس شخص نے کہا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر عمل کیا جائے گا، حضرت ابن عمر نے فرمایا تو بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمتع کیا ہے! امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۱۴۱، مطبوعہ نور محمد، کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت علیؓ حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابن عمر علم و فضل اور مرتبہ و مقام میں حضرت عمر اور حضرت عثمان سے کم درجہ کے تھے لیکن انہوں نے دلائل کی بناء پر اپنے سے بڑے درجہ کے صحابہ سے اختلاف کیا اور ان کا رد کیا اور اس چیز کو ان کے مرتبہ کی خلاف ورزی یا بے ادبی نہیں سمجھا گیا آج اگر قرآن اور حدیث کی بناء پر کسی مشہور عالم سے اختلاف کیا جائے تو اس کے معتقدین کہتے ہیں کہ ان کو قرآن اور حدیث کا علم نہیں تھا؟ لیکن حضرت ابن عمر وغیرہم پر کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ کیا حضرت عمر اور عثمان کو قرآن اور حدیث کا علم نہیں تھا؟ کیونکہ خیر اقرؤن میں لوگ اس قدر غلو کا شکار نہیں تھے، اور کسی شخص کی رائے اور اس کے قول کو قرآن اور حدیث پر فوقیت نہیں دیتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنتی کے لیے یتیم کو جائز نہیں قرار دیتے تھے، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث کی بناء پر ان سے اختلاف کیا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمان بن ابی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آکر حضرت عمر سے پوچھا میں جنتی ہو گیا اور مجھے پانی نہیں ملا، حضرت عمار بن یاسر نے حضرت عمر بن الخطاب سے کہا کیا آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ ایک سفر میں تھے ہم دونوں جنتی ہو

گئے آپ نے تو نماز نہیں پڑھی اور میں رٹن میں لوٹ پوٹ ہو گیا اور میں نے نماز پڑھ لی پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں اس طرح کر لینا کافی تھا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلیاں زمین پر ماریں ان پر پھونک ماری اور چہرے اور ہاتھوں پر تیمم کیا (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸ مطبوعہ نور محمد، ص ۱۵۸ طابع کراچی ۱۴۲۸ھ)

ثقیق بن سلمہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ کے پاس بیٹھا ہوا تھا حضرت ابوموسیٰ نے حضرت ابن مسعود سے پوچھا جب ایک شخص جھٹی ہو اور اس کو پانی نہ ملے تو وہ کیا کرے؟ حضرت ابن مسعود نے فرمایا جب تک پانی نہ ملے وہ نماز نہ پڑھے حضرت ابوموسیٰ نے کہا پھر آپ حضرت عمار کی حدیث کا کیا جواب دیں گے؟ حضرت ابن مسعود نے کہا کیا تم کو معلوم نہیں کہ حضرت عمران کی روایت سے مسلمین نہیں تھے؟ حضرت ابوموسیٰ نے کہا اچھا حضرت عمار کی حدیث کو چھوڑیں آپ اس آیت کا کیا جواب دیں گے ”أَوَلَمْ تَسْتَفْهِمُوا فَلَمَّا تَعَبُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا“ (المائدہ ۶) ”جب تم جھٹی ہو جاؤ اور پانی نہ ملے تو تیمم کرو۔“ حضرت ابن مسعود کو اس آیت کا کوئی جواب نہ آیا پھر وہ کہنے لگے اگر میں لوگوں کو اس کی اجازت دے دوں تو جس کو سردی لگے گی وہ غسل کی جگہ تیمم کر لے گا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰ مطبوعہ نور محمد، ص ۱۵۸ طابع کراچی ۱۴۲۸ھ)

اس مسئلہ میں بھی جمہور امت نے حضرت عمر کے قول اور حضرت ابن مسعود کی رائے پر عمل نہیں کیا بلکہ قرآن اور حدیث پر عمل کیا ہے۔

بعض جمود پسند لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ صحابہ سب مجتہد تھے ان کا ایک دوسرے سے اختلاف جائز ہے ہم مقلد ہیں ہمارا ائمہ اور اکابر علماء سے اختلاف جائز نہیں میں کہتا ہوں کہ دلائل کی بناء پر ہمارے فقہاء نے امام ابوحنیفہ سے بھی اختلاف کیا ہے مثلاً علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک شوال کے چھ روز سے رکنا مکروہ ہے خواہ وہ متفرق رکھے جائیں یا متصل اور امام ابو یوسف کے نزدیک یہ روز سے متصل رکھنا مکروہ ہیں لیکن عام متاخرین کے نزدیک ان میں کراہت نہیں ہے۔

(المحرر الرائق ج ۲ ص ۲۵۸ مطبوعہ مطبع علیہ مصر ۱۳۱۱ھ)

اور علامہ شرنبلالی نے لکھا ہے کہ شوال کے چھ روز سے رکھنے مستحب ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے رمضان کے بعد متصل چھ روز سے رکھے اس کو دائرہ روزہ رکھے کا اجر ملے گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶۹)

(مرآۃ الفلاح ص ۳۸۷ مطبوعہ مطبع مصلیٰ البابی دادا دادہ مصر ۱۳۵۶ھ)

اسی طرح عقیقہ کو امام ابوحنیفہ نے مباح کہا ہے لیکن ہمارے فقہاء نے حدیث کی بناء پر کہا یہ سنت ہے اور کارِ ثواب ہے بہر حال قرآن اور حدیث سب پر مقدم ہیں اور قرآن اور حدیث کے دلائل کی وجہ سے اکابر علماء سے اختلاف کرنا جائز ہے اور میری زندگی کا یہی مشن ہے کہ قرآن اور حدیث کی بالادستی بیان کروں۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ

اور اہل کتاب نے کہا یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو ہدایت پا جاؤ گے آپ کہیے (نہیں) بلکہ ہم ابراہیم کی ملت پر ہیں جو باطل سے

حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۳۵﴾ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا

اعراض کرنے والے تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے O (اے مسلمانو!) تم کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو

أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا مِنْ رَبِّهِمْ وَأَسْمِعِلْ وَأَسْمِعْ

ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر جو ابراہیم اسماعیل اسحاق

يَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ

یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور اس پر جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور اس پر

النَّبِيُّونَ مِنْ سَرِّهِمْ لَا نُفْرِقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ

جو دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہم (ایمان لانے میں) نبیوں میں سے کسی ایک میں (بھی) فرق نہیں کرتے اور ہم

مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۷﴾ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا

اسی (ایک رب) کے فرمانبردار ہیں ○ سو اگر وہ ان کی مثل پر ایمان لے آئیں جن پر تم ایمان لائے ہو تو بے شک وہ ہدایت پا میں گئے

وَأِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ

اور اگر وہ انحراف کریں تو (جان لیجئے) کہ وہ کھٹکھٹا اور ہٹ دھرمی پر ہیں تو غمغریب ان کے (شر سے بچانے کے) لیے اللہ

السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۳۸﴾

آپ کو کافی ہوگا اور وہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے ○

حنیف کا معنی

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن صوریہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ہدایت صرف ہمارے دین میں ہے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہماری پیروی کریں تو ہدایت پا جائیں گے اور یہی نبیوں نے بھی اسی طرح کہا تب یہ آیت نازل ہوئی: آپ کہیے کہ نہیں بلکہ ہم ابراہیم کی ملت پر ہیں جو حنیف ہے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۴۴۶ - ۴۴۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۰ھ)

حنیف کے معنی ہیں مستقیم، یعنی ابراہیم کا دین مستقیم ہے، بعض اہل تاویل نے کہا حنیف کا معنی ہے حج کرنے والا اور حضرت ابراہیم کے دین کو حنیف اس لیے فرمایا کہ وہ اپنے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے حج کرنے والوں کے امام ہیں اور بعض علماء نے کہا: حنیف کا معنی اسلام ہے۔

علامہ راجب اصفہانی لکھتے ہیں:

جو شخص ٹیڑھے راستے سے انحراف کر کے سیدھے راستے پر چلے وہ حنیف ہے، اہل عرب حج اور ختنہ کرنے والے کو حنیف کہتے تھے کیونکہ وہ ملت ابراہیم پر ہے۔ (المفردات ص ۱۳۳، مطبوعہ المکتبۃ الرضویۃ ایران ۱۳۳۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ (اے مسلمانو!) ہم کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر جو ابراہیمؑ اسماعیلؑ اسحاقؑ یعقوبؑ اور اس کی اولاد پر نازل کیا گیا (البقرہ ۱۳۶)

تمام انبیاء پر ایمان لانے کی وجہ

جب یہود اور عیسائیوں نے یہ کہا تم یہودی ہو جاؤ یا عیسائی ہو جاؤ تو پہلے فرمایا آپ کہئے کہ نہیں بلکہ ہم ابراہیمؑ کی ملت پر ہیں اب فرمایا تم کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا الخ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی معرفت کی دلیل ان کے صدق پر معجزہ کا ظہور ہے اور جب سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق پر معجزہ ظاہر ہو گیا تو آپ پر ایمان لانا واجب ہے اسی طرح باقی انبیاء علیہم السلام کی نبوت اور رسالت کی جب قرآن نے شہادت دی تو ان پر بھی ایمان لانا واجب ہوا اور ہم انبیاء علیہم السلام میں یہ فرق نہیں کرتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر ایمان نہ لائیں جس طرح یہود اور نصاریٰ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے۔

باقی انبیاء پر جو نازل کیا گیا اس پر ایمان لانے کے محامل

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ابراہیمؑ اسماعیلؑ اسحاقؑ یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر جو نازل کیا گیا ہم اس پر بھی ایمان لائے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے جو احکام ان پر نازل کیے گئے ہم ان سب پر ایمان لانے ہیں کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے دین ان عقائد اور ان اصول کو کہتے ہیں جو تمام انبیاء میں مشترک ہیں مثلاً الوہیت تو حید رسالت قیامت مرنے کے بعد اٹھنا قضا و قدر کا حق ہونا عبادت کا فرض ہونا شرک قتل ناحق اور جھوٹ کا حرام ہونا وغیرہ اور ہر زمانہ کے مخصوص حالات کے اعتبار سے عبادت اور معاشرت کے جو احکام ہوتے ہیں ان کو شریعت کہتے ہیں اور ہر نبی کی شریعت الگ ہے تو اگر اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ ہم ان انبیاء سابقین کی شرائع پر ایمان لاتے ہیں تو اس کا محمل یہ ہے کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ ہر نبی کی شریعت اس کے زمانہ میں برحق تھی اور اب اللہ تعالیٰ نے تمام شرائع منسوخ کر کے صرف شریعت محمدی کو قیامت تک کے لیے جاری کر دیا ہے اور اگر اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم انبیاء سابقین پر نازل ہونے والے صحائف پر ایمان لاتے ہیں تو اس کا محمل یہ ہے کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ جو اصل صحائف اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل کیے تھے وہ برحق ہیں اور بعد میں ان کی امتوں نے ان میں جو تحریف کر دی اس کی ہم تصدیق نہیں کرتے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے لیے عربی میں اس کی تفسیر کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ ان کی تکذیب کرو بلکہ کہو "امنا باللہ وما النزل الیسا" (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۲ مطبوعہ دار محمد صالح الطائف کراچی ۱۳۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (کہو) ہم اسی (ایک رب) کے فرمانبردار ہیں۔ (البقرہ ۱۳۶)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا ان سب انبیاء پر ایمان لانا اسلام کی وجہ سے ہے اور قرآن کی شہادت کے سبب سے ہے کیونکہ نبوت کا ثبوت معجزہ کے ظہور سے ہوتا ہے اور معجزہ کے ظہور کے بعد کسی کو مانا جائے اور کسی کو نہ مانا جائے تو یہ خواہش نفس کی اتباع ہے دلیل کی اتباع نہیں ہے سو یہود اور عیسائیوں نے اگر حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کو ظہور معجزہ کی وجہ سے نبی مانا ہے تو ان پر لازم ہے کہ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نبی مانیں ورنہ لازم آئے گا کہ وہ دلیل کے قبیح نہیں ہیں بلکہ خواہش نفس کے قبیح ہیں جس کو چاہا نبی مانا اور جس کو چاہا نہ مانا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: 'سو اگر وہ ان کی مثل پر ایمان لے آئیں جن پر ہم ایمان لائے ہو تو ہے شک وہ ہدایت پائیں گے۔'

(البقرہ ۲: ۱۳۸)

اللہ کی مثل پر ایمان لانے میں اشکال اور اس کے جوابات

اس جگہ یہ اعتراض ہے کہ جن پر مسلمان ایمان لائے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید ان کی تو مثل ہے ہی نہیں بلکہ ان کی مثل کا ہونا محال ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیسے فرمایا اگر وہ ان کی مثل پر ایمان لے آئیں جس پر تم ایمان لائے ہو حضرت ابن عباس نے فرمایا اس آیت میں مثل کا لفظ زائد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مثل نہیں ہے اور اس کا معنی ہے اگر وہ اس پر ایمان لے آئیں جس پر تم ایمان لائے ہو تو ہدایت پائیں گے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۳۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۱۰ھ) دوسرا جواب یہ ہے کہ جس طرح مسلمان قرآن مجید پر بغیر تحریف اور تغیر کے ایمان لائے ہیں اسی طرح اگر یہود بھی تورات پر بغیر تحریف اور تغیر کے ایمان لائیں تو ہدایت پائیں گے تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں مؤمن بہ میں مماثلت مراد نہیں ہے بلکہ ایمان میں مماثلت مراد ہے یعنی اگر یہ اللہ اور رسول پر تمہاری طرح ایمان لائیں اور تمہاری طرح تصدیق کریں تو یہ ہدایت پائیں گے اور اگر یہ ضد اور عناد کی وجہ سے ایمان نہ لائیں تو ان کے شر سے بچانے کے لیے آپ کو اللہ کافی ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ وعدہ پورا ہوا اس آیت میں پیش گوئی ہے جو صادق ہوئی اور غیب کی خبر ہے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق کی دلیل ہے 'علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق حضرت عثمان کو شہید کیا گیا تو اس آیت "فسيكفهم الله" پر حضرت عثمان کا خون گرا تھا۔ (الجامع ۱۱ احکام القرآن ج ۲ ص ۱۳۳ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ) واضح رہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی کافر آپ کو قتل نہیں کر سکے گا رہا ایذا اور تکالیف کا پہنچنا تو وہ اس آیت کے منافی نہیں ہے۔

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ

(تم ان سے کہو) ہم نے خود کو اللہ کے رنگ میں رنگ لیا اور اللہ کے رنگ سے اور کس کا رنگ بہتر ہوگا؟ اور ہم اسی کی عبادت

عِبْدُونَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ أَنْتُمْ جُنُودُ اللَّهِ وَهُوَ يُنَادِيكُمْ وَلَكُمْ

کرتے ہیں O آپ کہیے کیا تم اللہ کے متعلق ہم سے بحث کرتے ہو حالانکہ وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے اور تمہارے لیے

أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿۱۳۹﴾ أَمْ تَقُولُونَ

ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں اور ہم اسی کے ساتھ مخلص ہیں O کیا تم کہتے ہو کہ

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا

ہے شک ابراہیم اسماعیل اسحاق یعقوب اور ان کی اولاد یہودی

هُودًا أَوْ نَصْرًا قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ وَمَنْ أَظْلَمُ

یا عیسائی تھے؟ آپ کہیے کیا تم زیادہ جانتے والا ہو یا اللہ؟ اور اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا

مِمَّنْ كُنتُمْ شَهِادَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

جس نے اس شہادت کو چھپایا جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل

عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ

نہیں ہے O وہ ایک امت ہے جو گزر چکی ہے اس نے جو کام کیے اس کے لیے ان کا بدلہ ہے اور تم نے جو کام کیے تمہارے

لَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَنْهَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۱﴾

لے ان کا بدلہ ہے اور ان کے کاموں کے متعلق تم سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا O

”صبغة اللہ“ (اللہ کا رنگ) کی تفسیر

اللہ کے رنگ میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ کا دین ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض عیسائی اپنے بچوں کو پیلے رنگ میں رنگتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اس کے لیے تطہیر ہے اور اب وہ عیسائیت میں داخل ہو گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ کے رنگ کو طلب کرو اور وہ دین اسلام ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ کے رنگ سے مراد اللہ کی فطرت ہے یعنی جس فطرت اور خلقت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ کی منت ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ کے رنگ سے مراد اس کی صفات ہوں اور اللہ کے رنگ میں رنگنے سے مراد یہ ہو کہ بندہ اللہ کی صفات سے متصف ہو جائے یا اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: کیا تم اللہ کے متعلق ہم سے بحث کرتے ہو حالانکہ وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں اور ہم اسی کے ساتھ مخلص ہیں۔ (القرہ ۱۳۹)

حسن بھری نے بیان کیا ہے کہ بحث یہ تھی کہ یہود مسلمانوں سے یہ کہتے تھے کہ تمہاری بہ نسبت ہم اللہ کے زیادہ قریب ہیں کیونکہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور ہمارے آباء اور ہماری کتابیں تم سے پہلے کی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان سے کہہ دو کہ مقدم ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے اعتبار صرف عمل کا ہے اور اس عمل کا اعتبار ہے جس میں اللہ کے لیے اخلاص ہو۔

اخلاص کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

خالص کا معنی ہے صاف جس چیز میں ملاوٹ ہو اور وہ ملاوٹ دور کر دی جائے تو اس کو خالص کہتے ہیں (جس چیز میں ملاوٹ ہو سکتی ہو لیکن ملاوٹ نہ ہو اس کو بھی خالص کہتے ہیں) قرآن مجید میں مسلمانوں کو مخلص فرمایا ہے کیونکہ وہ یہود کی تشبیہ اور نصاریٰ کی تثلیث سے بری ہیں اور اخلاص کی حقیقت ہے اللہ کے سوا ہر چیز سے بری ہونا۔

(المفردات ص ۱۵۵-۱۵۳ مطبوعہ المکتبۃ الرضویۃ ایران ۱۳۴۲ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جس عبادت میں ریاکاری کی بانٹل آ میرٹ نہ ہو اس کو اخلاص کہتے ہیں۔
علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

عمل کو مخلوق کے ملاحظہ سے صاف کر لینا اخلاص ہے جنید بغدادی نے کہا: اخلاص اور اللہ کے درمیان ایک راز ہے نہ اس کو فرشتے جانتے ہیں کہ لکھ سکیں نہ اس کو شیطان جانتا ہے کہ اس کو فاسد کر سکے اور نہ اس کو خواہش جانتی ہے کہ اس کو کسی طرف مائل کر سکے ابو القاسم قشیری وغیرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے جبرائیل سے پوچھا اخلاص کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے رب العزت سے اخلاص کے متعلق پوچھا فرمایا: وہ میرا ایک راز ہے جس کو میں نے اپنے محبوب بندہ کے دل میں رکھا ہے۔ (المجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۳۶ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابوالیمان اندلسی لکھتے ہیں:

سعید بن جبیر نے کہا: اخلاص یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور اپنا عمل کسی کو نہ دکھایا جائے، فضیل بن عیاض نے کہا لوگوں کی وجہ سے عمل کو ترک کرنا ریا ہے اور لوگوں کی وجہ سے عمل کرنا شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تمہیں ان دونوں سے محفوظ رکھے، ابن معاذ نے کہا اخلاص یہ ہے کہ جس طرح دودھ کو گوبر اور خون کے درمیان سے نکالا جاتا ہے اس طرح عمل صالح کو گناہوں سے متمیز کیا جائے۔ ابوشحنی نے کہا اخلاص یہ ہے کہ اس عمل کو نہ فرشتے لکھ پائیں نہ شیطان فاسد کر سکے نہ اس پر کوئی انسان مطلع ہو یعنی اللہ کے سوا اس پر کوئی مطلع نہ ہو، حذیفہ العرینی نے کہا بندے کے افعال کا ظاہر اور باطن میں برابر ہونا اخلاص ہے ابو یعقوب اسکوف نے کہا اخلاص یہ ہے کہ بندہ اپنی نیکیوں کو اس طرح چھپائے جس طرح اپنے گناہوں کو چھپاتا ہے، اہل نے کہا: اپنے عمل کو حقیر جاننا اخلاص ہے ابو سلیمان الدارانی نے کہا: ریاکار کی تین عادتیں ہیں جب وہ اکیلا ہو تو عبادت سے تھک جاتا ہے اور جب لوگوں کے درمیان ہو تو تروتازہ ہوتا ہے اور جب اس کی تعریف کی جائے تو نیک عمل زیادہ کرتا ہے اور اخلاص ریا کے بالمقابل ہے۔ (المحیط ج ۱ ص ۶۵۹-۶۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ آپ کہیے: کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ (البقرہ ۱۳۰)

حضرت ابراہیم اور اسماعیل وغیرہ کے دین یہودیت اور عیسائیت پر نہ ہونے کا بیان

یہود کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد میں سے یہ انبیاء یہودی تھے اور عیسائی ان کو عیسائی کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کا رد فرمایا ہے یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضرت ابراہیم موصیٰ تھے اسی طرح ان کی اولاد میں سے یہ انبیاء بھی موصیٰ تھے اور حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب نے وفات سے پہلے اپنے بیٹوں سے توحید پر تادم مرگ قائم رہنے کا اقرار کرایا جیسا کہ قرآن مجید میں گزر چکا ہے اور یہود مشرک تھے کیونکہ وہ عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور عیسائی بھی شرک کرتے ہیں کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اس لیے یہود اور عیسائیوں کا حضرت ابراہیم اور ان انبیاء کو اپنے دین پر کہنا بداعت باطل ہے۔

واضح رہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور وہ اسلام ہے "إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ" (آل عمران ۱۹) اور ان کی شریعت الگ الگ ہے "لِكُلِّ جَعَلْنَا لَكُمْ شَرْعًا وَمِنْهَا جَاءَ" (المائدہ ۴۸) یعنی انسان کے فکری اور تہذیبی ارتقاء اور زمانہ اور ماحول کے خصوصی تقاضوں کی وجہ سے ہر نبی کے دور میں عبادات اور معاملات کے الگ الگ طریقے مشروع (مقرر) کیے گئے البتہ عقائد سب کے ایک ہی تھے اور بعض غیر متبدل اصول بھی ہر دور میں برقرار رہے جیسا کہ ہم "ما لک یوم الدین"

کی تفسیر میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جس نے اس شہادت کو چھپایا جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے۔ (البقرہ: ۱۳۰)

اس شہادت کا بیان جس کو یہودیوں اور عیسائیوں نے چھپایا

اس شہادت کے "مطلق" دو قول ہیں ایک یہ کہ یہود اور عیسائیوں کو یہ علم تھا کہ حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد میں یہ انبیاء یہودی یا عیسائی نہیں تھے اور انہوں نے علم کے باوجود اس شہادت کو چھپایا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی کتابوں میں حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر شہادت موجود تھی لیکن انہوں نے اس کو چھپایا "حالانکہ بعض راہبوں نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی جیسا کہ ورقہ بن نوفل نے آپ کی تصدیق کی اور قرآن مجید میں ہے: "يَعْرِضُونَ كَمَا يَعْزِفُونَ أَهْنَاءَهُمْ" (۱۱ ادم ۲۰) "وہ اس نبی کو اس طرح بچھانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو بچھانتے ہیں"۔ اس کے باوجود وہ حسد اور عناد کی وجہ سے اس شہادت کو چھپاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ایک امت ہے جو گزر چکی ہے اس نے جو کام کیے اس کے لیے اس کا بدلہ ہے اور تم نے جو کام کیے تمہارے لیے ان کا بدلہ ہے۔ (البقرہ: ۱۳۱)

ایک شخص کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچنے کی تحقیق

یعنی ہر شخص کو اس کے عمل کی جزا ملے گی یہ معنی برحق ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ کسی شخص کو دوسرے کے عمل سے فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور اس کا یہ کی وجہ سے فوت شدہ مسلمانوں کے لیے ایصالِ ثواب کے جواز کا انکار کرنا باطل ہے بعض لوگ قرآن مجید کی اس آیت کی بناء پر ایصالِ ثواب کا انکار کرتے ہیں

أَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (۱۱ ادم ۲۰) انسان کے لیے صرف اسی کی کوشش کا اجر ہے O

اور ایصالِ ثواب میں دوسرے کے عمل سے فائدہ پہنچتا ہے اس لیے وہ ناجائز ہے یہ دلیل باطل ہے اور اس کی متعدد وجوہ ہیں۔

علامہ سید احمد طحاوی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت اس دوسری آیت سے منسوخ ہوگئی

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ قَبْلَ وَهْدٍ (البقرہ: ۲۱) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان میں ان کی پیروی کی ان کی اولاد کو ہم ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں کسی قسم کی کمی نہیں کریں گے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس آیت سے پہلے صحف ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کا ذکر ہے اس لیے یہ حکم ان کی امتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

رہی یہ امت تو اس کو اپنی سعی کا اجر بھی ملے گا اور جو اس کے لیے سعی کریں گے اس کا اجر بھی ملے گا تیسرا جواب یہ ہے کہ علامہ ربیع بن انس اور علامہ ثعالبی نے فرمایا اس آیت میں انسان سے مراد کافر ہیں اور کافروں کو صرف ان کی سعی کا اجر ملتا ہے اور وہ بھی صرف دنیا میں آخرت میں ان کے لیے کوئی چیز نہیں ہے چوتھا جواب یہ ہے کہ علامہ سین بن فضل نے کہا اس آیت میں دوسروں کی سعی سے جس اجر کی نفی ہے وہ بہ طریق عدل ہے اور جس اجر کا ثواب ہے وہ بہ تقاضا فضل ہے پانچواں

جواب یہ ہے کہ علامہ ابو بکر وراق نے کہا اس آیت میں 'سعی' نیت کے معنی میں ہے یعنی انسان کو صرف اپنی نیت کا اجر ملتا ہے پھر جواب یہ ہے کہ آیت میں لام بمعنی "عسلی" ہے یعنی انسان کو صرف اس کے عمل سے گناہ ہونا ہے دوسروں کے عمل کا بار اس پر نہیں سا تو اس جواب یہ ہے کہ علامہ زعفرانی نے کہا اس آیت میں سعی سے مراد عام ہے انسان نے خود سعی کی ہو یا سعی کا سبب فراہم کیا ہو مثلاً جس انسان کی اولاد دوست احباب اور ملنے والے اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں تو یہ بھی اس کی سعی کا سبب ہے کیونکہ وہ اپنی اولاد کی ایسی تربیت کرتا ہے اور قرابت داروں اور ملنے چلنے والوں سے ایسا حسن سلوک کرتا ہے جس کی بناء پر وہ اس کے لیے دعا اور استغفار کرتے ہیں گویا کہ اس دعا اور استغفار کا سبب اس شخص کی سعی سے قائم ہوا آٹھواں جواب یہ ہے کہ علامہ عینی نے فرمایا یہ دھڑا اصل مقصود کے اعتبار سے ہے کل کے اعتبار سے نہیں ہے۔

(حاشیہ مرقاۃ المفلاح ص ۳۷۷ مطبوعہ مصطفیٰ البانی، مصر المطبوعۃ ۱۳۵۶ھ)

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: شیخ الاسلام تقی الدین ابو العباس احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا جس شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان کو صرف اس کے عمل سے نفع ہوتا ہے وہ اجماع کا مخالف ہے اور یہ متعدد وجوہ سے باطل ہے ایک وجہ یہ ہے کہ انسان کو دوسرے شخص کی دعا سے فائدہ پہنچتا ہے اور یہ عمل غیر سے فائدہ پہنچا دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میدان محشر میں پہلے حساب کے لیے شفاعت فرمائیں گے پھر جنت میں دخول کے لیے غارش کریں گے اور آپ کے عمل سے دوسروں کو فائدہ پہنچے گا تیسری وجہ یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ (گنہگار) شفاعت کے ذریعہ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور یہ نفع عمل غیر سے ہوگا چوتھی وجہ یہ ہے کہ فرشتے زمین والوں کے لیے دعا اور استغفار کرتے ہیں پانچویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض ایسے گناہ گاروں کو جہنم سے نکالے گا جن کا کوئی عمل صالح نہیں ہوگا اور یہ نفع غیر عمل اور سعی کے حاصل ہوا چھٹی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی اولاد اپنے آباء کے عمل سے جنت میں جائے گی اور یہ عمل غیر سے نفع ہے ساتویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو یتیم لڑکوں کے قصہ میں بیان فرمایا "وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا" ان لڑکوں کو اپنے باپ کی نیکی سے فائدہ پہنچا۔ آٹھویں وجہ یہ ہے کہ سنت اور اجماع سے ثابت ہے کہ میت کو دوسروں کے کیے ہوئے صدقات سے فائدہ پہنچتا ہے نویں وجہ یہ ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ میت کے ولی کی طرف سے حج کرنے سے میت سے حج مفروضہ ساقط ہو جاتا ہے اور یہ فائدہ بھی عمل غیر سے ہے دسویں وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ نذر مانا ہوا حج اور نذر مانا ہوا روزہ بھی غیر کے کرنے سے ادا ہو جاتا ہے گیارہویں وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مفروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھی حتیٰ کہ ابو قتادہ نے اس کا قرض ادا کر دیا اس طرح غیر کے عمل سے قرض ادا ہوا بارہویں وجہ یہ ہے کہ ایک شخص تنہا نماز پڑھ رہا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اس پر صدقہ کیوں نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے اور اس کو جماعت کا ثواب مل جائے تیرہویں وجہ یہ ہے کہ اگر کسی میت کی طرف سے لوگ قاضی کے حکم سے قرض ادا کریں تو میت کا قرض ادا ہو جاتا ہے چودھویں وجہ یہ ہے کہ جس شخص پر لوگوں کے حقوق ہیں اگر وہ حقوق معاف کر دیں تو وہ بری ہو جاتا ہے پندرہویں وجہ یہ ہے کہ نیک پڑوی سے زندگی میں اور موت کے بعد بھی نفع حاصل ہوتا ہے سولہویں وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے ذکر کرنے والوں کی مجلس میں بیٹھا ہوا ایک ایسا شخص بخشا گیا جس نے ذکر نہیں کیا تھا صرف ان کی مجلس میں بیٹھنے کی وجہ سے بخشا گیا سترہویں وجہ یہ ہے کہ میت پر نماز جنازہ پڑھنا اور اس کے لیے استغفار کرنا عمل غیر کا نفع ہے اٹھارہویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا "وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ" (الاحقاف ۲۲) "اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ ان کو عذاب دے حالانکہ آپ ان میں موجود ہوں" اور انیسویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "كُلَّ لَدِرْجَالٍ مُّؤْمِنُونَ"

وَنَسَاءٌ مِّنْهُمْ (۱۴۳) اور فرمایا: "وَلَوْلَا دَفَعُ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ" (البقرہ: ۱۵۱) اور اگر بعض لوگوں کی نیکیوں کے سبب اللہ تعالیٰ بعض مردوں سے عذاب نہ ٹالے تو زمین تباہ و برباد ہو جائے اور یہ عمل غیر سے نفع ہے، بیسویں وجہ یہ ہے کہ نابالغ کی طرف سے بالغ صدقہ فطر ادا کرتا ہے، اکیسویں وجہ یہ ہے کہ (انہ شہادۃ کے نظریہ کے مطابق) نابالغ کی طرف سے اس کا ولی زکوٰۃ ادا کرے، نو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور یہ عمل غیر سے نفع حاصل کر رہا ہے، معلوم ہوا کہ کتاب سنت اور اجماع کی روشنی میں عمل غیر سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

(فتح البیان ج ۹ ص ۱۴۳، ۱۴۴، مطبوعہ "طبع القرآن" مصر، الطبعة ۱۱، دلی ۱۳۰۱ھ)

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَهُمْ عَن قِبَلِهِمْ

عنقریب بیوقوف لوگ کہیں گے کہ ان (مسلمانوں کو) ان کے اس قبلہ (بیت المقدس) سے کس نے بھیر دیا جس پر وہ (پہلے) تھے

الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ

آپ کہیے کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں وہ جسے چاہے

يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝۱۴۴ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا أُمَّةً وَسَطًا

صراطِ مستقیم پر چلاتا ہے O اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا

لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۝

تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول تمہارے حق میں گواہ ہو جائیں اور

فَجَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ

(اے رسول!) جس قبلہ پر آپ پہلے تھے ہم نے اس کو اسی لیے قبلہ بنایا تھا تاکہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون رسول

يَتَّقِلْبُ عَلَى عَقِبَيْهِ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى

کی پیروی کرتا ہے اور اس کو اس سے ممتاز کر دیں جو اپنی ایڑیوں پر چلتا جاتا ہے اور بے شک جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے

اللَّهُ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ أَيْمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَعَرُوفٌ

ان کے سوا سب پر یہ (قبلہ کا بدلنا) بھاری ہے اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تمہارے ایمان کو ضائع کرے بے شک اللہ لوگوں

رَحِيمٌ ۝۱۴۵

پر بہت مہربان ہے بے حد رحم فرمانے والا ہے O

آپ مکہ میں ابتداءً آپ کا قبلہ کعبہ تھا یا بیت المقدس؟

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتداءً نماز فرض ہوئی تو آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے یا خانہ کعبہ کی طرف۔ حضرت ابن عباس کا قول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں اور مدینہ منورہ کے ابتدائی سترہ مہینوں میں آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ علامہ بدر الدین عینی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے (عمدة القاری ج ۱ ص ۱۳۰) تاہم آپ مکہ مکرمہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے اس طرح کھڑے ہوتے تھے کہ کعبہ کی طرف پیٹھ نہیں ہوتی تھی۔ دوسروں نے یہ کہا ہے کہ جب آپ پر ابتداءً نماز فرض ہوئی تو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا حافظ ابو عمرو ابن عبد البر نے کہا میرے نزدیک یہ قول زیادہ صحیح ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں آئے تو آپ نے یہود کی تالیف قلب کے لیے ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تاکہ دین اسلام کو قبول کرنے کے لیے ان میں زیادہ داعیہ ہو اور جب آپ ان کے قبول اسلام سے واپس ہو گئے تو آپ نے یہ چاہا کہ آپ کو پھر کعبہ کی طرف پھیر دیا جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے میں اہل عرب کے قبول اسلام کا زیادہ داعیہ تھا ایک قول یہ ہے کہ آپ نے یہود کی مخالفت کی بناء پر ایسا کیا

تاہم اگر یہ مان لیا جائے کہ مکہ میں آپ کا قبلہ کعبہ تھا تو پھر دوبار قبلہ کا منسوخ ہونا لازم آئے گا اس لیے محققین کا یہ نظریہ ہے کہ آپ ابتداءً مکہ مکرمہ میں بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

تحویل قبلہ کا بیان

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت براہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتداءً مدینہ میں آئے تو اپنے نانایا ماموں کے گھر ٹھہرے اور آپ نے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور آپ کو یہ پسند تھا کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ ہو جائے اور آپ نے اس کی طرف منہ کر کے جو پہلی نماز پڑھی وہ عصر کی نماز تھی آپ کے ساتھ ایک جماعت نے نماز پڑھی پھر آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والوں میں سے ایک شخص ایک مسجد والوں کے پاس سے گزرا وہ اس وقت رکوع میں تھے اس نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے وہ لوگ نماز کی حالت میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے یہود اور دیگر اہل کتاب کو یہ پسند تھا کہ آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہیں جب آپ نے بیت اللہ کی طرف منہ کر لیا تو ان کو یہ ناگوار ہوا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۰-۱۰ مطبوعہ نور محمد ریح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں کہ اس مسجد کے نمازیوں کو خبر واحد سے یہ علم ہو گیا کہ قبلہ بدل گیا ہے اب ان کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اس نماز کو توڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے اور تحویل قبلہ کی تحقیق کرتے اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اس خبر پر اعتماد کر کے نماز میں قبلہ بدل لیتے انہوں نے اجتہاد سے دوسری صورت پر عمل کیا اس سے معلوم ہوا کہ خبر واحد حجت ہے اور اپنے اجتہاد سے نماز میں قبلہ کی سمت بدلنا جائز ہے بلکہ اگر ہر رکعت میں اس پر قبلہ مشتبہ ہو تو وہ اپنے اجتہاد سے ہر رکعت میں سمت بدل لے۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۲۳۸ مطبوعہ دارۃ الصلوات المنیریہ مصر ۱۳۲۸ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

”صحیح بخاری“ کی اس روایت میں یہ مذکور ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد بیت اللہ کی طرف جو نماز سب سے پہلے پڑھی گئی وہ عصر کی نماز تھی اور امام مالک کی روایت میں ہے وہ صبح کی نماز تھی اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم بنو مسد کی مسجد میں نازل ہوا اس وقت آپ ظہر کی نماز میں تھے اور دو رکعت پڑھ چکے تھے پھر نماز ہی میں آپ نے قبلہ بدل لیا اور باقی دو رکعتیں بیت اللہ کی طرف منہ کر کے پڑھیں اور اس مسجد کا نام مسجد القبلتین رکھا گیا چونکہ بیت اللہ اور بیت المقدس ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں اس لیے نماز میں سرگھوم کر عورتوں کی جگہ آگئے اور عورتیں گھوم کر مردوں کی جگہ چلی گئیں۔

ابو حاتم البستی نے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں نے سترہ ماہ اور تین دن بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھیں کیونکہ آپ بارہ ربیع الاول کو مدینہ منورہ آئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو منزل کے دن نصف شعبان کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔

بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی کیفیت میں علماء کے تین اقوال ہیں

- (۱) حسن عکرمہ اور ابو العالیہ نے کہا آپ نے اپنی رائے اور اجتہاد سے بیت المقدس کی طرف منہ کیا تھا۔
- (۲) طبری نے کہا آپ کو بیت المقدس اور بیت اللہ میں سے کسی ایک کی طرف منہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا آپ نے یہود کے ایمان لانے کی خواہش کی وجہ سے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کو اختیار کر لیا۔
- (۳) حضرت ابن عباس نے کہا آپ نے اللہ کی وحی اور اس کے حکم سے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کو اختیار کیا تھا کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

جس قبلہ پر آپ پہلے تھے ہم نے اس کو اسی لیے قبلہ بنایا تھا تا کہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے (اور اس کو اس سے ممتاز کر دیں جو اپنی ایزبوں پر پلٹ جاتا ہے) اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۵۰-۱۲۸، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں وہ جسے چاہے صراط مستقیم پر چلاتا ہے (البقرہ ۱۴۲)

تحویل قبلہ سے متعلق مسائل

اس آیت میں منافقین اور یہود کے اعتراض کا جواب دیا ہے کہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ بیت المقدس خود مستقل بالذات ہے کیونکہ مشرق اور مغرب سب اس کی ملک ہیں وہ جس طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دے وہی قبلہ ہے اور اس کے حکم پر عمل کرنا ہی صراط مستقیم کی ہدایت ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت اور اس کی تفسیر میں جو ”صحیح بخاری“ کی روایت ذکر کی گئی ہے ان سے حسب ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

- (۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا عنقریب یہ ہے وقوف یہ کہیں گے کہ ”مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے کس نے پھیر دیا جس پر وہ تھے“ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبر دی ہے اور یہ پیش گوئی پوری ہو گئی اور یہ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن مجید کی صداقت کی قوی دلیل ہے۔

- (۲) اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ایسے احکام بھی ہیں جو ناخ اور منسوخ ہیں اور علما کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید نے جس حکم کو سب سے پہلے منسوخ کیا ہے وہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ہے۔

- (۳) بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم قرآن میں نہیں تھا یہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت تھا اور قرآن مجید نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ قرآن سنت کا ناخ ہے۔

(۴) خبر واحدہ پر عمل کرنا جائز ہے کیونکہ اہل قبا کو جب یہ خبر پہنچی کہ قبلہ بدل گیا ہے تو انہوں نے نماز کی حالت میں اپنا قبلہ بدل لیا۔

(۵) جب تک کسی حکم کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہو اس پر عمل کرنا جائز ہے کیونکہ تحویل قبلہ کے بعد بھی اہل قبا نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی کیونکہ ان کو اس وقت تک تحویل قبلہ کا علم نہیں ہوا تھا۔

(۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل ہوتا تھا اور حسب ضرورت احکام نازل ہوتے رہتے تھے نماز کے لیے کسی ایک جہت کی طرف منہ کرنے کے اسرار

تمام نمازوں کے لیے کسی ایک جہت کو قبلہ بنانے کی حسب ذیل حکمتیں ہیں

(۱) اگر نماز میں کسی ایک جہت کی طرف منہ کرنے کا حکم نہ دیا جاتا تو کوئی مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا تو کوئی مغرب کی طرف اور کوئی شمال کی طرف اور کوئی جنوب کی طرف اور اس طرح عبادت میں مسلمانوں کی وحدت انظم اور جمعیت نہ رہتی اور جب تمام دنیا کے مسلمان ایک جہت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے تو ان کی عبادت میں وحدت انظم اور جمعیت پائی جائے گی اور اسلام نے تمام عبادات میں مسلمانوں کو وحدت اور انظم کے تابع کیا ہے۔

(۲) جب انسان کسی صاحب اقتدار کے پاس جاتا ہے تو اس کی طرف متوجہ ہو کر اپنی درخواست پیش کرتا ہے نماز میں انسان اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اس کی حمد و ثناء کرتا ہے اس کی تسبیح کرتا ہے اور اس کے سامنے اپنی درخواست پیش کرتا ہے تو اس کی توجہ کے ارتکاز کے لیے قبلہ بنایا گیا۔

(۳) نماز میں اصل یہ ہے کہ خضوع، خشوع اور حضور قلب ہو اگر انسان مختلف جہات کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھے تو اس سے حضور قلب حاصل نہیں ہوگا اس لیے ایک قبلہ بنایا گیا تاکہ سب اس کی طرف متوجہ ہو کر حضور قلب کے ساتھ نماز پڑھیں۔

کعبہ کو قبلہ بنانے کے اسرار

(۱) اللہ تعالیٰ نے کعبہ کے متعلق فرمایا یہ میرا گھر ہے ”اَنْ طَهَّرْنَا بَيْتِي“ (البقرہ ۱۲۵) تو اپنی عبادت کرنے والوں کے لیے اپنے بیت کو قبلہ بنا دیا۔

(۲) یہود نے سمت مغرب کو قبلہ بنایا تھا کیونکہ حضرت موسیٰ کو مغرب کی جانب سے ندا آئی تھی ”وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَا اِلَىٰ مُوسٰى الْاَمْرَ“ (التیس ۴۴) اور عیسائیوں نے جہت مشرق کو قبلہ بنایا کیونکہ حضرت جبرائیل حضرت مریم کے پاس جانب مشرق سے گئے تھے ”وَاذْكُرْنِي النِّبْتَ مَذِيْمًا اِذْ نَبَّأَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا سَرِيقًا“ (مریم ۱۶) تو مسلمانوں کا قبلہ کعبہ بنایا کیونکہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ ہے اور سیدنا محمد حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد ہے اور اللہ کا حرم اور بیت اللہ ہے:

بے شک (اللہ کی عبادت کے لیے) سب سے پہلا گھر

جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے برت والا

اور تمام جہانوں کے لیے ہدایت ہے O اس میں ملی ملی

نشانیوں ہیں مقام ابراہیم ہے جو اس میں داخل ہوا وہ مامون

ہو گیا۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى
لِّلْعٰلَمِيْنَ ۗ فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مِّمَّا رِزْقِہِمْ ۚ وَ مِنْ دَخَلَتْہُ
كَانَ اٰمِنًا (آل عمران ۹۷-۹۶)

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْغُرُفَةَ الْحَرَامَ قِيَمًا لِلنَّاسِ
اللہ نے کعبہ کو عزت والا گھر اور لوگوں کے قیام کا باب
(امامہ ۹۷) بنا دیا۔

(۳) کعبہ زمین کے وسط میں ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زمین کے وسط کی طرف متوجہ کیا تاکہ وہ زندگی کے ہر معاملہ میں کیفیت متوسط (عدل) کو اختیار کریں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو قبلہ بنا کر یہ ظاہر فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں؛ کیونکہ کعبہ کو قبلہ بنانے کی یہ وجہ بیان فرمائی:

فَلْتَوَلَّيْنَكُمْ قِبْلَةً تَرْضَوْنَ (البقرہ ۱۴۳)
ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔

وَمَنْ أُنْكِرْهُ فَبِئْسَ مَا تَحْتَفِظُونَ
اور رات کے کچھ اوقات اور دن کے اطراف میں اس کی تسبیح
(نہ ۱۳۰) کیجئے تاکہ آپ راضی ہو جائیں ○

دنیا میں آپ کو راضی کرنے کے لیے کعبہ کو قبلہ بنایا اور دن رات میں تسبیح پڑھنے کا حکم دیا اور آخرت میں آپ کو راضی کرنے کے لیے مقام محمود اور شفاعت کبریٰ سے نوازا:

عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ○
عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر جلوہ گر فرمائے گا ○
(نبی اسرائیل ۷۹)

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ○ (النہی ۵)
اور عنقریب ضرور آپ کا رب آپ کو (انتہا) دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے ○

(۵) حضرت آدم نے پانچ پہاڑوں سے مٹی لے کر کعبہ بنایا تھا اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر تمہارے گناہ پہاڑ جتنے بھی ہوئے تو کعبہ کی طرف نماز پڑھنے سے جھڑ جائیں گے۔

(۶) جب مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے تو یہود طعنہ دیتے تھے کہ تم ہماری مخالفت کرتے ہو اور ہماری مسجد کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہو تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا قبلہ بدل دیا اور کعبہ کو قبلہ بنا دیا۔

(۷) مسلمان ملت ابراہیم کے اتباع کے داعی تھے اس لیے حضرت ابراہیم کے بنائے ہوئے کعبہ کو ان کا قبلہ بنا دیا۔

(۸) جب قریش نے کعبہ کی تعمیر کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اٹھا اٹھا کر لارہے تھے تو اس کو قبلہ بنانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔

استقبال کعبہ کے فقہی مسائل

(۱) نماز میں مسجود اللہ تعالیٰ ہے کعبہ کو سجدہ کرنے کی نیت کرنا کفر ہے۔

(۲) کعبہ سے مراد وہ جگہ ہے اور تحت المیزبانی سے لے کر عرش عظیم تک وہ فضاء ہے جہاں کعبہ بنا ہوا ہے حتیٰ کہ اگر بیت اللہ کی یہ عمارت نہ بھی ہو تو اس جگہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے گی۔

(۳) مکہ اور مدینہ میں رہنے والوں کے لیے عین کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے اور دوسروں کے لیے کعبہ کی جہت کی طرف منہ کرنا کافی ہے۔

(۴) اگر کسی شخص کو اندھیرے یا لاعلمی کی وجہ سے کعبہ کی سمت کا پتا نہ ہو تو وہ غور و فکر کرے اور جس جانب اس کا ظن غالب ہو

اس طرف مسہ کر کے نماز پڑھئے اگر بعد میں یہ پتا چلے کہ اس نے غلط سمت کی طرف نماز پڑھی تو اس پر اعادہ نہیں ہے اگر نماز کی ہر رکعت میں اس کی رائے بدل جائے تو اپنی رائے کے مطابق ہر رکعت میں پھر نماز ہے۔

(۵) نفل نماز چلتی سواری پر جائز ہے خواہ سواری کا قبلہ کی طرف منہ نہ ہو۔

(۶) عذر کی وجہ سے فرض نماز چلتی سواری (خواہ چھٹی ٹرین ہو) پر جائز ہے خواہ سواری کا قبلہ کی طرف منہ نہ ہو اور بعد میں اس

کا اعادہ نہیں ہے۔ (در مختار علی ہاشم رد المحتار ج ۱ ص ۲۹۱-۲۸۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

کعبہ کا اولیاء اللہ کی زیارت کے لیے جانا

علامہ علاء الدین حصکلی حنفی^۱ علامہ ابن عابدین شامی حنفی^۲ اور علامہ سید احمد طحاوی حنفی^۳ نے لکھا ہے کہ کعبہ کا اولیاء اللہ کی زیارت کے لیے جانا جائز ہے اور اس مسئلہ کو غم المملۃ والدین علامہ عمر نسفی اور علامہ زین الدین ابن قیم حنفی نے نقل کیا ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی نے بھی لکھا ہے کہ یہ جائز ہے اور اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابن عمر نے کعبہ کو دیکھ کر فرمایا تیری حرمت کس قدر عظیم ہے لیکن مومن کی حرمت اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ ہے اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کا طواف فرما رہے تھے اور فرما رہے تھے تو کتنا پاکیزہ ہے اور تیری خوشبو کتنی اچھی ہے اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے اللہ کے نزدیک مومن کی حرمت تجھ سے زیادہ ہے سو جب بندہ مومن کعبہ سے افضل ہے تو کعبہ کا اولیاء اللہ کی زیارت کے لیے جانا بعید نہیں ہے رہا یہ شبہ کہ اگر کعبہ اولیاء اللہ کی زیارت کے لیے جاتا ہے تو اتنا بھاری بھر کم جسم کیسے منتقل ہوتا ہے اور تاریخ میں کہیں منقول نہیں کہ کعبہ اپنی جگہ سے کبھی غائب ہوا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قریش نے (واقعہ معراج میں) میری تکذیب کی تو میں عظیم میں کھڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بیت المقدس کو منکشف کر دیا اور حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے کہ بیت المقدس کو لا کر میرے سامنے دار عقیل کے پاس رکھ دیا اور میں اس کو دیکھ رہا تھا بیت المقدس بھی ایک بھاری جسم ہے اور اس کا منتقل ہونا بھی عادت محال ہے اور اس کے متعلق بھی تاریخ میں کہیں منقول نہیں کہ وہ اپنی جگہ سے غائب ہوا ہو اس حدیث کی یہ توجیہ ہے کہ بیت المقدس کی مثال اس کی جگہ پر تھی اور اس کی حقیقت آپ کے سامنے رکھ دی گئی اس طرح ہو سکتا ہے کہ حقیقت کعبہ زیارت کے لیے گئی ہو اور اس کی مثال وہاں اس کے قائم مقام کر دی گئی ہو۔

(بوہار النوار ص ۱۳۷-۱۳۵ ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۹۶۳ء)

اور قرآن مجید میں پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس لانے کا واقعہ مذکور ہے اس سے یہ شبہ بھی دور ہو جاتا ہے کہ ایک بھاری جسم کیسے منتقل ہو سکتا ہے۔

علامہ یافعی یمنی لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو دور دراز کے شہروں سے کعبہ دکھایا ایک اور شخص نے بعض منکرین کو دکھایا

۱۔ علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکلی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ در مختار علی ہاشم رد المحتار ج ۲ ص ۶۳۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۱۴۰۷ھ

۲۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار ج ۲ ص ۶۳۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ

۳۔ علامہ سید احمد طحاوی حنفی متوفی ۱۲۳۱ھ حلیۃ الطحاوی علی الدر المختار ج ۲ ص ۳۳۹ مطبوعہ دار السعید بیروت ۱۴۹۵ھ

کہ وہ عجب کا طواف کر رہا تھا اور ہم نے تحقیق سے سمجھا ہے کہ یہ ثابت ہے کہ یہ مسلمان تھا۔ ایک مسلمان کا حقیقتاً طواف کر رہا تھا اور میں نے بعض معتدہ اولیاء اور مسند علماء کو دیکھیں جنہوں نے عجب کو اولیاء کا طواف کرنے سے روک دیکھا ہے۔ (راضی لکھنؤ میں فی حکایات الصالحین ص ۳۳ مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ دارالافتاء مصر)

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں عجب کی تعظیم اور توقیر اور ہیبت اور ہلال اور زیادہ کرنے میں بہ نقول اور دلائل بہت بڑے و غریب معلوم ہوتے ہیں خصوصاً اس لیے کہ ہمارے ہی صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء و الاولیاء ہیں لیکن آپ نے عجب کا طواف کیا اور آپ کے گرد عجب کا طواف کرنا ثابت نہیں ہے اگر اس مستند فقہاء و علماء نے عجب کے طواف کرنے کو نقل نہ کیا، دوتا تو ہم اس کو صراحتاً رد کر دیتے جو فضیلت آپ کے لیے ثابت نہ ہو اس فضیلت کو ہم آپ کے امتی کے لیے ثابت کرنے کی جرات نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اور اسی طرح ہم نے تمہیں متوسط (بہترین) امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول تمہارے حق میں گواہ ہو جائیں۔ (البقرہ: ۱۳۳)

امت مسلمہ کا باقی امتوں پر گواہ ہونا

اس کلام کے اول اور آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اول میں ہے: آپ جیسے کہ شرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں اور آخر میں ہے (اے رسول!) جس قبلہ پر آپ پہلے تھے اس اور درمیان میں اس کلام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو خطاب کیا گیا ہے اس میں یہود کو بنایا گیا ہے کہ تم مسلمانوں کے قبلہ کا کیوں انکار کرتے ہو اور ان کے دین کو کیوں قبول نہیں کرتے حالانکہ مسلمان قیامت کے دن تمہارے خلاف شہادت دیں گے اور ان کی شہادت قبول کی جائے گی، اس لیے تم کو چاہیے کہ تم دنیا میں ان کی مخالفت نہ کرو اور ان کے دین کی پیروی کرو۔

امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ذکر کی ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت نوح کو قیامت کے دن بلایا جائے گا وہ کہیں گے میں حاضر ہوں اے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے ہاں! پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا کیا نوح نے تم کو تبلیغ کی تھی؟ ان کی امت کہے گی ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا اللہ تعالیٰ حضرت نوح سے فرمائے گا تمہارے حق میں کون گواہی دے گا؟ وہ کہیں گے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کی امت اور وہ گواہی دیں گے کہ حضرت نوح نے ان کو تبلیغ کی تھی یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۵ مطبوعہ دارالحدیث کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام نسائی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ قیامت کے دن ایک نبی آئے گا اور اس کے ساتھ ایک شخص ہوگا اور ایک نبی آئے گا اس کے ساتھ وہ شخص ہوں گے اور ایک نبی آئے گا اس کے ساتھ زیادہ لوگ ہوں گے اس سے کہا جائے گا کیا تم نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی؟ وہ کہے گا ہاں پھر اس کی قوم کو بلایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کیا انہوں نے تم کو تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے نہیں پھر اس نبی سے کہا جائے گا تمہارے حق میں کون گواہی دے گا؟ وہ کہیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بلایا جائے گا اور کہا جائے گا کیا انہوں نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے ہاں پھر کہا جائے گا تم کو اس کیسے علم ہوا؟ وہ کہیں گے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ خبر دی تھی کہ (سب) رسولوں نے تبلیغ کی ہے اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔ (نہج النبی ص ۶۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۱ھ)

اس کا معنی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر نگہبان اور ان کے احوال پر مطلع ہیں اس لیے اس کے حق میں گواہی دیں گے
(انوار التوہیل ص ۳۹، مطبوعہ دار الفکر للنشر والتوزیع)

یہ کثرت احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر چھلی امتیں پیش کی گئیں اور اس امت کے افعال اور
اعمال آپ پر پیش کیے گئے اور چونکہ آپ سب کے احوال اور افعال پر مطلع ہیں اس لیے سب کے متعلق گواہی دیں گے۔
قرآن مجید میں ہے:

كَلِّفَ إِذَا جُنَّاهُمْ مِنْ كُلِّ أَمَةٍ يَشْهَدُونَ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ
هَؤُلَاءِ شَهِيدَانِ (النساء: ۴۱)

علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ ہر نبی اپنی امت کے فاسد عقائد اور برے اعمال کے خلاف گواہی دے گا اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم تمام نبیوں کی گواہی کے صدق پر گواہی دیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام امتوں کے احوال پر مطلع ہوں گے کیونکہ بغیر علم کے گواہی جائز نہیں
ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں کے احوال اور افعال پر مطلع فرمایا ہے اور ان کی دنیا اور آخرت کا آپ کو
علم عطا فرمایا ہے اور خصوصاً آپ کی امت کے اعمال قبر النور میں آپ پر پیش کیے جاتے ہیں۔
امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی پھر وہاں
چاشت کے وقت تک بیٹھے رہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے پھر اسی جگہ بیٹھے رہے پھر آپ نے ظہر، عصر، مغرب اور
عشاء پڑھیں اور اس دوران کسی سے بات نہیں کی پھر گھر تشریف لے گئے لوگوں نے حضرت ابو بکر سے کہا آپ نے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا نہیں کہ آج کا دن آپ نے غیر معمولی طور پر گزارا حضرت ابو بکر نے پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا اور آخرت کے امور میں سے جو کچھ بھی ہونے والا تھا وہ سب مجھ پر آج پیش کیا گیا تمام اولین اور
آخرین کو ایک میدان میں جمع کیا گیا لوگ گھبرا کر حضرت آدم کے پاس گئے درآں حالیکہ وہ لوگ منہ تک سپینے میں ڈوبے
ہوئے تھے۔ الحدیث (مسند احمد ج ۱ ص ۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

اس حدیث کو امام ابو عوانہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند ابو عوانہ ج ۱ ص ۱۷۷-۱۷۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)
امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر امت کے اچھے اور برے (تمام) اعمال
پیش کیے جاتے ہیں میں نے نیک اعمال میں دیکھا کہ نجاست کو راستہ سے ایک طرف کر دیا گیا اور برے اعمال میں دیکھا کہ
ناک کی رینٹ کو مسجد میں ڈال دیا گیا اور اس کو دفن نہیں کیا گیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۰۷، مطبوعہ نور محمد و صحیح الطحاوی کراچی ۱۳۷۵ھ)
اس حدیث کو امام احمد، امام ابو عوانہ، امام احمد بن حنبل اور امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

۱۔ امام احمد حنبل متونی ۲۳۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

۲۔ امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق اسفرائی متونی ۳۱۶ھ، مسند ابو عوانہ ج ۱ ص ۲۰۶، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت

۳۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متونی ۴۵۸ھ، فن کبری ج ۲ ص ۲۹۱، مطبوعہ نشر اساتذہ ملتان

امام محمد بن سعد روایت کرتے ہیں:

بکر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے تم باتیں کرتے ہو اور تمہارے لیے حدیث بیان کی جاتی ہے اور جب میں وفات پا جاؤں گا تو میری وفات تمہارے لیے بہتر ہوگی مجھ پر تمہارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں جب میں نیک عمل دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور جب میں برا عمل دیکھتا ہوں تو تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔ (المطبوعات اللبرنی ج ۲ ص ۱۹۳ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ)

حافظ بیہقی نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ (المجمع المصنف ج ۱ ص ۵۸۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ علی متقی ہندی اور علامہ منادی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر امام بزاز کی سند بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے سیاحت کرنے والے ہیں وہ مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے تم باتیں کرتے ہو اور تمہارے لیے حدیث بیان کی جاتی ہے اور میری وفات تمہارے لیے بہتر ہے تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ میں جو نیک عمل دیکھتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور میں جو برا عمل دیکھتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۷۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۳ھ)

حافظ نور الدین البیہقی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام بزاز نے بیان کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۳ مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی روایت کرتے ہیں:

خراش بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے اور میری موت تمہارے لیے بہتر ہے تمہارے لیے حدیث بیان کرتا ہوں اور میری موت اس لیے بہتر ہے کہ ہر پیر اور جمعرات کو تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں سو جو نیک عمل ہوتے ہیں میں ان پر اللہ کی حمد کرتا ہوں اور جو برے عمل ہوتے ہیں تو میں تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔ (الکامل فی الصحاح ج ۳ ص ۹۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس حدیث کو امام ابن جوزی نے حضرت انس کی روایت سے ذکر کیا ہے اس روایت میں ہر جمعرات کو عرض اعمال کا ذکر

ہے پیر کا ذکر نہیں ہے۔ (الوقایہ ص ۸۱۰ مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البانی واولادہ مصر ۱۳۶۹ھ)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے دنوں میں سب سے زیادہ فضیلت والا دن جمعہ ہے اس دن مجھ پر بہت زیادہ صلوٰۃ (درود) پڑھا کرو کیونکہ تمہاری صلوٰۃ مجھ پر پیش کی جاتی ہے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری صلوٰۃ آپ پر کیسے پیش کی جائے گی حالانکہ آپ کا جسم بوسیدہ ہو چکا ہوگا؟ آپ نے فرمایا

۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ المطالب العیہ ج ۳ ص ۳۳۔ ۳۴ مطبوعہ توزیع عباس احمد البز ملک مکرہ

۲۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی متوفی ۹۷۵ھ کنز العمال ج ۱۱ ص ۳۰۷ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۰۵ھ

۳۔ علامہ عبد الرؤف منادی متوفی ۱۰۰۳ھ فیض القدیر ج ۳ ص ۳۰۱ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۹۱ھ

اللہ نے انبیاء کے اجماع کھانے کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ (نس ابوداؤد ج ۱ ص ۸۴۔ ۱۵۰ مطبوعہ مطبع مجاہد پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)
امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

«حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت کے (نیب کاموں کے) ابر پیش کیے گئے حتیٰ کہ مسجد سے کوزا کر کٹ نکال کر پھینکنے کا اجر پیش کیا گیا اور میری امت کے گناہ پیش کیے گئے تو میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن مجید کی کوئی سورت یا کوئی آیت دی گئی ہو اور اس نے اس کو بھلا دیا۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۶۶ مطبوعہ مطبع مجاہد پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی^۱ امام بیہقی^۲ امام طبرانی^۳ اور امام عبدالرزاق^۴ نے بھی روایت کیا ہے۔

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

«حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت پر جو کچھ مفتوح تھا وہ آپ پر پیش کر دیا گیا۔ (تختم الکبیر ج ۱ ص ۲۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ نور الدین البیہقی امام بزار کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں

«حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت کو پیش کیا گیا اور اس میں تابع ہو یا متبوع مجھ پر کوئی غصہ نہیں رہا۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۷۲ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)
امام ابو نعیم روایت کرتے ہیں:

«حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر تمام امتیں پیش کی گئیں ایک نبی کے ساتھ ایک جماعت گزری ایک نبی کے ساتھ ایک اور دو آدمی گزرے۔

(طیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۰۲ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اس حدیث کو امام ابو عوانہ^۵ اور امام طبرانی^۶ نے تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول!) جس قبلہ پر آپ پہلے تھے ہم نے اس کو اسی لیے قبلہ بنایا تھا تاکہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور اس کو اس سے ممتاز کر دیں جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے۔ (البقرہ ۱۴۳)
بعض ترجموں سے اللہ تعالیٰ کے علم کی نفی کا اشکال اور اس کے جوابات

اس آیت کا لفظی معنی یہ ہے تاکہ ہم جان لیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے لیکن اس ترجمہ سے یہ لازم آتا ہے کہ تحویل قبلہ سے پہلے اللہ تعالیٰ کو یہ علم نہیں تھا کہ رسول کی پیروی کرنے والے اور دین سے پھر جانے والے کون ہیں بعض مترجمین نے اسی طرح ترجمہ کیا ہے:

۱۔ امام ابویسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۴۴ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۲۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ سنن کبریٰ ج ۲ ص ۴۴۰ مطبوعہ نثر الاندلس مانتان

۳۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ تختم الکبیر ج ۱ ص ۱۸۹ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۲۸۸ھ

۴۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ المحض ج ۳ ص ۳۶۱ مطبوعہ مکتبہ اسدی بیروت ۱۳۹۰ھ

۵۔ امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق فراخی متوفی ۳۱۶ھ مسند ابو عوانہ ج ۱ ص ۸۵ مطبوعہ دار السلفہ بیروت

۶۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ تختم الکبیر ج ۱ ص ۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

شیخ محمود الحسن اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر تو پہلے تھا مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کہ کون تابع رہے گا اور کون بھرنے کا لے پاؤں۔

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

اور جس سمت قبلہ پر آپ مدینہ پہنچے ہیں وہ شخص اس لیے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے۔
سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

پہلے جس طرف تم رخ کرتے تھے اس کو تو ہم نے صرف یہ دیکھنے کے لیے قبلہ مقرر کیا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پیر پھر جاتا ہے۔

اس عبارت میں دیکھنے سے متبادر بھی جانا ہے اس لیے یہ عبارت محل اشکال ہے کیونکہ اس قسم کی عبارت میں دیکھنے کا لفظ جانے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

اور ہم نے اس آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے:

اور (اے رسول!) جس قبلہ پر آپ پہلے تھے ہم نے اس کو اسی لیے قبلہ بنایا تھا تاکہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور اس کو اس سے ممتاز کر دیں جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے۔

ہم نے اس آیت میں علم کو اظہار اور تمیز کے معنی پر محمول کیا ہے تاکہ صرف اردو پڑھنے والے لوگ جن کی عربی تفہیم تک رسائی نہیں ہے یہ ہم نہ کریں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے علم کی نفی ہو رہی ہے۔ معاذ اللہ!

اس آیت کا ظاہری معنی ہے تاکہ ہم جان لیں یا تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے اس معنی پر جو اشکال ہے اس کے اہم رازی نے متعدد جواب دیئے ہیں:

(۱) تاکہ ہم جان لیں اس کا معنی ہے تاکہ ہمارے نبی اور ایمان والے جان لیں جیسے بادشاہ کہتا ہے فلاں شہر ہم نے فتح کیا، یعنی ہماری فوجوں نے فتح کیا۔

(۲) علم بہ معنی تمیز ہے یعنی تاکہ ہم رسول کے قابعین کو غیر قابعین سے ممتاز کر دیں۔

(۳) علم بہ معنی مشاہدہ ہے یعنی تاکہ ہم یہ مشاہدہ کر لیں کہ کون قابع ہے اللہ کو اس کا علم تو پہلے تھا لیکن مشاہدہ تحویل قبلہ کے وقت ہوا۔

(۴) اس آیت میں حدوث علم مخاطب کی طرف راجع ہے یعنی تاکہ تم لوگ یہ جان لو کہ کون قابع ہے اور کون پھر نے والا ہے۔

(۵) علم بہ معنی تحقیق ہے یعنی تاکہ واقع میں قابعین متحقق ہو جائیں اور آپ کی اتباع سے پھر نے والے متحقق ہو جائیں۔

(تفسیر بیرن ج ۲ ص ۱۱۰، مطبوعہ دارالسرچہ، دہلی ۱۳۹۸ھ)

علامہ آدنی لکھتے ہیں:

یہ کلام بطور تمثیل ہے یعنی تحویل قبلہ کا یہ فعل اس شخص کے فعل کی مثل ہے جو یہ جانا چاہے کہ کون قابع ہے اور کون غیر قابع ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں متعدد جگہ علم بہ معنی جزا آیا ہے اور اس آیت میں بھی علم بہ معنی جزا ہے یعنی تاکہ ہم آپ کی اتباع کرنے والے کو جزا دیں اور آپ کی اتباع سے پھر نے والے کو سزا دیں۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے ان کے واسطے پر یہ (قبلہ کا بدلنا) بھاری ہے۔ (البقرہ ۱۳۴)

اہل کتاب پر تحویل قبلہ کے بھاری ہونے کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے قبلہ بدل کر لوگوں کو امتحان میں ڈالا اور یہ امتحان ان پر اس لیے بھاری تھا کہ جو چیز مالدف ہو اور جس کی عادت ہو اس کو ترک کرنا اور اپنے آباء و اجداد کے طریقہ کو پھوڑنا بہت دشوار ہوتا ہے اور ہر نئی چیز سے انسان متوجش ہوتا ہے البتہ جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت پیدا کر دی اور اس نے اپنی طبیعت کو شریعت میں ڈھال لیا اس کوئی نفسہ کسی چیز سے رغبت نہیں ہوتی اس کی رغبت تو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے میں ہے اس کے نزدیک بیت المقدس کی جہت مقصود ہے نہ کعبہ کی سمت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تو وہ اس کا قبلہ تھا اور اب اللہ اور رسول نے کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تو وہ اس کا قبلہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تمہارے ایمان کو ضائع کر دے۔ (البقرہ ۱۳۳)

نمازوں پر ایمان کے اطلاق کی توجیہ

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ مسلمان تحویل قبلہ سے پہلے فوت ہو گئے کچھ شہید ہو گئے اور ہم نے نہیں جانا کہ ہم (بیت المقدس کی طرف ان کی پڑھی ہوئی نمازوں کے متعلق) کیا کہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (ترجمہ) اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تمہارے ایمان کو ضائع کرے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱ مطبوعہ دار محمد اسحاق الطائی کراچی)

اس آیت میں بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازوں پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے اس سے محدثین اور ائمہ ثلاثہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ ایمان میں اعمال داخل ہیں اور متکلمین اور امام ابو حنیفہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں ایمان سے مراد ایمان کامل ہے اور ایمان کامل میں ہمارے نزدیک بھی اعمال داخل ہیں البتہ نفس ایمان صرف تصدیق کو کہتے ہیں۔

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا

بے شک ہم آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا

جس پر آپ راضی ہیں پس آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا چہرہ اسی کی طرف

وَجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ

پھیر لو اور بے شک اہل کتاب کو علم ہے کہ یہ (حکم) ان کے رب کی طرف سے

الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۶﴾ وَلَئِنْ

حق ہے اور جو کچھ یہ کہ رہے ہیں اللہ اس سے غافل نہیں ہے O اور اگر آپ

اَتَيْتَ الَّذِينَ اَوْثَرُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ وَمَا اَنْتَ

اہل کتاب کے پاس ہر قسم کا معجزہ بھی لے کر آئیں پھر بھی وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ آپ ان سے

بِتَابِعِ قِبْلَتَهُمْ وَمَا يَعْصِيهِمْ بِتَابِعِ قِبْلَةٍ بَعْضٌ وَلَٰكِنْ اَتَّبَعْتَ

قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں اور نہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں اور (اے مخاطب!) اگر علم حاصل

اَهْوَاءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذَا لَمِ

ہونے کے بعد تو نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو تو سب شک ضرور

الظَّالِمِينَ ۝۱۳۵ الَّذِينَ اَتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُوْنَكَ كَمَا يَعْرِفُوْنَ

ظلم کرنے والوں میں سے ہو گا ۝ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس نبی کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے

اَبْنَاءَهُمْ ۝۱۳۶ وَانْ فَرِقًا مِّنْهُمْ لِيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳۷

بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور ان میں سے ایک فریق یقیناً جان بوجھ کر حق کو چھپاتا ہے ۝

نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کی تحقیق

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قنادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف چہرہ کیے ہوئے تھے اور آپ یہ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کعبہ کی طرف پھیر دے تو یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ) بے شک ہم آپ کے چہرہ کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔ (البقرہ ۱۳۳)

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۱۰ھ)

حسن بیان کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر یہ خبر دی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ قبلہ کو بیت المقدس سے پھیر کر کسی اور سمت پر کر دے گا اور یہ نہیں بیان کیا تھا کہ کس سمت آپ کو پھیرے گا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ یہ محبوب تھا کہ کعبہ کو قبلہ بنادیا جائے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرہ کو آسمان کی طرف پھیر کر وحی کا انتظار کر رہے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۱۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا چہرہ اسی کی طرف پھیراؤ۔ (البقرہ ۱۴۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر مسجد حرام کی طرف منہ کرنا فرض کر دیا خواہ وہ کسی جگہ ہوں اگر کوئی شخص بیت المقدس میں بھی ہو تو اس پر بیت اللہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔ علامہ صلیبی حنفی نے لکھا ہے کہ جو شخص بیت اللہ کا مشاہدہ کر رہا ہو اس پر بعینہ کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے اور جو شخص کعبہ سے غائب ہو اس پر اس کی سمت کی طرف منہ کرنا فرض

ہے۔ (در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۱ ص ۲۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد (حرام) والوں کے لیے بیت اللہ قبلہ ہے اور اہل حرم کے لیے مسجد قبلہ ہے اور تمام روئے زمیں پر میری امت کے مشرق اور مغرب والوں کے لیے مسجد حرام قبلہ ہے اور جو شخص مسجد حرام میں ہو اس کو اپنے چہرے کا رخ کعبہ کی طرف کرنا چاہیے کیونکہ روایت ہے کہ کعبہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو اس سے یہ مسئلہ مستبد ہوتا ہے کہ نماز کی حالت قیام میں نظر سامنے قبلہ کی طرف ہونی چاہیے نیز قیام کا حکم سارے جسم کے لیے ہے اور چہرہ اشرف الاعضاء ہے اس کے قیام کا حکم بہ طریق اولیٰ ہوگا اور چہرہ کا قیام اس وقت ہوگا جب چہرہ کا رخ بیت اللہ کی جانب ہو اور یہی امام مالک کا مذہب ہے اس کے برخلاف امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ قیام میں سجدہ کی جگہ نظر ہو رکوع میں قدموں کی جگہ اور سجدہ میں ناک کی طرف نظر ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۶۰-۱۵۹ ملخصاً مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو)

علامہ ابن عابدین شافعی لکھتے ہیں:

قیام میں نظر موضع سجود کی طرف ہونی چاہیے اور رکوع میں قدموں کی پشت پر اور سجدہ میں ناک کے نرم گوشے کی طرف اور بیٹھتے وقت گود میں اور سلام کے وقت کندھوں کی طرف اس کے اطلاق کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص کعبہ کا مشاہدہ کر رہا ہو اس کی نظر بھی ان ہی موضع کی طرف ہو کیونکہ اس سے مقصود خشوع ہے جب وہ قصد ان موضع کی طرف دیکھے گا تو اس کی توجہ ادھر ادھر ہونے سے محفوظ رہے گی اور جب کہ مقصود خشوع ہے اور ان موضع کی طرف دیکھنے سے خشوع حاصل نہ ہو تو ان سے عدل کر سکتا ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۲۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

خشوع کا معنی ہے: بجز اور انکسار کرنا اور آنکھیں نیچی کرنا اور اللہ تعالیٰ نے خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے کی مدح فرمائی ہے

قَدْ أَذْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ

خَاشِعُونَ ۝ (المومن: ۱-۲)

اس لیے نماز کی حالت قیام میں سجدہ گاہ پر نظر رکھنا خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے کا طریقہ ہے اور یہ کعبہ کی طرف چہرہ کرنے کے منافی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک اہل کتاب کو علم ہے کہ یہ (حکم) ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ (البقرہ: ۱۳۳)

اہل کتاب کو تحویل قبلہ کے برحق ہونے کا علم

یعنی یہود اور نصاریٰ کو یہ علم ہے کہ تحویل قبلہ کا یہ حکم ان کے رب کی طرف سے حق ہے اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہود و نصاریٰ کو کیسے یہ علم ہوگا حالانکہ یہ حکم ان کے دین میں تھا نہ ان کی کتاب میں لکھا ہوا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو اپنی کتاب سے یہ علم تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم برحق نبی ہیں آپ اللہ کی وحی کے سوا کوئی بات نہیں کہتے اور آپ کی کہی ہوئی ہر بات حق اور صواب ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ ان کو اپنے دین سے یہ معلوم تھا کہ احکام منسوخ ہوتے رہتے ہیں اس لیے ان کو علم تھا کہ یہ حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے اس لیے تحویل قبلہ پر اعتراض کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی تیسرا جواب یہ ہے کہ ان کو اپنی کتاب سے علم تھا کہ کعبہ ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا اور یہی اللہ کا سب سے پہلا گھر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت ابراہیم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے چوتھا جواب یہ ہے کہ معجزات اور دیگر دلائل سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہو چکی تھی

اس لیے ان کو لامحالہ علم تھا کہ جس جانب کو آپ نے قبلہ قرار دیا ہے وہی قبلہ ہے پانچواں جواب یہ ہے کہ ان کی کتاب میں تحویل قبلہ کا حکم بھی لکھا ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب!) اگر علم حاصل ہونے کے بعد تو نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو تو بے شک ضرور ظلم کرنے والوں میں سے ہوگا (البقرہ: ۱۳۵) علماء سے معصیت کے صدور کا زیادہ نتیجہ ہونا

اس آیت میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد آپ کی امت ہے جن کے لیے خواہش کی اتباع کرنا محال نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں اور آپ کا ظلم ہونا آپ کی نبوت کے منافی ہے اور محال بالغیر ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ علم حاصل ہونے کے بعد اگر اہل کتاب کی اتباع کی تو ضرورتاً ظالموں میں سے ہوگا اس آیت میں علم کی قید لگائی ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی معصیت پر علماء کے حق میں وعید بہت شدید ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں علم سب سے عظیم نعمت ہے اور جس کو سب سے عظیم نعمت دی ہے اس سے نافرمانی اور گناہ کا صدور سب سے زیادہ قبیح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ (البقرہ: ۱۳۶)

اہل کتاب کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچانا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے متعدد اسانید کے ساتھ قنادہ ربيع حضرت ابن عباس 'سدی' ابن زید اور ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ یہ ضمیر تحویل قبلہ کی طرف لڑتی ہے یعنی اہل کتاب تحویل قبلہ کے حق ہونے کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۱۰ھ)

علامہ ابوالیمان اندلسی لکھتے ہیں:

یہ ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے مجاہد قنادہ وغیرہا سے یہی روایت ہے زجاج 'تبریزی' اور زخشری کا یہی مختار ہے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صیغہ خطاب سے ذکر کیا تھا اور اب ضمیر غائب سے ذکر کیا ہے سو یہ باب التفات سے ہے یعنی اہل کتاب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح معرفت حاصل تھی ان کو آپ کی معرفت میں کوئی شک نہیں تھا نہ آپ کی دی ہوئی خبروں کے صادق ہونے میں کوئی تردد تھا اور جن چیزوں کا آپ کو مکلف کیا گیا تھا مثلاً بیت المقدس کے قبلہ ہونے کا منسوخ ہونا ان کی صداقت پر ان کو یقین تھا کیونکہ ان کی کتاب میں آپ کا ذکر اور آپ کی صفات لکھی ہوئی تھیں قرآن مجید میں ہے یَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ جس رسوں کا ذکر وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا

(الاعراف: ۱۵۷) ہوا پاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس ضمیر کے لوٹنے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل کی ہے کہ "الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ" (البقرہ: ۱۳۶) تو یہ معرفت کیسی ہے حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا اے عمر! جب میں نے آپ کو دیکھا تو فوراً پہچان لیا جیسے اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں اور میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹے سے زیادہ پہچانتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہماری کتاب میں آپ کی صفات بیان کی ہیں اور اپنے بیٹوں کے متعلق ہمیں پتا نہیں کہ عورتیں کیا کرتی ہیں! میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں حضرت عمر نے ان کے سر کو بوسہ دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں توفیق دی

ہے۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۱۳۳۔ ۱۳۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

علامہ قرطبی نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے اور یہ لکھ ہے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ اس نبی کو اپنے آپ سے زیادہ پہچانتے ہیں کیونکہ انسان کو اپنی پیدائش سے لے کر ایک زمانہ تک اپنی معرفت نہیں ہوتی اور وہ اپنے بیٹے کو شرع سے پہچانتا ہے اور اس کی معرفت کے بغیر اس پر کوئی زمانہ نہیں گزرتا۔

(الجامع احکام القرآن ج ۲ ص ۱۶۳ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

امام فخر الدین رازی حضرت عمر کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں
چونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت معجزات سے ثابت ہو گئی تھی اس لیے آپ کے نبی ہونے کا ان کو قطعی سم تھا جبکہ اپنے بیٹے کے متعلق ان کو قطعیت کے ساتھ یہ علم نہیں تھا کہ یہ ان کا بیٹا ہے اس لیے آپ کی معرفت بیٹوں کی معرفت سے زیادہ قوی تھی نیز امام رازی فرماتے ہیں:

اس آیت میں ضمیر کو تحویل قبلہ کی طرف لوٹانے کے قول سے یہ قول رائج ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر نہیں دی کہ اس کی کتابوں میں تحویل قبلہ کا ذکر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ تورات اور انجیل میں آپ کا ذکر لکھا ہوا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت سے پہلی آیت میں آپ کا ذکر ہے "وَكَيْفَ أَكْتُمُ الَّذِينَ أَذْنَوْا الْكِتَابَ" وَلَكِنْ أَتَّبَعْتُ أَهْوَاءَهُمْ " اور تحویل قبلہ کا ذکر اس سے بعد ہے اور قریب کو مرجع بنانا اولیٰ ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ معجزات سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق ہونا ثابت ہوا ہے اس لیے اہل کتاب آپ کی نبوت کے صدق کو پہچانتے تھے اور تحویل قبلہ کا برحق ہونا آپ کے برحق ہونے کی فرع ہے اس لیے اس ضمیر کو آپ کی طرف لوٹانا زیادہ اولیٰ ہے۔ (تفسیر البقرہ ج ۲ ص ۲۶۔ ۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

حفظ سیوطی لکھتے ہیں کہ ثنابی نے از سدی ضمیر از کلی روایت کیا ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیت نازل کی ہے "يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ" (البقرہ ۱۳۶) اے عبداللہ! یہ معرفت کیسی ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا: جب میں نے آپ کو دیکھا تو آپ کو اس طرح پہچان لیا جس طرح میں اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں بلکہ مجھے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اپنے بیٹے سے زیادہ تھی کیونکہ ہماری کتاب میں اللہ تعالیٰ نے ان کی صفات بیان کی ہیں تو میں نے دیکھتے ہی آپ کو پہچان لیا کہ یہ برحق نبی ہیں اور اپنے بیٹوں کے متعلق میں نہیں جانتا کہ عورتیں کیا کرتی ہیں حضرت عمر نے کہا: اے عبداللہ بن مسعود! تم کو اللہ نے توفیق دی۔

(در منثور ج ۱ ص ۱۴۷ مطبوعہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں دین کو تلاش کرنے کے لیے نکلا تو مجھے اہل کتاب کے باقی لوگوں میں سے چند راہب ملے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ" (البقرہ ۱۳۶) وہ کہتے تھے کہ یہ وہ زمانہ ہے جس میں عنقریب سرزمین عرب سے ایک نبی ظاہر ہوگا اس کی خاص علامات ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے کندھوں کے درمیان تلوں کے گول مجموعہ کی شکل میں مہر نبوت ہوگی میں عرب میں پہنچا اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو چکا تھا۔ میں نے ان تمام علامات کو دیکھا اور مہر نبوت کو بھی دیکھا پھر میں نے کلمہ پڑھ لیا "لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ" (الحمد یث۔) (الحکم ج ۲ ص ۳۱۸۔ ۳۱۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۱۴۷﴾ وَلِكُلِّ وُجْهَةٍ

(یہ تحویل قبلہ) تمہارے رب کی طرف سے برحق ہے (تو اے مخاطب!) تم شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہونا اور ہر ایک

هُوَ مُوَلِّیْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ اَیْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمْ اللَّهُ

کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ (نماز میں) مسہ کرتا ہے سو تم نیکیوں میں دوسروں سے آگے نکلو تم جہاں کہیں بھی ہو گے

جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ

اللہ تم سب کو لے آئے گا بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے O اور (اے رسول!) آپ جہاں سے بھی باہر نکلیں

قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۚ

اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور بے شک یہ (تحویل قبلہ) آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے

وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ قَوْلٍ

اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے O اور (اے رسول!) آپ جہاں سے بھی باہر نکلیں اپنا منہ

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ

مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہروں کو اس کی طرف

شَطْرًا ۚ لَيْسَ لَكُنَّ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۚ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ

پھیراؤ تاکہ لوگوں کے لیے تمہارے خلاف کوئی حجت نہ رہے ابستان میں سے جو ظالم ہیں (وہ تم پر ضرور ناحق الزام تراشی کریں گے)

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۚ وَلَا تَمْنَعُ بَنِي إِسْرَءِيلَ مِنْكُمْ آلًا يَسْتَفِئُونَ

سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو (اور کعبہ کی طرف منہ کرو) تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں اور تاکہ تم

تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۰﴾ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا

ہدایت پا جاؤ O اسی طرح ہم نے تم میں سے تم ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا ہے جو تم پر ہماری آیات

وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا

تلاوت کرتا ہے اور تمہاری باطنی اصلاح کرتا ہے اور تم کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تم کو ان تمام چیزوں کی تعلیم دیتا ہے

تَعْلَمُونَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿۱۵۲﴾

جن کو تم نہیں جانتے تھے ○ سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر ادا کرتے رہو اور میری ناشکری نہ کرو ○
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یہ تجویل قبلہ) تمہارے رب کی طرف سے برحق ہے (تو اے مخاطب!) تم شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہونا ○ (البقرہ: ۱۳۷)

قبلہ کے بارے میں شک کرنے کی ممانعت کی تو جیہ

اس آیت میں بھی تعریض ہے صراحۃً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اور مراد آپ کی امت ہے کیونکہ اس آیت میں شک کرنے سے منع کیا ہے اور جس چیز سے منع کیا جائے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ پہلے واقع ہو چکی ہو یا متوقع ہو ورنہ منع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ توقع نہیں ہے کہ آپ قبلہ کے برحق ہونے میں شک کریں گے اس لیے منع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا خطاب ہے فائدہ نہیں ہو سکتا اس لیے یہاں خطاب سے بہ طور تعریض آپ کی امت مراد ہے اس جگہ ایک اور سوال یہ ہے کہ شک کرنا یا نہ کرنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے اور غیر اختیاری چیز کا مکلف نہیں کیا جاتا اس کا جواب یہ ہے کہ شک کو زائل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے دلائل بیان کر دیے اس لیے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان دلائل پر غور کرو تا کہ شک پیدا نہ ہو اور دلائل یہ ہیں کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں وہ کسی جہت اور سمت کے ساتھ مختص نہیں ہے اس لیے جس سمت کی طرف منہ کر کے سجدہ کرو گے اسی کو سجدہ ہوگا اور اس نے کعبہ کو اس لیے قبلہ بنایا کہ وہ تمہارے نبی کے باپ ابراہیم کا قبلہ اور تمہارے نبی کا مولد ہے۔

اللہ کی ذات کا حضور کے لیے قبلہ ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ (نماز میں) منہ کرتا ہے۔ (البقرہ ۱۳۸)

اس آیت کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ ہے کہ ہر علاقہ کے مسلمانوں کے لیے کعبہ کی ایک جہت اور سمت ہے جس کی طرف وہ منہ کرتے ہیں بعض علاقوں کے مسلمانوں کے شمال کی طرف کعبہ ہے اور بعض علاقہ والوں کے جنوب کی طرف کعبہ ہے بعض کے مشرق کی طرف اور بعض کے مغرب کی طرف کعبہ ہے مثلاً ایتھوپیا کے شمال کی طرف کعبہ ہے مائیکو کے جنوب کی طرف وسطی افریقہ کے مشرق کی طرف اور برصغیر کے مغرب کی طرف کعبہ ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اصحاب شریعت اور رسالوں میں سے ہر ایک کا الگ الگ قبلہ ہے جس کی طرف وہ منہ کرتے ہیں مقررین کا قبلہ عرش ہے روحانیین کا قبلہ کرسی ہے کرومیں کا قبلہ بیت المعمور ہے انبیاء سابقین کا قبلہ بیت المقدس ہے اور آپ کا قبلہ کعبہ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ کعبہ آپ کے جسم کا قبلہ ہے اور آپ کی روح کا قبلہ میری ذات ہے اور میرا قبلہ آپ ہیں۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۱۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ کی روح کا قبلہ اللہ کی ذات ہو یہ تو متصور ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا قبلہ آپ کی ذات ہو یہ کیسے متصور ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ قبلہ سے مراد جہت عبادت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد مرکز توجہ ہے یعنی آپ کی توجہ اللہ کی طرف رہتی ہے اور اللہ کی خاص توجہ آپ کی طرف رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سوئم نیکیوں میں دوسروں سے آگے نکلو۔ (البقرہ ۱۳۸)
پانچوں نمازوں کے مستحب اوقات

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں تم دوسروں سے آگے لگنا اور یہ اس کو متصم ہے کہ ہر نیکی میں سبقت کرو۔ فقہاء شافعیہ نے اس آیت سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ نماز کو اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے امام ابوحنیفہ کے مذہب کے اعتبار سے اس آیت کی یہ توجیہ ہوگی کہ ہر نماز کو اس کے مستحب وقت میں پڑھنے میں سبقت کی جائے فجر کی نماز کا مستحب وقت ہے جب طلوع فجر کے بعد سفیدی ہو جائے ظہر کی نماز کو گرمیوں میں ٹھنڈا کر کے اور ایک مثل سائے تک موخر کر کے پڑھنا مستحب ہے عصر کی نماز کو موخر کر کے سورج کے زرد ہونے سے پہلے پڑھنا مستحب ہے مغرب کی نماز کو غروب آفتاب کے فوراً بعد جلدی پڑھنا مستحب ہے اور عشاء کی نماز کو تہائی رات تک موخر کر کے پڑھنا مستحب ہے۔

فجر کے مستحب وقت کی دلیل یہ حدیث ہے امام ترمذی روایت کرتے ہیں۔
حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفیدی پھیلنے کے بعد فجر کی نماز پڑھو اس میں زیادہ اجر ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اور حضرت عائشہ سے جو روایت ہے کہ ہم منہ اندھیرے نماز پڑھتے تھے یہ عمل اس حدیث سے منسوخ ہے نیز یہ حدیث قوی ہے اور حضرت عائشہ کی حدیث فعلی ہے اور حدیث قوی حدیث فعلی پر رائج ہے۔

گرمیوں میں ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کرنے اور ایک مثل تک موخر کرنے پر یہ دلیل ہے امام ترمذی روایت کرتے ہیں:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب گرمی شدید ہو تو نماز کو ٹھنڈا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے بھڑکنے سے ہوتی ہے۔ (جامع ترمذی ص ۵۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مؤذن ظہر کی اذان دینے لگا تو آپ نے فرمایا ٹھنڈا کرو ٹھنڈا کرو اور فرمایا گرمی کی شدت جہنم کے بھڑکنے سے ہوتی ہے سو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو حتیٰ کہ ہم نے ٹیلوں کا سایا دیکھا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۷، ۷۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل سائے تک رہتا ہے اور ایک مثل سائے سے ظہر کا وقت ختم نہیں

ہوتا۔

عصر کے مستحب وقت کے متعلق یہ حدیث ہے امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ منافق کی نماز ہے وہ سورج کو دیکھتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے تو وہ کھڑا ہو کر چار ٹھونکیں مار لیتا ہے اور اللہ کا بہت کم ذکر کرتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج کے زرد ہونے سے پہلے عصر کی نماز پڑھ لینی چاہیے اور امام حاکم روایت کرتے ہیں زیادہ بن عبد اللہ نخعی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد اعظم میں بیٹھے ہوئے تھے مؤذن نے آکر کہا: نماز یا امیر المؤمنین! آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ وہ بیٹھ گیا اس نے پھر اٹھ کر کہا: نماز یا امیر المؤمنین! آپ نے فرمایا یہ کتاب ہمیں سنت کی تعلیم دیتا ہے! پھر حضرت علی نے کھڑے ہو کر ہمیں عصر کی نماز پڑھائی پھر ہم واپس آ کر وہیں بیٹھ گئے جہاں پہلے

بیٹھے ہوئے تھے پھر ہم گھٹنوں کے بل جھک کر سورج کو غروب کے لیے اترتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ امام حاکم نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۱ ص ۱۹۳ مطبوعہ مکتبہ دارالابانہ مکہ مکرمہ) چونکہ عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے اس لیے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ عصر کی نماز تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے تاکہ نفل پڑھنے کے لیے زیادہ وقت مل سکے اس کی تائید حضرت علی کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

اور مغرب کے مستحب وقت کے متعلق یہ حدیث ہے امام ابو داؤد و روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک میری امت مغرب کی نماز کو ستاروں کے نکلنے تک مؤخر نہیں کرے گی وہ خیر پر رہے گی یا فرمایا: نیکی پر رہے گی۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۶۰ مطبوعہ مطبعہ نئی دہلی پاکستان ۱۳۰۵ھ)

اور عشاء کے مستحب وقت کے متعلق یہ حدیث ہے امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں اس کو یہ حکم دیتا کہ وہ عشاء کی نماز کو تہائی یا نصف رات تک مؤخر کرے۔

(جامع ترمذی ص ۵۱ مطبوعہ دار محمد کلاخانہ تجارت کتب کراچی)

تاہم قرآن مجید کی اس آیت سے نول وقت میں نماز پڑھنے پر استدلال کرنا ضعیف ہے کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ نیکی کرنے میں دوسروں پر سبقت کر دینی کرنے میں دوسروں سے آگے نکلنا یا بڑھ چڑھ کر نیکی کرنا جن اوقات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں پڑھی ہیں اور جن اوقات میں آپ نے نماز پڑھنے کی تلقین کی ہے اور ترغیب دی ہے ان ہی اوقات میں نماز پڑھنا مستحب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تم سب کو لے آئے گا۔ (البقرہ: ۱۳۸)

یہ آیت یا تو خاص نمازیوں کے متعلق ہے یعنی تم کعبہ کے شمال میں ہو یا جنوب میں مشرق میں ہو یا مغرب میں تم دور دراز کی مختلف جہات اور مختلف علاقوں میں جہاں سے بھی کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو گے اللہ تعالیٰ ان نمازوں کو عین کعبہ کی طرف نماز قرار دے گا۔

یہ آیت تمام لوگوں کے متعلق ہے کہ موت کے بعد تمہارے بدن کے اجزاء، خاک میں مل کر ہواؤں اور آندھیوں سے اور دیگر قدرتی آفات سے بکھر کر خواہ کہیں پہنچ جائیں اللہ تعالیٰ تمہارے ان اجزاء کو قیامت کے دن مجتمع کر دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول!) آپ جہاں سے بھی باہر نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور بے شک یہ (تحویل قبلہ) آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے۔ اس کے بعد پھر فرمایا: اور (اے رسول!) آپ جہاں سے بھی باہر نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہروں کو اس کی طرف پھیر لو تاکہ لوگوں کے لیے تمہارے خلاف کوئی حجت نہ رہے (الی قولہ) تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں اور تاکہ تم ہدایت پا جاؤ (البقرہ: ۱۵۰-۱۴۹)

کعبہ کی طرف منہ کرنے کے حکم کو تین بار ذکر کرنے کی حکمتیں

اس ربوع میں تین مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مسجد حرام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے یہ ظاہر یہ تکرار ہے لیکن حقیقت میں یہ تکرار نہیں ہے کیونکہ ہر مرتبہ اس حکم کی ایک نئی علت بیان فرمائی ہے پہلی بار اس حکم کی علت رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے اور آپ کی رضا جوئی کے لیے مسجد حرام کو قبلہ بنایا اور نماز میں اس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔ دوسری مرتبہ یہ علت بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ وہ ہر قوم کا الگ الگ قبلہ بناتا ہے جس کی طرف وہ منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں سو اس نے مسلمانوں کا قبلہ مسجد حرام کو بنایا اور اس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا اور تیسری دفعہ اس کی علت یہ بیان فرمائی تاکہ یہود مسلمانوں کے خلاف جنت قائم نہ کریں کیونکہ تخیل قبلہ سے پہلے یہود یہ کہتے تھے کہ تورات میں جس نبی کے مبعوث ہونے کے متعلق لکھا ہوا ہے اس کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے گا اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں لہذا یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کے مبعوث ہونے کی ہماری کتاب میں پیش گوئی کی گئی ہے سو مسلمانوں کو تیسری بار اسی وجہ سے مسجد حرام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تاکہ یہود مسلمانوں پر اعتراض نہ کریں

دوسری توجیہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے کے تین احوال ہیں ایک حاکم ہے کہ مسجد حرام میں نماز پڑھی جا رہی ہو دوسرا حال یہ ہے کہ مسجد حرام سے باہر شہر مکہ مکرمہ میں نماز پڑھی جا رہی ہو تیسرا حال یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے باہر کسی اور شہر میں نماز پڑھی جا رہی ہو پہلی آیت اس پر محمول ہے کہ مسجد حرام میں کعبہ کی طرف منہ کیا جائے دوسری آیت اس پر محمول ہے کہ مکہ مکرمہ میں کعبہ کی طرف منہ کیا جائے اور تیسری آیت اس پر محمول ہے کہ دیگر شہروں میں سے جہاں کہیں بھی ہوں کعبہ کی طرف منہ کیا جائے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ پہلی بار کعبہ کی طرف منہ کرنے کے حکم کے ساتھ بتایا کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کے معاملہ کا یہود انصاری کو علم ہے اور تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ہے دوسری بار اس حکم کے ساتھ فرمایا اللہ کے نزدیک کعبہ کا قبلہ ہونا برحق تھا اس لیے کعبہ کو قبلہ بنایا اور تیسری بار فرمایا: یہ حکم اس لیے ہے تاکہ اللہ تم پر اپنی نعمت پوری کر دے کیونکہ عرب اپنے تمام افعال میں اتباع ابراہیم کو پسند کرتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے اور بیت المقدس کی طرف منہ کرنے سے تنگ ہوتے تھے اس لیے کعبہ کی طرف منہ کرنا ان کے لیے نعمت تھا نیز یہ حکم ملت ابراہیم کی طرف ہدایت تھی۔

چوتھی توجیہ یہ ہے کہ پہلی بار فرمایا آپ کی رضا کے لیے کعبہ کو قبلہ بنایا دوسری بار اس لیے فرمایا کہ آپ کی رضا کے علاوہ فی نفسہ یہ تخیل برحق ہے اور تیسری بار اس لیے فرمایا کہ یہ حکم عارضی نہیں ہے دائمی ہے اور تمام زمانوں اور تمام علاقوں کے لیے ہے۔ پانچویں توجیہ یہ ہے کہ پہلی آیت تمام احوال کے لیے ہے دوسری آیت تمام علاقوں کے لیے ہے اور تیسری تمام زمانوں کے لیے ہے۔

چھٹی توجیہ یہ ہے کہ پہلی آیت حالت اختیار میں قلب اور بدن کے ساتھ تحقیقاً کعبہ کی طرف منہ کرنے پر محمول ہے دوسری آیت اشتباہ قبلہ کی صورت میں اپنے ظن کے مطابق کعبہ کی طرف منہ کرنے پر محمول ہے اور تیسری آیت حالت انتظار میں (مثلاً جب سواری پر ہو جیسے ٹرین یا جہاز) اپنے قلب کے ساتھ کعبہ کی طرف منہ کرنے پر محمول ہے۔

اور ساتویں توجیہ یہ ہے کہ تخیل قبلہ کی صورت میں پہلی بار نسخ کا حکم مسلمانوں میں متعارف ہوا اور چونکہ یہود نسخ کا انکار کرتے تھے اور اس کو ہذا کہتے تھے اس لیے یہ ایک مہتمم بالشان امر تھا لہذا اس حکم کو بار بار دہرا کر اس کی تاکید کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو تم ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو (اور کعبہ کی طرف منہ کرو) تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دو۔

(القرہ ۱۵۰)

تمام نعمت کا مصداق

یعنی یہود اور نصاریٰ تمہارے قبلہ پر جو چہ نیکیاں کرتے ہیں اور اس پر زبان طعن دراز کرتے ہیں تو تم اس سے مت ڈرو

اور مت گھبراؤ اور ان کے اعتراضات کی وجہ سے کعبہ کی طرف نہ کرنے کو ترک مت کرو بلکہ اس کو ترک کرنے کی وجہ سے میرے عذاب سے ڈرو یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ انسان ہر وقت اللہ کے عذاب کو اپنے ٹیٹھ نظر رکھے اور ہر کام کے وقت صرف یہ دیکھے کہ اس کام کے کرنے یا نہ کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے یا ناراض ہوتا ہے۔ اس آیت میں تمام نعمت کا ذکر ہے امام ترمذی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شخص کے پاس سے گزر ہوا وہ دعا کر رہا تھا اے اللہ! میں تجھ سے صبر کا سوال کرتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے بار (مصیبت) کا سوال کیا ہے اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو ایک اور شخص کے پاس سے آپ کا گزر ہوا وہ دعا کر رہا تھا اے اللہ! میں تجھ سے تمام (پوری) نعمت کا سوال کرتا ہوں آپ نے فرمایا اے ابن آدم! کیا تم جانے ہو کہ تمام نعمت کیا ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! میں نے نیکی کی توقع پر دعا کی ہے آپ نے فرمایا تمام نعمت جنت میں داخل ہونا اور جہنم سے نجات پانا ہے۔ ایک اور شخص کے پاس سے گزر ہوا وہ کہہ رہا تھا یا ذا الجلال والاكرام! آپ نے فرمایا تمہاری دعا قبول ہوگی سوال کرو۔

(جامع ترمذی ص ۵۰۸-۵۰۷ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام بخاریؒ، امام احمدؒ، امام طبرانیؒ اور امام ابن ابی شیبہؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

حافظ سیوطیؒ نے اس حدیث کا امام بیہقی کی ”کتاب الاسماء والصفات“ کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے اور علامہ عیسیٰ مقلیؒ نے بھی اس حدیث کو متعدد حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اسی طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا ہے۔ (البقرہ ۱۵۱)

اس آیت میں رسول کے بھیجنے کو تشبیہ دی گئی ہے اس کے مشبہ بہ کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں

(۱) جس طرح میں تم پر اپنی نعمت پوری کروں گا بایں طور کہ تم کو آخرت میں جنت میں داخل کروں گا اسی طرح میں نے دنیا میں تم میں سے ایک عظیم رسول بھیج کر تم پر نعمت پوری کی ہے۔

(۲) جس طرح میں نے ابراہیم کی یہ پہلی دعا قبول کر کے (اور ہماری اولاد میں سے ایک امت کو خاص اپنا فرمانبردار بنا دے) اپنی نعمت پوری کی اسی طرح ہم نے تم ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج کر اپنی نعمت پوری کی۔

(۳) جس طرح میں نے ابراہیم کی یہ دوسری دعا قبول کر کے (اے ہمارے رب! ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج دے) اپنی نعمت پوری کی اسی طرح ہم نے تم ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

(۴) جس طرح ہم نے تم کو امت وسط (افضل) بنایا اسی طرح ہم نے تم ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

(۵) جس طرح ہم نے کعبہ کو تمہارا قبلہ بنایا جو قیامت تک تمہارا قبلہ رہے گا جس کے بعد کوئی اور سمت قبلہ نہیں ہوگی اور جو آخر القبلات ہے جس طرح ہم نے تم پر یہ نعمت پوری کی ہے اسی طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ الادب المفرد ص ۱۸۸ مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل

۲۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۱ مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

۳۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۵۶-۵۵ مطبوعہ دار الادبیات التراث العربی بیروت

۴۔ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ المصنف ج ۱ ص ۲۷۰ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۲۰۰۶ھ

۵۔ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الدر المنثور ج ۲ ص ۲۱۵ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ عظمیٰ ایران

۶۔ علامہ علی مقلی بن حسام الدین حندی متوفی ۹۷۵ھ کنز العمال ج ۲ ص ۱۷۱ مطبوعہ مؤسسة الرسالة بیروت ۱۴۰۵ھ

جس کی شریعت قیامت تک جاری رہے گی جس کے بعد کوئی اور نبی مسووث نہیں ہوگا جو آخر الانبیاء ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو تم پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تم کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔
(المقرہ ۵)

دعاء ابراہیم میں تزکیہ کا مؤخر ہونا اور دعاء استجابت میں مقدم ہونا

اللہ تعالیٰ نے اس رسول کی یہ صفت ذکر کی ہے کہ وہ ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے اس میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آپ اُمی تھے اور کسی اُمی کا ایسی آیات کی تلاوت کرنا بشری طاقت سے باہر ہے جو انتہائی فصیح و بلیغ ہوں غیب کی خبروں پر مشتمل ہوں اور ان میں بنی نوع انسان کی دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح کے لیے ایک مکمل نظام حیات ہو۔

اور وہ رسول تمہارا تزکیہ کرتا ہے تزکیہ کے کئی معنی ہیں: تحسین کرنا، بڑھانا اور پاک کرنا اس رسول نے تمہاری تحسین کی ہے اور تم کو تمام امتوں میں بہترین امت قرار دیا ہے اور دن رات مؤثر تبلیغ کر کے تم کو باقی امتوں سے بڑھایا ہے اور تم کو شرک اور کفر کی آلودگی سے پاک کیا ہے اور وہ کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور حکمت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ اس آیت میں تزکیہ کتاب اور حکمت کی تعلیم پر مقدم ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں مؤخر ہے کیونکہ انہوں نے کہا، ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج دے جو ان پر تیری آیتوں کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تزکیہ کتاب اور حکمت کی تعلیم کے لیے علت غائیہ ہے اور علت غائیہ ذہن میں مقدم ہوتی ہے اور خارج میں مؤخر ہوتی ہے کتاب اور حکمت کی تعلیم کی غرض اور غایت یہ ہے کہ انسان کے ظاہر اور باطن کی اصلاح ہو لہذا جس تزکیہ اور اصلاح کے لیے تعلیم دی جاتی ہے اس سے پہلے ذہن میں اس کا تصور ہوگا پھر اس کے حصول کے لیے آیتوں کی تلاوت کی جائے گی اور کتاب اور سنت کی تعلیم دی جائے گی پھر اس کے نتیجہ میں ظاہر اور باطن کی اصلاح عمل اور وجود میں آئے گی اس آیت میں وجود ذہنی کے لحاظ سے تزکیہ کو مقدم کیا ہے اور حضرت ابراہیم کی دعا میں وجود خارجی کے لحاظ سے تزکیہ کو مؤخر کیا ہے اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قوت نظریہ کے کمال کے بعد قوت عملیہ کا کمال ہونا یا صلاح عقائد کے بعد اصلاح عمل ہونا اور ظاہر اور باطن کا نیک ہونا تزکیہ ہے۔

دعاء ابراہیم میں اور اس آیت میں رسول کی بعثت کا ذکر کیا گیا ہے اس لیے ہم یہاں نبی اور رسول کی تعریف اس کی شرائط اور ان کی تعداد کا بیان کر رہے ہیں۔

نبی اور رسول کی تعریف

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں۔

نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف کی ہوئی وحی کی تبلیغ کے لیے بھیجا ہو رسول کی بھی یہی تعریف ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ رسول وہ انسان ہے جس کے پس شریعت ہو اور اس پر کتاب نازل کی گئی ہو یا اس کے لیے پہلی شریعت کا کچھ حصہ منسوخ کیا گیا ہو۔ (مسارہ مع المسارہ ص ۲۰ مطبوعہ دار الفکر الدمشقیہ بکراں)

علامہ نقضانی نے بھی یہی دو تعریضیں لکھی ہیں پھر دوسری تعریف کے اعتبار سے رسول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے

ہیں:

رسول نبی سے خاص ہے رسول وہ ہے جس کی اپنی شریعت ہو اور اس کے پاس کتاب ہو اس پر یہ اعتراض ہے کہ حدیث میں رسولوں کی تعداد کتابوں سے زیادہ بیان کی گئی ہے اس لیے رسول کی تعریف میں یہ تاویل کی گئی ہے کہ اس کے پاس کتاب ہو یا شریعت سابقہ میں سے کچھ احکام اس کے لیے مخصوص کیے گئے ہوں جیسے حضرت یوشع علیہ السلام۔

(شرح القاصد ج ۵ ص ۶۰ مطبوعہ منشورات الرشی ابراہن ۱۴۰۹ھ)

صدر الشریعت مولانا امجد علی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عقیدہ: نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو اور رسول بشر ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ملائکہ میں بھی رسول ہیں (جیسے حضرت جبریل وغیرہ)۔

عقیدہ: انبیاء سب بشر تھے اور مرد نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔ (بہار شریعت ج ۱ ص ۹ مطبوعہ شیخ غلام علی ایڈمنسٹریشن لاہور)

نبی اور رسول کو مبعوث کرنے کی حکمتیں

رسولوں کا بھیجنا محض اللہ تعالیٰ کا بندوں پر اطف اور اس کی رحمت ہے اور اس کی بے شمار حکمتیں ہیں بعض حکمتیں حسب ذیل ہیں:

(۱) بعض احکام انسانوں کی عقل سے باوراء ہیں جیسے اللہ کا وجود اس کی وحدانیت اس کا علم اور اس کی قدرت وغیرہ اللہ تعالیٰ رسولوں کو بھیج کر اپنے بندوں کی ان امور کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا اللہ تعالیٰ کا کلام اور قیامت کے بعد جزاء اور سزا عقل از خود ان کو معلوم نہیں کر سکتی اس وجہ سے ان امور کی تعلیم کے لیے رسولوں کو بھیجا۔

(۳) ایک ہی کام بعض اوقات میں اچھا اور بعض اوقات میں بُرا ہوتا ہے مثلاً طلوع غروب اور زوال کے وقت نماز پڑھنا بُرا ہے اور باقی اوقات میں اچھا ہے یا عید اور ایام تشریق میں روزہ رکھنا بُرا ہے اور باقی اوقات میں اچھا ہے یا بعض افراد کے اعتبار سے ایک کام اچھا اور بعض افراد کے اعتبار سے بُرا ہوتا ہے جیسے کافر حربی کو قتل کرنا اچھا ہے اور مومن یا کافر ذمی کو قتل کرنا بُرا ہے اور یہ فرق نبی کے علاوہ اور کوئی نہیں بتا سکتا۔

(۴) کیا چیز کھانی حلال ہے اور کیا چیز کھانی حرام ہے اس کو بھی صرف نبی ہی بتا سکتا ہے۔

(۵) ایک شخص کے اعتبار سے نیک اور بد افعال ایک خاندان کے اعتبار سے نیک اور بد افعال اور ایک ملک اور قوم کے اعتبار سے نیک اور بد افعال نیکی اور بدی کی یہ تفصیل صرف نبی ہی بتا سکتا ہے۔

(۶) نیکی پر ابھارنے کے لیے نبیوں کا کار کے ثواب کی تفصیل اور بدی سے بچانے کے لیے بدی کے عذاب کی خبر بھی صرف نبی ہی بیان کر سکتا ہے۔

(۷) ایک فرد ایک خاندان اور ایک ملک کے حقوق اور فرائض کا تعین بھی صرف نبی ہی کر سکتا ہے۔

(۸) انسان کی قوت علمی اور قوت عملی کو کامل کر کے اس کے ظاہر اور باطن کو پاک صاف کرنا اور مزین کرنا یہ بھی صرف نبی کا منصب ہے۔

(۹) مختلف عداؤں کے فوائد اور نقصانات بیان کرنا اسی طرح مختلف صنعتوں کے اسرار بیان کرنا یہ بھی صرف نبی کا حصہ ہے۔

(۱۰) نبی کو دنیا میں بھیج کر اللہ تعالیٰ بندوں پر اپنی رحمت پوری کرتا ہے تاکہ قیامت کے دن کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ ہم اس لیے گمراہ ہو گئے کہ ہم کو کوئی بتانے والا نہیں تھا۔

نبی کی شرائط

علامہ ابن ہمام نے نبی کی حسب ذیل شرائط بیان کی ہیں:

- (۱) نبی کا مذکر ہونا شرط ہے کیونکہ مؤنث ہونا نقص ہے۔
- (۲) عقل اور خلقت کے اعتبار سے نبی اپنے زمانہ میں سب سے کامل ہو لیکن یہ کہاں بعثت کے وقت ضروری ہے کیونکہ بعثت سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے انہوں نے بعثت کے وقت لکنت کے ازالہ کے لیے دعا کی۔
- (۳) ذہانت اور رائے کی اصابت اور قوت کے اعتبار سے وہ سب سے کامل ہو کیونکہ نبی پوری قوم کے معاملات کا منتظم اور ان کی مشکلات کا مرتجع ہوتا ہے۔
- (۴) نبی کے آباء میں کوئی ایسا وصف نہ ہو جس کی وجہ سے ان کو حقیر جانا جاتا ہو اور اس کی ماں کی عفت اور پارسائی پر تہمت نہ ہو۔

- (۵) نبی کا دل سخت نہ ہو کیونکہ انسان کے باقی جسم کی سہمٹی کا مدار اس کے دل پر ہے۔
- (۶) نبی میں کوئی ایسا جسمانی عیب یا بیماری نہ ہو جس سے لوگ متنفر ہوتے ہوں جیسے برص اور جذام۔
- (۷) وہ وقار کے خلاف اور معیوب کام نہ کرتا ہو مثلاً بازاروں میں راستہ چلتے ہوئے کسی چیز کو کھانا۔
- (۸) جو پیشے لوگوں میں معیوب سمجھے جاتے ہوں جیسے حجامت بنانا نبی ایسے پیشے نہ کرتا ہو کیونکہ نبوت مخلوق میں سب سے زیادہ عزت کا منصب ہے تاکہ لوگ اس کو احترام کی نگاہ سے دیکھیں اس لیے وہ وقار کے منافی کسی متبدل پیشے میں نہ ہو۔

- (۹) نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد نبی کفر سے بالاجتماع معصوم ہو (باقی معاصی میں تفصیل ہے بعض کے نزدیک اعلان نبوت سے پہلے صغیرہ کا ارتکاب جائز ہے ہماری تحقیق یہ ہے کہ نبی نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد عموماً معصیت کے ارتکاب سے معصوم ہے ہاں بعض اوقات نسیان یا اجتہاد سے بظاہر خطا ہو جاتی ہے)۔

- (۱۰) نبی کے صدق کو ظاہر کرنے کے لیے معجزہ کا اظہار بھی شرط ہے۔

ہر نبی کے پیدائشی نبی ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق

بعض لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے لیکن مجھے اس سلسلہ میں کوئی صریح عبارت نہیں ملی قرآن مجید میں یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی بدد کرنے کا عہد و پیمان اور قول و اقرار لیا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت علم الہی میں پہلے سے متحقق تھی لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ ہر چیز کی حیثیت علم الہی میں پہلے سے متحقق ہے البتہ قرآن مجید سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ثابت ہے کہ وہ پیدائشی نبی تھے اور حضرت یحییٰ کے متعلق بھی قرآن مجید میں ہے کہ ان کو بچپن میں نبوت ملی اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی پیدائشی نبی تھے کیونکہ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا: جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(جامع ترمذی ص ۵۱۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

صدر الشریعت مولانا احمد علی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عقیدہ انبیاء علیہم السلام شرک و کفر اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لیے باعثِ فحشاء و فجور ہو جیسے کذب و خیانت و جہل و غیر ہا صفات ذمیہ سے نیز ایسے افعال سے جو جاہت اور مردت کے خلاف ہیں قبلِ نبوت اور بعدِ نبوت ہا اجماعِ معصوم ہیں اور کبار سے بھی مطلقاً معصوم ہیں اور حق یہ ہے کہ تمہارا اعتقاد سے بھی قبلِ نبوت اور بعدِ نبوت معصوم ہیں۔

(مہار شریعت ج ۱ ص ۱۱، مطبوعہ شیخ ناظم علی ایڈ سرٹیز، لاہور)

اگر ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے تو پھر قبلِ نبوت اور بعدِ نبوت کی قید بے فائدہ ہوگی اور یہ صرف صدر الشریعت کی عبارت نہیں ہے بلکہ تمام متکلمین اور مفسرین نے جہاں بھی عصمتِ انبیاء سے بحث کی ہے قبلِ نبوت اور بعدِ نبوت کی قید کا ذکر کیا ہے یہ بھی واضح رہے کہ علماء کی عبارات میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی کے متعلق یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کہ وہ پیدائشی نبی ہوتا ہے۔

نبیوں، رسولوں، کتابوں اور صحیفوں کی تعداد کی تحقیق

امام ابو نعیم اصبہانی نے اپنی سند کے ساتھ ایک بہت طویل حدیث روایت کی ہے اس موضوع سے متعلق اس روایت کا درمیانی حصہ ہم پیش کر رہے ہیں:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! انبیاء کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ایک! ا کہ چوبیس ہزار! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تین سو تیرہ! جم غفیر ہیں! میں نے کہا بہت اچھے ہیں! میں نے کہا یا رسول اللہ! پہلا نبی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: آدم! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وہ نبی مرسل ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی! پھر ان کو اپنے سامنے بنایا! پھر آپ نے فرمایا اے ابو ذر! چار نبی سریانی ہیں آدم، شیث اور خنوخ! یہ اور یس ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے خط کھینچا اور نوح! اور چار نبی عرب ہیں! ہود، صالح، شعیب اور تمہارے نبی! اے ابو ذر! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں؟ آپ نے فرمایا: سو صحیفے اور چار کتابیں! شیث پر پچاس صحیفے نازل کیے گئے! خنوخ پر تیس صحیفے نازل کیے گئے! ابراہیم پر دس صحیفے نازل کیے گئے اور موسیٰ پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کیے گئے اور تورات! انجیل! زبور اور فرقان کو نازل کیا گیا۔ (حدیث الاذنیاء ج ۱ ص ۱۶۷، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۷ھ)

اس حدیث کو امام ابن دبان نے بھی اپنی صحیح میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(موارد الظمان ص ۵۳-۵۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام احمد نے بھی دو سندوں سے اس حدیث کو حضرت ابو ذر سے روایت کیا ہے مگر اس میں تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر

ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۶-۱۷۹، مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام ابن عساکر نے بھی اس حدیث کو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(تہذیب تاریخ دمشق ج ۶ ص ۳۵۷-۳۵۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ بیروت ۱۴۰۷ھ)

حافظ البیہقی نے بھی امام احمد اور امام طبرانی کے حوالوں سے تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر کیا ہے اور اس حدیث کو ضعیف لکھا

ہے۔ (معجم الزوائد ج ۱ ص ۱۵۹، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حافظ سیوطی نے "الجامع الکبیر" میں اس حدیث کو امام ابن حبان، امام اصہبانی اور امام عساکر کے حوالوں سے لکھا ہے اور اس میں تین سو تیرہ رسولوں کا ذکر ہے۔ (جامع ۱۱ حدیث الکبیر ج ۱ ص ۲۰۶۔ ۲۰۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ) علامہ علی قنفی نے بھی اس حدیث کا حافظ سیوطی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

(کنز العمال ج ۱۶ ص ۱۳۳۔ ۱۳۴ مطبوعہ مؤسسة الرسالة بیروت ۱۴۰۵ھ)

حافظ سیوطی نے "الدر المنثور" میں لکھا ہے امام عبد بن حمید، امام حکیم نذدی نے "نوار الاصول" میں امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں امام حاکم اور امام ابن عساکر نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ انبیاء کتنے تھے؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان میں سے رسول کتنے تھے؟ فرمایا تین سو تیرہ کا جم غیر تھا اس حدیث کو امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں وارد کیا ہے اور امام ابن الجوزی نے "موضوعات" میں وارد کیا ہے اور یہ دونوں متضاد ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے نہ موضوع ہے نہ صحیح ہے جیسا کہ میں نے "مختصر الموضوعات" میں بیان کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۲۴۶ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

امام ابو یعلیٰ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میرے بھائی نبی پہلے گزرے ہیں ان کی تعداد آٹھ ہزار ہے پھر عیسیٰ بن مریم آئے پھر میں۔ (مسند ابو یعلیٰ ج ۲ ص ۱۳۳ مطبوعہ دار الماسون تراث بیروت ۱۴۰۲ھ) نیز امام ابو یعلیٰ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی مبعوث کیے چار ہزار بنو اسرائیل کی طرف اور چار ہزار باقی لوگوں کی طرف۔

(مسند ابو یعلیٰ ج ۲ ص ۱۵۷ مطبوعہ دار الماسون تراث بیروت ۱۴۰۳ھ)

امام حاکم نے اس حدیث کو حضرت انس سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۹۷ مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ) امام ابو یعلیٰ اور امام حاکم نے جن سندوں سے اس حدیث کو روایت کیا ہے ان میں ابراہیم اور یزید رقی نام کے دو راوی ہیں۔ امام ذہبی نے ان دونوں کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ضعیف راوی ہیں۔

(تحفہ المستدرک ج ۲ ص ۵۹۷ مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

علامہ بدر الدین عینی نے امام ابن حبان کی صحیح اور امام ابن مرددہ کی تفسیر کے حوالوں سے حضرت ابو ذر کی حدیث ذکر کی ہے اور امام ابو یعلیٰ اور حافظ ابوبکر اسماعیلی کے حوالوں سے حضرت انس کی روایت ذکر کی ہے اور کوئی محاکمہ نہیں کیا۔

(مدۃ القاری ج ۱۵ ص ۲۰۴ مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية مصر ۱۳۳۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حضرت ابو ذر نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں اس حدیث کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۶۱ مطبوعہ دار نشر مکتب الاسلامیہ ابوہریرہ ۱۴۰۱ھ)

حافظ ابن حجر نے امام ابو یعلیٰ اور امام حاکم کی روایت کا ذکر نہیں کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ روایت ان کے نزدیک معتبر نہیں ہے اور امام ذہبی نے اس کے ردیوں کی جو تضعیف کی ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور انہوں نے امام ابن حبان کی صحیح کو بلا تبصرہ نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک صحیح ہے اور حدیث کی تحقیق کے سلسلہ میں حافظ

ابن حجر عسقلانی بہت معتمد ہیں اس لیے یہی نتیجہ ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں

علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ دو لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ہیں

(شرح عقائد ص ۹۷ مطبوعہ محمد سعید ایڈ سنز کراچی)

علامہ پرہاروی نے لکھا ہے کہ میرا گمان ہے کہ حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ میں اس روایت سے واقف نہیں ہوں۔

(نہر اس ص ۲۳۷ مطبوعہ مکتبہ تادریہ لاہور ۱۳۹۷ھ)

میں نے اس سلسلہ میں تمام متداول کتب حدیث اور علماء کی تصانیف کو دیکھا ہے لیکن دو لاکھ کی روایت کہیں نہیں ملی حافظ ابن کثیر اور حافظ سیوطی نے اس سلسلہ میں تمام روایات کو جمع کیا لیکن دو لاکھ کی روایت ان میں نہیں ہے اور حافظ ابن کثیر اور حافظ سیوطی کے مقابلہ میں علم روایت حدیث پر علامہ تفتازانی کی نظر بہت کم ہے بلکہ علامہ تفتازانی نے کئی ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن کا کوئی وجود نہیں مثلاً یہ حدیث جس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہیں پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(شرح عقائد ص ۱۰۶ شرح مقاصد ص ۵ ص ۱۳۹)

حافظ ابن کثیر نے ان تمام احادیث کو تفصیل اور سندوں کے ساتھ لکھا ہے جن کے ہم نے حوالے دیئے ہیں اور ان سب کو ضعیف قرار دیا ہے پھر اس کے آخر میں انہوں نے لکھا ہے کہ امام احمد اور امام ابو یعلیٰ نے حضرت ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہزار یا اس سے زیادہ نبیوں کا خاتم ہوں امام احمد کی یہ سند زیادہ صحیح ہے اور اس حدیث کو امام بزار نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۲ ص ۲۵۲ مطبوعہ ادارۃ المدینہ بیروت ۱۳۸۵ھ)

ہر چند کہ حافظ ابن کثیر کی تحقیق یہی ہے لیکن زیادہ تر محدثین کا اعتماد حضرت ابو ذر کی اس روایت پر ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ (البقرہ ۱۵۲)

ذکر کی اقسام اور ذکر کے متعلق اقوال

کسی عمل کے وقت تم میرے امر اور نہی کو یاد کرو یعنی میرے حکم کے مطابق کسی کام کو کرو یا میرے منع کرنے کے مطابق کسی کام سے روکو تو میں تم کو اس عمل کی جزا سے یاد کروں گا تم مجھے عبادت اور اطاعت سے یاد کرو میں تم کو ثواب سے یاد کروں گا ایک قول یہ ہے کہ تم راحت میں مجھ کو عبادت اور دعا سے یاد کرو میں مصیبت میں تم کو عطا اور راحت سے یاد کروں گا ایک قول یہ ہے کہ تم مجھ کو سوال سے یاد کرو میں تم کو عطا سے یاد کروں گا ایک قول یہ ہے کہ تم مجھ کو توبہ سے یاد کرو میں تم کو غفور اور کرم سے یاد کروں گا تم مجھے دنیا میں یاد کرو میں تم کو آخرت میں یاد کروں گا۔

کبھی ذکر زبان سے ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنا، تسبیح کرنا، قرآن مجید کی تلاوت کرنا، دعاء اور نصیحت کرنا اور کبھی ذکر دل سے ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے دلائل پر غور و فکر کرنا (علامہ بھٹا صاحب نے لکھا ہے کہ یہ ذکر کی سب سے افضل قسم ہے احکام القرآن ج ۱ ص ۱۹۳) اللہ تعالیٰ کے احکام بجا مانے کے طریقوں پر غور کرنا اور اللہ کی مخلوق کے اسرار پر غور کرنا اور کبھی اعضاء سے ذکر ہوتا ہے جیسے اپنے جسم کے تمام اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کرنا عام مؤمنین کا ذکر زبان سے ذکر کرنا ہے امام ابن ماجہ حضرت عبد اللہ بن بسر سے روایت کرتے ہیں ایک اعرابی نے عرض کیا

یارسول اللہ! اسلام کے احکام بہت ہیں مجھے کوئی ایسی چیز بتائیے جو میں اپنے اوپر لازم کر لوں آپ نے فرمایا تم اپنی زبان کو اللہ کے ذکر سے ہمیشہ تر رہو۔ (نہیں اس ماجہ میں ۲۶۸) نیز حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب بندہ میرے ذکر سے اپنے دل کو الٹا کرے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں (نہیں اس ماجہ میں ۲۶۸)

خواص مؤمنین اور عرفین دل سے ساتھ دل رتے ہیں ان کے دل میں ہر وقت صرف اللہ کی یاد رہتی ہے اور وہ اپنے دل میں غبر کا خیال نہیں دیتے۔ ذکرہ اسل معنی ہے یاد کرنا قرآن مجید میں ہے "وَ اذْكُرْ تَبٰرَكَ اِذَا اَنْسِيْتَ" (تہفہ ۲۴) "جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کیجئے"۔ زبان سے ذکر کو بھی اس لیے ذکر کہتے ہیں کہ زبان دل کی ترجمان ہے تاہم بغیر حضور قلب کے فقط زبان سے ذکر کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے ابو عثمان سے کسی نے شکایت کی کہ ہم زبان سے ذکر کرتے ہیں مگر دل میں اس کی تلاوت محسوس نہیں کرتے انہوں نے کہا اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے کم از کم تمہارے ایک عضو کو تو اپنی اطاعت میں لگا لیا ہے۔ ابو عثمان نے ہمدی نے کہا میں اس وقت کو جانتا ہوں جب اللہ تعالیٰ مجھے یاد کرتا ہے پوچھا وہ کون سا وقت ہے؟ کہا جب میں اسے یاد کرتا ہوں۔ ذوالنون مصری نے کہا جو حقیقت میں اللہ کا ذکر کرتا ہے وہ اس کے سوا کو بھول جاتا ہے اور اللہ ہر چیز سے اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کو ہر چیز کا بدل عطا فرماتا ہے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کے ذکر سے زیادہ اور کوئی عمل اللہ کے عذاب سے نجات دینے والا نہیں ہے۔ (نہیں اس ماجہ میں ۲۶۸ الجامع احکام القرآن ج ۲ ص ۱۷۲۔ ۱۷۱) حق تو یہ تھا کہ ہم اس کو یاد کرتے رہتے اور وہ توجہ نہ فرماتا کیونکہ ہم بندے ہیں اور وہ مولیٰ ہے ہم حاجت مند ہیں اور وہ بے نیاز ہے! لیکن یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے بندہ اور مولیٰ سے قطع نظر فرما کے مساوی سلوک کی دعوت دی آؤ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا لیکن ہم اس کے ساتھ مساوی سلوک پر بھی تیار نہیں ہم اس کو یاد نہیں کرتے اور جانتے ہیں کہ وہ ہمیں یاد رکھے ہماری ہر ضرورت پوری کرے کے ہماری ہر دعا قبول کرے۔ "وَقَالُوا لَوْلَا اللّٰهُ حَقَّقَ قَدْرَ بَکَا" (انعام ۹۱) ہو اسراہیل سے فرمایا "اَذْكُرُوا نِعْمَتِيْ" (البقرہ ۴۰) "میری نعمت کو یاد کرو" اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے فرمایا۔ "فَاذْكُرُوْنِيْ" (البقرہ ۱۵۲) "میری ذات کو یاد کرو" ان کے نبی اللہ کی صفت کے مظہر تھے تو انہیں صفت کو یاد کرنے کا حکم دیا ہمارے نبی اللہ کی ذات کے مظہر تھے تو ہمیں ذات کو یاد کرنے کا حکم دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور میرا شکر ادا کرتے رہو اور میری ناشکری نہ کرو (البقرہ ۱۵۲)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کر کے میرا شکر ادا کرو اور معصیت کر کے میری ناشکری نہ کرو اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ میری نعمتوں کا اعتراف کر کے میری حمد و ثناء کرو۔ شکر کا معنی یہ ہے کہ انسان نعمت دینے والے کا احسان مند ہو اس کے احسان کی قدر کرے اس کی دی ہوئی نعمت کو اس کی مرضی کے مطابق استعمال کرے اور وہ اپنے منعم اور اپنے محسن کا وفا دار رہے اور کفران نعمت یہ ہے کہ یا تو انسان سرے سے اپنے محسن کا احسان ہی نہ مانے اور اس نعمت کو اپنی ذاتی قابیلیت یا کسی اور کی عنایت یا سفارش کا نتیجہ سمجھے یا اس کی دی ہوئی نعمت کی ناندری کرے اور اس کو ضائع کر دے یا منعم کی تعظیم نہ کرے یا اس کی نعمت کو اس کی مرضی کے خلاف استعمال کرے یا اس کے احسانات کے باوجود اس سے بے وفائی اور غداری کرے اس قسم کے کفر کو ہماری زبان میں بالعموم احسان فراموشی، شک نراہی، غداری اور ناشکری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد طلب کرو بے شک اللہ تعالیٰ

الصَّابِرِينَ ﴿١٥٣﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ

میر کرنے والوں کے ساتھ ہے O اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کو مردہ مت کہو بلکہ

أَحْيَاءُ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿١٥٤﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ

وہ زندہ ہیں لیکن تم (ان کی زندگی کا) شعور نہیں رکھتے O اور البتہ ہم تم کو کچھ ڈر

وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ﴿١٥٥﴾ وَبَشِّرِ

بھوک اور (تمہارے) مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان میں ضرور جٹا کرے گا اور ان صبر

الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا

کرنے والوں کو بشارت دیجئے O جن کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور

إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ

بے شک ہم اللہ ہی کی طرف ادا کرنے والے ہیں O یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے خصوصی نوازیں ہیں اور رحمت ہے اور

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَدَوِّنُونَ ﴿١٥٧﴾

یہی لوگ ہدایت پر ثابت قدم ہیں O

رابطہ آیات

اس آیت میں دو وجہوں سے صبر کا حکم دیا ہے ایک تو اس وجہ سے کہ کعبہ کو قبلہ بنانے پر یہودی اعتراضات کرتے تھے اور مسلمانوں کو طعن دیتے تھے اس سے مسلمانوں کو جو اذیت پہنچتی تھی اس پر صبر کرنے کا حکم دیا دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ حکم ہر قسم کی عبادات کو بجالانے کے حکم کو مضمّن ہے اور عبادات میں جو مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے اس پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے اور تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس سے پہلی آیت میں شکر کرنے کا حکم دیا ہے اور نعمت ملنے پر شکر کیا جاتا ہے سو اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جس طرح نعمت ملنے پر اللہ کا شکر کرنا لازم ہے اسی طرح نعمت زائل ہونے پر صبر کرنا واجب ہے۔

صبر کے ساتھ ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے کیونکہ مصائب ٹونے پر صبر کے ساتھ ساتھ نماز سے بھی مدد حاصل ہوتی ہے امام احمد اپنی سند کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مصیبت پہنچتی تو آپ نماز پڑھتے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۸ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

صبر اور نماز کے معانی ہم سورہ بقرہ کی آیت ۴۵ میں بیان کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں اس کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن ہم (ان کی زندگی کا) شعور نہیں رکھتے ○ (البقرہ: ۱۵۴)

اللہ کے نزدیک موت اور حیات کا معنی اور شان نزول

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ
بَلْ أَعْيَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۚ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ
مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ
أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے ○ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے وہ اس پر خوش ہیں اور آپے بعد کے مسلمانوں کے متعلق جو ان سے ابھی

(آل عمران ۱۷۰-۱۶۹)

کولی خوف و کانہ، مسکین سوں سے ○

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو زمین پر چلتا پھرتا ہو وہ زندہ ہے اور جو زمین کے نیچے دفن ہے وہ مردہ ہے، لیکن اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک زندہ وہ ہے جس کی زندگی اللہ کی راہ میں ہر روز زمین کے اوپر و زمین کے نیچے کے نیچے ہو پھر بھی زندہ ہے اور جس کی زندگی لہو و لعب اور کفر میں بسر ہو وہ زمین سے اوپر بھی مردہ ہے اور زمین سے نیچے بھی مردہ ہے اسی لیے فرمایا "إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى" (اہل ۸۰) "آپ مردوں کو تو نہیں سنا تے" کافر زمین پر چلتے پھرتے تھے ان کو مردہ فرمایا اور شہید زمین کے نیچے دفن ہو گئے لیکن ان کو زندہ فرمایا۔

امام رازی سورہ بقرہ کی اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ یہ آیت شہداء بدر کے متعلق نازل ہوئی ہے جنگ بدر کے دن چودہ مسلمان شہید ہوئے تھے چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے مہاجرین میں سے عبیدہ بن حارث، عمر بن ابی وقاص، ذوالشمالین، عمرو بن نفیلہ، عامر بن بکر اور نجیح بن عبد اللہ اور انصار میں سے سعید بن خنیس، قیس بن عبد اللہ، زید بن حارث، تقیم بن حمام، رافع بن معلیٰ، حارث بن سراقہ، معوذ بن عفرہ، اور عوف بن عفرہ، اس وقت لوگ یہ کہتے تھے کہ تلاں مر گیا اور فلاں مر گیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ راہ خدا میں مرنے والوں کو مردہ نہ کہو اس آیت کے شان نزول میں دوسرا قول یہ ہے کہ کفار اور منافقین یہ کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رضا کی خاطر مسلمان بے فائدہ اپنے آپ کو قتل کر رہے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

برزخ میں حیات کا بیان

اس آیت میں شہداء کی حیات کو بیان کیا گیا ہے قبر میں حیات کئی قسم کی ہے

حیات کی ایک قسم برزخی حیات ہے یہ حیات ہر مومن اور کافر کو حاصل ہے دو چیزوں کے درمیان حد اور حجاب کو برزخ کہتے ہیں اور یہاں برزخ سے مراد موت سے لے کر قیامت تک کا وقت ہے قرآن مجید میں ہے

وَمِنْ دَرَجَاتٍ لَهُمْ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ○

(المومنون ۱۰۰) میں وہ اٹھائے جائیں گے ○

حیات برزخی پر دلیل یہ ہے کہ کافروں اور فاسقوں پر قبر میں عذاب ہوتا ہے اور نیک مسلمانوں کو قبر میں ثواب ہوتا ہے اور

حیات کے بغیر عذاب اور ثواب متصور نہیں ہے انسان کا جسم تو کچھ عرصہ بعد گل سڑ جاتا ہے اور ہڈیاں بھی ریزہ ریزہ ہو کر خاک ہو جاتی ہیں پھر عذاب اور ثواب کیا صرف روح کو ہوتا ہے؟ اس میں تحقیق یہ ہے کہ انسان کے بدن کے اسلی جز کو اللہ تعالیٰ ہر حال میں قائم رکھتا ہے اور اس جز کے ساتھ روح متعلق ہو جاتی ہے اور عذاب اور ثواب کا ترتیب روح اور بدن کے اس جز پر ہوتا ہے لیکن دنیاوی احکام میں یہ مردہ ہوتے ہیں۔

اولیاء اللہ کی جسمانی حیات کا بیان

اولیاء اللہ کو قبر میں جسمانی حیات حاصل ہوتی ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ امام ترمذی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بندہ مومن جب خورشیدوں کے سوال کا صحیح جواب دے دیتا ہے تو اس کی قبر میں ستر در ستر وسعت کر دی جاتی ہے اور فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ اس عروس (دلہن) کی طرح سو جا جس کو اس کے محبوب اہل (زوج) کے سوا کوئی بیدار نہیں کرتا حتیٰ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو اس قبر سے اٹھائے۔ (جامع ترمذی ص ۱۷۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بندہ مومن قیامت تک قبر میں سوتا رہے گا اور سونا حیات کی فرع ہے اور جب کہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ قبر میں بالعموم مسلمانوں کے اجسام گل سڑ جاتے ہیں اس لیے اس حدیث کو خواص مومنین یعنی اولیاء اللہ پر محمول کیا جائے گا اور اولیاء اللہ کی قبر میں حیات کے متعلق بہ کثرت نقول موجود ہیں۔ شیخ رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے کہ اولیاء کرام بھی بحکم شہداء ہیں اور مشمول آیت ”بل احياء عند ربهم“ (البقرہ ۱۶۹) کے ہیں۔

(فتاویٰ رشیدیہ کمال ہوب ص ۸۷ مطبوعہ محمد سعید ایڈ سنز کراچی)

علامہ قرطبی بیان کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ ثواب کی نیت سے اذان دینے والا اس شہید کی طرح ہے جو اپنے خون میں لتھڑا ہوا ہو اگر وہ مر گیا تو اس کی قبر میں کیزے نہیں پڑیں گے۔ اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو مومن ثواب کی نیت رکھتا ہو اس کو بھی زمین نہیں کھاتی۔ یہ حدیث اولیاء اللہ کی جسمانی حیات پر واضح دلیل ہے۔

شہداء کی حیات کا بیان

شہداء کی حیات بھی جسمانی ہے جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت ۷۰ میں ذکر ہے شہداء کو رزق بھی دیا جاتا ہے اور سورہ بقرہ کی اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم ان کی حیات کا شعور نہیں رکھتے جتنی تم اپنے حواس سے ان کی حیات کا ادراک نہیں کر سکتے بایں طور کہ ہم ان کو رزق کھاتا ہوا دیکھیں یا چلتا پھرتا ہوا دیکھیں جس طرح ہم دنیا میں اور زندہ لوگوں میں آثار حیات دیکھتے ہیں اس طرح شہداء میں ہم کو آثار حیات دکھائی نہیں دیں گے لیکن شہداء بھی دنیاوی احکام میں مردہ ہیں کیونکہ ان کی شہادت کے بعد ان کی بیویوں سے عدت پوری ہونے کے بعد نکاح کرنا جائز ہے اور ان کا ترکہ ان کے وارثوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

شہادت کے بعد بعض جسموں کے تغیر سے ان کی حیات پر معارضہ کا جواب

حیات شہداء پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ہم کئی بار میدان جنگ میں مسلمان مقتولین کو دیکھتے ہیں چند دن گزرنے کے بعد ان کا جسم پھول اور پھٹ جاتا ہے اور اس سے بدبو آنے لگتی ہے قبروں میں ان کا جسم ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور ان کی ہڈیاں بوسہ ہو جاتی ہیں اور یہ جسمانی حیات کے منافی ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو میدان جہاد میں مقتول

۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد علی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لفظ لفظ فی انوار المرقیہ ص ۱۱۸ آخر ص ۱۶۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

ہوئے لیکن ان کی نیت صحیح نہیں تھی یہ لوگ صرف روری کمانے کے لیے فوج میں بھرتی ہوئے ان کے دلوں میں اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے جان دینا یا راہ خدا میں قتل ہونے کا جذبہ نہیں تھا اس لیے وہ جو میدان جہاد میں مارے جانے کے یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہید نہیں تھے اس لیے ان کو جسمانی حیات سے بھی نہیں نوازا گیا۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی نے حاضر ہو کر کہا: رسول اللہ! ایک شخص مال غنیمت کی خاطر لڑتا ہے ایک شخص نام آوری کے لیے لڑتا ہے اور ایک شخص اظہار شجاعت کے لیے لڑتا ہے ان میں سے اللہ کے لیے لڑنے والا کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے جہاد کرے وہی (در حقیقت) اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۹، مطبوعہ نور محمد مع المطابع، راپڑی ۱۳۷۵ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک شخص دنیا کو حاصل کرنے کے لیے جہاد کا ارادہ کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔

اور جن مسلمانوں کی نیت صحیح ہوتی ہے ان کو شہادت کے بعد جسمانی حیات حاصل ہوتی ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے امام مالک روایت کرتے ہیں کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے:

حضرت عمرو بن الجموح انصاری اور حضرت عبداللہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہما کی قبروں کو سیلاب نے اکھاڑ دیا تھا ان کی قبریں سیلاب کے قریب تھیں یہ دونوں ایک قبر میں مدفون تھے یہ دونوں جنگ احد میں شہید ہوئے تھے ان کی قبر کھودی گئی تاکہ ان کی قبر کی جگہ تبدیل کی جاسکے جب ان کے جسموں کو قبر سے نکالا گیا تو ان کے جسموں میں کوئی تغیر نہیں ہو تھا یوں لگتا تھا جیسے وہ کل فوت ہوئے ہوں ان میں سے ایک زخمی تھا اور اس کا ہاتھ اس کے زخم پر تھا اس کو اسی طرح دفن کیا گیا تھا اس کے ہاتھ کو اس کے زخم سے ہٹا کر چھوڑا گیا تو وہ پھر اپنے زخم پر آ گیا جنگ احد اور قبر کھودنے کے درمیان چھیالیس (۳۶) سال کا عرصہ تھا۔ (موطا امام مالک ص ۲۸۲-۲۸۳، مطبوعہ مطبع مجاہد پاکستان لاہور)

امام بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۲ ص ۵۸-۵۷، مطبوعہ نشرات المان)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کالمین کو اصلی جسم کے ساتھ حیات عطا کی جائے اور عام مسلمانوں کو اس جسم معروف کے ساتھ حیات عطا نہ کی جائے بلکہ جسم مثالی کے ساتھ حیات عطا کی جائے۔ اس مسئلہ کو زیادہ تفصیل اور تحقیق کے ساتھ ہم نے ”شرح صحیح مسلم“ جلد خامس میں بیان کیا ہے۔

سبز پرندوں میں شہید کی روح کے متمثل ہونے سے تنازع کا جواب

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام مالک امام احمد اور امام ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ اور امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہداء کی روہیں سبز پرندوں کے پوتوں میں ہوتی ہیں وہ جنت کے پھلوں یا درختوں پر ہوتے ہیں۔

امام عبدالرزاق نے ”مصنف“ میں حضرت عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہداء کی روہیں سبز پرندوں کی صورتوں میں جنت کی قدیلوں سے سعلق ہوتی ہیں حتیٰ کہ قیامت کے دن اللہ انہیں (ان کے بدنوں میں) لوٹا دے گا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۱۵۵ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

امام عبدالرزاق کی اس ثانی الذکر روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ شہادت کے بعد شہید کی روح کا سبز پرندہ کی صورت میں متسل ہو جانا بعینہ تنازع ہے اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ تنازع انکار معاد پر مبنی ہے اور اس حدیث میں معاد کو یاں کیا گیا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور زیادہ قوی اول الذکر حدیث ہے جس کی صحت کی امام زہدی نے تصریح کی ہے اور اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں ہے کیونکہ شہید کی روح پرندہ کے پونے میں حلول نہیں کرتی بلکہ پرندہ میں اپنی روح ہوتی ہے اور شہید کی روح بہ منزل سوار اور پرندہ اس کی سواری ہے اور اس روح کا اپنے اصل جسم یا جسم مثالی کے ساتھ تعلق قائم رہتا ہے لہذا یہ حدیثیں شہید کی جسمانی حیات کے منافی نہیں ہیں اور ان سے تنازع ثابت نہیں ہوتا۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات کا بیان

انبیاء علیہم السلام کی حیات بھی قبر میں جسمانی ہے اور یہ سب سے اعلیٰ افضل اور قوی حیات ہے اور انبیاء علیہم السلام دنیاوی احکام میں بھی زندہ ہوتے ہیں ان کی وفات کے بعد ان کی میراث تقسیم نہیں کی جاتی اور وفات کے بعد ان کی ازواج مطہرات سے کسی شخص کے لیے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے:

قُلْنَا قُتِبْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتُ مَاذَا لَكُمْ عَلَىٰ صُورِهِ إِلَّا
كَآبَةٌ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَاتَهُ قُلْنَا اخْرُجْكَ مِنَ الْجَنَّةِ
أَنْ تَكُونَ مِنَ الْعَابِدِينَ مَا لَيْتُوا فِي الْعَذَابِ الْمُبِينِ
(سہا، ۱۳)

تو جب ہم نے سیمان پر موت کا حکم نافذ کر دیا تو جنات کو ان کی موت پر سوائے زمین کی دیمک کے کسی نے مطلع نہیں کیا جو سیمان کے عصا کو کھاتی رہی پھر جب سیمان زمین پر آ رہے تو جنوں پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اگر وہ غیب جانتے

ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں نہ پڑے رہتے O

حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں سے مسجد بیت المقدس کی تعمیر کی تجدید کر رہے تھے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو موت سے وقت سے مطلع کر دیا تو آپ نے جنوں کو نقشہ بنا کر دیا اور خود ایک شیشہ کے مکان میں دروازہ بند کر کے عصا سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے عبادت الہی میں مشغول ہو گئے اسی حالت میں فرشتے نے روح قبض کر لی اور آپ کا جسم مبارک اس عصا کے سہارے کھڑا رہا اور کسی کو آپ کی وفات کا احساس نہ ہوا۔ وفات کے بعد مدت دراز تک جن بہ دستور تعمیر کرتے رہے جب تعمیر پوری ہو چکی تو وہ عصا دیمک کے گھن گانے کی وجہ سے گر پڑا تب سب کو آپ کی وفات کا حال معلوم ہوا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ جنوں کو غیب کا علم نہیں ہوتا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء پر موت طاری ہونے کے بعد ان کا جسم بیخ سلامت رہتا ہے پھولنے پھٹنے، گلنے اور سڑنے سے محفوظ رہتا ہے لیکن ان کی جسمانی حیات کی کیفیت ہمارے دائرہ احساس اور شعور سے خارج ہے۔ عصا میں جب گھن لگ گیا اور وہ زمین پر گر گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم مبارک بھی زمین پر آ رہا تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی ہوتی ہے لیکن اس پر دنیاوی حیات کے آثار مرتب نہیں ہوتے ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم اپنے قیام میں عصا کا محتاج نہ ہوتا اور عصا گرنے کے باوجود آپ کا جسم مبارک قائم رہتا۔ انبیاء علیہم السلام زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور جوان سے دعا کی درخواست کرتے ہیں ان کی شفاعت کرتے ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے مشاہدہ اور مطالعہ میں مستغرق رہتے ہیں اور احوال برزخ پر بھی نظر رکھتے

ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے کائنات میں تصرف بھی کرتے ہیں لیکن یہ تمام امور تشبہات میں سے ہیں، اسوایہ نہیں ہیں جیسے دنیا میں کسی انسان سے صادر ہوتے ہیں ان کی کیفیت ہم ایسے عام لوگوں کے دائرہ ادراک اور شعور سے خارج ہے احادیث میں بھی انبیاء علیہم السلام کی جسمانی حیات اور ان کے جسمانی تصرفات پر دلیل ہے امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی ازرق میں گزرے آپ نے فرمایا یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا یہ وادی ازرق ہے آپ نے فرمایا گویا کہ میں (حضرت موسیٰ کو دیکھ رہا ہوں وہ یاد از بلند تلبیہ پڑھتے ہوئے اس وادی سے اتر رہے ہیں پھر آپ وادی ہرثی سے گزرے آپ نے فرمایا یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا یہ وادی ہرثی ہے آپ نے فرمایا گویا کہ میں (حضرت یونس بن متی کی طرف دیکھ رہا ہوں وہ ایک سرخ رنگ کی فرب اوٹنی پر سوار ہیں جس کی بہار کھجور کی چھال کی ہے انہوں نے ایک ادنیٰ جبہ پہنا ہوا ہے اور وہ "اللھم لیسک" کہتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۲، مطبوعہ دار محمد صالح المنجد، کراچی ۱۴۲۵ھ)

علامہ نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام حج اور تلبیہ کس طرح کرتے ہیں حالانکہ وہ وفات پا چکے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام بہ منزلہ شہداء ہیں بلکہ ان سے افضل ہیں اور شہداء اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں اس لیے ان کا حج کرنا اور نماز پڑھنا بعید نہیں ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۹۳، مطبوعہ دار محمد صالح المنجد، کراچی ۱۴۲۵ھ)

شیخ عثمانی لکھتے ہیں: انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اس لیے ان کے حج کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے (ابن قولہ) اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ آپ نے ان کی روح کو دیکھا تھا آپ کے لیے ان کی روحوں کو اس طرح متشکل کر دیا گیا جس طرح شب معراج انبیاء علیہم السلام کی روحوں کو متشکل کر دیا گیا تھا اور ان کے اجسام قبروں میں تھے علامہ ابن خیر وغیرہ نے کہا اللہ تعالیٰ نبی کی روح کے لیے ایک جسم مثالی بنا دیتا ہے پھر وہ جس طرح خواب میں دکھائی دیتے ہیں اسی طرح بیداری میں دکھائی دیتے ہیں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۲۰، مطبوعہ مکتبۃ المجاز، کراچی)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا اس وقت وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۸، مطبوعہ دار محمد صالح المنجد، کراچی ۱۴۲۵ھ)

نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے آپ کو انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت میں پایا میں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کے بال قبیلہ تنوہ کے لوگوں کی طرح گھنگریالے تھے اور اس وقت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے عروہ بن مسعود ثقفی ان سے بہت مشابہ ہیں اور اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور تمہارے نبی ان کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہیں پھر نماز کا وقت آیا اور میں نے ان سب نبیوں کی امامت کی۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۶، مطبوعہ دار محمد صالح المنجد، کراچی ۱۴۲۵ھ)

عدامہ نووی لکھتے ہیں

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے کیسے دیکھا تھا؟ حالانکہ آپ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی اور آپ نے ان کو آسمانوں میں بھی اپنے اپنے مراتب میں دیکھا اور ان کو سلام کیا اور انہوں نے آپ کو خوش آمدید کہا اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں بیت المقدس جانے ہوئے آسمانوں پر چڑھنے سے پہلے دیکھا ہو پھر حضرت موسیٰ آپ سے پہلے آسمان پر پہنچ گئے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کو پہلے نماز پڑھائی ہو اور پھر ان کو آسمانوں پر دیکھا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مدبرہ النستیٰ سے واپسی کے بعد آپ نے انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائی ہو اور حضرت موسیٰ کو دیکھا ہو۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۹۶ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد کراچی ۱۴۲۵ھ)

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام جمیع انبیاء میں اس کے قبل بیت المقدس میں بھی مل چکے ہیں اور اسی طرح وہ اپنی قبر میں بھی موجود ہیں اور اسی طرح بقیہ سنوآت میں جو انبیاء علیہم السلام کو دیکھا سب جگہ یہی سوال ہوتا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ قبر میں تو اصلی جسد سے تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات پر ان کی روح کا تمثیل ہوا ہے یعنی غیر عنصری جسد سے جس کو صوفیہ جسم مثالی کہتے ہیں روح کا تعلق ہو گیا اور اس جسد میں تعدد بھی اور ایک وقت میں روح کا سب کے ساتھ تعلق بھی ممکن ہے لیکن ان کے اختیار سے نہیں بلکہ محض بقدرت و مشیت حق۔ (نثر الیوم ص ۶۵-۶۴ مطبوعہ تاج کہنی لمینڈ کراچی)

اللہ تعالیٰ کی قدرت تو کل کلام نہیں ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس قسم کے اختیار عطا فرماتا

ہے۔

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے دنوں میں جمعہ کا دن سب سے افضل ہے اس دن مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارے درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر ہمارا درود کس طرح پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ کا جسم بوسیدہ ہو چکا ہوگا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسم کھانے کو حرم کر دیا ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۴ مطبوعہ مطبعہ نبی پکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت بھی کوئی شخص مجھ پر سلام پیش کرتا ہے اس وقت اللہ نے مجھ پر روح لوٹائی ہوئی ہوتی ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۷۹ مطبوعہ مطبعہ نبی پکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

حیات انبیاء پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے گرنے سے معارضہ کے جوابات

قرآن مجید میں ذکر ہے کہ وفات کے بعد عصا کا سہارا نہ ہونے کی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم زمین پر آ رہا اور احادیث صحیحہ میں وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا نمازیں پڑھنا حج کرنا سلام کا جواب دینا اور باتیں کرنا مذکور ہے۔ ان میں توفیق اور تطبیق کی حسب ذیل صورتیں ہیں۔

(۱) عام انسانوں اور جنات کی نظروں میں انبیاء علیہم السلام کے اجسام پر وفات کے بعد آثار حیات نہیں ہوتے۔ ان میں آثار حیات کا مشاہدہ صرف اللہ اور انبیاء علیہم السلام ہی کر سکتے ہیں۔

(۲) انبیاء علیہم السلام کے اجسام غصریہ میں جس اور حرکت ارادی کے آثار نہیں ہوتے البتہ اس کی روح سے ساتھ اجسام مثالیہ کو متعلق کر دیا جاتا ہے اور تصرف کے جس قدر واقعات کا ذکر احادیث میں ہے یہ سب اجسام مثالیہ ہیں۔

(۳) وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کے اجسام کے احوال مختلف ہوتے ہیں بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو ظاہر کرنے کے لیے ان سے آثار حیات کو سلب فرما دیتا ہے (جیسے حضرت سیدنا علیہ السلام کے ائقہ میں جنوں سے دعویٰ مسلم غیب کو رد کرنا مقصود تھا یا ان کی وفات ظاہر کر کے اس کی تمہیز و تمییز اور ان کو قبر میں دفن کرنا تھا) اور بعض اوقات اپنی رحمت کو ظاہر کرنے کے لیے ان کے اجسام میں آثار حیات جاری فرما دیتا ہے جیسے ہمارے نبیؐ پیدائش صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور شان ظاہر کرنے کے لیے شب معراج آپ کی ائقہ میں سب نبیوں سے نمز پڑھوائی اور عبادت میں ان کا شغف ظاہر کرنے کے لیے وفات کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں نماز پڑھنا اور حج کرتا ہوا دکھایا۔

وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کے دکھائی دینے کی کیفیت کا بیان

امام غزالی لکھتے ہیں:

صوفیاء کی پہلی منزل مکاشفات اور مشاہدات سے شروع ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ بیداری میں فرشتوں کا اور ارواح انبیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کی آوازیں سنتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔

(المکمل من المصالح ص ۵۰ مطبوعہ بیت الوقاف لاہور ۱۹۷۱ء)

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

آیا ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت آپ کے جسم اور روح کے ساتھ ہوتی ہے یا جسم مثالی کے ساتھ؟ امام غزالی نے کہا ہے کہ اگر باب احوال آپ کے جسم اور روح کو نہیں دیکھتے بلکہ مثال کو دیکھتے ہیں (علامہ سیوطی فرماتے ہیں) آپ کی ذات مبارک کی جسم اور روح کے ساتھ زیارت ممکن نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور آپ سب کی روحیں آپ کے جسموں میں لوٹا دی گئی ہیں اور تمام انبیاء کو اپنی قبروں سے باہر آنے کا اور تمام کائنات میں تصرف کرنے کا اذن دیا گیا ہے اور امام بیہقی نے حیات انبیاء میں ایک رسالہ لکھا ہے اور ”دلائل النبوة“ میں لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام شہداء کی طرح اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ (الذی للمعادنی ص ۲۳۲ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رشیدیہ بیروت)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح دکھائی دیتی ہے یاں طور کہ وہ مختلف صورتوں میں دکھائی دیتی ہے اور اس کا تحقق زندہ اور ساتھ باقی رہتا جیسا کہ جبرائیل علیہ السلام حضرت وحیہ کلبی کی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پاس حاضر ہوتے تھے اور سدرۃ المنتہی سے جدا نہیں ہوتے تھے اور یا آپ کا جسم مثالی دکھائی دیتا ہے جس کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح متعلق ہوتی ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ بے شمار اجسام مثالیہ ہوں اور ان سب کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح واحد متعلق جیسا کہ ایک جسم کے متعدد اعضاء کے ساتھ روح واحد متعلق ہوتی ہے۔ (روح المعانی ص ۳۲۷ مطبوعہ دارالاندلس اسلامیہ بیروت)

شیخ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

میرے نزدیک بیداری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ممکن ہے کیونکہ منقول ہے کہ علامہ سیوطی نے بائیس مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ سے چند احادیث کی صحت کے متعلق سوال کیا اور آپ کے تیج فرمانے سے بعد ان احادیث کو صحیح لکھا اور علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ انہوں نے آپ کی بیداری میں زیارت کی اور آٹھ ساتھیوں کے ساتھ آپ سے

”بخاری“ پڑھی جن میں سے ایک حنفی تھا (فیض الہدی ج ۱ ص ۲۰۲ مطبوعہ مطبعہ رحیمی ممبئی ۱۱۵۷ھ)

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبور مبارکہ میں اپنے جسد غصری کے ساتھ زندہ ہیں اور اپنی عبادت اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے مشاہدہ میں مشغول ہیں اس پر اعمال نیش کیے جاتے ہیں ایک اعمال دیکھ کر وہ اللہ کی حمد کرنے ہیں اور دوسرے اعمال دیکھ کر امت کے لیے استغفار کرتے ہیں اور انہی اللہ اور خاص خاص بندگان خدا ان کی زیارت سے مستفید ہوتے ہیں ان کا کلام سنتے ہیں اور وہ اپنی قبروں سے باہر بھی آنے ہیں اور زمین اور آسمان میں جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں ایک وقت میں کئی جگہ بھی تشریف لے جاتے ہیں اس وقت اس کی روح کئی صورتوں میں منسلک ہوتی ہے یا ایک وقت میں کئی جگہ ان کے اجسام مثالیہ نظر آتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حاضر ناظر کہا جاتا ہے اس کا یہی مفہوم ہے حاضر ناظر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اپنے جسم معروف اور جسد غصری کے ساتھ ایک وقت میں ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔

شہید کا معنی

شہید کا معنی گواہ اور حاضر ہے۔ اللہ کی راہ میں مارے جانے والے کو شہید کہتے ہیں اس کو شہید اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے لیے جنت کی شہادت دی گئی ہے ایک قول یہ ہے کہ اللہ کے فرشتے اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں ایک قول یہ ہے کہ مرنے کے فوراً بعد شہید کی روح جنت میں حاضر ہو جاتی ہے جب کہ دوسروں کی روہیں فوراً جنت میں نہیں جاتیں ایک قول یہ ہے کہ شہید راہ خدا میں جان دے کر اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اس نے خدا سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ
بِأَنَّهُمْ لَفِي جَنَّةٍ ۖ (التوبہ: ۱۱)

اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ہی کو خوب علم ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوتا ہے۔

شہداء کی تعداد کا بیان

جو شخص دین کی سربلندی کے لیے راہ خدا میں مارا جائے وہ حقیقتہً شہید ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے علاوہ بھی چند مرنے والوں کو شہید فرمایا ہے ہم نے ”شرح صحیح مسلم“ جلد خامس میں احادیث کے حوالوں سے بیٹا لبس شہداء کا ذکر کیا ہے۔ علامہ قرطبی نے بھی اپنی کتاب ”الذکرہ“ میں احادیث کے حوالوں سے بعض شہداء کا ذکر کیا ہے ہم اس میں سے یہاں ان شہداء کا ذکر کر رہے ہیں جن کا ذکر ”شرح صحیح مسلم“ میں نہیں ہے۔

علامہ قرطبی ”الذکرہ“ میں لکھتے ہیں:

امام آجری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس! اگر ہو سکے تو تم ہمیشہ با وضو رہو کیونکہ ملک الموت جس بندہ کی روح قبض کرے اور وہ اس وقت با وضو ہو اس کے لیے شہادت لکھ دی جاتی ہے۔

امام شعبی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے پاشت کی نماز پڑھی ہر ماہ تین روزے رکھے اور سفر اور حضر میں وتر کو ترک نہیں کیا اس کے لیے شہادت کا اجر لکھ دیا جاتا ہے اس حدیث کو امام ابو نعیم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

امام حکیم ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا ہر شخص کے

پاس کوئی نہ کوئی ایسا پسندیدہ جانور ہونا ہے جس کے ذبح کرنے سے وہ انکار کرتا ہے اور اللہ کی بھی ایک ایسی مخلوق ہے جس کو ذبح کرنے سے وہ انکار ہے کچھ لوگ بستروں پر مرتے ہیں اور ان کے لیے شہداء کا اجر تفہیم کیا جاتا ہے۔ ان تین قسموں کو ملانے کے بعد شہداء کی تعداد اڑتالیس ہوگئی۔

شہید کے متعلق فقہی احکام

علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

جس شخص کو مشرکین قتل کر دیں یا جو میدان جنگ میں مردہ پایا جائے اور اس پر زخموں کے تان ہوں یا جس کو مسلمان ظلماً قتل کر دیں اور اس کے قتل کرنے پر ان پر دیت واجب نہ ہو وہ شہید ہے اس کو کفن دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا کیونکہ وہ شہداء احد کے معنی میں ہے جن کے اتفاق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں ان کے زخموں اور خون میں لپیٹ دو اور ان کو غسل نہ دو (یہ حدیث غریب ہے صحیح حدیث یہ ہے امام بخاری حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے دن فرمایا انہیں ان کے خون کے ساتھ دفن کر دو اور ان کو غسل نہیں دلوایا۔ ج ۱ ص ۱۷۹)۔

ہر وہ شخص جو کسی دھار والے آلہ کے ساتھ قتل کیا گیا ہو بہ شریک وہ ظاہر ہو (جنسی نہ ہو) اور بالغ ہو اور اس کے قتل کی وجہ سے کوئی مال عوض واجب نہ ہو وہ شہداء احد کے معنی میں ہے اور وہ ان کے ساتھ احق ہو گا امام شافعی شہید کی نماز جنازہ میں ہماری مخالفت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں اس کا تلوار سے مارا جانا اس کے گناہوں کا کفارہ ہے ہذا وہ نمازیوں کی شفاعت سے مستغنی ہے ہم کہتے ہیں کہ میت پر نماز پڑھنا اس کی تعظیم اور توقیر کے اظہار کے لیے ہے اور شہید اس توقیر کے زیادہ احق ہے اور جو گناہوں سے پاک ہو وہ مسلمانوں کی دعا سے مستغنی نہیں ہوتا جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور بچوں کے لیے دعا کی جاتی ہے اور جس مسلمان کو اہل حرب یا باغی پاؤں کو قتل کر دیں خواہ وہ اس کو کسی چیز سے بھی قتل کریں اس کو غسل نہیں دیا جائے گا کیونکہ تمام شہداء احد کو تلوار اور ہتھیاروں سے قتل نہیں کیا گیا تھا۔ (ہدایہ اولین ص ۱۸۳ مطبوعہ مکتبہ شرکت ملیہ بلقان)

شہید کی نماز جنازہ پڑھی جانے کے متعلق فقہاء احناف کی دلیل یہ حدیث ہے

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عتبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی پھر آپ منبر کی طرف لوٹ گئے اور فرمایا میں تمہارا پیش رو ہوں اور تمہارے حق میں گواہ ہوں اور بے شک بہ خدا میں ضرور اس وقت اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں اور مجھے تمام روئے زمین کے خزنوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں اور بے شک بہ خدا! مجھے تم سے اندیشہ نہیں ہے کہ تم (سب) میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے تم سے یہ اندیشہ ہے کہ میرے بعد تم دنیا میں رغبت کرو گے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۹ مطبوعہ نور محمد اسع الطائیف کراچی ۱۳۸۱ھ)

علم اور شعور کا فرق

اس آیت میں فرمایا ہے تم شہداء کی حیات کا شعور نہیں رکھتے۔ حواس سے ادراک کرنے کو شعور کہتے ہیں اور عقل سے ادراک کرنے کو علم کہتے ہیں۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں "لا تشعروں" کا معنی ہے تم حواس سے ادراک نہیں کرتے اور "لا تشعروں" کی جگہ "لا تعقلون" کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ کئی ایسی چیزیں ہیں جن کا حواس سے ادراک نہیں ہوتا لیکن

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ قمری ۱۸۲ھ ۱۸۰ھ مطبوعہ دار الکتب العصریہ ۱۴۰۷ھ

عقل سے اس کا ادراک ہو جاتا ہے۔ نیز غیب اسفہانی لکھتے ہیں کسی شے کی حقیقت کا ادراک کرنا علم ہے اور علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم عقل سے حاصل ہوتا ہے اور دوسرا خبر سے (المعربات ص ۲۳۳ مطبوعہ المکتبۃ لمرتنویہ ایران ۱۳۳۲ھ) علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

علم صاحب عقل کی وہ صفت ہے جس سے اس کے لیے ذکر کی ہوئی چیز منکشف ہو جائے اور فرشتوں انسانوں اور جنوں کے لیے علم کے تین اسباب ہیں حواس سلیمہ خبر صادق اور عقل۔ (شرح عقائد ص ۹۰-۹۱ مطبوعہ محمد سعید ایران کتب خانہ) علامہ شمس الدین خیالی علامہ تفتازانی پر اعتراض کرتے ہیں:

حواس کے ادراک کو علم میں شمار کرنا عرف اور لغت کے خلاف ہے کیونکہ عرف اور لغت میں بہائم (حیوانات) ذاتی العلم نہیں ہیں۔ (حاشیہ خیالی ص ۲۲ مطبوعہ روشنی فرنگی علی لکھنؤ)

علامہ خیالی کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کیونکہ علامہ تفتازانی نے انسانوں کے لیے حواس کو علم کا سبب بنایا ہے مطلقاً حواس کو علم کا سبب نہیں کہا۔

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے۔ (حفظ ایمان ص ۷۷ مطبوعہ مکتبہ النہادیہ دیوبند دہلی)

اس عبارت پر حسب ذیل اعتراضات ہیں:

(۱) اس عبارت میں حیوانات اور بہائم کے ادراک پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے حالانکہ حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق بھی صحیح نہیں ہے چہ جائیکہ حیوانات کے ادراک پر علم غیب کا اطلاق کیا جائے۔

(۲) مکتب فکر دیوبند کی تعلیم کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر بھی علم غیب کا اطلاق جائز نہیں بلکہ عطی غیب کو بھی انہوں نے کفر لکھا ہے شیخ سرفراز نے لکھا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کرنے والا کافر اور مشرک ہے۔ (نصل ازلہ ارباب ص ۳۸) پھر جانوروں کے لیے علم غیب ثابت کرنے کا کیا حکم ہوگا؟

(۳) تھانوی صاحب کی اس عبارت سے لازم آتا ہے کہ آپ کو علم بھی نہ کہا جائے کیونکہ کل علم آپ کو حاصل نہیں اور بعض میں آپ کی تخصیص نہیں۔

(۴) عام لوگوں کو جن بعض غیوب کا علم ہوتا ہے (جیسے جنت دوزخ وغیرہ) یہ بعض قللیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جن بعض غیوب کا علم ہے وہ بعض کثیر ہے۔ آپ کے علم کے سامنے تمام مخلوق کا علم ایسا ہے جیسے قطرہ سمندر کے سامنے ہو اور اللہ کے مقابلہ میں آپ کے علم کی وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ اور سمندر میں ہے کیونکہ قطرہ اور سمندر میں محدود کی نسبت محدود کی طرف ہے اور آپ کے اور اللہ کے علم میں محدود کی نسبت لامحدود کی طرف ہے اور بعض قلیل کی بناء پر وصف کا اطلاق نہیں ہوتا اور بعض کثیر کی بناء پر وصف کا اطلاق ہوتا ہے مثلاً ہر مسلمان کو دین کے بعض مسائل کا علم ہے لیکن اس کو عالم نہیں کہتے اور عالم دین کو عالم کہتے ہیں حالانکہ اسے بھی کل مسائل کا علم نہیں ہوتا بعض مسائل ہی کا علم ہوتا ہے لیکن اس

کو چونکہ بعض کثیر کا علم ہوتا ہے اس لیے اس کو عالم کہتے ہیں۔ باقی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم الغیب کا اطلاق کرنا ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے ہرچند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء الہی سے غیب کا سہم ہے لیکن چونکہ عرف اور شرع میں عالم الغیب کا لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے آپ کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے جیسا کہ آپ میں برکت اور بلندی کا معنی پایا جاتا ہے اس کے باوجود محمد تبارک و تعالیٰ کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ عرف اور شرع میں تبارک و تعالیٰ اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اور البتہ ہم تم کو کچھ خوف بھوک اور (تمہارے) مالوں جانوں اور بچوں کے نقصان میں ضرور بتانا کریں گے۔ (البقرہ ۱۵۵)

دنیا میں مصائب پیش آنے کی وجوہات

خوف سے مراد دشمنوں کا خوف ہے بھوک سے مراد قحط ہے مالوں کے نقصان سے مراد موسیٰوں کا مرجانا حادثاتی طور پر فصلوں کا تباہ ہو جانا اور گاڑیوں کا ٹکراؤ سے برباد ہو جانا ہے روپے پیسے وغیرہ کا لٹ جانا بھی اس میں شامل ہے جانوں کے نقصان سے مراد دوستوں اور رشتہ داروں کی موت ہے اور ثمرات کے نقصان سے مراد اولاد کی موت ہے اولاد پر ثمرات کا اطلاق مجاز مشہور ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسوی اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کسی بندہ کا بچہ مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے تم نے میرے بندہ کے بچہ کی روح قبض کر لی وہ کہتے ہیں ہاں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم نے میرے بندے کے دل کے ثمرہ پر قبضہ کر لیا وہ کہتے ہیں ہاں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ نے (اس پر) کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں تیری حمد کی اور انا لله واما الیہ راجعون پڑھا! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

(جامع ترمذی ص ۱۶۶ مطبوعہ دار محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

دنیا میں لوگوں کا جو حادثات اور قدرتی آفات سے جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے دوسری قسم مکافات عمل اور کفارت ذنوب ہے کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کو کسی جانی اور مالی نقصان سے دوچار کیا ہوتا ہے اور وہ شخص اس پر صبر کر لیتا ہے تو اللہ اس کی طرف سے بدلہ لیتا ہے اور اس کو بھی جانی اور مالی نقصان میں مبتلا کر دیتا ہے اور بعض اوقات یہ جانی اور مالی نقصان آدمی کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں اور اس کے گناہوں میں تخفیف ہو جاتی ہے یا وہ بالکل گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کو جب بھی کائنات چھنے کی یا اس سے بھی کم کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کو جب بھی کوئی تھکاوٹ یا جسمانی درد لاحق ہوتا ہے یا کوئی غم پیش آتا ہے یا کوئی بیماری لگتی ہے یا کسی چیز کا اندیشہ اور خوف دامن گیر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۱۵۸ مطبوعہ دار محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اور مکافات عمل کے نتیجہ میں جو مصائب پیش آتے ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے

وَمَا أَصَابَكُمْ مَقْرَنٌ مِّنْ مَّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ آيَاتُكُمْ
يَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ (الشوریٰ ۳۰)

اور جو مصیبت تمہیں پہنچی تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کی
کماٹی کے سبب پہنچی اور وہ تمہاری بہت سی خطاؤں کو معاف فرما

دیتا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور ان صبر کرنے والوں کو بشارت دیجئے O جن کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں بے
شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں O (البقرہ ۵۶-۵۷)

صبر کے معانی اور مصیبت پر صبر کرنے کی فضیلت

صبر کے معنی ہیں۔ نفس کو روکنا اور کسی چیز کو برداشت کرنا حرام اور فحش کاموں کی ترغیب اور تحریک کے وقت اپنے نفس کو
گناہ سے روکنا صبر ہے۔ فرائض واجبات اور سنن کی ادائیگی میں مشقت کو برداشت کرنا اور نفس کو آرام طلبی اور عبادت نہ کرنے
سے روکنا بھی صبر ہے۔ لوگوں کی اذیت رسانی پر اپنے آپ کو انتقام لینے سے روکنا بھی صبر ہے اور مصیبت پہنچنے پر وادہ پلا کرنے
اور شکوہ اور شکایت کرنے سے خود کو روکنا بھی صبر ہے اور اس آیت میں یہی مراد ہے۔

جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچے یا اس سے کوئی نعمت چلی جائے تو وہ اس پر غور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کے مقابلہ
میں لاکھوں نعمتیں اس کو دی ہوئی ہیں اگر یہ ایک نعمت جاتی رہی تو کیا غم ہے اور اس کی دی ہوئی اور لاکھوں نعمتیں موجود ہیں پھر
جب اس نے خود ہی ایک دن اس دنیا سے چلے جانا ہے تو اس ایک نعمت کے چلے جانے سے کب فرق پڑے گا۔

امام غزالی لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں اپنے بندوں
میں سے کسی بندے کے بدن یا مال یا اولاد میں کوئی مصیبت بھیجتا ہوں پھر وہ اس پر صبر جمیل کرتا ہے تو میں قیامت کے دن اس
کے لیے میزان قائم کرنے یا اس کا نامہ اعمال کھولنے سے حیا کرتا ہوں۔ (کامل ابن عدی)

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل نے فرمایا۔ اے
جبرائیل! اس شخص کی کیا جزا ہے جس کی بینائی کو میں سلب کر لوں اور وہ اس پر صبر کرے؟ انہوں نے کہا۔ اے اللہ! تو پاک ہے
ہمیں صرف اس چیز کا علم ہے جس کا تو نے ہمیں علم عطا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی جزا میرے گھر میں ہمیشہ رہنا ہے
اور میرا دیدار کرنا ہے۔ (صحیح بخاری، معجم وسط، کامل ابن عدی، ابوہیثم)

امام مالک "موطا" میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا اللہ عزوجل فرماتا ہے جب میں اپنے بندہ کو کسی مصیبت میں مبتلا کروں اور وہ اس پر صبر کرے اور اپنے عیادت کرنے
والوں سے میری شکایت نہ کرے تو میں اس کے گوشت کو بہتر گوشت سے اور اس کے خون کو بہتر خون سے بدل دیتا ہوں اور
جب میں اس کو صحت مند کرتا ہوں تو اس کا کوئی گناہ نہیں رہتا اور اگر میں اس کو وفات دوں تو وہ میری رحمت کی طرف ہے۔

(احیاء العلوم ج ۳ ص ۴۴۲، مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۴۱۳ھ)

"اَنَا لِلَّهِ وَاَنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ" پڑھنے کی فضیلت

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کو ایک ایسی چیز دی
گئی ہے جو پہلی امتوں میں سے کسی کو نہیں دی گئی وہ مصیبت کے وقت "اَنَا لِلَّهِ وَاَنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ" پڑھنا ہے۔

(مجم کیرج ۱۲ ص ۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام مسلم روایت کرتے ہیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ جب مسلمان پر کوئی مصیبت آئے اور وہ اللہ کے حکم کے مطابق "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ" سے اور پکارے اسے اللہ اس مصیبت پر اجر عطا فرما اور مجھے اس کا بہتر بدل عطا فرمائے تو اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس سے بہتر بدل عطا فرمایا (حضرت ام سلمہ کے سابق شوہر) فوت ہو گئے تو میں نے سوچا ابو سلمہ سے ستر اور دس دنانیر میں لکھنے سے بہت پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی تھی بہر حال میں نے یہ دعا پڑھ لی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا عقد کر دیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۰۰ مطبوعہ نور محمد ریح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

حافظ بیوطی بیان کرتے ہیں امام بزار نے سند ضعیف کے ساتھ اور امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کی رکی ٹوٹ جائے تو وہ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ" پڑھے کیونکہ یہ بھی مصائب میں سے ہے۔

امام عبد بن حمید اور امام ابن ابی الدنیا نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغ بجھ گیا تو آپ نے فرمایا: "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ" آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا یہ مصیبت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! سروہ چیز جو ممکن کو ایذا دے وہ اس کے لیے مصیبت ہے اور اس میں اس کے لیے اجر ہے۔ امام ابن ابی الدنیا اور امام بیہقی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں جس شخص میں چار خصائص ہوں اللہ تعالیٰ حنت میں اس کا گھر بنا دیتا ہے جو اللہ سے اپنی (جان اور مال کی) حفاظت کرے اور جب اس کو مصیبت پہنچے تو "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ" پڑھے اور جب اس کو کوئی چیز دی جائے تو الحمد للہ کہے اور جب وہ کوئی گناہ کرے تو استغفر اللہ کہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۵۷-۱۵۶ مطبوعہ مکتبۃ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوات ہیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت پر ثابت قدم ہیں O (البقرہ: ۱۵۷)

صلوٰۃ کا معنی اور غیر انبیاء پر صلوٰۃ بھیجنے کی شرعی حیثیت

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

اکثر اہل لغت نے کہا ہے کہ صلوٰۃ کا معنی دعا ہے اور تبریک اور تمجید ہے جب اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر صلوٰۃ پڑھے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں پر صلوٰۃ پڑھیں تو اس کا معنی ان کو پاک اور صاف کرنا ہے اور جب فرشتے صلوٰۃ پڑھیں تو اس کا معنی دعا اور استغفار ہے۔ (السرقات ص ۲۸۵ مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۲۲ھ)

علامہ آوسی نے نقل کیا ہے کہ صلوٰۃ کا معنی تعریف اور ثناء کرنا ہے اور تعظیم کرنا ہے

(روح المعانی ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یعنی اللہ تعالیٰ مصیبت پر صبر کرنے والوں کی تعریف کرنا ہے یا ان کے باطن کو پاک اور صاف کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلمانوں پر صلوٰۃ بھیجنا ان کے باطن کو پاک اور صاف کرنے کے معنی میں ہے اور امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک امت کے لیے غیر نبی پر مستقل صلوٰۃ بھیجنا جائز نہیں ہے یعنی "اللھم صل علی ابی بکر" کہنا جائز نہیں ہے اور سلام بھیجنا جائز ہے "السلام علی ابی بکر" کہنا صحیح ہے۔ علامہ خفاجی حنفی نے اس کو بھی مکروہ تنزیہی کہا ہے۔ (نیم ریاض ج ۳ ص ۵۱۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انبیاء کے علاوہ اور کسی پر صلوٰۃ نہ بھیجی جائے۔

(سُف ۱۶۶) راقی ج ۲ ص ۲۶۶) علامہ نووی نے کہا ہے کہ عرف میں صلوٰۃ کا لفظ انبیاء کے ساتھ خاص ہو چکا ہے اس لیے غیر نبی پر صلوٰۃ نہیں بھیجی جائے گی اس مسئلہ کو ہم نے ”شرح صحیح مسلم“ ج ۲ ص ۱۰۷۸ میں بہت تفصیل سے لکھا ہے

مروجہ ماتم کی شرعی حیثیت

اس آیت میں مصیبت کے آنے پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور کسی پیر کا امر اس کی ضد کی حرمت کو تسلیم ہوتا ہے اس لیے صبر کرنا حرام ہے۔

نہی روایت کرتے ہیں:

ابو عبد اللہ علیہ السلام یہاں کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مصیبت کے وقت مسلمان کا اپنے ہاتھ کو اپنے زانو پر مارنا اس کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے۔ (الترغیب من الکافی ج ۲ ص ۱۲۳ مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ قم ۱۳۹۱ھ)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا صبر بہ قدر مصیبت نازل کیا جاتا ہے جس شخص نے مصیبت کے وقت اپنا ہاتھ اپنے زانو پر مارا اس کا عمل ضائع کر دیا جاتا ہے۔ (نسخ ابلاغ ص ۱۲۹ مطبوعہ انتشارات زرین ایران)

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ امام حسین نے میدان کربلا میں جانے سے پہلے اپنی بہن حضرت زینب کو یہ وصیت کی۔ اے میری معزز بہن! میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ جب میں اہل جفا کی تلوار سے عالم بقا میں رحلت کر جاؤں تو گریبان چاک نہ کرنا چہرے پر خراشیں نہ ڈالنا اور دواؤں کا استعمال نہ کرنا۔ (طبع ۱۳۵۳ھ فارسی) مطبوعہ کتاب روضۃ اسلامیہ ایران)

”شرح صحیح مسلم“ جلد اول (طبع خامس) میں ہم نے مروجہ ماتم کے حرام ہونے پر بہت دل غل پیش کیے ہیں اور اہل تشیع کے تمام شہادت کا ازالہ کیا ہے۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَبَّ الْبَيْتَ أَوْ

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں سو جس نے بیت اللہ کا حج یا

اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا

عرہ کیا اس پر ان دونوں کا طواف (سہی) کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے اور بے شک جس نے خوشی سے کوئی (نفل) نیکی کی

فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ۝۱۵۸ **إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنْ**

تو بے شک اللہ جزا دینے والا خوب جاننے والا ہے O بے شک جو دُک ہمارے نازل کیے ہوئے

الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ إِلَيْكَ

روشن دلائل اور ہدایت کو چھپاتے ہیں جب کہ ہم ان کو لوگوں کے لیے کتاب میں بیان کر چکے ہیں تو یہی وہ

يُكْفَرُ عَنْهُمْ اللَّهُ وَيُكْفَرُ عَنْهُمْ اللَّهُ ۝۱۵۹ **إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا**

لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت فرماتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں O البتہ جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی

وَيَذَرُوا أَفْوَاجًا وَلِيَكِ أَثْرُوبٌ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾

اور (چھپائی ہوئی باتوں کو) ظاہر کر دیا تو میں ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں توبہ قبول فرمانے والا بڑا مہربان ہوں O

ربط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ پر اعتراضات کے جواب دیئے اور مخالفین کے اعتراضات اور طعنوں کی وجہ سے مسلمانوں کو جو اذیت پہنچی تھی اس پر صبر کرنے کا حکم دیا اور فرمایا تھا کہ صبر کرنے والوں پر اللہ کی رحمت ہے اور وہ ہدایت پر ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ کا ذکر شروع کیا کیونکہ اس سے پہلے نمازوں میں کعبہ کو قبلہ بنانے کا حکم تھا اور اب حج اور عمرہ کے ذریعہ کعبہ کی زیارت اور اس کے گرد طواف کا حکم دیا نیز اس سے پہلے صبر کا حکم تھا اور صبر کرنے میں نفس کو مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور اب حج اور عمرہ کا ذکر کیا ان میں جسم کو مشقت اٹھانی پڑتی ہے نیز اس سے چند آیات پہلے بناء کعبہ کا ذکر تھا اور یہ فرمایا تھا کہ ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو یہ حکم دیا تھا کہ میرے بیت (کعبہ) کو طواف کرنے والوں اعتکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو اور بناء کعبہ کا سب سے عظیم مقصد حج اور عمرہ ہے اور طواف کے ذکر میں ان کی طرف اشارہ ہے سو یہاں صراحت حج اور عمرہ کا ذکر فرمایا نیز اس سے پہلے حضرت ابراہیم کی اس دعا کا ذکر تھا کہ ہمیں مناسک (احکام حج) بتاؤ اب حج اور عمرہ کے احکام میں سے صفا اور مروہ کی سعی کا حکم بیان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

صفا اور مروہ کے معنی

صفا اور مروہ کعبہ کے سامنے دو پہاڑیاں ہیں۔ صفا کے معنی ہیں چکنا پتھر اور مروہ کے معنی ہیں سفید اور ملائم پتھر ایک قول یہ ہے کہ صفا کے معنی ہیں صاف اور خالص اور مروہ کے معنی ہیں: چھوٹے چھوٹے پتھر۔ ایک قول یہ ہے کہ صفا کو اس لیے صفا کہتے ہیں کہ اس پر حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے اور مروہ کو اس لیے مروہ کہتے ہیں اس پر ان کی امراۃ (بیوی) بیٹھی تھیں۔

”شعائر“ ”شعيرة“ کی جمع ہے۔ ”شعيرة“ کا معنی علامت ہے اور ”شعائر اللہ“ کا معنی ہے اللہ کے دین کی علامتیں اور خصوصیات اور وہ اعمال جن کو اللہ نے عبادت اور دین کی علامتیں قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کا طواف (سعی) کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (البقرہ ۱۵۸)

حج اور عمرہ کا لغوی اور شرعی معنی

حج کا لغوی معنی ہے قصد اور اس کا شرعی معنی ہے بیت اللہ کی زیارت کا قصد کرنا۔ زندگی میں ایک بار حج کرنا فرض ہے۔ اسلام حریت عقل بلوغ اور حج کی استطاعت حج کی فرضیت کے لیے شرط ہیں۔ وقوف عرفات اور طواف زیارت حج میں فرض ہیں۔ حج کے واجبات یہ ہیں، میقات یا اس سے پہلے احرام باندھنا، غروب آفتاب تک میدان عرفات میں رہنا، وقوف مزدلفہ صفا اور مروہ میں دوڑنا، شیطان کو منیٰ میں کنگریاں، نا سرمنڈنا، تالیا بال کٹنا اور غیر ملکی کے لیے طواف وداع کرنا۔ حج میں یہ کام ممنوع ہیں عمل زوجیت بال کٹنا، ناخن کاٹنا، خوتنبو لگانا، سر اور چہرہ ڈھانپنا، سلا بوا کپڑا پہننا، کسی دوسرے محرم کا سر مونڈنا، حل اور حرم میں شکار کے درپے ہونا۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۲۱۔ ۲۲۰ مطبوعہ مکتبہ ذریعہ رضویہ، تھانہ)

علامہ شرنبلالی نے لکھا ہے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم عرفہ افضل الايام سے اور

جب یہ دن جمعہ کا ہو تو یہ ترجیوں سے افضل ہے۔ (مراقی الملاح ص ۳۳۵ مطبوعہ مطبعہ مصلیٰ البابی والدودہ مصر ۱۳۵۶ھ)
علامہ زبیدی لکھتے ہیں: اس حدیث کو رزین بن معادیہ العبدری نے "تجرید الصحاح" میں طلحہ بن عبید اللہ کرزین سے روایت کیا ہے اور اس پر موطا کی علامت ہے لیکن یہ حدیث یحییٰ بن یحییٰ کی موطا میں نہیں ہے کسی اور موطا میں ہے۔

(اتحاد المادۃ الختفین ج ۳ ص ۲۷۳ مطبوعہ مطبعہ مصر ۱۳۳۸ھ)

میں نے "شرح صحیح مسلم" جلد ثالث میں بڑی تفصیل اور تحقیق سے لکھا ہے کہ جمعہ کے دن اگر حج ہو تو اس کا ثواب تیرے زیادہ ہوتا ہے اور یہ حج اکبر ہے۔ کتاب الحج کے آخر میں میں نے دعا کی اے اللہ! مجھ کو بھی حج اور عمرہ کی سعادت عطا فرما۔ یہ دعا ۱۹ جمادی الثانیہ ۱۳۰۸ھ میں کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے تین سال بعد مجھے عمرہ کی سعادت عطا کی اور ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۱ھ کو بروز جمعہ میں نے عمرہ کیا اور اس کے تین سال بعد ۱۳۱۴ھ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے حج کی نعمت عطا کی اور یہ حج بھی جمعہ کے روز تھا اور حج اکبر تھا۔ اللہ العالمین! جس طرح آپ نے میری یہ دعا قبول فرمائی ہے میری باقی دعائیں بھی قبول فرماتا۔

علامہ شربلالی لکھتے ہیں: عمرہ کا لغوی معنی ہے زیارت اور اس کا شرعی معنی ہے بیت اللہ کی زیارت کرنا عمرہ کرنا سنت ہے۔ اس میں میقات سے احرام باندھنا کعبہ کا طواف کرنا صفا اور مردہ میں سعی کرنا اور صبح یا قصر کرنا واجب ہے اور احرام باندھنا شرط ہے اور طواف کا اکثر حصہ فرض ہے۔ (مراقی الملاح ص ۳۳۵ مطبوعہ مطبعہ مصلیٰ البابی والدودہ مصر ۱۳۵۶ھ)
شوال میں عمرہ کرنے والے پر استطاعت کے بغیر حج فرض ہونے کی تحقیق

ہمارے زمانہ میں یہ مشہور ہے کہ جس شخص نے پہلے حج نہ کیا ہو وہ اگر ماہ شوال میں عمرہ کرے تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے خواہ اس کے پاس ایام حج تک وہاں ٹھہرنے اور کھانے پینے کی استطاعت نہ ہو اور خواہ اس کے پاس وہاں ٹھہرنے کے لیے سعودی عرب کا ویزا نہ ہو اگر وہ حج کیے بغیر واپس آ گیا تو اس کے ذمہ حج فرض ہو گا اس پر ازم ہے کہ وہ کسی سے قرض لے کر یا کسی بھی طرح حج کرے اگر اس نے حج نہیں کیا اور مر گیا تو گناہ گار ہو گا۔

یہ فتویٰ قرآن حدیث و فقہ کے صراحۃ خلاف ہے قرآن مجید میں ہے

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ

اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ اس کے گھر کا حج کریں جو

سَبِيْلًا ط (آل عمران ۹۷)

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ استطاعت کے بغیر حج فرض نہیں ہوتا استطاعت کی تفسیر میں صدر الشریعہ مولانا امجد علی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

سفر خرچ اور سواری پر قادر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ چیزیں اس کی حاجت سے فاضل ہوں یعنی مکان لباس خادم اور سواری کا جانور اور پیشہ کے اوزار اور خانہ داری کے سامان اور دین (قرض) سے اتنا آزاد ہو کہ سواری پر مکہ معظمہ جائے اور وہاں سے سواری پر واپس آئے اور جانے سے واپسی تک عیال کا نفقہ اور مکان کی مرمت کے لیے کافی مال چھوڑ جائے اور جانے آنے میں اپنے نفقہ اور گھر اہل و عیال کے نفقہ میں قدر متوسط کا اعتبار ہے نہ کمی نہ اسراف۔ خیال سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا نفقہ اس پر واجب ہے۔ (درمختار عالمگیری) (ماہ شریعت ج ۲ ص ۱۰۱ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ لاہور)

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ شوال میں عمرہ کرنے والے جس شخص کے پاس حج کرنے تک مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے اور

طعام کی استطاعت نہیں ہے اس پر حج فرض نہیں ہے۔

امام دارمی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو حج کرنے سے کوئی ظاہری حاجت (طعام قیام اور سفر خرچ کی کمی) مانع نہ ہوئی نہ ظالم بادشاہ نہ کوئی ایسی بیماری جو حج سے مانع ہو وہ شخص اس حال میں مرجائے کہ اس نے حج نہ کیا ہو تو خواہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ (نس دارمی ص ۲۶۰، مشرقیہ اشراقیہ ص ۱۸۱)

اس حدیث کو حافظ منذری^۱ اور صدر الشریعہ^۲ نے بھی ذکر کیا ہے۔

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ظالم بادشاہ کے منع کرنے سے بھی حج فرض نہیں ہوتا اور جو شخص شوال میں واپسی کا پیرا لے کر عمرہ کرنے گیا ہے اس کو سعودی حکام مکہ میں قیام کرنے سے منع کرتے ہیں وہ لوگوں کی تلاشی پیتے رہتے ہیں اور جو پکڑا جائے اس کو پہلے گرفتار کر کے سزا دیتے ہیں پھر واپس اس کے ملک بھیج دیتے ہیں اس لیے شوال میں عمرہ کرنے والے پر حج کہ فرض کہنا اس حدیث کے بھی خلاف ہے نیز جو ادارہ آدمی کسی کی طرف سے حج بدل کرتا ہے وہ حج کے ایام میں مکہ نہ پہنچ جاتا ہے اگر صرف حج کے ایام میں مکہ پہنچ جانے سے حج فرض ہو جاتا ہے تو حج بدل کرنے والے ادارہ پر بھی حج فرض ہونا چاہیے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے نیز شوال حج کا مہینہ ہے اور فقہاء نے لکھا ہے کہ حج کے مہینوں میں صرف عمرہ کرنا جائز ہے "عالم گیری" میں لکھا ہے:

المهرد بالعمرة يحرم للعمرة من الميقات
او قبل الميقات في اشهر الحج او في غير اشهر
الحج. (عالم گیری ج ۱ ص ۲۳۷، مطبوعہ مطبع امیر یہ کبریٰ بوناق
مصر ۱۳۱۰ھ)

صرف عمرہ کرنے والے میقات سے عمرہ کا احرام باندھنے
یا میقات سے پہلے حج کے مہینوں میں یا حج کے مہینوں کے

اور اس جگہ یہ نہیں لکھا کہ جو شخص حج کے مہینوں میں صرف عمرہ کرے اس پر حج لازم ہو جاتا ہے حالانکہ موضع البیان میں بیان کرنا لازم ہوتا ہے۔ میں نے اس مسئلہ میں بعض علماء کا فتویٰ دیکھا انہوں نے شوال میں عمرہ کرنے پر حج فرض ہونے سے متعلق "عالم گیری" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ اور اس کے گرد رہنے والوں پر حج فرض ہو جاتا ہے خواہ ان کو سواری پر قدرت نہ ہو بشرطیکہ وہ خود چل سکتے ہوں۔ اول تو ہمارا کلام اس شخص کے بارے میں ہے جو یہاں سے عمرہ کے لیے جائے کیونکہ حج کرنے تک رہائش اور کھانے کی استطاعت اسی سے متعلق ہے مکہ میں رہنے والوں کے لیے رہائش کی استطاعت کا مسئلہ نہیں ہے ثانیاً انہوں نے فتویٰ میں "عالم گیری" کی آدھی عبارت نقل کی ہے "عالم گیری" کی پوری عبارت کا ترجمہ اس طرح ہے:

"یابح" میں مذکور ہے اہل مکہ اور تین دن کی مسافت سے کم اس کے گرد رہنے والوں پر حج کرنا واجب ہے جب کہ وہ چلنے پر قوت رکھتے ہوں خواہ ان کو سواری پر قدرت نہ ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ ان کے پاس دستور کے مطابق طعام کی اتنی مقدار ہو جو ان کے اہل و عیال کے لیے واپس آنے تک کے لیے کافی ہو اسی طرح "السراج الوہاج" میں ہے۔

(عالم گیری ج ۱ ص ۲۳۷، مطبوعہ مطبع امیر یہ کبریٰ بوناق مصر ۱۳۱۰ھ)

۱ حافظ ذی الدین عبد العزیز بن عبد القوی المذہبی لکھنؤی ۱۲۵۶ھ التزیب والتریب ج ۲ ص ۲۱۱، مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ ۱۳۰۷ھ

۲ مولانا مولوی علی محمد امجدی متوفی ۱۳۷۶ھ بہار شریعت ج ۶ ص ۹، مطبوعہ مکتبۃ رشیدیہ علی گڑھ

نور فرمائیے! جب اہل مکہ اور اس کے گرد رہنے والوں پر بھی واپس آنے تک طعام کی استطاعت کے بغیر حج فرض نہیں ہے تو دور دراز کے علاقوں سے مکہ مکرمہ پہنچنے والوں پر رہائش اور طعام کی استطاعت کے بغیر حج کیسے فرض ہوگا۔
اس فتویٰ میں دوسری دلیل یہ لکھی ہے کہ اگر کسی شخص پر استطاعت کی وجہ سے حج فرض تھا اور اس نے حج نہیں کیا، مگر اس کا مال تلف ہو گیا تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ قرض لے کر حج کرے خواہ وہ وفات تک اس قرض کی ادائیگی پر قادر نہ ہو اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قرض کے ادا نہ کرنے کی وجہ سے اس سے مواخذہ نہیں فرمائے گا جب کہ اس کی نیت یہ ہو کہ وہ قادر ہونے پر اس قرض کو ادا کر دے گا۔ (در مختار ج ۲ ص ۱۴۰)

یہ عبارت ہمارے بحث سے خارج ہے کیونکہ یہ عبارت اس شخص کے متعلق ہے جس پر مالی استطاعت کی وجہ سے حج فرض ہو چکا ہو اور اس نے حج نہ کیا ہو اور پھر اس کا مال تلف ہو گیا ہو اور ہماری گفتگو اس شخص کے بارے میں ہے جس کے پاس حج کر کے واپس آنے تک رہائش اور طعام کے لیے اپنے اور اپنے عیال کا خرچ نہیں ہے، سو ظاہر ہے اس پر حج فرض ہوا ہی نہیں، نیز علامہ شامی نے لکھا ہے کہ جس پر حج فرض تھا اس نے حج نہیں کیا اور اس کا مال تلف ہو گیا، اس کے لیے قرض لینا اس وقت جائز ہے جب کہ اس کا غالب گمان یہ ہے کہ وہ اپنی وفات سے پہلے اس قرض کو ادا کر دے گا اور اگر اس کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ اپنی وفات سے پہلے اس قرض کو ادا نہیں کر سکے گا تو اس کے لیے افضل قرض نہ لینا ہے۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۱۴۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ جو لوگ شوال میں عمرہ کرنے والے پر بغیر استطاعت کے حج کرنے کو فرض کہتے ہیں ان کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کا طواف (سعی) کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ (البقرہ: ۱۵۸)

یہ فرمانے کی وجہ کہ صفا اور مروہ میں سعی گناہ نہیں ہے

صفا اور مروہ میں طواف کو مسلمان دو وجہوں سے گناہ سمجھتے تھے ایک وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ بتوں کی عبادت اور ان کی تعظیم کے لیے صفا اور مروہ میں طواف کرتے تھے اس لیے اسلام لانے کے بعد انہوں نے اس کو عمل جاہلیت کی بناء پر گناہ سمجھا اور بعض لوگ زمانہ جاہلیت میں صفا اور مروہ میں طواف کو گناہ سمجھتے تھے تو انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد ان میں طواف کرنے کو گناہ سمجھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

امام ابن جریر روایت کرتے ہیں:

شعسی بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں صفا پر اسحاق نام کا ایک بت رکھا ہوا تھا اور مروہ پر ناکلہ نام کا ایک بت رکھا ہوا تھا اہل جاہلیت جب بیت اللہ کا طواف کرتے تو ان بتوں کو چھوتے تھے جب اسحاق کا ظہور ہوا اور بت توڑ دیئے گئے تو مسلمانوں نے کہا صفا اور مروہ میں تو ان بتوں کی وجہ سے سعی کی جاتی تھی اور ان میں طواف کرنا شعار اسلام سے نہیں ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۸ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حافظ سیوطی نے اس حدیث کو سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن جریر اور ابن منذر کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۱۶۰ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرمانا ہے سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کی سچی کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے (ان کا مطلب تھا یہ سچی واجب نہیں ہے) سو یہ خدا! اگر کوئی شخص صفا اور مردہ میں سچی نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا! حضرت عائشہ نے فرمایا: اے بھتیجے! تم نے غلط کہا جس طرح تم نے اس آیت کی تاویل کی ہے اگر اسی طرح ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرمانا جو ان کے درمیان سچی نہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اس طرح فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ اسلام سے پہلے منات (ایک بت) کے لیے احرام باندھتے تھے جس کی وہ مثل کے پاس عبادت کرتے تھے تو جو شخص احرام باندھتا وہ صفا اور مردہ کے درمیان طواف کرنے میں گناہ سمجھتا تھا جب وہ اسلام لے آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم صفا اور مردہ کے طواف میں گناہ سمجھتے تھے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کی سچی کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے حضرت عائشہ نے فرمایا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طواف کو مقرر کیا ہے اور کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان کے درمیان طواف کرنے کو ترک کر دے عروہ نے کہا: بلا شک و شبہ یہ علم کی بات ہے میں نے اس سے پہلے اس کو نہیں سنا اور حضرت عائشہ کے بیان کرنے سے پہلے میں نے لوگوں سے یہ سنا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ منات کے لیے احرام باندھتے تھے اور وہ سب لوگ صفا اور مردہ میں طواف کرتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا ذکر فرمایا اور قرآن میں صفا اور مردہ کے درمیان طواف کا ذکر نہیں فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم صفا اور مردہ میں طواف کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا حکم نازل کیا ہے اور صفا کا ذکر نہیں کیا آیا اگر ہم صفا اور مردہ میں طواف کر لیں تو کوئی حرج ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کا طواف کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ ابو بکر بن عبد الرحمن (حدیث کے راوی) نے کہا: سنو! یہ آیت دونوں فریقوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو لوگ زمانہ جاہلیت میں صفا اور مردہ کے طواف کو گناہ سمجھتے تھے اور جو لوگ زمانہ جاہلیت میں ان کا طواف کرتے تھے پھر ظہور اسلام کے بعد انہوں نے ان کے طواف کو گناہ سمجھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا ذکر فرمایا اور صفا اور مردہ کے طواف کا ذکر نہیں فرمایا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳ - ۳۲ ج ۲ ص ۶۳۶ - ۶۳۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی اور امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو کام اصل میں عبادت ہو اور شریعت میں صحیح ہو وہ اپنی اصل پر صحیح رہتا ہے خواہ جاہل اور بد مذہب بعد میں اس کام کو کسی غلط نیت اور فاسد عقیدہ سے کرنے لگیں جس طرح سیاہ عمامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بعد میں روافض اور شیعہ نے سوگ کی نیت سے سیاہ عمامہ باندھنا شروع کر دیا تو ان کے اس عمل کا اعتبار نہیں ہوگا اور سیاہ عمامہ باندھنا اپنی اصل کے اعتبار سے مسنون رہے گا۔

صفا اور مردہ کے درمیان سچی میں مذہب ائمہ

صفا اور مردہ کے درمیان سات بار سچی کرنا واجب ہے یہ سچی صفا سے شروع ہو کر مردہ پر ختم ہوگی ائمہ ثلاثہ اور امام شافعی کا صحیح مذہب یہ ہے کہ صفا سے مردہ تک ایک طواف ہے علامہ نووی نے لکھا ہے کہ یہ جو مشہور ہے کہ امام شافعی کے نزدیک صفا

۱۔ امام ابو یوسف بن محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۴۲ - ۴۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۲۔ امام احمد بن حنبل شیعہ نسائی متوفی ۳۰۳ھ سنن کبریٰ ج ۶ ص ۲۹۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۱ھ

سے مردہ پھر مردہ سے صفا تک سنی ایک طواف ہے یہ غلط ہے۔ امام شافعی کا مذہب جمہور کے مطابق ہے۔

(شرح المہذب ج ۸ ص ۷۲-۷۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

صفا اور مردہ میں سنی کے متعلق امام احمد کے دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ سنی رکن ہے اس کے بغیر حج تمام نہیں ہوتا کیونکہ امام مسلم نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ جس نے صفا اور مردہ میں طواف نہیں کیا اللہ نے اس کا حج تمام نہیں کیا سنی کرنا حج اور عمرہ دونوں میں رکن ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سنی سنت ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ اس جی میں کوئی گناہ نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ مباح ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شعائر اللہ میں داخل کیا ہے اس لیے اس کا مرتبہ سنت سے کم نہیں ہے (الفتح ج ۳ ص ۱۹۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں حج میں صفا اور مردہ میں سنی کرنا رکن ہے دم دینے سے اس کی تلاقی نہیں ہوگی اور محرم اس کے بغیر حلال نہیں ہوگا۔ (روح اللہ ج ۲ ص ۳۷۲ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابوالعباس ربیع شافعی نے لکھا ہے کہ صفا اور مردہ کا طواف کرنا عمرہ کا بھی رکن ہے۔

(نہایت المحتاج ج ۳ ص ۳۲۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ خطاب مالکی لکھتے ہیں حج اور عمرہ دونوں میں صفا اور مردہ میں سنی کرنا رکن ہے۔

(مواہب الجلیل ج ۳ ص ۸۳ مطبوعہ مکتبۃ النجاشی)

علامہ الرغیبانی حنفی لکھتے ہیں کہ صفا اور مردہ میں طواف کرنا (حج اور عمرہ میں) واجب ہے رکن نہیں ہے امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ یہ رکن ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر سنی فرض کر دی پس سنی کرو۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴۷۱) ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے کہ صفا اور مردہ میں طواف کرنا گناہ نہیں ہے اور یہ مباح ہونے کو مستلزم ہے اور فرضیت کے معانی ہے نیز ہم نے رکن سے وجوب کی طرف اس لیے عدول کیا ہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور رکنیت دلیل قطعی سے ثابت ہوتی ہے۔ (ہدایہ الدلین ص ۳۳۳ مطبوعہ شرکت عالیہ لبنان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک جس نے خوشی سے کوئی (نفل) نیکی کی تو بے شک اللہ جزا دینے والا اور خوب جاننے والا ہے (البقرہ ۱۵۸)

امام رازی^۱ علامہ قرطبی^۲ علامہ ابوالحیاء اندلسی^۳ اور علامہ ماوردی^۴ وغیرہ نے کہا ہے کہ اس نیکی سے مراد نفلی نیکی ہے کیونکہ قرآن اور حدیث کے اطلاقات میں تطوع کا نفل پر اطلاق ہوتا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے فرض کی ادائیگی کے بعد نفلی طور پر حج یا عمرہ کیا اور علامہ آوسی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد عام نیکی ہے خواہ فرض ہو یا نفل۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۳۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ شاکر علیم ہے۔ (البقرہ ۵۸)

اللہ تعالیٰ لوگوں کے قصد اور نیت کو جانتا ہے اور ان کی نیکیوں کی جزا دیتا ہے یا اللہ تعالیٰ قلیل نیکی کی بھی جزا دیتا ہے اور

۱۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ

۲۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ الجامع لا حکام القرآن ج ۲ ص ۱۸۱ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران

۳۔ علامہ ابوالحیاء محمد بن یوسف غرناطی متوفی ۵۵۳ھ البحر المحیط ج ۲ ص ۶۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ

۴۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی البصری المتوفی ۴۵۰ھ الملک والعیون ج ۱ ص ۲۱۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

اس کو ثواب کا علم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بے شک جو لوگ ہمارے نازل کیے ہوئے روشن دلائل اور ہدایت کو چھپاتے ہیں جب کہ ہم ان کو لوگوں کے لیے کتاب میں بیان کر چکے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت فرماتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں (البقرہ ۱۵۹)

علم چھپانے پر وعید کا بیان

ان دلائل اور ہدایت کو چھپانے والوں سے مراد یہود اور نصاریٰ کے علماء ہیں کیونکہ وہ لوگوں سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کے دین کو چھپاتے تھے اور ان کی کتابوں میں آپ کی بعثت اور آپ کی صفات کے متعلق جو کچھ لکھا ہوا تھا اس کو بیان نہیں کرتے تھے حالانکہ تورات اور انجیل میں یہ سب لکھا ہوا تھا۔
امام ابو جعفر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل، حضرت سعد بن معاذ اور حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہم نے علماء یہود سے پوچھا کہ تورات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا لکھا ہوا ہے تو انہوں نے ان سے چھپایا اور ان کو بتانے سے انکار کر دیا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)
علامہ ماوردی نے لکھا ہے کہ یہ چھپانے والے کعب بن اشرف، کعب بن اسد، ابن صور یا اور زید بن ثابت نام کے روماء یہود تھے۔ (الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ہر چند کہ اس آیت کا شان نزول خاص ہے لیکن اس کا حکم عام ہے اور جو شخص بھی اللہ کے دین میں سے کسی چیز کے علم کو چھپائے وہ اس آیت کی وعید میں داخل ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت کا مصداق ہے کیونکہ صحابہ کرام نے اس آیت سے عموم ہی سمجھا تھا امام ابن جریر روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کتاب اللہ میں یہ آیت نہ ہوتی تو میں تم کو یہ حدیث بیان نہ کرتا پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)
امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص سے کسی چیز کے علم کے متعلق سوال کیا گیا اور اس نے اس کو چھپایا قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۵۹ مطبوعہ مطبع مجتہد پاکستان ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابو نصر حمیدی نے کہا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے اس کو پوری کوشش اور جدوجہد سے علم کو پھیلانا چاہیے خواہ اس سلسلہ میں اس کو مشقت برداشت کرنی پڑے اور اپنا پیسہ خرچ کرنا پڑے ورنہ علم مٹ جائے گا۔

لعنت کرنے والوں سے مراد فرشتے ہیں یا جن اور انس میں سے مؤمنین ہیں یا جن اور انس کے ماسوا حیوانات اور حشرات الارض ہیں امام ابن جریر روایت کرتے ہیں: مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حیوانات اور حشرات الارض ان پر لعنت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بنو آدم کے گناہوں کی وجہ سے ہم بارش سے محروم ہو گئے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

نا اہل لوگوں کے سامنے علم اور حکمت کو بیان کرنے کی ممانعت

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگوں کے سامنے ایسی حدیثیں بیان کرو جن کو وہ پہچانتے ہوں کیا تم اس کو پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳ مطبوعہ نور محمد صبح الطلوع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ دو قسم کے قسم محفوظ ہیں ایک علم کو میں نے لوگوں میں پھیل دیا اور اگر دوسرے علم کو پھیلایا تو یہ حلقوم کاٹ دیا جائے گا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳ مطبوعہ نور محمد صبح الطلوع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تم لوگوں کے سامنے ایسی حدیث بیان کرو گے جو ان کی عقلوں کے مطابق نہیں ہوگی تو وہ بعض لوگوں کے لیے فتنہ بن جائے گی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۹ مطبوعہ نور محمد صبح الطلوع کراچی)

امام دارمی روایت کرتے ہیں:

کثیر بن مرہ نے کہا: بے وقوف لوگوں کے سامنے حکمت کی باتیں نہ بیان کرو ورنہ تمہاری تکذیب کریں گے۔

(سنن دارمی ج ۱ ص ۸۸ مطبوعہ نشر النبی ملتان)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں چاہوں تو تمہارے سامنے ایک ہزار ایسے حکمت بیان کروں جن کو سن کر تم مجھ سے بغض رکھو مجھ سے دور بھاگو اور میری تکذیب کرو۔ (معجم کبیر ج ۳ ص ۱۶۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ البیہقی بیان کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص لوگوں کے ہر استفتاء (سوال) کا جواب دیتا ہے وہ بھٹون ہے۔ حافظ البیہقی نے ان دونوں حدیثوں کو امام طبرانی کی ”معجم کبیر“ کے حوالہ سے درج کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ دونوں حدیثوں کی

سندوں میں ثقہ راوی ہیں۔ (معجم الروائد ج ۱ ص ۱۸۳ مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۰۲ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

کافر کو قرآن مجید کی تعلیم دینا جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو جائے اسی طرح جو بدعتی اہل حق سے منظرے کرتا ہو اس کو تعلیم دینا جائز نہیں ہے اور کسی شخص کو ایسی حجت کی تلقین کرنا جائز نہیں جس سے وہ کسی کا مال ہزپ کرنے اور نہ حاکم کو ایسی تاویل سکھانا جائز ہے جس سے وہ عوام کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرے اور نہ عام لوگوں کو ایسی شرعی رخصتیں اور شرعی حیلے بتانا جائز ہیں جن سے کام لے کر وہ حرام کام کریں اور واجبات کو ترک کریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل لوگوں کے سامنے حکمت کے بیان سے نہ روکو ورنہ تم ان پر ظلم کرو گے اور نا اہل لوگوں کے سامنے حکمت کو بیان نہ کرو ورنہ تم اس حکمت پر ظلم کرو گے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۸۵ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

لعنت کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کے شرعی احکام

لعنت میں لعنت کا معنی ہے: اللہ کی رحمت سے دور کرنا لعنت کی تین قسمیں ہیں:

- (۱) شریعت میں جس عام وصف کے ساتھ لعنت کی گئی ہو اس وصف عام کے ساتھ لعنت کرنا جیسے قرآن مجید میں ہے کافروں پر اللہ کی لعنت ہو فاسقوں پر اللہ کی لعنت ہو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو اور ”صحیح بخاری“ میں ہے: جو مرد عورتوں کی مشابہت کریں اور جو عورتیں مردوں کی مشابہت کریں ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۷۳ مطبوعہ نور محمد صبح الطلوع کراچی ۱۳۸۱ھ)

(۲) جس شخص کی موت کفر پر دلیل قطعی سے ثابت ہو اس پر لعنت کرنا جائز ہے جیسے ایلیس اور ابولہب پر لعنت کرنا جائز ہے۔
 (۳) جو شخص ظاہر حال کے اعتبار سے مومن ہو یا کافر ہو اور اس کا کفر پر مرنا معلوم نہ ہو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ
 سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا کفر کو اسلام کی توفیق دے دے "جامع ترمذی" میں ہے مومن بہت لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔
 نیز اس میں ہے اللہ کی لعنت کے ساتھ لعنت نہ کرو اور "عن ابوداؤد" میں ہے جس نے اس شخص پر لعنت کی جو لعنت
 کا مستحق نہیں ہے تو وہ لعنت لعنت کرنے والے پر لوٹے گی لعنت کافروں پر بھی کی گئی ہے اور گناہ کبیرہ کرنے والے
 مسلمانوں پر بھی وصف عام کے ساتھ لعنت کی گئی ہے جیسے جھوٹوں پر لعنت ہو کافروں پر جو لعنت ہے اس کا معنی ہے اللہ
 کی رحمت سے بالکل دور کر دینا اور گناہ کبیرہ کرنے والے مسلمانوں پر جو لعنت ہے اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے قرب
 خاص اس کی خصوصی رحمت اور رضا سے دور کر دینا۔

بعض اسلاف نے یہ کہا ہے کہ جو شخص فوت ہو گیا ہو اس پر لعنت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور جمہور علماء نے کہا ہے کہ
 بغیر تعیین کے تمام کافروں پر لعنت کرنا جائز ہے اور بعض نے اس کو واجب کہا ہے اور جمہور علماء نے کہا ہے کہ کسی معین کافر پر
 لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معین کافروں پر لعنت فرمائی ہے۔ امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں رکوع کے بعد کھڑے ہو کر مسلمانوں کے لیے دعا کرتے اور کفار پر لعنت کرتے اور
 حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک رطل ذکوان اور لعین پر لعنت کی اور
 حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد کھڑے ہو کر
 منافقوں کا نام لے لے کر فرماتے اے اللہ افلاں پر لعنت کر افلاں پر لعنت کر پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی
 لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبْهُمْ
 آپ اس میں کسی چیز کے مالک نہیں ہیں یا اللہ ان کی
 توبہ قبول فرمائے یا ان کو عذاب دے بے شک یہ ظالم ہیں۔
 فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ (آل عمران: ۱۲۸)

(سنن نسائی ج ۱ ص ۱۶۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس آیت کی تشریح ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کافروں اور منافقوں کے لیے لعنت
 فرمائی جن کے متعلق آپ کو وحی سے معلوم تھا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو لعنت کرنے سے روک دیا
 کیونکہ یہ ظاہر یہ آپ کی رحمت کے منافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے البتہ جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور (چھپائی ہوئی باتوں کو) ظاہر کر دیا تو میں ان لوگوں کی
 توبہ قبول کرتا ہوں۔ (البقرہ ۱۶۰)

توبہ کے قبول ہونے کے لیے گناہ کو ترک کرنے اور اس کی تلافی کرنے کی شرط

یہاں توبہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی آیتوں کو چھپانے والے یہودی کفر کو ترک کر کے اسلام سے آئیں اور اصلاح سے
 مراد یہ ہے کہ اپنی باطنی اصلاح کر لیں اور ظاہری اعمال کو درست کر لیں یا اس سے مراد ہے اپنی قوم اور اپنے ہمہ کاروں کو

۱۔ امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۱۶۶۔ ۱۹۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۲۔ امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۱۹۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۳۔ ام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۶۶ مطبوعہ مطبعہ جہاں پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ

اسلام کی تسبیح کر کے ان کی اصلاح کریں اور ذرات میں حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق مولک وادہ ہے اس کا بیان کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا ہے کہ توبہ کے قبول ہونے کی یہ شرط ہے کہ جس برائی سے توبہ کی ہے اس کو ترک کر دیا جائے اور اس برائی کی تلافی کی جائے کیونکہ یہود کی برائی یہ تھی کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو چھپاتے تھے تو ان کی توبہ قبول کرنے کی یہ شرط بیان فرمائی کہ وہ اپنی اصلاح کریں یعنی آپ کی صفات چھپانے کو ترک کر کے اسلام لائیں اور چھپائی ہوئی صفات کو اب لوگوں میں بیان کریں یہ پچھلی برائی کی تلافی ہے اس لیے اب کوئی قادیانی مثلاً مسلمان ہو تو اس پر لازم ہے کہ مرزا کے دعویٰ نبوت سے برأت کا بیان کرے اور اس کے کفر کا اقرار کرے اور کوئی عیسائی مسلمان ہو تو حضرت عیسیٰ کے بندہ اور رسول ہونے کا اقرار کرے اور ان کے خدا ہونے کی نفی کرے اور اسی طرح جو مسلمان جس گناہ سے توبہ کرے دوبارہ اس گناہ کا ارتکاب نہ کرے اور اس کی جو تلافی ممکن ہو وہ تلافی کرے اور جو شخص جب کسی گناہ سے توبہ کرے پھر اس کو اس گناہ پر ملالت نہیں کرنی چاہیے۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص گناہ سے توبہ کرے وہ اس شخص کی مثل ہے جس کا گناہ نہ ہو۔ (نہ ابن ماجہ ۱۱۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ قزاق کراچی)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ حالت کفر میں مر گئے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں

اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةُ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۖ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ

کی اور سب لوگوں کی (لعنت) ہے ۵ وہ اس (لعنت) میں ہمیشہ (گرفتار) رہیں گے ان سے عذاب کم

عَنَّهُمُ الْعَذَابُ أَبَدًا ۖ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۖ ۝۱۶۳ وَاللَّهُمَّ إِلَهُ وَاحِدٌ لَا

کیا جائے گا نہ ان کو مہلت دی جائے گی ۵ اور تمہارا معبود ایک معبود ایک ہے اس کے سوا

إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝۱۶۴

کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ۵

اللہ تعالیٰ نے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت چھپانے والوں کا ذکر کیا اور ان پر لعنت فرمائی پھر ان میں سے توبہ کرنے والوں کا ذکر فرمایا اور اب ان کا ذکر فرمایا جنہوں نے اپنے اس کفر سے توبہ نہیں کی کفر پر اصرار کیا اور کفر پر ہی مر گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

اللہ کی لعنت کا معنی ہے عذاب کی خبر دینا اور فرشتوں اور انسانوں کی لعنت کا معنی ہے: اللہ کی رحمت سے دور کرنے کی

ہر دعا دینا۔

مردہ کافروں پر لعنت کرنے کا جواز اور زندہ کافروں پر لعنت کرنے کی ممانعت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر لعنت کی ہے جو کفر پر مر گئے اس سے جمہور علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ جس کی موت علی الکفر معلوم نہ ہو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بعض کفار پر لعنت کی ہے ان کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے معلوم تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے اور کفر پر مریں گے۔ علامہ ابوبکر ابن العربی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! ہے شک عمرو بن العاص نے میری بیجو کی ہے اور اس کو علم ہے کہ میں شاعر نہیں ہوں تو اس کی بیجو فرما اور جتنی بار اس نے میری بیجو کی ہے اتنی بار اس پر لعنت فرما۔ اس حدیث کو امام رویانی اور امام ابن عساکر نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں کلام ہے۔

(کنز العمال ج ۱۳ ص ۵۴۸ مطبوعہ مؤسسة الرسالة بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابوبکر ابن العربی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس شخص کا ظاہر حال کفر ہو اس پر لعنت کرنا جائز ہے جیسے اس سے جہاد کرنا جائز ہے حالانکہ عمرو بن العاص بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

(احکام القرآن ج ۵ ص ۷۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس حدیث کی سند میں کلام ہے ثانیاً اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کا بدلہ لیا حالانکہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کا بدلہ نہیں کیا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اپنے ساتھ کی جانے والے زیادتی کا بدلہ دیتے ہوئے نہیں دیکھا جب تک اللہ تعالیٰ کی حدود کو نہ توڑا جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑا جاتا تو آپ سے زیادہ غضب میں کوئی نہیں ہوتا تھا۔ (جامع ترمذی ص ۵۹۶ مطبوعہ دار محمد کارخانہ تجارت کتب راجی)

البتہ یہ اعتراض صحیح ہے کہ امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! ابوسفیان پر لعنت کر اے اللہ! احارث بن ہشام پر لعنت کر اے اللہ! صفوان بن امیہ پر لعنت کر تب یہ آیت نازل ہوئی:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ۚ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ

فَأَن تَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ (آل عمران ۱۲۸)

کی تو یہ قبول فرمائے یا ان کو عذاب دے بے شک یہ ظالم ہیں

سو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی وہ اسلام لے آئے اور انہوں نے اسلام میں اچھے عمل کیے۔ یہ حدیث حسن

غریب ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۷۷ مطبوعہ دار محمد کارخانہ کتب راجی)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ پہلے کا واقعہ ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں پر لعنت سے روک دیا تو پھر آپ نے ان پر لعنت نہیں کی اس سے یہ موقف اور مضبوط ہو گیا کہ زندہ کافروں پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کافروں پر لعنت کرنے سے منع کر دیا تو کسی اور کے لیے کب جائز ہو سکتا ہے اور علامہ ابن العربی کا اس کو کافروں سے قتال کرنے پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ کافروں سے قتال کرنا تبلیغ اسلام کا سبب ہے جو رحمت کے حصول کا ذریعہ ہے اس کے برخلاف زندہ کفار پر لعنت کرنا ان کو رحمت سے دور کرنے کی دعا ہے۔

مسلمانوں پر لعنت کرنے کی ممانعت

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مسلمان کو لعنت کی تو یہ اس کو قتل کرنے کی مثل ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۹۳، مطبوعہ نور محمد صبح الطلوع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عبد اللہ نام کا ایک شخص تھا جس کا لقب حمار تھا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو شراب نوشی پر حد لگایا کرتے تھے ایک دن اس شخص کو حد لگائی جا رہی تھی کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ اس پر لعنت کر اس کو کتھی پر حد لگائی گئی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو لعنت نہ کرو! تم کو معلوم نہیں ہے یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۲، مطبوعہ نور محمد صبح الطلوع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

البتہ گناہ کبیرہ کرنے والوں پر بلا لعین نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ چوری کرنے والے پر لعنت کرے وہ بیضہ (لوہے کا گولہ) چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور وہ (جہاز کی) رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۳، مطبوعہ نور محمد صبح الطلوع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس آیت میں فرمایا ہے جو کفر پر مرے اس پر سب انسان لعنت کرتے ہیں عداوت کا فرو تو اس پر لعنت نہیں کرتے اس کا جواب یہ ہے کہ کافر اس پر آخرت میں لعنت کریں گے دوسرا جواب یہ ہے کہ انسان سے مراد کامل انسان ہے اور کامل انسان مسلمان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان سے نہ عذاب کم کیا جائے گا نہ ان کو مہلت دی جائے گی (البقرہ: ۱۶۲)

کفار کے عذاب میں تخفیف نہ ہونے پر دلائل اور ابولہب وغیرہ کے عذاب میں تخفیف کے جوابات

نیک اعمال کے مقبول ہونے کی شرط ایمان ہے ایمان کے بغیر نیکیاں اکارت ہو جاتی ہیں قرآن مجید میں ہے:

مَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَذُتْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوَةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (نحل ۹۷)

مرد یا عورت جس نے کوئی نیک عمل کیا یہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم ضرور اس کو پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے اور ان کے اچھے کاموں کا ان کو ضرور اجر دیں گے

وَقَدْ مَنَّ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبًا مِّنْ شُرٰٓئِرٍ

اور انہوں نے جو بھی (نیک) کام کیے ہم ان کی طرف قصد فرمائیں گے پھر ہم انہیں ہار یک غبار کے بکھرے ہوئے

ذرات بنا دیں گے

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ (البقرہ: ۵)

اور جس نے ایمان لانے سے انکار کیا تو بے شک اس کا عمل ضائع ہو گیا۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابن جدعان زمانہ جاہلیت میں رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتا تھا اور مسکین کو کھانا کھاتا تھا آیا اس کو یہ عمل نفع دے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ عمل اس کو نفع نہیں دے گا کیونکہ

اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا۔ اے اللہ اقامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دیا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۵ مطبوعہ نور محمد اصح الطائح کراچی ۱۳۷۵ھ)

قرآن مجید کی اس آیات اور اس حدیث صحیح سے یہ ثابت ہے کہ کفار کی نیکیاں ضائع ہو جائیں گی ان پر اجر ملے گا نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ”صحیح بخاری“ میں ہے کہ پیر کے دس ابولہب کے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے کیونکہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں اپنی باندی ثویہ کو آزاد کیا تھا اور ”صحیح مسلم“ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کو آگ سے بچنے کر نکال لیا اور صرف اس کے نخنوں تک آگ رد گئی کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے تھے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۵ مطبوعہ نور محمد اصح الطائح کراچی ۱۳۷۵ھ)

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ حافظ بیہقی نے ”کتاب البعث والنشور“ میں کہا ہے کہ کفر کی وجہ سے جو عذاب ہوگا اس میں تخفیف نہیں ہوگی اور باقی جرائم پر جو عذاب ہوگا اس میں نیکیوں کی وجہ سے تخفیف ہو جائے گی۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۵ مطبوعہ نور محمد اصح الطائح کراچی ۱۳۸۱ھ)

لیکن اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ پھر تو کافر کی نیکیاں ضائع نہ ہوں حالانکہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ اس کی نیکیاں ضائع ہو جائیں گی اس لیے صحیح جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور آپ کی وجاہت کی خصوصیت کی وجہ سے ابولہب اور ابوطالب اس عام قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہ کرنا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کر دینا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ تخفیف نہ کرنے کا تعلق مدت سے ہے یعنی عذاب کی غیر متناہی مدت میں کی نہیں ہوگی اور جن کے عذاب میں تخفیف کی ہے ان کا تعلق عذاب کی کیفیت سے ہے یعنی عذاب کی شدت میں کمی کر دی جائے گی چوتھا جواب یہ ہے کہ تخفیف نہ کرنے کا تعلق عذاب آخرت سے ہے اور تخفیف کرنے کا تعلق عذاب برزخ سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور تمہارا معبود ایک معبود ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ (البقرہ ۱۶۳)

واحد کا معنی اور لا الہ الا اللہ پڑھنے کی فضیلت

اس سے پہلی آیات میں حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بیان کیا تھا اور فرمایا تھا کہ یہود اپنی کتابوں میں آپ کی نبوت کو چھپاتے تھے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید کو بیان فرمایا ہے اور ظاہر فرمایا ہے کہ یہود اللہ تعالیٰ کی توحید کو چھپاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا معنی یہ ہے کہ الوہیت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور عبادت کا مستحق ہونے میں وہ مفرد ہے اور اس کی کسی صفت میں کوئی اس کا مثیل شبیہ اور نظیر نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ہم البقرہ ۲۱ میں دلائل بیان کر چکے ہیں۔

امام ابو داؤد در روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا آخری کلام ہوا

لا الہ الا اللہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۸۸ مطبوعہ مطبع نجف پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

اس حدیث کا امام ترمذی نے بھی ذکر کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۱۶۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام حاکم نے کہا ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے روایات نہیں کیا لیکن یہ حدیث صحیح ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳ مطبوعہ نور محمد اصح الطائح کراچی ۱۳۸۱ھ

(المعجم رک ج ۱ ص ۳۵۱ مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

شبلی سے منقول ہے کہ وہ صرف اللہ کہتے تھے لا الہ الا اللہ نہیں کہتے تھے جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا مجھے خوف ہے کہ میں نے لا الہ الا کہا اور اسی وقت مر گیا اور لا الہ الا اللہ پر نہ پہنچ سکا تو خدا کی نفی کرتا ہوا مردوں گا، لیکن یہ ان کی محض علمی مویشگافی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، مقصود دل سے اللہ کو ماننا ہے اگر کوئی شخص دل سے اللہ کو ماننا ہو اور لا الہ الا اللہ کہنے کا ارادہ رکھتا ہو اور صرف لا الہ الا پر اس کو موت آجائے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مطابق اہل جنت میں سے ہوگا اس لیے وہی پڑھنا چاہیے جس کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے اور اپنی طرف سے ہر یکہوں نہیں نکالنی چاہیے۔ (لجام الاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۹۱ مطبوعہ انتشارات مصر فرادیراں ۱۳۸۷ھ)

علامہ قاری لکھتے ہیں:

شیخ محی الدین ابن العربی نے کہا ہے کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ جس شخص نے ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھا اس کی مغفرت کر دی جائے گی اور جس کے لیے پڑھا گیا اس کی بھی مغفرت کر دی جائے گی میں نے ستر ہزار بار یہ کلمہ پڑھ لیا تھا اور کسی کے لیے خصوصی نیت نہیں کی تھی ایک مرتبہ میں ایک کھانے کی دعوت میں پہنچا، ہاں ایک نوجوان کشف میں مشہور تھا کھانے کے دوران وہ رونے لگا میں نے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا میں نے اپنی ماں کو عذاب میں گرفتار دیکھا ہے میں نے دل ہی دل میں ان ستر ہزار کلمات کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا اور اب وہ نوجوان شے لگا اور کہا اب میں نے اپنی ماں کو اچھے حال میں دیکھا ہے تو مجھے اس حدیث کی صحت کا اس نوجوان کے کشف سے یقین ہوا اور اس سے کشف کی صحت کا اس حدیث سے یقین ہو گیا۔ (مرقات ج ۳ ص ۹۹-۹۸ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ لاہور ۱۳۹۰ھ)

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ

بے شک آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے، رات اور دن کے بدل کر آنے اور ان کشتیوں میں

الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ

جو لوگوں کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے سمندر میں رواں دواں ہیں اور اس پانی میں جو اللہ نے

السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا

آسمان سے نازل کیا پھر اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس میں ہر قسم کے

مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِينَ

جانور پھیل دیئے اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان اللہ کے تابع ہیں

السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَتَّبِعُ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۱۶۳)

ضروران (سب) میں عقل والوں کے لیے (اللہ کی معرفت کی) نشانیاں ہیں ۵

اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی وحدت اور اس کے علم پر دلائل

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ تمہارا معبود واحد ہے اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق اور واحد ہونے پر دلائل قائم کیے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدت پر دلائل بھی ہیں اور انسان کے حق میں فتویٰ بھی ہیں۔ آسمان کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی یہ نشانی ہے کہ وہ بغیر متونوں کے قائم ہے نہ اس کے اوپر کوئی ایسی چیز ہے جس سے وہ لٹکا ہوا ہو اور عام عادت کے خلاف بغیر متونوں کے آسمانوں کو قائم رکھنا بغیر کسی زبردست قادر اور خالق کے ممکن نہیں ہے۔

زمین میں سمندر اور دریا ہیں معدنیات ہیں جنگلات ہیں باغات اور فصلیں ہیں اور ان سب میں اللہ تعالیٰ کے وجود پر نشانیاں ہیں سمندروں کی ردائی اور زمین کی پیداوار کا ہمیشہ یک جہت اور ایک اظہم پر قائم رہنا یہ بتاتا ہے کہ ان سب کا بنانے والا ایک ہے کیونکہ کبھی سب کے درخت سے انگور پیدا نہیں ہوتا اور نہ کبھی سمندر کے بدو جزر کا نظام بدلتا ہے۔

دن اور رات میں نشانیاں ہیں دن کو روشنی اور رات کو اندھیرے کا سبب بنایا پھر دن اور رات میں کمی اور بیشی کا نظام ایک بہت بڑی حکمت پر مبنی ہے۔ ہمیشہ جون اور جوانی میں دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اور نومبر دسمبر میں راتیں بڑی اور دن چھوٹے ہوتے ہیں اس نظام میں کبھی فرق نہیں آتا اس سے معلوم ہوا کہ اس نظام کا خالق بھی واحد ہے۔

سمندروں پر رواں دواں کشتیوں میں نشانیاں ہیں جو محض اللہ کی قدرت سے پانی پر قائم رہتی ہیں اور لوگوں کو اور ان کے ساز و سامان کو لے کر ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل ہوتی ہیں ہمیشہ لکڑی اور پلاسٹک کی چیزیں سطح آب پر قائم رہتی ہیں اور تیرتی ہیں اور لوہے اور پتیل کی چیزیں پانی میں ڈوب جاتی ہیں ان تمام چیزوں کا واحد طبعی شعور یہ بتاتا ہے کہ ان کا بنانے والا بھی واحد ہے۔

بارش میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر نشانیاں ہیں کہ کس طرح بخارات سے حاصل شدہ پانی فضا میں جمع ہوتا ہے اور کس طرح منتشر ہوتا ہے اور اس جہان کی بقاء میں وہ کیا رول ادا کرتا ہے اور اس سے ہزیوں اور پھلوں کی کس طرح رونیدگی ہوتی ہے اور اس نظام کی وحدت بھی مخفی نہیں ہے۔ زمین میں اللہ تعالیٰ نے جو حیوانات اور حشرات الارض پیدا کیے ہیں ان میں عجیب غریب حکمتیں اور فوائد ہیں کچھ جانور انسان کی خوراک کے لیے حلال کر دیئے اور کچھ جانور اس کے امتحان کے لیے حرام کر دیئے کچھ اس کی سواری کے کام آتے ہیں کچھ جانوروں کو عبرت کے لیے پیدا کیا اور کتنے ہی جانور ایسے ہیں جن کو پیدا کرنے کی حکمت سے ہماری عقل عاجز ہے پھر ان تمام جانوروں کی پیدائش نشوونما اور ان کی موت کا نظام واحد ہے متعدد نہیں ہے تو ان کے پیدا کرنے والے متعدد کیسے ہو سکتے ہیں۔ ہواؤں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بہت نشانیاں ہیں بعض ہوا میں بانجھ ہوتی ہیں بعض ہوائیں ٹھنڈی ہوتی ہیں بعض ہوائیں سرد ہوتی ہیں بعض گرم ہوتی ہیں بعض ہوائیں فضاؤں کو جاذبیتی ہیں اور ہلاکت کا سبب ہوتی ہیں ہوا کے ذریعہ انسان سانس لیتا ہے ہوا کے لیے عربی میں ریح اور ریح دونوں لفظ آتے ہیں ریح کا لفظ زیادہ تر ہلاکت اور تباہی والی ہواؤں کے لیے آتا ہے اور ریح کا لفظ خوشگوار اور رحمت والی ہواؤں کے لیے آتا ہے امام ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ریح اللہ کی رحمت سے

ہے جو رحمت الہی ہے اور عذاب کو داتی ہے جب تم ریح (آندھی) کو دیکھو تو اس کو بُرا نہ کہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی خبر کا سوال کرو اور اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرو اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صبا سے میری مدد کی گئی اور قوم عاد کو دبور سے ہلاک کیا گیا۔

انسان کو زندہ رہنے کے لیے خوراک 'پانی اور ہوا کی ضرورت ہے خوراک کے بغیر وہ چند دن زندہ رہ سکتا ہے اس لیے خوراک حاصل کرنے کے لیے اسے روزی حاصل کرنے اور مشقت کرنے کا تکلف کر دیا پانی کی اس سے زیادہ شدید ضرورت ہے تو اس کا حصول اس کے لیے بہت آسان اور آرزو کر دیا اور ہوا کے بغیر وہ چند منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتا تو اس کا حصول بالکل عام کر دیا ہر شخص کو ہر جگہ اور ہر وقت بغیر کسی محنت اور معاوضہ کے ہوا میسر ہے کیا یہ عجیب و غریب حکمت نہیں ہے۔ بادلوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر نشانیاں ہیں کس طرح بادل بنتے ہیں کس طرح وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں اور بغیر کسی ظاہری سبب کے کس طرح فضا میں معلق ہیں بادلوں کے گرجنے سے کس قدر ہیبت ناک اور ہولناک آواز پیدا ہوتی ہے۔ آسمان سے بارش ہونے کا بھی ہمیشہ سے ایک طریقہ ہے اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی کیا اس سے یہ پتا نہیں چلتا کہ اس نظام کا خالق بھی واحد ہے اس میں کوئی تعدد نہیں ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ ان تمام مظاہر قدرت میں غور و فکر اور تدبر کرے کہ یہ تمام چیزیں متغیر اور حادث ہیں اور ان کا حدوث اس بات کا متقاضی ہے کہ ان کا کوئی بنانے والا ہونا چاہیے اور چونکہ ان تمام چیزوں کے نظام عمل میں انتشار اور اختلاف نہیں ہے بلکہ ہم آہنگی اور وحدانیت ہے اس لیے ان کا بنانے والا بھی واحد ہی ہونا چاہیے پھر ان تمام چیزوں میں جو بے شمار حکمتیں اور فوائد ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بنانے والا انتہائی علیم اور حکیم ہے اور یہ ساری کائنات کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے اس کا نظم اور ربط اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ بالکل صحیح منصوبہ بندی سے وجود میں آئی ہے اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور وہ واحد ہے اور علیم اور حکیم ہے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

ہم نے عام تعلیم یافتہ لوگوں کے سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یہ دلیل ذکر کی ہے اور بالخصوص علماء اور فقہاء کی ضیافت طبع کے لیے متکلمین کے طریقہ پر اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل کی تقریر اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے پیدا کرنے کا ذکر فرمایا ہے اگر ان چیزوں کے پیدا کرنے میں کوئی اور معبود بھی اللہ تعالیٰ کا شریک ہے تو اس کو بھی ان مقدمات پر قادر ماننا پڑے گا اب سوال یہ ہے کہ ان مقدمات کو پیدا کرنے میں دونوں کا ارادہ متفق ہے یا نہیں اگر دونوں متفق ہیں تو ایک شے کو پیدا کرنے کے لیے دو مستقل علتوں کا ہونا لازم آئے گا اور یہ باطل ہے کیونکہ معلول علت مستقلہ کے غیر سے مستغنی ہوتا ہے ورنہ وہ علت مستقلہ نہیں ہوگی اور اگر ایک معلول کی دو علتیں مستقلہ ہوں تو معلول ان میں سے ہر ایک کا محتاج بھی ہوگا اور ہر ایک سے مستغنی بھی ہوگا اور یہ باطل ہے اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ ان دو علتوں میں سے صرف ایک تاثیر کر سکتی ہے دوسری تاثیر نہیں کر سکتی تو یہ ترجیح بلا مرجح بھی ہے اور دوسرے کا عجز بھی ہے اور عجز الوہیت کے منافی ہے اور اگر ان مقدمات کو پیدا کرنے میں دونوں کا ارادہ متفق نہیں ہے بلکہ ایک پیدا کرنا چاہتا ہے اور دوسرا نہیں چاہتا تو یا تو دونوں کا ارادہ پورا ہوگا پھر لازم آئے گا کہ وہ چیز بیک وقت ہو اور نہ ہو اور یہ اجتماع نقیضین کو مستلزم ہے یا کسی کا ارادہ پورا نہیں ہوگا اور یہ ارتقا نقیضین کو مستلزم ہے اور یہ دونوں باطل ہیں اور یا ایک کا ارادہ پورا ہوگا اور دوسرے کا ارادہ پورا نہیں ہوگا تو جس کا ارادہ پورا نہیں ہوگا وہ مجبور ہوگا اور مجبور خدا نہیں ہو سکتا اس سے واضح ہو گیا کہ خدا ایک ہی ہے دوسرا خدا نہیں ہو سکتا۔

۱۔ شرق سے مغرب کی طرف چلنے والی ہوا کو صبا اور مغرب سے شرق کی طرف چلنے والی ہوا کو دبور کہتے ہیں۔ منہ

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ

اور بعض لوگ اللہ کے غیر کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں اور ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں

كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ

اور جو لوگ ایمان آچکے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرنے والے ہیں اور اگر یہ ظالم (دنیا میں اس عذاب کو) جان

ظَلَمُوا أَذْيَرُونَ الْعَذَابَ أَمْ أَنَا الْقُوَّةُ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ

لے لیتے جس عذاب کو یہ قیامت کے دن دیکھیں گے (تو یہ دنیا میں ضرور اقرار کر لیتے) کہ تمام قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور یہ کہ اللہ

شَدِيدُ الْعَذَابِ ۝۱۶۵ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا

نخت عذاب دینے والے ہے ۝ جن لوگوں کی (دنیا میں) پیروی کی گئی تھی جب وہ (آخرت میں) پیروی کرنے والوں سے

وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ۝۱۶۶ وَقَالَ الَّذِينَ

بری الذمہ ہو جائیں گے اور عذاب کو دیکھ لیں گے اور ان کے تمام وسائل منقطع ہو جائیں گے ۝ اور (ان کی) پیروی کرنے والے کہیں گے

اتَّبَعُوا الْوَيْلَ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَلِكَ

کاش ہمارے لیے دنیا میں لوٹنا (ممن) ہوتا تو ہم ان سے اسی طرح بری الذمہ ہو جاتے جس طرح یہ ہم سے بری الذمہ ہو گئے ہیں اسی طرح

يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ

اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو بامٹ حسرت بنا کر انہیں دکھائے گا اور وہ نار جہنم سے ہرگز

النَّارِ ۝۱۶۷

نکلنے والے نہیں ہیں ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بعض لوگ اللہ کے غیر کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں اور ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں۔

(البقرہ ۱۶۵)

مومن کے نزدیک محبوبین کے مدارج

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود علم قدرت اور وحدانیت پر دلائل دیئے ہیں اور اب فرما رہا ہے کہ ان عظیم اور واضح دلائل کے ہوتے ہوئے بعض لوگ انداد (غیر اللہ کو اللہ کا شریک) بناتے ہیں انداد سے مراد وہ بت ہیں جن کی مشرکیں اللہ کی طرح عبادت کرتے ہیں اور جس طرح مومنین اللہ سے بر بنا حق محبت کرتے ہیں یہ مشرکین بتوں سے بر بنا باطل محبت

کرتے ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ انداد سے مراد ان کے کافر پیشوا ہیں جن کی وہ اللہ کی مصیبت میں اطاعت کرتے تھے اور جتنی محبت مشرکین اپنے بتوں سے کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ محبت مؤمنین اللہ سے کرتے ہیں بلکہ مؤمن سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتا ہے اور اس کی تعظیم اور تقدیس کرتا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور آپ کی تعظیم اور توقیر کرتا ہے پھر اپنے والدین کی تعظیم اور اطاعت کرتا ہے اس کے بعد اپنے نفس سے محبت کرتا ہے پھر اس کے بعد اپنے اہل و عیال، اقرباء، پڑوسیوں اور عام مسلمانوں سے محبت کرتا ہے۔ اسی طرح پہلے تعظیم اور محبت میں قرآن مجید کا مرتبہ ہے پھر احادیث کا، پہلے مسجد حرام کا مرتبہ ہے اور پھر مسجد نبوی کا، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ سے زیادہ افضل ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے مطابق مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ سے زیادہ محبوب ہے اور جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر آرام فرما ہے وہ جگہ کائنات کی ہر جگہ سے افضل ہے پھر اس کے بعد دیگر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے مقابر اور مزارات کے مراتب ہیں اور بعد ودر شرع کے مطابق ان کی تعظیم کرنا برحق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اگر یہ ظالم (دنیا میں اس عذاب کو) جان لیتے۔ (البقرہ ۱۶۵)
البقرہ کی آیت: ۱۶۵ کے متعدد نحوی تراکیب کے اعتبار سے آٹھ معانی

اس آیت کا ترجمہ بہت دقیق ہے اور عربی قواعد اور نحوی قوانین کے اعتبار سے اس کی متعدد ترکیبیں ہیں جن کی نوعیت خالص علمی ہے ہم ان ابحاث کو چھوڑ کر صرف یہ ذکر کر رہے ہیں کہ مختلف تراکیب کے اعتبار سے اس آیت کے کیا معانی ہیں۔ علامہ ابو الحیاء اندلسی لکھتے ہیں:

عطاء نے اس آیت کا یہ معنی بیان کیا ہے اگر یہ ظالم مشرکین قیامت کے دن کا عذاب دیکھ لیں تو یہ ضرور جان لیں گے کہ تمام قدرت اللہ ہی کے لیے ہے اور بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اگر یہ لوگ دنیا میں اس عذاب کو جان لیتے جس عذاب کو یہ قیامت کے دن دیکھیں گے تو یہ ضرور اقرار کر لیتے کہ تمام قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے (ہم نے اپنے ترجمہ میں اسی معنی کو اختیار کیا ہے)۔

زمخشری نے کہا ہے کہ معنی یہ ہے: اگر مشرکین یہ جان لیتے کہ تمام قدرت اللہ کو ہے نہ کہ ان کے خود ساختہ معبودوں کو اور ظالموں پر عذاب کی شدت کو جان لیتے جب قیامت کے دن یہ عذاب کی شدت کا معائنہ کریں گے تو انہیں بڑی شدید حسرت اور ندامت ہوتی۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۹۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۲ھ)

امام رازی نے یہ معنی بیان کیا ہے:

اگر یہ ظالم اللہ کی قدرت اور اس کے عذاب کی شدت کو جان لیتے تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے۔

دوسرا معنی یہ بیان کیا ہے:

اگر قیامت کے دن عذاب کے مشاہدہ کے وقت یہ ظالم اپنے عاجز ہونے کو جان لیتے تو ضرور کہتے کہ تمام قدرت اللہ ہی کو ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۷۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

ابو عبید نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ اگر یہ ظالم دنیا میں عذاب آخرت کو دیکھ لیتے تو ضرور جان لیتے کہ تمام قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور انہیں نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ اگر یہ ظالم اللہ کی قدرت اور اس کے عذاب کی شدت کو (حقیقتاً) جان لیتے تو خدا کا

شریک بنانے کے نقصان سے بچ جاتے۔

ایک قراءت میں ”ولو یوی“ کی جگہ ”ولو قوی“ ہے خطاب آپ کو ہے اور مراد آپ کی امت ہے اس صورت میں معنی یہ ہے اور اے محمد اگر آپ ان ظالموں کو عذاب کا مشاہدہ کرتے وقت دیکھ لیتے تو آپ ضرور جان لیتے کہ تمام قدرے اللہ ہی کو ہے۔

حالانکہ آپ اس امر کو جانتے تھے اس لیے یہاں خطاب آپ کو ہے اور اس سے مراد آپ کی امت ہے۔

(جامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۰۵ - ۲۰۶ مطبوعہ انتشارات ماسرئہ و ایران ۱۳۸۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جن (لوگوں) کی (دنیا میں) بیروی کی گئی تھی۔ (البقرہ ۱۶۶)

گمراہ کرنے والے متبوعین کا اپنے تابعین سے قیامت کے دن بری ہونا

قنادہ عطاء اور ربیع نے کہا ہے کہ جن رئیسوں اور سرداروں کے حکم سے دنیا میں مشرکین نے کفر کیا تھا جب وہ دونوں آخرت میں عذاب کو دیکھ لیں گے تو اپنے تابعین کے کفر سے بری ہو جائیں گے سدی نے کہا ہے کہ گمراہ کرنے والے شیاطین انسانوں سے بری ہو جائیں گے اور ایک قول یہ ہے کہ ہر گمراہ کرنے والا متبوع اپنے تابع سے بری ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے اسباب منقطع ہو جائیں گے (البقرہ ۱۶۶)

سبب کے معنی ہیں وہ رسی جس سے کسی چیز کو باندھ کر کھینچتے ہیں پھر اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے کہ جس سے کسی چیز کو کھینچا جائے یہاں اسباب سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں: مجاہد نے کہا اس سے مراد ہے دنیا میں جن کے ساتھ کافر مل جل کر رہتے تھے ابن جریج نے کہا جن رشتہ داروں کے ساتھ وہ دنیا میں شفقت کرتے تھے سدی نے کہا جن اعمال کو وہ نیکی سمجھ کر لڑنا کرتے تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا جو وہ عہد و پیمان کرتے تھے اور حلف اٹھاتے تھے خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں جن لوگوں اور جن چیزوں کو وہ نجات کا سبب سمجھتے تھے آخرت میں وہ سب ان سے منقطع ہو جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور (ان کی) بیروی کرنے والے کہیں گے۔ کاش! ہمارے لیے دنیا میں لوٹنا (ممکن) ہوتا تو ہم ان سے اسی طرح بری الذمہ ہو جاتے۔ (البقرہ ۱۶۷)

تابعین اپنے متبوعین کے جواب میں کہیں گے کہ کاش! دنیا میں دوبارہ لوٹ کر جانا ہوتا تو ہم بھی ان سے اسی طرح بری الذمہ ہو جاتے ہیں جس طرح آج یہ ہم سے بری الذمہ ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اسی طرح اللہ ان کے اعمال کو باعث حسرت بنا کر انہیں دکھائے گا۔ (البقرہ ۱۶۷)

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے اپنی سندوں کے ساتھ اس آیت کی دو تفسیریں نقل کی ہیں

(۱) سدی بیان کرتے ہیں کہ کافروں کو جنت دکھائی جائے گی اور جنت میں ان کے مکان دکھائے جائیں گے کہ اگر وہ اللہ کی اطاعت کر لیتے تو یہ مکان ان کو دے دیئے جاتے پھر وہ مکان مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے اور وہ کافروں کے وارث ہوں گے اس وقت کافروں کو ندامت اور حسرت ہوگی۔

(۲) ابن زید اور ربیع وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ ان کے بُرے اعمال دکھائے گا پھر ان کو حسرت اور پشیمانی ہوگی کہ انہوں نے کیوں بُرے عمل کیے اور کیوں نہ اچھے عمل کیے تاکہ وہ عذاب سے نجات پا جاتے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۲۰۵ - ۲۰۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام ابن جریر نے کہا ہے کہ یہ دوسری تاویل آیت کے زیادہ مناسب ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا

اے لوگو! زمین کی ان چیزوں میں سے کھاؤ جو حلال طیب ہیں اور شیطان کے قدموں کی پیروی

خُطُوتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١٧٨﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ

نہ کرو بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے ۵ وہ تمہیں صرف بُرائی

بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَإِنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٧٩﴾

اور بے حیائی (کے کاموں) کا حکم دیتا ہے اور اللہ کے متعلق ایسی بات کہنے کا (حکم دیتا ہے) جس کو تم نہیں جانتے ۵

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں بلکہ ہم اس کی پیروی کریں گے

عَلَيْهِ آبَاءُنَا أَوْ لَوْ كَانَ أَبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٨٠﴾

جس پر اپنے باپ دادا کو پایا خواہ ان کے باپ دادا نہ سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں ۵

رابط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ“ (البقرہ ۲۱) سے امور دین کو تفصیل سے بیان فرمایا تھا اور اب ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ“ (البقرہ ۱۷۸) سے دنیوی امور کو بیان فرما رہا ہے دین روح کی غذا ہے اور کھانا پینا جسم کی غذا ہے پس اللہ تعالیٰ نے روح کی غذا کا تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور اب جسم کی غذا کا تفصیل سے بیان فرما رہا ہے تاکہ روح کی ترقی اور بدن کی نشوونما کے صحیح ذرائع میسر ہو جائیں۔

تقیف خزانہ اور بنو مدیج نے اپنے اوپر کچھ جانوروں کو حرام کر لیا تھا ان کے رد میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے زمین کی ان چیزوں سے کھاؤ جو حلال طیب ہیں اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ (البقرہ ۱۷۸) حلال اور طیب اور گناہ اور بدعت کا معنی

جس چیز سے حرمت کی گرہ کھل گئی ہو وہ حلال ہے اور طیب وہ چیز ہے جو حلال ذرائع سے حاصل ہوئی ہو سہل بن عبد اللہ نے کہا کہ نجات تین چیزوں میں ہے حلال کھانا فراغت کو ادا کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنا نیز سہل نے کہا حلال مال وہ ہے جو سود حرام رشوت خیانت مکروہ اور شبہ سے محفوظ ہو۔

جو کام شریعت کے مخالف ہو وہ شیطان کا طریقہ ہے اگر اس کو کار ثواب اور نیکی سمجھ کر کیا جائے تو وہ بدعت ہے اور اگر اس کو بُرا سمجھ کر کیا جائے تو وہ گناہ ہے مثلاً ماتم اور تعزیہ داری شریعت کے خلاف ہے اور اس کو نیکی سمجھ کر کیا جاتا ہے یہ بدعت ہے اور چوری اور قتل بھی شریعت کے خلاف ہیں اور ان کو بُرا سمجھ کر کیا جاتا ہے یہ گناہ ہیں خلاصہ یہ ہے کہ بدعت اور گناہ کا عمل

کرنا شیطان کے قدموں پر چلنا ہے اور اس کے طریقہ کی پیروی کرنا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی (کے کاموں) کا حکم دینا ہے اور اللہ کے متعلق ایسی بات کہنے کا
(حکم دینا ہے) (البقرہ ۱۶۹)

”سوء“ اور ”فحشاء“ کا معنی

”سوء“ کے معنی ہیں برائی اور ”فحشاء“ کے معنی ہیں بے حیائی ہر وہ کام جس سے شریعت نے منع کیا ہو وہ ”سوء“
اور ”فحشاء“ ہے قرآن مجید میں ”فحشاء“ کا اطلاق زیادہ تر زنا پر آیا ہے اور ایک جگہ اس کا اطلاق بخل پر ہے حضرت
ابن عباس نے فرمایا جس کام پر حد نہ ہو وہ ”سوء“ ہے اور جس پر حد ہو وہ ”فحشاء“ ہے۔

مشرکین ”بحیرہ“ ”سائبہ“ ”وصیلہ“ اور ”حام“ (توں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور) کو حرام قرار دیتے تھے اور یہ
گمان کرتے تھے کہ ان جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان جانوروں کو اللہ نے حرام نہیں کیا لیکن
یہ مشرکین اللہ پر افتراء باندھتے ہیں اور اس آیت میں یہ بتلایا کہ شیطان نے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف اس تحریم کو منسوب کرنے
کا حکم دیا ہے۔

جب اونٹنی پانچ بچے جن لیتی جن میں آخری زہوتا تو مشرکین اس کے کان کو چیر دیتے اور اس پر سوار ہونے بوجھ ادا دے
اور اس کے ذبح کو حرام کر دیتے اور اس کو ”بحیرہ“ کہتے اور جو کوئی شخص دور دراز کے سفر سے واپس آتا یا بیماری سے تندرست
ہوتا یا کسی جنگ یا مصیبت سے نجات پاتا تو وہ اعلان کر دیتا کہ میری اونٹنی توں کے لیے چھوڑی گئی ہے اور اس پر سواری اور
اس کے ذبح کو حرام کر دیتا اور اس کو کسی جگہ بھی گھاس چرنے یا پانی پینے سے منع نہ کیا جاتا اس کو ”سائبہ“ کہتے تھے جب کوئی
اونٹنی یکے بعد دیگرے مادہ کو جنم دیتی تو اس کو بھی توں کے تصرف کے لیے ذبح نہیں کرتے تھے اس کو ”وصیلہ“ کہتے تھے اور
جب ایک معین تعداد میں اونٹ جفتی کر لیتا تو اس کو بھی توں کے لیے چھوڑ دیتے اس کو ”حام“ کہتے تھے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں بلکہ ہم اس
کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ (البقرہ ۱۷۰)

مشرکین سے جب کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حرام نہیں کیا ان کا کھانا جائز ہے سو ان کو ذبح کر کے کھاؤ اور
ان سے نفع اٹھاؤ تو وہ کہتے کہ ہم اپنے باپ دادا سے بھی سنتے چھتے ہیں کہ ان جانوروں کا کھانا حرام ہے ہم ان ہی کی
پیروی کریں گے خواہ ان کے باپ دادا بے علم اور بے ہدایت ہوں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفر اور معصیت میں آباء
واجداد کی تقلید کرنا باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تقلید کی مذمت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جن کی تقلید کی جارہی تھی وہ بے علم اور
بے ہدایت تھے۔

تقلید کی تعریف

مسائل فرعیہ فقہیہ میں تقلید کرنا جائز ہے تقلید کی تعریف ہے کسی شخص کے قول کو بلا دلیل قبول کرنا کیونکہ عام آدمی میں
اتنی اہلیت نہیں ہوتی کہ وہ کتاب اور سنت سے مسائل کا استنباط کر سکے اس لیے وہ ہر پیش آمدہ مسئلہ میں علماء سے رجوع کرے
گا اور علماء اس کو اللہ و رسول کا جو حکم بتائیں گے وہ اس پر عمل کرے گا اسی طرح تمام علماء بھی تمام احکام شرعیہ کو براہ راست
کتاب سنت آثار صحابہ اجماع اور قیاس سے نہیں نکال سکتے اور وہ اس معاملہ میں کسی فقیہ اور مجتہد کے استنباط کردہ مسائل پر

اعتقاد کرتے ہیں جس کی فتنہ اور جس کے اجتہاد پر انہیں وثوق ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے

فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے سوال کرو ۝

(آئل: ۴۳)

امت کا اس پر اجماع ہے کہ عقائد میں تقلید کرنا جائز نہیں ہے ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ کتاب اور سنت اور عقل سے غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے واحد ہونے کا علم حاصل کرے اور دلیل سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو حق جانے اور ماننے۔ ”شرح صحیح مسلم“ جلد ثالث میں ہم نے تقلید اور اجتہاد پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے اس موضوع پر بصیرت حاصل کرنے کے لیے اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الذِّیْ یُنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ

اور کافروں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ایسے شخص کو پکارے جو بلانے اور آواز دینے کے سوا اور کچھ نہ سنتا ہو

إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمُّوا بِكُمْ عُمًیٰ ۖ فَمَنْ لَا یَعْقِلُونَ ۝ (۱۷۱) یَاٰیُهَا

یہ بہرے گوئے اندھے ہیں تو یہ کچھ نہیں سمجھتے ۝ اے ایمان والو!

الَّذِیْنَ اٰمَنُوا کُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاْکُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ

ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم

کُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ (۱۷۲) اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیِّتَةَ وَالدَّمَ

اسی کی عبادت کرتے ہو ۝ اللہ نے تم پر جس کا (کھانا) حرام کیا ہے وہ صرف مردار خون

وَلَحْمَ الْخِزْرِ وَمَا اٰهَلٌۢ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ ۚ فَمَنْ اضْطُرَّ غَیْرُ

خزیر کا گوشت اور وہ جانور ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو سو جو شخص مجبور ہو جائے جب کہ وہ نافرمانی کرنے والا

بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَیْہٖ ۚ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (۱۷۳)

لور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو اس پر (کھانے یا استعمال میں) کوئی گناہ نہیں ہے بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ۝

”نعق“ کا معنی

”نعق“ کا معنی ہے چرواہے کا اپنی بکریوں کو ڈانٹنا اور للکارنا۔

اس آیت میں جو مثال دی گئی ہے اس کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہیں اور وہ اس دعوت پر کان نہیں دھرتے اور لبیک نہیں کہتے اس کی

مثال ایسے ہے جیسے کوئی موشیوں کو چرانے والا اپنی بکریوں اور اونٹوں کو آوازیں دے کر بلارہا ہو اور وہ جانور اس کی صرف آوازیں رہے ہوں اور ان کو پتہ نہ چل سکے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد عکرمہ سدی زجاج فرام اور سیبویہ وغیرہ سے یہ تفسیر منقول ہے۔

(۲) کفار اپنے باطل معبودوں کو جو پکارتے ہیں اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی آدمی رات کو چل رہا ہو اور اس کی آواز گونج رہی ہو۔

(۳) کفار اپنے بتوں کو جو پکارتے ہیں اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی چرواہا اپنے گم شدہ موشیوں کو پکار رہا ہو اور اس کو پتہ نہ ہو کہ وہ موشی کہاں ہیں۔

”صم حکم عمی“ کی تفسیر البقرہ: ۱۸ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اے ایمان والو! ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو۔

(البقرہ ۱۷۲)

حرام کھانے کا وبال

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک چیز کے سوا اور کسی چیز کو قبول نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو حکم دیا تھا سو فرمایا: اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو میں تمہارے کاموں سے باخبر ہوں اور فرمایا: اے مسلمانو! ہماری دی ہوئی چیزوں سے پاک چیزیں کھاؤ پھر آپ نے ایسے شخص کا ذکر کیا جو لباس سفر کرتا ہے اس کے بال غبار آلود ہیں وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے یا رب! یا رب! اس کا کھانا پینا حرام ہو اس کا لباس حرام ہو اس کی غذا حرام ہو تو اس کی دعا کیسے قبول ہوگی!

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۲۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام دارمی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۲۱۱ - ۱۱۰ مطبوعہ نشر المنہ لکھنؤ)

شکر کا معنی البقرہ: ۱۵۲ کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اللہ نے تم پر جس کا (کھانا) حرام کیا ہے وہ صرف مردار خون خنزیر کا گوشت اور وہ جانور ہے جس پر

ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ (البقرہ: ۱۷۳)

حرام کیسے ہوئے مردہ جانوروں میں سے مستثنیات کا بیان

”میتہ“ (مردار) ذبح کیے جانے والے جانوروں میں سے جو جانور بغیر ذبح کے اپنی طبعی موت مر گیا ہو اس کو مردار

کہتے ہیں۔

قرآن مجید کی اس نص قطعی سے ہر مردار کا کھانا حرام ہے تاہم اس کے عموم سے سمندر کے مردہ جانوروں کو خاص کر لیا

گیا ہے قرآن مجید میں ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيْرَةِ

تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے سمندر کا شکار

(المائدہ: ۹۶) اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔

امام احمد اور امام شافعی کے نزدیک مچھلی ہو یا کوئی اور سمندری جانور سب بغیر ذبح کے حلال ہیں امام مالک کے نزدیک

سندری خنزیر کے علاوہ سب حلال ہیں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک صرف مچھلی حلال ہے باقی سندری جانور حرام ہیں امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں: مچھلی کے علاوہ باقی سندری جانوروں سے گھن آتی ہے اور گھناؤنے جانور حرام ہیں قرآن مجید میں ہے "وَيُحَرِّمُ عَلَيْهَا خِلْيَتٌ" (اعراف: ۱۵۷) اور ناپاک چیزیں آپ ان پر حرام کرتے ہیں۔

امام احمد نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے اور اس حدیث سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۱۱ مطبوعہ بیہقی لاہور) امام احمد نے فرمایا: یہ حدیث ۶۰ حدیثوں سے بہتر ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا: سندر کے طعام سے مراد سندر کے مردار جانور ہیں البتہ جو جانور طبعی موت سے مر کر سلاخ آب کے اوپر آ جائے وہ بد بودار ہو جاتا ہے اس کا کھانا بد بو کی وجہ سے مکروہ ہے۔

(المشتری ج ۱ ص ۳۱۵ - ۳۱۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

امام مالک کے نزدیک قرآن مجید کے حکم عام کی سنت سے تخصیص جائز نہیں ہے اس لیے اگر نڈی اپنی طبعی موت سے مر جائے تو اس کا کھانا ان کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ وہ خشکی کا شکار ہے اور بغیر ذبح کے اللہ تعالیٰ نے صرف سندر کا شکار حلال کیا ہے اور امام ابو حنیفہ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک مچھلی اور نڈی کو بغیر ذبح کے کھانا جائز ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ (المجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۷۷ مطبوعہ مکتبۃ دار الفکر بیروت ۱۴۸۷ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے ہیں: دو مردار تو وہ مچھلی اور نڈی ہیں اور دو خون تو وہ کھجی اور تلی ہیں۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۳۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو امام احمد اور امام دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۷۲ مطبوعہ مکتبۃ دار الفکر بیروت ۱۴۸۷ھ)

عنبر کی تحقیق

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

اسی طرح حضرت جابر کی عنبر کے متعلق حدیث ہے جس کی سند صحیح ہے اور وہ عموم قرآن کی تخصیص کرتی ہے اس کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ (المجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۷۷ مطبوعہ مکتبۃ دار الفکر بیروت ۱۴۸۷ھ)

ان حدیثوں کو بیان کرنے سے پہلے ہم عنبر کا معنی بیان کرنا چاہتے ہیں۔

علامہ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

عنبر ایک خوشبودار چیز ہے یہ سندری جانور کی لید ہے یا سندر کی گہرائی میں پتھر سے نکلتی ہے (ازہری نے کہا: یہ ایک سندری مچھلی ہے بعض نے کہا: یہ دعفران ہے بعض نے کہا: یہ سندری مچھلی کی ڈھال ہے۔

(تاجوس ج ۲ ص ۲۷۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ زہیدی سندری مچھلی کی تشریح میں لکھتے ہیں: اس مچھلی کا طول پچاس ذراع (تخمیناً) ہوتا ہے۔

(تاجوس ج ۳ ص ۳۲۹ مطبوعہ مکتبۃ الخیر بیروت ۱۴۰۶ھ)

امام احمد بن حنبل ص ۲۳۱ سند احمد ج ۲ ص ۲۷۷ مطبوعہ مکتبۃ دار الفکر بیروت ۱۴۹۸ھ

امام بخاری لکھتے ہیں حضرت ابن عباس نے فرمایا عنبر دنیہ نہیں ہے وہ ایک چیز ہے جس کو سمندر نکال کر (ساحل پر) پھینک دیتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حکیم مظفر حسین اعوان لکھتے ہیں:

یہ ایک مچھلی (سپر میل) کے حکم سے نکلتا ہے اور سمندر میں سطح آب پر تیرتا ہوا ساحل بحر سے ملتا ہے اس کی صورت اکثر گول ہوتی ہے (اس لیے اسے شام بھی کہتے ہیں) اس کا وزن نصف پیر سے لے کر دس پیر تک ہوتا ہے یہ موی مادہ ہے جو سرد پانی میں حل نہیں ہوتا لیکن گرم پانی میں گداز ہو جاتا ہے اور چکنا محسوس ہوتا ہے عنبر اشہب بہترین خیال کیا جاتا ہے اشہب اس سیاہ رنگ کو کہتے ہیں جس میں سفیدی غالب ہو رنگ بھورا یا سیاہی مائل و چکنا اور سنگ مرمر کی طرح جو ہر دارِ ذائقہ قدرے تلخ و خوشبودار مزاج گرم اور خشک مقام پیدائش سپر میل برزیل امریکہ کے جنوبی ساحل بحر ہند اور خلیج بنگال میں پائی جاتی ہے اس کی تجارت کے مرکز ممباہ اور دارالسلام ہیں افعال و استعمال مفرح اور مقوی قلب و دماغ ہے جو اس کو تقویت دیتا ہے زیادہ تر اعصاب دماغ اور قلب کے امراض میں مستعمل ہے۔

(کتاب المفردات ص ۳۶۶ مطبوعہ شیخ غلام علی ایڈمنسٹریٹر کراچی)

علامہ قرطبی نے عنبر کے متعلق جن حدیثوں کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں امام مسلم روایت کرتے ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ کی قیادت میں بھیجا ہم قریش کے قافلہ کو تلاش کر رہے تھے زاوراہ میں ہمارے پاس صرف کھجوروں کی ایک تھیلی تھی حضرت ابو عبیدہ ہمیں سرورز ایک ایک کھجور دیتے تھے راوی نے پوچھا آپ اس ایک کھجور کو کس طرح کھاتے تھے؟ حضرت جابر نے کہا ہم اس کو اس طرح چوتے تھے جس طرح بچہ چوستا ہے پھر ہم اس کے بعد پانی لیتے تھے تو وہ ہمیں ایک دن اور رات کے لیے کافی ہوتی تھی ورنہ انھیوں سے درختوں کے پتے جھاڑتے پھر ان کو پانی میں بھگو کر کھا لیتے تھے۔ ایک دن ہم ساحل سمندر پر گئے وہاں کنارے پر ایک بڑے نیلے کی مانند کوئی چیز پڑی ہوئی تھی ہم اس کے پاس گئے دیکھا تو وہ ایک جانور ہے جس کو عنبر کہا جاتا تھا۔ حضرت ابو عبیدہ نے کہا یہ مردار ہے پھر کہا نہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے ہیں اور اللہ کے راست میں ہیں اور تم لوگ حالت اضطراب میں ہو سو اس کو کھا لو ہم لوگ تین سو تھے اور وہاں ایک ماہ خنجرے تھے اور اس کو کھا کر ہم موئے ہو گئے تھے مجھے یاد ہے کہ ہم نے اس کی آنکھ کے ڈھیلے سے مشکوں سے بھر بھر کر اس جانور سے چربی نکالی تھی اور اس میں سے نیل کے برابر گوشت کے ٹکڑے کاٹتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ نے ہم میں سے تیرہ آدمیوں کو لے کر اس کی آنکھ کے ڈھیلے میں بھاویے اور اس کی ایک پسلی کو کھڑا کیا اور سب سے بڑے اونٹ کی پیٹھ پر کجاوہ کس کر اس کے نیچے سے گزار لیا اور اس کے گوشت کو اہل کریم نے زاوراہ تیار کر لیا۔ مدینہ پہنچنے کے بعد ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا آپ نے فرمایا یہ ایک رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا فرمایا ہے کیا تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کچھ ہے؟ اگر ہے تو ہمیں کھلاؤ حضرت جابر کہتے ہیں: پھر ہم نے اس میں سے کچھ گوشت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور آپ نے اس کو تناول فرمایا (اس حدیث میں مچھلی پر عنبر کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے)۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۱ ۸۳۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ سپر میل مچھلی کے پیٹ سے نکلنے والے ایک خوشبودار موی مادہ کو عنبر کہتے ہیں اور اس حدیث میں یہ

دلیل ہے کہ سندری مردہ جانوروں کو بغیر ذبح کے کھانا جائز ہے اور یہ صحیح حدیث قرآن مجید میں ”میںہ“ کی عمودی حرمت کے لیے تخصّص ہے۔

سطح آب پر آنے والی مردہ مچھلی کا شرعی حکم

جو مچھلی طبعی موت سے پانی کے اندر مر جائے اور بدبودار ہو کر سطح آب پر ابھر آئے، امام شافعی کے نزدیک اس کو بھی کھانا جائز ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا کھانا جائز نہیں ہے، امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابو داؤد اور روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو سمندر پھینک دے یا جس جانور سے پانی منقطع ہو جائے اس کو کھالو اور جو جانور پانی میں مر کر اوپر آ جائے اس کو مت کھاؤ۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۷۸، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

ملکی اور غیر ملکی صابنوں کو استعمال کرنے کا شرعی حکم

خشکی کے مردہ جانوروں کی چربی کو بھی کھانا اور استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیچ کو حرام کر دیا ہے، آپ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! مردار کی چربی کے متعلق بتائیے کیونکہ اس چربی سے کشتیوں پر روغن کیا جاتا ہے اور اس کا تیل کھالوں پر لگایا جاتا ہے اور لوگ اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: نہیں! وہ حرام ہے، پھر اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے جب اللہ نے مردار کی چربی کو حرام کر دیا تو انہوں نے اس کو پگھلا کر فروخت کیا اور اس کی قیمت کو کھایا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۸، مطبوعہ دار محمد صالح الطائف، کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار کی چربی حرام ہے، اس کا بیچنا اور خریدنا جائز نہیں ہے، اس کا استعمال بھی جائز نہیں ہے، عام طور پر مشہور ہے کہ صابن میں مردار کی چربی ہوتی ہے، خاص طور پر غیر ملکی صابن میں، لیکن یہ امر یقینی نہیں ہے، اس لیے اس کا استعمال ناجائز نہیں ہوگا، نیز نفس چربی تو نجس ہے لیکن اگر چربی کسی چیز میں مل جائے اور وہ چیز کسی دوسری چیز کے ساتھ مل جائے تو وہ چیز شرعاً نجس نہیں ہوگی، اس لیے صابن ملکی ہو یا غیر ملکی اس کے استعمال سے ہاتھ یا بدن نجس نہیں ہوگا، خصوصاً اس لیے کہ صابن لگانے کے بعد ہاتھ یا بدن پر بغیر صابن کے پانی بہایا جاتا ہے۔

علامہ ابو بکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اگر چربی میں چوہا گر جائے تو کیا کریں؟ آپ نے پوچھا کیا وہ جمی ہوئی ہے؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا: چوہے کو اور اس کے ارد گرد کی چربی کو پھینک دو اور اپنی چربی کھالو، صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ! اگر وہ چربی پگھلی ہوئی ہو تو؟ آپ نے فرمایا اس سے نفع حاصل کرو اور اس کو کھانا نہیں۔ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے سے منع فرمایا ہے اور اس کے علاوہ اس سے ہر قسم کے نفع حاصل کرنے کی اجازت دی ہے، حضرت ابن عمر، حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور دیگر سلف صالحین نے اس قسم کی چربی سے نفع حاصل کرنے کو جائز کہا ہے، البتہ کھانے سے منع کیا ہے۔ ہمارے اصحاب نے کہا:

ہے کہ اس قسم کی چربی کو بیچنا جائز ہے اور ہائع کو اس کا عیب بیان کر دینا چاہیے۔

یہ بحث اس چربی میں ہے جس میں چوہا گر گیا ہو مفتی محمد شفیع دیوبندی نے اس کو مطلقاً مردار کی چربی پر محمول کیا ہے اور لکھا ہے: نیز اس وجہ سے بھی کہ بعض صحابہ کرام ابن عمر ابو سعید خدری ابو موسیٰ اشعری نے مردار کی چربی کا صرف کھانے میں استعمال حرام قرار دیا ہے خارجی استعمال کی اجازت دی ہے اس لیے اس کی خرید و فروخت کو بھی جائز رکھا ہے۔ (بصا ص)

(معارف القرآن ج ۱ ص ۲۱۸ مطبوعہ ادارۃ المعارف ۱۳۱۳ھ)

مفتی صاحب کا یہ استنباط صحیح نہیں ہے نہ مذکور المصدر صحابہ کرام کا یہ نظریہ ہے نہ علامہ بصا ص کی یہ عبارت مطلقاً مردار کی چربی کے متعلق ہے بلکہ یہ بحث اس پٹھلی ہوئی چربی میں ہے جس میں چوہا گر گیا ہو علامہ بصا ص اس بحث کے اخیر میں لکھتے ہیں

یہ چربی ان کے نزدیک مردار کی چربی کے قائم مقام نہیں ہے کیونکہ وہ مردار کے گوشت کی طرح بعینہ حرام ہے اور جس پٹھلی ہوئی چربی میں چوہا گر گیا ہو وہ بعینہ حرام نہیں ہے مردار کی مجاورت سے اس کا صرف کھانا حرام ہے اور اس سے باقی ہر طرح کا نفع حاصل کرنا جائز ہے۔

علامہ بصا ص نے اس حدیث سے یہ اصول منطبق کیا ہے:

جو چیز فی نفسہ نجس ہو وہ کسی چیز میں گر جائے تو جتنے حصہ میں وہ نجس چیز ہوگی اس نجس چیز کی مجاورت کی وجہ سے وہ حصہ نجس ہو جائے گا اور جو حصہ اس نجس حصہ سے مجاور ہے وہ نجس نہیں ہوگا کیونکہ جس حصہ میں چوہا گرا اس کو آپ نے نجس فرمایا اور چربی کا باقی حصہ جو اس حصہ سے ملا ہوا ہے اس سے نفع حاصل کرنے کو جائز فرمایا۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۱۱۹-۱۱۸ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۰۰ھ)

اس بناء پر ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض صابن میں مردار کی چربی ہو تب بھی چربی کی وجہ سے صابن نجس ہوگا لیکن صابن جب بدن پر ملا جائے گا تو اس سے بدن نجس نہیں ہوگا کیونکہ جو چیز کسی کی مجاورت کی وجہ سے نجس ہو وہ دوسری چیز کو نجس نہیں کرتی اور اگر بالفرض نجس ہو تب بھی پانی بہا لینے کے بعد کسی قسم کی نجاست نہیں رہی اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ مردار کی چربی سے صابن بنانا جائز ہے لیکن جو صابن بالفرض اس چربی سے بنا ہوا ہو اور اس میں دیگر اور بہت سے کیمیائی مادے شامل ہوں تو اس صابن کو استعمال کرنا مردار کی چربی کو استعمال کرنا نہیں ہے جب کہ ظن غالب یہ ہے کہ مسلمان اور عیسائی مملکت میں مذبح جانور کی چربی کو استعمال کیا جاتا ہے اس لیے ملکی اور غیر ملکی صابنوں کو استعمال کرنا جائز ہے اور ان سے ہاتھ یا بدن نجس نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ نے تم پر جس کا (کھانا) حرام کیا ہے وہ صرف مردار خون۔۔۔۔۔۔ (البقرہ: ۱۷۳)

بہائے ہوئے خون کا بالاجماع حرام ہونا

اس آیت میں مطلقاً خون کو حرام فرمایا ہے اور سورۃ الانعام میں اس کو بہائے ہوئے خون کے ساتھ مقید فرمایا ہے۔

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مُسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خنزيرٍ فَإِنَّ رِجْسًا أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

آپ کہ دیجئے کہ مجھ پر جو وحی کی جاتی ہے اس میں کسی کھانے والے کے کھانے پر کوئی چیز حرام نہیں کی گئی ماسوا مردار یا بہائے ہوئے خون یا خنزیر کے گوشت کے بے شک وہ (خنزیر) نجس ہے یا وہ فسق (جانور) جس پر ذبح کے وقت غیر

(۱۷۵: انعام) اللہ کا نام پکارا گیا ہو سو جو شخص مجبور ہو جائے (اور) وہ نافرمانی

کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو (اور وہ ان کو کھالے یا

استعمال کر لے) تو آپ کا رب بخشنے والا بڑا مہربان ہے ۵

تمام ائمہ اور مجتہدین نے یہاں مطلق کو مقید پر محمول کیا ہے اور یہاں خون سے بہایا ہوا خون مراد ہے کیونکہ جو خون گوشت کے ساتھ گلاط ہوتا ہے وہ بالا جماع حرام نہیں ہے اسی طرح جگر اور تلی کے حلال ہونے پر بھی اجماع ہے اور گھلی کے ساتھ جو خون لگا ہوا ہوتا ہے وہ حرام اور نجس نہیں ہے۔

ضرورت کی وجہ سے ایک شخص کے جسم میں دوسرے شخص کے خون کو منتقل کرنے کا جواز

قرآن مجید کی ان مذکورہ اقسام کے خونوں میں شرعی ضرورت کے بغیر مردار اور خون وغیرہ کو حرام کیا گیا ہے اور جب شرعی ضرورت متحقق ہو یعنی ان چیزوں کے استعمال سے جان بچانے کا مسئلہ ہو یا بیماری کو زائل کرنا اور صحت کو قائم رکھنا مقصود ہو تو پھر ان چیزوں کے استعمال میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمُ الدِّينَ مِنْ حَرْجٍ مَّا ۖ

اور اللہ تعالیٰ نے دین کے احکام میں تم پر کوئی تکلیف نہیں

(نہج ۷۸) کی۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم صرف آسان احکام بیان کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو اور مشکل احکام بیان کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵ مطبوعہ نور محمد ریح الطابع، نراپی ۱۴۲۸ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

دین سے مشقت اور بوجھ کو اٹھالیا گیا ہے اور شریعت میں قاعدہ یہ ہے کہ جس عبادت کی ادائیگی میں امت کو حرج اور نقل ہو وہ عبادت امت سے اٹھائی گئی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ مہنٹر (مجبور) مردہ کھا لیتا ہے اور مریض روزہ توڑ دیتا ہے اور یتیم کو لیتا ہے اس کی اور مثالیں بھی ہیں۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۲ مطبوعہ منشورات مہر خرد ایران ۱۴۲۸ھ)

مجبوری کی بعض حالتوں میں ایک بیمار یا زخمی انسان کے جسم میں دوسرے انسان کے خون کو منتقل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے ایک وجہ یہ ہے کہ جب کسی حادثہ کی بناء پر جسم سے بہت زیادہ خون نکل جائے جس کی وجہ سے فوری طور پر اس کی جان بچانے کے لیے اس کے جسم میں خون منتقل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کا جگر خون بنانا بند کر دیتا ہے اس وقت اس کو زندہ رکھنے کے لیے اس کے جسم میں مسلسل خون منتقل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تیسری وجہ بطن کیینسر (خون کا سرطان) ہے جس میں بعض اوقات ہر ماہ جسم کا پورا خون بدلنا پڑتا ہے چوتھی وجہ کوئی بڑا آپریشن ہے (مثلاً دل کا بائی پاس آپریشن) جس کی وجہ سے بعض اوقات جسم کا اتنا خون نکل جاتا ہے کہ اگر اس کے جسم میں دوسرا خون نہ منتقل کیا جائے تو اس کی زندگی خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔

یہ تمام اضطرار کی صورتیں ہیں اور قرآن مجید نے اضطرار کی صورت میں خون کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے اس لیے ان صورتوں میں ایک شخص کے جسم میں دوسرے شخص کا خون منتقل کرنا جائز ہے۔

حرام چیزوں سے علاج کی ممانعت کے متعلق احادیث

بعض علماء مذکور ذیل احادیث کی بناء پر حرام دواؤں سے علاج کو ناجائز کہتے ہیں خواہ مریض مر جائے مگر حرام چیزوں سے علاج نہ کرے۔

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں نازل کی ہیں اور ہر بیماری کے لیے دوا ہے سو تم دوا کرو اور حرام دوا نہ کرو۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۸۵، مطبوعہ مطبع مجتہدی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبیث دوا سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۸۵، مطبوعہ مطبع مجتہدی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

حضرت سوید بن طارق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے متعلق پوچھا آپ نے اس سے منع فرمایا انہوں نے پھر سوال کیا آپ نے پھر منع فرمایا انہوں نے کہا: یا نبی اللہ! یہ دوا ہے آپ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ بیماری ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۸۵، مطبوعہ مطبع مجتہدی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نشہ آور چیزوں کے متعلق فرمایا: اللہ نے ان چیزوں میں تمہاری شفا نہیں رکھی جن کو تم پر حرام کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳، مطبوعہ نور محمد صالح المطابع کراچی ۱۴۸۱ھ)

مفتی محمد شفیع دیوبندی نے ”صحیح بخاری“ کی اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لکھا ہے۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۴۶) حالانکہ ”صحیح بخاری“ میں یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

علامہ علی متقی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (کنز العمال ج ۱۰ ص ۵۳، مطبوعہ مؤسسة الرسالة بیروت ۱۴۰۵ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میری بیٹی بیمار ہو گئی میں نے اس کے لیے ایک کوزہ میں بنیذ بنایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت بنیذ میں جوش آ رہا تھا آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: میری بیٹی بیمار تھی سو میں نے اس کے لیے یہ بنیذ بنایا ہے آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس چیز میں تمہاری شفا نہیں رکھی جس کو تم پر حرام کیا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۳ ص ۲۲۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ^۱ امام ابن حبان^۲ اور امام بیہقی^۳ نے بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث کو علامہ علی متقی نے بھی بیان کیا ہے۔ (کنز العمال ج ۱۰ ص ۵۳، مطبوعہ مؤسسة الرسالة بیروت ۱۴۰۵ھ)

حافظ ابن قیمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۸۶، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

۱ امام احمد بن علی البیہقی المتوفی ۳۵۷ھ مسند ابو یعلیٰ ج ۶ ص ۲۷۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ

۲ امام ابو حاتم محمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ مؤثر الظلمات ص ۳۳۹، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت

۳ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ سنن کبریٰ ج ۱ ص ۵، مطبوعہ نشر التراث

علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (الجامع الصحیح ج ۱ ص ۲۷۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فقہاء اسلام کے نزدیک احادیث مذکورہ کا محمل

امام بیہقی تحریر فرماتے ہیں:

یہ دونوں حدیثیں (اللہ نے حرام میں شفا نہیں رکھی اور حرام دوا سے علاج نہ کرو) اگر صحیح ہوں تو ان کا محمل یہ ہے کہ شفا آور دوا سے علاج کرنا ممنوع ہے یا بغیر ضرورت کے ہر حرام دوا سے علاج کرنا ممنوع ہے تاکہ ان حدیثوں میں اور عربیین کی حدیث میں تطبیق رہے۔ (سنن کبریٰ ج ۱ ص ۵، مطبوعہ نشر الملتان)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب (شافعیہ) کہتے ہیں کہ نجس چیز کو اس وقت بہ طور دوا استعمال کرنا جائز ہے جب اس کے قائم مقام پاک چیز نہ مل سکے اگر پاک چیز مل جائے تو پھر نجس چیز ہلا تفاق حرام ہے اور جس حدیث میں یہ ہے اللہ نے اس چیز میں تمہاری شفا نہیں رکھی جس کو تم پر حرام کیا ہے اس کا یہی محمل ہے کہ جب حرام دوا کے علاوہ حلال دوا بھی موجود ہو تو پھر حرام دوا کا استعمال حرام ہے اور جب حرام دوا کے علاوہ کوئی اور دوا موجود نہ ہو تو پھر وہ حرام نہیں ہے ہمارے اصحاب نے کہا، یہ اس وقت جائز ہے جب معالج طب کا عارف ہو اور اس کو علم ہو کہ اس دوا کا اور کوئی بدل نہیں ہے یا کوئی مسلمان نیک طبیب اس کی خبر دے اور علامہ بغوی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ صرف ایک طبیب کی خبر بھی کافی ہے۔ (شرح المہذب ج ۹ ص ۵۰-۵۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ احمد قسطلانی شافعی لکھتے ہیں:

امام ابو داؤد نے حضرت ام سلیم (بکہ ام سلمہ) سے روایت کیا ہے کہ اللہ نے اس چیز میں تمہاری شفا نہیں رکھی جس کو تم پر حرام کیا ہے یہ حالت اختیار پر محمول ہے لیکن ضرورت کے وقت یہ حرام نہیں ہے جیسے ضرورت کے وقت مردار حرام نہیں ہے۔

(ارشاد الساری ج ۱ ص ۱۹۳، مطبوعہ مطبع مید مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس حدیث کا یہی محمل بیان کیا ہے کہ حالت اختیار میں حرام چیز میں شفا نہیں ہے اور

ضرورت کے وقت حرام دوا سے علاج کرنا جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۳۳۸، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۰۱ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

چونکہ ان دو حدیثوں میں حرام چیز کے ساتھ علاج کرنے سے منع فرمایا ہے اس لیے عربیین کی حدیث (جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنیوں کے پیشاب کو بہ طور دوا استعمال کر لیا اور عربیین نکرست ہو گئے) (صحیح بخاری صحیح مسلم) ضرورت کی صورت پر محمول ہے کیونکہ ہر کے ساتھ علاج کرنا جائز ہے اور اس کا چینا جائز نہیں ہے۔

(الجامع لا حکام القرآن ج ۲ ص ۳۱، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس سے وہ صورت مراد ہے جب انسان کو حلال اور حرام دونوں دواؤں کے استعمال کا اختیار ہو لیکن جب حرام دوا کے علاوہ اور کوئی دوا نہ ہو تو پھر وہ دوا شرعاً حرام نہیں رہے گی جیسے ضرورت کے وقت مردار حرام نہیں رہتا۔ (عمدة القاری ج ۳ ص ۱۵۵، مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية مصر ۱۳۲۸ھ)

علامہ تاضی خاں حنفی لکھتے ہیں:

اس حدیث سے مراد وہ اشیاء ہیں جن میں شفا نہیں ہے لیکن جب کسی چیز میں شفا ہو تو پھر اس کے استعمال میں کوئی حرج

نہیں ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ ضرورت کے وقت پیاسے کے لیے شراب پینا جائز ہے

(لٹاؤنی قاضی خاں ج ۲ ص ۴۰۴، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیر پٹوالتی، دہلی، مصر ۱۱۶۰ھ)

علامہ ابن براز کردری حنفی لکھتے ہیں

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ جب حرام دوا میں شفا کا علم ہو تو پھر اس کا استعمال حرام نہیں ہے، جیسے پھنسے ہوئے لقمہ کو حلق سے اتارنے کے لیے (جب پانی نہ ہو تو) شراب کا گھونٹ پینا جائز ہے اسی طرح پیاسے کے لیے شراب پینا جائز ہے۔

(لٹاؤنی براز کردری حاشیہ ج ۶ ص ۳۶۵، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیر پٹوالتی)

علامہ حموی حنفی لکھتے ہیں:

علامہ ترمذی نے ”شرح الجامع الصغیر“ میں تہذیب سے نقل کیا ہے کہ پیار کے لیے مردار کھانا اور خون اور پیشاب کو پینا جائز ہے بشرطیکہ مسلمان طبیب یہ کہے کہ اس میں شفاء ہے اور اس کے قائم مقام جائز چیز نہ ملے۔

(غزیمون البصائر ج ۱ ص ۲۷۵، مطبوعہ دارالباز، مکہ مکرمہ ۱۴۰۵ھ)

علامہ شامی حنفی لکھتے ہیں:

جس چیز میں شفا ہو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے جس طرح ضرورت کے وقت پیاسے کے لیے شراب حلال ہے، صاحب ”ہدایہ“ نے ”تجنیس“ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۴۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

ضرورت کے وقت حرام چیزوں سے علاج کے متعلق احادیث اور فقہاء اسلام کی تشریحات

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عکل یا عرینہ سے کچھ لوگ آئے اور انہیں مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پیئیں، جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہوں کو قتل کر دیا۔

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کو آٹھ سندوں سے روایت کیا ہے، امام مسلم نے اس حدیث کو سات سندوں سے روایت کیا ہے، امام ابو داؤد اور امام نسائی نے بھی اس حدیث کو متعدد سندوں سے روایت کیا ہے۔

(عمدة القاری ج ۳ ص ۱۵۱، مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية ۱۳۸۴ھ)

نیز اس حدیث کو امام ترمذی نے کتاب الطہارۃ، اطعمہ اور الطب میں روایت کیا ہے، امام ابن ماجہ نے کتاب الحدود میں روایت کیا ہے، امام احمد بن حنبل نے مسند احمد (ج ۱ ص ۱۹۲، ج ۳ ص ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵

لیکن علامہ نووی نے ”شرح المہذب“ میں لکھا ہے کہ ضرورت کی بناء پر شراب سے بھی علاج جائز ہے۔
(شرح المہذب ج ۹ ص ۹۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خارش کی وجہ سے حضرت عبدالرحمان بن عوف اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو ریشم پہننے کی اجازت دی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت) (۱۳۸ھ)
علامہ بدرالدین عینی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث امام شافعی اور ان کے موافقین کے موقف پر صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ اگر مردوں کو خارش ہو تو ان کے لیے ریشم پہننا جائز ہے۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۹۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت مصر ۱۳۴۸ھ)
ملا علی قاری حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جوؤں یا خارش کی وجہ سے ریشم پہننے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (مرآت ج ۸ ص ۲۳۲ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان ۱۳۹۰ھ)
امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمن بن طرفہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے دادا عرفہ بن اسید کی جنگ کلاب میں ناک کٹ گئی انہوں نے چاندی کی ناک لگائی اس میں بدبو پیدا ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سونے کی ناک بنانے کا حکم دیا۔ امام ابو داؤد نے اس حدیث سے دانت کو سونے کے ساتھ ہاندھنے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۲۵ مطبوعہ مطبعہ خدیجی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس حدیث سے دانت کو سونے کے ساتھ ہاندھنے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۲۶۸ مطبوعہ نور محمد کا خانہ تجارت کتب کراچی)

امام نسائی اور امام احمد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی بناء پر سونے کی ناک لگانے اور سونے کے ساتھ دانت کے ہاندھنے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

(مرآت ج ۸ ص ۲۸۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان ۱۳۹۰ھ)

ہم نے اس بحث میں فقہاء احناف، فقہاء شافعیہ اور فقہاء مالکیہ کی تصریحات پیش کی ہیں کہ ضرورت کے وقت حرام دواؤں سے علاج کرنا جائز ہے، فقہاء حنبلیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض منع کرتے ہیں اور جمہور جائز کہتے ہیں، علامہ مرادوی حنبلی لکھتے ہیں:

جمہور اصحاب کے نزدیک اضطراب کے وقت حرام چیز بہ قدر ضرورت کھانا جائز ہے اور اضطراب اس وقت ہے جب جان کی ہلاکت کا خدشہ ہو یا جان کے نقصان کا خدشہ ہو یا مرض کا خدشہ ہو یا مرض کے بڑھنے کا خدشہ ہو اور اگر مرض کے طول کا خدشہ ہو تو صحیح مذہب یہ ہے کہ پھر بھی اضطراب ہے۔ (الانصاف ج ۱ ص ۳۷۰-۳۶۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۲ھ)

۱۔ امام احمد بن حنبل نسائی متوفی ۲۴۰ھ سنن نسائی ج ۲ ص ۲۸۵ مطبوعہ نور محمد کا خانہ تجارت کتب کراچی

۲۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ سند احمد ج ۵ ص ۱۳ مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

صحت اور زندگی کی حفاظت کا حکم باقی تمام احکام پر مقدم ہے

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ خون کی حرمت قطعی ہے اور خون منحل کرنے سے مریض کا بچ جانا یا اس کا صحت یاب ہو جانا منی ہے اور ظنی فائدہ کی امید پر حرام قطعی کا ارتکاب کرنا جائز نہیں ہے اور بی سلی اللہ علیہ وسلم نے جو عمریں کو بیماری میں اونٹنیوں کا پیسٹاب ہا ہا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو وحی کے ذریعہ علم تھا کہ ان کی اسی سے شفا ہوگی اور وحی کا علم قطعی ہے اس لیے اس سے معارضہ نہیں کیا جاسکتا اور فقہاء نے شدید بھوک کی حالت میں مردار اور خنزیر کھانے کا ہو جو، لکھا ہے اس سے بھی معارضہ صحیح نہیں ہے کیونکہ کسی چیز کے کھانے سے بھوک کا زائل ہونا قطعی ہے اور دوا سے بیماری کا مٹنا ظنی ہے، یہی طرح یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر حلق میں لقمہ پھنسا ہوا ہو اور کوئی اور بیٹے کی چیز نہ ملے تو شراب کا گھونٹ پی کر لقمہ حلق سے نیچے اتارنا جائز ہے کیونکہ کسی مشروب سے لقمہ کا حلق سے اتر جانا قطعی ہے اور دوا سے صحت اور شفا کا حاصل ہونا ظنی ہے اور ظنی کو قطعی پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس اعتراض کی قوت اور مناسبت میں کوئی شبہ نہیں ہے لیکن معترض نے اس پر توجہ نہیں کی کہ جان کو بچانا اور صحت کو قائم رکھنا فرض ہے اور یہ فرض باقی تمام فرائض پر مقدم ہے اور خواہ جان بچانا اور مرض سے محفوظ رکھنا کسی ظنی امر پر موقوف ہو اس کے لیے فرض قطعی کو ترک کر دیا جائے گا قرآن مجید میں ہے

وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ ذَحِيمًا ۝

اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو! بے شک اللہ تم پر بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝ (البقرہ: ۱۷۹)

وَلَا تَقْتُلُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى أَنْفُسِكُمْ ۚ (البقرہ: ۱۷۵) اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

رمضان میں روزہ رکھنا فرض قطعی ہے لیکن اگر روزہ رکھے سے بیمار پڑنے یا مرض بڑھنے کا خدشہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے رمضان میں روزہ نہ رکھنے اور بعد میں اس کو قضاء کرنے کا حکم دیا ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۚ وَ مَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ (البقرہ: ۱۸۵)

تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں موجود ہو تو وہ ضرور اس ماہ کے روزے رکھے اور جو شخص بیمار یا مسافر ہو (اور روزے نہ رکھے) تو اسے دوسرے دنوں میں (قضا شدہ) عدد پورا کرنا لازم ہے اللہ تم پر آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں فرماتا اور تاکہ تم عدد پورا کرو۔

روزہ رکھنے سے بیماری لاحق ہونا یا بیماری کا بڑھنا اسی طرح سفر سے مشقت کا لاحق ہونا ایک امر ظنی ہے لیکن اس امر ظنی کی وجہ سے فرض قطعی کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ زندگی اور صحت کی حفاظت کرنے کا حکم باقی تمام فرائض پر مقدم ہے اور اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کے حکم پر عمل کرنے کو صحت کی حفاظت پر مقدم کرے اور سفر کی مشقت برداشت کر کے روزہ رکھے تو وہ گنہگار ہوگا۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ آپ نے روزہ رکھ لیا حتیٰ کہ آپ کراع انھیں پر پہنچ گئے سو لوگوں نے بھی روزہ رکھ لیا تھا پھر آپ نے پانی کا پیالہ منگایا اور اس کو اوپر اٹھا کر پی لیا جس کو سب لوگوں نے دیکھ لیا پھر آپ کو بتایا گیا کہ بعض لوگ بدستور روزہ سے ہیں اور ان پر روزہ دشوار ہو رہا ہے آپ نے فرمایا یہ لوگ نافرمان ہیں یہ لوگ نافرمان ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵۶، مطبوعہ نور محمد ریح الطائیف، کراچی ۱۳۷۵ھ)

علامہ نووی لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس شخص پر محمول ہے جس کو سفر میں روزہ رکھنے سے ضرر ہو۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۳۵۶، مطبوعہ نور محمد ریح الطائیف، کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ صحت کو قائم رکھنا روزہ رکھنے پر مقدم ہے حالانکہ روزہ رکھنا فرض قطعی ہے اور سفر میں روزہ رکھنے سے مشقت کا لاحق ہونا ایک امر ظنی ہے اور اس امر ظنی کی بناء پر اس فرض قطعی کو ترک کرنا واجب ہے اور اس پر عمل کرنا گناہ ہے۔

نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے ہم میں سے بعض روزہ دار تھے اور بعض نے روزہ نہیں رکھا تھا اس دن بہت سخت گرمی تھی ہم نے ایک جگہ قیام کیا ہم میں سے اکثر لوگ چادروں سے اپنے اوپر سایا کیے ہوئے تھے اور بعض اپنے ہاتھوں سے اپنے اوپر سایا کر رہے تھے روزہ دار (بے ہوش ہو کر) گر گئے اور روزہ نہ رکھنے والوں نے ان پر سایا کیا اور ان پر پانی کے چھینٹے ڈالے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج روزہ نہ رکھنے والے اجر لے گئے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵۶، مطبوعہ نور محمد ریح الطائیف، کراچی ۱۳۷۵ھ)

علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

جو شخص رمضان میں بیمار ہو اور اس کو یہ خدشہ ہو کہ اگر اس نے روزہ رکھا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا تو وہ روزہ نہ رکھے اور قضاء کرے امام شافعی کہتے ہیں کہ وہ روزہ رکھے وہ (روزہ نہ رکھنے کے لیے) جان کی ہلاکت یا عضو کی ہلاکت کا اعتبار کرتے ہیں اور ہم یہ کہتے ہیں کہ مرض کا زیادہ ہونا اور اس کا بڑھنا کبھی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے اس لیے اس سے احتراز کرنا واجب ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۱۳۱، مطبوعہ شرکت علیہ لماں)

مرض کا زیادہ ہونا ایک امر ظنی ہے اسی طرح امام شافعی کے اعتبار سے روزہ رکھنے سے جان یا عضو کی ہلاکت بھی ایک امر ظنی ہے اور اس امر ظنی کی وجہ سے رمضان میں روزہ رکھنے کے قطعی حکم کے ترک کرنے کو نہ صرف جائز بلکہ واجب قرار دیا گیا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ صحت اور زندگی کی حفاظت کا حکم باقی تمام احکام پر مقدم ہے۔

نیز علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

اگر ایک شخص مسافر ہو اور اس کو روزہ سے ضرر نہ ہو تو اس کا روزہ رکھنا افضل ہے اور اگر وہ روزہ نہ رکھے تو جائز ہے کیونکہ سفر مشقت سے خالی نہیں ہوتا اس لیے سفر میں نفس مشقت کو (روزہ نہ رکھنے کا) عذر قرار دیا گیا ہے اس کے برخلاف مرض میں کبھی روزہ رکھنے سے فائدہ ہوتا ہے (جیسے ہیضہ میں) اس لیے مرض میں روزہ نہ رکھنے کے لیے یہ شرط لگائی گئی ہے کہ روزہ رکھنے سے ضرر ہو۔

امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ سفر میں (مطلقاً) روزہ نہ رکھنا افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔ (صحیح بخاری)

ہمارے نزدیک یہ حدیث اس سفر پر محمول ہے جس میں مشقت ہو اور اگر مریض اور مسافر اسی حال میں مرجائیں تو ان پر قضا لازم نہیں ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۱۳۱، مطبوعہ شرکت علیہ لماں)

غیر میں مشقت کا لاحق ہونا بھی ایک امر ظنی ہے جس کی بناء پر رمضان میں روزہ کے قطعی حکم کو ترک کرنے کی رخصت دی گئی ہے۔

نیز علامہ مرغینانی صنفی لکھتے ہیں:

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں جب (رمضان میں) روزہ رکھنے سے اپنے اوپر یا اپنے بچہ کے اوپر (ضرر کا) خوف محسوس کریں تو روزہ نہ رکھیں اور فضا کریں تاکہ ان پر تنگی نہ ہو۔ (ہدایہ اولین ص ۱۲۲ مطبوعہ شرکت ملیہ لبنان)

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کو روزہ رکھنے سے ضرر کا لاحق ہونا بھی ایک امر ظنی ہے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۱۶)

علامہ علاء الدین ہسکتی لکھتے ہیں

غلبہ ظن عدا مات تجربہ یا مسلمان ماہر طبیب کے بتانے سے اگر تندرست شخص کو روزہ رکھنے سے بیمار پڑنے کا خدشہ ہو تو ان کے لیے (رمضان میں) روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور جب وہ روزہ رکھنے پر قادر ہوں تو اس کی اذما فضا کریں۔

(در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۲ ص ۱۱۶۔ ۱۱۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

جو شخص بہت بوڑھا ہو یا جس کو ایسا مرض لاحق ہو جس سے شفا کی امید نہیں ہے (جیسے ذیابیطس اور ہائی بلڈ پریشر) اور اس وجہ سے اس کو روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو اس کے لیے روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے اور اس پر ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کے طعام کا (روکھو گندم) فدیہ دینا لازم ہے قرآن مجید میں ہے

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ
اور جو لوگ روزہ کی طاقت نہ رکھتے ہوں ان پر ایک مسکین کے طعام کا فدیہ لازم ہے۔ (البقرہ: ۱۸۳)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

شیخ فانی اور جس شخص کو ایسا مرض لاحق ہو جس سے شفا کی امید نہ ہو اس رخصت میں داخل ہیں۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۱۱۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

کسی مرض سے شفا کی امید نہ ہونا بھی امر ظنی ہے جس کا مدار تجربہ مشاہدہ اور طبیب کے قول پر ہے اور ان میں سے کوئی چیز قطعی نہیں ہے اور اس کی بناء پر دائمی روزہ کو ترک کرنے کے بدلہ میں فدیہ دینے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ روزہ کا حکم فرض قطعی ہے۔

امام بخاری نے ایک باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے: جب جنبی کو اپنے نفس پر موت کا یا مرض کا خدشہ ہو یا پیاس کا اندیشہ ہو تو وہ تیمم کر لے اور اس کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سردی کی ایک رات میں جنبی ہو گئے انہوں نے تیمم کیا اور یہ آیت تلاوت کی۔
وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝

(النساء: ۲۹) فرماتے والا ہے ۝

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے اس پر ملامت نہیں کی یعنی اس عمل کو صحیح قرار دیا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

جنبی کے لیے غسل کرنے کا حکم فرض قطعی ہے اور سردی میں غسل کرنے سے موت یا مرض کا اندیشہ محض ظن پر مبنی ہے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس ظن کی بناء پر فرض قطعی کو ترک کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو

مقرر رکھا اور شیخ قرار دیا اور امام بخاری نے اس سے بہ مسئلہ تنہا کیا کہ جی کے لیے مرض یا موت کے اندیشہ سے عمل کی بجائے تیمم کرنا جائز ہے۔

قرآن مجید احادیث محدثین اور فقہاء کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ صحت اور زندگی کی حفاظت کا حکم بالی تمام احکام پر مقدم ہے۔

بعض دگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب تک یہ یقین نہ ہو کہ حرام چیز کے علاوہ اور کسی چیز میں شفا نہیں ہے اس کا استعمال جائز نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ غیر نبی کے لیے یقین کا حصول ممکن نہیں ہے اس لیے عام مکلفین کے لیے صرف غائب ظن کا اعتبار کیا جائے گا۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

تم کو معلوم ہے کہ اطباء کے قول سے یقین حاصل نہیں ہوتا اور ظاہر یہ ہے کہ تجربہ سے بھی غائب ظن حاصل ہوتا ہے یقین حاصل نہیں ہوتا اب فقہاء علم اور یقین سے غائب ظن مراد لیتے ہیں اور ان کی عبارات میں یہ اطلاق عام اور شائع ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۱۳۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اللہ کی دی ہوئی رخصت پر عمل کرنا واجب ہے

اس بحث میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ ہم اپنی زندگی کے مالک نہیں ہیں ہمارے پاس یہ زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے ہم اس کو ضائع کرنے یا نقصان پہنچانے کے مجز نہیں ہیں اس لیے کسی مضر چیز کو استعمال کر کے زندگی اور صحت کو نقصان پہنچانا جائز ہے نہ بیماری میں علاج کو ترک کر کے زندگی اور صحت کو نقصان پہنچانا جائز ہے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بیماری میں حرام چیز سے علاج نہ کرنا عزیمت اور تقویٰ ہے اور علاج کرنا رخصت اور فتویٰ ہے اور عزیمت و تقویٰ پر عمل کرنا افضل ہے یہ شخص جہالت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عذر کی حالت میں جو رخصت دی ہے اس پر عمل کرنا واجب ہے اور عمل نہ کرنا گناہ ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے تمہارے لیے جو رخصت دی ہے اس رخصت پر عمل کرنا تم پر واجب ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵۶ مطبوعہ دار محمد صالح الخلیفہ کراچی ۱۴۳۵ھ)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اللہ کی دی ہوئی رخصت کو قبول نہیں کیا اس کو میدان عرفات کے پہاڑوں کے برابر گناہ ہوگا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۷۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۳۸ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی معصیت کو ناپسند فرماتا ہے اسی طرح اپنی دی ہوئی رخصت پر عمل کرنے کو پسند فرماتا ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۸ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۳۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اور (اس جانور کا کھانا حرام ہے) جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ (البقرہ ۷۳)

”وما اهل به لغير الله“ کی تحقیق

امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں

(۱) مجاہد نے کہا اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کو غیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو قتادہ نے کہا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس

جانور پر اللہ کا نام لیے بغیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو، حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ دو اور نصاریٰ کے علاوہ دیگر کافروں نے جس جانور کو بتوں کے لیے ذبح کیا ہو اس سے وہ جانور مراد ہے۔

(۲) رقیع نے کہا اس سے مراد وہ جانور ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، ابن وہب نے کہا اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کو بتوں کے لیے ذبح کیا جائے اور ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۵۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو بکر جصاص لکھتے ہیں مسلمانوں کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ (احکام البقرہ ج ۱ ص ۱۲۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۰ھ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے: "وَأُخِذَ آدَارُ بَنَدِ كَرْدِه شُودِ ذَبْحِ دَعَا بَغِيرِ خُدا۔"

علامہ ابوالحیاء اندلسی لکھتے ہیں:

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ جانور جس کو غیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو وہ حرام ہے اور بت، مسیح وغیرہ یہ سب غیر اللہ میں داخل ہیں اس کو اھلال (آواز بلند کرنا) کہتے ہیں کیونکہ ذبح کے وقت یہ بلند آواز سے اس کا نام پیتے ہیں جس کے لیے جانور کو ذبح کرتے ہیں پھر اس کے منہ میں وسعت دی گئی اور ہر وہ جانور جس کو غیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو اس کو "ما اھل بہ لغیر اللہ" کہا جانے لگا خواہ بلند آواز سے اس کا ذکر کیا گیا ہو یا نہیں اور عطاء، مکحول، سن بھری، شعی ابن المسیب، فوزائی اور لث وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کو بتوں کی قربان گاہ پر ذبح کیا جائے اور وہ کہتے ہیں کہ مسیح کے نام پر نصرانی کا کیا ہوا ذبیحہ جائز ہے اور امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام مالک اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ جب نصرانی مسیح کے نام پر جانور کو ذبح کریں تو ان کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔

(المحیط ج ۲ ص ۱۱۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ علاء الدین ہسکلی حنفی لکھتے ہیں:

امیر یا کسی معظم شخص کی آمد پر جانور کو ذبح کیا گیا تو یہ ذبیحہ حرام ہے کیونکہ یہ "ما اھل بہ لغیر اللہ" ہے خواہ اس کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو اور اگر مہمان کے لیے جانور کو ذبح کیا گیا تو یہ حرام نہیں ہے کیونکہ یہ حضرت ابراہیم کی سنت ہے اور فرق یہ ہے کہ اگر اس نے جانور کو کھانے کے لیے ذبح کیا ہے تو ذبح کرنا اللہ کے لیے ہے اور منفعت مہمان یا دعوت کے لیے ہے اور اگر اس نے کھانے کے لیے ذبح نہیں کیا بلکہ غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا ہے تو یہ غیر اللہ کی تعظیم کی وجہ سے حرام ہے علامہ شامی نے وضاحت کی ہے کہ اگر ذبح سے غیر اللہ کی تعظیم کا قصد ہوگا تو ذبیحہ حرام ہوگا (مثلاً کوئی بڑا آدمی آیا تو اس کی تعظیم کے لیے جانور کا خون بہا دیا تو یہ ذبیحہ حرام ہے) اور اگر یہ قصد نہیں ہے تو ذبیحہ جائز ہے مثلاً مکان کی بنیاد ڈالتے وقت جانور ذبح کیا جائے یا کسی کے بیمار ہونے پر یا کسی کے بیماری سے شفا پانے پر تو اس ذبیحہ کے حلال ہونے میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ اس ذبیحہ سے مقصد اس کے گوشت کو صدقہ کرنا ہے، صومری۔ اس کی مثل یہ ہے کہ کسی شخص نے یہ نذر مانی کہ اگر وہ سمندر کے سفر سے سلامت واپس آ گیا تو اللہ کی رضا کے لیے ایک جانور ذبح کرے گا بحر۔ اس پر اِزْم ہے کہ وہ اس کے گوشت کو صرف فقرا پر صدقہ کرنے کی بجائے یا غیر اللہ کی تعظیم کے لیے ذبح کرنے والا کافر ہو جائے گا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں بڑا زید شرح ابی نبیہ۔

۱۔ ہو سکتا ہے ان فقہاء سے رہنمائی میں کسی بڑے آدمی کے آنے پر اس کی تعظیم کے لیے جانور کو ذبح کر کے اس کا خون بہا دیا جائے مگر یہ کچھ مردود نہیں ہے۔

نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ”مذیہ“ کی کتاب بعید میں ہے کہ یہ فعل مکروہ ہے اور وہ کافر نہیں ہوگا کیونکہ ہم کسی مسلمان کے ساتھ یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے کسی آدمی کا تقرب حاصل کرے گا۔ (علامہ شامی فرماتے ہیں، یعنی تقرب علی وجہ العبادۃ کیونکہ وہی کفر کا سبب ہے اور یہ مسلمان کے حال سے بہت بعید ہے لہذا جو شخص کسی بڑے آدمی کے آنے پر جانور کو ذبح کرتا ہے اس کا مقصد یا تو دنیا داری ہے یا اس جانور کو ذبح کر کے اس شخص سے اظہار محبت کرنا اور اس کے نزدیک مقبول ہونا اس کا مقصود ہے لیکن جب کہ اس فعل میں اس کی تعظیم داخل ہے تو اس جانور پر بسم اللہ پڑھنا حکماً محض اللہ کے لیے نہ ہوا اور یہ ایسا ہو گیا جیسے اس نے بسم اللہ اور بسم فلاں پڑھا تو یہ ذبیحہ حرام ہو جائے گا لیکن حرمت اور کفر میں تلازم نہیں ہے)

(در مختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۹۸۔ ۱۹۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اگر کوئی شخص غیر اللہ کی نذر مانے مثلاً یہ کہے کہ اگر فلاں بزرگ نے میرا کام کر دیا تو میں اس بزرگ کے لیے ایک بکرا ذبح کروں گا سو یہ نذر حرام ہے کیونکہ ”البحر الرائق“ اور فقہ کی دیگر کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کی نذر ماننا حرام ہے اور اگر اس شخص نے اس بزرگ کی تعظیم کے لیے اس بکرے کو ذبح کیا تو فقہاء کی تصریحات مذکورہ کی بناء پر وہ ذبیحہ حرام ہوگا اور ”وما اهل به لغير الله“ کا مصداق ہوگا اور اگر اس نے اللہ کی نذر مانی مثلاً یہ کہا کہ اگر اللہ نے میرا فلاں کام کر دیا تو میں اس کے لیے ایک بکرا ذبح کروں گا تو یہ نذر جائز ہے اور یہ ذبیحہ بھی جائز ہے اور اگر وہ نذر ماننے کے بعد یہ کہے کہ میں اس بکرے کا گوشت فلاں بزرگ کے مزار کے فقراء میں تقسیم کروں گا اور اس نذر کا ثواب فلاں بزرگ کو پہنچاؤں گا تو یہ بھی جائز ہے لیکن یہاں نذر کے لفظ سے احتراز کرنا چاہیے تاکہ اس عرفی نذر کا شرعی نذر سے التباس نہ ہو اور ان پڑھ عوام کے عقائد خراب نہ ہوں اس طرح ایصالِ ثواب کرنے کو علماء دیوبند نے بھی جائز کہا ہے شیخ محمود الحسن لکھتے ہیں۔
البتہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کر کے فقراء کو کھلائے اور اس کا ثواب کسی قریب یا پیر اور بزرگ کو پہنچا دے یا کسی مردہ کی طرف سے قربانی کر کے اس کا ثواب اس کو دینا چاہیے کیونکہ یہ ذبح غیر اللہ کے لیے ہرگز نہیں۔

(حاشیہ بر قرآن ص ۲۲ مطبوعہ سہی عربیہ)

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ

بے شک جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جس کو اللہ نے کتاب میں نازل کیا ہے اور اس کے بدلے میں تھوڑا سا معاوضہ

ثَمًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ

لیتے ہیں یہ لوگ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھر رہے ہیں اور اللہ قیامت کے دن ان سے کلام

اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۷۷ أُولَٰئِكَ

نہیں کرے گا اور نہ ان کو (گنہوں سے) پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۝ یہ وہ لوگ

الَّذِينَ اشْتَرُوا الصَّلَاةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا

ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خرید لیا اور مغفرت کے بدلہ میں عذاب کو (خرید لیا) وہ آگ پر

أَصْبِرْهُمْ عَلَى النَّارِ ۖ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ

کس قدر صبر کرنے والے ہیں O یہ (مخالفت) اس لیے ہے کہ اللہ نے حق کے ساتھ کتاب نازل کی اور بے شک

الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝

جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا وہ بہت زیادہ مخالفت میں ہیں O

تورات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو چھپانے کا گناہ ہونا

اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے ان کو کھانا اور پاک اور صاف چیزوں کو نہ کھانا جس طرح گمراہی اور گناہ ہے اسی طرح تورات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف بیان کیے ہیں ان کو چھپانا اور ان کے عوض دنیا کا قلیل مال حاصل کرنا گمراہی اور گناہ ہے۔ جس چیز سے بعینہ فائدہ حاصل نہ کیا جاسکے بلکہ اس کو خرچ کر کے کوئی فائدہ کی چیز حاصل کی جاسکے اس کو ٹھن کہتے ہیں علماء یہود تورات کی آیات کو چھپا کر جو دنیاوی فوائد اور نذرانے حاصل کرتے تھے اس کو ٹھن قلیل اس لیے فرمایا کہ اس سے فائدہ حاصل کرنے کی مدت قلیل ہے اور دنیا کی متاع بجائے خود قلیل ہے۔ یہ فرمایا کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں تاکہ کھانے کا معنی مؤکد ہو جائے اور یہ وہم نہ ہو کہ یہاں آگ کھانا مجاز ہے اس آیت کی تفصیل البقرہ: ۳۱ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کلام نہ کرنے اور نظر نہ فرمانے کی توجیہ

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو تین بار پڑھا حضرت ابوذر نے کہا: یہ لوگ نقصان اٹھانے والے اور نامراد ہیں۔ یا رسول اللہ! یہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا (تکبر سے) چار کوٹھنوں سے نیچے لگانے والا احسان جتانے والا اور جھوٹی قسم کھا کر سودا بیچنے والا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے 'بوڑھا زانی' جھوٹا بادشاہ اور متکبر فقیر۔ حضرت ابو ہریرہ سے ایک اور روایت میں ہے: جو شخص جنگل میں مسافر کو فالتو پانی دینے سے (بھی) منع کرے جو شخص عصر کے بعد کسی کو جھوٹی قسم کھا کر سودا فروخت کرے اور یہ کہے کہ خدا کی قسم! اس نے وہ چیز اتنے کی لی تھی جتنا کہ اس طرح نہ ہو اور وہ شخص اس کو سچا سمجھے اور جو شخص کسی امام سے مال دنیا کی خاطر بیعت کرے اگر وہ اس کو مال دے تو وہ اس سے وفا کرے اور مال نہ دے تو اس سے وفانہ کرے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۱ مطبوعہ نور محمد راجح الطابع گرامچی ۱۳۷۵ھ)

اس وعید کے متعلق امام مسلم نے تین مختلف حدیثیں روایت کی ہیں ہر حدیث میں تین مختلف شخصوں کا بیان ہے جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا خلاصہ یہ ہے کہ یہ نواہیے گناہ ہیں جن کی وجہ سے قیامت کے دن انسان اللہ تعالیٰ

کے لطف و کرم سے محروم ہو گا اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس امت میں ان کبار میں ہتھار ہیں گے اور بغیر توبہ کے مر جائیں گے اور قرآن مجید میں اس عذاب کا مصداق اس یہودیوں کو قرار دیا ہے جو تورات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آیات کو چھپاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو اختیار کر لیا (البقرہ ۱۷۵)
اس آیت کی تفسیر کے لیے البقرہ: ۱۶ ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور بے شک جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا وہ بہت زیادہ مخالفت میں ہیں O (البقرہ ۱۷۶)
ایک قول یہ ہے کہ اختلاف کرنے والے یہودی تھے نصاریٰ یہ کہتے تھے کہ تورات میں حضرت عیسیٰ کی صفت ہے اور یہود اس کی مخالفت کرتے تھے یا تورات میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات تھیں یہود ان کی مخالفت کرتے تھے یا یہودی قرآن مجید کے احکام کی مخالفت کرتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اختلاف کرنے والے مشرکین تھے بعض کہتے تھے کہ یہ قرآن حُر ہے بعض کہتے تھے کہ یہ "اساطیر الاولین" ہے یعنی پچھلے لوگوں کے قصے اور بعض کہتے تھے کہ اس میں اللہ پر افتراء ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ

(اصل) نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھر اڑا لیکن (اصل)

الْبِرُّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَ

نیکی اس شخص کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخرت اور فرشتوں اور کتابوں اور

النَّبِيِّنَّ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَ

نبیوں پر ایمان لائے اور مال سے اپنی محبت کے باوجود (اللہ کے حکم سے) رشتہ داروں، یتیموں

الْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَ

مسکینوں، مسافروں، سوائیوں اور غلام آزاد کرانے کے لیے خرچ کرنے اور

أَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا

نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے جب وہ عہد کریں

وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ

اور تکلیف اور سختی میں اور جہاد کی مشقت میں صبر کرنے والے یہی

الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾

سچے لوگ ہیں اور یہی متقی ہیں ۵

آیت مذکورہ کے شان نزول کے متعلق اقوال

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے 'یعنی صرف یہ نیکی نہیں ہے کہ تم نماز پڑھ لو اور اس کے سوا اور کوئی نیک عمل نہ کرو۔

فقہاء بیان کرتے ہیں کہ یہود و مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ صرف مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر لینا کوئی نیکی نہیں ہے۔

ایک اور سند کے ساتھ فقہاء نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی کے مذاق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی 'نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلایا اور اس پر یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرائض کے نازل ہونے سے پہلے جب کوئی شخص توحید و رسالت کی گواہی دے دیتا تو اس کے حق میں خیر کی توقع کی جاتی تھی۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۵۶-۵۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ 'یومِ آخرت' فرشتوں، کتابوں اور نبیوں پر ایمان لانے کا معنی

اللہ پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرے اس کو ہر عیب اور نقص سے منزہ مانے اس کی تمام صفات کو قدیم مانے اور اس کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ کرے اس کے سوا کسی کو نہ واجب اور قدیم مانے اور نہ اس کے سوا کسی کو عبادت کا مستحق مانے اور اس کے تمام رسولوں کی تصدیق کرے اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی اور آپ کی شریعت کو آخری شریعت مانے۔

یومِ آخرت پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ قیامت کی 'مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کی' عذاب قبر اور قیامت کے بعد جزا و سزا حساب و کتاب کی 'صراطِ میزان' اور انبیاء اور رسل علیہم السلام کی شفاعت کی تصدیق کرے۔

فرشتوں پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ فرشتوں کے معصوم ہونے اور رسل ملائکہ کی رسالت کرانا کاتبین کے اعمال کو لکھنے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ان کے عمل کرنے کی تصدیق کرے اور تذکیر و تانیث سے فرشتوں کو نری مانے۔

کتاب پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ اس کا اقرار کرے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے جس کو حضرت جبرائیل نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل کیا ہے یہ آخری کتاب ہے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی نہ کوئی اس کی کسی ایک سورت کی بھی مثل لاسکتا ہے۔

تمام نبیوں پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ یہ مانے کہ تمام انبیاء اور رسل برحق ہیں اور سب پر ایمان لانا ضروری ہے یہ جائز نہیں ہے کہ بعض نبیوں پر ایمان لایا جائے اور بعض کا کفر کیا جائے چونکہ ایمان کامل میں اعمال بھی داخل ہیں اس لیے ایمان کے بعد اعمال کا ذکر شروع فرمایا۔

رشتہ داروں پر مال خرچ کرنے کی فضیلت

اور مال سے اپنی محبت کے باوجود خرچ کرے اس کا معنی یہ ہے کہ انسان تندرست ہو اس کو پیسوں کی ضرورت بھی ہو

تاکہ وہ اپنے مستقبل کے لیے لمبے منصوبوں کو پورا کرے اور اسے فقر کا خدشہ بھی لاحق ہو پھر بھی وہ اللہ کی راہ میں رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلین وغیرہ پر خرچ کرے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے پھر آپ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا۔

(جامع ترمذی ص ۱۱۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

بعض علماء نے کہا یہ بھی زکوٰۃ میں داخل ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ کا اس کے بعد ذکر فرمایا ہے اور یہ قول حدیث مذکور کے بھی خلاف ہے امام مالک نے کہا اس سے مراد فدیہ دے کر قیدیوں کو چھڑانا ہے زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے صدقات واجبہ بھی اس سے مراد ہو سکتے ہیں۔

حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے افضل صدقہ پہلو تہی کرنے والے مخالف رشتہ دار پر صدقہ کرنا ہے۔ (نہج کبریٰ ج ۷ ص ۲۷۰، مطبوعہ نشرات الماتان)

حافظ ابوشامی نے لکھا ہے اس حدیث کو امام طبرانی نے ”معجم کبیر“ میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۶۶، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

زکوٰۃ، قربانی، عشر اور صدقہ فطر صدقات واجبہ ہیں باقی صدقات لفضل اور مستحب ہیں۔ صدقات واجبہ ماں باپ، ادا اور شوہر یا بیوی کے علاوہ ان رشتہ داروں کو دیئے جائیں گے جو غیر سادات اور فقراء ہوں اور صدقات لفضل دینے کے لیے کوئی شرط نہیں ہے وہ ہر رشتہ دار کو دیئے جاسکتے ہیں۔ امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رشتہ دار پر صدقہ کرنے کا درجہ مرتبہ دگنا اجروا جاتا ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۰۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یتیم، مسکین اور ابن السبیل کا معنی

یتامی، یتیم کی جمع ہے یتیم اس نابالغ شخص کو کہتے ہیں جس کا باپ فوت ہو چکا ہو۔

مساکین، مسکین کی جمع ہے مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس قدر کفایت یعنی گزارے کے لیے کوئی چیز نہ ہو۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص مسکین نہیں ہے جو لوگوں کے گرد چکر کاٹتا ہے اور ایک لقمہ دو لقمے یا ایک کھجور یا دو کھجور لے کر چلا جاتا ہے صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! پھر مسکین کون ہے؟ آپ نے فرمایا جس کے پاس گزارے کے لیے کوئی چیز نہ ہو اور نہ اس کے ظاہر حال سے اس کی مسکینی کا پتہ چھے تاکہ اس پر صدقہ کیا جائے اور نہ وہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال کرے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳۳، مطبوعہ نور محمد راجح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

ابن السبیل، اس مسافر کو کہتے ہیں جو حالت سفر میں ضرورت مند ہو اور اس کے پاس ضرورت پوری کرنے کے لیے کوئی چیز نہ ہو چونکہ راستہ میں اس کے ماں باپ نہیں ہوتے اور راستہ کے سوا اس کا کسی سے تعلق نہیں ہوتا اس لیے اس کو ابن السبیل کہتے ہیں۔

سوال کرنے کی جائز حد

سائلین سائل کی جمع ہے بلا ضرورت سوال کرنا شرعاً حرام ہے اور سائل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے

زیادہ کا سوال نہ کرے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنا مال بڑھانے کے لیے لوگوں سے سوال کرتا ہے وہ انگاروں کا سوال کرتا ہے خواہ کم سوال کرے یا زیادہ۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۲۳، مطبوعہ دار محمد صالح الطائف، کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام ابن عساکر روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اپنے اوپر سوال کرنے کا دروازہ نہیں کھولتا مگر اللہ تعالیٰ اس کے اوپر فقر کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۴ ص ۲۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت قبیصہ بن عمار ہلالی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخصوں کے علاوہ اور کسی شخص کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے ایک وہ شخص جو مقروض ہو اس کے لیے اتنی مقدار کا سوال جائز ہے جس سے اس کا قرض ادا ہو جائے اس کے بعد وہ سوال سے رک جائے۔ دوسرا وہ شخص جس کے مال کو کوئی ناگہانی آفت پہنچی ہو جس سے اس کا مال تباہ ہو گیا ہو اس کے لیے اتنی مقدار کا سوال کرنا جائز ہے جس سے اس کا گزارہ ہو جائے۔ تیسرا وہ شخص جو فاقہ زدہ ہو اور اس کے قبیلہ کے تین عقل مند آدمی یہ گواہی دیں کہ واقعی یہ فاقہ زدہ ہے تو اس کے لیے بھی اتنی مقدار کا سوال کرنا جائز ہے جس سے اس کا گزارہ ہو جائے اور اسے قبیصہ! ان تین شخصوں کے علاوہ سوال کرنا حرام ہے اور جو (ان کے علاوہ) سوال کرتا ہے وہ حرام کھاتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۳، مطبوعہ دار محمد صالح الطائف، کراچی ۱۳۷۵ھ)

تین آدمیوں کی گواہی کی شرط یہ طور استحب ہے نہ دو آدمیوں کی گواہی بھی کافی ہے اور یہ شرط اس شخص کے لیے ہے جو معاشرہ میں مال دار مشہور ہو اور جس شخص کا مال دار ہونا مشہور نہ ہو اس کے فاقہ زدہ ہونے کی خبر کے لیے اس کا اپنا قول کافی ہے۔

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مال دار کے لیے صدقہ لینا جائز ہے اور نہ صحیح الاعضاء اور قوی شخص کے لیے۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۳۱، مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان ۱۴۰۵ھ)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے سوال کیا درآں حالیکہ اس کے پاس اتنا مال تھا جو اس کو سوال سے مستغنی کر سکتا تھا وہ جہنم کے انگارے جمع کرتا ہے راوی نے پوچھا ماں میں کتنی مقدار ہو تو سوال نہیں کرنا چاہیے؟ فرمایا: جس کے پاس صبح اور شام کا کھانا ہو وہ سوال نہ کرے ایک اور روایت میں ہے جس کے پاس اتنا کھانا ہو کہ وہ ایک دن اور ایک رات سیر ہو کر کھا سکے وہ سوال نہ کرے۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۳۰، مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان ۱۴۰۵ھ)

علامہ علاء الدین ہکفی حنفی لکھتے ہیں: جس شخص کے پاس ایک دن کی خوراک ہو خواہ وہ خوراک ہفتہ موجود ہو یا اس شخص میں اس خوراک کو کما کر لانے کی صلاحیت ہو بایں طور کہ وہ تندرست اور کمانے والا ہو ایسے شخص کے لیے خوراک کا سوال کرنا جائز نہیں ہے اور اگر خیرات دینے والے کو اس کے حال کا علم ہو اور اس کے باوجود وہ اس کو بھیک دے تو وہ گنہگار ہوگا۔

کیونکہ وہ ایک حرام کام میں درود کر رہا ہے اور اگر سائل ضرورت مند ہو اور کپڑوں کا سوال کرے یا جہاد یا طلب علم میں مشغول ہونے کی وجہ سے خوراک کا سوال کرے اور اس کو ان چیزوں کی ضرورت بھی ہو تو اس کا سوال کرنا جائز ہے اور اس کو دینا بھی جائز ہے۔ (در مختار علی معاش رد المحتار ج ۲ ص ۶۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سائلین کو دینے کے متعلق مصنف کی تحقیق

مصنف کی تحقیق یہ ہے کہ جو شخص تندرست ہو اور کمائے کے لائق ہو اس کے باوجود پیشہ ور گداگری کرتا ہو اس کو خیرات بالکل نہ دی جائے سوال سے پہلے نہ سوال کرنے کے بعد نہ تاکہ اس کی حوصلہ شکنی ہو اور وہ جائز طریقہ سے کسب معاش کرے لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب حقیقی طور پر معلوم ہو کہ وہ سائل تندرست اور کمائے کے لائق ہے اور جب یہ معلوم نہ ہو تو کسی مسلمان سائل کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اس کے سوال کو جائز صورت پر محمول کیا جائے مثلاً یہ کہ ہو سکتا ہے کہ وہ کپڑوں کے لیے سوال کر رہا ہو یا اپنے بیوی بچوں کے علاج یا کسی اور شدید ضرورت کی وجہ سے سوال کر رہا ہو یا وہ طالب علم ہو یا مسافر اور جن کے متعلق معلوم ہو کہ وہ ضرورت مند ہیں یا بے روزگار ہیں یا ان کی آمدنی ان کی خوراک لباس رہائش تعلیم اور علاج وغیرہ کے لیے کافی نہیں ہے تو ان کی سوال کے بغیر از خود مدد کرنی چاہیے اور جو لوگ مسجد میں آکر سوال کرتے ہیں ان کے حال کا اکثر و بیشتر لوگوں کو علم نہیں ہوتا اگر وہ نمازیوں کے آگے سے نہ گزریں اور لوگوں کی گردنیں نہ پھلائیں اور گڑا کر سوال نہ کریں تو ان مسلمان سائلوں کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے ان کے سوال کو جائز صورت میں محمول کرنا چاہیے اور حتیٰ الوسع ان کی مدد کرنی چاہیے۔

غلام آزاد کرنے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ وغیرہ کے معافی

غلام کو آزاد کرنے کے دو معنی ہیں: یا تو مکمل غلام خرید کر اس کو آزاد کیا جائے اور یا جو غلام مکاتب ہو اسے بدل کتب دے کر اس کو آزاد کر لیا جائے۔ غلام آزاد کرنے کا بہت اجر ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کا ہر عضو جہنم سے آزاد کر دے گا حتیٰ کہ اس کی فرج کے بدلہ میں فرج آزاد کر دے گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۹۵، مطبوعہ دار محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۳۷۵ھ)

اور نماز قائم کرے: یعنی کعبہ کی طرف منہ کر کے باقی شرائط کے ساتھ نماز کے اوقات میں نماز پڑھے۔ اور زکوٰۃ ادا کرے: یعنی جو شخص نصاب کا مالک ہو وہ ایک سال گزر جانے کے بعد اس مال کا چالیسواں حصہ مستحقین کو ادا کرے۔ نماز پڑھنے سے روح کی تطہیر ہوتی ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے مال کا تزکیہ ہوتا ہے اس لیے قرآن مجید میں دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے جب وہ عہد کریں اس کے دو مطلب ہیں:

(۱) بندہ جب اللہ سے کسی عبادت کی نذر مانے تو اس نذر کو پورا کرے (۲) بندہ لوگوں کے ساتھ جو عہد کرے اس کو پورا کرے۔ ان دونوں عہدوں کو پورا کرنا واجب ہے۔ عہد کو پورا کرنا ایمان صحیح کی علامت ہے اور عہد پورا نہ کرنا نفاق کی علامت ہے لیکن اگر کسی سے گناہ کا عہد کیا ہے تو اس کو توڑنا واجب ہے۔

اور تکلیف اور سختی میں صبر کرنے والے: اس آیت کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) یہ آیت تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ ان کے سوا اور کوئی پوری طرح اس آیت پر عمل نہیں

کر لیا (۲) یہ آیت تمام لوگوں کے حق میں عام ہے، کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عمومی خطاب فرمایا ہے۔ جب کسی ناگہانی مصیبت سے آدمی فتر میں مبتلا ہو جائے یا مرض طاری ہوئے یا اپنے بچوں کی موت سے غم میں مبتلا ہو جائے یا معرکہ جہاد میں شہادت میں مبتلا ہو جائے تو ان حالات میں صبر کرنا نصف ایمان ہے کیونکہ صبر کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ شخص قضاء و قدر پر راضی ہے اور اللہ تعالیٰ سے اجر اور ثواب کی امید رکھتا ہے۔

یہی سچے لوگ ہیں اور یہی متقی ہیں یعنی جو لوگ نیکی کی ان تمام اقسام کے ساتھ متصف ہیں یہی اپنے ایمان میں بچے ہیں اور یہی لوگ حقیقتہً متقی ہیں، کیونکہ یہ لوگ معاصی سے اجتناب کی وجہ سے اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے محفوظ ہو گئے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے اجر و ثواب کے ساتھ کامیاب ہو گئے اور حق یہ ہے کہ جس نے اس ایک آیت پر عمل کر لیا اس کا ایمان کامل ہو گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ ط

اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے خون (ناحق) کا بدلہ لینا فرض کیا گیا ہے

الْحُرِّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ط فَمَنْ عَفَىٰ

آزاد کے بدلہ آزاد غلام کے بدلہ غلام اور عورت کے بدلہ میں عورت سو جس (قتل) کے لیے اس کے

لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ قَاتِلًا بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَّ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ط

بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا تو (اس کا) دستور کے مطابق مطالبہ کیا جائے اور نیکی کے ساتھ اس کی ادائیگی کی جائے

ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ط فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ

یہ (حکم) تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے پھر اس کے بعد جو حد سے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۷۸ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ

تجاوز کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے ۱۷۸ اور اے عقل مند لوگو! تمہارے لیے خون کا بدلہ (مشرع کرنے) میں زندگی ہے

تَتَّقُونَ ۝۱۷۹

تاکہ تم (ناحق قتل کر لے سے) بچو ۱۷۹

اس سے پہلے عبادات اور معاملات کے متعلق احکام بیان کیے گئے تھے اب فوجداری معاملات سے متعلق احکام شرعیہ بیان کیے جا رہے ہیں۔

آیت مذکورہ کا شان نزول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری روایت کرتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں جب دو قبیلے آپس میں لڑتے ایک معزز قبیلہ ہوتا اور دوسرا پسماندہ اور پسماندہ قبیلہ کا غلام معزز قبیلہ کے غلام کو قتل کر دیتا تو معزز قبیلہ کہتا تھا کہ ہم اپنے غلام کے بدلہ میں پسماندہ قبیلہ کے آزاد شخص کو قتل کریں گے اسی طرح اگر پسماندہ قبیلہ کی کوئی عورت معزز قبیلہ کی کسی عورت کو قتل کر دیتی تو معزز قبیلہ کہتا تھا کہ ہم اپنی عورت کے بدلہ میں پسماندہ قبیلہ کے مرد کو قتل کریں گے تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے اس تکبر اور بغاوت سے منع کیا اور فرمایا آراد کے بدلہ میں آزاد کو غلام کے بدلہ میں غلام کو اور عورت کے بدلہ میں عورت کو قتل کیا جائے گا اور سورہ مائدہ میں فرمایا جاں کا بدلہ جان ہے آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے ناک کا بدلہ ناک ہے کان کا بدلہ کان ہے دانت کا بدلہ دانت اور ہر زخم کے بدلہ میں زخم ہے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۶۱، مطبوعہ دارالسرمد بیروت ۱۴۱۰ھ)

غلام اور ذمی کے خون کا قصاص نہ لینے کے حق میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک مسلمان کو کافر کے بدلہ میں اور آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے

گا۔ (الجامع احکام القرآن ج ۲ ص ۳۶، مفتی ج ۸ ص ۴۲)

قاضی بیضاوی شافعی لکھتے ہیں:

امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما نے آزاد شخص کو غلام کے بدلہ میں قتل کرنے سے منع کیا ہے خواہ وہ غلام اس قاتل کا ہو یا اس کے غیر کا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے غلام کو قتل کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کوڑے مارے اس کو ایک سال کے لیے شہر بدر کر دیا اور اس سے اس کے غلام کا قصاص نہیں لیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۰۳) نیز حضرت علی نے فرمایا سنت یہ ہے کہ مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے اور نہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے۔ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۳۲، مطبوعہ لبنان) اور اس لیے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما صحابہ میں آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل نہیں کرتے تھے اس پر کوئی انکار نہیں کرتا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۳۰۵) نیز اس پر اتفاق ہے کہ غلام کے اعضاء کے بدلہ میں آزاد کے اعضاء نہیں کاٹے جاتے اور قرآن مجید میں جو ہے: ”النفس بالنفس جان کا بدلہ جان ہے“ خواہ غلام کی جان ہو یا آزاد کی ہو اس سے معارضہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ تو رات کا حکم ہے اور تو رات کا حکم قرآن کے اس حکم کے لیے ناسخ نہیں ہو سکتا کہ آزاد کو آزاد کے بدلہ میں قتل کیا جائے۔

(انوار الثریل ص ۳۷-۳۶، مطبوعہ دارفراس للشرع والتوزیع بیروت)

اس آیت میں مفہوم مخالف سے استدلال نہیں کیا گیا ہے جیسا کہ شروع میں قاضی بیضاوی نے بھی اعتراف کیا ہے پھر قاضی بیضاوی کا اپنے مذہب کو قرآن کا حکم قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے موقف پر یہ حدیث بھی دلیل ہے امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا اس صحیفہ میں کیا مرقوم ہے؟ فرمایا دیت اور قیدی کو چھڑانے کے احکام ہیں اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

غلام اور ذمی کے قصاص کے متعلق امام ابو حنیفہ کا مذہب

علامہ عبد اللہ بن محمود موسیٰ حنفی لکھتے ہیں:

آزاد کو آزاد اور غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا مرد کو عورت کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا چھوٹے کو بڑے کے بدلہ

میں اور مسلمان کو ذی کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور مسلمان اور ذی کو مستامن کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اور مستامن کو مستامن کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور کسی شخص کو اس کے بیٹے اس کے غلام اس کے بیٹے کے غلام اور اس کے مکان کے بدلہ میں نہیں قتل کیا جائے گا۔

(۱۱) اختیار ج ۲ ص ۲۷ ۲۸ مطبوعہ دارالاسلام لکھنؤ، لاہور، بیروت (مصر)

آزاد سے غلام کا قصاص لینے کے ثبوت میں قرآن اور سنت سے دلائل

ائمہ ثلاثہ نے امام ابوحنیفہ سے دو صورتوں میں اختلاف کیا ہے پہلا اختلاف یہ ہے کہ ثلاثہ کے نزدیک غلام کے بدلہ میں آزاد کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي

لَيْسَ فَرَضٌ كَمَا كُنْتُمْ

الْقِصَاصُ. (البقرہ: ۱۷۸)

اس آیت میں مقتول کا لفظ عام ہے یہ ہر مقتول کو شامل ہے خواہ آزاد ہو یا غلام مسلمان ہو یا ذمی اس کا بدلہ اس کے قتل کرنے والے سے لیا جائے گا خواہ وہ آزاد ہو یا غلام لہذا اگر آزاد شخص نے کسی کے غلام کو قتل کر دیا تو اس غلام کا قصاص اس آزاد سے لیا جائے گا۔ دوسری دلیل یہ ہے:

بے شک جان کا بدلہ جان ہے۔

أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ. (المائدہ: ۲۵)

اس آیت میں بھی مطلقاً فرمایا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے اور آزاد یا غلام کا فرق نہیں کیا گیا اور اس پر علامہ بیضاوی کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید نے یہ تواریات کا حکم بیان کیا ہے یہ اعتراض اس وقت صحیح ہوتا جب اللہ تعالیٰ نے اس حکم کا رد کیا ہوتا اور سابقہ شریعتوں کے جو احکام قرآن اور سنت میں بلا تکلیف بیان کیے گئے ہیں وہ ہم پر حجت ہیں۔

اس آیت کے ہمارے حق میں حجت ہونے پر دلیل یہ حدیث ہے امام بخاری روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان شخص اس کی شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اس کا خون صرف تین وجہوں میں سے کسی ایک وجہ سے بہانا جائز ہے جان کا بدلہ جان شادی شدہ زانی اور دین سے مرتد ہونے والا اور جماعت کو ترک کرنے والا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۳ مطبوعہ نور محمد اسس المطابع کراچی ۱۴۸ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۹ مطبوعہ نور محمد اسس المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً فرمایا: جان کا بدلہ جان ہے اور اس سے واضح ہو گیا کہ سورہ مائدہ کی مذکور الصدر آیت ہمارے لیے بیان کی گئی ہے اور وہ تواریات کے ساتھ خاص نہیں ہے نیز ہماری دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ. (البقرہ: ۱۷۹)

اور قصاص کے حکم میں تمہارے لیے زندگی ہے۔

اس آیت میں برسمیل عموم فرمایا ہے کہ قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے اور اس کو آزاد یا غلام کے ساتھ خاص نہیں کیا قصاص کی وجہ سے مسلمان کسی کو قتل کرنے سے باز رہیں گے آزاد غلام کو قتل کرے گا نہ غلام آزاد کو۔

امام ابوحنیفہ کے موقف کے ثبوت پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے حافظ ابوشامی بیان کرتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے

اس سے خیانت کرے نہ اس کو دلیل کرے ان کا خون ایک دوسرے (کے کفو) کی مثل ہے الحدیث۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے ”معجم اوسط“ میں روایت کیا ہے اس کی سند میں ایک راوی کا نام قاسم بن ابی الزناد لکھا ہے حالانکہ اس کا نام ابو القاسم بن ابی الزناد ہے اس کے علاوہ حافظ البیہقی نے اس حدیث پر اور کوئی جرح نہیں کی۔

(معجم الزوائد ج ۶ ص ۲۸۳ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

آزاد سے غلام کا قصاص نہ لینے کے متعلق ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب

قاضی بیضاوی نے ائمہ ثلاثہ کے موقف پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کوڑے مارے اور اس سے قصاص نہیں لیا۔ (مسند ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۳۰۴) اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث امام ابو حنیفہ کے موقف کے خلاف نہیں ہے کیونکہ امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو قتل کر دے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اختلاف اس صورت میں ہے جب کوئی آزاد شخص کسی دوسرے شخص کے غلام کو قتل کر دے۔

دوسری حدیث جس سے قاضی بیضاوی نے استدلال کیا ہے اس کو امام بیہقی نے ”سنن کبریٰ“ میں از جابر از عامر حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ سنت یہ ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام بیہقی نے خود ”کتاب المعرفة“ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے کیونکہ اس روایت میں جابر جھٹی مفرد ہے اور اس کے معارض حضرت علی سے دو روایتیں ذکر کی ہیں کہ جب آزاد غلام کو قتل کر دے تو اس میں قصاص ہے ہر چند کہ ان روایتوں کو بھی انہوں نے منقطع لکھا ہے۔ (معرفة السنن و الآثار ج ۸ ص ۱۵۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ)

قاضی بیضاوی نے تیسری دلیل یہ قائم کی ہے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما غلام کے بدلہ میں آزاد کو قتل نہیں کرتے تھے اور اس پر کوئی انکار نہیں کرتا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک یہ اس صورت پر محمول ہے جب کوئی آزاد شخص اپنے غلام کو قتل کر دے کیونکہ اسی صورت میں قصاص نہ لینے پر اتفاق ہے حافظ البیہقی نے امام طبرانی کی ”معجم اوسط“ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے ایک شخص سے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سنا ہوتا کہ ملوک کا قصاص مالک سے نہیں لیا جائے گا اور نہ بیٹے کا باپ سے تو میں تم سے قصاص لیتا۔ (معجم الزوائد ج ۶ ص ۲۸۸ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

نیز متعدد صحابہ اور تابعین کا یہ موقف ہے کہ اگر آزاد کسی کے غلام کو قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی اور حضرت ابن مسعود نے کہا کہ جب آزاد غلام کو قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔

ابراہیم نے کہا کہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں اور غلام کو آزاد کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔

سعد بن المسیب نے کہا کہ اگر آزاد غلام کو قتل کر دے تو اس کو قتل کیا جائے گا پھر کہا بے خدا اگر تمام یمن والے مل کر

ایک غلام کو قتل کریں تو میں ان سب کو قتل کر دوں گا۔

شعی نے کہا: آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔

سفیان نے کہا اگر کوئی شخص دوسرے کے غلام کو قتل کر دے تو اس کو قتل کیا جائے گا اور اگر اپنے غلام کو قتل کر دے تو پھر اس

کو قتل نہیں کیا جائے گا جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

(المصنف ج ۹ ص ۳۰۷-۳۰۶ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

ان روایات سے قلع نظر امام اعظم ابو حنیفہ کا مذہب قرآن مجید کی صریح آیات پر مبنی ہے اور امام اعظم کے مذہب میں انسانیت کی تکریم ہے کیونکہ آپ نے آزاد اور غلام مسلمانوں کے خون میں کوئی فرق نہیں کیا۔ مسلمان سے ذمی کا قصاص لینے کے متعلق قرآن اور سنت سے دلائل

مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل نہ کیے جانے کے متعلق ائمہ ثلاثہ کی طرف سے ”صحیح بخاری“ کی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا امام ابو حنیفہ کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث کافر حربی پر محمول ہے اور امام ابو حنیفہ کی دلیل سورہ بقرہ کی یہ آیت ہے اے ایمان والو! تم پر قتل (مقتول) میں قصاص فرض کیا گیا ہے مقتول کا لفظ عام ہے مسلمان اور ذمی دونوں کو شامل ہے اور حربی کافر قرآن مجید کی ان آیتوں سے مستثنیٰ ہے جن میں کفار اور مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح سورہ مائدہ میں ہے جان کا بدلہ جان ہے اور ”صحیح بخاری“ اور ”صحیح مسلم“ میں یہ حدیث ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے۔

نیز امام ابو داؤد در روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمان سلیمانی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مسلمان شخص کو لایا گیا جس نے ایک ذمی شخص کو قتل کر دیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی گردن مار دی اور فرمایا میں ذمی کا ذمہ پورا کرنے کا زیادہ حق دار ہوں۔

عبداللہ بن عبدالعزیز بن صالح حضرمی بیان کرتے ہیں کہ خیر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا جس نے ایک کافر کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا اور فرمایا میں اس کا ذمہ پورا کرنے کا زیادہ حق دار ہوں۔

(مسند ابوداؤد ص ۱۳ مطبوعہ ولی محمد اینڈ سنز کراچی)

امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔

(سنن کبریٰ ج ۸ ص ۳۰ مطبوعہ نشر المکتبۃ الاسلامیہ)

نیز امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مسلمان شخص نے ایک ذمی کو عداً قتل کر دیا یہ مقدمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پیش کیا گیا حضرت عثمان نے اس کو قتل نہیں کیا اور اس پر بھاری دیت مقرر کی جیسے مسلمان کے قتل ناحق پر مقرر کی جاتی ہے۔

امام بیہقی نے کہا یہ حدیث متصل ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۳۳ مطبوعہ نشر المکتبۃ الاسلامیہ)

یہ حدیث بھی امام ابو حنیفہ کی دلیل ہے کیونکہ دیت قصاص کی فرع ہے فریقین میں صلح یا کسی اور وجہ سے قصاص کی جگہ دیت فرض کی گئی۔ انسانیت کی تکریم اور عدل و انصاف کے قریب امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ جب ذمی سے اس کی جان اور مال کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا اور اس سے اس کے بدلہ میں جزیہ لیا گیا تو اس کا یہی تقاضا ہے کہ اگر ذمی کو مسلمان بھی قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے اس سے اسلام میں اخلاق کی ہندی اصول کی برتری اور تکریم انسانیت کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

متعدد لوگوں کی جماعت سے ایک شخص کے قصاص لینے کا بیان

ظاہر یہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر چند آدمیوں کی جماعت مل کر ایک شخص کو قتل کر دے تو ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا

کیونکہ ظاہر آیت نے قصاص اور مساوات کی شرط لگائی ہے اور واحد اور جماعت میں مساوات نہیں ہے۔ لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ آیت کا معنی یہ ہے کہ قاتل کو قصاص میں قتل کر دیا جائے گا خواہ قاتل واحد ہو یا متعدد امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک لڑکے کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا حضرت عمر نے فرمایا اگر اس کے قتل میں (تمام) اہل صنعا شریک ہوتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا اور مغیرہ بن حکیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ چار آدمیوں نے مل کر ایک بچے کو قتل کیا تو حضرت عمر نے اس کی مثل فرمایا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۸ مطبوعہ نور محمد ریحان المطابع کراچی ۱۴۳۸ھ)

سلاطین اور حکام سے قصاص لینے کے متعلق احادیث اور آثار

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ سلطان اگر اپنی رعیت میں سے کسی شخص پر زیادتی کرے تو وہ خود اپنی ذات سے قصاص لے گا کیونکہ سلطان اللہ تعالیٰ کے احکام سے مستثنیٰ نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے مقتول کے سب سے تمام مسلمانوں پر قصاص کو فرض کیا ہے اگر سلطان کسی شخص کو بے قصور قتل کر دیتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ خود کو قصاص کے لیے پیش کرے۔ امام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی چیز تقسیم کر رہے تھے ایک شخص آپ پر جھک گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک چھڑی چھوئی اس نے ایک چیچ ماری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آؤ بدلہ لے لو اس شخص نے کہا نہیں یا رسول اللہ! میں نے معاف کر دیا۔

(سنن نسائی ج ۲ ص ۳۳۳-۳۳۴ مطبوعہ نور محمد ریحان تجارت کتب کراچی)

امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ اس کے چہرہ پر زخم لگ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آؤ مجھ سے بدلہ لے لو اس نے کہا میں نے معاف کر دیا۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۱۸ مطبوعہ مطبع مکتبہ پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کیا ہے۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۳۳۳ مطبوعہ نور محمد ریحان تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۲۹ھ)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

ابو فراس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا میں عاموں کو اس لیے نہیں بھیجتا کہ وہ لوگوں کے جسموں پر ضرب لگائیں اور نہ اس لیے کہ وہ ان کا مال لیں جس شخص کے ساتھ کسی حاکم نے ایسا یا وہ مجھ سے شکایت کرے میں اس سے قصاص لوں گا حضرت عمرو بن العاص نے کہا اگر کوئی شخص اپنی رعیت کو تادیباً مارے آپ پھر بھی اس سے قصاص لیں گے؟ حضرت عمر نے فرمایا ہاں خدا کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے میں اس سے قصاص لوں گا اور بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے آپ نے اپنے نفس کو قصاص کے لیے پیش کیا تھا۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۱۸ مطبوعہ مطبع مکتبہ پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۸ مطبوعہ نشرات ملتان)

امام باقرؑ روایت کرتے ہیں

ابونضر وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص نے (سرخ رنگ کی) خوشبو لگائی ہوئی تھی، آپ نے وہ تیرا کو جھو کر فرمایا کیا میں نے تم کو اس سے منع نہیں کیا تھا؟ اس شخص نے کہا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اور بے شک آپ نے مجھے زخمی کر دیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرا اس کے آگے اٹال دیا اور فرمایا تم اپنا بدلہ لے لو اس شخص نے کہا یا رسول اللہ! جب آپ نے مجھے تیرا جھوٹا تھا تو میرے بدن پر کپڑا نہیں تھا اور آپ نے قمیص پہنی ہوئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھا دیا اس شخص نے جھک کر آپ کے بدن مبارک کا بوسہ لے لیا۔

حضرت سواد بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت میں نے سرخ رنگ کی خوشبو لپی ہوئی تھی جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا اے سواد بن عمرو! تم نے درس (ایک خوشبودار گھاس جس سے سرخ رنگ ہو جاتا ہے) کا لپ کیا ہوا ہے کیا میں نے تم کو اس خوشبو سے منع نہیں کیا تھا؟ آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی آپ نے مجھے وہ چھوئی جس سے مجھے درد ہوا میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ مجھے بدلہ دیں آپ نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھا دیا اور میں آپ کے پیٹ کو بوسہ دینے لگا۔

ابو یعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسید بن خفیر بہت ہنسانے والے تھے ایک دن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے باتیں کر رہے تھے اور ان کو ہنسارہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی اس کی کوکھ میں چھوئی انہوں نے کہا آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے آپ نے فرمایا بدلہ لے لو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے قمیص پہنی ہوئی ہے اور میں نے قمیص نہیں پہنی ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اٹھا دی وہ آپ کے بدن سے لپٹ گئے اور آپ کے پہلو کا بوسہ لے لیا اور کہنے لگے یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں میرا یہی ارادہ تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک حبشی شخص کو لشکر میں بھیجا اس نے واپس آ کر کہا کہ لشکر کے امیر نے بغیر کسی قصور کے میرا ہاتھ کاٹ دیا حضرت ابو بکر نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو میں اس سے ضرور تمہارا بدلہ لوں گا۔ الحدیث ملخصاً

جبر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابو موسیٰ کے ساتھ مل کر دشمن پر غلبہ پایا اور مال غنیمت حاصل کیا حضرت ابو موسیٰ نے اس کو اس کا حصہ دیا اور تمام مال غنیمت نہیں دیا اس نے منع کیا اور کہا وہ تمام مال غنیمت لے گا حضرت ابو موسیٰ نے اس کو بیس کوڑے مارے اور اس کا سر موٹا دیا اس نے وہ تمام مال جمع کیے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور حضرت ابو موسیٰ کی شکایت کی اور وہ بال نکال کر دکھائے حضرت عمر نے حضرت ابو موسیٰ کے نام خط لکھا سلام سے بعد واضح ہو کہ فلاں شخص نے مجھ سے تمہاری شکایت کی ہے اور میں نے یہ قسم کھائی ہے کہ اگر واقعی تم نے اس شخص کے ساتھ یہ زیادتی لوگوں کے مجمع میں کی ہے تو میں لوگوں کے مجمع میں تم سے اس شخص کا قصاص لوں گا اور اگر تم نے تنہائی میں اس شخص کے ساتھ یہ زیادتی کی ہے تو میں تنہائی میں تم سے اس شخص کا قصاص لوں گا لوگوں نے سفارش کی اور کہا ابو موسیٰ کو معاف کر دیجئے حضرت عمر نے فرمایا نہیں! خدا کی قسم! میں کسی شخص کے ساتھ رعایت نہیں کروں گا جب حضرت عمر نے اس شخص کو وہ خط دیا اور قصاص لینے کے لیے تیار ہو گئے تو اس شخص نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا میں نے ان کو اللہ کے لیے معاف کر دیا۔

(سنن کبریٰ ج ۸ ص ۵۰ - ۴۸ مطبوعہ دار الفکر)

قصاص لینا حکومت کا منصب ہے

تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ از خود قصاص لے 'قصاص لینے کے لیے ضروری ہے کہ حاکم کے پاس مرافعہ کیا جائے پھر حاکم خود قصاص لے گا یا کسی شخص کو قصاص لینے کے لیے مقرر کرے گا 'قانون پر عمل کرنے کا منصب صرف حکومت کا ہے ہر شخص کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہے اسی طرح جادوگر اور مرتد کو قتل کرنا اور حدود اور تعزیرات کو جاری کرنا حکومت کا منصب ہے۔

کیفیت قصاص اور آلہ قتل میں ائمہ مذاہب کی آراء اور ان کے دلائل

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا رائج مذہب یہ ہے کہ جس طرح اور جس کیفیت سے قاتل نے مقتول کو قتل کیا ہے اسی طرح اور اسی کیفیت سے قاتل کو قتل کیا جائے اور یہی قصاص کا تقاضا ہے کیونکہ قصاص کا معنی ہے بدلہ اور بدلہ اسی صورت میں ہوگا نیز حدیث میں ہے کہ ایک یہودی نے پتھر مار کر ایک باندی کو قتل کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس یہودی کا پتھر سے سر پھاڑ کر اس کا بدلہ لیا امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے دو پتھروں کے درمیان ایک باندی کا سر پھاڑ دیا اس باندی سے پوچھا گیا کس نے تمہارا سر پھاڑا ہے کیا فلاں نے یا فلاناں نے حتیٰ کہ اس یہودی کا نام لیا گیا تو اس باندی نے سر ہلایا اس یہودی کو بدلایا گیا اس نے قتل کرنے کا اقرار کر لیا تو اس کا سر بھی پتھر سے پھاڑ دیا گیا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۶-۱۰۱۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع 'کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابو حنیفہ اور ایک قول کے مطابق امام احمد کے نزدیک قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا اور اس حدیث میں مسئلہ کرنے کی ممانعت سے پہلے کے واقعہ کا بیان ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ کرنے سے منع فرمادیا تو پھر اس کیفیت سے قصاص لینا منسوخ ہو گیا امام ابو حنیفہ اور امام احمد کی دلیل یہ حدیث ہے امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تلوار کے سوا کسی چیز سے قصاص لینا (جائز) نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۹۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تلوار کے بغیر کسی چیز سے قصاص لینا جائز نہیں ہے۔

ابراہیم نے کہا: جس شخص کو پتھروں سے قتل کیا جائے یا اس کا مسئلہ کیا جائے اس کا قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا اس کو مسئلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ شعبی نے کہا تلوار کے سوا کسی چیز سے قصاص لینا جائز نہیں ہے۔

قتادہ نے کہا: تلوار کے سوا کسی چیز سے قصاص لینا جائز نہیں ہے۔ (المعجم ج ۹ ص ۳۵۵-۳۵۴ مطبوعہ دار الفکر 'کراچی')

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

جس کیفیت سے قاتل نے قتل کیا ہے اسی کیفیت سے اس کو قتل کیا جائے گا اگر اس نے غرق کیا ہے تو اس کو غرق کیا جائے گا اور اگر اس نے پتھر سے قتل کیا ہے تو اس کو پتھر سے قتل کیا جائے گا امام مالک اور امام شافعی کا یہی قول ہے ابہتہ اگر اس کیفیت سے زیادہ عذاب ہو تو پھر اس کو تلوار سے قتل کیا جائے گا اور جس نے آگ سے جلا کر قتل کیا اس کے متعلق امام مالک کے مختلف قول ہیں۔ (بدایہ الجہد ج ۲ ص ۳۰۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سو جس (قاتل) کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا تو (اس کا) دستور کے مطابق مطالبہ کیا جائے اور نیکی کے ساتھ اس کی ادائیگی کی جائے یہ (علم) تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے پھر اس کے بعد جو حد سے تجاوز کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے O (۱۷۳، ۱۷۴)

ولی مقتول کے معاف کرنے کی تفصیل

یعنی مقتول کے ولی نے قاتل کو معاف کر دیا قاتل کو مقتول کے بھائی نے تجیر فرمایا ہے تاکہ ولی کی مقتول کو معاف کرنے میں رغبت ہو اور وہ قصاص کا مطالبہ ترک کر دے اور دستور کے مطابق دیت کا مطالبہ کیا جائے یعنی شریعت میں جو دیت کی مقدار مقرر کی گئی ہے ولی مقتول اس سے زیادہ کا مطالبہ نہ کرے اور قاتل کے عصمت دیت کی ادائیگی کی مدت میں تاخیر اور مقدار میں کمی نہ کریں اور معاف کرنے اور دیت ادا کرنے کا حکم تمہارے رب کی طرف سے تخفیف ہے اور اس میں تم پر رحمت ہے کیونکہ یہود کی شریعت میں صرف قصاص واجب تھا اور نصاریٰ کی شریعت میں صرف دیت واجب تھی اور تمہارے لیے یہ آسانی ہے کہ مقتول کا ولی قاتل سے قصاص لے یا دیت لے یا بالکل معاف کر دے۔ تمہیں ہر طرح اختیار کی وسعت دی گئی اور کوئی ایک شق واجب نہیں کی گئی اور جس نے اس کے بعد حد سے تجاوز کیا یعنی اگر ولی مقتول نے معاف کرنے کے بعد قاتل کو قتل کیا تو اس کو دنیا اور آخرت میں عذاب ہوگا دنیا میں اس کو قتل کیا جائے گا اور آخرت کا عذاب الگ ہوگا۔

دیت کی مقدار اور عاقلہ کا بیان

(۱) دیت کی مقدار سواونٹ یا ہزار دینار (۳۷۳، ۳۷۴ کلو سونا) یا دس ہزار درہم (۶۱۸، ۶۲۰ کلو چاندی) ہے

(ب) دیت کو تین سال میں قسط وار ادا کرنا قاتل کی عاقبت پر لازم ہے۔

(ج) عاقلہ سے مراد قاتل کے حمایتی اور مددگار ہیں یہ اس کے اہل قبیلہ، اہل محلہ اور اہل صنعت و حرفت ہو سکتے ہیں جو شخص کسی مل یا کارخانہ میں ملازم ہو اس مل یا فیکٹری کے مالکان اور کارکنان کو بھی عاقلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

دیت پر مفصل بحث ان شاء اللہ سورۃ نساء آیت ۹۲ میں بیان کی جائے گی۔

کُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ

جب تم میں سے کسی کو موت آئے (سو) اگر اس نے مال چھوڑا ہے (تو) اس پر ماں باپ اور رشتہ داروں

لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُسْتَقِيمِينَ ۝ ۱۸۰ ۞ فَسِنْ

کے لیے دستور کے موافق وصیت کرنا فرض کیا گیا ہے یہ پرہیزگاروں پر حق ہے O سو جس نے

بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۝ ۱۸۱ ۞

وصیت کو سننے کے بعد اس کو تبدیل کیا تو اس کا گناہ صرف تبدیل کرنے والوں پر ہے شک

اللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ ۱۸۱ ۞ فَسِنْ خَافَ مِنْ مَوْصٍ جَنَفًا وَاِثْمًا

اللہ سب کچھ سننے والا بہت جاننے والا ہے O پھر جس کو وصیت کرنے والے سے بے انصافی یا گناہ کا خوف ہو

فَاصْلَةٌ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْرَ عَلَيْهِ إِذَا لَمْ يَكُنْ عَقُورًا حَلِيمًا ۝

پس وہ ان کے درمیان صلح کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

رابط آیات اور خلاصہ تفسیر

اس سے پہلے آیتوں میں قتل اور قصاص کا ذکر تھا جس کے ضمن میں موت کا معنی تھا اور اول عام طور پر موت کے وقت وصیت کرتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وصیت کے متعلق ہدایت دی کہ جب کوئی شخص مرض الموت میں مبتلا ہو یا کسی اور وجہ سے اس پر موت کی علامات ظاہر ہوں اور اس کے پاس مال ہو تو اس پر فرض کیا گیا ہے کہ وہ اپنے والدین اور رشتہ داروں کے لیے وصیت کرے اور وصیت کرنے والے کی موت کے بعد اس کی وصیت کو تبدیل کرنا سخت گناہ ہے اگر مرنے والے نے دستور کے مطابق وصیت کی تھی اور بعد میں کسی نے اس کو تبدیل کر دیا تو وصیت کرنے والے سے آخرت میں باز پرس نہیں ہوگی اس کا گناہ صرف وصیت تبدیل کرنے والے کو ہوگا۔ اگر کسی شخص کو قرآن سے یا وصیت کرنے والے کے کسی بیان سے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کسی وارث کو محروم کرنا چاہتا ہے یا کسی وارث کو دستور سے زیادہ دینا چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ اصلاح کی کوشش کرے اور وصیت کرنے والے کو عدل و انصاف کی تلقین کرے۔

وصیت کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ سید زبیدی لکھتے ہیں:

وصیت کا معنی اتصال ہے اور وصیت کو اس لیے وصیت کہتے ہیں کہ یہ میت کے معاملات کے ساتھ متصل ہوتی ہے۔

(تاج المعری ج ۱۰ ص ۲۹۲ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ راغب اصفہانی نے کہا: دوسروں کے عمل کرنے کے لیے پیشگی کوئی بات بہ طور تاکید کہنا وصیت ہے۔

(المفردات ص ۵۲۵ مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

علامہ میر سید شریف نے کہا موت کے بعد کسی کو کسی چیز کا بہ طور احسان مالک بنانا وصیت ہے۔

(کتاب التریجات ص ۱۱۱ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

ڈاکٹر وہبہ زحلی نے کہا کسی شخص کا اپنے ترکہ میں ایسا تصرف کرنا جس کا اثر موت کے بعد مرتب ہو یہ وصیت ہے۔

(التفسیر المنیر ج ۱ ص ۱۱۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

وصیت کی اقسام

علامہ شامی نے وصیت کی چار اقسام بیان کی ہیں:

- (۱) واجب۔ انسان اللہ تعالیٰ کے جن حقوق کو ادا نہیں کر سکا ان کی وصیت کرنا اس پر واجب ہے مثلاً جن سالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کی یا حج نہیں کیا تو ان کے متعلق وصیت کرے یا اس سے نمازیں اور روزے چھوٹ گئے جن کی قضا نہیں کی ان کے فدیے کے بارے میں وصیت کرے یا مالی کفارے ادا نہیں کیے ان کے لیے وصیت کرے اسی طرح انسان بندوں کے جن حقوق کو ادا نہیں کر سکا ان کے متعلق وصیت کرے مثلاً کسی کا قرض دینا ہے جس کا کسی کو پتا نہیں کسی کی امانت لوٹانی ہے کسی کی کوئی چیز غصب کر لی تھی اس کو واپس کرنا ہے اس قسم کی وصیت کرنا واجب ہے۔
- (۲) مستحب۔ دینی مدارس مساجد علماء دینی طلبہ غریب قرابت داروں اور دیگر امور خیر کے لیے وصیت کرنا مستحب ہے۔

(۳) مباح امیر رشتہ داروں اور دنیاداروں کے لیے وصیت کرنا مباح ہے۔
 (۴) مکروہ فساق اور فجار کے لیے وصیت کرنا مکروہ ہے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۴۱۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)
 مصنف کی تحقیق یہ ہے کہ جن حقوق کا ادا کرنا فرض ہے ان کے لیے وصیت فرض ہوگی جیسے زکوٰۃ اور جن حقوق کا ادا کرنا واجب ہے ان کے بارے میں وصیت واجب ہوگی جیسے روزے کا کفارہ (کیونکہ اس کا ثبوت حدیث سے ہے اور ظنی ہے) اسی طرح غریب فساق اور فجار کے لیے وصیت کرنا مکروہ تشریحی ہے اور امیر فساق اور فجار کے لیے وصیت کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اگر وہ غریب ہیں تو ہو سکتا ہے اس مال کو وہ اپنی کفالت پر خرچ کریں اور اگر امیر ہیں تو ظن غالب ہے کہ وہ معصیت اور فسق و فجور پر خرچ کریں گے اور معصیت کے اداواروں کے لیے وصیت کرنا حرام ہے مثلاً فلم شوڈیو آرٹ گولڈ ریس کورس وغیرہ اسی طرح کفار کے لیے وصیت کرنا بھی حرام ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مصنف کی تحقیق کے مطابق وصیت کی سات قسمیں ہیں: (۱) فرض (۲) واجب (۳) مستحب (۴) مباح (۵) مکروہ تشریحی (۶) مکروہ تحریمی (۷) حرام (مستحب اور مباح کی وہی مثالیں ہیں جو اوپر مذکور ہیں)۔

وصیت کی شرائط اور رکن

وصیت کی حسب ذیل شرائط ہیں:

- (۱) وصیت کرنے والے مالک بنانے کا اہل ہو اس لیے نابالغ، مجنون اور مکاتب کی وصیت صحیح نہیں ہے۔
- (۲) وصیت کرنے والے کے ترکہ پر فرض مجب نہ ہو کیونکہ قرض کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہے۔
- (۳) جس کے لیے وصیت کی جائے وہ وصیت کے وقت زندہ ہو خواہ تحقیقاً یا تقدیراً (جیسے حاملہ کے بطن میں بچہ کے لیے وصیت کی جائے)۔
- (۴) جس کے لیے وصیت کی جائے وہ وارث نہ ہو۔
- (۵) جس کے لیے وصیت کی جائے وہ قاتل نہ ہو خواہ قتل عمد ہو یا قتل خطا، البتہ قتل باسبب وصیت کے منافی نہیں ہے۔
- (۶) جس چیز کی وصیت کی ہو وہ تمسک کے قابل ہو خواہ وہ اس وقت موجود ہو یا اس کا وجود بعد میں ہو مثلاً ایک سال یا ہمیشہ کے لیے باغ یا درخت یا درخت کے پھلوں کی وصیت کی جائے۔
- (۷) کل ترکہ کے تہائی مال میں وصیت کی جائے۔

وصیت کا رکن یہ ہے کہ وصیت کرنے والا کہے: میں نے فلاں چیز کی فلاں شخص کے لیے وصیت کی ہے۔

(در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۵ ص ۴۱۶، ۴۱۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

وصیت کا لزوم

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس کوئی وصیت کے لائق چیز ہو اور وہ اس میں وصیت کرنا چاہتا ہو اس کے لیے وصیت لکھے بغیر دو راتیں گزارنا بھی جائز نہیں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے وصیت لکھے بغیر مجھ پر ایک رات بھی نہیں گزری۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹-۳۸، مطبوعہ نور محمد ص ۱۲۸، کراچی ۱۳۷۵ھ)

ورثاء کے لیے وصیت کا منسوخ ہونا اور غیر ورثاء کے لیے تہائی مال کی وصیت کا انتخاب

جمہور علماء اور اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت میراث کی آیتوں سے منسوخ ہے کیونکہ والدین اور دیگر رشتہ داروں کے اللہ تعالیٰ نے خود جیسے مقرر فرمادیے اس لیے ان کے حق میں وصیت کرنے کا جواب اب منسوخ ہو گیا۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ ہاشمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے سال اپنے خلیفہ میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے سو وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔ الحدیث

(جامع ترمذی ص ۳۸۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۴۰ مطبوعہ مطبع بھٹائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کی وجہ سے اب ورثاء کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کسی نے وارث کے لیے وصیت کی تو وہ نافذ نہیں ہوگی اور جو رشتہ دار وارث نہ ہوں ان کے لیے تہائی مال سے وصیت کرنا مستحب ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں مجھے ایسا درد لاحق ہوا کہ میں قریب المرگ ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ درد سے میری کیا حالت ہے! میں ایک مال دار شخص ہوں اور ایک لڑکی کے سوا میرا اور کوئی وارث نہیں ہے کیا میں دو تہائی مال صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں! میں نے کہا نصف مال صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں! تہائی مال صدقہ کرو تہائی مال بہت ہے اگر تم اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ کر جاؤ تو یہ ان کو محتاج چھوڑنے سے بہتر ہے جس کے سبب وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہیں اور تم جو کچھ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کر دو گے تم کو اس کا اجر ملے گا حتیٰ کہ اس لقمہ کا بھی اجر ملے گا جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو۔ الحدیث (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

احادیث کی روشنی میں وصیت کے احکام

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل نے تمہاری وفات کے وقت تمہارے تہائی مال سے تم پر صدقہ کیا ہے یہ تمہاری نیکیوں میں زیادتی ہے تاکہ تمہارے اعمال کو اس صدقہ سے پاکیزہ کر دے۔ (سنن دارقطنی ج ۲ ص ۱۵۰ مطبوعہ نشر المکتان)

اگر تمام وارث تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنے کی اجازت دیں تو یہ جائز ہے کیونکہ تہائی مال کی حد ورثاء کا حق محفوظ کرنے کے لیے قائم کی گئی ہے سوا اگر ورثاء خود اپنے حق سے دستبردار ہو رہے ہوں تو پھر تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز ہے۔

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے البتہ اگر ورثاء چاہیں تو جائز ہے۔

حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وارث کے لیے وصیت کرنا

جار نہیں ہے البتہ اگر (دیگر) وارث اجازت دیں تو پھر جائز ہے۔ (من روادع ۲ ص ۱۵۲ مطبوعہ اشرفیہ ملتان)

اگر کوئی شخص کسی وارث کو محروم کر دے یہ کسی شخص کے لیے اس قدر زیادہ وصیت کرے جس سے دوسرے حق داروں کے حصوں میں کمی ہو تو وہ شخص گمراہ ہوگا۔ امام ابو داؤد دروایت کرتے ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مرد اور عورت ساٹھ سال تک اللہ کی عبادت کرتے رہتے ہیں پھر ان کو موت آ جاتی ہے اور وہ وصیت میں (کسی کو) ضرر پہنچاتے ہیں تو ان کے لیے دوزخ واجب ہو جاتی ہے۔ (من ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰ مطبوعہ مطبعہ تہذیبی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

زندگی میں صحت کے وقت صدقہ کرنے میں موت کے وقت صدقہ کی وصیت کرنے کی یہ نسبت بہت زیادہ فضیلت ہے امام ابو داؤد دروایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! کون سے صدقہ میں زیادہ فضیلت ہے؟ آپ نے فرمایا تم اس وقت صدقہ کرو جب تم صحت مند ہو مال پر حریص ہو زندگی کی امید ہو اور تنگ دستی کا خوف ہو اور صدقہ میں تاخیر نہ کرتے رہو حتیٰ کہ جب موت حلقوم تک پہنچ جائے تو کہو یہ چیز فلاں کے لیے اور یہ چیز فلاں کے لیے یہ تو (اب تم کہو یا نہ کہو) فلاں کے لیے ہو ہی جائے گی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص اپنی زندگی میں ایک درہم صدقہ کرے تو وہ موت کے وقت سو درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

(من ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰ مطبوعہ مطبعہ تہذیبی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى

اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزے رکھنا فرض کیا گیا تھا

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (۱۸۳) أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ۖ فَمَنْ

تاکہ تم متقی بن جاؤ O معدودے چند دنوں میں سو جو شخص

كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۖ

تم میں سے بیمار ہو یا مسافر (اور وہ روزے نہ رکھے) تو دوسرے دنوں میں عدد (پورا کرنا لازم ہے)۔

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَنْ تَطَوَّعَ

اور جن لوگوں پر روزے رکھنا دشوار ہو (ان پر ایک روزہ کا) فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے پھر جو خوشی سے فدیہ

خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۖ وَإِنْ أَنْصَرْتُمْ تَحِيزُ لَكُمْ ۚ أَنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ (۱۸۴)

کی مقدار بڑھا کر زیادہ نیکی کرے تو یہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہے اور اگر تمہیں علم ہو تو روزہ رکھنا تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے O

ربط آیات

سابقہ آیات میں پہلے قصاص کا حکم دیا گیا تھا جس کا تقاضا یہ ہے کہ قاتل اپنے جسم کو حکام اور ولی مقتول کے حوالے کر دے تاکہ وہ اس کو قتل کر دیں اس حکم پر عمل کرنا انسان کے لیے بہت مشکل اور دشوار ہے اس کے بعد وصیت کرنے کا حکم دیا اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے مال کو اپنی ملکیت سے نکال کر دوسروں کے حوالے کر دے یہ حکم پہلے حکم کی بہ نسبت بہت کم مشکل اور کم دشوار ہے پھر اس کے بعد روزہ رکھنے کا حکم دیا یہ اس سے بھی کم مشکل ہے کیونکہ روزہ رکھنے سے انسان کے صرف کھانے پینے کے معمولات بدل جاتے ہیں اب وہ فجر سے پہلے سڑی کرے گا اور دن بھر غروب آفتاب تک بھوکا پیاسا رہے گا پھر مغرب کے بعد کھانا کھائے گا یہ حکم پہلے دو حکموں کی بہ نسبت اور بھی کم مشکل ہے تو ان احکام ثلاثہ میں ترتیب یہ ہے کہ پہلے ایک زیادہ مشکل کام کا حکم دیا پھر بہ تدریج اس مشکل کو کم کر کے احکام دیئے نیز اسلام کے پانچ ارکان میں سے تو حید و رسالت پر ایمان نماز زکوٰۃ اور ضمنائج کا بھی ذکر اس سے پہلی آیات میں آچکا تھا سواب روزہ کا ذکر فرمایا

قصاص اور وصیت کی روزہ کے ساتھ یہ مناسب بھی ہے کہ قصاص میں نفس انسان کو حسی طور پر قتل کیا جاتا ہے اور روزہ میں شہوت کو قتل کیا جاتا ہے اور شہوت وطی کا سبب ہے اور وطی نفس انسان کے پیدا ہونے کا سبب ہے نیز قصاص میں معنوی طور پر اجسام کی حیات ہے اور روزہ میں ارواح کی حیات ہے کیونکہ روزہ سے ذہن پاکیزہ ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی نعمتوں اور اپنی بڑی عادتوں اور کوتاہیوں میں غور و فکر کرتا ہے جس سے ندامت ہوتی ہے اور وہ توبہ کرتا ہے اور اس کے دل میں خوف خدا پیدا ہوتا ہے اور وہ گناہوں سے بچتا ہے اور دنیا کی رنگینیوں کو ترک کرتا ہے اور فرشتوں کے اوصاف سے متصف ہو جاتا ہے اسی سبب سے اس مہینہ میں فرشتہ کی وساطت سے قرآن نازل ہوا ہے اس ہر روزہ کا حکم وصیت کے منسوب تھا کیونکہ وصیت کے ذریعہ پاکباز لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ اب ان سے فرشتوں کی ملاقات کا وقت آ رہا ہے اس لیے وہ مال دنیا کو ترک کر دیں اور دنیا کا مال وصیت کر کے دوسرے ضرورت مندوں کے حوالے کر دیں پھر وصیت کے حکم کو مغفرت اور رحمت پر ختم کیا اور اس کے بعد روزہ کا حکم شروع کیا تاکہ معلوم ہو کہ مغفرت اور رحمت سب سے زیادہ روزہ داروں کو حاصل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا تھا۔ (البقرہ: ۱۸۳)

روزہ کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کی مشروعیت کی تاریخ

روزہ کا لغوی معنی ہے: کسی چیز سے رکنا اور اس کو ترک کرنا اور روزہ کا شرعی معنی ہے: مکلف اور بالغ شخص کا ثواب کی نیت سے طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع کو ترک کرنا اور اپنے نفس کو تقویٰ کے حصول کے لیے تیار کرنا۔

تمام ادیان اور مل میں روزہ معروف ہے قدیم مصری یونانی رومن اور ہندو سب روزہ رکھتے تھے موجودہ تورات میں بھی روزہ داروں کی تعریف کا ذکر ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چالیس دن روزہ رکھنا ثابت ہے یرشلم کی تباہی کو یاد رکھنے کے لیے یہود اس زمانہ میں بھی ایک ہفتہ کا روزہ رکھتے ہیں اسی طرح موجودہ انجیلوں میں بھی روزہ کو عبادت قرار دیا گیا ہے اور روزہ داروں کی تعریف کی گئی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ فرض کیا گیا تھا اسی طرح تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے تاکہ مسلمانوں کو روزہ رکھنے میں رغبت ہو کیونکہ جب کسی مشکل کام کو عام لوگوں پر لاگو کر دیا

جاتا ہے تو پھر وہ اہل ہو جاتا ہے۔

علامہ علاؤ الدین ہسکلی نے لکھا ہے کہ ہجرت کے ڈیڑھ سال اور تحویل قبلہ کے بعد دس شعبان کو روزہ فرض کیا گیا۔

(در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۲ ص ۸۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

سب سے پہلے نماز فرض کی گئی، پھر زکوٰۃ فرض کی گئی اس کے بعد روزہ فرض کیا گیا، کیونکہ ان احکام میں سب سے اہل اور آسان نماز ہے اس لیے اس کو پہلے فرض کیا گیا، پھر اس سے زیادہ مشکل اور دشوار زکوٰۃ ہے کیونکہ مال کو اپنی ملکیت سے نکالنا انسان پر بہت شاق ہوتا ہے، پھر اس کے بعد اس سے زیادہ مشکل عبادت روزہ کو فرض کیا گیا، کیونکہ روزہ میں نفس کو کھانے پینے اور عمل تزویج سے روکا جاتا ہے اور یہ انسان کے نفس پر بہت شاق اور دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے بہترین احکام شرعیہ نازل فرمائے اور اسی حکمت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکان اسلام میں نماز اور زکوٰۃ کے بعد روزہ کا ذکر فرمایا، قرآن مجید میں بھی اس ترتیب کی طرف اشارہ ہے:

وَالْخَشَعِينَ وَالْخَشِيعَاتِ وَالْمُتَصِدِّقِينَ وَالْمُتَصِدِّقَاتِ
وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ (۱۱۱ اجزاب ۲۵)
اور نماز میں خشوع کرنے والے مرد اور نماز میں خشوع کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں۔

رمضان اور روزوں کے فضائل کے متعلق احادیث

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزہ ڈھال ہے، روزہ دار نہ جماع کرے نہ جہالت کی باتیں کرے، اگر کوئی شخص اس سے لڑے یا اس کو گالی دے تو وہ دو مرتبہ یہ کہے کہ میں روزہ دار ہوں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! روزہ دار کے منہ کی بول اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ اپنے کھانے پینے اور نفس کی خواہش کو میری وجہ سے ترک کرتا ہے، روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا اور (باقی) نیکیوں کا اجر دس گنا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت اہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام ریان ہے، اس دروازہ سے قیامت کے دن روزہ دار داخل ہوں گے، ان کے علاوہ اور کوئی اس دروازہ سے داخل نہیں ہوگا، کہا جائے گا کہ روزہ دار کہاں ہیں؟ پھر روزہ دار کھڑے ہو جائیں گے، ان کے علاوہ اور کوئی اس دروازہ سے داخل نہیں ہوگا، ان کے داخل ہونے کے بعد اس دروازہ کو بند کر دیا جائے گا، پھر اس میں کوئی داخل نہیں ہوگا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رمضان داخل ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے ایک روایت میں جنت کے دروازوں کا ذکر کیا ہے اور دوسری روایت میں رحمت کے دروازوں کا ذکر کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حالت ایمان میں ثواب کی نیت

سے لیلۃ القدر میں قیام کیا اس کے پہلے (صغیرہ) گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جس نے حالت ایمان میں ثواب کی نیت سے روزہ رکھا اس کے پہلے (صغیرہ) گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس نے جھوٹی بات اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑا تو اللہ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی حاجت نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزے کے سوا ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہوتا ہے روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا روزہ اُھال ہے اور جب تم میں سے کوئی شخص روزہ سے ہو تو وہ نہ جماع کی باتیں کرے نہ شور و شغب کرے اگر کوئی شخص اس کو گالی دے یا اس سے لڑے تو وہ یہ کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر وہ دار کے منہ کی بوائے اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی انتظار کے وقت ایک خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت ہوگی اس وقت وہ اپنے روزہ سے خوش ہوگا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے روزے رکھے تو صحابہ نے بھی وصال کے روزے رکھے ان پر یہ روزے دشوار ہوئے آپ نے ان کو منع فرمایا صحابہ نے کہا یا رسول اللہ آپ بھی تو وصال کے روزے رکھتے ہیں آپ نے فرمایا تم میں میری مثل کون ہے؟ مجھے تو کھلایا جاتا ہے اور پلایا جاتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے رمضان کا ایک روزہ بھی بغیر عذر یا بغیر مرض کے چھوڑا تو اگر وہ تمام دہر بھی روزے رکھے تو اس کا بدل نہیں ہو سکتا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایک دن اللہ کی راہ میں روزہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو جہنم سے ستر سال کی مسافت دور کر دیتا ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

حافظ منذری لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ نمازیں ایک جمعہ سے دوسرا جمعہ اور ایک رمضان سے دوسرا رمضان ان کے درمیان ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہیں جب کہ گناہ کبیرہ سے بچا جائے۔

(صحیح مسلم)

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے جب آپ نے پہلی بیڑھی پر بیڑ رکھا تو فرمایا آمین! جب دوسری بیڑھی پر بیڑ رکھا تو فرمایا آمین! پھر جب تیسری بیڑھی پر بیڑ رکھا تو فرمایا آمین! پھر آپ نے فرمایا میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا اے محمد! جس نے رمضان کو پایا اور اس کی بخشش نہیں کی گئی اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کر دے میں نے کہا آمین! اور کہا جس نے اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو پایا اس کے باوجود روزخ میں داخل ہو گیا اللہ اس کو اپنی رحمت سے دور کر دے میں نے کہا آمین! اور کہا جس کے سامنے آپ کا ذکر

کیا گیا اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کر دے میں نے کہا آمین! (صحیح ابن حبان)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری دن خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو! تمہارے پاس ایک عظیم اور مبارک مہینہ آ پہنچا ہے اس مہینہ میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے اللہ نے اس مہینہ میں روزہ کو فرض کر دیا ہے اور اس کی رات میں قیام کو نفل کر دیا ہے جو شخص اس مہینہ میں کوئی نیکی کرے تو وہ دوسرے مہینہ میں فرض ادا کرنے کی مثل ہے اور جو شخص اس مہینہ میں فرض ادا کرے تو وہ ایسا ہے جیسے دوسرے مہینہ میں ستر فرض ادا کیے یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے یہ نگہبازی کرنے کا مہینہ ہے یہ وہ مہینہ ہے جس میں موسیٰ کے رزق میں زیادتی کی جاتی ہے اس مہینہ میں جو کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے اس کے لیے گناہوں کی مغفرت ہے اور اس کی گردن کے لیے دوزخ سے آزادی ہے اور اس کو بھی روزہ دار کی مثل اجر ملے گا اور اس روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص کی یہ استطاعت نہیں ہے کہ وہ روزہ دار کو افطار کرائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا فرمائے گا جو روزہ دار کو ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی یا ایک گھونٹ دودھ سے روزہ افطار کرائے یہ وہ مہینہ ہے جس کا اول رحمت ہے جس کا اوسط مغفرت ہے اور جس کا آخر جہنم سے آزادی ہے جس شخص نے اس مہینہ میں اپنے خادم سے کام لینے میں تخفیف کی اللہ اس کی مغفرت کر دے گا اور اس کو دوزخ سے آزاد کر دے گا۔ اس مہینہ میں چار خصالتوں کو جمع کرو دو خصالتوں سے تم اپنے رب کو راضی کرو اور دو خصالتوں کے بغیر تمہارے لیے کوئی چارہ کار نہیں ہے جن دو خصالتوں سے تم اپنے رب کو راضی کرو گے وہ کلمہ شہادت پڑھنا ہے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا ہے اور جن دو خصالتوں کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے وہ یہ ہیں کہ تم اللہ سے جنت کا سوال کرو اور اس سے دوزخ سے پناہ طلب کرو اور جو شخص کسی روزہ دار کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض سے پلائے گا اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی حتیٰ کہ وہ جنت میں چلا جائے گا۔

(صحیح ابن خزیمہ، تہذیبی، صحیح ابن حبان)

امام ابن حبان نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کے مہینہ میں اپنی حلال کمائی سے کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرایا تو رمضان کی تمام راتوں میں فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے ہیں اور ایلتہ القدر میں جبریل علیہ السلام اس سے مصافحہ کرتے ہیں اور جس سے جبریل علیہ السلام مصافحہ کرتے ہیں اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور اس کے بہت آنسو نکلتے ہیں۔ حضرت سلمان نے کہا یا رسول اللہ! یہ فرمائیے اگر کسی شخص کے پاس افطار کرائے کے لیے کچھ نہ ہو؟ آپ نے فرمایا وہ ایک مٹھی طعام دے دے میں نے کہا یہ فرمائیے اگر اس کے پاس روٹی کا ایک لقمہ بھی نہ ہو؟ آپ نے فرمایا وہ ایک گھونٹ دودھ دے دے میں نے عرض کیا اگر اس کے پاس وہ بھی نہ ہو؟ فرمایا ایک گھونٹ پانی دے دے (امام ابن خزیمہ اور بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے)۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رمضان آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس رمضان آ گیا ہے یہ برکت کا مہینہ ہے اللہ تعالیٰ تم کو اس میں ڈھاپ لیتا ہے اس میں رحمت نازل ہوتی ہے اور گناہ جھڑ جاتے ہیں اور اس میں دعا مقبول ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس مہینہ میں تمہاری رغبت کو دیکھتا ہے سو تم اللہ کو اس مہینہ میں نیک کام کر کے دکھاؤ کیونکہ وہ شخص بد بخت ہے جو اس مہینہ میں اللہ عزوجل کی رحمت سے محروم رہا (اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں البتہ اس کے ایک راوی محمد بن قیس کے متعلق مجھے کوئی جرح یا تعدیل مستحضر نہیں ہے)۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ماہ رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو جنتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور پھر پورے ماہ اس میں سے ایک دروازہ بھی بند نہیں کیا جاتا اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور پھر پورے ماہ اس میں سے کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا اور سرکش جنوں نے گلوں میں طوق ڈال دیا جاتا ہے اور ہر رات صبح تک ایک منادی آمان سے ندا کرتا ہے اے نیکی کے طلب کرنے والے! نیکی کا قصد کرو اور زیادہ نیکی کرو اور اے برائی کے طلب کرنے والے! برائی میں کمی کرو اور آخرت میں نور و فکر کرو کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے تو اس کی مغفرت کر دی جائے اور کوئی توبہ کرنے والا ہے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور کوئی دعا کرنے والا ہے تو اس کی دعا قبول کی جائے اور کوئی سوال کرنے والا ہے تو اس کا سوال پورا کیا جائے اور اللہ تعالیٰ ماہ رمضان کی ہر رات میں ساٹھ ہزار لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے اور رمضان کی ہر رات میں جتنے لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے عید کے دن اس سے تیس گنا زیادہ لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے (اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث حسن ہے)۔

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا ذکر کیا اور تمام مہینوں پر اس کی فضیلت بیان کی پس فرمایا جس نے رمضان میں ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے قیام کیا وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جس طرح آج ہی اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو (اس حدیث کو امام نسائی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے)۔

حضرت عمرہ بن مرہ بنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا یا رسول اللہ! یہ بتائیے اگر میں اللہ کے وحدہ لا شریک ہونے اور آپ کے رسول اللہ ہونے کی گواہی دوں اور پانچویں نمازیں پڑھوں اور زکوٰۃ ادا کروں اور رمضان کے روزے رکھوں اور قیام کروں تو میرا کن لوگوں میں شمار ہوگا؟ آپ نے فرمایا صدیقین اور شہداء میں۔

(مسند ابی یوسف، مسند ابی حنبلہ، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۰۶-۹۲، مرقا مطبوعہ دار احیاء التراث العربہ)

بعض نقلی روزوں کی فضیلت

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبد اللہ! کیا مجھے یہ خبر نہیں دی گئی ہے کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات کو قیام کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: نہ کرو روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو (بغیر روزہ کے رہو) قیام بھی کرو اور سوؤ بھی! کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہر مہینہ کے تین دن روزے رکھو اور تمہیں ہر نیکی کا دس گنا اجر ملے گا اور یہ تمہارے پورے دہرے روزے ہو جائیں گے میں نے شدت کی اور کہا یا رسول اللہ! میں قوت پاتا ہوں تو آپ نے فرمایا اللہ کے نبی داؤد کے روزے رکھو اور اس پر زیادتی نہ کرو میں نے عرض کیا اللہ کے نبی داؤد کے روزے کس طرح تھے؟ آپ نے فرمایا نصف دہر (ایک دن روزہ ایک دن افطار)۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۵، مطبوعہ دار محمد صالح المنجد، کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

ابن ملحان کیسی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ایام بیض کے روزے رکھنے کا حکم دیتے تھے تیرھویں چودھویں اور پندرھویں تاریخ کے روزے کا اور فرماتے: ان روزوں سے پورے دہرے روزوں کا اجر ملے

گا۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۲ مطبوعہ مطبع مجتہدی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

تین روزوں کا دس گنا اجر ملے گا جیسا کہ ”صحیح بخاری“ کی روایت میں ہے تو ہر ماہ تین روزے رکھنے سے پورے ۵۷۰ کے روزوں کا اجر ملے گا اور جو شخص ہمیشہ یہ روزے رکھے گا اس کو تمام دہر کے روزوں کا اجر ملے گا۔
امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس نے شوال کے چھ روزے رکھے تو اس کو تمام دہر کے روزوں کا اجر ملے گا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۴۰۵ھ)

ہر نیکی کا دس گنا اجر ہوتا ہے تو چھتیس روزوں کا اجر ۳۶۰ روزوں کے برابر ہوا گویا وہ پورا سال روزہ دار رہا۔
حضرت ابوقحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم عرفہ کا روزہ رکھنے سے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہ مٹا دے گا اور دس محرم کا روزہ رکھنے سے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ایک سال پہلے کے گناہ مٹا دے گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۴۰۵ھ)
امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

قد امہ بن مفلحون بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے ساتھ وادی القریٰ میں اپنے مال کی طلب میں گئے حضرت اسامہ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے قد امہ نے کہا آپ بوڑھے آدمی ہیں آپ پیر اور جمعرات کا روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا پیر اور جمعرات کو بندوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۱ مطبوعہ مطبع مجتہدی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماہ رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینہ محرم کے روزے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۰ مطبوعہ مطبع مجتہدی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسلسل) روزے رکھتے حتیٰ کہ ہم کہتے کہ اب آپ افطار (روزہ ترک کرنا) نہیں کریں گے اور آپ روزے نہ رکھتے حتیٰ کہ ہم کہتے: اب آپ روزے نہیں رکھیں گے اور میں نے رمضان کے علاوہ آپ کو کسی ماہ کے مکمل روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ شعبان کے مہینہ سے زیادہ کسی اور مہینہ میں روزے رکھتے ہوئے دیکھا۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۱ - ۳۳۰ مطبوعہ مطبع مجتہدی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

بعض ایام میں روزہ رکھنے کی ممانعت

امام ابوداؤد بیان کرتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا: عید الاضحیٰ کے دن کیونکہ اس دن تم اپنی قربانی کا گوشت کھاتے ہو اور عید الفطر کے دن کیونکہ اس دن تم اپنے روزوں سے افطار کرتے ہو۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۸ مطبوعہ مطبع مجتہدی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

حضرت عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم عرفہ یوم نحر اور ایام تشریق ہم اہل اسلام کی عید ہیں اور یہ کھانے پینے کے ایام ہیں۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۹ - ۳۲۸ مطبوعہ مطبع مجتہدی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

میدان عرفات میں یوم عرفہ کا روزہ رکھنا منع ہے اور دوسری جگہوں میں اس دن روزہ رکھنا کارِ ثواب ہے اور عیدین میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات میں یوم عرفہ کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۱ مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص (صرف) جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھے الا یہ کہ اس سے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد بھی روزہ رکھے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۹ مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

ابوداؤد نے کہا یہ حدیث منسوخ ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۹ مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

یہود ہفتہ کے دن کی تعظیم کی وجہ سے اس دن کا روزہ رکھتے تھے ان کی مشابہت کی وجہ سے اس دن کے روزے سے منع فرمایا۔

روزہ کے اسرار و رموز

(۱) روزہ رکھنے سے کھانے پینے اور شہوانی لذات میں کمی ہوتی ہے اس سے حیوانی قوت کم ہوتی ہے اور روحانی قوت زیادہ ہوتی ہے۔

(۲) کھانے پینے اور شہوانی عمل کو ترک کر کے انسان بعض اوقات میں اللہ عزوجل کی صفت صمدیہ سے متصف ہو جاتا ہے اور بہ قدر امکان ملائکہ مقربین کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

(۳) بھوک اور پیاس پر صبر کرنے سے انسان کو مشکلات اور مصائب پر صبر کرنے کی عادت پڑتی ہے اور مشقت برداشت کرنے کی مشق ہوتی ہے۔

(۴) خود بھوکا اور پیاسا رہنے سے انسان کو دوسروں کی بھوک اور پیاس کا احساس ہوتا ہے اور پھر اس کا دل غرباء کی مدد کی طرف مائل ہوتا ہے۔

(۵) بھوک پیاس کی وجہ سے انسان گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ رہتا ہے۔

(۶) بھوکا پیاسا رہنے سے انسان کا تکبر ٹوٹتا ہے اور اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ کھانے پینے کی معمولی مقدار کا کس قدر محتاج ہے۔

(۷) بھوکا رہنے سے ذہن تیز ہوتا ہے اور بصیرت کام کرتی ہے حدیث میں ہے جس کا پیٹ بھوکا ہو اس کی فکر تیز ہوتی ہے۔

(احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۸۸)

اور پیٹ (بھر کر کھانا) بیماری کی جڑ ہے اور پرہیز علاج کی بنیاد ہے۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۸۱) اور لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی اے بیٹے! جب معدہ بھر جاتا ہے تو فکر سو جاتی ہے اور حکمت گونگی ہو جاتی ہے اور عبادت کرنے کے لیے اعضاء سست پڑ جاتے ہیں دل کی صفائی میں کمی آ جاتی ہے اور مناجات کی لذت اور ذکر میں رقت نہیں رہتی۔

(۸) روزہ کسی کام کے نہ کرنے کا نام ہے یہ کسی ایسے عمل کا نام نہیں ہے جو دکھائی دے اور اس کا مشاہدہ کیا جائے یہ ایک مخفی عبادت ہے اس کے علاوہ باقی تمام عبادات کسی کام کے کرنے کا نام ہیں وہ دکھائی دیتی ہیں اور ان کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور روزہ کو اللہ کے سوا کوئی نہیں دیکھتا باقی تمام عبادات میں ریا ہو سکتا ہے روزہ میں نہیں ہو سکتا یہ اخلاص کے سوا اور کچھ

نہیں۔

(۹) شیطان انسان کی رگوں میں دوڑتا ہے اور بھوک پیاس سے شیطان کے راستے ٹک ہو جاتے ہیں اسی طرح روزہ سے شیطان پر ضرب پڑتی ہے۔

(۱۰) روزہ امیر اور غریب شریف اور خدیش سب پر فرض ہے اس سے اسلام کی مساوات موکد ہو جاتی ہے۔

(۱۱) روزانہ ایک وقت پر سحری اور افطار کرنے سے انسان کو نظام الاوقات کی پابندی کرنے کی شق ہوتی ہے۔

(۱۲) فریبی، تبخیر اور بسیار خوری ایسے امراض میں روزہ رکھنا صحت کے لیے بہت مفید ہے۔

روزہ کے فساد و عدم فساد کے بعض ضروری مسائل

علامہ طہ الدین حنفی لکھتے ہیں:

اگر روزہ دار بھولے سے کھالے یا پی لے یا جماع کرے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اگر روزہ دار کے حلق میں غبار یا کہی یا دھواں داخل ہو خواہ اس کو روزہ یاد ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ ان سے بچنا مشکل ہے تیل لگانے سے یا سرمہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا خواہ ان کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو قصد لگوانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا بوسہ لینے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا بشرطیکہ اس سے انزال نہ ہو احتلام سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا کلی کرنے کے بعد جو تری منہ میں رہ گئی اس کو نگلنے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا کان میں پانی داخل ہونے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا اگر دانتوں کے درمیان سے خون نکلا اور اس کو نگل لیا تو اگر خون غالب تھا تو روزہ ٹوٹ گیا ورنہ نہیں استسما بالید سے اگر انزال ہو گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں۔ اگر ناک (راینٹ) کو اندر کھینچ لیا اور وہ حلق میں چلی گئی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کسی چیز کے چکھنے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا اگر رات سمجھ کر سحری کی اور صبح ہو چکی تھی یا غروب آفتاب سمجھ کر روزہ افطار کیا اور آفتاب غروب نہیں ہوا تھا تو روزہ ٹوٹ گیا اور اس پر صرف قضاء ہے اور کفارہ نہیں ہے اگر کوئی شخص رمضان کے روزہ میں عدا جماع کرے یا عدا دوا یا غذا کھائے یا پئے تو ان تمام صورتوں میں قضا اور کفارہ ہے اور اگر از خود قے آئے اور وہ اس کو واپس حلق میں نہ لوٹائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا خواہ قے منہ بھر کر آئے یا منہ بھر کر نہ آئے اور اگر خود بخود واپس حلق میں چلی جائے پھر بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر عدا قے لوٹالی تو روزہ ٹوٹ جائے گا بشرطیکہ منہ بھر کر قے آئی ہو یہ مختار مذہب ہے اور اگر از خود قے کی تو اگر منہ بھر کر قے کی ہے تو اجماعاً روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس میں صرف قضاء ہے کفارہ نہیں ہے۔

روزہ میں کسی چیز کو بلا عذر چکھنا مکروہ ہے دنداسہ چبانا مکروہ ہے بوسہ لینا اور منہ نقد کرنا مکروہ ہے مونچھوں پر تیل لگانا اور سرمہ لگانا مکروہ نہیں ہے مسواک کرنا مکروہ نہیں ہے خواہ شام کے وقت کی جائے۔

(در مختار طبعی حاشیہ رد المحتار ج ۲ ص ۱۱۳۔ ۱۱۴ مطبوعہ دارالایضاح التراث العربی بیروت)

انجیکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹنے کا بیان

تحقیق یہ ہے کہ انجیکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے قدیم فقہاء کے دور میں انسانی جسم کی اور اس کے تمام اعضاء کی مکمل تحقیق نہیں ہوئی تھی اور ان کے نظریات محض مفروضات پر مبنی تھے انہوں نے انسان کے جسم کا مکمل مشہدہ دور تجزیہ نہیں کیا تھا اور اب تحقیق اور تجربہ سے ان کے انہی نظریات غلط ثابت ہو گئے مثلاً ان کا مفروضہ تھا کہ دماغ اور معدہ کے درمیان ایک منفذ (راستہ) ہے اور دماغ سے معدہ میں یا معدہ سے دماغ میں کوئی چیز چلی جاتی ہے حالانکہ دماغ اور معدہ میں کوئی منفذ نہیں ہے نیز ان کا مفروضہ تھا کہ کان اور معدہ میں منفذ ہے حالانکہ کان اور معدہ میں کوئی منفذ نہیں ہے انہیں مفروضات کی بنا پر

انہوں نے یہ کہا کہ جوف معدہ یا جوف دماغ میں کوئی غذا یا دوا چلی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن یہ فقہاء اس غلطی میں معذور تھے کیونکہ اس زمانہ میں پوسٹ مارٹم کے ذریعہ جسم کے تمام رگ و ریشہ کا مکمل مطالعہ اور مشاہدہ نہیں کیا گیا تھا نیز ان کے زمانہ میں جسم کو غذا یا دوا کے ذریعہ منفعت پہنچانے کا ذریعہ صرف معدہ کا نظام ہضم تھا اس لیے انہوں نے کہا دوا یا غذا معدہ میں پہنچ جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا جب ہم منہ کے ذریعہ دوا اٹھاتے ہیں تو معدہ کے ہضم کرنے کے بعد وہ وہاں میں پہنچ جاتی ہے اور جب تک وہ دوا خون میں نہ مل جائے اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا پہلے دوا سے استفادہ کا صرف یہی ایک طریقہ تھا، لیکن اب میڈیکل سائنس نے ترقی کر لی ہے اور انجیکشن کے ذریعہ دوا کو براہ راست خون میں پہنچا دیا جاتا ہے بعض اوقات کسی عارضہ کی وجہ سے معدہ کام کرنا پھوڑ دیتا ہے اور منہ سے دوا اٹھانے کا کوئی اثر نہیں ہوتا بعض دفعہ اس قدر الٹیوں آتی ہیں کہ جو دوا اٹھاؤ وہ فوراً الٹی کے ذریعہ نکل جاتی ہے پہلے اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں تھا، لیکن اب جب معدہ کام نہ کرے یا کسی چیز کو قبول نہ کرے یا دوا کا اثر جلدی مطلوب ہو تو دوا کو انجیکشن کے ذریعہ براہ راست خون میں پہنچا دیا جاتا ہے لہذا منہ کے ذریعہ دوا اٹھانے سے جوف کدہ مطلوب ہوتا ہے وہ انجیکشن کے ذریعہ دوا خون میں پہنچانے سے بہ طریق اتم اور اصل حاصل ہو جاتا ہے فرق یہ ہے کہ منہ کے ذریعہ دوا اٹھانے سے معدہ کے عمل ہضم کے بعد دوا خون میں پہنچتی ہے اور انجیکشن کے ذریعہ اسی وقت براہ راست دوا خون میں پہنچ جاتی ہے اور اثر کرتی ہے اس لیے جس طرح منہ کے ذریعہ دوا اٹھانے سے روزہ ٹوٹتا ہے اسی طرح دوا کا انجیکشن لگوانے سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

بعض علماء یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ پھر پھر یا بھڑ کے ڈنگ لگانے سے روزہ کیوں نہیں ٹوٹتا اس کا جواب یہ ہے کہ روزہ ٹوٹنے کا مدار اس پر ہے کہ انسان اپنے قصد اور اختیار سے کوئی دوا یا غذا جسم میں پہنچائے اور پھر یا بھڑ کے کاٹنے میں انسان کا قصد اور اختیار نہیں ہے۔ ثانیاً ان کے ڈنگ سے جو ہر جسم میں پہنچتا ہے وہ دوا یا غذا نہیں ہے نہ اس میں جسم کی منفعت ہے بلکہ اس سے جسم کو ضرر لاحق ہوتا ہے۔ دوا یا گلوکوز کا انجیکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس میں صرف قضا ہے کفارہ نہیں ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز صورت اور معنی دونوں طرح مفطر ہو اس سے قضا اور کفارہ دونوں لازم آتے ہیں اور جو صرف صورت یا صرف معنی مفطر ہو اس سے صرف قضا لازم ہے کفارہ لازم نہیں ہے اور دوا یا گلوکوز کا انجیکشن ٹوٹا صرف معنی مفطر ہے صورت مفطر نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر مکمل تبادلہ اور باحوار بحث میں نے ”شرح صحیح مسلم“ جلد اول طبع خامس میں کی ہے وہاں مطالعہ فرمائیں اس کا پتہ ذکر ”شرح صحیح مسلم“ جلد ثالث کے ضمیمہ میں بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا مسافر ہو (اور روزے نہ رکھے) تو دوسرے دنوں میں عدد (پورا کرنا لازم ہے)۔ (البقرہ: ۱۸۳)

مریض کے روزہ قضا کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ

علامہ ابو اسحاق شیرازی شافعی لکھتے ہیں

جو شخص مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو روزہ رکھنے کی وجہ سے اس کو مرض کے بڑھنے کا خدشہ ہو اور اس مرض کے زائل ہونے کی توقع ہو تو اس پر روزہ رکھنا واجب نہیں ہے اور جب مرض زائل ہو جائے تو اس پر ان روزوں کی قضا کرنا واجب ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے ”فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ“ (البقرہ: ۱۸۳) اور اگر کسی شخص نے صبح کو تندرستی کی حالت میں روزہ رکھا پھر بیمار ہو گیا تو وہ روزہ توڑ دے کیونکہ ضرورت کی وجہ سے اس کے لیے روزہ توڑنا جائز ہے اور ضرورت محقق ہے لہذا روزہ توڑنا جائز ہے (المبذب ج ۲ ص ۲۵۸-۲۵۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ نووی شافعی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

جو شخص کسی ایسے مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے سے عاجز ہو جس کا زائل ہونا متوقع ہو اس پر اس وقت روزہ رکھنا لازم نہیں ہے اور اس پر قضا لازم ہے یہ اس وقت ہے جب اس کو روزہ رکھنے سے مشقت ہو اور اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ اس کا مرض اس حالت کو پہنچ جائے کہ اس کے لیے روزہ رکھنا ممکن ہی نہ ہو بلکہ ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ اذکار کے مباح ہونے کی شرط یہ ہے کہ روزہ رکھنے سے اس کو مشقت ہو اگر اس کو پورے وقت بخار رہتا ہو تو وہ رات کو روزے کی نیت نہ کرے اور اگر کسی وقت بخار ہو اور کسی وقت نہ ہو اگر روزہ کے شروع کے وقت بخار ہو تو روزہ کی نیت نہ کرے اور اگر بخار نہ ہو تو روزہ کی نیت کرے پھر اگر بعد میں بخار ہو جائے اور روزہ توڑنے کی ضرورت ہو تو روزہ توڑ دے۔ اسی طرح اگر تندرست آدمی صبح روزہ رکھے اور بعد میں بیمار ہو جائے تو اس کے لیے بغیر کسی اختلاف کے روزہ توڑنا جائز ہے۔

(شرح المہذب ج ۶ ص ۱۵۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ مریض کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور اس کی دلیل سورہ بقرہ کی یہ آیت (۱۸۳) ہے۔ جس مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا جائز ہے یہ وہ مرض ہے جو روزہ رکھنے سے زیادہ یا روزہ رکھنے کی وجہ سے دیر میں صحیح ہو۔ امام احمد سے کہا گیا کہ مریض کب روزہ نہ رکھے؟ کہا جب روزہ کی طاقت نہ رکھے پوچھا گیا مثلاً بخار تو کہا: بخار سے بڑھ کر اور کون سا مرض ہوگا؟ (المغنی ج ۳ ص ۱۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

بیز علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جو شخص تندرست ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے اس کو بیمار پڑنے کا خدشہ ہو وہ اس مریض کی طرح ہے جس کو روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کے بڑھنے کا خدشہ ہو۔ (المغنی ج ۳ ص ۱۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

مریض کی دو حالتیں ہیں: ایک حالت یہ ہے کہ اس میں روزہ رکھنے کی مطلقاً طاقت نہ ہو اس حالت میں اس پر روزہ نہ رکھنا واجب ہے دوسری حالت یہ ہے کہ وہ تکلیف اور مشقت برداشت کر کے روزہ رکھ سکتا ہو اس حالت میں اس کے لیے روزہ نہ رکھنا مستحب ہے اور اس صورت میں صرف جاہل ہی روزہ رکھے گا۔ (الی قولہ) جمہور علماء نے یہ کہا ہے کہ جب روزہ رکھنے سے کسی شخص کو درد ہو یا تکلیف پہنچے یا روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کا طول پکڑنے یا زیادہ ہونے کا خدشہ ہو تو اس کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ امام مالک کے مذہب کے ماہرین کا یہی مذہب ہے۔

(الجامع ۱، حکام القرآن ج ۲ ص ۲۷۶ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابو بکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا جب یہ خوف ہو کہ اس کی آنکھ میں درد زیادہ ہوگا یا بخار زیادہ ہو جائے گا تو روزہ نہ رکھے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۷۴ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

علامہ عطاء الدین ہیکلی حنفی لکھتے ہیں:

سفر شرعی کرنے والے مسافر حاملہ اور دودھ پلانے والی کو غلبہ ظن سے اپنی جان یا اپنے بچے کی جان کا خوف ہو یا مرض بڑھنے کا خوف ہو یا تندرست آدمی کو غلبہ ظن تجربہ علامات یا طبیب کے بتانے سے مرض پیدا ہونے کا خوف ہو یا خادم کو ضعف

کا خوف ہو تو ان کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور بعد میں ان ایام کی قضا کریں۔

(در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۲ ص ۱۱۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جس شخص کے گردہ میں پتھری ہو یا جس کو درد گردہ کا عارضہ ہو اس کو دن میں بیس بجپس گاس پانی پینے ہوتے ہیں یا جو شخص ہسپتال کے انتہائی نگہداشت کے شعبہ میں داخل ہو یہ لوگ اس بیماری کے دوران روزے نہ رکھیں اور بیماری زائل ہونے کے بعد ان روزوں کی قضا کریں۔

مسافر کے روزہ قضا کرنے کے متعلق مذاہب اربعہ

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں بھیڑ دیکھی اور دیکھا کہ ایک شخص پر سایہ کیا گیا ہے آپ نے پوچھا اس کو کیا ہوا؟ عرض کیا یہ روزہ دار ہے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۶، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع 'کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے روزہ دار روزہ نہ رکھنے والے کی مذمت کرتا تھا نہ روزہ نہ رکھنے والا روزہ دار کی مذمت کرتا تھا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع 'کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ گئے جب آپ عسکان پر پہنچے تو آپ نے پانی منگایا اور اس کو اپنے ہاتھ سے اوپر اٹھایا تاکہ اس کو لوگ دیکھ لیں پھر آپ نے روزہ کھول لیا (اس کے بعد آپ نے روزے نہیں رکھے) حتیٰ کہ مکہ پہنچ گئے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع 'کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

مسافر کے لیے روزہ رکھنا اور روزہ نہ رکھنا دونوں جائز ہیں اگر اس کو روزہ رکھنے سے ضرر نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے اور اگر ضرر ہو تو روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ (روضة الطالبین ج ۲ ص ۳۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے اگر اس نے روزہ رکھ لیا تو یہ مکروہ ہے لیکن روزہ ہو جائے گا۔

(المغنی ج ۳ ص ۴۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

علماء کا اختلاف ہے کہ کس سفر پر روزہ نہ رکھنے اور نماز قصر کرنے کی رخصت ہے۔ حج، جہاد یا دیگر عبادات کے لیے سفر ہو تو اس میں اس رخصت پر اجماع ہے۔ رشتہ داروں سے ملاقات اور طلب معاش کے لیے سفر بھی اس کے ساتھ لاحق ہے تجارت اور مباح سفر (مثلاً سیاحت) میں اختلاف ہے لیکن ان میں بھی رخصت کا ہونا زیادہ رائج ہے اور جو سفر معصیت ہو (مثلاً چوری یا ڈاکے کے لیے سفر کرے) اس میں اختلاف ہے اور اس میں رخصت کا ممنوع ہونا رائج ہے اور سفر کی مسافت کی مقدار امام مالک کے نزدیک وہی ہے جتنی مسافت میں قصر جائز ہوتی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۷۷، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابن عابدین شافعی لکھتے ہیں:

سفر شرعی میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے جو تین راتوں کی مسافت پر متمثل ہو خواہ یہ سفر معصیت سے ہو۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۱۱۶ "صیوہ وادار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور جن لوگوں پر روزہ رکھنا دشوار ہو (ان پر ایک روزہ کا) نفاذ یہ ایک مسکین کا کھانا ہے۔ (البقرہ ۱۸۴)
"الذین یطیقونہ" کے معنی کی تحقیق میں احادیث اور آثار

اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے آیا اس کا معنی ہے جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہیں وہ روزہ نہ رکھیں اور ایک مسکین کا کھانا نفاذ میں دیں اور پھر یہ آیت اس دوسری آیت سے منسوخ ہوئی
فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (البقرہ ۱۸۵)
 تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں موجود ہو وہ ضرور اس ماہ میں روزہ رکھے۔

یا اس آیت میں "یطیقونہ" "یطوقونہ" کے معنی میں ہے یعنی جن لوگوں پر روزہ رکھنا سخت دشوار ہو وہ روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کا کھانا نفاذ میں دیں اور یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔

اول الذکر معنی کی تائید میں یہ حدیث ہے امام بخاری روایت کرتے ہیں

"وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ" (البقرہ ۸۴) حضرت ابن عمر اور حضرت سلمہ بن اکوع نے کہا اس کو اس آیت نے منسوخ کر دیا **"شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ"** (البقرہ ۱۸۵)۔

ابن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بیان کرتے ہیں کہ رمضان نازل ہوا اور سب پر روزہ رکھنا دشوار ہوا تو بعض صحابہ جو روزہ کی طاقت رکھتے تھے وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتے اور روزہ ترک کر دیتے انہیں اس کی رخصت دی گئی تھی پھر اس رخصت کو اس آیت نے منسوخ کر دیا **"وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ"** (البقرہ ۱۸۴) روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے تو انہیں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔ نافع روايت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے **"فِدْيَةُ طَعَامِ مِسْكِينٍ"** (البقرہ ۱۸۴) کو پڑھا اور فرمایا یہ منسوخ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۱ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد، رابجی ۱۴۳۸ھ)

اور ثانی الذکر معنی کی تائید میں یہ حدیث ہے امام دارقطنی روایت کرتے ہیں

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب بوزھا شخص روزہ رکھنے سے عاجز ہو تو وہ ایک (ایک کلو) طعام کھلا دے اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (نس دارقطنی ج ۲ ص ۲۰۴ مطبوعہ نشر المنیہ لبنان)
 امام دارقطنی نے ایک اور سند سے روایت کیا:

عطاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے **"وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةُ طَعَامِ مِسْكِينٍ"** (البقرہ ۱۸۴) کی تفسیر میں فرمایا ایک مسکین کو کھانا کھلائے اور **"فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا"** (البقرہ ۸۴) کی تفسیر میں فرمایا اگر ایک سے زیادہ مسکین کو کھلائے تو زیادہ بہتر ہے اور فرمایا: یہ آیت منسوخ نہیں ہے البتہ اس میں اس بوزھے شخص کو رخصت دی گئی ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا اور اس کو طعام کھلانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس حدیث کی سند ثابت اور صحیح ہے۔

امام دارقطنی نے ایک اور سند سے اس حدیث کو عطاء سے روایت کیا ہے اس میں حضرت ابن عباس نے فرمایا: "یطیقونہ" کا معنی ہے: "یکسرونہ" یعنی جو سخت دشواری سے روزہ رکھیں وہ اس کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا میں اور جو ایک سے زیادہ مسکین کو کھلائے تو یہ اس کے حق میں زیادہ بہتر ہے اور یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور تمہارا روزہ رکھنا بہتر ہے یہ رخصت

صرف اس بوڑھے شخص نے لیے ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا یا اس مریض کے لیے ہے جس کو بیماری سے شفا کی توقع نہیں ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

امام دارقطنی نے ایک اور سند کے ساتھ مجاہد اور عطاء سے حضرت ابن عباس کی یہ روایت ذکر کی ہے اور گب اس کی سند صحیح ہے۔

امام دارقطنی نے ایک اور سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کیا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بوڑھے شخص کو یہ رخصت دی گئی ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھلائے اور اس پر قضا نہیں ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

امام دارقطنی نے چودہ صحیح سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔

(سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۰۷۔ ۲۰۸ مطبوعہ نشر المکتبۃ الاسلامیہ)

نیز امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر سے ایک حاملہ عورت نے سوال کیا تو انہوں نے کہا: تم روزہ نہ رکھو اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلاؤ اور قضا نہ کرو۔

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کی بیٹی ایک قرشی کے نکاح میں تھیں وہ حاملہ تھیں ان کو رمضان میں پیاس لگی تو حضرت ابن عمر نے فرمایا: وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔

ایوب بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک ایک کمزوری کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکے تو انہوں نے ایک تھال میں شہید (گوشت کے سالن میں روٹی کے ٹکڑے ڈال دیے جائیں) بنایا اور تین مسکینوں کو ہر کر کے کھلایا۔

قزادہ بیان کرتے ہیں کہ موت سے پہلے حضرت انس کمزور ہو گئے تو انہوں نے روزے نہ رکھے اور گھر والوں سے کہا ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں تو انہوں نے تین مسکینوں کو کھلایا۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ قیس بن سائب نے کہا: رمضان کے مہینہ میں ہر شخص روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھلاتا ہے تم میری طرف سے دو مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کو بڑھا پا آ جائے اور وہ روزہ نہ رکھ سکے اس پر لازم ہے کہ ہر

روزہ کے بدلہ میں ایک کلو گندم دے۔ (سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۰۸۔ ۲۰۷ مطبوعہ نشر المکتبۃ الاسلامیہ)

ان تمام آثار صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور جو کسی داگی مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہ رکھ

سکے وہ فدیہ دے اور اس کے بعد جو "واں تصوموا حیولکم" ہے اس کا معنی ہے مسافر اور مریض کا روزہ رکھنا بہتر ہے یہ

آیت فدیہ کی ناخ نہیں ہے۔ امام مالک کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت انس بن مالک بوڑھے ہو گئے حتیٰ کہ وہ روزہ رکھنے پر

قادر نہ رہے تو وہ فدیہ دیتے تھے۔ (موطا امام مالک ص ۲۵۰ مطبوعہ مطبعہ فقہی پاکستان لاہور)

امام مالک کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر سے سوال کیا گیا کہ حاملہ عورت کو جب اپنے بچہ کی جان کا خوف

ہو اور اس پر روزہ دشوار ہو تو کیا کرے؟ فرمایا وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو ایک کلو گندم کھلائے۔

(موطا امام مالک ص ۲۵۱ مطبوعہ مطبعہ فقہی پاکستان لاہور)

امام نسائی نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جن لوگوں پر روزہ سخت دشوار ہو وہ ایک روزہ

کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں یہ رخصت صرف اس بوڑھے کے لیے ہے جو روزہ نہ رکھ سکے یا اس مریض کے لیے جس کو شفا کی امید نہ ہو۔ (سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۱۳-۱۱۲ مطبوعہ نثر النہ ملتان)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب موت سے ایک سال پہلے کمزور ہو گئے تو انہوں نے روزے نہیں رکھے اور فدیہ دیا۔ (المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ ابوشامہ نے لکھا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۶۳ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت قیس بن سائب نے کہا: رمضان کے مہینہ میں انسان ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلاتا ہے تم میری طرف سے ایک مسکین کو ہر روز ایک صاع (چار کلو) طعام دو۔

(المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۳۱۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب روزہ نہ رکھ سکیں تو فدیہ دیں اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے حاملہ عورت کے متعلق فدیہ دینے کی روایت ذکر کی ہے۔

(سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۳۰ مطبوعہ نثر النہ ملتان)

امام بغوی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: جو بہت مشکل سے روزہ رکھیں ان کے لیے روزہ کی جگہ فدیہ دینا جائز ہے اور بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت روزہ نہ رکھیں اور فدیہ دیں اور حضرت انس جب کمزور ہو گئے تو انہوں نے فدیہ دیا۔ (شرح السنہ ج ۳ ص ۳۰۵-۳۰۴ مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ)

امام دارقطنی، امام مالک، امام نسائی، امام طبرانی، امام بیہقی اور امام بغوی نے متعدد اسانید صحیحہ کے ساتھ یہ آثار نقل کیے ہیں کہ بوڑھا شخص اور دائمی مریض جن پر روزہ رکھنا دشوار ہے وہ روزہ کے بدلہ میں فدیہ دیں۔

”الذین یطیقونہ“ کے معنی کی تحقیق میں مفسرین کی آراء

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے ”الذین یطیقونہ“ کے معنی اور اس کے منسوخ ہونے یا نہ ہونے کے متعلق متعدد آثار اور اقوال نقل کیے ہیں اور اخیر میں لکھا ہے:

عکرمہ نے ”الذین یطیقونہ“ کی تفسیر میں کہا ہے: حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد بوڑھا شخص ہے۔

سعید بن جبیر نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا ”وعلى الذین یطیقونہ“ اس کا معنی ہے جو مشقت اور تکلیف سے روزہ رکھیں۔ عطاء نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ ”الذین یطیقونہ“ کا معنی ہے جو لوگ مشقت سے روزہ رکھیں وہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں یہ رخصت صرف اس بوڑھے شخص کے لیے ہے جو روزہ نہ رکھ سکے یا اس بیمار کے لیے ہے جس کو شفا کی امید نہ ہو مجاہد نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۸۱ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابوالحیاء اندلسی لکھتے ہیں:

جو صحابہ اور فقہاء تابعین یہ کہتے ہیں کہ ”الذین یطیقونہ“ سے مراد بوڑھے اور عاجز لوگ ہیں ان کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت حاملہ اور دودھ پلانے والی کو شامل ہے یا نہیں۔

(المعجم الکبیر ج ۲ ص ۱۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے حضرت ابن عباس کا یہی مختار ہے اور نسخ کا قول بھی صحیح ہے البتہ یہ احتمال ہے کہ نسخ بمعنی تخصیص ہو (الی قولہ) اس پر اجماع ہے کہ جو بوزہ سے روزے کی طاقت نہیں رکھنے یا جو بہت مشقت سے طاقت رکھتے ہو وہ روزہ نہ رکھیں اور فدیہ کے وجوب میں اختلاف ہے ربیعہ اور امام مالک کے نزدیک ان پر فدیہ واجب نہیں۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۸۹ - ۲۸۸ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو دہلی ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابوالحسن ماوردی شافعی لکھتے ہیں:

”و علی الذین یطیقونہ“ اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ جو لوگ تکلیف اور مشقت سے روزہ رکھیں جیسے بوزہ حاملہ اور دودھ پلانے والی یہ لوگ روزہ نہ رکھیں اور ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں ان پر قضا نہیں ہے۔

(المکمل والمختار ج ۱ ص ۳۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

عکرمہ سے مروی ہے کہ یہ آیت حاملہ اور دودھ پلانے والی کے متعلق نازل ہوئی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت ابن عباس نے اس آیت میں یہ قرأت کی ”و علی الذین یطیقونہ“ (جو مشکل سے روزہ رکھیں) اس سے بوزہ لوگ مراد ہیں۔

(زاوالمسیر ج ۱ ص ۱۸۶ مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابوبکر رازی بصاص حنفی لکھتے ہیں:

صحابہ اور تابعین میں سے اکثر یہ کہتے ہیں کہ ابتداء میں روزہ رکھنے کا اختیار تھا جو شخص روزہ کی طاقت رکھتا ہو خواہ وہ روزے رکھے خواہ فدیہ دے بعد میں روزہ کی طاقت رکھنے والوں سے یہ اختیار ”فمن شہد منکم الشهر فلیصمه“ سے منسوخ ہو گیا (الی قولہ) اس آیت کا ایک اور معنی یہ ہے کہ جو لوگ مشقت اور صعوبت سے روزہ رکھتے ہیں وہ روزہ رکھنے کی طاقت رکھنے والے نہیں ہیں وہ بھی روزے کے مکلف ہیں لیکن ان پر روزہ کے قائم مقام فدیہ ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو شخص پانی سے طہارت حاصل کرنے پر قادر نہ ہو وہ بھی پانی سے طہارت حاصل کرنے کا مکلف ہے لیکن اس کے لیے مٹی کو بانی نہ قائم مقام بنادیا گیا ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۷۷-۱۷۶ مطبوعہ سبیل الکیذی لہوز ۱۴۰۰ھ)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

اکثر صحابہ اور فقہاء تابعین کے نزدیک پہلے روزہ کی طاقت رکھنے والوں کے لیے روزہ رکھنے اور روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے کا اختیار تھا بعد میں یہ منسوخ ہو گیا اور حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ نے اس آیت کو ”یطیقونہ“ پڑھا یعنی جو مشکل سے روزہ رکھیں وہ فدیہ دے دیں اور کہا: یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور بعض علماء نے اس آیت کو ”الذین یطیقونہ“ قرأت متواترہ کے مطابق پڑھا اور کہا یہ آیت منسوخ نہیں ہے کیونکہ وسعت اور طاقت میں فرق ہے وسعت کا معنی ہے کسی چیز پر سہولت سے قدرت ہونا اور طاقت کا معنی ہے کسی چیز پر مشقت سے قدرت ہونا تو آیت کا معنی ہے: جو لوگ مشقت سے روزہ رکھیں وہ فدیہ دیں یا اس میں ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہے یعنی جو لوگ روزہ کی طاقت نہ رکھیں وہ فدیہ دیں۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۵۹-۵۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بڑھا پے یاد انکی مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کے متعلق مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جب بوزہ مرد اور بوزہ عورت پر روزہ رکھنا سخت دشوار ہو تو ان کے لیے جائز ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور ہر روزہ کے

بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلائیں' حضرت علی' حضرت ابن عباس' حضرت ابو ہریرہ' حضرت انس رضی اللہ عنہم اور سعید بن جبیر طاؤس ثوری اور اوزاعی کا یہی قول ہے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ آیت ہر شخص کی رخصت کے لیے نازل ہوئی ہے اور اس لیے کہ روزہ رکھنا واجب ہے اور جب سدر کی اجازت سے اس سے روزہ ساقط ہوگا تو اس کے بدلہ میں قضا کی طرح کفارہ لازم آئے گا۔

بیزدہ مریض جس کے مرض کے زائل ہونے کی توقع نہیں ہے وہ بھی روزہ نہیں رکھے گا اور یہ روزہ بے بدل میں ایک مریض کو کھانا کھلائے گا کیونکہ وہ بھی ہر شخص کے حکم میں ہے۔ (المینی ج ۲ ص ۳۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ) علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

امام شافعی اور ان کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ وہ بوڑھا شخص جس کو روزہ رکھنے میں شدید مشقت ہو اور وہ مریض جس کے مرض کے زوال کی توقع نہ ہو اس پر بالاجماع روزہ فرض نہیں ہے اور اس پر وجوب فدیہ کے متعلق دو قول ہیں زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس پر فدیہ واجب ہے۔ (شرح المہذب ج ۶ ص ۲۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت) علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

اس پر اجماع ہے کہ جو بوڑھے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے یا سخت مشقت سے روزے رکھتے ہیں ان کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ ان پر کیا واجب ہے؟ ربیعہ اور امام مالک نے کہا ان پر کوئی چیز واجب نہیں ہے البتہ امام مالک نے کہا اگر وہ ہر روزے کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلائیں تو یہ مستحب ہے۔

(المجموع ج ۱۰ حکام القرآن ج ۲ ص ۲۸۹ مطبوعہ انتشارات ماسر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابن عابدین شافعی لکھتے ہیں:

جو شخص بہت بوڑھا اور روزہ رکھنے سے عاجز ہو اسی طرح جس مریض کے مرض کے زوال کی توقع نہ ہو وہ ہر روزہ کے لیے فدیہ دیں۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۱۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ) ایک روزہ کے لیے نصف صاع یعنی دو کلو گرام یا اس کی قیمت فدیہ دے روزہ کے فدیہ میں فقراء کا تعدد شرط نہیں ہے اور ایک فقیر کو متعدد ایام کا فدیہ دے سکتا ہے اور مہینہ کی ابتداء میں بھی دے سکتا ہے۔

(در مختار علی عاشر رد المحتار ج ۲ ص ۱۱۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

شوگر بند پریشردمہ اور جوڑوں کا درد یہ چار بیماریاں ایسی ہیں جن کا کوئی علاج نہیں ہے ان کو دواؤں سے کنٹرول تو کیا جا سکتا ہے لیکن یہ بیماریاں زائل نہیں ہو سکتیں ان میں جوڑوں کا درد روزے کے منافی نہیں ہے اور عام حالت میں دمہ بھی روزوں کے منافی نہیں ہے لیکن جب شوگر زیادہ ہو تو زیادہ گلیوں یعنی پڑتی ہیں جس سے وقفہ وقفہ سے شدید بھوک لگتی ہے اسی طرح جب بند پریشرد زیادہ ہو تو پانی پینا پڑتا ہے اس لیے جن لوگوں کو شوگر یا بند پریشرد کا عارضہ ہو اور ڈاکٹر انہیں روزہ رکھنے کی اجازت نہ دے تو وہ روزہ کی جگہ فدیہ دے دیں۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ

رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا لوگوں کو ہدایت دینے والا اور

يَتَّبِعْتَنِي الْهَدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ

روشن دلیلیں ہدایت دینے والیں اور حق اور باطل میں فیصلہ کرنے والیں سو تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں موجود ہو وہ ضرور

فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ

اس ماہ کے روزے رکھے اور جو مریض یا مسافر ہو (اور روزے نہ رکھے) تو وہ دوسرے دنوں سے (مطلوبہ) جلد پورا

أَخَّرَ ۖ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا

کرمے اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تمہیں مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا اور تاکہ تم (مطلوبہ)

الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۸۵﴾

عدد پورا کرو اور اللہ کی کبریائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے تمام قرآن کو بوج محفوظ سے آسمان دنیا پر ماہ رمضان کی لیلۃ القدر میں نازل کیا پھر سب مصحف تیس سال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل قرآن کو نازل فرمایا اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کو نازل کرنے کی ابتداء رمضان کے مہینہ میں ہوئی اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ روزہ کو فرض کرنے کے احکام ۱۰ رمضان میں نازل ہوئے۔

حافظ ابن عساکر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے ابراہیم پر سحائف رمضان کی پہلی شب میں نازل کیے اور حضرت موسیٰ پر تورات رمضان کی چھٹی شب میں نازل کی اور حضرت عیسیٰ پر انجیل رمضان کی اٹھارویں شب میں نازل کی اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن رمضان کی چوبیسویں شب میں نازل کیا۔

(تاریخ ابن عساکر ج ۳ ص ۱۹۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۴ھ)

رمضان کے اسرار و رموز اور رمضان میں نزول قرآن کا بیان

امام رازی لکھتے ہیں:

مجاہد نے کہا کہ رمضان اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور رمضان کے مہینہ کا معنی ہے اللہ کا مہینہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ یہ نہ کہو کہ رمضان آیا اور رمضان گیا بلکہ یہ کہو کہ رمضان کا مہینہ آیا اور رمضان کا مہینہ گیا کیونکہ رمضان اللہ کے اسم میں سے ایک اسم ہے۔

دوسرا قول ہے کہ رمضان مہینہ کا نام ہے جیسا کہ رجب اور شعبان مہینوں کے نام ہیں۔ خلیل سے منقول ہے رمضان رمضاء سے بنا ہے اور رمضا، خریف کی اس ہارش کو کہتے ہیں جو زمین سے گرد و غبار کو دھو ڈالتی ہے اسی طرح رمضان بھی اس امت کے گناہوں کو دھو ڈالتا ہے اور ان کے داؤں کو گنہوں سے پاک کر دیتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ رمضان رخص سے بنا ہے اور رخص سورج کی تیز دھوپ کو کہتے ہیں اور اس مہینے میں روزہ داروں پر بھوک اور پیاس کی شدت بھی تیز دھوپ کی طرح

نخت ہوتی ہے یا جس طرح تیز دھوپ میں بدن جلنا ہے اسی طرح رمضان میں گناہ جل جاتے ہیں اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان اللہ کے بندوں کے گناہ جلا دیتا ہے۔

رمضان کے مہینہ میں نزول قرآن کی ابتداء اس وجہ سے کی گئی کہ قرآن اللہ عزوجل کا کلام ہے اور انوار الہیہ ہمیشہ منجلی اور منکشف رہتے ہیں البتہ ارواح بشریہ میں اس انوار کے ظہور سے حجابات بشریہ مانع ہوتے ہیں اور حجابات بشریہ کے زوال کا سب سے قوی سبب روزہ ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ کشف کے حصول کا سب سے قوی ذریعہ روزہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر بنی آدم کے قلوب میں شیطان نہ گھومتے تو وہ آسمانوں کی نشانیوں کو دیکھ سکتے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں اور رمضان میں عظیم مناسبت ہے اس لیے نزول قرآن کی ابتداء کے لیے اس مہینہ کو خاص کر لیا گیا۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۲۱۔ ۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سو تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں موجود ہو وہ ضرور اس ماہ کے روزے رکھے۔ (البقرہ ۱۸۵)

قطبین میں روزے اور نماز کی تحقیق

بہ ظہر اس آیت پر یہ اشکال ہے کہ اس آیت سے یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ کوئی شخص اس مہینہ سے غائب بھی ہو سکتا ہے ہو سکتا ہے کہ پہلے یہ بات عجیب معلوم ہو لیکن اب جب کہ یہ محقق ہو گیا کہ قطبین میں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے تو وہاں کے رہنے والے رمضان کے مہینہ میں ضرور نہیں ہوتے اس لیے قطبین کے رہنے والوں پر رمضان کے روزے فرض نہیں ہیں البتہ جب باقی دنیا میں رمضان کا مہینہ ہواں دنوں میں کسی قریبی اسلامی ملک کے حساب سے وہاں کے رہنے والے طلوع فجر اور غروب آفتاب کے اوقات کا اپنے علاقہ کی گھڑیوں کے وقت کے حساب سے ایک نظام الاوقات مقرر کر لیں اور اتنا وقت روزہ سے گزاریں تو بہت بہتر ہے اور اب جب کہ تمام دنیا کا ٹائم بنانے والی گھڑیاں ایجاد ہو چکی ہیں یہ ایسا مشکل بھی نہیں ہے وہاں کے رہنے والے اگر گھڑیوں کے حساب سے نمازیں پڑھیں تو یہ بھی بہت بہتر ہے ہر چند کہ سورج کے طلوع اور غروب کے لحاظ سے ان پر ایک سال میں صرف ایک دن کی نمازیں فرض ہوں گی۔

سعودی عرب کے حساب سے روزے رکھتا ہوا پاکستان آیا تو عید کس حساب سے کرے گا؟

پاکستان میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ سعودی عرب سے ایک یا دو روز پہلے روزے رکھتے ہوئے آتے ہیں اور ان کے تیس روز بے پورے ہو جاتے ہیں اور یہاں ہنوز رمضان ہوتا ہے تو چونکہ مذاہب اربعہ کے محققین فقہاء کے نزدیک بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع معتبر ہے اس لیے اس کو روزے رکھنے چاہئیں نیز قرآن مجید میں ہے۔ ”فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ“ (البقرہ ۱۸۵) تم میں سے جو اس مہینے میں موجود ہو تو وہ ضرور اس کے روزے رکھے۔ اور اس شخص نے اس صورت میں رمضان کا مہینہ پایا ہے اس لیے وہ سب کے ساتھ روزے رکھے نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”الصوم يوم تصومون والفطر يوم تفطرون۔ جس دن لوگ روزہ رکھیں اس دن روزہ ہے اور جس دن لوگ عید کریں اس دن عید ہے۔“ (جامع ترمذی ص ۱۲۳) اس حدیث کا بھی یہ تقاضا ہے کہ جو شخص پاکستان میں آ گیا وہ یہاں کے لوگوں کے ساتھ روزے رکھے اور یہاں کے لوگوں کے ساتھ عید کرے۔ ایک رائے یہ ہے کہ اگر اس کے تیس روزے پورے ہو چکے ہیں تو اس پر اب روزے لازم نہیں کیونکہ حدیث کے اعتبار سے مہینہ انیس یا تیس دنوں کا ہوتا ہے اور وہ ایک مہینہ کے روزے رکھ چکا ہے لیکن پہلی رائے کے دلائل زیادہ قوی ہیں۔

پاکستان سے روزے رکھتا ہو اسعودی عرب گیا تو عید کس حساب سے کرے گا؟

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص نے پاکستان میں چند دنوں کے روزے رکھنے شروع کیے اور اتنا رمضان میں سعودی عرب چلا گیا جہاں لوگوں نے ایک یا دو روز پہلے روزے رکھنے شروع کیے تھے اور ابھی اس کے اٹھائیس یا تیس روزے ہوئے تھے کہ انہوں نے عید کر لی اس صورت کے بارے میں علامہ نووی لکھتے ہیں

ایک شخص نے ایک ایسے شہر سے سفر کیا جنہوں نے رمضان کا چاند نہیں دیکھا اور اس شہر میں پہنچا جس میں (اس کے حساب سے) ایک دن پہلے چاند دیکھ لیا گیا تھا اور ابھی اس نے اٹیس روزے رکھے تھے کہ انہوں نے عید کر لی۔ اب اگر ہم عام حکم رکھیں یا یہ کہیں کہ اس کے لیے اس شہر کا حکم ہے تو وہ عید کر لے، اور ایک دن کے روزے کی قضاء کرے اور اگر ہم حکم عام نہ رکھیں اور یہ کہیں کہ اس کے لیے پہلے شہر کا حکم ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس دن روزہ رکھے۔

چونکہ مذاہب اربعہ کے محققین فقہاء کے نزدیک بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع معتبر ہے اس لیے پاکستان سے سعودی عرب پہنچنے کے بعد اس شخص پر سعودی عرب کے مطالع کے احکام لازم ہوں گے وہ اس کے حساب سے روزے رکھے گا اور ان کے حساب سے عید کرے گا لیکن اس کے روزے تیس سے کم ہیں تو وہ کم دنوں کی احتیاطاً قضا کر لے۔

سعودی عرب سے عید کے دن سوار ہو کر پاکستان آیا اور یہاں رمضان ہے

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص مثل سعودی عرب سے عید کے دن جہاز پر سوار ہو کر پاکستان پہنچے اور یہاں هنوز رمضان ہے۔ ایسی صورت کے بارے میں علامہ نووی لکھتے ہیں اگر ایک شخص نے ایک شہر میں چاند دیکھا تو صبح عید کی اور وہ کشتی کے ذریعہ کسی دور دراز شہر میں پہنچا جہاں لوگوں کا روزہ تھا۔ شیخ ابو محمد نے کہا: اس پر لازم ہے کہ وہ بقہ دن کھانے پینے سے اجتناب کرے۔ یہ اس صورت میں ہے جب ہم یہ کہیں کہ اس پر اس شہر کا حکم لازم ہے اور اگر ہم حکم عام رکھیں یا اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کریں تو اس پر انظار کرنا لازم ہے۔

چونکہ بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع معتبر ہے اس لیے جو شخص سفر کر کے دور دراز علاقہ میں پہنچے گا اس پر وہاں کے جغرافیائی حالات کے اعتبار سے شرعی احکام لازم ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور جو مریض یا مسافر ہو (اور روزے نہ رکھے) تو وہ دوسرے دنوں سے (مطلوبہ) عدد پورا کرے۔

(البقرہ ۱۸۵)

روزہ کی رخصت کے لیے شرعی مسافت کا بیان

اس حکم کو دوبارہ ذکر فرمایا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ یہ رخصت منسوخ ہو گئی ہے۔ کئی مسافت کے سفر میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے داؤد ظاہری کے نزدیک مسافت کم ہو یا زیادہ اس پر شرعی سفر کے احکام نافذ ہو جاتے ہیں خواہ ایک میل کی مسافت کا سفر ہو امام احمد کے نزدیک دو دن کی مسافت کا اعتبار ہے امام شافعی کے نزدیک بھی دو دن کی مسافت کا اعتبار ہے امام مالک کے نزدیک ایک دن کی مسافت معتبر ہے امام ابو حنیفہ سفر شرعی کے لیے تین دن کی مسافت کا اعتبار کرتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی عورت بغیر محرم کے تین دن کا سفر نہ کرے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

جمہور فقہاء احناف نے تین دن کی مسافت کا اندازہ اٹھارہ فرسخ کیا ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۲۷-۵۲۸) اٹھارہ فرسخ ۵۴

شرعی میل کے برابر ہیں جو انگریزی میلوں کے حساب سے اکٹھ میل 'دو فرانگ' میں ہے اور ۲۳ ۷۸ کلومیٹر کے برابر ہے۔ مسافت قصر کی پوری تفصیلات اور تحقیق ہم نے "شرح صحیح مسلم" جلد ثانی میں بیان کی ہے۔ میت کی طرف سے روزے رکھنے میں مذاہب ائمہ

جو شخص فوت ہو گیا اور اس نے رمضان کے روزے نہ رکھے ہوں تو امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک کوئی شخص اس کی طرف سے روزے نہیں رکھ سکتا ان کی دلیل یہ آیت ہے

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (۱۶۳) (انعام ۱۶۳)

کوئی شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں

جب کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس پر نذر کے روزے ہوں تو صحیح مذہب یہ ہے کہ اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھ سکتا ہے اور صحیح مذہب یہ ہے کہ ایک جماعت میت کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہے نیز صحیح مذہب یہ ہے کہ ولی کا غیر بھی میت کی طرف سے اس کی اجازت سے اور اس کی اجازت کے بغیر روزے رکھ سکتا ہے اگر ولی روزے نہ رکھے تو میت کے مال سے ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ (۱۱ اضعاف ج ۳ ص ۳۷ ۳۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

علامہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوف روایت ہے کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ نہ رکھے اور نہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز پڑھے۔ (دعائے مالک ص ۳۵ مطبوعہ ۱۱ ہجری) دوسری دلیل یہ ہے کہ زندگی میں عبادات کی ادائیگی میں کوئی شخص کسی کا نائب نہیں ہو سکتا "ہذا موت کے بعد بھی نہیں ہو سکتا" کیونکہ عبادت کا مکلف کرنے سے یہ مقصود ہے کہ مکلف کے بدن پر اس عبادت کی مشقت ہو اور نائب کے ادا کرنے سے مکلف کے بدن پر کوئی مشقت نہیں ہوگی البتہ اس کی طرف سے ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے گا کیونکہ اب اس مکلف کا خود روزہ رکھنا ممکن نہیں ہے تو فدیہ اس کے روزہ کا قائم مقام ہو جائے گا جیسا کہ شیخ فانی کی صورت میں ہے اور اگر اس نے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کی ہو تو اس کے تہائی مال سے کھانا کھانا لازم ہے اور امام شافعی کے نزدیک وہ وصیت کرے یا نہ کرے اس کی طرف سے کھانا کھانا لازم ہے فدیہ کی مقدار ہر روزے نزدیک دو کلو گرام ہے اور امام شافعی کے نزدیک ایک کلو گرام ہے۔

(المصنوع ج ۳ ص ۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

حاملہ اور مرضہ کے لیے روزہ کی رخصت میں مذاہب ائمہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

حاملہ اور مرضہ پلانے والی کو جب اپنی جاں کا خوف ہو تو وہ روزہ نہ رکھیں اور فقط ان روزوں کی قضا کریں اور اگر ان کو اپنے بچے کی جاں کا خوف ہو تو وہ روزہ نہ رکھیں ان پر قضا بھی ہے اور فدیہ بھی ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔

(الفنی ج ۳ ص ۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۵ھ)

علامہ العبدری مالکی لکھتے ہیں:

اگر حاملہ پر روزہ دشوار ہو تو وہ روزہ نہ رکھے اور صرف قضا کرے اور اگر مرضہ پلانے والی پر روزہ دشوار ہو تو وہ روزہ نہ رکھے وہ قضا بھی کرے اور فدیہ بھی دے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ صرف قضا کرے۔

(الذیلاک لشرح مختصر ذلیل ج ۲ ص ۳۷ مطبوعہ مکتبہ النجاشی)

علامہ شمس الدین رحمہ اللہ شافعی لکھتے ہیں:

حاملہ اور دودھ پلانے والی کو اگر اپنی جان کا خوف یا اپنی اور بچہ دونوں کی جان کا خوف ہو تو وہ روزہ نہ رکھیں، صرف تمنا کریں اور اگر صرف بچہ کی جان کا خوف ہو تو روزہ کی قضا بھی کریں اور فدیہ بھی دیں

(نہایۃ المحتاج ج ۳ ص ۱۹۲ مطبوعہ دارالکتب بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ المرغینانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حاملہ اور دودھ پلانے والی کو جب اپنی جان کا خوف ہو یا اپنے بچہ کا خوف ہو تو وہ روزہ رکھیں اور قضا کریں تاکہ ان پر تنگی نہ ہو ان پر فدیہ لازم نہیں ہے کیونکہ وہ عذر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ رہیں امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ اگر بچہ کا خوف ہو تو فدیہ دیں وہ اس کو شیخ فانی پر قیاس کرتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ شیخ فانی میں فدیہ کا وجوب خلاف قیاس ہے اور یہاں روزہ نہ رکھنا بچہ کے سبب سے ہے اور بچہ شیخ فانی کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ شیخ فانی روزہ کے وجوب کے بعد عاجز ہوا اور بچہ پر اصلاً روزہ کا وجوب نہیں ہے اس لیے یہ قیاس صحیح نہیں ہے۔ (ہدایہ الدلین ص ۱۲۲ مکتبہ شرکت علیہ نامان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تمہیں مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔

(البقرہ ۱۸۵)

اسلام دین سیر ہے

اسلام نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا جس سے امت حرج اور دشواری میں مبتلا ہو جائے۔ قرآن مجید میں ہے
مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ

(البقرہ ۶)

اللہ تعالیٰ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں کی۔

(نہج ۷۸)

اللہ تعالیٰ تم سے تخفیف کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اور

يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ

ضَعِيفًا (النساء ۲۸)

انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے O

(قصاص کے ساتھ دیت کی گنجائش رکھنا) یہ تمہارے

ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ (البقرہ ۱۷۸)

رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔

قصاص کے ساتھ دیت کی گنجائش پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو یتیم کی سہولت بیمار اور مسافر سے لیے روزہ قضا کرنے کی رخصت ہوڑھے اور دائمی مریض کے لیے روزے کے فدیہ کی اجازت جو کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے اس کے لیے بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھنے کی وسعت اگر سواری سے اتر نہ سکے تو سواری پر نماز پڑھنے کی اجازت جو شخص خود حج نہ کر سکے اس کے لیے حج بدل کی وسعت سفر میں نماز کو قصر کرنا اور بہت سے احکام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام شرعیہ میں مشقت کی صورت میں رخصت پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے احوال کے روزوں، سیام، دس، عمر بھر ثاوی نے لڑنے اور ساری رات قیام کرنے سے منع کیا ہے اسی طرح مشکل عبادات کی نذر ماننے پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے تمام مال، صدقہ کرنے سے منع کیا ہے اور اظہار کی حالت میں حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت دی ہے نہ لڑتے احوالیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسان احکام اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین آسان ہے جو شخص بھی دین پر غالب آنے کی کوشش کرے گا (بایں طور کہ آسان طریقہ کو چھوڑ کر مشکل طریقہ کو اختیار کرے) دین اس پر غالب آ جائے گا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: تم لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو اور ان کو مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت سعید بن ابی بردہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد کو اور حضرت معاذ بن جبل کو یمن بھیجا اور فرمایا: آسانی کرنا مشکل میں نہ ڈالنا، خوشخبری دینا، تنفر نہ کرنا اور آپس میں موافقت کرنا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۶۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے اصحاب میں سے کسی کو اپنے کسی کام کے لیے بھیجتے تو یہ فرماتے خوشخبری دینا، تنفر نہ کرنا، آسانی کرنا اور مشکل میں نہ ڈالنا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو کاموں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جاتا تو آپ اس پر عمل کرتے جو زیادہ آسان ہوتا، بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو، اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ سب سے زیادہ اس سے بچنے والے ہوتے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۳، ج ۲ ص ۱۰۰۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین وہ ہے جو باطل ادیان سے الگ ہو اور آسان اور سہل ہو۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا بہترین دینی عمل وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو، تمہارا بہترین دینی عمل وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو، تمہارا بہترین دینی عمل وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۸، ج ۵ ص ۳۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص فیصلہ کرنے اور تقاضا کرنے میں آسانی کرنے کی وجہ سے جنت میں داخل ہو گیا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

بعض مفتی فتویٰ دیتے وقت ڈھونڈ ڈھونڈ کر لوگوں کو مشکل اور ناقابل عمل احکام بیان کرتے ہیں مثلاً اگر کسی عورت کا خاندان گم ہو جائے تو کہتے ہیں وہ نوے سال تک انتظار کرے پھر عقد ثانی کرے، جس عورت کو اس کا خاوند کھانے پینے کا خرچ دے نہ آہد کرے اور نہ اس کو طلاق دے تو کہتے ہیں کہ خاوند کی طلاق کے بغیر اس کی نجات نہیں ہو سکتی عدالت نے جس کا نکاح فسخ کر دیا ہو اس کو نکاح کی اجازت نہیں دیتے، انگریزی دواؤں اور انتقال خون کو حرام کہتے ہیں، ریڈیو اور ٹی وی پر روایت

ہلال کے اعلان کو ناجائز کہتے ہیں، پر فہم کے استعمال کو ناجائز کہتے ہیں، چھٹی ٹرین اور ہوائی جہاز میں نماز کو ناجائز کہتے ہیں، تعلیم نسواں کو حرام کہتے ہیں، نماز میں سجدہ کے دوران اگر بیروں کی تین انگلیاں اٹھ جائیں، کہتے ہیں کہ نماز فاسد ہوگئی، بعض علماء سجدہ میں انگلیوں کے پیٹ لگانے کو فرض کہتے ہیں، گھڑی کے چہن کو ناجائز کہتے ہیں، جس مسئلہ میں فقہاء کے متعدد اقوال ہوں تو اس قول پر فتویٰ دیتے ہیں جس پر عمل کرنا سب سے مشکل اور سخت ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آسان اور سہل احکام بیان کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ لوگ اس کے برعکس کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اللہ کی کبریائی بیاں کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے اور تاکہ تم شکر ادا کرو (البقرہ ۱۸۵) عید گاہ جاتے وقت تکبیرات پڑھنے میں مذاہب ائمہ

علامہ ابو بکر جصاص حنفی لکھتے ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمان شوال کا چاند دیکھیں تو ان پر حق ہے کہ وہ اللہ کی تکبیر کہیں حتیٰ کہ وہ عید سے فارغ ہو جائیں اور زہری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ عید الفطر کے دن جب عید گاہ جاتے تو تکبیر پڑھتے اور جب نماز پڑھ لیتے تو تکبیر منقطع کر دیتے، حضرت علی ابو قتادہ، حضرت ابن عمر، سعید بن مسیب، عروہ، قاسم، خارجہ بن زید، نافع بن جبر بن مطعم وغیرہم سے مروی ہے کہ وہ عید کے دن عید گاہ کو جاتے وقت تکبیر پڑھتے تھے۔ ہمیشہ بن معتمر نے بیان کیا کہ عید الاضحیٰ کے دن حضرت علی اپنے خیر پر سوار ہو کر گئے اور تکبیر پڑھتے رہے حتیٰ کہ جہانہ پہنچ گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام شعبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے لوگوں کو تکبیر پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ کیا امام تکبیر پڑھ رہا ہے؟ میں نے کہا نہیں، فرمایا تو کیا یہ لوگ پاگل ہیں؟ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابن عباس نے عید گاہ کی طرف جانے کے راستہ میں تکبیر پڑھنے کا انکار کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک اس آیت میں تکبیر سے مراد وہ تکبیریں ہیں جو امام خطبہ میں پڑھتا ہے اور حضرت ابن عباس سے جو یہ روایت ہے کہ مسلمانوں پر حق ہے کہ شوال کا چاند دیکھ کر تکبیر پڑھیں اس سے مراد آہستہ تکبیر پڑھنا ہے اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ جب وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز پڑھنے کے لیے جاتے تو عید گاہ تک بلند آواز سے تکبیر پڑھتے۔

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا عید الاضحیٰ کے لیے جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر پڑھے اور عید الفطر کے لیے جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر نہ پڑھے اور امام ابو یوسف عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں میں تکبیر پڑھتے تھے قرآن مجید میں کسی چیز کی تعیین نہیں ہے، امام محمد نے فرمایا کہ عیدین میں تکبیر پڑھے اور حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے کہ عیدین میں تکبیر پڑھنا واجب نہیں ہے، راستہ میں نہ عید گاہ میں تکبیر صرف عید کی نماز میں واجب ہے۔ امام اوزاعی اور امام مالک نے کہا ہے کہ دونوں عیدوں میں عید گاہ کی طرف جانے ہوئے راستہ میں تکبیر پڑھے، جب امام آجائے تو تکبیر منقطع کر دے اور واپسی میں تکبیر نہ پڑھے۔ امام شافعی نے فرمایا: دونوں عیدوں کی رات میں بلند آواز سے تکبیر پڑھنا مستحب ہے اور صبح جب عید گاہ کو جائے تو امام کے آنے تک تکبیر پڑھنا مستحب ہے۔

علامہ ابو بکر جصاص کہتے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ بلند آواز سے تکبیر پڑھے اور ہلال شوال دیکھ کر آہستہ تکبیر پڑھنا بھی جائز ہے، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ بلند آواز سے تکبیر پڑھنا واجب نہیں ہے اور جس نے بلند آواز سے تکبیر پڑھنے کے لیے کہا اس نے بہ طور استحباب کہا ہے۔ امام طحاوی نے کہا ہے کہ ابن ابی مران نے ذکر کیا ہے کہ ہمارے تمام اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیر پڑھنا سنت ہے، یہ قول امام ابو حنیفہ کے مذہب کے زیادہ مناسب ہے، کیونکہ

ملا ہر آیت سے محرم ہوتا ہے کہ گنتی پوری کرنے کے بعد گنتی پڑھی جائے اور اگر نماز عید الاضحیٰ کی بات پڑا لیسر سے زیادہ مناسب ہے کیونکہ عید الفطر میں روزوں کا عدد پورا کیا جاتا ہے اور جب امام ابو حنیفہ کے نزدیک عید الاضحیٰ میں تکبیر ۷۵۰ تک ہے تو عید الفطر میں بھی تکبیر ۷۵۰ ہونا چاہیے کیونکہ دونوں عیدوں کی نمازوں میں تکبیر کے حکم میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس لئے بعد خطبہ میں نہ سنتوں میں سوچا ہے کہ عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیر پڑھنے میں بھی دونوں عیدوں میں اختلاف نہ ہو

(۱۰۱) (۱۸۶) (۲۲۶) (۱۱۱) (۱۱۱) (۱۱۱) (۱۱۱) (۱۱۱) (۱۱۱) (۱۱۱) (۱۱۱)

علامہ ابو بکر جصاص نے امام شافعی کا مذہب صحیح نقل نہیں کیا امام شافعی کے نزدیک تکبیرات واجب ہیں کی طرح اس کا بھر کے استنباط کو مشفق عابد قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک تکبیرات کو بھر سے پڑھنا واجب ہے

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

عید الفطر کی رات اور عید الاضحیٰ کی رات میں بلند آواز سے تکبیر پڑھنا تکبیرات واجب کی طرف بائیں امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ جب عید گاہ پہنچ جائیں تو تکبیرات منقطع کر دیں اور ایک روایت ہے جب امام حنبلہ سے فارغ ہوئے۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۱۸۸ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

اگر طلوع شمس کے بعد عید گاہ کے لیے روانہ ہو تو عید گاہ کے رات میں امام کے آنے تک تکبیرات پڑھتے اس میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ برابر ہیں اور اگر طلوع شمس سے پہلے روانہ ہو تو پھر نہ پڑھتے

(المجامع ۱۰۷۶ (۱۰۷۶) (۱۰۷۶) (۱۰۷۶) (۱۰۷۶) (۱۰۷۶) (۱۰۷۶) (۱۰۷۶) (۱۰۷۶)

اس عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ امام مالک کے نزدیک عیدین کی تکبیرات واجب ہیں

علامہ خازن شافعی لکھتے ہیں:

امام شافعی نے کہا عیدین کی تکبیروں کو بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے اور یہی امام مالک کا قول ہے

(الباب التاویل ج ۱ ص ۱۲۳ مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت)

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ

اور (اے رسول!) جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں (تو آپ فرمادیں کہ) ہے شک میں ہوں کے قریب ہوں دعا

إِذَا دَعَا ۖ فَلَيْسَ بَعِيدٌ ۚ وَلِيُوْثِقُوا لِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۱۸۶﴾

کرنے والا جب دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرنا ہوں تو چاہیے کہ وہ (بھی) میرا حکم نہیں پورا کرے پر ایمان برقرار رکھیں تاکہ وہ کامیابی حاصل کریں ۰

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ ۖ هُنَّ لِبَاسٌ

تمہارے لیے روزہ کی رات میں اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا وہ تمہارے لیے لباس ہیں

لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ ط عَلِمَ اللَّهُ أَنْكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ

اور تم ان کے لیے لباس ہو انہ کو علم ہے کہ تم اپنے نمودوں میں خیانت کرتے تھے

أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ج قَالَتِ يَا شَرُّهُنَّ

سوالہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تمہیں معاف کر دیا جواب تم (جاہلوں) ان سے اُل زدِ حسرت کرو اور جو اللہ نے تمہارے لیے

وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَاكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ

مقدور کر دیا ہے اس کو طلب کرو اور کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ نجر کا سفید دھاگا (رات کے)

الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتَمُوا

سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے پھر روزہ کو

الصِّيَامَ إِلَى الْيَلِّ ج وَلَا تَبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي

رات آنے تک پورا کرو اور جب تم مسجدوں میں محکم ہو تو (کسی وقت بھی) اپنی بیویوں

الْمَسَاجِدِ ط تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا كَذَلِكَ يبينُ اللَّهُ

سے عملِ زوجیت نہ کرو یہ اللہ کی حدود ہیں سو تم ان کے قریب نہ جاؤ اللہ اسی طرح اپنی آیتیں لوگوں

آيَةُ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾

کے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ متقی بن جائیں ۵

شان نزول

اس آیت کے شانِ نزول میں اختلاف ہے۔ امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں

حسن بصری بیان کرتے ہیں: صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ہمارا رب کہیں ہے تو یہ آیت نازل ہوئی جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو بتائیے کہ میں قریب ہوں۔

عطاء نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا تو صحابہ نے پوچھا ہم کس وقت دعا کریں تو یہ آیت نازل ہوئی جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو بتائیے کہ میں قریب ہوں اور جب

کوئی دعا کرنے والا دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔ (جامع البیہ ج ۲ ص ۹۳۔ ۹۴ مطبوعہ دارالمرکز بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ سے دعا کرنے کے متعلق احادیث

ہمارے زمانہ میں بعض جہل اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے بجائے اپنی حاجتوں کا سوال پیروں فقیروں سے کرتے ہیں اور

قبروں اور آستانوں پر جا کر اپنی حاجات بیان کرتے ہیں اور اولیاء اللہ کی نذر مانتے ہیں حالانکہ ہر چیز کی دعا اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہیے اور اسی کی نذر مانتی چاہیے کیونکہ دعا اور نذر دونوں عبادت ہیں اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے البتہ دعا میں انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا وسیلہ پیش کرنا چاہیے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب تبارک و تعالیٰ ہر رات کے آخری حصہ میں آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ کون مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کر لوں! کون مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو عطا کروں اور کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے تو میں اس کی مغفرت کر دوں۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۶، مطبوعہ نور محمد راجح الطالی، کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا عبادت کا مغز ہے۔

(جامع ترمذی ص ۳۸۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی ہر حاجت کا اللہ سے سوال کرو حتیٰ کہ جوتی کے تسمہ ٹوٹنے کا۔ (جامع ترمذی ص ۵۱۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۸۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ اللہ تختیوں اور مصیبتوں میں اس کی دعا قبول کرے وہ بخش و آرام میں اللہ تعالیٰ سے بہ کثرت دعا کرے۔

(جامع ترمذی ص ۳۸۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا: اے بیٹے! میں تم کو چند کلمات کی تعلیم دیتا ہوں تم اللہ کے حقوق کی حفاظت کرو اللہ تمہاری حفاظت کرے گا تم اللہ کے حقوق کی حفاظت کرو تم اللہ کی تقدیر کو اپنے سامنے پاؤ گے جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد چاہو تو اللہ سے مدد چاہو۔

(جامع ترمذی ص ۳۹۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق احادیث

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت مالک بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اللہ سے سوال کرو تو اپنی ہتھیلیوں کے باطن سے سوال کرو اور ہتھیلیوں کی پشت سے سوال نہ کرو۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۹، مطبوعہ مطبع مکتبہ پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا رب حیا والا کریم ہے جب اس کا کوئی بندہ اس کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ ان کو خالی لوٹانے سے حیا فرماتا ہے۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۹، مطبوعہ مطبع مکتبہ پاکستان لاہور)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۵۱۲ مطبوعہ کراچی)

حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ سوال کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر اٹھاؤ اور استغفار کا طریقہ یہ ہے کہ ایک انگلی سے اشارہ کرو اور گڑگڑا کر سوال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلاؤ۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۹ مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

ابو حریز رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم اللہ سے سوال کرو تو ہتھیلیوں کے باطن سے سوال کرو ہتھیلیوں کی پشت سے سوال نہ کرو۔ (المصنف ج ۱ ص ۲۸۶ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں ہاتھ بلند کرتے اور ہاتھوں کو نیچے نہ گراتے حتیٰ کہ ان کو چہرے پر مل لیتے۔ (جامع ترمذی ص ۳۸۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ہمارے زمانہ میں بعض علماء ہر دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کو سنت نہیں قرار دیتے اور بغیر ہاتھ اٹھا کے دعا کرنے کی تلقین کرتے ہیں اس لیے میں نے ایسی احادیث بیان کیں جن میں دعا کرنے کا طریقہ یہ بیان کیا ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کی جائے۔
فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق احادیث

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کس وقت کی دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: رات کے آخری حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد۔ (جامع ترمذی ص ۵۰۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ان کلمات سے اللہ کی پناہ چاہتے تھے: اے اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں، میں اربل عمر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور دنیا کے فقر اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (جامع ترمذی ص ۵۱۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

مسلم بن ابی بکر بیان کرتے ہیں کہ میرے والد ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں کفر، فقر اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، میں بھی یہ دعا کرنے لگا، میرے والد نے پوچھا: اے بیٹے! یہ دعا کہاں سے حاصل کی؟ میں نے کہا: آپ سے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے۔

(سنن نسائی ج ۱ ص ۱۳۶ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

ابوبکر بن ابوموسیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جب نماز سے فارغ ہوتے تو یہ دعا کرتے: اے اللہ! میرے گناہ کو بخش دے، میرے معاملہ کو آسان کر اور میرے رزق میں برکت دے۔

(المصنف ج ۱ ص ۲۲۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۰۶ھ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد پڑھتے تھے: "لا الہ الا اللہ وحده لا شریک له له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير" اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما

صحت ولا یضع ذالجلد منک الحد۔“ (المصنف ج ۱۰ ص ۳۱ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد فرماتے تھے ”اللہم انت السلام ومنک السلام مبارک یا ذا الجلال والاكرام“ (المصنف ج ۱۰ ص ۳۲ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

ابو ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ابراہیم رضی اللہ عنہما ہر نماز کے بعد باند آواز سے پڑھتے تھے ”لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ لہ المملک ولہ الحمد وهو علی کل شیء قلیب“ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ولا بعد الا باللہ لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن لا الہ الا اللہ مسلّمین لہ الدین ولو کرہ الکافرون“ پھر حضرت ابن الزبیر نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد ان کلمات کو باند آواز سے پڑھتے تھے

(المصنف ج ۱۰ ص ۳۲ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ قاری کراچی ۱۳۷۵ھ) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کا سلام پھیرنے کے بعد دعا کرتے اے اللہ! میں تجھ سے علم نافع، پاک رزق اور عمل مقبول کا سوال کرتا ہوں۔

(المصنف ج ۱۰ ص ۳۳ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

اس حدیث کو امام ابن اُسی نے بھی روایت کیا ہے۔ (مجل ایوم الدیاس ۲۹، ۳۸ مطبوعہ مجلس الدارۃ المعارف بیروت لبنان) حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام طبرانی نے ”معجم صغیر“ میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۱ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

رازان کہتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی نے مجھ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد سو مرتبہ دعا کرتے اے اللہ! میری مغفرت فرما، میری توبہ قبول فرما، بے شک تو بہت توبہ قبول فرمانے والا، بہت بخشنے والا ہے۔

(المصنف ج ۱۰ ص ۳۵ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۰، ۱۱۹ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک یہودی عورت آئی اور کہنے لگی۔ پٹیاں کی وجہ سے عذاب قبر ہوتا ہے میں نے کہا تم جھوٹی ہو اس نے کہا۔ کیوں نہیں؟ ہم کھل اور کپڑے کو پٹیاں کی وجہ سے کاٹ دیتے تھے ہماری آوازیں بلند ہو رہی تھیں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے جا رہے تھے۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ تو میں نے سارا واقعہ عرض کیا آپ نے فرمایا وہ سچی ہے اس دن کے بعد آپ ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے اے جبرائیل! میکائیل اور اسرافیل کے رب! مجھے آگ کی گرمی اور عذاب قبر سے اپنی پناہ میں رکھ۔

(سنن کبریٰ ج ۱ ص ۴۰۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۱ھ)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی کو پڑھا اس کو جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں ہوگی

(سنن کبریٰ ج ۱ ص ۳۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۱ھ)

اس حدیث کو امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ (معجم الاوسط، ج ۸ ص ۱۳، مسند ابی یوسف، ج ۱ ص ۹، مسند ابی داؤد، ج ۱ ص ۱۰۲)۔
 اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (معجم الاوسط، ج ۸ ص ۱۳، مسند ابی یوسف، ج ۱ ص ۹، مسند ابی داؤد، ج ۱ ص ۱۰۲)۔
 حافظ البیہقی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند جید ہے۔ (معجم الاوسط، ج ۸ ص ۱۳، مسند ابی یوسف، ج ۱ ص ۹، مسند ابی داؤد، ج ۱ ص ۱۰۲)۔
 امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز ادا کر بیٹھے تو اپنا دایاں ہاتھ
 پیشانی پر پھیرتے پھر بڑھتے ”اشھد ان لا الہ الا اللہ الرحمن الرحیم“ اس کے بعد دعا کرنے لگے ”اے اللہ! مجھ سے غم اور فکر
 دور کر دے“ (معجم الاوسط، ج ۸ ص ۱۳، مسند ابی یوسف، ج ۱ ص ۹، مسند ابی داؤد، ج ۱ ص ۱۰۲)۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے ”معجم الاوسط“ میں اور امام بزار نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور متعدد ائمہ نے اس کی
 توثیق کی ہے۔ (معجم الاوسط، ج ۸ ص ۱۳، مسند ابی یوسف، ج ۱ ص ۹، مسند ابی داؤد، ج ۱ ص ۱۰۲)۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جب بھی کسی فرض یا نفل نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
 قریب ہوا تو آپ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا ”اے اللہ! میرے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے“ اے اللہ! مجھے ہلاکت سے بچا
 اے اللہ! مجھے نیک اعمال اور اخلاق کی ہدایت دے“ تیرے سوا کوئی نیک اعمال کی ہدایت دینے والا نہیں ہے اور تیرے سوا کوئی
 بڑے اعمال سے بچانے والا نہیں ہے۔ (معجم الاوسط، ج ۸ ص ۱۳، مسند ابی یوسف، ج ۱ ص ۹، مسند ابی داؤد، ج ۱ ص ۱۰۲)۔
 حافظ البیہقی لکھتے ہیں اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

(معجم الاوسط، ج ۸ ص ۱۳، مسند ابی یوسف، ج ۱ ص ۹، مسند ابی داؤد، ج ۱ ص ۱۰۲)۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تو آپ نے فرمایا اے معاذ! میں تم
 سے بہت کرتا ہوں تم کسی نماز کے بعد یہ دعا نہ پھوڑو ”اللہم اعنی علی ذکوک و شکوک و حسن عبادتک“

(معجم الاوسط، ج ۸ ص ۱۳، مسند ابی یوسف، ج ۱ ص ۹، مسند ابی داؤد، ج ۱ ص ۱۰۲)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی ہم کو فرض نماز پڑھائی اس کے بعد
 ہماری طرف منہ کر کے یہ دعا کی ”اے اللہ! میں ہر اس عمل سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو مجھے شرمندہ کرے“ میں ہر اس شخص سے
 تیری پناہ میں آتا ہوں جو مجھے ہلاک کرے اور ہر اس امید سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو مجھے غافل کر دے میں ہر اس فقر سے
 تیری پناہ میں آتا ہوں جو مجھے بھلا دے اور ہر اس غنی سے تیری پناہ میں آتا ہے جو مجھے سرکش بنا دے۔

(معجم الاوسط، ج ۸ ص ۱۳، مسند ابی یوسف، ج ۱ ص ۹، مسند ابی داؤد، ج ۱ ص ۱۰۲)۔

حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام بزار نے حضرت انس سے روایت کیا ہے اور اس کی توثیق کی گئی ہے اور اس
 کو امام ابو یعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔ (معجم الاوسط، ج ۸ ص ۱۳، مسند ابی یوسف، ج ۱ ص ۹، مسند ابی داؤد، ج ۱ ص ۱۰۲)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے بعد یہ دعا کرتے اے
 اللہ! میری آخری زندگی کو خیر کر دے اور میرے سب سے اچھے عمل پر میرا خاتمہ کر اور میرے سب سے اچھے دن وہ بنا دے جس دن
 تجھ سے ملاقات ہو۔ (معجم الاوسط، ج ۸ ص ۱۳، مسند ابی یوسف، ج ۱ ص ۹، مسند ابی داؤد، ج ۱ ص ۱۰۲)۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے ”معجم الاوسط“ میں روایت کیا ہے اور اس کا ایک راوی ضعیف ہے۔

(معجم الاوسط، ج ۸ ص ۱۳، مسند ابی یوسف، ج ۱ ص ۹، مسند ابی داؤد، ج ۱ ص ۱۰۲)۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں ہر نماز کے بعد ”معوذات“ (”قل اعوذ برب الہلق“ اور ”قل اعوذ برب الناس“) کو پڑھا کروں۔

(عمل الیوم واللیلہ ص ۳۲ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۱۵ھ)

حضرت ابو ہریرہؓ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں صبح کی نماز پڑھنے کے بعد تین بار بلند آواز سے یہ دعا فرماتے: اے اللہ! میرے دین کی اصلاح فرما جس کو تو نے میرے امر کی حفاظت بنایا ہے اے اللہ! میری دنیا کی حفاظت فرما جس کو تو نے میری معاش بنایا ہے اور تین بار یہ دعا فرماتے: اے اللہ! میری آخرت کی اصلاح فرما جس کو تو نے میرا مرجع بنایا ہے اور تین بار فرماتے: اے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں اے اللہ! میں تجھ سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو تو عطا کرے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو تو روک دے اس کا کوئی دینے والا نہیں اور تیرے مقابلہ میں کسی کی کوشش نفع نہیں دے سکتی۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۱ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حافظ ابی نعیم لکھتے ہیں: اس حدیث کا امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۱ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حافظ ابی نعیم لکھتے ہیں:

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب بھی تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی تو آپ نے نماز کے بعد یہ دعا کی۔ اے اللہ! میری کل خطاؤں اور ذنوب کو بخش دے اے اللہ! مجھے ہلاکت سے بچا میرے ٹوٹے ہوئے کام جوڑ دے اور مجھے نیک اعمال اور اخلاق کی ہدایت دے تیرے سوا نیک اعمال کی ہدایت دینے والا اور برے اعمال سے بچانے والا کوئی نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے ”معجم صغیر“ اور ”معجم اوسط“ میں روایت کیا ہے اور اس کی سند عمدہ ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۱ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نماز پڑھائے اور دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی مغفرت کر دیتا ہے اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۱ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ حلی حنفی لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد صرف ”اللہم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام“ کی مقدار بیٹھتے تھے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ بعینہ یہی کلمات فرماتے تھے یا بس اتنی ہی دیر بیٹھتے تھے اس سے تحدید مراد نہیں ہے اس لیے یہ حدیث ”صحیح بخاری“ اور ”صحیح مسلم“ کی اس حدیث کے منافی نہیں ہے جس میں حضرت عبداللہ بن الزبیر سے طویل ذکر مروی ہے۔ (غنیۃ المستملی (حلی کبیر) ص ۳۲۲ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابن حمام حنفی لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ فرض کے بعد حصلاً سنت پڑھنا اولیٰ ہے یا دعا اور وظائف پڑھنے کے بعد سنتیں پڑھنا اولیٰ ہے امام طحاوی نے کہا ہے کہ فرائض اور سنتوں کے درمیان وظائف اور ادا پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (الی قولہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد کم مقدار میں بھی ذکر کیا ہے اور زیادہ مقدار میں بھی اور اس وقت سلت یہ ہے کہ اتنی مقدار میں تاخیر

کے بعد سنتیں پڑھی جائیں۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۸۳-۲۸۴ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، مکمل)
علامہ شرنبلالی حنفی لکھتے ہیں:

مستحب یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد ائمہ اپنے لیے اور مسلمانوں کے لیے دعا کریں کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کس وقت دعا مقبول ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا: آدھی رات کو اور فرض نمازوں کے بعد اور آپ نے حضرت معاذ سے فرمایا: بخدا! میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تم کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ تم کسی نماز کے بعد یہ دعا ترک نہ کرنا۔ "اللہم اعنی علی ذکرک وحکوک وحسن عبادتک"۔ (مرآۃ المفلاح ص ۱۸۹ مطبوعہ مطبع مصلیٰ البابا داودادہ مصر ۱۳۵۶ھ)
علامہ طحاوی حنفی لکھتے ہیں: ہر فرض نماز کے بعد تین بار اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔

(حاشیہ الطحاوی علی مرآۃ المفلاح ص ۱۸۸ مطبوعہ مطبع مصلیٰ البابا داودادہ مصر ۱۳۵۶ھ)

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:
امام کے لیے مستحب ہے کہ وہ سلام پھیرنے کے بعد تین بار استغفار کرے آیت الکرسی اور معوذات پڑھے اور سوتہجات پڑھے اور دعا کرے اور "سبحان ربك رب العزة عما يصفون" پڑھ کرے۔

(در مختار علی ہاشم حاشیہ الطحاوی ج ۱ ص ۳۳۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ طحاوی حنفی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: کیونکہ فرض نمازوں کے بعد دعا مقبول ہوتی ہے۔

(حاشیہ الطحاوی علی الدر المنثور ج ۱ ص ۳۳۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۵ھ)

نیز علامہ حصکفی نے لکھا ہے کہ فرض نماز کے بعد متصلاً سنتیں پڑھنے یا دعا اور ذکر کے بعد سنتیں پڑھنے میں فقہاء کا اختلاف افضلیت میں ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ فرض کے بعد اور ادا اور دعا سے منع کرنے والوں کا قول اگر اس پر محمول کیا جائے کہ فرض نمازوں کے بعد وظائف میں زیادہ دیر لگانا مکروہ تنزیہی ہے اور کم مقدار میں دعا اور وظائف پڑھنا بلا کراہت جائز ہے تو پھر اختلاف نہیں رہے گا۔ (در مختار علی ہاشم حاشیہ الطحاوی ج ۱ ص ۳۳۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۵ھ)

علامہ خطاب مالکی طبرانی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ امام مقتدیوں کو بھی اپنی دعا میں شریک کرے روایت ہے کہ جس نے ان کو نہیں شریک کیا اس نے ان سے خیانت کی اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ نماز کے بعد دعا کرنا جائز ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدھی رات اور فرض نمازوں کے بعد دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے امام حاکم نے امام مسلم کی شرط کے مطابق یہ حدیث روایت کی ہے جب بھی مسلمان جمع ہوں بعض دعا کریں اور بعض آمین کہیں تو اللہ ان کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔

(مواہب الجلیل ج ۱ ص ۱۲۷-۱۲۶ مطبوعہ مکتبہ اشراج طبریا)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

نماز کے بعد کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا سخت ہے اس سلسلہ میں بہت احادیث ہیں اور سلام پھیرنے کے بعد آہستہ دعا کرنا مستنون ہے الایہ کہ کوئی شخص امام ہو اور وہ حاضرین کو دعا پر مطلع کرنے کا ارادہ کرے تو وہ بلند آواز سے دعا کرے۔ (روضۃ الطالبین ج ۱ ص ۳۷۳-۳۷۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

سلام پھیرنے کے بعد اللہ کا ذکر کرنا اور دعا کرنا مستحب ہے حضرت ثوبان سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز

پڑھنے کے بعد پھر جاتے اور تین باراً **مُغْفِرُ اللّٰهِ** کہتے اور **اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ اَنْتَ السَّلَامُ** دسار کتب یا **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ** والا کرام پڑھتے حضرت سعد کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا کر لے اے اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (المعنی ج ۱ ص ۱۲۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

چونکہ بہ کثرت احادیث میں فرض نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہرازا کرنا اور دعا کرنا ثابت اور مصرح ہے مسلمان کہ ہم نے باحوال بیان کیا ہے اس لیے ہمارے نزدیک یہی رائج ہے کہ فرض نماز کے بعد یہ دعا کر لیا جائے اور دعا کی بات اور جن فقہاء نے اس کو غیر افضل یا مکروہ تنزیہی کہا ہے ہمارے نزدیک ان کا قول صحیح نہیں ہے ہم نے اس مسئلہ میں اس لیے طویل بحث کی ہے کہ ہمارے زمانہ میں بعض حنبلی المذنب علماء اور بعض صوفیاء فرض نماز کے بعد دعا مانگنے سے لوگوں کو منع کرتے ہیں اور ان کا یہ قول بکثرت احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔

طلب جنت کی دعا کرنے کا قرآن اور سنت سے بیان

ہمارے زمانہ میں بعض جہلا جنت کی بہت تنقیص اور بہت تحقیر کرتے ہیں اور جنت کی دعا کرنے کو بہت گھٹیا درجہ قرار دیتے ہیں بعض کہتے ہیں ہمیں جنت نہیں مدینہ چاہیے حالانکہ مدینہ کی عظمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کی وجہ سے ہے اور آپ کا روضہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی جنت میں ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے تو اگر سرکار کے مسکن کی وجہ سے مدینہ کو محبوب رکھا جاتا ہے تو دنیا اور آخرت میں آپ کا مسکن جنت ہے اس کی تنقیص کیوں کی جاتی ہے؟ بلکہ اس کو مدینہ سے زیادہ محبوب جانا چاہیے کہ وہ اب آپ کا مسکن ہے اور آخرت میں بھی آپ کا مسکن ہے بعض کہتے ہیں کہ جنت کا درجہ کم ہے اور اللہ کی رضا کا درجہ زیادہ ہے اس لیے وہ جنت کو کم قرار دیتے ہیں اور جنت کی دعا نہیں کرتے لیکن وہ غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جنت کی بہت تعریف اور توصیف کی ہے اور اس کی طرف بہت رغبت دلائی ہے تو اللہ نے جس چیز کی تعریف و توصیف کی ہو اس کی تنقیص کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گا یا ناراض! اور اللہ کی رضا اور اس کا دیدار اہل جنت کو ہو گا تو اللہ کی رضا اور اس کے دیدار کا وسیلہ جنت ہے اس لیے جنت کو محبوب رکھنا چاہیے جس طرح انبیاء علیہم السلام کو اس لیے محبوب رکھا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا وسیلہ ہیں نیز قرآن و سنت میں جنت کو طلب کرنے اور اس کے حصول کی دعا کی ہدایت دی گئی ہے

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۳﴾
اور اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کی پہنائی آسمان اور زمینیں ہیں جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے ﴿۱۳۳﴾ (آل عمران)

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے بڑھ کر اللہ کی رضا کا کون طالب ہو گا انہوں نے جنت کے حصول کے لیے دعا کی

وَاجْعَلْنِي مِّن ذُرِّيَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ﴿۸۵﴾ (اشراف ۸۵) اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں سے بنادے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے حصول کی دعا کرنے کا حکم دیا ہے امام ترمذی روایت کرتے ہیں

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اللہ سے سوال کرو تو

اس سے فردوس کا سوال کرو۔ (جامع ترمذی ص ۳۶۳ - ۳۶۲ مطبوعہ دار محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے تین مرتبہ اللہ سے جنت کا سوال کیا جنت کہتی ہے اے اللہ! اس کو جنت میں داخل کر دے اور جس نے تین بار جہنم سے پناہ طلب کی جہنم کہتی ہے اے اللہ! اس کو جہنم سے پناہ میں رکھ۔ (جامع ترمذی ص ۲۶۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ دعا سکھائی اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت کی ہر اس خیر کا سوال کرتی ہوں جو تجھے معلوم ہے اور تجھے معلوم نہیں اور میں تجھ سے ہر اس شر سے پناہ طلب کرتی ہوں جو تجھے معلوم ہے اور مجھے معلوم نہیں اے اللہ! میں تجھ سے اس خیر کا سوال کرتی ہوں جس کا تیرے بندے اور تیرے ہی سے سوال کیا اور ہر اس شر سے تیری پناہ طلب کرتی ہوں جس سے تیرے بندے اور نبی نے پناہ طلب کی اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتی ہوں اور اس قول اور عمل کا سوال کرتی ہوں جو جنت کے قریب کر دے اے اللہ! میں تجھ سے دوزخ سے پناہ طلب کرتی ہوں اور اس قول اور عمل سے پناہ طلب کرتی ہوں جو دوزخ کے قریب کر دے اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتی ہوں کہ تو میرے لیے جو چیز مقدر کرے تو اچھی چیز مقدر کر۔ (المصنف ج ۱۰ ص ۲۶۴ مطبوعہ دارالقرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۲ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۸ھ)

نیز امام احمد روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو یہ دعا سکھائی اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور اس قول یا عمل کا جو جنت کے قریب کر دے اور تجھ سے جہنم سے پناہ طلب کرتا ہوں اور اس قول یا عمل سے جو جہنم کے قریب کر دے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲ ج ۱ ص ۱۸۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۸ھ)

یہ حدیث کنز العمال میں بھی ہے حدیث نمبر ۵۰۷۲، ۳۸۴، ۳۶۱۰۔

دعا قبول ہونے کی شرائط اور آداب

(۱) دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرے اور ہتھیلیوں کا باطنی حصہ اپنے کندھوں کے بائیں رکنے اور دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر پھیرے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۵۹ جامع ترمذی ص ۲۸۸)

(۲) حافظ ابی شیبہ نے امام طبرانی سے روایت کیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو پہلے اللہ کی ایسی حمد و ثناء کرے جس کا وہ اہل ہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھے اس کے بعد سوال کرے تو اس کی قبولیت متوقع ہے۔ (معجم الزوائد ج ۱ ص ۱۶۰ مطبوعہ دارالکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

(۳) حافظ ابی شیبہ نے امام طبرانی سے روایت کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تو پہلے اپنے لیے دعا کرتے یہ حدیث حسن ہے۔ (معجم الزوائد ج ۱ ص ۱۵۱ مطبوعہ دارالکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

(۴) امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا ذکر کر کے اس کے لیے دعا کرتے تو پہلے اپنے لیے دعا کرتے۔ (جامع ترمذی ص ۳۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

(۵) امام بخاری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو پورے عزم سے سوال کرے یوں نہ کہے اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے عطا کر۔

(معجم بخاری ج ۲ ص ۹۳۸ مطبوعہ نور محمد جامع الطائیف کراچی ۱۴۳۸ھ)

(۶) امام ترمذی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرتا ہے تو یا تو اللہ اس کی دعا قبول کر لیتا ہے یا اس سے اس کی مثل کوئی برائی دور کر دیتا ہے بہ شرطیکہ وہ گنہگار نہ ہو۔ (جامع ترمذی ص ۲۸۷ مطبوعہ نور محمد راجح الطابع کراچی)

حضرت ابو سعید خدری کی روایت میں تین چیزوں کا ذکر ہے دعا جلد قبول کرنا یا آخرت میں اجر عطا کرنا یا مصیبت نال دینا۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۵۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۰۲ھ)

(۷) حافظ البیہقی نے امام احمد سے روایت کیا ہے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! جب تم اللہ سے دعا کرو تو قبولیت کے یقین سے دعا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی دعا قبول نہیں کرتا جو غافل دل سے دعا کرتا ہے یہ حدیث حسن ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۸ مطبوعہ دار الکتاب العربی)

امام غزالی لکھتے ہیں:

(۸) قبولیت کے اوقات میں دعا کرے مثلاً رات کے آخری حصہ میں فرض نمازوں کے بعد اسی طرح قبولیت کے ایام میں مثلاً یوم عرفہ کو رمضان میں جمعہ میں۔

(۹) قبولیت کے احوال میں دعا کرے مثلاً بارش کے وقت حضرت انس سے روایت ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان دعا مسترد نہیں ہوتی۔

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بندہ کا اللہ سے سب سے زیادہ قرب سجدہ میں ہوتا ہے تو سجدہ میں بہ کثرت دعا کیا کرو نیز امام مسلم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ سجدہ میں دعا کی قبولیت متوقع ہے۔

(۱۰) قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کرے امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات میں قبلہ کی طرف منہ کیا اور غروب آفتاب تک دعا کرتے رہے۔

(۱۱) بہت زیادہ گلا پھاڑ کر دعا نہ کی جائے امام بخاری حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تم کسی بہرے اور غائب سے دعا نہیں کر رہے۔

(۱۲) نصنع اور نکلف سے مسجع مقفی عبارات کے ساتھ دعا نہ کرے امام ابوداؤد حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب ایک قوم دعا میں حد سے تجاوز کرے گی۔

(۱۳) شوق اور خوف سے دعا کرے: ”يَدْعُوْنَا دُعَاءَ شَهَابٍ“ (الانبیاء: ۹۰) وہ ہم سے رغبت اور خوف سے دعا کرتے ہیں۔

(۱۴) گڑگڑا کر اور خشوع سے دعا کرے: ”ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً“ (الاعراف: ۵۵) اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے۔

(۱۵) تین بار دعا کرے امام مسلم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تو تین بار دعا کرتے اور جب سوال کرتے تو تین بار سوال کرتے۔

(۱۶) قبولیت کے لیے جلدی نہ کرے امام بخاری اور امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک جلدی نہیں کی جائے گی تمہاری دعا قبول ہوتی رہے گی تم میں سے ایک شخص کہتا ہے: میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو بہ کثرت سوال کرو کیونکہ تم کریم سے دعا

کر رہے ہو۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی دعا کی جو تفریباً تین ہزار سال بعد قبول ہوئی، حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ تین سو سال بعد قبول فرمائی۔ تفسیر خازن ج ۱ ص ۴۷)

(۱۷) قبولیت دعا کے لیے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ انسان اپنے گناہوں سے توبہ کرے، لوگوں کے جو حقوق دبا رکھے ہیں وہ ان کو واپس کرے، جس پر جو ظلم کیا ہے وہ اس سے معاف کرائے، کعب احبار نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں قحط پڑ گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کے ساتھ مل کر تین بار بارش کی دعا کی لیکن بارش نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی، تمہارے درمیان ایک چغلی خور ہے، جب تک وہ درمیان سے نہیں نکلے گا تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی، حضرت موسیٰ نے پوچھا: یا رب! وہ کون ہے؟ فرمایا میں تم کو چغلی سے منع کرتا ہوں تو میں تم سے اس کی چغلی کیسے کروں گا، پھر موسیٰ علیہ السلام نے سب کو توبہ کرنے کا حکم دیا، جب سب نے توبہ کر لی تو بارش ہو گئی۔ (احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۴۰۷۔ ۴۰۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۳ھ)

(۱۸) قبولیت دعا کی ایک اور شرط یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "أُحِبُّبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَا" (البقرہ ۱۸۶) دعا کرنے والا جب دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو چاہیے کہ وہ بھی میرا حکم مانیں۔ انسان بندہ اور محتاج ہو کر اللہ کی بات نہ مانے اور اس کے حکم پر عمل نہ کرے اور یہ چاہے کہ وہ معبود بے نیاز ذات اس کا کہا مان لے یہ کیسی بے انصافی ہے!

(۱۹) حافظ اکیلی نے امام طبرانی سے روایت کیا ہے کہ تین شخصوں کی دعا قبول ہوتی ہے: والد کی، مسافر کی اور مظلوم کی۔ یہ حدیث صحیح ہے نیز امام طبرانی، حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ غائب شخص کے لیے دعا کی جائے تو مسترد نہیں ہوتی۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۵۲۔ ۱۵۱، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

(۲۰) قبولیت دعا کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور تقدیر کے خلاف نہ ہو۔

دعا قبول نہ ہونے کی وجوہات

قرآن مجید میں ہے:

لُحِبُّبُ دَعْوَةُ الدَّاعِ إِذَا دَعَا (البقرہ ۱۸۶)

میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ

سے دعا کرتا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کئی بار ہم دعا کرتے ہیں اور وہ قبول نہیں ہوتی، اس کا ایک جواب یہ ہے کہ وہ دعا قبولیت کی ان شرائط اور آداب کے مطابق نہیں مانگی جاتی جن کو ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات ہم جس چیز کی دعا کرتے ہیں وہ مال کار ہمارے حق میں مضر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ دعا قبول نہ کر کے ہم کو اس کے ضرر سے بچا لیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ

اور ہو سکتا ہے کہ کسی چیز کو تم برا سمجھو اور وہ تمہارے حق

أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا

میں بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے

تَعْلَمُونَ (البقرہ ۲۱۶)

حق میں بُری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○

تیسرا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات ہماری دعا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق نہیں ہوتی اس لیے وہ اس کو قبول نہیں فرماتا،

قرآن مجید میں ہے:

بَلْ يَكْفُرُ الْإِنْسَانُ بِمَا كُنْتُمْ أَتَيْنَهُ مَادًّا تَدْنُوْنَ إِلَيْهِ وَإِنْ كَانَ
 بَلْ كَمِ الْإِنْسَانِ يَكْفُرُ (۱۸۷) بلکہ ہم اسی سے دعا کرو گے اور اگر وہ چاہے گا تو وہ اس
 مصیبت کو دور کر دے گا جس کے لیے تم اس سے دعا کرو گے۔ (انعام ۳۱)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ سے تین
 چیزوں کا سوال کیا اللہ تعالیٰ نے مجھے دو چیزیں عطا کر دیں اور ایک چیز کے سوال سے مجھے روک دیا میں نے سوال کیا کہ میری
 (نعمام) امت خطا سے ہواک نہ ہو اللہ نے مجھے یہ عطا کر دیا میں نے سوال کیا کہ ان کا مخالف دشمن ان (سب) پر مسالہ نہ ہو
 اللہ نے یہ عطا کر دیا میں نے یہ سوال کیا میری امت آپس میں جنگ نہ کرے تو اللہ نے مجھے اس سوال سے روک دیا یہ
 حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۱۷ مطبوعہ نور محمد کارخانہ ندرت کتب کراچی)

یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور مستجاب ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا
 مستز نہیں کی بلکہ آپ کو اس دعا کے کرنے سے منع فرما دیا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس ایک دعا کے سوا آپ کی تمام دعائیں قبول
 کی گئیں اور چونکہ آپ کی زندگی میں ہر عمل کے لیے حسین نمونہ ہے تو دعا قبول نہ ہونے پر صبر و ضبط کرنے کا نمونہ بھی آپ کی
 حیات طیبہ میں ہونا چاہیے تھے سو اس حکمت کی وجہ سے آپ کی ایک دعا قبول نہیں کی گئی۔ اصل سوال کا چوتھا جواب یہ ہے کہ
 اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والے کی دعا قبول نہیں فرماتا قرآن مجید میں ہے

أَذْعُوْا إِلَىٰ بَعْضِهِمْ قِسْطًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ
 الْمُعْتَدِيْنَ (۱۸۷ اعراف ۵۵)

اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا

اور جو شخص علم سے یا بغیر علم کے گناہ کبیرہ پر اصرار کرتا ہو وہ حد سے بڑھنے والا ہے اس کی دعا کیسے قبول ہوگی!

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص لہسا سفر کرتا ہے اس کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہوتے
 ہیں وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے یا رب یا رب! اس کا کھانا پینا حرام ہو اس کا لباس حرام ہو اس کی غذا حرام ہو تو اس
 کی دعا کہاں قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۶ مطبوعہ نور محمد جامع المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں:

ابراہیم بن نصر کرمانی یکے از ابدال ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ دس وجوہات سے لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی (۱) اللہ کا
 اقرار کرتے ہیں اور اس کا حکم نہیں مانتے (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں اور آپ کی سنت کی اتباع نہیں
 کرتے (۳) قرآن مجید پڑھتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے (۴) جنت کو پسند کرتے ہیں اور اس کے راستہ پر نہیں چلتے
 (۵) جہنم کو ناپسند کرتے ہیں اور اس کے راستہ پر حکم پیل کرتے ہیں (۶) ایلیس کو اپنا دشمن کہتے ہیں اور اس کی موافقت کرتے
 ہیں (۷) لوگوں کو دفن کرتے ہیں اور اپنی موت کو یاد نہیں کرتے (۸) اپنے بھائیوں کے عیوب تلاش کرتے ہیں اور اپنے عیوب
 نہیں دیکھتے (۹) مال جمع کرتے ہیں اور حساب کے دن کو یاد نہیں رکھتے (۱۰) قبریں کھودتے ہیں پھر بھی عالیشان مکان بناتے
 ہیں۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۱۶۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کو بے عبادت اور عبادت کا مغز فرمایا ہے اس لیے میں نے چاہا کہ دعا کے متعلق ترم
 اہم مباحث کو یہاں بیان کر دیا جائے۔ وما توفیقی الا باللہ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے لیے روزہ کی رات میں اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا (البقرہ ۱۸۷)
روزہ کی رات میں سونے کے بعد کھانے پینے اور غسل زوجیت کی اجازت
امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں: میں نے ابتدا میں ہر ماہ میں تیس دن روزے رکھتے تھے پھر رمضان کے روزے فرض ہو گئے تب کوئی شخص افطار کے وقت کھانا کھائے بغیر سو جاتا تو بھرا گلے روز افطار تک کھانا نہیں کھا سکتا تھا اور اگر وہ سو جانا یا اس کی بیوی سو جاتی تو بھر وہ بیوی سے غسل زوجیت نہیں کر سکتا تھا انصار میں سے صرمہ بن مالک نام کا ایک بوڑھا شخص تھا اس نے افطار کے وقت اپنی بیوی سے کہا: کھانا لاؤ بیوی نے کہا: میں گرم کر کے لاتی ہوں اتنی دیر میں اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ سو گیا (اور اگلے دن بھوک سے اس کی حالت غیر ہو گئی) دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی کو غسل زوجیت کے لیے بلایا انہوں نے کہا: میں سو چکی ہوں حضرت عمرؓ نے یہ گمان کیا کہ وہ ہانے کر رہی ہیں اور ان سے اپنی خواہش پوری کر لی اور دونوں نے رات گزار لی تو اللہ نے یہ آیت نازل کی: اللہ کو علم ہے کہ تم اپنے نفسوں میں خیانت کرتے تھے سو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تمہیں معاف کر دیا سواب (چاہو تو) تم ان سے غسل زوجیت کرو اور جو اللہ نے تمہارے لیے مقدر کر دیا ہے اس کو طلب کرو اور کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ فجر کا سفید دھاگا (رات کے) سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے پھر روزہ کو رات آنے تک پورا کرو۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۹۵ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے مسلمان سونے سے پہلے کھاتے پیتے رہتے تھے اور جماع کرتے تھے اور سونے کے بعد کھانے پینے اور جماع کو ترک کر دیتے تھے ابو صرمہ نام کا ایک انصاری شخص زمین میں کھیتی باڑی کرتا تھا افطار کے وقت وہ سو گیا اور پھر فجر روزہ کے ساتھ کی وہ بھوک پیاس سے بے حال ہو گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر پوچھا: کیا ہوا؟ تو اس نے واقعہ بیان کیا ادھر دوسرے شخص نے خیانت کی اور بیوی سے اس کے سونے کے بعد جماع کر لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۹۵ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

سفید دھاگے اور کالے دھاگے کا بیان اور طلوع فجر کے بعد سحری کھانے کی ممانعت

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے اسلام کی تعلیم دی اور ہر نماز کے وقت میں نماز پڑھنا سکھایا پھر فرمایا: جب رمضان آئے تو کھاتے پیتے رہنا حتیٰ کہ فجر کا سفید دھاگا رات کے سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے پھر رات تک روزہ پورا کرنا حضرت عدی بن حاتم کہتے ہیں: میں نہیں سمجھ سکا کہ کالے اور سفید دھاگے سے کیا مراد ہے میں فجر تک ان دونوں دھاگوں کو دیکھتا رہا اور وہ مجھے ایک جیسے دکھائی دیئے پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا پھر میں نے کہا: یا رسول اللہ! ہر وہ چیز جس کی آپ نے مجھے وصیت کی تھی مجھے یاد ہے البتہ سفید دھاگے اور کالے دھاگے کا مطلب مجھے یاد نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے گویا کہ آپ کو معلوم ہو گیا کہ میں نے کیا کیا تھا میں نے کہا: میں نے ان دونوں دھاگوں کو بٹ لیا اور رات بھر نہیں دیکھتا رہا مجھے یہ ایک جیسے دکھائی دیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: آپ کی ذرا سی دیکھائی دیں پھر آپ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے فجر کا لفظ نہیں کہا تھا اس سے مراد رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۰۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

سید مودودی لکھتے ہیں:

سحری میں سیاہی شب سے سپیدہ سحر کا نمودار ہونا اچھی خاصی گنجائش اپنے اندر رکھتا ہے اور ایک شخص کے لیے یہ بالکل صحیح

ہے کہ اگر عین طلوع فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلی ہو تو وہ جلدی سے اٹھ کر کچھ کھاپی لئے حدیث میں آتا ہے کہ حضور نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص سحری کھا رہا ہو اور اذان کی آواز آ جائے تو فوراً چھوڑ دے بلکہ اپنی حاجت بھر کھاپی لے۔

(تفسیر القرآن ج ۱ ص ۱۳۶ مطبوعہ ترجمان القرآن لاہور مارچ ۱۹۸۳ء)

سید مودودی نے یہ صحیح نہیں لکھا 'طلوع فجر کے بعد سحری کھانا جائز نہیں ہے اور جس حدیث سے انہوں نے بلا سوال استدلال کیا ہے اس میں طلوع فجر کے بعد کھانے پینے کی اجازت کا ذکر نہیں ہے۔ اصل حدیث یہ ہے امام بخاری روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلال رات کو اذان دیتے ہیں تم کھاتے پیتے رہو حتیٰ کہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۷-۸۶ مطبوعہ نور محمد صبح الطلوع کراچی) رمضان میں حضرت بلال رات کے وقت اذان دیتے تھے تا کہ سحری کرنے والے جاگ انھیں اور جس نے تہجد پڑھنی ہو دو اٹھ کر تہجد پڑھ لے اور حضرت ابن ام مکتوم طلوع فجر کے وقت صبح کی اذان دیتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم کی اذان کو سحری کی انتہاء قرار دیا ہے اس سے طلوع فجر کے بعد کھانے پینے کی اجازت کہاں نکلتی ہے! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم مسجدوں میں مختلف ہو تو (کسی وقت بھی) اپنی بیویوں سے عمل زوجیت نہ کرو۔

(البقرہ ۱۸۷)

اعتکاف کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کی اقسام

علامہ ابو بکر بھاسنی لکھتے ہیں:

اعتکاف کا لغت میں معنی ہے ٹھہرنا اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے: مسجد میں رہنا روزہ سے رہنا جماع کو بالکل ترک کرنا اور اللہ عزوجل سے تقرب کی نیت کرنا اور جب تک یہ معانی پائے نہ جائیں شرعاً اعتکاف متحقق نہیں ہوگا لیکن مسجد میں رہنے کی شرط صرف مردوں کے اعتبار سے ہے عورتوں کے لیے یہ شرط نہیں ہے ہر مسجد میں اعتکاف ہو سکتا ہے البتہ بعض فقہاء نے جامع مسجد کی شرط لگائی ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۲ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں واجب: یہ وہ اعتکاف ہے جس کی نذر مانی جائے سنت مؤکدہ: رمضان کے آخری دس دنوں کا اعتکاف اور نفل جو اعتکاف سنت مؤکدہ ہے اس کی بھی وہی شرائط ہیں جو اعتکاف واجب کی ہیں۔

اعتکاف کی شرائط

(۱) اعتکاف کی نیت کرنا شرط ہے (۲) جس مسجد میں اذان اور اقامت ہو اور باجماعت نماز ہو اس میں اعتکاف کیا جائے (۳) اعتکاف واجب میں روزہ شرط ہے اعتکاف نفل میں روزہ شرط نہیں اور نہ اس میں وقت کی تحدید ہے (۴) اسلام (۵) عقل (۶) جنابت حیض اور نفاس سے پاک ہونا ضروری ہے بالغ ہونا اعتکاف کے لیے شرط نہیں ہے اور نہ آزاد ہونا اور مرد ہونا شرط ہے۔ عورتیں گھر میں نماز کی جگہ کو اعتکاف کے لیے مخصوص کر لیں اور اس جگہ بیٹھیں۔

اعتکاف کے آداب

مختلف اچھی بات کے سوا اور کوئی بات نہ کرے رمضان کے دس دن اعتکاف کرے سب سے افضل مسجد میں اعتکاف کرے مثلاً مسجد حرام مسجد نبوی اور جامع مسجد قرآن اور حدیث کی تلاوت اور فقہ کی کتابیں پڑھنے میں مشغول رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی سیرت اور حکایات صالحین کے پڑھنے میں منہمک رہے اللہ عزوجل کا ذکر کرے استغفار

کرنے درود شریف پڑھے زندگی کی قصا نمازیں اور نوافل پڑھے جن باتوں میں گمان نہ ہو ان باتوں کے کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اعتکاف کرنے والا خود کو دنیا کے مشغل سے الگ کر کے بالکل عبادت الہی کے پردہ کر دیتا ہے اور اعتکاف کے ایام میں بندہ فرشتوں کے مشابہ ہو جاتا ہے جو اللہ کی بالکل موصیت نہیں کرتے اللہ کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور دن رات اس کی تسبیح کرنے میں مشغول رہتے ہیں نمازی نماز بڑھ کر مسجد سے چلے جاتے ہیں لیکن معتکف اللہ کے گھر کو نہیں چھوڑتا اور وہیں دھرمادار کر بیٹھا رہتا ہے سو اس کے لیے اللہ کی عطا اور نوال زیادہ متوقع ہے۔

اعتکاف کے مفسداات

بلا عذر شرعی مسجد سے نکلنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے یوں ابراہیم کے لیے جانا اور جعد پڑھنے کے لیے جانا عذر شرعی ہیں وضو کے لیے جانا بھی عذر شرعی ہے کھانے پینے اور سونے کے لیے مسجد سے باہر جانا جائز نہیں ہے جان اور مال کو بچانے کے لیے مسجد سے جانا جائز ہے مریض کی عبادت کے لیے نہ جائے نماز جنازہ پڑھنے کے لیے مسجد سے باہر گیا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا مسجد سے سر باہر نکالنا تاکہ اس کے گھر والے سردھو دیں جائز ہے (مختلک حاصل کرنے یا صفائی حاصل کرنے کے لیے مسجد سے غسل کرنے کے لیے جانا جائز نہیں ہے البتہ غسل جنابت کے لیے جانا جائز ہے) جماع کرنا بوسہ دینا لمس اور معانقہ کرنا یہ تمام امور ناجائز ہیں اور اعتکاف کے لیے مفسد ہیں بے ہوش ہونے یا جنون سے بھی اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

اعتکاف کے بعض ضرور مسائل

اعتکاف میں عبادت سمجھ کر خاموش رہنا منع ہے لیکن زبان کے گناہوں سے بچنے کے لیے خاموش رہنا عظیم عبادت ہے جو چیز اعتکاف میں اعتکاف کی وجہ سے منع ہے مثلاً جماع اور مسجد سے نکلنا اس میں عمد اور نسیان میں فرق نہیں ہے اور جو چیز اعتکاف میں روزے کی وجہ سے منع ہے مثلاً کھانا پینا ان میں عمد ارتکاب کی وجہ سے اعتکاف فاسد ہوگا اور نسیان نہیں اعتکاف میں خوشبو لگانا سکتا ہے اور سر میں تیل ڈال سکتا ہے اگر اعتکاف واجب فاسد ہو جائے تو اس کی قضا واجب ہے جب اعتکاف کی نذر مانے تو اس کو زبان سے کہنا ضروری ہے اگر مثلاً تین دن یا دو دن اعتکاف کی نذر مانے تو اس میں راتیں شامل ہیں اور اگر مثلاً تین یا دو رات اعتکاف کی نذر مانی تو اس میں دن شامل ہیں اور اگر صرف دن یا صرف ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی تو یہ بھی جائز ہے اور اگر ایک دن اعتکاف کی نذر مانی تو اس میں رات شامل نہیں ہے فرض روزہ بلا عذر توڑنے میں قضا اور کفارہ واجب ہے اور نفل روزہ عمد توڑنے میں صرف قضا واجب ہے۔ رمضان کفارہ قتل کفارہ ظہار کفارہ قسم کفارہ افطار رمضان اور نذر کے روزوں کو مسلسل رکھنا واجب ہے۔ (حلمیری ج ۱ ص ۱۳۷-۱۳۸ مطبوعہ مطبع امیر پوری دہلی ص ۳۱۰)۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہر چند کہ نفل ہے لیکن شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے اگر کسی شخص نے ایک دن کا اعتکاف فاسد کر دیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر پورے دن کی قضا لازم ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس پر صرف اسی دن کی قضا لازم ہے اس کے برعکس نفل میں اگر کچھ دیر مسجد میں بیٹھ کر باہر نکل گیا تو اس پر قضا نہیں کیونکہ اس کے باہر نکلنے سے وہ اعتکاف ختم ہو گیا۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

چونکہ آخری عشرہ کا اعتکاف شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے اس لیے ہم نے لکھا ہے کہ اس پر واجب کے احکام ادا گو ہوں گے۔

برطانیہ اور ہالینڈ وغیرہ میں لیز پر جگہ حاصل کر کے مساجد بنائی جاتی ہیں وہ شرعاً مساجد نہیں ہیں کیونکہ ان پر نور نہایت کی

ملکیت ہوتی ہے ان میں نماز پڑھنے سے مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ہوگا اور نہ ان میں اعتکاف صحیح ہوگا شرعاً مسجد اس وقت ہوگی جب کسی زمین کو اپنی صحیح ملکیت میں لے کر مسجد کے لیے وقف کر دیا جائے اسی طرح ان ممالک میں بعض مسلمان حکومت سے بیروں گاری الاؤنس لیتے ہیں اور ان کو ایک مقررہ تاریخ پر جا کر سائن کر کے الاؤنس لینا ہوتا ہے بعض دفعہ اعتکاف کے دوران وہ تاریخ آ جاتی ہے اور وہ سائن کرنے چلے جاتے ہیں اس سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا لیکن ان پر صرف اس ایک دن کی قضا لازم ہوگی۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ

اور ایک دوسرے کا مال آپس میں باطل نہ کھاؤ اور نہ (بہ طور رشوت) وہ مال حاکموں کو دو

لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۸﴾

تاکہ تم جان بوجھ کر لوگوں کا کچھ مال گنہ کے ساتھ کھاؤ ○
مال حرام کھانے کی حرمت

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام امت کو خطاب ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا مال ناحق نہ کھائے جو سود دھوکے سے لیا ہو مال غصب شدہ مال کسی کے حق کا انکار مثلاً کسی کی مزدوری اجرت یا کرایہ کا انکار کر کے اس کا حق مار لینا یا وہ مال جس کو شریعت نے حرام کر دیا ہے مثلاً فاحشہ کی اجرت اور شراب اور مردار کی قیمت یہ تمام قسم کے مال حرام ہیں اور ان کا کھانا ناجائز ہے۔

مال حرام سے صدقہ کرنے کا شرعی حکم

علامہ ابن غابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

”ظہیر یہ“ میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے ثواب کی نیت سے فقیر کو مال حرام سے کچھ دیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر فقیر کو معلوم تھا اور اس نے دینے والے کے لیے دعا کی اور اس نے آمین کہی تو دونوں کافر ہو جائیں گے میں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ فقیر کو دینے کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اگر اس نے ثواب کی نیت سے مسجد بنائی اور کوئی مالی عبادت کی تو وہ کافر ہو جائے گا البتہ اس مسئلہ میں یہ قید ہے کہ اس مال حرام کی حرمت قطعی ہو چسے چوری اور ڈاکے کا مال سحر کی کمائی سود اور جوا خمر مردار اور خنزیر کی قیمت زنا کی اجرت یا غصب کیا ہو مال وغیرہ کیونکہ ان کے صدقہ پر ثواب کی امید رکھنا ان کو حلال سمجھنے پر موقوف ہے اور حرام قطعی کو حلال قرار دینا کفر ہے العیاذ باللہ! (رد المحتار ج ۲ ص ۳۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

گانے بجانے کی حرمت ظنی ہے ڈاڑھی مونڈنے کی اجرت نوٹو گرافی کی اجرت سینما کی آمدنی اداکاروں کی آمدنی رقص کی اجرت فلم کی وڈیو کیسٹ کے کاروبار کی آمدنی جان داروں کی تصویریں بنانے والے پیشہ ور کی آمدنی کاہن اور نجومی کی آمدنی وغیرہ ان سب کی آمدنی حرام ظنی ہے اگر اس مال سے صدقہ کیا جائے اور ثواب کی امید رکھی جائے تو یہ کفر نہیں ہے لیکن سخت حرام شدید گناہ کبیرہ اور گمراہی ہے۔

اگر کسی شخص کے پاس رشوت چوری سود غصب یا کسی اور ناجائز ذریعہ سے حاصل کیا ہو کسی کا مال ہے اور اب وہ خوف خدا سے اس مال کے وبال سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ مال اس شخص کو واپس کر دے اگر وہ شخص فوت ہو چکا ہو تو اس

کے وارثوں کو وہ مال واپس کر دے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ان کو یہ بتائے کہ میں نے تم سے یا تمہارے مورث سے یہ مال ناجائز طور پر لیا تھا اور اگر وہ شخص یا اس کے وارثوں میں سے کسی کا چنانہ چھے تو اس مال کو اس شخص کی طرف سے صدقہ کر دے اور اپنی اور اس کی مغفرت کی دعا کرے اور اگر اس نے حکومت کے مال کو ناجائز طریقہ سے حاصل کیا تھا تو وہ مال حکومت کے کسی فنڈ میں داخل کر دے یا سرکاری ریل یا ہوائی جہاز کے ٹکٹ خرید کر ان کو استعمال نہ کرے اور اگر اس کے پاس کسب حرام کا مال ہے مثلاً سینما کی آمدنی یا رقص اور موسیقی کی آمدنی تو اس تمام مال کو اپنے ذمہ سے بری اور ساقط کرنے کی نیت سے کسی غریب کو خیرات کر دے اس میں صدقہ کے ثواب کی نیت نہ کرے بلکہ یہ نیت کرے کہ وہ اپنے فرض سے سبکدوش اور ذمہ سے عہدہ برآ ہو رہا ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی فنی مجبوری سے غیر اسلامی ملک میں سود لیا مثلاً اس نے غیر اسلامی ملک کے بینک میں پیسہ رکھا اور اب اپنے اکاؤنٹ کو اپنے ملک میں ٹرانسفر کراتا ہے اور اس میں سود کی رقم بھی فنی وجہ سے آگئی تو اس رقم سے نجات کی ایک صورت تو وہ ہے جو اوپر ذکر کی گئی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی غیر مسلم سے قرض لے کر اتنی رقم کسی کار خیر میں صرف کر دے اور پھر اس سود کی رقم سے اس غیر مسلم کا قرض ادا کر دے لیکن عام حالات میں جان بوجھ کر سود لینا اور پھر کسی غریب کو وہ سود کھلانا جائز نہیں ہے حدیث میں ہے: سود کھانے والے اور سود کھلانے والے دونوں پر لعنت کی گئی ہے۔

رشوت کا معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی رشوت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

کوئی شخص حاکم یا کسی اور کو کچھ چیز دے تاکہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کر دے یا حاکم کو اپنی منشاء پوری کرنے پر ابھارے۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں: کچھ پیسے دے کر اپنی حاجت پوری کرانا یہ رشوت ہے۔

علامہ زبیدی لکھتے ہیں کہ رشوت اصل میں رشاء سے ماخوذ ہے اور رشاء اصل میں ڈول کی اس رسی کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ کنویں سے پانی نکالا جاتا ہے اور راشی وہ شخص ہے جو کسی باطل چیز کو حاصل کرنے کے لیے کسی کی مدد کرتا ہے اور مرتشی رشوت لینے والے کو کہتے ہیں اور رائش اس شخص کو کہتے ہیں جو راشی اور مرتشی کے درمیان رشوت کا معاملہ طے کراتا ہے اور جو چیز حق کو حاصل کرنے کے لیے دی جائے یا ظلم کو دور کرنے کے لیے دی جائے وہ رشوت نہیں ہے اور ائمہ تابعین سے منقول ہے کہ اپنی جان اور مال کو ظلم سے بچانے کے لیے رشوت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(تاج المعروس ج ۱۰ ص ۱۵۰، مطبوعہ المطبعۃ الخیر یہ مصر ۱۳۰۶ھ)

قرآن مجید کی روشنی میں رشوت کا حکم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْنُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِيَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ○ (البقرہ: ۱۸۸)

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ (بطور رشوت) وہ مال حاکموں تک پہنچاؤ تاکہ تم لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ کے ساتھ کھاؤ حالانکہ تم جانتے ہو (کہ یہ فعل ناجائز ہے) ○

بہت حرام خورد (رشوت کھانے والے)۔

اَكْلُوْنَ لِلْمَشْحُوتِ (المدہ ۴۲)

احادیث اور آثار کی روشنی میں رشوت کا حکم

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۹ مطبوعہ شراکتہ اہل بیت)

مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ”سحت“ کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا رشوت پھر سو اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا یہ کفر ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکام) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ (سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۹ مطبوعہ شراکتہ اہل بیت)

ان احادیث میں فیصلہ کے لیے رشوت دینے اور باطل کام کرانے کے لیے رشوت دینے کو حرام قرار دیا ہے اور حسب ذیل احادیث اور آثار میں ظلم اور ضرر سے بچنے کے لیے کچھ دینے کو جائز قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ رشوت نہیں ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص بیان کرتے ہیں:

روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کا مال غنیمت تقسیم کیا اور بڑے بڑے عطیات دیئے اور عباس بن مرداس کو بھی کچھ مال دیا تو وہ اس پر ناراض ہو گیا اور شعر پڑھنے لگا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کچھ اور مال دے کر) ہمارے متعلق اس کی زبان بند کر دو پھر اس کو کچھ اور مال دیا حتیٰ کہ وہ راضی ہو گیا۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۴۳۳ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۰۰ھ)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ حبشہ کی سرزمین پر پہنچے تو ان سے کچھ سامان چھینا گیا۔ انہوں نے اس سامان کو اپنے پاس رکھا اور دو دینار دے دیئے پھر ان کو چھوڑ دیا گیا۔ (سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۹ مطبوعہ شراکتہ اہل بیت)

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جس کام میں رشوت دینے والا گنہگار ہوتا ہے یہ وہ نہیں ہے جو اپنی جان اور مال سے ظلم اور ضرر کو دور کرنے کے لیے دی جائے۔ رشوت وہ چیز ہے جس میں دینے والا گنہگار ہوتا ہے بایں طور کہ تم اس چیز کے لیے رشوت دو جس پر تمہارا حق نہیں ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۹ مطبوعہ شراکتہ اہل بیت)

رشوت کی اقسام

علامہ قاضی خاں اور جندی لکھتے ہیں: جب قاضی رشوت دے کر منصب قضاء کو حاصل کرے تو وہ قاضی نہیں ہوگا اور قاضی اور رشوت لینے والے دونوں پر رشوت حرام ہوگی رشوت کی چار قسمیں ہیں

- (۱) پہلی قسم یہی ہے یعنی منصب قضاء کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا اس رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔
- (۲) کوئی شخص اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لیے قاضی کو رشوت دے یہ رشوت جائز ہے حرام ہے خواہ وہ فیصلہ حق اور انصاف پر مبنی ہو یا نہ ہو کیونکہ فیصلہ کرنا قاضی کی ذمہ داری اور فرض ہے (اسی طرح کسی افسر کو اپنا کام کرانے کے لیے رشوت دینا یہ بھی جائز ہے حرام ہے کیونکہ وہ کام کرنا اس افسر کی ذیوٹی ہے۔ سعیدی غفرلہ)۔
- (۳) اپنی جان اور مال کو ظلم اور ضرر سے بچانے کے لیے رشوت دینا یہ لینے والے پر حرام ہے دینے والے پر حرام نہیں ہے اسی طرح اپنے مال کو حاصل کرنے کے لیے بھی رشوت دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔
- (۴) کسی شخص کو اس لیے رشوت دی کہ وہ اس کو بادشاہ یا حاکم تک پہنچا دے تو اس رشوت کا دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔

(خادنی قاضی خاں علی حاشیہ ج ۲ ص ۲۶۳-۳۶۲، مطبوعہ مطبع امیر علیہ السلام، ممبئی ۱۳۱۰ھ)

رشوت کی یہ چار اقسام قاضی خاں کے حوالے سے علامہ ابن ہمام^۱، علامہ بدرالدین عینی^۲، علامہ زین الدین ابن کیم^۳ اور علامہ ابن عابدین شامی نے بھی بیان کی ہیں۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۱۶۲-۱۶۱، مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

علامہ ابو بکر بھٹاوی نے بھی رشوت کی یہ چار قسمیں بیان کی ہیں۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۴۳۳، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، ابھٹ آباد ۱۳۰۰ھ)

قاضی اور دیگر سرکاری افسروں کے ہد یہ قبول کرنے کی تحقیق

شمس الامہ سرخسی لکھتے ہیں کہ قاضی ہد یہ اور تحفہ کو قبول نہ کرنے ہر چند کہ شریعت میں ہد یہ قبول کرنا مستحب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دوسرے کو ہد یہ دو اور ایک دوسرے سے محبت کرنا لیکن ہد یہ لینے کا یہ جواز اس شخص کے لیے ہے جو مسلمانوں کے اعمال میں سے کسی عمل کے لیے متعین نہ ہو اور جو شخص کسی عمل کے لیے متعین ہو گیا، جیسے قاضی اور حاکم وغیرہ ان پر لازم ہے کہ یہ کسی سے ہد یہ قبول نہ کریں، خصوصاً اس شخص سے جو اس منصب پر مقرر ہونے سے پہلے انہیں ہد یہ نہ دیتا ہو، کیونکہ ہد یہ دینے والا کسی کام یا قضاء کو اپنے حق میں کرنے کے لیے ہد یہ دیتا ہے اور یہ بھی رشوت اور حث کی ایک قسم ہے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی نعیمہ کو مسلمانوں سے صدقات وصول کرنے کے لیے مقرر فرمایا، جب وہ صدقات لے کر آیا تو کہنے لگا کہ یہ تمہارا مال ہے اور یہ مجھے لوگوں نے ہد یہ دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جن کو ہم کسی جگہ کا عامل بنا کر بھیجتے ہیں اور وہ واپس آ کر یہ کہتے ہیں کہ یہ تمہارا مال ہے اور یہ ہمیں ہد یہ ملا ہے، یہ لوگ اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ گئے، پھر یہ دیکھا جاتا کہ ان کو کوئی ہد یہ دیتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کسی جگہ کا عامل بنایا، ان کے پاس کافی مال جمع ہو گیا۔ حضرت عمر نے سے ان پوچھا تمہارے پاس یہ مال کہاں سے آیا؟ انہوں نے کہا: گھوڑوں کی نسل بڑھی اور لوگوں نے تحفے دیئے۔ حضرت عمر نے فرمایا اے اللہ کے دشمن! تم اپنے گھر میں کیوں نہ بیٹھ گئے، پھر ہم دیکھتے کہ تم کو کوئی ہد یہ دیتا ہے یا نہیں؟ اور وہ مال بیت المال میں داخل کر لیا، اس حدیث اور اثر سے یہ معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کو کسی منصب کی جہت سے کوئی ہد یہ ملے تو وہ رشوت ہے، لہذا جو لوگ قاضی کو منصب قضاء پر فائز ہونے سے پہلے تحفے دیتے تھے ان کے سوا اور کسی شخص سے قاضی کو ہد یہ اور تحفہ قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ (المسود ج ۱ ص ۸۲، مطبوعہ دارالعلوم، بیروت، الطبعة الثانیہ ۱۳۹۸ھ)

جھوٹی گواہی سے حکم رد ہوتا ہے یا نہیں؟

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے موقف کو دوسرے کی بہ نسبت زیادہ دلائل کے ساتھ پیش کرے اور اس باعث سے اعتبار سے میں (بالفرض) اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، سو جس شخص کو میں اس کے بھائی کا حق دے دوں وہ اس کو نہ لے کیونکہ میں اس کو آگ کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۲، مطبوعہ نور محمد، مطابع الطابع، کراچی ۱۳۷۵ھ)

۱۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ فتح القدیر ج ۶ ص ۳۸۵، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، بکھر

۲۔ علامہ محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ بنایہ شرح بدایہ، الجزء الثالث ص ۲۶۹، مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد

۳۔ علامہ زین الدین ابن کیم حنفی متوفی ۷۹۰ھ البحر الرائق ج ۶ ص ۲۶۲-۲۶۱، مطبوعہ مطبعہ علیہ، ممبئی ۱۳۱۰ھ

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: صحابہ کرام، فقہاء تابعین، امام شافعی، امام احمد اور جمہور فقہاء اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ حاکم کا حکم باطن میں کسی چیز کو حلال کرتا ہے نہ حرام کرتا ہے لہذا جب دو جھوٹے گواہ کسی کے حق میں مال کی گواہی دیں اور حاکم اس گواہی کی بناء پر مدعی کے حق میں مال کا فیصلہ کر دے تو مدعی کے لیے اس مال کو لینا جائز نہیں ہے اور اگر دو جھوٹے گواہ کسی شخص کے خلاف یہ گواہی دیں کہ اس شخص نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے تو اگر مقتول کے ولی کو یہ علم ہو کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں تو اس کے لیے لازم کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر دو شخص کسی کے خلاف یہ جھوٹی گواہی دیں کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے اور قاضی نے اس گواہی کی بناء پر تفریق کر دی ہے تو جس شخص کو علم ہو کہ یہ گواہی جھوٹی ہے اس کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ یہ کہتے ہیں کہ قاضی کے حکم سے عورت تو حلال ہو جاتی ہے مال حلال نہیں ہوتا لہذا ان کے نزدیک اس صورت میں نکاح جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ کا یہ قول اس حدیث صحیح اور اجماع متقدمین کے خلاف ہے اسی طرح ان کا یہ قول خود ان کے اور جمہور کے اس قاعدہ کے بھی خلاف ہے کہ عورت سے وطی کے معاملہ میں نکاح کی بہ نسبت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۷۵-۷۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: علامہ مازری مالکی نے کہا ہے کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ جان مال اور عورت اگر حرام ہو تو وہ قاضی کے حکم سے حلال نہیں ہوگی اور امام ابو حنیفہ نے یہ کہا ہے کہ قاضی کے حکم سے عورت حلال ہو جاتی ہے پس اگر دو گواہ کسی شخص کے خلاف یہ جھوٹی گواہی دیں کہ اس شخص نے اپنی عورت کو طلاق دے دی تو جس شخص کو یہ علم ہو کہ انہوں نے جھوٹی گواہی دی ہے اس کے لیے بھی اس عورت سے نکاح کرنا حلال ہے۔ اس قول کی وجہ سے امام ابو حنیفہ پر لے دے کی گئی کہ انہوں نے مال کی حفاظت کی اور عورت کی حفاظت نہیں کی حالانکہ عورت کی حفاظت مقدم ہے ہمارے اصحاب نے اس حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے۔ (اکمال اکمل المعظم ج ۵ ص ۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قضاء کے ظاہر اور باطن نافذ ہونے میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی نے اس سلسلہ میں فقہاء احناف کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جھوٹے گواہوں سے ظاہر اور باطن قضاء نافذ ہو جاتی ہے بشرطیکہ محل اس حکم کا قابل ہو (یعنی محارم میں سے کسی پر دعویٰ نہ ہو) اور قاضی کو گواہوں کے جھوٹے ہونے کا علم نہ ہو یہ قضا عقود (مثلاً بیع اور نکاح) اور فسوخ (مثلاً اقالہ اور طلاق) دونوں میں نافذ ہو جاتی ہے کیونکہ حضرت علی نے اس عورت سے فرمایا تھا کہ تمہارے گواہوں نے تمہارا نکاح کر دیا اور امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور ائمہ خلافت یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں صرف ظاہر قضاء نافذ ہوتی ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔

(درمنا علی حاشیہ رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ امام طحاوی نے نقل کیا ہے کہ امام محمد کا قول بھی امام ابو حنیفہ کی طرح ہے نیز علامہ شامی بیان کرتے ہیں کہ "تہمتی" اور "البحر الرائق" میں حقائق اور ابواللیث سے منقول ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے "لیکن" "فتح القدیر" میں ہے کہ امام اعظم کا قول ہی معتبر ہے اور علامہ قاسم نے بھی اسی کی تائید کی اور عام متون میں بھی امام اعظم کا قول مذکور ہے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

جن صورتوں میں فقہاء احناف کے نزدیک قضاء ظاہر اور باطن نافذ ہو جاتی ہے

علامہ شامی نے جھوٹی گواہی کی بناء پر عقود اور فسوخ میں قاضی کے حکم کی حسب ذیل مثالیں بیان کی ہیں۔

(۱) ایک باندی نے کسی شخص پر یہ دعویٰ کیا کہ اس شخص نے اس باندی کو اتنے روپوں میں خریدا ہے اس شخص نے اس دعویٰ کا

انکار کیا قاضی نے اس کو قسم کھانے کا حکم دیا اس نے قسم کھانے سے انکار کیا اور قاضی نے اس انکار کی بناء پر اس شخص کے خلاف فیصلہ کر دیا تو اب وہ باندی اس شخص پر دہشتہ اور قضاء دونوں طرح حلال ہے۔

(۲) ایک شخص نے کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور اس کے ثبوت میں دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے قاضی نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

(۳) ایک عورت نے کسی شخص پر نکاح کا دعویٰ کیا اور اس کے ثبوت میں دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے مدعیہ کے حق میں فیصلہ کر دیا تو ان دونوں صورتوں میں مرد کے لیے عورت سے دلی کرنا اور عورت کا اس کو دلی کا موقع دینا جائز ہے۔

(۴) ایک عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے شوہر نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں شوہر منکر ہے عورت نے دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے اس جھوٹی گواہی کے پیش نظر ان کے درمیان تفریق کا فیصلہ کر دیا اور عدت گزار جانے کے بعد عورت نے کسی اور شخص سے نکاح کر لیا تو اس دوسرے شخص کو اس عورت سے دلی کرنا جائز ہے خواہ اس کو گواہوں کے جھوٹے ہونے کا علم ہو اور گواہوں میں سے کوئی ایک اس سے نکاح کر سکتا ہے اور دلی بھی کر سکتا ہے اور پہلا شوہر اب دلی نہیں کر سکتا نہ عورت اس کو دلی کا موقع فراہم کر سکتی ہے۔

(۵) ایک باندی یہ دعویٰ کرے کہ اس کے مالک نے اس کو آزاد کر دیا ہے اور مالک منکر ہو باندی اس پر دو گواہ پیش کر دے اور قاضی اس کے آزاد ہونے کا فیصلہ کر دے تو اب وہ باندی کسی شخص سے نکاح کر سکتی ہے اور اس شخص کا اس باندی سے دلی کرنا اور باندی کا اس کو دلی کا موقع فراہم کرنا جائز ہے خواہ اس شخص کو علم ہو کہ گواہ جھوٹے تھے۔

(۶) ایک شخص نے کسی مکان کے بارے میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس مالک نے اس کو وقف کر دیا تھا مالک منکر ہے اس شخص نے اس وقف پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے فیصلہ کر دیا تو مدعی کا اس جگہ پر وقف کے احکام لاگو کرنا صحیح ہے۔

(۷) کسی شے کو کرایہ پر حاصل کرنے کا دعویٰ کیا اور اس پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا تو مدعی کے لیے اس شے میں تصرف کرنا جائز ہے۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۴۱۳-۴۱۲ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

فقہاء احناف کے نزدیک قضاء کے ظاہر اور باطنا نافذ ہونے کی شرائط

فقہاء احناف کے نزدیک قضاء کے ظاہر اور باطنا نافذ ہونے کی حسب ذیل شرائط ہیں:

(۱) قاضی کو یہ علم نہ ہو کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں۔

(۲) مدعی نے ملک مطلق کا دعویٰ نہ کیا ہو بلکہ ملکیت کا سبب بھی بیان کیا ہو قرض کا بھی یہی حکم ہے اگر کسی شخص پر مطلقاً قرض کا دعویٰ کیا تو باطنا قضا نافذ نہیں ہوگی جب تک کہ یہ نہ بتائے کہ اس پر فلاں سبب سے قرض ہے کسی شخص پر وراثت کے دعویٰ کرنے کا بھی یہی حکم ہے اس میں بھی باطنا قضا نافذ نہیں ہوگی۔

(۳) مدعی نے جس چیز پر دعویٰ کیا ہے وہ اس کے دعویٰ کا محل بننے کی صلاحیت بھی رکھتی ہو اگر اس میں اس کے دعویٰ کی صلاحیت نہیں ہے تو اس میں باطنا قضا نافذ نہیں ہوگی مثلاً منکوحہ غیر یا معتدہ غیر کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کی بیوی ہے اور اس پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے تو اس میں ظاہر قضاء نافذ ہوگی نہ باطنا مرتدہ اور دیگر محارم کا بھی یہی حکم ہے۔

(۴) مدعی کا دعویٰ اس چیز کے متعلق ہو جس میں انشاء ممکن ہو انشاء سے مراد ان کلمات کو بولنا ہے جن سے کسی چیز کو واقع کیا

جائے 'مثلاً' میں نے یہ چیز خریدی' کہہ کر بیع کو واقع کیا جیسے عقد بیع، فسخ بیع، نکاح اور طلاق اور جس چیز میں انشاء ممکن نہ ہو اس میں باطناً قضاء نافذ نہیں ہوگی جیسے وراثت، کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں اور اس پر وہ جھوٹے گواہ پیش کر دے۔

(۵) قاضی یہ فیصلہ منکر کی قسم پر نہ کرے اگر قاضی نے منکر کی قسم پر فیصلہ کر دیا تو یہ قضا باطناً نافذ نہیں ہوگی 'مثلاً' ایک عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے شوہر نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں اس کے پاس گواہ نہیں ہیں قاضی نے شوہر سے قسم طلب کی شوہر نے جھوٹی قسم کھالی تو اگر عورت کو یہ علم ہے کہ شوہر تین طلاقیں دے چکا ہے تو اس عورت کے لیے اس کو دہلی کا موقع دینا جائز نہیں ہے اور مرد کے لیے بھی اس عورت سے دہلی کرنا جائز نہیں ہے 'کیونکہ اس صورت میں انشاء نکاح نہیں ہے بلکہ جو نکاح پہلے سے قائم تھا قاضی نے اس کے برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے اس وجہ سے یہاں باطناً قضا نافذ نہیں ہوگی خلاصہ یہ ہے کہ باطناً قضا اس وقت نافذ ہوتی ہے جب وہ قضا گواہی کی بناء پر ہو یا انکار قسم کی بناء پر ہو اور وہ فیصلہ کسی عقد یا فسخ کے انشاء پر مبنی ہو اور محل انشاء بننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔

(۶) جن گواہوں کی بنیاد پر قاضی نے فیصلہ کیا ہے وہ مسلمان آزاد اور عادل ہوں اگر وہ گواہ کافر غلام یا محدود فی القذف ہوئے تو باطناً قضا نافذ نہیں ہوگی۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۶۳، ۴۶۴ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ) قضا باطنی کے نفاذ میں فقہاء احناف کے دلائل اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا تجزیہ

شمس الائمہ سرخسی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک عقود فسخ، نکاح، طلاق اور عتاق میں جھوٹے گواہوں سے بھی قاضی کا فیصلہ ظاہر اور باطناً نافذ ہو جاتا ہے پہلے امام ابو یوسف کی بھی یہی رائے تھی۔ امام ابو یوسف کے دوسرے قول اور امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک ان صورتوں میں قاضی کا فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوتا ہے باطناً نافذ نہیں ہوتا حتیٰ کہ جب کسی شخص نے ایک عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور نکاح کے ثبوت میں دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے نکاح کا فیصلہ کر دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس شخص کے لیے اس عورت سے دہلی کرنا جائز ہے امام ابو یوسف کا پہلا قول بھی یہی تھا البتہ امام ابو یوسف کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس شخص کے لیے اس عورت سے دہلی کرنا جائز نہیں ہے امام محمد اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتَتَدَلَّوْا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِيَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرہ ۱۸۸)

اور ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ اور نہ (بطور رشوت) وہ مال حکام تک پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم گنہ کے ساتھ (ناجائز طریقہ پر) کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حاکم کے فیصلہ سے مال غیر کے ناجائز طریقہ سے کھانے کو حرام کر دیا ہے لہذا یہ اس پر نص صریح ہے کہ اگر قاضی نے جھوٹے گواہوں کی بناء پر کسی چیز کا فیصلہ کر دیا تو اس چیز کا لینا ناجائز ہوگا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے تم میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے موقف کو دوسرے کی بہ نسبت زیادہ چرب زبانی اور طلاقت لسانی سے پیش کرے پس اگر میں (ظاہری حجت کی بناء پر) کسی شخص کے لیے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دوں تو میں (درحقیقت) اس کے لیے آگ کے ایک ٹکڑے کا فیصلہ کر ماہوں وہ جو ہے

اس کو لے یا پھوڑ دے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فیصلہ کی بناء ایک سب باطل پر ہے اس لیے یہ فیصلہ باطل نافذ نہیں ہوگا جس طرح قاضی غدامہ کا فریاد محمد بن القذف کی گواہی پر فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ باطل نافذ نہیں ہوتا اور اس فیصلہ کی بناء جھوٹی گواہی پر ہے اور یہ ایک باطل سبب ہے کیونکہ جھوٹی گواہی گناہ کبیرہ ہے اور قضا کی حجت ایک امر شرعی ہے اور گناہ کبیرہ اس کی ضد ہے اور جب جھوٹ کی تہمت کی وجہ سے گواہی مقبول نہیں ہوتی اور وہ گواہی فیصلے کی حجت نہیں بن سکتی تو حقیقتاً جھوٹی گواہی بدرجہ اولیٰ نامعتبر ہوگی نیز قاضی نے جس چیز کا فیصلہ کیا ہے اس کا واقع میں کوئی وجود نہیں ہے لہذا یہ قضا باطل ہوگی جیسا کہ اگر قاضی جھوٹے گواہوں کی بناء پر کسی کے لیے منکوحہ غیر کا فیصلہ کر دے تو وہ فیصلہ باطل ہوتا ہے نیز اس فیصلہ کو انشاء عقد قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ قاضی اشاء عقد کا قصد نہیں کرتا بلکہ مدعی نے جس عقد کا دعویٰ کیا تھا قاضی اس کو ثابت کرتا ہے۔

امام ابو حنیفہ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عدالت میں ایک شخص نے ایک عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور اس کے ثبوت میں دو گواہ پیش کر دیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان نکاح کا فیصلہ کر دیا اس عورت نے کہا اے امیر المؤمنین! اگر اس نکاح کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے تو پھر آپ میرا اس سے نکاح کر دیجئے کیونکہ ہمارے درمیان نکاح نہیں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارے گواہوں نے تمہارا نکاح کر دیا۔ دیکھئے اس عورت نے زنا سے بچنے کے لیے عقد نکاح کا مطالبہ کیا لیکن حضرت علی نے اس کا مطالبہ پورا نہیں کیا ہو سکتا ہے کہ کوئی یہ کہے کہ حضرت علی نے ان کے درمیان نکاح کا مطالبہ اس لیے پورا نہیں کیا کہ اس کا خاندان راضی نہیں تھا لیکن یہ غلط خیال ہے کیونکہ اس کا خاندان نکاح پر راضی تھا اس وجہ سے وہ نکاح کا دعویٰ کر رہا تھا اور عورت بھی راضی تھی کیونکہ اس نے کہا تھا کہ میرا اس سے نکاح کر دیجئے اور حضرت علی کے لیے ان کا نکاح کرنا آسان تھا کیونکہ خاندان کو اس میں رغبت تھی اس کے باوجود حضرت علی نے یہ نکاح نہیں کیا بلکہ یہ بیان فرمایا کہ ان کے فیصلہ سے ان کا مقصود حاصل ہو گیا اور یہ فرمایا کہ تمہارے گواہوں نے تمہارا نکاح کر دیا یعنی ان گواہوں نے تمہارے درمیان نکاح کا فیصلہ مجھ پر لازم کر دیا لہذا اس فیصلہ سے نکاح ثابت ہو گیا اور حضرت علی کا یہ اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مرفوعہ کے حکم میں ہے کیونکہ اس حکم کو عقل اور قیاس سے جاننا ممکن نہ تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید کی آیت (ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ) اور حدیث "اگر میں (ظاہری حجت) کی بناء پر کسی شخص کے لیے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دوں تو میں اس کے لیے آگ سے نکلے گا" کا فیصلہ کر رہا ہوں (املاک مرسلہ) سبب ملکیت بتائے بغیر کسی چیز پر ملکیت کا دعویٰ کرنا) کے بارے میں وارد ہے اور امام ابو حنیفہ اس کے قائل ہیں اور اس کی علت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن معاملات میں قاضی کو انشاء کی وایت دی ہے قاضی نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان معاملات میں فیصلہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ فیصلہ حقیقتاً نافذ ہوگا کیونکہ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ قاضی کو فیصلہ کرنے کا حکم دے پھر اس فیصلہ کے نفاذ کو روک دے۔ قاضی اس بات کا مکلف تھا کہ علی الاماں اور خفیہ طریقہ سے گواہوں کی عدالت کے بارے میں معلومات حاصل کرے اور جب اس نے ترکیہ شہود کر لیا اور اس کے نزدیک گواہوں کی عدالت ثابت ہو گئی تو اس گواہی کے مطابق اس پر فیصلہ کرنا واجب ہے حتیٰ کہ اگر اس نے یہ فیصلہ نہیں کیا تو وہ گنہگار ہوگا اور اس کو اس کے عہدہ سے معزول کر دیا جائے گا اس لیے ہم کو یہ معلوم ہو گیا کہ قاضی فیصلہ کرنے پر مامور ہے اور حقیقت میں کسی گواہ کے صدق یا کذب کو جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اور جس چیز کی حقیقت کو جاننے کا کوئی شرعی طریقہ نہ ہو قاضی اس کے جاننے کا شرعاً مکلف بھی نہیں ہے کیونکہ انسان کو اس کی وسعت اور طاقت کے اعتبار سے مکلف کیا جاتا ہے اور

قاضی کی وسعت میں صرف اتنا ہی تھا کہ وہ گواہوں کے احوال کی جانچ پڑتال کرے اور جب اس نے اچھی طرح ترکیہ شہر کو لیا تو وہ اپنے عہدہ سے بری الذمہ ہو گیا اور اس پر لازم ہو گیا کہ وہ گواہوں کی گواہی کے اعتبار سے فیصلہ کر دے اور قاضی کے فیصلہ پر ظاہر اور باطناً عمل کرنا واجب ہے ورنہ قاضی کو قضاء پر مامور کرنا عبث ہو گا اور اس صورت میں قضا کے دو طریقے تھے ایک نکاح کا اظہار کرنا دوسرا عقد نکاح کر دینا اور جب ان کے درمیان عقد نکاح نہیں تھا تو اس فیصلہ سے نکاح کا اظہار کرنا معتذر ہے اس لیے اس بات پر نکاح متعین ہو گیا کیونکہ اور کوئی طریقہ نہیں ہے لہذا دلیل شرعی کی اس نوع سے قاضی کے لیے ولایت انشاء ثابت ہو گی اور جس طرح اور زماعی معاملات میں قاضی کی ولایت انشاء سے فیصلہ نافذ العمل ہوتا ہے اس صورت میں بھی قاضی کا فیصلہ نافذ العمل ہو گا بلکہ یہاں یہ وہ اولیٰ ہے۔

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ جب شوہر اور بیوی آپس میں لعان کرتے ہیں تو قاضی کو انشاء تفریق کی ولایت حاصل ہوتی ہے اور وہ اسی اختیار سے زوجین کے درمیان تفریق کر دیتا ہے اسی طرح قاضی ولایت انشاء تزویج سے نابالغ بچہ اور نابالغ بچی کا نکاح کر دیتا ہے لہذا اس صورت میں بھی اس کو ولایت انعقاد عقد نکاح حاصل ہے تاکہ وہ عورت کو زنا سے محفوظ رکھ سکے اور قاضی کا یہ فیصلہ عورت کو زنا کا موقع دینے سے بچاتا ہے۔ جب دو فریق لعان کرتے ہیں تو ایک فریق یقیناً کاذب ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ یہ جانتا ہے کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے اور باوجود اس حقیقت کے کہ ان میں سے کوئی ایک کاذب ہے اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے قاضی کو ولایت انشاء تفریق حاصل ہوتی ہے اور قاضی ان کے درمیان تفریق کر دیتا ہے اسی طرح یہاں بھی گواہوں کے جھوٹے ہونے کے باوجود قاضی کو انشاء نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے کیونکہ وہ شرعاً قضاء کرنے پر مامور ہے۔ (المصباح ۱۶ ص ۱۸۳-۱۸۰، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابو بکر جصاص حنفی لکھتے ہیں حضرت علیؓ حضرت ابن عمرؓ اور امام شعیبی کا بھی اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کی طرح مؤقف ہے امام ابو یوسف لے عمرو بن مقدام سے روایت کیا ہے کہ ایک قبیلہ کے ایک شخص نے ایک ایسی عورت کو نکاح کا پیغام دیا جو شرف اور مرتبہ میں اس سے زیادہ تھی اس عورت نے اس شخص سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا اس شخص نے یہ دعویٰ کر دیا کہ اس کا عورت سے نکاح ہو چکا ہے اور حضرت علیؓ کی عدالت میں اس پر دو گواہ پیش کر دیئے۔ اس عورت نے کہا میرا اس شخص سے نکاح نہیں ہوا حضرت علیؓ نے فرمایا ان دو گواہوں نے تمہارا نکاح کر دیا امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ شعبہ بن حجاج زید سے روایت کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے ایک شخص کے خلاف جھوٹی گواہی دی کہ اس نے اپنی عورت کو طلاق دے دی ہے قاضی نے ان کے درمیان تفریق کر دی پھر ان گواہوں میں سے ایک شخص نے اس عورت سے نکاح کر لیا شعیبی نے کہا یہ جائز ہے اور حضرت ابن عمرؓ نے ایک غلام کو عیب سے مبرا قرار دے کر فروخت کر دیا خریدار اس غلام کو حضرت عثمانؓ کی عدالت میں لے گیا حضرت عثمانؓ نے حضرت ابن عمرؓ سے کہا کیا تم اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ سکتے ہو کہ جب تم نے اس کو فروخت کیا تھا تو تم نے اس کی بیماری کو نہیں چھپایا تھا حضرت ابن عمرؓ نے قسم کھانے سے انکار کیا حضرت عثمانؓ نے وہ غلام ان کو واپس کر دیا اور بعد میں حضرت ابن عمرؓ نے وہ غلام زیادہ نفع کے ساتھ فروخت کر دیا اس مسئلہ میں حضرت ابن عمرؓ نے غلام کی بیع کو جائز قرار دیا حالانکہ ان کو علم تھا کہ باطن میں ایسا نہیں ہے اور باطن کا حکم ظاہر کے خلاف ہے (کیونکہ انہوں نے بری الذمہ ہو کر غلام کو فروخت کیا تھا اس وجہ سے باطن میں اس غلام کو واپس کرنا صحیح نہیں تھا) اگر حضرت عثمانؓ کو بھی حضرت ابن عمرؓ کی طرح اس بات کا علم ہوتا تو وہ بیع کو رد نہ کرتے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمرؓ کا بھی یہ مذہب تھا کہ اگر حاکم عقد کو فتح کر دے تو وہ بائع کی ملک میں آ جاتا ہے اگرچہ باطن میں حقیقت اس کے برعکس ہو۔

امام ابو حنیفہ کے قول کی صحت پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کر دیا پھر فرمایا اگر اس عورت کے ہاں اس طرح کا بچہ ہوا تو وہ ہلال بن امیہ کا ہے اور اگر دوسری شکل و صورت کا ہوا تو وہ شریک بن سہم کا ہوگا جس کے ساتھ ہلال بن امیہ کی بیوی کو منہم کیا گیا تھا پھر اس عورت کے ہاں ناپسندیدہ صورت پر بچہ پیدا ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ان کے درمیان لعان نہ ہو چکا ہوتا تو پھر میں اس عورت کو دیکھتا! ہلال بن امیہ کا صدق اور اس کی بیوی کا کذب ظاہر ہو گیا اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تغریق کو باطل نہیں کیا جو لعان کی وجہ سے ہوئی تھی اور یہ اس کی دلیل ہے کہ حاکم جب کسی عقد کو فسخ کر دے تو وہ ظاہر اور باطن نافذ ہو جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہ کے اس قول پر اس سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ جب حاکم کے پاس ایسے گواہ گواہی دیں جن کا ظاہری حل صدق ہو تو حاکم پر واجب ہے کہ ان کی گواہی کے اعتبار سے فیصلہ کرے اور اگر اس نے گواہی کے بعد فیصلہ کر لیا تو وقف کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا تارک اور گنہگار ہوگا کیونکہ اس کو ظاہر کا مکلف کیا گیا ہے اور اس کو اس علم باطن کا مکلف نہیں کیا گیا جو اللہ تعالیٰ کا غیب ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۲۵۳ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

علامہ بایرٹی حنفی اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جو چیز پہلے ثابت ہو اس کا اظہار قضا ہوتا ہے اور جو چیز پہلے نہ ہو اس کا اثبات قضا نہیں ہوتا اور نکاح پہلے ثابت نہیں تھا تو پھر کس طرح قضا باطن نافذ ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح بہ طریقہ انقضاء مقدم ہے گویا کہ قاضی نے اس عورت سے کہا میں نے اس شخص سے تیرا نکاح کر دیا اور تم دونوں کے درمیان نکاح کا حکم کر دیا تاکہ ان کے درمیان نزاع نہ رہے اور وہ شخص اس عورت کے ساتھ وطی کر سکے۔ بعض علماء نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ نزاع ختم کرنے کے لیے یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ قاضی اس شخص سے کہتا کہ تم اس عورت کو طلاق دے دو اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق سے کیا مراد ہے طلاق شروع یا طلاق غیر شروع؟ طلاق غیر شروع کا تو کوئی اعتبار نہیں ہے اور طلاق شروع اس کی مقتضی ہے کہ اس سے پہلے نکاح ثابت ہونا چاہیے لہذا ہر حال میں نکاح کا قول کرنا پڑے گا۔ (عنایہ علی حاشی فتح القدیر ج ۳ ص ۱۵۳ مکتبہ نور یہ رضویہ مکہ)

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْإِهْلَةِ ط قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ النَّاسِ وَالْحَجَّ

لوگ آپ سے ہلال (پہلی تاریخ کے چاند) کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ کہیے یہ لوگوں کے (دینی اور دنیاوی کاموں) اور حج

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ

کے اوقات کی نشانیاں ہیں اور یہ کوئی نیکی کا کام نہیں کہ تم گھروں میں پیچھے سے داخل ہو لیکن (حقیقت میں) نیکی اس شخص

مَنْ اتَّقَى وَأَتَى الْبُيُوتَ مِنْ أَيْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ

کی ہے جو تقویٰ اختیار کرے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو اور اللہ سے ڈرد تاکہ تم

تُقَدِّحُونَ ﴿١٨٩﴾ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ

کامیابی حاصل کرو ○ اور اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے

وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۱۹۰﴾

تجہ و زنتہ کر دے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا

اسلامی تقویم کا بیان

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے روزوں کے مہینہ اور روزوں کے دن اور رات کے احکام بیان فرمائے اسلام کے بہت سے احکام ہلال کے طلوع پر موقوف ہیں مثلاً قربانی اور حج 'عید الفطر اور رمضان' عدت و قنات کی گنتی ۳ ماہ ۱۰ دن اور جس کے حیض کی مدت تین ماہ ہو اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ایک سال کا تعین 'ایلاء' کے لیے ۳ ماہ کا تعین 'کفارہ' کے روزوں کے لیے ۲ ماہ کا تعین ان تمام امور میں مدت کا تعین ہلال کے طلوع سے ہوتا ہے یہ تو دین کے احکام ہیں اور دنیا کے احکام میں مثلاً ۳ ماہ بعد کسی نے قرض کی ادائیگی کرنی ہو یا اسی طرح کا کوئی اور معاملہ ہو تو وہ چاند پر موقوف ہے لوگ آپ سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کی کیفیت اور اس کی ماہیت کے متعلق سوال کرتے تھے کہ کیا وجہ ہے کہ چاند کبھی ایک بار یک لکیر کی طرح نظر آتا ہے کبھی موٹی لکیر کی طرح کبھی آدھا اور کبھی پورا چاند نظر آتا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا کہ اس میں تمہارے دین اور دنیا کے کاموں اور خصوصاً حج کے اوقات کی نشانیاں ہیں اور اس جواب سے اس امر پر متنبہ کیا کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے سے تمہارے دینی اور دنیاوی کاموں کی جو غرض متعلق ہوتی ہے تمہیں صرف اس سے سروکار رکھنا چاہیے باقی رہا چاند کا کبھی آدھا اور کبھی پورا نظر آتا تو اس کا تعلق علم ہیئت 'علم نجوم اور علم الافلاک سے ہے اور نبی کا منصب احکام شرعیہ بیان کرنا ہے 'علم توقیت کے احکام بیان کرنا نبی کا منصب نہیں ہے۔

تاہم اس سے یہ سمجھنا غلط ہے کہ قمری تقویم اسلامی ہے اور شمسی تقویم غیر اسلامی ہے۔ چاند اور سورج دونوں اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور دونوں کی گردش بھی اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق ہے بعض عبادات چاند کی گردش کے حساب سے ہیں جیسے حج رمضان اور عیدین اور بعض عبادات سورج کی گردش کے حساب سے مربوط ہیں جیسے ہر روز کی پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجَعَلْنَا الْاَيَّامَ وَاللَّيَالِیَّ وَالْاَشْهُارَ اٰیٰتٍ لِّمَنْ عَلَّمَ
وَجَعَلْنَا الْاَيَّامَ وَاللَّيَالِیَّ وَالْاَشْهُارَ مُبَصِّرًا كَمَا لَتُبَتَّخُوا فَضْلًا مِنْكُمْ وَكَمَا لَتُنَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِّیْنَ وَالْحِسَابَ ﴿۱۲﴾ (سورہ اہل ۱۲)

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ہے پھر ہم نے رات کی نشانی کو مہینہ اور دن کی نشانی کو دیکھنے کا ذریعہ بنا دیا تاکہ تم اپنے رب کے فضل کو (روزی کو) حاصل کر سکو اور تم برسوں کی گنتی اور (دوسرے) حساب کو جان سکو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شمسی تقویم کو بھی برسوں کی گنتی اور حساب کا معیار قرار دیا ہے اس لیے اگر ہفتہ وارا جرت اور ماہانہ تنوہ کا حساب شمسی تقویم سے کیا جائے تو وہ بھی اسلام کے مطابق ہے اسی طرح بیچ و شراہ اور دوسرے کاروباری معاملات کو شمسی تقویم سے حاصل کرنا جائز ہے اور غیر اسلامی نہیں ہے۔

اپنی طرف سے عبادت کے طریقے مقرر کرنے کی مذمت

جس طرح چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علت کو دریافت کرنا کوئی نیکی نہیں تھی اسی طرح حج کے موقع پر گھروں میں پیچھے سے داخل ہونا بھی کوئی نیکی نہیں ہے امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار جب حج کر کے لوٹے تو گھروں میں دروازوں سے داخل نہیں ہوتے

تھے بلکہ پیچھے سے داخل ہوئے تھے ایک انصاری حج کے بعد مگر میں دروازہ سے داخل ہوا تو لوگوں نے اس کو ملامت کی تب یہ آیت نازل ہوئی کہ گھروں میں پیچھے سے داخل ہونا کوئی نیکی نہیں ہے 'حقیقت میں نیکی خوف خدا سے گنہوں کو ترک کرنا ہے

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۰۸ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی عقل سے عبادت کے طور طریقے وضع کرنا جائز نہیں ہے لوگ اپنی عقل سے عبادت کے طریقے وضع کر لیتے ہیں پھر اس کی تائید میں دلائل شرعیہ تلاش کرتے ہیں اور جو ان کے بنائے ہوئے طریقے کے مطابق عبادت نہ کریں ان کو لعنت ملامت کرتے ہیں اسی کا نام احداث فی الدین اور بدعت سیئہ ہے عبادت صرف اسی طریقہ سے کرنی چاہیے جس طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کی ہے اور جس طرح آپ نے ہدایت دی ہے اور جماعت صحابہ کا اس پر عمل رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ (بقرہ ۹۰)

اجازت جہاد کی پہلی آیت کا بیان

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے روزہ کا ذکر فرمایا تھا اور اب جہاد کا ذکر فرمایا ہے روزہ اور جہاد میں ایک گونہ مناسبت ہے کیونکہ دونوں میں دنیا کو ترک کرنا پڑتا ہے نیز حدیث میں ہے میری امت کی سیاحت روزہ ہے اور میری امت کی رہائش جہاد ہے اور اصل اور اہم عبادات میں سے بعض کی ادائیگی کے لیے اوقات مخصوص مقرر ہیں جیسے نماز روزہ رکوع اور حج اور بعض اہم عبادات کی ادائیگی کے لیے کوئی مخصوص وقت مقرر نہیں ہے جیسے جہاد اور ذکر تو پہلے عبادات موقتہ کا ذکر فرمایا اب عبادات غیر موقتہ میں سے جہاد کا ذکر شروع فرمایا ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ یہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا اور یہ پابندی لگائی کہ جو تم سے جنگ کریں ان سے جنگ کرو اور جو تم سے جنگ نہ کریں ان کے خلاف تلوار نہ اٹھاؤ پھر اس کے بعد سورہ توبہ کی آیت سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں

ربیع بیان کرتے ہیں کہ یہ پہلی آیت ہے جو مدینہ میں قتال کے متعلق نازل ہوئی جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان کے خلاف جہاد کرتے جو آپ پر حملہ آور ہوتے اور جو آپ پر حملہ نہ کرتے آپ بھی ان سے جنگ نہ کرتے حتیٰ کہ سورہ توبہ نازل ہو گئی۔

ابن زید نے کہا سورہ بقرہ کی اس آیت کو سورہ توبہ کی حسب ذیل آیت نے منسوخ کر دیا

فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُارُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوا حُيُوتَهُمْ وَأَفْئِدَتَهُمْ كُلَّ مَرْدٍ
پھر جب حرمت دوائے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ انہیں قتل کرو اور انہیں پکڑو اور ان کا ہی سرہ کر لو اور ان کی تاک میں ہر جگہ گھات لگا کر بیٹھو۔ (التوبہ ۵)

ان علماء کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے حد سے تجاوز نہ کرو اس کا معنی یہ ہے کہ جو تم سے نہ لڑیں ان سے نہ لڑو اور سورہ توبہ کے نازل ہونے کے بعد یہ پابندی منسوخ ہو گئی اس کے برعکس دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت مخام ہے منسوخ نہیں ہوئی اور حد سے تجاوز کرنے سے جو منع فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو۔ قتال اور جہاد میں بچوں بوڑھوں اور عورتوں وغیرہ کو قتل کرنے کی ممانعت

امام ابن جریر روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حد سے تجاوز نہ کرو کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو اور نہ اس کو قتل کرو جو ہتھیار ڈال دے اگر تم نے ان کو قتل کیا تو تم حد سے تجاوز کرنے والے ہو گے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۱۱۔ ۱۱۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو لشکر کا امیر بناتے تو اس کو خصوصیت کے ساتھ خوف خدا کی وصیت کرتے اور فرماتے: بسم اللہ پڑھ کر جہاد کرو اور جو اللہ کا کفر کرے اس سے قتل کرو اور خیانت نہ کرنا، عہد شکنی نہ کرنا اور مثلہ نہ کرنا (کسی کے اعضاء نہ کاٹنا) اور کسی بچے کو قتل نہ کرنا۔ الحدیث

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲ مطبوعہ نور محمد ص ۱۵۵ طبع کراچی ۱۳۷۵ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۳ مطبوعہ نور محمد ص ۱۵۵ طبع کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام مالک یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان کی قیادت میں شام کی طرف ایک لشکر روانہ کیا تو ان کو یہ وصیت کی: عنقریب تم راہبوں سے ملو گے جنہوں نے اپنے زعم میں خود کو اللہ کے لیے وقف کیا ہوا ہے ان کو چھوڑ دینا اور عنقریب تم مجوسیوں سے ملو گے جو سر کے درمیان سے باں کاٹتے ہیں ان کو قتل کر دینا اور میں تم کو دس چیزوں کی وصیت کرتا ہوں، کسی عورت کو قتل نہ کرنا، نہ کسی بچے کو نہ کسی بوڑھے کو اور نہ کسی پھل دار درخت کو کاٹنا اور نہ کسی بکری یا اونٹ کی کونچیں کاٹنا اور نہ کسی بھجور کے درخت کو جلانا نہ کسی آبادی کو ویران کرنا اور نہ کسی کو غرق کرنا اور نہ مال غنیمت میں خیانت کرنا اور نہ بزدلی کرنا۔ (سوطی امام مالک ص ۳۶۶ مطبوعہ مطبع مجتبیٰ پاکستان لاہور)

ہجرت سے پہلے قتال کی ممانعت

اس پر اتفاق ہے کہ ہجرت سے پہلے کفر سے قتال کرنا ممنوع تھا اس پر حسب ذیل آیات دلالت کرتی ہیں

إِذْ خَرَّبْنَا نَبَأَ آلِ فَارِثَ وَنَجَّيْنَا آلَ فَارِثَ مِنْ دُونِ آلِ مُضَرَ لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ عَنِ الْمُشْرِكِينَ لَنَنْصَرِفَنَّ عَنْهُمْ لَكَ يَوْمَئِذٍ مُّوَدَّةٌ وَإِنَّ عَشِيرَةَ لَيْسَ بْنِ زَادٍ لَوُاقِفَةٌ (المومن ۹۶)

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ (المائدہ ۱۳)

کیجئے۔

اور کافر جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور ان کو خوش

اسلوبی سے چھوڑ دیجئے اور جھٹلانے والے مال داروں کو مجھ

پر چھوڑ دیجئے اور انہیں تھوڑی سی مہارت دیجئے

سو اگر یہ اعراض کریں تو آپ کا کام تو صرف صاف

صاف احکام پہنچا دینا ہے

سو آپ نصیحت کیجئے آپ صرف نصیحت کرنے والے

ہیں آپ ان کو جبر سے منوانے والے نہیں ہیں

اور آپ ان کو جبر سے منوانے والے نہیں ہیں۔

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُزْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِيَ النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا

(الزلزلہ ۱۱)

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ (الزلزلہ ۸۲)

وَذَرْنِي إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ

(الغاشیہ ۲۲-۲۱)

وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ (ق ۳۵)

ان آیات میں کفار کی ایذا رسانہوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کرنے اور درگزر کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ یہی آیت جس میں ان کے حملوں کے جواب میں حملہ کرنے کا حکم دیا ہے وہ سورہ بقرہ کی زیر بحث آیت ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک یہی رائج ہے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا: سب سے پہلے جس آیت میں جہاد کی اجازت دی گئی ہے وہ یہ آیت ہے:

أُولَئِكَ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا ۖ

جن (مسلمانوں) سے ناحق قتال کیا جاتا ہے ان کو

(ارج ۳۹) (جہاد کی) اجازت دے دی گئی کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سورہ بقرہ کی مذکورہ آیت حقیقتاً پہلی ہو اور سورہ حج کی یہ آیت اضافہ پہلی ہو۔

وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ تَقْتُلُوهُمْ وَآخِرُ جُوهَرٍ مِّنْ حَيْثُ

اور تم ان (کافروں) کو قتل کرو جہاں تم انہیں پاؤ اور ان کو نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں

أَخْرَجُوكُمُ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِنْدَ

نکالا ہے اور (شرک اور ارتداد کا) فساد قتل سے بڑھ کر ہے اور مسجد حرام کے پاس

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يَقْتُلُوكُمْ فِيهِ ۚ فَإِنْ قَتَلُوكُمْ فَأَقْتُلُوهُمْ ۖ

ان سے اس وقت تک جنگ نہ کرو جب تک کہ یہ تم سے وہاں جنگ نہ کریں اگر یہ تم سے جنگ کریں تو تم ان کو قتل کر دو

كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۖ فَإِنْ أَنتَهُوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

اسی طرح کافروں کی سزا ہے ۝ پھر اگر وہ کفر سے باز آ جائیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا

رَحِيمٌ ۖ وَقَتْلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ

بڑا مہربان ہے ۝ اور ان سے جہاد کرتے رہو حتیٰ کہ فتنہ (شرک) نہ رہے اور اللہ ہی کا دین

بِاللَّهِ فَإِنْ أَنتَهُوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۖ

وہ چائے پھر اگر وہ (شرک سے) باز آ جائیں تو صرف ظالموں کو ہی سزا دی جائے ۝

خلاصہ آیات

اور جب تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان جنگ اپنے بچے گاڑ دے تو پھر تم ان کو جہاں اور جس جگہ پاؤ قتل کر دو خواہ سرزمین حرم ہو اور ان کو مکہ سے نکال باہر کرو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا تھا یہ ایمان نہیں لاتے اور انہیں کو کفر کی طرف لوٹانا چاہتے ہیں حالانکہ شرک اور ارتداد کا فساد قتل اور خون ریزی کے فساد سے زیادہ بڑا ہے نیز یہ تم کو سرزمین حرم میں قتال کرنے پر ملامت کرتے ہیں حالانکہ شرک اور کفر کا فساد حرم میں قتال کرنے سے زیادہ بڑا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور مسجد حرام کے پاس ان سے اس وقت تک جنگ نہ کرو جب تک کہ یہ تم سے وہاں جنگ نہ کریں۔
(البقرہ: ۹۱)

حرم میں ابتداء قتال کرنے کی ممانعت کا منسوخ ہونا اور کفار سے مدافعتانہ جنگ کا جائز ہونا
اس آیت کے منسوخ ہونے یا منسوخ نہ ہونے میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ پہلے مشرکین سے حرم میں ابتداء جنگ
کرنے کی اجازت نہیں تھی بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں
فتاویٰ بیان کرتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ جب تک مشرکین مسجد حرام سے پاس
جنگ نہ کریں ان سے جنگ نہ کرو پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو اس آیت سے منسوخ کر دیا
فَاِذَا انْشَأْتُمْ لِلْحَرْمِ فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ
وَجَدْتُمُوهُمْ (البقرہ: ۱۹۰)
جہاں پاؤ انہیں قتل کر دو۔

مجاہد اور طاؤس نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت مختم ہے اور مکہ مکرمہ میں ابتداء کسی سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر کافر اور
مشرک مسلمانوں پر حرم میں حملہ کریں تو ان کے خلاف مدافعتانہ جنگ کرنا جائز ہے۔ (امام ابو نصر محمد بن جریر طبری ص ۱۰۲ جامع
الایات ج ۲ ص ۱۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ) اور یہی صحیح قول ہے امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا یہی مذہب ہے۔ اس قول کی
تائید اس حدیث سے ہوتی ہے امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد و ثناء کے بعد
فرمایا مکہ کو اللہ نے حرم بنایا ہے اس کو لوگوں نے حرم نہیں بنایا سو جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے یہ جائز
نہیں ہے کہ وہ مکہ میں خون بہائے اور نہ اس کے کسی درخت کو کاٹے اگر کوئی شخص مکہ میں قتال کے جواز پر رسول اللہ (صلی اللہ
علیہ وسلم) کے قتال سے استدلال کرے تو اس سے کہو اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی اور تمہیں اجازت نہیں دی اور
میرے لیے دن کی ایک ساعت میں اجازت دی گئی تھی پھر آج اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح اس کی کل
حرمت تھی اور جو شخص (یہاں) حاضر ہے وہ غائب کو (یہ حدیث) پہنچا دے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد بیروت ۱۴۲۸ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۶ ہجری میں اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ مکرمہ عمرہ کرنے کے لیے گئے جب آپ حدیبیہ کے قریب
پہنچے تو مشرکین نے آپ کو مکہ مکرمہ جانے سے منع کر دیا آپ ایک دو تک حدیبیہ میں ٹھہرے اور مشرکین سے اس بات پر صلح
ہوئی کہ آپ اگلے سال عمرہ کرنے کے لیے آئیں اور اگلے سال تین دن آپ مکہ مکرمہ میں ٹھہر سکیں گے اور اس بات پر صلح ہوئی
کہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان دس سال تک جنگ نہیں ہوگی پھر آپ مدینہ لوٹ گئے اور جب آپ اگلے سال ۷ ہجری
میں اس عمرہ کو ادا کرنے کے لیے آئے تو مسلمانوں کو کفار کی عہد شکنی کا خطرہ ہوا اور وہ حرمت والے مہینہ میں حرم میں جنگ
کرنے کو برا جانتے تھے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اگر کفار تم سے حرم میں جنگ کریں تو تمہارے لیے بھی حرم
میں جنگ کرنا جائز ہے۔ (جامع احکام القرآن ج ۲ ص ۳۴۷ مطبوعہ انتشارات ماسر خرد ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور ان سے جہاد کرتے رہو حتیٰ کہ فتنہ (شرک) نہ رہے اور اللہ ہی کا دین رہ جائے پھر اگر وہ (شرک
سے) باز آ جائیں تو صرف ظالموں کو ہی سزا دی جائے (البقرہ: ۱۹۳)

اللہ کے دین کا مطلب ہے اللہ کی اطاعت یعنی انسان دین اور دنیا کے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کریں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق عبادت کریں اس کے آگے سر جھکائیں اور اسی سے اپنی حاجات طلب کریں اور اپنی انفرادی، عائلی، اجتماعی، نجی، تمدنی اور کاروباری زندگی کے تمام معاملات میں اسی کے دے ہوئے نظام پر عمل کریں اس کے برعکس اسلام کے علاوہ تمام ادیان اور مذاہب میں لوگ خود ساختہ طریقوں سے عبادت کرتے ہیں اور انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے انسانوں کو انسانوں کی بندگی کرنے سے آزاد کرو اور سب انسانوں کو اللہ کی اطاعت میں داخل کرو اور جو شخص بھی اس مہم میں مزاحمت کرے اس کے خلاف قتال اور جہاد کرو جس کی ساری دنیا کے انسان اللہ کے مطیع ہو جائیں۔ اس آیت کا منتد یہ ہے کہ ہر اس شرک اور کافر کے خلاف جہاد کیا جائے جو دعوت اسلام کو مسترد کر دے اور اسلامی نظام کو برپا کرنے کی مہم میں مزاحم ہو اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس وقت تک لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ یہ شہادت نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں جب وہ ایسا کریں گے تو حق اسام کے مساوہ اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیں گے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ (صحیح بخاری ج ۸ ص ۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، راجی ۳۸۱ھ)

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَتُ قِصَاصٌ فَمَنْ

حرمت والے مہینہ کا بدلہ حرمت والا مہینہ ہے اور تمام محترم چیزوں کا بدلہ ہے سو جو شخص

اُعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ

تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (۱۹۳) **وَأَنْفِقُوا فِي**

اور اللہ سے ڈرنے رہو اور جان لو کہ اللہ ان کے ساتھ ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں O اور اللہ کی راہ میں

سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ^{۱۹۴} **وَأَحْسِنُوا**

خرج کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (۱۹۵)

بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے O

حرمت والے مہینوں کا بیان

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمانہ گھوم کر پھر اپنی اس حالت پر آ گیا ہے جس حالت پر اللہ نے اس کو زمین اور آسمانوں کے پیدا کرنے کے وقت بنایا تھا سال کے بارہ مہینے ہیں تین مہینے پے درپے حرمت والے ہیں ذوالقعدہ ذوالحجہ محرم اور رجب رجب کا مہینہ جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۴ ج ۲ ص ۶۳۲ مطبوعہ دار الفکر کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ لوگ دور دراز سے حج کے لیے ذوالقعدہ ذوالحجہ اور محرم میں آنے جانے کا سفر کرتے تھے اور رجب کے مہینہ میں عمرہ کے لیے سفر کرتے تھے اس لیے ان مہینوں کو حرمت والے مہینے کہا جاتا تھا اور ان مہینوں کے احترام کی وجہ سے عرب ان مہینوں میں باہمی لڑائیوں کو موقوف کر دیتے تھے بعض دفعہ سب ان کے نزدیک لڑائی ناگزیر ہوتی تو وہ محرم کو ایک مہینہ مؤخر کر دیتے اور صفر کے مہینہ کو محرم قرار دیتے اور محرم میں لڑائی کر لیتے اور وہ یونہی محرم کو مؤخر کرتے رہے حتیٰ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع کیا تو محرم گھوم کر اپنی اصلی حالت اور اصل مہینہ میں آ چکا تھا اسلام نے مہینوں کو مؤخر کرنا حرام کر دیا قرآن مجید میں ہے

إِنَّمَا النَّسِيءُ بُرْيَاءٌ ذِكْرٌ فِي الْكُفْرِ (البقرہ: ۲۰۷)

پہلے ان مہینوں میں جہاد کرنا منوع تھا لیکن حسب ذیل آیت کے نازل ہونے کے بعد یہ حرمت منسوخ ہو گئی:

فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ

تم مشرکین کو جہاں پاؤ انہیں قتل کر دو۔

(البقرہ: ۱۷۵)

اور تم تمام مشرکین سے جنگ کرو۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَمَا كَانُوا (البقرہ: ۲۱۷)

بعض علماء کے نزدیک ان مہینوں میں ابتداءً قتال کرنا منسوخ نہیں ہوا اور بدستور حرام ہے البتہ مدافعتانہ جنگ کرنا جائز ہے لیکن صحیح رائے جمہور کی ہے۔

ان آیات کا شان نزول بھی وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ۷ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کے لیے پہنچے تو مسلمانوں کو خدشہ ہوا کہ کہیں کفار عہد شکنی نہ کریں اور وہ حرم میں اور حرمت والے مہینہ میں جنگ کرنے کو بہت بُرا جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس مہینہ اور اس جگہ کی حرمت سب کے لیے یکساں ہے اگر وہ اس مہینہ اور اس جگہ میں جنگ چھیڑتے ہیں تو تم بھی مدافعتانہ جنگ کرو اور انہوں نے تم کو جس قدر نقصان پہنچایا ہے ان سے اتنا ہی بدلہ لو ان کا زیادتی کرنا ظلم اور مسلمانوں کا بدلہ لینا عدل ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے دونوں کے فعل کو "اعتداء" زیادتی فرمایا کیونکہ صورت دونوں فعل ایک جیسے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ (البقرہ: ۱۹۵)

خود کو ہلاکت میں ڈالنے کی تفسیر

اس آیت کی متعدد تفسیریں کی گئی ہیں امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کسی آدمی کا اللہ کی راہ میں قتل ہو جانا ہلاکت نہیں ہے اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنا ہلاکت ہے۔

حضرت برہ بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کسی شخص کا گناہ کرنا اور پھر اس کی مغفرت سے مایوس ہو کر توبہ نہ کرنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا مسلمانوں کا پہنچنا اہل دیوبند اور مال اور منافع کی دیکھ بھال میں مشغول رہنا اور اس شغل میں افراط کی وجہ سے جہاد کو ترک کر دینا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۱۹۔ ۱۲۰ ملتقطاً مطبوعہ دارالمرکز بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو البیان اندلسی نے چند مزید اقوال بیان کیے ہیں:

ابو القاسم بلخی نے بیان کیا کہ بلا وجہ کسی سے بغض اور عداوت رکھنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، بغضِ علماء نے کب تبلیغ اسلام کو ترک کر دینا ہلاکت ہے۔

علماء نے کہا حرام مال سے صدقہ کرنا ہلاکت ہے، ایسی نے کہا تمام مال کو صدقہ کرنا ہلاکت ہے، بعض علماء نے کہا ریا کاری یا احسان جیلا کر اپنی نیکیوں کو ضائع کر دینا ہلاکت ہے (انوار المیادین ج ۲ ص ۱۵۱۔ ۱۵۲ مطبوعہ دارالشریعت بیروت ۱۴۱۳ھ)

یہ تمام اقوال اپنی جگہ درست ہیں، لیکن ان میں سب سے زیادہ مستند اور متفق قول یہ ہے کہ جہاد کو ترک کرنا اور تبلیغ اسلام کو ترک کر چکی ہے، مسلمان حکمرانوں نے صدیوں ہندوستان پر حکومت کی لیکن غیر مسلم ریاختوں سے جہاد نہ کیا، نہ ان کو تبلیغ اسلام کی، اگر مسلمان اس فریضہ کو ترک نہ کرتے تو آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

وَاتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ

اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو، سو اگر تم کو (حج یا عمرہ سے) روک دیا جائے تو جو قربانی تم کو آسانی

مِنَ الْهُدَىٰ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهُدَىٰ

سے حاصل ہو، وہ بھیج دو اور جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اس وقت تک اپنے سروں کو

مَحْلَةً ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ

نہ منڈاؤ، پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو وہ

فَقْدِيَّةٌ مِّنْ صِّيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمِنَ

اس کے بدلہ میں روزے رکھے یا کچھ صدقہ دے یا قربانی کرنے سے جب تم حالت امن میں ہو تو جو شخص

تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهُدَىٰ ۚ فَمَنْ لَّمْ

حج کے ساتھ عمرہ ملے تو وہ ایک قربانی کرے جس کو وہ آسانی کے ساتھ کر سکے اور جو قربانی نہ

يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۚ تِلْكَ

کر سکے وہ تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات روزے جب تم لوٹ آؤ، یہ

عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ط ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ

کامل دس (روزے) ہیں یہ (ج جمع کا) حکم اس شخص کے لیے ہے جس کے اہل و عیال مسجد حرام (مکہ مکرمہ)

الْحَرَامِ ط وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ع

کے رہنے والے نہ ہوں اور اللہ سے ڈرتے رہوں اور جان لو کہ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے O

فرضیت حج کی تاریخ اور حج کی اقسام

علامہ ابن اہم نے لکھا ہے کہ یہ آیت ۶ ہجری میں نازل ہوئی ہے^۱ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ فرضیت حج کی تاریخ میں اختلاف ہے ۵ ہجری ۶ ہجری اور ۹ ہجری۔ ۸ ہجری فتح مکہ کے سال میں حضرت عتاب بن اسید نے مسلمانوں کو حج کرایا ۹ ہجری میں حضرت ابو بکر صدیق نے اور دس ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کرایا۔

(مرقات ج ۵ ص ۲۱۳ مطبوعہ مکتبہ المدینہ ملتان ۱۳۹۰ھ)

حج کا لغوی اور شرعی معنی حج کے فرائض واجبات سنن اور موافق ہم البقرہ ۱۵۸ میں بیان کر چکے ہیں اسی طرح عمرہ کے واجبات اور شرائط بھی ہم وہاں بیان کر چکے ہیں۔ حج کی تین قسمیں ہیں: (۱) حج افراد جس میں صرف مناسک حج ادا کیے جائیں اور اس سے پہلے عمرہ نہ کیا جائے یہ صرف مکہ مکرمہ میں رہنے والوں کے لیے ہے (۲) حج تمتع میقات سے عمرہ کا احرام باندھ لیا جائے اور عمرہ کرنے کے بعد سر کے بال کٹوا کر یا منڈوا کر حلال ہو جائے اور پھر آٹھ تاریخ کو حج کا احرام باندھ لے اور مناسک حج ادا کرنے کے بعد حلال ہو جائے (۳) حج قرآن میقات سے احرام باندھ لیا جائے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام کو برقرار رکھا جائے پھر اسی احرام کے ساتھ حج کرے اور مناسک حج ادا کرنے کے بعد سر کے بال کٹوا کر یا منڈوا کر احرام کھول دے۔ حج قرآن میں زیادہ مشقت ہے اور اس کا اجر بھی بہت زیادہ ہے اکثر روایات کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حج کیا تھا وہ حج قرآن تھا حج قرآن اور حج تمتع یہ دونوں مکہ مکرمہ سے باہر کے رہنے والوں کے لیے ہیں۔

احرام میں ممنوع کام

مرد کے احرام کے لیے دو پاک صاف نئی دھلی ہوئی چادریں ہوں ایک چادر تہبند کی طرح باندھ لے اور دوسری چادر اوپر اوڑھ لے سر کھلا رکھے اور عورت سلعے ہوئے کپڑے پہنے سر اور پورا جسم ڈھانپ کر رکھے صرف چہرہ کھلا رکھے احرام میں حسب ذیل پابندیاں ہیں:

(۱) محرم جماع کرنے سے یا اپنی بیوی سے جماع کا ذکر کرنے سے احتراز کرے گا اپنی بیوی کو شہوت سے نہیں چھوئے گا نہ بوسہ دے گا (۲) کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں کرے گا (۳) کسی سے لڑائی جھگڑا نہیں کرے گا (۴) خشکی کے جانوروں کو شکار نہیں کرے گا نہ ان کی طرف اشارہ کرے گا نہ ان کی طرف رہنمائی کرے گا (۵) قصد نیا بلا قصد خوشبو نہیں لگائے گا (خوشبو کا سونگھنا مکروہ ہے خوشبودار صابن سے نہانا یا شیمپو استعمال کرنا جائز نہیں) اگر خوشبودار چیز چکی ہوئی تھی تو حرج نہیں اگر کچی ہو اور دوسری چیز سے مخلوط ہو اور خوشبو مغلوب ہو تو جائز ہے اگر غالب ہو تو جائز نہیں اگر بیعینہ خوشبودار چیز کھائی تو اس پر دم ہے (۶) ناخن نہ کاٹے (۷) چہرے کو نہیں ڈھانپے گا چہرہ کا بعض حصہ مثلاً منہ یا ٹھوڑی کو ہتھیلی سے نہیں ڈھانپے گا (۸) سر کو نہیں ڈھانپے

۱۔ علامہ کمال الدین بن ہمام متوفی ۸۶ھ فتح القدیر ج ۲ ص ۲۲۵ مطبوعہ مکتبہ نور بیروت مصر

گا (۹) داڑھی نہیں کانے گا سر میں تیل نہیں ڈالے گا نہ بالوں میں خضاب لگائے گا نہ ہاتھوں پر مہندی لگائے گا (۱۰) سر کے بال یا بدن کے بال نہیں منڈائے گا (۱۱) سلعے ہوئے کپڑے نہیں پہنے گا (۱۲) عمامہ یا ٹوپی نہیں پہنے گا (۱۳) جڑے کے موزے نہیں پہنے گا البتہ اگر ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دیا جائے کہ ہنڈیاں اور نچنے کھلے رہیں تو جائز ہے (ایسی چل پہن سکتا ہے جس سے دسوا قدم چھپا ہوا ہو اور نچنے کھلے ہوئے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کر پہن سکتا ہے) جرابیں پہننا جائز نہیں کیونکہ ان سے نچنے چھپ جاتے ہیں (۱۴) جس کپڑے کو ای چیز سے رنگا گیا ہو جس سے رنگنے کے بعد خوشبو آئے مثلاً زعفران اور درس وغیرہ اس کو نہ پہنے (۱۵) مکہ مکرمہ کے کسی درخت کو نہ کانے۔

احرام میں جائز کام

محرم حرام میں داخل ہو سکتا ہے کسی مکان اور محل کے سائے کو حاصل کر سکتا ہے (مثلاً چھتری استعمال کر سکتا ہے) لیکن کوئی چیز اس کے چہرہ یا سر کو مس نہ کرے پیسے وغیرہ رکھنے کے لیے ہمیان کمر میں باندھ سکتا ہے (احرام کی چادر پر چڑے کی پٹی باندھ لی جاتی ہے جس میں پیسے رکھنے کے لیے بٹہ ہوتا ہے وہ بھی اسی حکم میں ہے) منطلقہ (کمر باندھنے کی پٹنی) بھی باندھ سکتا ہے بغیر خوشبو کا سرمہ لگا سکتا ہے ختنہ کر سکتا ہے فصد لگا سکتا ہے ڈاڑھ نکلا سکتا ہے ٹوٹی ہوئی ہڈی جڑا سکتا ہے سر یا کمر کو کھجا سکتا ہے لیکن اس احتیاط سے کہ بال نہ اکھریں اگر تین بال اکھڑ جائیں تو ایک ٹھکی طعام صدقہ کر دے۔ احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا اور بدن پر خوشبو لگانا جائز ہے خواہ بعد میں خوشبو آتی رہے۔

احرام میں مستحب کام

محرم بہ کثرت تلبیہ پڑھے ”لبيك اللهم لبيك“ لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد والعمة لك والملك لا شريك لك“ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۰) جب نماز پڑھے یا جب کسی بلندی پر چڑھے یا کسی وادی سے اترے یا سواروں سے ملے یا بحری کا وقت ہو تو تلبیہ پڑھے۔ جب مکہ میں داخل ہو تو پہلے مسجد حرام میں باب السلام سے داخل ہو اور جب کعبہ کو دیکھے تو تین بار تکبیر اور کلمہ طیبہ پڑھے کعبہ پر پہلی نظر پڑتے ہی دعا کرے اس وقت کی دعا مقبول ہوتی ہے اور یہ دعا بھی کرے اے اللہ! ہمارے دلوں میں کعبہ کی محبت اس کی تعظیم اور اس کی ہیبت کو زیادہ کر۔

عمرہ کرنے کا طریقہ

غیر مکہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھ لے پاکستان کے رہنے والے ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں اس لیے وہ اپنے گھر میں غسل کر کے احرام باندھیں اور اتر پورٹ کے الاؤنج میں دو رکعت نماز پڑھ کر عمرہ کی نیت کر لیں اے اللہ! میں عمرہ کے لیے حاضر ہوں اس کو میرے لیے آسان کر دے اور میری طرف سے قبول فرما پھر راستہ میں بہ کثرت تلبیہ پڑھے ”لبيك اللهم لبيك“ لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد والعمة لك والملك لا شريك لك“ مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ والا کرے یعنی بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف کرے اس طواف میں اضطباع کرے (احرام کی اوپر والی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے کے اوپر ڈال دے) پہلے تین چکروں میں رمل کرے (کندھے ہٹا ہل کر دوڑتے ہوئے طواف کرے) جب بھی حجر اسود کے سامنے سے گزرے تو اگر ممکن ہو تو اس کو بوسہ دے ورنہ اس کی طرف منہ کر کے اس کی طرف دونوں ہتھیلیاں اس طرح کرے جیسے اس پر رکھ رہا ہو اور ”اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ اکبر“ پڑھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دو بار پڑھے پھر اپنی ہتھیلیوں کو بوسہ دے جب رکن یمانی کے پاس سے گزرے تو اس کو

بھی پھوکر س کی تعلیم کر۔ اس کو بوسے میں فضا، اذان کے دقوں میں ایک نول صبح کا ہے اور ایک جواز کا اگر اس کی تعلیم نہ کر سکے تو پھر اس کے قنم مقام ہاتھ سے اشارہ کرنا شروع نہیں ہے۔ مگر اس کی تعلیم کے ساتھ طواف کو ختم کرے پھر مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت طواف پڑھے۔ اس کے بعد سعی کے سات چکر لگائے سعی صفا شروع کرے اور مردہ پر ختم کرے صفا پر چڑھ کر تعب کی طرف مڑ کر کے "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد" پڑھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھے پھر دونوں ہاتھ باند کر کے دعا کرے پھر مردہ کی طرف روانہ ورا۔ میں دو سبز نشانوں کے درمیان سے دوڑتا ہوا گزرے طواف اور سعی کے اور ان اس کو جو دعائیں اور اذکار یاد ہوں اس کو خشوع اور خشوع کے ساتھ پڑھتا رہے۔

صفا اور مردہ میں طواف مکمل کرنے کے بعد محرم سر کے بال کٹوائے یا منڈوائے اب اس کا عمرہ مکمل ہو گیا اور وہ احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو گیا لیکن پھر بھی کوئی گناہ نہ کرے بخش دے تمیں نہ کرے اور کسی سے لڑائی جھگڑا نہ کرے آٹھ ذوالحجہ تک حسب استطاعت عمرے کرتا رہے اور مسجد حرام میں زیادہ سے زیادہ طواف کرتا رہے عمرہ اور طواف میں طواف کی زیادہ فضیلت ہے مسجد حرام میں کم از کم ایک بار قرآن مجید ختم کرنا چاہیے۔

حج کرنے کا طریقہ

حج کرنے والا آٹھ ذوالحجہ کو حج کی نماز مسجد حرام میں ادا کرنے حج کی نیت سے غسل کر کے احرام باندھے دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا کرے اے اللہ! میں حج کا ارادہ کرتا ہوں تو اس کو میرے لیے آسان کر دے اور قبول فرما اور فجر کی نماز کے بعد مکہ سے منی کے لیے روانہ ہو جائے اور ظہر کی نماز وہاں پہنچ کر پڑھے حج کی سعی کو طواف پر مقدم کرنا جائز ہے اس لیے آسانی اس میں ہے کہ سات ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھے اور حج کی سعی کر لے اور آٹھ تاریخ کو فجر کی نماز کے بعد منی روانہ ہو جائے اور بقیہ نمازیں منی میں ادا کرے اور طلوع فجر کے بعد منی سے عرفات کے لیے روانہ ہو اگر احرام کے ساتھ نماز پڑھے تو ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھے ورنہ ہر نماز اپنے وقت میں پڑھے اس کے بعد جبل رحمت کے قریب جا کر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور بند آواز سے گڑگڑا کر دعائے مانگے اور زندگی کے تمام گناہوں سے توبہ کرے تاہم کھڑا ہونا شرط یا واجب نہیں ہے اگر بیٹھ کر دعا کی پھر بھی جائز ہے۔ اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوف فرمایا تھا یہ جگہ میدان عرفات کے وسط میں ہے اگر یہاں موقع نہ ملے تو وادی عرنہ کے سامنے میدان عرفات موقوف ہے میدان عرفات میں جس جگہ بھی کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر دعا کر لی حج ہو جائے گا غروب آفتاب تک میدان عرفات میں رہنا واجب ہے غروب آفتاب کے بعد میدان عرفات سے مزدلفہ کے لیے روانہ ہو راستہ میں "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد" پڑھتا رہے۔ پیدل جانا مستحب ہے مزدلفہ میں مغرب کی نماز عشاء کے وقت میں پڑھے مغرب میں ادا کی نیت کرے اور اس کی سنتوں کو ترک کر دے اس رات کو جاگ کر عبادت کرنا ایاتہ القدر میں جاگنے سے افضل ہے اسی رات میں رمی کے لیے ستر اسی کنکریاں چن لے۔ طلوع فجر کے بعد صبح کی نماز منہ اندھیرے پڑھے اس کے بعد وقوف کرے (کھڑے ہو کر دعا کرے) وقوف کا وقت طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس تک ہے خواہ اس وقت چل رہا ہو وقوف ہو جائے گا۔ (اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد) پڑھے تبلیہ پڑھے درود شریف پڑھے اور دعا کرے اور جب خوب روشنی پھیل جائے تو منی کے لیے روانہ ہو اور جمرہ عقبہ کو رمی کرے پانچ ہاتھ کے فاصلہ سے سات کنکریاں مارے ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہے رمی کے بعد قربانی کرنے پھر سر کے بال منڈوائے یا کٹوائے منڈوانا افضل ہے اگر بال

کنوائے تو ایک پور کے برابر کنوائے جو تھائی سر کے بال کنوانا واجب ہے اور پورے سر کے بالوں کو کنوانا مستحب ہے سر منڈوانے کے بعد وہ حلاں ہو گیا اور بیوی سے جماع کے عداہ اس پر ہر چیز حلال ہو گئی پھر ایام نحر کے تین دنوں میں سے کسی ایک دن مکہ جا کر طواف زیارت کر لے اگر پہلے سعی کر چکا ہے تو اس طواف میں رمل نہیں کرے گا اور اگر پہلے سعی نہیں کی تو پہلے تین چکروں میں رمل کرے گا اور سات چکر پورے کرے دو رکعت نماز طواف پڑھے گا اور اس کے بعد سعی کرے گا طواف زیارت کے بعد اس پر بیوی بھی حلال ہو جائے گی۔ اگر اس نے طواف زیارت کو قربانی کے تین دنوں کے بعد کیا تو یہ فعل مکروہ تحریمی ہے اور اس پر دم لازم آئے گا (طواف زیارت کا وقت ساری عمر ہے) وقوف عرفات اور طواف زیارت کرنے کے بعد حج کے فرائض ادا ہو گئے وقوف مزدلفہ حج کی سعی اور رمی جمرات واجب ہیں ان میں سے کسی ایک کے بھی ترک سے دم لازم آئے گا دس ذوالحجہ کو طواف زیارت کرنے کے بعد منی لوٹ آئے اور رات وہاں گزارے اور گیارہ تاریخ کو زوال کے بعد تینوں جمرات پر رمی کرے اور ہر جمرہ پر سات سات کنکریاں مارے پھر بارہ تاریخ کو اسی طرح کنکریاں مارے۔ دس تاریخ کو رمی کا وقت فجر سے غروب تک ہے اور گیارہ اور بارہ تاریخ کو زوال سے لے کر غروب تک ہے تیرہ تاریخ کو طلوع فجر سے پہلے منی سے مکہ روانہ ہو سکتا ہے اور اگر تیرہ تاریخ کی فجر کو پالیا تو پھر اس دن کی رمی کرنی ہوگی۔ جب مکہ مکرمہ سے روانہ ہونے کا ارادہ کرے تو اور داعی طواف کرے اس کو طواف صدر کہتے ہیں یہ طواف واجب ہے افتتاحی طواف کو طواف دوم کہتے ہیں یہ مستحب ہے طواف زیارت فرض ہے اور طواف صدر یا طواف وداع واجب ہے۔ طواف وداع کرنے کے بعد حج کے تمام ارکان اور واجبات ادا ہو گئے اور حج مکمل ہو گیا اس کے بعد مدینہ منورہ کا سفر کرے اور وہاں آٹھ یا نو دن کے قیام میں کوشش کرے کہ مسجد نبوی میں منواتر چالیس نمازیں پڑھے۔

مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نمازوں کا اجر و ثواب

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں پڑھیں اور اس کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی اس کے لیے جہنم سے برأت اور عذاب سے نجات لکھ دی جائے گی اور وہ نفاق سے بری ہو جائے گا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۵ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

حافظ منذری نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح ہیں اور اس حدیث کو امام طبرانی نے "اوسط" میں روایت کیا ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۵۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ)

حافظ ابوشامہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ایک لاکھ نمازوں کا اجر ہے اور میری مسجد میں نماز پڑھنے کا ایک ہزار نمازوں کا اجر ہے اور مسجد انصاری میں نماز پڑھنے کا پانچ سو نمازوں کا اجر ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے "معجم کبیر" میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۲ھ)

حافظ احمد بن حنبل لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایک شخص اپنے گھر میں نماز پڑھے

لے تو اس کو ایک نماز کا اجر ملتا ہے اور اگر محلہ کی مسجد میں نماز پڑھے تو پچاس نمازوں کا اجر ملتا ہے اور اگر جامع مسجد میں نماز پڑھے تو پانچ سو نمازوں کا اجر ملتا ہے اور میری مسجد میں نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نمازوں کا اجر ملتا ہے اور مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نمازوں کا اجر ملتا ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے ایک لاکھ نمازوں کا اجر ملتا ہے اس حدیث کو امر ستہ میں سے صرف امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۸۵ مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ)

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ ثواب میں اضافہ مسجد حرام کے ساتھ نہیں ہے بلکہ پورے حرم مکہ میں کسی جگہ بھی نماز پڑھی جائے تو اتنا ہی ثواب ہوگا۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۱۸۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا طریقہ

علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں:

جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا قصد رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ آپ پر درود شریف پڑھے کیونکہ آپ خود بھی درود شریف کو سنتے ہیں اور فرشتے بھی آپ کے پاس درود شریف پہنچاتے ہیں جب زائر مدینہ منورہ کی دیواروں کو دیکھے تو درود شریف پڑھ کر یہ کہے

اے اللہ! یہ تیرے نبی کا حرم ہے اور تیری دُجی کے نازل ہونے کی جگہ ہے تو مجھے یہاں حاضر ہونے کی امت عطا فرما اور یہاں کی حاضری کو میرے لیے جہنم سے نجات کا درایہ بنادے اور مجھے قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بہرہ مند فرما اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے پہلے غسل کرے اچھا لباس زیب تن کرے خوتیو لگائے پھر انتہائی تواضع اور انکسار کے ساتھ آپ کے رونقہ کی طرف روانہ ہو اور درود شریف پڑھتا ہو اور اپنی مغفرت کی دعائیں مانگتا ہو چلتا رہے اور یہ پڑھے "بسم اللہ وعلی ملئہ رسول اللہ رب ادحلی مدحل صدق و احرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا بصیرا اللهم اعصر لی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک" پھر مسجد شریف میں داخل ہو اور دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے آپ کی قبر شریف اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اس جگہ دو رکعت بطور شکر پڑھے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر سے چار ہاتھ کے فاصلہ پر دب سے کھڑا ہو آپ کے مولا شریف (سر اور چہرہ) کی طرف منہ اور عقب کی طرف پیٹھ کرے "السلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ" السلام علیک یا سیدی اللہ" السلام علیک یا حبیب اللہ" السلام علیک یا نبی الرحمة" السلام علیک یا شعیب الامۃ" السلام علیک یا سید المرسلین" السلام علیک یا حاتم السبیین" السلام علیک یا مرمل" السلام علیک یا مدثر" السلام علیک وعلی اصول الطیبین" و اہل بیتک الطاہرین" میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں آپ نے فریضہ رسالت کو ادا کر دیا اور امانت کو پہنچا دیا اور امت کی خیر خواہی کی اور واضح دلائل بیان کیے اور اللہ کی راہ میں جہاد کا حق ادا کیا اور دین کو قائم کیا حتیٰ کہ آپ رفیق اعلیٰ سے واصل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر صلوٰۃ و سلام نازل فرمائے جس جگہ آپ اپنے جسد اطہر کے ساتھ تشریف فرما ہیں وہ جگہ تمام جگہوں سے افضل جگہ ہے اللہ تعالیٰ آپ پر اور اس جگہ پر ہمیشہ اتنی بار صلوٰۃ و سلام نازل فرمائے جس کا عدد اللہ ہی کے علم میں ہے۔ یا رسول اللہ! ہم آپ کے حرم مقدس اور آپ کی عظیم بارگاہ میں حاضر ہیں ہم دور دراز کے علاقوں سے آپ کے حضور میں آپ کی شفاعت کی امید سے آئے ہیں آپ

ہمارے رب کے حضور ہماری شفاعت فرمائیں گناہوں کے بوجھ سے ہماری کمر ٹوٹ رہی ہے آپ ہی آپ شفاعت کرنے والے ہیں جن سے شفاعت کبریٰ مقیم محمود اور وسیلہ کا وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا سَرِيعًا (النساء: ۶۴)

اور اگر یہ اپنی جانوں پر ظلم کر گزریں تو آپ نے پاس آئیں اور اللہ سے مغفرت طلب کریں اور رسول بھی ان کی شفاعت کریں تو یہ بے شک اللہ تعالیٰ کو بہت توجہ قبول کرنے (النساء: ۶۴)

والا اور بہت رحم کرنے والا پائیں گے ○

اور بے شک ہم اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کے پاس آئے ہیں اور اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں سو آپ ہمارے لیے اپنے رب سے شفاعت کیجئے اور اللہ سے دعا کیجئے کہ آپ کی سنت پر خاتمہ فرمائے اور آپ کے دین میں ہمیں قیامت کے دن اٹھائے اور ہمیں آپ کے حوض کوثر پر وارد کرے اور بغیر کسی شرمندگی اور رسوائی کے ہمیں آپ کوثر پائے یا رسول اللہ! شفاعت فرمائیے یا رسول اللہ! شفاعت فرمائیے (تین بار کہے) اے اللہ! ہماری مغفرت فرما اور جو ہم سے پہلے فوت ہو گئے ہیں ان کی مغفرت فرما اور مسلمانوں کے خلاف ہمارے دلوں میں کینہ نہ رکھا اے رب! تو رؤف رحیم ہے پھر جن لوگوں نے آپ کو سلام پہنچانے کی درخواست کی تھی ان کا سلام پیش کرے اور کہے یا رسول اللہ! فلاں فلاں کی طرف سے آپ کو سلام ہو یا رسول اللہ! وہ آپ سے شفاعت کے طلب گار ہیں ان کی شفاعت فرمائیے پھر درود شریف پڑھ کر جو چاہے دعا کرے۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سر کے باقیہاں کھڑا ہوا اور کہے: "السلام علیک یا حلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" السلام علیک یا صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انیسہ فی العار ورفیہ فی الاسفار وامنہ فی الاسرار اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے آپ نے بہترین نیابت کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر قائم رہے اور آپ کے طریقہ کے مطابق کار خلافت انجام دیئے آپ نے مرتدین اور مبتدعین سے قتل کیا اور اسلام کے قلعہ کو مضبوط کیا آپ بہترین امام تھے آپ تادم حیات دین کی خدمت کرتے رہے آپ اللہ جل جلالہ سے دعا کریں کہ وہ ہمارے دلوں میں ہمیشہ آپ کی محبت رکھے اور قیامت کے دن ہمیں آپ کی جماعت میں اٹھائے اور ہماری زیارت کو قبول فرمائے السلام علیک ورحمۃ اللہ۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سر کے باقیہاں کھڑا ہوا اور یوں سلام عرض کرے "السلام علیک یا امیر المومنین" السلام علیک یا مطہر الاسلام" السلام علیک یا مکسر الاصنام" اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی نصرت فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بڑے بڑے شہروں کو فتح کیا۔ پیروں کی کفالت کی اور صلہ رحمی کی اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر و رفیق و امیر و دین قائم کرنے میں آپ کی معاونت کرنے والو! اور آپ کے بعد مسلمانوں کی بہتری کے لیے کاربائے نمایاں کرنے والو! آپ دونوں پر سلام ہو اللہ آپ کو ہماری طرف سے تمام مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے ہم آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کریں کہ حضور ہماری شفاعت فرمائیں اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائیں کہ وہ ہمارے اس حج اور زیارت کو قبول فرمائے ہمیں آپ کے دین پر زندہ رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائے اور آپ کی جماعت میں ہمارا حشر فرمائے پھر اپنے لیے دعا کرے اپنے والدین کے لیے دعا کرے اور جنہوں نے دعا کی

درخواست کی تھی ان کے لیے دعا کرے پھر تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے پھر دوبارہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجد شریف میں جا کر کھڑا ہو اسی طرح سلام پیش کرے اور آپ سے شفاعت کی درخواست کرے اور اسی طرح دعا کرے۔

حضرت ابولہبہ رضی اللہ عنہ کے ستون کے پاس نماز پڑھے اور دیگر متبرک مقامات پر نمازیں پڑھے بیچ شریف میں جائے شہداء احد کی قبروں پر جائے حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر فاتحہ پڑھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ازواج مطہرات اور دیگر شہداء کی قبروں پر حاضر ہو اور تمام مزارات پر آیۃ الکرسی پڑھے گیارہ بار سورۃ اخلاص پڑھے اور اگر یہ وہ وقت سورۃ بس پڑھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ان کا ثواب ان تمام ارواح قدسیہ کو پہنچائے مسجد قبا میں حاضر ہو کر وہاں نماز پڑھے۔ وہاں دو رکعت نماز پڑھنے کا اجر عمرہ کے برابر ہے۔ (نن کبری ج ۵ ص ۳۸) مسجد قبلین مساجد سبع اور تمام مشاہد کی زیارت کرے۔

(مراقی المفاد ج ۱ ص ۱۵۱-۱۵۸ ملخصاً مطبوعہ مصلی المہابی دارالادب مصر ۱۳۵۶ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو۔ (البقرہ: ۹۶)

اس کا معنی یہ ہے کہ حج اور عمرہ کے تمام شرائط و فرائض اور واجبات کو ادا کرو کہ یہ کامل ہوں ناقص نہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سو اگر تم کو (حج یا عمرہ سے) روک دیا جائے تو جہ قربانی تم کو آسانی سے حاصل ہو وہ بھیج دو اور جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اس وقت تک اپنے سروں کو نہ منڈواؤ۔ (البقرہ: ۹۶)

یعنی اپنے احرام پر برقرار رہو اور حلالی نہ ہو۔

احصار (حج یا عمرہ کے سفر میں پیش آنے والی رکاوٹ) کی تعریف میں مذاہب ائمہ

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر دشمن سفر حج پر نہ جانے دے اور راستہ میں کسی جگہ روک لے تو یہ احصار ہے اب محرم حرم میں قربانی بھیج دے اور جب قربانی ذبح ہو جائے گی تو وہ حلالی ہو جائے گا امام ابو حنیفہ کے نزدیک راستہ میں دشمن کے روکنے کے علاوہ راستہ میں بیمار ہو جانا اور سفر کے قابل نہ رہنا بھی احصار ہے اور لغت میں احصار اسی کو کہتے ہیں اور احادیث بھی اس کی مؤید ہیں علماء مذاہب کی تصریحات حسب ذیل ہیں:

اگر دشمن حج یا عمرہ کے لیے جانے نہ دے تو یہ احصار (روک دینا) ہے حضرت ابن عباس حضرت ابن عمر اور حضرت انس بن مالک کا یہی قول ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ (الکتب والعلوم ج ۱ ص ۲۵۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابن عربی مالکی لکھتے ہیں:

احصار دشمن کے منع کرنے اور روکنے کے ساتھ خاص ہے حضرت ابن عباس حضرت ابن عمر اور حضرت انس بن مالک کا یہی قول ہے اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے لیکن اکثر علماء لغت کی رائے یہ ہے کہ "احصار" کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی شخص کو مرض عارض ہو اور وہ اس کو کسی جگہ جانے سے روک دے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۷۰ مطبوعہ دارالفرید بیروت ۱۳۰۸ھ)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں

احصار صرف دشمن کے روکنے سے ہوتا ہے مریض کو محصر نہیں کہتے حضرت ابن عمر حضرت ابن عباس اور حضرت انس کا یہی قول ہے امام مالک امام شافعی اور امام احمد کا یہی مذہب ہے لیکن ابن قتیبہ نے یہ کہا ہے کہ جب مرض یا دشمن سزا کرنے سے روک دیں تو یہ احصار ہے۔ (دارالمسیر ج ۱ ص ۲۰۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۰۷ھ)

علامہ ابو بکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

کسانی ابو عبیدہ اور اکثر اہل اہل سنت نے یہ کہا ہے کہ مرض اور زار راہ گم ہو جانے کی وجہ سے جو سفر جاری نہ رہ سکے اس کو احصار کہتے ہیں اور اگر دشمن سفر نہ کرنے دے تو اس کو حصر کہتے ہیں حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس میں دشمن اور مرض برابر ہیں۔ ایک دم (حدی کے قربانی کا جانور) بھیج کر محرم حلالی ہو جائے گا جب کہ اس جانور کو حرم میں ذبح کر دیا جائے امام ابو حنیفہ امام ابو یوسف امام محمد امام زفر اور ثوری کا یہی مذہب علامہ جصاص کہتے ہیں کہ جب لغت سے ثابت ہو گیا کہ احصار کا معنی مرض کا روکنا ہے تو اس آیت کا حقیقی معنی یہی ہے کہ جب کوئی مرض تم کو حج یا عمرہ سے روک دے اور دشمن کا روکنا اس میں حکماً داخل ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۲۶۸ مطبوعہ مجلس اکیڈمی العلوم ۱۴۰۰ھ)

امام ابو حنیفہ کے موقف پر ائمہ لغت کی تصریحات

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ائمہ لغت میں سے ابن قتیبہ ابو عبیدہ اور کسانی نے یہ کہا ہے کہ سفر میں مرض کا لاحق ہونا احصار ہے اسی سلسلہ میں مشہور امام لغت فراء لکھتے ہیں:

جو شخص سفر میں خوف یا مرض کے لاحق ہونے کی وجہ سے حج یا عمرہ کو پورا نہ کر سکے اس کے لیے عرب احصار کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ (معانی القرآن ج ۱ ص ۱۱ مطبوعہ بیروت)

علامہ حماد جوہری لکھتے ہیں:

ابن اسکیت نے کہا: جب کسی شخص کو مرض سفر سے روک دے تو کہتے ہیں: "حصرہ المرض" نفش نے کہا: جب کسی شخص کو مرض روک دے تو کہتے ہیں: "احصرنی موصی"۔ (معانی ج ۲ ص ۲۳۲ مطبوعہ دار العلم بیروت ۱۴۰۴ھ)

امام ابو حنیفہ کے موقف پر احادیث سے استدلال

احادیث میں تصریح ہے کہ جب کوئی شخص مرض لاحق ہونے کی وجہ سے حج یا عمرہ کا سفر جاری نہ رکھ سکے تو اگلے سال اس کی قضاء کرے۔ امام ابو داؤد اور روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عمرو انصاری کہتے ہیں کہ جس شخص کی ہڈی ٹوٹ گئی یا ٹانگ ٹوٹ گئی تو وہ حلال ہو گیا اور اس پر اگلے سال حج ہے ایک اور سند سے روایت ہے: "یادہ بیمار ہو گیا۔" (ابو داؤد ج ۱ ص ۲۵۷ مطبوعہ مطبعہ تبہائی پاکستان ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی امام ابن ماجہ اور امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔

امام بخاری لکھتے ہیں:

عطاء نے کہا: ہر وہ چیز جو حج کرنے سے روک دے وہ احصار ہے۔

(بخاری ج ۱ ص ۱۳۳ مطبوعہ دار محمد صالح الخلیفہ کراچی ۱۴۲۸ھ)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص کو کوئی عذر حج کرنے سے روک دے یا اس کے سوا اور کوئی چیز مانع ہو تو وہ حلال ہو جائے اور رجوع نہ کرے اور جس وقت وہ قصر ہو تو اگر اس کے پاس قربانی ہو اور وہ اس کو حرم میں بھیجنے کی

۱۔ امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۴۹ھ جامع ترمذی ص ۱۵۶ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۲۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ سنن ابن ماجہ ص ۱۳۲ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۳۔ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ المصنف ج ۱/۳ ص ۱۳۹-۱۳۸ مطبوعہ دار القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ

استیلاعت نہ رکھتا ہو تو وہیں ذبح کر دے اور اگر وہ اس کو حرم میں بھیجنے کی استیلاعت رکھتا ہو تو جب تک وہ قربانی حرم میں ذبح نہیں ہوگی وہ حلال نہیں ہوگا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳۳، ۳۳۴ مطبوعہ نور محمد اسٹیمپریٹری، راجہ ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث میں عذر کے لفظ سے استدلال ہے جو عام ہے اور دشمن کے منع کرنے اور بیمار پڑنے دونوں کو شامل ہے۔

امام ابو حنیفہ کے موقف پر آثار صحابہ سے استدلال

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جس شخص نے حج کا احرام باندھا پھر وہ بیمار ہو گیا یا کوئی اور رکاوٹ پیش آگئی تو وہ وہاں ٹھہرا رہے حتیٰ کہ ایام حج گزر جائیں پھر عمرہ کر کے لوٹ آئے اور اگلے سال حج کرے۔

(المصنف ج ۱/۲ ص ۱۳۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

سیمان بیان کرتے ہیں کہ معبد بن حراسہ محرومی مکہ کے راستہ میں بے ہوش ہو گئے ان کے بیٹے ان پر پانی ڈالنے لگے حضرت ابن عباس حضرت ابن عمر اور مردان بن الحکم سے ملاقات ہوئی انہوں نے کہا وہ علاج کرے اور جب تندرست ہو جائے تو حج کا احرام فسخ کر کے عمرہ کر لے اگلے سال حج کرے اور قربانی حرم میں بھیجے۔

(المصنف ج ۱/۲ ص ۱۴۰ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

عبدالرحمان بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ہم عمرہ کرنے گئے جب ہم ذات اسقف میں پہنچے تو ہمارے ایک ساتھی کو (سناپ یا) پکھو نے ڈس لیا ہم راستہ میں بیٹھ گئے تاکہ اس کا شرعی حکم معلوم کریں ناگاہ ایک قافلہ میں حضرت ابن مسعود آ پہنچے ہم نے بتایا کہ ہمارا ساتھی ڈسا گیا ہے حضرت ابن مسعود نے فرمایا: اس کی طرف سے ایک قربانی حرم میں بھیجو اور ایک دن مقرر کر دو جب وہ ہدی حرم میں ذبح کر دی جائے تو یہ حلال ہو جائے گا۔

(المصنف ج ۱/۲ ص ۱۴۱ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

امام ابو حنیفہ کے موقف پر اقوال تابعین سے استدلال

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں جس شخص کو حج یا عمرہ کے سفر میں کوئی رکاوٹ درپیش ہو خواہ مرض ہو یا دشمن وہ احصار ہے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۲۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

عطاء نے کہا ہر وہ چیز جو سفر سے رد کر دے وہ احصار ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۲۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)
قنادہ نے کہا جب کوئی شخص مرض یا دشمن کی وجہ سے سفر جاری نہ رکھ سکے تو وہ حرم میں ایک قربانی بھیج دے اور جب وہ قربانی ذبح ہو جائے گی تو وہ حلال ہو جائے گا۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۲۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)
ابراہیم نخعی نے کہا مرض ہو یا بڈی ٹوٹ جائے یا دشمن نہ جانے دے یہ سب احصار ہیں۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۲۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام ابو حنیفہ کے موقف کی ہمہ گیری اور معقولیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد آثار صحابہ اور اقوال تابعین ائمہ لغت کی تصریحات ان سب سے امام ابو حنیفہ کا مسلک ثابت ہے کہ احصار دشمن کے روکنے اور مرض کے خارج ہونے دونوں کو شامل ہے اور اس میں یسر اور سہولت ہے اسلام ہر مسئلہ کا حل پیش کرتا ہے ائمہ ثلاثہ کے موقف پر یہ اشکال ہوگا کہ جو شخص حج یا عمرہ کے سفر میں کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو جائے

جس کی وجہ سے وہ اپنا سفر جاری نہ رکھ سکے تو اس کے لیے اسلام میں کیا حل ہے؟ ہرچند کہ اب ہوائی جہاز کے ذریعہ بیشتر حجاج کرام حج اور عمرہ کا سفر کرتے ہیں لیکن پھر بھی بہت سے علاقوں سے لوگ سڑک کے ذریعہ سفر کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۶ ہجری میں اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ عمرہ کے لیے روانہ ہوئے تھے جب آپ مقام حدیبیہ پر پہنچے تو کفار نے آپ کو مکہ جانے سے روک دیا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر کے دو بیٹے سالم اور عبید اللہ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں حج نے حضرت ابن الزبیر پر مکہ میں حملہ کیا ہوا تھا ان دنوں میں حضرت ابن عمر نے حج کا ارادہ کیا ان کے بیٹوں نے منع کیا کہ اس سال آپ حج نہ کریں ہمیں خدشہ ہے کہ آپ کو بیت اللہ جانے سے روک دیا جائے گا حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان کفر حائل ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی کی اونٹنی کو خر کیا اور اپنا سر موٹا کیا اور میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اپنے اوپر عمرہ لازم کر لیا ہے میں ان شاء اللہ روانہ ہوں گا اگر کوئی رکاوٹ نہ ہوئی تو میں عمرہ کروں گا اور اگر کوئی رکاوٹ پیش آئی تو میں اس طرح کروں گا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا پھر انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا پھر کچھ دور چل کر کہا احصار میں عمرہ اور حج دونوں برابر ہیں میں عمرہ کے ساتھ حج کی نیت کرتا ہوں پھر یوم نحر کو قربانی کر کے وہ حلال ہو گئے۔ (صحیح بخاری ج ۳ ص ۲۳۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

ہرچند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو احصار پیش آیا تھا وہ دشمن کی وجہ سے تھا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض کی وجہ سے رکاوٹ کا بھی یہی حل بیان فرمایا ہے اس لیے دلائل شرعیہ کی قوت سے ہمہ گیری اور معقولیت کے اعتبار سے اسے ثلاثہ کے موقف کی بہ نسبت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک رائج ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سو اگر تم کو (حج یا عمرہ سے) روک دیا جائے تو جو قربانی تم کو آسانی سے حاصل ہو وہ بھیج دو اور جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اس وقت تک اپنے سروں کو نہ منڈواؤ۔ (البقرہ ۱۹۶)

محصر کے لیے قربانی کی جگہ کے تعین میں امام ابو حنیفہ کا مسلک

امام ابو حنیفہ کے نزدیک جو شخص راستہ میں مرض یا دشمن کی وجہ سے رک جائے وہ کسی اور شخص کے ہاتھ قربانی (اونٹ، گائے یا بکری) یا اس کی قیمت بھی دے اور ایک دن مقرر کر لے کہ فلاں دن اس قربانی کو حرم میں ذبح کیا جائے گا اور اس دن وہ اپنا احرام کھول دے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس وقت تک سر نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے اور قربانی کی جگہ حرم ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جس جگہ کسی شخص کو رک جانا پڑے وہیں قربانی کر کے احرام کھول دے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ میں رک جانا پڑا تھا اور آپ نے حدیبیہ میں ہی قربانی کی اور امام بخاری نے لکھا ہے کہ حدیبیہ حرم سے خارج ہے۔

(صحیح بخاری ج ۳ ص ۲۳۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

علامہ بدر الدین عینی اس دلیل کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کا بعض حصہ حرم سے خارج ہے اور بعض حصہ حرم میں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے جس حصہ میں رکے تھے وہ حرم میں تھا اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابن ابی شیبہ نے ابو عیسیٰ سے روایت کیا ہے کہ عطاء نے کہا ہے کہ حدیبیہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قیوم حرم میں تھا۔

(عمدة القاری ج ۱۰ ص ۱۳۹ مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية مصر ۱۳۳۸ھ)

علامہ ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس جگہ روک دیا گیا تھا آپ نے وہیں قربانی کی تھی وہ جگہ حدیبیہ کی ایک طرف تھی جس کا

عام الربی ہے اور یہ اسل تک میں ہے اور وہ حرم ہے زہری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ کو حرم میں نہ کر کیا تھا، واقعہ کی نے کہا: حد یہ کہ سے نوکیل کے فاصلہ پر طرف حرم میں ہے۔

(انحرالخطاب ج ۲ ص ۲۵۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حتیٰ کہ قربانی اپنے محل میں پہنچ جائے۔ (البقرہ: ۱۹۶)

محصر کے لیے قربانی کی جگہ کے تعین میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

محل کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد حرم ہے حضرت ابن مسعود، حسن بصری، عطاء، طاؤس، مجاہد ابن یسرین، ثوری اور امام ابو حلیفہ کا یہی مذہب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جس جگہ حرم کو رکاوٹ پیش آئی وہ اس جگہ قربانی کا جانور ذبح کر کے احرام کھول دے امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا یہی مذہب ہے۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۱۲۵ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ماوردی شافعی اور علامہ ابن العربی مالکی نے بھی یہی لکھا ہے۔

قوت دلائل کے اعتبار سے ابو حلیفہ کا مسلک رائج ہے اور یسر اور سہلت کے اعتبار سے ائمہ ثلاثہ کا مسلک رائج ہے کیونکہ بیمار یا دشمن میں گھرے ہوئے آدمی کے لیے اس وقت تک انتظار کرنا جب تک قربانی حرم میں ذبح ہو بہت مشکل اور دشوار ہوگا اس کے برعکس موضع احصار میں قربانی کر کے احرام کھول دینے میں اس کے لیے بہت آسانی ہے جب کہ اس طریقہ کو محصر کی آسانی ہی کے لیے شروع کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو وہ اس کے بدلہ میں روزے رکھے یا کچھ صدقہ دے یا قربانی کرے۔ (البقرہ: ۱۹۶)

ضرورت کی وجہ سے منیٰ میں پہنچنے سے پہلے سر منڈانے کی رخصت

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عبد اللہ بن مسفل بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے پاس مسجد کوفہ میں بیٹھا ہوا تھا، میں نے ان سے روزہ کے فدیہ کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا: مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جایا گیا درآں حلیہ میرے منہ پر جو میں ٹپک رہی تھیں آپ نے فرمایا: میں تم پر کیسی مصیبت رکھ رہا ہوں کیا تمہارے پاس (قربانی کے لیے) ایک بکری نہیں ہے؟ میں نے کہا: نہیں آپ نے فرمایا: تین دن کے روزے رکھو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھاؤ ہر مسکین کو نصف صاع (دو کلو گرام) طعام (گندم) دو اور اپنا سر منڈا دو یہ آیت خاص میرے متعلق نازل ہوئی ہے لیکن تمہارے لیے بھی عام ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۲ مطبوعہ نور محمد ص ۱۵۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

ملاحیون حنفی لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے جو شخص مریض ہو اور اس کو فوراً سر منڈانے کی حاجت ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو مثلاً کوئی زخم ہو یا جوئیں ہوں تو پھر اس کے لیے منیٰ پہنچے اور قربانی کرنے تک سر منڈانے کو موقوف کرنا ضروری نہیں

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب شافعی ماوردی بصری متوفی ۲۵۰ھ مالک و العیون ج ۱ ص ۱۵۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت

علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۱۳ھ احکام القرآن ج ۱ ص ۱۷۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۸ھ

ہے البتہ سرمنڈانے کے بعد اس پر فدیہ دینا واجب ہوگا قربانی کرنے تین دن کے روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔
قربانی کو حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے اور روزہ رکھنا یا مسکینوں کو کھانا کھلانا حرم میں ضروری نہیں ہے۔

(تفسیرات احمدیہ ص ۸۸ مطبوعہ مطبع کریم بیہمی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سو جب تم حالت امن میں ہو تو جو شخص حج کے ساتھ عمرہ سائے تو وہ ایک قربانی کرے جس کو وہ آسانی کے ساتھ کر سکے اور جو قربانی نہ کر سکے وہ تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات روزے جب تم لوٹ آؤ یہ کامل (س) (روزے) ہیں یہ (حج تمتع کا) حکم اس شخص کے لیے جس کے اہل و عیال مسجد حرام (مکہ مکرمہ) کے رہنے والے نہ ہوں۔

(البقرہ ۱۹۶)

حج تمتع کا بیان

اس آیت کی ایک تفسیر تو یہی ہے کہ اس آیت میں زمانہ امن میں حج تمتع کا بیان فرمایا ہے دوسری تفسیر یہ ہے کہ اے مسلمانو! اگر تم سفر حج میں روک دیئے جاؤ تو تم کو جو قربانی سہولت سے حاصل ہو وہ قربانی کر کے احرام کھول دو اور جب تم سے دشمن کا خوف جاتا رہے یا مرض دور ہو جائے اور تم حج کے ساتھ عمرہ سائے تو ایک قربانی کر جس کو آسانی کے ساتھ کرکو۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تمتع کیا اور قرآن (اس کے موافق) نازل ہو چکا تھا پھر ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کہا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس قول میں حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی طرف تفریض ہے جو تمتع کرنے سے تنزیہاً منع کرتے تھے اکابر علماء صحابہ نے ان کی مخالفت کی اور اس کا انکار کیا اور حق ان ہی کے ساتھ ہے۔

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حج تمتع کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے فرمایا: مہاجرین اور انصار اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور ہم نے حجۃ الوداع میں احرام باندھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن لوگوں نے قربانی کے جانوروں کے گلے میں ہار ڈال دیا ہے ان کے سوا باقی لوگ حج کے احرام میں عمرہ کی نیت کر لیں سو ہم نے بیت اللہ کا طواف کیا صفا اور مردہ میں سعی کی اور (احرام کھول کر) اپنی اپنی ازواج سے مقاربت کی اور سہلے ہوئے کپڑے پہن لیے اور جن لوگوں نے اپنی قربانی کے جانوروں میں قتادہ (ہار) ڈال دیا تھا وہ (عمرہ کرنے کے بعد بھی) بہ دستور اپنے احرام پر برقرار رہے کیونکہ جب تک ان کی قربانی اپنی جگہ پر ذبح نہ ہو جاتی وہ احرام نہیں کھول سکتے تھے پھر آپ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آٹھ ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھ لیں سو جب ہم عرفات اور مزدلفہ کے وقوف سے فارغ ہو گئے تو ہم نے بیت اللہ میں آ کر طواف (زیارت) کیا اور صفا اور مردہ میں سعی کی تو ہمارا حج مکمل ہو گیا اور ہم پر ایک قربانی لازم تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ" (البقرہ ۱۹۶) اور ایک بکری کی قربانی کافی ہے "سوان لوگوں نے ایک سال میں حج اور عمرہ کی دو عبادتیں جمع کر لیں اس حکم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے اور یہ اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اس تمتع کو مکہ والوں کے سوا باقی تمام مسلمانوں کے لیے مشروع فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ذَلِكَ لِمَنِ لَعْنُ أَهْلُهُ حَاضِرِي" کیونکہ قربانی کے گلے میں ہار ڈالنے سے حج کی نیت ہوگی اور انہوں نے ہار نہیں ڈالا تھا اس کی نیت میں ہوئی تھی ان کو آپ نے عمرہ کرنے کی نیت کا حکم دیا۔

المسجد الحرام (۱۹۶) اور حج کے جن مہینوں کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے وہ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ہیں جو شخص ان مہینوں میں تمتع کرے اس پر قربانی لازم ہے یا روزے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳-۴۴ مطبوعہ نور محمد صالح الطائی کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حج کیا وہ حج قرآن تھا اور یہی سب سے افضل حج ہے۔

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ

حج کے مہینے معروف ہیں پس جو شخص ان مہینوں میں (حج کی نیت کر کے) حج کو لازم کر لے تو حج میں نہ

وَلَا سُوقٌ وَلَا جِدَالٌ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ

عورتوں سے جماع کی باتیں ہوں نہ گناہ اور نہ جھگڑا اور تم جو نیکی کرتے ہو اس کا اللہ

اللَّهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ (۱۹۷)

کو علم ہے اور سفر خرچ تیار کرو اور بہترین سفر خرچ تقویٰ (سوال سے رکن) ہے اور اے عقل والو! مجھ ہی سے ڈرتے رہو O

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فَإِذَا

(حج کے دوران) اپنے رب کا فضل (روزی) تلاش کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے اور جب تم

أَفْضَيْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ

عرفات سے (مزدلفہ میں) واپس آؤ تو مشعر حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو

وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الصَّالِينَ (۱۹۸)

اور جس طرح اس نے تم کو ہدایت دی ہے اس طرح اس کا ذکر کرو اور بے شک اس سے پہلے تم ضرور گمراہوں میں سے تھے O

ثُمَّ أَفِضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ط

پھر تم وہیں سے واپس آؤ جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں اور اللہ سے بخشش طلب کرو

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۱۹۹)

بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے O

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ کو پورا کرنے کا حکم دیا تھا اور عمرہ کا کوئی وقت معین نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ حج کا وقت معین ہے اور اس کے مہینے معروف اور مشہور ہیں۔

مَنْ لَمْ يَفْعَلْ

حج کے مہینوں کے متعلق فقہاء امت کے نظریات

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عطاء طاؤس مجاہد زہری ربیع اور امام مالک کے نزدیک شوال ذوالقعدہ اور ذوالحجہ پورے کے پورے حج کے مہینے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما ابن سیرین حسن شعبی نخعی قتادہ مکحول سدی امام ابو حنیفہ اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ شوال ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن حج کے مہینے ہیں۔

(المحرر المکیہ ج ۲ ص ۲۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی نظریہ ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۰۹ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو شخص ان مہینوں میں (حج کی نیت کر کے) حج کو لازم کر لے۔ (البقرہ ۱۹۷)

فرضیت حج کے سبب میں ائمہ مذاہب کے اقوال

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا حج کا احرام باندھ کر تلبیہ پڑھنے سے حج فرض ہو جاتا ہے عطاء طاؤس اور صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے کہا حج کی نیت سے تلبیہ پڑھنے سے حج فرض ہو جاتا ہے امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک حج کی نیت کے ساتھ احرام باندھ کر تلبیہ پڑھنے یا حج کی نیت سے احرام باندھ کر قربانی کے گلے میں قلاوہ (ہار) ڈال کر اس کو روانہ کرنے سے حج فرض ہو جاتا ہے یا حج کی نیت سے احرام باندھ کر اشعار کرنے سے حج فرض ہو جاتا ہے امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک تلبیہ کے بغیر بھی حج کی نیت کے ساتھ احرام باندھنے سے حج فرض ہو جاتا ہے۔

(المحرر المکیہ ج ۲ ص ۲۷۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

امام احمد بن حنبل نے یہ تصریح کی ہے کہ حج کی نیت سے صرف احرام باندھنے سے حج فرض ہو جاتا ہے خواہ تلبیہ نہ پڑھا جائے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۱۰ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے نہ عورتوں سے جماع کی باتیں ہوں نہ گناہ اور نہ جھگڑا۔ (البقرہ ۱۹۷)

ایام حج میں نجس باتیں گناہ اور جھگڑا کرنے کی ممانعت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ابن جبیر قتادہ حسن عکرمہ مجاہد زہری اور سدی نے بیان کیا کہ رفت سے مراد یہاں جماع ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور طاؤس وغیرہم نے کہا اس سے مراد عورتوں سے نجس کلام کرنا ہے۔ فسق سے مراد ہر قسم کے گناہ ہیں اور جدال سے مراد بحث مباحثہ میں غضب ناک ہونا ہے یہ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عطاء اور مجاہد کی رائے ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا اس سے مراد گالی دینا ہے۔ ابن زید اور امام مالک نے کہا اس سے مراد اس بات میں اختلاف کرنا ہے کہ کون اپنے باپ دادا کے موقف میں کھڑا ہے کیونکہ عرب کسی اور کے موقف میں وقوف کرتے پھر اس میں اختلاف اور بحث کرتے قاسم نے کہا یا اس میں اختلاف کریں کہ حج آج ہے یا کل۔

(المحرر المکیہ ج ۲ ص ۲۸۱-۲۸۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

نجس باتیں فسق اور جھگڑا کرنا ہر وقت اور ہر جگہ ممنوع ہے لیکن یہ ممانعت اس وقت شدید ہے جب انسان بیت اللہ کی زیارت اور اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے دور دراز سے چل کر یہاں آئے ویسے تو تمام سفر حج میں انسان ان برائیوں میں مجتنب رہے لیکن حج کا احرام باندھنے سے لے کر مناسک حج مکمل ہونے تک جو شخص ان برے کاموں سے بچا رہے اس کا حج حج مبرور ہے۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اس بیت اللہ کا حج کیا اور نفس باتیں نہیں کہیں اور فسق نہیں کیا وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح پاک ہو کر نکلا گا جس دن اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۱۶۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

ایام حج یا غیر ایام حج میں تم جو کام بھی کرتے ہو خواہ نیک ہو یا بد ان سب کا اللہ تعالیٰ کو قسم ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور سفر خرچ تیار کرو اور بہترین سفر خرچ تقویٰ (سوال سے رکنا) ہے وراے عقل والو! مجھ ہی سے ڈرتے رہو ○ (البقرہ ۱۹۷)

حج کے لیے سفر خرچ تیار کرنے حکم

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہل یمن حج کرتے تھے اور سفر خرچ تیار نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو کل کرنے والے ہیں جب وہ مکہ پہنچتے تو مانگنا شروع کر دیتے تب یہ آیت نازل ہوئی کہ سفر خرچ تیار کرو کیونکہ بہترین سفر خرچ سوال نہ کرنا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۳ ص ۲۰۶ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ (من ابو داؤد ج ۳ ص ۲۳۲ مطبوعہ مطبعہ نعیمی پکستان لاہور ۱۴۰۵ھ) اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ دنیا سے آخرت کی طرف جو سفر ہے اس کے لیے سفر خرچ تیار کرو اور نیک اعمال کرو کیونکہ بہترین سفر خرچ تقویٰ اور خوف خدا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں معنی مراد ہوں راستہ میں اور قیام حرمین کے دوران کھانے پینے اور سواری کا انتظام کر کے چلو اور اعمال صالحہ کا زور راہ تیار کرو اور عقل سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اللہ ہی سے ڈرو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (حج کے دوران) اپنے رب کا فضل (روزی) تلاش کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔ (البقرہ ۱۹۸)

حج کے دوران روزی کمانے کا جواز

جب اللہ تعالیٰ نے ایام حج میں جدال (بحث اور تکرار) کرنے سے منع کیا تو یہ وہم پیدا ہوا کہ شاید ایام حج میں تجارت بھی ممنوع ہو کیونکہ اس میں قیمت پر بحث ہوتی ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عکاظ نجد اور ذوالحجاز زمانہ جاہلیت کے باز رہے جب اسلام آیا تو مسلمانوں نے ان بازاروں میں تجارت کرنے کو گماہ سمجھا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ (زمانہ حج میں) اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (صحیح بخاری ج ۳ ص ۲۷۵ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ (من ابو داؤد ج ۳ ص ۲۳۲ مطبوعہ مطبعہ نعیمی پکستان لاہور ۱۴۰۵ھ) اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ایام حج میں تجارت کرنا محنت مزدوری اور ہر جائز طریقہ سے کسب معاش کرنا جائز ہے اور اس سے حج کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ حافظ سیوطی لکھتے ہیں۔

امام عبدالرزاق امام سعید بن منصور امام ابن ابی شیبہ امام عبد بن حمید امام ابو داؤد امام ابن جریر امام ابن المنذر امام ابن ابی حاتم امام حاکم اور امام بیہقی روایت کرتے ہیں ابو امامہ شیبہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا ہم ادب

سے اپنے آپ کو منفرد سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم بھی عرفات میں وقوف کر کے پھر مزدلفہ میں آؤ جہاں سے اور لوگ آتے ہیں۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ قریش اور ان کے دین پر چلنے والے جس تھے وہ مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے وہ کہتے تھے ہم خدام حرم ہیں اور باقی لوگ عرفات میں وقوف کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۶۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اور زمانہ جاہلیت میں غم نے جو مناسک حج میں ترمیم کر دی تھی اس پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کر دے شہک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں سب برابر ہیں اور رنگ و نسل اور علاقہ و زبان کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں ہے اور کسی شخص کا رنگ و نسل اور علاقہ اور زبان کی وجہ سے اپنے آپ کو دوسروں سے برتر اور اعلیٰ سمجھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے امام احمد نے ابونضرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام تشریق میں فرمایا سنو! تم سب کا رب ایک ہے کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہے مگر تقویٰ سے اور جب نسل برتری کے گھمنڈ پر عبادت میں احساس برتری جاز نہیں ہے تو دنیاوی معاملات میں کب جاز ہوگا سو بعض سادات کرام کا نسل برتری کی بنا پر اپنے غیر کفو میں رشتہ دینے کو حرام کہنا جاز نہیں ہے "شرح صحیح مسلم" جلد سادس میں ہم نے اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اس تفسیر میں بھی ان شاء اللہ النساء ۳ میں اس مسئلہ کو وضاحت سے بیان کریں گے۔

فَإِذَا قُضِيَتْ مَنَاسِكُكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ

پھر جب تم حج کی عبادات مکمل کر چکو تو اس طرح اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس

أَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا

سے بھی زیادہ کر دے اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے اور

لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَمِنْهُمْ مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي

ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے ۚ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں

الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ أُولَٰئِكَ

اچھائی عطا فرما اور آخرت میں (بھی) اچھائی عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا ۚ یہ وہ لوگ ہیں

۱ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۸ مطبوعہ مکتبۃ اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۖ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَادْكُرُوا

جن کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے O اور گنے پنے

اللَّهُ فِي آيَاتِهِمْ مَّعْدُودَاتٍ ۖ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ

دنوں میں اللہ کو یاد کرو سو جس نے دو دنوں میں (روانہ ہونے کی) جلدی کی تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے

عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ

اور جس نے تاخیر کی اس پر (بھی) کوئی حرج نہیں ہے یہ (حکم) اس کے لیے ہے جو اللہ سے ڈرے اور اللہ سے ڈرتے رہو

وَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۰۳﴾

اور جان لو کہ بے شک تم سب اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے O

زمانہ جاہلیت میں لوگ حج کی عبادات سے فارغ ہونے کے بعد اپنے آباء و اجداد کی بڑائی بیان کرتے تھے اور ان کے کارناموں کا ذکر کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد تم اپنے آباء و اجداد کی بڑائی بیان کرنے کے بجائے اللہ کی کبریائی اور اس کی عظمتوں کا ذکر کرو اور جتنا اپنے آباء و اجداد کا ذکر کرتے تھے اس سے زیادہ اللہ کا ذکر کرو۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ حج میں اپنے آباء کا ذکر کرتے تھے بعض کہتے کہ میرا باپ لوگوں کو کھانا کھلاتا تھا بعض کہتے کہ میرا باپ تلوار کا دھنی تھا بعض کہتے کہ میرے باپ نے فلاں فلاں کی گردنیں اڑا دیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے اور ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے O (البقرہ: ۲۰۰)

دوزخ سے پناہ اور جنت کی طلب کی دعا کرنا انبیاء کرام اور صحابہ کا طریقہ ہے

اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے اے مسلمانو! حج کی عبادات سے فارغ ہو کر زیادہ سے زیادہ اللہ کا ذکر کرو اور اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی خیر مانگنے میں رغبت کرو اور اللہ تعالیٰ سے بہت عاجزی اور گڑگڑا کر دعا کرو خالص اللہ عزوجل کی رضا جوئی کے لیے عبادت کرو اور یہ دعا کرو کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں خیر عطا فرما اور آخرت میں خیر عطا فرما اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے آخرت کے بدلہ میں دنیا کی زندگی کو خرید لیا اور وہ صرف دنیا اور اس کی زینت کے لیے عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بھی صرف متاع دنیا کا سوال کرتے ہیں ان کے لیے اجر و ثواب میں سے کوئی حصہ نہیں ہے۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

ابو بکر بن عیاش بیان کرتے ہیں کہ حج سے فارغ ہو کر لوگ یہ دعا کرتے تھے اے اللہ! ہمیں اونٹ دے ہمیں بکریاں

دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ بیت اللہ کا رہنہ طواف کرتے اور بہ دعا کرتے۔ اے اللہ! ہم پر بارش نازل کر اے اللہ! ہمیں ہمارے دشمنوں پر فتح عطا کر۔
بجہد بیان کرتے ہیں کہ وہ دنیا میں مدد اور رزق مانگتے تھے اور آخرت کے متعلق کوئی سوال نہیں کرتے تھے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۷۴، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

دنیا کی بھلائی سے مراد ہے عافیت نیک بوی، علم عبادت، پاکیزہ مال، یک اولاد، صحت، دشمنوں پر فتح، ایک لوگوں کی رفاقت، اسلام پر ثابت قدمی اور ایمان پر خاتمہ اور آخرت کی بھلائی سے مراد بخت بُرے حساب اور عیش کے خوف سے سلاستی، حور عین اور دیدار الہی کی لذت ہے۔

ان آیات میں یہ تصریح ہے کہ حج کی عبادات سے فارغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے دنیا کی خیر کے لیے اور آخرت کی خیر کے لیے اور اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرنا چاہیے اور دوزخ سے پناہ طلب کرنی چاہیے ہمارے زمانہ کے جاہل صوفیوں میں یہ مشہور ہے کہ عبادت بے غرض کرنی چاہیے جنت کی طلب اور دوزخ سے پناہ کی دعا نہیں کرنی چاہیے وہ کہتے ہیں کہ رابعہ بصریہ ایک ہاتھ میں پانی اور ایک ہاتھ میں آگ لیے جا رہی تھیں کسی نے پوچھا اے رابعہ! یہ کیا ہے؟ کہا: لوگ جنت کی طلب اور دوزخ کے ڈر سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں میں چاہتی ہوں کہ جنت کو آگ لگا دوں اور دوزخ کی آگ بجھا دوں تاکہ جنت کا شوق رہے نہ دوزخ کا خوف اور سب بغیر کسی غرض اور عوض کے اللہ کی عبادت کریں۔
علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

بعض جعلی صوفیوں سے منقول ہے کہ ہم اللہ کی عبادت محض اس کی ذات کی وجہ سے کرتے ہیں اور ہم اس سے کسی قسم کی غرض یا کسی عوض کی طلب نہیں رکھتے ان کا یہ قول بہت بڑا جہل ہے اور قریب بہ کفر ہے جیسا کہ امام غزالی نے فرمایا بغیر غرض کے کوئی کام کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے کاموں کا خاصہ ہے جب کہ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال بھی کسی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں تو بندہ کے افعال بغیر کسی حکمت اور غرض کے کیسے ہو سکتے ہیں ہاں بعض اوقات انسان کی توجہ محض اللہ کی رضا کی طرف ہوتی ہے اور وہ جنت کے شوق اور دوزخ کے خوف سے قطع نظر کر کے محض اس کی رضا کے لیے عبادت کرتا ہے لیکن یہ بہت اونچا مقام ہے اور سوائے اس کے مخلصین کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۹۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرماتا ہے:

وَمَسْكِنٍ كَاتِبَةٍ فِي جَدِّتِ عَذَّتْ دِرْضَوَانِ مِنَ اللَّهِ
اَكْبَرُ (احزاب ۷۲)

اور دائمی رہائش کی جنتیں ہیں اور اللہ کی رضا (ان) سب سے زیادہ بڑی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ
(البقرہ: ۲۰۷)

اور بعض (بلند ہمت) لوگ وہ ہیں جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان کا سودا کر لیتے ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مخلصین اور بلند ہمت لوگ جنت کی طلب اور دوزخ سے پناہ کی دعا نہیں کرتے۔ انبیاء کرام اور صحابہ عظام سے زیادہ مخلص اور بلند ہمت اور کون ہوگا انہوں نے جنت کے حصول کی دعا کی ہے اور دوزخ سے پناہ طلب کی ہے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا مذکور ہے۔

وَاجْعَلْنِي مِنْ دَرَجَاتِكَ جَنَّاتِ النَّعِيمِ (الشعراء ۸۵)

اور مجھ کو نعمت والی جنت کے درجوں میں شامل کر دے

خلاف سنت ہے اور چونکہ شریعت میں اس کا حکم ہے اس لیے ان شرائط کے بعد ان کا پڑھنا واجب ہوگا امام ابو یوسف نے کہا: اگر امام تکبیر بھول جائے پھر بھی مقتدی پر تکبیر پڑھنا واجب ہے۔ (حدیث ابن مسعود ص ۷۵، مکتبہ شریعتیہ، لبنان)

ذکر بالجہر میں امام ابو حنیفہ کا موقف

صحیح بخاری صحیح مسلم اور بہ کثرت احادیث صحیحہ میں فرض نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر بالجہر کرنے کی تصریح ہے اس لیے امام اعظم ابو حنیفہ سے یہ منظور نہیں ہے کہ وہ تکبیرات تشریق کو بدعت یا خلاف سنت قرار دیں گے اور علامہ مرغینانی صاحب "ہدایہ" نے کہا ہے کہ امام اعظم نے تکبیرات تشریق میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ ان کے قول میں تکبیرات کا عدد کم ہے اور چونکہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے اس لیے انہوں نے حضرت ابن مسعود کے قول کو اختیار کیا صاحب "ہدایہ" کا یہ استدلال ان کے وہم پر مبنی ہے اور صحیح نہیں ہے صحیح وجہ یہ ہے کہ اختلافات صحابہ میں عام طور پر امام اعظم حضرت ابن مسعود کے قول کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس کی بہ نسبت حضرت ابن مسعود زیادہ فقیہ تھے اس لیے تکبیرات تشریق میں حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس کی روایات کے مقابلہ میں امام اعظم نے حضرت ابن مسعود کی روایت کو اختیار فرمایا۔

علامہ ابن بزاز کردری حنفی لکھتے ہیں:

بہر حال بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے جیسے اذان اور خطبہ میں ہے اور تکبیرات تشریق میں امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ بلند آواز سے تکبیر پڑھنا بدعت ہے کیونکہ اختلاف اس بات میں ہے کہ اصل نماز پر تکبیرات کی زیادتی کتنی نمازوں میں سنت ہے مثلاً اس میں اختلاف ہے کہ ظہر کی چار سنتوں کو ایک سلام کے ساتھ پڑھنا اونٹنی ہے یا دو سلاموں کے ساتھ اور یہ اختلاف اس پر دلالت نہیں کرتا کہ اگر ظہر کی سنتوں کو دو سلاموں کے ساتھ پڑھا جائے تو وہ بدعت یا حرام ہوں گی۔ (فتاویٰ بزاز علی حاشیہ البند یہ ج ۶ ص ۳۷۹ مطبوعہ مطبع کبریٰ امیرینہ و اوقاف مصر)

علامہ علاؤ الدین حصکلی حنفی لکھتے ہیں:

امام اعظم اور امام ابو یوسف اور امام محمد میں جو تکبیرات کے عدد کا اختلاف ہے اس میں تمام زمانوں اور تمام شہروں میں امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر عمل کیا گیا ہے اسی قول پر اعتماد ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔

(رد المحتار علی حاشیہ رد المحتار ج ۱ ص ۵۶۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب امام اعظم اور صاحبین میں اختلاف ہو تو قوت دلیل کا اعتبار ہوتا ہے اور یہی وجہ صحیح ہے جیسا کہ "الحاوی القدسی" میں مذکور ہے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحبین کا قول بھی درحقیقت امام اعظم کا قول ہوتا ہے علامہ ابن ہمام نے "فتح القدیر" میں اس مسئلہ میں امام اعظم کے قول کو ترجیح دی ہے صحیح نہیں ہے۔ (البحر الرائق)

(رد المحتار ج ۱ ص ۵۶۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

"مجتہبی" میں مذکور ہے کہ امام ابو حنیفہ سے کہا گیا کہ اہل کوفہ وغیرہا کو چاہیے کہ ان دس دنوں میں بازاروں اور مسجدوں میں تکبیرات پڑھیں امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہاں اور فقیہ ابو الیث نے ذکر کیا ہے کہ ابراہیم بن یوسف ان جگہوں میں تکبیرات پڑھنے کا حکم دیتے تھے اور فقیہ ابو جعفر نے کہا: میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ عام لوگوں کو تکبیرات پڑھنے سے منع نہیں کرنا چاہیے

کیونکہ عوام کی خیر میں رغبت کم ہوتی ہے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔ اس عبارت کا مضاف یہ ہے کہ تکبیرات بڑھانے والی ہے۔
(رد المحتار ج ۱ ص ۵۶۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ آوسی حنفی لکھتے ہیں:

عید الفطر کی تکبیرات بھی عید الاضحیٰ کی تکبیرات کی طرح ہیں، یہی امام ابو یوسف اور امام محمد کا مسلک ہے اور امام اعظم سے بھی ایک روایت یہی ہے بلکہ ”مسند امام اعظم“ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ذکر پانچہر کو مطلقاً مستحب قرار دیتے ہیں
(روح المعانی ج ۱ ص ۱۶۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سو جس نے دونوں میں (روانہ ہونے کی) جلدی کی تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے اور جس نے تاخیر کی اس پر (بھی) کوئی حرج نہیں ہے۔ (البقرہ ۲۰۳)

قیام منیٰ کی مدت کا بیان

ملاحیون حنفی لکھتے ہیں:

جو شخص ایامہ منیٰ میں سے صرف دس اور گیارہ تاریخ کو منیٰ میں فقہ دونوں نے دن تیسرا اور اس نے دو دن رمی کی اور تیسرے دن رمی نہیں کی اس پر کوئی حرج نہیں ہے اور جس نے تاخیر کی اور تیسرے دن بھی رمی کی اس پر بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ صاحب ”ہدایہ“ نے یہ ذکر کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ جائز ہے کہ وہ طلوع فجر سے پہلے چوتھے دن بغیر رمی کے مکہ روانہ ہو جائے اور اگر چوتھے دن کی فجر منیٰ میں طلوع ہو گئی تو وہ رمی کے بغیر مکہ روانہ نہیں ہو سکتا اور انھوں نے یہ ہے کہ وہ چوتھے دن بھی منیٰ میں ٹھہرے اور چوتھے دن کی رمی کر کے مکہ مکرمہ روانہ ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا تھا اور اگر اس نے چوتھے دن زوال سے پہلے رمی کر لی تو یہ بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ جب وہ رمی کو ترک کر سکتا ہے تو اس کو وقت سے پہلے بھی کر سکتا ہے۔ یہ قرآن کریم میں مسائل حج کا آخری عنوان ہے۔

(تفسیرات احمدیہ ص ۹۹-۹۸ مطبوعہ مطبعہ کریما بہشتی)

البقرہ: ۱۹۶ سے لے کر البقرہ: ۲۰۳ تک اللہ تعالیٰ نے مسائل حج سے متعلق آیات نازل کیں اور ان آیات کی تفسیر لکھنے کا حسین اتفاق ایام حج عشرہ ذوالحجہ میں پیش آیا اور تکبیرات کی تفسیر میں نے ایام تشریق میں لکھی ورنہ ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ کو ان آیات کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ والحمد للہ رب العالمین والصلوة والسلام علی حاتم السبیلین وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین۔ اللہ العظیم انھیں باقی قرآن مجید کی تفسیر بھی مکمل کرنے کی توفیق اور سعادت عطا فرما اور اس کو اپنی ہر گاہ میں قبول فرما اس کو تاقیام قیامت باقی فیض آفریں اور اشاعت پذیر رکھ آمین یا رب العلمین بجاہ حبیبک مہدی المرسلین۔

حجاج کرام کے اجر و ثواب اور ان سے مصافحہ کرنے کے متعلق احادیث و آثار

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ شعی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے یہ مناسک حج اس لیے بنائے ہیں تاکہ بنو آدم کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں۔ امام بیہقی نے ”شعب الایمان“ میں روایت کیا ہے کہ حسن بھری سے پوچھا گیا کہ اوگ کہتے ہیں کہ حج کرنے والا بخش دیا جاتا ہے انہوں نے کہا: یہ شرطیکہ وہ ان گناہوں کو ترک کر دے جن کو پہلے کرتا تھا۔

امام اسماعیلی نے ”ترغیب“ میں روایت کیا ہے کہ ابراہیم نے کہا کہ حج کے گناہوں میں آلودہ ہونے سے پہلے مصافحہ کر

لو۔

امام اہل جہانی نے روایت کیا ہے کہ حسن بھری سے پوچھا گیا کہ حج مبرور کی کیا تعریف ہے؟ انہوں نے آپ ﷺ کے بعد دنیا سے مستغنی ہو اور آخرت میں راغب ہو۔

امام حاکم نے تصحیح حدیث کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب غم حج پورا کر لو تو جگہ گھر کی طرف روانہ ہو اس سے زیادہ اجر ملے گا

امام مالک امام بخاری امام مسلم امام ابو داؤد امام نسائی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج یا عمرہ سے لوٹنے کے بعد کسی بلند جگہ کھڑے ہو کر تین مرتبہ تکبیر پڑھتے پھر یہ دعا کرتے "لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ وهو علی کل شیء قدیر انبؤ تائبون عابدون ساجدون لربہا حامدون صدق اللہ وعدہ ولنصر عبدہ وھرم الاحزاب وحده"۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۷ مطبوعہ مکتبۃ آیت اللہ العظمیٰ ابراہیم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرنے اور شفاعت طلب کرنے کے متعلق احادیث اور آثار حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن حبان نے "المضعاء" میں امام ابن عدی نے "کامل" میں اور امام دارقطنی نے "اعلال" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حج کیا اور میری زیارت نہیں کی اس نے مجھ سے بے وفائی کی۔

امام سعید بن منصور امام ابو یعلیٰ امام طبرانی امام ابن عدی امام بیہقی اور امام ابن عساکر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو یا اس نے میری حیات میں میری زیارت کی۔ (سنن کبریٰ ج ۵ ص ۳۶۶ اکتم الکبیر ج ۱۲ ص ۳۱۰ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲)

امام حکیم ترمذی امام بزار امام ابن خزیمہ امام ابن عدی امام دارقطنی اور امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔ (کامل ابن عدی ج ۶ ص ۱۳۵ شعب الایمان ج ۳ ص ۲۹۰ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۵۸۳)

امام طبرانی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بغیر کسی اور کام کے صرف میری زیارت کے لیے آیا مجھ پر واجب ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔

(اکتم الکبیر ج ۱۲ ص ۳۱۵)

امام طحاوی اور امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی میں اس کی شفاعت کروں گا یا شہادت دوں گا اور جو شخص حرمین میں سے کسی ایک حرم میں فوت ہو گیا وہ قیامت کے دن امن والوں میں سے اٹھے گا۔ (سنن کبریٰ ج ۵ ص ۳۳۵ شعب الایمان ج ۳ ص ۲۹۶)

امام بیہقی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آ کر سلام عرض کرتے اور قبر کو چھوتے نہیں تھے پھر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قبر پر سلام عرض کرتے۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں کہ محمد بن منکدر نے کہا کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس روتے ہوئے دیکھا انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری قبر اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۶۶ نس کبریٰ ص ۵۶۶ سنن ابی امامہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے دیکھا حضرت انس بن

مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آ کر کھڑے ہوئے اور بڑی دیر تک ہاتھ بلند کیے رہے حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ وہ نماز کی نیت کر رہے ہیں پھر سلام عرض کیا اور چلے گئے۔ (شمب الایمان ج ۳ ص ۴۹۱)

امام بیہقی 'حاتم بن مردان سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز کسی قاصد کو مدینہ میں بھیجتے تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرے۔ (شمب الایمان ج ۳ ص ۴۹۲-۴۹۱)

امام بیہقی 'ابو حرب ہلالی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے حج کیا حبشہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے دروازہ پر آیا تو اس نے اپنی اونٹنی کو وہاں باندھ دیا پھر مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں میں آپ کے پاس اپنے گناہوں اور خطاؤں کے بوجھ تلے دبا ہوا آیا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے "وَلَوْ أَنَّمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمُ الْاِيَهُ" (النساء ۶۴) "اگر یہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کے پاس آ کر اللہ سے استغفار کریں اور رسول بھی ان کی شفاعت کر دیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشے گا" اور میں گناہوں سے بوجھل ہو کر آپ کے پاس آیا ہوں آپ اپنے رب کے حضور میری شفاعت کریں کہ وہ میرے گناہوں کو بخش دے اور آپ کی شفاعت کو قبول فرمائے۔

(شمب الایمان ج ۳ ص ۴۹۶-۴۹۵) (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۸-۲۳۷ ملاحظہ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ

اور لوگوں میں سے ایک شخص ایسا ہے جس کی بات آپ کو دنیا کی زندگی میں اچھی لگتی ہے اور

اللَّهُ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ لَا هُوَ الَّذِي خَصَّامٌ ۚ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي

وہ اپنے دل کے خلوص پر اللہ کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ سب سے زیادہ جھگڑا لے O اور جب وہ پیٹھ موز کر جاتا ہے تو

الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثُ وَالنَّسْلُ ۗ وَاللَّهُ لَا

اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ زمین میں فساد برپا کرے اور کھیتوں کو (برباد) اور جانوروں کو ہلاک کرے اور اللہ

يُحِبُّ الْفُسَادَ ۚ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ

فساد کو پسند نہیں فرماتا O اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو وہ ضد میں آ کر (اور) گناہ کرتا ہے سو

فَحَسْبُ جَهَنَّمَ وَلَيْسَ الْبِهَادُ ۚ

اس کے لیے جہنم کافی ہے اور ضرور وہ بہت بڑا ٹھکانہ ہے O

دنیا اور آخرت کو برباد کرنے والا

آیات حج میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کا بیان فرمایا تھا جو صرف دنیا میں رغبت کرتا ہے اور صرف دنیا کے حصوں کی دعا نہیں کرتا ہے اور اس شخص کا ذکر فرمایا تھا جو دنیا اور آخرت میں رغبت کرتا ہے اور دونوں کے لیے دعا کرتا ہے عقلی طور پر یہاں دو قسمیں اور بھی ہیں ایک وہ شخص جس کی رغبت دنیا میں ہو نہ آخرت میں ان آیات میں اس شخص کا ذکر ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس کی رغبت صرف آخرت میں ہو اور وہ آخرت کی خاطر دنیا کو چھوڑ دے ان آیات کے بعد آیت ۲۰۷ میں اسی شخص کا ذکر آ رہا ہے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس منافق کا ذکر فرمایا جو دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کرتا ہے۔

یہ آیت انھیں بن شریق کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور کہا میں اسلام لانے کا ارادہ کرتا ہوں اور قسم کھاتی کہ وہ صرف اسی لیے آیا ہے پھر جب آپ کے پاس سے اٹھا تو باہر جا کر مسلمانوں کے اموال کو تباہ کر دیا امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سہی بیان کرتے ہیں کہ انھیں بن شریق ثقفی بنو زہرہ کا حلیف تھا وہ مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور اسلام کا اظہار کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی باتیں اچھی لگیں اس نے کہا میں اسلام قبول کرنے کے ارادہ سے آیا ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اپنی بات میں سچا ہوں پھر جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھا تو مسلمانوں کے کھیتوں اور گدھوں کے پاس سے گزرا اس نے مسلمانوں کے کھیتوں میں آگ لگا دی اور ان کے گدھوں کی کونچیں کاٹ دیں تب اس کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ (جامع الیام ج ۲ ص ۱۸۲، ۱۸۱ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

”اللَّهُ الْخَصَامُ“ (سخت جھگڑالو) کا بیان

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں

مجہد نے کہا: جو شخص کج بحث بہت دھرم اور ظالم ہو وہ ”اللہ الخصام“ ہے۔

امام احمد امام بخاری امام مسلم امام ترمذی امام نسائی اور امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے مبغوض شخص ”اللہ الخصام“ (بہت جھگڑا کرنے والا) ہے۔

امام ترمذی اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے گناہ گار ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ جھگڑتے رہو۔

امام بیہقی نے عبد اللہ بن عمر بن الخطاب سے روایت کیا ہے کہ متقی کبھی جھگڑا نہیں کرتا۔

امام بیہقی نے ابن عمر بن الخطاب سے روایت کیا ہے کہ جب دو شخص جھگڑا کرتے ہیں تو جو زیادہ برا ہوتا ہے وہ غالب آ

جاتا ہے۔

امام احمد حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ تمہارے گناہ کے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ لڑتے رہو اور تمہارے ظلم کے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ جھگڑتے رہو اور تمہارے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ باتیں کرتے رہو

ماسوا اس گفتگو کے جو اللہ کے متعلق کی جائے نیز امام احمد حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جو بہت باتیں کرتا ہے وہ بہت جھوٹ بولتا ہے اور جو بہت قسمیں کھاتا ہے وہ بہت گناہ کرتا ہے اور جو بہت جھگڑا کرتا ہے اس کا دین سلامت نہیں رہتا اس کے بعد فرمایا:

اور جب اس منافق سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ ڈالو اور اللہ کی نافرمانی نہ کرو تو وہ ضد و رنگبر میں آ کر اور برہ چڑھ کر فساد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ

اور لوگوں میں سے ایک شخص ایسا ہے جو اللہ کی رضا جوئی کے بدلہ اپنی جان کو فروخت کر دیتا ہے اور اللہ

رءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ

بندوں پر بہت مہربان ہے ﴿۲۰۷﴾ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ

كَافَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۲۰۸﴾

اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو؛ شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ﴿۲۰۸﴾

فَإِنْ زِلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

پھر اگر روشن دلیلیں آنے کے بعد بھی تم پھسلنے لگو؛ تو یقین رکھو کہ اللہ بہت غالب

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ

بڑی حکمت والا ہے ﴿۲۰۹﴾ وہ صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ (کا عذاب) بادلوں کے سائبانوں میں

مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۲۱۰﴾

اور (عذاب کے) فرشتے ان کے پاس آ جائیں اور کام تمام ہو جائے اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جاتے ہیں ﴿۲۱۰﴾

رضاء الہی کی خاطر دنیا ترک کرنے والا

اس آیت میں باقی ماندہ اقسام میں اس شخص کا بیان ہے جو آخرت کی خاطر دنیا کو ترک کر دیتا ہے اور وہ صرف آخرت میں رغبت رکھتا ہے۔

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن مردویہ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب میں نے مکہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو مجھ سے قریش نے کہا اے صہیب! جب تم ہمارے پاس آئے تھے تو تمہارے پاس کچھ مال نہ تھا اور اب تم یہ سارا مال لے کر جا رہے ہو خدا کی قسم! ہرگز نہیں ہو سکتا میں نے ان سے کہا یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنا سارا مال تم کو دے دوں تو پھر تم مجھے جانے دو گے؟ انہوں نے کہا ہاں! میں نے ان سے کہا یہ سارا مال لے لو اور مجھے جانے دو! جب میں مدینہ پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا صہیب تمہاری تجارت نے نفع پایا۔

(الدر المنثور، رجب المص ۱۴۰۰ - ۱۴۰۹، مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ، اہل بیت)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں:

سعد بن زید بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت صہیب ہجرت کر کے مدینہ جانے لگے تو قریش نے ان کا پیچھا کیا حضرت صہیب سواری سے اتر گئے اور اپنی کمان کو سیدھا کر لیا اور کہا اے قریش کی جماعت اتم کو علوم سے میں تم سے بڑا نیر انداز ہوں اور خدا کی قسم! جب تک میرے ترکش میں ایک تیر بھی باقی ہو گا تم مجھ تک نہیں پہنچ کوئے پھر جب تک میرے ہاتھ میں تلوار رہے گی میں تم سے مقابلہ کرتا رہوں گا اب جو چاہو کرو اور اگر تم چاہو تو میں تم کو بتاؤں میرا مال کس رکھا ہے بشرطیکہ تم میرا راستہ چھوڑ دو انہوں نے کہا ہاں! سو انہوں نے ایسا ہی کیا جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پاس پہنچے تو آپ نے دو مرتبہ فرمایا تمہاری بیچ نفع یاب ہوئی اور یہ آیت نازل ہو گئی اور لوگوں میں سے ایک شخص ہے جو اللہ کی رضا جلی کے بدلہ میں اپنی جان فروخت کر دیتا ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۱۱ ص ۱۱۷ مطبوعہ دار الشکر بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام ابن جریر روایت کرتے ہیں:

مکرّمہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت صہیب بن سنان اور حضرت ابوذر غفاری جندب بن سکین رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی ہے حضرت ابوذر کو ان کے گھر والوں نے پکڑ لیا تھا وہ ان کی گرفت سے نکل کر بھاگے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو شریکین مکہ نے پکڑ لیا وہ فدیہ میں اس کو اپنا مال دے کر ہجرت کے لیے چل پڑے راستہ میں مقد بن عمیر بن جہعان نے ان کو پکڑ لیا وہ اس کو باقی ماندہ مال دے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

ربیع بیان کرتے ہیں کہ مکہ والوں میں سے ایک شخص مسلمان ہو گیا اس نے ہجرت کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کا ارادہ کیا راستہ میں شریکین نے ان کو پکڑ لیا انہوں نے کہا میں تم کو اپنا گھر اور اپنا سارا مال و متاع دیتا ہوں تم مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے دو پھر وہ اپنا سب کچھ دے کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ راستہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی انہوں نے کہا تمہاری بیچ نفع بخش ہے اس میں کوئی گھانا نہیں ہے انہوں نے پوچھا کیسی بیچ؟ کہا تمہارے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے ایک لشکر بھیجا لشکر والوں نے ایک قلعہ کا محاصرہ کر لیا پھر لشکر میں ایک مسلمان نکلا اور قلعہ والوں سے قتال کیا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گیا لوگ کہنے لگے اس نے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا نہیں یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی جان دے کر اللہ کی رضا کو خرید لیا ہے۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ ایک مسلمان کا کافر سے مقابلہ ہوا مسلمان نے کافر سے کہا "لا الہ الا اللہ" پڑھو تم یہ کلمہ پڑھ لو گے تو تمہاری جان اور مال پر حملہ نہیں ہو گا کافر نے انکار کیا مسلمان نے کہا میں اپنی جان کو اللہ کے ہاتھ بیچتا ہوں یہ کہہ کر اس کافر پر حملہ کیا اور راہ حق میں شہید ہو گیا۔ (جامع البیہ ج ۲ ص ۱۸۷-۱۸۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ آوسی نے کواشی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت زبیر بن عوام اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی ہے اہل مکہ نے حضرت خبیب کو سولی پر اٹکا دیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو خبیب کو سولی پر سے اتارے گا اس کے لیے جنت ہے حضرت زبیر نے کہا میں اور میرا ساتھی مقداد اتاریں گے اور شیعہ نے کہا یہ آیت حضرت علی کے متعلق نازل ہوئی ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مکہ میں اپنے بستر پر سلا کر چلے گئے تھے۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۹۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہ تمام آثار اس آیت کے نزول کے متعلق اور مطابق ہیں لیکن درحقیقت یہ آیت ان تمام دگوں کے حق میں عام ہے جو نیکی کے کاموں میں حصہ لیتے ہیں اور جو شخص نیکی کی راہ میں حرام ہو تو وہ محض اللہ کی رضا کی خاطر اپنی جان اور مال سے اس کے خلاف جہاد کرتے ہیں وہ خود بھی نیک کام کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی نیکی کی تلقین کرتے ہیں خود بھی برائی سے بچتے ہیں اور دوسروں کو بھی برائی سے روکتے ہیں اور اس عظیم مقصد کے لیے محض اللہ کی رضا کی خاطر ہر قسم کی جانی اور مالی قربانی دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو۔

(البقرہ: ۲۰۸)

دین اسلام کے ساتھ کسی اور دین کی رعایت یا موافقت کا ناجائز ہونا

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عمرہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ثعلبہ 'عبد اللہ بن سلام' ابن یامین 'اسد بن کعب' اسید بن کعب 'شعبہ بن عمرو' اور قیس بن زید رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے یہ سب یہود سے اسلام لائے تھے انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے تھے آپ ہمیں اس دن کی تعظیم کرنے دیں کیونکہ تورات بھی اللہ کی کتاب ہے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۸۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے تھے اور اونٹنیوں کے گوشت اور ان کے دودھ کو مکروہ جانتے تھے مسلمانوں نے اس پر اعتراض کیا تو انہوں نے کہا ہم دونوں شریعتوں پر عمل کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ تورات بھی اللہ کی کتاب ہے آپ ہمیں اس پر بھی عمل کرنے دیں تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی کہ تم اسلام میں ظاہر اور باطن داخل ہو جاؤ اور نفاق کر کے شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو تیسرا قول یہ ہے کہ جو اہل کتاب کتب سابقہ پر ایمان لائے تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اصل مقصود ان کی شریعت پر اسلام لانا ہے ان سے خطاب فرمایا گیا ہے کہ تم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور دین اسلام میں داخل ہو جاؤ یہی دین اسلام ہے۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۹۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دین اسلام کے ساتھ کسی اور دین اور شریعت کی رعایت یا موافقت کرنا جائز نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

تم اس حکم کی مخالفت کر کے اور متعدد شریعتوں میں متفرق ہو کر شیطان کی پیروی نہ کر ڈبے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے پھر اگر روشن دلیلیں آنے کے بعد بھی تم بھسلے لگو تو یقین رکھو کہ اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O

(اسقرہ: ۲۰۹)

بینات کی تفسیر

اگر پہلی آیت میں گذر سے خطاب ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ اگر بینات (روشن دلیلیں) آنے کے بعد تم کفر کرو تو یقین

کر دو کہ اللہ بہت غالب ہے اور اگر اس میں مسلمانوں سے خطاب ہے تو مراد یہ ہے کہ اگر بینات آنے کے بعد تم معصیت کر دیا

خط کر دیا مگر ابھی پر ہو تو یقین رکھو کہ اللہ بہت غالب ہے بڑی حکمت والا ہے۔

بینات سے مراد اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت ہیں یا اس سے مراد حضرت یدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کو تعظیماً جمع سے تعبیر فرمایا ہے ہر چند کہ آپ واحد بالکشمس ہیں لیکن آپ معنی کثیر ہیں یا اس سے مراد قرآن مجید ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وہ صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ (کا عذاب) بادلوں کے سائبانوں میں اور (عذاب کے) فرشتے ان کے پاس آجائیں اور کام تمام ہو جائے۔ (البقرہ: ۲۱۰)

بادلوں کے ساتھ عذاب کی تمثیل کا بیان

اس آیت میں فرمایا ہے کہ وہ صرف اللہ کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں اور چونکہ آنا جانا اللہ تعالیٰ کی شان کے اافی نہیں ہے اس لیے اس کو مجاز پر محسوس کیا گیا ہے ایک معنی یہ ہے کہ وہ اللہ کے انتقام کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں دوسرا یہ ہے کہ وہ اللہ کی وعید کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں اور بہترین توجیہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے عذاب کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا ہے اللہ کا عذاب ان کے پاس بادلوں کے سائبانوں میں آجائے۔ اللہ تعالیٰ نے بادلوں اور سائبانوں کے ساتھ عذاب کو تشبیہ دی اور اس کی تصویر کشی کی ہے کیونکہ جب گھٹا ٹوپ گہرے بادل مہیب آوازوں کے ساتھ گرج رہے ہوں تو اس سے بہت خوف اور دہشت معلوم ہوتی ہے یا جس طرح بادل قطرہ قطرہ کر کے بے حساب برستے ہیں اسی طرح عذاب بھی بے حساب ہوتا ہے قرآن مجید میں کئی جگہ عذاب آنے کی مثال بادلوں کے ساتھ دی ہے

وَيَوْمَ تَشْقَى السَّمَاءُ بِالسَّحَابِ وَنُزِّلَ الْمُنِيرُ ۝ (الفرقان: ۲۵) اور جس دن آسمان پھٹ کر بادل کی صورت میں ہوگا

اور فرشتوں کی جماعتیں اتاری جائیں گی ۝

وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوَجُّ الْكَلْبِ (شقان ۲۲) اور جب سائبانوں کی طرح موج انہیں ڈھانپ لیتی

ہے۔

اور کام تمام ہو جائے اس سے مراد ہے ان کے عذاب سے ہلاک ہونے کا کام پورا ہو جائے یا قیامت کا انتظار ختم ہو جائے اور قیامت آجائے یا ان کا حساب پورا ہو جائے اور ان پر عذاب واجب ہو جائے۔

سَلِّ بَنِي إِسْرَءِيلَ كَمَا آتَيْنَهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ وَمَنْ يُبَدِّلْ

ہو اسرائیل سے پوچھئے ہم نے ان کو کتنی نشانیاں دی تھیں؟ اور جو اللہ کی نعمت

نِعْمَةٍ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (۲۱۱)

حاصل ہونے کے بعد اس کو بدل دے تو (وہ سن لے کہ) اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ۝

ذُرِّينَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ

کافروں کے لیے دنیا کی زندگی مزین کر دی گئی ہے وہ ایمان والوں کا مذاق

أُتُوا وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ

اڑاتے ہیں حالانکہ وہ قیامت کے دن (کافروں سے) سر بلند ہوں گے اور اللہ جسے چاہے بے حساب

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کفر کے ساتھ تبدیل کرنے کا سبب

جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ غورائیل نے اللہ کی نعمتوں کو کفر کے ساتھ تبدیل کر دیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا کوئی شخص اللہ کی نعمتوں کو کفر کے ساتھ بھی بدل سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کے قبضہ میں جو اس کی پسندیدہ خوش نما اور دیدہ زیب چیزیں ہوتی ہیں وہ صرف انہی کو دیکھتا ہے اور دنیا کی زندگی کے ظاہری حسن و جمال اور وقتی فوائد کو دیکھتا ہے اور عقل کی آنکھوں سے ان چیزوں کی باطنی خرابیوں کو نہیں دیکھتا دنیا کی رنگیناں اور بٹش و آرام انسان کے دل کو بھاتے ہیں شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا:

قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَوَيْتُكَ لَا تَرِيَانِي لَقَدْ فِي الْأَرْضِ

دَلَالَاتٌ لِّكُلِّ شَيْءٍ مُّذِرٌ (۲۱۳)

شیطان نے کہا اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے اس لیے میں ضرور زمین میں ان کے لیے (برے کاموں کو) مزین کر دوں گا اور میں ضرور ضرور ان سب کو گمراہ کر دوں گا O

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا

فَيَحْثُوا مَا حَزَمَ اللَّهُ ثُمَّ يَنْتَهِونَ عَنْهُمُ سُبُوحًا مُّسْتَمِدِّينَ

جس کو اللہ نے حرام کیا یہ اس کو حلال کرتے ہیں ان

کے برے اعمال حرام کر دیئے گئے۔ (البقرہ: ۲۱۳)

تو اللہ کی نعمتوں کا کفر کرنے کا سبب یہ ہے کہ شیطان نے ان کے لیے کفر اور برے اعمال کو مزین کر دیا ہے اور ان کے لیے خوش نما بنا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وہ ایمان والوں کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ وہ قیامت کے دن (کافروں سے) سر بلند ہوں گے اور اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے O (البقرہ: ۲۱۳)

حضرت بادل، حضرت صہیب اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم ایسے فقراء مسلمین کو دیکھ کر کافران کا مذاق اڑاتے تھے اور اپنے دنیاوی مال و دولت اور عیش و آرام کی وجہ سے اپنے آپ کو ان سے بلند اور بڑا سمجھتے تھے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ قیامت کے دن یہ نیک مسلمان سر بلند ہوں گے اور کفار ذلت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں

عمرہ بیان کرتے ہیں کہ کفار نے کہا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوتے تو ہمارے بڑے بڑے ان کی اتباع کرتے بہ خدا! ان کی اتباع تو عبد اللہ بن مسعود ایسے دگ کر رہے ہیں۔ (جامع النیان ج ۲ ص ۱۹۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَ

تمام لوگ ایک امت تھے (جب وہ مختلف ہو گئے) تو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دینے والے اور

مُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

ذرائع والے نبی بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب حق نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان کی

فِي مَا اُخْتَلَفُوا فِيهِ ط وَمَا اُخْتَلَفَ فِيهِ اِلَّا الَّذِينَ اُوتُوهُ

اختلاف کردہ باتوں میں فیصلہ کریں اس میں صرف ان ہی لوگوں نے اختلاف کیا تھا جنہیں

مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ج فَهَدَى اللَّهُ

کتاب دی گئی تھی ' انہوں نے روشن دلائل آنے کے باوجود کھس باہمی سرکشی کی وجہ سے

الَّذِينَ اٰمَنُوا لِمَا اُخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهِ ط وَاللَّهُ

یہ اختلاف کیا تھا تو اللہ نے اس اختلاف میں ایمان والوں کو اپنے اذن سے حق بات (دین حق) کی ہدایت دی اور اللہ

يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۲۱۳﴾

جسے چاہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے ۵

تاریخ انسانیت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ لوگ دنیا کی محبت کی وجہ سے کفر پر اصرار کرتے ہیں اب یہ بیان فرمایا ہے کہ کفر اور گمراہی کا یہ سبب نیا نہیں ہے بلکہ پہلے بھی یہی سبب تھا تمام لوگ پہلے دین حق پر تھے پھر دنیا کی محبت کی وجہ سے انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف بغاوت کی اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔
علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

تمام لوگ امت واحدہ تھے اس کا معنی ہے تمام لوگ دین واحد پر تھے حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا یہاں لوگوں سے مراد وہ قرن ہیں جو حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان تھے اور یہ دس قرن ہیں جو دین حق پر رہے پھر بعد میں ان کے درمیان اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو مبعوث فرمایا ابن ابی خثیمہ نے کہا اس سے حضرت آدم سے لے کر حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک کے قرن مراد ہیں اور یہ پانچ ہزار آٹھ سو سال کے زمانہ پر محیط لوگ ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے زیادہ زمانہ کے لوگ ہیں حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان ہزارہ سو سال گزرے حضرت آدم نو سو ساٹھ سال زندہ رہے ان کے زمانہ میں تمام لوگ ایک دین پر تھے فرشتے ان سے مصافحہ کرتے تھے پھر حضرت ادریس علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد ان میں اختلاف ہوا لیکن اس قول پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ادریس حضرت نوح علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے تھے کلبی اور واقدی نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی کشتی کے لوگ ہیں یہ تمام لوگ دین حق پر تھے حضرت نوح کی وفات کے بعد ان میں اختلاف ہو گیا۔

(المباح ۱۱ احکام القرآن ج ۲ ص ۳۱-۳۰ مطبوعہ انتشارات ماسر فسرہ ایمان)

حضرت ابن عباس کی تفسیر یہ ہے کہ تمام لوگ امت واحدہ تھے یعنی تمام لوگ کافر تھے اور حضرت ابن مسعود کی قراءت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ پہلے تمام لوگ دین حق پر تھے بعد میں انہوں نے مختلف دنیاوی اغراض کی بناء پر ایک دوسرے سے اختلاف کیا اور بغاوت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے انبیاء اور رسل بھیجے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کل نبیوں کی

تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں تین سو تیرہ رسول ہیں۔ متفقین کے نزدیک اس آیت کی صحیح تفسیر یہی ہے کہ پہلے تمام لوگ دین حق پر تھے بعد میں ان کے درمیان اختلاف ہوا اور اس پر حسب ذیل دلائل ہیں:

ابتداء میں نوع انسان کے دین حق پر ہونے کے دلائل

(۱) اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ پہلے تمام لوگ ایک دین پر تھے پھر ان میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا۔ اگر وہ تمام لوگ کفر پر تھے تو رسولوں کو پہلے بھیجنا چاہیے تھا۔

(۲) نقل متواتر سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو ان کی اولاد کی طرف مبعوث فرمایا۔ ان کی تمام اولاد مسلمان اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزار تھی اور اس وقت تک ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوا حتیٰ کہ قابیل نے حسد سے ہابیل کو قتل کر دیا۔

(۳) جب طوفان سے تمام روئے زمین کے لوگ غرق ہو گئے اور صرف کشتی کے لوگ بچے یہ باقی ماندہ لوگ سب دین حق پر تھے پھر اس کے بعد ان میں اختلاف ہوئے۔

(۴) امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مولود فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنادیتے ہیں یا نصرانی بنادیتے ہیں یا مجوسی بنادیتے ہیں۔ الحدیث (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۲ھ)

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کسی بچہ کو اس کی اصلی فطرت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ کسی باطل دین پر نہیں ہوگا کسی باطل دین کو اختیار کرنے کے سبب اس کے والدین کی کوشش ہوتی ہے یا دنیا کی محبت یا حسد، بغض اور دیگر اغراض فاسدہ ہوتی ہیں۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے یوم میثاق میں فرمایا تھا ”اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ“ (اے اہل اعراف ۱۷۲) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں! اس دن سب لوگوں کا ایک ہی دین تھا اور وہ دین حق تھا۔

تمام انسانوں کا دین صرف اسلام ہے

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام نوع انسان کے لیے ایک ہی دین ہے اور وہ دین اسلام ہے اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں اور رسولوں کو اسی دین کی رہنمائی کے لیے بھیجا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

شَرَعْنَا لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَطَّيْ بِهِ نُوحًا وَآلَهُ
اَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ
أَنْ أَقِمْ وَالدِّينَ وَلَا تَتَّمَرَّقْ فَوَاقِئُ (الشوریٰ ۱۳)

اللہ نے تمہارے لیے اسی دین کو مقرر کیا ہے جس دین کی اس نے نوح کو وصیت کی تھی اور جس دین کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے اور جس دین کی ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ تم اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

(آل عمران ۱۹)

اور جس شخص نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کیا

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ

(آل عمران ۸۵) تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ حضرت آدم سے لے کر ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام نبیوں اور رسولوں کا ایک ہی دین تھا اور وہ دین اسلام ہے البتہ شریعتیں سب نبیوں کی الگ الگ ہیں دین سے مراد وہ اصول اور عقائد ہیں جو تمام نبیوں میں مشترک ہیں جیسے الوہیت تو حید باری 'نبت' 'نقذ' 'رجی' 'فرشتے' کتب سناویہ 'قیامت' حساب و کتاب اور جنت اور دوزخ پر ایمان لانا اور ہر نبی کے زمانہ میں اس زمانہ کے مخصوص حالات تہذیب اور رسم و رواج کے اعتبار سے عبادت کے جو طریقے مقرر کیے گئے وہ اسی نبی کی شریعت ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

لِكُلِّ جَعَلْنَا لَكُمْ شَرْعًا وَمِنْهَا جَاءَ (المائدہ: ۴۸)

ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ شریعت اور راہ عمل بنائی ہے۔

زیر بحث آیت سے یہ بھی معلوم ہو، کہ انسانیت کی ابتداء نور اور ہدایت سے ہوئی تھی پھر لوگوں نے شیطانی راستوں اور نفسانی خواہشوں کی بناء پر اس نور کو ظلمت سے بدل لیا۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ

کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تک تم پر ایسی آزمائشیں نہیں آئیں جو

خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمْ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَاءُ وَزُلْزَلُوا حَتَّى

تم سے پہلے لوگوں پر آئی تھیں ان پر آفتیں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ (اس قدر) ہتھیور دیئے گئے کہ

يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ أَلاَ

(اس وقت کے) رسول اور اس کے ساتھ ایمان والے پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سنو! بے شک

إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ۝۲۱۴ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا

اللہ کی مدد عنقریب آئے گی ۝ یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہیے کہ تم

أَنْفَقْتُمْ مِمَّنْ خَيْرٍ فَلِلَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا قَرِيبِينَ وَالْيَسْمَىٰ وَ

ماں باپ رشتہ داروں قریبوں مسکینوں اور مسافروں پر جو اچھی

الْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ

چیز بھی خرچ کر دے گا تو وہ ان کا حق ہے اور تم جو نیک کام بھی کرو گے تو بے شک اللہ

بِهِ عَلِيمٌ ۝۲۱۵ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ

کو اس کا علم ہے ۝ تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ تم پر دشوار ہے اور ہو سکتا ہے کہ

أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَى أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا

تم پر کوئی چیز شاق گزرے اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز تمہارے نزدیک اچھی ہو

وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو اور اللہ ہی کو علم ہے اور تمہیں علم نہیں ہے ۵

راہِ حق میں پیش آنے والے مصائب

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ جسے چاہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے اور صراطِ مستقیم پر چلنے سے جنت حاصل ہوتی ہے اب اللہ تعالیٰ یہ بیان فرما رہا ہے کہ جنت کے حصول کے لیے صراطِ مستقیم پر چلنا آسان نہیں ہے اس راہ میں بہت مشقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور بہت مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں بہت آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے اور بہت قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔

یہ شہادت کہ الفت میں قدم رکھنا ہے
چوں میگویم مسلمانم بلرزم کہ دائم مشکلات لا الہ را

مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی مخالفت ان کے ساتھ آئے دن کی لڑائیوں ان کے طعنوں استہزا اور ان کی فتنہ سامانیوں سے گھبرانہ جانا ابھی تو تمہارا ایسی آزمائشوں سے سابقہ نہیں پڑا ہے جن آزمائشوں سے تم سے پہلے مسلمان گزر چکے ہیں۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اس وقت آپ کعب کے سائے میں ایک چادر سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے انہوں نے کہا آپ ہمارے لیے مدد کیوں نہیں طلب کرتے اور ہمارے لیے دعا کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا اور اس کو گڑھے میں کھڑا کیا جاتا پھر آ رہے کو اس کے سر پر رکھ کر اس کا سارا جسم چیر دیا جاتا اور یہ چیز اس کو اس کے دین سے نہیں ہٹا سکتی تھی اور کسی شخص کے جسم کو لوہے کی کنگھی سے چھیل دیا جاتا وہ کنگھی اس کے گوشت اور اس کی ہڈیوں کو کاٹی ہوئی چلی جاتی اور اس کے پائے ثبات میں جنبش نہیں آتی تھی۔ الحدیث (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۰ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۱۱-۱۱۰-۱۰۹ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

اس آیت کے شان نزول کے متعلق متعدد اقوال ہیں بعض نے کہا یہ ہجرت کے ابتدائی ایام میں نازل ہوئی بعض نے کہا جنگ احد کے موقع پر نازل ہوئی امام ابن جریر طبری نے قتادہ کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ یہ آیت جنگ خندق کے موقع پر نازل ہوئی۔ جب ۵ ہجری میں کفار کی متعدد جماعتیں مدینہ پر حملہ آور ہوئیں اور مسلمانوں نے شہر کے گرد خندق کھود کر مدینہ کا دفاع کیا ان دنوں میں سخت سردی پڑ رہی تھی اور مسلمانوں کے پاس ہتھیار اور خوراک کی بہت کمی تھی اور یہود کے تعاون سے مشرکین کے متعدد قبائل نے مرکز اسلام کا محاصرہ کیا ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب میں اس وقت مسلمانوں کی حالت کا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ جامع البیان ج ۲ ص ۱۹۸ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ

اس طرح نقشہ کھینچا ہے:

إِذْ بَعَاؤُكُمْ مِنْ فَوْكِكُمْ وَمَنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَنَظُّوْنَ بِأَنفُسِهِمُ الظُّلُمَاتِ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا (البقرہ ۱۱۰-۱۱۱)

جب تمہارے اوپر اور نیچے سے کافر تم پر چڑھ آئے اور جب آنکھیں پتھرا کر رہ گئیں اور دل منہ کو آنے لگے اور تم اللہ کے متعلق (امید و بیم میں) طرح طرح کے گمان کرنے لگے ○ یہ وہ وقت تھا جب مسلمانوں کی آزمائش کی گئی تھی اور وہ نہایت سختی سے جھنجھوڑ دیئے گئے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہیے کہ تم ماں باپ رشتہ داروں یتیموں مسکینوں اور مسافروں پر جو اچھی چیز بھی خرچ کرو گے تو وہ ان کا حق ہے۔ (البقرہ ۲۵)

راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کے مصارف

اس سورت میں جن چیزوں کو زیادہ اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے جیسا کہ شروع میں فرمایا تھا ”وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ“ (البقرہ ۲) پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو بار بار دہرایا اور حج سے متعلق جن آیات کا ابھی ذکر ہوا ہے ان میں بھی صدقہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے نیز اس کے بعد آنے والی آیات میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور جہاد کا عظیم ستون بھی اللہ کی راہ میں مال کو خرچ کرنا ہے اس لیے اس آیت میں صدقہ اور خیرات کا ذکر فرمایا ہے نیز اس سے پہلی آیت میں بتایا تھا کہ مصائب پر صبر کرنا دخولِ جنت کا سبب ہے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا اور اس خرچ کی وجہ سے مالی نقصان پر صبر کرنا بھی دخولِ جنت کا سبب ہے۔ یہ ظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ وہ اللہ کی راہ میں کیا چیز خرچ کریں؟ لیکن سوال کے لائق یہ چیز نہیں تھی کہ وہ کیا خرچ کریں بلکہ سوال اس چیز کا کرنا چاہیے تھا کہ وہ مال کو کس طرح خرچ کریں اس لیے اللہ تعالیٰ نے جواب میں صدقہ کے مادہ کی بجائے پہلے صدقہ کے مصرف کا بیان فرمایا کہ تمہارے صدقات کے مستحق تمہارے والدین رشتہ دار یتیم مسکین اور مسافر ہیں اس آیت میں صدقہ کی مقدار کو بیان نہیں فرمایا کیونکہ یہ آیت زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے نازل ہوئی تھی اور جب زکوٰۃ فرض ہوئی تو یہ بیان کر دیا گیا کہ کس قدر مال پر کتنا وقت گزرنے کے بعد کتنی مقدار میں زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے اور اس کے کیا کیا مصارف ہیں امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں اسدی نے کہا یہ آیت زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ ابن جریج نے کہا یہ آیت نفی صدقات سے متعلق ہے اور زکوٰۃ اس کے علاوہ ہے ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۲۰۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حافظ سیوطی ذکر کرتے ہیں:

امام ابن منذر نے امام ابن حبان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرو بن جوح نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم اپنے مال میں سے کیا چیز خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۳ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

صدقہ کا مصرف بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے صدقہ کا مادہ بیان فرمایا۔ تم جو ”خیر“ بھی خرچ کرو اور خیر حلال اور طیب چیز ہوتی ہے حلال سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز فی نفسہ حلال ہو جیسے بکری نہ کہ کتا اور خنزیر اور طیب سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز حلال ذرائع سے حاصل ہوئی ہو یعنی وہ چوری یا ڈاکہ سے حاصل شدہ بکری نہ ہو اگر وہ چوری یا ڈاکہ سے حاصل شدہ بکری

ہے تو وہ فی نفسہ حلال تو ہے لیکن طیب نہیں ہے اس لیے اللہ کی راہ میں خیر کو خرچ کرو جو حلال اور طیب ہو اور تم اللہ کی راہ میں جس خیر کو بھی خرچ کرو گے اللہ کو اس کا علم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ تم پر دشوار ہے اور ہو سکتا ہے کہ تم پر کوئی چیز شاق گزرے اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز تمہارے نزدیک اچھی ہو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ ہی کو علم ہے اور تمہیں علم نہیں ہے (البقرہ: ۲۱۶)

جہاد کی تعریف اور اس کی اقسام

اس سے پہلے آیت ۲۱۴ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ جنت میں داخل ہونے کے لیے سختیاں اور مشقتیں برداشت کرنی پڑیں گی پھر آیت ۲۱۵ میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی ایک مشقت ہے اور اب اس آیت میں جہاد کی مزید مشقت برداشت کرنے کا حکم دیا ہے۔ جہاد کا لغوی معنی ہے اللہ کے دشمنوں سے جنگ کرنے میں اپنی پوری وسعت اور طاقت کو خرچ کرنا اور جہاد کا شرعی معنی ہے اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے کفار سے جنگ میں اپنی پوری طاقت اور وسعت کو خرچ کرنا۔

جہاد کی دو قسمیں ہیں: فرض عین اور فرض کفایہ اسلام کی تبلیغ کے لیے کافروں کو اسلام کی دعوت دینا اور اگر وہ اسلام کو قبول نہ کریں تو پھر ان کو جزیہ ادا کرنے کے لیے کہنا اور اگر وہ اس کو بھی قبول نہ کریں تو پھر ان سے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے اور اگر کسی اسلامی شہر پر کافر حملہ کریں تو اس شہر کے مسلمانوں پر اپنے شہر کے دفاع کے لیے جہاد کرنا فرض عین ہے اور اگر اس شہر کے مسلمان اپنا دفاع نہ کر سکیں تو اس کے قریب کے شہر والوں پر جہاد کرنا فرض عین ہو جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر ایک اسلامی ملک اپنے دفاع کی استطاعت نہ رکھے تو اس کے قریب کے ملک پر جہاد کرنا فرض عین ہوگا۔

علامہ کاسانی حنفی نے لکھا ہے اگر جہاد کے لیے روانہ ہونے کا مسلمانوں کو عام حکم دیا جائے تو جہاد فرض عین ہے اور اگر عام حکم نہ ہو تو جہاد فرض کفایہ ہے اور بعض مسلمانوں کے جہاد کرنے سے باقی مسلمانوں سے جہاد کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۹۸ مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سیر اینڈ کمپنی ۱۴۰۰ھ)

جہاد کرنے میں عزت اور جہاد ترک کرنے میں ذلت کا بیان

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مکہ میں توحید کا حکم دیا اور نماز پڑھنے کا 'زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا اور مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے سے منع کیا اور جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو باقی فرائض نازل ہوئے اور مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے کی اجازت دے دی گئی تب یہ آیت نازل ہوئی کہ تم پر قتال (جہاد) فرض کر دیا گیا ہے اور قتال سے ممانعت کے بعد تم کو قتال کی اجازت دے دی گئی ہے اور اگرچہ یہ طبعاً تم پر گراں اور بھاری ہے لیکن انجام کار تمہارے لیے خیر ہے کیونکہ کافروں کو مغلوب کر کے تم ایک اسلامی ریاست قائم کر سکو گے اور آزادی کے ساتھ باعزت طریقہ سے زندگی گزار سکو گے اور اسلام کے تمام احکام پر بے خوف و خطر عمل کر سکو گے اور جنگ کے ذریعہ تم کو دشمنوں کا جو مال غنیمت حاصل ہوگا اس سے تم پر خوش حالی آئے گی اور اگر تم راہ حق میں شہید ہو گئے تو تمہارے لیے بے پناہ اجر ہے اور اگر تم کافروں سے جہاد نہیں کرو گے تو وقتی طور پر تمہیں آرام ملے گا لیکن مال کار تمہارے ملک پر کافر قبضہ کر کے تمہیں آزادی سے محروم کر دیں گے۔ تمہیں اپنا غلام بنالیں گے اور پھر تم کو ذلت اور خواری کی زندگی گزارنی ہوگی۔

جہاد کے درجات اور اجر و ثواب کے متعلق احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام بیہقی نے (شعب الایمان میں) حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سولہ گنا سوال کیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، آپ سے کہا گیا کہ پھر کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، آپ سے عرض کیا گیا کہ پھر کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: حج مبرور۔ امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے افضل عمل نماز کو سب سے زیادہ وقت میں پڑھنا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

امام ترمذی، امام بزار، امام حاکم اور امام بیہقی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص جنگل میں بیٹھے پانی کے ایک چشمہ سے گزر رہا تھا اس نے سوچا کاش میں لوگوں کو چھوڑ کر یہیں رہ جاؤں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر یہیں آ جاؤں گا جب اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: ایسا نہ کر دس گنا سال اپنے گھر میں نماز پڑھنے سے تمہارا ایک وقت اللہ کی راہ میں گزارنا افضل ہے کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے اور تم کو جنت میں داخل کر دے! اللہ کی راہ میں جہاد کر دے جو شخص اونٹنی کا دودھ دے گا وہ جہاد کرنے کے وقت کے برابر بھی اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

امام طبرانی نے فضالہ بن عبید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کے تین درجے ہیں اولیٰ، اوسط اور ثانی، اولیٰ درجہ کا اسلام یہ ہے کہ جس میں عام مسلمان ہیں، تم جس سے بھی سواں کرو گے وہ کہے گا میں مسلمان ہوں اور اوسط درجہ میں بعض مسلمانوں کے عمل بعض سے افضل ہوتے ہیں اور سب سے اعلیٰ درجہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

امام بزار نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کے آٹھ حصے ہیں اسلام (قبول کرنا) ایک حصہ ہے، نماز ایک حصہ ہے، زکوٰۃ ایک حصہ ہے، روزہ ایک حصہ ہے، حج بیت اللہ کا حصہ ہے، نیکی کا حکم دینا ایک حصہ ہے، برائی سے روکنا ایک حصہ ہے اور جہاد فی سبیل اللہ ایک حصہ ہے اور وہ شخص نامراد ہے جس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جہاد کرنے کی تمنا کیے بغیر مر گیا وہ نفاق کے ایک حصہ کے ساتھ مرا ہے۔

امام احمد، امام بخاری، امام ترمذی اور امام نسائی نے عبد الرحمن بن جبران رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پیر اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوئے اللہ ان پیروں پر جہنم کی آگ حرام کر دیتا ہے۔

امام حاکم، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ تین آنکھیں ایسی ہیں جن کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی، ایک وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں نکال دی گئی دوسری وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں جاگتی رہی اور تیسری وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روٹی رہی۔

امام عبد الرزاق، امام احمد، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام حاکم اور امام بیہقی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اونٹنی کا دودھ دینے کے برابر وقت میں جہاد کیا اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور جس شخص نے صدق دس سے شہادت کے حصول کی دعا کی وہ مر

جائے یا قتل کر دیا جائے اس کو شہادت کا اجر ملے گا اور جو اللہ کی راہ میں زخمی ہو وہ قیامت کے دن اسی طرح زخمی اٹھے گا اس کے خون کا رنگ زعفران کی طرح ہو گا اور اس سے مشک کی خوشبو آ رہی ہو گی۔

امام مسلم، امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کے دروازے تلواروں کے سپیوں کے نیچے ہیں۔

امام طبرانی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو قوم جہاد کو ترک کر دیتی ہے اللہ اس پر عام عذاب بھیجتا ہے۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب لوگ دنیا داری، روپے پیسے اور بھتی باڑی میں منہمک ہو جائیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کو ترک کر دیں اور بیعت حبیبہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر مصیبتیں نازل فرماتا ہے اور جب تک وہ اپنے دین کی طرف رجوع نہ کریں وہ مصیبتیں ان سے دور نہیں کرتا۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۳۹-۳۴۳ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ

لوگ آپ سے ماہ حرام میں جنگ کے متعلق پوچھتے ہیں آپ کہیے کہ اس ماہ میں جب کرنا بڑا گناہ ہے اور

كِبِيرٌ وَصَدُّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكَفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

(لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام جانے سے روکنا

وَاِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ

اور ساکنین حرم کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ بڑا گناہ ہے اور فساد ڈالنے کا گناہ قتل سے زیادہ بڑا ہے

وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ

اور وہ (کافر) تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے حتیٰ کہ اگر ان کے بس میں ہو تو وہ تمہیں دین سے پھیر دیں

إِنْ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ

اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور وہ حالت کفر میں مر گیا تو ان لوگوں کے

فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ

(نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور وہ لوگ

أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢١٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ

جہنمی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ﴿۲۱۸﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے

هَاجِرُوا دِجْهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ

ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ لوگ اللہ کی رحمت کی امید

اللَّهُ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۱۸﴾

رکھتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے O

ربط آیات اور شان نزول

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر قتال اور جہاد کو فرض کر دینے کے متعلق آیات نازل کی تھیں اس لیے یہاں اس سوال کی گنجائش تھی کہ آیا حرمت والے مہینے میں بھی قتال جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے احوال پر نظر رکھنے کے لیے حضرت عبد اللہ بن جحش کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا تھا۔ اس لشکر میں سے ایک شخص نے عمرو بن حفص نام کے ایک مشرک کو قتل کر دیا۔ مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے یہ لشکر جمادی الاخریٰ میں بھیجا تھا یا رجب میں بہر حال عمرو بن حفص کا قتل رجب میں ہوا (اور وہ حرمت والا مہینہ ہے) اس پر مشرکین نے مسلمانوں پر اعتراض کیا کہ ایک طرف تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے دین پر عمل کی دعوت دیتے ہیں اور ان کے پیروکاروں کا یہ حال ہے کہ انہوں نے ماہ حرام میں ایک شخص کو قتل کر دیا حالانکہ حرمت والے مہینے میں قتال کرنا ملت ابراہیم کے مطابق حرام ہے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ یہ لوگ آپ سے ماہ حرام میں جنگ کے متعلق پوچھتے ہیں آپ کہیے کہ اس ماہ میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے لیکن لوگوں کو اسلام کے قبول کرنے سے منع کرنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور لوگوں کو مسجد حرام میں جانے سے روکنا اور ساکنین حرم کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے تو جو لوگ ان بڑے گناہوں میں ملوث ہیں وہ کس منہ سے ماہ حرام میں قتال کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن جحش کے لشکر کی تفصیل امام ابن جریر طبری نے اس طرح بیان کی ہے:

حضری کے قتل کی تاریخ کی تحقیق

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رجب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو آٹھ مہاجرین کے ساتھ روانہ کیا اور وادی کا گمان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ بارہ مہاجرین کو روانہ کیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن جحش کو ایک خط دیا اور فرمایا دو دن سفر کرنے کے بعد اس خط کو کھول کر پڑھنا اور اس میں درج ہدایات پر عمل کرنا اور کسی کو مجبور نہ کرنا اس خط میں لکھا تھا کہ تم نخلہ (مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام) پہنچ جاؤ قریش کا ایک قافلہ وہاں سے گزرے گا تم اس کی گھات لگا کر بیٹھو اور اس کے احوال کی خبر ہمیں پہنچاؤ حضرت عبد اللہ بن جحش نے خط پڑھ کر اپنے اصحاب کو سنایا وہ سب بہ خوشی ان کے ساتھ جانے پر تیار ہو گئے۔ جب وہ معدن میں پہنچے تو حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عتبہ بن غزوہ ان کے اونٹ گم ہو گئے وہ دونوں اپنے اپنے اونٹوں کی تلاش میں نکل گئے اور حضرت عبد اللہ بن جحش اپنے بقیہ اصحاب کے ساتھ نخلہ میں پہنچ گئے وہاں سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ گزرا جس میں خوراک اور دیگر تجارتی سامان تھا اس قافلہ میں عمرو بن الحضر می عثمان بن عبد اللہ بن مغیرہ اس کا بھائی نوفل وغیرہ تھے۔ مسلمانوں نے ان کو دیکھ کر انہیں دھمکایا اور اس قافلہ کو روک لیا اور ان کے متعلق غور کیا اس دن رجب کی آخری تاریخ تھی

بعض نے کہا: اگر تم نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ حرم میں پہنچ جائیں گے اور تم سے محفوظ ہو جائیں گے اور اگر تم نے ان سے جنگ کی تو تم ماہ حرام میں جنگ کرنے کا ارتکاب کر آگے۔ وہ بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ ان سے جنگ کی جائے۔ اور جس کو قتل کر سکیں اس کو قتل کر دیں باقی کو گرفتار کر لیں اور ان کا مال لوٹ لیں پھر حضرت واقد بن عبد اللہ تمیمی نے تیر مار کر عمرو بن العاص کو قتل کر دیا اور عثمان بن عبد اللہ اور حکم بن کيسان کو گرفتار کر لیا اور نوفل بن عبد اللہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا حضرت عبد اللہ بن حبش اس قافلہ کے سامان اور دو قیدیوں کو لے کر اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے ان لوگوں نے اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے انک کر لیا تھا اور باقی آپس میں تقسیم کر لیا تھا یہ اسلام میں پہلا مال غنیمت اور پہلا فتنہ تھا جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا میں نے تم کو ماہ حرام میں قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا ان کا قتلہ اور دو قیدی وہاں ٹھہرے رہے آپ نے اس میں سے کسی چیز کو بھی لینے سے انکار کر دیا اس وقت ان مسلمانوں کو بہت پشیمانی ہوئی اور دیگر مسلمانوں نے بھی ان کو علامت کی اور کہا تم نے وہ کام کیا ہے جس کا تمہیں حکم نہیں دیا گیا تھا تم نے ماہ حرام میں قتال کیا حالانکہ تم کو لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا ادھر قریش نے طعنہ دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب نے ماہ حرام کو حلال کر لیا ہے اور اس ماہ میں خون ریزی کی ہے اور لوٹ مار کی ہے ادھر یہودیوں نے اس واقعہ کو خوب اچھاالا اور کہا واقد بن عبد اللہ نے جنگ کی آگ بھڑکا دی ہے اور حضری کے قتل سے جنگ کی نوبت آگئی ہے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یہ تم سے ماہ حرام میں قتال کے متعلق دریافت کرتے ہیں ان سے کہیں کہ یہ گناہ ہے اور اس سے بھی بڑا گناہ وہ ہے جو تم کر رہے ہو لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتے ہو اللہ کا کفر کرتے ہو مسلمانوں کو مسجد حرام جانے نہیں دیتے اور سائین حرم کو وہاں سے نکالتے ہو اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مسلمانوں کا غم دور ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلہ اور قیدیوں پر قبضہ کر لیا قریش نے ان دو قیدیوں کا فدیہ بھیجا آپ نے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا ان میں سے حکم بن کيسان مسلمان ہو گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ ہی میں رہے حتیٰ کہ ہیر معونہ کے واقعہ میں شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ (تاریخ الامم والملوک ج ۲ ص ۱۳۶-۱۳۷ مطبوعہ دار القلم بیروت)

علامہ ابن اثیر جزیری نے بھی اسی طرح اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اس کے بعد لکھا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ جس دن حضری کو قتل کیا گیا وہ جمادی کا آخری دن تھا اور رجب کی پہلی شب تھی۔

(الکامل فی التاريخ ج ۲ ص ۸۰ مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۰ھ)

حافظ ابن کثیر نے ابن اسحاق کے حوالے سے پہلی اور امام احمد اور امام بیہقی کے حوالے سے دوسری روایت لکھی ہے اور لکھا ہے کہ اللہ ہی جانتا ہے کون سی روایت صحیح ہے۔ (امدادیہ انتہیہ ج ۳ ص ۲۵۲-۲۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۹۳ھ)

اکثر و بیشتر مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں کو مغالطہ ہو گیا تھا انہوں نے سمجھا کہ یہ جمادی کی آخری تاریخ ہے لیکن درحقیقت وہ رجب کی پہلی تاریخ تھی اور انہوں نے دانستہ ماہ حرام میں قتال نہیں کیا تھا لیکن قرآن مجید کی اس آیت سے ابن اسحاق کی روایت کی تائید ہوتی ہے کہ انہوں نے دانستہ ماہ حرام میں قتال کیا تھا تب ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے یہ فعل گناہ ہے لیکن جو تم کر رہے ہو وہ اس سے بڑھ کر گناہ ہے اور امام ابن جریر طبری اور علامہ جزیری وغیرہم نے اسی پر اعتقاد کیا ہے۔

حرمت والے مہینوں میں ممانعت قتال کے منسوخ ہونے کی تحقیق

چار مہینوں میں جنگ کرنا حرام ہے: ذوالقعدہ ذوالحجہ محرم اور رجب اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے تین مہینوں میں لوگ حج کے لیے اور حج سے واپسی کا سفر کرتے ہیں اور رجب میں عمرہ کا سفر کرتے ہیں ان مہینوں کو اشہر حرام (حرمت والے مہینے)

کہتے ہیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ ہی سے ان مہینوں میں جنگ نہ کرنے کا دستور چلا آ رہا تھا تا کہ لوگ زمانہ اس میں جج اور عمرہ کا سر کریں اس میں اختلاف ہے کہ یہ حرمت اب بھی قائم ہے یا منسوخ ہو گئی 'جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ حرمت منسوخ ہو گئی اور ان کی دلیل یہ آیت ہے:

فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ

تم مشرکین کو جہاں پاؤ انہیں قتل کرو۔

(البقرہ: ۵)

مجاہد لال یہ ہے کہ اس آیت میں ہر جگہ مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور ہر جگہ ان کو قتل کرنے کا عموم اس بات کو مستلزم ہے کہ ہر زمانہ اور ہر وقت میں ان کو قتل کیا جائے اور ہر زمانہ میں حرمت والے مہینے بھی داخل ہیں 'ہذا ان مہینوں میں بھی مشرکین کو قتل کیا جائے گا' اس سے ظہر ہوا کہ ان مہینوں میں قتال کرنے کی حرمت اب منسوخ ہو گئی۔ علامہ ابو الحیان اندلسی لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ ان مہینوں میں قتال کی حرمت اس سے منسوخ ہو گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف سے ماہ حرام میں قتال کیا تھا اور آپ نے ماہ حرام میں قتال کے لیے ابو عامر کو اوحاس روانہ کیا تھا۔

حطاب نے کہا ہے کہ یہ حرمت منسوخ نہیں ہوئی وہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ لوگوں کے لیے حرم میں اور حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنا جائز نہیں 'الہ یہ کہ ان کو مدافعتانہ جنگ کرنی پڑے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرمت والے مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے الا یہ کہ آپ سے جنگ کی جائے اور آپ کو مدافعتانہ جنگ کرنی پڑے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان مہینوں میں جنگ کرنا گنہ کبیرہ ہے۔

اس آیت کا غیر منسوخ ہونا اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ابن دہب نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی کے قتل کی دیت ادا کی اور مال غنیمت اور دونوں قیدیوں کو واپس کر دیا 'نیز اس کے بعد جو قتال کی آیت نازل ہوئیں وہ زمانہ کے اعتبار سے عام ہیں اور یہ آیت خاص ہے اور عام خاص کو بالاتفاق منسوخ نہیں کرتا۔

(المحرر المحیط ج ۲ ص ۳۸۵-۳۸۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

ہمارے آئمہ احناف کے نزدیک خاص کو عام سے منسوخ کرنا جائز ہے اور حضرت ابن عباس سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: یہ آیت منسوخ ہے اور ماہ حرام میں قتال کرنا جائز ہے البتہ عطاء نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۱۰۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

جمہور کے نزدیک اس آیت کا حکم منسوخ ہے البتہ عطاء نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

(المجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۴۳ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں:

زہری نے کہا کہ حرمت والے مہینوں میں قتال کی ممانعت کا حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً

اور تم تمام مشرکوں سے جنگ کرو جس طرح وہ تم سب

سے جنگ کرتے ہیں۔ (البقرہ: ۱۹۶)

اور عطا نے کہا یہ حکم منسوخ نہیں ہوا اور پہا قول صحیح ہے کیونکہ بہ کثرت احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن سے حنین میں اور ثقیف سے طائف میں ان مہینوں میں جنگ کی اور آپ نے ابو العاص (یا ابو عامر) کو اوطاس میں ان مہینوں میں جنگ کے لیے بھیجا اور قریش سے ثمال کے لیے بیعت رضوان بھی ذوالقعدہ میں ہوئی تھی

(الکتب والمعیون ج ۱ ص ۲۷۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

عطا قسم کھا کر کہتے تھے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی اور سعید بن مسیب اور سلیمان بن یسار یہ کہتے تھے کہ ماہ حرام میں قتال کرنا جائز ہے وہ سورہ توبہ ۱۱۹ اور توبہ ۵ سے استدلال کرتے ہیں جن میں شرکیں سے بالعموم قتال کرنے کا حکم دیا ہے اور تمام شہروں کے فقہاء کا یہی قول ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۷۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷ھ)

قاضی ثناء اللہ مظہری کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے ان کے نزدیک ان مہینوں میں ابتداء قتال کرنا جائز نہیں ہے البتہ مدافعتاً جنگ جائز ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

إِنِ عِدَّةُ الشَّهْرِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا
فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا
أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الْيَقِينُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ
أَنفُسَكُمْ. (التوبہ: ۳۶)

بے شک اللہ کے نزدیک اس کی کتاب میں مہینوں کی تعداد بارہ ہے جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں یہی صحیح دین ہے تو ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

لیکن قاضی مظہری نے اس آیت کے دوسرے حصے پر غور نہیں کیا جس سے جمہور ان مہینوں کی حرمت کے منسوخ ہونے پر استدلال کرتے ہیں وہ یہ ہے

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً. (التوبہ: ۳۶) کرتے ہیں۔

قاضی مظہری نے لکھا ہے کہ خاص کا عام سے منسوخ ہونا قطعی نہیں ہے شوافع کا اس میں اختلاف ہے۔

(تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۱۳-۳۱۱ مطبوعہ دارچستان بک ڈپاز کوئٹہ)

لیکن انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ شوافع کے نزدیک بھی یہ آیت منسوخ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت والے مہینوں میں قتال کیا ہے اس کے معارض انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ شوال میں کیا تھا لیکن یہ جمہور کے خلاف نہیں ہے کیونکہ جمہور نے یہ کہا ہے کہ طائف اور حنین کی جنگیں شوال سے لے کر ذوالقعدہ کے بعض ایام تک جاری رہیں اور ذوالقعدہ ماہ حرام ہے۔

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

ہم نے جو کہا ہے کہ سورہ توبہ ۳۶ سے یہ آیت منسوخ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بہ کثرت احادیث مشہورہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن سے حنین میں اور ثقیف سے طائف میں جنگ کی اور ابو عامر کو شرکیں سے جنگ کے لیے طائف میں بھیجا اور یہ جنگیں شوال اور ذوالقعدہ کے بعض ایام میں ہوئیں اور ذوالقعدہ ماہ حرام ہے اگر ان مہینوں میں قتال اور جہاد حرام اور گنہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان مہینوں میں قتال نہ کرتے کیونکہ آپ سب سے زیادہ حرام اور معصیت سے اجتناب کرنے والے تھے دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تمام جامعین اس پر متفق ہیں کہ قریش کے

خلاف جنگ کرنے کی بیعت رضوان ذوالقعدہ میں منعقد ہوئی تھی اگر بالفرض حضرت عثمان کو کفار قریش نے قتل کر دیا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا قصاص لینے کے لیے ان سے ذوالقعدہ میں جنگ کرتے اور وہ ماہ حرام ہے اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان مہینوں میں قتال کرنا ان مہینوں میں جنگ کو حرام قرار دینے سے پہلے ہے تو وہ جاہل ہوگا کیونکہ ذریعہ بحث آیت جس میں ان مہینوں میں قتال کو بڑا گناہ فرمایا ہے اس وقت نازل ہوئی جب حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے شکر کے ایک مسلمان نے عمرو بن العاص کو قتل کر دیا تھا اور یہ واقعہ دو ہجری جمادی الثانی ۱۱ھ کا ہے اور حنین اور طائف کا واقعہ شوال ذوالقعدہ آٹھ ہجری کو پیش آیا۔ (جامع البیان ۲/ ص ۲۰۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

ہمارے نزدیک اس بحث میں جمہور کا قول صحیح ہے جن کے نزدیک ان مہینوں میں جنگ کی حرمت منسوخ ہے اور علامہ قاضی مظہری کی رائے صحیح نہیں ہے۔

جب کہ کفار کا مسلمانوں سے قتل کرنا صرف اس لیے تھا کہ ان کو دین حق سے پھیر کر دین باطل پر کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور وہ کافر تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے حتیٰ کہ اگر ان کے بس میں ہو تو وہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اور جب وہ دین باطل پر ہونے کے باوجود تم کو دین سے پھیرنے کی سعی کرتے ہیں تو تم دین حق پر ہونے کی وجہ سے اس بات کے زیادہ حق دار ہو کہ تم ہمیشہ دین حق پر قائم رہو اور ان کو کامیاب نہ ہونے دو کیونکہ تمہارا اعتماد اللہ پر ہے اور ان کا اعتماد اپنی قوت پر ہے اور جو اپنے آپ پر اعتماد کرے وہ ضائع ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جو شخص کفار کے ذالے ہوئے شبہات کا شکار ہو گیا اور دین حق سے مرتد ہو گیا اس کا کیا حکم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ورتم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور وہ حالت کفر میں ہی مر گیا تو ان لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہ لوگ جہنمی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے (البقرہ ۲۱۷) مرتد کی تعریف اور اس کا شرعی حکم

جو مسلمان صاحب عقل ہو مکلف ہو اور بغیر نیند اور نشہ کے دین اسلام سے منحرف ہو کر کوئی اور دین قبول کر لے وہ مرتد ہے عام ازیں کہ اس کا کفر کو اختیار کرنا قولاً ہو یا فعلاً اور عام ازیں کہ اس کا قوس بنجیدگی سے ہو یا استہزاء پر عناد ہو۔ علامہ شمس الدین سرخسی حنفی لکھتے ہیں:

جب کوئی مسلمان معاذ اللہ مرتد ہو جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے اور اسلام کے خلاف جو اس کے شبہات ہیں ان کو زائل کیا جائے اگر وہ مسلمان ہو جائے تو فیہا ورنہ اس کو اسی جگہ قتل کر دیا جائے البتہ اگر وہ مہلت طلب کرے تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت معاذؓ وغیرہم سے مروی ہے کہ مرتد کو قتل کرنا واجب ہے۔

(الموسط ج ۱۰ ص ۹۸ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت معاذؓ حضرت ابو موسیٰؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہم سے مرتد کو قتل کرنے کا حکم منقول ہے اور اس کا انکار نہیں کیا گیا لہذا قتل مرتد پر اجماع ہو گیا۔ (المنی ج ۹ ص ۱۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

قتل مرتد پر قرآن اور سنت سے دلائل

قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سُنَدٌ إِلَىٰ قَوْمٍ
أُولَئِكَ بِأَن شَدِيدًا تَقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُسَلِّمُوا (فتح ۱۶)

ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے آپ فرما دیجئے
عنقریب تم ایک ایسی قوم (مرتدین اہل یمانہ) کی طرف

بلائے جاؤ گے جوخت جنگجو ہوگی تم ان سے لڑتے رہو گے یا وہ
مسلمان ہو جائیں گے۔

اس آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کہ مرتدین کے لیے صرف دو راستے ہیں یا ان سے جنگ کی جائے یا وہ مسلمان ہو جائیں تیسری کوئی صورت نہیں ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دو۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ص ۱۳۸۱)
اس حدیث کو امام ابو داؤد^۱، امام ترمذی^۲، امام نسائی^۳، امام ابن ماجہ^۴ اور امام احمد^۵ نے بھی روایت کیا ہے۔
امام مالک روایت کرتے ہیں:

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کی گردن اڑا دو۔ (مسند امام مالک ص ۶۴۱ مطبوعہ مطبع نجف پاکستان لاہور)
امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

حضرت معاویہ بن حیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے دین کو تبدیل کرے اس کو قتل کر دو۔ (المصنف ج ۱۰ ص ۱۶۸ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ص ۱۳۹۰)
اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔

(المصنف ج ۱۰ ص ۱۳۹ مطبوعہ دار القرآن کراچی ص ۱۳۰۶)

مرتدہ کو قتل کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء اور فقہاء احناف کے دلائل

علامہ ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ امام احمد، امام مالک اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ مرتدہ خواہ مرد ہو یا عورت اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دو اور امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ صحابہ میں سے حضرت علی اور تابعین میں سے حسن بصری اور قتادہ کا یہی موقف ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کو قتل نہ کرو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۴) اور جب عورت کو کفر اصلی کی وجہ سے قتل نہیں کیا جاتا تو کفر طاری کی وجہ سے بھی قتل نہیں کیا جائے گا نیز حضرت ابو بکر نے بنو حنیفہ کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا تھا اور ان میں سے ایک عورت حضرت علی کو دی تھی جس سے محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے اور حضرت ابو بکر نے محضر صحابہ میں یہ کام کیا تھا اس لیے اس پر اجماع ہو گیا۔ (افتی ج ۹ ص ۱۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ص ۱۳۰۵)

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب عورتیں اسلام سے مرتد ہو جائیں تو ان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

۱ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۲۲ مطبوعہ مطبع نجف پاکستان لاہور ص ۱۳۰۵

۲ امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۳۳۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۳ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ سنن نسائی ج ۲ ص ۱۶۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۴ امام ابو عبد اللہ محمد بن زید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ سنن ابن ماجہ ص ۱۸۲ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۵ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۲-۲۸۳-۲۸۴ ج ۲ ص ۵۳۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ص ۱۳۹۸

(مسن دار قلمی ج ۳ ص ۱۱۸ مطبوعہ نثرانیہ لکھنؤ)

اس حدیث کو امام محمد نے بھی روایت کیا ہے (کتاب الاموال ص ۱۳۸ مطبوعہ ادارہ القرآن لکھنؤ)۔
امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب عورتیں امام سے مرد ہو جائیں تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا مگر ان کو فیدہ کیا جائے گا اور ان کو اسلام کی دھوٹ دی جائے گی۔ امام ابن ابی شیبہ نے عطا اور بن سے بھی اس قول کو روایت کیا ہے۔
کیا مرتد کو قتل کرنا آزادی فکر کے خلاف ہے؟

بعض مخالفین اسلام اور مستشرقین قتل مرتد کے حکم پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ ضم آزادی فکر اور حریت اعتقاد کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے فکر کو علی الاطلاق اور بے لگام نہیں چھوڑا مثلاً اگر کسی شخص کا یہ نظریہ ہو کہ زنا کرنا اور چوری کرنا درست ہے تو کیا اس کو مسلمانوں کی لڑکیوں سے بدکاری کرنے اور اموال پرانے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے گا؟ اور اگر کسی کا یہ نظریہ ہو کہ قتل کرنا درست ہے تو اس کو قتل کرنے کے لیے بے مہر چھوڑ دیا جائے گا؟ اور اگر ان اخلاقی مجرموں کو سزا دی جائے تو کیا یہ آزادی فکر اور حریت اعتقاد کے خلاف ہوگا؟

تمام دنیا کے ملکوں میں یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص حکومت وقت کے خلاف بغاوت کرے اور حکومت کو الٹنے اور انعام بے پروگرام بنائے تو ایسے شخص کو پھانسی کی سزا دی جاتی ہے پھر کیا ایسے شخص کو موت کی سزا دینا آزادی فکر اور حریت اعتقاد کے خلاف نہیں ہے؟ جب کہ تمام دنیا میں باغیوں اور ملک کے غداروں کو موت کی سزا دی جاتی ہے اور جب ملک کے غدار کو موت کی سزا دینا حریت فکر اور آزادی رائے کے خلاف نہیں ہے تو دین کے غدار کو موت کی سزا دینا کیونکر آزادی رائے کے خلاف ہو سکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں انصاف اور امن کے لیے آزادی رائے اور حریت فکر کو بے لگام اور بے مہر نہیں چھوڑا جاسکتا۔ ورنہ کسی کی جان مال عزت اور آبرو کا کوئی تحفظ نہیں ہوگا اس لیے ضروری ہے کہ فکر اور اعتقاد کے لیے حدود اور قیود مقرر کی جائیں اور ان حدود کا تقرر یا عقل محض سے ہوگا یا وحی الہی سے اگر ان حدود کا تقرر عقل محض سے کیا جائے تو ان حدود میں غلطی خطا ظلم اور جور کا امکان ہے اس لیے ان حدود اور قیود میں وحی پر اعتماد کرنا ہوگا اور یہ وحی الہی ہے جس نے مرتد کی سزا قتل کرنا بیان کی ہے جیسا کہ ہم قرآن مجید احادیث صریحہ اور آثار صحابہ و تابعین سے واضح کر چکے ہیں

بعض مستشرقین کہتے ہیں کہ مرتد کو قتل کی سزا دینا خود قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے "لَا إِكْرَاهًا فِي الدِّينِ" (البقرہ ۲۵۶) دین (قبول کرنے) میں جبر نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت کافر اصلی سے متعلق ہے یعنی جو ابتداً کافر ہو مرتد کے بارے میں نہیں ہے کیونکہ پوری آیت اس طرح ہے

لَا إِكْرَاهًا فِي الدِّينِ ۚ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ (البقرہ ۲۵۶)
دین (قبول کرنے) میں جبر نہیں ہے ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے جو شخص شیطان کے حکم کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو بے شک اس نے ایسا مضبوط دستہ تمام لیا جو کبھی نہیں ٹوٹے گا۔

ارتداد سے نیک عمل ضائع ہونے کے متعلق مذاہب فقہاء
امام شافعی کے نزدیک ارتداد سے نیک عمل اس وقت تک باطل نہیں ہوتے جب تک اس شخص کی موت ارتداد پر نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور وہ حالت کفر میں مر گیا تو ان لوگوں کے نیک

اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے لہذا ایک شخص نے وضو کیا اور وہ معاذ اللہ مرتد ہو گیا پھر وضو ٹوٹنے سے پہلے وہ مسلمان ہو گیا تو وہ اس وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے حج کر لیا اور پھر وہ مرتد ہو گیا اور دوبارہ پھر مسلمان ہو گیا تو اب اگر وہ صاحب استطاعت ہے تو اس پر دوبارہ حج فرض نہیں ہوگا اسی طرح اگر کوئی صحابی الہیاء باللہ مرتد ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دوبارہ مسلمان ہو گیا تو وہ بدستور صحابی ہے اور امام ابو حنیفہ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک صرف ارتداد سے نیک عمل ضائع ہو جاتے ہیں لہذا اگر کسی شخص نے وضو کیا اور مرتد ہو گیا تو اس کا وضو ٹوٹ گیا اگر اس نے حج کیا تھا تو وہ ضائع ہو گیا اور مسلمان ہونے کے بعد صاحب استطاعت ہونے کے بعد اس پر از سر نو حج اسلام فرض ہو گا اسی طرح جو صحابی الہیاء باللہ مرتد ہو گیا تو اس کا شرف صحابیت باطل ہو گیا اب اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مسلمان ہوا ہے تو وہ تابعی کہلائے گا صحابی نہیں ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں دو جرم اور دوسرا تہم بیان کی ہیں ایک جرم ہے: مرتد ہونا دوسرا جرم ہے تاحیات مرتد رہنا اور ارتداد پر ہی مرنا اور رجوع الی الاسلام نہ کرنا اور ایک سزا ہے: ان کے نیک اعمال کا ضائع ہونا اور دوسری سزا ہے ہمیشہ جہنم میں رہنا۔ پہلی سزا کا تعلق پہلے جرم کے ساتھ ہے اور دوسری سزا کا تعلق دوسرے جرم کے ساتھ ہے یعنی مرتد ہونے سے نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے اور اگر وہ مرتد دم تک مرتد رہا تو جہنمی ہوگا۔ اب ہم اس چیز کو مفسرین اور فقہاء کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔

قاضی بیضاوی لکھتے ہیں:

نیک اعمال کے ضائع ہونے کے لیے ارتداد کو موت کے ساتھ مقید فرمایا ہے جیسا کہ امام شافعی کا مذہب ہے۔

(انوار التریل ص ۴۷ دار فرائس للنشر والچھڑج مصر)

قاضی ابوبکر بن العربی مالکی لکھتے ہیں:

اس کا اس میں اختلاف ہے کہ نفس ارتداد سے نیک عمل ضائع ہوتے ہیں یا جب تک ارتداد پر اس کی موت نہ ہو نیک عمل ضائع نہیں ہوتے امام شافعی کے نزدیک جب تک وہ تادم مرگ مرتد نہ رہے اس کے نیک عمل ضائع نہیں ہوتے اور امام مالک کے نزدیک نفس ارتداد سے نیک عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ ایک آدمی نے حج کیا پھر مرتد ہو گیا پھر مسلمان ہو گیا تو امام مالک کے نزدیک اس پر دوبارہ حج فرض ہے کیونکہ اس کا حج مرتد ہونے سے باطل ہو گیا اور امام شافعی کے نزدیک اس کا حج باقی ہے ضائع نہیں ہوا اس لیے اس پر دوبارہ حج فرض نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

لَیْسَ اَشْرَکُکَ لَیْسَ بِکَیْفَ بَطَلْکَ (الزمر: ۱۷)

اگر آپ نے (پہ فرض محال) شرک کیا تو آپ کے (نیک) عمل ضائع ہو جائیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نفس ارتداد سے عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس آیت میں خطاب آپ سے ہے اور مراد آپ کی امت ہے کیونکہ آپ کا مرتد ہونا شرعاً محال ہے۔ شافعی یہ کہتے ہیں: بلکہ اس آیت سے آپ ہی مراد ہیں اور یہ آیت بہ طور تغلیظ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بلند مرتبہ کے باوجود یہ فرمایا ہے کہ اگر آپ نے بھی شرک کیا تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے تو تمہاری کہا حیثیت ہے! (احکام القرآن ۱/۲۷۷ مطبوعہ دارالعرفان بیروت ۱۴۰۸ھ)

(اللہ جانے اس تفریر سے امام شافعی کا مدعا کیسے پورا ہوگا۔) ہمارے موقف پر یہ آیات بالکل واضح ہیں۔

وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالْاٰیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ۔ اور جس نے ایمان لانے سے انکار کیا تو اس کا (نیک)

(المائدہ: ۵) عمل ضائع ہو گیا۔

وَلَوْ أَنفَرَكُمُوهَا حَيْطًا عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝
اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کے (نیک) اعمال ضائع

(الانعام ۸۸) ہو جاتے ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ
اے ایمان والو! اس نبی کی آواز پر آواز بلند نہ کرو اور
النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن
ان کے سامنے بلند آواز سے اس طرح باتیں نہ کرو جس طرح
تَكْبُرًا أَعْيَانُكُمْ وَأَنَّكُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ (الحجرات ۲)
تم ایک دوسرے سے بلند آواز سے باتیں کرتے ہو ورنہ
تمہارے (نیک) عمل ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں شعور بھی
نہیں ہوگا ۝

یعنی اگر کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (گستاخانہ لہجہ میں) بلند آواز سے بات کی تو وہ مرتد ہو جائے گا اس کے نیک
عمل ضائع ہو جائیں گے۔ ان تمام آیات میں نیک اعمال ضائع ہونے کا سبب نفس ارتداد کو قرار دیا ہے اور اس کو موت کے
ساتھ مقید نہیں فرمایا اور یہ ائمہ ثلاثہ کے موقف پر واضح دلیل ہے۔
علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

اگر کوئی مسلمان مرتد ہو گیا تو وہ وضو کے بغیر نماز نہیں پڑھ سکتا خواہ اس نے ارتداد سے پہلے وضو کیا ہو۔ امام ابو حنیفہ امام
مالک اور امام شافعی نے کہا: ارتداد سے اس کا وضو باطل نہیں ہوگا۔ (اُفتی ج ۱ ص ۱۱۵ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)
علامہ ابن قدامہ کو یہاں بیان مذاہب میں تسامح ہوا ہے امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک بھی اس کا وضو باطل ہو
گیا، البتہ امام شافعی کے نزدیک اس کا وضو نہیں ٹوٹا۔

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

امام شافعی کے نزدیک ارتداد پر موت سے نیک عمل ضائع ہوتے ہیں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک صرف ارتداد سے نیک
عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ ایک شخص نے مثلاً ظہر کی نماز پڑھی اور مرتد ہو گیا اور ظہر کا وقت ختم ہونے سے
پہلے دوبارہ مسلمان ہو گیا تو امام شافعی کے نزدیک اس پر ظہر کی نماز کا اعادہ نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر ظہر کی نماز
کا اعادہ ہے کیونکہ ارتداد سے اس کی پہلے پڑھی ہوئی نماز باطل ہو گئی۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۱۱۱ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت')
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ لوگ اللہ کی
رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے ۝ (البقرہ ۲۱۸)

دارالاسلام، دارالکفر اور دارالحرب کی تعریفات

پہلے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا بیان فرمایا تھا جن کے لیے قطعی طور پر جہنم ہے اب ان لوگوں کا بیان فرما رہا ہے جو جنت کی
امید رکھنے کے حق دار ہیں۔ مسلمانوں پر پہلے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا اور فتح مکہ کے بعد یہ ہجرت منسوخ ہو
گئی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت ہے۔ البتہ جب کبھی کہیں مکہ
جیسے حالات پیدا ہوں جہاں اس کا ایمان، جان، مال اور عزت محفوظ نہ ہو تو اس کے لیے وہاں سے ہجرت کرنا واجب ہے۔ آج
کل جس قدر کافر ملک ہیں کسی میں ایسے حالات نہیں ہیں ہو سکتا ہے اسرائیل میں یہ کیفیت ہو اس لیے ان ممالک سے ہجرت
کرنا واجب نہیں ہے بلکہ برطانیہ، مغربی جرمنی، کینیڈا، فرانس اور ہالینڈ میں رہنے والے مسلمان پاکستان سے زیادہ، مون اور

۱ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۷ھ صحیح بخاری ج ۳ ص ۳۳۳ 'مطبوعہ نور محمد ریح الطباع' راپڑی ۱۳۸۱ھ

محفوظ ہیں یہ تمام ملک دار الکفر ہیں اور جن ملکوں سے بالقتل حالت جنگ برپا ہو وہ دار الحرب ہیں اور جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو اور ان میں نظام اسلام جاری کرنے کی اہلیت ہو وہ دارالاسلام ہیں۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے

وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ

اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے (بھی) ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدہ سے زیادہ بڑا ہے اور یہ آپ سے سوال کرتے ہیں

مَا ذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ

کہ کیا چیز خرچ کریں آپ کہیے کہ جو ضرورت سے زائد ہو اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۱۹﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَيَسْأَلُونَكَ

بیان فرماتا ہے تاکہ تم تدبر کرو O دنیا اور آخرت کے کاموں میں اور یہ لوگ آپ سے

عَنِ الْيَتَامَى قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ

یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہیے کہ ان کی خیر خواہی کرنا بہتر ہے اور اگر تم اپنا اور ان کا خرچ مشترک رکھو

فَاخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ

(تو کوئی حرج نہیں) وہ تمہارے بھائی ہی تو ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ کون خیر خواہی کرنے والا ہے اور کون بد خواہی کرنے والا اور اگر اللہ چاہتا

لَاَعْنَتُكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۲۰﴾

تو تم کو ضرور سختی میں ڈال دیتا ہے شک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O

قرآن مجید سے خمر (شراب) کی تحریم کا بیان

اس سے پہلے آیت میں جہاد کا بیان کیا گیا تھا اور عربوں میں شراب پینے کا عام رواج تھا اور شراب اور جہاد دونوں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے کیونکہ شراب کے نشہ میں انسان کو اپنے پرانے کی تمیز نہیں رہتی تو ایسا شخص کافروں سے جہاد کب کر سکتا ہے نیز وہ شراب کے نشہ میں جوا کھیا کرتے تھے اور جھپتی ہوئی رقم غریبوں میں تقسیم کرتے تھے اور یہ ظاہر یہ اچھا کام تھا اس لیے صحابہ نے ان دونوں کا حکم معلوم کیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر چہ اس میں کچھ لوگوں کا فائدہ ہے لیکن ان کا نقصان زیادہ ہے کیونکہ شراب کے نشہ سے عقل زائل ہو جاتی ہے اور انسان جھوٹ بولتا ہے اور گالم گلوچ کرتا ہے اور جوئے کے ذریعہ دوسروں کا مال ہتھیالیتا ہے۔

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

زید بن علی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سر (سراب) کے متعلق میں ایسی باتیں نازل کی ہیں ایک یہ ایک ہے (سراب) پینے سے وقتی بوڑھا اور بال بیدا ہوتا ہے اور جوئے کے ذریعہ آسانی سے مٹتی ہوئی رقم حاصل ہو جاتی ہے اور زمانہ جاہلیت میں یہ رقم غرباء پر خیرات کر دی جاتی تھی اس خواہش نے آپ سے سراب اور جوئے کے متعلق سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر چاہا میں کچھ فائدہ ہے لیکن اس کا نقصان زیادہ ہے (اب لوگوں نے شراب پینے کے مہول کو جاری رکھ کر نئی کہ دو آریوں نے شراب پی کی نماز پڑھی اور نماز میں بدکامی کی تب یہ آیت نازل ہوئی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ سَلَىٰ تَعْلَمُونَ أَمَّا تُثَمُّونَ (النساء: ۴۳-۴۴) جاؤ حتیٰ کہ تم یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

پھر جو لوگ شراب پیتے تھے وہ نماز کے اوقات میں شراب سے اجتناب کرتے تھے حتیٰ کہ ایک دن ابو القحوف نے اللہ کی حالت میں متقولین بدر کے نوہ اور مرثیہ میں چند اشعار پڑھے جن میں متقولین بدر کی تعلیم اور تکریم کی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ غضب میں گھبرائے ہوئے چادر کو گھسیٹتے ہوئے آئے جب اس نے آپ کو دیکھا تو آپ نے اس کو مارنے کے لیے کوئی چیز اٹھائی اس نے کہا میں نہ اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں یہ خدا میں اب کبھی شراب نہیں پوں گا تب یہ آیت نازل ہوئی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُواهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۝ (المائدہ: ۹۰)

اے ایمان والو! شراب (سراب) جو بوتلوں کے چڑھاؤں کی جگہ اور بوتلوں کے پاس فال نکلنے کے تیر محض ناپاک ہیں شیطانی کاموں سے ہیں ان سے اجتناب کرو تا کہ تم فلاح پاؤ ۝ شیطان کا صرف یہ ارادہ ہے کہ وہ شراب اور جوئے سے تمہارے سبب سے تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کر دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے تو کیا تم باز آنے والے ہو؟

حضرت عمرؓ نے جب یہ آیت سنی تو کہا ہم باز آئے ہم باز آئے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۱) مصبوحہ دارالمرکز ج ۱ ص ۱۰۹) اس آیت میں شراب کی حرمت پر دس دہیں ہیں (۱) شراب کا ذکر جوئے بوتلوں کے چڑھاؤں کی جگہ اور بوتلوں کے پاس فال نکلنے کے تیروں کے ساتھ کیا ہے اور یہ سب حرام ہیں (۲) شراب کو رجس (بجس) فرمایا اور برنجس چیز حرام ہے (۳) شراب کو شیطانی کام فرمایا اور شیطانی کام حرام ہیں (۴) شراب پینے سے اجتناب کا حکم دیا لہذا اس سے اجتناب کرنا فرض ہو اور جس سے اجتناب فرض ہو اس کا ارتکاب حرام ہے (۵) حصول فلاح کو شراب سے اجتناب پر مطلق فرمایا اس لیے اس سے اجتناب فرض اور اس کا ارتکاب حرام ہو، (۶) شراب کے سبب سے شیطان عداوت پیدا کرتا ہے اور عداوت حرام ہے اور حرام کا سبب بھی حرام ہوتا ہے لہذا شراب حرام ہوئی (۷) شراب کے سبب سے شیطان بغض پیدا کرتا ہے اور بغض حرام ہے (۸) شراب کی تاثیر سے شیطان اللہ کے ذکر سے روکتا ہے اور اللہ کے ذکر سے روکنا حرام ہے (۹) شراب کی تاثیر سے شیطان نماز سے روکتا ہے اور نماز سے روکنا حرام ہے (۱۰) اللہ تعالیٰ نے استغناء انتہائی مبلغ ممانعت کرتے ہوئے فرمایا کیا تم (شراب نوشی سے) باز آنے والے ہو؟

احادیث سے خمر (شراب) کی تحریم کا بیان

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا میں خمر (شراب) پی وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زنا کرتے وقت زانی میں ایمان (کامل) نہیں ہوتا، اور خمر پیتے وقت شرابی میں ایمان (کامل) نہیں ہوتا اور چوری کرتے وقت چور میں ایمان (کامل) نہیں ہوتا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۶، مطبوعہ نور محمد ریح المصانی، کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو عبیدہ، حضرت ابو طلحہ اور حضرت ابی بن کعب کو اودھ کی کھجوروں اور چھوڑوں کی شراب پلا رہا تھا کہ ایک آنے والے نے کہا: خمر کو حرام کر دیا گیا، تو حضرت ابو طلحہ نے کہا: اے انس! اٹھو اور اس تمام شراب کو اغریل دو۔

حضرت ابو مالک یا حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو زنا، ریشم، خمر اور آلات موسیقی کو حلال کہیں گے اور عنقریب کچھ لوگ پیار کے دامن میں رہیں گے جب شام کو وہ اپنے جانوروں کا ریوڑ لے کر لوٹیں گے اور ان کے پاس کوئی فقیر اپنی حاجت لے کر آئے گا تو کہیں گے: کل آنا۔ اللہ تعالیٰ پہاڑ گرا کر ان کو ہلاک کر دے گا اور دوسرے لوگوں (زنا، شراب اور آلات موسیقی کو حلال کرنے والوں) کو بےخ کر کے قیامت کے دن بندر اور خنزیر بنادے گا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۷، مطبوعہ نور محمد ریح المصانی، کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عمر نے دعا کی کہ اے اللہ! خمر کے متعلق شافی حکم بیاں فرما تو سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی: ”يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ“ (البقرہ: ۲۱۹) ”عمر نے پھر دعا کی تو یہ آیت نازل ہوئی: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى“ (النساء: ۴۳) ”تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے ندا کی کہ کوئی شخص نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جائے“ عمر نے پھر دعا کی: اے اللہ! خمر کے متعلق شافی حکم نازل فرما تو یہ آیت نازل ہوئی: ”هَلْ أَنْتُمْ مُنْكَرُونَ“ (النساء: ۹۰) حضرت عمر نے کہا: ہم باز آ گئے۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۶۱، مطبوعہ مطبع مجتہدی پاکستان، لاہور ۱۳۰۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ چیز جو عقل کو ذہاب لے وہ خمر ہے، اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جس شخص نے کسی نشہ آور چیز کو پیا اس کی چالیس دن کی نمازیں ناقص ہو جائیں گی۔ اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا اور اگر اس نے چوتھی بار شراب پی تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس کو طہیۃ النہال سے پلائے۔ پوچھا گیا کہ طہیۃ النہال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: دوزخیوں کی بیپ۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۶۲، مطبوعہ مطبع مجتہدی پاکستان، لاہور ۱۳۰۵ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے خمر پر لعنت فرمائی ہے اور خمر پینے والے پر پلانے والے پر نیچنے والے پر خریدنے والے پر خمر کو (انگوروں سے) نچوڑنے والے پر اس کو بنانے والے پر خمر کو مارنے والے پر اور جس کے پس لاد کر لائی جائے۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۶۱، مطبوعہ مطبع مجتہدی پاکستان، لاہور ۱۳۰۵ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص خمر پئے اس کو کوڑے مارو اگر وہ چوتھی بار پئے تو اس کو قتل کر دو۔ (جامع ترمذی ص ۱۳۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

حسن بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر پینے کی بناء پر اتنی کوڑے مارے۔

(المصنف ج ۷ ص ۳۷۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

امام طحاوی روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خمر پئے اس کو اتنی کوڑے مارو۔

(شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۹۱، مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان ۱۱ یوز ۱۴۰۳ھ)

خمر کی تعریف میں ائمہ مذاہب کا نظریہ اور امام ابو حنیفہ کے موقف پر دلائل

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور اس کے پینے پر حد واجب ہے خواہ قلیل مقدار میں پئے یا کثیر مقدار میں۔ (الجامع ۱۱ احکام القرآن ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے متعلق شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں:

قرآن مجید نے خمر کو حرام کیا ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک خمر اس کے شیرے کا نام ہے جو پڑے پڑے جوش کھانے لگے اور جھاگ چھوڑ دے اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے: "لَا يَتَّبِعْ أَكْثَرُهُمْ خَمْرًا" (یوسف ۳۶) میں نے خواب میں دیکھا کہ خمر کو نچوڑ رہا ہوں، یعنی انگوروں کو نچوڑ رہا ہوں جو خمر ہو جائیں گے۔ (المصنف ج ۲ ص ۲۳، مطبوعہ دارالسرۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ کے نزدیک صرف خمر حرام قطعی ہے اس کا پینا، پلانا، بیچنا، خریدنا، رکھنا سب حرام قطعی ہے، خمر کے علاوہ تین مشروب اور حرام ہیں: ایک بازق ہے یعنی انگور کا پکا ہوا شیرہ جو پکنے کے بعد ایک تہائی رہ جائے یا جو پڑے پڑے جوش کھانے لگے اور جھاگ چھوڑ دے دوسرا سکر ہے یعنی تازہ کھجوروں کا کچا شیرہ جب جھاگ چھوڑ دے تیسرا نفع الزبیب ہے یعنی کشمش کا کچا شیرہ جو پڑے پڑے جھاگ چھوڑ دے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۰-۲۸۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۹۸ھ)

ان تینوں مشروبات کی حرمت ظنی ہے اور ان کی نجاست خفیفہ ہے جب کہ نشہ آور مقدار میں پیا جائے اور اس سے کم مقدار میں یہ حرام ہیں نہ نجس۔

علامہ مرفیانی حنفی لکھتے ہیں:

خمر کا ایک قطرہ بھی پی لیا جائے تو حد واجب ہوگی اور باقی تین شرابوں کے پینے سے اس وقت حد واجب ہوگی جب نشہ ہو جائے۔ (ہدایہ اخیرین ص ۲۹۵، مطبوعہ شرکت علیہ لبنان)

امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ خمر تو بعینہ حرام ہے اور باقی نشہ آور مشروب اگر مقدار نشہ میں پئے جائیں تو وہ بھی حرام ہیں اور اگر اس سے کم مقدار میں پئے جائیں تو وہ حرام نہیں ہیں اور باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جو مشروب نشہ آور ہو وہ خمر ہو یا کوئی اور مشروب خواہ وہ قلیل مقدار میں پیا جائے یا کثیر مقدار میں وہ بہر حال حرام ہے امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔

امام ابو حنیفہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا غمر (مطلقاً) حرام کی گئی ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر اور ہر مشروب میں سے نشہ آور (مقدار) کو حرام کیا گیا ہے۔ (مسند امام اعظم ص ۲۵۳ مطبوعہ محمدیہ ائینہ سر کراچی)

امام ابو یوسف نے بھی اس حدیث کو امام ابو حنیفہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ (کتاب الآثار ص ۱۲۸)
امام ابن ابی شیبہ اور امام دارقطنی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۵۶ مطبوعہ نشر الملتان)
امام طبرانی تین مختلف اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: شراب کو بیعت حرام کیا گیا ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور مقدار کو۔

(معجم کبیر ج ۱۰ ص ۳۳۹-۳۳۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ بعض سندوں کے ساتھ یہ حدیث صحیح ہے۔

(معجم الزوائد ج ۵ ص ۵۳ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام نسائی نے اس حدیث کو چار مختلف سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(سنن نسائی ج ۲ ص ۲۸۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۹۷ مطبوعہ نشر الملتان)

ہم نے اس حدیث کے متعدد طرق اور اسانید اس لیے بیان کیے ہیں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ جس حدیث پر امام ابو حنیفہ کے مسلک کی بنیاد ہے وہ بہت قوی حدیث ہے اور جس حدیث میں ہے کہ جس مشروب کی کثیر مقدار حرام ہے اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے یہ حدیث ضعیف ہے "شرح صحیح مسلم" جلد سادس میں ہم نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور امام ابو حنیفہ کی تائید میں بہت سی احادیث اور آثار نقل کیے ہیں۔

جوئے کی تعریف اور اس کے حرام ہونے کا بیان

عربی میں جوئے کے لیے میسر اور قمار دونوں لفظ استعمال کیے جاتے ہیں میسر کا لفظ میر سے بنا ہے جس کا معنی آسانی ہے چونکہ جوئے میں جیتنے والا آسانی سے رقم حاصل کر لیتا ہے اس لیے اس کو میسر کہتے ہیں میر سید شریف قدر کی تعریف میں لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ مغلوب کی کوئی چیز غالب کو دے دی جائے گی قدر ہے۔

(المعجم فی تفسیر القرآن ج ۷ ص ۷۷ مطبوعہ مطبعہ الخیرہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

قمار قمر سے ماخوذ ہے جو کبھی کم ہوتا ہے کبھی زیادہ اور جوئے کو قمار اس لیے کہتے ہیں کہ جو اکھیلنے والوں میں سے ہر ایک اپنا مال اپنے ساتھی کو دینے اور اپنے ساتھی کا مال لینے کو (شرط کے ساتھ) جائز سمجھتا ہے اور یہ نص قرآن سے حرام ہے اور اگر صرف ایک جانب سے شرط لگائی جائے تو جائز ہے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۵۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۷ھ)

علامہ ابو بکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

اہل علم کا قمار کے عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور باہم شرط لگانا بھی قدر ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا آپس میں شرط لگانا قمار ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے مال اور بیوی کی شرط لگاتے تھے پہلے یہ مباح تھا بعد میں اس

۱ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ المصنف ج ۵ ص ۸ مطبوعہ دار القرآن کراچی

کی تحریم نازل ہو گئی، جب سورہ روم نازل ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ نے رسولوں کے اراکوں سے غالب ہونے پر سرسرا سے شراب لگائی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرط میں زنا دینی کرو اور مدت بڑھا دو پھر بعد میں اس سے منع فرمایا اور قتاریٰ حرمت نازل ہو گئی اس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ شتر سواری، گھوڑے سواری اور نیزے بازی کی ممانعت کی ترمیم لگانے کی رخصت ہے بلا سب سے آگے نکلنے والے کو انعام دیا جائے اور پیچھے رہ جانے والے کو نہ دیا جائے اور اگر شرط لگائی جائے کہ دونوں میں سے جو آگے نکل جائے گا وہ لے گا اور جو پیچھے رہ جائے گا وہ دے گا تو یہ ناجائز ہے اور اگر وہ کسی تیسرے شخص کو داخل کر دے کہ اگر وہ آگے نکل گیا تو لے گا اور اگر پیچھے رہ گیا تو دے گا یہ جائز ہے اس دلیل کی بنیاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منسوخ فرمایا ہے۔ (احکام القرآن ج ۱، ص ۱۳۹، مبدعہ جیل ریکی، دور ۱۳۱۰ھ)

لاٹری اور انعامی بانڈز وغیرہ کا شرعی حکم

لاٹری، معمر بازی، ریس کورس میں گھڑ دوڑ، ماش، سٹریچ، کبرم اور دیگر کھیلوں میں ہار جیت پر پیش لگانا، لٹری، فٹ بال اور کواٹس وغیرہ کے مالکی اور بین الاقوامی کھیلوں میں بیکھینا یا یہ سب قمار اور میسر (جوا) ہیں، گناہ کبیرہ اور حرام قطعی ہیں، انعامی بانڈز پر جو انعامی رقم ملتی ہے وہ جائز ہے، قدر نہیں کیونکہ اس میں کسی فرد کی رقم ضائع نہیں ہوتی، ہر شخص حسب چاہے اپنے بانڈز کو بینک سے کیش کر سکتا ہے، اس میں خریداری کی ترغیب دینے کے لیے بعض نمبروں پر حکومت انعام کی رقم کا ملان لگاتی ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے بعض صاحب سارا دار سے یا ٹوٹھ پیسٹ بنانے والے کوئی انعام جاری کرتے ہیں، اور حیدر اہل بونٹی اضافی چیز انعام میں دیتے ہیں یا بعض ٹھنڈے مشروبات والے (مثلاً، کاکا کولا) بوتل کے بعض دھندوں پر انعامی رقم رکھتے ہیں۔ اس کی تفصیل اور تحقیق ہم نے ”شرح صحیح مسلم“ جلد رابع میں بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور یہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں؟ آپ کہئے کہ جو ضرورت سے زائد اور

(البقرہ: ۲۱۹)

اس آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ شراب اور جوئے میں گناہ زیادہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ شراب اور جوئے سے روحانی اور بدنی بیماری ہوتی ہے اور ان میں پیسہ خرچ کرنا ناقص مذمت ہے۔ تب یہ سوال پیدا ہوا کہ کس چیز میں پیسہ خرچ کرنا اچھا ہے؟ اور چونکہ اس کلام کا سیاق جہاد ہے اور جہاد عظیم سنوں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اس سوال کو پھر یہ یا کہ کیا چیز خرچ کریں؟ آپ کہئے کہ ”عفو“ جو ضرورت سے زائد ہو۔

”عفو“ (زائد از ضرورت) کے معانی اور محامل

حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

امام ابن جریر، امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ضرورت سے زائد خرچ کرنے کا حکم اس وقت تھا جب زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی تھی۔

امام طبرانی اور امام بیہقی نے ”عفو“ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جو چیز اہل و عیال پر خرچ کرنے سے بچ رہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کی جائے۔

امام ابن المنذر نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ ”صحفو“ کے تین معنی ہیں (۱) گناہ سے درگزر کرنا (۲) میانہ روی سے خرچ کرنا اور اس آیت میں یہی مراد ہے یعنی اللہ کی راہ میں میانہ روی سے خرچ کرنا (۳) لوگوں کے ساتھ امان کرنا یہ معنی اس آیت میں ہے: ”أَوْ بَعْفُوا الَّذِي بَيْنَ يَدَيْكُمْ عَصَاةَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ“ (انعام: ۲۳۷) (دخوں سے پہلے مطاقہ عورت کو)

شوہر بہ طور احسان نصف مہر سے زیادہ دے دے۔“

امام عبد بن محمد نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ ”عفو“ کا معنی ہے ضرورت سے زائد
امام عبد بن محمد نے طاؤس سے روایت کیا ہے کہ ”عفو“ کا معنی ہے جس کا خرچ کرنا آسان ہو اور مجب سے کہا اس
سے مراد زکوٰۃ ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ”عفو“ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد صدقہ کی کوئی
معین مقدار نہیں ہے اس کے بعد فرائض کو معین کر کے ناز کیا گیا ہے نیز امام ابن جریر نے حدیث سے ”عفو“ کی تفسیر میں
روایت کیا ہے کہ اس حکم کو زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۵۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)
”عفو“ کے لفظ سے سوشلزم کے جواز پر استدلال اور اس کا جواب

جمہوری طریقہ سے رائے عامہ کو ہموار کر کے سیاسی اقتدار پر قبضہ کرنا اور اس کی منظوری سے زرعی، صنعتی اور تجارتی
اداروں کو ان کے مالکوں سے معاوضہ دے کر یا بلا معاوضہ چھین کر قومیا لینا سوشلزم ہے اور نادار اور محنت کش عوام کو ظلم کرنے
تاجروں، صنعت کاروں اور زمینداروں کے خلاف جنگ کر کے انقلاب لانا اور تمام پیداواری اداروں کو قومیا لینا سوشلزم ہے
۱۹۷۰ء میں جب پاکستان میں سوشلزم کا زور تھا اس وقت بعض سوشلسٹ علماء نے اس آیت سے سوشلزم نے اسلامی
ہونے پر استدلال کیا تھا کہ اللہ نے ضرورت سے زائد ہر چیز کو خرچ کرنے کا حکم دیا ہے ہذا تمام بڑے بڑے کاروباری اور
صنعتی اداروں کو قومی ملکیت میں لینا جائز ہے کیونکہ وہ تمام ادارے ان کے مالکوں کی ضرورت سے زائد ہیں اس وقت اس سے
جواب میں یہ کہا گیا تھا کہ اس آیت میں راہ خدا میں خرچ کرنے اور دینے کا حکم ہے لوگوں کے اموال کو بالجبر لینے یا قومیا لینے کا
حکم نہیں ہے نیز یہ حکم بہ طور انتخاب ہے بہ طور فرض نہیں ہے فرض صرف زکوٰۃ اور زری پیداوار سے عشر یا نصف عشر ادا کرنا
ہے

اب ہم اس آیت کو زائد زیادہ گہرائی سے دیکھتے ہیں اس آیت میں لفظ ”عفو“ سے استدلال یا یہاں ہم نے اس تفسیر
سے اس لفظ کے تین معنی نقل کیے ہیں زائد از ضرورت، میانہ روی اور آسان۔ جن صحابہ تابعین اور ائمہ تفسیر نے اس کا معنی
زائد از ضرورت بیان کیا ہے انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ زائد از ضرورت مال خرچ کرنے کا حکم زکوٰۃ کی فرضیت اور اس کی
مقدار بیان کرنے سے پہلے تھا اور اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا اور جن ائمہ تفسیر نے یہ بیان کیا کہ اس کا معنی ہے راہ خدا
میں میانہ روی سے خرچ کر دیا جس کا خرچ کرنا آسان ہو اس کو خرچ کر دیا سو اس معنی میں یہ ضم اب بھی باقی ہے خلاصہ یہ ہے
کہ اگر ”عفو“ کا معنی زائد از ضرورت ہے تو زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا اور اگر اس کا معنی ہے میانہ روی سے
خرچ کرنا یا جس کو خرچ کرنا آسان ہو اس کو خرچ کرنا تو یہ حکم اب بھی باقی ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھ اس کی تائید حسب ذیل
احادیث سے ہوتی ہے:

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام بخاری اور امام نسائی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین
صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی رہے اور پورا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے (یعنی سارا مال صدقہ نہ کر دے کہ اس کے بعد بھیک
مانگتے پھر دے) خرچ کی ابتداء اپنے اہل و عیال سے کر دینی کہے گی۔ یا مجھے نفقہ دے مجھے طلاق دو خادم کہے گا مجھے کھانا دو اور مجھ
سے کام لو بیٹا کہے گا مجھے کھلاؤ! تم مجھے کس پر چھوڑتے ہو؟

امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی رہے اور خرچ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو۔

امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ابن جریر، امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے آپ نے فرمایا اس کو اپنے نفس پر خرچ کر دے اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا اس کو اپنی اولاد پر خرچ کر دے اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا اس کو اپنی بیوی پر خرچ کر دے اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا اس کو اپنے خادم پر خرچ کر دے اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا تم اس کے خرچ کے متعلق بہتر جانتے ہو۔

امام ابن سعد، امام ابو داؤد اور امام حاکم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص انڈے کے برابر سونے کا ایک ٹکڑا لے کر آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! مجھے ایک معدن (کان) سے یہ سونا ملا ہے میں اس کو صدقہ کرتا ہوں آپ اس کو لے لیجئے میرے پاس اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا۔ اس نے دوبارہ پیچھے سے آ کر عرض کیا آپ نے اس سے وہ سونا لے کر اس کی طرف اتنے زور سے پھینکا کہ اگر اس کو لگ جاتا تو اس کو بہت چوٹ لگتی یا اس کی آنکھ پھوٹ جاتی آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنا (کل) مال لے کر میرے پاس آ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ صدقہ ہے پھر وہ بیٹھ کر لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائے گا بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی رہے اور خرچ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۵۳-۲۵۴ مطبوعہ مکتبۃ آپ اللہ العظمیٰ ایران)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اپنی ضروریات سے زائد کل مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا شرعاً محمود اور تحسن بھی نہیں ہے۔ اگر ہر شخص پر یہ لازم ہوتا کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد چیز خدا کی راہ میں دے دے تو کوئی شخص صاحب نصاب نہ ہوتا نہ کسی کے نصاب پر سال گزرتا اور پھر زکوٰۃ کا فرض کرنا بالکل لغو اور بے فائدہ ہوتا نہ کسی شخص پر قربانی واجب ہوتی نہ کسی پر حج فرض ہوتا نہ صدقہ فطر ہوتا تو پھر قربانی اور حج کی مشروعیت کے احکام بھی عبث ہوتے کیونکہ جب مال جمع کرنا شرعاً جائز ہی نہیں ہے تو پھر ان احکام کے کیا معنی؟ اور عشر اور نصف عشر کے احکام صحیح نہ ہوتے یہ حکم نہ ہوتا کہ اپنی زرعی پیداوار کا دسواں حصہ راہ خدا میں دو بلکہ یہ حکم ہوتا کہ اپنی ضرورت کا غلہ رکھ کر باقی سارا غلہ راہ خدا میں دے دو چور کا ہاتھ کاٹنا بھی غلط ہوتا بلکہ الٹا چور مالک سے باز پرس کرتا کہ تم نے اتنا مال جمع ہی کیوں کیا جس کو چرایا جاسکے غرضیکہ سوشلسٹ علماء کے مزعوم کے مطابق اگر اس آیت کی (بر خود غلط) تفسیر کی گئی تو ساری شریعت اسلامیہ ہی غلط ہو جائے گی۔ العیاذ باللہ!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ لوگ آپ سے تیسوں کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہیے کہ ان کی خیر خواہی کرنا بہتر ہے اور اگر تم اپنا اور ان کا خرچ مشترک رکھو (تو کوئی حرج نہیں) وہ تمہارے بھائی ہی تو ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ کون خیر خواہی کرنے والا ہے اور کون بد خواہی کرنے والا۔ (البقرہ: ۲۲۰)

زیر کفالت یتیم کے ساتھ طرز معاشرت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے متعلق سوال کا ذکر کیا گیا تھا اس آیت میں مال خرچ کرنے کا ایک مصرف اور محل بتایا ہے کہ جو چیزیں تمہاری ضرورت سے زائد ہوں ان کو تیسوں پر خرچ کرو۔

اس آیت کے شان نزول کے متعلق حافظ بیوٹی بیان کرتے ہیں

امام ابو داؤد امام نسائی امام ابن جریر امام ابن کثیر امام ابن ابی حاتم امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں:

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ (النعام: ۱۵۲)

اور اچھے طریقہ کے سوا مال یتیم کے فریب نہ جاؤ، حتیٰ کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ بُطُونًا مِّمَّا يَكْلَلُونَ ۚ (النساء: ۱۰)

بے شک جو لوگ ماجہ ز طور پر یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھر رہے ہیں اور وہ قریب بھڑکتی ہوئی آگ میں پہنچیں گے ۝

تو ہر وہ شخص جس کی زیر کفالت کوئی یتیم تھا اس نے اپنا اور یتیم کا کھانا الگ الگ کر لیا، بعض اوقات یتیم کا کھانا بچ جاتا اور بعد میں سڑ کر خراب ہو جاتا، نیز الگ الگ دو سالن پکانے میں مشقت اور دشواری مستزاد تھی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یتیم کے مال کے ضیاع اور پنی دشواری کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اگر تم خیر خواہی کی نیت سے اپنا اور ان کا کھانا مشترک رکھو تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر اللہ چاہتا تو (یہ آسانی مہیا نہ کر کے) تم کو مشقت میں ڈال دیتا لیکن اللہ تعالیٰ غالب ہونے کے ساتھ ساتھ حکمت والا بھی ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۵۵، مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ اہل بیت)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ اللہ پر دلوں کا حال روشن ہے وہ خیر خواہ اور بد خواہ کو جانتا ہے اس کو علم ہے کہ یتیم کے مال کو ضیاع سے بچانے کے لیے کون مشترک کھانا پکایا کرتا ہے اور یتیم کے مال سے (بہ طور خیانت) فائدہ اٹھانے کے لیے کون ایسا کرتا ہے، یتیم کی خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے نقد مال اور باقی رہنے والی چیزوں کو الگ اس کے حساب میں رکھو اور جو چیزیں جلد خراب ہونے والی ہیں ان میں اپنا اور یتیم کا کھانا بہ قدر حساب مشترک رکھو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیک نیتی اور خیر خواہی کے ساتھ یتیم کا دلی یتیم کے مال میں تصرف کر سکتا ہے، یتیم کے مال کی خرید و فروخت اور اس میں تجارت اور مضاربہ کر سکتا ہے اور اگر یتیم کا فائدہ ہو تو یتیم کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر تجارت بھی کر سکتا ہے اور مضاربہ بھی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کے ساتھ اختلاط کی اجازت دی ہے تو ان کے مال کے ساتھ بھی اختلاط کر سکتا ہے اور ان کے نسب کے ساتھ بھی، یتیم لڑکے کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کر سکتا ہے اور یتیم لڑکی کے ساتھ اپنے بیٹے کا نکاح کر سکتا ہے اور خود بھی اس سے نکاح کر سکتا ہے، بشرطیکہ ان تمام مالی اور جسمانی تصرفات سے یتیم کی خیر خواہی مقصود ہو اس کے مال اور نفس سے اپنے خود غرضانہ فوائد مطلوب نہ ہوں۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَةَ حَتَّىٰ يُوْمِنَ وَلَا مَلَئُومًا خَيْرٌ

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں اور مسلمان باندی (آزاد) مشرک عورت

مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۚ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ

سے بہتر ہے خواہ وہ تم کو اچھی لگتی ہو اور مشرک مردوں سے (اپنی عورتوں کا) نکاح نہ کرو حتیٰ کہ

يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ

وہ ایمان لے آئیں اور مسلمان غلام (آزاد) شرک مرد سے بہتر ہے خواہ وہ تم کو اچھا لگتا ہو

أُولَئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّكَاسِ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَ

یہ (شرکین) دوزخ کی آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے اذن سے جنت اور

الْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ

مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور لوگوں کے لیے اپنی آیات بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں

شرک مردوں اور شرک عورتوں کے ساتھ مسلمانوں کے نکاح کا عدم جواز

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے یتیم کے ساتھ مخالفت کا جواز بیان فرمایا تھا جس کا تقاضا یہ تھا کہ یتیم کے مال کے ساتھ اپنا مال مخلوط کرنا بھی جائز ہے اور یتیم لڑکے یا یتیم لڑکی کے ساتھ اپنا یا اپنی اولاد کا نکاح کرنا بھی جائز ہے تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بعض مسائل بیان فرمائے کہ شرک مردوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کا اور شرک عورتوں کے ساتھ مسلمان مردوں کا نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ نکاح کی وجہ سے شوہر اور بیوی کے ساتھ جسمانی اور ذاتی قرب ہوتا ہے وہ دونوں ایک دوسرے کے عقائد نظریات افکار اور خیالات سے متاثر ہوتے ہیں اس لیے یہ خدشہ ہے کہ شرک شوہر کے عقائد سے مسلمان بیوی متاثر ہو یا شرک عورت کے نظریات سے مسلمان شوہر متاثر ہو اس لیے اسلام نے یہ راستہ ہی بند کر دیا اگرچہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ مسلمان شوہر یا بیوی سے شرک بیوی یا شوہر متاثر ہو جائے لیکن جب کوئی چیز نفع اور نقصان کے درمیان درج ہو تو نقصان سے بچنے کو نفع کے حصول پر مقدم کیا جاتا ہے اس لیے اسلام نے مسلمانوں اور شرکوں کے درمیان مناکحت کا معاملہ کلیہ منقطع کر دیا۔ یہاں شرک سے مراد کفر ہے اس لیے ٹیڈ بجوسی بت پرست اور کسی قسم کے بھی کافر سے نکاح جائز نہیں ہے مسلمان مرد کا نہ مسلمان عورت کا۔

حافظ جلال الدین سیوطی اس آیت کے تابع زول کے متعلق لکھتے ہیں

امام ابن ابی حاتم و امام ابن المنذر نے مقاتل بن حیان سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو مرثد غنوی کے متعلق نازل ہوئی ہے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ عناق نامی ایک شرک عورت سے نکاح کر لیں جو نہایت حسین و جمیل عورت تھی اور حضرت ابو مرثد مسلمان ہو چکے تھے انہوں نے کہا یا رسول اللہ! وہ عورت مجھے بہت اچھی لگتی ہے تب یہ آیت نازل ہوئی اور شرک عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۵۶ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ آزاد شرک کی بہ نسبت مسلمان غلام بہتر ہے اور کسی آزاد مسلمان عورت کا نکاح مسلمان غلام سے کر دینا اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ اس کا نکاح آزاد شرک سے کیا جائے حالانکہ غلام آزاد کا کفو نہیں ہے سو غیر کفو میں نکاح کے جواز کے لیے یہ آیت صریح جزیہ ہے ہم ان شاء اللہ سورہ نسا میں اس موضوع پر منسلک آیتیں کریں گے "شرح صحیح مسلم" جلد ثالث اور جلد سادس میں ہم نے اس موضوع پر بہت تفصیل اور تحقیق سے بحث کی ہے۔

شُرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کے باوجود اہل کتاب کے بواہر کی توجیہ

اسلام میں یہ جائز ہے کہ اہل کتاب عورتوں کے ساتھ مسلمان مرد نکاح کریں لیکن اہل کتاب مردوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے قرآن مجید نے شرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کے باوجود کہ یہ عورتیں یہودی یا عیسائی عورت کے ساتھ نکاح کی اجازت دی ہے:

وَقُلْنَا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنَّا طَعَنُوا الَّذِينَ
مِنْهُمْ وَالْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتِ مِنَ الَّذِينَ
أُوتُوا الْكِتَابَ مِنَّا إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مَعْصِيَتِ
غَيْرِ مُسْفِحِينَ وَلَا مُمْسِكِينَ أَخَذَ (النساء: ۵)

اور اہل کتاب کا ذیہ نہارے لیے حلال ہے اور تمہارا
ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور (نہاری) آزاد پاک دامن
مسلمان عورتیں اور غنم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن
عورتیں (تمہارے لیے حلال ہیں) حسب کہ ہم ان سے نکاح کر
کے ان کا مہر ادا کر دے ان سے ظاہر ابدکاری کرو اور نہ خفیہ
آشنائی کرو۔

اب یہ سوال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کر دی تھی تو پھر کتابیہ سے نکاح کی اجازت
کیوں دی جب کہ اہل کتاب یہودی اور عیسائی بھی شرک ہیں۔ قرآن مجید میں ہے

وَقَالَتِ الْيَهُودُ سَمِيزُ بْنُ إِسْرَءِيلَ وَقَالَتِ النَّصَارَى
الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ (البقرہ: ۳۰)

کیج اللہ کا بیٹا ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ یہود و نصاریٰ دونوں شرک ہیں لیکن قرآن مجید کی اصطلاح ہے کہ اس نے بت پرستوں
پر شرکین کا اطلاق کیا ہے اور یہود و نصاریٰ پر اہل کتاب کا قرآن مجید میں ہے

مَا يَؤُودُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا
الْمُشْرِكِينَ (البقرہ: ۱۰۵)

کرتے کہ۔۔۔۔۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ
مُفْرَكِينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَاتُ (البقرہ: ۱)

دین کو چھوڑنے والے نہ تھے O

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ شرک عورتوں میں اہل کتاب عورتیں بھی داخل تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے شرکات کے عموم
سے اہل کتاب عورتوں کو مستثنیٰ کر لیا اور یہ اصطلاح میں عام مخصوص عند اخص ہے حافظ حلال الدین سیوطی لکھتے ہیں

امام ابن جریر، امام ابن المنذر، امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ”وَلَا تَنْكِحُوا
الْمُشْرِكِينَ“ (البقرہ: ۲۲۱) کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے اہل کتاب کی عورتوں کو مستثنیٰ کر لیا ہے اور
دلیل انشاء یہ آیت ہے

وَالْمُحْصَنَاتِ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ (النساء: ۵)

اور اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (تمہارے

لیے حلال ہیں)۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۵۶ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

باقی رہی یہ بحث کہ خالص شرک عورتوں اور اہل کتاب میں نکاح کے جواز کا فرق کرنے کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کا جواب
یہ ہے کہ شرک نہ خدا کو مانتا ہے نہ کتاب کو نہ رسول کو نہ قیامت اور جزا اور سزا کو نہ حلال اور حرام کا قائل ہوتا ہے اس کے

برعکس اہل کتاب ان تمام امور کو ماننے میں ان کے کفر کی صرف یہ وجہ ہے کہ انہوں نے غلو محبت میں اپنے اپنے رسول کو خدا اور خدا کا بیٹا کہہ دیا۔

دوسری بحث یہ ہے کہ مسلمان مردوں کا اہل کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح جائز قرار دیا ہے اور مسلمان عورتوں کا اہل کتاب مردوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں کیا اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عائلی اور گھریلو زندگی میں مرد حاکم ہوتا ہے اور اس کا گھر میں قبضہ اور اقتدار ہوتا ہے اور عورت فطرۃً منفعل مزاج اور گھر میں محکوم ہوتی ہے۔ اگر کسی یہودی یا عیسائی مرد کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح جائز ہوتا تو عین ممکن تھا کہ وہ مسلمان عورت اپنے کافر شوہر کے معتقدات اور خیالات سے متاثر ہو جاتی، اور اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جاتی۔ اس کے برعکس جب شوہر مسلمان ہو اور بیوی یہودی یا عیسائی ہو تو چونکہ گھر میں حاکم اور مقتدر شوہر ہوتا ہے اس لیے گھر میں اسلامی ماحول اور لٹریچر فراہم ہوگا اور اس اہل کتاب عورت کو اسلام کو قریب سے دیکھنے پڑھنے اور سمجھنے کا موقع ملے گا اسلامی معاشرہ اسلام کی تہذیب اور مسلمان خاندان سے میل جول اور ربط و ضبط کی وجہ سے اس کے اسلام قبول کرنے کے بہت ذرائع میسر ہوں گے اور وہ جلد یا بدیر مسلمان ہو جائے گی اور اگر بالفرض وہ مسلمان نہ بھی ہو تو بچے بہر حال باپ کے دین کے تابع رہیں گے اور ظاہر ہے کہ یہ تمام مواقع دارالاسلام میں ہی میسر ہوتے ہیں اس لیے ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ دارالکفر میں اہل کتاب عورت کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وہاں کفر کا غلبہ ہوتا ہے اور جس حکمت کی وجہ سے اہل کتاب عورت کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے اس کے پورے ہونے کے مواقع وہاں میسر نہیں ہیں۔ باقی اس مسئلہ میں فقہاء، صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے مذاہب ہم ان شاء اللہ سورہ مائدہ میں اس آیت کی تفسیر میں بیان کریں گے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى لَا فَاحِشٌ

اور یہ آپ سے حیض کا حکم معلوم کرتے ہیں آپ کہیے کہ وہ گندگی ہے سو عورتوں سے

النِّسَاءِ فِي الْمَحِيضِ لَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

حالات حیض میں الگ رہو اور ان سے عمل زوجیت نہ کرو حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائیں اور جب وہ

تَطْهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

مکمل پاک ہو جائیں تو ان کے پاس (وہاں) آؤ جہاں سے (آنے کا) اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے بے شک اللہ توبہ کرنے

التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿۲۲۲﴾ **نِسَاءُكُمْ حَرَّتُمْ لَكُمْ**

والوں کو پسند کرتا ہے اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ۵ تمہاری عورتیں تمہارے (بیچ ڈالنے کے) لیے کھیتیاں ہیں

فَأْتُوا حُرَّتَكُمْ أَنْتُمْ وَفَدَّ مَوْلَا أَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ

تو تم اپنی کھیتوں میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لیے نیک عمل بھیجتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو

وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلْقَوْنَ ط وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۲۳﴾

اور یہ یقین رکھو کہ بے شک تم اس سے ملاقات کرنے والے ہو اور آپ مومنوں کو بشارت دے دیجئے ۵

حیض کا حکم بیان کرنے کا شان نزول

اس سے پہلی آیت میں نکاح کا ذکر کیا گیا تھا اور نکاح کے لوازم سے بیوی کے ساتھ جماع کرنا ہے سو ان آیتوں میں بتایا ہے کہ کس حالت میں عورت کے ساتھ جماع کرنا ہے اور کس حالت میں نہیں کرنا اور چونکہ جماع کا مقصد حصول اولد ہے محض قضاء شہوت نہیں ہے اس لیے فرمایا کہ جس جگہ سے حصول اولاد ہو وہاں تخم ریزی کر دینی عمل معکوس نہ کر دخواہ اس عمل (تخم ریزی) کے لیے کوئی طریقہ اختیار کر د۔

حافظ جلال الدین سیوطی اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں:

امام احمد، امام دارمی، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام ابو یعلیٰ، امام ابن المنذر، امام ابن ابی حاتم، امام ابن حبان اور امام بیہقی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہود کے ہاں جب کسی عورت کو حیض آ جاتا تو وہ اس کو گھر سے نکال دیتے اس کے ساتھ کھاتے نہ پیتے نہ اس کے ساتھ گھروں میں رہتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان عورتوں کو گھروں میں رکھو اور عمل زوجیت کے سوا ان کے ساتھ سب کچھ کر د جب یہود کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا: یہ شخص ہمارے مخالفت کرتا ہے پھر حضرت اسید بن حضیر اور حضرت عباس بن بشر آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! یہود اس طرح کہہ رہے ہیں تو کیوں نہ ہم اپنی عورتوں سے جماع بھی کر لیں یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ آپ ان سے ناراض ہو گئے ہیں اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہدیہ میں دودھ آیا تو آپ نے وہ دودھ ان دونوں کے لیے بھیجا اس سے ان دونوں نے یہ جانا کہ آپ ان سے ناراض نہیں ہوئے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۵۸ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

اس سے معلوم ہوا کہ استاد یا ماں باپ شاگرد یا اولاد کو اگر کسی بات پر ڈانٹیں تو بعد میں کسی طرح ان کی دل جوئی کر کے اس کی تلافی بھی کریں۔

حائضہ سے مباشرت کرنے کی دینی اور دنیاوی خرابی

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حائضہ عورت سے جماع کے سوا باقی سب کچھ کر سکتے ہو۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۹۳ مطبوعہ مطبعہ مجتبیٰ پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

اس حدیث کی بناء پر ہمارے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ شوہر ایام حیض میں اپنی بیوی سے جسمانی قرب اور جسمانی لذت حاصل کر سکتا ہے البتہ ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں تک احتراز کرے کیونکہ اگر اس میں بھی دست درازی کرے گا تو خطرہ ہے کہ وہ عمل زوجیت میں مبتلا ہو جائے گا۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے حائضہ عورت سے

جماع کیا یا کسی عورت کی سرین میں دخول کیا یا کسی شخص نے کاہن کے قول کی تصدیق کی تو اس نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل شدہ دین کے ساتھ کفر کیا۔ (نفس ابن ماجہ ص ۳۷ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتبہ راچی)

جدید میڈیکل سائنس سے بھی واضح ہو گیا کہ حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت کرنے سے مرد کے عضو مخصوص میں سوزاںک ہو جاتا ہے اور بعض اوقات مرد اور عورت دونوں بائجھ ہو جاتے ہیں۔

حیض کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

جو خون رحم سے وقت مخصوص میں وصف مخصوص کے ساتھ خارج ہو اس کو حیض کہتے ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

لغت میں حیض کا معنی ہے سیلان (بہنا) جب کوئی وادی بہنے لگے تو کہتے ہیں: "حاص الوادی" اوقات مخصوص میں خون بہنے کی وجہ سے اس خون کو حیض کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں حیض اس صفت شرعیہ کو کہتے ہیں جو اس کاموں کے کرنے سے مانع ہو جن کے لیے حیض سے پاک ہونا شرط ہے مثلاً نماز پڑھنا قرآن مجید کو چھونا روزہ رکھنا مسجد میں داخل ہونا اور عمل زوجیت کرنا۔

علامہ حسکفی نے حیض کی یہ تعریف کی ہے: وہ خون جو بالغہ کے رحم سے بغیر وقت ولادت کے خارج ہو۔ رحم کی قید سے استثناء خارج ہو گیا کیونکہ یہ خون ایک رگ سے خارج ہوتا ہے اور یہ افعال مذکورہ سے مانع نہیں ہے رحم اس طرف کو کہتے ہیں جس میں بچہ ہوتا ہے یعنی بچہ دانی اور بغیر وقت ولادت کی قید سے نفاس خارج ہو گیا (نفاس بھی افعال مذکورہ سے مانع ہے) ولادت کے بعد عورت کے رحم سے جو خون نکلتا ہے اس کو نفاس کہتے ہیں۔

حیض کا سبب یہ ہے کہ حضرت حواء نے شجر ممنوع کھالیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حیض میں مبتلا کر دیا امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض کے متعلق فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر اس کو مقدر کر دیا ہے حیض کا رکن یہ ہے کہ خون رحم سے نکل کر فرج داخل کے باہر آ جائے اگر وہ خون فرج داخل ہی میں رہے تو وہ حیض نہیں ہے۔ (المفردات ص ۱۳۶ مطبوعہ المکتبۃ المرتضویۃ ایران ۱۳۳۳ھ)

ایام حیض کے تعیین میں مذاہب ائمہ

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

حیض کی کم از کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے اور عموماً حیض چھ یا سات دن ہوتا ہے اور دو حیضوں کے درمیان کم از کم طہر (پاکیزگی کے ایام) کی مدت پندرہ دن ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۱۸۹-۱۸۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ دردمی مالکی لکھتے ہیں:

حیض کی کم از کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے۔

(روضة الطالبین ج ۱ ص ۱۳۸-۱۳۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

حیض کی کم از کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے۔

(المفنی ج ۱ ص ۱۸۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں۔

جیض کی کم از کم مدت تین دن اور تین راتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔

(در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۱ ص ۱۸۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فقہاء احناف کی دلیل حسب ذیل احادیث ہیں امام دارقطنی روایت کرتے ہیں

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی کنواری اور سادی شدہ عورت کا جیض تین دن سے کم اور دس دن سے زیادہ نہیں ہوتا دس دن کے بعد نکلنے والا خون استحاضہ ہے۔ حائضہ ایام جیض کے بعد کی نمازوں کی قضا کرے۔ جیض میں سرخی مائل سیاہ گاڑھا خون ہوتا ہے اور استحاضہ میں زرد رنگ کا پتلا خون ہوتا ہے۔

(سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۸، مطبوعہ نشر الملتان)

امام دارقطنی نے ایک اور سند سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۸، مطبوعہ نشر الملتان)

حضرت واسطہ بن اسفیع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیض کم از کم تین دن اور

زیادہ سے زیادہ دس دن ہوتا ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۹، مطبوعہ نشر الملتان)

امام دارقطنی نے ان احادیث کی سند کو ضعیف کہا ہے لیکن تعداد اس نیک کی وجہ سے یہ احادیث حسن لغیرہ ہو گئیں اور ان سے

استدلال صحیح ہے نیز ان احادیث کی تقویت حسب ذیل آثار سے ہوتی ہے

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں

سعادہ بن قرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس نے فرمایا جیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔

وکیع نے کہا جیض تین سے دس دن تک ہے اس کے علاوہ استحاضہ ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۱۰، مطبوعہ نشر الملتان)

امام دارقطنی نے ایک اور سند سے بھی یہ اثر بیان کیا اور سفیان کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

(سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۱۰، مطبوعہ نشر الملتان)

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ متعدد اسامید کے ساتھ چھ صحابہ سے منقول ہے کہ جیض کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس

دن ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۸۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں

امام ابن عدی نے ”کامل“ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: تین دن سے کم جیض نہیں ہوتا اور دس دن سے زیادہ جیض نہیں ہوتا۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۱۳۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ کھڑ)

امام ابن جوزی نے ”علل منافیہ“ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: جیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔ (العلل المنافیہ، مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیض آباد ۱۳۰۱ھ)

جیض، نفاس اور استحاضہ میں مبتلا خواتین کے مسائل

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

(۱) حالت جیض میں طہارت (پاکیزگی) کے حصول کے لیے وضو کرنا منع ہے صفائی کے لیے غسل کرنا جائز ہے جیسے دوران

حج بدن صاف کرنے کے لیے غسل کرتے ہیں اسی طرح جن وظائف کے پڑھنے کی اس کی عادت ہو مثلاً تکبیر، تنہیل،

درود شریف ان کے لیے وضو کرنا جائز ہے کیونکہ فقہاء نے کہا ہے کہ حائضہ کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ ہر نماز کے وقت وضو کر کے اتنی دیر جائے نماز پر بیٹھ کر وظیفہ پڑھتی رہے جتنی دیر میں وہ نماز پڑھتی تھی تاکہ اس کی نماز کی عادت قائم رہے اس عمل سے اس کو بہترین نماز پڑھنے کا اجر ملے گا۔

(۲) حیض کی حالت میں نماز پڑھنا منع ہے خواہ کسی قسم کی نماز ہو یا سجدہ شکر ہو حالت حیض میں جو نمازیں ہو گئیں ان کی قضا نہیں ہے۔

(۳) حائضہ کا اعتکاف کرنا منع ہے اور اگر دوران اعتکاف اس کو حیض آ گیا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

(۴) حالت حیض میں طوافِ صدر (وداع) ممنوع ہے۔

(۵) حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے۔

(۶) حیض آنے سے لڑکی بالغ ہو جاتی ہے۔

(۷) عدت پوری ہونے کا تعلق بھی حیض سے ہے آزاد عورت کی عدت تین حیض ہے اور باندی کی عدت دو حیض ہے۔

(۸) استبراء کا تعلق بھی حیض سے ہے جب مالِ غنیمت سے کوئی باندی ملے یا کسی باندی کو خریدے تو ایک حیض تک اس سے وطی نہ کرے ایک حیض گزر جانے کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ اس کے رحم میں استقرارِ نطفہ ہے یا نہیں۔

(۹) حیض منقطع ہونے کے بعد غسل کرنا واجب ہے۔

(۱۰) رمضان کے روزہ کے کفارہ اور قتل کے کفارے میں مسلسل روزے رکھے جاتے ہیں اگر ان روزوں کے درمیان حائضہ کو حیض آ گیا تو اس کا تسلسل نہیں ٹوٹے گا۔

(۱۱) حائضہ عورت پر روزہ رکھنا منع ہے لیکن وہ ان فوت شدہ روزوں کی قضا کرے گی اس نے نفل روزہ شروع کیا اور پھر حیض آ گیا تو اس کی قضا کرے گی۔

(۱۲) حائضہ عورت کا مسجد میں داخل ہونا منع ہے۔

(۱۳) حائضہ کے لیے کعبہ کا طواف کرنا منع ہے۔

(۱۴) حائضہ کی ناف سے گھٹنے تک اس کے شوہر کا قریب ہونا منع ہے۔

(۱۵) تلاوتِ قرآن کے قصد سے قرآن پڑھنا منع ہے البتہ دعا کے قصد سے سورہ فاتحہ یا کسی اور آیت کو پڑھنا یا تہنک کے قصد سے بسم اللہ پڑھنا جائز ہے۔

(۱۶) قرآن مجید کو چھونا منع ہے خواہ وہ متصل یا منفصل غلاف میں ہو۔

(۱۷) اللہ کا ذکر کرنا تسبیح کرنا قبروں کی زیارت کرنا جائز ہے اسی طرح عید گاہ میں جانا جائز ہے۔

(۱۸) ہاتھ دھونے اور کلی کرنے کے بعد کھانا پینا جائز ہے اور ہاتھ منہ دھوئے بغیر جنبی کے لیے کھانا مکروہ ہے حائضہ کے لیے مکروہ نہیں ہے۔

(۱۹) جب اکثر مدت پوری ہونے کے بعد حیض منقطع ہو (یعنی دس دن کے بعد) تو شوہر کا اس کے ساتھ بغیر اس کے غسل کے وطی کرنا جائز ہے اور غسل کے بعد وطی کرنا مستحب ہے۔

(۲۰) اگر کم مدت گزرنے کے بعد اس کا حیض منقطع ہو تو حائضہ وضو کرے اور آخری وقت میں نماز پڑھ لے۔

(۲۱) اگر حائضہ کے ایام مقرر ہیں اور اس سے کم وقت میں حیض منقطع ہو گیا تو اس کے شوہر کے لیے اس سے مباشرت جائز

نہیں ہے البتہ وہ احتیاطاً نماز پڑھے اور روزہ رکھے۔

(۲۲) اگر حیض کم مدت میں منقطع ہو گیا تو شوہر کا اس سے اس وقت تک وطی کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ غسل نہ کرے۔
(۲۳) اگر حیض منقطع ہونے کے بعد حائضہ نے نماز کا اتنا وقت پالیا جس میں تکبیر تحریر پڑھی جاسکتی ہے تو اس پر وہ نماز فرض ہوگئی اور اس کی قضا کرے گی۔

(۲۴) جو شخص حائضہ عورت سے طہال سمجھ کر مباشرت کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔

(۲۵) مدت حیض سے کم یا مدت حیض کے بعد آنے والا خون استحاضہ ہے اس کا حکم اس طرح ہے جس طرح کسی معذور شخص کی ناک سے ہمیشہ خون جاری ہو تو اس سے نماز روزہ ساقط نہیں ہوتا اسی طرح مستحاضہ سے بھی نماز روزہ ساقط نہیں ہوتا۔ اس کی طہارت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ نماز کے ایک وقت میں وضو کرے یہ وضو اس پورے وقت میں شرعاً قائم رہے گا یہ شرطیکہ کسی اور وجہ سے وضو نہ ٹوٹے وہ اس وضو سے پورے وقت میں تمام عبادتیں کر سکتی ہے اور وقت ختم ہونے کے بعد اسے دوسرے وقت کے لیے وضو کرنا ہوگا۔

(۲۶) ولادت کے بعد رحم سے جو خون نکلتا ہے اس کو نفاس کہتے ہیں۔ اس کے کم ہونے کی کوئی حد نہیں ہے اور اکثر نفاس کی حد چالیس دن ہے اور چالیس دن کے بعد جو خون آتا رہے وہ استحاضہ ہے استحاضہ کے دوران وہ نمازیں پڑھے گی اور روزے رکھے گی اور معذور شخص کی طرح وضو کرے گی۔

(۲۷) نفاس کا خون نکلنے سے عدت پوری ہو جاتی ہے خواہ وہ عدت طلاق ہو یا عدت وفات ہو۔

(۲۸) حیض اور نفاس میں مبتلا دونوں عورتیں ان ایام میں نماز نہیں پڑھیں گی اور ان پر ان ایام کی قضا نہیں ہے البتہ ان ایام میں اگر رمضان کے روزے آگئے تو روزے نہیں رکھیں گی بعد میں فوت شدہ روزوں کی قضا کریں گی۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۲۰۰-۱۸۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

وَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عُرْضَةً اِيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا

اور تم نیکی تقویٰ اور لوگوں کی خیر خواہی سے بچنے کے لیے اللہ کے نام کی قسمیں کھانے کو بہانہ نہ بناؤ

وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۲۳ لَا يُوْاْخِذُكُمْ

اور اللہ خوب سننے والا ہے O اللہ تم سے تمہاری

اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْ اِيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّوْاْخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ

بے ارادہ کھائی ہوئی قسموں پر مواخذہ نہیں فرمائے گا لیکن ان قسموں پر تم سے مواخذہ فرمائے گا جو تم نے پختہ ارادوں سے کھائی ہیں

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۲۲۴ لِّلَّذِيْنَ يُّوْلُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ

اور اللہ بہت بخشنے والا بہت بردبار ہے O جو لوگ اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھاتے ہیں ان کے لیے

أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُ فَإِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَإِنْ

چار مہینے کی مہلت ہے اگر انہوں نے (اس مدت میں) رجوع کر لیا تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے O اور اگر

عَذَّبُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

انہوں نے طلاق ہی کا ارادہ کر لیا ہے تو بے شک اللہ خوب غنے والا بہت جاننے والا ہے O

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں اور تم جس طرح چاہو اپنی کھیتیوں میں، وہ پھر فرمایا ایام حیض میں اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنا، یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض اوقات میں جماع کی ممانعت تھی، بعض لوگ از خود چار ماہ مباشرت نہ کرنے کی قسم کھا کر اپنے آپ کو عورتوں سے روک لیتے تھے اس خاص قسم کو ایلا، کہتے ہیں ایلا کا حکم بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عام قسموں کا بھی حکم بیان فرمایا۔ بعض لوگ نیکی پر ہیزگاری اور لوگوں کے ساتھ ہلکی اور خیر خواہی نہ کرنے کی قسم کھا لیتے تھے پھر اگر کوئی ان کو نوکرتا کہ تم یہ کار خیر کیوں نہیں کرتے؟ تو وہ کہتے کہ ہماری قسم ٹوٹ جائے گی ہم نے ان کاموں کے نہ کرنے کی قسم کھالی ہے۔

حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ایک شخص یہ قسم کھا لیتا کہ وہ اپنے رشتہ دار سے کلام نہیں کرے گا یا صدقہ نہیں دے گا یا ان دو آدمیوں میں صلح نہیں کرائے گا جو آپس میں لڑے ہوئے ہیں۔ وہ کہتا کہ میں حلف اٹھا چکا ہوں کہ میں یہ کام نہیں کروں گا تب یہ آیات نازل ہوئیں کہ نیکی اور خدا خونی کے کاموں سے رکنے کے لیے اللہ کی قسموں کو بہانہ نہ بناؤ اور گویا اللہ تعالیٰ کا نشاء یہ ہے کہ تم ایسی قسموں کو توڑ کر ان نیکی کے کاموں کو کرو اور اپنی قسموں کا کفر نہ دو۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۱۸ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں یحیٰ (قسم) اور ایلا کا بیان شروع کیا ہے اس لیے ہم یہاں یحیٰ کا لغوی اور شرعی معنی اور یحیٰ اور ایلا کے شرعی احکام بیان کریں گے۔ فقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانة یلیق قسم کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور قسم کی شرائط اور ارکان

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

یحیٰ اصل میں دائیں ہاتھ کو کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے "وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ" اس میں قوت اور برکت کے معنی کا اعتبار ہے اور یحیٰ کا استعارہ حلف سے بھی کیا جاتا ہے کیونکہ جب کوئی شخص کسی سے عہد کرتا ہے تو اپنے دائیں ہاتھ کو اس کے دائیں ہاتھ پر رکھ کر عہد کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بِالْغَةِ إِلَى يَوْمِ الْفَيْمَةِ

یا تمہارے لیے ہم پر کچھ عہد و پیمان (قسمیں) ہیں جو (اعلم ۳۹۰) قیامت تک پہنچنے والے ہیں۔

قرآن مجید کی زیر بحث آیت میں بھی یحیٰ کا لفظ حلف کے معنی میں ہے۔

(انفرادات ص ۵۵۳ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:

یہیں اس قوی عقد کو کہتے ہیں جس کے ساتھ قسم کھانے والا کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا عزم کرتا ہے۔ اس کی شرائط یہ ہیں اسلام، مکلف ہونا اور قسم پوری ہونے کا ممکن ہونا۔ اس کا حکم یہ ہے۔ قسم کو پورا کرنا یا قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرنا اس کا رکن وہ اہل نظر ہیں جن کے ساتھ قسم کھائی جاتی ہے 'کیا غیر اللہ کے ساتھ حلف اٹھانا مکروہ ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ ہاں' کیونکہ حدیث میں ہے: 'جو شخص حلف اٹھائے وہ اللہ کے نام سے حلف اٹھائے ورنہ نہ اٹھائے' اور عام فقہاء نے یہ کہا ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے ہمارے فقہاء نے اسی قول پر فتویٰ دیا ہے 'خاص طور پر ہمارے زمانہ میں اور حدیث کی ممانعت کو اس پر محمول کیا ہے' جب بغیر یقین دلانے کے قسم کھائی جائے جیسے تمہارے باپ کی قسم! اور تمہاری زندگی کی قسم! (یعنی اللہ کے نام کے ساتھ حلف اٹھانا یقین دلانے اور وثوق کے ساتھ مخصوص ہے اور بغیر وثوق کے غیر اللہ کے ساتھ حلف اٹھانا جائز ہے)

(در مختار علی ہاشم الرزق ج ۳ ص ۳۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

غیر اللہ کی قسم اور مستقبل اور ماضی میں طلاق اور عتاق کی قسم کھانے کی تحقیق

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

علامہ زیلعی نے کہا ہے کہ غیر اللہ کی یہیں (قسم) بھی شروع ہے اور یہ جزاء کو شرط پر معلق کرنا ہے اور یہ اصطلاحاً یہیں نہیں ہے اس کو فقہاء کے نزدیک یہیں کہا جاتا ہے کیونکہ اس سے بھی یہیں باللہ (اللہ کی قسم) کا معنی حاصل ہوتا ہے اور وہ ہے کسی کام پر ابھارنا یا کسی کام سے رکنا اور اللہ کی قسم کھانا مکروہ نہیں ہے اور زیادہ قسمیں کھانے کے بجائے کم قسمیں کھانا زیادہ بہتر ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک غیر اللہ کی قسم کھانا مکروہ ہے اور اکثر فقہاء کے نزدیک مکروہ نہیں ہے کیونکہ اس سے مخالف کو یقین اور وثوق حاصل ہوتا ہے 'خاص طور پر ہمارے زمانہ میں اور حدیث میں جو غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت ہے (جو شخص حلف اٹھائے تو اللہ کے ساتھ حلف اٹھائے ورنہ خاموش رہے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۸۳) یہ اس پر محمول ہے جب بغیر وثوق دلانے کے قسم کھائی جائے جیسے کوئی کہے: تمہارے باپ کی قسم! میری زندگی کی قسم! 'فتح القدیر' میں بھی اسی طرح مذکور ہے' خلاصہ یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم سے کبھی یقین دلایا جاتا ہے تاکہ فریق مخالف حلف اٹھانے والے کی بات پر یقین کر لے مثلاً طلاق اور عتاق پر تعلیق کی جائے (اور یوں کہے کہ اگر میں نے فلاں کام کیا یا نہ کیا تو میری بیوی کو تین طلاق یا میرا غلام آزاد) یہ اس قسم کا حلف ہے جس میں حرف قسم نہیں ہوتا اور کبھی غیر اللہ کی قسم سے وثوق اور یقین دلانا مقصود نہیں ہوتا اس میں قسم پوری نہ ہونے سے قسم کھانے والا حائل نہیں ہوتا اور کفارہ لازم نہیں آتا لہذا اس قسم سے فریق مخالف کو حلف اٹھانے والے کی بات پر وثوق اور یقین حاصل نہیں ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد ہے جو شخص حلف اٹھائے وہ اللہ کا حلف اٹھائے یہ اکثر فقہاء کے نزدیک غیر تعلیق پر محمول ہے کیونکہ غیر تعلیق میں جب کوئی شخص غیر اللہ کی قسم کھائے گا تو وہ غیر اللہ کے نام کو تعظیم میں اللہ کے مساوی قرار دے گا۔ رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خود غیر اللہ کی قسم کھائی ہے جیسے 'واللہ' 'واللیل' 'والنجم' وغیرہا تو فقہاء نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ جس کو چاہے معظم قرار دے اور ہمارے لیے ممانعت کے بعد غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں ہے اور رہی تعلیق تو اس میں غیر اللہ کی تعظیم نہیں ہے (کیونکہ اس میں غیر اللہ کا ذکر ہی نہیں ہے) بلکہ اس میں حصول وثوق کے ساتھ کسی کام پر خود کو ابھارنا ہے یا کسی کام سے خود کو روکنا ہے لہذا یہ بالاتفاق مکروہ نہیں ہے جیسا کہ ہماری تقریر سے ظاہر ہے بلکہ ہمارے زمانہ میں اللہ کے نام سے حلف اٹھانے کی بہ نسبت طلاق یا عتاق کی قسم سے مخالف کو زیادہ وثوق اور یقین حاصل ہوتا ہے کیونکہ لوگ حائل ہونے اور لزوم کفارہ کی بہت کم پرواہ کرتے ہیں اس لیے حلف اٹھانے والا بیوی کو طلاق پڑنے یا غلام آزاد ہو جانے کے ڈر سے قسم پوری نہ کرنے یا قسم کے خلاف کرنے سے باز رہے گا اور 'معراج' میں

مذکور ہے کہ اگر کسی نے یغین دلانے کے بغیر یا ماضی کے کسی واقعہ پر طلاق یا عتاق کے ساتھ حلف اٹھایا تو یہ مکروہ (تحریکی) ہے۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۴۷ ۴۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر غیر اللہ کی قسم کھانا جائز ہے کیونکہ اس سے وثوق اور حسرت مطلوب نہیں ہوتا اور علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اس پر اکثر فقہاء کے نزدیک طلاق اور عتاق کی قسم کھانا بھی جائز ہے کیونکہ یہ اصطلاحاً قسم نہیں ہے نہ اس میں قسم کے الفاظ ہیں اور اللہ کی قسم کی بہ نسبت اس میں زیادہ وثاقت ہے اس لیے خصوصاً یہ اصطلاحاً قسم نہیں ہے نہ اس میں قسم کے الفاظ ہیں اور اللہ کی قسم کی بہ نسبت اس میں زیادہ وثاقت ہے اس لیے خصوصاً ہمارے زمانہ میں یہ قسم جائز ہے مثلاً کوئی شخص کہے کہ اگر میں نے یہ کام کیا یا نہیں کیا تو میری بیوی کو طلاق یا تین طلاقیں۔ اس کے برعکس ماضی کی کسی بات پر اور دعویٰ میں طلاق اور عتاق کے ساتھ حلف اٹھانا اکثر فقہاء کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی نے ”کتاب الدعویٰ“ میں لکھا ہے:

ہر چند کہ مخالف اصرار کرے پھر بھی طلاق اور عتاق کے ساتھ حلف نہ اٹھائے (تانا خانہ) کیونکہ ان کے ساتھ حلف اٹھانا حرام ہے۔ (خانہ) اور ایک قول یہ ہے کہ اگر ضرورت ہو تو یہ قاضی کی رائے پر موقوف ہے، سو اگر قاضی نے مدعی علیہ کو حلف دیا اور اس نے انکار کیا اور مالی کے دعویٰ میں قاضی نے اس کے خلاف فیصلہ کر دیا تو اکثر کے قول کے مطابق اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔ فیصلہ کا عدم نفوذ اکثر کے قول پر مبنی ہے لیکن جن فقہاء کے نزدیک مدعی علیہ کو طلاق اور عتاق کا حلف دینا جائز ہے ان کے نزدیک مدعی علیہ کے انکار پر اس کے خلاف قاضی کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا ورنہ اس کو حلف دینے کا کیا فائدہ ہے۔

(در مختار علی حاشیہ المذبح ج ۲ ص ۴۲۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

ظاہر یہ ہے کہ جو فقہاء طلاق اور عتاق کے ساتھ قسم دینے کے قائل ہیں ان کے نزدیک ہر چند کہ طلاق اور عتاق کے ساتھ حلف دینا مشروع ہے اس کے باوجود مدعی علیہ پر یہ حلف پیش کیا جائے گا کیونکہ جس میں معمولی بھی دیانت ہوگی وہ طلاق اور عتاق کا جھوٹا حلف نہیں اٹھائے گا کیونکہ اس سے یا تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی یا اس کی باندی آزاد ہو جائے گی یا لازم آئے گا کہ وہ ان کو برائیل حرام اپنے پاس رکھے اس کے برخلاف جب اس نے اللہ کی قسم کھائی تو اس میں ہر زمانہ میں لوگ بہت تساہل کرتے ہیں۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۲۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

حاصل کلام یہ ہے کہ مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر طلاق کی قسم کھانا جائز ہے مثلاً یوں کہے کہ اگر میں نے فلاں کام نہیں کیا یا کیا تو میری بیوی کو تین طلاقیں یا میری باندی آزاد علامہ زیلیعی، علامہ ابن ہمام، علامہ شامی اور اکثر فقہاء کی یہی تحقیق ہے اور جب کسی شخص پر دعویٰ کیا جائے کہ مثلاً اس نے کسی شخص کے ہزار روپے دینے ہیں یا اس نے کسی کی زمین غصب کر لی ہے مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں اور مدعی علیہ پر قسم آئے تو اب مدعی علیہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اس کے ذمہ ہزار روپے نہیں ہیں یا اس نے زمین غصب نہیں کی اور علامہ ابن ہمام، علامہ زیلیعی، علامہ حصکفی، علامہ شامی اور اکثر فقہاء کے نزدیک اس کے لیے طلاق اور عتاق کے ساتھ حلف اٹھانا جائز نہیں ہے مثلاً یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ اگر اس نے زمین غصب کی ہو تو اس کی بیوی پر تین طلاقیں اور بعض علماء کے نزدیک اس زمانہ میں یہ حلف دینا جائز ہے کیونکہ لوگ اللہ کی قسم جھوٹی کھا لیتے ہیں لیکن بیوی پر طلاق پڑنے سے ڈرتے ہیں۔ نتیجہً مقام یہ ہے کہ مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر طلاق اور عتاق کی قسم کھانا اکثر فقہاء کے نزدیک جائز ہے اور ماضی کی کسی بات پر طلاق اور عتاق کے ساتھ حلف اٹھانا اکثر فقہاء کے نزدیک مکروہ

تحریکی ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے اور ان کے نزدیک بھی یہ مکروہ تنزیہی ہے۔
بیمین غموس (جھوٹی قسم)

علامہ علاء الدین حصکلی حنفی لکھتے ہیں:

قسم کی تین قسمیں ہیں (۱) بیمین غموس (۲) بیمین لغو اور (۳) بیمین منعقدہ۔

اگر کوئی شخص عدا جھوٹ پر قسم کھائے تو یہ بیمین غموس ہے مثلاً کسی نے کسی شخص کے ایک ہزار روپے دینے ہوں اور وہ قسم کھائے: اللہ کی قسم! میں نے اس کے ایک ہزار روپے نہیں دیئے حالانکہ اس کو علم ہو کہ اس نے ایک ہزار روپے دیئے ہیں۔ اس کو غموس اس لیے کہتے ہیں کہ یہ قسم قسم کھانے والے کو گناہ میں ڈبو دیتی ہے یہ قسم مطلقاً گناہ کبیرہ ہے خواہ اس قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کا حق دہائے یا نہ دہائے کیونکہ ”صحیح بخاری“ میں ہے کہ بایں یہ ہیں اللہ کے ساتھ شرک کرنا ماں باپ کی نافرمانی کرنا قتل ناحق کرنا اور بیمین غموس۔ علامہ سرہسی نے لکھا ہے کہ اس پر بیمین کا اطلاق مجازاً ہے کیونکہ بیمین ایک عقد مشروع ہے اور یہ محض گناہ کبیرہ ہے۔ اس پر توبہ لازم ہے۔

بیمین لغو (بلا قصد قسم)

بیمین لغو یہ ہے کہ انسان ماضی یا حال کی کسی بات پر اپنی دانست میں سچی قسم کھائے اور درحقیقت وہ جھوٹ ہو اس کو لغو اس لیے کہتے ہیں کہ اس پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوتا نہ گناہ نہ کفارہ اس میں قسم کھانے والے کی بخشش کی امید کی گئی ہے۔ امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ بیمین لغو اس قسم کو کہتے ہیں جو انسان کی زبان پر بلا قصد جاری ہو جیسے ”لا واللہ بلی واللہ“ نہیں خدا کی قسم ہاں خدا کی قسم۔ (در مختار علی حاشیاء الرزق ۳ ص ۳۸-۴۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

بیمین لغو کی جو تعریف مصنف نے ذکر کی ہے ”ہدایہ“ اس کی شروحات اور دیگر متون میں اسی طرح لکھا ہے لیکن علامہ زبیلی نے امام ابو حنیفہ سے امام شافعی کی طرح بیمین لغو کی تعریف نقل کی ہے اسی طرح ”بدائع“ میں ہمارے اصحاب کی طرف سے پہلے پہلی تعریف نقل کی ہے پھر لکھا ہے امام محمد نے امام ابو حنیفہ سے نقل کیا ہے کہ لوگوں کی زبان پر جو نہیں خدا کی قسم اور ہاں خدا کی قسم! جاری ہوتا ہے یہ بیمین لغو ہے ہمارے نزدیک یہ قسم ماضی اور حال پر موقوف ہے اور ہمارے نزدیک یہ لغو ہے اور ہمارے اور امام شافعی کے درمیان اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بلا قصد مستقبل کے متعلق قسم کھائے تو یہ امام شافعی کے نزدیک بیمین لغو ہے اور اس میں کفارہ نہیں ہے اور ہمارے نزدیک یہ بیمین منعقدہ ہے اور اس میں کفارہ ہے۔ بیمین لغو صرف وہ ہے جو ماضی یا حال کے متعلق بلا قصد کھائی جائے۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں:

بیمین لغو وہ ہے جو زبان پر بلا قصد جاری ہو جاتی ہے جیسے نہیں خدا کی قسم! اور ہاں خدا کی قسم! یہ حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔ (المکلف والعیون ج ۱ ص ۲۸۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

بیمین لغو میں ایک قول یہ ہے کہ ایک شخص اپنے گمان کے مطابق کسی بات پر حلف اٹھائے پھر اس پر منکشف ہو کہ واقعہ اس کے خلاف ہے حضرت ابو ہریرہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عطاء شعی ”ابن جبیر“ مجاہد“ قتادہ“ امام مالک اور مقاتل کا یہی قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ کوئی شخص قسم کھانے کے قصد کے بغیر کہے نہیں خدا کی قسم! ہاں خدا کی قسم! یہ حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا طووس عرودہ نخعی اور امام شافعی کا قول ہے اس قول پر اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے ”لیکن اللہ ان قسموں پر تم سے مواخذہ کرے گا جو تم نے پختہ ارادوں سے کھائی ہیں۔“ یہ دونوں قول امام احمد سے منقول ہیں تیسرا قول یہ ہے کہ آدمی غصہ میں جو قسم کھائے وہ بیکین لغو ہے چوتھا قول یہ ہے کہ آدمی کسی گنہ پر قسم کھائے پھر قسم توڑ کر کفارہ دے اس پر کوئی گنہ نہیں ہے وہ بیکین لغو ہے یہ سعید بن جبیر کا قول ہے پانچواں قول یہ ہے کہ آدمی کسی چیز پر قسم کھائے پھر اس کو بھول جائے یہ نخعی کا قول ہے۔ (رد المسیر ص ۲۵۵ ۲۵۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی لکھتے ہیں:

امام مالک کے نزدیک بیکین لغو یہ ہے کہ آدمی اپنے گمان کے مطابق کسی چیز پر قسم کھائے اور واقعہ اس کے خلاف ہو۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۳۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۸ھ)

بیکین منعقدہ (بالقصد قسم)

علامہ علاء الدین حنفی لکھتے ہیں

اگر مستقبل کے کسی کام پر قسم کھائی جائے تو وہ بیکین منعقدہ ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ وہ کام فی نفسہ ممکن ہو اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ خدا کی قسم! میں نہیں مردوں گا یا خدا کی قسم! سورج طلوع نہیں ہوگا تو یہ بیکین غموس ہے۔ اگر اس قسم کو پورا نہیں کیا تو اس میں کفارہ ہے (مثلاً اس نے قسم کھائی خدا کی قسم میں کل روزہ رکھوں گا اب اگر اس نے کل روزہ نہیں رکھا تو اس کو کفارہ دینا ہوگا۔) (درمندی علی حاشیہ رزق ص ۳ ص ۸۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کفارہ کی تفصیل اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ
تُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ
صَكَاةٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ
تَحْرِيرُ بَرٍّ قَبْلَ ذَلِكَ لَمَنِ بَعْدَ ذَلِكَ كَفَّارَةٌ
أَيْمَانُكُمْ إِذَا احْتَفَقْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ

(المائدہ ۸۹)

بلا قصد کھائی ہوئی قسموں پر اللہ تم سے مواخذہ نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری بالقصد کھائی ہوئی قسموں (بیکین منعقدہ) پر تم سے مواخذہ فرمائے گا تو اس قسم کا کفارہ تمہارے درمیانی قسم کے کھانوں میں دس مسکینوں کا کھانا دینا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھاتے ہو یا دس مسکینوں کو کپڑے دینا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کو ان میں سے کسی پر قدرت نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا کر (توڑ دو) اور اپنی قسموں کی (نوٹے سے) حفاظت کرو۔

احکام شرعیہ کے اعتبار سے قسم کی اقسام

حالات اور واقعات کے اعتبار سے قسم کھانے کی یہ قسمیں ہیں: فرض واجب مستحب مباح مکروہ اور حرام۔

- (۱) اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر قسم کھانا فرض ہے۔
- (۲) اگر اپنی جان یا کسی مسلمان کی جان کو بچانا قسم کھانے پر موقوف ہو تو قسم کھانا واجب ہے مثلاً کوئی شخص قتل کے الزام سے بڑی ہو اور اس پر قسم است کے ذریعہ قسم لازم آ رہی ہو یا کوئی اور مسلم بڑی ہو اور اس کو علم ہو تو اس پر قسم کھا کر اپنی اور اس مسلمان کی جان بچانا واجب ہے۔
- (۳) اگر دو مسلمانوں میں صلح کرانے کے لیے یا کسی مسلمان کے دل سے بغض زائل کرنے کے لیے یا دفع شر کے لیے قسم کھانی

پڑے تو قسم کھانا مستحب ہے۔

(۴) کسی مباح کام پر قسم کھانا مباح ہے محمد بن کعب القرظی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے کھڑے تھے انہوں نے فرمایا اے لوگو! تم اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے قسم کھانے سے گریز نہ کرو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! میرے ہاتھ میں عصا ہے۔

(۵) کسی مستحب کام کے ترک پر یا کسی مکروہ کام کے ارتکاب پر قسم کھانا مکروہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
وَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا
أَوْ تَتَّقُوا وَاللّٰهُ يَبْغِي الْفُسُوقَ بِمَا تَبَرُّوا (البقرہ ۲۲۳)
اور تم نیکی، تقویٰ اور لوگوں کی خیر خواہی سے بچنے کے لیے اللہ کے نام کی قسمیں کھانے کو بہانہ نہ بناؤ۔

روایت ہے کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت مسطح نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹی تہمت لگائی ہے تو انہوں نے قسم کھالی کہ وہ حضرت مسطح کو جو صدقات اور خیرات دیا کرتے تھے اب اس کو بند کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا يَأْتِلُ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا
أَلَا تُحْسِنُونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ (النور ۲۲)
اور تم میں سے جو لوگ اصحاب فضل اور ارباب وسعت ہیں وہ یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں پر خرچ نہیں کریں گے، نہیں معاف کرنا اور درگزر کرنا چاہیے کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے۔

(۶) جھوٹی قسم کھانا حرام ہے۔ قرآن مجید میں منافقوں کے متعلق ہے:

وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ○
اور وہ دانستہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں ○

(المجادلہ ۱۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مسلمان کا مال کھانے کے لیے جھوٹی قسم کھائی وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۸۷)

ایلاء کا معنی اور ایلاء کے بعد وقوع طلاق میں فقہاء احناف کا موقف
ایلاء کا لغوی معنی ہے قسم کھانا اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے مدت مخصوصہ تک اپنی منکوحہ سے جماع نہ کرنے کی قسم کھانا اور زیادہ صحیح تعریف یہ ہے کہ اپنی منکوحہ سے چار مہینے تک جماع نہ کرنے کی قسم کھانا۔
علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ اللہ کی قسم! میں تم سے مقاربت نہیں کروں گا یا کہے اللہ کی قسم! میں تم سے چار مہینے مقاربت نہیں کروں گا تو وہ ایلاء کرنے والا ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے جو لوگ اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے اگر انہوں نے (اس مدت میں) رجوع کر لیا تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا بردبار ہے اور اگر انہوں نے طلاق ہی کا ارادہ کر لیا ہے تو بے شک اللہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے۔ (البقرہ ۲۲۷-۲۲۶)

اگر اس نے چار مہینے کے اندر اپنی بیوی سے مباشرت کر لی تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس پر کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ساقط ہو جائے گا اور اگر اس نے چار مہینے اپنی بیوی سے مقاربت نہیں کی تو اس کی بیوی پر از خود طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔

امام شافعی نے کہا کہ قاضی کے تفریق کرنے سے طلاق بائنا واقع ہوگی جیسا کہ مقلوع اللہ اور نامرد کے مسئلہ میں قاضی کی تفریق سے طلاق بائنا واقع ہوتی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے عورت کے حق کو اس سے لمب کر کے اس پر ظلم کیا ہے اس لیے شریعت نے اس کو یہ سزا دی ہے کہ اس مدت کے پوری ہونے پر نکاح کی نعمت اس سے زائل ہو جائے گی۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے اسی طرح منقول ہے اور ان کی اقتداء کرنی ہمارے لیے کافی ہے اور اس لیے کہ زمانہ جاہلیت میں قسم کھاتے ہی فوراً طلاق واقع ہو جاتی تھی اور شریعت اسلامیہ نے وقوع طلاق کے لیے مدت پوری ہونے کی حد مقرر کر دی۔

اگر اس نے چار ماہ تک مفارقت نہ کرنے کی قسم کھائی تھی تو چار ماہ کے بعد قسم ساقط ہو جائے گی اور اگر اس نے یہ قسم کھائی تھی کہ میں کبھی بھی اس سے مفارقت نہیں کروں گا تو چار ماہ بعد اس کی بیوی کو طلاق بائنا ہو جائے گی اور قسم باقی رہے گی پھر اگر اس نے اس سے دوبارہ نکاح کر لیا اور اس کے بعد مفارقت کر لی تو فیہا اور اسے اس قسم کے توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا اور اگر اس نے پھر چار ماہ تک مفارقت نہیں کی تو اس کی بیوی پر دوبارہ طلاق بائنا پڑ جائے گی اور اگر اس نے اس سے پھر تیسری بار نکاح کر لیا تو پھر اسی طرح ہوگا یعنی اگر اس نے مفارقت کر لی تو فیہا ورنہ چار ماہ بعد پھر اس کی بیوی پر طلاق بائنا پڑ جائے گی اور اس کے بعد حلالہ شریعہ کے بغیر وہ اس سے چوتھی بار نکاح نہیں کر سکتا اور چوتھی بار نکاح کرنے کے بعد پھر اسی طرح ہوگا۔

اگر اس نے چار ماہ سے کم کی قسم کھائی ہے تو یہ ایلاء نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباس نے فرمایا چار ماہ سے کم میں ایلاء نہیں ہے کیونکہ جس شخص نے ایک ماہ مفارقت نہ کرنے کی قسم کھائی اور پھر چار ماہ تک مفارقت نہیں کی تو بقیہ تین ماہ کے عرصہ میں اس نے بغیر قسم کے مفارقت نہیں کی اور جو بغیر قسم کے تین ماہ بلکہ اس سے زائد عرصہ تک بھی مفارقت نہ کرے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (ہدایہ اولیں ص ۳۰۲، ۳۰۱ مطبوعہ شریعت علیہ لبنان)

علامہ المرغینانی نے امام شافعی کا جو یہ مذہب نقل کیا ہے کہ چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد قاضی کی تفریق سے طلاق بائن ہوگی یہ نقل صحیح نہیں ہے بلکہ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ مدت گزرنے کے بعد شوہر کو اختیار ہے چاہے تو رجوع کر لے اور چاہے تو طلاق دے دے۔

ایلاء کے بعد وقوع طلاق میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب اور دلائل اور فقہاء احناف کی طرف سے جوابات علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں:

چار ماہ گزرنے کے بعد وقوع طلاق کے متعلق دو قول ہیں حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن زید، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ اس مدت کے گزرنے کے بعد طلاق بائنا واقع ہو جاتی ہے اور حضرت عمر اور حضرت علی کا دوسرا قول اور ایک روایت میں حضرت عثمان کا دوسرا قول یہ ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد شوہر کو اختیار ہے خواہ رجوع کرے خواہ طلاق دے دے امام شافعی اور اہل مدینہ کا یہی مذہب ہے۔

(المکتب والعلوم ج ۱ ص ۲۹۰-۲۸۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی نے بھی مؤخر الذکر قول نقل کیا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

ابوصالح نے بیان کیا کہ بارہ صحابہ سے یہی (مؤخر الذکر) قول منقول ہے اور امام مالک، امام احمد اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد از خود طلاق واقع ہو جائے گی اور یہ طلاق بائن ہوگی حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت قبیصہ بن ذویب سے یہی منقول ہے۔

(راد المسیر ج ۱ ص ۲۵۷ مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

قاضی ابو بکر ابن العربی مالکی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”وَإِنْ عَزَّوْا الطَّلَاقَ“ (البقرہ ۲: ۲۲۷) پس اگر وہ طلاق کا ارادہ کریں، اس میں یہ دلیل ہے کہ مدت گزرنے سے از خود طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ طلاق اس وقت واقع ہوگی جب شوہر طلاق دینے کا قصد کرے گا، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ چار ماہ تک اس کا رجوع نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا عزم طلاق ہے، ہمارے علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ چار ماہ تک رجوع نہ کرنا اس کا ماضی ہے اور ماضی پر عزم کرنا محال ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد اگر وہ طلاق کا عزم کریں، اس سے معلوم ہوا کہ چار ماہ گزرنے کے بعد اس کے طلاق دینے سے طلاق واقع ہوگی۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۲۲۷ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۸ھ)

قاضی ابو بکر ابن العربی کا یہ استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے اگر وہ طلاق کا عزم کریں یہ نہیں فرمایا کہ وہ زبان سے طلاق دیں، جب کہ ائمہ ثلاثہ کا یہ مذہب ہے کہ شوہر جب زبان سے طلاق دے گا تو طلاق واقع ہوگی اور قرآن مجید میں زبان سے طلاق دینے کا ذکر نہیں ہے بلکہ طلاق کے عزم کا ذکر ہے اور اس کا چار ماہ تک رجوع نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا عزم طلاق دینا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس اگر وہ طلاق کا عزم کریں اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ اس مدت کے بعد وہ عزم کریں بلکہ اس کا معنی ہے اگر وہ طلاق کے عزم پر مستمر اور برقرار رہیں تو اللہ خوب سننے والا ہے، بہت جاننے والا ہے، یعنی ان کے دل کی بات کو سننے والا ہے اور ان کی نیت کو جاننے والا ہے، سننے کا تعلق صرف کلام لفظی سے نہیں ہوتا بلکہ کلام نفسی سے بھی ہوتا ہے۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ

اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقد ثانی سے) روکے رکھیں اور اگر وہ اللہ

لَهُنَّ أَنْ يَكُنَّ مِمَّنْ مَّا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُ

اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ نے

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَعُولُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ

ان کے رجوعوں (بچہ دانوں) میں پیدا کیا ہے اور ان کے خاوند اس مدت میں (طلاق رجعی کو) واپس لینے کے زیادہ حق دار ہیں، شریک

أَمَّا دَوَّارُ صِلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ

ان کا ارادہ حسن سلوک کے ساتھ رہنے کا ہو اور عورتوں کے لیے بھی دستور کے مطابق مردوں پر اسی طرح حقیقت میں جس طرح

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ○

مطلقہ عورتوں کی عدت مقرر کرنے کا شان نزول

اس سے پہلے ایلہ کی دو آیتوں کو اللہ تعالیٰ نے طلاق پر ختم کیا تھا اور طلاق کو عدت لازم ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عدت کا حکم بیان فرمایا ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے اس آیت کے شان نزول میں حسب ذیل احادیث ذکر کی ہیں امام ابو داؤد امام ابن ابی حاتم اور امام سیوطی نے روایت کیا ہے کہ حضرت اسماء بنت یزید بن اسلم انصاریہ بیان کرتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں طلاق دی گئی اس وقت مطلقہ کے لیے کوئی عدت نہیں ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے طلاق کی عدت کو بیان فرمایا اور یہ آیت نازل فرمائی۔ وہ پہلی خاتون ہیں جن کے متعلق عدت طلاق نازل ہوئی۔ امام عہد بن حمید نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں طلاق کی کوئی عدت نہیں ہوتی تھی۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۷۲ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

مطلقہ عورتوں کی اقسام اور ان کی عدتوں کا بیان

اس آیت میں مطلقات کی عدت تین قروء (تین حیض) بیان کی گئی ہے اور مطلقہ کے کئی افراد ہیں غیر مدخولہ کی سرے سے عدت ہی نہیں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَكَثَّرَ التَّمْثُّ نَكَحُوا
كُلَّ قِسْمٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ
عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا لِيُتَبَعُوا مِنْ سَرَاحٍ جَمِيلٍ ۝
(الاحزاب: ۴۹)

اے مسلمانو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر تم ان کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دو تو پھر تمہارے لیے اس پر کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرو سو تم ان کو کچھ فائدہ پہنچاؤ اور حسن سلوک کے ساتھ انہیں چھوڑ دو۔

اور جو عورت مطلقہ ہو اور حاملہ ہو اس کی عدت وضع حمل ہے:

وَأُولَاتُ الْأَصْفَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ صَلَّهُنَّ ۚ
(الطلاق: ۴)

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

اور جو عورت مطلقہ ہو غیر حاملہ ہو لیکن صغیر یا بڑھاپے کی وجہ سے اس کو حیض نہ آتا ہو اس کی عدت تین ماہ ہے

وَالَّذِي يَكْنُسُ مِنَ الْمَحْضِينَ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ أَرْتَبْتُمْ
فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَالَّذِي لَا يَحِضُنَّ ۚ (۱۳۸ ا ق ۳)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اگر تمہیں اشتباہ ہو (کہ ان کی عدت کیا ہوگی؟) تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور جن عورتوں کو ابھی حیض آنا شروع نہیں ہوا (ان کی عدت بھی تین ماہ ہے)۔

اور جو مطلقہ عورت مدخولہ ہو غیر حاملہ ہو بالغہ اور جوان ہو لیکن باندی ہو اس کی عدت دو حیض ہے سو اس آیت میں جس مطلقہ عورت کی عدت تین حیض بیان کی گئی ہے وہ ایسی مطلقہ عورت ہے جو مدخولہ ہو غیر حاملہ ہو بالغہ اور جوان ہو اور آزاد ہو اور مطلقات کے عموم سے مطلقہ عورتوں کے باقی افراد مستثنیٰ ہیں اس لیے یہ آیت عام مخصوص عند البعض ہے۔

عدت کا لغوی اور شرعی معنی اور عدت کے احکام

اللہ عز وجل کا ارشاد ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ
وَاحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تَخْرِجُوهُنَّ مِنْ

اے نبی! (مسلمانوں سے کہیے) جب تم (پنی) عورتوں کو طلاق دو تو ان کو عدت کے لیے (اس زمانہ میں جس میں

يَبْرُؤُهُنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِعَاقِلَةٍ مَبْنُوعَةٍ
وَبِئَظْلَمَ اللَّهُ لِلَّذِينَ يُنْعَدُونَ مَا أُعْطُوا فَكَلِمَةً نَكَسَتْ
(۱۳۴ ق ۱)

جماع نہ کیا ہو) طلاق دے دو اور عدت کو ناکر دے اور اپنے رب اللہ
سے ڈرتے رہو تم مطلقہ عورتوں کو دوران عدت ان کے گھروں
سے نہ نکالو اور وہ خود (بھی) نہ نکلیں البتہ اگر وہ کسی کھلی بے دیہائی
کا ارتکاب کریں (تو پھر نکال دو) اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس
نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

عدت کا افویٰ معنی ہے، گننا اور شمار کرنا اور اس کا اصطلاح سرع میں یہ معنی ہے کہ زوال نکاح کے بعد عورت کا شوہر سے
مکان میں ایک مدت معینہ تک ٹھہرنا اور انتظار کرنا۔ عورت کے حق میں عدت کا رکنا یہ ہے کہ دوران عدت اس کا گھر سے باہر
نکلنا حرام ہے اور دوران عدت نکاح کرنا یا نکاح کا پیغام قبول کرنا حرام ہے اور مرد پر لازم ہے کہ وہ عدت کے زمانہ میں عورت
کو رہائش اور کھانے کا خرچ مہیا کرے۔ اگر اس نے تین طلاقیں دی ہیں تو مطلقہ اس کے گھر میں اجنبی عورت کی طرح رہے گی
اور اس سے پردہ کرے گی۔ عدت کے دوران مرد پر مطلقہ کی بہن اس کی پھوپھی اس کی خالہ اس کی بہتیجی اور اس کی بھانجی سے
نکاح کرنا حرام ہے اسی طرح اگر مطلقہ اس کی چوتھی بیوی تھی اور بقیہ تین اس کے نکاح میں ہیں تو اب وہ دوران عدت مزید کسی
عورت سے نکاح نہیں کر سکتا۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۹-۵۹۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
عدت مقرر کرنے کی حکمتیں

عدت کی حکمت یہ ہے کہ عورت کے رحم کا استبراء ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے یا نہیں کیونکہ اگر اس کو حیض
آ گیا تو وہ حاملہ نہیں ہوگی اور اس کی عدت تین حیض ہوگی ورنہ وضع حمل تک اس کی عدت ہوگی دوسری حکمت یہ ہے کہ اگر
عورت دوسرا نکاح کرتی ہے تو اس نکاح اور دوسرے نکاح کے درمیان واقع ہونا چاہیے تاکہ اس وقفہ میں عورت کے دل و دماغ
پر پہلے شوہر کے جو اثرات نقش ہو چکے تھے وہ محو ہو جائیں اور وہ خالی الذہن ہو کر دوسرے شوہر کے نکاح میں جائے تیسری
حکمت یہ ہے کہ عدت کے دوران عورت طلاق کے عواقب اور نتائج پر غور کرے کہ اس کی کس خطایا زیادتی کی وجہ سے طلاق
واقع ہوئی تاکہ دوسرے نکاح میں وہ ان غلطیوں کا اعادہ نہ کرے اور اگر شوہر کی کسی بدسلوکی یا زیادتی کے نتیجے میں طلاق واقع
ہوئی ہے تو اب دوسرے نکاح میں زیادہ غور و فکر اور تامل سے کام لے اور احتیاط سے نکاح کرے تاکہ پھر اسی قیث کے شوہر
کے پیٹے نہ بندھ جائے چوتھی حکمت یہ ہے کہ اگر ایک طلاق یا دو طلاقوں کی عدت گزار رہی ہے تو شوہر کے لیے اس طلاق سے
رجوع کرنے کا موقع باقی رہے اور جس جھگڑے یا فساد کی بناء پر یہ طلاق واقع ہوئی تھی بعد میں جب فریقین کا جوش غضب
ٹھنڈا ہو جائے تو اس جھگڑے کے عوامل پر غور کریں اور شوہر حسن سلوک کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے رجوع کر لے جس
طرح اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے اور ان کے خاوند اس مدت میں (طلاق رجعی کو) واپس لینے کے زیادہ حق دار ہیں
ہے شریک ان کا ارادہ حسن سلوک کے ساتھ رہنے کا ہو اس لیے یہ ضروری ہے کہ صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ دو طلاقیں دی
جائیں تاکہ رجوع کا موقع باقی رہے اور تین طلاقیں دے کر بعد میں پچھتا نا نہ پڑے اور بچوں کی زندگی ویران نہ ہو ہمارے
زمانہ میں یہ دبا عام ہے کہ لوگ جب طلاق دیتے ہیں تو تین طلاقوں سے کم نہیں دیتے یا وثیقہ نویس سے طلاق لکھواتے ہیں اور
وہ تین طلاقیں لکھ کر دستخط کر لیتا ہے اور جب جھگڑے کا جوش ختم ہو جاتا ہے تو میاں بیوی دونوں در بدر مارے مارے پھرتے
ہیں غیر مقلد مولوی سے فتویٰ دیتے ہیں یا علالہ کی ناگوار صورت اختیار کرتے ہیں۔

قرء کے معانی کے متعلق ائمہ لغت کی تصریحات

اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کی عدت تین قرء بیان فرمائی ہے لیکن قرء کی تفسیر میں مجتہدین کا اختلاف ہے امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک قرء کا معنی حیض ہے اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک قرء کا معنی طہر ہے۔ لغت میں قرء کا معنی حیض اور طہر ہے اور یہ لغت اضداد سے ہے۔ علامہ فیروز آبادی لکھتے ہیں:

قرء کا معنی حیض طہر اور وقت ہے۔ (قاموس ج ۱ ص ۱۳۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
علامہ جوہری لکھتے ہیں:

قرء کا معنی حیض ہے اس کی جمع قرء اور اقراء ہے حدیث میں ہے: اپنے ایام اقراء میں نماز کو ترک کر دو اس حدیث میں قرء کا اطلاق حیض پر ہے اور قرء کا معنی طہر بھی ہے یہ لغت اضداد سے ہے۔ (المصباح ج ۱ ص ۶۲ مطبوعہ دار العلم بیروت ۱۴۰۲ھ)
علامہ ابن منظور افریقی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (لسان العرب ج ۱ ص ۱۳۰ مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران ۱۴۰۵ھ)
علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

قرء حقیقت میں طہر سے حیض میں داخل ہونے کا نام ہے اور جب کہ یہ لفظ حیض اور طہر دونوں کا جامع ہے تو اس کا ہر ایک پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو (نکاح ثانی سے) تین قرء تک روکے رکھیں یعنی تین حیض تک روکے رکھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے ایام اقراء میں نماز پڑھنے سے بیٹھی رہو یعنی اپنے ایام حیض میں۔ اہل لغت نے کہا ہے کہ قرء کا معنی ہے جمع ہونا اور ایام حیض میں رحم میں خون جمع ہوتا ہے۔

(المفردات ص ۴۰۲ مطبوعہ المکتبۃ الرضویۃ ایران ۱۳۴۲ھ)

قرء بہ معنی حیض کی تائید میں احادیث اور فقہاء احناف کے دلائل

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عدی بن ثابت اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحاضہ کے متعلق فرمایا تم اپنے ان ایام اقراء میں نماز چھوڑ دو جن میں تم کو حیض آتا ہے پھر تم غسل کرو اور ہر نماز کے لیے وضو کرو نماز پڑھو اور روزہ رکھو۔ (جامع ترمذی ص ۴۲ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرء کا اطلاق حیض پر کیا ہے اور یہ دلیل بھی ہے کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے کیونکہ اقراء عربی قواعد کے اعتبار سے جمع قلت ہے اور اس کا اطلاق کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ دس پر ہوتا ہے اور آپ نے حیض کے لیے اقراء کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد^۱ امام نسائی^۲ اور امام دارقطنی^۳ نے بھی روایت کیا ہے۔

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باندی کی طلاق (مغلظہ) دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں۔ (جامع ترمذی ص ۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

۱ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۷ مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ

۲ امام ابو عبد الرحمن نسائی متوفی ۳۰۳ھ سنن نسائی ج ۱ ص ۶۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۳ امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۲۸۵ھ سنن دارقطنی ج ۱ ص ۴۲ مطبوعہ نشر النہد لبنان

اس حدیث کو امام ابو داؤد^۱، امام ابن ماجہ^۲، امام مالک^۳، امام دارقطنی^۴ اور امام احمد^۵ نے بھی روایت کیا ہے۔
اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ آزاد اور باندی کی عدت کے عدد میں فرق ہے جنس میں فرق نہیں ہے اور جب باندی کی عدت دو حیض ہے تو آزاد عورت کی عدت تین حیض ہوئی اور حدیث میں یہ تصریح ہے کہ قرء سے مراد حیض ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

امام عبد الرزاق^۶ امام ابن جریر اور امام بیہقی نے عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے کہا: الاقراء سے مراد حیض ہے۔

امام ابن جریر اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ”ثلاثة قروء“ سے مراد تین حیض ہیں۔
امام عبد بن حمید نے مجاہد سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد حیض ہے۔
دکعب نے حسن سے روایت کیا ہے کہ عورت حیض کے ساتھ عدت گزارے خواہ اس کو ایک سال کے بعد حیض آئے۔
امام عبد الرزاق نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ الاقراء حیض ہیں طہر نہیں ہیں۔

امام عبد الرزاق اور امام بیہقی نے حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ طلاق دینا مردوں پر موقوف ہے اور عدت عورتوں پر موقوف ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۷۵، ۲۷۶ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

فقہاء احناف نے ”ثلاثة قروء“ میں لفظ ”ثلاثة“ سے بھی استدلال کیا ہے کیونکہ اگر قرء کا معنی طہر لیا جائے تو جس طہر میں طلاق دی جائے گی اس طہر کو شمار کیا جائے گا یا نہیں اگر اس طہر کو شمار کیا جائے تو طہر اور ایک طہر کا کچھ حصہ یعنی ازہائی طہر عدت قرار پائے گی اور اگر اس طہر کو شمار نہ کیا جائے تو ساڑھے تین طہر عدت قرار پائے گی اور تین قروء صرف اسی صورت میں عدت ہو سکتی ہے جب قرء کا معنی حیض کیا جائے۔

فقہاء احناف نے قرء بہ معنی حیض لینے پر یہ عقلی استدلال کیا ہے کہ عدت شروع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ استبراء رحم ہو جائے یعنی یہ معلوم ہو جائے کہ عورت کے رحم میں شوہر کا نطفہ استفرار پا گیا ہے اور بچہ بننے کا عمل شروع ہو گیا ہے یا اس کا رحم خالی اور صاف ہے سو اگر عورت کو حیض آگیا تو معلوم ہوا کہ اس کا رحم خالی ہے اور اگر حیض نہیں آیا تو معلوم ہوا کہ اس میں نطفہ ٹھہر گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عدت کی حکمت حیض سے پوری ہوتی ہے نہ کہ طہر سے اس لیے صحیح یہی ہے کہ قرء کا معنی حیض کیا جائے۔

فقہاء شافعیہ اور مالکیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے ”فَلْيَقْوَهنَّ لِعَدَّتِهِنَّ (طلاق ۱)“ انہوں نے کہا اس آیت میں لام توقیت کے لیے ہے اور آیت کا معنی ہے ان کو عدت کے وقت میں طلاق دے اور چونکہ حیض میں طلاق دینا مشروع نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ عدت کا وقت طہر ہے اس لیے ”ثلاثة قروء“ میں قروء بہ معنی طہر ہے اس کا جواب یہ

۱۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۹۸ مطبوعہ مطبعہ نجیبائی پاکستان ۱۱/ ۱۳۰۵ھ

۲۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ سنن ابن ماجہ ص ۱۵۰ مطبوعہ نوریہ دار خزانہ تجارت کتب راہی

۳۔ امام مالک بن انس امجدی متوفی ۲۷۹ھ موطا امام مالک ص ۵۱۲ مطبوعہ مطبعہ نجیبائی پاکستان لاہور

۴۔ امام عبد اللہ بن عبد الرحمن متوفی ۲۵۵ھ سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۹۸ مطبوعہ نشر الدار لبنان

۵۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۶ ص ۷۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

ہے کہ یہاں لام توقیت کے لیے نہیں بلکہ اختصاص کے لیے ہے یعنی طلاق عدت کے ساتھ مختص ہے اور عدت حیض سے شروع ہوتی ہے اس لیے طلاق حیض سے پہلے دینی چاہیے نہ کہ دوران حیض اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ایک قراءت میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو یوں بھی پڑھا ہے "فی قبل عدتھن (راجع ۱۱ مائی ن اس ۱۳۲) یعنی ان کو عدت سے پہلے طلاق دو" نیز قرآن بہ معنی حیض پر یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "ثلاثة قسروء" کے بعد فرمایا ہے "عورتوں نے یہ یہ جاز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے" اور یہ واضح ہے کہ اس کا تعلق حیض سے ہے نہ کہ طہر سے۔
قراء کے معنی کی تعین میں دیگر ائمہ مذاہب کی آراء

علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں:

قراء کے متعلق دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حیض ہے یہ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابو موسیٰؓ یزیدؓ قتادہؓ ضحاکؓ عکرمہؓ سدیؓ امام مالکؓ اور ابو حنیفہؓ کا قول ہے (علامہ ماوردی کو نقل میں تاریخ ہوا ہے امام مالک کے نزدیک اس کا معنی حیض نہیں طہر ہے البتہ امام احمد کے نزدیک اس کا معنی حیض ہے) دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی طہر ہے یہ حضرت عائشہؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت زید بن ثابتؓ زہریؓ ابان بن عثمانؓ امام شافعیؓ اور اہل حجاز کا قول ہے۔

(الکتب والعیون ج ۱ ص ۱۹۱-۱۹۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین ادوار یا تین انتقالات تک (عقد ثانی سے) روک رکھیں اور مطلقہ کبھی حیض سے طہر کی طرف اور کبھی طہر سے حیض کی طرف منتقل ہوتی ہے اور یہاں طہر سے حیض کی طرف انتقال تو قطعاً مراد نہیں ہے کیونکہ حیض میں طلاق دینا تو اصلاً مشروع نہیں ہے اور جب کہ طلاق دینا طہر میں مشروع ہے تو پھر عدت تین انتقالات ہے اور پہلا انتقال اس طہر سے ہے جس میں طلاق واقع ہے۔

(الجامع ۱۱ حکام القرآن ج ۲ ص ۱۱۵-۱۱۴ مطبوعہ انتشارات ماسر فسرہ ایران)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

اقراء کے متعلق فقہاء کے دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حیض ہے حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابو موسیٰؓ حضرت عبادہ بن الصامتؓ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہم عکرمہؓ ضحاکؓ سدیؓ سفیان ثوریؓ ازاعیؓ حسن بن صالحؓ امام ابو حنیفہؓ اور ان کے اصحاب اور امام احمد بن حنبلؓ رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے امام احمد نے کہا میں پہلے یہ کہتا تھا کہ قراء بہ معنی طہر ہے اور اب میرا مذہب یہ ہے کہ قراء کا معنی حیض ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اقراء سے مراد اطہار ہیں حضرت زید بن ثابتؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہم زہریؓ ابان بن عثمانؓ امام مالک بن انسؓ و امام شافعیؓ کا یہی مذہب ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۳۱۰-۳۰۹ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

ہر چند کہ قراء کا اطلاق حیض اور طہر دونوں پر ہوتا ہے لیکن چند دلائل کی وجہ سے قراء بہ معنی حیض رائج ہے ایک دلیل یہ ہے کہ اہل لغت نے کہا ہے کہ قراء کا معنی اصل لغت میں وقت ہے اور اس لحاظ سے اس کا بہ معنی حیض ہونا رائج ہے کیونکہ وقت کی چیز کے حادث ہونے کا ہوتا ہے اور حادث حیض ہوتا ہے کیونکہ طہر تو حالت اصلی ہے اور بعض نے کہا قراء کا معنی اصل لغت میں جمع اور تالیف ہے اس اعتبار سے بھی حیض اولیٰ ہے کیونکہ ایام حیض میں رحم میں خون جمع ہوتا رہتا ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ اس

عورت کو ذات اقدس اقرار کیا جاتا ہے جس کو حیض آتا ہو اور جو کم سن ہو یا بڑھیا یا نبھ ہو اس کو ذات اقدس اقرار نہیں کیا جاتا حالانکہ طہر تو ان کو اس وقت حاصل ہوتا ہے تیسری دلیل یہ ہے کہ لغت قرآن پر اتھارٹی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات محدثہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو حیض کے معنی میں استعمال فرمایا ہے طہر کے معنی میں استعمال نہیں فرمایا کیونکہ آپ نے فرمایا: "قائے اپنے ایام اقرار میں نماز پڑھنا چھوڑ دے اور آپ نے حضرت فاطمہ بنت ابی حیث سے فرمایا: جب تمہارا قرآن آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب وہ چلا جائے تو غسل کر کے نماز پڑھو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باندی کی طلاقیں دو ہیں اور اس کا قرآن دو حیض ہیں اور ایک روایت میں فرمایا اس کی عدت دو حیض ہیں اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھاس کی باندیوں کے متعلق فرمایا وضع حمل سے پہلے حاملہ سے دلی نہ کی جائے اور جب تک ایک حیض سے استبراء نہ ہو جائے غیر حاملہ سے دلی نہ کی جائے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۳۶۷-۳۶۳ ملخصاً مطبوعہ "مکتبۃ المدینہ" لاہور)

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب دلی شدہ باندی کو بہہ کیا جائے یا اسے فروخت کیا جائے یا وہ آزاد ہو جائے تو ایک حیض کے ساتھ اس کے رحم کا استبراء کیا جائے اور کنواری باندی کا استبراء نہ کیا جائے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۸-۳۶۷ مطبوعہ "مکتبۃ المدینہ" لاہور)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور عورتوں کے لیے بھی دستور کے مطابق مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے۔ (البقرہ: ۲۲۸)

اسلام میں عورتوں کے مردوں پر حقوق

اس آیت کی تفسیر میں ہم پہلے یہ بیان کریں گے کہ اسلام نے عورتوں کو کیا حقوق دیئے ہیں اس کے بعد مردوں کے حقوق اور ان کی فضیلت بیان کریں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا وَلَا تَعْضِلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْنَهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَحْشَةٍ مُبِينَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَبِيرًا كَثِيرًا ۝ وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْصَاءَهُنَّ قَطْرًا فَلَا تَأْخُذُوا بِهِنَّ شَيْئًا إِنَّا خَاذِلُونَ لَهُنَّ الْبُتَانًا ۝ وَأَنْتُمْ مُبِينُونَ ۝ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ بَيْتًا فَلَا فَعِيلَ ۝ (البقرہ: ۲۰-۱۸)

اے ایمان والو! تمہارے لیے زبردستی عورتوں کا وارث بن جانا جائز نہیں ہے اور ان سے اپنے دیئے ہوئے مہر کا بعض حصہ لینے کے لیے ان کو نہ روکو ماسوا اس کے کہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی کا کام کریں اور تم ان کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ زندگی گزارو پس اگر تم ان کو ناپسند کرو گے تو یہ ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تمہارے لیے اس میں خیر کثیر رکھ دے ۝ اور اگر تم ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی سے نکاح کا ارادہ کرو اور تم ان میں سے کسی ایک کو بہت زیادہ مال دے چکے ہو تو اس سے کوئی چیز واپس نہ لو کیا تم اس مال کو بہتان باندھ کر واپس لو گے اور کھلے گناہ کا ارتکاب کرو گے ۝ اور تم اس مال کو کیسے واپس لو گے حالانکہ تم (خلوت میں) ایک دوسرے سے باہم مل چکے ہو؟ اور وہ تم سے (عقد نکاح کے

ساتھ (پختہ عہد لے چکی ہیں) O

ان آیتوں کا شان نزول یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تو اس کے خاوند کا سوتلا بیٹا یا بھائی یا کوئی اور رشتہ دار اس سے بالجبر نکاح کر لیتا یا کسی دوسرے شخص سے اس کا بالجبر نکاح کر دیتا اور اس کے کل مہر یا آدھے مہر پر قبضہ کر لیتا اسلام نے عورتوں پر اس ظلم اور بری رسم کو مٹایا اور زبردستی عورتوں کا کسی سے بھی نکاح کرنے سے منع فرمایا دوسری اہم چیز ہے مہر کا تحفظ کرنا۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ مختلف حیوں بہانوں سے عورتوں کا مہر دبا لیتے تھے اسلام نے اس بری رسم کو مٹایا واضح رہے کہ دنیا کے کسی مذہب نے بھی عورتوں کے لیے مہر کو لازم نہیں کیا صرف اسلام نے ہی عورتوں کو یہ حق دیا ہے مہر کا فائدہ یہ ہے کہ اگر خاوند عورت کو طلاق دے دے یا مر جائے تو عورت کے پاس مہر کی صورت میں ایک مقبول آمدنی ہو جس کے ذریعہ وہ اپنے نئے مستقبل کا آغاز کر سکے۔

ان آیتوں میں عورتوں کا خاوند پر تیسرا حق یہ بیان کیا ہے کہ مردوں کو ہدایت دی کہ وہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ رہائش میں کھانے پینے بات چیت کرنے میں اور دیگر عائلی اور خانگی معاملات میں ان کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ رہیں۔

چوتھا حق یہ بیان کیا ہے کہ اگر عورت کی صورت یا سیرت تم کو ناپسند ہو پھر بھی اس کے ساتھ ازدواج کے ناطے نہ توڑو اور صبر و شکر کے ساتھ اس کے ہمراہ زندگی گزارو ہو سکتا ہے کہ اس سے ایسی صلاح اولاد پیدا ہو کہ اسے دیکھ کر تم بیوی کی بد صورتی یا اس کی بری عادتوں کو بھول جاؤ یا کسی اور وجہ سے اللہ تمہارے لیے اس نکاح میں ڈھیروں برکتیں نازل فرمائے۔

پانچواں حق یہ بیان کیا ہے کہ اگر عورت کو تم سونے چاندی کے پل کے برابر ڈھیروں مال بھی دے چکے ہو خواہ مہر کی صورت میں یا دیے ہی بہ طور ہبہ تو اس مال کو اب اس سے واپس نہ لو تم نے صرف مال دیا ہے عورت تو اپنا جسم اور بدن تمہارے حوالے کر چکی ہے اور جسم و جان کے مقابلہ میں مال کی کیا حقیقت ہے۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةٌ أَوْ مَمْلُوكَةٌ
أَيُّمَا نَكَحْتُ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ وَأَتُوا النِّسَاءَ صِدُقَاتِهِنَّ
نِحْلَةً ۚ (النساء ۳-۴)

پھر اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ تم ان (متعدد ازواج) میں عدل قائم نہ رکھ سکو گے تو فقط ایک سے نکاح کر دیا اپنی مملوکہ باندیوں پر اکتفاء کرؤ یہ کسی ایک زوجہ کی طرف بہت مال ہونے سے زیادہ قریب ہے O اور عورتوں کو ان کا مہر خوشی سے ادا کرو۔

اسلام نے ضرورت کی بناء پر تعدد ازواج کی اجازت دی ہے لیکن جو ان میں عدل کر سکے اور جو عدل نہ کر سکے اس کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ صرف ایک نکاح پر اکتفاء کرے۔ ان آیتوں میں عورتوں کا مردوں پر ایک حق یہ بیان کیا ہے کہ ان میں عدل و انصاف کیا جائے اور دوسرا حق یہ بیان کیا ہے کہ ان کا مہر خوشی سے ادا کیا جائے۔ سورۃ نساء کی ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے مہر کی ادائیگی کے متعلق بہت تاکید کی ہے اور ہمارے دور میں اس معاملہ میں بہت سستی کی جاتی ہے۔

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ
اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق اس شخص کے ذمہ ہے جس کا بچہ ہے۔ (البقرہ: ۲۳۳)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ عورتوں کا مردوں پر یہ حق ہے کہ وہ ان کو کھانا اور کپڑا مہیا کریں اگر عورتیں امور خانہ داری انجام دیتی ہیں اور کھانا پکاتی ہیں تو یہ ان کی طرف سے احسان ہے اور ازواج مطہرات اور صحابیات کی سنت ہے۔

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَارْتُوهُنَّ بِأَبْوَرِهِنَّ وَأَبْيَنَكُمْ
بِمَعْرُوفٍ فَإِنْ تَعَاَسَرْتُمْ فَمَنْزِلُكُمْ لَهُ أَخْزَىٰ ۝

(الطلاق ۶)

پھر اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو انہیں ان
کی اجرت دو اور آپس میں دستور کے ساتھ مشورہ کرو اور اگر تم
باہم دشواری محسوس کرو تو بچہ کو کوئی اور عورت دودھ پلا دے گی ۝

اس آیت میں بتایا ہے کہ بچہ کو دودھ پلانا عورت کی ذمہ داری نہیں ہے اور عورت مرد کی غلام نہیں ہے اور مرد ڈکٹیٹر نہ
بنے بلکہ گھریلو معاملات کو باہمی مشاورت سے چلائیں اور اگر عورت بچہ کو دودھ پلائے تو اس کا یہ حق ہے کہ مرد سے اس کی
اجرت لے لے اور یہ کہ عورت کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

اگر شوہر اور بیوی کے درمیان کوئی مناقشہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے عورت کے حقوق کی محافظت کرتے ہوئے فرمایا

وَالَّذِي تَخَافُونَ نَشُوزَهُنَّ فَلَظُهُنَّ وَالْجُدُّهُنَّ فِي
الْمَصَاحِبِ وَأَصْرُهُنَّ فَإِنْ أَطَعْتُمُوهُنَّ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ
سَبِيلًا ۝ (النساء: ۳۴)

اور جن عورتوں سے تمہیں نافرمانی کا خوف ہو ان کو (زنی
سے) نصیحت کرو اور انہیں ان کی خواہش گاہوں میں تنہا چھوڑ دو
(اگر وہ پھر بھی باز نہ آئیں) تو انہیں (تادیباً خفیفہ سا) مارو
پھر وہ اگر تمہاری فرمانبرداری کریں تو انہیں تکلیف پہنچانے کا
کوئی بہانہ تلاش نہ کرو۔

تعدد از دواج کی صورت میں عدل و انصاف کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ
حَرَصْتُمْ فَلَا تَبْلُغُوا كُلَّ الْمِيلِ فَنَذَرُهَا كَالْمَعْلُوقَةِ وَإِنْ
تُضِلُّوا وَتَسْتَفْتُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَإِنْ
يَتَفَرَّقَا فَيُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّنْ سَعْيِهِمَا ۝ (النساء: ۳۹)

اور خواہ تم عدل کرنے پر حریص ہو پھر بھی تم متعدد از دواج
میں عدل نہ کر سکو گے (تو جس کی طرف تم کو رغبت نہ ہو) اس
سے مکمل اعراض نہ کرو کہ اسے یوں چھوڑ دو گویا وہ درمیان میں
لٹکی ہوئی ہے اور اگر تم اپنی اصلاح کر لو اور خدا سے ڈرو تو بے
شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے ۝ اور اگر شوہر اور بیوی
علیحدگی اختیار کر لیں تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی وسعت سے
مستغنی کر دے گا۔

اگر عورت کو طلاق دے دی جائے تو اللہ تعالیٰ نے دوران عدت عورت کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

أَسْكُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْهِكُمْ وَلَا تَقْضُوا لَهُنَّ
لِئْتَمَّتْ عَلَيْهِنَّ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتٍ حَمِلَ فَلْيَضْحَكُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ
يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۝ (الطلاق ۶)

ان عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں
خود رہتے ہو اور انہیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ
اور اگر وہ عورتیں حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دیتے
رہو۔

یہ تو اس مطلقہ عورت کے حقوق تھے جس کے ساتھ مباشرت ہو چکی ہو اور جس عورت کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی
ہو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ
فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا قَرَضْتُمْ ۝

اگر تم نے عورتوں کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی درآں
حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تم پر آدھا مہر ادا کرنا

(البقرہ: ۲۳۷) واجب ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمْ النِّسَاءَ مَا لَكُمْ
تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوهُنَّ فِرْيَظَةً أَوْ مَتْعَوْنَهُنَّ
عَلَى الْمُؤْتَبِرِ قَدْ زَكَ وَعَلَى الْهَفْطِ قَدْ زَكَ
اگر تم مباشرت سے پہلے عورتوں کو طلاق دے دو تو کوئی
رج نہیں ہے یا تم نے ان کا کچھ مہر مقرر نہ کیا ہو اور ان کو
استعمال کی کچھ چیزیں دو خوشحال اپنی رحمت سے مطابق اور
(البقرہ: ۲۲۶) تک دست اپنی حیثیت کے مطابق۔

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ بِصُرَّةٍ أَلْتَمْتَدُّوا
(البقرہ: ۲۳۱) نہ روکنا کہ تم ان پر زیادتی کرو۔
اور ان کو ضرر پہنچانے کے لیے اس کو (اپنے نکاح میں)

اس آیت سے ائمہ ثلاثہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر خاوند عورت کو حرج دے نہ طلاق دے تو عدالت اس نکاح کو فسخ کر
سکتی ہے اور ضرورت کی بنا پر ملہ اسلاف کو بھی اسی قول پر فتویٰ دینا چاہیے واضح رہے کہ اگر شوہر نامرد ہو تو فتنہا، احناف کے
نزدیک بھی عدالت نکاح کو فسخ کر سکتی ہے جب کہ نفقہ پر بقاء حیات کا مدار ہے اور شوہر کے مرد ہونے پر صرف خواہش نفسانی
کی تکمیل کا مدار ہے۔

عورتوں کے حقوق کے سلسلہ میں قرآن مجید کی آیات ذکر کرنے کے بعد اب ہم اس سے متعلق چند احادیث پیش
کر رہے ہیں:

حافظ سیوطی لکھتے ہیں

امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عمرو بن الاحوص سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا: سنو! تمہاری ازواج پر تمہارا حق ہے اور تمہاری ازواج کا تم پر حق ہے تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر و پر تمہارے
ناپسندیدہ لوگوں کو نہ آنے دیں اور نہ تمہارے ناپسندیدہ لوگوں کو تمہارے گھروں میں آنے دیں اور ان کا تم پر حق یہ ہے کہ تم ان
کو اچھے کپڑے پہناؤ اور اچھے کھانے کھلاؤ۔

امام احمد، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابن جریر، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت معاویہ بن حیدہ قشیری رضی
اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ عورت کا اس کے خاوند پر کیا حق ہے؟ آپ
نے فرمایا جب وہ کھانا چاہے تو اس کو کھانا کھلائے اور جب پہننا چاہے تو اس کو پہنا دے اس کے چہرے پر نہ مارے اس کو برانہ
کہے اور (تادیبا) صرف گھر میں اس سے علیحدگی اختیار کرے۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۲۷۶ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

حافظ منذری بیان کرتے ہیں:

میں نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی عورت سے کوئی مہر مقرر
کر کے نکاح کرے خواہ کم ہو یا زیادہ اور اس کا ارادہ مہر ادا کرنے کا نہ ہو اور وہ اسے دھوکے میں رکھے اور تمام مرگ اس کا مہر
ادانہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ سے زانی ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا۔

امام ترمذی اور امام ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا: مومنوں میں سے اس شخص کا ایمان کامل ہو گا اور اس شخص کے اخلاص سب سے اچھے ہوں گے جس کے اخلاق اپنی
ازواج کے ساتھ اچھے ہوں گے۔

امام ابن حبان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سب
سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی اہلیہ کے ساتھ بہتر ہو اور میں تم سب سے زیادہ اپنے اہل کے ساتھ بہتر ہوں۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو کیونکہ عورت کو پہلی سے پیدا کیا گیا ہے اور سب سے زیادہ نیر بھی پہلی سب سے اوپر والی سوتی ہے اگر تم اس کو سیدھا کرنے لگو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی سو عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو

امام ابن ماجہ اور امام ترمذی حضرت عمرو بن الاخوص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت الوداع میں اللہ کی ہمد و ثنا اور وعظ و نصیحت کے بعد فرمایا سنو عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو وہ صرف تمہاری بددگار ہیں تم ان پر صرف اس صورت میں حق رکھتے ہو جب وہ کھلی بدکاری کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو ان کو ان کی خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو اور ان کو معمولی سا مارو پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کر لیں تو ان کو مزید مارنے کے لیے کوئی بہانہ نہ بناؤ سنو تمہارا تمہاری بیویوں پر حق ہے اور تمہاری بیویوں کا تم پر حق ہے تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر ان کو نہ آنے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور نہ ان کو گھروں میں آنے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو سنو ان کا تم پر حق یہ ہے کہ تم ان کے کھانے اور پینے میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۰۔ ۲۸۸ مکتبہ مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ)

اسلام میں مردوں کے عورتوں پر حقوق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِأَنَّهُمْ أَنْفِقُوا مِنْ أَصْوَابِهِمْ ۖ فَالضَّالِّحَاتُ فَنِيَتْ ۖ حَفِظْتُ لِنَفْسِي بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ۖ وَالَّتِي تَحْكَفُونَ تُشَوِّرُهُنَّ فَعَظُوهُنَّ وَالْأَجْرُ لَهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۗ (النساء ۳۴)

مرد عورتوں کے (حاکم یا) منتظم ہیں کیونکہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لیے بھی کہ انہوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے ہیں سو نیک عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں مردوں کی غیر حاضری میں بھی اللہ کی حفاظت کے ساتھ (شوہر کی عزت اور اس کے مال کی) حفاظت کرتی ہیں اور تمہیں جن عورتوں کی نافرمانی کرنے کا خدشہ ہو ان کو نصیحت کرو اور انہیں ان کی خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو اور انہیں (نادیا) مارو اور اگر وہ تمہاری فرمانبرداری کر لیں تو پھر ان کو مارنے کے لیے بہانے تلاش نہ کرو۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے اور ان کو جسمانی اور عقلی قوت زیادہ عطا کی ہے دوسری فضیلت یہ ہے کہ مرد کو عورت کے اخراجات کا کفیل بنایا ہے اور اس کے گھر کا منتظم بنایا ہے تیسری فضیلت یہ ہے کہ مرد کو عورت پر حاکم بنایا ہے اور عورت کو مرد کی فرمانبرداری کا پابند کیا ہے چوتھی فضیلت یہ ہے کہ مرد کو عورت پر یہ فوقیت دی ہے کہ وہ اس کو اس کی نافرمانی پر نادیا مار سکتا ہے اور پانچویں فضیلت یہ دی ہے کہ عورت کو اس کا پابند کیا ہے کہ وہ مرد کی غیر حاضری میں اس کی عزت کی حفاظت کرے اور اپنی پارسائی کو بھروچ نہ کرے اور شوہر کی غیر حاضری میں اس کے مال کی بھی حفاظت کرے غرضیکہ جسمانی قوتی کھانے پینے رہائش اور لباس کے اخراجات اور شوہر کے احکام کی تعمیل اور اس کے مال اور اپنی عفت کی حفاظت ہر اعتبار سے عورت کو مرد کا تابع اور محکوم قرار دیا ہے۔

نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔

بِمَكَاهِ عَقْدَ الثَّانِيَةِ ۖ (البقرہ ۲۳۷)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ نکاح کی گرہ کو قائم رکھنے یا طلاق کے ذریعہ اس کو توڑنے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے مرد کے ہاتھ

میں رکھا ہے۔ عورت کے ذمہ مرد کے فرائض اور مرد کے ذمہ جو عورتوں کے حقوق ہیں ان کا بیان حسب ذیل احادیث میں ہے حافظ منذری بیان کرتے ہیں:

امام ترمذی، امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت اس حال میں مری کہ اس کا خاوند اس سے راضی تھا وہ جنت میں داخل ہوگی۔

امام ابن دبان نے اپنی تصحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت پانچ وقت کی نمازیں پڑھے اپنی پارسائی کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے وہ جس دروازے سے چاہے گی جنت میں داخل ہو جائے گی۔

امام بزار اور امام حاکم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اس نے کہا: میں فلاں بنت فلاں ہوں آپ نے فرمایا میں تمہیں پہچانتا ہوں بتاؤ کیا کام ہے؟ اس نے کہا: فلاں عبادت گزار میرا غم زاد ہے۔ آپ نے فرمایا میں اس کو جانتا ہوں اس نے کہا: وہ مجھے نکاح کا پیغام دے رہا ہے مجھے بتائیں کہ مرد کا بیوی پر کیا حق ہے؟ اگر میں اس کا حق ادا کرنے کی طاقت رکھوں گی تو اس سے نکاح کر لوں گی۔ آپ نے فرمایا: مرد کا حق یہ ہے کہ اگر بالفرض مرد کے نقصوں سے خون اور پیپ بہ رہا ہو اور تم اس کو چاٹ لو پھر بھی اس کا حق ادا نہیں ہوا۔ اگر کسی بشر کے لیے عیدہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ جب خاوند آئے تو عورت اپنے خاوند کو عیدہ کرے۔ امام حاکم نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر (نفل) روزہ رکھے اور نہ اس کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر میں آنے کی اجازت دے۔

امام حاکم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں کسی ایسے شخص کو آنے کی اجازت دے جس کو وہ پسند کرتا ہو ورنہ اس کی مرضی کے بغیر گھر سے نکلے اور نہ اس معاملہ میں کسی اور کی اطاعت کرے اور نہ اس سے الگ بستر پر سوئے اور نہ اس کو ستائے اگر اس کا خاوند ظلم کرتا ہو تو وہ اس کے پاس جائے حتیٰ کہ اس کو راضی کرے اگر وہ اس کی معذرت قبول کر لے تو فیہا اور اللہ بھی اس کے عذر کو قبول کر لے گا اس کی حجت صحیح ہوگی اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اور اگر خاوند پھر بھی اس سے راضی نہیں ہو تو اللہ کے نزدیک اس کی حجت تمام ہوگی امام حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

امام طبرانی نے سند جید کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ خاوند کے بیوی پر کیا حقوق ہیں؟ میں نے نکاح عورت ہوں اگر میں نے ان حقوق کے ادا کرنے کی طاقت پائی تو نکاح کر لوں گی ورنہ بے نکاح رہوں گی آپ نے فرمایا: بیوی پر شوہر کے حقوق میں سے یہ ہے کہ اگر وہ اونٹ کے کجاوہ پر بیٹھی ہو اور شوہر اسے مباشرت کے لیے بلائے تو وہ انکار نہ کرے اور اس کا بیوی پر یہ حق ہے کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر (نفل) روزہ نہ رکھے اگر اس نے اس کی اجازت کے بغیر روزہ رکھا تو وہ محض فاقہ ہے اس کا روزہ قبول نہیں ہوگا اور اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے اور اگر وہ اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلی تو اس کے واپس آنے تک آسمان کے فرشتے رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے اس پر لعنت کرتے

رہیں گے۔ اس عورت نے کہا یہ حقوق ضروری ہیں اور میں کبھی نکاح نہیں کروں گی۔

امام ترمذی اور امام ابن ماجہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی دنیا میں کوئی عورت اپنے خاوند کو ایذا پہنچاتی ہے تو جنت میں اس کی بیوی بڑی آنکھوں والی عورت سے کہتی ہے کہ تیرے بھائی کو ہلاک کر دے تو اس کو نہ سنا یہ تیرے پاس عارضی طور پر ہے اور غنیمت یہ ہمارے پاس آنے والا ہے۔

امام ترمذی امام نسائی اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت طلح بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مرد عورت کو اپنے کسی کام سے بلائے تو عورت فوراً جائے خواہ غور پر بیٹھی ہو۔

امام بخاری امام مسلم امام ابو داؤد اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مرد عورت کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے اور شوہر ناراضگی میں رات گزارے تو صبح تک اس پر فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں۔

امام ترمذی امام ابن ماجہ اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخصوں کی نماز ان کے سروں سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی۔ جو شخص کسی قوم کی امامت کرے اور وہ اس کو (کسی شرعی عیب کی وجہ سے) ناپسند کرتے ہوں اور جو عورت اس حال میں رات گزارے کہ اس کا خاوند اس پر ناراض ہو اور دو مسلمان بھائی جو آپس میں لڑے ہوئے ہوں۔

امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت اپنے خاوند کی مرضی کے بغیر گھر سے نکلے اس کے واپس آنے تک آسمان کے سارے فرشتے اور جن انسانوں اور جنوں کے پاس سے وہ گزرتی ہے سب اس پر لعنت کرتے ہیں۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۹-۵۲ ملتقطاً مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ ۱۴۰۷ھ)

آیا عورت پر مرد کی خدمت واجب ہے یا نہیں؟

فقہاء مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے بعض علماء مالکیہ نے کہا ہے کہ بیوی پر شوہر کی خدمت کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ عقد نکاح کا تقاضا یہ ہے کہ عورت اس کو مباشرت کو موقع دے نہ کہ خدمت کا کیونکہ یہ مزدوری کا عقد نہیں ہے اور نہ نکاح کے ذریعے عورت اس کی باندی بن گئی یہ عقد اجارہ ہے نہ عقد تملیک یہ صرف عقد مباشرت ہے (نکاح کا معنی مباشرت ہے) لہذا عورت سے شوہر مباشرت کے علاوہ اور کسی چیز کا مطالبہ نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اگر وہ تمہاری فرمانبرداری کر لیں تو تم ان کو مارنے کے لیے یہاں نہ ڈھونڈو۔ (النساء ۳۴)

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ عورت پر خاوند کی خدمت کرنا واجب ہے۔ اگر اس کا تعلق معزز اور خوشحال گھرانے سے ہو تو گھر کی دیکھ بھال اور خانگی امور کی نگرانی اس کے ذمہ ہے اور اگر وہ متوسط گھرانے کی ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ خاوند کا بستر وغیرہ بچھائے اور اگر وہ غریب گھرانے کی ہو تو اس پر گھر کی صفائی کرنا کپڑے دھونا اور کھانا پکانا لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے عورتوں کے اتنے ہی حقوق ہیں جتنے دستور کے مطابق ان کے فرائض ہیں۔ (البقرہ ۲: ۲۲۸) اور یہ معقول رائے ہے اور ہر زمانے میں مسلمانوں کے گھرانوں میں اس پر عمل ہوتا رہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی ازواج محترمت چکی سے آٹا پیستی تھیں کھانا پکاتی تھیں بستر بچھاتی تھیں اور اپنے خاوندوں کے لیے کھانا لاکر رکھتی تھیں اور دیگر انواع کی خدمت کرتی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرت کی ذمہ داریوں کو مرد اور عورت پر تقسیم کر دیا تھا حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذمہ خانگی ذمہ داریاں تھیں اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے ذمہ کسب معاش اور کمانے کی ذمہ داریاں تھیں۔

حاصل بحث

حاصل بحث یہ ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں کے بھی حقوق ہیں۔ مردوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی عورتوں کے ساتھ اچھے اطلاق اور حسن سلوک کے ساتھ رہیں ان کو ضرورت پہنچائیں ہر فریق اس معاملہ میں اللہ سے ڈرے بیوی خاوند کی اطاعت کرے اور ہر ایک دوسرے کے لیے بن سزا کر رہے۔ امام ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں اپنی بیوی کے لیے بن سزا کر رہتا ہوں جیسے وہ میرے لیے بن سزا کر رہتی ہے ضرورت کے وقت ہر فریق دوسرے کے کام آئے اور بیماری میں ہر فریق دوسرے کا علاج اور خدمت کرے۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَإِمْسَاكَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٍ بِإِحْسَانٍ ط

دوبار طلاق دینے کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے یا اس کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا بِمَا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ

اور تمہارے لیے اس (مہر یا ہبہ) سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے جو تم ان کو دے چکے ہو مگر جب دونوں

يَخَافَا إِلَّا يُقِيمَا حَدُّوَدَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ إِلَّا يُقِيمَا حَدُّوَدَ

فریقوں کو یہ خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی

اللَّهُ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ

حدود کی قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدل ظلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ اللہ کی حدود ہیں

فَلَا تَعْتَدُوا وَهَا جَ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

سو تم اللہ کی حدود سے تجاوز نہ کرو اور جنہوں نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا تو وہی لوگ

الظَّالِمُونَ ﴿۲۲۹﴾ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ

ظالم ہیں ۲۲۹ پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے یہاں تک کہ

زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ

وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو پھر ان پر کوئی حرج نہیں

ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ

ہے کہ وہ اس (طلاق کی عدت کے بعد) پھر باہم رجوع کر لیں اگر ان کا یہ گمان ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے

تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۰﴾

اور یہ اللہ کی حدود ہیں جن کو اللہ ان لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے جو علم والے ہیں ○

طلاق کا لغوی معنی

امام اللغت سید زبیدی طلاق کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "عباب" میں ہے کہ عورت کی طلاق کے دو معنی ہیں: (۱) نکاح کی گرہ کو کھوس دینا (ب) ترک کر دینا چھوڑ دینا "لسان العرب" میں ہے کہ عثمان اور ربیعہ کی حدیث ہے طلاق کا تعلق مردوں سے ہے اور عدت کا تعلق عورتوں سے ہے۔ (تاج المعری ج ۶ ص ۳۵، مطبوعہ مطبعہ خیرہ سنہ ۱۳۰۶ھ)

طلاق کا اصطلاحی معنی

علامہ ابن نجیم طلاق کا فقہی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں الفاظ مخصوصہ کے ساتھ فی الفور یا از روئے مال نکاح کی قید کو اٹھا دینا طلاق ہے۔ الفاظ مخصوصہ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو مادہ طلاق پر صراحت یا کنیتہ مشتمل ہوں اس میں خلع بھی شامل ہے اور نامردی اور معان کی وجہ سے نکاح کی قید از روئے مال اٹھ جاتی ہے۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۳۵، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

طلاق کی اقسام

طلاق کی تین قسمیں ہیں: احسن، حسن اور بدی۔

طلاق احسن جن ایام میں عورت ماہواری سے پاک ہو اور ان ایام میں بیوی سے مقاربت بھی نہ کی ہو ان ایام میں صرف ایک طلاق دی جائے اس میں دوران عدت مرد کو رجوع کا حق رہتا ہے اور عدت گزرنے کے بعد عورت بائنہ ہو جاتی ہے اور فریقین کی باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

طلاق حسن جن ایام میں عورت پاک ہو اور مقاربت بھی نہ کی ہو ان ایام میں ایک طلاق دی جائے اور جب ایک ماہواری گزر جائے تو بغیر مقاربت کیے دوسری طلاق دی جائے اور جب دوسری ماہواری گزر جائے تو بغیر مقاربت کیے تیسری طلاق دی جائے اس کے بعد جب تیسری ماہواری گزر جائے تو عورت معظہ ہو جائے گی اور اب شرعی حلالہ کے بغیر اس سے دوبارہ عقد نہیں ہو سکتا۔

طلاق بدی س کی تین صورتیں ہیں: (۱) ایک مجلس میں تین طلاقیں دفعتاً دی جائیں نوہ ایک کلمہ سے مثلاً تم کو تین طلاقیں دیں یا کلمات متعدد سے مثلاً کہے تم کو طلاق دی تم کو طلاق دی تم کو طلاق دی (ب) عورت کی ماہواری کے ایام میں اس کو ایک طلاق دی جائے اس طلاق سے رجوع کرنا واجب ہے اور یہ طلاق شمار کی جاتی ہے (ج) جن ایام میں عورت سے مقاربت کی ہو ان ایام میں عورت کو ایک طلاق دی جائے طلاق بدی کسی صورت میں ہو اس کا دینے والا گنہگار ہوتا ہے۔

(در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۲ ص ۵۷۸، ۵۷۳، مطبوعہ اشول سنہ ۱۳۴۷ھ)

صریح لفظ طلاق کے ساتھ ایک یا دو طلاقیں دی جائیں تو یہ طلاق رجعی ہے اور اگر صریح لفظ طلاق نہ ہو کنیہ سے طلاق دی جائے تو یہ طلاق بائن ہے مثلاً طلاق کی نیت سے بیوی سے کہہ تو میری ماں کی مثل ہے طلاق رجعی میں دوبارہ رجوع کیا جا سکتا ہے لیکن پچھلی طلاقیں شمار ہوں گی اگر پہلے دو طلاقیں دی تھیں تو رجوع کے بعد صرف ایک طلاق کا مالک رہ جائے گا طلاق بائن سے فی الفور نکاح منقطع ہو جاتا ہے لیکن اگر تین سے کم طلاقیں بائن ہوں تو باہمی رضامندی سے دوبارہ عقد ہو سکتا ہے لیکن پچھلی طلاقوں کا شمار ہوگا۔

طلاق کیوں مشروع کی گئی؟

اسلام کا منشاء یہ ہے کہ جو دو گشتہ نکاح میں منسلک ہو جائیں ان کے نکاح کو قائم اور برقرار رکھنے کی اپنی المقدور کوشش کی جائے اور اگر کبھی ان کے درمیان اختلاف یا نزاع پیدا ہو تو رشتہ دار اور مسلم سوسائٹی کے ارباب صل و عقد اس اختلاف کو دور کر کے ان میں صلح کرائیں اور اگر ان کی پوری کوشش کے باوجود زوجین میں صلح نہ ہو سکے اور یہ خسرہ ہو کہ اگر یہ بدستور رشتہ نکاح میں بندھے رہے تو یہ حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے اور نکاح کے مقاصد فوت ہو جائیں گے تو ان کی عدم موافقت اور باہمی نفرت کے باوجود ان کو نکاح میں رہنے پر مجبور نہ کیا جائے اس صورت میں ان کی ان کے رشتہ داروں اور معاشرہ کے دیگر افراد کی بہتری اور مصلحت اسی میں ہے کہ عقد نکاح کو توڑنے کے لیے شوہر کو طلاق دینے سے روکا جائے۔ طلاق کے علاوہ عقد نکاح کو فسخ کرنے کے لیے دوسری صورت یہ ہے کہ عورت شوہر کو کچھ دے دلا کر خلع کرائے اور تیسری صورت قاضی کی تفریق ہے اور چوتھی صورت یہ ہے کہ جن دو مسلمان خلموں کو نزاعی حالت میں یہ معاملہ سپرد کیا گیا ہو وہ نکاح کو فسخ کرنے کا فیصلہ کر دیں۔

صرف ناگزیر حالت میں طلاق دی جائے

قرآن مجید کی تعلیم یہ ہے کہ اگر شوہر کو بیوی ناپسند ہو پھر بھی وہ اس سے نباہ کرنے کی کوشش کرے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
وَعَايَشْتُمْوهُنَّ بِأَنَّهُمْ عَرُوفٌ قَاتِنٌ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَلَيْكُمْ أَنْ تَكْرَهُوا أَوْ تَسْتَأْذِنُوا ۚ فَمَا يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا (النساء، ۱۹)
اور اپنی بیویوں کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کے ساتھ رہو اور اگر تم کو وہ ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت سی بھلائی پیدا کر دے ○

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

حضرت محارب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حلال کیا ہے ان میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے۔ (من ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۶ مطبوعہ مطبعہ مجتہبی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ طلاق ہے۔ (من ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۶ مطبوعہ مطبعہ مجتہبی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

قرآن اور سنت کی ان ہدایات کی روشنی میں شوہر پر یہ لازم ہے کہ اختلاف اور نزاع کی حالت میں حتی الامکان طلاق سے گریز کرے اور اگر طلاق دینا ناگزیر ہو تو صرف ایک طلاق رجسی دے کیونکہ اس کے بعد عدت کے تین ماہ تک اس معاملہ پر نظر ثانی کا موقع رہے گا ورنہ عدت کے بعد عورت علیحدہ ہو جائے گی آج کل کے لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تین ماہ کے بغیر طلاق نہیں ہوتی اس لیے یا تو وہ خود تین طلاقیں دیتے ہیں وکیل اور وثیقہ نویس ان کو تین طلاقیں لکھ دیتے ہیں اور جب طلاق نافذ ہو جاتی ہے تو یہ لوگ پشیمان ہوتے ہیں اور مفتیوں کے پاس جاتے ہیں کہ دوبارہ نکاح یا رجوع کا کوئی حیلہ نظر آئے یا حتیٰ کہ یہ لوگ حلالہ کی ناگوار صورت کو قبول کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں حالانکہ اس قسم کے حلالہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے لیکن بعد میں بچوں کی در بدری اور دوسرے بڑے نتائج سے بچنے کے لیے اس وقت فریقین ہر قیمت پر صلح کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ میری تیس سالہ افتاء کی زندگی کا تجربہ ہے۔

صرف مرد کو طلاق کا اختیار کیوں دیا گیا؟

طلاق دینے کا حق مرد کو تفویض کیا گیا ہے حالانکہ عقد نکاح عورت اور مرد دونوں کی باہمی رضامندی سے وجود میں آتا

ہے تو پھر عورت کو یہ اختیار کیوں نہیں ہے کہ وہ بھی جب چاہے اس عقد کو ختم کر دے؟

اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ عورت مغلوب الغضب ہوتی ہے اور اس کو جلد غصہ آتا ہے اور طلاق دینے کا معاملہ عورت کے اختیار میں ہوتا تو وقوع طلاق کی شرح دو چند سے بھی زیادہ بڑھ جاتی۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ عورت کے مطالبہ اور اس کی ضد پر شوہر طلاق دیتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مرد کے مقابلہ میں عورت کی قوت فیصلہ کمزور ہوتی ہے، خصوصاً حیض کے یاہ میں عورت اپنی اضطراب میں مبتلا ہوتی ہے اور ان ایام میں اس کا ذہن منتشر اور مزاج چڑچڑا ہوتا ہے اس لیے اگر طلاق دینے کا معاملہ عورت کے سپرد کیا جاتا تو شرح طلاق زیادہ ہو جاتی اور اکثر ہتے ہتے گھر ویران ہو جاتے، تیسری وجہ یہ ہے کہ عورتیں ناقصت العقول ہوتی ہیں جیسا صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن ابوداؤد، مسند احمد بن حنبل اور مستدرک میں اس کی تصریح ہے اور فسخ نکاح کا معاملہ ناقص العقول کے سپرد کرنے کے اہل حق نہیں ہے۔

طلاق کا معاملہ مرد کو مفوض کرنے کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ چونکہ مرد اپنا مال خرچ کر کے حقوق زوجیت حاصل کرتا ہے اس لیے ان حقوق سے دست کش ہونے کا اختیار بھی اسی کو دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص اپنا وہ پیسہ خرچ کر کے کوئی چیز حاصل کرتا ہے وہ اس چیز کو آخری حد تک رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور صرف اس وقت اس چیز کو چھوڑتا ہے جب اس کو چھوڑنے کے سوا اور کوئی چارہ کار باقی نہ رہے۔ اس کے برخلاف حقوق زوجیت کو قائم کرنے میں عورت کو کوئی محنت کرنی پڑتی ہے نہ پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے اس لیے اگر طلاق کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں دے دی جاتی تو عورت کو طلاق واقع کرنے میں اس قدر سوچ و ہمت اور تامل کی ضرورت نہ ہوتی۔ علاوہ ازیں یہ اقدام عدل و انصاف کے بھی خلاف ہوتا۔

طلاق میں عورت کی رضامندی کا اعتبار کیوں نہیں ہے؟

یہ ٹھیک ہے کہ بعض اوقات عورت طلاق لینا نہیں چاہتی اور اپنے اپنے بچوں کے مستقبل کی خاطر وہ اپنے شوہر کے نکاح میں ہی رہنا چاہتی ہے لیکن مرد بد مزاج اور ظالم ہوتا ہے اور عورت کی مرضی کے خلاف وہ اس کو طلاق دیتا ہے ایسی صورت میں بعض عورتیں یہ کہتی ہیں کہ جب نکاح کے عقد میں اس کی مرضی کا دخل ہے تو طلاق میں اس کی رضامندی کا دخل کیوں نہیں ہے؟ اور اس کی مرضی کے بغیر طلاق کیوں مؤثر قرار دی جاتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی عقد کو بھی قائم کرنے کے لیے فریقین کی رضامندی ضروری ہے (مثلاً وکالت، اجارت، مضاربت وغیرہ) لیکن عقد کو فسخ کرنے کے لیے دونوں فریقوں کی رضامندی ضروری نہیں ہوتی، کوئی ایک فریق بھی دوسرے کی مرضی کے خلاف عقد توڑ سکتا ہے اس لیے اگر کوئی شخص کسی عورت کو اپنے نکاح میں رکھنے پر آمادہ نہ ہو اور اس کے ساتھ عمل زوجیت پر تیار نہ ہو تو اس سے بہ زور یہ عمل نہیں کرایا جاسکتا نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ تم خواہی خواہی اس عورت کو اپنے نکاح میں رکھو اور اس کو خرچ دیتے رہو اور چونکہ ازدواجی زندگی کی گاری میں اہم رول مرد ادا کرتا ہے کیونکہ عمل زوجیت اور عقد کی ادائیگی میں مرد فاعل ہوتا ہے اور عورت اس کے فعل کی مکمل یہ منفعل ہوتی ہے اس لیے عقد نکاح کو قائم رکھنے یا اس کو فسخ کرنے کا اختیار بھی صرف مرد کو دیا گیا ہے۔

خلع

طلاق کو مرد کے اختیار میں دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وقوع طلاق میں عورت کا بالکل دخل نہیں ہے عورت کو طلع کا اختیار دیا گیا ہے اگر عورت کو مردی شکل و صورت پسند نہ ہو یا کسی اور طبعی نامناسبیت کی وجہ سے وہ مرد کو نا پسند کرتی ہو تو وہ اپنا مہر

۱۔ بخاری ج ۱ ص ۱۳۳۔ ج ۱ ص ۹۷۔ ج ۱ ص ۳۱۔ ج ۱ ص ۳۶۔ ج ۱ ص ۳۱۳۔ مسند ابن ماجہ ج ۱ ص ۶۰۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۷۔ ترمذی ج ۱ ص ۲۷۵۔

ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۸۹۔ ۲۸۸۔ مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۶۷۔ مستدرک ج ۲ ص ۱۹۰۔

چھوڑ کر یا کچھ اور دے دلا کر شوہر سے طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

سید محمد قطب شہید لکھتے ہیں امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس ابن ثاس کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں ثابت کے خلق اور اس کے دین کے بارے میں کوئی حرف گیری نہیں کرتی، لیکن میں اسلام کے بعد کفر (ناشکری یا شوہر کے حقوق کو ادا نہ کرنا) کو ناپسند کرتی ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس کا باغ واپس کر دو گی؟ (ثابت نے ان کو مہر میں باغ دیا تھا) انہوں نے کہا ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت سے فرمایا باغ لے لو اور اس کو طلاق دے دو۔

(فی ظلال القرآن ج ۲ ص ۱۹۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۶ھ)

اس حدیث کی روشنی میں یہ ہونا چاہیے کہ جب کسی عورت کو کسی طبعی ناہمواری کی وجہ سے شوہر ناپسند ہو اور یہ نفرت اس قدر بڑھ جائے کہ وہ اس نفرت کی وجہ سے شوہر کے حقوق ادا نہ کر سکے تو پھر وہ قاضی اسلام سے رجوع کرے اور قاضی مہر واپس کر کے شوہر سے طلاق دلا دے یا در ہے کہ یہاں قاضی شوہر سے طلاق دلوائے گا از خود نکاح فسخ نہیں کرے گا۔

قاضی اور حکمین کی تفریق

طلاق دینا مرد کے اختیار میں ہے لیکن اگر مرد عورت پر تعدی اور ظلم کرتا ہے اور اس کو طلاق نہیں دیتا تو عورت کو حق ہے کہ وہ عدالت سے نکاح فسخ کرا لے اور مذہب مالکیہ کے مطابق یہ تفریق نافذ ہو جائے گی اسی طرح اگر خاوند تنگ کرنے کے لیے عورت کو نفقہ دے نہ طلاق دے تب بھی عورت عدالت سے تفریق کرا سکتی ہے، اگر کسی نوجوان عورت کا خاوند پاگل ہو جائے اور ٹھیک نہ ہو سکے یا کسی اور ناقابل علاج بیماری میں مبتلا ہو جائے اور حقوق زوجیت ادا نہ کر سکے تب بھی عورت عدالت سے تفریق کرا سکتی ہے اگر کسی نوجوان عورت کا خاوند کسی جرم کی وجہ سے لمبی مدت کے لیے سزایاب ہو یا اس کو عمر قید ہو جائے تب بھی عورت عدالت سے تفریق کرا سکتی ہے اگر کسی نوجوان عورت کا خاوند اپتا ہو جائے اور عورت کے گزر بسر کا ذریعہ نہ ہو تو عدالت تحقیق کے بعد فی الفور تفریق کر دے گی۔ اگر عورت اور مرد میں اختلاف ہو اور وہ حکمین کو مقرر کر لیں اور حکمین تفریق کا فیصلہ کر دیں تو تفریق ہو جائے گی۔ یہ تمام صورتیں امام مالک کے نزدیک جائز ہیں اور فقہاء احناف نے تصریح کی ہے کہ ضرورت کے وقت امام مالک کے مذہب پر عمل درست ہے اور یہ بھی تصریح ہے کہ قاضی اپنے اجتہاد سے مذہب غیر کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے اور اس پر عمل صحیح ہے ان تمام امور کی باحوالہ مکمل مفصل اور مدلل بحث ہم نے "شرح صحیح مسلم" جلد ثالث باب ۴۰۴ (ص ۱۱۲۱-۱۰۹۲) میں بیان کر دی ہے۔

تین طلاقوں کی تحدید کی وجوہات مصالح اور حکمتیں

اسلام نے صرف تین طلاقوں کی گنجائش رکھی ہے پہلی اور دوسری طلاق دینے کے بعد مرد کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا اختیار ہے لیکن تیسری طلاق دینے کے بعد مرد کو رجوع کرنے کا اختیار نہیں ہے اب اگر وہ مرد اور عورت پھر ملنا چاہیں تو اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے عورت عدت گزارنے کے بعد کسی اور شخص سے نکاح کرے نکاح کرنے کے بعد وہ شخص اس سے عمل زوجیت (صحبت) کرے اور پھر اپنی مرضی سے جب اس کو طلاق دے دے تو پھر وہ عورت اس کی عدت گزار کر پہلے شوہر کے نکاح میں جاسکتی ہے ظاہر ہے کہ یہ ناگوار اور مشکل صورت ہے اس لیے مرد کو تیسری طلاق دینے سے پہلے اچھی طرح سوچ و بچار اور غور و فکر کرنا چاہیے تاکہ بعد میں پریشانی اور پچھتدے کا سامانہ کرنا پڑے اور ردھو کر مفتیوں سے جیسے نہ پوچھے جائیں اور اپنا مذہب چھوڑ کر غیر مقلدیت کے دامن میں پناہ لینے کی ضرورت نہ پڑے اسلام نے اسی لیے یک وقت تین طلاقیں دینے

سے روکا ہے اور اس فعل کو معصیت اور گناہ قرار دیا ہے۔

سنت کے مطابق اور احسن طریقے سے طلاق دینے کے فوائد

جب کوئی شخص سنت کے مطابق صحیح طریقہ سے عورت کی پاکیزگی کے اس ایام میں جن میں اس نے جماع نہ کیا ہو صرف ایک طلاق دے گا اور دوسری طلاق کے لیے اگلی پاکیزگی کے ایام تک رکا رہے گا جو تقریباً ایک ماہ کے برابر ہیں تو اس عرصہ میں وہ اس معاملہ پر سو فائدہ سے زیادہ غور کرے گا اور گناہ غالب ہے کہ اس کی رائے بدل جائے گی (کیونکہ میں تیس سالہ افتاء کی زندگی میں ہر بار کچھ چکا ہوں کہ کل شوہر نے تین طلاقیں دی ہیں اور آج وہ دوزخاچار رہا ہے کہ کوئی حیلہ بتا میں کہ نکاح قائم رہ سکے۔ جب ایک دن میں رائے بدل جاتی ہے حالات بدل جاتے ہیں تو ایک ماہ میں تو بہت گنجائش ہے) اگر بیوی کے مطالبہ یا اس کے غلط طرز عمل کی وجہ سے یہ اختلاف کی صورت پیدا ہوئی ہے تو ایک ماہ میں اس کے طرز عمل میں تبدیلی یا مطالبہ طلاق ترک کر دینے کا غالب امکان ہے اس طرح دوسری طلاق پڑنے کا خطرہ ٹل جائے گا اور تیسری طلاق کی نوبت نہیں آئے گی جب کہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احسن طریقہ یہ ہے کہ زمانہ طہر میں بشرط عدم جماعت صرف ایک طلاق دی جائے اور عدت کے پورے زمانہ میں دوبارہ طلاق نہ دی جائے اور عدت کے اس تین ماہ میں طلاق سے رجوع کرنے کا زیادہ موقع رہے گا اور بالفرض رجوع نہیں کیا اور عدت گزر گئی اور عورت بائینہ ہو گئی اور بعد میں حالات سازگار ہوئے تو اب دوبارہ نکاح کرنے کی گنجائش ہے اور کسی حلالہ کی ضرورت نہیں ہے جب کہ تین طلاقیں دینے کے بعد یہ گنجائش نہیں رہتی۔

طلاق کی تدریج میں مرد کی اور تحدید میں عورت کی رعایت ہے

تین طلاق کی تحدید سے دراصل عورت کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے کیونکہ اگر طلاق میں کوئی تحدید نہ ہوتی تو عورت کی گلا خلاصی کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا۔ زمانہ جاہلیت میں مرد عورت کو طلاق دیتا اور عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کر لیتا پھر طلاق دے دیتا اور یہ سلسلہ بونہی چتا رہتا تھا۔

امام رازی نے ”الطلاق مروتاں“ کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر یہ شکایت کی کہ اس کا شوہر اس کو بار بار طلاق دیتا ہے اور پھر رجوع کر لیتا ہے جس کی وجہ سے اس کو ضرر ہوتا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَإِمْسَاكَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْوِیْهِ
بِإِحْسَانٍ (البقرہ ۲۲۹)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا
غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ
كُنَّا أَنْ يُفِيئَا حُدُودَ اللَّهِ (البقرہ ۲۳۰)

پھر اگر اسے (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ (وہ عورت) اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے پھر اگر (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ (دوسرے خاوند کی عدت گزارنے کے بعد) وہ آپس میں رجوع کر لیں اگر وہ سمجھیں کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے۔

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے نتائج

چونکہ تیسری طلاق آخری حد ہے اور اس کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں ہے اس لیے تیسری طلاق دینے سے پہلے بہت سوچ، بچار اور غور و خوض کرنا چاہیے اور اس آخری قدم اٹھانے سے پہلے دوستوں اور رشتہ داروں سے مشورہ بھی کر لینا چاہیے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اسلام کی ہدایت کے مطابق طلاق وقفہ وقفہ سے دی جائے اگر ایک مجلس میں یک وقت تین طلاقیں دے دی گئیں تو پھر بعد میں پریشانی اور پشیمانی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوگا اس لیے بکثرت احادیث اور آثار میں بیک وقت تین طلاقیں دینے کو معصیت اور گنہ فرمایا ہے لیکن اگر کسی شخص نے بد قسمتی سے معصیت کا ارتکاب کر کے ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں تو اس کو اب صبر و استقامت اور حوصلہ سے اس اقدام کے نتیجہ اور انجام کا سامنا کرنا چاہیے اور اپنے ہاتھوں کی ہوئی اس عیجدگی کو قبول کر لینا چاہیے۔ حلالہ کا مکروہ حیلہ اختیار کرے نہ غیر مقلد مولویوں کے خلاف شرع فتویٰ پر عمل کرنے کے لیے در بدر مارا مارا پھرے کیونکہ تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا عقل اور درایت کے بھی خلاف ہے اور قرآن اور حدیث کے بھی خلاف ہے۔ عددی معاملات میں یہ کہیں نہیں ہونا کہ کوئی شخص تین یا پانچ یا دس عدد کو ایک عدد قرار دے اور اگر کوئی شخص دس روپوں کو ایک روپیہ قرار دے تو یہ مطلق اور قانون دونوں کے خلاف ہے پھر تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے وقت ان لوگوں کی منطق کہاں رخصت ہو جاتی ہے۔ آئندہ مباحث میں ہم ان شاء اللہ ایک مجلس کی تین طلاقوں پر گفتگو کریں گے۔ پہلے ہم ایک مجلس کی تین طلاقوں کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف فقہاء بیان کریں گے پھر تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر غیر مقلدین کے دلائل پیش کر کے ان کا جائزہ لیں گے اس کے بعد قرآن مجید احادیث آثار و اقوال تابعین کی روشنی میں جمہور فقہاء اسلام کا یہ موقف پیش کریں گے کہ اگر کسی شخص نے بد قسمتی سے معصیت کا ارتکاب کر کے یک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں تو وہ بہر حال نافذ ہو جائیں گی۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں۔

بیک وقت تین طلاقیں دے کر عورت کو بدر کر دینا نصوص صریحہ کی بناء پر معصیت ہے۔ علماء امت کے درمیان اس مسئلہ میں جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف اس امر میں ہے کہ ایسی تین طلاقیں ایک طلاق رجعی کے حکم میں ہیں یا تین طلاق مغلطہ کے حکم میں لیکن اس کے بدعت اور معصیت ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔

حالانکہ امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے وہ بیک وقت تین طلاقوں کو بدعت اور گناہ نہیں مباح کہتے ہیں اور امام احمد کا ایک قول بھی یہی ہے۔ سید ابوالاعلیٰ نے مذاہب فقہاء کی تحقیق کیے بغیر یہ لکھ دیا ہے۔

(حقوق الزوجین ص ۱۵۰ مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور ہائیسویں بار ۱۹۸۶ء)

بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے حکم میں جمہور کا موقف

جمہور علماء اہل سنت کے نزدیک بیک وقت دی گئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں امام شافعی امام مالک امام ابو حنیفہ اور قدیم و جدید جمہور علماء کے نزدیک یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں جس شخص نے بیک وقت تین طلاقیں دیں وہ واقع ہو جائیں گی خواہ دخول سے پہلے دی ہوں یا دخول کے بعد۔ حضرت ابن عباس حضرت ابو ہریرہ حضرت ابن عمر حضرت عبد اللہ بن عمر حضرت ابن مسعود اور

حضرت انس رضی اللہ عنہم کا بھی نظریہ یہ ہے اور بعد کے تابعین اور ائمہ کا بھی یہی موقف ہے۔ قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء کا بھی موقف ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

(بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ الحنفی لکھتے ہیں کہ بار بار لفظ طلاق کا تکرار کرنے سے تمام طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور اگر طلاق دینے والا تاکید کی نیت کرے تو اس کا ریائی اعتبار ہوگا (یعنی نفی اعتبار نہیں ہوگا۔)

بیک وقت دی گئی تین طلاقوں میں شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کا موقف

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: اگر کسی شخص نے ایک طہر میں ایک لفظ یا متعدد الفاظ کے ساتھ تین طلاقیں دیں مثلاً کہا کہ تم کو تین طلاقیں یا کہا کہ تم کو طلاق ہے تم کو طلاق ہے یا کہا: تم کو تین طلاقیں یا اس طلاقیں یا سو طلاقیں یا ہزار طلاقیں اس قسم کی عبارات میں متقدمین اور متاخرین علماء کے تین نظریات ہیں۔ اور ایک چوتھا قول بھی ہے جو محض من گھڑت اور بدعت ہے پہلا قول یہ ہے کہ یہ طلاق مباح اور لازم ہے یہ امام شافعی کا قول ہے۔ امام احمد کا بھی ایک یہی قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ طلاق حرام اور لازم ہے یہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا قول ہے امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے۔ یہ قول متقدمین میں بکثرت صحابہ اور تابعین سے منقول ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ طلاق حرام ہے لیکن اس سے صرف ایک طلاق لازم آتی ہے یہ قول صحابہ میں سے حضرت زبیر بن عوام حضرت عبدالرحمن بن عوف سے منقول ہے۔ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود سے بھی مروی ہے اور حضرت ابن عباس کے دو قول ہیں: تابعین اور بعد کے لوگوں میں سے طاؤس بن خثعم بن عمرو بن محمد بن اسحاق سے منقول ہے داؤد اور ان کے اکثر اصحاب کا یہی قول ہے ابو جعفر محمد بن علی بن احمسین اور ان کے بیٹے جعفر بن محمد کا بھی یہی قول ہے اسی وجہ سے شیعہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام ابو حنیفہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے بعض اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔ چوتھا قول بعض معتزلہ اور بعض شیعہ کا ہے کہ یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینے سے کوئی طلاق نہیں پڑتی سلف صالحین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں تھا اور تیسرا قول بھی وہ ہے جس پر کتاب و سنت سے دائل موجود ہیں۔

(مجموع الفتاویٰ ج ۳۳ ص ۷۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

شیخ ابن قیم لکھتے ہیں کہ بیک وقت تین طلاقوں کے وقوع کے بارے میں چار مذاہب ہیں پہلا مذہب یہ ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں یہ قول ائمہ اربعہ جمہور تابعین اور بکثرت صحابہ کا ہے (رضی اللہ عنہم) دوسرا مذہب یہ ہے کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ مردود ہے کیونکہ یہ بدعت محرمہ ہے اور بدعت اس حدیث کی وجہ سے مردود ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس شخص نے ایسا عمل کیا جو ہمارے دین میں نہیں ہے وہ مردود ہے۔ اس مذہب کو ابو محمد بن حزم نے بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام احمد نے فرمایا یہ باطل ہے اور رخصیوں کا قول ہے۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ اس سے ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے یہ مذہب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے جیسا کہ امام ابو داؤد نے ذکر کیا ہے امام احمد نے کہا: یہ ابن اسحاق کا مذہب ہے وہ کہتے ہیں کہ جو شخص سنت کی مخالفت کرے اس کو سنت کی طرف لوٹانا چاہیے۔ (تابعین میں سے) طاؤس اور عکرمہ کا بھی یہی قول ہے اور شیخ ابن تیمیہ کا بھی یہی نظریہ ہے چوتھا مذہب یہ ہے کہ مدخول بہا اور غیر مدخول بہا میں فرق ہے مدخول بہا کو تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور غیر مدخول بہا کو ایک طلاق واقع ہوتی ہے یہ قول حضرت ابن عباس کے تلامذہ کا

۱۔ علامہ ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۶۰ھ لکھنوی ج ۷ ص ۲۸۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ

۲۔ علامہ ذوالدین الحنفی لکھنوی متوفی ۸۰۸ھ در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۲ ص ۶۴۲ مطبوعہ استنبول ۱۳۲۷ھ

ہے اور احق بن راہویہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۵۳ مطبوعہ مطبعہ مطہریٰ الدینی والادبیہ مصر)
بیک وقت دی گئی تین طلاقوں میں علماء شیعہ کا موقف

جیسا کہ شیخ ابن تیمیہ نے لکھا ہے، بعض شیعہ کا موقف یہ ہے کہ اگر بیک وقت تین طلاقیں دی جائیں تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (شرائع الاسلام ج ۲ ص ۵۷)

اور جمہور شیعہ کا مذہب یہ ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ شیخ ابو جعفر کلینی روایت کرتے ہیں

زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی ایک علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس یا متعدد مجالس میں تین طلاقیں دیں درآں حالیکہ وہ عورت حیض سے پاک تھی؟ انہوں نے کہا: یہ ایک طلاق ہوگی۔

(الفروع من الکافی ج ۶ ص ۷۱۔ ۷۰ مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ ایران)

عمر بن براء کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص جب اپنی بیوی کو ایک طلاق دے یا سوطلاقیں دے تو صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور ہمیں آپ سے اور آپ کے آباء و عیہم السلام سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جب کوئی شخص ایک بار طلاق دے یا سوطلاقیں دے تو وہ ایک طلاق ہوتی ہے۔ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے کہا: مسئلہ اسی طرح ہے جس طرح تمہیں پہنچا ہے۔

(الفروع من الکافی ج ۶ ص ۷۱ مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ ایران ۱۳۶۲ھ)

تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کے دلائل

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”الطلاق مطلق“ اس سے معلوم ہوا کہ وہ طلاق رجعی جس میں طلاق کے بعد رجوع کیا جاتا ہے ایک بار دینے کے بعد دوسری مرتبہ دی جاتی ہے جیسے کسی شخص نے کہا جاؤ دوبارہ تہنچ کرو یا تین بار تہنچ کرو یا سوطہنچ کرو اس پر عمل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اتنی بار تہنچ کرے کہ یہ عدد پورا ہو جائے مثلاً کہے سبحان اللہ سبحان اللہ تو یہ دوبار ہوگا اور اگر اس نے کہا: دو بار سبحان اللہ! (سبحان اللہ مرتان) یا سوطہ سبحان اللہ (سبحان اللہ مائة مرة) کہا تو یہ ایک تہنچ شمار کی جائے گی علیٰ ہذا القیاس جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تمہیں دو طلاقیں یا تمہیں تین طلاقیں یا تمہیں دس طلاقیں یا تمہیں ہزار طلاقیں تو یہ ایک طلاق شمار کی جائے گی۔ اس کو واضح کرنے کے لیے شیخ ابن تیمیہ نے ایک یہ مثال دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع فرمایا ہے کہ نماز کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ تینتیس بار الحمد للہ اور تینتیس بار اللہ اکبر کہا جائے اب اگر کوئی شخص کہے سبحان اللہ الحمد للہ اللہ اکبر عدد خلقت (اس کی مخلوق کی تعداد کے برابر) تو یہ صرف ایک تہنچ شمار کی جائے گی۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ہمارے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ کسی شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک لفظ کے ساتھ تین طلاقیں دی ہوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تین طلاقیں لازم کر دی ہوں اس بارے میں کوئی حدیث صحیح یا احسن مروی نہیں ہے اور نہ کسی مستند کتاب میں کوئی ایسی حدیث نقل کی گئی ہے اس سلسلے میں جتنی احادیث نقل کی گئی ہیں وہ سب ائمہ حدیث کی تصریح کے مطابق ضعیف ہیں بلکہ موضوع ہیں بلکہ ”صحیح مسلم“ اور دیگر سنن اور مسانید میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور حضرت ابو بکر کے زمانہ خلافت میں اور حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاتا ہے حضرت عمر نے فرمایا لوگوں نے اس

کام میں مجلت کرنی شروع کر دی ہے جس میں انہیں مہلت دی گئی تھی اگر ہم ان پر یہ تین طلاقیں نافذ کر دیں تو بہتر ہو گا پھر آپ نے یہ تین طلاقیں نافذ کر دیں اس سلسلے میں دوسری حدیث یہ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں پھر خست غم لگیں ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا تم نے کس طرح طلاق دی تھی؟ انہوں نے کہا میں نے تین طلاقیں دی تھیں۔ آپ نے فرمایا ایک مجلس میں؟ انہوں نے کہا جی! آپ نے فرمایا: یہ ایک طلاق ہوئی ہے اگر تم چاہو تو اس سے رجوع کر سکتے ہو۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ پھر حضرت رکانہ نے رجوع کر لیا شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ استفسار فرمایا ایک مجلس میں اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اگر ایک مجلس میں تین طلاقیں نہ دی جائیں تو پھر وہ ایک نہیں قرار دی جاتیں اور جب ایک مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک قرار دی جائے گی حضرت رکانہ کی یہ حدیث شیخ ابن تیمیہ نے "مسند احمد" کے حوالے سے بیان کی ہے (مجموع الفتاویٰ ج ۳۳ ص ۱۴۰۔ ۱۴۱ مطبوعہ دار فہد بن عبد المعز)

شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کے دلائل کے جوابات

شیخ ابن تیمیہ نے "الطلاق مرقاۃ" سے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر طلاق الگ الگ دی جائے تب دو متعدد طلاقیں متصور ہوں گی اور اگر کسی نے کہا "تم کو تین طلاقیں" تو چونکہ یہ طلاق ایک بار دی گئی ہے اس لیے یہ ایک طلاق ہی شمار ہوگی شیخ ابن تیمیہ کا یہ استدلال خود انہیں بھی مفید نہیں ہے کیونکہ اس استدلال کا یہ تقاضا ہے کہ کسی شخص نے ایک مجلس میں تین بار کہا میں نے تم کو طلاق دی میں نے تم کو طلاق دی میں نے تم کو طلاق دی تو یہ تین طلاقیں واقع ہونی چاہئیں کیونکہ یہ تین بار دی گئی ہیں حالانکہ شیخ کے نزدیک یہ بھی ایک طلاق ہے جیسا کہ اس سے پہلے باحوالہ گزر چکا ہے۔

زنا کی شہادت اور قسامت کی قسموں پر قیاس کے جوابات

شیخ ابن قیم جوزیہ نے زنا کی چار شہادتوں اور قسامت کی پچاس قسموں سے بیک وقت دی گئی تین طلاقیں کو ایک طلاق قرار دینے پر استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں چار بار گواہی دیتا ہوں کہ فلاں شخص نے زنا کیا ہے تو اس کی یہ گواہی مردود ہوگی جب تک چار آدمی الگ الگ گواہی نہ دیں اسی طرح اگر ایک آدمی یہ کہے کہ میں پچاس قسمیں کھاتا ہوں کہ میں نے قتل کیا نہ قتل دیکھا ہے تو اس کی یہ قسم معتبر نہیں ہوگی جب تک کہ پچاس آدمی الگ الگ قسمیں نہ کھائیں اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں تم کو تین طلاقیں دیتا ہوں تو یہ تین طلاقیں بھی معتبر نہیں ہوں گی جب تک کہ وہ الگ الگ تین طلاقیں نہ دے۔ (زاد المعاد ج ۳ ص ۵۵ مطبوعہ مکتبۃ البیروتی دار الادارۃ مصر ۱۳۶۹ھ)

اس استدلال کا ایک جواب تو یہی ہے کہ یہ دلیل خود شیخ ابن قیم کو بھی مفید نہیں ہے کیونکہ اس دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ ایک مجلس میں اگر تین بار الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں تو وہ واقع ہو جانی چاہئیں حالانکہ ان کے نزدیک ایک مجلس میں الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں تو وہ بھی واقع نہیں ہوتیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ زنا کی شہادت اور قسامت پر طلاق کا قیاس درست نہیں ہے کیونکہ جو شخص یہ کہے کہ میں زنا کی چار گواہیاں دیتا ہوں یا میں قتل نہ کرنے کی پچاس قسمیں کھاتا ہوں اس کی گواہی اور قسم مطلقاً مردود ہے برخلاف طلاق کے کیونکہ جو شخص کہے: میں تم کو تین طلاقیں دیتا ہوں اس کی طلاق ان کے نزدیک بھی مطلقاً مردود نہیں ہے بلکہ ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہ دوسرا جواب علامہ آلوسی کی عبارت سے مستفاد ہے۔

علامہ آلوسی نے اس استدلال کے جواب میں لکھا ہے کہ شہادت لعان اور رمی جمرات پر طلاق کو قیاس کرنا قیاس مع

الغراق ہے دوئوں کے احکام الگ الگ ہیں اور ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا علاوہ ازیں طلاق کا معیار علت اور حرمت سے ہے اور اس میں احتیاط یہی ہے کہ جو تین طلاقیں بیک وقت دی گئی ہیں وہ واقعہ مان لی جائیں^۱ اور یہ مسلم اصول ہے کہ جب اباحت اور تحریم میں تعارض ہو تو تحریم کو ترجیح دی جاتی ہے۔ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں کو شیخ ابن تیمیہ اور اس کے موافقین ایک طلاق دے کر نکاح کو مباح کہتے ہیں اور جمہور ان تین طلاقیں کو تین ہی شمار کر کے نکاح کو حرام کہتے ہیں اور اس اصول کے مطابق جمہور کے قول کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ اباحت اور تحریم کے تعارض میں تحریم ہی کو ترجیح دی جاتی ہے۔
تشیع فاطمہ پر قیاس کے جوابات

پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر خاتون حنت سے فرمایا تھا کہ بی بی نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۳ بار اللہ اکبر پڑھا کر وہ یہ لونڈیوں سے بہتر ہے اب اگر کوئی شخص سبحان اللہ تینتیس بار (ایک دفعہ) کہہ دے تو کیا وہ اس اجر و ثواب کا مستحق ہوگا؟^۲ (پیر صاحب اس سے یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ یک مرتبہ تین طلاقیں کہنے سے تین طلاقیں واقع نہیں ہوتیں)۔

یہ دلیل سب سے پہلے شیخ ابن تیمیہ نے قائم کی تھی اس کے بعد شیخ ابن تیمیہ کے تبعی میں مزید علماءوں کے ساتھ اس کو نقل کرتے چلے گئے ہیں ہم اس دلیل کے چار جواب بیان کر چکے ہیں کہ یہ استدلال ان حضرات کو بھی مفید نہیں ہے کیونکہ یک مجلس میں کلمات متعددہ سے تین بار تین طلاقیں دی جائیں تو اس دلیل کے اعتبار سے وہ نافذ ہونی چاہئیں حالانکہ یہ لوگ اس کو بھی تین طلاق نہیں مانتے بلکہ ایک طلاق کہتے ہیں دوسرا یہ کہ جب اباحت اور تحریم میں تعارض ہو تو ترجیح تحریم کی ہوتی ہے تیسرا جواب ہم نے علامہ آلوسی سے نقل کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک دفعہ مثلاً یوں کہہ دے کہ سو بار سبحان اللہ تو اس حدیث پر عمل نہیں ہوگا اور یہ تشیع فاطمہ نہیں ہوگی اور وہ اس کے اجر کا مستحق نہیں ہوگا اس کے برخلاف اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: تم کو تین طلاقیں تو آپ بھی یہ نہ مانتے ہیں کہ ایک طلاق ہو جائے گی اس لیے یہ قیاس صحیح نہیں ہے۔ علامہ آلوسی نے جو دوسرا جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تین طلاقیں کو ایک طلاق قرار دینا حرام کو حلال کرنا ہے اس لیے اس قسم کی تنگ بندیوں اور ڈھکوسلوں سے اللہ اور رسول کے حرام کردہ کو حلال نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت عمرؓ پر عہد رسالت کے معمول کو بدلنے کے الزام کے جوابات

شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کی دوسری دلیل ”صحیح مسلم“ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر کے عہد میں بیک وقت دی گئی تین طلاقیں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا ہے اور حضرت عمرؓ نے یہ کہا کہ اگر ان کو تین طلاق ہی قرار دیا جائے تو بہتر ہوگا اور پھر انہوں نے ایسا ہی کر دیا جس طرح شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی صریح مخالفت کی اور تمام صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کو قبول کر لیا اگر اس بات کو مان لیا جائے تو حضرت ابو بکر و ان کے دور میں فوت ہونے والے صحابہ کے علاوہ کوئی صحابی اس قابل نہیں رہے گا کہ اس کے دین پر اعتماد کیا جائے اور اس کی روایت کو قبول کیا جائے یہی وجہ ہے کہ جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث کا ظاہر معنی نہیں لیا اور اس حدیث کے متعدد جوابات دیئے

۱۔ علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۳۷۲ھ ریح العالی ج ۲ ص ۱۳۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۲۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری دعوت فکر و فطرح ایک مجلس کی تین طلاقیں ص ۳۹ مطبوعہ نعمانی کتب خانہ ۱۹۸۹ء

ہیں۔ ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔
صحیح مسلم کی زیر بحث روایت غیر صحیح اور مردود ہے۔

قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں جیسا کہ ابن شاذان رحمہ اللہ عن قرب واضح ہو گا اور "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کی متفق علیہ حدیث ہے جس کو صحاح سند کے دیگر مؤلفین نے بھی روایت کیا ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقیں کو نافذ کر دیا نیز دیگر احادیث صحیحہ اور کثرت آثار صحابہ اور انوال تابعین سے ثابت ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں (جس کا تفصیلی بیان عنقریب آ رہا ہے) اور "صحیح مسلم" میں حضرت ابن عباس کی یہ روایت چونکہ قرآن مجید احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ کی صراحت کے خلاف ہے اس لیے یہ روایت شاذ اور معطل ہے اور استدلال سے خارج ہے۔

صحیح مسلم کی زیر بحث روایت کے غیر صحیح ہونے پر دوسری دلیل

اس روایت کے شاذ معطل اور مردود ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خود یہ فتویٰ دیتے تھے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ متصور نہیں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک چیز روایت کریں اور فتویٰ اس کے خلاف دیں اس لیے یہ روایت شاذ ہے اور حضرت ابن عباس کی طرف اس روایت کو منسوب کرنے میں طاؤس کو وہم ہوا ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۳۹۳ مطبوعہ دار نشر المکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۸۱ھ)

"صحیح مسلم" کی اس زیر بحث حدیث کو طاؤس نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی صراحت کے مطابق یہ طاؤس کا وہم ہے اس کی مزید وضاحت امام بیہقی کے بیان سے ہوتی ہے

امام بیہقی فرماتے ہیں: یہ حدیث ابن احادیث میں سے ہے جن میں امام بخاری اور امام مسلم کا اختلاف ہے امام مسلم نے اس کو روایت کیا ہے اور امام بخاری نے اس کو ترک کر دیا ہے اور میرا گمان یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو اس لیے ترک کیا ہے کہ یہ روایت حضرت ابن عباس کی باقی روایات کے مخالف ہے پھر امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس کی باقی روایات کے مخالف ہے پھر امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس نے فرمایا پہلے انسان تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کر لینا تھا "الطلاق مرتان" نے اس کو منسوخ کر دیا۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا: جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ اس پر حرام ہو گئی مجاہد کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے پوچھا میں نے اپنی بیوی کو سوطہ قیس دی ہیں حضرت ابن عباس نے فرمایا: تم تین طلاقیں لے لو اور ستانوے طلاقیں کو چھوڑ دو مجاہد سے ہی روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سوطہ قیس دیں حضرت ابن عباس نے فرمایا: تم اس سے اپنے رب کی مافرمائی کی تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو گئی تم نے اللہ کا خوف نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کوئی مخرج نہیں رکھا اس کے علاوہ عطاء، عمرو بن دینار اور مالک بن حارث وغیرہ طاؤس کے علاوہ حضرت ابن عباس کے تمام تلامذہ حضرت ابن عباس سے یہی روایت کرتے ہیں کہ ایک وقت دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں اس کے

حضرت بکر محمد کرم شاہ ازہری تحقیقی فنی عالم ہیں اس مسئلہ میں ان کی رائے انسار بہد کے متفق علیہ موقف سے مختلف ہے تاہم ہماری معلومات کے مطابق انہوں نے اس رائے پر فتویٰ نہیں دیا لیکن چونکہ غیر مقلد صراحت ان کا رسالہ مسلسل پھاپ رہا ہے اس لیے ہم نے ان کے دلائل کا جواب ضروری سمجھا تا کہ عوام اہل سنت اس کے دوائے سے کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ (غلام رسول سیدی غفرلہ)

برخلاف صرف طاؤس نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت کیا ہے کہ عہد رسالت اور عہد ابو بکر میں میں طلاقیں ایک قرار دی جاتی تھیں اس لیے یہ روایت طاؤس کے وہم پر محمول کی جائے گی اور صحیح نہیں ہے۔ (نن کبری ج ۷ ص ۱۳۷ مطبوعہ شریعت دار) اعتبار راوی کی روایت کا ہے یا اس کی رائے کا؟

پیر محمد کرم شاہ ازہری لکھتے ہیں اس حدیث کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ صحابہ کرام کا عمل اس حدیث کے خلاف ہے خصوصاً حضرت ابن عباس راوی حدیث کا فتویٰ بھی اس کے خلاف ہے تو اس روایت پر عمل کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے الی قول۔ اس کے متعلق مختصر یہ گزارش ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالیشان کے سامنے کسی کا قول جنت نہیں نیز حضرت ابن عباس سے بھی دو روایتیں آئی ہیں ایک وہ جو اوپر گزری دوسری وہ جسے سند میں امام احمد نے نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عباس کا نظریہ یہ تھا کہ ہر طہر کے وقت طلاق دی جائے۔ دوسرے صحابہ کرام کے اقوال کا ذکر جا بجا گزر چکا ہے نیز اصول فقہ کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ "اعتبار راوی کی روایت کا ہے نہ کہ اس کی ذاتی رائے کا۔"

(دعوت لگرو نظر مع ایک مجلس کی تین طلاقیں ص ۲۹ مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور ۱۹۷۹ء)

بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالیشان کے مقابلہ میں کسی کا قول حجت نہیں ہے لیکن یہ کون سی حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جائے۔ اگر مسلم کی حدیث مذکور مراد ہے تو ازل تو اس میں آپ کے کسی فرمان کا ذکر نہیں ہے۔ ثانیاً اسی حدیث میں تو بحث ہو رہی ہے کہ یہ ثابت اور صحیح نہیں ہے طاؤس کا وہم ہے مشہور غیر مقلد عالم قاضی شوکانی نے بھی اعتراف کیا ہے

امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس کے تمام شاگردوں نے حضرت ابن عباس سے طاؤس کے برخلاف روایت کی ہے۔ سعید بن جبیر مدنی اور نافع نے حضرت ابن عباس سے اس کے برخلاف روایت کی ہے

(نیل الاوطار ج ۸ ص ۳۳ مطبوعہ مکتبۃ الکلیات "مریہ قاہرہ" ۱۳۹۸ھ)

اور چونکہ "صحیح مسلم" کی یہ روایت طاؤس کے وہم پر مبنی ہے اس لیے صحیح نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر عہد رسالت کے معمول کی مخالفت اور تمام صحابہ پر بدانت کی تہمت لگانے سے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ایک معقول وجہ (حادث کے وہم) کی بنیاد پر اس حدیث کو مسترد کر دیا جائے!

پیر محمد کرم شاہ صاحب نے لکھا ہے نیز اصول فقہ کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ "اعتبار راوی کی روایت کا ہے نہ کہ اس کی رائے کا" اس کے بارے میں گزارش ہے کہ عام راویوں کے بارے میں بے شک ایسا ہی ہے لیکن جب صحابی رسول کی حدیث کی روایت کریں اور ان کا عمل یا فتویٰ اس حدیث کے خلاف ہو تو پھر وہی باتیں ہو سکتی ہیں یا تو یہ روایت صحیح نہیں یا اس صحابی کے نزدیک منسوخ ہو چکی ہے کیونکہ صحابی رسول سے یہ متصور نہیں کہ وہ ایک حدیث بیان کرے اور عمل اس کے خلاف کرے۔ کتب صحاح میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے اور امام طحاوی نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا۔ اس روایت کو بیان کرنے کے بعد امام طحاوی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کو ترک کر دیا اور یہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ ان کے نزدیک کسی دلیل سے رفع یدین منسوخ ہو چکا ہو نیز حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ جس برتن میں کتا

۱۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی مکتبہ متونی ۳۲۱ھ شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۳۳ مطبوعہ مطبع کتبائی پاکستان لاہور ۱۳۰۴ھ

منہ ڈال دے اس کو سات مرتبہ دھونا ضروری ہے اور خود تین مرتبہ دھوتے تھے۔ امام طحاوی لکھتے ہیں کہ ہم حضرت ابو ہریرہ کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سن کر اس پر عمل کرنا ترک کر دیں گے اور اگر وہ ایسا کریں تو ان کی عدالت (نیکوکاری) ساقط ہو جائے گی اور وہ اس قابل بھی نہیں رہیں گے کہ ان کی کوئی بات قبول کی جائے چہ جائیکہ ان کی روایت قبول کی جائے اس لیے ضروری ہے کہ یہ کہا جائے کہ حضرت ابو ہریرہ کے نزدیک یہ روایت منسوخ ہو چکی ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۳ مطبوعہ مطبعہ مجببہ پاکستان، ابوز ۱۳۰۴ھ)

جب صحابی رسول کا عمل یا فتویٰ اس کی روایت کے خلاف ہو تو اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس روایت کی نسبت اس صحابی کی طرف صحیح نہیں ہے یا پھر اس روایت میں کوئی تاویل ہے۔ علامہ پرہاروی لکھتے ہیں:

راوی کا عمل جب حدیث کے خلاف ہو تو یہ اس حدیث کی صحت میں طعن کا موجب ہے یا اس حدیث کے منسوخ ہونے پر دلیل ہے یا پھر اس حدیث میں تاویل ہے اور اس کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے۔

(المبراس ص ۱۳ مطبوعہ شاہ عبدالحق اکیڈمی، ندیال، الطبعة ۱۱۱۱ رتی ۱۳۹۷ھ)

حضرت ابن عباس کی یہ حدیث جس کو طاؤس نے بیان کیا ہے ایسی ہی ہے قوی ترین بات یہ ہے کہ چونکہ یہ طاؤس کا وہم ہے اس لیے صحیح اور ثابت نہیں ہے۔ جمہور فقہاء اسلام نے اس کو منسوخ قرار دے کر بھی جواب دیا ہے اور اس کا ظاہری معنی چھوڑ کر تاویل بھی کی ہے عنقریب ہم بعض تاویلات کا ذکر کریں گے۔

پیر محمد کرم شاہ صاحب نے اس بحث میں یہ بھی لکھا ہے کہ ”حضرت ابن عباس کی روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف میں رمل کرتے تھے اور ان کا قول یہ ہے کہ رمل سنت نہیں ہے۔“ اس کا جواب یہ ہے کہ رمل کے معاملہ میں حضرت ابن عباس کی رائے جمہور کے خلاف ہے اور تین طلاقوں کے مسئلہ میں ان کی روایت دیگر احادیث اور جمہور کے موافق ہے اور ان کی منفر د رائے کو ترک کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی جو روایت جمہور کے موافق ہو اس کو بھی ترک کر دیا جائے۔

نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر راوی کا عمل اور فتویٰ اس کی روایت کے خلاف ہو تو غیر مقلدین اور شوافع کا وہی مسلک ہے جو پیر محمد کرم شاہ صاحب نے ”فتح الباری“ کے حوالے سے بیان کیا ہے اور ”نیل الاوطار“ میں بھی مشہور غیر مقلد عالم فاضل شوکانی نے ایسا ہی لکھا ہے اور حق اور صواب احناف اور مالکیہ کا نظریہ ہے جس کو ہم نے امام طحاوی اور علامہ پرہاروی کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔

صحیح مسلم میں درج طاؤس کی روایت کے غلط اور شاذ ہونے پر مزید دلائل

طاؤس کی اس روایت کے وہم اور غلط ہونے پر ایک اور واضح قرینہ یہ ہے کہ خود طاؤس کا فتویٰ بھی اس روایت کے خلاف تھا طاؤس یہ کہتے تھے کہ اگر غیر مدخولہ کو ایک مجلس میں تین لفظوں کے ساتھ تین طلاقیں دی جائیں تو یہ ایک طلاق ہوگی (کیونکہ وہ پہلی طلاق کے بعد ہائے ہو جاتی ہے اور بعد کی طلاقوں کا محل نہیں رہتی) طاؤس مدخولہ کی تین طلاقوں کو ایک طلاق نہیں قرار دیتے تھے۔ امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں لیث بیان کرتے ہیں کہ طاؤس اور عطاء کہتے تھے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو مقربت سے پہلے تین طلاقیں دے تو وہ ایک طلاق ہوگی۔

(المصنف ج ۵ ص ۳۱ مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، الطبعة ۱۱۱۱ رتی ۱۳۰۶ھ)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ طاؤس مطلقاً تین طلاقوں کو ایک نہیں کہتے تھے اس لیے طاؤس کی یہ روایت جس کو امام مسلم

فاضل محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نیل الاوطار ج ۸ ص ۱۳ مطبوعہ مکتبۃ الکلیات، لاہور، ۱۳۹۸ھ

نے بیان کیا ہے وہم اور مغالطہ سے خالی نہیں ہے۔

علامہ مارڈینیؒ طائوس کی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

علامہ ابن عبد البر (صاحب "استذکار") نے کہا ہے کہ طائوس کی یہ روایت وہم اور مغالطہ ہے۔ علامہ ابن عساکر نے اس کا قبول نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس سے طائوس کی یہ روایت اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ثقہ راویوں نے حضرت ابن عباس سے اس کے خلاف روایت کیا ہے۔ (الجوہر المصنی علی مناقبہ، ج ۱، ص ۳۳۸-۳۳۷ مطبوعہ مکتبہ المصنوعین)

نیز علامہ ابو جعفر بن شماس "کتاب النسخ والمسنوخ" میں لکھتے ہیں کہ طائوس ہر چند کہ نیک شخص ہیں لیکن وہ حضرت ابن عباس سے بہت سی روایات میں متضاد ہیں اہل علم ان روایات کو قبول نہیں کرتے ان روایات میں سے ایک روایت وہ بھی ہے جس میں انہوں نے حضرت ابن عباس سے تین طلاقوں کے ایک ہونے کی روایت کی ہے لیکن حضرت ابن عباس اور حضرت علی سے صحیح روایت یہی ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔

طائوس کی روایت کا صحیح محمل

جمہور فقہاء اسلام نے اولا تو اس حدیث کے فنی سقم کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کیا غایا یہ سبیل تنزل اس میں تاویل کی اور کہا کہ دو رسالت اور دو مصحابہ میں لوگ تاکید کی نیت سے تین بار طلاق دیتے تھے بعد میں حضرت عمر کے دور میں لوگوں نے تین طلاق دینے کی نیت سے تین بار طلاق کہنا شروع کر دیا اس لیے حضرت عمر نے ان کی نیت کے اعتبار سے ان تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہی قرار دیا۔ ان جوابات سے واضح ہو گیا کہ حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی امر کو نہیں بدلا بلکہ اسی چیز کو نافذ کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ثابت ہے امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں حضرت رکانہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے طلاق البتہ سے کیا مراد لیا تھا؟ میں نے کہا ایک طلاق! آپ نے فرمایا قسم بخدا! میں نے کہا قسم بخدا! آپ نے فرمایا پس یہ وہی طلاق ہے جس کا تم نے ارادہ کیا ہے یعنی ایک! اس حدیث کو امام ابو داؤد نے تین اسامیہ کے ساتھ بیان کیا ہے امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اس حدیث سے ظاہر ہو گیا کہ مجلس واحد میں لفظ واحد سے تین طلاقوں کا ارادہ کیا جائے تو یہ جائز ہے کیونکہ اگر یہ جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رکانہ سے یہ استفسار نہ کرتے کہ تم نے اس لفظ سے کیا مراد لیا ہے اور ان کی مراد پر قسم طلب نہ فرماتے بلکہ صاف فرما دیتے کہ ایک مجلس میں ایک عبارت سے صرف ایک طلاق ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت رکانہ سے طلاق کی تعداد کا دریافت کرنا اور ان کی مراد پر قسم بیٹا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مجلس واحد میں لفظ واحد سے تین طلاقیں مؤثر ہو جاتی ہیں اور حضرت عمر نے جو فیصلہ نافذ کیا وہ اس حدیث کے مطابق تھا اور جمہور فقہاء اسلام کا نظریہ بھی اسی حدیث کے تابع ہے۔

حضرت رکانہ سے متعلق مسند احمد کی روایت کے فنی استقام

شیخ ابن تیمیہ نے حضرت رکانہ سے متعلق ایک دوسری روایت "مسند احمد" کے حوالے سے ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک طلاق قرار دیا اور انہیں رجوع

۱۔ امام ابویوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۰۹ھ جامع ترمذی ص ۱۸۹ مطبوعہ دار محمد اسع الطابع کراچی

۲۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۵۵ھ سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۰۰ مطبوعہ مطبعہ تہذیبیہ لاہور ۳۰۵ھ

۳۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ سنن ابن ماجہ ص ۱۳۸ مطبوعہ دار محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

کرنے کا حکم دیا۔ شیخ ابن تیمیہ نے "مسند احمد" کی اس حدیث کو جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن ابو داؤد کی مذکورہ اسناد و روایت پر ترجیح دی ہے لیکن شیخ ابن تیمیہ کا جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور سنن ابو داؤد کی روایت پر مسند احمد کو ترجیح دینا عدل و انصاف سے سخت بعید ہے کیونکہ اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ "مسند احمد" میں صرف احادیث مسیحیہ کو جمع کرنے کا التزام نہیں کیا گیا اس میں ضعیف، حسن، صحیح ہر قسم کی احادیث ہیں برخلاف جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور سنن ابو داؤد کے کیونکہ یہ ان کتب احادیث میں سے ہیں جن میں احادیث صحیحہ جمع کرنے کا التزام کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور سنن ابو داؤد کو صحاح ستہ میں شمار کیا جاتا ہے اور مسند احمد کو صحاح ستہ میں شمار نہیں کیا جاتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ امام ابو داؤد کے علم میں بھی مسند احمد کی یہ روایت تھی جس میں طلاق البتہ کی بجائے قین طلاق کا ذکر ہے لیکن انہوں نے اس روایت کو اپنی کتاب میں درج نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ بیان کی "هذا اصح من حديث ابن جويح ان زكاة طلق امراته ثلاثا لانهم اهل بيته وهم اعلم به۔" یہ حدیث ابن جریج کی روایت کی بہ نسبت صحیح ہے جس میں ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں کیونکہ اس حدیث کی روایت حضرت رکانہ کے اہل بیت سے ہے اور وہ اپنے گھر کے واقعات کو دوسروں کی نسبت زیادہ جاننے والے تھے۔ امام ابو داؤد نے اپنی تینوں احادیث مزید بن رکانہ سے روایت کی ہیں اسی طرح امام ترمذی نے بھی مزید بن رکانہ کی روایت سے حدیث بیان کی ہے اس کے برخلاف امام احمد نے "مسند احمد" میں ابن جریج سے حضرت رکانہ کی روایت بیان کی ہے اور یہ بالکل مغفول اور انصاف کی بات ہے کہ حضرت رکانہ کے گھر کا واقعہ وہی درست ہوگا جو ان کے بیٹے نے بیان کیا ہے اور ان کے بیٹے کی روایت کے خلاف اگر کسی غیر متعلق شخص نے کوئی واقعہ بیان کیا ہے تو وہ درست قرار نہیں دیا جائے گا۔

شیخ ابن تیمیہ نے البتہ والی روایت کو مرجوح قرار دینے کے لیے کسی کتاب کا حوالہ دیئے بغیر لکھا ہے: امام احمد بن حنبل، امام بخاری، ابو عبید اور ابو محمد بن حزم نے البتہ والی روایت کو ضعیف قرار دیا اور بیان کیا ہے کہ اس کے راوی مجہول ہیں ان کی عدالت اور ضبط کا حال معلوم نہیں ہے۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۵، مکتوبہ سلفیہ بن عبد البر بن آل سعود)

امام احمد بن حنبل چونکہ اس روایت کو اپنی کتاب میں درج کرنے والے ہیں اس لیے وہ ایک فریق کی حیثیت رکھتے ہیں لہذا اگر ان کی تضعیف یا تعرض ہو بھی تو خارج از بحث ہے اور ابن حزم کا حوالہ دینا، شیخ ابن تیمیہ کی مغالطہ فریبی ہے۔ شیخ ابن حزم نے "سنن ابو داؤد" کی ایک اور روایت کو بعض بنی ابی رافع کی وجہ سے مجہول لکھا ہے جس کا ذکر باحوالہ آگے آ رہا ہے۔ رہے امام بخاری تو ان کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے البتہ والی روایت کی تضعیف کی ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ امام بخاری نے "مسند احمد" والی روایت کو مضطرب اور معلل قرار دیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے۔ اور علامہ ابن عبد البر نے اس کو "تمہید" میں ضعیف قرار دیا ہے۔

علامہ ابن جوری "مسند احمد" والی حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس کی سند کا ایک راوی ابن اسحاق مجروح ہے اور دوسرا راوی داؤد اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ امام ابن حبان نے کہا ہے کہ اس کی روایات سے اجتناب کرنا واجب ہے، اور البتہ والی (صحاح ستہ کی) روایت صحت کے قریب ہے اور "مسند احمد" والی روایت میں راویوں کی غلطی ہے۔

(اعمال المتناہی فی الاحادیث والاصحاح ۲ ص ۱۵، مکتوبہ ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد)

علامہ ابو بکر رازی جصاص نے "مسند احمد" کی اس روایت کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۱، مکتوبہ مطبعہ مکتبہ دار ہور ۲۰۰۵ھ

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۳ھ انیس احکام ج ۳ ص ۳۵۵، نزہۃ المستطی الہذا لا کرمہ ۱۴۱۱ھ

(احکام القرآن ج ۱ ص ۲۸۸ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۰۰ھ)

علاء ابن ہمام نے لکھا ہے کہ رکانہ کی حدیث منکر ہے اور صحیح روایت وہ ہے جو ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۲۳۱ مطبوعہ مکتبہ ذریعہ رسوبہ بکھر)

حضرت رکانہ سے متعلق صحاح کی روایت کی تقویت

شیخ ابن تیمیہ نے حضرت رکانہ کی البتہ والی روایت پر جرح کرنے ہوئے لکھا ہے کہ اس حدیث کے راوی مجہول ہیں اور ان کی عدالت اور ضبط کا حال معلوم نہیں ہے۔ شیخ ابن تیمیہ کی یہ بات بھی عدل و انصاف اور حقیقت اور صداقت سے بہت دور ہے یہ حدیث ترمذی ابن ماجہ اور ابو داؤد میں ہے اور امام ابو داؤد نے اس کو تین مختلف سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اختصار کے پیش نظر ہم صرف امام ترمذی کی سند کے راویوں کی عدالت اور ضبط کا حال بیان کر رہے ہیں۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو از ہناد از قبیسہ از جریر بن حازم از زبیر بن سعید از عبد اللہ بن علی بن یزید بن رکانہ بیان کیا ہے۔ سند کے پہلے راوی ہناد ہیں ان کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں امام احمد بن حنبل نے کہا تم ہناد کو لازم رکھو ابو حاتم نے کہا وہ بہت سچے ہیں قبیسہ نے کہا میں نے دیکھا کہ کعب ہناد سے زیادہ کسی کی تعظیم نہیں کرتے تھے امام نسائی نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں امام ابن حبان نے بھی ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۷۱ مطبوعہ مجلس دائرة المعارف ہند ۱۳۲۵ھ)

اس سند کے دوسرے راوی قبیسہ ہیں ان کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ حافظ ابو زرہ سے قبیسہ اور ابو نعیم کے بارے میں پوچھ گیا تو انہوں نے کہا ان دونوں میں قبیسہ افضل ہیں۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے قبیسہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا وہ بہت سچے ہیں اسحاق بن یسار نے کہا میں نے شیوخ میں سے قبیسہ سے بڑھ کر کوئی حافظ نہیں دیکھا امام نسائی نے کہا ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں اور امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۳۹ - ۲۳۸ مطبوعہ مجلس دائرة المعارف ہند ۱۳۲۵ھ)

اس حدیث کے تیسرے راوی ہیں جریر بن حازم ان کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حماد جتنی تعظیم جریر بن حازم کی کرتے تھے کسی اور کی نہیں کرتے تھے عثمان داری نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ یہ ثقہ ہیں دوری کہتے ہیں میں نے یحییٰ سے پوچھا کہ جریر بن حازم اور ابو الاشہب میں کس کی روایت بہتر ہے؟ انہوں نے کہا جریر کی روایت احسن اور اسند ہے۔ ابو حاتم نے کہا یہ بہت سچے اور نیک ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۷۰ مطبوعہ مجلس دائرة المعارف ہند ۱۳۲۵ھ)

اس حدیث کے چوتھے راوی زبیر بن سعید ہیں ان کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں دوری نے ابن معین سے نقل کیا کہ یہ ثقہ ہیں دارقطنی نے کہا یہ معتبر ہیں اور امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۱۵ مطبوعہ مجلس دائرة المعارف ہند ۱۳۲۵ھ)

اس حدیث کے پانچویں راوی ہیں عبد اللہ بن یزید بن رکانہ یہ خود حضرت رکانہ کے اہل بیت سے ہیں امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے اس کو مقرر رکھا ہے۔

۱ حافظ محمد بن حبان شمس متوفی ۳۵۲ھ کتاب الثقات ج ۷ ص ۱۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۱ھ

۲ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۲۵ مطبوعہ مجلس دائرة المعارف ہند ۱۳۲۶ھ

حضرت رکانہ سے متعلق ”سنن ابو داؤد“ کی ایک شاذ روایت کے ضعف کا بیان

پیر محمد کرم شاہ صاحب نے ”سنن ابو داؤد“ کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ جس میں ہے حضرت عبد یزید ابو رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اپنی بیوی ام رکانہ سے رجوع کر لو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے تو اسے تین طلاقیں دے دی ہیں آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں تم اس سے رجوع کر لو۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۱۹۹-۱۹۸ مطبوعہ مطبع مجاہد پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

اس حدیث سے پیر صاحب کا استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس کی سند میں بعض بنی ابی رافع موجود ہیں جو مجہول ہیں۔ غیر مقلدین کے بہت بڑے عالم شیخ ابن حزم اس حدیث کی سند پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں (شیخ ابن تیمیہ نے ”سنن ابو داؤد“ کی جس حدیث کے بارے میں ابن حزم کا حوالہ دیا تھا وہ اصل میں یہ حدیث ہے)

ہمارے علم میں اس حدیث کے سوا ان لوگوں کی اور کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ ابو رافع کی اولاد میں سے جس شخص سے یہ روایت ہے اس کا نام نہیں لیا گیا اور مجہول راوی کی روایت دلیل نہیں ہو سکتی۔

(مکمل ج ۱۰ ص ۱۶۸ مطبوعہ ادارۃ المطابع السعویہ ۱۳۵۲ھ)

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ”مستدرک“ کی بعض روایات میں بعض بنی ابی رافع کی تینین محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع سے کر دی گئی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع کے بارے میں لکھتے ہیں امام بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث ہے۔ ابن معین نے کہا یہ ”لیس بشی“ ہے ابو حاتم نے کہا یہ ضعیف الحدیث ہے منکر الحدیث ہے۔ ابن عدی نے کہا یہ کوفہ کے شیعہ میں سے ہے اور فضائل میں اس نے ایسی روایات بیان کی ہیں جن کا کوئی متابع نہیں ہے ابن حبان نے اس کا ثقات میں ذکر کیا۔ برقانی نے دارقطنی سے روایت کیا کہ یہ متروک ہے یا در ہے کہ امام بخاری نے فرمایا ہے جس شخص کے بارے میں میں یہ کہوں کہ یہ منکر الحدیث ہے اس سے روایت کرنا صحیح نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ملحوظ رہنی چاہیے کہ امام ابن عدی نے اس کو شیعہ لکھا ہے اور تین طلاقیں کو ایک طلاق قرار دینا شیعہ حضرات کا مسلک ہے۔

(تہذیب احمد ج ۹ ص ۲۲۱ مطبوعہ مجلس دارۃ المعارف ہند ۱۳۲۶ھ)

اس روایت کی سند اس پائے کی نہیں ہے جس سے حلال اور حرام کے مسئلہ میں استدلال ہو سکے خصوصاً جب کہ اس روایت سے وہ چیز حلال ہو رہی ہو جو قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی صراحت سے حرام ہو چکی ہو اور ائمہ اربعہ اور جمہور مسلمین کا اس کی حرمت پر اتفاق ہو۔

شیخ ابن تیمیہ اور ان کے حامیوں کے پاس تین طلاقیں کو ایک طلاق قرار دینے کے لیے صرف یہ تین روایات تھیں ایک صحیح مسلم کی روایت جو طاؤس کا وہم اور شاذ روایت ہے دوسری ”مسند احمد“ کی روایت جو مضطرب منکر معطل اور ضعیف روایت ہے تیسری ”سنن ابو داؤد“ کی یہ روایت جو مجہول منکر اور متروک کی روایت ہے۔

بیک وقت دی گئی تین طلاقیں کے تین ہونے پر جمہور کے قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ دو طلاقیں کے بعد بھی خاوند کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ چاہے تو ان طلاقیں سے رجوع کر لے اور چاہے تو رجوع نہ کرے لیکن

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا

پس اگر اس نے اس کو ایک اور طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں ہے تاوقتیکہ وہ کسی اور شخص سے

غَيْرُهُ (البتقرہ ۲۳۰)

نکاح کرے۔

اس آیت سے پہلے ”الطلاق مرتان“ کا ذکر ہے یعنی طلاق رجعی دومرتبہ دی جا سکتی ہے اس کے بعد خان طلقھا فرمایا اس کے شروع میں حرف ”قا“ ہے جو تخطیب بلا مہلت کے لیے آتا ہے اور اب قواعد عربیہ کے اعتبار سے معنی یہ ہو کہ دوسری طلاقیں دینے کے بعد خاوند نے اگر فوراً تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس مرد کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ شری قاعدہ کے مطابق کسی اور مرد کے ساتھ نکاح نہ کرے اس آیت میں اگر حرف ”ثم“ یا اس قسم کا کوئی اور حرف ہوتا جو مہلت اور تاخیر پر دلالت کرتا تو علی التبعین یہ کہا جاسکتا تھا کہ ایک طہر میں ایک طلاق اور دوسرے طہر میں دوسری طلاق اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دی جائے گی لیکن قرآن مجید میں ”ثم“ کی بجائے ”قا“ کا ذکر کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خاوند نے دو طلاقیں دینے کے بعد فوراً تیسری طلاق دے دی تو اس کی بیوی اس کے لیے حلال نہیں رہے گی۔

قرآن مجید نے ”الطلاق مرتان“ فرمایا ہے یعنی دومرتبہ طلاق دی جائے اور دومرتبہ طلاق دینا اس سے عام ہے کہ ایک مجلس میں دومرتبہ طلاق دی جائے یا دو طہروں میں دومرتبہ طلاق دی جائے اور اس کے بعد فوراً اگر تیسری طلاق دے دی تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی اس سے واضح ہو گیا کہ اگر کسی شخص نے ایک مجلس میں تین بار طلاق دی اور بیوی سے کہہ دیا: میں نے تم کو طلاق دی میں نے تم کو طلاق دی میں نے تم کو طلاق دی تو یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔ غیر مقلدوں کے مشہور مستند اور ان کے بہت بڑے عالم شیخ ابن حزم اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں

یہ آیت بیک وقت دی گئی تین طلاقوں اور الگ الگ دی گئی طلاقوں دونوں پر صادق آتی ہے اور اس آیت کو بغیر کسی شخص کے طلاق کی بعض صورتوں کے ساتھ خاص کرنا جائز نہیں ہے۔ (المجلد ۱۰ ص ۷۱ مطبوعہ دارالعلوم المہدیہ ۱۳۵۲ھ)

قرآن مجید کی اس آیت سے بھی جہود فقہاء اسلام کا استدلال ہے:

إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا ۚ
 جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر ان کو مقررہ مدت سے پہلے طلاق دے دو تو ان پر تمہارے لیے کوئی عِدَّت نہیں جس کو تم گنو۔ (الزَّاب: ۴۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیر مہ خولہ کو طلاق دینے کا ذکر فرمایا ہے اور طلاق دینے کو اس سے عام رکھا ہے کہ بہت وقت آنکھی تین طلاقیں دی جائیں یا الگ الگ طلاقیں دی جائیں اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مطلق اور عام رکھا ہو اس کو اخبار آحاد اور احادیث صحیحہ سے بھی مقید اور خاص نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ مادشا کی غیر معصوم آراء اور غیر مستند اقوال سے اس کو منقید کیا جاسکے۔

قرآن مجید سے استدلال پر اعتراض کے جوابات

پیر محمد کرم شاہ ادا زہری نے اس استدلال کے جواب میں لکھا ہے: دوسری آیت اور سنت نبوی نے ان کے اطلاق کو مقید کر دیا ہے اور ان کے احکام اور شرائط کو بیاں کر دیا ہے نیز ان آیات میں ایک ساتھ طلاق دینے کی بھی تو کہیں تصریح نہیں۔

(دعوت فکر، تفریح ایک مجلس کی تین طلاقیں ص ۲۲۳ مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور ۱۹۷۹ء)

قرآن مجید کی کسی آیت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ بیک وقت اجتماعی طور پر دی گئی تین طلاقیں ایک ہوں گی جس کو اس آیت کے عموم کی تخصیص پر قرینہ بنایا جاسکے نہ کسی حدیث صحیح میں یہ تصریح ہے ہاں! یہ ضروری ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا موجب ہے اور بدعت اور گناہ ہے اور یہی احناف کا مسلک ہے اور سنت طریقہ الگ

انگ طہروں میں تین طلاقیں دینا ہے لیکن اس میں گفتگو نہیں ہے، گفتگو اس میں ہے کہ اگر کسی شخص نے خلاف سنت طریقہ سے بیک وقت تین طلاقیں دے دیں تو آیا وہ نافذ ہوں گی یا نہیں! البتہ بکثرت احادیث اور آثار سے یہ ثابت ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جائیں گی جیسا کہ مقررہ واضح ہوگا۔ غیر مقلدوں کے امام ثانی ابن حزم اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں عموم ہے اور تین دو اور ایک طلاق دینے کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔

(الحلی ج ۱۰ ص ۱۷۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، مصر ۱۳۵۲ھ)

جمہور فقہاء اسلام نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

لَا تُنْكَحُ الْمَخْضُوعَاتُ مَا لَمْ يَغْدُوَ فِيْہُنَّ (القرہ ۲۳۱)
مطلقہ عورتوں کو رواج کے مطابق متاع (کپڑوں کا جوڑا) دینا چاہیے۔

شیخ ابن حزم اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کو عام رکھا ہے خواہ وہ ایک طلاق سے مطلقہ ہو یا دو سے یا تین سے اور ان میں سے کسی کے ساتھ اس کو خاص نہیں کیا۔ (الحلی ج ۱۰ ص ۱۷۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، مصر ۱۳۵۲ھ)

اس آیت میں مطلقہ عورتوں کو متاع (کپڑوں کا جوڑا) دینے کی ہدایت کی ہے خواہ وہ عورتیں تین طلاقیں سے مطلقہ ہوں یا دو طلاقیں سے مطلقہ ہوں یا ایک سے اور کسی ایک طلاق کے ساتھ مطلقہ کی تخصیص نہیں فرمائی، یہی چیز شیخ ابن حزم نے بیان کی ہے۔ قرآن مجید میں طلاق کے عموم اور اطلاق کی آیات ہیں لیکن ہم بغرض اختصار انہی آیات پر اکتفا کرتے ہیں۔

بیک وقت دی گئی تین طلاقیں پر جمہور فقہاء اسلام کے احادیث سے دلائل

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! یہ بتلائیے کہ ایک شخص اپنی عورت کے ساتھ کسی مرد کو دیکھ لے تو اس کو قتل کر دے یا کیا کرے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں قرآن مجید میں لعان کا مسئلہ ذکر فرمایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے اور تیری بیوی کے درمیان اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا، حضرت سہل کہتے ہیں کہ ان دونوں نے میرے منہ سے سجد میں لعان کیا جب وہ لعان سے فارغ ہو گئے تو اس شخص نے کہا: اب اگر میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں تو میں خود جھوٹا ہوں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے پہلے لعان سے فارغ ہوتے ہی اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کر لی، آپ نے فرمایا: سب لعان کرنے والوں کے درمیان یہ تفریق ہے۔ ان شہاب کہتے ہیں اس کے بعد یہ طریقہ مقرر ہو گیا کہ سب لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی جائے۔

(صحیح البخاری ج ۲ ص ۸۷، مطبوعہ نور محمد، بیروت، مصر ۱۳۸۱ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں مامون بن ابی اسحاق کی "شرح مسلم" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اس نے اس لیے تین طلاقیں دی تھیں کہ اس کا گن یہ تھا کہ لعان سے اس کی بیوی حرام نہیں ہوئی تو اس نے کہا: اس کو تین طلاقیں ہیں۔ (شیخ البہاری ج ۱ ص ۱۷۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، مصر ۱۳۵۱ھ)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام کے درمیان یہ بات معروف اور مقرر تھی کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے

سے بیوی حرام ہو جاتی ہے اسی وجہ سے اس شخص نے اپنی بیوی سے تفریق اور تحریم کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کو تین طلاقیں دیں اگر ایک مجلس میں تین طلاقوں سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی تو اس صحابی کا یہ فعل عبث ہوتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے فرماتے بیک وقت تین طلاقوں سے تمہاری مفارقت نہیں ہوگی۔

اس سلسلے میں امام بخاری نے یہ حدیث بھی روایت کی ہے:

حضرت اہل کہتے ہیں کہ ان دونوں نے مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لعن کیا اور اس حلیہ میں بھی لوگوں کے ساتھ تھے۔ حضرت عویمیر نے کہا یا رسول اللہ! اب اگر میں نے اس کو اپنے پاس رکھا تو میں جھوٹا ہوں پھر حضرت عویمیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔

(صحیح ابی حریج ج ۴ ص ۸۰۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی الطبعة ۱۱، ۱۲۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ امام نسائی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور ابو داؤد میں بھی ہے۔

علامہ نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک نفس لعن سے تفریق ہو جاتی ہے اور محمد بن ابی صفرہ مالکی نے کہا ہے کہ نفس لعن سے تفریق نہیں ہوتی ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر نفس لعن سے تفریق ہوتی تو حضرت عویمیر اس کو تین طلاقیں نہ دیتے اور شوافع نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا مباح ہے۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۴۸۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

بخاری اور مسلم کی اس حدیث سے یہ بات بہر حال واضح ہو گئی کہ صحابہ کرام کے درمیان یہ بات معروف اور مشفق علیہ تھی کہ تین طلاقوں سے تفریق اور تحریم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد رجوع جائز نہیں ہے ورنہ حضرت عویمیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تفریق کے قصد سے اپنی بیوی کو لفظ واحد سے تین طلاقیں نہ دیتے۔ اس واقعہ میں ”سنن ابو داؤد“ کی درج ذیل حدیث نے مسئلہ بالکل واضح کر دیا ہے۔

حضرت اہل بن سعد رضی اللہ عنہ اس واقعہ میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان طلاقوں کو نافذ کر دیا۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۰۶، مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث میں اس بات کی صاف تصریح ہے کہ حضرت عویمیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی اور سنن ابو داؤد میں حضرت عویمیر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کو پڑھنے کے بعد کسی انصاف پسند شخص کے لیے اس مسئلہ میں تردد کی گنجائش نہیں رہنی چاہیے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں۔ والحمد للہ رب العلمین

حضرت عویمیر کی حدیث سے استدلال پر اعتراض کے جوابات

پیر محمد کرم شاہ الازہری اس حدیث سے جمہور فقہاء اسلام کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: جہاں تک اس حدیث کی سند کا تعلق ہے، اس کی صحت میں کسی کو کلام نہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہے لیکن کیا اس حدیث سے

۱۔ امام ابوالحسن مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۸۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ

۲۔ امام عبد الرحمن، محمد بن شیبہ نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

استدلال درست ہے تو یہ ذرا تفصیل طلب ہے 'خود ابو بکر الجصاص اور شمس الامم سرخسی نے فرمایا کہ اس حدیث سے استدلال درست نہیں۔ (دعوت فکر و نظر مع ایک مجلس کی تین طلاقیں ص ۲۵ مطبوعہ نعمانی کتب خانہ، لاہور ۱۹۷۹ء)

پھر محمد کرم شاہ صاحب کا یہ استدلال سخت حیرت کا باعث ہے۔ جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ تین طلاقیں اگر بیک وقت دی جائیں تو تینوں واقع ہو جاتی ہیں علامہ ابو بکر جصاص اور علامہ سرخسی نے اس استدلال کا رد نہیں کیا بلکہ یہ کہا ہے کہ احناف کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں دینا گناہ ہے اور امام شافعی کہتے ہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا مباح ہے اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر بیک وقت تین طلاقیں دینا گناہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے تین طلاقیں دینے پر انکار فرماتے اور آپ کا انکار نہ فرمانا بیک وقت تین طلاقیں کے مباح ہونے کی دلیل ہے۔ علامہ ابو بکر الجصاص اور علامہ سرخسی نے ان کے اس استدلال کا رد فرمایا ہے۔ اب ہم پہلے علامہ ابو بکر الجصاص کی اصل عبارت ذکر کرتے ہیں۔

علامہ ابو بکر الجصاص الرازی فرماتے ہیں:

امام شافعی نے فرمایا کہ جب شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاقیں بیک وقت دینے سے منع نہیں فرمایا تو اس سے ثابت ہوا کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا مباح ہے (علامہ جصاص فرماتے ہیں) اس حدیث سے امام شافعی کا استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ عورت کے لعان سے پہلے خاوند کے لعان کرنے سے تفریق ہو جاتی ہے اور عورت اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے اور اس کے بعد طلاق لاحق نہیں ہوتی اور جب طلاق واقع ہوئی نہ اس کا حکم ثابت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا کیسے انکار فرماتے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ تمہارے یعنی احناف کے مذہب پر اس حدیث کی کیا توجیہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ طلاق دینے کا طریقہ اور وقت مقرر کرنے سے پہلے کا واقعہ ہو اور ایک طہر میں تین طلاقیں کو جمع کرنے کی ممانعت سے پہلے انہوں نے تین طلاقیں دی ہوں۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۲۸۴ مطبوعہ مکتبہ المکرمیہ لاہور ۱۳۰۰ھ)

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ علامہ جصاص کی بحث اس بات میں ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا ممنوع ہے یا مباح ہے اس میں بحث نہیں ہے کہ تین طلاقیں دینے کے بعد ایک طلاق واقع ہوتی ہے یا تین!

اب ہم آپ کے سامنے علامہ سرخسی کی اصل عبارت پیش کر رہے ہیں علامہ سرخسی فرماتے ہیں

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا تین طلاقیں کے جمع کا بدعت ہونا اور ان کو الگ الگ دینے کا سنت ہونا میں نہیں جانتا بلکہ سب طرح طلاق دینا مباح ہے اور بسا اوقات کہتے ہیں کہ تین طلاقیں کو جمع کر کے دینا سنت ہے حتیٰ کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا تم کو سنت کے مطابق تین طلاقیں ہیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر وہ اکٹھی تین طلاقیں کی نیت کر لے تو تینوں اکٹھی واقع ہو جاتی ہیں کیونکہ الفاظ کے برخلاف نیت کرنا باطل ہے۔ امام شافعی نے حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ سے حدیث سے استدلال کیا ہے جب حضرت عویمر نے اپنی بیوی سے لعان کر لیا تو کہا یا رسول اللہ! میں نے اگر اب اس عورت کو رکھ لیا تو میں جھوٹا قرار پاؤں گا اس کو تین طلاقیں۔

(المصباح ج ۶ ص ۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت الطبعة الثانیہ ۱۳۹۸ھ)

اس کے بعد علامہ سرخسی نے امام شافعی کے اور بھی دلائل ذکر کیے ہیں اور اخیر میں اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے اور

احناف کے مسلک پر دلیل قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جب اپنی بیوی کو حاست حیض میں طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رجوع کرنے کا حکم دیا، انہوں نے پوچھا: یہ نطاسیے کہ اگر میں اس کو تین طلاقیں دے دوں تو کیا پھر بھی رجوع کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو جائے گی اور تین طلاق دینا گناہ ہے۔ (یہی اصناف کی دلیل ہے۔ سعیدی وغیرہ) ان احادیث سے یہ ظاہر ہو گیا کہ آپ نے حضرت عویر غیلانی کو تین طلاقیں دینے سے اس وجہ سے نہیں روکا تھا کہ وہ اس وقت سخت غصہ میں تھے اور آپ کو علم تھا کہ اس وقت وہ آپ کی بات نہیں مانیں گے، اور اس وجہ سے کافر ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے آپ نے از روئے شفقت انکار کو کسی اور وقت کے لیے مؤخر کر دیا، دوسرا جواب یہ ہے کہ جب آپ نے یہ فرمایا تھا کہ جاؤ تمہارا اس پر کوئی حق نہیں ہے تو یہی آپ کا انکار تھا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ تین طلاقیں کو بیک وقت دینا اس وقت مکروہ ہے جب وہ بلا ضرورت ہوں اور ان کی طلاق اور مذکورہ ممکن ہو اور حضرت عویر غیلانی کے حق میں یہ وجہ متحقق نہیں تھی، کیونکہ جو یہاں بیوی آپس میں لعان کرنے پر مصر ہوں ان کی طلاق کا تذکرہ نہیں ہو سکتا اور حضرت عویر غیلانی رضی اللہ عنہ لعان کرنے پر مصر تھے۔ (المصنوع ج ۶ ص ۶۵، مطبوعہ دارالمرکز، بیروت، الطبعة الثانیہ ۱۳۹۸ھ)

دیکھئے شمس اللائمہ سرخسی کیا فرما رہے ہیں، اور پھر محمد کرم شاہ صاحب الاذہری ان کے حوالے سے کیا سمجھا رہے ہیں؟

فیاللاسف

صحیحین کی ایک اور حدیث سے استدلال پر اعتراض کا جواب

امام بخاری "باب من اجاز الطلاق الثلاث، جس نے بیک وقت تین طلاقیں کو جائز قرار دیا" کے باب میں اس حدیث کو روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اس عورت نے کہیں اور شادی کر لی اس نے بھی طلاق دے دی پھر ہی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آیا یہ عورت پہلے خاوند پر حلال ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، جب تک کہ دوسرا خاوند پہلے خاوند کی طرح اس کی مناس نہ چکے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع، کراچی، الطبعة الاولیٰ ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع، کراچی، الطبعة الاولیٰ ۱۳۷۵ھ) علامہ یعنی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ اس شخص نے اس کو تین طلاقیں مجموعی طور پر (ایک مجلس میں) دی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا ہے۔

(عمدة القاری ج ۲ ص ۲۰، مطبوعہ دارالطہارۃ، المنیر، مصر ۱۳۴۸ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی حدیث کی باب سے مطابقت بیان کرتے ہوئے یہی لکھا ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۳۶۷، مطبوعہ دارالشرکت، اسلام آباد، ۱۳۶۱ھ)

صحیح بخاری و مسلم کی اس حدیث سے بھی واضح ہو گیا کہ بیک وقت تین طلاقیں کے بعد تحریم ہو جاتی ہے اور رجوع جائز نہیں رہتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک وقت تین طلاقیں دی جانے کے بعد فرمایا کہ یہ اس شوہر پر حلال نہیں ہے اور یہ استدلال بالکل واضح ہے کیونکہ بیک وقت تین طلاقیں کے بعد رجوع کا جائز ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہے۔ بیک وقت تین طلاقیں کی تحریم میں یہ حدیث بھی بالکل واضح ہے۔

پھر محمد کرم شاہ الاذہری اس حدیث سے جمہور کے استدلال کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ تین طلاقیں ایک ساتھ دی گئیں تھیں بلکہ ”طلاق ثلاثا“ کا مطلب تو یہ ہے کہ اس نے تین بار طلاقیں دیں اس لیے اس حدیث سے بھی استدلال درست نہ ہوا۔

(دعوت فکر و نظر ص ۱۶۱ ایک مجلس کی تین طلاقیں ص ۱۲۶ مطبوعہ نعل کتب خانہ لاہور ۱۹۷۹ء)

جمہور فقہاء اسلام کا اس حدیث سے استدلال بالکل درست ہے اور طلاق ثلاثا کا بھی معنی ہے کہ اس نے یک وقت تین طلاقیں دیں۔ پیر صاحب جو کہہ رہے ہیں کہ اس کا مطلب ہے اس نے تین بار طلاقیں دیں اس کے لیے ”طلاق ثلاثا“ کی جگہ ”طلاق ثلاث موات“ کا لفظ ہونا چاہیے تھے اور اس سے بھی پیر صاحب کا مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ایک مجلس میں تین لفظوں سے تین بار طلاق دی جائے تو وہ بھی ان کے نزدیک ایک طلاق ہوتی ہے۔ پیر صاحب کا مدعا تب ثابت ہوتا جب حدیث کے الفاظ یوں ہوتے۔ ”طلاق ثلاث تطلاقات فی ثلاثہ اطہار“ تین طہروں میں تین طلاقیں دیں“ لیکن بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے ”طلاق ثلاثا“ یعنی انہوں نے یک وقت تین طلاقیں دیں اور اس سے جمہور فقہاء اسلام ہی کا مدعا ثابت ہوتا ہے لہذا اس حدیث سے جمہور کا استدلال بالکل درست ہے۔

سوید بن غفلہ کی روایت کی تحقیق

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں کہ عائشہ ثعنیہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو اس نے حضرت حسن سے کہا: آپ کو خلافت مبارک ہو حضرت حسن نے کہا: تم حضرت علی کی شہادت پر خوشی کا اظہار کر رہی ہو جاؤ! تم کو تین طلاقیں دیں اس نے اپنے کپڑے لیے اور بیٹھ گئی حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو گئی حضرت حسن نے اس کی طرف اس کا بقیہ مہر اور دس ہزار کا صدقہ بھیجا جب اس کے پاس قاصد یہ مال لے کر آیا تو اس نے کہا مجھے اپنے جدا ہونے والے محبوب سے یہ تھوڑا سا سامان ملا ہے جب حضرت حسن تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے آبدیدہ ہو کر فرمایا اگر میں نے اپنے نانا سے یہ حدیث نہ سنی ہوتی یا کہا، اگر میرے والد نے یہ بیان نہ کیا ہوتا کہ انہوں نے میرے نانا سے سنا ہے جس شخص نے بھی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں خواہ الگ الگ طہروں میں یا یک وقت تو وہ عورت اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کر لے تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔

(السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۳۶ مطبوعہ نشر السنن لمکان)

یہ حدیث انتہائی واضح اور صریح ہے کہ یک وقت دی گئی تین طلاقوں سے تین طلاقیں ہی واقع ہوتی ہیں۔

امام دارقطنی نے بھی اس حدیث کو سوید بن غفلہ سے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۱-۲۲ مطبوعہ نشر السنن لمکان)

امام ابی ہشام نے بھی اس حدیث کو طبرانی کے حوالے سے سوید بن غفلہ اور ابواسحاق سے روایت کیا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۳۹ مطبوعہ دارالکتب المصریہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

غیر مقلدوں کے عالم شیخ شمس الحق عظیم آبادی امام دارقطنی کی بیان کردہ اس حدیث کی پہلی سند پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس حدیث کی سند میں عمرو بن قیس رازی ارزق ہے یہ راوی بہت سچا ہے لیکن اس کے ادہام ہیں امام ابو داؤد نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کی حدیث میں خطاء ہے اور اس کی سند میں سلمہ بن فضل قاضی رے ہے۔ ابن راہویہ نے اس کو

ضعیف قرار دیا ہے اور امام بخاری نے کہا: اس کی احادیث میں منکر روایات بھی ہیں ابن معین نے کہا: یہ تشیع کرتا تھا میں نے اس کی احادیث کبھی نہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے ابو حاتم نے کہا: اس کی احادیث سے استدلال نہیں ہوتا۔ ابو ذر نے کہا کہ رے کے لوگ اس کی غلط رائے اور ظلم کی وجہ سے اس کو پسند نہیں کرتے تھے۔

(التعین النسخی دار فکری ج ۲ ص ۳۰ مطبوعہ نشر المکتب)

شیخ عظیم آبادی نے اس حدیث کے دو راویوں کے بارے میں صرف جرح کے اقوال نقل کر دیئے ہیں حالانکہ ان دونوں کی زیادہ تر تعدیل کی گئی ہے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: عمرو بن قیس رازی ازرق سے امام بخاری نے تعالیق میں روایت کی ہے امام ترمذی امام ابو داؤد امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے ان کی روایات کو ذکر کیا ہے اور ابن سے استدلال کیا ہے رے کے لوگ امام ابو سفیان ثوری کے پاس گئے اور ان سے احادیث سننے کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا: کیا تمہارے پاس عمرو بن ابی قیس نہیں ہیں؟ امام ابو داؤد نے ایک جگہ کہا کہ ان کی حدیث میں خطا ہوتی ہے اور دوسری جگہ فرمایا: ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام ابن حبان اور ابن شاپین نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ عثمان بن ابی شیبہ نے کہا: ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں ہے ہاں! ان سے حدیث میں کچھ وہم بھی ہے۔ امام بزار نے فرمایا: یہ مستقیم الحدیث ہیں یعنی ان کی روایت صحیح ہوتی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۹۵-۹۴ مطبوعہ مجلس دائرة المعارف ہند)

اس حدیث کی سند کے جس دوسرے راوی پر شیخ عظیم آبادی نے جرح کی ہے وہ ہیں سلمہ بن فضل قاضی رے (طبران) حافظ ابن حجر عسقلانی اس کے بارے میں لکھتے ہیں: امام ابن معین ان کو ایک روایت میں ثقہ اور ایک میں "لیس بہ" کہتے ہیں ابن سعد ان کو ثقہ اور صدوق کہتے ہیں محدث ابن عدی فرماتے ہیں: ان کی حدیث میں غرائب و افراد تو ہیں لیکن میں نے ان کی کوئی حدیث نہیں دیکھی جو حدائق و تنکبات میں ہو ان کی احادیث متعارف اور قابل برداشت ہیں۔ امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اور لکھتے ہیں: "يعطى ويخالف" امام ابو داؤد ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں: میں ان کے بارے میں سوائے خیر کے اور کچھ نہیں جانتا۔

(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۵۴-۱۵۳ مطبوعہ مجلس دائرة المعارف ہند ۱۳۲۵ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی سند کے دو راویوں عمرو بن ابی قیس رازی اور سلمہ بن فضل قاضی رے (طبران) کے بارے میں جو ائمہ حدیث کی آراء پیش کی ہیں ان میں ان کی زیادہ تر تعدیل کی گئی ہے اور ان کے حافظ اور اتقان کی توثیق اور حافظ ابن حبان کی اس حدیث کی سند کے راویوں کے بارے میں لکھتے ہیں: اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اس کے راویوں میں کچھ ضعف ہے لیکن ان کی توثیق کی گئی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۳۹ مطبوعہ دار الکتب العربیہ للطبعہ القا ۱۳۵۲ھ)

پھر اس حدیث کو طبرانی کی دوسری سند سے بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ان دونوں کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور پہلی حدیث کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۳۹-۲۳۸ مطبوعہ دار الکتب العربیہ للطبعہ القا ۱۳۵۲ھ)

حافظ نور الدین ایشی کا علم ہر حال میں بہت اونچا مقام ہے اور جب انہوں نے یہ تصریح کر دی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے تو ایک انصاف پسند شخص کو اس کی سند میں تردد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے علاوہ ازیں یہ حدیث متعدد اسانید سے مروی ہے دو سندوں سے امام دارقطنی نے روایت کیا ہے دو سندوں سے امام طبرانی نے روایت کیا ہے امام بیہقی نے لکھا ہے کہ سوید

بن غفلہ سے اس کو عمرو بن شرادہ اور ابیہم بن عبد اللہ نے بھی روایت کیا ہے اس طرح اس حدیث کی سات اسانید کا بیان آ گیا ہے جس سے اس حدیث کو مزید تقویت پہنچتی ہے۔
سنن نسائی کی روایت سے استدلال پر اعتراض کا جواب

بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے واقع ہونے کے ثبوت میں یہ حدیث بھی بہت واضح اور مستریح ہے
امام نسائی روایت کرتے ہیں۔

محمود بن لہید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے دیں۔ آپ غصہ سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا: میرے سامنے کتاب اللہ کو کھیل بنایا جا رہا ہے؟ حتیٰ کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! میں اس کو قتل نہ کر دوں۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۱ مطبوعہ دار محمد کارخانہ تجارت تبہ نراچی)
اگر بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے نافذ ہونے کا عہد رسالت میں معمول نہ ہوتا اور تین طلاقوں سے ایک طلاق مراد لینے کا معمول ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر ناراض کیوں ہوئے تھے؟ ظاہر ہے کہ ایک طلاق تو سنت ہے اور اگر بیک وقت دی گئی طلاقیں بھی بیک طلاق کے مترادف ہیں تو وہ حکمانہ سنت قرار پائیں گی اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب اور ناراضگی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا بدعت اور کتنا وہ ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ناراض نہ ہوتے۔

بیر محمد کرم شاہ ازہری اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: حضور کا ایسے شخص پر ناراض ہونا جس نے تین طلاقیں ایک بار دی تھیں اس امر پر سراحۃ دلالت کرتا ہے کہ ایسا کرنا حکم الہی کے سراسر خلاف ہے۔

(رحمت فکر، طرح ایک مجلس کی تین طلاقیں اس ۱۳۱ مطبوعہ فضائی تب خانات ۱ اور ۹۷۹)

یقیناً خلاف ہے اور یہی احناف کا مذہب ہے اس لیے وہ بیک وقت تین طلاقوں کو بدعت اور کتناہ کہتے ہیں لیکن یہ صاحب کاندھابہ ہے کہ بیک وقت تین طلاقوں سے ایک طلاق ہوتی ہے اور وہ اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے برخلاف جمہور فقہاء اسلام کا موقف ثابت ہوتا ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں ثابت ہو جاتی ہیں۔
حافظ ابوشامی روایت کرتے ہیں

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: تین طلاقیں دینے کے بعد تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو جائے گی اور تمہارا بیوی کو تین طلاقیں دینا گناہ ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اس میں علی بن سعید ایک راوی ہے۔ دارقطنی نے کہا: وہ قوی نہیں ہے اور دوسروں نے اس کو عظیم قرار دیا اور اس کے باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۳۹ مطبوعہ دار الکتاب المرینی بیروت ۱۴۰۲ھ)

حافظ ابوشامی نے اس حدیث کی فنی حیثیت بھی متعین کر دی ہے کہ امام دارقطنی نے اس کے ایک راوی علی بن سعید رازی کی ثقاہت سے اختلاف کیا ہے اور اس حدیث کے باقی تمام راویوں کی ثقاہت پر اتفاق ہے اور صرف امام دارقطنی کے اختلاف سے اس حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس حدیث میں یہ بھی تصریح ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں واقع

۱۔ بیر محمد کرم شاہ ازہری نے اس حدیث کو بیہقی کی ایک سند کے حوالے سے بیان کیا ہے اور اس سند پر جرح کی ہے جب کہ ہم نے "من دارقطنی" کی

ایک روایت کی سند کی صحت کو ثابت کیا ہے اور اس کی سند کی جرح کا جواب دیا ہے اور "مجمع الزوائد" سے اس کی توثیق کی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

ہو جاتی ہیں اور یہ بھی ہے کہ یہ فعل گناہ ہے۔

بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے واقع ہونے میں آثار صحابہ اور اقوال تابعین

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں۔ سالم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ واقع ہو جائیں گی اور اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔

(المصنف ج ۶ ص ۳۹۵ مطبوعہ مکتب اسلامی ہیردوت الطبعة ۱۱ اولیٰ ۱۴۰۲ھ)

یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے۔ (صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۷۶ مطبوعہ نور محمد ریح المصنف کراچی ۱۳۷۵ھ)

مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے بیان کیا کہ ان سے ایک شخص نے کہا اے ابو عباس! میں نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ حضرت ابن عباس نے (طنز) فرمایا یا ابا عباس! پھر فرمایا تم میں سے کوئی شخص حماقت سے طلاق دیتا ہے پھر کہتا ہے اے ابو عباس! تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو گئی۔

(المصنف ج ۶ ص ۳۹۷ مطبوعہ مکتب اسلامی ہیردوت الطبعة ۱۱ اولیٰ ۱۴۰۲ھ)

امام ابو بکر بن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

واقع بن حبان بیان کرتے ہیں کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں؟ حضرت عمران بن حصین نے کہا اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۱ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعة ۱۱ اولیٰ ۱۴۰۶ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوں تو آپ اس کو مارتے تھے اور ان کے درمیان تفریق کر دیتے تھے۔

(المصنف ج ۵ ص ۱۱ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعة ۱۱ اولیٰ ۱۴۰۶ھ)

زہری کہتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے دیں اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس سے علیحدہ ہو گئی۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۱ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعة ۱۱ اولیٰ ۱۴۰۶ھ)

شعسی سے پوچھا گیا اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے علیحدہ ہونا چاہے؟ اس نے کہا اس کو تین طلاقیں دے دے۔

(المصنف ج ۵ ص ۱۲ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعة ۱۱ اولیٰ ۱۴۰۶ھ)

علقمہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دیں؟ آپ نے فرمایا تین طلاقوں سے اس کی بیوی حرام ہو گئی اور باقی ستانوے طلاقیں حد سے تجاوز ہیں۔

(المصنف ج ۵ ص ۱۲ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعة ۱۱ اولیٰ ۱۴۰۶ھ)

حبیب کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر ایک شخص کہنے لگا میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں آپ نے فرمایا تمہاری بیوی تین طلاقوں سے علیحدہ ہو گئی باقی طلاقیں اپنی بیویوں میں تقسیم کر دو۔

(المصنف ج ۵ ص ۱۳ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعة ۱۱ اولیٰ ۱۴۰۶ھ)

معاویہ بن ابی یحییٰ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کے پاس ایک شخص نے آ کر کہا میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں؟ آپ نے فرمایا تین طلاقوں سے تمہاری بیوی تم پر حرام ہو گئی اور باقی ستانوے طلاقیں حد سے تجاوز ہیں۔

(المصنف ج ۵ ص ۱۳ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعة ۱۱ اولیٰ ۱۴۰۶ھ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سوطلاق دے دی ہیں۔ آپ نے فرمایا تین طلاقیں نے اس پر اس کی بیوی کو حرام کر دیا اور ستانویس طلاقیں زائد ہیں

(المصنف ج ۵ ص ۱۳۰-۱۳۱ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعة الاولى ۱۴۰۶ھ)

شععی کہتے ہیں کہ شریعہ سے کسی نے پوچھا میں نے اپنی بیوی کو سوطلاق دے دی ہیں۔ انہوں نے کہا تمہاری بیوی تین طلاقیں سے علیحدہ ہو گئی اور باقی طلاقیں اسراف اور معصیت ہیں۔

(المصنف ج ۵ ص ۱۳۰ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعة الاولى ۱۴۰۶ھ)

حسن بصری سے ایک شخص نے کہا میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو گئی۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۳۰ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعة الاولى ۱۴۰۶ھ)

حضرت جابر بن کرمی کہتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے مقاربہ سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ آپ نے فرمایا اس کی بیوی اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک دوسرا شوہر اس سے مقاربہ نہ کر لے۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۳۰ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعة الاولى ۱۴۰۶ھ)

حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم تینوں یہ فتویٰ دیتے تھے کہ جس شخص نے مقاربہ سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اس کی بیوی اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک وہ دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۳۰ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعة الاولى ۱۴۰۶ھ)

ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ جب کسی شخص نے مقاربہ سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو وہ اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے۔

(المصنف ج ۵ ص ۱۳۰ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعة الاولى ۱۴۰۶ھ)

مذکورہ روایات میں غیر مدخولہ پر جن تین طلاقیں کے واقع کرنے کا حکم کیا گیا ہے اس سے مراد بیک وقت دی گئی لفظ واحد سے تین طلاقیں ہیں کیونکہ اگر الفاظ متعددہ سے تین طلاقیں دی جائیں تو پہلی طلاق سے غیر مدخولہ عورت ہائے ہو جاتی ہے اور بقیہ طلاقیں کا محل نہیں رہتی اور وہ طلاقیں لغو ہو جاتی ہیں۔ حسب ذیل حدیث سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب کوئی شخص دخول سے پہلے تین طلاقیں دے تو وہ عورت اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے اور اگر اس نے متفرق الفاظ سے یہ طلاقیں دی ہیں تو عورت پہلی طلاق سے ہائے ہو جائے گی۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۳۰ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعة الاولى ۱۴۰۶ھ)

ہم نے مذکورہ روایات میں حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عمران بن حصینؓ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ام سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم ایسے گیارہ جلیل القدر فقہاء صحابہ اور اہمات المؤمنین کے فتاویٰ اور تصریحات پیش کی ہیں کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں اور فقہاء تابعین میں سے ابن شہاب زہریؒ شععیؒ شرح حسن بصریؒ اور ابراہیم نخعیؒ کے فتاویٰ پیش کیے ہیں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی صراحت کے بعد جمہور فقہاء اسلام کا موقف انہی نفوس قدسیہ کی اتباع پر مبنی ہے۔

حرف آخر

تین طلاقیں کے مسئلہ میں میں نے اس قدر تفصیل اور تحقیق اس لیے کی ہے کہ آج کل غیر مقلدین کی عام روش یہ ہے کہ

جس شخص نے بھی اپنی بیوی کو ایک وقت میں طلاق دیں وہ اس کو ایک طلاق قرار دے کر شہادت میں طلاق کی راہ لکھ کر دے دیتے ہیں جس کی وجہ سے عام مسلمان شوک و شہادت میں مبتلا ہوتے ہیں جب میں نے یہ دیکھا کہ جس چیز والہ تعالیٰ اور اس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کر دیا ہے اس کو بشرط طلال کیا جا رہا ہے حتیٰ کہ ملک نے عائلی قانون میں بھی نہیں طلاق کو ایک طلاق قرار دے دیا ہے تو میں نے اللہ اور اس کے رسول کی قائم کردہ حدود سے تمہیں بڑا اور دفاع کے لیے بر صغیر ت لکھ دیا ہے

اے اللہ اس تحریر کو نفع آور بنا کر میں کے لیے اس کو ذرا ہدایت اور سامنے والوں کے لیے جب انکسارت کر کے اس کے مصنف معاذ اور پڑھنے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کی غرضوں اور خطاوں کو عاف فرما اور اس کے لیے دارین کی عبادتوں اور کاموں کو مقدر کر دے۔ والحمد لله رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد و آلہ و سلم

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ

اور جب تم عورتوں کو (رجعی) طلاق دے پھر وہ اپنی عدت (کی مہاد) کو پہنچیں تو انہیں دستور کے مطابق (اپنے نکاح میں) رکھو اور

أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضَرَارًا

یا اس کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دو اور ان کو ضرر پہنچانے کے لیے نہ روکے رکھو تا کہ تم ان پر

لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا

زیادتی کرو اور جس نے ایسا کیا تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اللہ

تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُتًى وَآذُكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ

آیتوں کو مذاق نہ بناؤ ہر تم پر جو اللہ کی نعمت ہے (اس کی یاد دہانی)

عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ

اور اللہ نے تم پر جو کتاب اور حکمت نازل کی ہے

يُعِظُكُمْ بِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ

وہ تم کو اس کی نصیحت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ ہر چیز کو

عَلِيمٌ ۝ وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا

خوب جاننے والا ہے ۝ اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں

تَعَصُّلُوهُنَّ أَنْ يَشْكِيَنَّ أَنْفُسَهُنَّ إِذَا تَرَاضُوا

تو انہیں ان کے (انہی پہلے خاوندوں کے) ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ انہیں کے مطابق

یَتَرَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۖ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ

ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں اس حکم کے ساتھ ہر اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے

يَوْمَ مِنْ بِلِلَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ ذَٰلِكُمْ أَنْزَلْنَاهُ لَكُمْ وَأَطْهَرُ

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو یہ (حکم) تمہارے لیے زیادہ سچا اور پاکیزہ ہے

وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۲﴾

اور اللہ (ہی) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور ان (عورتوں) کو ضرر پہنچانے کے لیے (اپنے نکاح میں) نہ رو کے رکھو تا کہ تم اس پر زیادتی کرو

اور جس نے، یا کیا تو اس نے بے شک اپنی جان پر ظلم کیا۔ (البرہ ۲۳۱)

جس عورت کو خاوند خرچ نہ دے اس کی گلو خلاصی میں آراء ائمہ

ائمہ ثلاثہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کسی شخص کا اپنی منکوحہ کو یہ طور ظلم اور زیادتی کے اپنے نکاح میں روکے رکھنا جائز نہیں ہے بایں طور کہ اس کو نہ کھانا پینے کپڑوں اور رہائش کے اخراجات دے اور نہ اس کو اپنے نکاح کی قید سے آزاد کرے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت کا حکم یہ ہے کہ قاضی ان کا نکاح فسخ کر دے اور عدت سے بعد وہ عورت نکاح ثانی کے لیے آزاد ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک اس صورت میں قاضی کو تفریق کا حق نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ جب خاوند نامرد ہو تو فقہاء احناف کے نزدیک بھی قاضی کو تفریق کا حق ہے جب کہ خاوند کے مرنے سے عورت کی شہوانی اُٹلیں ہوتی ہے اور کھانے پینے کے خرچ نہ دینے سے اس کی زندگی خطرہ میں پڑ جائے گی اس لیے اس صورت میں قاضی تفریق کرنے کا زیادہ مستحق ہے فقہاء احناف نے اس آیت کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ استدلال اس آیت کے شاہ نزول کے خلاف ہے علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

بعض علماء نے اس آیت کو یہ طور ظلم عورت کو نکاح میں روکنے کی ممانعت اور حسن معاشرت کے ساتھ عورت کے ہمراہ رہنے کے حکم پر محمول کیا ہے لیکن یہ تقریر اس آیت کے شان نزول کے خلاف ہے کیونکہ امام ابن جریر امام بن ائمہ رو غیرہ نے سدی سے روایت کیا ہے کہ ثابت بن یسار انصاری نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور جب اس کی عدت ختم ہونے میں وہ پانچ دن رہ گئے تو اس سے رجوع کر لیا اور اس کو پھر طلاق دے دی اور جب دوبارہ اس کی عدت ختم ہونے میں دو یا تین دن رہ گئے تو اس سے پھر رجوع کر لیا اور سہ بارہ اسی طرح کیا حتیٰ کہ اس عورت کی عدت نو ماہ ہو گئی تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنی عورتوں کو ضرر پہنچانے کے لیے (عدت میں) نہ رو کے رکھو۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۱۴۳ ۱۴۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ آلوسی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ خصوصیت مورد لحاظ نہیں ہوتا بلکہ عموم الفاظ کا لحاظ ہوتا ہے اور اس میں کوئی

شک نہیں کہ انسانی ہمدردی، قوت استدلال اور عدل و انصاف اور ہمہ گیری اور ہمہ جہتی کے لحاظ سے ائمہ ثلاثہ کا مسلک رائج ہے اور علماء احناف کو اس خاص انسانی مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کے مسلک پر فتویٰ دینا چاہیے جب کہ فقہاء احناف نے یہ تصریح کی ہے کہ ضرورت کے وقت مذہب غیر پر فتویٰ دینا جائز ہے۔ میں نے "شرح صحیح مسلم" جلد ثالث کے اخیر میں اس مسئلہ پر بہت تفصیل اور تحقیق سے گفتگو کی ہے۔

خرچ سے محروم عورت کی گلو خلاصی پر جمہور فقہاء کے دلائل

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دستور کے مطابق عورتوں کو نکاح میں رکھنے کا حکم دیا ہے اور دستور کے مطابق رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ خاوند اس کو کھانے پینے کا خرچ دے اور اگر یہ نہیں دے سکتا تو پھر اس کو طلاق دے دے اور اگر وہ اس کو پھر بھی طلاق نہیں دیتا تو وہ عورت کو دستور کے مطابق رکھنے کے حکم سے خارج ہو گیا اب حاکم اس عورت پر طلاق واقع کر دے گا تا کہ شوہر کی طرف سے نفقہ نہ ملنے کی وجہ سے عورت کو ضرر نہ لاحق ہو کیونکہ بھوک اور پیاس پر کوئی صبر نہیں کر سکتا (اس کے برعکس شہوانی خواہش پوری نہ ہونے پر صبر ہو سکتا ہے)۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، ابو ثور، ابو سعید، یحییٰ قطان اور عبد الرحمن بن مہدی کا یہی مذہب ہے صحابہ میں سے حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابو ہریرہ کا یہی مذہب ہے اور تابعین میں سے سعید بن مسیب کا یہی مذہب ہے اور انہوں نے کہا یہی سنت ہے اور اس کو حضرت ابو ہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

اس کے برعکس امام ابو حنیفہ، ثوری اور زہری کا یہ قول ہے کہ جب شوہر خرچ نہ دے تو عورت پر صبر لازم ہے اور حاکم کے حکم سے یہ نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ كَانَ دُؤُورٌ فَتَنْظُرْ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ

اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کو فراخ دستی تک

(البقرہ ۲۸۰) مہلت دو۔

(قرض لے کر بیوی کو کھانا اس وقت متصور ہوگا جب اس کی نیت بیوی کو تنگ کرنا اور ضرر پہنچانا نہ ہو اور مفروضہ صورت میں شوہر دانستہ بیوی کو خرچ نہیں دیتا) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَانَتْ حُورًا لَا يَأْتِي مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ

وَأَمَّا بَكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ

اور تم اپنے بے نکاح (آزاد) مردوں اور عورتوں کا

نکاح کر دو اور اپنے نیک غلاموں اور باندیوں کا نکاح کر دو

(النور ۳۲) اگر وہ فقراء ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فقراء کا نکاح کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے فقر علیحدگی کا سبب نہیں بن سکتا (کسی شخص کا فقر کی وجہ سے نفقہ دینے پر قادر نہ ہونا اور بات ہے وہ قرض لے کر بھی بیوی کو کھلا سکتا ہے اور کسی شخص کا قدرت کے باوجود عورت کو محض تنگ کرنے کے لیے نفقہ نہ دینا اور چیز ہے اور ہماری بحث اسی میں ہے اور زیر بحث آیت میں بھی عورت کو ضرر پہنچانے کی نیت سے نکاح میں روکے رکھنے سے منع کیا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

نیز شوہر اور بیوی کے درمیان اجماعاً نکاح منعقد ہو گیا اب یہ نکاح اجماع سے منسوخ ہوگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے جس کا کوئی معارض نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ کی رائے کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی ہو اور پر وال ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے اپنے عیال سے خرچ کی ابتداء کرو عورت کہے گی یا مجھے کھلا دیا مجھے طلاق دو غلام کہے گا: مجھے کھلاؤ

اور مجھ سے کام لو بیٹا کہے گا مجھے کھلاؤ مجھے کس پر چھوڑتے ہو؟ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۶، مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷، ۵۲۸، ۱۵۲) اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ بیوی کو یا خرچ دیا جائے ورنہ اس کو طلاق دے دی جائے اور یہ ائمہ ثلاثہ کے موقف پر قوی دلیل ہے بلکہ اس اختلاف میں بہ منزلہ حکم ہے۔ فقہ نہ دینے کی وجہ سے قاضی جو تفریق کرے گا وہ امام شافعی کے نزدیک طلاق بائنہ ہے اور امام مالک کے نزدیک طلاق رجعی کے قائم مقام ہے۔

(الجامع احکام القرآن ج ۳ ص ۱۵۶، ۱۵۵، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران ۱۳۸۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اللہ کی آیتوں کو مذاق نہ بناؤ۔ (البقرہ: ۲۳۱)

مذاق میں دی ہوئی طلاق کا نافذ ہونا

حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں، امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک آدمی کسی شخص سے کہتا، میں نے تم سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا، پھر کہتا میں تو تم سے مذاق کر رہا تھا اور کوئی شخص کہتا میں نے غلام آزاد کر دیا اور پھر کہتا: میں تو مذاق کر رہا تھا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ ”اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ“ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں کہ کوئی شخص ان کو مذاق سے کہے یا بغیر مذاق کے وہ نافذ ہو جائیں گی: طلاق، عتاق اور نکاح۔

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص بغیر ارادہ طلاق کے مذاق سے طلاق دے دیتا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ ”اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ“ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کو لازم کر دیا۔

امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے، نکاح، طلاق اور رجوع کرنا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۸۶، مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ، ایران)

احکام شرعیہ کو مذاق بنا لینا حرام ہے، بلکہ ان کا مذاق اڑانا کفر ہے، مذاق میں طلاق دینا حرام ہے اور یہ طلاق نافذ ہو جائے گی۔ اسی طرح عمل گناہ کرتے رہنا اور زبان سے توبہ کرتے رہنا بھی احکام شرعیہ کو مذاق بنانا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (ان ہی پہلے خاوندوں کے) ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں۔ (البقرہ: ۲۳۲)

بغیر ولی کے عورت کے کیے ہوئے نکاح کے متعلق مذاہب اربعہ

امام بخاری روایت کرتے ہیں حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت معقل بن یسار کی بہن کو ان کے خاوند نے طلاق دے دی اور ان کو چھوڑے رکھا حتیٰ کہ ان کی عدت پوری ہو گئی، پھر ان کی بہن کے خاوند نے دوبارہ نکاح کا پیغام دیا تو حضرت معقل نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۹، مطبوعہ نور محمد، المطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر عورت کا از خود نکاح کرنا جائز نہیں ہے، وہ اس آیت سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ اگر بغیر ولی کے عورت کا از خود نکاح کرنا جائز ہوتا تو حضرت معقل کی بہن از خود اپنا نکاح اپنے پچھلے خاوند سے کر لیتیں اور ان کے خاوند کو یہ ضرورت نہ پڑتی کہ وہ ان کے بھائی سے رشتہ مانگیں اور نہ ان کے بھائی کے منع کرنے کی کوئی وجہ ہوتی، اسی لیے امام شافعی نے کہا ہے کہ بغیر ولی کے عورت کے نکاح کے عدم جواز پر یہ آیت قوی دلیل ہے، نیز ائمہ ثلاثہ کی دلیل

یہ حدیث ہے:

امام ابو داؤد در روایت کرتے ہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عورت نے اپنے اولیاء کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے یہ تین بار فرمایا نیز فرمایا: جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہے۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۸۴ مطبوعہ مطبعہ نعیمی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ جائز ہے کہ بالغہ عورت اپنا نکاح از خود کر لے ان کا استدلال بھی اسی آیت سے ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں نکاح کا اسناد عورتوں کی طرف کیا گیا ہے اور ان کو نکاح سے روکنے سے منع فرمایا ہے اور اس لیے بھی کہ یہ خاص ان کا حق ہے کیونکہ وہی اہل مہر و ثرت ہیں اس لیے ان کا یہ تصرف صحیح ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ وہ نابالغہ اور مجنونہ پر محمول ہے۔

بغیر ولی کے عورت کے کیے ہوئے نکاح کے جواز کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابو حنیفہ کا استدلال حسب ذیل احادیث سے ہے:

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیر شادی شدہ لڑکی (خواہ کنواری ہو یا بیوہ) ولی کی بہ نسبت اپنے نکاح کی زیادہ حق دار ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۵ مطبوعہ نور محمد اسحاق الطائفہ لہوری ۱۳۷۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیر شادی شدہ لڑکی کا نکاح اس کے مشورے کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے عرض کیا کیا یا رسول اللہ! اس کی اجازت کیسے ہوگی؟ فرمایا اس کی خاموشی۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۷ مطبوعہ نور محمد اسحاق الطائفہ لہوری ۱۳۸۱ھ)

حضرت خاتمہ بنت حزام انصاریہ بیان کرتی ہیں کہ ان کے باپ نے ان کا نکاح کر دیا وہاں حالیکہ وہ بیوہ تھیں اور ان کو یہ نکاح ناپسند تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۸-۴۷۷ مطبوعہ نور محمد اسحاق الطائفہ لہوری ۱۳۸۱ھ)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے بیٹے کے چچا (دیور) نے میرے نکاح کا پیغام دیا اور میرے باپ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا اور میرا نکاح وہاں کر دیا جہاں مجھے پسند نہیں تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے والد کو بلایا اور اس سے یہ معاملہ دریافت فرمایا اس کے باپ نے کہا میں نے اس کے نکاح میں کسی خیر کو ترک نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ نکاح نہیں ہوا (اور عورت سے فرمایا: جاؤ جس سے چاہو نکاح کرو۔)

(المصنف ج ۲ ص ۱۳۳-۱۳۲ مطبوعہ دار الفکر القرآن لہوری ۱۴۰۶ھ)

قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر کی بیٹی حفصہ کا نکاح منذر بن الزبیر سے کر دیا۔ اس وقت حضرت عبد الرحمن موجود نہیں تھے جب وہ آئے تو انہوں نے ناراض ہو کر کہا: اے خدا کے بندو! کیا مجھ ایسے شخص کی بیٹی کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر کیا جاسکتا ہے؟ حضرت عائشہ ناراض ہو گئیں اور فرمایا: کیا تم منذر کو ناپسند کرتے ہو؟

(المصنف ج ۲ ص ۱۳۲/۱۳۱ مطبوعہ دار الفکر القرآن لہوری ۱۴۰۶ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے دلی سے امیر الکعبہ کے نکاح کیا اور اس کو دلی مرضی سے اس کی ماں نے اس کا نکاح کر دیا تھا (المصنف ج ۱ ص ۱۳۲، دارالحدیث، بیروت ۱۴۰۱ھ)۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پار میں یہ (کلم) اس سے اپنے بچے پر دودھ پلانے کی بات

أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِشْقُهُنَّ وَ

کو پورا کرنا چاہئے اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستور کے موافق ان (ماؤں) کا کھانا اور

كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تَكْلَفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا

پہننا کے کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلف نہیں ہو گا نہ مال نہ

تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدٍهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى

اس کے بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے اور

الْوَارِثُ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ

ورث پر بھی اسی طرح لازم ہے پھر اگر ماں اور باپ ہر دو سے جدا کرنا چاہیں تو اس سے

مِنْهُمَا وَتَشَاوَرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ

کوئی مرض نہیں ہے اور اگر تم دونوں سے اپنے بچوں

تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا

دودھ پلوانا چاہو تو تم پر کوئی مرض نہیں ہے یہ شرطیکہ تم (ان کو) دستور کے موافق

اتَّبِعْتُمُ بِالْمَعْرُوفِ وَأَتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا

اجرت ادا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ شمار سے

تَعْمَلُونَ بِصِيرٍ ﴿۲۳۳﴾

کاموں کو دیکھنے والا ہے ۵

دودھ پلانے کے شرعی احکام

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے طلاق کے احکام بیان کیے جس سے فرقت واقع ہوئی ہے اور اب ان چیزوں کے احکام بیان کیے جو نکاح کے نتیجہ میں واقع ہوتی ہیں کیونکہ بعض مطلقہ عورتوں کے دودھ پیتے بچے ہوتے ہیں اور کبھی کبھی ماں باپ کے جھگڑوں کی وجہ سے دودھ پینے بچے ضائع ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات باپ سے انتقام لینے کے لیے ان کو ماں کے دودھ نہیں پلاتیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ماؤں کو یہ نصیحت کی کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلائیں اور یہ کہ باہمی رضامندی سے وہ بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں اور بچوں کے باپ پر یہ لازم کیا کہ وہ اپنی عاقبت اور وسعت کے مطابق دودھ پلانے والیوں کو کھانے اور کپڑوں کا خرچ مہیا کریں اور یہ کہ بچوں کی وجہ سے ماں باپ میں سے کوئی فریق دوسرے پر زیادتی نہ کرے مثلاً ماں بچوں کو پالنے اور پرورش کرنے کی وجہ سے باپ کو ضرر پہنچائے اور کھانے اور کپڑوں کا دستور سے زیادہ خرچ طلب کرے یا ماں بچوں کو دودھ پلانا چاہتی ہے اور باپ زبردستی بچوں کو ماں سے چھین لے یا اس کو دودھ پلانے پر مجبور کرے یا اس کے خرچ میں قدر معروف سے کمی کرے۔ اس تفسیر کی بناء پر اس آیت میں وہ مطلقہ عورتیں مراد ہیں جن کی ان کے خاوندوں سے اولاد ہو اور اجنبی دایوں کی بہ نسبت دودھ پلانے کی وہ زیادہ حق دار ہیں اور بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ اس آیت میں مطلقاً دودھ پلانے والی ماں مراد ہیں خواہ وہ مطلقاً عورتیں ہوں یا منکوحہ عورتیں ہوں۔

امام مالک کے نزدیک ماں پر دودھ پلانا واجب ہے خواہ وہ منکوحہ ہو یا مطلقہ اور جمہور کے نزدیک ماں پر اس وقت دودھ پلانا واجب ہے جب بچہ کسی اور عورت کا دودھ نہ پئے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دودھ پلانے کی مکمل مدت دو سال ہے کیونکہ اس مدت میں بچہ کو اپنی نشوونما کے لیے دودھ کی حاجت ہوتی ہے نیز اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ کم از کم دودھ پلانے کی کوئی حد نہیں ہے اور ماں باپ باہمی مشورہ سے جتنے عرصہ تک چاہیں دودھ پلائیں اور اس کے بعد دودھ چھڑا دیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دودھ پلانے والی کے کھانے اور کپڑے کا خرچ باپ کے ذمہ ہے اور دایہ کی اجرت بھی باپ کے ذمہ ہے اور امام شافعی کے نزدیک بچہ کی ماں کا بھی دودھ پلانے کی اجرت طلب کرنا جائز ہے خواہ وہ نکاح میں ہو یا عدت میں اور بچہ کا خرچ بھی باپ کے ذمہ ہے اور اگر باپ زندہ نہ ہو تو باپ کے وارث کے ذمہ بھی یہی احکام ہیں اس پر لازم ہے کہ وہ دودھ پلانے والی کے کھانے اور کپڑے کا خرچ دے اور دودھ پلانے کی اجرت دے اور دودھ پلانے والی کو ترک نہ کرے۔ امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک یہ آیت محارم کے نفقہ کے وجوب کی اصل ہے ان کے نزدیک ہر ذرہ محرم پر خرچ واجب ہے مثلاً ماسوں اور پھون بھی پر اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک بچوں کا خرچ صرف والدین پر واجب ہے بچہ کا خرچ باپ پر واجب ہے باپ فوت ہو گیا ہو تو اس کے ترکہ سے خرچ کرنا واجب ہے اور اگر اس کا ماں نہ ہو تو پھر ماں پر واجب ہے قرآن مجید کی اس آیت سے امام ابو حنیفہ اور امام احمد کی رائے کی تائید ہوتی ہے کیونکہ قرآن مجید نے باپ کے بعد وارث پر بچہ کے خرچ کو واجب کیا ہے۔

دودھ پلانے کی مدت میں ائمہ مذاہب کی آراء

علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں: دو سال کی مدت کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ جس عورت کے ہاں چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہو جائے وہ دو سال دودھ پلائے تاکہ تیس مہینے پورے ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
 وَحَمْلُهُ وَفِصْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا (الاحقاف ۱۵)
 اور حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔
 یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور عطاء اور ثوری کا قول یہ ہے کہ ہر بچہ کو دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے۔

(الانسان، المجلد ۱، ج ۱ ص ۳۰۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی نے لکھا ہے کہ دودھ پلانے کی کم از کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے اور زیادہ سے زیادہ حد دو سال ہے۔ (احکام القرآن، ج ۱ ص ۲۷۳، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے لکھا ہے کہ دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عائشہ کے علاوہ باقی ازواج مطہرات، امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد شیبی، ازراعی اور ابو ثور کا یہی مسلک ہے۔ (الفتاویٰ، ج ۸ ص ۱۳۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ السرغینی الحنفی لکھتے ہیں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دودھ پلانے کی مدت نہیں مہینے ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک دو سال ہے، امام شافعی کا بھی یہی قول ہے اور امام زفر کے نزدیک یہ مدت تین سال ہے، کیونکہ دو سال کے بعد بچے کو دفعۃً دودھ سے غذا کی طرف لانا مشکل ہے۔ اس لیے بعد کے ایک سال میں دودھ کے ساتھ اس کو غذا کا عادی بنایا جائے اور تین سال کے بعد مکمل دودھ چھڑا دیا جائے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔ (اختلاف ۱۵) اور کم از کم حمل کی مدت چھ ماہ ہے تو دودھ چھڑانے کے لیے دو سال باقی بچے، امام دارقطنی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طفولیت کی دو سال کی عمر کے بعد دودھ پلانے کا عمل نہیں ہے۔ (منہ دارقطنی ج ۴ ص ۷۴) اس حدیث کو امام عبد الرزاق اور امام مالک نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہی آیت ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں ذکر کیں (حمل اور دودھ چھڑانا) اور دونوں کی ایک مدت ذکر فرمائی یعنی تیس مہینے لہذا ان میں سے ہر ایک کی مدت مکمل تیس ماہ ہوگی لیکن ان میں ایک یعنی حمل کی مدت ایک حدیث سے دو سال متعین ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بچہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں باقی رہتا۔ (منہ دارقطنی ج ۳ ص ۲۲۲، مطبوعہ لبنان، منہ بیہقی ج ۷ ص ۲۲۳، مطبوعہ لبنان)

ان میں سے ایک کی مدت اس حدیث کی بناء پر دو سال رہ گئی تو دوسرے یعنی دودھ چھڑانے کی مدت اپنی اصل پر تیس ماہ رہے گی نیز دو سال تک بچہ کو دودھ پلانے کے بعد فوراً غذا کی طرف راجع کرنا مشکل ہوگا اس لیے اس کو بقیہ چھ مہینے میں بہ تدریج غذا کا عادی بنایا جائے گا اور اڑھائی سال کے بعد کلی طور پر دودھ چھڑا دیا جائے گا اور سورۃ بقرہ میں جو ارشاد ہے: "اور مائیں اپنے بچوں کو مکمل دو سال دودھ پلائیں۔" (البقرہ ۲۳۳) اور حدیث میں ہے: "دو سال کے بعد دودھ پلانا نہیں ہے" اس آیت اور اس حدیث کا تحمل یہ ہے کہ دو سال سے زیادہ بچے کو دودھ پلانے کا استحقاق نہیں ہے۔

(ہدایہ اولین ص ۲۵۱-۲۵۰، مطبوعہ مکتبہ شریک علیہ لبنان)

ہر چند کہ امام اعظم اور صاحبین دونوں کے قول مفتی بہ ہیں لیکن علامہ حنفی نے امام اعظم کے قول کو ترجیح دی ہے۔

(در مختار علی حاشیہ الرد ج ۱ ص ۴۰۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ (عورتیں) اپنے آپ

يَا نَفْسُ هِيَ اَرْبَعَةٌ اَشْهُرٌ وَعَشْرًا ۚ فَاِذَا ابْلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا

کو (عقد مانی ہے) چار ماہ اس اور نو سے نہیں اور جب وہ اپنی مدت پوری کر میں تو وہ عورت سے موافق ہے

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ط

کام اپنے اپنے رزق میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے

وَاللَّهُ يَهْدِي لَكُمْ خَيْرٌ ۙ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ

اور تم جو چھو کر ہے، اللہ اس کی خوب خبر رکھے والا ہے ۵ اور تم پر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم (عدت والی عورتوں کو)

بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ ۚ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ ط عِلِمَ اللَّهُ

اشارہ کنار سے نکاح کا مقام اور اپنے دلوں میں چھپاؤ اللہ کو سمجھ ہے کہ

أَنْتُمْ سَتَذْكُرُوهُنَّ وَلَكِنْ لَا تُؤَاوِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ

(عدت کے بعد) "قرب تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے لیکن تم (عدت سے پہلے) ان سے کوئی خفیہ وعدہ نہ کرو

تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ

البتہ شریعت کے موافق ان سے بات کرو اور جب تک عدت پوری نہ ہو جائے (ان سے) عقد نکاح

يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ط وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ

کا عزم نہ کرو اور یقین رکھو کہ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو جانتا ہے

فَاَحْذَرُوا ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۙ

(۲۳۵)

سو اس سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت حلیم والا ہے ۵

عدت و فوات کا بیان اور عدت کی تعریف

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مطافہ عورت کی عدت کا ذکر فرمایا تھا اور اب یہ وہ کی عدت کا ذکر فرما رہا ہے۔

وہ مدت جس میں عورت شوہر کے گھر میں معیر نکاح کے ٹھہری رہے اور بغیر عذر شرعی کے گھر سے باہر نہ نکلے تاکہ اس کے

رحم کا استتباب ہو جائے یا شوہر کی موت پر سوگ ہو مضائقہ کے لیے یہ مدت تین ماہ ہے اور یہ وہ ہے کہ یہ عدت چار ماہ اس میں

ہے اور جو عورت حاملہ ہو اس کی عدت وضع حمل سے خواہ شوہر کی موت کے ایک ساعت بعد وضع حمل ہو جائے عدت و فوات میں

مداخل بہا اور غیر مداخل بہا کا کوئی فرق نہیں ہے۔ چار ماہ اس دن تک سوگ کرنا صرف شوہر کی موت کے ساتھ خاص ہے اور

کسی عزیز یا رشتہ دار کی وفات پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے
امام بخاری روایت کرتے ہیں:

نسب نہ انتہائی ملکہ یاں کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ماں کی
اہوں نے کہا میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمانے ہوئے تھے کہ جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر اللہ کی قسم
اس کے لیے یہ چار ماہیں ہے کہ وہ کسی سرگ پر نہیں دن سے زیادہ سوگ کرے سوائے شوہر۔ نے اس پر چار ماہیں دیں۔
کرے پھر جب حضرت زینب بنت جحش کے بھائی فوت ہو گئے تھے ذہن اس کے پاس گئی اہوں نے خوشہ دنگا کر اپنے نام
پر لگائی اور کہا مجھے خوشہ دنگانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے البتہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ جو عورت اللہ
پر اور یوم آخرت پر ایمان لائی ہو اس کے لیے کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے البتہ خاندان (ن سوگ) پر
چار ماہ دن تک سوگ کرے گی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۱ مطبوعہ دار محمد ارجح الطابع' راپڑی ۱۳۸۱ھ)

عدت کے مسائل اور شرعی احکام

علامہ علاء الدین ہسکلی حنفی لکھتے ہیں

مسلمان منکوحہ یا عورت جب طلاق ثلاثہ مغضظہ کی عدت گزارے یا عدت وفات گزارے تو اعتدال نکاح پر افسوس
کے اظہار کے لیے زینت کو ترک کر دے زیورات اور ریشمی کپڑے نہ پہنے ہار پیک دندانوں کی کنگھی سے بال نہ سنوارے خوشبو
اور تیل نہ لگائے سرمہ اور مہندی نہ لگائے زعفران اور سرخ یا زرد رنگ میں رنگے کپڑے نہ پہنے ہاں عذر کی وجہ سے دن میں
سے کسی ایک چیز کو بھی اختیار کر سکتی ہے کالے اور پیلے رنگ کے کپڑے پہن سکتی ہے کافرہ صغیرہ مخدومہ نکاح فاسد طلی ہاں۔
اور طلاق رجعی کی معذہ پر سوگ نہیں ہے دیگر رشتہ داروں کی موت پر صرف تین دن تک سوگ کرنا مباح ہے خاندان کے لیے
جائز ہے کہ عورت کو تین دن سے زیادہ سوگ کرنے پر منع کرے کیونکہ عورت کا مزین ہونا اس کا حق ہے ہاں اگر خاندان کو اعتراض
نہ ہو یا عورت شادی شدہ نہ ہو تو پھر تین دن سے زیادہ بھی سوگ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (علامہ شامی نے کہا ہے کہ علامہ
ہسکلی کا تین دن سے زیادہ سوگ کی اجازت دینا صحیح نہیں ہے اور یہ حدیث کے خلاف ہے بیساکہ ابھی صحیح بخاری کے
حوالے سے گزرا ہے۔ سعیدی غفرلہ) قسم کی عدت گزارنے والی کو نکاح کا پیغام دینا حرام ہے البتہ اشارہ کنایہ سے ایسا نہ
ظاہر کرنا جائز ہے مثلاً کہے مجھے مید ہے کہ ہم اکٹھے رہیں گے یا آپ بہت خوب صورت ہیں یا نیک ہیں یا شریک وہ عورت
عدت وفات گزار رہی ہو اور عدت طلاق میں ایسا کہنا مطلقاً جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے اس کے شوہر کے ساتھ عداوت پیدا
ہوگی۔ جو عورت عدت گزار رہی ہو خواہ وہ طلاق رجعی کی عدت ہو یا طلاق بائن کی وہ گھر سے بالکل نہ نکلے نہ رات کو نہ دن کو
اور اگر حویلی میں دوسرے لوگوں کے گھر ہوں تو اس کے محن میں بھی نہ جائے خواہ شوہر کی اجازت ہو کیونکہ یہ اللہ کا حق ہے اور
جو عورت عدت وفات گزار رہی ہو وہ دن اور رات میں گھر سے باہر جاسکتی ہے لیکن رات کا اکثر حصہ اپنے گھر میں گزارے۔
وجہ فرق یہ ہے کہ مطلقہ کے خرچ کا کفیل اس کا خاندان ہے اس لیے اس کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے اور جو عدت دن
گزار رہی ہے اس کے خرچ کا کوئی کفیل نہیں ہے اس لیے اس کو طلب معاش کے لیے دن اور رات کے وقت میں نکلنا ہوگا ہاں
اگر اس کے خرچ کی کفالت کا انتظام ہو تو پھر اس کو بھی مطلقہ کی طرح گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے اور وہاں عدت
گزارے خواہ عدت طلاق ہو یا عدت وفات اور اس گھر سے نہ نکلے نہ اس کو اس صورت کے کہ اس کو اس گھر سے نکال دیا جائے یا
وہ گھر منہدم ہو جائے یا اس گھر کے انہدام کا خدشہ ہو یا وہاں اس کے مال کے تلف ہونے کا خطرہ ہو اس کے پاس اس گھر کا

کر ایہ نہ ہو اس قسم کی اگر کوئی ناگزیر صورت ہو مثلاً وہ اس گھر میں نہ ہو اور اس کی جان کو خطرہ ہو ایسی صورت میں وہ اس گھر کے قریب کسی گھر میں منتقل ہو سکتی ہے اور عدت طلاق میں جہاں اس کا شوہر چاہے وہاں منتقل ہو جائے جب عورت عدت طلاق گزار رہی ہو تو اس کے اور شوہر کے درمیان ایک پردہ ضروری ہے اور اگر گھر تنگ ہو یا شوہر فاسق ہو تو پھر اس کا اس گھر سے نکل جانا بہتر ہے۔ (در مختار علی حاشیہ الردمی ۶۲۱-۶۱۶ ملخصاً 'مطلوبہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

عدت کے دوران عورتوں کو جن کاموں سے منع کیا ہے مثلاً بغیر عذر شرعی کے گھر سے باہر نکلنا یا بناؤ سنگھار کرنا یا کسی سے عقد ثانی کا عہد و پیمان کرنا اگر عورتیں عدت کے دوران ان میں سے کوئی کام کریں تو اس عورت کے وارثوں اور سرپرستوں پر لازم ہے کہ عورت کو اس سے منع کریں اور اگر وہ منع نہیں کریں گے تو گنہگار ہوں گے اور اگر اس عورت کے اولیاء نہ ہوں تو پھر یہ حکام اور عام مسلمانوں کا فریضہ ہے، کیونکہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اور جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو وہ دستور کے موافق جو کام اپنے لیے کریں اس میں تم پر کوئی حرج (یا گناہ) نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انہوں نے عدت سے پہلے یہ کام کیے اور تم نے ان کو نہ روکا تو تمہیں گناہ ہوگا۔

اس آیت میں عدت و فوات چار ماہ دس دن بیان کی گئی ہے لیکن یہ عدت و فوات غیر حاملہ کے ساتھ مخصوص ہے جو عورت حاملہ ہو اس کی عدت وضع حمل ہے خواہ شوہر کی وفات کے ایک منٹ بعد وضع حمل ہو جائے قرآن مجید میں ہے:

وَأُولَاتُ الْأَحْصَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ ان کا وضع حمل ہو (اعلاق: ۴) جائے۔

اس سے پہلے عدت و فوات ایک سال تھی جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے:

وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مِنْكُمْ ذِئْدَ الْجَانِّ وَصِيَّتَهُ

اور تم میں سے جو لوگ مرجائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ (مرنے سے پہلے) اپنی بیویوں کے لیے یہ وصیت کر جائیں

لَا زَوَاجَهُمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ

(البقرہ: ۲۴۰) کہ ان کو گھر سے نکالے بغیر ان کو ایک سال کا خرچ دیا جائے۔

سورہ بقرہ کی زیر بحث آیت سے یہ آیت منسوخ ہو گئی اور اب ایک سال کے بجائے چار ماہ دس دن عدت و فوات ہے اس آیت کی تفسیر ان شاء اللہ عنقریب بیان کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور جب تک عدت پوری نہ ہو جائے (ان سے) عقد نکاح کا عزم نہ کرو۔ (البقرہ: ۲۳۵)

گنہ کے ارتکاب پر مواخذہ ہونے اور گنہ کے ارادہ پر مواخذہ نہ ہونے کی تحقیق

اس آیت میں طلاق یا وفات کی عدت گزارنے والی عورت سے نکاح کرنے کے ارادہ سے بھی منع فرمایا ہے اور دوران عدت اس سے نکاح کا عزم (پکا ارادہ) کرنا حرام ہے اور ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور عزم کرنا دل کا فعل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دل کے افعال پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔ حرام کام کا کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے اور اس کا عزم بھی گناہ کبیرہ ہے عام طور پر مشہور ہے کہ برائی کا ارتکاب گناہ ہے اور اس پر مواخذہ ہوتا ہے لیکن اگر برائی کا صرف عزم کیا جائے اور برائی کا ارتکاب نہ کیا جائے تو مواخذہ نہیں ہوتا یہ قاعدہ صحیح نہیں ہے برائی کا عزم بھی گناہ ہے اور اس پر مواخذہ ہوتا ہے امام بخاری روایت کرتے ہیں

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو مسلمان تلواروں سے لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو قاتل ہے مقتول کے جہنمی ہونے کی کیا وجہ ہے؟ آپ

نے فرمایا: یہ بھی اپنے حریف کے قتل پر حریص تھا۔ (صحیح بخاری ج ۹، مطبوعہ نور محمد ریحان المطابع، راجی ۱۴۲۸ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اگر کسی شخص نے قتل نہ کیا ہو بلکہ صرف قتل کا عزم کیا ہو وہ پھر بھی جہمی ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ فعل حرام کا عزم اور پکا ارادہ بھی حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور اس پر استحقاق عذاب ہے البتہ ”ہم“ پر مواخذہ نہیں ہوتا ”ہم“ اور ”عزم“ میں یہ فرق ہے کہ اگر کوئی شخص رائج اور غالب طور پر کسی کام کو کرنا چاہے اور مرجوح اور مغلوب طور پر کام نہ کرنا چاہے تو یہ ”ہم“ ہے اور جب سو فیصد کسی کام کا پختہ ارادہ ہو تو یہ عزم ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ دل میں کسی کام کے کرنے کا اچانک خیال آئے تو اس کو ہا جس کہتے ہیں اور بار بار یہ خیال آئے تو اس کو خاطر کہتے ہیں اور جب ذہن اس کام کو کرنے کا منصوبہ اور پروگرام بنائے تو اس کو حدیث نفس کہتے ہیں اور جب رائج اور غالب جانب اس کام کے کرنے کی اور مرجوح اور مغلوب جانب اس کا کونہ کرنے کی ہو مثلاً ۹۹ فیصد کرنا چاہتا ہو اور ایک فیصد نہ کرنا چاہتا ہو تو اس کو ”ہم“ کہتے ہیں اور جب یہ ایک فیصد بھی ختم ہو جائے اور سو فیصد کام کرنا چاہتا ہو تو یہ عزم ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کا کوئی دشمن ہو اور اس کے دل میں اچانک اس کو قتل کرنے کا خیال آئے تو یہ ہا جس ہے یہ خیال بار بار آئے تو خاطر ہے اور جب وہ اس کو قتل کرنے کا منصوبہ اور پروگرام بنائے مثلاً فلاں جگہ سے پستول حاصل کرے گا اور فلاں وقت اور فلاں جگہ جا کر اس کو قتل کرے گا تو یہ حدیث نفس ہے اور جب ۹۹ فیصد اس کو قتل کرنا چاہے لیکن ایک فیصد اس کو قتل نہ کرنا چاہے مبادا پکڑا جائے اور اس کو پھنسی ہو جائے تو یہ ”ہم“ ہے اور جب یہ ایک فیصد نفی بھی زائل ہو جائے اور وہ دشمن کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کر لے خواہ اس کو نتیجہ میں پھانسی ہو جائے تو یہ عزم ہے اس عزم کے بعد اگر وہ کسی وجہ سے اس کو قتل نہ بھی کرے تب بھی وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب قرار پائے گا اور اس سے مواخذہ ہوگا۔ یہ اعتبار لغت کے ہم اور عزم دونوں کے معنی ارادہ ہیں لیکن اصطلاح شرع میں ”ہم“ وہ ارادہ ہے جس میں جانب مخالف کی بھی کسی درجہ میں گنجائش ہو اور عزم وہ ارادہ ہے جس میں جانب مخالف کی بالکل گنجائش نہ ہو اور حرام فعل کا ارتکاب اور حرام فعل کا عزم دونوں گناہ کبیرہ ہیں جب کہ حرام فعل کا ”ہم“ گناہ نہیں ہے پچھلی امتوں سے معصیت کے ”ہم“ پر بھی مواخذہ ہوتا تھا اور ہماری امت سے صرف معصیت کے عزم پر مواخذہ ہوتا ہے اور ہا جس خاطر اور حدیث نفس کے درجہ میں ان سے مواخذہ ہوتا تھا نہ ہم سے مواخذہ ہوتا ہے نیز نیکی کا اگر ”ہم“ کر لیا جائے (یعنی ارادہ تو ہو لیکن سو فیصد نہ ہو) اور پھر بعد میں وہ نیکی نہ کی جائے تو اس ہم پر اجر و ثواب مل جاتا ہے لیکن اگر معصیت کا ”ہم“ کیا جائے اور وہ معصیت نہ کی جائے تو گناہ نہیں ہوتا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور احسان ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل فرماتا ہے جب میرا بندہ کسی معصیت کا ”ہم“ (مثلاً ۹۹ فیصد) ارادہ کرے تو اس کو نہ لکھو اور جب وہ اس معصیت کا ارتکاب کرے تو اس کی ایک معصیت لکھ دو اور جب وہ کسی نیکی کا ”ہم“ (مثلاً ۹۹ فیصد ارادہ) کرے اور اس نیکی کو نہ کرے (تو پھر بھی) اس کی ایک نیکی لکھ دو اور جب وہ اس نیکی کو کر لے تو اس کی دس نیکیاں لکھ دو ایک اور سند سے یہ روایت ہے کہ دس سے سات سو تک نیکیاں لکھ دو۔

اس حدیث کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے ”شرح صحیح مسلم“ کی جلد اول میں کی ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو

أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً مِّمَّ مَتَّعُوهُنَّ عَلَىٰ الْمَوْسِمِ

یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو تو نکاح برائے

قَدَرُهُ وَعَلَىٰ الْمُقْتَرِدِ رَهْمَتُهُ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَىٰ

موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے اتنا دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا جتنی کرنے

الْمُحْسِنِينَ ۝ وَإِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ

والوں پر (ان کا) حق ہے O اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی

وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا

دو آں حالیکہ تم اس کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے البتہ

أَنْ يَعْفُوا أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَنْ

عورتیں کچھ چھوڑ دیں یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے (تو درست ہے) اور تمہارا

تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ

زیادہ ادا کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تم ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرنے کو فراموش نہ کرو بے شک

اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

اللہ تمہارے کیے ہوئے کاموں کو دیکھنے والا ہے O

غیر مدخولہ کے مہر اور متاع کی ادائیگی کا بیان

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے عورت کی عدت کے مفصل احکام بیان فرمائے تھے اور اس کے ضمن میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ مردوں کے حقوق عورتوں سے زیادہ ہیں اور عدت طلاق ہو یا عدت وفات اس کے نتیجے میں عورت کے مہر کی ادائیگی مرد پر واجب ہو جاتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں مہر کے بعض احکام بیان فرمائے جس عورت کو مہر شرت سے پہلے طلاق دے دی گئی اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہے جس کا نکاح کے وقت کوئی مہر مقرر نہیں کیا گیا اور دوسری وہ ہے جس کا نکاح کے وقت مہر مقرر کیا گیا ہو اول الذکر کو شوہر اپنی حیثیت کے مطابق کچھ استعمال کی چیزیں دے دے اور ثانی الذکر کو نصف

مہر ادا کرنا لازم ہے الا یہ کہ عورت نصف مہر سے بچھ رقم معاف کر دے یا نوہر نصف مہر سے زائد ادا کرے اور شوہر کا نصف مہر سے زائد ادا کرنا مکارم اخلاق کے زیادہ فریب ہے غیرہ خواہ کو اختیار کی کچھ چیزیں یا نصف مہر ادا کرے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ مباشرت سے پہلے فوراً اس کو طلاق دے اس کے مسہل پر اثر پڑے گا اور اس قدر جلد طلاق دینے سے بچھ بگڑیاں ہوں گی اور اس کے لیے جو نکاح کے مزید پیغام آنے ہیں ان میں کمی ہوئی تو اس کی انگ شکی اور غلطی کے لیے اس کے واسطے نصف مہر کو لازم کیا گیا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نکاح سے پہلے مہر کو مقرر نہ کیا جائے تو نکاح بھری بھی صحیح ہے تاہم اس صورت میں مہر مثل ادا کرنا لازم ہوتا ہے یعنی اس جیڑ کی یا اس لڑکی سے خندان میں جتنے مہر کو مقرر کرتے کا رواج ہوا تھا مہر ادا کیا جائے۔

مطلقہ کی متاع کی مقدار میں ائمہ مذاہب کی آراء

امام ابن جریر اپنی سند سے ساتھ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ متاع کی متاع میں اہل درجہ یہ ہے کہ ایک خادم دیا جائے اس سے کم درجہ یہ ہے کہ چاندی دی جائے اور اس سے کم یہ ہے کہ کپڑے دیے جائیں۔
شافعی نے کہا متوسط مطلقہ کی متاع دو پٹے قمیص چادر اور ملحقہ ہے

(جامع البیان ج ۲ ص ۲۳۸ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ہمدانی شافعی نے لکھا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک مطلقہ کی متاع حاکم کے اجتہاد پر موقوف ہے

(المکمل والحق ج ۱ ص ۳۰۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں امام احمد کے س میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ حاکم کے اجتہاد پر موقوف ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جتنے کپڑوں کے ساتھ عورت نماز ادا کر سکے وہ مطلقہ کی متاع ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں امام مالک نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک مطلقہ کی متاع کی کوئی معین مقدار نہیں ہے قابل متاع کی کوئی حد ہے نہ کثیر کی اور ائمہ کا اس کی حد میں اختلاف ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۰۱ مطبوعہ انتشارات ماسر فسر و امیران ۱۳۸۷ھ)

علامہ علاء الدین ہسکفی حنفی لکھتے ہیں جس عورت سے بلا مہر نکاح کیا گیا ہو اور مباشرت سے پہلے اس کو طلاق دے دی گئی ہو اس کو متاع دینا واجب ہے اور یہ قمیص دوپٹہ اور ملحقہ ہے (سر سے قدم تک اوڑھنے والی چادر علامہ شامی نے لکھا ہے اس کے ساتھ ازار بھی ضروری ہے۔) یہ متاع نصف مہر مثل سے زائد نہیں ہونی چاہیے خواہ زوج خوشحال ہو اور نہ پانچ درہم سے کم ہو تنگ دستی اور خوشحالی میں عورت کے حال کا اعتبار کیا جائے گا اس کے سوا باقی مطلقہ عورتوں کے لیے متاع مستحب ہے البتہ جس عورت کا مہر مقرر کیا گیا ہو اور اس کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی گئی اس کے لیے متاع کو دینا مستحب نہیں ہے۔ مطلقات کی چار قسمیں ہیں مطلقہ کا مہر پہلے مقرر کیا گیا تھا یا نہیں اور ہر تقدیر پر مباشرت سے پہلے طلاق دی گئی یا مباشرت کے بعد سو جس کا مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا اور اس کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی گئی اس کو متاع دینا واجب ہے اور باقی قسموں کی مطلقات کو متاع دینا مستحب ہے علامہ ہسکفی نے لکھا ہے کہ جس مطلقہ کا مہر مقرر کیا گیا ہو اور اس کو طلاق سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اس کو متاع دینا مستحب نہیں ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ بسوط محیط کنز اور ملتقی وغیرہ میں لکھا ہے کہ اس کو بھی متاع دینا مستحب ہے اور یہی صحیح ہے۔

(در مختار علی حاشیہ المیزان ج ۲ ص ۳۳۶-۳۳۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مطلقہ کی متاع کے شرعی حکم کے متعلق ائمہ مذاہب کی آراء

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں مطلقہ کی متاع کے شرعی حکم میں صحابہ کرام، فقہاء تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے حضرت علیؓ، ابن بصری، ابو العالیہ اور زہری کا مذہب یہ ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے متاع واجب ہے حضرت ابن عمرؓ، قاسم بن محمد شریح اور ابراہیم کا یہ نظریہ ہے کہ جس مطلقہ کا مہر مقرر کیا گیا ہو اور مباشرت سے پہلے اس کو طلاق دے دی گئی ہو اس کے ساتھ ہر مطلقہ کے لیے متاع واجب ہے اور اس مطلقہ کے لیے نصف مہر واجب ہے امام اوزاعی، ثوری، امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اس کے لیے متاع واجب ہے اور اگر اس کے ساتھ مباشرت کی گئی ہو تو پھر اس کو متاع نہیں دی جائے گی۔ امام مالک، لیث بن سعد، حنم اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک متاع مستحب ہے اور کسی عورت کے لیے واجب نہیں ہے خواہ اس عورت کا مہر مقرر کیا گیا ہو یا نہیں اور اس کے ساتھ مباشرت کی گئی ہو یا نہیں۔ (رد المسیر ج ۱ ص ۲۸۰ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ماوردی شافعی نے لکھا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کو دخول سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اس کو متاع دینا واجب ہے۔ (الکت والعیون ج ۱ ص ۳۰۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی لکھتے ہیں:

ہمارے علماء کے نزدیک مطلقہ کی متاع واجب نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے متاع کی مقدار بیان نہیں فرمائی بلکہ اس کو دینے والے کے اجتہاد پر معلق فرمایا، ثانیاً اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ" (البقرہ ۲۳۶) یہ محسنین پر واجب ہے اگر مطلقہ کی متاع واجب ہوتی تو مطلقاً تمام مسلمانوں پر واجب ہوتی۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۲۸۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۸ھ)

متاع کے وجوب پر فقہاء احناف کے دلائل

علامہ ابوبکر رازی بھاسنی لکھتے ہیں امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کے نزدیک جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کو دخول سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اس کو متاع دینا واجب ہے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فَمَتَّعُوْهُنَّ اِنْ كُنَّ مَتَّعْتُمْ"۔ یہ امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے الا یہ کہ اس کے خلاف انتخاب پر کوئی دلیل قائم ہو اور وہ یہاں نہیں ہے نیز فرمایا: "وَلَنْ تُمْكِنُوْهُنَّ اِلَّا بِالْمَعْرُوْفِ" (البقرہ ۲۳۱) دستور کے مطابق متاع مطلقات کی ملکیت ہے کیونکہ لام تملیک کے لیے ہے اور جو چیز کسی کی ملکیت اور اس کا حق ہو اس کا ادا کرنا واجب ہوتا ہے اور تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ" اور "حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ" یہ وجوب کی تاکید ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۲۴۸ مطبوعہ مکتب اکیڈمی الہ آباد ۱۴۰۰ھ)

متاع کے وجوب کے خلاف فقہاء مالکیہ کے دلائل کے جوابات

علامہ ابن عربی مالکی نے جو یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر متاع واجب ہوتی تو ہر مسلمان پر واجب ہوتی صرف متقین اور محسنین پر واجب نہ ہوتی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وجوب کی تاکید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ متاع محسنین اور متقین پر حق ہے اور حق سے زیادہ اور کوئی وجوب کے لیے مؤکد نہیں ہے جس طرح "ہُدًى لِلْمُتَّقِينَ" سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن مجید تمام مسلمانوں کے لیے ہدایت نہ ہو اسی طرح "حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ" سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلقہ کی متاع ہر مسلمان پر

واجب نہ ہو نیز اس کا معنی ہے: جو تقویٰ اور احسان کی طرف رجوع کرنے والا ہو اور ہر مسلمان تقویٰ اور احسان کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔ باقی یہ جو کہا ہے کہ اگر مترع واجب ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کی مقدار کا بیان فرماتا اس کا جواب یہ ہے کہ مال و دولت کے لحاظ سے لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں اس لیے تمام مسلمانوں کے لیے ایک مقدار معین نہیں کی جاسکتی اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے خوشحالی پر (یہ مترع) اس کے (حال کے) موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے موافق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے (تو درست ہے)۔ (البقرہ ۲: ۲۳۷)

نکاح کی گرہ کا مالک شوہر ہے یا عورت کا دلی؟

اس میں اختلاف ہے کہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اس سے مراد شوہر ہے یا عورت کا دلی اگر اس سے مراد شوہر ہو تو اس آیت کا وہ معنی ہوگا جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے اور اگر اس سے مراد عورت کا دلی ہو تو معنی یہ ہوگا البتہ عورتیں (نصف مہر سے) کچھ معاف کر دیں یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے یعنی دلی وہ کچھ معاف کر دے۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اس سے مراد شوہر ہے اور امام مالک کے نزدیک اس سے مراد عورت کا دلی ہے۔

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اس سے دلی کے مراد ہونے پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا البتہ عورتیں (نصف مہر سے) کچھ معاف کر دیں اور یہ بات معلوم ہے کہ ہر عورت اپنے مہر کو معاف نہیں کر سکتی کیونکہ صغیرہ اور مجنونہ اپنے حقوق میں خود تصرف نہیں کر سکتی اس کے حق میں اس کا دلی تصرف کرتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے ذکر کے بعد اس کے دلی کا ذکر فرمایا یعنی جس کو وہ معاف کر سکتی ہیں وہ معاف کر دیں اور جس کو وہ معاف نہیں کر سکتیں اس کو ان کا دلی معاف کر دے۔ (الجامع ۱۱ احکام القرآن ج ۳ ص ۲۷۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

علامہ قرطبی کی یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ دلی یعنی لڑکی کے باپ کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ لڑکی کے مال سے کسی کو کوئی چیز ہبہ کرے خود کو نہ کسی اور کو نیز جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ صرف شوہر ہے اسی کو اختیار ہے کہ وہ نکاح پر برقرار رہ کر نکاح کی گرہ کو قائم رکھے یا طلاق دے کر نکاح کی گرہ کو کھول دے اور لڑکی کے دلی کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ مطلق نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ علامہ ابو بکر بھٹائی نے اسی طرح لکھا ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۴۰ مطبوعہ تہذیبی اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

شوہر کے حق میں عقد نکاح کی ملکیت پر جمہور کے دلائل

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اس کے مصداق کے متعلق تین قول ہیں

(۱) حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت جبیر بن مطعم، ابن المسیب، ابن جبیر، مجاہد، شریح، جابر بن زید، نضاک، محمد بن کعب القرظی، الربیع بن انس، ابن شبرمہ، امام شافعی، امام احمد، امام ابو حنیفہ اور دیگر فقہاء رضی اللہ عنہم کا مسلک یہ ہے کہ اس سے مراد شوہر ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس، حسن، علقمہ، طاؤس، شعیب، ابراہیم اور دیگر حضرات کا یہ نظریہ ہے کہ اس سے مراد دلی ہے۔

(۳) عورتوں کا معاف کرنا شادی شدہ عورتوں پر محمول ہے اور اگر لڑکی کنواری ہو تو پھر اس کا دلی معاف کرے گا یہ بھی حضرت ابن عباس اور ابوالشعراء سے منقول ہے۔

ان تینوں اقوال میں پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ نکاح کے بعد نکاح کی گرہ دلی کے ہاتھ سے نکل کر خاوند کے ہاتھ میں آگئی اور معاف کرنے کا تعلق اس چیز کے ساتھ ہے جو انسان کی ملکیت میں ہو اور مہر دلی کی ملکیت میں نہیں ہے تو وہ اس کو

معاف کرنے کا بھی مالک نہیں ہے نیز اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور تم ایک دوسرے کے ساتھ نفی کرنے میں (ہر کرنے) کو فراموش نہ کرو اور انسان اپنے مال سے کو کوئی چیز ہر کر سکتا ہے دوسرے کے مال سے کوئی چیز یہ نہیں کر سکتا ہذا سیاق و سباق کے اعتبار سے یہاں شوہر کو مرد لہجائی صیح سے (دارالامیر ج ۱ ص ۲۸۱) مایہود کا لفظ لینی ہر دے (۲۰۷) شوہر کے حق میں عقد نکاح کی ملکیت کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین بیہقی نے اس آیت میں شوہر کے مراد ہونے پر متعدد روایات بیان کی ہیں بعض ازاں یہ ہیں امام بن جریر امام ابن ابی حاتم امام طبرانی اور امام بیہقی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ شوہر ہے۔ امام ابن ابی شیبہ امام عبد بن حمید امام ابن جریر امام ابن ابی حاتم امام دارقطنی اور امام بیہقی نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ شوہر ہے۔ امام ابن ابی شیبہ امام ابن حمید امام ابن جریر اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ شوہر ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے سعید بن جبیر مجہد شحاک شریح ابن المسیب اشعری نافع اور محمد بن کعب سے روایت کیا ہے کہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ شوہر ہے۔

امام عبد الرزاق نے ابن المسیب سے روایت کیا ہے کہ زواج کا غنویہ ہے کہ وہ پورا مرد ہے اور بیوی کا غنویہ ہے کہ وہ نصف مہر معاف کر دے۔ (دارالامیر ج ۱ ص ۲۸۲) مایہود لکھتے آیت اللہ العظمیٰ (رحمہ اللہ)

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ

تمام نمازوں کی پابندی کرو اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی اور اللہ کے سامنے ادب سے

قِيَتِينَ ﴿۲۳۸﴾ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ

قیام کرو ۰ پس اگر تم حالت خوف میں ہو تو پیدل چلتے ہو یا سواری پر (نماز پڑھ لو) پھر جب خوف جاتا رہے تو پھر

فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۹﴾ وَالَّذِينَ

اسی طرح اللہ کا ذکر کرو جس طرح اس نے تمہیں سکھایا ہے جس کو تم نہیں جانتے تھے ۰ اور تم میں سے جو لوگ

يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ

مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت

مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ

کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور (گھر سے) نکال نہ جائے پھر اگر وہ خود نکل جائیں

عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْتُمْ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ

تو تم پر (ان کے) اس کام کا کوئی گناہ نہیں ہے جو انہوں نے دستور کے مطابق کیا ہے اور اللہ

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۳۲﴾ وَلِلَّهِ مَلَأَتْ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا

بہت عاب بڑی حکمت والا ہے O اور مملوئے غوثوں کے لیے دستور کے مطابق متاع ہے جو اللہ

عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۲۳۱﴾ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ

سے ڈرنے والوں پر واجب ہے O اسی طرح اللہ تمہارے لیے آئی آیات کو بیان فرماتا ہے

تَعْقِلُونَ ﴿۲۳۲﴾

تاکہ تم سمجھو O

۲۳۲

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ یا زوجہ نصف مہر سے کچھ مقدار معاف کر دے یا شوہر اس کو پورا مہر ادا کر دے اور فرمایا تھا کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ احسان اور نیکی کرنے کو فراموش نہ کرو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نمازوں پر پابندی اور مداومت کرنے کا حکم دیا کہونکہ نماز انسان کو بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے اور اس کو نیکی اور اچھالی کے کاموں پر راہنہ کرتی ہے اور قدر واجب سے زیادہ دینا بھی اچھالی کا کام ہے نیز پہلی آیت میں مخلوق پر شفقت کا حکم تھا اور اس آیت میں اللہ کی عظیم کا حکم ہے تاکہ انسان حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی رعایت کرے نیز اس آیت سے بھی اللہ تعالیٰ نے اہل و عیال کے احکام بیان کیے اور اس آیت کے بعد پھر عائلی احکام بیان فرمائے اور درمیان میں پابندی اور دوام کے ساتھ نماز پڑھنے کا ذکر فرمایا اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ بیوی بچوں کے ساتھ تعلق محبت اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں اس قدر مشغول نہ ہو جانا کہ اپنے مولیٰ کے حقوق کی ادائیگی کو بھول جاؤ اور امور خانہ داری اور دیار داری میں اس قدر منہمک نہ ہو جاؤ کہ نمازوں کے اوقات میں بھی بیوی بچوں کے گورکھ دھندوں میں پڑے رہو اور یاد خدا کو بالکل فراموش کر بیٹھو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ
ذِكْرِ اللَّهِ ۖ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۹﴾
اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں
اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جنہوں نے ایسا کیا تو وہی
لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں O (النفاق: ۹)

نماز کی حفاظت کا معنی یہ ہے کہ نماز کو اس کے مستحب وقت میں پڑھا جائے اور یہ کوشش کی جائے کہ نماز میں کسی قسم کا سہو اور نقصان واقع نہ ہو۔

حفاظت نماز کی تاکیدات اور نماز میں سستی اور اس کو ترک کرنے پر وعیدات

حافظہ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام بخاری امام مسلم اور امام نسائی حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ

دِلم کے پس آ کر عرض کیا مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت کے قریب اور دوزخ سے دور کر دے آپ نے فرمایا اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ ٹریک نہ کرو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رشتہ داروں سے ایک ملوک کرو جب وہ شخص چاہا تو آپ نے فرمایا اگر اس شخص نے اس پر عمل کیا تو جنت میں داخل ہو جائے گا۔

امام ابو بعلی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے دین کی جس چیز کو سب سے پہلے لوگوں پر فرض کیا وہ نماز ہے اور جو چیز سب سے آخر میں باقی رہی وہ نماز ہے اور سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے بندوں کی نمازوں کو دیکھو اگر وہ مکمل ہوں تو عمل لکھ دی جائیں گی اور اگر وہ ناقص ہوں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھو کیا اس کے نوافل ہیں؟ اگر اس کے نوافل ہوں گے تو فرائض کی کمی نوافل سے پوری کر دی جائے گی پھر فرمائے گا دیکھو اس کی زکوٰۃ پوری ہے؟ اگر زکوٰۃ پوری ہو تو پوری لکھ دی جائے گی اور اگر ناقص ہو تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھو اس نے کوئی صدق کیا ہے؟ اگر اس نے صدق کہا ہو گا تو اس صدق سے اس کی زکوٰۃ پوری کر دی جائے گی۔

امام طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جس چیز کا سب سے پہلے بندے سے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اگر نماز درست ہو تو باقی عمل بھی درست ہوں گے اور اگر نماز فاسد ہو تو باقی عمل بھی فاسد ہوں گے۔

امام طبرانی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص امانت دار نہ ہو اس کا کوئی ایمان نہیں جس کا وضو نہ ہو اس کی کوئی نماز نہیں اور جس کی نماز نہ ہو اس کا کوئی دین نہیں دین میں نماز ایسی ہے جیسے جسم میں سر ہے۔

امام بزار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی نماز نہ ہو اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

امام طبرانی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جو شخص پانچ نمازیں لے کر آیا جن کے وضو ان کے اوقات اور ان کے رکوع اور سجود کی اس نے حفاظت کی ہوئی ہو اس شخص کے ساتھ اللہ کا عہد ہے کہ وہ اس کو عذاب نہیں دے گا اور جس نے اس میں سے کسی چیز میں کمی کی اس کے ساتھ اللہ کا کوئی عہد نہیں ہے اگر اللہ چاہے تو اس پر رحم فرمائے اور چاہے تو اس کو عذاب دے۔

امام طبرانی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے تین چیزوں کی حفاظت کی وہ یقیناً (اللہ کا) ولی ہے اور جس نے ان کو ضائع کیا وہ یقیناً (اللہ کا) دشمن ہے نماز روزہ اور جنابت۔

امام طبرانی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے وقت میں نماز پڑھی اور اس کے لیے مکمل وضو کیا اور نماز کے قیام خشوع رکوع اور سجود کو پوری طرح ادا کیا تو وہ نماز سفید اور روشن ہوگی اور اس شخص سے کہے گی اللہ تیری بھی اسی طرح حفاظت کرے جس طرح تو نے میری حفاظت کی ہے اور جس نے وقت نکلنے کے بعد نماز پڑھی اس کے لیے مکمل وضو نہیں کیا اور نہ اس کے خشوع رکوع اور سجود کو پوری طرح ادا کیا وہ نماز سیاہ اندھیری ہوگی اور کہے گی اللہ تجھے بھی اسی طرح ضائع کرے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا ہے حتیٰ کہ جب اللہ چاہے گا اس نماز کو پرانے کپڑے میں لپیٹ کر اس شخص کے منہ پر مار دے گا۔

امام احمد طبرانی اور امام ابن مردودہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ہم ظہر کی نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ ہم نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا: تمہارا رب یہ فرماتا ہے کہ جس شخص نے نماز اپنے وقت میں پڑھی اس کی حفاظت کی اور اس کے حق کو معمولی سمجھ کر ضائع نہیں کیا اس کے ساتھ میرا یہ عہد ہے کہ میں اس کو جنت میں داخل کروں گا اور جس شخص نے نماز اپنے وقت میں نہیں پڑھی اس کی حفاظت نہیں کی اور اس کے حق کو معمولی جان کر ضائع کیا اس کے ساتھ میرا کوئی عہد نہیں ہے اگر میں چاہوں تو اس کو عذاب دوں اور اگر میں چاہوں تو اس کو معاف کر دوں۔

امام دارمی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی چابی نماز ہے۔

امام دیلمی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نماز دین کا ستون ہے۔

امام بیہقی نے ”شعب الایمان“ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کون سی چیز دین میں سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز کو اپنے وقت میں پڑھنا جس شخص نے نماز کو ترک کیا اس کا کوئی دین نہیں نماز دین کا ستون ہے۔

امام ابن ماجہ امام ابن حبان امام حاکم صحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی اپنی سنن میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مستقیم رہو اور تم ہرگز نہ رہ سکو گے اور جان لو کہ تمہارا بہترین عمل نماز ہے اور مومن کے سوا اور کوئی شخص ہمیشہ با وضو ہرگز نہ رہ سکے گا۔

امام مسلم امام ابو داؤد امام نسائی اور امام ابن ماجہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ وہ کل اللہ سے حالت اسلام میں ملاقات کرے اسے چاہیے کہ جب ان نمازوں کی اذان ہو تو وہ ان کی حفاظت کرے۔ امام ابو داؤد کی روایت یہ ہے کہ جب اذان ہو تو پانچوں نمازوں کی حفاظت کرو کیونکہ جماعت سنن الہدیٰ میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے سنن الہدیٰ کو مشروع کیا ہے اور ہمارے عہد میں منافق کے سوا اور کوئی جماعت کو نہیں چھوڑتا تھا اور ہم نے دیکھا ہے کہ ایک آدمی دو آدمیوں کے ہمارے سے چل کر صف میں جا کر کھڑا ہوتا تھا اور ہر شخص کے لیے اس کے گھر میں نماز کی جگہ ہوتی ہے اور اگر تم نے اپنے گھر میں نماز پڑھی اور اپنی مسجدوں کو چھوڑ دیا تو تم اپنے نبی کی سنت کو ترک کرو گے اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت کو ترک کیا تو تم کافر ہو جاؤ گے۔

اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بہ طور استخفاف یا بہ طور ابانت ترک کیا وہ کافر ہو جائے گا یا کفر بہ معنی کفرانِ نعمت ہے۔

امام ترمذی امام نسائی امام ابن ماجہ اور امام حاکم صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن بندہ کے عمل سے جس چیز کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ اس کی نماز ہے اگر وہ صحیح ہوئی تو وہ کامیاب اور کامران ہو گیا اور اگر وہ فاسد ہوئی تو وہ ناکام اور نامراد ہو گیا اور اگر اس کے فریضہ میں کچھ کمی ہوئی تو رب فرمائے گا دیکھو میرے بندہ کا کوئی نقص ہے جس سے اس کا فرض پورا کیا جائے پھر باقی اعمال کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا۔

امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت ابو الطفیل عامر بن داؤد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص لوگوں کی ایک

جماعت کے پاس سے گزرا اور ان کو سلام کیا لوگوں نے اس کے سلام کا جواب دیا جب وہ گزر گیا تو ان میں سے ایک شخص نے کہا: یہ خدا! میں اس شخص سے اللہ کے لیے بغض رکھتا ہوں لوگوں نے کہا: تم نے بہت بُری بات کی ہے اے فلاں شخص! چوہ اس کو بلا کر لاؤ وہ شخص اس کو بلا کر لے آیا اور اس کو بتایا کہ اس کے متعلق کیا کہا گیا ہے وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور کہا: یا رسول اللہ! میں مسلمانوں کی ایک مجلس کے پاس سے گزرا میں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا جب میں چلا گیا تو ایک شخص نے میرے متعلق کہا: میں اللہ کے لیے اس شخص سے بغض رکھتا ہوں۔ یا رسول اللہ! اس شخص کو بلائیے اور اس سے بغض کی وجہ معلوم کیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلایا تو اس نے اعتراف کیا کہ اس نے یہ کہا تھا اس نے کہا: یہ شخص میرا پڑوسی ہے یہ خدا! میں نے اس کو فرض نماز کے سوا اور کوئی نماز پڑھتے نہیں دیکھا جس کو ہر نیک اور بد پڑھتا ہے اس نے کہا: یا رسول اللہ! اس سے پوچھئے کبھی میں نے نماز کو وقت سے مؤخر کر کے پڑھا یا اس کے وضو میں کوئی کمی یا رکوع اور سجود میں کوئی کوتاہی کی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا: نہیں پھر اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اس شخص کو رمضان کے سوا اور کوئی روزہ رکھتے نہیں دیکھا جس مہیت میں ہر نیک اور بد روزہ رکھتا ہے اس نے کہا: یا رسول اللہ! اس سے پوچھئے میں نے کبھی روزہ کے حق میں کوئی کوتاہی یا کمی کی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا: نہیں پھر اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے زکوٰۃ کے سوا اس کو کبھی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور زکوٰۃ تو ہر نیک و بد ادا کرتا ہے اس نے کہا: یا رسول اللہ! اس سے پوچھئے میں نے کبھی زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی یا کمی کی؟ اس نے کہا: نہیں آپ نے فرمایا: اٹھو! یہ تم سے بہتر ہے۔

امام طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا: اسلام کا کون سا درجہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز اور جس نے نماز نہیں پڑھی اس کا کوئی دین نہیں۔

امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام مسلم، امام نسائی اور امام ابن ماجہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان وراس کے کفر کے درمیان نماز کا ترک کرنا ہے۔

امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابن حبان اور امام حاکم حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور ان کے درمیان نماز کا عہد ہے جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔

امام طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میرے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سات چیزوں کی نصیحت کی: فرمایا اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہ کرو خواہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا تم کو جدا دیا جائے یا تم کو سولی پر چڑھا دیا جائے اور نماز کو عہد اترک نہ کرو کیونکہ جس نے عہد نماز کو ترک کیا وہ ملت اسلام سے نکل گیا اور معصیت کا ارتکاب نہ کرو کیونکہ اس میں اللہ کی ناراضگی ہے اور شراب نہ پو کیونکہ یہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نماز کے سوا اور کسی چیز کے ترک کو کفر نہیں کہتے تھے۔

امام طبرانی، حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کفر اور ایمان کے درمیان نماز ہے جس نے نماز کو ترک کیا اس نے شرک کیا۔

امام بزار اور امام طبرانی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب ان کی آنکھوں میں تکلیف ہوگئی

تو ان سے کہا گیا کہ ہم آپ کا علاج کرتے ہیں آپ چند دن نماز چھوڑ دیں حضرت ابن عباس نے فرمایا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے نماز چھوڑ دی وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ اس پر غصہ ناک ہوگا۔ امام ابن ہبان حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص نے دن جلدی نماز پڑھ لو کیونکہ جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔

امام ابی ہانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز کو ترک کیا اللہ اس کے عمل کو ضائع کر دیتا ہے اور اس کا ذمہ اللہ سے بری ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ سے توبہ کر لے۔

امام ابن ابی شیبہ نے "مصنف" میں اور امام بخاری نے اپنی "تاریخ" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جس نے نماز نہیں پڑھی وہ کافر ہے اور ایک روایت ہے اس نے کفر کیا۔

امام مالک نے نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے اپنے عمال کی طرف لکھا کہ میرے نزدیک تمہارے کاموں میں سب سے اہم کام نماز ہے۔ جس نے نماز کی حفاظت کی اس نے اپنے دین کی حفاظت کی اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ باقی دین کو زیادہ ضائع کرنے والا ہے۔

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بغیر عذر کے دو نمازوں کو جمع کیا اس نے گناہ کبیرہ کیا۔

امام نسائی اور امام ابی حبان نے حضرت نوفل بن معاویہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی ایک نماز فوت ہو گئی گویا اس کے اہل اور مال ہلاک ہو گئے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۹۸ — ۲۹۹ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ العلمیہ ایران)

صلوۃ وسطیٰ کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ آلوسی حنفی بیان کرتے ہیں صلوۃ وسطیٰ (درمیان نماز) کی تعیین میں متعدد اقوال ہیں

- (۱) اس سے مراد ظہر کی نماز ہے کیونکہ یہ دن کے وسط میں پڑھی جاتی ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔
- (۲) اس سے مراد عصر کی نماز ہے کیونکہ یہ دن کی دو نمازوں اور رات کی دو نمازوں کے درمیان پڑھی جاتی ہے حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ حسن اور متعدد صحابہ اور فقہاء کا یہی نظریہ ہے امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے۔
- (۳) اس سے مراد مغرب کی نماز ہے کیونکہ یہ چار رکعت اور دو رکعت کی نمازوں کے درمیان متوسط ہے حضرت قبیصہ بن ذویب کا یہی نظریہ ہے۔

(۴) اس سے مراد عشاء کی نماز ہے کیونکہ یہ مغرب اور فجر کی نمازوں کے درمیان ہے جن میں قصر نہیں ہے۔

(۵) اس سے مراد فجر کی نماز ہے کیونکہ یہ دن اور رات کی نمازوں کے درمیان ہے نیز یہ وہ منفرد نماز ہے جو دوسری نماز کے ساتھ ملا کر نہیں پڑھی جاتی۔ حضرت معاذؓ حضرت جابرؓ عطاءؓ عکرمہؓ اور مجاہدؓ کا یہی قول ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وتر ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد چاشت کی نماز ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عید الفطر ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عید الاضحیٰ ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تہجد ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نماز جمعہ ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد جماعت کے ساتھ نماز ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد صلوۃ خوفیہ ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی اقوال ہیں۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۱۵۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

زیادہ تر احادیث میں عصر کی نماز کو صلوٰۃ وسطیٰ کہا گیا ہے اور ظہر اور فجر کی نماز کے متعلق بھی احادیث ہیں ہم انصار کے ساتھ ان احادیث کا بیان کریں گے۔ فقہ قول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانة یالیق
فجر کی نماز کے صلوٰۃ وسطیٰ ہونے کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں امام مالک نے ”موطا“ میں لکھا ہے کہ میں حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ صلوٰۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے اس حدیث کو امام شافعی نے بھی اپنی ”سنن“ میں روایت کیا ہے۔

امام ابن جریر نے ابو العالیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے بھرہ کی جامع مسجد میں صبح کی نماز پڑھائی اور رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھی اور فرمایا: وہ صلوٰۃ وسطیٰ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔
 امام سعید بن منصور نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا صلوٰۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے جس کو اندھیرے میں پڑھا جاتا ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے۔
 امام ابن ابی شیبہ نے حبان ازدی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر نے فرمایا: صلوٰۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے۔
 (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۰۱ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

ظہر کی نماز کے صلوٰۃ وسطیٰ ہونے کے متعلق احادیث

امام طبرانی نے ”معجم اوسط“ میں ثقہ راویوں کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ صلوٰۃ وسطیٰ کون سی نماز ہے تو انہوں نے کہا: ہم یہ کہتے تھے کہ صلوٰۃ وسطیٰ وہ نماز ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی طرف متوجہ کیا گیا اور وہ ظہر کی نماز ہے۔

امام احمد امام بخاری نے اپنی ”تاریخ“ میں امام ابو داؤد امام ابن جریر امام طحاوی امام ابو یعلیٰ امام طبرانی اور امام بیہقی نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز دو پہر میں پڑھتے تھے اور یہ نماز آپ کے اصحاب پر سب سے زیادہ دشوار تھی تب یہ آیت نازل ہوئی ”حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ“ (بقرہ ۲۳۸)
 نیز اس نماز سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں۔

امام سیاحی امام ابن ابی شیبہ نے ”مصنف“ میں امام بخاری نے اپنی ”تاریخ“ میں امام ابن ابی حاتم امام ابو یعلیٰ اور امام بیہقی نے زہرہ بن معبد سے روایت کیا ہے کہ ہم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو لوگوں نے حضرت اسامہ کے پاس کسی کو بھیجا اور ان سے صلوٰۃ وسطیٰ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: یہ ظہر کی نماز ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو پہر کے وقت پڑھتے تھے۔

امام نسائی اور امام طبرانی نے زہری کی سند سے روایت کیا ہے کہ سعید بن مسیب نے کہا میں لوگوں کے پاس بیٹھا تھا وہ اس میں بحث کر رہے تھے کہ صلوٰۃ وسطیٰ کون سی نماز ہے؟ میں ان میں سب سے کم سن تھا۔ انہوں نے مجھے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تا کہ میں ان سے معلوم کروں کہ صلوٰۃ وسطیٰ کون سی نماز ہے؟ میں نے ان کے پاس جا کر پوچھا تو انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ظہر کی نماز دو پہر میں پڑھاتے تھے لوگ اس وقت گھروں میں سوئے ہوئے ہوتے تھے اور بازاروں میں ہوتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک صف یا دو صفیں ہوتی تھیں تو یہ آیت نازل

ہوئی۔ ”حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ“ (البقرہ ۲۳۸) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ باز آجائیں ورنہ میں ان کے گھروں میں آگ لگا دوں گا۔

امام ابن جریر نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صلوٰۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے۔

امام بیہقی اور امام ابن عساکر نے حضرت سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا کہ صلوٰۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے پھر وہاں سے حضرت ابن عمر کا گزر ہوا تو لوگوں نے حضرت ابن عمر سے معلوم کیا انہوں نے کہا: صلوٰۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اور امام ابن ابی شیبہ نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے۔ (جامع ابی یوسف ج ۱ ص ۳۰۲-۳۰۱ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)
عصر کی نماز کے صلوٰۃ وسطیٰ ہونے کے متعلق احادیث

امام عبد الرزاق، امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابن جریر اور امام بیہقی زر سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: عبیدہ سے کہو کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نماز وسطیٰ کے متعلق سوال کریں انہوں نے سوال کیا تو حضرت علی نے جواب دیا ہم یہ خیال کرتے تھے کہ صلوٰۃ وسطیٰ فجر کی نماز ہے حتیٰ کہ میں نے جنگ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ان کے ساتھ (جنگ میں) مشغول رہنے کی وجہ سے ہم صلوٰۃ وسطیٰ عصر نہیں پڑھ سکے اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو اور ان کے پیوں کو آگ سے بھر دے۔

امام عبد الرزاق، امام ابن ابی شیبہ، امام مسلم، امام نسائی اور امام بیہقی شیخ بن شکر سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صلوٰۃ وسطیٰ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا: ہمارا خیال یہ تھا کہ یہ صبح کی نماز ہے حتیٰ کہ میں نے جنگ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا اللہ تعالیٰ ان کے گھروں کو اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے کیونکہ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ پڑھنے سے مشغول کر دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غروب آفتاب تک ظہر اور عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی۔

امام ابن ابی شیبہ، امام ترمذی اور امام ابن حبان نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صلوٰۃ وسطیٰ نماز عصر ہے۔

امام ابن جریر، امام ابن المنذر اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے دن فرمایا انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ پڑھنے سے مشغول کر دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو اور ان کے پیوں کو آگ سے بھر دے۔

امام طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ عصر پڑھنے سے محروم کر دیا اللہ تعالیٰ ان کے پیوں کو اور ان کے داؤں کو آگ سے بھر دے۔

امام احمد، امام ابن جریر اور امام طبرانی نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ“ (البقرہ ۲۳۸) اور ہمارے لیے صلوٰۃ وسطیٰ کا نام صلوٰۃ عصر رکھا۔

امام عبد الرزاق نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس

شخص کی عصر کی نماز فوت ہو گئی گویا اس کے اہل اور مال ہلاک ہو گئے۔

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں ان سے 'ی' شخص نے صلوٰۃ دسٹلی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا تمام نمازوں کی حفاظت کرو صلوٰۃ دسٹلی انہیں میں سے کوئی ایک ہے۔

(الدر المختار ج ۱ ص ۳۰۵-۳۰۳ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اللہ کے سامنے ادب سے قیام کرو (البقرہ ۲۲۸)

باتیں نہ کرنے اور خضوع اور خشوع سے نماز پڑھنے کا حکم

امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن جریر، امام ابن خزیمہ، امام طحاوی، امام ابن حبان، امام طبرانی اور امام ہیثمی، حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نماز میں باتیں کیا کرتے تھے ہم میں سے ایک شخص اپنے ساتھ نماز میں کھڑے ہوئے شخص سے باتیں کرتا تھا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی "وَقُتُّوا لِقَابِئِئِیْنِ" (البقرہ ۲۲۸) پھر ہمیں نماز میں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور باتیں کرنے سے منع کر دیا گیا۔

امام عبد الرزاق، امام ابن المنذر اور امام ابن جریر نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ پہلے مسلمان نماز میں باتیں کرتے تھے ایک شخص نماز میں اپنے بھائی کو کسی کام کا حکم دیتا تھا پھر یہ آیت نازل ہوئی "وَقُتُّوا لِقَابِئِئِیْنِ" (البقرہ ۲۲۸) پھر ان کو کلام سے روک دیا گیا 'قنوت' کا معنی سکوت ہے اور قنوت کا معنی طاعت ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نماز میں باتیں کیا کرتے تھے ایک شخص نماز میں اپنے ساتھی سے سرگوشی کرتا ہم ایک دوسرے کو سلام کرتے اور جواب دیتے حتیٰ کہ میں ایک دن نماز میں شامل ہوا اور میں نے سلام کیا تو میرے سلام کا کسی نے جواب نہیں دیا مجھے اس سے بہت رنج ہوا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کر لی تو آپ نے فرمایا مجھے تمہارے سلام کا جواب دینے سے اور کوئی چیز مانع نہیں تھی سو اس کے کہ ہمیں نماز میں خاموش کھڑے رہنے اور باتیں نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور قنوت سکوت ہے۔

امام سعید بن منصور، امام ابن جریر، امام اصہبانی اور امام بیہقی نے اس آیت کی تفسیر میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ رکوع، خشوع اور لمبارکوع بھی قنوت کا معنی ہے یعنی طویل قیام کرنا، نظر نیچے رکھنا، بازو جھکائے رکھنا اور اللہ سے ڈرتے رہنا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے فقہاء جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ادھر ادھر التفات کرنے، کنگریاں بنانے، آنکھیں بند کرنے، کسی چیز کے ساتھ کھیلنے یا دنیاوی کاموں کے متعلق غور و فکر کرنے سے اللہ سے ڈرتے تھے۔

امام ابن ابی شیبہ، امام مسلم، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل نماز وہ ہے جس میں طویل قنوت (قیام) ہو۔

امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تھے اور آپ ہمیں جواب دیتے تھے۔ جب ہم نجاشی کے پاس سے واپس آئے ہم نے آپ کو سلام کیا آپ نے ہمیں جواب نہ دیا۔ ہم نے (نماز کے بعد) عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کو سلام کرتے تھے اور آپ جواب دیتے تھے؟ آپ نے فرمایا: نماز میں مشغولیت ہے۔

(الدر المختار ج ۱ ص ۳۰۶ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "مَنْ أَرَمَ حُلَّتْ خُوفٌ مِّنْهُ لَوْ قِيلَ عَلَيْهِ سَوَارِيٌّ" (ممنوعہ ص ۱۰) کہ جب خوف باری
رہے تو پھر ہی طرح ان کا ذکر کرو (خمار پڑھو) اس طرح اس نے تمہیں دکھایا ہے (قرآن ۲۳۹)
چاشنی ثریں اور طبیارہ وغیرہ میں نماز پڑھنے کا بیان

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پانچوں نمازوں کی صفات کا اور ان کو خافہ شی اور خضوع اور خشوع کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا تھا اور انسان کو زندگی میں بعض مرتبہ نماز کے اوقات میں خوف اور خطرہ الگو ہونا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں نماز کا حکم اور اس کا طریقہ بیان فرمایا کہ اگر تم کو نماز کے وقت میں خوف اور خطرہ ہو تو پیدل چلتے ہوئے نماز پڑھو یا سواری پر سوار ہونے کی حالت میں نماز پڑھو اس خوف سے مراد عام ہے خواہ دشمن کا خوف ہو یا درندے کا خوف ہو یا سلاب کا خوف ہو یا کسی ہر وہ امر جس سے اس کی جان کا خوف ہو اس کی وجہ سے پوچھا کہ یہ سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ چلتی ٹرین، بحری جہاز یا ہوائی جہاز میں دورانِ عمر نماز کا وقت آجائے اور پورے وقت میں وہ سواری بستی رہے اور اس بستی سواری سے چھٹانگ لگا کر اترنے میں جان جانے کا خطرہ ہو تو اس چلتی ہوئی سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اس نماز کا اعادہ نہیں ہے اس کے مزید دلائل اور فقہاء کی عبارات ہم نے ”شرح صحیح مسلم“ جلد ثانی میں بیان کی ہیں

حالتِ خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق ائمہ کی آراء

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق ائمہ کی آراء

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس آیت کا تعلق جنگ اور قتال سے بھی ہے یعنی اگر دوران قتال شدید خطرہ اور خوف ہو تو پیادہ اور سواری پر بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جہاد اور قتال میں مسلوٰۃ خوف پڑھی جائے اور اگر جنگ کی شدت کی وجہ سے صلوٰۃ خوف نہ پڑھی جاسکے تو نماز مؤخر کر دی جائے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے دن چار نمازیں مؤخر کر دی تھیں اور قتال کے علاوہ اور کسی صورت میں دشمن کا خوف ہو تو پیادہ یا سواری پر نماز پڑھ لی جائے۔

امام احمد جیون خفی لکھتے ہیں حالت خوف میں نماز پڑھتے وقت ضرورت کی بناء پر قبلہ سے توجہ ساقط ہو جاتی ہے یعنی اگر تم کو دشمن سے خوف ہو یا درندہ کا خوف ہو یا کسی اور چیز کا خوف ہو تو تم پر قیام فرض نہیں ہے بلکہ تم کو اس کا اختیار ہے کہ تم پیدل چلتے ہوئے نماز پڑھو یا سواری پر نماز پڑھو اور جس طرف سواری کا منہ ہو اسی طرف اشاروں سے نماز پڑھو اسی طرح ”مدارک“ میں ہے اور صاحب ”ہدایہ“ نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے کہ اگر شدید خوف ہو تو الگ الگ سواری پر نماز پڑھیں اور اشارہ سے رکوع اور سجود کریں خواہ جس طرف منہ ہو بشرطیکہ وہ قبلہ کی طرف منہ پر قادر نہ ہوں اور جس وقت تلوار میں نگرار ہی ہوں اور تیر چل رہے ہوں اس حال میں ہمارے نزدیک نماز جائز نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک ”رجحاً“ کا معنی ہے اپنے پیروں پر کھڑے ہوئے نماز پڑھیں اور امام شافعی کے نزدیک اس کا معنی ہے چلتے ہوئے نماز پڑھیں اسی لیے قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ اس آیت میں امام شافعی کی دلیل ہے کہ تلواروں سے لڑائی کی حالت میں نماز جائز ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس حالت میں نماز کو مؤخر کر دیں اور بعد میں پڑھیں۔

(الفخيرات احمد پيس ۱۵۸ مطبوعه مطبعه نوري ميمنه)

علامہ آوسی حنفی لکھتے ہیں:

امام شافعی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر لڑائی کی حالت میں سواری ٹھہرانا ممکن نہ ہو تو تلواروں سے لڑتے ہوئے بھی نماز جائز ہے اور ہمارے امام کا یہ مذہب ہے کہ چلنے سے اور لڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے

میں قنوت کا حکم دیا ہے اور چننا اور لڑنا قنوت کے منافی ہے اور جب ایسی صورت ہو تو نماز کو موقوف کر دے اور جب اس اور مکوں ہو تو نماز پڑھ لے اگر غم انصاف سے کام دے تو تمہیں علم ہو گا کہ یہ آیت امام شافعی کے موقف میں بالکل صریح ہے کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ کے لیے قیام کرؤ اور دین آسان ہے اور مشکل نہیں ہے اور مقامات مختلف ہونے میں اور مشکل کی وجہ سے آسان حکم کو نہیں چھوڑا جاتا اور جس کام کو مکمل طور پر حاصل نہیں کیا جا سکتا اس کو مکمل طور پر ترک بھی نہیں کیا جاتا۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۱۵۸ ملبورہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام طحاوی، امام عبد الرزاق، امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام نسائی، امام ابو یعلیٰ اور امام بیہقی نے اپنی "سنن" میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنگ خندق کے دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ہم ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جنگ کی مشغولیت کی وجہ سے نہ پڑھ سکے حتیٰ کہ ہم لڑائی سے بچا لیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ" (۱۱۱ احزاب ۲۵) (زبردست آندھی بھیج کر) اللہ مسلمانوں کے لیے جنگ سے کافی ہو گیا یعنی ان کو لڑنے سے بچا لیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو (اذان کا) حکم دیا اور ہر نماز کے لیے اقامت کہی یہ واقعہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے تھا "فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا" (البقرہ ۲۳۹) اگر تم حالت خوف میں ہو تو پیادہ اور سواری پر نماز پڑھو۔

امام ابن ابی شیبہ، امام مسلم اور امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ایام میں صلوٰۃ خوف پڑھی ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی اور ایک جماعت دشمن کے سامنے کھڑی رہی جو جماعت آپ کے ساتھ تھی آپ نے اس کو ایک رکعت نماز پڑھائی پھر وہ لوگ چلے گئے اور دوسری جماعت آگئی آپ نے اس دوسری جماعت کو ایک رکعت نماز پڑھائی پھر دونوں جماعتوں نے باقی ماندہ ایک ایک رکعت نماز پڑھی حضرت ابن عمر نے کہا اور اگر اس سے زیادہ خوف ہو تو پھر تم کھڑے ہوئے اور سواری پر اشارہ سے نماز پڑھو۔

امام مالک، امام شافعی، امام عبد الرزاق، امام بخاری، امام ابن جریر اور امام بیہقی نے نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب صلوٰۃ خوف کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا امام ایک جماعت کو ایک رکعت نماز پڑھائے اور دوسری جماعت ان کے اور دشمن کے درمیان کھڑی رہے اور نماز نہ پڑھے اور جب وہ جماعت ایک رکعت نماز پڑھ لے تو وہ اس دوسری جماعت کی جگہ چلے جائے جس نے نماز نہیں پڑھی تھی اور یہ لوگ سلام نہ پھیریں اور جس جماعت نے پہلے نماز نہیں پڑھی تھی وہ امام کے پیچھے آ کر کھڑی ہو اور امام اس کو بھی ایک رکعت پڑھائے پھر امام چلا جائے اس کی دو رکعتیں ہو گئیں اور امام کے چلے جانے کے بعد ہر جماعت اپنی اپنی باقی ماندہ ایک ایک رکعت پڑھے اور اگر اس سے زیادہ خوف ہو تو اپنے پیروں پر کھڑے ہوئے نماز پڑھیں یا سواری پر نماز پڑھیں خواہ منہ قبلہ کی طرف ہو یا غیر قبلہ کی طرف نافع کہتے ہیں کہ مجھے یہی یقین ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا تھا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۲، ۶۵۱)

امام بزار، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تلواریں سے لڑائی کی حالت میں نماز ایک رکعت ہے انسان جس طریقہ سے بھی یہ رکعت پڑھ لے اس کے لیے کافی ہے اور وہ اس کو نہیں دہرائے گا۔

امام ابن ابی حاتم نے ”قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَمَا لَاحَظُوا دِيَارَهُمْ“ (البقرہ: ۲۱۷) کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سوار اپنی سواری پر نماز پڑھے اور پیدل چلنے والا اپنے پیروں پر نماز پڑھے اور جب خوف دور ہو جائے تو سوار اور پیادہ معمول کے مطابق نماز پڑھیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں سکھایا ہے۔

امام ابن ابی حاتم اور امام ابن المنذر نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب تلواروں سے جنگ ہو رہی ہو تو اپنے سر کے اشارہ سے نماز پڑھے خواہ اس کا منہ کسی طرف ہو ”فَرَحَالًا أَوْ رُكْبَانًا“ کی یہی تفسیر ہے۔

امام ابن المنذر اور امام ابن جریر نے مجاہد سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے چلتے ہوئے اور سواری پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے فرمایا کہ جب تم جنگ میں سوار یوں پر ہو اور خوف زیادہ ہو تو ہر شخص کسی بھی سمت کھڑا ہو کر یا سواری پر سر کے اشارہ سے یا زبان کے کلام سے جس طرح بھی ممکن ہو نماز پڑھے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۰۹-۳۱۸ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا مذہب

علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں:

یعنی اگر تمہیں دشمن کا خوف ہو تو تم اپنے پیروں پر یا اپنی سوار یوں پر کھڑے ہوئے یا چلتے ہوئے نماز پڑھو خواہ منہ قبلہ کی طرف ہو یا غیر قبلہ کی طرف اشارہ سے یا بغیر اشارہ کے جس طرح بھی قدرت ہو اس حالت میں نماز کی مقدار میں اختلاف ہے جمہور کا قول یہ ہے کہ وہ طریقہ کے مطابق دو رکعت نماز پڑھے گا اور حسن نے کہا جب اسے خوف ہو تو ایک رکعت نماز پڑھے اہل حجاز (شافعیہ) نے کہا اس پر بعد میں اس نماز کا اعادہ نہیں ہے کیونکہ وہ معذور تھا اور اہل عراق (حناف) نے کہا اس پر اعادہ واجب ہے کیونکہ چلنا نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے۔

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا مذہب

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہر حالت میں نماز کی حفاظت کا حکم دیا ہے مرض ہو، سفر ہو، قدرت ہو، عجز ہو، خوف ہو، امن ہو نماز مکلف سے کسی حال میں ساقط نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو اگر اس پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھو اور اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو لیٹ کر۔ لایحجہ باری، نس ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد) اور حضرت عبد اللہ بن عمر نے صلوٰۃ خوف کے ذکر میں فرمایا اگر زیادہ خوف ہو تو کھڑے ہوئے اور سواری پر نماز پڑھو خواہ منہ قبلہ کی طرف ہو یا نہ ہو۔ (من کبریٰ ج ۳ ص ۲۵۶) اس سے مقصود یہ ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو نماز پڑھ لی جائے اور کسی حالت میں بھی نماز ساقط نہیں ہوگی حتیٰ کہ اگر صرف آنکھ کے اشارہ سے نماز پڑھی جا سکے تو اسی طرح لازم ہے اسی وجہ سے نماز باقی عبادات سے ممتاز ہے کیونکہ نماز کے علاوہ باقی عبادات عذر کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں اور اسی سبب سے ہمارے علماء نے کہا ہے کہ تارک نماز کو قتل کر دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ جنگ کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ حضرت ابن عمر کی حدیث اور یہ آیت ان کے خلاف قوی دلیل ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۳۰۳-۳۰۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۸ھ)

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں: یہ آیت سورہ نساء کی اس آیت کے بعد نازل ہوئی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ الخوف پڑھنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے:

وَرَدَ كُنْتَ فِيهِمْ فَأَمَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلَتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ مَعَكَ وَلِيَأْخُذُوا آسَاطِيثَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن دَرَأِيكُمْ وَلَسَانِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا آسَاطِيثَهُمْ وَاسْلُبِ ثَوْبَهُمْ (۱۰۲، ۱۰۱)

اور : آپ نے آپ میں ہوں اور (ایک کے دوران) انہیں نماز پڑھائیں تو ان میں سے ایک گروہ کو آپ نے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے اور وہ لوگ اپنے ہتھیار لیے رہیں گھر : اب وہ جدہ کر لیں تو (اے مسلمانو !) وہ تمہارے پیچھے جے جائیں اور دوسرا وہ گروہ آجائے جس نے نماز نہیں پڑھی اور انہیں آپ کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے اور وہ بھی اپنی حفاظت کا سامان اور اپنا اسلحہ لیے رہیں۔

اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تمہیں اس سے زیادہ خوف ہو تو تلواروں سے لڑائی کے درمیان تم کو جس طرح قدرت ہو اس طرح نماز پڑھو اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے دن ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں شفق کے غائب ہونے کے بعد پڑھیں یعنی عین حالت جنگ میں یہ نمازیں نہیں پڑھیں جیسا کہ اس آیت میں ہے اور ان کو سو خر کر دیا۔ (ترمذی، ابویعلیٰ، نسائی) تو اس حدیث اور اس آیت میں کیسے موافقت ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ خندق کا یہ واقعہ اس آیت (فَإِنْ خِفْتُمْ فِرْجَآلًا أَوْ ذُرْیَاكُمَا) (البقرہ ۲۳۹) کے نزول سے پہلے کا ہے۔ (منہ نامی، بیچ ابن ہاشم)

(زاد المسیر ج ۱ ص ۲۸۵ - ۲۸۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب
علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

اس آیت میں خوف کی حالت میں پاپیادہ اور سواری پر نماز پڑھنے کا حکم بیان فرمایا ہے دوران جنگ اس طرح نماز پڑھنے کا حکم نہیں ہے (بلکہ دوران جنگ نماز پڑھنے کا وہی طریقہ ہے جو سورہ نساء میں ہے) جب کسی شخص کو دشمن گھیر لے اور اس کو سخت خطرہ ہو تو اس کے لیے اس طرح نماز پڑھنا جائز ہے اور جب خوف کی وجہ سے اس کے لیے سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کے لیے رکوع اور سجود کو ترک کرنا جائز کر دیا تو اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ قبلہ کی طرف منہ کرے یا نہ کرے اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خوف کی حالت میں بھی نماز کے ترک کرنے کی اجازت نہیں دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم قتال میں مشغول تھے اور قتال میں مشغول ہونا نماز سے مانع ہے اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ان کی قبروں اور ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے کیونکہ ان کے خلاف جنگ میں مشغول رہنے کی وجہ سے ہم صلوٰۃ وسطیٰ نہیں پڑھ سکے اگر یہ کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے دن ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کو کیوں ترک کر دیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خوف کی حالت میں اس طرح نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے دوران قتال اسی طرح نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا اور جنگ خندق کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم قتال میں مشغول تھے اور قتال میں مشغول ہونا نماز سے مانع ہے اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے کیونکہ ان کے خلاف جنگ میں مشغول ہونے کی وجہ سے ہم صلوٰۃ وسطیٰ نہیں پڑھ سکے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے دن نمازیں اس لیے نہیں پڑھی تھیں کہ اس وقت تک صلوٰۃ خوف پڑھنے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ محمد بن حنفیہ اور واقدی کا اس پر اتفاق ہے کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ خندق سے پہلے ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ ذات الرقاع میں صلوٰۃ خوف

رہی تھی اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ بدر میں نماز پڑھنا قتال کی وجہ سے تھا اور قتال نماز کی صورت سے مانع اور اس کے منافی ہے۔

بعض فقہاء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص خوف زدہ ہو اس کے لیے چلتے ہوئے بھی نماز پڑھنا جائز ہے خواہ وہ کسی پر حملہ آور ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر تم حالت خوف میں ہو تو پیادہ نماز پڑھو یا سواری پر یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں چلنے کا ذکر نہیں بلکہ وہ ازیں حملہ آور خوف زدہ نہیں ہوتا کیونکہ اگر وہ حملہ کرنے کی بجائے واپس چلا جائے تو اسے کوئی خوف اور خطرہ نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس طرح نماز پڑھنا خوف زدہ سے یہ شرع کیا ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب اس پر حملہ کیا جائے اس وقت حالت خوف میں اس کے لیے جائز ہے کہ وہ سواری پر نماز پڑھے یا چلتے ہوئے

(احکام القرآن ج ۱ ص ۳۳۹ - ۳۳۸ مطبوعہ سہیل اکیڈمی، روز ۱۴۰۰ھ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز کا معاد کس قدر غمیں ہے باقی تمام عبادات عذر کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں لیکن جب جاں کا خوف اور خطرہ ہو نماز اس وقت بھی معاف نہیں ہے اور اس حال میں بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم چلنے ہوئے یا سواری پر جس طرح بھی بن پڑے نماز پڑھو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور (گھر سے) نکالا جائے پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر (اس کے) اس کام کا کوئی گناہ نہیں ہے جو انہوں نے دستور کے مطابق کیا ہے۔ (البقرہ: ۲۳۰)

حفاظت نماز اور عدت و فوات میں مناسبت کا بیان

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے ساتھ نکاح، معاشرت ان کے حقوق اور فرائض ان کی طلاق اور عدت کے احکام بیان فرمائے تھے اور چونکہ ان کے ساتھ زیادہ اشتغال عبادات میں حارج ہے اس لیے ان احکام کے درمیان میں نماز کی حفاظت اور اس کی تاکید کو بیان فرمایا حتیٰ کہ عین جنگ کی حالت میں بھی نماز ساقط نہیں ہوتی اور پیادہ یا سواری پر جس حال میں اور جس طرح بھی بن پڑے نماز پڑھی جائے گی اس تبعیہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر عورتوں کے ساتھ معاشرت کے احکام بیان فرمائے اور چونکہ پہلے ازواج طلاق و فوات اور مطلقات غیر مدخولہ کے مہر اور ان کی متاع کا ذکر کیا تھا اس لیے ان احکام کو اب شوہر کی موت کے ذکر پر ختم کیا اور شوہر کی موت کے بعد بیوہ کی عدت کا ذکر فرمایا اور چونکہ پہلے مطلقات غیر مدخولہ کے مہر اور متاع کا ذکر فرمایا تھا تو اب مطلقات مدخولہ کے مہر اور ان کی عدت کا ذکر فرمایا۔

ایک سال تک عدت و فوات کے منسوخ ہونے کا بیان

اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو لوگ موت کی آہٹ محسوس کریں یا قریب المرگ ہوں وہ اپنی بیویوں کے لیے یہ وصیت کریں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالا جائے، جمہور فقہاء اور مفسرین کے نزدیک یہ آیت سورہ بقرہ کی اس آیت سے منسوخ ہے جس میں فرمایا ہے تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ (عورتیں) اپنے آپ کو چار ماہ دس دن تک (عقد ثانی سے) برو کے رکھیں۔ (البقرہ: ۲۳۳)

امام ابن جریر طبری نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ پہلے جب کسی عورت کا خاندان فوت ہو جاتا تھا تو خاندان کے مرنے سے اس کے لیے ایک سال کی رہائش اور خرچ مہیا کیا جاتا تھا پھر جب سورہ نساء میں عورت کی میراث مقرر کر دی گئی کہ اگر اس کے خاندان کی اولاد نہ ہو تو اس کو خاندان کے مال کا چوتھائی حصہ ملے گا اور اگر اس کی اولاد ہو تو پھر اس کو خاندان کے مال کا آٹھواں حصہ

مے گا تو پھر رہائش اور نفقہ کا یہ حکم منسوخ ہو گیا البتہ مجاہد کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے ان کے نزدیک اس کا تحمل یہ ہے کہ بیوہ پر چار ماہ دس دن عدت گزارنا تو واجب ہے جیسا کہ البقرہ ۲۳۳ میں مذکور ہے اس کے بعد سال کے باقی ماندہ سات ماہ میں عدت گزارنے کا اسے اختیار ہے چاہے وہ یہ عدت گزارے یا نہ گزارے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۶۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن الزبیر نے حضرت عثمان سے کہا ”وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذُرُونَ أَزْوَاجًا“ (۱۲۰) ”السی قولہ عبداً حراً“ اس آیت کو سورہ بقرہ کی دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے تو پھر آپ نے اس آیت کو مستحکم میں بیوں لکھا ہے؟ حضرت عثمان نے کہا اے بھتیجے! ہم اس آیت کو اسی طرح رہنے دیں گے قرآن مجید کی سی آیت کو اس کی جگہ سے تبدیل نہیں کریں گے (یعنی قرآن مجید کی آیات کو لکھنا امر تو قیفی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس آیت کی جگہ بتائی تھی اس کو وہیں لکھا گیا تھا)۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۱ مطبوعہ نور محمد اسحاق المساعی کراچی ۱۴۳۸ھ)

علامہ ابن جوزی ضلی لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں جب کوئی شخص مر جاتا تو اس کی بیوی ایک سال تک عدت گزارتی اس پر اس کی وراثت سے ایک سال تک خرچ کیا جاتا جب ایک سال پورا ہو جاتا تو وہ اپنے شوہر کے گھر سے نکلتی اور اس کے پاس ایک بیگنی سوتی وہ ایک کتے کو بیگنی مارتی اور شوہر کی عدت سے باہر آ جاتی اور بیگنی کو مارنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ کہتی کہ میرے نزدیک خاوند کی وفات کے بعد میرا اس کی عدت گزارنا میرے نزدیک اس بیگنی کو مارنے سے زیادہ آسان تھا اسلام نے اپنے ظہور نے بعد ان کو پہلے اپنے اسی دستور پر قائم رکھا اور بیوہ کی عدت ایک سال ہی برقرار رہی پھر اس کے بعد اس حکم کو سورہ البقرہ ۲۳۳ سے منسوخ کر دیا گیا اور بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کر دی گئی۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۸۶ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

عدت وفات کے شرعی حکم میں اختلاف فقہاء

امام مالک کے نزدیک اگر خاوند کا اپنا یا کرایہ کا مکان ہو تو بیوہ کا اس گھر میں عدت گزارنا واجب ہے اور عدت سے پہلے گھر سے نکلنا مطلقاً جائز نہیں ہے امام شافعی کا ظاہر قول یہ ہے کہ خاوند کے مال سے بیوہ کے لیے عدت تک رہائش مہیا کرنا واجب ہے۔ امام احمد کے نزدیک اگر بیوہ غیر حاملہ ہو تو اس کے لیے عدت کی رہائش کا استحقاق نہیں ہے اور اگر وہ حاملہ ہو تو پھر ان کے دو قول ہیں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک بیوہ کا خاوند کے گھر میں عدت گزارنا واجب ہے لیکن وہ دن کے اوقات میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔

حدیث سے عدت وفات کا بیان

امام مالک روایت کرتے ہیں:

نذیب بنت کعب بن عجرہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت فریہ بنت مالک بن سنان جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں وہ روایت کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور آپ سے یہ سوال کیا کہ وہ بنو حذرہ میں اپنے خاندان میں جا سکتی ہیں کیونکہ ان کے شوہر اپنے چند بھائیوں کو ڈھونڈنے گئے تھے حتیٰ کہ جب وہ قدم کے راستہ میں پہنچے تو انہوں نے ان غلاموں کو چالیا سو ان غلاموں نے ان کے شوہر کو قتل کر دیا وہ کہتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا کہ آیا میں بنو حذرہ میں اپنے میکہ میں جا سکتی ہوں تاکہ وہاں عدت وفات گزاروں کیونکہ میرے

خاوند نے اپنی ملکیت میں کوئی مکان چھوڑا ہے نہ نفقہ دہہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اودہ کہتی ہیں کہ جب میں واپس ہوئی حتیٰ کہ میں (ابھی) حجرہ میں تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دی یا مجھے کسی سے آواز دے کر بلوایا آپ نے پوچھا غم نے کیا کہا تھا؟ میں نے پھر آپ سے اپنے خاوند کی وفات کا پورا قصہ دہرایا آپ نے فرمایا غم اپنے گھر میں ٹھہری رہو حتیٰ کہ تمہاری عدت پوری ہو جائے وہ کہتی ہیں کہ میں نے چار ماہ دس دن عدت گزار لی جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا تو انہوں نے مجھ سے اس کے متعلق سوال کیا میں نے یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے اس حدیث کی پیروی کی اور اس کے مطابق فیصلہ کیا۔ (مولانا مہدوی ص ۵۳۱۔ ۵۳۰ مطبوعہ مطبعہ ہالی پاکستان لاہور)

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۱۵۔ ۲۱۴ جامع ترمذی ص ۱۹۲ سنن نسائی ج ۲ ص ۱۱۶ سنن ابن ماجہ ص ۱۳۶ سنن دارمی ج ۲ ص ۹۰)

عدت وفات کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی بیان کرتے ہیں:

اگر بیوہ غیر حاملہ ہو تو اس کے لیے سکنی (رہائش) نہیں ہے یہ قول واحد ہے اور اگر وہ حاملہ ہو تو پھر دو قول ہیں ایک قول کے مطابق خاوند کے ترکہ سے وہ رہائش کی مستحق ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ رہائش کی مستحق نہیں ہے۔ اگر وہ غیر حاملہ ہو تو اس کے لیے رہائش نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاوند کے ترکہ سے بیوی کو چوتھائی یا آٹھواں حصہ دیا ہے اور باقی ترکہ دوسرے وارثوں کا ہے اور رہائش مکان بھی ترکہ میں سے ہے اس لیے واجب ہے کہ وہ اپنے حصہ سے زیادہ کی مستحق نہ ہو نیز موت کے بعد وہ اپنے شوہر سے بائن (منقطع) ہو گئی اور اب وہ مطلقہ ثلاثہ کے مشابہ ہے (حنبلیہ کے نزدیک مطلقہ ثلاثہ رہائش اور نفقہ کی مستحق نہیں ہوتی) اس لیے وہ رہائش کی مستحق نہیں ہوگی۔

اور اگر وہ حاملہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ وہ رہائش کی مستحق ہوگی کیونکہ وہ اپنے خاوند سے حاملہ ہے تو مطلقہ رجوع پر قیاس کرتے ہوئے اس کے لیے رہائش واجب ہوگی اور جب ہم کہتے ہیں کہ وہ رہائش کی مستحق ہے تو وہ اس مکان میں رہائش کی مستحق ہے جس میں وہ دیگر ورثاء کے ساتھ رہتی تھی۔ امام مالک امام شافعی امام ابو حنیفہ اور جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے اگر کسی وجہ سے اس مسکن میں رہائش نہ ہو سکے تو وارث پر لازم ہے کہ میت کے مال سے اس کے لیے کرائے کا مکان حاصل کرے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو حاکم اس کو مجبور کرے اور بغیر عذر کے بیوہ کے لیے اس مکان سے دوسری جگہ منتقل ہونا جائز نہیں ہے کیونکہ اس مکان میں عدت گزارنا اللہ کے حقوق سے ہے اور یہ سوگ کرنے کا تہہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان عورتوں کو ان گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں الا یہ کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔ (الملاقا ۱) ہمارا دوسرا قول یہ ہے کہ حاملہ بیوہ کے لیے رہائش مکان کا استحقاق نہیں ہے اگر وارث یا سلطان یا کوئی اجنبی خوشی سے اس کو شوہر کے مکان میں رہنے دے تو اس پر وہاں عدت گزارنا لازم ہے اور اگر وہ منع کریں تو اس کے لیے دوسری جگہ عدت گزارنا جائز ہے اور اس کے وہی دائل ہیں جو ہم نے غیر حاملہ کے سلسلہ میں بیان کیے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فریجہ کے لیے مکان کو لازم کیا تھا وہ ایک خاص واقعہ تھا ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہو کہ اس کے وارثوں نے اس کو اس مکان میں رہنے کی اجازت دے دی ہے آپ نے بیوہ کے لیے استحقاق رہائش کا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں بیان فرمایا تھا۔ (المثنیٰ ج ۸ ص ۱۲۹۔ ۱۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

عدت وفات کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ ابوالعباس ربیع شافعی لکھتے ہیں:

زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ جو عورت عدت وفات گزارے اس کے لیے بھی رہائش مہیا کرنا واجب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی

اللہ مابہ وسلم نے حضرت فریہ سے فرمایا تھا، تم اپنے شوہر کے گھر، روضی کہ تمہاری عدت پوری ہو جائے سو انہوں نے اس گھر میں چار ماہ دس دن عدت گزار لی، امام نذہدی وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے لیے جس طرح نفقہ کا اتھاقا نہیں ہے اسی طرح اس کے لیے رہائش کا بھی اتھاقا نہیں ہے اور پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ رہائش اس کے پانی (منی) کی حفاظت کے لیے ہوتی ہے اور وہ اس کی وفات کے بعد بھی موجود ہے اور نفقہ کا وجوب خاوند کے بلوائی پر ہے ہوتا ہے اور موت سے وہ منقطع ہو گیا، نیز نفقہ عورت کا حق ہے اور وہ میراث سے ساقط ہو گیا اور رہائش اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور وہ ساقط نہیں ہوا۔ (نہج الحق ج ۷ ص ۵۴، دارالکتاب العربیہ بیروت)

عدت و فوات کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ قرطبی مالکی حضرت فریہ کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں جہاز اور عراق کے ملاء کے درمیان یہ حدیث معروف ہے اور اس حدیث کی بناء پر وہ کہتے ہیں کہ بیوہ شوہر کے گھر عدت گزارے اور گھر سے باہر نہ نکلے، داد و ظاہری یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید نے بیوہ پر عدت گزارنا لازم کیا ہے یہ لازم نہیں کیا کہ وہ شوہر کے گھر عدت گزارے، حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے، ”موطا امام مالک“ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیوہ عورتوں کو عدت سے پہلے حج پر جانے سے بھی منع کرتے تھے، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا، ان کے نزدیک بیوہ کا خاوند کے گھر عدت گزارنا لازم تھا اور قرآن اور سنت کا بھی مقتضی ہے اس لیے عدت سے پہلے بیوہ کا حج و عمرہ کے لیے بھی جہاز جائز نہیں ہے، امام مالک نے کہا جب تک بیوہ نے احرام نہ باندھا ہو اس کو گھر دنا دیا جائے گا۔ یہ حکم اس وقت ہے جب خاوند کا گھر اس کی ملکیت میں ہو۔ امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ، امام احمد اور اکثر فقہاء کا یہی مسلک ہے جب کہ حضرت فریہ کی حدیث میں ہے اور اگر خاوند اس گھر میں رہتا ہو لیکن اس کا مالک نہ ہو تو عدت کے دوران بیوہ کے لیے اس میں رہنے کا اتھاقا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت فریہ کے خاوند اس گھر کے مالک نہیں تھے، پھر بھی آپ نے حضرت فریہ سے فرمایا تم عدت پوری ہونے تک اس گھر میں رہو، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے یہ حکم اس وقت ہے جب اس کا خاوند اس مکان کا کرایہ دیتا رہا ہو لیکن اگر خاوند نے اس مکان کا کرایہ نہ دیا ہو تو خاوند خواہ امیر ہو اس کے مال سے بیوہ کے لیے رہائش کا کوئی اتھاقا نہیں ہے کیونکہ بیوہ کا رہائش پر اتھاقا اس وقت ہوگا جب خاوند کی مکان پر مکمل ملکیت ہو۔ (المناہج احکام القرآن ج ۲ ص ۱۷۸، ۱۷۷، معیورہ انتقادات، مفسر وایران)

عدت و فوات کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابوبکر جصاص منی لکھتے ہیں

مطلقہ اور بیوہ اس گھر سے باہر نہ نکلے جس میں وہ رہتی تھی، بہتہ بیوہ دن میں باہر جاسکتی ہے لیکن رات اس گھر میں آکر گزارے، مطلقہ کے باہر نہ نکلنے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بَيْوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِغَايِشَةٍ مُبَيَّنَةٍ (طلاق ۱)

نکلے، الا یہ کہ وہ کھلی ہے حیائی کا ارتکاب کریں۔

اور بیوہ کے گھر سے باہر نہ جانے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ

بیوہ عورتوں کو ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے

(البقرہ ۲۳۰) نکالا نہ جائے۔

پھر چار ماہ دس دس سے راند مدت کو البقرہ ۲۳۳ سے مندرج کر دیا اور چار ماہ دس دن کی مدت تک یہ حکم باقی رہا اور حضرت فرید کی حدیب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فرید کو ان کے خاوند کے گھر سے منتقل ہونے سے منع فرمادیا تھا اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ بیوہ خاوند کے گھر سے منتقل نہ ہو اور ثانی یہ کہ بیوہ کا گھر سے باہر نکالنا ممنوع نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر سے باہر نکلنے سے منع نہیں فرمایا اور حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عمر حضرت زید بن ثابت حضرت ام سلمہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے کہ بیوہ عورت دن میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے لیکن رات اس گھر میں گزارے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۴۱۹ ۴۲۸ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ لاہور ۱۴۰۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور مطلقہ عورتوں کے لیے دستور کے مطابق متاع ہے جو اللہ سے ڈرنے والوں پر واجب ہے ○

(البقرہ: ۲۳۳)

مطلقہ عورتوں کے مہر کی ادائیگی کا وجوب

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کو فائدہ پہنچانے کا ذکر فرمایا تھا کہ انہیں ایک سال کا نفقہ اور رہائش مہیا کی جائے اور اس آیت میں مطلقہ عورتوں کا ذکر فرمایا جو طلاق یافتہ اور مدخول بہا عورتیں ہیں کہ اگر ان کا مہر پہلے مقرر تھا تو طلاق کے وقت ان کو ان کا پورا مہر ادا کیا جائے اور اگر پہلے ان کا مہر مقرر نہیں تھا تو ان کو مہر مثل ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کے حقوق کے بعد مطلقہ عورتوں کے حقوق کا ذکر فرمایا اس میں یہ اشارہ ہے کہ طلاق بھی بہ منزلہ موت ہے کیونکہ جس طرح شوہر کی موت کے بعد شوہر کی عایدگی ہو جاتی ہے اسی طرح طلاق کے بعد بھی شوہر سے عایدگی ہو جاتی ہے۔ مہر کی پوری تفصیل اور تحقیق ان شاء اللہ ہم النساء ۴ میں بیان کریں گے۔

اس آیت میں مطلقات سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کو مباشرت کے بعد طلاق دی گئی ہو کیونکہ جن عورتوں کو مباشرت سے پہلے طلاق دی گئی ہو ان کا حکم البقرہ ۲۳۶ میں بیان کیا جا چکا ہے اور متاع سے مراد مہر ہے اور طلاق کے بعد مہر کا ادا کرنا واجب ہے خواہ مقرر شدہ مہر ہو یا مہر مثل بعض علماء نے کہا ہے کہ متاع سے مراد عورت کا لباس وغیرہ ہے یعنی مطلقہ عورتوں کو مہر کے عداہ لباس وغیرہ بھی دیا جائے اور جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی گئی اس کو لباس دینا واجب ہے اور باقی تین قسم کی مطلقہ عورتوں (جن کا مہر مقرر کیا گیا ہو خواہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ اور وہ مدخولہ جس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو) کو لباس دینا مستحب ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں موت کے خوف سے

حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مَوْتُكُمْ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ

اپنے گھروں سے نکلے سو اللہ نے ان سے فرمایا: مر جاؤ پھر اللہ نے ان کو زندہ کر دیا

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلٰی النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ

لَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۳۳﴾ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ

شکر ادا نہیں کرتے O اور (اے مسلمانو!) تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور یقین رکھو کہ اللہ بہت

اللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۳۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا

سننے والا بہت جاننے والا ہے O وہ کون ہے جو اللہ کو

حَسَنًا فَيُضْعِفَ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ط وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَ

قرض حسن دے؟ تو اللہ اس کو بڑھا کر اس کے لیے کئی گن کر دے اور اللہ ہی تنگی اور

يَبْصُطُ ۖ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۳۳۵﴾

کشادگی فرماتا ہے اور اسی کی طرف تم (سب) لوٹائے جاؤ گے O

طاعون سے ڈر کر بھاگنے والوں کا مرنا اور دوبارہ زندہ ہونا

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ طلاق بہ منزلہ موت ہے اور طلاق سے رجوع کرنا بہ منزلہ حیات ہے اور یہ موت اور حیات مجازاً ہے اور جہاد کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں جان دینا بہ ظاہر موت ہے اور حقیقتہً شہادت کی صورت میں حیات ہے سو اس سے پہلی آیت میں دنیاوی اور معاشرتی زندگی کے اعتبار سے موت اور حیات کا ذکر کیا گیا تھا اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ دینی اور اخروی اعتبار سے موت اور حیات کا ذکر فرما رہا ہے اور چونکہ قریب ترین امت بنو اسرائیل تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے جہاد کے معاملہ میں بنو اسرائیل کے احوال بیان فرمائے یہ لوگ طاعون کی صورت میں موت کے ڈر سے بھاگے اللہ نے ان پر موت طاری کی اور پھر ان کو زندہ کیا۔ اس میں بھی موت اور حیات کا ذکر ہے پھر ان کو جہاد کا حکم دیا اس میں بھی موت اور حیات کا ذکر ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی بیان فرماتے ہیں امام ابن جریر امام ابن المنذر اور امام حاکم نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان لوگوں کی تعداد چار ہزار تھی اور یہ داوردان نام کے ایک شہر کے رہنے والے تھے یہ لوگ طاعون کے ڈر سے اس شہر سے بھاگ نکلے۔ امام ابن جریر امام ابن المنذر اور امام ابی حاتم نے سدی کی سند سے حضرت ابو مالک سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ داوردان نام کی ایک بستی جو واسطہ کے قریب تھی اس میں طاعون پھیل گیا۔ لوگوں کی ایک جماعت تو اس میں ٹھہری رہی اور ایک جماعت بھاگ نکل جو لوگ ٹھہرے رہے تھے ان میں سے کچھ مر گئے اور بھاگنے والے بچ گئے جب طاعون ختم ہو گیا تو وہ لوگ واپس آ گئے اس شہر کے زندہ بچنے والے لوگوں نے کہا ہمارے بھائی ہم سے زیادہ سمجھ دار نکلے کاش! ہم سب ان کی طرح نکل جاتے اور سب بچ جاتے اور اگر ہم اگلے طاعون تک زندہ رہے تو ایسا ہی کریں گے۔ اگلے سال پھر طاعون آیا اس بار سب نکل بھاگے جو پہلے رہ گئے تھے وہ بھی اور جو نکل گئے تھے وہ بھی ان لوگوں کی تعداد تیس ہزار سے زائد تھی وہ لوگ دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں قیام پذیر ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس دو فرشتے بھیجے ایک فرشتہ وادی کے اوپر تھا اور دوسرا وادی کے نیچے تھا ان دونوں فرشتوں نے ان کو ندا کر کے

کہا مر جاؤ تو وہ سب مر گئے پھر جب تک اللہ نے چاہا وہ اسی طرح مردہ پڑے رہے پھر وہاں سے حضرت حرقل بی مایہ السلام کا گزر ہوا انہوں نے اتنی ساری ہڈیوں کو دیکھا تو بہت حیران ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ آپ یہ ندا کریں کہ اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں مجتمع ہونے کا حکم دیتا ہے تو دادی کے اوپر اور نیچے سے تمام ہڈیاں مجتمع ہو گئیں اور ہر جسم کی ہڈیاں آپس میں جڑ گئیں اور بغیر خون اور گوشت کے ہڈیوں کے اجسام بن گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ آپ یہ کہیں کہ اے ہڈیو! اللہ تمہیں گوشت سے ملبوس ہونے کا حکم دیتا ہے تو تمام ہڈیوں پر گوشت آ گیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ان کو ندا کر کے یہ کہیں کہ اللہ تمہیں کھڑے ہونے کا حکم دیتا ہے تو وہ سب زندہ ہو کر اٹھ گئے اور بے اختیار ان کی زبانوں پر جاری ہوا: "سبحانک لا الہ الا انت" اور پھر وہ اپنے شہروں کی طرف واپس گئے وہ وہاں رہنے لگے مگر وہ جب بھی کوئی لباس پہنتے تو وہ ان کے جسم پر ایک بوسیدہ کفن کی صورت اختیار کر لیتا جس سے اس زمانہ کے لوگوں نے پہچان لیا کہ یہ لوگ درحقیقت مر چکے ہیں وہ لوگ اپنی طبعی حیات پوری ہونے تک وہاں رہے۔

(الدر المختار ج ۱ ص ۲۱۰ مطبوعہ مکتبۃ ایت اللہ العظمیٰ ایران)

وقت سے پہلے موت آنے اور تیسری موت کے اشکال کا جواب

اس روایت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اللہ نے تو فرمایا ہے:

لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۚ وَلَا يَسْتَقْدِرُونَ ۚ (یونس ۴۹)

ہر گروہ کے لیے ایک وقت مقرر ہے جب ان کا وقت آ جائے گا تو وہ اس سے ایک ساعت پیچھے نہیں گئے نہ آگے

یوہیں گے ○

پھر طاعون سے بھاگنے والے ان لوگوں کو وقت سے پہلے موت کیسے آگئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ موت وہ نہیں تھی جو طبعی حیات مکمل ہونے کے بعد طاری ہوتی ہے وہ موت اپنا وقت پورا ہونے کے بعد ان پر طاری ہوئی یہ موت طاعون سے بھاگنے کی سزا کے طور پر تھی اور اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت حزقیل علیہ السلام کی وجاہت کو ظاہر فرمایا کہ ان کی دعا سے مردوں کو زندہ کر دیا اسی طرح یہ اشکال ہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ قیامت کے دن کفار کہیں گے:

رَبَّنَا آمَنَّا أَفْتِنَا أَفْتِنَا وَآخِيتَنَا أَفْتِنَا

(المومن ۱۱) زندہ فرمایا۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر انسان کے لیے دو موتیں اور دو زندگیاں ہیں ایک موت نطفہ کی صورت میں اور اس کے بعد ولادت کی صورت میں حیات دوسری موت طبعی حیات پوری ہونے کے بعد اور دوسری حیات قیامت کے دن جب مردوں کو اٹھایا جائے گا اور ان لوگوں کے لیے تین موتیں اور تین حیاتیں ہو گئیں اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے عادت اور معمول کے مطابق دو موتیں اور دو زندگیاں ہیں اور ان پر جو تیسری موت اور تیسری حیات آئی وہ خلاف عادت اور خلاف معمول تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا۔ (البقرہ ۲۲۳)

”الہم تر“ (کیا آپ نے نہیں دیکھا) کی تحقیق

روایت کے معنی دیکھنا ہے اور یہ لفظ روایت قلبی یعنی علم کے معنی میں بھی آتا ہے اس لیے کیا آپ نے نہیں دیکھا اس کا

معنی ہے: کیا آپ نے نہیں جانا؟ یہ جملہ ان چیزوں کے لیے کہا جاتا ہے جو پہلے مذکور ہوں اور جن کا پہلے علم ہو اور ان کا

اشتمال اس چیزوں کو یاد دلانے اور ان کو ضرر اور تباہ کرنے اور اس پر نوح میں ڈالنے کے لیے ہوتا ہے اور کہیں اس نے بغیر بھی اس عمل کو اشتمال کیا جاتا ہے اور اس وقت بہ کسی چیز کی خبر دینے اور اس خبر پر نوح میں ڈالنے کے لیے ہوتا ہے اور کہیں اس کو خبر اور اشتمال کرتے ہیں اور جس نے کسی چیز کو نہیں دیکھا ہوا ہوتا اس کو اس شخص کے ساتھ شریہ دینے میں جس نے اس چیز کو دیکھا ہوا ہوتا ہے تاکہ مخاطب اس پر مذہب ہو کہ یہ خبر اس پر مبنی نہیں ہوتی یہ یہ بھی اور اس کو اس پر نوح ہونا چاہیے نہایا یہ نہانا معصود ہوتا ہے کہ یہ چیز شہر ہے۔ اسے اس درجہ میں ہے کہ کسی پر مبنی نہیں ہے کسی کے مخاطب پر مبنی نہیں ہے اور اس سے مفقود ہے کہ اس نے بعد ہو واقعہ ذکر لہجہ رہا ہے اس پر غور و فکر کیا جائے اور اس سے عبرت حاصل کی جائے اور اس واقعہ میں اس نے غور یہ چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں لوگوں پر موت طاری کرنے کے بعد ان کو زندہ کر دیا اور جو اس دنیا میں موت کے بعد زندہ کرنے پر قادر ہے وہ قیامت کے دن بھی مردوں کے زندہ کرنے پر قادر ہے اور عبرت کا تعلق اس چیز سے ہے کہ طاعون سے ڈر کر شہر چھوڑ کر بھاگن اللہ تعالیٰ کے غضب کا دبدب ہے سو طاعون سے گھبرا کر شہر نہیں چھوڑنا چاہیے اس میں تقدیر پر ایمان رکھنے کے علاوہ یہ حکمت ہے کہ طاعون زندہ علاقہ کے لوگ بسبب دوسرے علاقوں میں جا میں گئے تو طاعون کے جراثیم اپنے ساتھ لے جائیں گے اور دوسرے علاقوں میں بھی طاعون پھیل جائے گا طاعون زندہ علاقہ میں جانا بھی نہیں چاہیے شام کے علاقہ عمواس میں طاعون پھیل گیا ہوا تھا حضرت عمرو بن العاصؓ اور فرمایا ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر ہی کی طرف بھاگ رہے ہیں۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسب نم کسی علاقہ میں طاعون سے متعلق سنو تو وہاں مت داخل ہو ورنہ اگر تم کسی علاقہ میں ہو اور وہاں طاعون پھیل جائے تو وہاں سے نہ نکلو

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

طاعون کی منسل بحث ہم البقرہ ۵۹ میں کر چکے ہیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ تقدیر پر ایمان رکھنا ضروری ہے اور موت

سے نہیں بھاگنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (اے مسلمانو!) تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ (البقرہ ۲۴۴)

جہاد کی تحریک

اس سے پہلی آیت میں طاعون سے بھاگنے والوں کا جو قصہ بیان کیا گیا وہ مسلمانوں کو جہاد پر بھارنے کے لیے تھا کیونکہ موت سے کسی کو مفر نہیں تو کیوں نہ موت کو شہادت کی صورت میں گلے لگایا جائے۔ پہلے فرمایا تھا ان لوگوں کے وقتہ میں غور و فکر کرو اور اب فرمایا ہے اللہ کی راہ میں جہاد کرو اس صرت میں دین اسلام کے بنیادی احکام بیان کیے گئے ہیں اور نماز روزہ حج اور جہاد کا ہر بار عجیب و غریب پیرایوں سے ذکر کیا گیا ہے اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ مسلمانوں کو معاشرتی مصروفیات اور کاروبار دہیات میں مشغولیت کی وجہ سے جہاد سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے؟ تو اللہ اس کو بڑھا کر اس کے لیے کئی گناہ کر دے۔

(البقرہ ۲۴۵)

اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینے کا بیان

کائنات کی ہر جز اللہ کی ملک ہے اس لیے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنے کو مجازاً قرض فرمایا ہے یہ اللہ کے بندوں کو قرض

دینا گویا اللہ کو قرض دینا ہے اور اس میں سنا بت یہ ہے کہ اس طرح معروض 'قرض' خواہ کو قرض واپس کر دیتا ہے اسی طرح ہم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کر دے اللہ آخرت میں اس کا اجر عطا فرمائے گا۔

اس سے پہلی آیت میں جہاد کا حکم دیا تھا اور جہاد مال کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ یونکہ جہاد کے لیے سواریاں، آلات حرب اور خوراک اور رسد کو مال کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا اس لیے اس آیت میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے مال خرچ کرنے کو اللہ کو قرض دینے کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے اور اس میں بتایا ہے کہ یہ مال ضائع نہیں ہوگا بلکہ آخرت میں کئی گنا اجر و ثواب کے ساتھ تمہیں مل جائے گا۔ دنیا میں لوگ زیادہ سے زیادہ دگنے چوگنے سود پر قرض دے دیتے ہیں اللہ تمہیں اس مال کا اجر دس گنا، ستر گنا، سب سو گنا چودہ سو گنا اور اس سے بھی زائد عطا فرمائے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آدمی کسی محبت اور تعلق کی وجہ سے قرض دیتا ہے تو اللہ سے زیادہ اور کون محبت کا تحقق ہے؟ اگر تم محبت کی بناء پر مال خرچ کرتے ہو تو اللہ سے اور اللہ کے دین کی سر بلندی سے زیادہ اور کوئی محبت کا محل نہیں ہے اور اگر وہ کدہ اور بڑھوتری کے لیے مال خرچ کرتے ہو تو اس سے زیادہ اور کوئی فائدہ کی صورت نہیں ہے اور اس قرض کو قرض حسن فرمایا یعنی یہ قرض اخلاص نیت اور پاکیزہ مال کے ساتھ دیا جائے لوگ جو آپس میں قرض کا لین دین کرتے ہیں وہ برابر برابر ہونا چاہیے اگر قرض دینے والا یہ شرط لگائے کہ وہ اصل رقم سے ایک مہینہ رقم زائد لے گا تو یہ سود ہے اور اگر مقرض بغیر کسی ہنگامی شرط کے قرض خواہ کو اصل رقم سے کچھ زائد ادا کر دے تو یہ قرض حسن ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم عموماً جب کسی سے قرض لیے تو اس کو اصل سے زائد دا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: لوگوں میں اچھا شخص وہ ہے جو قرض کو اچھی طرح ادا کرے اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا وہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن یعنی اچھا قرض دے اور چونکہ انسان فطرتاً بخیل ہے اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اس قرض کا اجر کئی گنا زائد بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے گا نیز فرمایا اللہ ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے یہ اس لیے فرمایا کہ ہم یہ نہ سمجھنا کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے تم تنگی میں مبتلا ہو جاؤ گے کیونکہ اس سے تنگی نہیں ہوتی تنگی اور کشادگی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ و تصرف میں ہے۔

قبض اور بسط کا معنی

اللہ تعالیٰ اپنی جبروتیت سے موجودین کی ارواح کو نور ازیلی میں قبض کر لیتا ہے اور عارفین کے اسرار کو مشاہدہ ذات میں بسط کر دیتا ہے ایک قول یہ ہے کہ قبض اللہ کا سر ہے اور بسط اس کا کشف ہے ایک قول یہ ہے کہ مرید بن کے لیے قبض ہے اور مرادین کے لیے بسط ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ مشائقین کے لیے قبض ہے اور عارفین کے لیے بسط ہے اور مشہور یہ ہے کہ قبض اور بسط بندہ کی ترقی کی دو حالتیں ہیں جب عارف پر خوف کا غلبہ ہو تو یہ قبض کی حالت ہے اور جب اس پر رجاء کا غلبہ ہو تو یہ بسط کی حالت ہے اور جب اس کے قلب پر واردات غیبیہ ہوں تو آثار جلال کو قبض اور آثار جمال کو بسط کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینے کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام سعید بن منصور، امام ابن سعد، امام بزار، امام ابن جریر، امام ابن المنذر، امام حکیم ترمذی، امام طبرانی اور امام بیہقی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے؟ تو اللہ اس کو بڑھا کر اس کے لیے کئی گناہ کر دے تو حضرت ابوالدرداء انصاری نے کہا: یا رسول اللہ! کیا واقعی اللہ ہم سے قرض چاہتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ابوالدرداء انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اپنا ہاتھ بڑھائیں آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا انہوں نے کہا میں

نے اپنا باغ اپنے رب کو قرض دے دیا اور ان کے باغ میں چھ بکجور کے درخت تھے ام الدھار اور ان کے بچے اس باغ میں تھے ابو الدھار وہاں گئے اور ام الدھار کو اذکار دے کر کہا اے ام الدھار! یہاں سے نکلو میں نے یہ باغ اپنے رب عزوجل کو قرض دے دیا ہے۔

امام ابو اسحاق اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ایک فرشتہ یہ کہتا رہتا ہے کہ وہ کون ہے جو آج اللہ کو قرض حسن دے اور کل اس کی جزا لے لے اور ایک اور دروازہ پر فرشتہ یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس خرچ کا بدل عطا فرما اور بخیل کے مال کو ضائع کر دے اور ایک دروازہ پر فرشتہ یہ کہتا ہے کہ اے لوگو! اپنے رب کی طرف بڑھو وہ قلیل مال جو کافی ہو وہ اس زیادہ مال سے بہتر ہے جو غفل کرنے والا ہو اور ایک اور دروازہ پر فرشتہ یہ کہتا ہے کہ اے بنو آدم! موت کے لیے جھگڑے پاؤ اور ویران ہونے کے لیے مکان بناؤ۔

امام بیہقی نے ”شعب الایمان“ میں حسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل فرماتا ہے... اے ابن آدم! اپنے خزانے کو میرے پاس امانت رکھو نہ جلے گا نہ ڈوبے گا نہ چوری ہوگا اور تمہاری ضرورت کے وقت میں تم کو دے دوں گا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۱۳ ۲۱۲ مطبوعہ مکتبۃ اچہ اللہ العظمیٰ ایران)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَا مِنْ بَنِي إِسْرَءِیْلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰی

کیا آپ نے موسیٰ (کی وفات) کے بعد بنو اسرائیل کے ایک گروہ کو نہیں دیکھا

اِذْ قَالَ النَّبِیُّ لَهُمْ اَبْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ط

جب انہوں نے (اپنے) نبی سے کہا: ہمارے لیے کوئی بادشاہ مقرر کر دیں تو ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے

قَالَ هَلْ عَسِیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمْ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ط

(نبی نے) کہا اگر تم پر قتال فرض کر دیا جائے تو شاید تم قتال نہیں کرو گے

قَالُوْا وَمَا لَنَا اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا

انہوں نے کہا: ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال نہ کریں حالانکہ ہمیں اپنے گھروں

مِنْ دِیَارِنَا وَاٰبِنَاۓنَا قَدْ كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا ط

اور اہل و عیال سے نکال دیا گیا ہے پھر جب ان پر قتال فرض کیا گیا تو چند لوگوں کے سوا باقی

اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ط وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِالظَّالِمِیْنَ ﴿۲۳۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ

سب نے روگردانی کی اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے O اور ان کے نبی نے ان سے کہا

دقیق لایزم

يٰۤاَيُّهَا اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ط قَالُوْا

ہے شک اللہ نے طالوت کو تمہارے لیے بادشاہ مقرر فرما دیا ہے نہیں نے کہا

اِنِّیْ یَّکُوْنُ لَہٗ الْمُلْکُ عَلَیْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْکِ مِنْہٗ

اس کی بادشاہی ہم پر کیے ہو گی حالانکہ ہم اس سے زیادہ بادشاہی کے مستحق ہیں

وَلَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ط قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَصْطَفٰہُ

اور اس کو مال کی وسعت بھی نہیں دی گئی (ان کے) نبی نے کہا: ہے شک اللہ نے اس کو تمہارے لیے

عَلَیْکُمْ وَزَادَہٗ بَسْطَہٗ فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ط وَاللّٰہُ یُؤْتِی

منتخب فرمایا ہے اور اس کو علم اور جسم میں زیادہ کشادگی عطا فرمائی ہے اور اللہ جسے چاہے

مُلْکَہٗ مِّنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۳۷﴾

اپنا ملک عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے ○

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو بنو اسرائیل کی ایک جماعت کے جہاد کی طرف متوجہ کرنے کے اسرار

اس سے پہلی آیتوں میں مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا تھا اور مسلمانوں کو جہاد کی طرف راغب کرنے کے لیے پچھلی امتوں میں سے ان لوگوں کے احوال کو بیان فرمایا تھا جو موت سے ڈر کر بھاگے پھر بھی ان کو موت نے آلیا تاکہ مسلمان یہ غور کریں کہ جب موت سے مفر نہیں ہے تو کیوں نہ شہادت کے آئینہ میں موت کا استہلال کیا جائے اور ان آیتوں میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کو جو جہاد کا مکلف کیا ہے وہ ان پر کوئی پہلا یا نیا حکم نہیں ہے ان سے پہلے بھی بنو اسرائیل کو جہاد کا مکلف کیا گیا تھا اور جب کسی حکم کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کسی ایک جماعت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ میں ہر امت کو اس حکم کا مکلف کیا جا رہا ہے تو اس حکم کا بار مشقت کم ہو جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے زمانہ کے بنو اسرائیل اللہ کے حکم کی اطاعت اور آپ کی نبوت پر ایمان لانے میں فضول ضد بحث اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ضد اور کج بخشی سے ملال ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں اور آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد یک نبی کے زمانے میں بنو اسرائیل کی ضد اور ہٹ دھرمی کی طرف متوجہ فرمایا کہ یہ ضد اور ہٹ دھرمی ہمیشہ سے بنو اسرائیل کا دیرہ رہا ہے اور یہ ان کے عمل کا ایک تسلسل ہے جو آپ کے زمانہ کے بنو اسرائیل میں بھی پایا جاتا ہے۔

بنو اسرائیل کی اس جماعت کے نبی آیا شمویل تھے یا شمعون؟

اس آیت میں جس نبی کا ذکر کیا گیا ہے اس کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے وہب بن مہبہ نے بیان کیا کہ وہ نبی شمویل

تھے مدی نے کہا اس بی کا نام تمہوں ہے مگر نے فائدہ سے روایہ کیا ہے کہ یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہے بعد حضرت یوشع بن نون تھے۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

دہب بن منہ نے بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد بنو اسرائیل میں حضرت یوشع بن نون خلیفہ ہوئے اور انہوں نے تورات کے احکام کو نافذ کیا ان کے بعد حضرت کالب بن یونا خلیفہ ہوئے انہوں نے کئی تورات کے احکام کو نافذ کیا ان کی وفات کے بعد حضرت حزقیل بن یوزی خلیفہ ہوئے ان کی وفات کے بعد بنو اسرائیل میں بنی حواریت ہوئے اور انہوں نے تورات کے احکام کو فراموش کر کے بت پرستی شروع کر دی پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں ایلیاس بن یحیٰی خاص بن اعیرار بن ہارون بن عمران کو مبعوث کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے بن یسویں کو تورات کے احکام کی تجدید کے لیے فرمایا تھا حضرت ایلیاس کے ساتھ بنو اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا جس کا نام احاب تھا اس وقت تمام بنو اسرائیل بت پرستی کرتے تھے اور حضرت ایلیاس ان کو اللہ وحدہ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے حضرت ایلیاس کی دعوت کو بنو اسرائیل مسترد کر دیتے تھے صرف ایک بادشاہ ان کی دعوت سنتا تھا اور وہ بھی بت پرستی میں مشغول ہو گیا پھر ان کے بعد حضرت الیسع خلیفہ ہوئے وہ بھی کچھ عرصہ بعد وفات پا گئے پھر یکے بعد دیگرے نبی آتے رہے ان کے پاس ایک تابوت تھا جو آباء و اجداد سے ان کے پاس چلا آتا تھا اس میں یکہ اور آل موسیٰ اور آل ہارون کے بقیہ ترکات تھے ان کا جب بھی کسی دشمن سے مقابلہ ہوتا وہ اس تابوت کو آگے کر دیتے اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کو دشمنوں پر فتح عطا فرماتا پھر ان میں ایک بادشاہ ہوا جس کا نام ایلا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایلیا کے پہاڑ میں برکت رکھی تھی اس طرف سے ان پر دشمن حملہ نہیں کرتا تھا اور جب ان کی برائیاں حد سے بڑھ گئیں تو وہ تابوت ان کے ہاتھ سے جاتا رہا وہ بادشاہ مارا گیا اور انہوں نے اپنے دشمن سے شکست ذلت کھائی اس وقت میں حضرت شمویل نبی تھے وہ یہی وہ نبی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے ذکر کیا ہے کہ اے نبی! کیا آپ نے موسیٰ کے بعد بنو اسرائیل کے ایک گروہ کو نہیں دیکھا جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا ہمارے لیے کوئی بادشاہ مقرر کر دے تو ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (نبی نے) کہا اگر تم پر قتال فرض کر دیا جائے تو شاید تم قتال نہیں کرو گے انہوں نے کہا ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال نہ کریں حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور اہل و عیال سے نکال دیا گیا ہے پھر جب ان پر قتال فرض کیا گیا تو چند لوگوں کے سوا باقی سب نے روگردانی کی اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔ امام ابن اسحاق نے دہب بن منہ سے روایت کیا ہے کہ جب بنو اسرائیل پر مصیبتیں نازل ہوئیں اور انہیں ان کے شہروں سے نکال دیا گیا تو انہوں نے اپنے نبی حضرت شمویل بن بالی سے کہا ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں ہم اللہ کی راہ میں قتال کریں گے نبی نے ان سے کہا تم نے کبھی وعدہ پورا نہیں کیا اور نہ جہاد سے تمہیں کوئی رغبت ہے انہوں نے کہا ہم کیسے جہاد سے بھاگیں گے حالانکہ ہمیں ہمارے شہروں سے نکال دیا گیا ہے۔

امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں دوسری روایت یہ بیان کی ہے۔

سدی نے بیان کیا ہے کہ بنو اسرائیل علاقہ سے جنگ کرتے رہتے تھے اور علاقہ کا بادشاہ جالوت تھا علاقہ نے بنو اسرائیل کو شکست دی اور ان پر جزیہ مقرر کر دیا اور ان کی تورات بھیجی لی بنو اسرائیل اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ ان میں کوئی نبی مبعوث فرمائے جس کے ساتھ مل کر وہ علاقہ سے اپنی شکست کا بدلہ لیں۔ مدت کے خاندان کے سب لوگ فوت ہو چکے تھے ان میں سے صرف ایک حامہ عورت باقی بچی تھی بنو اسرائیل نے اس عورت کو قید کر لیا اس نے اللہ سے دعا کی کہ اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو سو اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور اس عورت نے اس کا نام شمعون رکھا جب وہ بڑا ہوا تو اس کو بیت المقدس میں تورات کی تعلیم کے لیے بھیجا ایک شیخ نے اس کی تربیت کی جب وہ بالغ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مقام نبوت پر فائز کیا۔ حضرت جبریل نے ان سے کہا: آپ اپنی قوم کے پاس جائیں اور ان کو اللہ کا پیغام سنائیں جب وہ قوم کے پاس پہنچے تو قوم نے ان کو بھڑایا اور کہا: تم بہت جلدی نبی بن گئے اور کہا: اگر تم سچے ہو تو ایک بادشاہ مقرر کرو ہم اللہ کی راہ میں قتال کریں گے اور یہ تمہاری نبوت کی دلیل ہوگی حضرت شمعون نے کہا: جب تم پر قتال فرض کر دیا جائے تو شاید تم قتال نہ کرو۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۲۷۵-۲۷۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے پھر جب ان پر قتال فرض کیا گیا تو چند لوگوں کے سوا باقی سب نے روگردانی کی۔ (البقرہ: ۲۴۶)

یہود کو سرزنش

جب ان پر ان کے دشمنوں سے قتال اور اللہ کی راہ میں جہاد فرض کیا گیا تو چند لوگوں کے سوا باقی سب قتال سے پیٹھ موڑ کر بھاگے اور انہوں نے اپنے نبی سے جہاد کی فرضیت کا جو سوال کیا تھا اس کو صفع کر دیا اور جن چند لوگوں کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرمایا ہے یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے طالوت کے ساتھ دریا کو عبور کر لیا تھا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اصحاب جو آپ کے ساتھ بدر میں تھے ان کی تعداد طالوت کے اصحاب کے برابر تھی جنہوں نے ان کے ساتھ دریا کو عبور کر لیا تھا اور وہ تین سو دس اور کچھ تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۳ مطبوعہ نور محمد مع الطحاوی کراچی ۱۴۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے O (البقرہ: ۲۴۶)

ظالم سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد شکنی اور وعدہ خلافی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اس میں ان یہود پر زجر و توبیخ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت موجود تھے کیونکہ وہ اس رسول کی بعثت کے منتظر تھے انہوں نے تورات کی وساطت سے اس نبی کی اطاعت کا عہد کیا تھا یہ اس نبی کے توسل سے فتح کی دعائیں کیا کرتے تھے اور جب یہ نبی مبعوث ہو گئے تو انہوں نے سارے عہد و میثاق پس پشت ڈال دیئے اور صاف اور صریح علامتیں پائی جانے کے باوجود اس نبی کو نہیں مانا اور اس نبی کا کفر کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور ان کے نبی نے ان سے کہا: بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارے لیے بادشاہ مقرر فرما دیا ہے انہوں نے کہا: اس کی بادشاہی ہم پر کیسے ہوگی؟ حالانکہ ہم اس سے زیادہ بادشاہی کے مستحق ہیں اور اس کو مالی وسعت بھی نہیں دی گئی۔ (البقرہ: ۲۴۷)

طالوت کا بیان

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب بنی اسرائیل کی جماعت نے حضرت شمویل سے بادشاہ کا مطالبہ کیا تو حضرت شمویل نے اللہ سے دعا کی کہ وہ ایک بادشاہ کو بھیج دے اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا تمہارے گھر یا درپہی خانہ میں جو تیل پڑا ہوا ہے اسے دیکھتے رہو جب کسی شخص کے آنے کی وجہ سے وہ تیل جوش مارنے لگے تو وہی بنو اسرائیل کا بادشاہ ہوگا۔ حضرت شمویل یا درپہی خانہ میں رکھے ہوئے تیل کو دیکھنے لگے کہ کب کوئی شخص آتا ہے اور اس میں جوش آتا ہے۔ طاووت بنیا مین بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے ان کی نسل میں نبوت رہی تھی نہ بادشاہت وہ چیزے کا کام کرتے تھے ایک دن طاووت اپنے غلام کے ساتھ اپنے گم شدہ جانور کو ڈھونڈنے نکلے جب وہ حضرت شمویل کے گھر کے پاس سے گزرے تو غلام نے کہا اس نبی کے گھر چلیں شاید یہ ہمارے گم شدہ جانور کے متعلق کچھ بتائیں جب طاووت حضرت شمویل سے بات کر رہے تھے تو اچانک مٹیخ میں رکھا ہوا تیل جوش مارنے لگا حضرت شمویل نے ان کو قریب بلایا اور ان کے سر پر وہ تیل لگایا اور کہا تم بنو اسرائیل کے بادشاہ ہو اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں تم کو ان کا بادشاہ بناؤں طاووت نے کہا آپ کو علم ہے کہ میں بنو اسرائیل کے نچلے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں؟ فرمایا ہاں! کہا: آپ کو علم ہے کہ میرا قبیلہ اور میرا گھر سب سے پست اور نچلے درجہ کا ہے؟ فرمایا ہاں! پھر بنو اسرائیل کو بتایا کہ طاووت ان کا بادشاہ ہے انہوں نے اعتراض کیا کہ ہم اس سے زیادہ بادشاہی کے مستحق ہیں اور اس کے پاس زیادہ مال بھی نہیں ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے لیے منتخب کر لیا ہے اور اس کو تم سے زیادہ علم اور جسم عطا فرمایا ہے بنو اسرائیل کی تسلی کے لیے حضرت شمویل نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک عصا دیا اور کہا تمہارے بادشاہ کا قد اس کے برابر ہوگا اور جب طاووت کو اس عصا کے ساتھ ناپا تو وہ ان کے قد کے برابر تھا۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۷۹-۲۸۰ مطبوعہ دارالمرکز بیروت ۱۴۰۹ھ)

حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں:

طاووت کا نام سریانی زبان میں شاول بن قیس بن امال بن ضرار بن تحرب بن افح بن اسن بن بنیا مین بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام شرک تھا ان کو ان کے بہت لمبے قد کی وجہ سے طاووت کہا گیا ہے یہ وہی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز میں ذکر فرمایا ہے جنہوں نے جالوت کو قتل کیا اور ان کی بیٹی سے حضرت داؤد علیہ السلام نے نکاح کیا۔ کعب احبار نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے طاووت کو بادشاہ بنایا وہ پہلے گدھوں کو چراتے تھے وہ فقیر تھے اور بالکل کنگال تھے ان کے دو گدھے گم ہو گئے وہ ان کی تلاش میں نکلے تلاش میں بہت دیر ہو گئی اور ان کو سخت بھوک لگی حضرت شمویل کے گھر سے مساکین کھانا کھاتے تھے اللہ تعالیٰ نے حضرت شمویل کی طرف وحی کی: میں تمہارے پاس اس شخص کو بھیج رہا ہوں جو گدھا ڈھونڈنے نکلا ہے وہی بنو اسرائیل کا بادشاہ ہوگا جب وہ تمہارے پاس آئے تو ایک سرکنڈے سے اس کی پیائش کرنا پھر وہ سرکنڈا بنو اسرائیل کو دے دینا کہ جس شخص کا قد اس سرکنڈے کے برابر ہوگا وہی تمہارا بادشاہ ہوگا اس سرکنڈے کی لمبائی آٹھ ذراع (بارہ فٹ) تھی حضرت شمویل نے وہ سرکنڈا بنو اسرائیل کو دیا کہ اس کے برابر قد کے شخص کو تلاش کرو انہوں نے بہت تلاش کیا مگر ان کو بنو اسرائیل میں اتنا لمبا شخص کوئی نہیں ملا حضرت شمویل نے ان کو بتایا وہ شخص طاووت ہے جو گدھے چراتا ہے انہوں نے اس کی پیائش کی تو طاووت کا قد اس سرکنڈے کے برابر تھا انہوں نے پوچھا تم کس کی سبط (اولاد) ہو؟ طاووت نے کہا میں سبط بنیا مین سے ہوں تو وہ اس سے متنفر ہوئے اور اس کو ناپسند کیا نیز طاووت کنگال اور مقروض تھا بنو اسرائیل نے کہا جو شخص کنگال اور مقروض ہو وہ ہمارا بادشاہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اس کے بادشاہ ہونے کی کیا علامت ہے؟ حضرت شمویل نے کہا: اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے پاس تمہارا گم شدہ تابوت آئے گا بنو اسرائیل نے کہا اگر یہ ہمارا تابوت واپس کر دے تو ہم اس کی بادشاہت پر راضی ہو جائیں گے وہ تابوت ان کے دشمن جالوت نے چھین لیا تھا اس نے وہ

تاہوت اپنے بت خانہ میں رکھا تو سارے بت اور سب سے بڑا بت اس تاہوت کے سامنے عہد میں گر پڑا۔ عمالقد یہ منظر دیکھ کر غضب ناک ہوئے اور اس تاہوت کو بوس و براز کی جگہ ڈال دیا۔ اس اہانت کی پاداش میں رات کو چوبے ان کا پیٹ کاٹ کر ان کے سرز سے نکل جانے اس سے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ ان پر یہ مصیبت اس تاہوت کی وجہ سے آئی ہے۔ پھر انہوں نے دو بہلوں کے جوئے پر یہ تاہوت رکھ کر انہیں ہانک دیا اور فرشتے اس تاہوت کو اٹھا کر طاہوت کے پاس لے آئے۔

حضرت ابن عباس نے بیان کیا اس تاہوت میں تورات کی الواح کے ٹکڑے تھے۔ حضرت موسیٰ کا عصا تھا اور حضرت ہارون کا عصا تھا اور ان کی قبا (اچکن) تھی اور بنو زمرہ سے بنا ہوا بلی کا سر تھا۔ سیکنہ سے یہی مراد ہے جسب لڑائی ہوتی تو بنو اسرائیل اس تاہوت کو آگے رکھتے۔ بلی کے اس سر سے چیخ نکلتی اور رنائے دار ہوا چلتی اور تاہوت فصا میں بلند ہو جاتا اور اس سے دوزبائیں باہر نکلتیں۔ ایک میں نور ہوتا اور ایک میں ظلمت مسلمانوں پر نور پھیل جاتا اور کفار پر ظلمت چھا جاتی۔ پھر بنو اسرائیل کو جنگ میں کامیابی حاصل ہوتی تھی۔ (مختصر تاریخ و تفسیر ج ۱ ص ۱۶۶-۱۶۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ

اور ان کے نبی نے ان سے کہا بے شک اس بادشاہ کی سلطنت کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تاہوت

فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ

آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے سیکنہ (سکون آور چیز) ہے اور آل موسیٰ

وَالْهُرُودُ نَحْمِلُهَا إِلَيْكُمُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ

اور آل ہارون کی چھوڑی ہوئی باقی ماندہ کچھ چیزیں ہیں اس تاہوت کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے اگر تم مومن ہو تو بے شک

إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ

اس میں ضرور تمہارے لیے ایک عظیم نشانی ہے O

بنو اسرائیل کے تاہوت کی تحقیق

علامہ ابوالحیاء اندلسی لکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن السائب رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ یہ صندوق شمشاد کی لکڑی سے بنا ہوا تھا اور اس پر سونے کے پترے چڑھے ہوئے تھے یہ تین ہاتھ لمبا اور دو ہاتھ چوڑا تھا اس تاہوت کی عظمت بنو اسرائیل کے نزدیک مشہور و معروف تھی وہ اس کو گم کر چکے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کے مندرجات کو ہم رکھا ہے اور اس کی تصریح نہیں فرمائی کہ اس صندوق میں کیا تھا اس کو فرشتے اٹھائے ہوئے تھے ہم اس صندوق کے متعلق اس چیز کو اختصار سے بیان کریں گے جس کو مفسرین اور مؤرخین نے بیان کیا ہے۔ مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ یہ تاہوت حضرت آدم علیہ السلام پر اتارا گیا تھا اس میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے گھروں کی تصویریں تھیں اور آخری گھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد یہ تاہوت حضرت شیث علیہ السلام سے منتقل ہوتا ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچا پھر حضرت اسماعیل

علیہ السلام کے پاس رہا پھر ان کے بیٹے قیدار کے پاس پھر ان سے ان کے عم زاد اولاد احاق نے اس میں تنازع کیا اور یہ کہا اس نور کے سوا تم سے نبوت لے لی گئی ہے انہوں نے تابوت نہ دیا اور ایک دس اس کو کھولنے کی کوشش کی تو ان سے نہیں کھلا پھر آسمان سے ایک منادی نے ان کو ندا کی کہ نبی کے سوا اس کو کوئی نہیں کھول سکتا تم یہ اپنے عم زاد جنوٹ کو دے دو انہوں نے اس کو اپنی پیٹھ پر اٹھا کر اپنے عم زاد حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا دیا پھر یہ تابوت نواسراکیل میں منتقل ہوا اور یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا انہوں نے اس میں تو رات کو رکھا اور اپنی بعض دوسری چیزیں بھی رکھیں پھر یہ نواسراکیل سے انبیاء میں منتقل ہوتا ہوا حضرت ثمویل تک پہنچا (المیزان ج ۲ ص ۵۸۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

سکینہ کا معنی اور اس کے مصداق کی تحقیق

سکینہ کا معنی ثبات امن اور سکون ہے قرآن مجید میں ہے ”تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَكَ اَللّٰهُ سَكِيْنَةً عَلٰى رَسُوْلِهِ وَاَلَيْكَ اَلْاَمْنُ مِنْهُ“ (۲۶-۲۷) پھر اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں پر سکون اور اطمینان نازل کیا۔

صحابہ کرام اور فقہاء تابعین سے سکینہ کے متعدد معانی منقول ہیں زمانے دار ہوا پردوں اور دم والی کوئی چیز سونے کا طشت زمرہ یا ثبوت کی تصویر جس کا سر اور دم بلی کی ہو وہ بشارات جو اللہ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر نازل کیں طاوت کی فتح کی بشارت وہ جانی پہچانی آیات جن سے سکون حاصل ہو رحمت اور وقار وغیرہ۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں سکینہ انسان کے چہرہ کی طرح ایک چہرہ ہے یا پھر یہ زمانے دار ہوا ہے۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ سکینہ کے دو پر اور ایک دم ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سکینہ سونے کا ایک جنتی طشت ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کے قلوب کو غسل دیا جاتا ہے۔

ربیع نے کہا سکینہ تمہارے رب کی طرف سے رحمت ہے۔ قتادہ نے کہا سکینہ وقار ہے سب سے اعلیٰ قدر دے دے جس کا عطاء بن ابی رباح نے بیان کیا کہ سکینہ وہ معروف عائشیں ہیں جن سے داؤں کو سکون حاصل ہوتا ہے

(جامع البیان ج ۲ ص ۳۸۵-۳۸۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سکینہ کا معنی طمانیت ہے اور جب کہ نواسراکیل کو تابوت سے آنے سے طمانیت حاصل ہوئی تو تابوت کو سکینہ کے لیے مجازاً ظرف قرار دیا گیا۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں حضرت براہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی سورۃ کہف پڑھ رہا تھا اور اس کا گھوڑا دو لمبی رسیوں سے بندھا ہوا تھا اس شخص کو ایک بادل نے ڈھانپ لیا وہ بادل چکر لگاتا ہوا قریب ہو رہا تھا اور اس کا گھوڑا اس سے ڈر کر متوش ہو رہا تھا جب صبح ہوئی تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا وہ سکینہ تھا جو قرآن کی وجہ سے نازل ہوا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۸ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ سکینہ کے کئی معنی ہیں اور مختار یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی چیز ہے جس میں طمانیت اور رحمت ہوتی ہے اور اس کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں۔

نیز امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ ایک رات حضرت سید بن خضیر اپنے اصطلیل میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے ناگاہ ان کا گھوڑا اچھلنے لگا اور حضرت اسید کو یہ خوف ہوا کہ کہیں وہ ان کے بچے یحییٰ کو پھل نہ دے دیں (حضرت اسید کہتے ہیں) اس کی

طرف کھڑا ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سر کے اوپر نضا میں چراغوں کی مثل سا بان ہے۔ صبح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کو عرض کیا آپ نے فرمایا: یہ فرشتے تھے جو تمہارا قرآن سن رہے تھے اگر تم پڑھتے رہتے تو صبح سب لوگ ان کو دیکھ لیتے اور وہ کسی پر غفلی نہ رہتے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حضرت براہ کی حدیث میں سیکھنے سے تعبیر کیا اور حضرت اسید کی حدیث میں اس کو فرشتوں سے تعبیر فرمایا آپ نے فرشتوں کو سیکھنے اس لیے فرمایا کہ ان کا ایمان غایت طمانیت میں ہوتا ہے وہ ہمیشہ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی کبھی معصیت نہیں کرتے۔
امام مسلم روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستہ پر جائے اللہ تعالیٰ ان کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور جو جہنم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں کتاب اللہ کی تلاوت کرتی ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ درس کا تکرار کرتی ہے ان پر سیکھنا نازل ہوتی ہے انہیں رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ کی اس حدیث میں اللہ کے گھر میں کتاب اللہ کی تلاوت کرنے والوں اور اس کے درس کی تکرار کرنے والوں پر نازل سیکھنا کا بیان ہے کیونکہ جو شخص کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہے اور اس کے معانی میں تدبر اور نظر کرتا ہے اس کو طمانیت اور انشراح قلب حاصل ہوتا ہے۔

آل موسیٰ اور آل ہارون کے باقی ماندہ تبرکات کا بیان

بنو اسرائیل کے تابوت میں آل موسیٰ اور آل ہارون کے باقی ماندہ تبرکات تھے ان کی تعیین میں صحابہ اور فقہاء تابعین کے مختلف اقوال ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان باقی متروک چیزوں میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور الواح تورات کے ٹکڑے تھے۔ ابو صالح نے بیان کیا: اس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کا عصا تورات کی دو تختیاں اور من رکھے ہوئے تھے۔

عطیہ بن سعد نے بیان کیا: اس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی لٹائیاں ان کے کپڑے اور الواح تورات کے ٹکڑے تھے اور بعض نے کہا: اس میں ان کی لٹائیاں اور نعلین تھیں

ابن زید نے بیان کیا کہ دن کے وقت فرشتے تابوت کو لے کر آئے اور بنو اسرائیل ان کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے سدی نے کہا ہے کہ فرشتوں نے وہ تابوت طالوت کے گھر کے سامنے لا کر رکھ دیا تب بنو اسرائیل حضرت شمعون (یا حضرت شموئل) کی نبوت اور طالوت کی بادشاہت پر ایمان لے آئے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۳۸۹۔ ۳۸۷ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)
علامہ ابوالیمان اندلسی لکھتے ہیں۔

خدادہ نے بیان کیا ہے کہ اس تابوت کو حضرت موسیٰ نے حضرت یوشع کے پاس میدان تپہ میں چھوڑا تھا وہ وہیں پر رکھا رہا اور بنو اسرائیل اس پر مطلع نہ ہو سکے حتیٰ کہ فرشتوں نے اس کو اٹھا کر طالوت کے گھر میں رکھ دیا پھر وہ طالوت کی بادشاہت پر ایمان لے آئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ اس تابوت کو بھجوایا تاکہ اس نشانی کی عظمت پر لوگ متنبہ ہوں کیونکہ فرشتے بڑے بڑے

کاموں کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت عظیم قوت عطا کی ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ کی کتابوں کو اللہ کے پاس سے لاتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام پر نازل کرتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کے نافرمانوں پر مدائن کی سرزمین اس دی تھی وہ روجوں کو قبض کرتے ہیں اور عرش الہی کو اٹھائے ہوئے ہیں ایسی قوت والے فرشتے جس تابوت کو اٹھا کر الایس کے وہ اللہ کی طرف سے بہت بڑی نشتانی ہوگی!

دہب بن مہب نے بیان کیا ہے کہ بنو اسرائیل نے اپنے نبی سے پوچھا کہ تابوت کس وقت آئے گا؟ انہوں نے فرمایا صبح کو وہ تمام رات سوئے حتیٰ کہ صبح انہوں نے آسمانوں اور زمین کے درمیان فرشتوں کے چلنے کی آواز سنی۔

(المحرر المجلد ۲ ص ۵۸۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

امام رازی لکھتے ہیں:

یہ تابوت حضرت آدم علیہ السلام پر نازل کیا گیا تھا اس میں ان کی اولاد میں سے انبیاء علیہم السلام کی تصویریں تھیں۔ یہ اولاد آدم علیہ السلام سے منتقل ہوتا ہوا حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا پھر بنو اسرائیل کے پاس رہا ان کا جب کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو وہ اس تابوت کو حکم بناتے اور جب دشمنوں سے جنگ ہوتی تو اس تابوت کو اپنے آگے رکھتے اور اس کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے اپنے دشمنوں کے خلاف فتح کی دعا کرتے اور فرشتے اس تابوت کو ان کے لشکر کے اوپر اٹھا لیتے وہ لشکر سے لڑتے رہتے اور جب اس تابوت سے ایک چیخ کی آواز آتی تو ان کو فتح اور نصرت کا یقین ہو جاتا جب بنو اسرائیل نے اللہ کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد کیا تو اللہ نے ان کے دشمن عمالقہ کو ان پر مسلط کر دیا عمالقہ نے ان کو شکست دے دی اور ان سے تابوت چھین کر لے گئے پھر جن کافروں نے ان سے تابوت چھینا تھا انہوں نے اس تابوت کو گندگی اور بول و براز کی جگہ ڈال دیا اس وقت کے نبی نے ان کے خلاف دعاء ضرر کی تو اللہ نے ان کافروں کو ایک بلاء میں مبتلا کر دیا جو شخص بھی اس تابوت کے پاس گندگی ڈالتا اللہ تعالیٰ اس کو بواسیر میں مبتلا کر دیتا تب ان کافروں نے یہ جانا کہ ان پر یہ مصیبت اس تابوت کی بے حرمتی کی وجہ سے نازل ہوئی ہے انہوں نے دو بیلوں کے جوئے پر اس تابوت کو رکھ کر ہانک دیا وہ بیل چلتے رہے اللہ تعالیٰ نے چار فرشتے ان بیلوں کے ساتھ محافظ کر دیئے حتیٰ کہ وہ فرشتے اس تابوت کو طاوت کے پاس لے آئے اور تب بنو اسرائیل کو طاوت کی بادشاہت کا یقین ہو گیا۔

نقل رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس تابوت کی اضافت حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی آل کی طرف کی گئی ہے حالانکہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے دور کے صدیوں بعد عہد طاوت تک یہ بنو اسرائیل کی تحویل میں رہا ہے اور تورات میں جو چیزیں تھیں ان کے وارث حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے متبع علماء تھے اس لیے یہاں پر آل تبعین کے معنی میں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ”اَذْخُلُوا آلَ فِرْعَوْنَ اَشْدَّ الْعَذَابِ“ (التافر ۴۶)۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۹۱-۲۸۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

دیگر انبیاء علیہم السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات سے استفادہ اور حصول شفاء

قرآن مجید کی اس آیت اور امام رازی کی بیان کردہ تفسیر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی استعمال کی ہوئی چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے کس قدر برکت رکھی ہے ان تبرکات (عصا کپڑے اور نعلین) کے وسیلہ سے بنو اسرائیل نے فتح اور نصرت کی دعائیں کی وہ فتح یاب ہوئے اور قوم عمالقہ نے ان تبرکات کی بے حرمتی کی تو وہ بواسیر ایسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ اس کی تائید سورہ یوسف میں ہے جب حضرت یوسف علیہ السلام کی قیص حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر رکھی گئی

تو ان کی بیانی لوٹ آئی

إِذْ هَبُوا بَقِيَّتِي هَذَا فَاتَّخَذُوا عَلَيَّ دَجُورًا
يَا نَارُ بِهِنَّ يَا يَوْمَايَ (یوسف ۹۳)

میری یہ قمیص لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔

احادیث میں بھی انبیاء علیہم السلام کے تبرکات سے استفادہ اور استغاضہ کا بیان ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت اسماء بنت ابی بکر کے غلام عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت اسماء نے حضرت عبد اللہ بن عمر کے پاس بھیجا اور کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے انہوں نے ایک طیالسی کسروانی جبہ نکالا جس کی آستینوں اور گریبانوں پر ریشم کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے حضرت اسماء نے کہا: یہ جبہ حضرت عائشہ کی وفات تک ان کے پاس تھا اور جب ان کی وفات ہوئی تو پھر میں نے اس پر قبضہ کر لیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس جبہ کو پہنتے تھے ہم اس جبہ کو دھو کر اس کا پانی بیماروں کو پلاتے تھے اور اس جبہ سے ان کے لیے شفا طلب کرتے تھے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۲ مطبوعہ نور محمد ریح الطباع کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن عبد اللہ بن مویب بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے گھر والوں نے حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پانی کا ایک پیالہ دے کر بھیجا۔ اسرائیل نے تین انگلیاں سکیز کر اشارہ کیا کہ وہ چھوٹا پیالہ تھا اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں سے ایک بال تھا اور لوگوں کی عادت تھی کہ جب کسی انسان کو نظر لگ جاتی یا اور کوئی مرض لاحق ہو جاتا تو وہ حضرت ام المومنین کے پاس ایک تغار بھیجتا سو میں نے گھنٹی کی شکل میں ایک ٹنگی دیکھی جس میں (آپ کے) سرخ رنگ کے موئے مبارک تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۷۵ مطبوعہ نور محمد ریح الطباع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

مراد یہ ہے کہ جو شخص بیمار ہو جاتا وہ اپنا برتن حضرت ام سلمہ کے پاس بھیجتا وہ اس برتن میں ان مبارک بالوں کو رکھ دیتیں اور اس برتن میں ان بالوں کو بار بار دھوئیں پھر برتن والا حصول شفاء کے لیے اس غسالہ (دھوون) کو پی لیتا یا اپنے بدن پر مالتا تو اس کو اس کی برکت حاصل ہوتی۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۵۳ مطبوعہ دار الفکر لکھنؤ ۱۴۰۱ھ)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

جعفر بیان کرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے دن حضرت خالد بن ولید کی ٹوپی گم ہو گئی انہوں نے کہا: اس کو تلاش کرو انہوں نے بار بار ڈھونڈا وہ ٹوپی نہیں ملی بالآخر وہ ٹوپی مل گئی وہ بہت بوسیدہ ٹوپی تھی حضرت خالد نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا اور سر کے بال منڈوائے تو صحابہ ہر طرف سے آپ کے بال مبارک لینے کے لیے جھپٹ پڑے میں نے بھی آپ کے چند بال لے لیے اور میں نے ان کو اس ٹوپی میں رکھ لیا اس کے بعد میں جس جنگ میں بھی شریک ہوا تو یہ ٹوپی میرے ساتھ ہوتی تھی اور مجھے اس جنگ میں فتح نصیب ہوتی تھی۔ (دلائل النبوة ج ۶ ص ۱۳۹ مطبوعہ دار الفکر لکھنؤ بیروت)

اس حدیث کو امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔ (المستدرک ج ۳ ص ۱۹۹ مطبوعہ دار البیروت مکہ مکرمہ)

حافظ البیہقی نے اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ اور امام طبرانی کے حوالوں سے بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ دونوں سندیں صحیح ہیں۔ (معجم الزوائد ج ۹ ص ۲۳۹ مطبوعہ دار الفکر لکھنؤ بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

غیب بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں غیب بن عدی کا ہونٹ کٹ کر لٹک گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن لگا کر اس کو جوڑ دیا۔ (دلائل البقرہ ج ۳ ص ۹۸۔ ۹۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)
امام ابو یعلیٰ روایت کرتے ہیں:

حضرت قتادہ بن نعمان بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں ان کی ایک کاڈھیلا نکل کر رخسار پر لٹک گیا لوگوں نے ارادہ کیا کہ اس کو کاٹ دیں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے فرمایا: نہیں پھر آپ نے ان کو بلایا اور اپنی پتیلی سے اس ڈھیلے کو اپنی جگہ پر رکھ کر دہایا پھر قتادہ بن نعمان کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ اس کی کون سی آکھ کاڈھیلا نکل تھا۔

(مسند ابو یعلیٰ ص ۲ ج ۲ ص ۲۶۱ مطبوعہ دارالماہون تراش بیروت ۱۴۰۳ھ)

اس حدیث کو امام بیہقی نے امام ابن اثیر نے حافظ ابن کثیر نے اور حافظ ابو نعیم نے بھی روایت کیا ہے۔

حافظ نور الدین الکبیری نے اس حدیث کو امام بزار اور امام طبرانی کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔

(معجم الزوائد ج ۸ ص ۲۹۵ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام بخاری اور امام دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ ان کی سب سے زیادہ صحیح

آکھ تھی۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۲۲۵ مطبوعہ دارالکتب بیروت ۱۳۹۸ھ)

حافظ الکبیری بیان کرتے ہیں:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن ان کی آکھ زخمی ہو گئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں

لعاب دہن لگا یا تو وہ ان کی سب سے بہتر آکھ تھی۔ (معجم الزوائد ج ۸ ص ۲۹۸ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت اہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل میں

جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ فتح فرمائے گا وہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا

رسول اس شخص سے محبت کرتا ہے اس رات صبح یہ غور کرتے رہے کہ کل آپ کس کو جھنڈا عطا فرماتے ہیں صبح کو سنا آپ کے

پاس گئے اور ہر ایک کو امید تھی کہ آپ اس کو جھنڈا عطا کریں گے آپ نے فرمایا: علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ سچا یہ نے کہا: یا

رسول اللہ ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں آپ نے فرمایا: انہیں بلاؤ وہ جاسے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں

میں لعاب دہن ڈالا تو ان کی آنکھیں اس طرح ٹھیک ہو گئیں کہ گویا کبھی ان میں درد ہی نہیں ہوا تھا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۶۔ ۶۰۵ مطبوعہ نور محمد مع المطابع لراپی ۱۳۸۱ھ)

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حضرت علی کو جانے کے لیے

بھیجا اور فرمایا: آج میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے یا فرمایا: جس سے اللہ اور اس کا

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۵ھ دلائل البقرہ ج ۳ ص ۱۰۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

امام ابو الحسن علی بن ابی الکرم المعروف بابن اثیر الجزیری المتوفی ۷۳۰ھ اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۹۵ مطبوعہ دارالکتب بیروت

حافظ محمد بن اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۹۱ مطبوعہ دارالکتب بیروت ۱۳۹۳ھ

حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ صہبانی متوفی ۴۳۰ھ دلائل البقرہ ج ۲ ص ۲۸۳۔ ۲۸۲ مطبوعہ دارالکتب بیروت

رسول محبت کرنے ہیں 'مضرب علی کی آنکھیں دھستی تھیں' میں ان کو چارے سے پکڑ کر لایا 'رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی آنکھ میں لعاب دہن ڈالا اور ان کو بھنڈا عطا فرمایا' حضرت علی نے اپنی تلوار سے مرہب کا سراڑا دیا اور اللہ نے اس کے ہاتھ پر خیر فتح فرمایا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

قاضی عیاض مالکی لکھتے ہیں:

عَلِی نے جب بن فدیہ سے روایت کیا ہے کہ ان کے والد کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور انہیں کچھ بھی نہیں دکھائی دیتا تھا 'رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا تو ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور میں نے دیکھ کہ وہ اتنی سال کی عمر میں سوئی میں دھاگا ڈال لیتے تھے۔

جنگ احد کے دن کثوم بن حصین کے سینہ میں زخم لگا 'رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں لعاب دہن ڈالا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔

جنگ خیبر کے دن حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی پر لعاب دہن لگایا تو وہ جڑ گئی۔

کعب بن اشرف کے قتل کے معرکہ میں حضرت زید بن معاذ کی ٹانگ ٹوٹ گئی آپ نے لعاب دہن لگایا تو وہ جڑ گئی۔

جنگ خندق کے دن حضرت علی بن الحکم کی پنڈلی ٹوٹ گئی آپ نے لعاب دہن ڈالا تو وہ جڑ گئی۔

جنگ بدر کے دن ابوہریرہ نے حضرت معوذ بن عفرہ کا ہاتھ کاٹ دیا آپ نے لعاب دہن لگا کر وہ ہاتھ جوڑ دیا۔

جنگ بدر کے دن حضرت حبیب بن یساف کے کندھے پر ضرب لگی 'کندھا کٹ کر ایک طرف جھک گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کندھا جوڑ کر لعاب دہن لگایا وہ جڑ گیا۔

قبیلہ شمس کی ایک عورت آپ کے پاس اپنے بچہ کو لے کر آئی وہ کسی بیماری کی وجہ سے بول نہیں سکتا تھا آپ نے پانی

منگایا 'کلی کی اور ہاتھ دھوئے' پھر وہ غسل اس بچہ کو پلایا تو وہ بچہ صحیح ہوش و حواس سے باتیں کرنے لگا۔

آپ کے سامنے کھانا رکھا تھا آپ وہ کھانا کھا رہے تھے ایک لڑکی میں حیا بہت کم تھی وہ کہنے لگی آپ اپنے منہ سے

نوالہ نکال کر مجھے دے دیں آپ نے وہ نوالہ اس کو دے دیا آپ سے جس چیز کا بھی سوال کیا جاتا تھا تو آپ منع نہیں فرماتے

تھے جب وہ نوالہ اس کے پیٹ میں پہنچا تو پورے مدینہ میں اس سے زیادہ حیا کوئی لڑکی نہیں تھی۔

(الانفاذ ج ۱ ص ۲۲۳ - ۲۲۳، مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی ملتان)

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ

پھر جب طالوت اپنے لشکروں کو لے کر روانہ ہوا تو اس نے (اہل شکر سے) کہا بے شک اللہ تمہیں ایک دریا کے ذریعہ

يَنْهَرُ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ

آزمائش میں مبتلا کرے گا سو جس نے اس سے (پانی) پی لیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہو گا اور جس نے اس دریا

فَاتَّعَىٰ مِنِّي إِلَّا مَنِ اعْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ

سے صرف ایک آدمہ چلاو کے علاوہ نہ پیا وہ میرے طریقہ پر ہو گا تو چند لوگوں کے سوا

إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ

سب نے اس سے خوب پانی پیا پھر جب طاوت اور اس کے ساتھ ایمان والے اس دریا سے گزر گئے تو (پانی پینے والوں نے)

قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ

کہا آج چالوت اور اس کے لشکریوں سے لڑنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے جن لوگوں کو یہ یقین تھا کہ وہ اللہ سے ملاقات کرنے

يُظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلِقُوا اللَّهَ لَكُم مِّنْ فَتْنَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ

والے ہیں انہوں نے کہا بہت دفعہ اللہ کے حکم سے قلیل جماعتیں کثیر جماعتوں

فِتْنَةً كَثِيرَةً يَأْذِنُ اللَّهُ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٥١﴾ وَلَمَّا بَرَزُوا

پر غالب آ جاتی ہیں اور اللہ (مدد کرنے کے لیے) مبر کرنے والوں کے ساتھ ہے O اور جب وہ چالوت

لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا سَرِينَا أَخْرَجُ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبَّتْ

اور اس کے لشکریوں کے سامنے صف آرا ہوئے تو انہوں نے دعا کی اے ہمارے رب! ہم پر صبر اٹھیل دے اور ہم کو ثبات

أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٥٢﴾ فَهَزَمُوهُمْ يَأْذِنُ

قدم رکھ اور کافروں کی قوم کے خلاف ہماری مدد فرما O سو اللہ کے حکم سے انہوں نے ان (کافروں)

اللَّهُ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَ

کو شکست دے دی اور داؤد نے چالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے انہیں سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور جن چیزوں کا چاہا

عَلَيْهِ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّا

انہیں علم عطا فرمایا اور اگر اللہ بعض لوگوں (کے شر) کو بعض (نیک) لوگوں کے سبب سے دور نہ فرماتا تو ضرور زمین

لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٥٣﴾ تِلْكَ

تباہ ہو جاتی لیکن اللہ تمام جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے O یہ اللہ

آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢٥٤﴾

کی آیات ہیں جنہیں ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت فرماتے ہیں اور بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں O

طاووت کی فتح اور جالوت کی شکست کا بیان

طاووت عمالہ سے قتال کرنے کے لیے اپنے لشکر کے ساتھ بیت المقدس سے روانہ ہوئے اس کی تفسیر میں حافظ حداد الدین سیوطی نے یہ حدیثیں بیان کی ہیں:

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت کیا ہے کہ اسی ہزار بنو اسرائیل طاووت کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے اس زمانہ میں جالوت سب سے زیادہ طاقتور شخص تھا اور اس کی بہت زیادہ ہیبت تھی وہ اپنے لشکر میں سب سے آگے رہتا تھا اور ابھی اس کا لشکر اس تک نہیں پہنچ پاتا تھا کہ وہ دشمن کو شکست دے دیتا تھا جب طاووت کا لشکر روانہ ہوا تو طاووت نے اہل لشکر سے کہا: عنقریب اللہ تمہیں ایک دریا کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا کرے گا سو جس نے اس دریا سے (سیر ہو کر) پی لیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہوگا اور جس نے اس سے صرف ایک آدھ چلو کے علاوہ نہ پیا وہ میرے طریقہ پر ہوگا چار ہزار کے سوا باقی سب نفوس نے جالوت کی ہیبت سے اس دریا سے پانی پی لیا اور ان چار ہزار افراد نے ہی اس دریا کو عبور کیا اور باقی ماندہ چھ ہزار لشکری دریا عبور نہ کر سکے جن لوگوں نے دریا سے سیر ہو کر پانی پیا تھا وہ سخت پیاس میں مبتلا ہو گئے اور جنہوں نے چلو بھر کر پانی پیا تھا ان کو پیاس نہیں لگی اور جب جالوت نے اور اس کے ساتھ مومنوں نے دریا عبور کر لیا اور انہوں نے جالوت کو دیکھا تو انہوں نے کہا آج ہم جالوت اور اس کے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے اور ان میں سے بھی تین ہزار چھ سو اسی نفوس واپس ہو گئے اور طاووت اہل بدر کی تعداد کے مطابق تین سو تیرہ نفوس کے ساتھ باقی رہ گئے

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس دریا میں ان کو مبتلا کیا گیا تھا وہ فلسطین میں تھا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۱۸ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا طاووت کا لشکر ایک لاکھ تین ہزار تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھا تین سو تیرہ افراد کے سوا باقی سب نے اس دریا سے پانی پی لیا اور یہ غزوہ بدر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی تعداد کے برابر تین سو تیرہ افراد تھے۔ طاووت نے ان سب کو واپس کر دیا اور ان کے ساتھ صرف تین سو تیرہ افراد رہ گئے جب طاووت اور ان کے ساتھ مومنوں نے دریا کو عبور کر لیا تو انہوں نے طاووت سے کہا آج ہم جالوت اور اس کے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے اور جو لوگ آخرت اور اللہ سے ملاقات پر یقین رکھتے تھے انہوں نے کہا کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کے حکم سے قلیل جماعت کثیر جماعت پر غالب آ جاتی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کی مدد کرتا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے فتح اور نصرت کی دعا کی اور دعا وہ واحد ہتھیار ہے جو صرف مومنوں کے پاس ہے اور کافروں کے پاس نہیں ہے۔ حضرت شمویل علیہ السلام نے طاووت کو ایک زرہ دی اور فرمایا جس شخص کے جسم پر یہ زرہ پوری آ جائے گی وہ اللہ کے حکم سے جالوت کو قتل کر دے گا اور طاووت کے منادی نے ندا کی جو شخص جالوت کو قتل کرے گا میں اس کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں گا اور اپنا آدھا مال اس کو دے دوں گا (یہ زرہ حضرت داؤد پر پوری آئی تھی) حضرت داؤد کا پورا نام و نسب یہ ہے۔

داؤد بن ایسا بن حصر بن قانص بن یہودا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

وہب بن مہبہ نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت داؤد نے اپنے توہرے میں ہاتھ ڈالا تو تین پتھر مل کر ایک پتھر بن گئے حضرت داؤد نے اس پتھر کو نکال کر اپنی بنیخ میں ڈال دیا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے بندے داؤد کی مدد کرو جب حضرت داؤد نے آگے بڑھ کر اللہ اکبر کہا تو جن دافس کو چھوڑ کر تمام فرشتوں اور حاملین عرش نے نعرۂ تکبیر بلند کیا جب جالوت

نے اللہ اکبر کی گونج دار ادازدوں کو۔ نو اس نے یہ بچہ کہ تمام دیانے مل کر اس پر حملہ کر دیا ہے زور سے آندھی جلی اور ان پاندھیرا پہا گیا جالوت خود اٹ کر گر گیا حضرت داؤد نے بخینی میں پھر ڈال کر اسے بھونڈا لو اس سے میں پھر نکلے ایک پھر حالوت کی پڑائی بر لگ کر بار ہو گیا اور وہ مقتول ہو کر زمیں پر جا گرا اور پھر شکر جالوت نے مینہ پر جا کر اور ان کو باہر کر دیا۔ پھر اٹھراں کے سرہ پر گر اور ان کو یوں لگا جیسے ان پر پہاڑ آ گرا ہوا وہ سب گھبرا کر بیٹھ سو کر بھاگے اور ایک دوسرے کے پاؤں تلے روندے گئے اور کچلے گئے حالوت ۷ اسرائیل میں کا باب اور کاسراں ہو کر اٹھے اللہ نے ان کو ان کے ذہنوں پر فتح اور نصرت و طفرائی طالوت نے جب وعدہ حضرت داؤد سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اور ان کو نصف مظلوم اور نصف مال عطا کر دیا۔ اس کے بعد حافظ بن عمر نے حضرت ابن عباس اور بخول سے ایک طویل قصہ روایت کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس فتح کے بعد ہو اسرائیل حضرت داؤد علیہ السلام کو زیادہ پسند کرنے لگے اور وہ چاہتے تھے کہ پورا ملک ان ہی کو دے دیا جائے طالوت کو اس سے مسد ہو اواں نے حضرت داؤد کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا لیکن طالوت کی بیٹی جو حضرت داؤد کی اہلیہ تھیں انہوں نے ان کو بروقت سارش سے آگاہ کر دیا طالوت اور اس کے گھر والے مارے گئے اور تمام بنو اسرائیل حضرت داؤد کی زیر سلطنت آ گئے اللہ تعالیٰ نے ان کو زبور عطا کی اور ان کو زورہ بنانے کا نفل سکھایا اور پہاڑوں اور پرندوں کو ان کے حکم کے تابع کر دیا۔ بسب حضرت داؤد قبیح کرتے تو وہ ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ طبری نے بیان کیا ہے کہ طالوت کی حکومت چالیس سال رہی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۱ ص ۱۷۷-۱۷۸) "مختصر تاریخ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اگر اللہ بعض لوگوں (کے تر) کو بعض (نیک) لوگوں کے سبب سے دور کر دے تو نہ در میں تباہ ہو جاتی۔ (البقرہ ۲۵)

نیکو کاروں کی برکت سے گنہ گاروں سے عذاب کا دور ہونا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جالوت اور اس کے لشکر کے فساد کو طالوت اور اس کے لشکر سے دور فرما دیا اور جالوت کو حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل کر دیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ عام قاعدہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ وہ مفسدین کے شر کو مصلحین سے دور فرماتا ہے اور اگر افسانہ ہوتا تو یہ زمین باہ ہو جاتی اور قیامت آ جاتی اس آیت میں مفسدین اور مصلحین کے متعلق کئی تقریریں کی گئی ہیں بعض لوگوں یہ ہیں

(۱) اللہ تعالیٰ ظالم اور جابر حکمران کے بہر کو کسی نیک شخص کے سبب سے دور کر دیتا ہے جیسے فرعون نے جبر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جالوت کے جبر کو حضرت داؤد علیہ السلام سے دور کر دیا۔

(۲) اللہ تعالیٰ لوگوں کے کفر کو انبیاء علیہم السلام کی ہدایت اور تبلیغ سے دور فرما دیتا ہے

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخَيِّرَ بِهِ النَّاسَ مِنْ الظَّالِمِينَ إِلَى التَّوْبَةِ (ابراہیم)

یہ کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو (کفر کے) اندھیروں سے (ایمان کی) روشنی کی طرف نکالیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ علما اور صالحین کے سبب سے لوگوں کو مباحی اور برائیوں سے دور کر دیتا ہے:

كُنْزٌ خَيْرٌ أُمَّةٍ أَخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْصِدُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران ۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جس کو لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا ہے انم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

برائی کو اچھے طریقہ سے دور کرو۔

(المؤمنون ۹۶)

وَيَذَرُونَ بِالْحَقِيقَةِ الشَّيْئَةَ (التيسر ۵۲) اور وہ بدی کو جیسی کے ذریعہ دور کرتے ہیں۔

اس مفہوم میں وہ حکام بھی داخل ہیں جو اللہ کے احکام کو نافذ کرتے ہیں اور اللہ کی حدود کو قائم کرتے ہیں

(۴) اللہ تعالیٰ انبیاء، خلفاء، سلاطین اور حکام کے ذریعہ لوگوں سے ظلم و غارت گری کوٹ مارا اور نیکو فساد کو دور فرمانا ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفُتِنَتْ
صَوَائِرُكُمْ وَبِئْسَ لَكُمْ مَسَاجِدُ تُوذُونَ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ
كَيْتِيرًا (النح ۲۰) اور اگر ان لوگوں کو ایک دوسرے سے دفع نہ فرماتا و سرور
راہوں کی عبادت گاہیں اور گریبے اور کلبے اور جہنم کی راہوں
جائیں جن میں اللہ کے نام کا بہ کثرت ذکر کیا جاتا ہے

امام (خلیفہ) یا سلطان یا حاکم کی محنت اور اس کی طاعت پر حسب ذیل احادیث شاہد ہیں
حافظ نور الدین ایشی بیان کرتے ہیں:

حضرت ابو بکرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دنیا میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے سلطان
کی عزت کی اللہ قیامت کے دن اس کو عزت عطا کرے گا اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور امام احمد
کے راوی ثقہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم پر میرا حق ہے اور تم پر امرا کا
بھی حق ہے جب تک وہ تین چیزوں کو قائم رکھیں جب ان سے رحم طلب کیا جائے تو رحم کریں جب وہ فیصلہ کریں تو عدل کریں
اور جب وہ جہد کریں تو اس کو پورا کریں اور جس نے یہ نہیں کیا اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو ان کا فرسخ
قبول نہ ہو گا نہ نفل اس کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں بعض راوی غیر معروف ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۱۶ ۱۱۵ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بغیر امام کے سر کیا وہ نہ
جاہلیت کی موت مرے اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۱۸ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

(۵) اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام اور صالحین کے سبب سے کفار اور فاسق پر ہونے والے عذاب کو دور کر دیتا ہے اگر اللہ تعالیٰ
ایسا نہ کرتا تو اس عذاب سے زمین تباہ ہو جاتی اس کی تصدیق ان آیات میں ہے

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ
اور اللہ (کے شایان شان) نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے
ورآں حالیکہ آپ ان میں موجود ہیں۔ (الاحزاب: ۲۳)

لَوْ تَرَى كُفَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا
(النح: ۲۵) والوں میں سے) کافروں کو دردناک عذاب دیتے ○
اگر وہ ایمان والے وہاں سے نکل جاتے تو ہم ان (کو)

حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہما السلام نے گاؤں والوں کی ایک گرتی ہوئی دیوار بنا دی حالانکہ ان لوگوں نے ان کی
میزبانی اور ضیافت سے انکار کر دیا تھا اور دیوار بنانے کی اجرت بھی نہیں لی حضرت خضر نے اس کی وجہ بیان کی

وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ
وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا
اور رہی دیوار تو وہ شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی
تھی اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ ایک

(الکلب: ۸۲) نیک آدمی تھا۔

اور اس کی تصدیق ان احادیث میں ہے حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں
امام ابن جریر اور امام ابن عدی نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نیک مسلمان کے سبب سے اس کے پڑوس کے سو گھروں سے بدادوں کو دور کر دیتا ہے۔
امام ابن جریر نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایک نیک مسلمان کے سبب سے اس کی اولاد، اولاد در اولاد اس کے اہل خانہ اور اس کے پڑوس کی
اصلاح فرما دیتا ہے اور جب تک وہ شخص ان میں رہے اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتا ہے۔

امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے ”شعب الایمان“ میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ تعالیٰ
نمازیوں کے سبب بے نمازیوں سے عذاب کو دور کر دیتا ہے اور حج کرنے والوں کے سبب سے حج نہ کرنے والوں سے عذاب
کو دور کر دیتا ہے زکوٰۃ دینے والوں کے سبب سے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے عذاب کو دور کر دیتا ہے۔

امام احمد، حکیم ترمذی اور امام ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا شام میں چالیس ابدال ہیں جب بھی ان میں سے کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ دوسرے کو اس کا بدل بنا دیتا ہے ان کے
وسیلہ سے بارش ہوتی ہے اور دشمنوں کے خلاف مدد حاصل ہوتی ہے اور ان کے سبب سے اہل شام سے عذاب دور کیا جاتا ہے
اور امام ابن عساکر کی روایت میں ہے ان کے سبب سے روئے زمین سے بلاء اور غرق کیے جانے کو دور کیا جاتا ہے۔

امام طبرانی نے ”معجم کبیر“ میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا میری امت میں تیس ابدال ہیں انہی کے وسیلہ سے زمین قائم ہے انہی کے وسیلہ سے بارش ہوتی ہے اور انہی کے وسیلہ
سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۲۰ مطبوعہ مکتب آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت فرماتے ہیں اور بے شک آپ ضرور
رسولوں میں سے ہیں۔ (البقرہ: ۲۵۲)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دلیل اور آپ کو تسلی دینے کا بیان

ان آیات کا اشارہ ان ہزاروں اسرائیلیوں کی طرف ہے جو طاعون کی صورت میں موت کو دیکھ کر شہر چھوڑ کر بھاگے اللہ
تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی پھر ایک نبی کی دعا سے ان کو زندہ کر دیا اور طاوت کو بادشاہ بنایا اور اس کی بادشاہت کی
دلیل پر تابوت کو نازل کیا اور عمالقہ اور جانوت کو حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں قتل کرایا اور یہ تمام واقعات اللہ تعالیٰ کی
عظیم قدرت اس کی حکمت اور اس کی رحمت پر دلالت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان آیات کو آپ پر ہم تلاوت
فرماتے ہیں حالانکہ ان آیات کو آپ پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تلاوت کیا تھا اس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت
جبرائیل کا پڑھنا گویا اللہ کا پڑھنا ہے اس میں حضرت جبرائیل کو اسی طرح مشرف فرمایا ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
عزت افزائی کے لیے فرمایا:

إِنَّ الدِّينَ يُبَاقِعُونَكَ تَبَاقِيًا يَعْزُونَ اللَّهُ ط

بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت

(الحج: ۱۰) اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہم ان آیات کو حق کے ساتھ آپ پر تلاوت کرتے ہیں تو اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں

(۱) جس طرح سابقہ امتوں نے اللہ کی راہ میں غیتوں اور مصائب کو برداشت کیا اس طرح آپ کی امت کو بھی جہاد فی سبیل اللہ میں غیتوں اور مستفتوں کو برداشت کرنا چاہیے یعنی یہ واقعات حق ہیں اور ان میں تدبیر کے ان پر عمل کرنا چاہیے۔
(۲) حق سے مراد یقین ہے یعنی ان واقعات کے ثبوت میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی یہ واقعات اسی طرح لکھے ہوئے ہیں۔

(۳) ہم نے ان واقعات کو ایسی فصیح و بلیغ عبارات میں بیان کیا ہے کہ کوئی شخص ان کی نظر نہیں اسکا اور یہ آپ کے برحق ہونے پر دلیل ہے۔

(۴) یہ آیات حق ہیں یعنی یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں یہ انقا، شیطان سے ہیں نہ کائناتوں اور جادو گروں کی تحریف ہیں نہ شعر و شاعری ہیں اس کے بعد فرمایا ہے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں کیونکہ یہ آیات دو وجہ سے آپ کی رسالت پر دلالت کرتی ہیں:

(۱) آپ نے سابقہ امتوں کے یہ واقعات بیان فرمائے جن کی تصدیق اس زمانہ کی آسمانی کتابوں میں موجود تھی حالانکہ سب جانتے تھے کہ آپ نے کسی مکتب میں جا کر پڑھنا نہیں سیکھا نہ علماء اہل کتاب سے آپ نے یہ واقعات سنا اس کے باوجود جب آپ نے بغیر پڑھے اور سنے یہ واقعات بالکل درست بیان فرمادیے تو یہ اس بات پر روشن دلیل ہے کہ اللہ نے اپنی وحی کے ذریعہ آپ کو ان سے مطلع فرمایا اور اس نے اپنا کلام آپ پر نازل فرمایا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما کر آپ کو یہ بتایا کہ ہر زمانہ میں رسولوں کی مخالفت ہوتی رہی ہے اور ان کا انکار کیا جاتا رہا ہے سوا کر کچھ لوگ آپ کو نہیں مانتے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے رسولوں سے ہمیشہ اسی طرح ہوتا آیا ہے ہر زمانہ میں رسولوں کو اسی لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اللہ کا پیغام پہنچادیں اور وہ اپنی خوشی اور اختیار سے اس کو قبول کر لیں کسی رسول کو بھی جبراً مسلمان کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا سوا کر بعض ضدی اور ہٹ دھرم لوگ آپ کی رسالت کو نہیں مانتے تو آپ غم نہ کریں کیونکہ آپ کا کلی طور پر نہ مانا جانا عین تاریخ رسالت کے مطابق ہے اور اگر یہ آپ کو رسول نہیں مانتے تو کیا ہوا اہم تو کہتے ہیں کہ آپ ضرور اللہ کے رسولوں میں سے ہیں

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ

ان سب رسولوں (میں سے) ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ان میں سے بعض سے

مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۖ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ

اللہ نے کلام فرمایا اور بعض کو (بے شمار درجوں کی) بلندی عطا فرمائی اور ہم نے عیسیٰ ابن

مَرْيَمَ الْبَيْتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتُلَ

مریم کو واضح نشانیاں دیں اور ہم نے روح القدس (جبرائیل) سے اس کی مدد فرمائی اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے

الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ اخْتَلَفُوا

واضح بتائیاں آنے کے بعد آپس میں قول نہ کرتے لیکن انہوں نے اختلاف کیا

فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا

سواں میں سے کوئی ایمان لے آیا اور کسی نے کفر کیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں قول نہ کرتے

وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ۝

لیکن اللہ وہی کرتا ہے جس کا وہ ارادہ فرماتا ہے ۝

رسولوں کی باہمی فضیلت

اس سے پہلے اس سورت میں متعدد نبیوں اور رسولوں کا ذکر آچکا ہے مثلاً حضرت آدمؑ حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ حضرت اسحاقؑ حضرت یعقوبؑ حضرت شموئیلؑ حضرت حزقیلؑ حضرت داؤدؑ حضرت سلیمانؑ اور حضرت عیسیٰؑ عیسیٰ مینا سیدنا محمدؐ الصلوٰۃ والسلام اس لیے پڑھنے والے کے ذہن میں یہ تجسس پیدا ہوگا کہ آیا یہ تمام نبی اور رسول درجہ اور مرتبہ میں برابر ہیں یا ان میں درجات اور مراتب کا فرق ہے؟ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ان سب رسولوں (میں سے) ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے یعنی بعض رسولوں کو ایسی خصوصیات اور فضیلتیں عطا فرمائی ہیں جو دوسرے بعض رسولوں کو عطا نہیں فرمائیں اور چونکہ اس سورت کا اکثر حصہ ہوا سرائیل کے احوال پر مشتمل تھا اور ان میں زیادہ تر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھے اور ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنو سرائیل کے آخری نبی تھے اس لیے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی فضیلتوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا کہ ہم نے بعض کو کام سے سرفراز فرمایا یعنی ان سے بلا واسطہ کام فرمایا ان سے حضرت آدمؑ حضرت موسیٰ اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اس کے بعد فرمایا اور بعض کو (بے شمار درجوں کی) بلندی عطا فرمائی اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اللہ تعالیٰ نے یہاں سراحۃ آپ کا نام نہیں لیا کیونکہ غیر غنائی درجات کے ساتھ آپ کا مخصوص ہونا اس قدر مشہور اور معروف ہے کہ آپ کا سراحۃ ذکر نہ کیا جائے پھر بھی ذہن آپ کے سوا اور کسی کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ آپ کو درجات کی بلندی عطا کی گئی ہے یہ نہیں بیان فرمایا کہ کتنے درجات کی بلندی عطا فرمائی ہے کیونکہ عالم اعداد میں کوئی عدد ایسا ہے ہی نہیں جو آپ کے تمام درجات کو بیان کر سکے اور کسی حد اور کسی عدد کا ذکر نہ فرما کر اس پر متنبہ کیا ہے کہ آپ کے درجات کا کوئی شمار نہیں نہ ان کی کوئی حد ہے کہ آپ رحمت لاکھائیں اور خاتم النبیین ہیں نواۓ حمد کے حامل اور مقام محمود پر فائز ہیں تمام سابقہ شریعتوں کے مانع ہیں کوثر و تسبیل کے ساقی ہیں عالم بیثاق میں تمام انبیاء اور مرسلین سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت کرنے کا مہد و پیمان لیا گیا آپ تمام انبیاء اور مرسلین کے قائد ہیں شب معراج اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دیدار سے شرف فرمایا اور ہر شہر تمام اہل محشر کو آپ کی شفاعت کی احتیاج ہوگی آپ کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے کائنات مدد کو راضی کرتی ہے اور اللہ آپ کو راضی فرماتا ہے اور ایسے بہت سے فضائل و خصائص ہیں جو صرف آپ ہی کو حاصل ہیں یہ اجمالی ذکر ہے اور ان شاء اللہ ہم اس کو تفصیل سے بھی بیان کریں گے اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا علیحدہ ذکر فرمایا کیونکہ

اس کے شجر استریہ رہے ہیں۔ مسلمان مردوں کو زندہ کرنا، مادہ اور ادانہوں کو پتہ کرنا اور برکی اور کوڑھ سے سر لٹکانے کو بدعت
کونہ غریبہا پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد واسے واضح کتابیاں آنے کے بعد آپس میں محال رہے
لیکن انہوں نے اختلاف کیا۔ (البقرہ: ۲۵۲)

بعض کفار عرب کے اسلام نہ لانے پر آپ کو تلی دینا

اس آیت سے مفہود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نامحمدؐ کی اشد علیہ وسلم کو مانا، ان کی ہرادی سے کہ دھرم نے موسیٰ بن نوحؑ نے واضح دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود کہا: "میں اللہ کو ظاہر باہر دکھاؤ" اور ہمارے لیے ایک "ہود بنادو"۔ یہاں کا مفہود ہے: یہی طرح حضرت عیسیٰؑ کی قوم نے روشن دلائل اور معجزات مثلاً: مر دوں کو زندہ کرنا اور کوز جیوں کو تندرست کرنا دیکھا، ان سے باوجود انہوں نے حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کی تکذیب کی اور اس کو قتل کرنے کے درپے ہوئے، اب اب کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ آپؐ بھی سابقہ رسولوں کی طرح ایک رسول ہیں تو اگر آپ کے دلائل اور معجزات پیش کرنے سے باوجود آپ کی قوم نے بعض لوگ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

وَإِنْ يَكُذِّبُونَكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ
تُرُوجُ وَعَادُ وَثَمُودُ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ
وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ وَكَلِّيبَ بْنَ مَوْسَى

اور اگر یہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں (تو آپ پر مین نہ
ہوں) (سوان سے پہلے نوح کی قوم نے اور عاد نے اور ثودا نے
تکذیب کی تھی) اور اگر اہم کی قوم نے اور اوطاتی قوم نے O

(غ ۴۴) اور استاد مدین نے (بھٹی گندھ کی ٹٹھی) اور سوئی کی گندھ کی ٹٹھی۔

نیز فرمایا

فَإِنْ كُنَّا بِبُؤَاكَ فَقَدْ كَرِهَ رُسُلُ قَوْمٍ قَبْلِكَ
جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ○

اگر یہ آپ کی تکذیب کریں (خوفم نہ کریں) آپ —
 پیچھے رسولوں کی بھی تکذیب کی گئی ہے جو واضح، اہل آسمانی
 پیغمبروں اور دشمن کتاب لے کر آئے تھے۔ O

اور اگر اللہ چاہتا تو نہ وہ لوگ اختلاف کرے اور نہ آپ کی قوم کے بعض لوگ مخالف ہوئے اور اللہ تعالیٰ اس سب کو نہ
مسلمان کر دیتا اور نہ ایمان بھی کوئی شخص کسی نبی کا مخالف اور کافر نہ ہوتا لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت کے خلاف ہے
اس نے انسان کو حریت فکر اور سوچ، پھر رسی آزادی عطا کی ہے اس نے کفر اور ایمان اور ہدایت اور گمراہی کے راستے پیدا کئے
شیطان کو پیدا کیا جو انسان کو کفر اور گمراہی کی طرف بلاتا ہے اور انبیاء اور رسل مبعوث فرمائے جو اس کو ایمان اور ہدایت کی
دعوت دیتے ہیں اور انسان کو قتل مبہم دھوکا کی بیچ اور تجھوٹ و رکھ سے اور کھوکھلے کو پر کھنے کا شعور، ماں باپ اور یہ دیکھنا چاہیے
کہ انبیاء اور رسل کی دعوت پر کتنے لوگ صراطِ مستقیم کو اختیار کرتے ہیں اور شیطان کے بہکانے میں آ کر کتنے لوگ گمراہی
کو اختیار کرتے ہیں اس لیے فرمایا لیکن انہوں نے اختلاف کیا سو ان میں سے کوئی ایمان لے آیا اور کسی نے کفر کیا اور اراحد
چاہتا تو وہ آپس میں قتال نہ کرتے لیکن یہی کرتا ہے جس کا وہ ارادہ فرماتا ہے۔

اب ہم قرآن مجید اور احادیث صحیحہ مشہورہ سے بیان کریں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں و رسلوں سے افضل ہیں۔ فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة یلیق۔

”رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

(۱) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (۱۱۰ انبیاء، ۱۰۷)

تو بھیجا ہے O

آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں اور اپنے وجود اور بقاء میں ہر چیز کو رحمت کی ضرورت ہے تو ساری کائنات آپ کی محتاج ہوئی اور محتاج الیہ محتاج سے افضل ہوتا ہے اس لیے آپ ساری کائنات سے افضل قرار پائے اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں سے بھی افضل ہوں آپ سے پہلے جو نبی آئے ان کی قوموں نے ان کی تکذیب کی تو ان قوموں پر عذاب آیا جب آپ کی قوم کے کافروں نے آپ کی تکذیب کی اور عذاب کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ

اور اللہ کی یہ تان نہیں ہے کہ وہ آپ کے ہوتے ہوئے

(الافعال: ۲۳) ان کافروں کو عذاب دے۔

انبیاء سابقین کے آنے کے بعد کافروں سے عذاب ٹل نہیں سکتا تھا اور آپ کے آنے کے بعد عذاب آپ آ نہیں سکتا تھا۔

تمام نبیوں اور رسولوں کے نبی ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

اور یاد کیجئے جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ میں تم کو

جو کتاب اور حکمت دوں پھر تمہارے پاس ایک عظیم رسول آ

جائے جو اس (کتاب اور حکمت) کی تصدیق کرے جو تمہارے

پاس ہے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس

کی مدد کرنا فرمایا، کیا تم نے اس کا اقرار کر لیا اور اس پر میرے

بھاری عہد کو قبول کر لیا؟ ان سب نے کہا: ہم نے اقرار کیا فرمایا

سو گواہ ہو جاؤ اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں O

پھر اس عہد کے بعد جو اس سے پھر اتو وہی لوگ نافرمان (فاسق)

ہیں O

اس آیت سے واضح ہوا کہ انبیاء سابقین میں سے جس نبی کے زمانہ میں بھی آپ مبعوث ہو جاتے اس نبی پر لازم ہوتا

کہ وہ آپ پر ایمان لائے۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کے بعد جس نبی کو بھی بھیجا اس

سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عہد لیا کہ اگر اس نبی کی زندگی میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو جائیں تو وہ

ضرور ضرور ان پر ایمان لائے اور ضرور ضرور ان کی نصرت کرے اور اپنی قوم کو بھی ان پر ایمان لانے کا حکم دے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۳۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اس ذات کی قسم

جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

(المصنف ج ۹ ص ۴۷ مطبوعہ دار القرآن کراچی ۱۳۰۶ھ)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ (شرح الترمذی ج ۳ ص ۱۱۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ ۱۴۱۲ھ)
امام ابو یعلیٰ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم اگر موسیٰ تمہارے زمانہ میں زندہ ہوتے تو ان کے لیے میرے سوا کسی کی پیروی کرنا جائز نہ ہوتا۔

(مسند ابو یعلیٰ ج ۲ ص ۱۲۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۴ھ)

امام احمد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۸ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)
حافظ البیہقی اور حافظ سیوطی نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء اور رسل حکماً اور تقدیراً ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں اور نبی امت سے افضل ہوتا ہے اس سے واضح ہوا کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں۔

تمام نبیوں اور رسولوں کو عالم میثاق میں کیے ہوئے اس عہد کو پورا کرنے کا انتظار تھا اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ (البقرہ ۱۲۹)

اے ہمارے رب! ان میں ایک عظیم رسول بھیج دے جو ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی باطنی اصلاح کرنے بے شک تو ہی بڑا غالب اور بہت حکمت والا ہے ○

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے آنے کی بشارت دی:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ بَنِي إِسْرَءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ○ (الف ۶)

اور یاد کیجئے جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے ہوا سرا بھیل! بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرتا ہوں اور اس عظیم رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام نامی احمد ہے۔

امام احمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عرابض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور بے شک (اس وقت) آدم اپنی مٹی میں تھے اور عنقریب میں تم کو اپنی ابتداء کے متعلق بتاؤں گا میں ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا خواب ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا اور بے شک ان سے ایک نور نکلا جس سے (ملک) شام کے محلات روشن ہو گئے۔

۱۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی المتوفی ۸۰۷ھ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۴ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۲۰۰۲ھ

۲۔ حافظ جمال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ الدر المنثور ج ۲ ص ۳۸ مطبوعہ مکتبۃ آیت اللہ العظمیٰ ایران

۳۔ امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۸۔ ۱۲۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

اس حدیث کو امام طبرانیؒ، امام بزارؒ، امام ابن حبانؒ، امام ابو نعیمؒ، امام حاکمؒ، امام بیہقیؒ اور امام بخاریؒ نے بھی روایت کیا ہے۔ امام ذہبیؒ نے لکھا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

تمام انبیاء کے اوصاف اور کمالات کے جامع ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ أَقْتَدُوا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے سو آپ بھی

(الانعام ۹۰) ان کے طریقہ پر چلیں۔

اس آیت میں عقائد اور اصول مراد نہیں ہیں کیونکہ عقائد اور اصول میں تقلید جائز نہیں ہے اور نہ فروع اور اعمال مراد ہیں کیونکہ آپ کی شریعت تمام شرائع سابقہ کے لیے ناخ ہے سو اس سے مراد یہ ہے کہ آپ محاسن اخلاق میں تمام انبیاء علیہم السلام کی پیروی کیجئے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ تمام اوصاف حمیدہ اور تمام اخلاق حسہ جو تمام انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے آپ ان تمام اوصاف اور اخلاق کے جامع ہیں گویا آپ کی صفات کو پھیلاؤ تو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی صفات ہیں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی صفات کو سمیٹو تو وہ تھا آپ کی صفات ہیں آپ کی ذات بہ منزلہ مشن ہے اور تمام انبیاء بہ منزلہ شرح ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَأَنَّكَ لَكَلِّ شَيْءٍ عَظِيمٍ (الہم ۴) اور بے شک آپ ضرور خلق عظیم پر فائز ہیں O

علیٰ کا لفظ استعلاء اور تفوق کے لیے آتا ہے جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص سواری پر سوار ہے سو آپ بہ منزلہ سوار ہیں اور خلق عظیم بہ منزلہ سواری ہے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ دوسرے لوگ نیک ہونے میں نیکی کے تابع ہوتے ہیں اور یہاں نیکی آپ کے تابع ہے آپ جس کام کو کر لیں وہ اچھا ہے اور جس سے منع فرمادیں وہ بُرا ہے خلق عظیم کی باگیں آپ کے ہاتھ میں ہیں آپ جس حرف ان کا رخ موڑ دیں عظمتیں وہیں ہیں آپ عظمتوں کے تابع نہیں ہیں عظمتیں اپنے عظیم ہونے میں آپ کے تابع ہیں:

وَمَا أَسْأَلُكُمْ الرَّسُولُ فَتَدُوكُمْ وَمَا هَلْكُمْ عَنْهُ فَأَنْتُمْ تَدُوكُمْ۔ اور رسول تمہیں جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس سے منع

(الحشر ۷) فرمائیں اس سے باز رہو۔

يَكَادُ نَبِيُّهَا يُضْفَىٰ وَلَوْلَا فَكَّهْ نَادَا نُوْرٌ عَلَىٰ نُورٍ۔ قریب ہے کہ (آپ کی نبوت کا) تیل خود ہی روشن ہو

(نور ۲۵) جائے خواہ اسے (وحی کی) آگ نہ چھوئے (نزول وحی کے

بعد) وہ نور علی نور ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔

۱۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ مجملہ کبریٰ ج ۱۸ ص ۲۵۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۲۔ امام احمد بن عمر بن عبد الحاق طبرانی متوفی ۳۹۳ھ کشف الاستار ج ۱۱ ص ۱۳۳ مطبوعہ مکتبۃ الرسالۃ بیروت

۳۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان بنی متوفی ۳۷۲ھ مؤید الظمان ص ۵۱۲ مطبوعہ دار المکتبۃ العلمیۃ بیروت

۴۔ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ صہبانی متوفی ۳۴۰ھ صلیب ۱ اولیاء ج ۶ ص ۸۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۷ھ

۵۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ المستدرک ج ۲ ص ۶۰۰ مطبوعہ مکتبۃ دار البیاض مکہ مکرمہ

۶۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ دلائل النبوة ج ۲ ص ۱۳۰ مطبوعہ دار المکتبۃ العلمیۃ بیروت

۷۔ امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ شرح السنہ ج ۷ ص ۱۳۰ مطبوعہ دار المکتبۃ العلمیۃ بیروت ۱۴۱۲ھ

۸۔ علامہ غسّٰن الدین محمد بن احمد زہبی متوفی ۸۹۸ھ تنقیح المسند ج ۲ ص ۶۰۰ مطبوعہ مکتبۃ دار البیاض مکہ مکرمہ

قریب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد کا تیل اپنی صفائی اور زکات کی وجہ سے خود ہی روشن ہو جانا خواہ اس کو نور قرآن نے نہ چھوا ہوتا۔ امام بغوی نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ قریب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن لوگوں کے سامنے وحی سے پہلے ظاہر ہو جاتے۔ (روح المعانی ج ۱۸ ص ۱۷۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قاضی عیاض لکھتے ہیں: قریب ہے کہ اس تیل کی طرح سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت لوگوں پر آپ کے دعویٰ نبوت سے پہلے ہی ظاہر ہو جاتی۔ (الشفاء ج ۱ ص ۱۱۱ مطبوعہ دار التواضع کبڑی ملتان)

علامہ شہاب الدین خفاجی نے لکھا ہے:

اس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو اس تیل سے تشبیہ دی گئی ہے جو از خود روشن ہو جاتا ہے۔ (شیم البریاض ج ۱ ص ۱۱۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ملا علی قاری نے لکھا ہے:

کیونکہ آپ کا ظاہر اور باطن صاف تھا آپ میں نبوت اور رسالت مجتمع تھی آپ میں انوار الہیہ بہت قوی تھے اور آپ انوار صمدیہ کے مظہر تھے اور آپ ایسے کامل تھے کہ اگر آپ دعویٰ نبوت نہ کرتے پھر بھی لوگوں پر آپ کی نبوت ظاہر ہو جاتی۔ (شرح الشفاء علی حاشیہ شیم البریاض ج ۱ ص ۱۱۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

ثناہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: یا ام المؤمنین! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کے متعلق بتائیے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں! حضرت عائشہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۶ مطبوعہ نور محمد راجہ الطحاوی کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام بخاری، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام احمد، امام دارمی، اور امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصال اور شائل کی جامع عبارت قرآن مجید ہے اور قرآن مجید کے تمہیں پاروں کو اگر انسانی پیکر میں ڈھالا جائے تو وہ پیکر مصطفیٰ ہے۔

امام مالک نے فرمایا: ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حسن اخلاق کو کامل کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔ (سوط امام مالک ص ۷۵ مطبوعہ مطبعہ کتابی پاکستان لاہور)

امام بغوی روایت کرتے ہیں:

- ۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ ۱۱۱۱ھ دب المطبوعہ ۸۷۔ ۸۶ مطبوعہ مکتبہ اثریہ ساکن لیل
- ۲۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اسحق متوفی ۲۷۵ھ سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۱۹۰۔ ۱۸۹ مطبوعہ مکتبہ بھکاری پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ
- ۳۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ سنن نسائی ج ۱ ص ۱۳۷ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۴۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ سنن ماجہ ص ۱۶۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۵۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۶ ص ۲۶۔ ۱۸۸۔ ۱۱۱۔ ۹۱۔ ۵۴ مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۶۔ امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ سنن دارمی ج ۱ ص ۲۸۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ملتان
- ۷۔ امام ابو یوسف محمد بن حسین یحییٰ متوفی ۲۵۸ھ دلائل التعلیل ج ۱ ص ۲۱۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق کو تمام تک پہنچانے اور محاسن افعال کو کمال تک پہنچانے کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔

(شرح النبی ج ۷ ص ۱۰-۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۲ھ)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ آپ سے پہلے کوئی نبی اور رسول مکارم اخلاق اور محاسن افعال کا جامع نہیں تھا، حضرت داؤد اور سلیمان نے شاہی کی زندگی گزاری اس میں فقر کا نمونہ نہیں ہے، حضرت یحییٰ اور عیسیٰ نے تجرد کی زندگی گزاری اس میں ازدواجی زندگی اور عائلی حیات کا نمونہ نہیں ہے، ایسی کامل زندگی جو انسانیت کے ہر شعبہ پر محیط ہو وہ صرف آپ کی زندگی ہے۔ آپ نے بکریاں چرائیں، گزریوں اور چرواہوں کو اعزاز بخشا، دودھ دوا، گوالوں کی عزت افزائی کی، جوتی مرمت کر لی، موچیوں کا مقام اونچا کیا، پھٹے ہوئے کپڑے سی لیے، خندقیں کھودیں، تجارت ہو، صنعت و حرث ہو، حکومت کا کوئی شعبہ ہو، امامت ہو، خطابت ہو، سپہ سالاری ہو، ہر شعبہ میں آپ کا نمونہ ہے۔ اگر ایک حاکم فخر سے کہے کہ میں حکومت چلا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عامل ہوں تو پیوند لگے ہوئے لباس پہن کر زمین کھودنے والا مزدور بھی کہے گا کہ میں بھی رسول اللہ کی سنت کا امین ہوں، سو ایسی کامل زندگی نبیوں اور رسولوں میں سے کسی نے نہیں گزاری، آپ تمام نبیوں اور رسولوں میں مکارم اخلاق اور محاسن افعال کے سب سے زیادہ جامع ہیں اس لیے سب رسولوں میں آپ ہی سب سے افضل ہیں۔

رسالت کے عموم کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَلَامًا لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا

اور ہم نے آپ کو (قیامت تک کے) تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے۔ (سہ ۲۸)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے رسول ہیں، نیز فرمایا

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ

نَذِيرًا (الفرقان ۱)

فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والے ہوں O

اسی طرح احادیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عموم اور شمول بیان کیا گیا ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں

جو مجھ سے پہلے کسی (نبی) کو نہیں دی گئیں، ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر کے میری مدد کی گئی ہے، تمام روئے زمین

میرے لیے مسجد بنا دی گئی ہے اور طہارت (تیمم) کا ذریعہ بنا دی گئی ہے، سو میری امت کا جو شخص بھی نماز کا وقت پائے وہ

(جہاں بھی ہو) نماز پڑھ لے اور میرے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا اور وہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا، اور

مجھے شفاعت (کبریٰ) عطا کی گئی ہے اور ہر نبی بالخصوص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث

کیا گیا ہوں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸، مطبوعہ نور محمد، مطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام بغوی اور امام دارمی نے بھی روایت کیا ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

۱۔ امام حسین بن سعید نقوی متوفی ۵۱۶ھ شرح النبی ج ۷ ص ۵، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۲ھ

۲۔ امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ سنن دارمی رقم الحدیث ۱۳۹۵، دار المعرفۃ، بیروت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے چھ وجوہ سے اہلباء پر فضیلت دی گئی ہے مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے میری رعب سے مدد کی گئی میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا تمام روئے زمین کو میرے لیے طہارت کا آلہ (تیمم) اور مسجد بنادیا گیا مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت ختم کی گئی۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۹ مطبوعہ دار محمد امجد الطحاوی کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں مجھے ہر کالے اور گورے کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور میرے لیے تمام زمین مسجد اور آلہ طہارت (تیمم) بنا دی گئی ہے۔

الحديث (مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۱ مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۸ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام احمد نے اس حدیث کو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۲-۱۶۱ مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

حافظ البیہقی نے امام بزار کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی بالخصوص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام جن و انس کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۸ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیں چار ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو ہم سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں اور میں نے اپنے رب سے پانچویں چیز مانگی تو میرے رب نے وہ بھی عطا کر دی پہلے نبی کسی ایک شہر (قوم) کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور اس سے تجاوز نہیں کرتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۳۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے کانوں کی طرف اور گوروں کی طرف اور مجھ سے پہلے نبی کو ایک قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا۔ الحدیث

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۳۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

اس حدیث کو امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ (معجم کبیر ج ۱۱ ص ۶۱-۵۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ بیروت)

امام طبرانی نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے۔

(معجم کبیر ج ۱۲ ص ۲۱۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ بیروت)

قرآن مجید اور بہ کثرت احادیث صحیحہ سے واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام جن و انس بلکہ تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیے گئے ہیں ہم ابقرہ ۷۴ کی تفسیر میں ہا حوالہ بیان کر چکے ہیں کہ گوہ اور ہرنی نے آپ کا کلمہ پڑھا درختوں نے آپ کی اطاعت کی پتھروں نے آپ کو سلام عرض کیا اور اونٹنی آپ کے فراق میں روئی اور یہ وہ عظیم خصوصیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے سوا اور کسی نبی کو عطا نہیں کی اس سے واضح ہوا کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں۔

خاتم الانبیاء ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسول ہونا

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ ذُرِّيَّتُكَ
وَاللَّهُ وَخَاتَمُهُ النَّبِيِّينَ (۱۱۱-۱۲۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخر انبیاء ہیں ہر نبی کی شریعت بعد میں آنے والے نبی سے منسوخ ہوتی رہی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء ہیں اور قیامت تک کے نبی ہیں اس لیے آپ کی شریعت باقی اور غیر منسوخ ہے اور اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آپ تمام انبیاء سے افضل ہوں۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پانچ اہل بیت ہیں میں محمد اور احمد ہوں میں ماجی ہوں جس کے سبب سے اللہ کفر کو مٹاتا ہے میں حاشر ہوں لوگ میرے قدموں میں جمع کیے جائیں گے اور میں عاقب (آخری نبی) ہوں (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۱ ج ۲ ص ۷۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں محمد اور احمد ہوں میں ماجی ہوں جس کے سبب سے اللہ کفر کو مٹاتا ہے میں حاشر ہوں میری ایڑیوں پر لوگ جمع کیے جائیں گے اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

اس حدیث کو امام ترمذی اور امام بغوی نے بھی روایت کیا ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور مجھ سے پہلے نبیوں کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے بہت حسین و جمیل گھر بنایا لیکن اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ باقی ہو لوگ اس گھر کے گرد طواف کریں اور تعجب کریں اور کہیں کہ کیوں نہ یہ ایک اینٹ بھی رکھ دی گئی تو میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔ اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۲۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنو اسرائیل کے انبیاء ان کا سیاسی نظام چلاتے تھے۔ جب بھی کوئی نبی فوت ہوتا تو دوسرا نبی اس کا خلیفہ ہو جاتا اور بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

۱۔ امام ابوشامہ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ ج ۲ ص ۵۹۷ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۲۔ امام حسین بن سعید بغوی متوفی ۵۱۶ھ شرح اسہ ج ۷ ص ۱۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ

۳۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ

۴۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ

۵۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۷ مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت علی کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا حضرت علی نے کہا: آپ مجھے بچوں اور غورٹوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں آپ نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون تھے اگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۲ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد کراچی)

اس حدیث کو امام مسلم^۱، امام ترمذی^۲، امام ابن ماجہ^۳ اور امام ابن دہان^۴ نے بھی روایت کیا ہے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے سو میرے بعد کوئی رسول ہوگا نہ نبی۔

اس حدیث کو امام احمد^۵، امام حاکم^۶ اور امام ابن ابی شیبہ^۷ نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک میری امت کے قبائل مشرکین کے ساتھ لاحق نہ ہوں اور جب تک بتوں کی عبادت نہ کی جائے اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی اور عنقریب میری امت میں تمیں کذاب ہوں گے جن میں ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (جامع ترمذی ص ۱۲۳ مطبوعہ دار محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام ابوداؤد^۸، امام احمد^۹ اور امام بیہقی^{۱۰} نے بھی روایت کیا ہے۔

کثرت معجزات کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

وَإِنَّا نَحْنُ كَذَلِكُنَا الَّذِي لَتُكَذَّبُنَا عَنْهُ لَكَ يَحْفَظُونَ ○ بے شک ہم ہی نے قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی

(الحجہ ۹) اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ○

- ۱۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۸ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد کراچی ۱۳۷۵ھ
- ۲۔ امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۵۲۵-۵۲۳ مطبوعہ دار محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۳۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۶۳ھ سنن ابن ماجہ ص ۱۲ مطبوعہ دار محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۴۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۳-۱۸۲-۱۷۷ ج ۲ ص ۳۳۸-۳۳۲ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۵۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان ابی متوفی ۳۵۴ھ الاصحاح پر ترتیب صحیح ابن دہان ج ۱ ص ۹۱ مطبوعہ دار المکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷ھ
- ۶۔ امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۳۳۱ مطبوعہ دار محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۷۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۸۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ المستدرک ج ۲ ص ۲۹۱ مطبوعہ مکتبہ دار البیاض مکہ مکرمہ
- ۹۔ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ المصنف ج ۱ ص ۵۳ مطبوعہ دار الفکر القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ
- ۱۰۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۲۸ مطبوعہ مطبعہ مجتہبی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ
- ۱۱۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۸ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۱۲۔ امام ابو بکر احمد بن حسین قنقی متوفی ۳۵۸ھ دلائل النبوة ج ۶ ص ۲۸۱ مطبوعہ دار المکتب العلمیہ بیروت

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۝
 اس قرآن مجید میں سامنے سے باطل آ سکتا ہے نہ پیچھے
 (نم اسجدہ ۳۲) سے۔

پہلی آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن مجید میں کسی آیت بلکہ کسی حرف کی کمی نہیں ہو سکتی اور دوسری آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن مجید میں کسی حرف کا اضافہ نہیں ہو سکتا غرض قرآن مجید کے یہ دو دعوے ہیں اس میں کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی ہو سکتی ہے اور تیسرا دعویٰ یہ ہے کہ کوئی شخص قرآن مجید کی کسی سورت بلکہ کسی آیت کی بھی ظہر اور مثل نہیں لاسکتا

وَأِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ سَعْدِیْنَا فَاقْتُلُوا
 اِسْوَءَ صُورَةٍ قُتِلَ ۝ (البقرہ ۲۳)
 اور ہم نے جو اپنے (مقدس) بندے پر کلام نازل کیا ہے اگر تم اس کے (منزل من اللہ ہونے کے) متعلق شک میں ہو تو اس (کلام) کی مثل کوئی سورت لے آؤ۔

فَلْيَأْتُوا بِحَدِیثٍ مِّثْلِهِ ۚ إِنْ كَانُوا صَادِقِیْنَ ۝
 اگر وہ بچے ہیں تو اس قرآن جیسی کوئی آیت لے آئیں O
 (سورہ ۲۴)

قرآن مجید کی چھ ہزار سے زیادہ آیتیں ہیں اور ہر آیت میں قرآن مجید کی حقانیت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت پر تین دلیلیں ہیں (۱) قرآن مجید میں زیادتی نہیں ہو سکتی (۲) قرآن مجید میں کمی نہیں ہو سکتی (۳) اس کی کوئی مثل نہیں لاسکتا اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق پر اٹھارہ ہزار سے زائد دلائل ہو گئے۔

علوم و فنون میں دن بدن ترقی ہو رہی ہے اور اسلام کے مخالفین اور آپ کی رسالت کے منکرین کی تعداد بھی دن بدن بڑھ رہی ہے اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ چودہ سو سال سے زیادہ گزر گئے اور اب تک کسی نے اس چیلنج کو نہیں توڑا نہ کوئی شخص قرآن مجید کی کسی آیت کی کوئی مثال لاسکا نہ اس میں کمی یا زیادتی کر سکا اگر اس چیلنج کو توڑنا کسی کے بس کی بات ہوتی تو اب تک وہ اس چیلنج کو توڑ چکا ہوتا۔

دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات مثلاً اٹھنی اور اونٹنی وغیرہ اعیان و جوہر کے قبیل سے تھے لیکن وہ باقی نہ رہے اور قرآن مجید اعراض اور معانی کے قبیل سے ہے اور ہنوز باقی ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک بلکہ اس کے بعد تک باقی رہے گا خلاصہ یہ ہے کہ جس قدر کثیر اور قوی دلائل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر قائم کیے گئے وہ کسی اور نبی اور رسول کی نبوت پر قائم نہیں کیے گئے دیگر انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر دلیل فانی معجزات ہیں آپ کی نبوت پر دلیل باقی رہنے والا اللہ کا کلام قرآن مجید ہے۔

آپ کے دین کے نسخ الا دیان ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے دین کو اپنی نعمت تامہ قرار دیا اور فرمایا

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَذَاتُكُمْ نِعْمَتِي
 آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر
 وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۝ (الاحزابہ ۳)
 اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام طوعاً و بکرہ پسند

لیا۔

آپ کے دین کو ادیان سابقہ کے لیے نسخ قرار دیا اور فرمایا

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ
 اور جس شخص نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کیا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔
 (آل عمران ۸۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کو اتنے معجزات دیئے گئے جن کی مثل پر ایک بشر ایمان لے آئے اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام عطا فرمایا ہے اور مجھے امید ہے کہ میری امت قیامت کے دن ان سب سے زیادہ ہوگی۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ اور امام بخاریؒ نے بھی روایت کیا ہے امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر امتیں پیش کی گئیں میں نے ایک نبی کو دیکھا ان کے ساتھ ایک جماعت تھی ایک اور نبی کو دیکھا ان کے ساتھ ایک اور نبی تھے ایک اور نبی کو دیکھا ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا پھر میرے سامنے ایک عظیم جماعت بند کی گئی میں نے گمان کیا یہ میری امت ہوگی! مجھے بتایا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ کی امت ہے ابنتہ آپ آسمان کے کنارے پر دیکھیں میں نے دیکھا تو ایک بہت بڑی جماعت تھی پھر مجھ سے کہا گیا: آپ دوسرے کنارے کو دیکھیں تو وہاں بھی ایک بہت بڑی جماعت تھی مجھ سے کہا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار ایسے لوگ ہیں جو جنت میں بغیر حساب اور عذاب کے داخل ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کے سوا کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا اے اللہ! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ اے اللہ! تو گواہ ہو جا پھر فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم چوتھائی اہل جنت ہو؟ ہم نے کہا: ہاں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم اہل جنت کی تہائی ہو؟ ہم نے عرض کیا: ہاں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم نصف اہل جنت ہو؟ تمہارے مقابلہ میں دوسری امتیں ایسی ہوں گی جیسے سفید نل میں ایک سیاہ بال ہو یا سیاہ نل میں ایک سفید بال ہو۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۷ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد، کراچی، ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث میں ہے کہ آپ کی امت نصف اہل جنت ہوگی اور دوسری حدیث میں ہے کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے اتنی صفیں آپ کی امت کی ہوں گی یعنی آپ کی امت کل اہل جنت کی دو تہائی ہوگی اور آپ کی امت کا کل نبیوں کی امتوں سے تعداد میں سب سے زیادہ ہونا اور مرتبہ میں سب سے افضل ہونا اس کی دلیل ہے کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں میں سب سے افضل ہیں۔

مقام محمود پر فائز ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّجِيدًا ﴿۱۰﴾
مغتریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر جلوہ کر فرمائے

○ (۱۰ سرا: ۷۹) ○

مقام محمود سے مراد وہ مقام ہے جس مقام پر فائز ہونے والے کی تمام اولین اور آخرین حمد کریں گے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور آپ کو شفاعت کبریٰ عطا کی جائے گی اور آپ تمام اہل محشر کی شفاعت کریں گے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

۱۔ امام محمد بن اسماعیل بن حری متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۳۳ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد، کراچی، ۱۴۰۸ھ

۲۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد، کراچی، ۱۴۰۵ھ

۳۔ امام حسین بن مسعود بخاری متوفی ۲۵۶ھ شرح السنہ ج ۲ ص ۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اذان سننے سے بعد یہ کہا اے اللہ اس دعوت نامہ اور اس کے بعد کھڑی ہونے والی نماز کے رب! محمد کو وسیلہ (جنت میں ایک بلند مقام) اور فضیلت عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود پر فز فرما جس کا تو نے وعدہ کیا ہے اس شخص کے لیے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔ (جامع ترمذی ص ۵۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اور امام مسلم نے روایت کیا ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ہم نودن سے اذان سنو تو اذان کے کلمات کی مثل کہو پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے پھر میرے لیے وسیلہ کی دعا کرو وہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھے امید (یعنی یقین) ہے کہ وہ بندہ میں ہوں سو جس نے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۶ مطبوعہ نور محمد صحیح الطحاوی کراچی ۱۳۷۵ھ)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ کو کلام عطا کیا اور مجھے دیدار عطا کیا اور مجھے مقام محمود اور خوش مورد (جس خوش پر ہوگ واد ہوں گے) کی فضیلت عطا کی (مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۰۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۴ھ)

قرآن مجید اور ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مقام محمود صرف ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوگا نیز وسیلہ (جنت میں مقام بلند) بھی صرف آپ کو عطا ہوگا اور اس میں آپ کے افضل الرسل ہونے کی واضح دلیل ہے۔
اللہ کی رضا جوئی کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَبِّئَنَّكَ قِبْلَتَكَ
تَرْضَاهَا (البقرہ ۱۴۴)
بے شک ہم آپ کے رخ (انور) کا بار بار آسمان کی طرف اٹھ دیکھ رہے ہیں سو ہم آپ کو ضرور اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔

وَمِنْ آيَاتِنَا الَّتِي فِيهَا نُرِيكَ الْكَوْكَبَاطِ النَّهَارَ لَعَلَّكَ تَنْتَهِي
(نہ ۱۳۰)
اور رات کے کچھ اوقات (مغرب اور عشاء) میں اس کی تسبیح کیجئے اور دن کے درمیانی کناروں میں اس کی تسبیح کیجئے تاکہ آپ راضی ہو جائیں ○

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَاهُ (نہی ۵)
اور عنقریب آپ کا رب آپ کو ضرور اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے ○

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! میں صرف یہی جانتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش پوری کرنے میں بہت جلدی فرماتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶ مطبوعہ نور محمد صحیح الطحاوی کراچی ۱۳۸۱ھ)
اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۷۳ مطبوعہ نور محمد صحیح الطحاوی کراچی ۱۳۷۵ھ)
نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ وہ آیات تلاوت کیں جن میں حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ کے شفاعت کرنے کا ذکر ہے پھر آپ نے ہاتھ بلند کیے اور روتے ہوئے فرمایا اے اللہ امیری امت امیری امت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبرائیل احمد کے پاس جاؤ حالانکہ آپ کا رب خوب جانتا تھا (پھر بھی) فرمایا ان سے پوچھو آپ کس وجہ سے روتے ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر آپ سے پوچھ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا کہ آپ نے کیا کہا تھا حالانکہ اللہ خوب جانتا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبرائیل احمد کے پاس جاؤ ورنہ کہو بے شک ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۳ مطبوعہ نور محمد ریح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

تمام انبیاء اور رسول اللہ کو راضی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرتا ہے اور یہ آپ کے افضل الرسل ہونے کی واضح دلیل ہے۔

آپ کے ذکر کی رفعت کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۱﴾ (الم شرح ۳) اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کر دیا O

دنیا میں ہر وقت کسی نہ کسی جگہ پر سورج غروب ہو رہا ہے اور غروب آفتاب کے وقت مغرب کی اذان ہو رہی ہے کسی طرح ہر وقت کہیں نہ کہیں فجر ہو رہی ہے اور جہاں طلوع فجر ہے وہاں فجر کی اذان ہو رہی ہے وعلیٰ ہذا القیاس اور اذان میں جہاں اللہ کا نام بلند کیا جا رہا ہے وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی بلند کیا جا رہا ہے خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں ہر وقت کسی نہ کسی جگہ پر آپ کا نام بلند کیا جا رہا ہے اور جس طرح کلمہ شہادت میں اذان میں اور شہد میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ آپ کا نام رکھا ہے انبیاء سابقین میں سے کسی کا نام اپنے نام کے ساتھ نہیں رکھا نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا آپ کی بیعت کو اپنی بیعت قرار دیا فرمایا:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللَّهَ (النساء ۸۷)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔
اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ط
بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ (فتح: ۱۰)

نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کی عزت کو اپنی عزت کے ساتھ مقرون کیا اور فرمایا "وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِلرَّسُولِ" (النون ۸)
"اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُدْخَلَ صُفْحًا" (البقرہ ۶۳)

اور آپ کی حاجت کو اپنی حاجت کے ساتھ مقرون کیا اور فرمایا "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ" (النحل ۴۴)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی بلندی کا اس سے اندازہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر عزت اور سر بلندی کے مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو اپنے ساتھ ذکر کیا ہے اور فرمایا:

اِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ط

اللہ تعالیٰ اور اس کے سارے فرشتے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر صلوٰۃ پڑھتے (رحمت بھیجتے) رہتے ہیں۔ (احزاب ۵۶)

گویا زل سے لے کے ہر ایک کوئی وقت نہیں گزرتا مگر اس وقت میں اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھتے رہا ہے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ پر یوم واداءت یوم وفات اور یوم بعثت میں صرف تین بار اللہ نے سلام نازل کرنے کا ذکر

فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر زمان و مکان کی کسی قید کے بغیر اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ نازل کرنے کا ذکر فرمایا پھر وہاں امام کا ذکر تھا یہاں صلوٰۃ کا ذکر ہے وہیں تین ایام کی قید ہے یہاں اعداد و شمار کا ذکر نہیں ہے نہ الوہیت کے عدم کا تصور ہے نہ ناسپ کے ذکر کے انقطاع کا تصور ہے۔ **وودفعنا لك ذكرك**۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہی پر پہنچے تو آپ نے اپنے رب سے کلام کیا: آپ نے عرض کیا تو نے میرا ایم کو خلیاں بنایا اور ان کو ملک عظیم عطا کیا اور موسیٰ سے کلام کیا اور داؤد کو ملک عظیم عطا کیا اور ان کے لیے لوہے کو نرم کیا اور ان کے لیے پہاڑوں کو مسخر کیا اور سلیمان کو ملک عظیم عطا کیا اور ان کے لیے پہاڑ جن اور انسان مسخر کر دیئے اور شیطانوں اور سوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا اور ان کو ایسی سلطنت عطا کی جو ان کے بعد اور کسی کو سزا دہ نہ ہوگی اور عیسیٰ کو تورات اور انجیل کا سلم دیا اور ان کو یہ حکمت دی کہ وہ برص اور کوڑھ کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے اور تیرے اذن سے مردوں کو زندہ کرتے تھے اور تو نے ان کو اور ان کی ماں کو شیا طین سے اپنی پناہ میں رکھا اللہ عزوجل نے فرمایا میں نے آپ کو خلیل بنایا اور تورات میں لکھ ہوا ہے کہ وہ خلیل الرحمن ہیں اور آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشر اور نذیر بنایا اور آپ کے لیے شرح صدر کیا اور آپ سے مشکل احکام کا بوجھ دور کیا اور آپ کے ذکر کو بلند کیا اور جب بھی میرا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ آپ کا ذکر کیا جاتا ہے اور آپ کی امت کو سب سے بہتر امت بنایا اور امت وسط بنایا اور آپ کی امت کو اس اور آخر بنایا اور آپ کی امتوں کے دل انا جیل کی کیغیب پر بنائے اور آپ کی امت جب بھی خلیہ پر ممتی ہے تو یہ شہادت دیتی ہے کہ آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں اور آپ کو بہ اعتبار خلقت کے اول الانبیاء اور بہ لحاظ بعثت کے آخر الانبیاء بنایا اور آپ کو عرش کے خزانہ کے نیچے سے سورۃ فاتحہ دی گئی جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی اور آپ کو فاتح اور خاتم بنایا۔ (دلائل اللہ ج ۲ ص ۳۰۳۔ ۳۰۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

آپ کے ذکر کی رفعت سے متعلق قرآن مجید کی آیات اور اس حدیث میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل الرسل ہونے کا واضح بیان ہے۔

دنیا میں اعلان مغفرت ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا اِزِيدًا (فتح ۱-۳)

بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی ○ تاکہ اللہ آپ کے لیے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام معاف فرمادے اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے ○ اور اللہ آپ کو غالب نصرت عطا فرمائے ○

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حدیبیہ سے لوٹتے وقت یہ آیت نازل ہوئی "لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو

۱۔ ذنب کا معنی ہے خطا جرم اور اثم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال پر ذنب کا اطلاق مجازاً ہے کیونکہ آپ معصوم ہیں اور معصوم کا ذنب نہیں ہوتا اس لیے یہاں ذنب سے مراد ہے بدی ہر خلاف اولیٰ کام۔ اب سوال یہ ہے کہ جب آپ کے گناہ نہیں ہیں تو مغفرت و نوب کا کیا معنی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جب معصوم کے ساتھ مغفرت کا تعلق ہوتا ہے تو اس سے مراد ہوتا ہے درجہات کا منہ کرنا اور اپنی رحمت سے نوازا۔

مجھے تمام روئے زمین سے زیادہ محبوب ہے پھر آپ نے اس آیت کو سحایہ کرام کے سامنے پڑھا سحایہ نے عرش کیا بار رسول اللہ! آپ کو مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ آپ کے ساتھ قیامت کے دن کیا کیا جائے گا لیکن ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ تب یہ آیت نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے موس مردوں اور مؤمن عورتوں کو اس جنات میں داخل کرے گا جن کے نیچے دریا بہتے ہیں آپ نے یہ آیت "هَذَا عَطَاؤُنَا" تک تلاوت فرمائی۔ یہ حدیث سنائی ہے۔

(جامع ترمذی ص ۲۶۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام بخاری^۱ اور امام مسلم^۲ نے بھی روایت کیا ہے۔

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کو جمع فرمائے گا لوگ کہیں گے کاش اہم اپنے رب کے حضور شفاعت طلب کرتے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس جگہ ہم کو راحت عطا فرماتا پھر وہ حضرت آدم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی (پسندیدہ) روح پھونکی اور فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا اور انہوں نے آپ کو سجدہ کیا آپ ہمارے رب کے حضور ہماری شفاعت کیجئے حضرت آدم فرمائیں گے میں تمہارا کام نہیں کر سکتا اور اپنی (اجتہادی) خطا یاد کریں گے تم نوح کے پاس جاؤ (آخر حدیث تک) پھر لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے کہ میں تمہارا کام نہیں کر سکتا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ ان کے اگلے اور پچھے ذنب (یعنی پہلا ہر خلاف اولیٰ کاموں) کی مغفرت کر دی گئی ہے

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۱ مطبوعہ نور محمد اصح الطائف کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت میں ذکر کیا ہے کہ جب لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے تو وہ فرمائیں گے

میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ پھر لوگ میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام انبیاء کے خاتم ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھے ذنب (یعنی خلاف اولیٰ کاموں) کو بخش دیا ہے اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۱ مطبوعہ نور محمد اصح الطائف کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۵۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام بزار نے سند جید کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے انبیاء (سابقین) پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے مجھ سے پہلے کسی کو وہ فضیلتیں نہیں دی گئیں میرے گئے اور پچھے ذنب (یعنی خلاف اولیٰ کاموں) کی مغفرت کر دی گئی میرے لیے غیبتوں کو حلال کر دیا گیا میری امت کو سب سے بہتر امت قرار دیا گیا تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد بنا دیا گیا اور اس سے تیہم کو جائز کر دیا گیا مجھے کوثر عطا کی گئی اور میری رعب سے مدد کی گئی اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقت رت میں میری جان ہے تمہارے نبی کے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور آدم اور ان کے ماسوا سب قیامت کے دن اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۱۹۶ مطبوعہ مکتبہ نور محمد رضویہ فیصل آباد)

۱ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۱۹۔ ۶۰۰ مطبوعہ نور محمد اصح الطائف کراچی ۱۳۸۱ھ

۲ امام مسلم بن الحجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۶ مطبوعہ نور محمد اصح الطائف کراچی ۱۳۸۱ھ

حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو "کشف الاستار" میں امام بزار کی سند سے روایت کیا ہے اور "معجم الزوائد" میں ان کے حوالہ سے درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام بزار کی سند حید ہے۔
امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر مجھے السدۃ النتنی کی بلندی پر لے جایا گیا اس کا ہر پناہ تھا بڑا تھا کہ وہ اس امت کو چھپا لیتا اس کے نیچے سے ایک چشمہ جاری تھا جس کا نام سبیل تھا اور اس سے دو دریا نکلے تھے ایک کوثر اور ایک رحمت میں نے اس میں غسل کیا پھر میرے اگلے اور پیچھے ذنب کی مغفرت کر دی گئی۔ (دلائل النبوة ج ۲ ص ۳۹۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)
حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے کچھ چیزیں دی گئی ہیں جن کا میں فخر سے ذکر نہیں کرتا وہ مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں میرے اگلے اور پیچھے ذنب کی مغفرت کر دی گئی ہے اور میری امت کو سب امتوں سے بہتر بنایا گیا ہے اور میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا اور میرے لیے غلام روئے زمین کو مسجد اور آل طہارت بنادیا گیا اور مجھے کوثر دی گئی اور میری دعوت سے مدد کی گئی اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، بے شک تمہارے پیغمبر ہی قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والے ہوں گے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے غائب ہو گئے اور باہر نہیں آئے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ تشریف نہیں لائیں گے پھر آپ باہر آئے اور آپ نے اتنا طویل عرصہ کیا کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ کی روح قبض ہو گئی پھر آپ نے عرصہ سے سر اٹھا کر فرمایا: میرے رب نے مجھ سے میری امت کے متعلق مشورہ کیا کہ میں ان کے ساتھ کیا کروں؟ میں نے کہا: اے میرے رب! جو تو چاہے وہ تیری مخلوق اور تیرے بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ مشورہ کیا میں نے پھر یہی کہا اس نے پھر مشورہ کیا میں نے پھر اسی طرح کہا پھر اللہ نے فرمایا: اے محمد! میں نے آپ کی امت میں سزا نہیں رکھی اور مجھے یہ بشارت دی کہ میری امت سے ستر ہزار کا ایک گروہ پہلے جنت میں داخل ہوگا اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے ان سے حساب نہیں ہوگا پھر اللہ نے میری طرف پیغام بھیجا: آپ دعا کریں قبول ہوگی۔ آپ سوال کریں آپ کو دیا جائے گا۔ میں نے اللہ کے سفیر سے کہا: کیا اللہ میرے سوا کو عطا کرے گا؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کرنے کے لیے ہی تو بھیجا ہے اور میں بغیر فخر کے کہتا ہوں کہ اللہ نے مجھے یہ چیزیں عطا کی ہیں میرے اگلے اور پیچھے ذنب کی مغفرت کر دی اور میرا جہنم کھول دیا اور مجھے یہ نعمت دی کہ میری امت بھوک نہیں رہے گی اور نہ مغلوب ہوگی اور مجھے جنت میں ایک خمر کوثر عطا کی جو میرے حوض میں بہ رہی ہے اور مجھے عزت اور نصرت عطا کی اور ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری رہتا ہے اور مجھے یہ نعمت دی کہ میں انبیاء میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا اور میرے اور میری امت کے لیے غنیمت کو حلال کر دیا اور ہم سے پہلی امتوں پر جن بہت سی چیزیں میں خشتی کی گئی تھی وہ ہم پر حلال کر دیں اور ہم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی اور میں نے (ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے) اس عرصہ کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں پایا۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۳۶-۱۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

۱۔ حافظ الزوائد بن علی بن ابی بکر الشیخ النونی ۸۷۷ھ کشف الاستار ج ۳ ص ۱۳۷ مطبوعہ مکتبۃ الرسل بیروت ۱۴۰۳ھ

۲۔ حافظ الزوائد بن علی بن ابی بکر الشیخ النونی ۸۷۷ھ معجم الزوائد ج ۸ ص ۲۶۹ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ

حافظ ابن کثیر نے سورہ فتح کی اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خصائص میں سے ہے جن میں کوئی اور آپ کا شریک نہیں ہے آپ کے علاوہ اور کسی شخص کے لیے کسی حدیث صحیح میں یہ نہیں ہے کہ اس کی اگلی اور پچھلی (ظاہری) خطاؤں کی مغفرت کر دی گئی ہو اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت تعظیم اور تشریف ہے اور اطاعت نیکی اور پارسائی میں اولین اور آخرین میں سے کسی نے آپ کے مقام کو نہیں پایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا اور آخرت میں علی الاطلاق اکمل البشر اور سید البشر ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۲۲۹ مطبوعہ دارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت کی نسبت کے محال

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

علامہ کی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ ہرچند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف اور مرتبہ کو ظاہر کرنے کے لیے یہ فرمایا ہم نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب بخش دیئے کیونکہ بادشاہوں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ اپنے خواص اور مقربین کو نوازنے کے لیے کہتے ہیں کہ ہم نے تمہارے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے اور تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا حالانکہ بادشاہ کو علم ہوتا ہے کہ اس شخص نے کوئی گناہ نہیں کیا نہ آئندہ کرے گا لیکن اس کلام سے اس شخص کی تعظیم اور تشریف کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔

بعض محققین نے یہ کہا کہ "لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر" کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی اگلی اور پچھلی زندگی میں گناہوں سے بچائے رکھے گا اور آپ کو عصمت پر قائم رکھے گا اس آیت میں مغفرت عصمت سے کنایہ ہے اور قرآن مجید میں بعض مقامات پر مغفرت سے عصمت کا کنایہ کیا گیا ہے۔

شیخ عزالدین بن عبد السلام نے کتاب "نہایہ السؤل فیما یشیخ من تفضیل الرسول" میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی ہے پھر انہوں نے فضیلت کی وہ وجوہات ذکر کی ہیں اور ان فضیلت کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے تمام ذنوب (یعنی بظاہر خلاف اولی کاموں) کو بخش دیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ انبیاء سابقین میں سے اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی مغفرت کی خبر نہیں دی یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن جب دیگر انبیاء علیہم السلام سے شفاعت طلب کی جائے گی تو سب نفسی نفسی کہیں گے اور ہیبت الہی سے شفاعت نہیں کریں گے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ شفاعت طلب کریں گے تو آپ فرمائیں گے یہ میرا کام ہے اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کے لیے فتح مبین کو ثابت کیا پھر مغفرت ذنوب کا ذکر کیا پھر اپنی نعمت پوری کرنے اور صراط مستقیم کی ہدایت پر ثابت رکھنے اور نصیر عزیز کا ذکر کیا جس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس آیت سے مقصود گناہوں کا ثابت کرنا نہیں بلکہ گناہوں کی نسی کرنا ہے۔

ابن عطاء رحمہ اللہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے متعدد نعمتوں کو جمع کر دیا ہے فتح مبین عطا فرمائی جو اجابت کی علامت ہے مغفرت عطا فرمائی جو محبت کی علامت ہے اتمام نعمت سے سرفراز کیا جو آپ کے اختصاص کی نشانی ہے اور ہدایت عطا فرمائی جو ہدایت کی علامت ہے پس مغفرت سے مراد تمام غیوب اور نقائص سے آپ کی تنزیہ ہے اور اتمام نعمت سے مراد آپ کو درجہ کاملہ پر پہنچانا ہے اور ہدایت سے مراد آپ کو مشاہدہ ذات و صفات کے اس مرتبہ پر پہنچانا ہے جس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۷۳-۷۲ مطبوعہ مکتبہ لوریہ رضویہ مکہ)

قاضی عیاض مالکی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا جو بیان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو حضور کا مرتبہ اور مقام ہے اس کا جو ذکر کیا ہے اس کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے دشمنوں پر حضور کے غلبہ اور آپ کی شریعت کی سر بلندی کی خبر دینے سے کی ہے اور یہ بیان فرمایا ہے کہ آپ مغفور ہیں اور ماضی اور مستقبل کی کسی چیز پر آپ سے مواخذہ نہیں ہوگا، بعض علماء نے کہا اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ آپ سے کوئی چیز ہوئی ہے یا نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اس کی مغفرت کر دی ہے۔ (شفا ج ۱ ص ۲۱ مطبوعہ عبدالحق اب انکیزی ملتان)

علامہ شہاب الدین خفاجی لکھتے ہیں:

علامہ ثبانی نے کہا ہے کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے جیسے کوئی شخص کسی سے اظہار محبت کے لیے کہے: اگر تمہارا کوئی پہلا یا پچھلا گناہ ہو بھی تو ہم نے اس کو معاف کر دیا۔ اس کلام سے اس شخص کا یہ ارادہ نہیں ہوتا کہ اس نے فی الواقع کوئی گناہ کیا ہے اور وہ اس کو معاف کر رہا ہے اور میں کہتا ہوں کہ ذنب کا معنی ستر ہے جو نہ دکھائی دینے کا تقاضا کرتا ہے اور اس کو لازم ہے عدم ذنب یعنی جب گناہ ہے ہی نہیں تو کیسے دکھائی دے گا؟ کیونکہ اگر گناہ ہوتا تو دکھائی دیتا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقدم اور مؤخر دونوں کا ذکر کیا ہے حالانکہ مؤخر کا وجود ہی نہیں ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ آپ کا گناہ مقدم ہے نہ مؤخر سو آپ سے مطلقاً گناہ سرزد نہیں ہوا۔

(نیم الریاض ج ۱ ص ۲۷۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ قاری حنفی لکھتے ہیں:

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ ہر چند کہ بندہ اپنے مقصوم کے مطابق اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جائے پھر بھی وہ اللہ کی مغفرت سے مستغنی نہیں ہوتا کیونکہ بندہ اپنے بشری عوارض کی بناء پر تقاضائے ربوبیت کے مطابق عبادت کا حق ادا کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مباح امور میں مشغول ہونے کی وجہ سے یا امت کے اہم کاموں میں منہمک اور مستغرق ہونے کی وجہ سے جو حضرت الوہیت میں غفلت واقع ہوتی ہے حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے بلند مقام کے اعتبار سے اس کو بھی سیدہ اور گناہ خیال کرتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہوتی ہیں۔

(شرح الشفاء علی حاشیہ نیم الریاض ج ۱ ص ۲۷۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بکثرت عبادت کا جو حال مشہور تھا اس کا لحاظ رکھتے ہوئے اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کی بلندی پر جود لالت ہے اس کو الفاظ بیان کرنے سے قاصر ہیں اور حدیث صحیح میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس روزے رکھے اور نفلی نمازیں پڑھیں حتیٰ کہ آپ کے قدم مبارک سوج گئے اور سالخورہ مشنک کی طرح آپ کا جسم افر ہو گیا آپ سے کہا گیا کہ آپ عبادت میں اس قدر مشقت کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذنب (یعنی یہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں) کی مغفرت کر دی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟ (روح المعانی ج ۲ ص ۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بعض علماء نے اس آیت کی توجیہ میں یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور آپ کی امت کے گناہ معاف کر دیئے یعنی مغفرت کا تعلق آپ کے ساتھ نہیں ہے حضرت آدم اور آپ کی امت کے ساتھ ہے۔ ملا علی قاری اس سے اختلاف کرتے

ہوئے لکھتے ہیں:

اس شخص کا قول بہت بعید ہے جس نے یہ کہا کہ آپ کے اگلے ذنب سے مراد حضرت آدم کے ذنب ہیں اور آپ نے پچھلے ذنب سے مراد امت کے ذنب ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے آپ کے وہ افعال مراد ہیں جن کو آپ نے ہوا ترک کر دیا یا جن میں آپ نے نسیان سے تاخیر کر دی اور خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے فضل سے کوئی بھی مستغنی نہیں ہے، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کے سبب سے نجات نہیں پائے گا، صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ بھی نہیں؟ فرمایا: میں بھی نہیں، ماسوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ عدل کرے تو تمام اولین اور آخرین کو عذاب دے گا اور یہ اس کا ظلم نہیں ہے، ہم اللہ سے اس کے فضل کا سوا کرتے ہیں اور اس کے عدل سے اس کی پناہ میں آتے ہیں۔ (جمع الوسائل ج ۲ ص ۸۱، مطبوعہ دار محمد کارخانہ تجارت کتب راہی)

باعث تخلیق کائنات ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام سے اجتہادی خطا ہو گئی تو انہوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا اور دعا کی میں محمد کے حق سے سوال کرنا ہوں تو میری مغفرت فرما، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ محمد کون ہیں؟ حضرت آدم نے کہا جب تو نے مجھے پیدا کیا تھا تو میں نے عرش کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تھا وہاں یہ لکھا ہوا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سو میں نے جان لیا کہ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے وہ تیرے نزدیک بہت عظیم مرتبہ کا ہوگا، اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی کی کہ اے آدم! وہ آپ کی اولاد سے آخر النبیین ہیں اور ان کی امت آپ کی اولاد میں سے آخری امت ہے اور اے آدم! اگر وہ نہ ہوتے تو میں آپ کو پیدا نہ کرتا۔

(معجم صغیر ج ۲ ص ۸۳، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ)

حافظ البیہقی نے اس حدیث کو ”معجم صغیر“ اور ”معجم اوسط“ کے حوالے سے بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایسے

راوی ہیں جن کو میں نہیں پہچانتا۔ (جمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام ابن جوزی نے بھی اس حدیث کو حضرت عمر بن الخطاب سے روایت کیا ہے۔

(الوقایح ج ۱ ص ۳۳، مطبوعہ مکتبہ رضویہ فیصل آباد)

امام بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں

اللہ عزوجل نے فرمایا اے آدم! تم نے محمد کو کیسے پہچانا، حالانکہ ابھی میں نے ان کو پیدا نہیں کیا؟ حضرت آدم نے کہا: اے میرے رب! اس لیے کہ جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی تو میں نے عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو میں نے جان لیا کہ جس نام کو تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا وہ تجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہوگا، اللہ عزوجل نے فرمایا اے آدم! آپ نے سچ کہا، بے شک وہ مجھے اپنی تمام مخلوق میں بہت زیادہ محبوب ہیں اور جب آپ نے ان کے وسیلہ سے سوال کیا ہے تو میں نے آپ کو بخش دیا، اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں آپ کو پیدا نہ کرتا۔ اس حدیث کی سند میں عبد الرحمن بن زید ایک ضعیف راوی ہیں

(دلائل النبوة ج ۵ ص ۲۸۹، مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ بیروت)

امام حاکم نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور اس میں بھی یہ الفاظ ہیں اگر محمد نہ ہوتے تو میں آپ کو پیدا نہ کرتا، اور امام حاکم

نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے (المستدرک ج ۱ ص ۶۱۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)
امام حاکم نے ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ محمد پر ایمان لائے اور اپنی امت کو حکم دیں جو ان کا زمانہ پائے وہ ان پر ایمان لائے اگر محمد نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا نہ جنت کو پیدا کرتا نہ دوزخ کو پیدا کرتا میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ ٹپنے لگا میں نے اس پر لکھا ا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو وہ ساکن ہو گیا اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المستدرک ج ۲ ص ۶۱۵ مطبوعہ مکتبہ دارالاباء مکہ مکرمہ)

قائد المرسلین ہونے اور بعض دیگر فضائل کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کننہ کو فضیلت دی اور کننہ سے قریش کو فضیلت دی اور قریش سے بنو ہاشم کو فضیلت دی اور بنو ہاشم سے مجھے فضیلت دی۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قریش اپنی مجلسوں میں اپنے حسب و نسب کا ذکر کرتے ہیں اور آپ کی مثال وہ اس طرح دیتے ہیں جیسے کسی زمین میں کھجور کا درخت ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے ان کے بہترین فریقین میں رکھا پھر اللہ نے مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا پھر سب سے افضل گھر میں رکھا پس گھرانے اور شخصیت کے اعتبار سے میں سب سے افضل ہوں۔

(جامع ترمذی ص ۵۱۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبروں سے ٹھنڈے والوں میں سے سب سے پہلا ہوں جب لوگوں کے وفد آئیں گے تو میں خطبہ دوں گا اور جب لوگ مایوس ہو جائیں گے تو میں بشارت دوں گا اس دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اولاد آدم میں اپنے رب کے نزدیک میں سب سے مکرم ہوں اور مجھے فخر نہیں ہے۔ (جامع ترمذی ص ۵۱۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب زمین شق ہوگی تو سب سے پہلے میں اٹھوں گا مجھے جنت کے حلوں میں سے حلہ پہنایا جائے گا پھر میں عرش کی دائیں طرف کھڑا ہوں گا اور میرے سوا مخلوق میں سے کوئی شخص اس مقام پر کھڑ نہیں ہوگا۔ (جامع ترمذی ص ۵۱۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میں نبیوں کا امام اور خطیب ہوں گا اور میں ہی ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا اس پر فخر نہیں ہے۔

(جامع ترمذی ص ۵۲۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

۱۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۵ مطبوعہ نور محمد ساج المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ

۲۔ امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۴۹ھ جامع ترمذی ص ۵۱۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اولاد آدم کا میں سردار ہوں گا اور اس پر فخر نہیں اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور اس پر فخر نہیں اور آدم اور ان کے علاوہ جتنے نبی ہیں سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور جب زمیں شق ہوگی تو سب سے پہلے میں اٹھوں گا اور اس پر فخر نہیں۔

(جامع ترمذی ص ۵۲۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں قائد المرسلین ہوں اور فخر نہیں ہے اور میں خاتم النبیین ہوں اور فخر نہیں ہے اور میں پہلا شفاعت کرنے والا اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس کی شفاعت قبول ہوگی اور اس پر فخر نہیں ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۰۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا اور مجھے اس پر فخر اور ریا نہیں ہے اور قیامت کے دن ہر شخص میرے جھنڈے کے نیچے کٹ دگی کا انتظار کر رہا ہوگا اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا جب میں چلوں گا تو لوگ میرے ساتھ چلیں گے حتیٰ کہ میں جنت کے دروازہ پر پہنچ کر اس کو کھلوادوں گا کہا جائے گا: یہ کون ہے؟ میں کہوں گا محمد اس وقت میں اپنے رب عزوجل کو دیکھ کر اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا مجھ سے کہا جائے گا اپنا سراٹھائیے آپ کہیے آپ کی بات مانی جائے گی آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول ہوگی پھر اللہ کی رحمت اور میری شفاعت سے دوزخ سے ایسے لوگ نکالے جائیں گے جو جہنم چکے ہوں گے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۰۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ فرمایا: جب آدم کو پیدا کر کے ان میں روح پھونکی جا رہی تھی۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔

(جامع ترمذی ص ۵۱۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

خالق اور خلق کے محبوب ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

آپ فرمائیے کہ تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنہہ اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کے گھائے کا تمہیں خوف ہے اور تمہارے پسندیدہ مکان اگر تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو پھر انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے اور اللہ تعالیٰ

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِمَّا نَدْعُو إِلَىٰ سَبِيلِهِ فَتَرْتَمِصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ○

(الزمر: ۲۳)

نا فرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○

ماں باپ اور بھائی بہنوں سے طبعی محبت ہوتی ہے بیوی سے شہوانی محبت ہوتی ہے اور مال و دولت تجارت اور مکانوں سے عقلی محبت ہوتی ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتوایا ہے کہ محبت کی جو قسم بھی ہو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے مغلوب کر دو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ہر محبت پر غالب کر دو۔

۱ حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن انصاری کرماتو ۵۷۱ھ مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۰۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت تھی وہ اپنی جان سے ماں باپ اور اولاد سے بیویوں سے اور مالی و دولت سے اور ہر چیز سے زیادہ تھی جنگ بدر میں حضرت ابو بکر اپنے بیٹے کے خلاف صف آرا تھے جنگ احد میں حضرت ابو عبیدہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا حضرت مصعب بن عمیر نے جنگ احد میں اپنے بھائی کو قتل کر دیا جنگ بدر میں حضرت عمر نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کر دیا اور حضرت علی نے اپنے کئی رشتہ داروں کو قتل کر دیا۔

(نیم المیاض ج ۳ ص ۳۶۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قاضی عیاض لکھتے ہیں: ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ جنگ احد میں ایک عورت کا باپ بھائی اور شوہر قتل کر دیا گیا اس نے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ صحابہ نے کہا: الحمد للہ وہ تمہاری تمنا کے مطابق خیریت سے ہیں اس نے کہا: مجھے دکھاؤ حتیٰ کہ میں آپ کو دیکھ لوں جب اس نے آپ کو دیکھا تو کہا: آپ (کی خیریت) کے بعد ہر مصیبت آسان ہے۔ (شفاء ج ۲ ص ۱۸ مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی ملتان)

نیز قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ کفار مکہ حضرت زید بن دہنہ کو قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر لے جانے لگے۔ اس وقت ان سے ابوسفیان بن حرب نے کہا: اے زید! میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں یہ بتاؤ کہ کیا تم کو یہ پسند ہے کہ اس وقت تمہاری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے اور تمہارے بدلے ہم ان کی گردن اتار دیتے؟ حضرت زید نے کہا: خدا کی قسم! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں ہے کہ میں اپنے گھر میں آرام سے ہوں اور آپ کے کانٹا چبھ جائے ابوسفیان نے کہا: میں نے اصحاب محمد کی طرح کسی شخص کو کسی سے محبت کرتے نہیں دیکھا۔ (شفاء ج ۲ ص ۱۹ مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی ملتان)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حضرت حنظلہ بن ابی عامر اور حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی ابن سلول نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مشرک اور منافق باپ کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی حضرت حنظلہ بن ابی عامر جنگ احد میں شہید ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے ان کو غسل دے رہے ہیں جاؤ ان کی بیوی سے جا کر پوچھو بیوی نے کہا: جس وقت انہوں نے جہاد کی آواز سنی تو یہ غسل کیے بغیر حالت جنابت میں جہاد کے لیے نکل گئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی لیے فرشتے ان کو غسل دے رہے تھے۔ (اصابہ ج ۱ ص ۳۶۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

یہ اپنی جان اپنے ماں باپ اولاد اور رشتہ داروں کی طبعی محبت سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کی مثالیں ہیں اور حنظلہ بن ابی عامر کے واقعہ میں شہوانی محبت سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی دلیل ہے اور جن صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مکہ میں اپنے مال و دوست مکانات اور تجارت کو چھوڑ کر مدینہ ہجرت کی اس میں ان کی عقلی محبت سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کا بیان ہے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر محبت پر غالب تھی صرف انسان ہی نہیں شجر و حجر اور حیوان بھی آپ سے محبت کرتے تھے آپ نے فرمایا احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے کھجور کا تنہا آپ کے فراق میں چیخیں مار کر روتا تھا اور جب آپ قربانی کرتے تو ہر اونٹنی آگے بڑھ کر آپ کی چھری کے قریب ہوتی تھی۔ (صحیح بخاری و سنن ابوداؤد)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بیٹھے ہوئے آپ کا انتظار کر رہے تھے آپ (حجرے سے) نکل کر ان کے قریب ہو کر ان کی باتیں سننے لگے ان میں سے بعض نے تعجب سے کہا اللہ تعالیٰ اپنی

خلیق سے ایک خلیل بنانے لگا تو حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو ہم کلام ہونے کا شرف بخشا ایک اور نے کہا حضرت عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں دوسرے نے کہا اور حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے صفی بنایا آپ نے ان کے پاس آ کر ان کو سلام کیا اور فرمایا میں نے تمہارا کلام اور اس پر تعجب سنا کہ ابراہیم اللہ کے خلیل ہیں وہ ایسے ہی ہیں اور موسیٰ اللہ کے کلیم ہیں وہ ایسے ہی ہیں اور عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں وہ ایسے ہی ہیں اور آدم کو اللہ نے صفی بنایا اور وہ ایسے ہی ہیں سنو! میں اللہ کا محبوب ہوں اور تجھے اس پر کوئی فخر نہیں ہے میں قیامت کے دن جہنم کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے میں قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی اور اس پر فخر نہیں میں سب سے پہلے جنت کی کئی کئی ہزار نادوں کا پھر اللہ میری خاطر جنت کو کھولے گا اور اس میں مجھ کو داخل کرے گا اور میرے ساتھ فقراء مؤمنین ہوں گے اور اس پر فخر نہیں اور میں اولین اور آخرین میں سب سے زیادہ معزز ہوں اور اس پر فخر نہیں۔ (جامع ترمذی ص ۵۲۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارتی لاہور)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں اور امام بخاری روایت کرتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا میرا یہی مان ہے کہ آپ کا رب آپ کی خواہش بہت جلد پوری کرتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶ مطبوعہ نور محمد صحیح المطابع نزاری ۱۳۸۱ھ)

خلیل اور حبیب میں فرق کا بیان

قاضی عیاض مالکی نے خلیل اور حبیب کا فرق بیان کرتے ہوئے امام ابو بکر بن نورک کے حوالے سے لکھا ہے

خلیل اللہ تک بلا واسطہ پہنچے

وَكَذَلِكَ يُرَىٰ اِبْرٰهِيْمَ مَنَّكَوَاتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں و زمینوں کی ساری
(۱۱ تمام ۷۵) بادشاہی دکھائی۔

اور حبیب اللہ تک بلا واسطہ پہنچے۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَنَىٰ ۖ وَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ۚ
پھر (اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے) قریب ہوا پھر زیادہ
قریب ہوا O پھر دو کمانوں کی مقدار کے برابر اللہ کے قریب
(۱۱ ص ۸۹) ہوئے یا اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے O

خلیل کی مغفرت کا بیان مرتبہ طمع میں ہے:

وَالَّذِيْ اَطْعَمْتَنِيْ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ الدِّیْنِ ۝
اور جس سے میری امید وابستہ ہے وہ قیامت کے دن
(اشعرا ۸۲) میری خطا معاف فرما دے گا O

اور حبیب کی مغفرت کا بیان مرتبہ یقین میں ہے

اِذَا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۚ لِيُغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ
بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی O تاکہ اللہ
آپ کے لیے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف ادنیٰ سب کام
مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ . (فتح ۱-۲)

خلیل نے دعا کی کہ اللہ انہیں روزِ حشر شرمندہ نہ کرے۔

وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝ (اشعرا ۸۷) اور مجھے روزِ حشر شرمندہ نہ فرمانا O

اور حبیب کو بن مانگے یہ مقام عطا فرمایا:

يَوْمَ لَا يَخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ

جس دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو شرمندہ کرے گا نہ ان کے

ساتھ ایمان لائے والوں کو۔ (التحریم: ۸)

امتحان کے موقع پر خلیل نے کہا:

حَسْبِيَ اللَّهُ

مجھے اللہ کافی ہے۔

اور حبیب کے لیے اللہ نے از خود فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

اے نبی! آپ کے لیے اللہ اور وہ ایمان لانے والے

کافی ہیں جنہوں نے آپ کی اتباع کی ہے ○

الْمُؤْمِنِينَ ○ (الأنفال: ۶۳)

خلیل نے دعا کی:

وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ○

اور بعد کے آنے والوں میں میرا ذکر جلیل جاری کر دے ○

(اشعرہ: ۸۴)

اور حبیب کے لیے از خود فرمایا

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○ (الاشرا ح: ۴)

اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا ○

سو قیامت تک کل اذان نماز اور خطبہ میں مسلمانوں کی زبان سے آپ کا ذکر بلند سوتا رہے گا۔

خلیل نے دعا کی:

وَاجِبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ لَعَبَدَ إِلَّاكَ ○ (ابراہیم: ۳۵)

اور مجھے اور میرے (خاص) بیٹوں کو بتوں کی عبادت

سے اجتناب پر برقرار رکھ ○

اور حبیب کے لیے بلا طلب از خود فرمایا:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ

اے اہل بیت رسول! اللہ یہی ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے

ہر قسم کی ناپاکی دور کر کے تم کو خوب پاکیزہ کر دے ○

الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ○ (الحج: ۱۱ اب: ۳۳)

قاضی عیاض فرماتے ہیں: ہم نے جو یہ چند آیات ذکر کی ہیں ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور آپ کے

مقامات کی انصافیت کی ایک بھلک معلوم ہو جاتی ہے اور ان آیات سے ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق مفہوم اخذ کرتا ہے اور

تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ کون احسن طریقہ پر ہے۔ (شفاء ج: ۱ ص ۱۳۳-۱۳۴ مطبوعہ عبدالباقی اکیڈمی لبنان)

کلمہ اور حبیب میں فرق کا بیان

کلمہ اور ان کے بھائی حضرت ہارون نے فرعون کے پاس جاتے وقت اپنا خوف عرض کیا:

مَرَبَّنَا إِنَّا أَتَيْنَاكَ أَنْ تَقْرُطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَطْغَى ○

اے ہمارے رب! ہمیں یہ خدشہ ہے کہ وہ (فرعون)

ہم پر کوئی زیادتی یا سرکشی کرے گا ○ (طہ: ۴۵)

اور حبیب کے لیے از خود فرمایا:

وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ○ (المائدہ: ۶۷)

اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

کلمہ دعا کرتے ہیں:

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي (طہ: ۲۵)

حبیب کے لیے از خود فرمایا:

اَلَمْ تَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (الم نشرح: ۱)

کلیم دعا کرتے ہیں:

رَبِّ ارْشِدْنِي اَنْظُرْ اِلَيْكَ (الاراف: ۱۳۳)

حبیب سے فرمایا:

اَلَمْ تَرَى اَنِّي بِرَبِّكَ (الفرقان: ۲۵)

کلیم سے فرمایا:

لَنْ تَوَلِيَنِي (الاراف: ۱۳۳)

حبیب سے فرمایا:

فَاَرَاكَ الْبَصَرُ وَمَا طَفِيَ (النجم: ۱۷)

کلیم اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں:

وَتَحَنَّنَ اِلَيْكَ رَبِّ لَتَرْضَى (طہ: ۸۳)

اور حبیب کی رضا رب تعالیٰ چاہتا ہے:

فَتَنوُلَيْتَكَ قَبْلَهُ تَرْضَاهَا (البقرہ: ۱۳۴)

وَلَسَوْتُ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى (الضحیٰ: ۵)

وَمِنْ اٰتَاٰنَا اَنْبِلُ فَسَيَمُوْا اَطْرَافَ السَّمَاءِ لَعَلَّكُمْ تَرْضَوْنَ

(طہ: ۱۳۰)

کلیم نے اپنے اور اپنی قوم کے لیے دعا کی:

وَاكْتَفَبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآٰخِرَةِ

(الاراف: ۱۵۶)

حبیب کی امت کے متعلق فرمایا:

فَسَاكْتَبُهَا بِلَدِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ

هُم بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ (الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ

الَّذِي الَّذِي يَجِدُوْنَ لَهُ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ

وَالْاِنْجِيْلِ (الاراف: ۱۵۷-۱۵۶)

اے میرے رب! میرا سینہ کھول دے O

کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھولا O

اے رب! مجھے اپنی ذات دکھا میں تجھے دیکھوں۔

کیا آپ نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا۔

تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔

نہ نظر ایک طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی O

اے میرے رب! میں نے تیرے پاس حاضر ہونے

میں جلدی کی تاکہ تو راضی ہو جائے O

ہم ضرور آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس سے

آپ راضی ہوں گے۔

اور بے شک آپ کو آپ کا رب اتنا دے گا کہ آپ

راضی ہو جائیں گے O

اور رات کے کچھ اوقات اور دن کے کناروں میں تسبیح

کیجئے تاکہ آپ راضی رہیں O

ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی لکھ اور آخرت میں۔

عنقریب میں اس (بھلائی) کو ان لوگوں کے حق میں لکھ

دوں گا جو پرہیزگاری کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ لوگ

جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں O جو اس رسول! نبی امی

(الملقب) کی پیروی کرتے ہیں جس کا نام ن کے پاس تورات

اور انجیل میں لکھا ہوا ہے۔

دیکھئے مازگا حضرت کلیم نے اور ملا آپ کے غلاموں کو معلوم ہوا کہ زمانہ کسی نبی کا ہو کسی رسول کا ہو کہ چلتا تھا تو مسطیغ کا چلتا تھا اور ڈنکا بجاتا تھا تو مصطفیٰ کا بجاتا تھا۔

انبیاء سابقین علیہم السلام کے معجزات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی افضلیت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام الہی لینے کے لیے طور پر جانا پڑا اور آپ کو کلام الہی کے لیے کہیں جانا نہیں پڑتا تھا آپ جہاں ہوتے کلام الہی وہیں نازل ہو جاتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ انہوں نے زمین پر اٹھی ماری تو پانی نکل آیا لیکن زمین میں عادی پانی ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ فرمائی تو آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے ابل پڑے اور جہاں عادی پانی نہیں ہوتا وہاں سے پانی نکل آیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کر دیا گیا تھا اور وہ اس سے زرہ بنا لیتے تھے لیکن لوہے کو بھی عادی آگ سے گرم کیا جاسکتا ہے آپ کے لیے تو پتھر نرم ہو گیا جو کبھی نرم نہیں ہوتا حافظ ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غار میں گئے اور آپ نے اس میں سر مبارک داخل کیا تو وہ نرم ہوتا چلا گیا اور صحیح بخاری میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احد ایک پہاڑ ہے یہ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ (ج ۲ ص ۵۸۵) دیکھئے پتھر وہ جس سے جس میں محبت پیدا نہیں ہوتی حتیٰ کہ جس شخص کو کسی سے محبت نہ ہو اس کو سنگدل کہتے ہیں لیکن یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکاڑ ہے کہ جس چیز کی حقیقت میں محبت نہیں ہے وہاں بھی اپنی محبت پیدا کر دی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہاڑ نے تسبیح کی اور آپ کے ہاتھ میں سنگ ریزوں نے تسبیح پڑھی کہاں اوہے کا نرم ہونا اور کہاں پتھروں کا محبت کرنا سنگ ریزوں کا تسبیح پڑھنا۔

حضرت داؤد سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ (س ۲۶)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ (انجم ۳)

وہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی خواہش سے بات

نہیں کرتے ○

سبحان اللہ! آپ وہ ہیں جن کی اللہ کی رضا کے مقابلہ میں اپنی کوئی خواہش نہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں سے گفتگو کا ملکہ دیا اور جنات اور ہوا کو مسخر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکری کے گوشت کے ٹکڑے نے کلام کیا اور آپ سے کہا مجھ میں زہر مالا ہوا ہے ہرن اور اونٹ نے آپ سے شکایت کی اور سنگ ریزوں نے آپ کے ہاتھ پر تسبیح پڑھی پتھروں نے سلام عرض کیا اور درختوں نے آپ کی اطاعت کی آپ کے قلم سے درخت ایک جگہ سے دوسری جگہ چل کر آیا اور پھر واپس چلا گیا یہ امور پرندوں کے ساتھ گفتگو کرنے کی بہ نسبت زیادہ عجیب و غریب اور باکمال ہیں ہوا کے مسخر کرنے کا قصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان اپنے تخت پر بیٹھ کر ہوا میں اڑتے تھے اور صبح کی سیر میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتے اور شام کی سیر میں ایک ماہ کی مسافت طے کر پتے۔

وَلِلسَّيِّدِينَ الزَّيْبُ عُنْدَ هَاشِمٍ وَرَدَّ سَادَ هَاشِمٍ شَرَفُهُ

اور سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا اس کی صبح کی رفتار ایک مہینہ کی راہ تھی اور شام کی رفتار ایک مہینہ کی راہ تھی۔ (۱۲۳)

ہوا مسخر سہی لیکن حضرت سلیمان جس جگہ کا قصد کرتے انہیں وہاں جانا پڑتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں جانا نہیں پڑتا تھا۔ آپ جس جگہ کا جہاں قصد کرتے وہ جگہ وہیں آ جاتی تھی معراج سے واپسی کے بعد جب کفار قریش نے آپ سے

بیت المقدس کے متعلق سوالات کیے تو بیت المقدس کو آپ کے سامنے دارالقم میں لا کر دکھ دیا گیا۔

(مشکوٰۃ ص ۵۳۰، مطبوعہ: صحیح الطائغ، دہلی)

نیز آپ نے فرمایا:

ان الله زوى لى الارض فرايت مشارقها
ومغاربها. اور میں نے زمین کے تمام روئے زمین کو میرے لیے سمیت دیا
اور میں نے زمین کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۰، مطبوعہ: نور محمد، صحیح الطائغ، کراچی ۱۳۷۵ھ)

اور رہا حضرت سلیمان کے لیے جنات کا مسخر ہونا تو اس کے مقابلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے جنات مسلمان ہو گئے اور جنت کا مسخر ہونا اور بات ہے اور ان کا مسلمان ہونا اور چیز ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اندھوں اور کوڑھیوں کے تندرست کرنے اور مردہ زندہ کرنے کا معجزہ عطا فرمایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ بن نعمان کی نکلی ہوئی آنکھ دوبارہ لوٹا دی، حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی جوڑ دی، آپ کے بلانے سے درخت چل کر آئے، کعبہ کا تنا آپ کے فراق میں چٹخیں مار کر رویا، اور یہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے کہیں بڑھ کر کمالات اور معجزات ہیں، کیونکہ مردے میں پہلے جان آجکی ہوتی ہے، آپ نے ان چیزوں میں حیات جاری کی جہاں عادیہ حیات نہیں ہوتی، آنکھ والے کو دکھانا اور کان والے کو سنانا اور بات ہے اور بغیر آنکھوں کے دکھانا اور بغیر کانوں کے سنانا اور چیز ہے۔ الغرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معجزات اور کمالات دیئے گئے وہ تمام نبیوں کے معجزات اور کمالات سے فوق اور ان پر غالب تھے، آپ کے معجزات کی تعداد کیفیات اور حیثیات ہر اعتبار سے سب پر بلند و بالا تھے دوسرے نبیوں نے نبوت کا دعویٰ کرتے ہی معجزات پیش کیے اور آپ نے اعلان نبوت کے بعد کسی معجزہ کو پیش کرنے کی بجائے اپنی زندگی کو پیش کر دیا اور یوں ظاہر ہوا کہ آپ کو اپنی نبوت ثابت کرنے کے لیے کسی خارجی معجزہ کی احتیاج نہیں تھی، آپ کی زندگی خود سراپا معجزہ تھی یوں ہی تو نہیں فرمایا تھا: ”لَعَمْرُكَ“ (الحجر: ۷۲) تمہاری زندگی کی قسم!۔

حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كُنْتُ بَتُّونَ (الرحمن: ۲۶)

اے میرے رب! میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے مجھے

جھٹلایا

آپ سے بلا طلب فرمایا:

وَيَتَضَرَّكُ اللَّهُ نَصْرًا نَصْرًا (الحج: ۲)

اور اللہ آپ کی قوی مدد فرمائے گا

حضرت نوح نے اپنی قوم کے کافروں کی ہلاکت کی دعا کی:

رَبِّ لَا تَذَرْنِي مَلَكًا مِّنَ الْكَافِرِينَ دِيكَذَا (نوح: ۲۶)

اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بے

والا نہ چھوڑو

اور آپ سے فرمایا:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ آپ کے ہوتے ہوئے ان کو

(ن: خال: ۲۳) عذاب دے۔

سب سے پہلے قبر سے اٹھنے والی حدیث کا حضرت موسیٰ کے پہلے اٹھنے والی حدیث سے تعارض کا جواب

حدیث میں ہے، سب سے پہلے قبر سے میں اٹھوں گا اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو کیونکہ قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہوں گے میں بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہوں گا میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا اس وقت حضرت موسیٰ عرش کی ایک جانب پکڑے کھڑے ہوں گے میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوش ہوئے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ رکھا تھا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۵ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ) علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں۔

اس حدیثوں میں تعارض نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ”صحیح بخاری“ کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد ہے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم نہ ہو کہ آپ مطلقاً سب سے پہلے قبر سے اٹھائے جائیں گے اور مسلم کی روایت میں جو ارشاد ہے وہ بعد کا واقعہ ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۲ ص ۲۵۱ مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية مصر ۱۳۴۸ھ)

علامہ دشتانی ابی مالکی نے بھی اس تعارض کا یہی جواب دیا ہے۔ (اکمال اکمل المعجم ج ۶ ص ۹۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) جس حدیث میں آپ نے دوسرے انبیاء پر فضیلت دینے سے منع کیا ہے اس کے جوابات

امام بخاری نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء میں (کسی کو) فضیلت نہ دو۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۵ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے مجھے حضرت موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۵ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

”صحیح بخاری“ کی ان روایات سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دینا ممنوع ہے حالانکہ صحیح مسلم کی روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء علیہم السلام پر اپنی فضیلت بیان کی ہے اس تعارض کے جواب میں علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

علامہ ابن اسیر نے کہا ہے کہ ”انبیاء میں کسی کو فضیلت نہ دو“ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بغیر علم کے کسی نبی کو کسی پر فضیلت نہ دو ورنہ انبیاء علیہم السلام کی ایک دوسرے پر فضیلت کو اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمایا ہے ”تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ“ (البقرہ ۲۵۳) یہ سب رسول ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فضیلت کا علم ہونے سے پہلے یہ فرمایا تھا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فضیلت دینے سے منع فرمایا ہے جو دوسرے نبی کی تنقیص کو مستلزم ہو۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی فضیلت دینے سے منع فرمایا ہے جو دوسرے نبی کی دل آزاری کا موجب ہو۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس نبوت میں فرق کرنے سے منع فرمایا ہے چھٹا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ قول تو واضح پر محمول ہے۔ (عمدة القاری ج ۲ ص ۲۵۱ مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية مصر ۱۳۴۸ھ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ

اے ایمان والو! ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں

يَأْتِي يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ

اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ (کافروں کی) کسی سے دوستی ہوگی اور نہ

الظَّالِمُونَ ﴿٢٥٤﴾

(کفار کے لیے) شفاعت ہوگی اور کفار ہی ظالم ہیں ۰

راہ خدا میں مال خرچ کرنے کی تاکید

سابقہ آیات میں مسلمانوں کو بدن کے ساتھ جہاد کرنے پر براہیختہ کیا تھا اور چونکہ جہاد اور قتال کے لیے مال کو خرچ کرنا بہت ضروری ہے اس لیے ان آیات میں مال کے خرچ کرنے کو بیان فرمایا ہے اور اس حکم کو قیامت کے دن کی یاد دلا کر مزید موکہ فرمایا ہے۔ دنیا میں تو انسان اپنے آپ کو مصیبت اور تکلیف سے بچانے کے لیے بعض چیزیں خرید لیتا ہے، کبھی کوئی دوست اس سے تکلیف دور کر دیتا ہے، کبھی کسی کی سفارش سے اس سے مصیبت ٹل جاتی ہے، لیکن قیامت کے دن کوئی خرید و فروخت ہو سکے گی نہ کسی کی دوستی کام آئے گی نہ کسی کی سفارش۔

اس میں اختلاف ہے کہ یہاں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کون سا خرچ مراد ہے، بعض علماء نے کہا، اس سے قتال اور جہاد میں خرچ کرنا مراد ہے۔ بعض علماء نے کہا، اس سے زکوٰۃ اور صدقات فرضیہ مراد ہیں اور صدقات نفل مراد نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خرچ نہ کرنے پر وعید فرمائی ہے اور نفل کے ترک کرنے پر وعید نہیں ہوتی لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں وعید نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے صرف یہ فرمایا ہے کہ قیامت کا دن آنے سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور جب تک تم دنیا میں ہو آخرت کے لیے منافع حاصل کرو، کیونکہ ان منافع کا آخرت میں حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔

آخرت میں دوستی اور سفارش سے مسلمانوں کے انتفاع کا بیان

ہر چند کہ اس آیت سے یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کسی شخص کی کسی شخص سے دوستی کام نہیں آئے گی نہ کسی کی کسی کے لیے سفارش کام آئے گی لیکن قرآن مجید کی دوسری آیات سے یہ متعین ہو گیا ہے کہ یہ محرومی صرف کفار کے لیے ہے اور مسلمانوں کی مسلمانوں سے دوستی بھی کام آئے گی اور سفارش بھی قرآن مجید میں ہے

الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ۝
يَعْبَادُونَكَ خَوْفٌ عَلَيْكَ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ۝ الَّذِينَ
أَمْتُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ۝ (ازخرف ۶۹-۷۷)

متقین کے سوا گھر سے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ۰ اے میرے بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے ۰ جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور

ہمارے احکام کے تابع رہے ۰

اور مسلمانوں کی شفاعت کے متعلق فرمایا:

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ (الحجرات ۲۸)

اور (فرشتے) صرف اس کی شفاعت کرتے ہیں جس کی

شفاعت (پر اللہ راضی ہو)

شفاعت پر سیر حاصل بحث ہم البقرہ ۲۸ میں بیان کر چکے ہیں۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ

اللہ اس کے سوا کوئی عبادت کا حق نہیں وہ زندہ (جاوید) ہے اور دوسروں کو قائم کرنے والا ہے اس کو ادھ آتی ہے اور نہ نیند

مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے (سب) اسی کی ملکیت ہے کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی پرگاہ

إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ

میں شفاعت کرنے وہ جانتا ہے جو ان (اُنگوں) کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور اس کے علم میں سے ہے

بَشَىٰ مَنْ عَلَيْهِ إِلَّا بِمَاشَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ

(وگ) کسی چیز کو حاصل نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے اس کی کرسی (حکومت) آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے

وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۝ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ

اور ان کی حفاظت اس کو تھکاتی نہیں ہے اور وہی بہت بلند بڑی عظمت والا ہے ۝ دین میں جبر نہیں ہے

قَدْ نَبَّيْنَا الرُّشْدَ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمَرْ بِاللَّهِ

ہے شک ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے سو جو شخص طاغوت سے کفر کر کے اللہ پر ایمان لے آیا

فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ

تو اس نے ایسا مضبوط دستہ پکڑ لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے اور اللہ خوب سننے والا

عَلِيمٌ ۝

بہت جانتے والا ہے ۝

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ توحید رسالت اور آخرت سے متعلق عقائد اور مختلف احکام شرعیہ کو بار بار ایک دوسرے کے بعد دہراتا رہتا ہے مسلسل عقائد کا ذکر جاری رہتا ہے نہ متواتر احکام کا تاکہ قاری کا ذہن اکٹھا ہٹ کا شکار نہ ہو جس لیے اللہ تعالیٰ عقائد کے مضمون کے بعد احکام کا مضمون شروع کر دیتا ہے اور عقائد میں بھی توحید رسالت اور آخرت کے مضمون کا تنوع ہے اور اسی طرح احکام میں بھی مختلف انواع کے حکم کا ایک دوسرے کے بعد ذکر فرماتا ہے تاکہ قاری یکساںیت کا شکار نہ ہو

اور ہر بار اس کو غور و فکر کی نئی راہیں ملیں۔

اس سے پہلے آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ نجات کا مدار انسان کے اعمال صالحہ پر ہے اور قیامت کے دن اس کا مال اس کی دوستی اور کسی کی سفارش کام نہیں آئے گی اور یہ فرمایا تھا کہ تمام رسل علیہم السلام کے مراتب اور درجات اگرچہ متفاوت اور مختلف ہیں لیکن تمام رسولوں کی دعوت اور ان کا پیغام واحد ہے اور ان کا دین واحد ہے اور وہ یہ ہے کہ بند کو واحد مانو اور صرف اسی کی عبادت کرو۔

اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی جامع آیت 'آیت الکرسی' ہے 'ہم پہلے آیت الکرسی کے مفردات کے معانی بیان کریں گے اور پھر اس کے فضائل کے متعلق احادیث کا ذکر کریں گے۔

آیت الکرسی کے مفردات اور جملوں کی تشریح

اللہ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم ذاتی ہے۔ اس کا معنی ہے وہ ذات جو واجب الوجود (قدیم بالذات) ہو تمام صفات کمال کی جامع ہو اور تمام نقائص سے بری ہو اور عبادت کی مستحق ہے۔

انکی جو ہمیشہ سے از خود زندہ ہو اپنی حیات میں کسی کا محتاج نہ ہو اور ہمیشہ زندہ رہے اور کبھی اس پر موت نہ آئے۔

القیوم جو از خود قائم ہو دوسروں کا قائم کرنے والا ہو جو تمام کائنات کو قائم رکھے ہوئے ہے اور ان کے نظام کی تدبیر فرماتا ہے۔ "وَهُنَّ آيَاتُهُ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ" (الروم ۲۵) اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔

اونگھ اور نیند سے بری، تھکاوٹ اور سستی سے غفلت کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ اونگھ ہے اور یہ نیند کا مقدمہ ہے اور نیند کا معنی ہے، دماغ کے اعصاب کا ڈھیلا پڑ جانا جس کے بعد علم اور ادراک معطل ہو جاتا ہے اور حواس کا شعور اور ادراک بھی موقوف ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ معنی محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے غفلت محال ہے وہ اس عظیم کائنات کا موجد اور اس کے نظام کو جاری رکھنے والا ہے اور ہر آن اور ہر لمحہ اس کائنات میں تبدیلی اور تغیر واقع ہو رہا ہے اور اس کے علم اور اس کی توجہ سے ہو رہا ہے وہ ہر وقت ہر چیز کے ہر حال کا عالم ہے بے خبر اور سونے والا نہیں ہے۔

آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اس کی ملکیت ہے تمام آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق سب اس کے بندے اور اس کی ملکیت ہیں ہر چیز اس کی قدرت اور اس کی مشیت کے تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَنِ عَبْدًا (مریم: ۹۳)

آسمانوں اور زمینوں میں ہر ایک رحمان کے حضور عبد بن کر حاضر ہوگا۔

اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور شفاعت نہیں ہوگی اللہ تعالیٰ کی عظمت، جلالت اور اس کی کبریائی کا یہ تقاضا ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اس کے حضور شفاعت نہیں کر سکے گا حشر کے دن تمام انبیاء، رسل، اولیاء، علماء اور شہداء اللہ تعالیٰ کے جہل سے سبے ہوئے ہوں گے اس دن ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھائیے آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول ہو گی پھر اللہ تعالیٰ ایک حد مقرر فرمائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حد کے مطابق شفاعت فرمائیں گے یہ حدیث تفصیل کے ساتھ باحوالہ "ورفع بعضہم درجات" کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور لوگوں کو اتنا ہی علم ہے جتنا اس نے دیا اللہ تعالیٰ کا علم تمام کائنات کے ماضی، حال

اور مستقبل کو محیط ہے وہ دنیا اور آخرت کے تمام امور کو غصیلہ جانتا ہے اس کو ایک ذرہ کا سم بھی غیر متناہی جوہ سے دوتا ہے دشا ایک ذرہ کو کتنے انسانوں 'کتنے جانوروں' کتنے نباتات اور کتنے فرشتوں نے دیکھا اس ایک ذرہ کی دیگر ذرات کے ساتھ کتنی نسبتیں ہیں اس پر کتنے ہوا کے جھونکے اور کتنے بارش کے قطرے گزرے اس میں کتنے فائدے کتنے نقصانات کتنی حکمتیں ہیں اس ذرہ کی کتنی عمر ہے وہ کہاں کہاں رہا اور ایسی بے شمار جوہ ہیں تمام کائنات کا علم تو انگ رہا ایک ذرہ کے متعلق اللہ کا علم کتنا وسیع ہے انسان کی عقل اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی مخلوق کو اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا وہ عطا فرماتا ہے۔

اس کی کرسی تمام آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے کرسی کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں کرسی سے مراد علم ہے اسی وجہ سے علماء کو بھی کرسی کہتے ہیں یا اس لیے کہ اس کی پر ٹیک لگاتا ہے اور اعتماد کرتا ہے اور علماء کا اعتماد بھی علم پر ہوتا ہے ایک قول یہ ہے کہ کرسی سے مراد عظمت ہے ایک قول یہ ہے کہ کرسی سے مراد ملک اور حکومت ہے۔ امام مقدسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ کی کرسی تمام آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے اور اس طرح چر چاتی ہے جیسے تیاپا ان سواروں کے بوجھ سے چر چاتا ہے۔ (الاحادیث المختارہ ج ۱ ص ۲۲۸ مطبوعہ مکتبۃ المصنف الحدیثہ مکہ مکرمہ ۱۴۱۰ھ)

کرسی کے متعلق حافظ سیوطی نے بہت احادیث ذکر کی ہیں ہم ان میں سے چند احادیث ذکر کر رہے ہیں امام ابن امیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر سات آسمانوں اور سات زمینوں کو بچھا دیا جائے تب بھی وہ کرسی کے مقابلہ میں اس طرح ہیں جیسے ایک انگشتری کسی وسیع میدان میں پڑی ہو۔

امام ابن جریر امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کرسی کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا اے ابو ذر سات آسمان اور سات زمینیں کرسی کے مقابلے میں اس طرح ہیں جیسے کسی جنگل میں انگوٹھی کا چھلہ پڑا ہو اور عرش کی فضیلت کرسی پر اس طرح ہے جیسے جنگل کی فضیلت اس انگوٹھی کے چھلے پر ہے۔

امام ابوالشیخ نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ کرسی عرش کے نیچے ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۲۸ مطبوعہ مکتبۃ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

امام رازی کا مختار یہ ہے کہ کرسی ایک عظیم جسم ہے جو سات آسمانوں اور سات زمینوں کو محیط ہے۔ وہ فرماتے ہیں بغیر کسی دلیل کے ظاہر قرآن اور ظاہر حدیث سے عدول کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۱۳ - ۲۱۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

کرسی کا معنی ہے جس پر کوئی شخص بیٹھے اور بیٹھنے کے بعد اس میں جگہ نہ بچے اور یہاں یہ کلام بہ طور تمثیل ہے ورنہ کوئی کرسی ہے نہ کوئی بیٹھنے والا اکثر متاخرین نے یہی کہا ہے تاکہ اللہ کے لیے جسم ہونا لازم نہ آئے اور احادیث میں بھی استعارہ ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے اور حق وہی ہے جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور تو ہم جسمیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات کا انکار لازم آئے گا اور متقدمین نے یہ کہا کہ یہ تشابہات میں سے ہے اور حقیقت میں اس سے کیا مراد ہے اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۱۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت اللہ کو نہیں تھکاتی آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت اللہ پر بھاری اور اٹھار نہیں ہے بلکہ اللہ کے نزدیک بہت سہل اور آسان ہے وہ ہر چیز کو قائم رکھنے والا اور ہر چیز کا محافظ اور نگہبان ہے وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا

ہے، اس کا ارادہ اٹل ہے اور جس کا وہ ارادہ کر لے اس کو ضرور کر گزرتا ہے وہ ہر چیز پر غالب ہے اور ہر شے سے بلند اور برتر ہے اور وہی سب سے عظیم ہے کبریائی اور بڑائی اسی کو زیبا ہے۔

آیت الکرسی کے فضائل

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام احمد، امام مسلم، ابو داؤد اور امام حاکم، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے (امتحاناً) سوال کیا کہ کتاب اللہ کی کون سی آیت سب سے عظیم ہے؟ انہوں نے کہا آیت الکرسی، آپ نے فرمایا اے ابوالمنذر! تم کو یہ علم مبارک ہو۔

امام بخاری نے اپنی "تاریخ" میں امام طبرانی اور امام ابو نعیم نے مستند راویوں سے روایت کیا ہے حضرت ابن الاسقع کبری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا کہ قرآن مجید کی کون سی آیت سب سے عظیم ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اِنَّهُ لَا اِلَهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ" (البقرہ ۲۵۵) اور پوری آیت پڑھی۔

امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی کو پڑھا اللہ تعالیٰ اس کو دوسری نماز تک اپنی حفاظت میں رکھتا ہے اور آیت الکرسی کی حفاظت صرف نبی، صدیق یا شہید ہی کرتا ہے۔

امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی کو پڑھے اس کو جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں ہوگی اور وہ مرتے ہی جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (امام نسائی از حضرت ابوامامہ، سنن کبری ج ۶ ص ۳۰، عمل الیوم واللیلہ ص ۲۹، امام طبرانی از حضرت ابوامامہ، المعجم الکبیر ج ۸ ص ۱۱۳، مسند الشامیین ج ۲ ص ۹، کتاب اللہ ص ۲۳، امام ابن السنی، عمل الیوم واللیلہ ص ۴۳، حاشیہ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۰۲)

امام بخاری، امام نسائی اور امام ابو نعیم نے "دلائل" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زکوٰۃ کی حفاظت پر مامور کیا، ایک شخص آیا اور منشی بھر طعام لے جانے لگا، میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا میں تجھے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا اس نے کہا: مجھے چھوڑ دو میں بخنانج اور عیال دار ہوں اور مجھے بڑی سخت ضرورت تھی، میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ہریرہ! گزشتہ رات کے تمہارے قیدی کا کیا ہوا؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! اس نے اپنی سخت حاجت بیان کی، مجھے اس پر ترس آیا اور میں نے اس کو چھوڑ دیا، آپ نے فرمایا وہ جھوٹا ہے، وہ پھر آئے گا، مجھے یقین ہو گیا کہ وہ پھر آئے گا تو میں اس کی گھات لگا کر بیٹھا، وہ آیا اور منشی بھر طعام لے جانے لگا، میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا میں تجھے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا، اس نے کہا مجھے چھوڑ دو میں ضرورت مند اور عیال دار ہوں، میں دوپہر نہیں آؤں گا، مجھے اس پر ترس آیا اور میں نے اس کو چھوڑ دیا، صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گزشتہ رات کے تمہارے قیدی کا کیا ہوا؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! اس نے اپنی اور اپنے عیال کی سخت مجبوری بیان کی، مجھے ترس آیا اور میں نے اس کو چھوڑ دیا، آپ نے فرمایا: وہ جھوٹا ہے، وہ پھر آئے گا۔ میں تیسری رات پھر اس کی گھات میں بیٹھا، وہ آیا اور پھر منشی بھر کر طعام لے جانے لگا، میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا آج آخری بار ہے، میں تجھے کو ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا، تو یہ کہتا ہے کہ میں نہیں آؤں گا اور پھر آ جاتا ہے، اس نے کہا: مجھے چھوڑ دو میں تم کو چند ایسے کلمات بتاتا ہوں جن سے تم کو نفع ہوگا، میں نے پوچھا وہ کون سے کلمات ہیں؟ اس نے کہا جب تم

بستر پر جاؤ تو آیہ الکرسی پڑھنا تو صبح تک اللہ تمہاری حفاظت کرے گا اور تمہارے پاس صبح تک شیطان نہیں آئے گا صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تو وہ جھوٹا لیکن یہ بات اس نے سچ بھی ہے۔

امام ابن الصریس نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص بستر پر لیٹ کر آیہ الکرسی پڑھتا ہے صبح تک وافر شے اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۱۲۷-۱۲۲ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ربات) **کرسی پر بیٹھنے کی تحقیق**

آیہ الکرسی کی اس بحث میں ہم کرسی پر بیٹھنے کا شرعی حکم بیان کرنا چاہتے ہیں کیونکہ بعض علماء نے اس مسئلہ میں تشدد کیا ہے اور کرسی پر بیٹھنے کو ناجائز اور مکراہ تحریمی لکھا ہے اور بعض علماء نے کرسی پر بیٹھنے کو بدعت کہا ہے۔ علامہ ابوطالب کی لکھتے ہیں

پہلے صوفیاء کے بیٹھنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مجتمع ہو کر گھٹنوں کو کھڑا کر لیتے تھے بعض اپنے قدموں پر بیٹھتے اور اپنی کہانیاں گھٹنوں پر رکھ لیتے خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے زمانہ سے علماء دین کا یہی طریقہ تھا حسن بصری کے زمانہ سے لے کر ابوالقاسم جنید تک صوفیاء کا یہی طریقہ تھا اس وقت تک کرسیاں نہیں ہوتی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی مروی ہے کہ آپ اکڑوں بیٹھے تھے اور گھٹنوں کے گرد کلائیوں سے حلقہ بنا لیتے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ قدموں پر بیٹھتے تھے اور کلائیاں گھٹنوں پر رکھ دیتے تھے۔ صوفیاء میں سے جو شخص سب سے پہلے کرسی پر بیٹھا وہ مصر کے یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ تھے اور بغداد میں ان کی موافقت ابو حمزہ نے کی اور مشائخ نے ان کی مذمت کی۔ کرسی پر بیٹھنا ان عارفین کی سیرت سے نہیں ہے جو علم معرفت میں کلام کرتے ہیں چارزانو (آلتی پاتی مار کر بیٹھنا) نحو یوں 'غویوں' دنیا دار علماء اور مفتیوں کا طریقہ ہے اور یہ متکبرین کی وضع ہے اور تواضع کا طریقہ مست کرنا جائز کر بیٹھنا ہے۔

(قوت القلوب ج ۱ ص ۱۶۶ مطبوعہ مطبعہ میرزا معز ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابوطالب کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ کرسی پر بیٹھنا اور چارزانو بیٹھنا جنید بغدادی کے بعد صوفیاء میں شروع ہوا عہد صحابہ سے لے کر جنید تک یہ طریقہ نہیں تھا سو یہ بدعت اور سنت کے خلاف ہے اور متکبرین کے بیٹھنے کا طریقہ ہے۔ علامہ ابوطالب کی رائے صحیح نہیں ہے بلکہ کتاب و سنت کے خلاف ہے کرسی پر بیٹھنا انبیاء علیہم السلام فرشتوں اور صحابہ کا طریقہ ہے اور چارزانو بیٹھنا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے پہلے ہم کرسی پر بیٹھنے کے متعلق بحث کریں گے اس کے بعد چارزانو بیٹھنے پر گفتگو کریں گے۔

کرسی کا لغوی معنی

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

کرسی لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جس پر ٹیک لگا کر بیٹھا جاتا ہے 'ثعب' نے کہا کرسی وہ ہے جو عرب کے نزدیک بادشاہوں کی کرسی کی حیثیت سے معروف ہے (ٹیک لگانے کی قید سے کرسی تخت سے ممتاز ہو گئی)۔

(لسان العرب ج ۶ ص ۱۹۴ مطبوعہ نثر ادب الخواص قلم ایران ۱۳۰۵ھ)

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

زختری نے کہا ہے کہ کرسی وہ ہے جس پر بیٹھنے کے بعد مقعد سے زائد جگہ نہ بچے (یہ تخت اور کرسی میں فرق ہے تخت پر بیٹھنے کے بعد جگہ باقی رہتی ہے اور کرسی میں نہیں رہتی)۔ (مدۃ القاری ج ۱ ص ۶۶ ج ۲ ص ۱۳۷ مطبوعہ دارۃ المطابع المنیریہ معز ۱۳۳۸ھ)

قرآن مجید احادیث اور آثار سے کرسی پر بیٹھنے اور چار زانو بیٹھنے کا جواز

قرآن مجید سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کرسی پر بیٹھتے تھے

وَلَقَدْ خَلَقْنَا سُلَيْمَانَ وَآلَيْنَاهُ عَلَىٰ كُورَيْبٍ جَسَدًا
اور بے شک ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور اس کی کرسی

(ص: ۲۴) پر ایک جسم ڈال دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل کو ایک کرسی پر بیٹھنے سے دیکھا امام بخاری روایت کرتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت میں جا رہا تھا تو

میں نے آسمان سے ایک آواز سنی میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ جو فرشتہ میں نے حرام میں دیکھا تھا وہ زمین و آسمان کے

درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳ مطبوعہ نور محمد احیاء الطائفہ، راپی ۱۳۸۱ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی کرسی پر بیٹھتے ہیں امام مسلم روایت کرتے ہیں

حضرت ابو رفاعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اس وقت آپ خطبہ اے

رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک مسافر آیا ہے وہ دین کے متعلق سوال کر رہا ہے وہ نہیں جانتا کہ اس کا دین کیا

ہے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پھوڑ کر میری طرف متوجہ ہو گئے حتیٰ کہ میرے پاس آئے ایک کرسی الٹی گئی آپ اس

پر بیٹھ گئے میرا گمان ہے کہ اس کے پاسے لوہے کے تھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے دینے ہوئے علم سے نکت

دین کی تعلیم دی پھر آ کر اپنا خطبہ مکمل کیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۷ مطبوعہ نور محمد احیاء الطائفہ، راپی ۱۳۷۵ھ)

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرسی پر اس لیے بیٹھتے تھے کہ سب لوگ آپ کا کلام سنیں اور آپ کی

زیارت کریں اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بھی کرسی تھی امام احمد روایت کرتے ہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گزشتہ رات میں نے گھر میں آہٹ سنی تو

باہر جبرائیل علیہ السلام تھے میں نے کہا آپ گھر کے اندر کیوں نہیں آتے؟ کہا گھر میں کتاب ہے میں نے گھر جا کر دیکھا تو کرسی کے

نیچے حسن کے کتے کا بچہ تھا۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۷ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ بیروت ۱۳۹۸ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کرسی پر بیٹھتے تھے امام بخاری روایت کرتے ہیں

ابو ذائل بیان کرتے ہیں کہ میں شیبہ کے ساتھ کعبہ میں کرسی پر بیٹھا اور کہا اس بیٹھے کی جگہ پر حضرت عمر بھی بیٹھے تھے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۷ مطبوعہ نور محمد احیاء الطائفہ، راپی ۱۳۸۱ھ)

اور متعدد احادیث میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کرسی پر بیٹھتے تھے امام نسائی روایت کرتے ہیں

عبد خیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی کے لیے کرسی الٹی گئی اور وہ اس پر بیٹھے۔

(سنن نسائی ج ۱ ص ۲۷ مطبوعہ نور محمد احیاء الطائفہ، راپی ۱۳۸۱ھ)

امام نسائی نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام احمد نے بھی اس کو دو سندوں سے روایت کیا ہے

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۳۹-۱۴۲ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ بیروت ۱۳۹۸ھ)

۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ شرح مسلم ج ۱ ص ۲۸۷ مطبوعہ نور محمد احیاء الطائفہ، راپی ۱۳۸۱ھ

۲۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۵ ص ۸۰ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ بیروت ۱۳۹۸ھ

امام احمد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ میں بیٹھے ہوئے بارہ سحابہ کے متعلق فرمایا: وہ شہید ہو گئے۔ ان کے پھرے جنت میں چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے تھے۔ ان کے لیے سونے کی کرسیاں اڑائی گئیں۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۵ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، ت ۱۳۹۸ھ)

کری پر بیٹھنے کے جواز کو بیان کرنے کے بعد اب ہم چاروں (آلتی پالتی مارکر) بیٹھنے کا جواز بیان کر رہے ہیں۔
امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اچھی طرح سورت نکھنے تک چاروں نو بیٹھے رہتے تھے۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۱۰ مطبوعہ مطبعہ النبی پاشا، ت ۱۴۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: دین میں جبر نہیں ہے۔ بے شک ہدایت گمراہی سے خواب واضح ہو چکی ہے۔ (البقرہ ۲۵۶)
دین میں جبر نہ ہونے کی تحقیق

اس سے پہلے آیت الکرسی میں اللہ عزوجل کی صفات بیان کی گئی تھیں اور یہ بتایا گیا تھا کہ تمام آسمانوں میں صرف اسی کی سلطنت ہے اور آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت سے اس کو تھکاؤٹ نہیں ہوتی اور اس کو ہر چیز کا علم ہے اور جب انسان نے یہ جان لیا تو پھر اس کے اسلام قبول کرنے اور اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور انسان اگر اس کائنات میں غور و فکر کرے تو وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والا اور اس کو پاتی رکھنے والا وہی رب عظیم ہے اب اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ اللہ کی ذات و صفات کو جاننے کے بعد انسان کو از خود اس پر ایمان لانا چاہیے اور اس کے لیے کسی جبر و اکراہ کی ضرورت نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ منشاء نہیں ہے کہ لوگ جبر اسلام میں داخل ہوں۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ مِنَ فِي الْأَرْضِ كُلَّ النَّاسِ أَفَأَنْتَ تُنْكَرُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا آمِنًا مِّنْهُ
اور اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین میں جتنے لوگ ہیں سب ہی ایمان لے آتے تو کیا آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں گے؟ (یونس ۹۹)

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ (الأنف ۲۹)
اور آپ کہیے کہ یہ حق (ہے) تمہارے رب کی طرف سے سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

امام ابن جریر روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انصار کے ایک قبیلہ بنو سالم بن عوف کے حصین نامی ایک شخص کے دو بیٹے نصرانی تھے اور وہ خود مسلمان تھے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ان کے بیٹے اسلام قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں کیا وہ ان کو جبراً مسلمان کریں تو یہ آیت نازل ہوئی کہ دین میں جبر نہیں ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ت ۱۴۰۹ھ)

"دین میں جبر نہیں ہے" (البقرہ ۲۵۶) اس آیت کے متعلق علماء تفسیر کا اختلاف ہے بعض علماء نے کہا یہ آیت اس دور میں نازل ہوئی جب کفار سے جہاد اور قتال کا حکم نازل نہیں ہوا تھا جب ان کی زیادتیوں پر معاف کرنے اور درگزر کرنے کا حکم تھا اور یہ حکم تھا کہ ان کی برائی کو اچھائی سے دور کرو اور عمدہ طریقہ سے ان سے بحث کرو اور جب جاہل مسلمانوں سے بات

مشروعیت جہاد پر نفی جبر کی وجہ سے اعتراض اور معاصر مفسرین کے جوابات

غیر مسلم کارلر اور مستشرقین اسلام کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے اس سے مرعوب ہو کر ہمارے بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ 'دین میں جبر نہیں ہے' اور جہاد کا حکم صرف مدافعت جنگ کے لیے ہے یعنی جب کوئی قوم مسلمانوں پر حملہ آور ہو تو وہ اپنے تحفظ اور دفاع کے لیے جہاد کریں۔ پیر محمد کرم شاہ انزہری لکھتے ہیں:

اسلام جس طرح یہ گوارا نہیں کرتا کہ کسی کو جبراً مسلمان بنایا جائے اسی طرح وہ یہ بھی برداشت نہیں کرتا کہ کوئی اس کے ماننے والوں پر تشدد کر کے انہیں اسلام سے برگشتہ کرے یا جو خوشی سے اسلام کی برادری میں شریک ہونا چاہتے ہیں ان کو ایسا کرنے سے زبردستی روکا جائے اور اگر کہیں ایسی صورت پیدا ہو جائے تو اس وقت اسلام اپنے ماننے والوں کو قہراً دیتا ہے کہ ایسی حالت میں وہ ظالم قوت کا مقابلہ کریں اور یہی اسلام کا نظریہ جہاد ہے اسلام کے بعض مکتبہ چیس جہاد کو 'الدین سے آجیر کرتے ہیں اور اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں وہ سن لیں کہ اسلام ان کی خوشنودی کا پورا نہ حاصل کرنے کے لیے اپنے ماننے والوں کو دشمنان دین (ایمان کے جو دستور کا تختہ مشق بنے نہیں دے گا۔ (نیا، البقرہ آیت ۱۷۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت) اور) شیخ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

اسی طرح ہمیں اس امر سے انکار نہیں ہے کہ مجرد کسی قوم کے اندر کفر کا وجود اس امر کے لیے کافی وجہ نہیں ہے کہ اسلام کے علمبرداران کے خلاف جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور تلوار کے زور سے ان کو اسلام پر مجبور کر دیں جہاد اصلاً فتنہ اور فساد فی امارض کے مٹانے کے لیے مشروع ہوا ہے اگر یہ چیز کہیں پائی جاتی ہے تو اہل ایمان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ استطاعت رکھتے ہوں تو وہ اس فتنہ اور فساد کو مٹانے کے لیے جہاد کریں خاص طور پر اس فتنہ کو مٹانے کے لیے جو اہل کفر کے ہاتھوں اس لیے برپا کیا جائے کہ اہل ایمان کو ان کے دین سے پھیرا جائے یا اسلامی نظام کو برباد کیا جائے صرف 'شرکیں بنی اسرائیل کا معاملہ اس کلیہ سے استثناء کی نوعیت رکھتا ہے۔ (مذہب القرآن ج ۱ ص ۵۹۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت پاکستان) اسی طرح مفتی محمد شفیع دیوبندی نے بھی گول مول طریقہ سے لکھا ہے:

اسلام میں جہاد اور قتال کی تعلیم لوگوں کو قبول ایمان پر مجبور کرنے کے لیے نہیں ہے ورنہ جزیہ لے کر کفار کو اپنی ذمہ داری میں رکھنے اور ان کی جان و مال و آبرو کی حفاظت کرنے کے لیے اسلامی احکام کیسے جاری ہوتے بلکہ دفع فساد کے لیے ہے کیونکہ فساد اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے جس کے کافر درپے رہتے ہیں۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۶۱۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

جوابات مذکورہ پر بحث و نظر

اسلام میں جہاد صرف مدافعت جنگ کے لیے نہیں ہے جیسا کہ علامہ انزہری نے لکھا ہے اور نہ صرف فتنہ اور فساد کو دور کرنے کے لیے ہے جیسا کہ مؤخر الذکر علماء نے لکھا ہے بلکہ اسلام میں جہاد اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا تَلَوْا مِنْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً يُكُونُ النَّبِيُّ
كُلُّهُ يَدْعُو (النفال: ۲۹)
اور پورا دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے۔

اس آیت میں یہ واضح حکم دیا گیا ہے کہ جب تک کہ پورا دین اللہ کے لیے نہ ہو جائے اس وقت تک کافروں سے جنگ اور جہاد کرتے رہو۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کرتا رہوں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت نہ دیں اور نماز قائم نہ کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اگر انہوں نے ایسا کر لیا تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو چالیں گے ماسوا اسلام کے حق سے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۸، مطبوعہ نور محمد، ص ۱۷۸، کراچی ۱۳۸۸ھ)

شرکین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ جب تک وہ اسلام نہ قبول کر لیں ان سے جہاد اور قتال نہ جائے

فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوا حُمْرَ الْحَبِشَةِ وَادْعُوا إِلَى اللَّهِ مَرَصِدًا فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ (۵-۶)

سو تم مشرکین کو جہاں پاؤ انہیں قتل کر دو ان کو گرفتار کر، ان کا محاصرہ کر دو اور ان کی ناک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

اور اہل کتاب کے متعلق فرمایا انہیں اسلام کی دعوت دو اگر وہ نہ مانیں تو ان سے قتال کرو اور اگر وہ تمہارے ماتحت ہو کر جزیہ دینا قبول کر لیں تو ان کو چھوڑ دو:

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ
دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ
عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (۲۹)

ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اس چیز کو حرام نہیں کہتے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور دین حق کو قبول نہیں کرتے جو کہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اہل کتاب ہیں حتیٰ کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قوم سے اس وقت تک قتال نہیں کیا جب تک ان کو اسلام کی دعوت نہیں دی۔

حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو امام احمد، امام ابو یعلیٰ اور امام طبرانی نے کئی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام احمد کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۰۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو سی بڑے یا چھوٹے لشکر کا امیر بناتے تو اس کو بالخصوص اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتے اور اس کے ساتھی مسلمانوں کو نیکی کی وصیت کرتے پھر فرماتے اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں جہاد کرو جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اس کے ساتھ جنگ کرو خیانت نہ کرو عہد شکنی نہ کرو کسی شخص کے اعضاء کاٹ کر اس کی شکل نہ بگاڑو اور کسی بچہ کو قتل نہ کرو جب تم دشمن مشرکوں (اہل کتاب) سے مقابلہ کرو تو ان کو تین چیزوں کی دعوت دینا وہ ان میں سے جس کو بھی مان لیں اس کو قبول کر لینا اور جنگ سے رک جانا پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کا اسلام قبول کرو اور ان سے جنگ نہ کرو اور ان سے یہ کہو کہ وہ اپنا شہر چھوڑ کر مہاجرین کے شہر میں آ جائیں (الی قولہ) اور اگر وہ مہاجرین کے شہر میں آنے سے انکار کر دیں تو ان کو یہ خبر دو کہ پھر ان پر دیہاتی مسلمانوں کا حکم ہوگا (الی قولہ) اگر وہ اس دعوت کو قبول نہ کریں تو پھر ان سے جزیہ کا سوال کرو اگر وہ اس کو تسلیم کر لیں تو تم بھی اس کو قبول

کر لو اور ان سے جنگ نہ کرو، اور اگر وہ اس کا انکار کریں تو پھر اللہ کی مدد سے ساتھ اس سے جنگ شروع کر دو۔ الحدیث
(صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲، مطبوعہ نور محمد راجح الطابع، ٹراپی ۷۵، ۱۳۷۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

جنگ خیبر کے یام میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈ، عطا فرمایا تو انہوں نے کہا جب تک وہ مسلمان نہیں ہوں گے ہم ان سے قتال کرتے رہیں گے آپ نے فرمایا اسی طرح کرنا حتیٰ کہ جب تم ان سے علاقہ میں داخل ہو تو (پہلے) ان کو اسلام کی دعوت دینا اور ان کو یہ خبر دینا کہ ان پر کیا احکام واجب ہیں اللہ کی قسم اگر ایک شخص بھی تمہارے سبب سے ہدایت یافتہ ہو جائے تو وہ تمہارے لیے سرخ، دنوں (دنیا کی خیر) سے بہتر ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۳، مطبوعہ نور محمد راجح الطابع، ٹراپی ۷۵، ۱۳۸۱ھ)

مصنف کی طرف سے مشروعیت جہاد پر اعتراض کے جوابات

یہودی اور عیسائی مستشرقین معتزین کو سب سے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ کفار کے خلاف جنگ اور جہاد کرنے میں اسلام تنہا اور منفرد نہیں ہے بلکہ موجودہ تورات (کتاب مقدس، بائبل) میں بھی اپنے مخالف کفار کے ساتھ جنگ اور جہاد کرنے کی تلقین اور ترغیب دی گئی ہے اور موجودہ انجیل میں تصریح ہے کہ تورات کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہے اب آپ تورات کے اس اقتباس کا مطالعہ فرمائیں:

جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا O اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھر تک تیرے لیے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے ہج گزار بن کر تیری خدمت کریں O اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو اس کا محاصرہ کرنا O اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا O لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور اوت کو اپنے لیے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو کھانا O ان سب شہروں کا یہی حال کرنا جو تجھ سے دور ہیں اور ان قوموں کے شہر نہیں ہیں O پر ان قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے کسی ذی نفس کو جیتا نہ بچا رکھنا O بلکہ تو ان کو یعنی تی اور اموری اور کنعانی اور فرزی اور حوی اور یوی قوموں کو جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھ کو حکم دیا ہے بالکل نیست کر دینا O تاکہ وہ تم کو اپنے سے مکروہ کام کرنے نہ سکھائیں جو انہوں نے اپنے دیوتاؤں کے لیے کیے ہیں اور یوں تم خداوند اپنے خدا کے خلاف گناہ کرنے لگو O (استقامت باب ۲۰ آیت ۱۸-۱۹) (مہد نامہ قدیم ۸۶)

واضح رہے کہ عیسائیوں کے نزدیک بھی کفار کے خلاف جہاد کا یہ حکم باقی ہے منسوخ نہیں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

نے فرمایا:

یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں O کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ تورات سے ہرگز نہ نکلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے O (متی باب ۵ آیت ۱۸-۱۷) (یا مہد نامہ ۸)

جو غیر مسلم مستشرقین اسلام کے نظریہ جہاد پر اعتراض کرتے ہیں انہیں تورات اور انجیل کے ان اقتباسات کو بہ غور پڑھنا چاہیے۔ اب جہاد کے متعلق اسلام کا نظریہ ملاحظہ کریں:

جہاد کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کے شہر پر حملہ کیا جائے اور مسلمان مدافعانہ جنگ کریں یہ جہاد فرض مبین

ہے اس کی مثال غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق میں ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اراکراہ فی الدین کے خلاف نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی ہوش مند اعتراض کر سکتا ہے اور جہاد کی دوسری صورت یہ ہے کہ تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کیا جائے اور بہ شرط استطاعت از خود کافروں کے ملک پر حملہ کیا جائے یہ جہاد فرض کفایہ ہے فتح مکہ فتح طائف اور فتح خیبر میں اس کی مثالیں ہیں اور بعد میں مسلمانوں نے مصر، شام، عراق، ایران اور بہت سے علاقوں میں تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کیا اور دنیا کے تین براعظموں میں مسلمانوں کی حکومت پہنچ گئی اور اس میں یہ تفصیل ہے کہ جب مشرکین سے جہاد کیا جائے تو یہ نیکو اور ہے یا اسلام اور اہل کتاب کے ساتھ جنگ ہو تو پھر تین صورتیں ہیں: یہ وہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دیں یا پھر جنگ کریں۔

اہل کتاب کے ساتھ جزیہ کی رعایت اس لیے رکھی ہے کہ وہ اذیت اور رسالت کے کسی نہ کسی طور پر قائل ہیں آخرت پر ایمان رکھتے ہیں جزائز اور حلال احرام کے اصولی طور پر معترف ہیں اور جب وہ جزیہ دے کر مسلمانوں کے باج گزار ہو جائیں گے اور ان کا مسلمانوں کے ساتھ میل جول ہوگا تو مسلمانوں کو ان میں تبلیغ اسلام کے مواقع میسر ہوں گے اور انہیں بھی اسلام کی تعلیمات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملے گا اور وہ جلد یا بدیر اسلام کو قبول کر لیں گے اور ان کا اسلام کو قبول کرنا بہ رضا و رغبت ہوگا اس میں جبر کا کوئی دخل نہیں ہے جہاد کی اس شکل پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اب صرف ایک شکل رہ جاتی ہے اور وہ ہے تبلیغ اسلام کے لیے مشرکین کے خلاف جہاد یا وہ اسلام کو قبول کر لیں ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے گا اور اس پر باری النظر میں اعتراض ہوتا ہے کہ یہ جبر و اکراہ ہے لیکن درحقیقت یہ بھی جبر نہیں ہے اگر کوئی شخص کسی ملک کا باشندہ ہو اس ملک کے بادشاہ کی مہیا کی ہوئی سہولتوں اور فائدوں سے بہرہ اندوز ہوتا اور اس ملک کی زمین میں گھر بنا کر رہتا ہو اور تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہو لیکن وہ اس ملک کے بادشاہ یا حکمران کی حکومت کو نہ مانے اس کے قوانین پر عمل نہ کرے اور اس کے برعکس اس حکومت کے مخالف اور دشمن ملک اور حکومت کا علی الاعلان دم بھرتا ہو اور اس کی وفاداری کا اعلان کرتا ہو تو کیا اس کو گردن زدنی نہیں قرار دیا جائے گا اور اس کو غدر قرار دے کر قتل نہیں کیا جائے گا کیا آج دنیا کے تمام مہذب ملکوں کا اس پر عمل نہیں ہے اور اگر اس شخص سے یہ کہا جائے کہ یا تو تم اس ملک کی وفاداری کا اعلان کرو ورنہ تم کو قتل کر دیا جائے گا تو یہ کیوں عدل و انصاف کے مطابق نہیں ہے جب کہ آج کی نام نہاد مہذب دنیا میں ایسے شخص کو یہ موقع دینے بغیر قتل کر دیا جاتا ہے سو اسی طرح جو شخص اللہ کی بنائی ہوئی زمین میں رہتا ہے اور اس کی دی ہوئی تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے لیکن وہ اللہ کو مانتا ہے نہ اس کے کسی اصول اور قانون کو اور دنیا میں آسمانی مذاہب کی جتنی شکلیں ہیں ان میں سے وہ کسی کو بھی نہیں مانتا تو اس سے یہ کہنا بجا اور عدل و انصاف کے مطابق ہے کہ یہ تو اللہ کے دین کو قبول کر اور نہ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ نیز جس طرح ہر حکومت میں ریاست کے غدار کی سزا موت ہے اسی طرح اسلام میں بھی مرتد کی سزا یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے اس کو تین دن موقع دیا جاتا ہے کہ وہ غور و فکر کرے اور اگر اس کو اسلام کے خلاف کوئی شبہ ہے تو اس کو زائل کیا جائے لیکن اگر وہ اس کے باوجود اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہتا ہے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے جب کہ غدار وطن کے لیے یہ رعایت نہیں ہوتی۔

تمام مہذب دنیا میں جرائم پر سزائوں کا نظام جاری ہے اور جب کسی قاتل، چور، ڈاکو یا ریاست کے غدار کو سزا دی جائے تو یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ جبر ہے اور حریت لکھو اور آزادی رائے کے خلاف ہے اسی طرح جب مشرک کو ایمان نہ لانے پر جہاد میں قتل کیا جائے یا مرتد کو تو بہ نہ کرنے پر قتل کیا جائے تو یہ بھی ان کے جرائم کی سزا ہے جبر نہیں ہے اور حریت لکھو اور آزادی رائے کے خلاف نہیں ہے۔

کیا دین اسلام قبول کرنے میں جبر کا نہ ہونا شرعیت جہاد کے خلاف ہے؟ میں اس اشکال کے جواب میں یہی اس خود کرتا رہا، میں نے اس سوال کے جواب کی تلاش کے لیے قدیم اور جدید متعدد کتب پر کو دیکھا، لیکن میں نے دیکھ کر ہی نے بھی اس کو حل نہیں کیا اور مدافعت جنت اور جزیہ کے اختیار سے اصل اشکال کو ناکارہ دفع دتی اور شرار کی کوشش کی بہر حال میرے ذہن میں جو جواب آیا وہ میں نے لکھ دیا ہے اگر یہ صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے، ورنہ اگر غلط ہے تو یہ میری فکر کی کمی ہے اور اس مسئلہ آنے والے علماء کے لیے دعوتِ فکر ہے۔

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ

اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے دوست شیطان ہیں وہ ان کو روشنی سے اندھیروں کی

إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

طرف نکالتے ہیں وہ دوزخی لوگ ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے
مومنوں کو ظلمات سے نکالنے کے محال

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے اس پر یہ سوال ہوتا تھا کہ جب ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ سب لوگ ایمان نہیں لائے؟ لہذا اس آیت میں بتایا ہے کہ ایمان کی دوستی اللہ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے اور جن لوگوں نے شیاطین سے دوستی رکھی وہ اللہ کی توفیق سے محروم ہو گئے اور شیطان نے انہیں کفر کے اندھیروں میں دھکیل دیا۔

دن کا یہاں معنی ہے مددگار، محب اور کارساز، یعنی اللہ مومنین کا محب ہے یا مددگار ہے یا کارساز ہے اس آیت میں فرمایا ہے، اللہ مومنوں کو ظلمات سے نور کی طرف نکالتا ہے اس پر سواں ہے کہ مومن تو ایمان کی وجہ سے پہلے ہی نور میں ہیں نہ کہ ظلمات میں پھر ان کو ظلمات سے نکالنے کا کیا معنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اخراج کے دو معنی ہو سکتے ہیں حقیقت اور مجاز اگر حقیقت مراد ہو تو ایمان والوں سے مراد ہے جنہوں نے ایمان لانے کا ارادہ کیا تو ان کو اللہ نفع کے اندھیروں سے ایمان کے نور کی طرف نکالتا ہے یا معنی ہے: اللہ مومنوں کو ان کے نفوس کی ظلمانیہت سے آدابِ شریعت کی طرف نکالتا ہے یعنی ان کو رضاء، صدق، توکل، معرفت، ورمیت الہی کی راہ میں ڈال دیتا ہے یا معنی ہے ان کو دہشت اور فرقت کے اندھیروں سے سکون اور وصل کے نور کی طرف نکالتا ہے یا اخراج سے مجازاً باز رکھنا مراد ہے یعنی اللہ مومنوں کو ظلمات کفر سے دور رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے دوست طاغوت ہیں وہ ان کو روشنی سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں۔ (انقرہ ۲۵۷)

کفار کو نور سے نکالنے کے محال

یہاں پر بھی یہ سوال ہے کہ کفار کے لیے نور کب ثابت ہے جو انہیں نور سے نکال کر ظلمت کی طرف لے گیا؟ کفر تو ہے ہی ظلمت اس کے متعدد جواہرات ہیں۔

بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کے وہ لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے پھر شیطان کے بہکانے میں آ کر وہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے اور آپ سے ساتھ انہوں نے کفر کیا اور یوں وہ نور سے نکل کر ظلمت میں آ گئے بعض نے کہا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت سے پہلے آپ کے وسیلہ سے فتح کی دعائیں کرتے رہے اور جب آپ مبعوث ہو گئے تو انہوں نے شیطان کے کہنے میں آ کر آپ کے ساتھ کفر کیا اور یوں روشنی سے اندھیرے میں آ گئے بعض نے کہا انہوں نے فطرت اسلام کے نور کو ترک کر کے کفر کے اندھیرے کو اختیار کیا بعض نے کہا عالم ارجح میں انہوں نے ”بلی“ کہہ کر جو اقرار کیا تھا اس کے نور سے نکل کر وہ کفر کے اندھیروں میں آ گئے۔

طاغوت کا معنی

طاغوت کا لفظ طغیان سے ماخوذ ہے اور طغیان کا معنی ہے کسی چیز کی حد سے تجاوز کرنا یہ لفظ اصل میں ملکوت کی طرح مصدر ہے اور اس میں تاء زائد ہے۔ طاغوت سے مراد بت ہیں یا شیطان بعض محققین نے کہا طاغوت چار ہیں (۱) ابلیس لعنہ اللہ (۲) وہ شخص جو اپنی عبادت کیے جانے پر راضی ہو (۳) وہ شخص جو لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کی دعوت دے (۴) جو شخص وحی الہی کے بغیر علم غیب کا مدعی ہو۔

وقف لازم

الْمُتَرِّ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ اللَّهُ الْمَلِكُ

(اے محبوب!) کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے ان کے رب کے متعلق جھگڑا کیا (کیونکہ) اللہ نے

إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أَحْيِي

اس کو سلطنت دی تھی جب ابراہیم نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس نے کہا میں زندہ کرتا ہوں

وَأُمِيتُ ط قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ

اور مارتا ہوں ابراہیم نے کہا بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے

فَأْتِي بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا

تو اس کو مغرب سے لے آئے تو کافر حیران اور الجواب ہو گیا اور اللہ ظلم

يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٢٥٨﴾ أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَ

رہنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا O یا اس شخص کی طرح جو ایک بستی پر گزرا دریاں حالیکہ

هِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّى يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ

وہ بستی اپنی چھتوں پر گری ہوئی تھی اس نے (تجربہ سے) کہا، اللہ اس بستی والوں کو مرنے کے بعد کیسے

مَوْتِهَا فَأَمَّا اللَّهُ فَمَاءٌ عَامٌّ ثُمَّ بَعَثْنَا ط

زندہ کرے گا تو اللہ نے سو برس تک اس پر موت جاری کر دی پھر اس کو زندہ کر کے اٹھایا فرمایا تم نے کتنی مدت قیام کیا؟

قَالَ لَيْسَتْ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَيْسَتْ مِائَةً

اس نے کہا: تمام دن یا دن کا کچھ حصہ! اللہ نے فرمایا بلکہ تم ایک سو سال تک ٹھہرے رہے

عَامٍ فَانْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّجْ وَانْظُرْ

پس تم اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو دیکھو جو اب تک سڑی (بدبودار) نہیں اور اپنے

إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ

گدھے کو دیکھو اور تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنائیں اور (ان) ہڈیوں کی طرف دیکھو ہم کس طرح

كَيْفَ نُنْشِرُهَا ثُمَّ نَكْسُوها لَحْمًا ط فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ

ان کو ملا کر جوڑتے ہیں پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں پھر جب ان پر (موت کے بعد زندہ ہونا) منکشف ہو گیا تو انہوں نے کہا:

أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۵۹﴾

میں یقین رکھتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

مومن کے نور اور کافر کی ظلمت کی مثالیں

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تھا اللہ تعالیٰ مومنوں کا مددگار ہے اور کفار کے دوست شیاطین ہیں اب اللہ تعالیٰ ایک مثال مومن کی اور ایک مثال کافر کی بیان فرما رہا ہے تاکہ اس قاعدہ کی وضاحت ہو اور اس قاعدہ پر دلیل قائم ہو مومن کی مثال میں حضرت ابراہیم کو بیان کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات پر دلائل پیش کرنے کی توفیق عطا کی اور انہوں نے کافر کے شبہات کا قلع قمع کیا اور کافر کی مثال میں نمرود بادشاہ کو بیان کیا جو اپنے شکوک اور شبہات کے اندھیروں میں رہا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے مباحثہ کا پس منظر اور پیش منظر

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قائدہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کے سامنے حضرت ابراہیم نے اللہ کے رب ہونے پر دلیل پیش کی تھی اس کا نام نمرود

بن کنعان تھا پیدائش پر پہلا بادشاہ تھا اس نے بابل میں قلعہ بنایا تھا اور یہ پہلا شخص تھا جو اللہ کی ربوبیت پر دلیل قائم ہونے کے بعد زمین پر لا جواب اور حیران ہوا۔

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ زمین پر سب سے پہلا بادشاہ نمرود تھا اوگ اس کے پاس خوراک طلب کرنے کے لیے جاتے تھے ایک دن لوگوں کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اس کے پاس گئے وہ لوگوں سے پوچھتا: تمہارا رب کون ہے؟ لوگ کہتے کہ آپ ہیں حتیٰ کہ جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو پوچھا: تمہارا رب کون ہے؟ حضرت ابراہیم نے کہا جو لوگوں کو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے؟ اس نے کہا: میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں حضرت ابراہیم نے کہا اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال تو وہ کافر حیران اور لا جواب ہو گیا پھر اس نے حضرت ابراہیم کو خوراک اور طعام دیئے بغیر واپس کر دیا واپسی میں حضرت ابراہیم کا ایک ریت کے نیلہ سے گزر ہوا انہوں نے سوچا کیوں نہ میں کچھ ریت کپڑے میں باندھ کر بے جاؤں تاکہ گھر والوں کو کوئی بندھی ہوئی چیز دیکھ کر تسکین ہو گھر جا کر انہوں نے گھڑی کو رکھ دیا اہلیہ نے کھول کر دیکھا تو وہ بہترین طعام تھا حضرت ابراہیم نے جان لیا کہ یہ طعام انہیں اللہ نے دیا ہے پھر اللہ نے اس بادشاہ کی طرف ایک فرشتہ بھیجا کہ وہ اللہ پر ایمان لائے اللہ اسے اس کے ملک پر برقرار رکھے گا نمرود نے کہا: میرے سوا اور کون رب ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس تین بار فرشتے کو بھیجا اس نے ہر بار انکار کیا پھر فرشتے نے اس سے کہا: تم تین دن سے اندر اپنے سب لوگوں کو جمع کر لو جب سب لوگ جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر پھر چھوڑ دیئے پھر ان لوگوں کا گوشت کھالیا اور خون پی لیا اور وہ لوگ صرف ہڈیوں کا ہجر رہ گئے اللہ تعالیٰ نے ایک پتھر اس کے نچھنے کے ذریعہ اس سے دماغ میں بھیج دیا چار سو سال تک نمرود کے سر کو پتھروں سے کوٹا جاتا تھا چار سو سال تک وہ اس عذاب میں مبتلا رہا اوگ اس کو دیکھ کر رحم کھاتے تھے بالآخر وہ مر گیا یہ وہی شخص ہے جس نے آسمان کی جانب ایک قلعہ بنایا تھا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بے شک ان سے پہلے لوگوں نے فریب کیا تو اللہ نے ان کی عمارت بنیادوں سے اکھاڑ دی سو ان پر ان کے اوپر سے چوت گر پڑی اور ان پر ہاں سے عذاب آیا جہاں سے انہیں وہم و گمان بھی نہیں تھا۔

رتبہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے تو نمرود نے دو آدمیوں کو بلایا ایک کو چھوڑ دیا اور دوسرے کو مار دیا حضرت ابراہیم نے کہا: بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال تو پھر وہ کافر حیران اور لا جواب ہو گیا۔

سہی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کو آگ سے نکال کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اس سے پہلے وہ بادشاہ کے سامنے پیش نہیں ہوئے تھے بادشاہ نے ان سے بات کی اور پوچھا: تمہارا رب کون ہے؟ حضرت ابراہیم نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے نمرود نے کہا: میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں اس نے چار آدمیوں کو بلایا اور ان کا کھانا پینا بند کر دیا جب وہ بھوک سے مرنے لگے تو اس نے ان میں سے دو آدمیوں کو کھلایا اور پلایا وہ زندہ رہے اور باقی دو کو بدستور بھوکا رکھا وہ مر گئے تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جانا کہ اس کو اپنی سلطنت میں اقتدار حاصل ہے اور وہ اس طرح کے کام کر سکتا ہے تب پھر انہوں نے کہا: بے شک میرا رب سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال یہ سن کر وہ حیران اور لا جواب ہو گیا اس نے کہا: یہ شخص مجھوں سے اس کو لے جاؤ کیا تم نے نہیں دیکھا اس نے تمہارے خداؤں پر جرات کی اور انہیں توڑ دیا اور آگ اس کو جلا نہیں سکی اور نمرود کو یہ ڈر تھا کہ وہ اپنی قوم کے سامنے رسوا ہو جائے گا پھر اس نے حضرت ابراہیم کو نکالنے کا حکم دیا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۸-۱۹، مجمعاً مطبوعہ دارالسرینہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل کا خلاصہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے سامنے جو دلیل پیش کی تھی اس کی ایک تقریر تو یہ ہے کہ نمرود حضرت ابراہیم کی پہلی دلیل نہیں سمجھ سکا وہ اس قدر موٹی عقل کا انسان تھا کہ اس نے زندہ کرنے کا معنی زندہ چھوڑنا سمجھا حالانکہ زندہ کرنے کا معنی ہے 'بے جاں جسم میں جان ڈالنا' اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسری واضح دلیل پیش کی 'دوسری تقریر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف منتقل نہیں ہوئے بلکہ دونوں مرتبہ ایک ہی دلیل پیش کی البتہ اس کی دو مثالیں بیان فرمائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل کی تقریر یہ ہے کہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ بہت سی ایسی چیزیں حادث ہوتی ہیں جن کے وجود میں کسی شخص کا دخل نہیں ہوتا مثلاً زندہ کرنا مارنا پادلوں کی کڑک اور ٹکلی کا چمکان 'سورج' چاند اور دیگر کونے سیارہ کی حرکات نمرود کا کسی کو زندہ چھوڑ دینا اور کسی کو قتل کر دینا اس کا زندہ کرنا اور مارنا نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے بھی لوگ پیدا ہوتے تھے اور مرتے تھے وہ خود بھی پیدا ہوا اور اس نے ایک مقررہ دن میں مرنا تھا جب اس مثال سے اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا استدلال واضح نہیں ہو سکا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسری آسان مثال دی۔

مناظرہ اور مباحثہ کے احکام اور آداب

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کو ملک (بادشاہ) کہنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اللہ نے اس کو ملک دیا تھا نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو دنیا میں نعمتیں عطا فرماتا ہے اور آخرت میں ان کو محروم کر دیتا ہے اور دوزخ کے سوا ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے نیز اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ دین کو ثابت کرنے کے لیے مخالفین سے مباحثہ اور مناظرہ کرنا جائز ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب سے مباحثہ کیا اور دلیل قائم کرنے کے بعد مہلبہ کیا یعنی یہ دعا کی: جو ہم میں سے ظالم اور باطل ہو اللہ اس پر لعنت کرے اسی طرح صحابہ میں سے مہاجرین اور انصار نے سفید بنو سعدہ میں اس بات پر مباحثہ کیا کہ مہاجرین اور انصار میں خلافت کا مستحق کون ہے مناظرہ اور مباحثہ کا مقصد صرف حق کو ثابت کرنا اور باطل کا رد ہونا چاہیے مناظرہ کا معنی ہے: فریقین کے دلائل میں نظر کرنا انا نیت بہت دھری کج بحثی اور اپنی ضد پر قائم رہنا اور اپنے موقف پر اڑے رہنا مناظرہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مناظرہ کے حسب ذیل آداب بیان فرمائے ہیں:

فَلِمَ تَحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ

تم اس چیز میں کیوں بحث کرتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں

(آل عمران: ۶۶) ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بغیر علم کے مناظرہ نہیں کرنا چاہیے۔ امام اعظم نے اپنے بیٹے حماد کو مناظرہ سے منع کیا انہوں نے کہا آپ خود تو مناظرہ کرتے ہیں امام اعظم نے کہا تمہارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کب مخالف کوئی کفر یہ بات کہے اور ہم اس کی گرفت کریں اور ہم مخالف کو ایسے موقع پر سنبھال لیتے ہیں اور اس کو اس درجہ کی ضد سے بچ لیتے ہیں۔

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اپنے رب کے راستہ

کی طرف بلائیے اور ان سے عمدہ طریقہ سے بحث کیجئے

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مخلوق میں سے کوئی شے اللہ کے مشابہ نہیں ہے اور حقائق کائنات میں غور و فکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا علم حاصل ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کے افعال اور آثار سے اس کی ذات اور صفات پر

استدلال کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نیا اس شخص کی طرح جو ایک بستی پر گزرا اور اس حالیکہ وہ بستی اپنی چھتوں پر گری ہوئی تھی اس نے (تجربہ سے) کہا: اللہ اس بستی والوں کو مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا! تو اللہ نے سو برس تک اس پر موت طاری کر دی پھر اس کو زندہ کر کے اٹھایا۔ (المترجم: ۲۵۹)

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے حضرت ابراہیم کا جو واقعہ بیان کیا تھا اس میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کو ثابت کرنے کا بیان تھا اور اس واقعہ میں قیامت کے بعد لوگوں کو زندہ کرنے اور شرک و کفر کو ثابت کرنے کا بیان ہے۔

تباہ شدہ بستی اور اس کے پاس سے گزرنے والے شخص کی تحقیق

جو شخص اس تباہ شدہ بستی کے پاس سے گزرا تھا وہ کون تھا؟ اس کے متعلق مفسرین کے کئی اقوال ہیں امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

سليمان بن بريدہ 'قنادہ ربيع' عكرمة 'سدي' ضحاک. و حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔

وہب بن منبہ، عبید بن عمیر اور ابن وہب نے کہا کہ وہ ارمیاہ بن حلقیا یعنی حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نبی علیہ السلام کے تجبہ ذکر کیا ہے کہ اللہ مرنے کے بعد لوگوں کو کیسے زندہ فرمائے گا اور اس نبی کے نام کی تصدیق نہیں کی ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت عزیر ہوں اور ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت خضر ہوں اس لیے ہمیں بھی اس کی تصدیق کے روپے نہیں ہونا چاہیے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابوالحیاء اندلسی لکھتے ہیں:

حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، عكرمة، ابو العالیہ، سعید بن جبیر، قنادہ ربيع، ضحاک، سدي، مقاتل، سليمان بن بريدہ، تاجیہ بن کعب اور سالم خواص نے کہا: وہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔

وہب، مجاہد ابن عمیر، بکر بن معمر، ابن اسحاق اور نقاش نے کہا: وہ حضرت ارمیاہ یعنی خضر علیہ السلام تھے۔ حسن بصری نے کہا کہ وہ ایک کافر تھا جو گدھے پر سوار تھا اس کے پاس انجیر کی ایک ٹوکری تھی مجاہد نے غی سے نقل کیا ہے کہ وہ بنو اسرائیل کا کوئی شخص تھا ایک قوم یہ ہے کہ وہ لوط علیہ السلام کا غلام تھا ایک قول یہ ہے کہ وہ شعیب تھے۔ (فتاویٰ صحابہ اور تابعین کی اکثریت نے چونکہ یہ کہا ہے کہ وہ حضرت عزیر تھے اس لیے ہمارا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ سعیدی غفرلہ) حضرت عزیر کا جس تباہ شدہ بستی سے گزرا ہوا تھا اس کے متعلق وہب، قنادہ، ضحاک، عكرمة اور ربيع نے کہا ہے کہ وہ بیت المقدس کا شہر تھا یا بیت المقدس سے دو فرسخ (نو انگریزی میل) کے فاصلہ پر غموراں کے باغ کی ایک بستی تھی ضحاک نے کہا: وہ ارض مقدسہ تھی ابن زید نے کہا: یہ وہ بستی تھی جس سے لوگ طاعون سے ڈر کر بھاگے تھے حضرت ابن عباس نے کہا: وہ دیر ہرقل تھا، کلیبی نے کہا: شاپور آباد تھا، سدی نے کہا: وہ سلمیا تھا۔ (المترجم ج ۲ ص ۶۳۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۱۳ھ)

امام ابن جریر نے عكرمة سے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ جس بستی کے پاس سے حضرت عزیر گزرے تھے وہ بیت المقدس کے قریب ایک بستی تھی جس کو بخت نصر نے تباہ کر لیا تھا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

زکری نے کہا ہے کہ وہ شخص کافر تھا تا کہ یہ واقعہ نمرود کے واقعہ کے ساتھ منسلک ہو ابو علی نے کہا: وہ کافر ہی تھا کیونکہ نبی کو مرنے کے بعد اٹھنے میں شک نہیں تھا لیکن یہ دونوں دلیلیں کمزور ہیں وہ حضرت عزیر تھے اور یہ قصہ حضرت ابراہیم کے قصہ

کے ساتھ نہ ملے اور ان کو شک نہیں تھا بلکہ انہوں نے ازراہ تعجب کہا: بھلا نیز اس واقعہ نے آخر میں ہے جس نے بعث بعد الموت کی تصدیق کی اور کافر تصدیق نہیں کرنا اور اتنی بڑی نستانی دکھانے کا اعجاز ہی کے لیے ہی ہو سکتا ہے کافر نے لیے نہیں اور نہ کافر کا یہ مقام ہے کہ اللہ اس کے تعجب کو زائل کرنے کے لیے اپنی عظیم الشان قدرت کو ظاہر فرمائے۔
حضرت عزیر کو حیات بعد الموت کا مشاہدہ کرانا

بعض مفسرین کا یہ مختار ہے کہ حضرت عزیر زندہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک سو سال تک ان سے اس اور حرکت و ملک نہ لیا پھر ان میں دوبارہ حس و حرکت کو لوٹا دیا گویا کہ وہ سوئے تھے پھر بیدار ہوئے اور ان سے سو اس معطل ہونے سے سو سال بعد وہ بستی دوبارہ تعمیر ہو گئی تھی اور اس میں غواسر کیل لوٹ آئے تھے اللہ تعالیٰ نے یہ فرشتہ کے واسطے اس سے سو سال یہ یا حائف نہیں نے ندا کی کہ آپ کتنی دیر گھر سے؟ یہ سوال اس لیے کیا تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے کاموں کا احاطہ نہیں کر سکتے اور اکثر مفسرین کا مختار یہ ہے کہ ان پر حقیقت موت طاری ہو گئی تھی انہوں نے جو کہا تھا کہ میں نے ایک دن یا دن کے کچھ حصہ میں قیام کیا ہے یہ انہوں نے اپنے گمن سے کہا تھا کیونکہ دن کے ابتدائی حصہ میں ان پر موت طاری ہوئی تھی دن کے آخری حصہ میں ان کو زندہ کیا گیا جب انہوں نے دیکھا کہ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تو انہوں نے گمان کیا کہ انہوں نے دن کے کچھ حصہ میں قیام کیا ہے ہر چند کہ ان کا یہ کلام مسورت وقع کے خلاف تھا لیکن یہ کذب نہیں ہے کیونکہ ان کے گمان میں ایسا ہی تھا کذب تب ہوتا جب وہ قصد اور ارادہ سے واقعہ کے خلاف خبر دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ تم ایک سو سال گھر سے ہو تم ہماری قدرت کے دائل پر غور کرنے کے لیے دیکھو سو سال میں تمہارے طعام اور مشروب (نہیر یا میوے اور انگور کا شیرہ البحر المحیط) سڑا نہیں حالانکہ عام عادت جاریہ یہ ہے کہ تناغرمہ میں طعام اور مشروب بدبودار و خراب ہو جاتا ہے اور ان کا گدھا مرچکا تھا اس کا گوشت پوست گل گیا تھا اس کی ہڈیاں بکھر گئی تھیں ذیہمو کس طرح اس کی بوسیدہ اور بکھری ہوئی ہڈیاں جمع ہوتی ہیں اور جڑتی ہیں اور کس طرح ہم ان ہڈیوں پر گوشت پہناتے ہیں اور اس کی رگوں میں خون رواں رواں کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے اس گدھے کے جسم میں روح پھونک دی اور وہ اللہ عزوجل کے اذن سے زندہ ہو کر رینگنے لگا۔ حضرت عزیر نے مشاہدہ کر یہ جو سو سال بعد مردہ کو زندہ کر دیتا ہے وہ ہزاروں اور ااکھوں سال بعد بھی مردہ کو زندہ کرنے پر قادر ہے گدھے میں انہوں نے حیات بعد الموت کا مشاہدہ کر لیا اور خود اپنی ذات پر حیات بعد الموت کا تجربہ حاصل ہوا اور انہیں موت کے بعد حیات کا پہلے علم یقین تھا اور سب عین یقین اور حق یقین بھی حاصل ہو گیا۔

اس واقعہ میں جزوی طور پر حیات بعد الموت پر دلیل ہے اور تمام کائنات کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرنے اور حشر و نشر کے ثبوت پر حسب ذیل آیتیں دلیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

كَمَا بَدَأْنَا أََوَّلَ نَفْسٍ تَعْوُذُونَ ۝ (۱۱۱ اعراف ۲۹)

جس طرح اللہ نے تمہیں ابتداء پیدا کیا ہے اسی طرح

تمہیں ادا کئے گا

كَمَا بَدَأْنَا أََوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ ۝ (۱۱۱ براء ۱۰۳)

جس طرح ہم نے ابتداء تمہاری آفرینش کی ہے اسی

طرح ہم اس کا اعادہ کریں گے۔

قرآن مجید میں ہے کہ زندگی صرف دوبارہ ہے ایک اس وقت جب اللہ تعالیٰ نطفہ میں جان ڈالتا ہے اور دوسری قیامت کے بعد حضرت عزیر کے لیے تین بار زندگی ہوئی اس کا جواب ہم نے البقرہ ۲۲۳ میں تفصیل کے ساتھ دیا ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ

اور (یاد کیجئے) جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب مجھے دکھاؤ مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا اللہ نے فرمایا کہا آپ

تُؤْمِنُ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً

یقین نہیں؟ عرض کیا کیوں نہیں؟ مگر تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے فرمایا چار پرندے لیں

مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ

اور ان کو خواہ سے مانوس کر لیں (پھر ان کو ذبح کرے) ان کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دیجئے پھر نہیں

جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيَنَّكَ سَعْيًا ۖ وَاعْلَمَنَّ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ

بلائے وہ آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے اور یقین رکھیے اللہ بہت غلبہ

حَكِيمٌ ۝۲۶۰

بڑی حکمت والا ہے O

حضرت ابراہیم کو حیات بعد الموت کا مشاہدہ کرانا

اس سے پہلی آیت میں حضرت عزیر علیہ السلام کو حیات بعد الموت کے مشاہدہ کرانے اور ان کے تعجب کو راضی کرنے کا ذکر تھا اور اس آیت میں حضرت ابراہیم کو حیات بعد الموت کے مشاہدہ کرانے کا ذکر ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ سوال کیا تھا کہ انہیں دکھایا جائے، اللہ مردوں کو کیسے زندہ کرے گا اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم کو اس میں شک تھا یا اللہ کی قدرت میں شک تھا بلکہ وہ دوبارہ زندہ کرنے کی کیفیت کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ انسان کی طبیعت میں ان کی بعض چیز کو دیکھنے کا اشتیاق ہوتا ہے ان کو بعث بعد الموت اور حشر و نشر پر جو ایمان علم یقین کے درجہ میں تھا اس کو سینہ یقین کے درجہ میں ترقی دینا چاہتے تھے امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبر مشاہدہ کی طرح نہیں ہے۔

الحديث (مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۱۸ھ)

اس حدیث کو امام ابن عدی نے بھی روایت کیا ہے۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۱ ص ۳۰۳ ج ۲ ص ۱۵۸۰ ج ۷ ص ۳۹۳ مطبوعہ دار الشریعہ بیروت)

امام طبرانی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

(معجم الاوسط ج ۱ ص ۴۶ مطبوعہ مکتبۃ العارفین ریاض ۱۴۰۵ھ)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

اسن جریر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک راستہ سے گزر رہے تھے انہوں نے دیکھا کہ راستہ میں ایک

مردہ گدھا پڑا ہوا ہے جس کا گوشت نوچ نوچ کر درندے اور پرندے کھا رہے ہیں جب درندے چلے گئے اور پرندے اڑ گئے اور اس مردہ گدھے کی صرف ہڈیاں باقی بچ گئیں تو حضرت ابراہیم کو تعجب ہوا وہ کہنے لگے اے میرے رب! مجھے یقین ہے کہ تو اس گدھے کو ان درندوں اور پرندوں کے پیڑوں سے جمع کرے گا اے میرے رب! تو مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا آپ کو اس پر ایمان نہیں ہے؟ عرض کیا کیوں نہیں! لیکن خبر معائنہ کی طرح نہیں ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۳ مطبوعہ دارالسرۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

قرآن مجید میں جن چار پرندوں کو ذبح کر کے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا بیان ہے اس کی تفسیر میں امام ابن جریر نے روایت کیا ہے:

نبیہ نے بیان کیا ہے کہ یہ چار پرندے مرغ، مور، کوا اور کبوتر تھے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۵ مطبوعہ دارالسرۃ بیروت ۱۴۰۹ھ) علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں کبوتر کی جگہ گدھ کا ذکر ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ نفس انسانی کو حیات ابدیہ اس وقت حاصل ہوگی جب وہ اپنی شہوات اور حسن و زیبائش کو ذبح کر دے جو مور کی صفت ہے اور دوسروں پر حملہ کرنے کے جذبہ کو فنا کر دے جو مرغ کی صفت ہے اور نفس کی خساست اور گھٹیا پن کو دور کر دے جو کوا کی صفت ہے اور اپنی خواہشات کو جلدی پورا کرنے کی عادت کو دور کر دے جو کبوتر کی صفت ہے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ ان پرندوں کو ذبح کر دیں ان کے پر نوچ ڈالیں اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کو خلط ملط کر دیں پھر ان منتشر اجزاء کو مختلف پہاڑوں پر ڈال دیں پھر ان کو بلائیں جب حضرت ابراہیم نے ان کو بلایا تو وہ اجزاء متمیز ہوئے اور ہر جسم کے اجزاء آپس میں مل گئے اور اخیر میں ان کے ساتھ ان کا سر جڑ گیا۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر انسان حیات ابدیہ چاہتا ہے تو وہ اپنے بدن کی طاقت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے (غالباً اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ کے احکام سے روگردانی اور سرکشی کی طاقت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے) پھر جب وہ اپنے بدن کو احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے لیے بلائے گا تو وہ اس کی اطاعت کرے گا اور اس کو دائمی حیات حاصل ہو جائے گی۔ (انوار البقرہ ص ۶۰ مطبوعہ دارفراس للنشر والتوزیع مصر)

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے

حَبَّةِ آبْتَتِ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ

کی طرح ہے جس نے سات ایسے خوشے اگائے کہ ہر خوشے میں سو دانے ہیں

وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝۳۱

اور اللہ جس کے لیے چاہے ان کو دگنا کر دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے ۝ جو لوگ

يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتَّبَعُونَ مَا أَنْفَقُوا

اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں پھر جو کچھ خرچ کیا اس پر نہ احسان جتاتے ہیں نہ تکلیف پہنچاتے ہیں

مَنَا وَلَا آذَى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

ان کے لیے ان کے رب کے بارے میں ان کا اور ہے نہ ان پر نہ بھج خوف ہے نہ

لَهُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۳۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ

نہ وہ غمگین ہوں گے O (لوگوں سے) اچھی بات کہہ اور درگزر کرنا اس صدق سے بہتر ہے

صَدَقَةٍ يَّتَّبِعُهَا آذَى وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ﴿۳۳۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

جس کے بعد تکلیف پہنچے اور اللہ ہے نیاز اور بہت بخیر ہے O اے ایمان والو!

لَا تُبْطِلُوا صَدَقَتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ

احسان جت کر اور اذیت پہنچا کر اپنے صدقات ضائع نہ کر، اس شخص کی طرح جو اپنا مال بربادی

رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ

کے لیے خرچ کرتا ہے اور وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا اس کی مثال

صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا

اس چکنے پتھر کی طرح ہے جس پر کچھ مٹی ہو پھر اس پر زور کی بارش ہوئی جس نے اس پتھر کو بالکل صاف کر دیا وہ

يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۳۳۴﴾

اپنی کمائی سے کسی چیز پر قدرت نہیں پائیں گے اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا O

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَ

اور جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی رضا جوئی اور اپنے دلوں کو مضبوط رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں

تَشْبِيهَا مِثْلُ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ

ان کی مثال اونچی زمین پر ایک باغ کی طرح ہے جس پر زوردار بارش

فَأَتَتْ أَكْثَهَا ضَعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِيبْهَا وَابِلٌ فَطُلَّتْ وَاللَّهُ

ہو تو وہ اپنا پھل دگنا لائے پھر اگر اس پر زوردار بارش نہ ہو تو اسے شبنم ہی کافی ہے اور اللہ

بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿۲۶۶﴾ أَيَوَّدُ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ

تمہارے سب کاموں کو دیکھنے والا ہے O کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا بھروسہ

تَخِيلٌ وَأَعْنَابٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ

اور انھاروں کا ایک باغ جو اور اس کے نیچے دریا بہ رہے ہوں اس کے لئے اس باغ میں

الشَّجَرَاتُ لَا يَصَابُهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا

ہر قسم کے پھل ہوں اور اس کو بڑھاپا آ جائے اور اس نے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں تو (اچانک)

إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ

اس باغ میں گرم ہوا کا ایک ٹکڑا جس میں آگ ہو اور وہ باغ جل جائے اللہ تمہارے لیے اسی طرح

الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۶۷﴾

آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو O

حیات بعد الموت کے ذکر کے بعد صدقہ و خیرات کے ذکر کی مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر اور حضرت ابراہیم کا قصہ بیان کیا ان دونوں قصوں میں حیات بعد الموت پر دائل قائم کیے گئے تھے اور اس زندگی کے بعد دوسری زندگی پیش آنے کا ذکر کیا گیا تھا ان آیتوں میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اس دوسری زندگی میں کیا چیز انسان کے کام آسکتی ہے اور کون سا عمل وہاں نفع دے سکتا ہے اور وہ صدقہ اور خیرات ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو ہزاروں کی تعداد میں موت کے ڈر سے بھاگے اور ان کے واقعہ کو بیان کرنے کے بعد فرمایا وہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے پھر جاوت اور ملاوت کا قصہ بیان کیا اور اس کے بعد فرمایا اے ایمان والو اس دن کے آنے سے پہلے ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو جب خرید و فروخت ہو سکے گی نہ کسی کی دینی کام آئے گی نہ کسی کی (بلا اذن) شفاعت کام آسکے گی اسی طرح یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر اور حضرت ابراہیم کے قصوں کو بیان کرنے کے بعد صدقہ اور خیرات پر اپنے بہت زیادہ اجر و عطا فرمائے کا ذکر فرمایا

انفاق فی سبیل اللہ کے مصارف

قرآن کریم میں جگہ جگہ صدقہ و خیرات کی فضیلت اور اس کا اجر و ثواب بیان کیا ہے اور صدقہ و خیرات کی بہت ترغیب دی ہے کیونکہ صدقہ و خیرات کرنے سے دولت معاشرہ میں گردش کرتی رہتی ہے خرابی اور فقر کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور رفدہ عام کے بہت سے کام انجام پاتے ہیں اور ملک و ملت کی نفاذ میں صدقہ و خیرات کا بہت بڑا دخل ہے ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اللہ کی سبیل (راہ) میں خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور اللہ کی سبیل کی کئی انواع ہیں علم دین کی نشر و اشاعت میں حصہ لینا دینی مدارس کی مدد کرنا مساجد بنانا لائبریری قائم کرنا سرائے بنانا محتاج خانے تعمیر کرنا مراد علوم

کے لیے اسکولوں اور کالجوں کو گرانٹ دینا، قیموں اور بیواؤں کے لیے وظائف جاری کرنا، بیماروں کے علاج معالجہ کے لیے ہسپتال بنانا اور ان کے لیے دوائیں فراہم کرنا، جو لوگ عدالتی اخراجات کی وجہ سے اپنے حقوق حاصل نہ کر سکیں ان کے کام آنا، اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں میں جو تنگ دست ہوں ان کی مدد کرنا، فقراء اور مساکین کی کفالت کرنا، قرض کی ادائیگی میں مقروض لوگوں کی مدد کرنا اور سبیل اللہ کی انواع میں سب سے بڑی اور اہم نوع جہاد کے راستہ میں خرچ کرنا ہے تاکہ اللہ کا دین سر بلند ہو۔

دس گنے سات سو گنے اور بے حساب اجر دینے کی وجوہات

اس رکوع میں صدقہ و خیرات کی ترغیب دیتے ہوئے البقرہ ۲۶۱ سے لے کر ۲۶۶ تک چھ آیتیں بیان کی گئی ہیں۔

قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا ہے:

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مَثَلٍ هَاتَا
جو شخص ایک نیکی لے کر آئے گا اس کو اس جیسی دس نیکیوں

(النعام: ۱۶۰) کا اجر ملے گا۔

اور یہاں البقرہ کی آیت: ۲۶۱ میں فرمایا ہے جو شخص اللہ کی راہ میں ایک دانہ خرچ کرے گا اس کو سات سو گنا اجر ملے گا اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے گا اس اجر کو دگنا کر دے گا۔

ایک اور مقام پر فرمایا ہے:

لَكُمْ يَوْمَئِذٍ الثَّيْبُزُونَ أَجْرُهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ
صبر کرنے والوں کو ان کا پورا اجر بے حساب دیا جائے

(الزمر: ۱۰) O گا

کسی نیکی کا اجر دس گنا ہے، کسی نیکی کا اجر سات سو گنا ہے اور کسی نیکی کا اجر بے حساب ہے اب سوال یہ ہے کہ اجر کے یہ مختلف مدارج کس حساب سے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو اللہ کی راہ میں حساب سے خرچ کرتا ہے اس کو اللہ حساب سے اجر دیتا ہے اور جو اللہ کی راہ میں بے حساب خرچ کرتا ہے اس کو اللہ بے حساب اجر دیتا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ اجر و ثواب کے مدارج کا یہ فرق نیت اور خلوص کے مدارج کے اعتبار سے ہے، جس شخص میں جتنا زیادہ اخلاص ہوگا اس کو اتنا زیادہ اجر ملے گا، تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ فرق حالات کے اعتبار سے ہے، مثلاً ایک کروڑ پتی کسی بھوکے کو دو روٹیاں دے یہ بھی نیکی ہے، ایک متوسط آمدنی والا کسی بھوکے کو دو روٹیاں دے یہ بھی نیکی ہے اور جس کی کل کائنات دو روٹیاں تھیں وہ اگر بھوکے کو دو روٹیاں دے گا تو خود بھوکا رات گزارے گا، اس کا بھوکے کو دو روٹیاں دینا بھی نیکی ہے، لیکن یہ تینوں نیکیاں برابر نہیں ہیں تو ان کا اجر برابر کیسے ہوگا، جس کی کل متاع دو روٹیاں ہیں اس کا دو روٹیاں دینا ایسے ہے جیسے ایک کروڑ پتی اپنی ساری دولت کسی کو دے دے، اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ کروڑ پتی کو اس نیکی کا اجر دس گنا ملے، متوسط آمدنی والے کو سات سو گنا اجر ملے اور جس کے پاس تھیں ہی دو روٹیاں اس کو بے حساب اجر ملے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کے لیے بے حساب اجر کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ اللہ کی راہ میں از خود خرچ کرنا آسان ہے اور کسی ناگہانی آفت اور نقصان پر شکوہ و شکایت نہ کرنا اور خاموشی سے اس نقصان کو برداشت کرنا مشکل ہے، کیونکہ جب آدمی اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے منصوبہ اور پروگرام کے مطابق خرچ ہوتا ہے اس کو خرچ کرنے سے طمانیت اور تسکین حاصل ہوتی ہے، کسی غریب اور فقیر کی حالت زار کو دیکھ کر جو اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور اس کی تکلیف سے اس کو جو تکلیف ہوتی ہے اس کا ازالہ ہوتا ہے لیکن اچانک اور ناگہانی نقصان ہو جائے جس میں اس کے پروگرام اور منصوبہ کا دخل نہ ہو، جس میں کسی وجہ سے خوشی اور تسکین اور کوئی پہلو نہ ہو، ماسوا

اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس غم کو خاموشی کے ساتھ برداشت کر لے اور کسی کے سامنے حرف شکایت زبان پر نہ لائے یہ عمل اپنے پرہیزگار اور منصوبہ کے مطابق خرچ کرنے کی بہ نسبت زیادہ مشکل ہے۔

صدقات و خیرات کے آداب و شرائط

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس رکوع کی پہلی آیت میں اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنے کا اجر و ثواب بیان فرمایا ہے دوسری آیت میں یہ فرمایا ہے کہ یہ اجر و ثواب تب حاصل ہوگا جب صدقہ دینے کے بعد احسان جنایا جائے نہ طعنہ دے کہ اس کو اذیت پہنچائی جائے جس کو صدقہ دیا ہے امام رازی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے جب غزوہ تبوک میں ایک ہزار اونٹ مع کباؤں کے دیئے اور ایک ہزار دینار دیئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی 'اے میرے رب! میں عثمان سے راضی ہو گیا تو بھی عثمان سے راضی ہو جا' اور حضرت عبدالرحمن بن عوف نے اپنے مال سے چار ہزار دینار صدقہ کیے تو یہ آیت نازل ہوئی 'جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں پھر جو کچھ خرچ کیا اس پر احسان جتاتے ہیں نہ تکلیف پہنچاتے ہیں ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے ان پر کچھ خوف ہے نہ وہ غمگین ہوں گے۔' (البقرہ ۲۶۲)

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اور تیسری آیت میں یہ فرمایا ہے۔ اگر کسی کو صدقہ دینے کے بعد طعنہ دے کہ اس کو اذیت پہنچائی تو اس سے بہتر ہے کہ اس کو صدقہ نہ دیا جائے اور اس سے کوئی نیک اور اچھی بات کہہ دی جائے مثلاً سائل سے یہ کہہ دے کہ اس وقت ہمارے پاس گنجائش نہیں ہے اور اس سے معذرت کرے یا اس کی کسی اور دینے والے کی طرف رہنمائی کر دے یا کسی مسلمان کو کوئی نصیحت کرے اس کی خیر خواہی میں کوئی بات کرنا کسی کو نیک مشورہ دینا ایسے صدقہ کرنے سے بہتر ہے جس کے بعد اس شخص کی دل آزاری کی جائے جس کو صدقہ دیا ہے اور اس رکوع کی چوتھی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ صدقہ اور خیرات کرنے والے اخلاص کے ساتھ محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے صدقہ دیں لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیے صدقہ نہ دیں وہ ضرورت مندوں سے اپنی سخاوت اور دریادلی کے قصیدے سننے کی خواہش نہ رکھیں نہ یہ چاہیں کہ عام لوگوں میں ان کی فیاضی کا ذکر ہو اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کا یہ تمام عمل ضائع ہو جائے گا اور اس پر کوئی ثواب نہیں ملے گا اور ان کی مثال ایسے ہے جیسے کسی چکنے پتھر پر مٹی جمع ہو گئی اور ہارش نے اس کو بالکل صاف کر دیا خلاصہ یہ ہے کہ صدقہ کی مقبولیت اور اس پر اجر ملنے کی تین شرطیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں۔ (۱) احسان نہ جنایا جائے (۲) جس کو صدقہ دیا ہو اس کو طعنہ دے کہ اذیت نہ پہنچائی جائے (۳) اخلاص کے ساتھ صدقہ دیا جائے لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیے نہ دیا جائے۔

صدقات کے مصارف، اجر و ثواب اور آداب و شرائط کے متعلق احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام طبرانی نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک شخص گزرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اس کے حسن اور اس کی تندرستی کو دیکھ کر کہا یا رسول اللہ! کاش یہ شخص اللہ کی راہ میں ہوتا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ شخص اپنے چھوٹے بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے جا رہا ہے تو یہ اللہ کی راہ میں ہے اگر یہ اپنے بوڑھے ماں باپ کی خدمت کے لیے جا رہا ہے تو یہ اللہ کی راہ میں ہے اگر یہ اپنی ضروریات میں خود کو سوال سے روکنے کے لیے جا رہا ہے تو یہ اللہ کی راہ میں ہے اور اگر یہ لوگوں کو دکھانے اور فخر کے لیے جا رہا ہے تو یہ شیطان کی راہ میں ہے۔ امام احمد اور امام بیہقی نے "سنن کبریٰ" میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے

اللہ کی راہ میں کسی زائد چیز کو خرچ کیا اس کو سات سو گنا اجر ملے گا اور جس نے اپنی ذات پر واپس اپنے اہل پر خرچ کیا، وہ کسی مریض کی عیادت کی یا راستہ سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹا دی تو اس کو دس گنا اجر ملے گا اور جب تک روزہ کو فائدہ نہ کرے وہ اس کے لیے ذی حال ہے اور جس شخص کو اللہ کسی جسمانی بیماری میں مبتلا کرے تو اس کو بھی اجر ملے گا۔

امام بیہقی نے ”شعب الایمان“ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعمال کی سات قسمیں ہیں دو عمل واجب کرتے ہیں دو عملوں کا بدلہ ایک مثل ہے ایک عمل کا بدلہ دس گنا ہے ایک عمل کا بدلہ سات سو گنا ہے اور ایک عمل ایسا ہے کہ اس کے ثواب کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا رہے وہ دو عمل جو واجب کرتے ہیں تو جو شخص اس حال میں اللہ سے ملاقات کرے کہ اس نے اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کی ہو اور شرک بالکل نہ کیا ہو اس کے لیے جنت واجب ہے اور جس نے اللہ سے اس حال میں ملاقات کی ہو کہ اس نے شرک کیا ہو اس کے لیے دوزخ واجب ہے (اور جن دو کاموں کا ایک مثل اجر ہے تو) جس نے برا کام کیا اس کو ایک برائی کی سزا ملے گی اور جس نے نیکی کا صرف ارادہ کیا اس کو ایک نیکی کا اجر ملے گا (اور جن کاموں کا سات سو گنا اجر ہے تو) جس نے اللہ کی راہ میں ایک درہم خرچ کیا اس کو سات سو درہموں کا اجر ملے گا اور جس نے اللہ کی راہ میں ایک دینار خرچ کیا اس کو سات سو دیناروں کا اجر ملے گا اور روزہ اللہ کے لیے ہے اس کے عامل کے ثواب کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

امام ابن ابی حاتم نے حسن سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگ کسی آدمی کو اللہ کی راہ میں بھیجتے ہیں یا کسی آدمی پر خرچ کرتے ہیں پھر اس پر احسان رکھتے ہیں اور اس کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں، میں نے اللہ کی راہ میں اتنا اتنا خرچ کیا اللہ کے نزدیک اس عمل کا شمار نہیں ہوگا اور جو لوگ کسی کو دے کر یہ کہتے ہیں کہ کیا میں نے تم کو فلاں فلاں چیز نہیں دی تھی وہ اس کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

امام ابن ابی شیبہ امام احمد امام ابن السنہ اور امام بیہقی نے ”شعب الایمان“ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احسان جتانے والا ماں باپ کا نافرمان عادی شربی جہاد پر ایمان رکھنے والا اور کافران جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

امام بزاز اور امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تین شخصوں کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا: ماں باپ کا نافرمان عادی شربی اور کچھ دے کر احسان جتانے والا۔ (اللہ واہد، روح المس ۲۳۹-۲۴۰ مکتبۃ آپ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی رضا جوئی اور اپنے دلوں کو مضبوط رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں ان کی مثل اونچی زمین پر ایک باغ کی طرح ہے جس پر زردار بارش ہو تو وہ اپنا پھل دگلا دے پھر اگر اس پر زردار بارش نہ ہو تو اسے شبنم ہی کافی ہے۔ (البقرہ: ۲۶۵)

جہاد اور اللہ کی رضا جوئی میں خرچ کرنے کی مثالوں کا فرق

اس سے پہلے فرمایا تھا کہ جو اللہ کی راہ (جہاد) میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات ایسے خوشے اگائے کہ ہر خوشے میں سات سو دانے ہیں اور اسی پر عطف کرتے ہوئے فرمایا: اور جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اونچی زمین پر ایک باغ کی طرح ہے دنیا میں ذراعت سے نلہ اور پھل حاصل ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ان کے اجر و ثواب کی مثال بھی دلوں (غلہ) اور پھلوں سے دی ہے اور

جس نے اللہ کی راہ (جہاد) میں خرچ کیا اس کے اجر کی مثال دانوں سے دی ہے اور جس نے اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کیا اس کی مثال باغ سے دی ہے اور جو رضا جوئی اور اسلام پر اپنا دل مضبوط رکھنے کے لیے خرچ کرتا ہے اس کی مثال باغ کے ساتھ دینے میں یہ لطافت ہے کہ جس طرح باغ میں درختوں کی جڑیں زمین میں پیوست اور مضبوط ہوتی ہیں اسی طرح اس خرچ کرنے والے کے دین میں اسلام کی جڑیں پیوست اور مضبوط ہیں۔ اس کے برخلاف ملکہ کے دانے ٹھیکوں سے حاصل ہوتے ہیں اور کھیت کی جڑیں زمین میں پیوست اور مضبوط نہیں ہوتیں نیز کھیت میں پانی لگانے کی ہر کھیتی کے وقت ضرورت ہوتی ہے اور باغ پانی لگانے سے مستثنیٰ ہوتا ہے سو اسی طرح جہاد کے لیے ہر مرتبہ جہاد کے وقت مال خرچ کرنے کی ضرورت ہے اور جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرتا ہے اس کے لیے کسی وقت اور موقع کی قید نہیں ہے وہ ہر وقت اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرتا ہے۔

ریاکار منافق اور مخلص مومن کے راہ خدا میں خرچ کرنے کی مثالوں کا فرق

اس سے پہلی آیت (البقرہ: ۲۶۳) میں اللہ تعالیٰ نے منافق کے خرچ کرنے کی مثال دی تھی کہ جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا اور ریاکاری سے اپنا مال خرچ کرتا ہے اس کی مثال اس چکنے پتھر کی طرح ہے جس پر (کچھ) مٹی ہو پھر اس پر زور کی بارش ہوئی جس نے اس پتھر کو بالکل صاف کر دیا احسان جتانے والے ایذا پہنچانے والے اور منافق کو چکنے پتھر سے تشبیہ دی ہے اور ان کے خرچ کرنے کے ظاہری عمل کو چکنے پتھر پر پڑی ہوئی تھوڑی سی مٹی سے تشبیہ دی ہے اور قیامت کے دن کو زوردار بارش سے تشبیہ دی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے نیکی کے راستوں میں بہ ظاہر جو کچھ خرچ کیا ہے قیامت کے دن ان کے نامہ اعمال سے وہ سب دھل کر صاف ہو جائے گا جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَقَدْ صَدَّقَ إِلَىٰ مَا كَانُوا مِنْ عَمَلٍ فَعَجَلَنَّهُمْ يَبْتَغُونَ الثَّوَابَ

(انہوں نے اپنے دھرم میں جو بھی نیک عمل کیے ہیں ہم ان کی طرف قصد فرمائیں گے پھر ہم انہیں) فضا۔

(میں) بکھرے ہوئے (جہاد کے) پار یک ذرے بنا دیں گے ○

اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اخلاص سے خرچ کرنے والے مومن کی مثال دی ہے جو اللہ کی رضا جوئی اور اسلام پر اپنے دل کو مضبوط رکھنے کے لیے خرچ کرتا ہے اس کے اجر و ثواب کی مثال بلندی پر لگے ہوئے اس باغ کی طرح ہے جس پر زور کی بارش ہو تو وہ اپنا پھل دیکھتا لائے اور اگر زور کی بارش نہ ہو تو اس باغ کی ثمر آوری کے لیے معمولی شبنم ہی کافی ہے سو اسی طرح اخلاص اور اللہ کی رضا جوئی اور دین پر ثابت قدم رہنے کے لیے زیادہ خرچ کرے یا کم خرچ کرے اللہ کے ہاں اس سے اجر و ثواب کا جو باغ لگا ہوا ہے وہ پھلتا پھولتا رہے گا اس میں مخلص مسلمانوں کو یہ تسلی دیتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان تنگ دست اور کم حیثیت ہے تو وہ یہ غم نہ کرے کہ اگر اس نے اللہ کی راہ میں اپنی تنگ دستی کی وجہ سے کم خرچ کیا تو اللہ کے نزدیک اس کی کم حیثیت ہوگی بلکہ یہ فرمایا کہ مومن اخلاص اور اللہ کی رضا جوئی کے لیے سب حیثیت کم خرچ کرے یا زیادہ آخرت میں اس کے اجر و ثواب کا باغ پھلتا پھولتا رہے گا۔

اللہ کی رضا جوئی اور اسلام پر ثابت قدمی کے لیے خرچ کرنے کی صورتیں

اس آیت (البقرہ: ۲۶۵) میں اللہ کی رضا جوئی اور اسلام پر ثابت قدمی کے لیے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کی سب ذیل صورتیں ہیں:

(۱) اللہ کی رضا جوئی اور اپنے دلوں کو اسلام پر مضبوط رکھنے کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو احکام شرع پر عمل کرنے کا عادی

بنائیں اور اپنے نیک اعمال کو ایسی نیتوں اور ایسے کاموں سے محفوظ رکھیں جن سے وہ نیک اعمال فاسد ہو جائیں ایسی نیتوں میں ریاکاری اور دکھاوے کی نیت ہے اور ایسے کاموں میں صدقہ لینے والے پر احسان جتانا اور طعنہ دے کر اسے تکلیف پہنچانا ہے۔

(۲) دل کا ثابت قدم رہنا صرف اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ" (اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے) تو جو شخص اس کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے اس کا دل اسلام پر اس وقت تک مطمئن اور مضبوط نہیں ہوتا جب تک اس کا خرچ کرنا محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے نہ ہو اسی وجہ سے حضرت علی نے خرچ کرتے وقت فرمایا ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا جوئی کے لیے کھلاتے ہیں ہم تم سے کسی صلہ اور ستائش کے طالب نہیں ہیں اور جب حضرت ابو بکر نے حضرت بلال کو بھاری قیمت پر خرید کر آزاد کیا اور مشرکوں نے کہا ضرور بدلہ لے ابو بکر پر کوئی احسان کیا ہو گا جس کا بدلہ چکانے کے لیے ابو بکر نے بلال کو اتنی گراں قیمت پر خرید کر آزاد کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر کی مدح میں فرمایا:

وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَكَ مِنْ نِعْمَةٍ يُجْزَىٰ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ۚ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ (اللیل ۲۱-۱۹)

اور اس پر کسی کا کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے ۚ وہ صرف اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے (اپنا مال خرچ کرتا ہے) جو سب سے بلند ہے ۚ اور ضرور وہ عنقریب راضی ہو گا ۚ

اسی طرح حضرت صہیب رومی جب اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنا سارا مال و متاع مکہ میں چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ آ گئے تو یہ آیت نازل ہوئی:

"وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ" (البقرہ ۲۰۷) اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنے نفس فروخت کر دیتے ہیں سو جب انسان کی طبیعت میں یہ چیز راسخ ہو جاتی ہے کہ وہ محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنے مال کو خرچ کرتا ہے اور اس خرچ سے کوئی نفسانی منفعت مطلوب نہیں ہوتی تو اس کے دل میں اسلام کی جڑیں پیوست ہو جاتی ہیں اور اسلام پر اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو بکر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت صہیب رومی اور دیگر صحابہ کرام اسی پائے کے مخلصین تھے۔

(۳) جب انسان بار بار اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرتا ہے تو اللہ کی رضا جوئی اس کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے اور اگر کبھی اس سے کسی نیک کام میں غفلت بھی ہو جائے تو اس کا دل فوراً اللہ کی جناب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور یہی اسلام پر ثابت قدم رہنے کا وہ مرتبہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔

(۴) مخلصین جب اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو ان کو یقین ہوتا ہے کہ اللہ ان کے عمل کو ضائع نہیں کرے گا اور ان کو جو اللہ سے ثواب کی امید ہے وہ پوری ہوگی کیونکہ ان کو یوم قیامت اور ثواب و عذاب کا یقین ہوتا ہے اس کے برعکس منافق جب خرچ کرتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ اس کا یہ عمل ضائع ہو رہا ہے کیونکہ اس کو آخرت پر ایمان نہیں ہوتا اور مخلصین کا آخرت پر یقین رکھنا ہی اسلام پر ثابت قدمی سے عبارت ہے۔

(۵) مخلصین جب اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو اپنے مال کو صحیح معارف میں خرچ کرتے ہیں اور نیکی کے راستہ میں لگاتے ہیں اور خوب چھان بین کر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان کا مال کہیں اللہ کی نافرمانی اور کسی گناہ کے کام میں نہ لگ جائے اور یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی رضا جوئی اور اسلام پر ثابت قدمی کی نیت سے اللہ کی

راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا بھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور اس کے بیٹے دریا بہہ رہے ہوں اس کے لیے اس باغ میں ہر قسم کے پھل ہوں اس کو بڑھا پا آ جائے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بیٹے ہوں تو (اچانک) اس باغ میں گرم ہوا کا ایک گولہ آئے جس میں آگ ہو اور وہ باغ جل جائے۔ (البقرہ ۲۶۶)

سخت حاجت کے وقت باغ کے جل جانے کی مثال کی دو تقریریں

جو شخص صدقہ و خیرات کرنے کے بعد احسان جتائے اور ایذا پہنچائے اس کی محرومی کی ایک مثال پہلے البقرہ ۲۶۴ میں دی تھی اور دوسری مثال اس آیت میں دی ہے۔ پہلی مثال میں یہ ذکر کیا تھا کہ کسی چکنے پتھر پر مٹی ہو اور اس مٹی کو تیز بارش بہا کر لے جائے اس مثال میں یہ بتایا ہے کہ کسی شخص کا بہت حسین اور پھل دار باغ ہو وہ اس وقت بوڑھا ہو اور کمانے سے عاجز ہو اور اس پر چھوٹے چھوٹے بچوں کی پرورش کا بھی بوجھ ہو تو ظاہر ہے اس وقت اس کو باغ کی بہت سخت ضرورت ہوگی کیونکہ وہ خود بوڑھا ہے کی وجہ سے کما نہیں سکتا بچے جو ان نہیں جو اس کو کما کر لادیں بلکہ خود ان بچوں کی پرورش کی اس پر ذمہ داری ہے اب اچانک اگر وہ باغ کسی آگ والے گولے سے جل جائے تو اس کے نقصان اور محرومی کا کیا عالم ہوگا اسی طرح انسان اللہ کی راہ میں مال خرچ کرے اور فقراء اور مساکین کو صدقہ و خیرات دے اور اس کو یہ امید ہو کہ آخرت میں جب وہ نیک عمل کرنے سے بالکل عاجز ہوگا اور اس کو نیکیوں پر اجر و ثواب کی سخت حاجت ہوگی اور کہیں اور کسی ذریعہ سے کسی نیکی کے ملنے کا امکان نہیں ہوگا اور اس کی واحد امید وہ صدقات و خیرات ہوں جو اس نے دنیا میں کیے تھے پھر اس کو اچانک معلوم ہو کہ اس نے جو ان صدقات پر احسان جنایا تھا اور فقراء کو طعنے دے کر ایذا پہنچائی تھی اس سے وہ تمام صدقات ضائع ہو چکے ہیں تو اس شخص کی محرومی کا کیا عالم ہوگا۔

اس مثال کی دوسری تقریر یہ ہے حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں

امام عبد بن حمید نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اس آیت کے منہق پوچھا تو انہوں نے کہا اے امیر المؤمنین اللہ نے یہ مثال بیان کی ہے کہ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ ساری عمر صالح اور نیک عمل کرتا رہے حتیٰ کہ جب وہ بوڑھا ہو جائے اس کی موت قریب آگے اور اس کی بڑی کمزور ہو چکی ہو اور اس وقت اس کو اس بات کی سب سے زیادہ احتیاج ہو کہ اس کے اعمال کا خاتمہ نیکیوں پر ہو اور اس وقت وہ دوزخیوں کے سے بُرے کام کرنا شروع کر دے اور ایسے بُرے کام کرے جن سے اس کے سابقہ سارے نیک کام اور صالح عمل اکارت چلے جائیں اور ضائع ہو جائیں اور اس کی زندگی کے سارے نیک کاموں کا باغ اس آخری برائی سے جل کر راکھ ہو جائے اس مثال کا حضرت عمر پر بڑا گہرا اثر ہوا اور وہ حیران ہو گئے۔

اے بارالہ! مصنف اور اس کتاب کے قارئین کو ایسی برائی سے اپنی پناہ میں رکھنا جو زندگی کی ساری نیکیوں کو جلا ڈالے اور ہمیں حسن عاقبت سے محروم نہ کرنا اور ایمان اور اعمال صالحہ پر ہمارا خاتمہ کرنا مصنف اپنی زندگی کے آخری حصہ میں ہے اس کو اپنی پناہ اور امان میں رکھنا آمین!

امام طبرانی نے "معجم اوسط" میں اور امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے اے اللہ! جب میرا بڑھا پا ہو اور میری عمر کے انقطاع کا وقت ہو اس وقت مجھے اپنا سب سے وسیع رزق عطا فرماتا۔ (معجم اوسط ج ۱ ص ۲۳۰ مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض ۱۴۰۵ھ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا

اے ایمان والو! (اللہ کی راہ میں) اپنی کئی سے اچھی چیزوں و خرچ کرنا اور ان چیزوں میں سے خرچ کرنا جو تم

أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَسَّمُوا الصَّيِّثَاتِ مِنْهُ

نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں اور (ان کی راہ میں) ان کا بارہ

تَنْفِقُونَ وَلَكُمْ بِأَخْذِيهِ إِلَّا أَنْ تُنْفِقُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا

اور ناقابل استعمال چیز دینے کا قصد نہ کرو جس کو تم بھی آنکھیں بند کر کے نہیں دیکھ سکتے اور جس کو

أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝ (۲۶۷) الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ

کہ اللہ بہت بے نیاز بہت تعریف کا ہوا ہے O شیطان تم کو تنگدستی سے ڈراتا ہے

بِالْفَحْشَاءِ ۚ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا ۚ وَاللَّهُ

اور تم کو بے دہائی کا علم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور اپنے فضل کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ

وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ (۲۶۸) يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ

بڑی وسعت والا بہت جاننے والا ہے O وہ جس کو چاہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جس

الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو

حکمت دی گئی تو بے شک اسے خیر عطا کیا گیا اور صرف اہل عقل والے

الْأَلْبَابِ ۝ (۲۶۹) وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ

کی نصیحت نہیں کرتے ہیں O اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اور تم جو

نَذَرْتُمْ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهَا ۚ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ (۲۷۰)

بھی نذر کرتے ہو بے شک اللہ اس کو جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے O

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَ

اگر تم علانیہ صدقات دو تو وہ کیا ہی خوب ہے اور اگر تم ان کو چھپی رکھو اور

تَوَدُّهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ

فقراء کو دوتو وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور (بہ صدق لڑنا) تمہارے بڑے گناہوں کو مٹا دے گا

سَيِّئَاتِكُمْ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۙ (۱۷۰) لَيْسَ عَلَيْكَ

اور تمہارے سب کاموں سے اللہ خبر رکھنے والا ہے O (اے رسول!) انہیں ہدایت دے

هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۖ وَمَا تُنْفِقُوا

کرنا آپ کے ذمہ نہیں ہے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اسے ہدایت بنا دیتا ہے اور تم جو

مِنْ خَيْرٍ فَلَا تُنْفِسْكُمْ ۖ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۖ

اچھی چیز خرچ کرتے ہو سو وہ تمہارے نفع کے لیے ہے اور تم صرف اللہ کی رضا جوئی کے لیے ہی خرچ کرتے ہو

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤْتِ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۙ (۱۷۱)

اور تم جو اچھی چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے ان کا تم کو پورا اجر دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے O

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ

(یہ خیرات) ان فقراء کا حق ہے جو خود کو اللہ کی راہ میں وقف کیے ہوئے ہیں جو (اس میں شدت اشتغال کی وجہ سے)

ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ

زمین میں سفر کی طاقت نہیں رکھتے ناواقف شخص ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ان کو غنی سمجھتا ہے

التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ

سمجھتا ہے (اے نبی طبا!) تم (ان میں بھوک کے آثار دیکھ کر) ان کو صورت سے پہچان لو سکاؤ وہ لوگوں سے نہ سوال

إِلْحَافًا ۖ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۙ (۱۷۲)

نہیں کرتے اور تم جو اچھی چیز بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہو بے شک اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے O

الَّذِينَ يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا

جو لوگ رات اور دن میں خفیہ اور علانیہ اپنے مالوں کو خرچ

عَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ

کرتے ہیں ان کے رب کے پاس ان کے لیے اجر ہے اور نہ ان پر کوئی خوف ہو گا

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٨﴾

اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۵

صدقہ میں دیے جانے والے مال کی صفات کا بیان

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے صدقات اور خیرات کے متعلق چھ آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ صدقہ کرنے والے کی نیت میں اخلاص ہونا چاہیے اور لوگوں کو دکھانے اور سنانے کی غرض نہیں ہونی چاہیے اور صدقہ و خیرات کرنے کے بعد فقراء پر احسان جتانا چاہیے اور نہ طعنے دے کر انہیں اذیت پہنچانی چاہیے اور محض صفاء باطن اور تزکیہ نفس کے لیے صدقہ اور خیرات کرنی چاہیے۔ اس کے بعد آنے والی آٹھ آیتوں (البقرہ: ۲۷۴-۲۷۷) میں بتایا ہے کہ اللہ کی راہ میں جو مال دیا جائے اس مال کی صفت کیسی ہو وہ ردی، ناکارہ اور ناقابل استعمال نہ ہو نیز یہ فرمایا ہے کہ اللہ تمہیں اچھا مال دینے کا جو حکم فرما رہا ہے اس میں اس کی کوئی غرض نہیں ہے اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے اور آخرت میں تم کو اس کا پورا پورا اجر دے دیا جائے گا بشرطیکہ تم صرف اللہ کی رضا جوئی کے لیے صدقہ اور خیرات کرو نام و نمود کے لیے نہیں نیز یہ فرمایا ہے کہ تمہارے صدقات کے اصل میں مستحق وہ فقراء ہیں جنہوں نے خود کو علم دین کے حصول کے لیے وقف کیا ہوا ہے جو باوجود سخت ضرورت اور بھوک و پیاس کے اپنی خودداری کی وجہ سے کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے اور ان کی اس ریش کی وجہ سے نادانف لوگ انہیں خوشحال سمجھتے ہیں نیز یہ فرمایا ہے کہ اگر نیت درست ہو تو علانیہ اور خفیہ ہر طرح صدقہ و خیرات کرنا درست ہے اور صدقہ و خیرات کرنے والے آخرت میں کسی خوف سے دو چار ہوں گے نہ غم سے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ہم انصار کے متعلق نازل ہوئی، ہم لوگوں کے کھجوروں کے درخت تھے اور جس شخص کے پاس جتنی زیادہ یا کم کھجوریں درختوں سے اترتی تھیں وہ اسی حساب سے کھجوریں لاتا تھا کوئی شخص کھجوروں کا ایک گچھا لاتا کوئی دو گچھے لاتا اور ان کو مسجد میں لٹکا دیتے اور اہل الصفا (وہ صحابہ جنہوں نے قرآن و حدیث کو محفوظ کرنے کے لیے خود کو وقف کر لیا تھا اور وہ دن رات مسجد نبوی میں رہتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک چبوترہ بنوایا تھا اس وجہ سے ان کو اصحاب الصفا کہہ جاتا ہے صفا کے معنی چبوترہ ہیں) کے پاس کھانا نہیں ہوتا تھا ان میں سے جب کسی کو بھوک لگتی تو وہ ان کھجوروں پر لاٹھی مارتا تو اس سے ادھ پکی کھجوریں اور چھوڑے گر جاتے اور وہ ان کو کھا لیتے ادھر لوگوں کو صدقہ اور خیرات میں خاص رغبت نہیں تھی وہ کھجوروں کے ایسے گچھے لے کر آتے جن میں سوکھی ہوئی ردی اور بے کار کھجوریں ہوتیں اور وہ ان کو لا کر لٹکا دیتے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اے ایمان والو! (اللہ کی راہ میں) اپنی پاکیزہ کمائی سے اچھی اور عمدہ چیزوں کو خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں اور (اللہ کی راہ میں) ایسی ناکارہ اور ناقابل استعمال چیز دینے کا قصد نہ کرو جس کو تم خود بھی آنکھیں بند کیے بغیر لینے والے نہیں ہو۔ (جامع ترمذی ص ۴۲۵-۴۲۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تنہات کتب کراچی)

اللہ تبارک و تعالیٰ کی راہ میں اس چیز کو صدقہ کرنا چاہیے جو فی نفسہ حلال اور ظاہر ہو اور وہ چیز حلال اور جائز و رائج سے حاصل کی گئی ہو جو چیز فی نفسہ حلال نہ ہو مثلاً مردار یا حرام جانور اس کا صدقہ کرنا جائز نہیں ہے یا وہ چیز فی نفسہ حلال ہو لیکن ناجائز و رائج سے حاصل کی گئی ہو مثلاً سود و رشوت یا کسب حرام سے جو چیز حاصل ہو اس سے کوئی چیز خرید و ترصدق کی جائے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے پاکیزہ کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا اور اللہ صرف پاکیزہ چیز ہی کو قبول فرماتا ہے تو اللہ اس صدقہ کو اپنے دائیں ہاتھ سے قبول فرماتا ہے پھر اللہ اس صدقہ کو پاتا (بڑھاتا) رہتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کو پاتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ کھجور کا صدقہ پہاڑ جتنا ہو جاتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۹ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد کراچی ۱۴۲۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اے ایمان والو! (اللہ کی راہ میں) اپنی کمائی سے اچھی چیزوں کو خرچ کرو۔ (۱۱۷: ۲۷۷)
حلال کمائی کی مدد اور بر بناء ضرورت اولاد کے مال سے کھانے کا جواز
حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام احمد نے حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ سب سے اچھا کسب (کمائی) کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا جائز تجارت اور اپنے ہاتھ سے کام کرنا۔

امام عبد بن حمید نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنی پاکیزہ کمائی سے کھاؤ اور تمہاری اولاد تمہاری پاکیزہ کمائی ہے تمہاری اولاد اور ان کے اموال تمہاری ملکیت ہیں۔

امام احمد امام عبد بن حمید امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے عمدہ کھانا وہ ہے جس کو انسان اپنی کمائی سے کھائے اور انسان کی اولاد بھی اس کی کمائی ہے۔

امام عبد بن حمید حضرت محمد بن منکدر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس مال بھی ہے اور میری اولاد بھی ہے اور میرے باپ کے پاس بھی مال ہے اور اس کی اولاد بھی ہے اور میرا باپ میرے مال سے لیتا ہے؟ آپ نے فرمایا تم خود اور تمہارا مال تمہارے باپ کی ملکیت ہے۔

امام عبد بن حمید نے حسن سے روایت کیا ہے کہ والد اپنی اولاد کے مال سے جو چاہے لے سکتا ہے اسی طرح والد بھی اور اولاد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے والد کے مال سے اس کی مرضی کے بغیر کوئی چیز لے۔

امام عبد الرزاق اور امام عبد بن حمید نے زہری سے روایت کیا ہے کہ کوئی شخص بغیر ضرورت کے اپنی اولاد کا مال بالکل نہ لے اور ضرورت کے وقت دستور کے مطابق لے اور ابراہیم سے روایت ہے کہ کھانے، کپڑے اور لباس کے علاوہ اور کچھ نہ لے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۷ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

حرام مال سے صدقہ کرنے کا وبال

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس کی کمائی حرام ہے اس سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔

امام طبرانی نے ”معجم اوسط“ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جب کوئی شخص اپنی طلال کمائی سے حج کے لیے جاتا ہے اور سواری پر بیٹھ کر نڈا کرتا ہے۔ ”اللہم لبیک“ تو آسمان سے فرشتہ نڈا کرتا ہے۔ ”لبیک وسعدیک“ تمہارا زور راہ طلال ہے اور تمہاری سواری طلال ہے تمہارا حج مبرور ہے اس میں گناہ نہیں ہے اور جب کوئی شخص حرام کمائی سے حج کے لیے جاتا ہے اور سواری پر بیٹھتا ہے اور ”لبیک اللہم لبیک“ کہتا ہے تو آسمان سے فرشتہ نڈا کرتا ہے۔ تمہارا ”لبیک“ کہنا مقبول نہیں تمہارا سفر خرچ حرام ہے تمہارا حج غیر مبرور ہے اور مقبول نہیں ہے۔

امام اصہبانی نے ”الترغیب“ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حرام مال سے حج کیا اور ”لبیک اللہم لبیک“ کہا اللہ تعالیٰ فرمانا ہے تمہارا ”لبیک“ کہنا مردود ہے تمہارا حج مردود ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۳۷ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ علیہ السلام)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں کرتا اور چوری کے مال سے صدقہ قبول نہیں کرتا۔ (جامع ترمذی ص ۳۱ مطبوعہ نور محمد راجع الطحا کراچی)

اگر کسی شخص کے پاس ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ مال ہو اور اب اس سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مال اصل مالکوں کو واپس کر دے اگر وہ فوت ہو چکے ہوں تو ان کے وارثوں کو واپس کر دے اور اگر ان کا پتا نہ چلے تو اس مال کو ان مالکوں کی طرف سے صدقہ کر دے اور یہ بہر حال جائز نہیں ہے کہ وہ مال حرام سے زکوٰۃ ادا کرے صدقات و خیرات اور حج اور عمرہ کرے عام شامی لکھتے ہیں:

جس شخص نے کسی فقیر کو مال حرام سے کوئی چیز دی اور اس میں ثواب کی امید رکھی تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر فقیر کو مظلوم ہو کہ اس کو مال حرام سے دیا ہے اور اس نے اپنے والے کو عادی اور دینے والے نے آمین کہی تو دونوں کافر ہو جائیں گے لیکن تکفیر اس وقت ہوگی جب اس مال حرام کی حرمت قطعی ہو مثلاً سود یا خمر اور زنا کی آمدنی۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۳۱ مطبوعہ دار الایمان تراث مصری بیروت ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! (اللہ کی راہ میں) اپنی کمائی سے اچھی چیزوں کو خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں۔ (البقرہ ۲۷۷)

عشر کا بیان

اس آیت میں صدقات فرضیہ زکوٰۃ اور عشر ادا کرنے کا حکم دیا ہے امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: عبیدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں تو حضرت علی نے فرمایا: یعنی والے (غلہ) پھل اور ہر وہ چیز جس پر زکوٰۃ ہے۔ (جامع الایمان ج ۲ ص ۵۵-۵۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

چونکہ اس آیت میں اصلۃً زمین کی پیداوار سے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے ہم زری پیداوار پر عشر میں مذاہب فقہاء بیان کر رہے ہیں۔

عشر کے نصاب میں فقہاء کے نظریات

غلہ اور پھلوں کی زکوٰۃ (عشر) کے نصاب میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل حدیث مذکور کی روشنی میں غلہ اور پھلوں کے لیے پانچ دس (پنیں من) کو نصاب قرار دیتے ہیں۔ جس شخص کے کھیتوں اور باغات سے

علامہ دستانی ماکھی لکھتے ہیں:

ہم آیت کریمہ کے عموم کے مقابلہ میں پانچ دس والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور قرآن کریم کے عموم کی خبر واحد سے تخصیص کرنے میں اختلاف ہے۔ (اکمال اکمال المسلم ج ۳ ص ۱۰۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

قرآن مجید کے علاوہ احادیث صحیحہ میں بھی زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم عام ہے امام بخاری روایت کرتے

ہیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو زمین بارش یا چشموں سے سیراب ہو یا دریائی پانی سے سیراب ہو اس پر عشر (۱/۱۰) ہے اور جس زمین کو کنویں کے پانی سے اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس پر نصف عشر ہے (یعنی ۱/۲۰)۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۱، مطبوعہ نور محمد راجح لطایح کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیل اور کثیر کا فرق کیے بغیر مطلقاً زمین سے حاصل شدہ پیداوار پر عشر یا نصف عشر کا حکم عائد فرمایا اور یہ حدیث عموم قرآن کے مطابق ہے نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زمین کو دریا یا بارش سیراب کرے اس پر عشر (۱/۱۰) ہے اور جس زمین کو کنویں کے پانی سے اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس پر نصف عشر (۱/۲۰) بیسواں حصہ ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱۶، مطبوعہ نور محمد راجح لطایح کراچی الطبعة الثانیہ ۱۳۷۵ھ)

امام ابو داؤد نے بھی اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کی ان دونوں روایات کو ذکر فرمایا ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۲۵، مطبوعہ مطبع نصابی پاکستان، مطبوعہ الطبعة الثانیہ ۱۳۰۵ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زمین کو بارش یا چشمے سیراب کریں اس میں عشر ہے اور جس کو اونٹوں کے ذریعہ کنویں سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۳۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کے بعد امام ابن ماجہ نے حضرت جابر کی حدیث کو بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام عبدالرزاق بن ہمام نے اپنی ”مصنف“ میں اس مضمون کی انیس احادیث روایت کی ہیں، ہم ان میں سے چند کا ذکر کر رہے ہیں۔

قنادہ بیان کرتے ہیں کہ معمر نے کہا: میں نے تمام (معتبر) لوگوں کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھا ہوا فرمان دیکھا کہ جس زمین کو رسیوں اور ڈولوں کے ذریعہ کنویں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے (معمر کہتے ہیں کہ میرے علم میں اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے) اور جس زمین کو بارش یا دریائی پانی سے سیراب کیا جائے اس میں عشر ہے معمر کہتے ہیں کہ میرے علم میں اس بات میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(المصنف ج ۲ ص ۱۳۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعة الاولیٰ ۱۳۹۰ھ)

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی اپنی ”سنن“ میں روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۳۰، مطبوعہ نشرات الملتان)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس زمین کو دریائی پانی بارش اور چشمے سیراب کریں اس میں عشر ہے اور جس کو رسیوں کے ذریعہ کنویں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں نصف

عشر ہے۔ (المصنف ج ۳ ص ۱۳۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت الطبعة الاولى ۱۳۹۰ھ)

عاصم بن ضمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس زمین کو بارش سیراب کرے اس میں عشر ہے اور جس زمین کو ڈل کے ذریعہ کنوئیں سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

(المصنف ج ۳ ص ۱۳۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت الطبعة الاولى ۱۳۹۰ھ)

مجاہد بیان کرتے ہیں۔ زمین جس چیز کو بھی نکالے خواہ قلیل ہو یا کثیر اس میں عشر یا نصف عشر ہے۔

(المصنف ج ۳ ص ۱۳۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعة الاولى ۱۳۰۶ھ)

حماد کہتے ہیں ہر وہ چیز جس کو زمین نکالے اس میں عشر ہے یا نصف عشر ہے۔

(المصنف ج ۳ ص ۱۳۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعة الاولى ۱۳۰۶ھ)

ابراہیم کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کو زمین نکالے اس میں زکوٰۃ ہے۔

(المصنف ج ۳ ص ۱۳۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعة الاولى ۱۳۰۶ھ)

ائمہ ثلاثہ جو پانچ وقت سے کم میں زکوٰۃ کو واجب نہیں قرار دیتے قرآن کریم کی عمومی آیت اور ان تمام احادیث اور آثار کے تارک ہیں اور عمومی دلائل کے پیش نظر ان کا نظریہ صحیح نہیں ہے۔

پانچ وقت والی احادیث کی اصناف یہ توجیہ کرتے ہیں کہ یہ احادیث اسوئل تجارت پر محمول ہیں کیونکہ اس وقت پانچ وقت (ہر سو کلو گرام) دو سو درہم کے برابر ہوتے تھے اس لیے فرمایا کہ پانچ وقت سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

عشری اور خراجی اراضی کی تعریفیں

جوز میں عشری ہو اس سے عشر (زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ) لیا جاتا ہے اور جوز میں خراجی ہو اس سے خراج لیا جاتا ہے عشری ادائیگی عبادت ہے اور یہ صرف مسلمانوں سے وصول کیا جاتا ہے اور خراج اصلانہ غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے اور اس کی مختلف پیداوار کے اعتبار سے ادائیگی کی مختلف شرح ہے جس کی تفصیل ان شاء اللہ عنقریب آ رہی ہے اگر مسلمان کسی خراجی زمین کو خرید لے تب بھی اس سے حسب سابق خراج ہی وصول کیا جائے گا عشری اور خراجی زمین کے بیان میں علامہ الرنینانی لکھتے ہیں۔

ہر وہ زمین جہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہو یا جس زمین کو جنگ سے فتح کر کے مال غنیمت حاصل کرنے والوں (مجاہدین) میں تقسیم کر دیا ہو وہ زمین عشری ہے اور ہر وہ زمین جس کو جنگ سے فتح کیا گیا ہو اور وہاں کے رہنے والوں کو اسی زمین پر برقرار رکھا گیا ہو وہ زمین خراجی ہے اور اسی طرح اس زمین کا حکم ہے جہاں کے رہنے والوں سے صلح کر کے اس پر قبضہ کیا ہو اور مکہ مکرمہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جنگ اور غلبہ سے فتح کیا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہیں رہنے دیا اور ان پر خراج مقرر نہیں کیا اور ”جامع صغیر“ میں مذکور ہے کہ ہر وہ زمین جس کو جنگ سے فتح کیا گیا ہو اور اس میں دریاؤں کا پانی پہنچتا ہو تو وہ خراجی زمین ہے اور اگر اس تک دریاؤں کا پانی نہ پہنچتا ہو اور اس زمین سے چشمہ نکالا جائے تو وہ عشری زمین ہے کیونکہ عشر کا تعلق اس زمین سے ہوتا ہے جس میں نشوونما ہو اور نشوونما کا تعلق اس زمین کے پانی سے ہے اس لیے عشر کے پانی یا خراج کے پانی سے سیرابی کا اعتبار کیا جائے گا۔

جس شخص نے کسی غیر آباد زمین کو آباد کیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس زمین کے عشری یا خراجی ہونے میں اس کے

قرب کا اعتبار کیا جائے گا اگر وہ خراجی زمین کے قریب ہے تو خراجی ہے اور اگر عشری زمین کے قریب ہے تو عشری ہے اور امام محمد نے کہا اگر اس نے اس زمین میں کنواں کھود کر اس کے پانی کو سیراب کیا ہے یا اس زمین کے چشمے سے اس کو سیراب کیا ہے یا ان بڑے بڑے دریاؤں سے اس کو سیراب کیا ہے جن کا کوئی مالک نہیں ہے تو وہ زمین عشری ہے اسی طرح اگر اس زمین کو بارش کے پانی سے سیراب کیا ہے تو بھی وہ زمین عشری ہے اور اگر اس زمین کو نمٹیوں کی کھودی ہوئی نہروں سے سیراب کیا ہے تو وہ زمین خراجی ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۵۹۱ ۵۹۰ مطبوعہ شرکت ملیہ ملتان)

خراج کی مقدار کا بیان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کو فتح کرنے کے بعد ہر جریب (تیس گز زمین) پر ایک صاع (چار کلو گرام نلہ) اور ایک درہم مقرر کیا تھا بشرطیکہ اس زمین میں پانی پہنچتا ہو اور جس زمین میں گھڑی خربوزے اور بٹکن وغیرہ بنریوں کی کاشت ہو اس میں ہر جریب پر پانچ درہم مقرر کیے اور جس زمین میں انگور کی بیلین لگی ہوں یا کھجور کے درخت ہوں اس میں ہر جریب پر دس درہم مقرر کیے حضرت عمر نے صحابہ کی جماعت کے سامنے یہ شرح مقرر کی اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا اس لیے اس پر اجماع ہو گیا نیز اس سے یہ کہ کاشتکاری میں کم و بیش مشقت ہوتی ہے انگوروں کی بیل لگانے میں سب سے کم مشقت اور نلہ لگانے میں سب سے زیادہ مشقت ہے اور بنریوں کی کاشت میں درمیانی مشقت ہے اور مشقت کے فرق کی وجہ سے وظیفہ خراج میں بھی تفریق کی گئی اور انگوروں کی بیل میں سب سے زیادہ یعنی دس درہم فی جریب وظیفہ مقرر کیا گیا اور نلہ کی بھیتی بازی میں سب سے کم یعنی ایک صاع غلہ اور ایک درہم فی جریب مقرر کیا گیا اور بنریوں کی کاشت میں درمیانی وظیفہ یعنی پانچ درہم فی جریب مقرر کیا گیا ان کے علاوہ زراعت کی دیگر اجناس مثلاً زعفران اور باغات (جن کے گرد چار دیواری ہو) میں کاشتکاری کی مشقت کے اعتبار سے خراج مقرر کیا جائے گا اور یہ امام کے اجتہاد پر موقوف ہے ہمارے مشائخ نے یہ کہا ہے کہ ان زمینوں سے پیداوار کے نصف سے زیادہ خراج نہ لیا جائے کیونکہ کاشتکار نصف پیداوار سے زیادہ ادا کرنے کا تحمل نہیں ہو گا اگر کاشتکار امام کے مقرر کردہ خراج کو ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھے تو پھر امام کو اس کی مقدار میں کمی کر دینی چاہیے۔

(ہدایہ اولین ص ۵۹۲ ۵۹۱ مطبوعہ شرکت ملیہ ملتان)

ایک درہم ۳.۰۶ گرام چاندی کے برابر ہے اور پانچ درہم ۱۵.۳ گرام چاندی کے برابر ہیں اور دس درہم ۳۰.۶ گرام چاندی کے برابر ہیں۔

اراضی پاکستان کے عشری ہونے کا بیان

جو زمینیں پاکستان کے زمینداروں کی ملکیت میں ہیں ان پر قطعیت کے ساتھ عشری یا خراجی ہونے کا حکم لگانا بہت مشکل ہے کیونکہ جب سلاطین اسلام نے ابتداء ہندوستان کے اس حصہ کو فتح کیا تھا تو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان سلاطین نے کون سی صورت اختیار کی تھی بعض صورتیں عشری زمین کی ہیں اور بعض خراجی زمین کی اور جو زمینیں مسلمانوں کے زیر تصرف ہوں اور ان کے حقائق عشری یا خراجی ہونا یقینی اور متحقق نہ ہوں ان کو عشری زمین پر محمول کیا جائے گا۔

علامہ شمس الدین سرخسی لکھتے ہیں:

ہر وہ شہر جس کے رہنے والے بہ خوشی مسلمان ہوئے اس کی زمین عشری ہے کیونکہ مسلمانوں کے مسلمانوں پر وظیفہ (زمین کا محصول) مقرر کرنے کی ابتداء خراج سے نہیں کی جائے گی تاکہ مسلمان کو دلت سے محفوظ رکھا جائے لہذا ان پر عشر ہو گا۔ (المہود ج ۳ ص ۷ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

لہذا جب پاکستان بنا اور مسلمانوں پر حاکم ہوئے تو یہاں کے کاشتکاروں سے زمین میں زراعت کرنے کے وظیفہ کی ابتدا بھی عشر سے کی جائے گی نہ کہ خراج سے کیونکہ عشر مسلمانوں کا فریضہ ہے اور خراج اصلاً کافروں پر ہے علامہ کا سانی لکھتے ہیں:

زمینیں وظیفہ (مخصوص یا ٹیکس) کی ادائیگی سے خالی ہیں اور یہ وظیفہ یا عشر ہو گا یہ خراج اور مسلمانوں کے زیر تصرف زمین میں عشر سے ابتدا کرنا اولیٰ ہے کیونکہ عشر میں عبادت کا معنی ہے خراج میں ذلت کا معنی ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۵۷ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ کراچی ۱۴۰۰ھ)

اسی طرح حکومت پاکستان نے جو زمینیں مسلمانوں کو الٹ کر دیں یا ان کو بہ طور عطیہ دیں یا کسی کارگزاری یا خدمت کے معاوضہ میں دیں وہ بھی عشری ہیں علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

جس زمین کو مال غنیمت حاصل کرنے والوں (یہودین) کے غیر میں ہماری حکومت تقسیم کرے وہ بھی عشری ہے کیونکہ

مسلمان پر ابتداً خراج مقرر نہیں کیا جاتا۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۵۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے شیطان تم کو تنگ دستی سے ڈراتا ہے اور تم کو بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور اپنے فضل کا وعدہ فرماتا ہے۔ (البقرہ: ۲۶۸)

بخل کو بے حیائی کے ساتھ تعبیر کرنے کی وجہ

حُشَاہ کا معنی بے حیائی ہے اور اس آیت میں بخل پر بے حیائی کا اطلاق کیا گیا ہے کیونکہ حیا کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو اس کی ضروریات سے زیادہ مال دیا ہے اور جب اس کے سامنے کوئی ضرورت مندرجہ سائل سوال کرے تو وہ اس کی ضرورت کو پورا کرے اور اس کو یہ خیال آئے کہ آخر وہ بھی تو اپنی ضرورتوں کے لیے اللہ کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے اور اللہ جب اس کو ضرورت سے زیادہ عطا کرتا ہے تو وہ اللہ کے حکم سے سائل کو خالی ہاتھ لوٹانے سے حیا کرے اور جو انسان کی کو صدقہ اور خیرات دینے کا ارادہ کرتا ہے شیطان اس کو مستقبل کی ضرورتیں یاد دلاتا ہے اور اس کو پیش آنے والی تنگ دستی یاد دلاتا ہے اس کو صدقہ دینے سے منع کرتا ہے اور اسے سائل کو بُری طرح جھڑکنے کا حکم دیتا ہے اور اللہ صدقہ کرنے پر تم سے مغفرت اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے کہ وہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور جتنا تم دے گے آخرت میں تم کو اس سے زیادہ اجر عطا فرمائے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا أَفْقَرُ مِنْ نَاسٍ يَخْلَقُ لَهُمْ خَيْرًا
الزُّنُبِيْنَ ○ (سہ ۳۹)

اور تم جو کچھ (اللہ کی راہ میں) خرچ کر دے وہ تمہیں اس

کا بدل عطا کرے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے ○

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ترمذی تحسین سند کے ساتھ امام نسائی، امام ابن جریر، امام ابن المذہب، امام ابن ابی حاتم، امام ابن حبان و امام بیہقی "شعب الایمان" میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کے پاس ایک شیطان ہوتا ہے اور ایک فرشتہ ہوتا ہے۔ شیطان اس کو شر سے ڈراتا ہے اور حق کی تکذیب کرتا ہے اور فرشتہ اس سے خیر کا وعدہ کرتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی

شیطان تم کو تنگ دستی سے ڈراتا ہے اور تم کو بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۳۸ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ جسے چاہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جسے حکمت دی گئی تو بے شک اسے خبر کثیر دی گئی

(البقرہ: ۲۶۹)

حکمت کے مصداق میں صحابہ اور فقہاء تابعین کے اقوال

علامہ ابوالحیاء اندلسی لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مجاہد، ضحاک اور مقاتل نے کہا حکمت سے مراد قرآن ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قرآن مجید کے ناخ اور منسوخ، محکم اور متشابہ اور مقدم اور مؤخر کی معرفت حکمت ہے۔ سدی نے کہا حکمت سے مراد نبوت ہے۔ ابراہیم ابو العالیہ اور قتادہ نے کہا: حکمت سے مراد فہم قرآن ہے لیث نے مجاہد سے روایت کیا اس سے مراد ظلم اور فتنہ ہے ابن کثیر نے مجاہد سے روایت کیا اس سے مراد قول اور فعل کا درست ہونا ہے۔ حسن نے کہا اس سے اللہ کے دین میں تقویٰ مراد ہے۔ ربیع بن انس نے کہا: اس سے مراد خشیت (خوف خدا) ہے ابن زید نے کہا اس سے مراد اللہ کے حکم میں تعقل ہے شریک نے کہا فہم ہے ابن قتیبہ نے کہا: علم اور عمل کا مجموعہ ہے مجاہد نے کہا: کتابت ہے ابن کثیر نے کہا: جس چیز کی صحت کی عقل گواہی دے، قتیری نے کہا: اللہ کے احکام میں غور و فکر کرنا اور ان کا اتباع کرنا نیز انہوں نے کہا اللہ کی اطاعت، فقہ دین اور اس پر عمل کرنا، عطاء نے کہا: مغفرت، ابو عثمان نے کہا: وہ نور جس کی وجہ سے دوسرے اور الہام میں فرق ہو، قاسم بن محمد نے کہا: اپنی خواہشات کی بجائے حق کے مطابق فیصلہ کرنا، بندار بن حسین نے کہا: سرعت کے ساتھ صحیح جواب دینا، مفصل نے کہا: کسی چیز کو صحت کی طرف لوٹانا، کتانی نے کہا: جس چیز سے روحوں کو سکون ملے اور یہ اقوال ہیں، ہر حال میں حق کی گواہی دینا، دین کی بہتری اور دنیا کی اصلاح کرنا، علم لدنی، اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر کرنا، اور الہام کا مورد بننے کے لیے صفاء باطن کرنا، یہ کل پچیس اقوال ہیں۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۶۸۳-۶۸۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

حکمت کی تعریف اور اس کی اقسام

حکمت کی دو قسمیں ہیں۔ حکمت نظری اور حکمت عملی، حکمت نظری کی یہ تعریف ہے کہ بشری طاقت کے مطابق حقائق اشیاء کا اس طرح علم ہو جس طرح وہ اشیاء واقع میں ہیں اور حکمت عملی یہ ہے کہ انسان بُرے اخلاق کو ترک کرے اور اچھے اخلاق کو اپنائے اور ایک تعریف یہ ہے کہ بشری طاقت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متعلق ہونا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام پر عمل کرنا اور آپ کے تمام افعال کی اتباع کرنا، حکمت عملی کی تین قسمیں ہیں اگر اس کا تعلق ایک فرد کی اصلاح کے ساتھ ہو تو اس کو تہذیب اخلاق کہتے ہیں اور اگر اس کا تعلق ایک خاندان کی اصلاح کے ساتھ ہو تو اسے تدبیر منزل کہتے ہیں اور اگر اس کا تعلق ایک شہر یا ملک کی اصلاح کے ساتھ ہو تو اس کو سیاست عدنیہ کہتے ہیں۔

حکمت کے متعلق احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام احمد نے کتاب الزہد میں منقول سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے چالیس دن اللہ کے ساتھ اخلاص کیا اس کے قلب سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے پھوٹ پڑیں گے۔

امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے جہاں سے بھی حکمت ملے تو وہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔

امام طبرانی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لقمان نے اپنے

بیٹے سے کہا: اے بیٹے! علماء کی مجالس کو لازم رکھو اور حکماء کا کلام سنو، کیونکہ اللہ تعالیٰ حکمت کے نور سے مردہ دل کو اس طرح زندہ کر دیتا ہے جس طرح مردہ زمین تیز بارش سے زندہ ہو جاتی ہے۔

امام طبرانی نے "معجم اوسط" میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کم علم بہت عبادت سے بہتر ہے اور کسی شخص کے فقیہ ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے اور کسی شخص کے جاہل ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ (قرآن اور سنت کے خلاف) اپنی رائے کو پسند کرے۔

امام طبرانی نے "معجم اوسط" میں امام دارقطنی نے اور امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین میں فقہ حاصل کرنے سے افضل کوئی عبادت نہیں ہے اور ایک فقیہ شیطان کے نزدیک ہزار بندوں سے زیادہ خست ہوتا ہے اور ہر چیز کا ایک ستون ہوتا ہے اور اس دین کا ستون فقہ ہے اور حضرت ابو ہریرہ نے کہا: اگر میں ایک ساعت بیٹھ کر دین کا علم حاصل کروں تو یہ میرے نزدیک ساری رات جاگ کر عبادت کرنے سے بہتر ہے۔

امام طبرانی نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کو جمع کرے گا پھر ان میں سے علماء کو الگ کرے گا پھر فرمائے گا: اے علماء کے گروہ! میں نے تمہیں عذاب دینے کے لیے تم میں اپنا علم نہیں رکھا تھا جاؤ! میں نے تم کو بخش دیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۵۱-۳۵۰ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اور تم جو بھی نذر مانتے ہو بے شک اللہ اس کو جانتا ہے۔

(البقرہ ۲۷۰)

نذر کا لغوی اور شرعی معنی اور نذر کی اقسام

علامہ فیروز آبادی نے لکھا ہے: نذر کا معنی ہے: تاوان کسی چیز کو واجب کرنا اللہ کے لیے منت ماننا۔

(القاموس المحیط ج ۲ ص ۱۹۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ راغب اصفہانی نذر کا شرعی معنی بیان کرتے ہیں:

نذر یہ ہے کہ تم کسی کام کے ہونے کی بناء پر اپنے اوپر ایسی عبادت کو واجب کر لو جس کو تم پر واجب نہیں کیا گیا ہے۔

(المفردات ص ۲۸۷ مطبوعہ المکتبۃ الرقنویہ ایران ۱۳۲۲ھ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي

بَطْنِي حُرّاً مُتَقَبِّلاً مِيتاً ۝ (آل عمران ۳۵)

جب عمران کی بیوی نے کہا: اے میرے رب! میں نے تیرے لیے نذر مانی ہے کہ میرے پیٹ میں جو آزاد کیا ہوا ہے (وہ خالص تیرے لیے ہے) تو اس کو میری طرف سے قبول فرما۔

(اے مریم!) تم کہنا: میں نے رحمان کے لیے (خاموشی کے) روزہ کی نذر مانی ہے سو میں آج ہرگز کسی انسان سے بات نہیں کروں گی O

فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوّاً خَلْقٍ أَكَلَهُ

الْيَوْمَ وَإِنِّي أَنَا ۝ (مریم ۲۶)

وَلْيُؤْثِرُوا شَأْنًا وَرَهْمًا. (الحج ۲۹)

اور ان پر لازم ہے کہ وہ اللہ کے لیے مانی ہوئی نذر کو پورا کریں۔

علامہ ابوالحیاء اندلسی لکھتے ہیں:

نذر کی دو قسمیں ہیں ایک قسم حرام ہے اور یہ ہر وہ نذر ہے جو اللہ کی اطاعت میں نہ ہو اور زمانہ جاہلیت میں زیادہ تر نذریں ایسی ہوتی تھیں اور دوسری قسم ہے مباح یہ کبھی کسی کام کے ساتھ مشروط ہوتی ہے اور کبھی مطلق ہوتی ہے مثلاً اگر میں فلاں مرض سے شفا پا جاؤں تو میں ایک دینار صدقہ کروں گا (یہ نذر مشروط ہے) یا میں اللہ کے لیے ایک غلام آزاد کروں گا (یہ غیر مشروط ہے) اور کبھی نذر مطلق ہوتی ہے مثلاً اگر میں صحت مند ہو گیا تو میں صدقہ کروں گا

(البحر المحیط ج ۲ ص ۱۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

نذر صحیح اور نذر باطل کا بیان

علامہ علاء الدین حصکلی حنفی لکھتے ہیں

اکثر عوام جو فوت شدہ بزرگوں کی نذر مانتے ہیں اور اولیاء کرام کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کے مزارات پر جو روپے موسمی اور تیل کی نذر مانتے ہیں وہ بالجماع باطل اور حرام ہے جب تک ان چیزوں کو فقراء پر خرچ کرنے کا ارادہ نہ کیا جائے لوگ اس آفت میں بہت مبتلا ہیں خصوصاً ہمارے زمانہ میں۔

(درمناظر علی حاشیہ رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

مثلاً کوئی شخص اولیاء اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اپنی نذر میں کہتا ہے: اے میرے سردار فلاں بزرگ! اگر میرا گم شدہ شخص واپس آ جائے یا میرا بیمار صحت مند ہو جائے یا میری حاجت پوری ہو جائے تو میں آپ کے لیے اتنا سونا یا چاندی یا کھانا یا موسمی یا تیل دوں گا۔ (البحر الرائق) یہ نذر کئی وجوہ سے باطل اور حرام ہے (۱) یہ مخلوق کی نذر ہے اور مخلوق کی نذر باطل اور حرام ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کی عبادت جائز نہیں ہے (۲) جس کی نذر مانی گئی ہے وہ فوت شدہ ہے اور فوت شدہ شخص کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا (۳) اگر نذر ماننے والے کا یہ گمان ہے کہ وہ فوت شدہ شخص اللہ کے اذن کے بغیر تصرف کرتا ہے تو یہ اعتقاد کفر ہے ہاں! اگر اس نے یہ کہا کہ اے اللہ! میں تیرے لیے نذر مانتا ہوں کہ اگر تو نے میرے مریض کو شفا دے دی یا میرے گم شدہ شخص کو لوٹا دیا یا میری حاجت پوری کر دی تو میں سیدہ خدیجہ کے حرام پر بیٹھے ہوئے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا یا ام شافعی یا امام لیث کے حرام پر بیٹھے ہوئے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا یا اس نے ان کی مساجد کے لیے چٹائی اور روشنی کے لیے تیل یا دیگر کاموں کے لیے روپیہ دیا جس میں فقراء کا نفع ہو یہ نذر خاص اللہ کے لیے ہو اور شیخ کا ذکر صرف نذر کو خرچ کرنے کے محل کے لیے ہوتا کہ اس مزار یا مسجد میں بیٹھنے والے فقراء اور مستحقین پر ان چیزوں کو خرچ کر دیا جائے تو اس اعتبار سے یہ نذر جائز ہے اور کسی غنی یا سید پر ان چیزوں کا خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور جو نذر مخلوق کے لیے مانی گئی ہو اس کو پورا کرنا حرام ہے اور حرام کے متولی کے لیے اس کا لینا جائز نہیں ہے جب تک نذر ماننے والا اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے نذر نہ مانے اور فقراء پر اس کو خرچ کرنے کی نیت نہ کرے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۰ھ)

صدر المصنف سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ العزیز اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

نذر عرف میں ہدیہ اور پیشکش کو کہتے ہیں اور شرع میں نذر عبادت اور قربت مقصودہ ہے اسی سے اگر کسی نے گناہ کی نذر

کی تو وہ صحیح نہیں ہوئی نذر خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے اور یہ جائز ہے کہ اللہ کے لیے نذر کرے اور کسی دوسرے آستانے فقراء کو نذر کے لیے صرف کا محل مقرر کرے مثلاً کسی نے یہ کہا کہ یارب! میں نے نذر مانی کہ اگر تو میرا فلاں مقصد پورا کر دے کہ فلاں بیمار کو تندرست کر دے تو میں فلاں دلی کے آستانے کے فقراء کو کھانا کھلاؤں یہ وہاں کے خدام کو یہ پتہ نہ تھا کہ فلاں کی مسجد کے لیے تیل یا پوریا حاضر کروں تو یہ نذر جائز ہے۔ (رد المحتار) (خزائن ۱۸۷۳ ص ۷۷) "وہی ہوتا ہے کہ اللہ کے لیے نذر کرے۔"

ہوا کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان اللہ کے لیے نذر مانے اور اس عبادت کا ثواب کی برکت کو پہنچا دے۔ اردو لغات میں نذر کا معنی بدیہ اور نقد بھی ہے اور منت اور چڑھاوا بھی ہے۔ (قامہ اللغات ص ۹۵۹) لیکن عربی میں نذر کا وہی معنی ہے جس کو ہم نے "قاموس" کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

امام مالک، امام بخاری، امام ابو داؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی ہے وہ اس کی اطاعت کرے اور جس نے اس کی معصیت کی نذر مانی ہے وہ اس کی معصیت نہ کرے۔ امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نذر نہ مانا کرو کیونکہ نذر تقدیر سے مستثنیٰ نہیں کرتی، نذر تو صرف بخیل آدمی مانتا ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۵۱ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اگر تم عداۓ صدقات دو تو وہ کیا ہی خوب ہے اور اگر ان کو مخفی رکھو اور فقراء کو دو تو وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور (یہ صدق کرنا) تمہارے کچھ گناہوں کو مٹا دے گا۔ (البقرہ ۲۷۱)

علامہ ابو الیمان اندلسی لکھتے ہیں:

صدقہ فرضیہ کو ظاہر کر کے دینا افضل ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مختار ہے، امام طبری نے اس پر اجماع عمل کیا ہے اور قاضی ابو یعلیٰ کا بھی یہی مختار ہے، نیز حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ نفلی صدقہ کو مخفی طور پر دینا افضل ہے اور حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ نفلی صدقہ کو خفیہ طور پر دینا عداۓ صدقہ سے ستر درجہ افضل ہے اور صدقہ فرضیہ کو علانیہ دینا خفیہ دینے سے پچیس درجہ افضل ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس یہ بات اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتے اس لیے یہ اس پر محمول ہے کہ انہوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا، زجاج نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں زکوٰۃ کو خفیہ طور پر دینا بھی احسن تھا، لیکن اب لوگ بدگمانی کرتے ہیں اس لیے زکوٰۃ کو ظاہر کر کے دینا افضل ہے۔ علامہ ابن عربی نے کہا ہے کہ خفیہ اور علانیہ صدقات کی ایک دوسرے پر افضلیت کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

(المحرم المجلد ۲ ص ۶۸۸-۶۸۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۳ھ)

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خفیہ عمل علانیہ عمل سے افضل ہے اور جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کی اقتداء کی جائے اس کے لیے علانیہ عمل افضل ہے۔

امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات آدمی اللہ کے سائے میں ہوں گے جس دن اللہ کے سائے کے سوا کسی کا سایا نہیں ہوگا، امام عادل وہ نوجوان جس کی اللہ کی عبادت میں نشوونما ہوئی وہ شخص جس کا دل مسجد میں معلق رہتا ہے وہ دو آدمی جو اللہ کی محبت کی وجہ سے ملتے ہیں اور

اللہ کی محبت کی وجہ سے جدا ہوتے ہیں وہ شخص جس کو کسی خوب صورت اور مقتدر عورت نے گناہ کی دعوت دی اور اس نے کہا میں اللہ سے ڈرتا ہوں وہ شخص جس نے خفیہ صدقہ دیا حتیٰ کہ بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہیں چلا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے اور وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا حتیٰ کی اس کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔

امام طبرانی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی کے کام بری آفتوں سے بچاتے ہیں اور خفیہ صدقہ کرنا اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور رشتہ داروں سے نیک سلوک کرنا عمر کو بڑھاتا ہے۔ امام ابو داؤد نے امام ترمذی نے تصحیح سند کے ساتھ امام نسائی نے امام ابن خزیمہ نے امام ابن حبان نے اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں سے اللہ محبت رکھتا ہے اور تین آدمیوں سے اللہ بغض رکھتا ہے جن سے اللہ محبت رکھتا ہے وہ یہ ہیں ایک شخص لوگوں کے پاس گیا اور اس نے ان سے محض اللہ کی وجہ سے سوال کیا اس کی ان سے قربت داری نہیں تھی ایک شخص ان کے پیچھے سے اٹھا اور اس کو خفیہ طور پر صدقہ دیا اللہ کے سوا اس صدقہ کا کسی کو علم نہیں تھا یا اس سائل کو علم تھا کچھ لوگوں نے رات کو سفر کیا اور ایک جگہ ٹھہر کر سو گئے ان میں سے ایک شخص رات کو اٹھا اور اللہ کو یاد کرنے لگا اور اس کی آیات تلاوت کرنے لگا ایک شخص کسی لشکر میں تھا ان کا دشمن سے مقابلہ ہوا انہوں نے دشمن کو شکست دے دی اس شخص نے آگے بڑھ کر مقابلہ کیا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گیا یا فتح یا ب ہو گیا اور جن تین لوگوں سے اللہ بغض رکھتا ہے وہ یہ ہیں: بوڑھا زانی، مستکبر فقیر اور ظالم تو مگر۔

امام ابن ماجہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! موت آنے سے پہلے اللہ سے توبہ کرو اور مشغول ہو جانے سے پہلے نیک عمل کر لو اور اللہ کو بہت یاد کر کے اس سے وصل کرو اور خفیہ اور علانیہ صدقہ دو تمہیں رزق دیا جائے گا تمہاری مدد کی جائے گی اور تمہارا نقصان پورا کیا جائے گا۔

امام احمد امام ابن خزیمہ امام ابن حبان امام حاکم تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی "شعب الایمان" میں حضرت عتبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جب تک لوگوں کے درمیان فیصلہ ہوگا اس وقت تک ہر شخص اپنے صدقہ کے سائے میں رہے گا۔

امام طبرانی اور امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت عتبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کرنے والوں کے لیے ان کا کیا ہوا صدقہ قبر کی گرمی کو دور کرے گا اور قیامت کے دن مومن صرف اپنے صدقہ کے سائے میں ہوگا۔

امام ترمذی نے تحسین سند کے ساتھ اور امام ابن حبان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کرنا رب کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بڑی موت کو دور کرتا ہے۔

امام طبرانی نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ برائی کے ستر دروازوں کو بند کرتا ہے۔

امام طبرانی نے حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کا صدقہ عمر میں اضافہ کرتا ہے بڑی موت کو دور کرتا ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تکبر اور فخر کو دور کرتا ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۵۵-۳۵۳ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (اے رسول!) انہیں ہدایت یافتہ کرنا آپ کے ذمہ نہیں ہے، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اسے ہدایت یافتہ بنادیتا ہے۔ (البقرہ: ۲۷۲)

اہل الذمہ کو نفلی صدقات دینے کا جواز

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسلمان اپنے (نفلی) صدقات اپنے مشرک رشتہ داروں کو نہیں دے تھے اسی طرح انصار بنو قریظہ و بنو نضیر کو صدقات نہیں دیتے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ اسلام لے آئیں تو یہ آیت نازل ہوئی کہ (اے رسول!) انہیں ہدایت یافتہ کرنا آپ کے ذمہ نہیں ہے، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اسے ہدایت یافتہ بنادیتا ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۶۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ نفلی صدقات ذمی کافروں کو دیئے جاسکتے ہیں یعنی جو کافر مسلمانوں کے ملک میں حکومت کی امان کے ساتھ رہتے ہیں وہ اہل ذمہ کے حکم میں ہیں ان کو نفلی صدقات دیئے جاسکتے ہیں اور صدقات فرضیہ غیر مسلم کو دینا جائز نہیں ہے اور حبشی کافر کو کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں ہے۔

نیز اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ہدایت کو لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنا آپ کا فریضہ اور منصب نہیں ہے آپ کا کام صرف ہدایت کو پہنچانا اور بیان کرنا ہے قرآن مجید میں ہے:

فَإِنْ أَعْرَضُوا عَنْكُمْ أَعْزَمُوا عَلَيْكُمْ حَفِيظًا إِنَّ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَدُ (الشوری ۲۸)

سو اگر یہ (اسلام قبول کرنے سے) منہ موڑیں تو ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا آپ کا منصب تو صرف دین کو پہنچا دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یہ (خیرات) ان فقراء کا حق ہے جو خود کو اللہ کی راہ میں وقف کیے ہوئے ہیں جو (اس میں شدت اشتغال کی وجہ سے) زمین میں سفر کی طاقت نہیں رکھتے۔ (البقرہ ۲۷۳)

علامہ ابوالحیاء اندلسی لکھتے ہیں

حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا: یہ فقراء اہل صفہ تھے جنہوں نے خود کو اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر لیا تھا ان کے پاس ہر نیک مال نہیں تھا ان کی تعداد تقریباً چار سو تھی مجاہد نے کہا: یہ قریش کے فقراء مہاجرین تھے سعید بن جبیر نے کہا یہ وہ صحابہ تھے جو مختلف غزوات میں زخمی ہو کر پانچ ہو گئے تھے۔ نسائی نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ وہ مرض کی وجہ سے زندگی کے کام کاج کرنے اور سفر کرنے سے معذور ہو گئے تھے سدی نے کہا: کفار نے ان کو گھیرے میں لے لیا تھا اور وہ کفار کے غلبہ کی وجہ سے گھر گئے تھے قتادہ نے کہا انہوں نے خود کو جہاد کے لیے وقف کر لیا تھا، لیکن فقر کی وجہ سے جہاد نہیں کر سکتے تھے محمد بن فضل نے کہا: یہ وہ فقراء تھے جو اپنی بلند ہمت اور خودداری کی وجہ سے صرف اللہ سے دعا کرتے تھے اور کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتے تھے زحیری نے کہا: یہ وہ فقراء تھے جو جہاد میں مشغول رہنے کی وجہ سے تجارت کرنے کے لیے زمین میں سفر نہیں کر سکتے تھے۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۶۹۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

ہر چند کہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں ان فقراء کے متعدد مصداق بیان کیے ہیں لیکن ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ ان فقراء سے مراد اہل صفہ ہیں جنہوں نے خود کو علم دین کے حصول کے لیے وقف کیا ہوا تھا یہ ستر نادار صحابہ تھے جو مسجد نبوی میں رہتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک چہرہ بنوایا تھا یہ اپنی بلند ہمت اور خودداری کی وجہ سے کسی کے آگے

نہیں کرتے تھے اور ان کی ظاہری حالت سے ان کی اندرونی کیفیت کا اندازہ نہیں ہوتا تھا قرآن مجید سے بیان کردہ اوصاف انہی پر پوری طرح صادق آتے تھے نیز حسب ذیل احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اس آیت کا مصداق ان ہی تھے

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن المنذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت سے مراد اصحاب صفہ ہیں امام بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا جاؤ اصحاب صفہ کو ملاؤ اور اصحاب صفہ اسلام کے مہمان تھے ان کا گھر تھا نہ ان کے پاس ماں نہ باپ آپ کے پاس کوئی صدقہ آتا تو آپ ان کے پاس بھیج دیتے اور خود اس سے تناول نہیں فرماتے تھے اور جب آپ کے پاس کوئی ہدیہ آتا تو ان کے پاس بھی بھیجتے اور خود بھی تناول فرماتے۔

امام ابو نعیم نے "حلیہ" میں حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو کچھ لوگ بھوک کی شدت سے قیام کے دوران گر پڑتے تھے یہ اصحاب صفہ تھے دیہاتی لوگ ان کو بھون گئیں کرتے تھے۔

امام ابن سعد عبد اللہ بن احمد اور امام ابو نعیم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اصحاب صفہ کی تعداد ستر تھی ان میں کسی کے پاس چادر نہیں تھی۔

امام محمد بن سعد نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اصحاب صفہ کے متعلق نازل ہوئی ہے ان کا بدن میں کوئی گھر تھا نہ کوئی قبیلہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۵۸ مکتبۃ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے نادانف شخص ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ان کو خوش حال سمجھتا ہے اے مخاطب ہم (ان میں بھوک کے آثار دیکھ کر) ان کو صورت سے پہچان لو گے وہ لوگوں سے گزر کر سوال نہیں کرتے۔ (البقرہ ۲۷۳) گداگری کی مذمت اور سوال نہ کرنے کی فضیلت میں احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام بخاری امام مسلم امام ابو داؤد امام نسائی امام ابن المنذر امام ابی حاتم و امام ابن مرداویہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص مسکین نہیں ہے جس کو ایک کھجور یا دو کھجور ادا دیں یا ایک لقمہ یا دو لقمے لوٹا دیں مسکین تو صرف وہ شخص ہے جو سوال کرنے سے باز رہے اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو وہ لوگوں سے گزر کر سوال نہیں کرتے۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے فاقہ یا اپنے گھر والوں کے فاقہ کے بغیر سوال کیا قیامت کے دن اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس پر فاقوں کا دروازہ کھول دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوگا۔

امام طبرانی نے "معجم اوسط" میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بلا ضرورت سوال کیا قیامت کے دن اس کے چہرے پر خرخشیں پڑی ہوں گی۔

امام ابن ابی شیبہ، امام مسلم اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مال بڑھانے کے لیے سوال کیا وہ صرف انگاروں کا سوال کر رہا ہے کم سوال کرے یا زیادہ۔
امام احمد، امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ وہ لوگوں سے سوال نہیں کرے گا میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔

امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص کثرت مال سے غنی نہیں ہوتا بلکہ غنی وہ شخص ہے جس کا دل غنی ہو۔
امام طبرانی نے ”معجم اوسط“ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم حرص کرنے سے بچو کیونکہ حرص ہی درحقیقت فقر ہے اور اس بات سے بچو کہ تم سے معذرت کی جائے۔

امام ابن ابی شیبہ، امام بخاری اور امام ابن ماجہ نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص رسی سے لکڑیوں کا ایک گٹھا باندھ کر اپنی کمر پر لادے اور اس کو فروخت کر کے سوال کرنے سے بچے وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے وہ اس کو دیں یا منع کر دیں۔

امام احمد، امام ابویعلیٰ، امام ابن حبان، امام طبرانی اور امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت خالد بن عدی الجعفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس اس کے بھائی کی طرف سے کوئی چیز بغیر کسی طمع اور بغیر کسی سوال کے پہنچی ہو وہ اس کو قبول کر لے یہ اس کو اللہ نے رزق عطا کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۶۲ - ۳۵۸، مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

سوال کرنے کی حد جواز

علامہ علاء الدین ہسکلی حنفی لکھتے ہیں:

جس شخص کے پاس ایک دن کا کھانا ہو یا اتنی بدنی طاقت ہو کہ وہ محنت مزدوری کر کے ایک دن کی خوراک حاصل کر سکے اس کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے اور اگر دینے والے کو یہ علم ہو اور اس کے باوجود وہ اس کو دے تو وہ گناہگار ہوگا کیونکہ وہ حرام کام میں مدد کر رہا ہے اور اگر وہ شخص طلب علم دین یا بہاد میں مشغول ہو اور وہ کپڑوں کا سوال کرے تو جائز ہے بشرطیکہ اس کو کپڑوں کی ضرورت ہو۔ (رد المحتار علی حاشیاء رد المحتار ج ۲ ص ۶۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

جس شخص کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے اس کے سوال پر اس کو دینا تو حرام ہے لیکن جو شخص صاحب نصاب نہ ہو اس کو اس کے سوال کے بغیر بہ طور صدقہ اور خیرات کے دینا جائز ہے اور کارِ ثواب ہے اور جو شخص صاحب نصاب ہو اس کو بہ طور ہدیہ اور ہبہ کے دینا جائز ہے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۶۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

مسجد میں سائل کو دینے کی تحقیق

ہمارے زمانہ میں لوگ مسجدوں میں آکر سوال کرتے ہیں اور بعض علماء ایسے سوال کرنے والوں کو مطلقاً منع کرتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

علامہ ہسکلی حنفی لکھتے ہیں

مسجد میں سائل کو دینا مکروہ ہے ہاں اگر وہ لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے تو پھر قول شہار کے مطابق وہ مکروہ نہیں ہے اسی طرح "اختیار" میں مذکور ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز کی حالت میں انگلی صدقہ کی جو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح میں قرآن کی آیت نازل کی، جو لوگ رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

(در مختار علی حاشیہ ج ۵ ص ۲۱۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

"اختیار" میں مذکور ہے کہ اگر سائل نمازیوں کے آگے سے گزرتا ہے، اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہے تو اس کو دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ لوگوں کو ایذا دینے پر معاونت ہے حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ اس طرح ایک پیسہ دینے کا کفارہ ستر پیسے بھی نہیں ہو سکتا علامہ طحاوی نے کہا ہے کہ یہ کرہت نمازیوں کی گردنیں پھلانگنے کی وجہ سے ہے جس کو ایذا لازم ہے اور جب وہاں گزرنے کے لیے کشادہ جگہ ہو تو پھر کوئی کرہت نہیں ہے جیسا کہ اس عبارت کے مفہوم مخالف معلوم ہوتا ہے۔

(در المختار ج ۵ ص ۲۱۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن باز کردری احکام مسجد کے بیان میں لکھتے ہیں:

جو مسکین کھانے میں فضول خرچی کرتے ہوں اور گزرا کر مانگتے ہوں ان کو دینے سے بھی اجر ملے گا، لیکن اگر کسی معین شخص کے متعلق معلوم ہو کہ وہ فضول خرچی کرتا ہے اور گزرا کر مانگتا ہے تو پھر اس کو دینے سے اجر نہیں ہوگا۔

(فتاویٰ برازیہ علی حاشیہ ج ۶ ص ۲۵۸-۲۵۷ مطبوعہ مطبع کبریٰ امیرہ ذائق مصر ۱۳۱۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جو سائل مسجد میں نمازی کے آگے سے گزرے یا نمازیوں کی گردنیں پھلانگے یا گزرا کر سوال کرے یا اس کے متعلق دینے والے کو معلوم ہو کہ یہ فضول خرچی کرتا ہے یا اس کو معلوم ہو کہ اس کے پاس ایک دن کی خوراک ہے یا یہ شخص صحت مند ہے اور محنت مزدوری کر کے کما سکتا ہے اس کے سوال پر اس کو دینا جائز نہیں ہے اور اگر یہ موانع اور عوارض نہ پائے جائیں تو اس سائل کو مسجد میں دینا جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ رات اور دن میں خفیہ اور علانیہ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے رب کے پاس ان کے لیے اجر ہے اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (البقرہ ۲: ۲۷۳) خفیہ اور علانیہ صدقہ کی آیت کے شان نزول میں متعدد اقوال

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے صدقہ کرنے کی بار بار ترغیب دی ہے اب یہ فرما رہا ہے کہ صدقہ کرنے کے لیے کوئی وقت معین نہیں ہے دن اور رات کے کسی بھی وقت میں خفیہ یا علانیہ صدقہ کیا جاسکتا ہے اس آیت کے شان نزول میں متعدد اقوال ہیں حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں۔

امام ابن المنذر، امام ابن ابی حاتم اور امام واحدی حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں گھوڑا باندھا اور اس کا یہ عمل دکھانے اور سنانے کے لیے نہیں تھا تو وہ اس آیت کا مصداق ہے۔

امام عبد الرزاق، امام عبد بن حمید، امام ابن جریر، امام ابن المنذر، امام طبرانی اور امام ابن عساکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ان کے پاس چار درہم تھے ایک درہم انہوں نے رات میں خرچ کیا ایک دن میں ایک خفیہ اور علانیہ۔

امام ابن جریر اور امام ابن المنذر نے قنادہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اللہ کی

راہ میں صدقات فرط خرچ کرتے ہیں وہ اسراف کرتے ہیں نہ گنتی کرتے ہیں نہ فساد کرتے ہیں
امام ابن ابی حاتم نے ضحاک سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے نازل ہوئی تھی
امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت سورہ توبہ سے پہلے نازل ہوئی تھی جب
سورہ توبہ میں صدقات فرضیہ اور ان کی تفصیل نازل ہوئی تو تمام صدقات اس تفصیل کے مطابق خرچ کیے جانے لگے
(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۱۳ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا أَلَّا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن صرف اس شخص کی طرح کھڑے

الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ط ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر ٹھوٹا لٹو اس کو دیا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں

قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ

نے کہا تھا کہ بیع سود ہی کی مثل ہے اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود

الرِّبَا ط فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا

کو حرام کیا ہے سو جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آگئی پس وہ (سود سے) باز

سَلَفَ ط وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ ط وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

آگیا تو جو پچھو پچھو لے چکا ہے وہ اس کا ہو گیا اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جس نے دوبارہ اس کا اعادہ کیا تو وہی لوگ

النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٧٥﴾ يَحَقُّ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي

دورانی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو

الصَّدَقَاتِ ط وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿٢٧٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ

بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہ گار کو پسند نہیں کرتا ○ بے شک جو لوگ

أَمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ

ایمان آئے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دیتے رہے

أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٥﴾

ان کے لیے اس کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور اس میں کوئی خوف ہے اور وہ غمگین نہیں ہوں گے۔ (۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ ربا کو چھوڑ دو۔

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٧٦﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ

اگر تم مؤمن ہو O پس اگر تم ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے

اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ

اعلان جنگ میں تو اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے اصل مال تمہارا حق ہیں نہ تم ظلم نہ

وَلَا تَظْلَمُونَ ﴿٢٧٧﴾ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ

اور نہ تم ظلم کیے جاؤ گے O اور اگر (معرض) تنگ دست ہے تو اسے اس کی فراخ دستی تک مہلت دو۔

وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٧٨﴾ وَاتَّقُوا

اور (قرض کو معاف کر کے) تمہارا صدق کرنا زیادہ بہتر ہے اگر تم جانتے ہو O اور اس میں

يَوْمَ مَا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا

سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا

كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾

بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا O

صدقہ کے بعد سود کی آیات ذکر کرنے کی مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اللہ کی راہ میں صدقہ دینے کا ذکر کیا تھا اور اب اس آیتوں میں سود کو حرام کرنے کا ذکر فرما رہا ہے۔ صدقہ میں انسان کسی ظاہری اور دنیاوی معاوضہ کے بغیر ضرورت مند کو اپنے مال سے کچھ دیتا ہے اور اپنے مال کو کم کرتا ہے جب کہ سود میں انسان ضرورت مند کو قرض دے کر ایک مدت معین کے بعد اس سے اصل رقم سے ایک معین زیادتی کو وصول کرتا ہے اور اپنے مال کو بڑھاتا ہے۔ صدقہ دینے والا باوجود معاوضہ اپنا مال دیتا ہے اور سود کھانے والا باوجود معاوضہ دے کر مال لیتا ہے۔ صدقہ دینے والے کے مال میں اللہ برکت دیتا ہے اور سود کھانے والے کی برکت مٹاتا ہے۔ صدقہ دینے والے کی

نظر صرف آخرت پر ہوتی ہے اور سود لینے والے کی نظر صرف دنیا پر ہوتی ہے 'صدقہ کا باعث خدا ترسی اور ہمدردی ہے اور سود کا محرک خدا سے بے خوئی اور خود غرضی ہے 'صدقہ دینے والا مشکلات میں مبتلا لوگوں کو سہارا دیتا ہے اور سود کھانے والا مصیبت کے مارے لوگوں کی رگوں سے خون چوز لیتا ہے یوں سود کھانا صدقہ دینے کی مکمل ضد ہے اور ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اس وجہ سے قرآن مجید ایمان کے بعد کفر کا نور کے بعد ظلمت کا اور حنت کے بعد دوزخ کا ذکر فرماتا ہے اور یہاں پر صدقہ کے بعد سود کا ذکر فرمایا ہے سود لینے کو سود کھانے سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ جو چیز لے لی جائے اس کی واپسی کا امکان ہوتا ہے اور جو چیز کھالی جائے اس کی واپسی کا کوئی امکان نہیں رہتا اس سے کسی چیز کی وصول یا بی کا شدید ہونا ظاہر ہوتا ہے اسی لیے سود لینے والوں کو سود خور کہا جاتا ہے سود کو عربی میں رہا کہتے ہیں ہم اس رہا کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں گے پھر رہا کی دو قسمیں رہا النسیئہ اور رہا الفضل بیان کریں گے رہا الفضل میں ائمہ اربعہ کی بیان کردہ عست پر سیر حاصل بحث کریں گے رہا الفضل کی حرمت کی وجہ بیان کریں گے اور بینک کے سود کے مجوزین کے دلائل بیان کریں گے ان کے شبہات کے جوابات پیش کریں گے زار الحرب میں سود کی بحث کا اور دار الکفر میں کافروں کے مال ہزب کرنے کا ذکر کریں گے اس کے بعد اس رکوع کی آیات کی تفسیر بیان کریں گے۔ فسقول و نالہ التوفیق۔

رہا کا لغوی معنی

لغت میں رہا کے معنی زیادتی بڑھوتری اور بلندی ہیں علامہ زبیدی لکھتے ہیں کہ علامہ راغب اسفہانی نے یہ ہے کہ اصل مال پر زیادتی کو رہا کہتے ہیں اور زجاج نے کہا ہے کہ رہا کی دو قسمیں ہیں ایک رہا حرام ہے اور دوسرا حرام نہیں ہے۔ رہا حرام ہر وہ قرض ہے جس میں اصل رقم سے زیادہ وصول کیا جائے یا اصل رقم پر کوئی منفعت لی جائے اور رہا غیر حرام یہ ہے کہ کسی کو ہدیہ دے کر اس سے زیادہ لیا جائے۔ (تاج العربی شرح القاموس ج ۱۰ ص ۱۳۳ مطبوعہ المطبعة الخیرہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ یحییٰ نے "شرح المہذب" کے حوالے سے لکھا ہے کہ رہا کو الف داؤ یا تینوں کے ساتھ لکھنا صحیح ہے یعنی رہا رنو اور ربی۔ (عمدة القاری ج ۱۱ ص ۱۹۹ مطبوعہ ادارۃ المطابع المیسریہ ۱۳۴۸ھ)

رہا کا اصطلاحی معنی

اصطلاح شرع میں رہا کی دو قسمیں ہیں: رہا النسیئہ (اس کو رہا القرآن بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کو قرآن مجید نے حرام کیا ہے) اور رہا الفضل (اس کو رہا اللہ یث بھی کہتے ہیں)۔ رہا الفضل یہ ہے کہ ایک جنس کی چیزوں میں دست بدست زیادتی کے عوض بیع ہو مثلاً چار کلو گرام گندم کو نقد آٹھ کلو گرام گندم کے عوض فروخت کیا جائے۔ رہا الفضل کن چیزوں میں ہے اس میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے جس کو ان شاء اللہ ہم تفصیل سے بیان کریں گے۔ رہا النسیئہ یہ ہے کہ ادھار کی میعاد پر معین شرح کے ساتھ اصل رقم سے زیادہ وصول کرنا یا اس پر نفع وصول کرنا۔ آج کل دنیا میں جو سود رائج ہے اس پر بھی یہ تعریف صادق آتی ہے۔

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں علامہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ شریعت میں رہا بغیر عقد بیع کے اصل مال پر زیادتی ہے اور ہمارے نزدیک رہا یہ ہے کہ مال کے بدلے مال میں جو مال بلا عوض لیا جائے مثلاً کوئی شخص دس درہم کو گیارہ درہم کے بدلے میں فروخت کرے تو اس میں ایک درہم زیادتی بلا عوض ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۱ ص ۱۹۹ مطبوعہ ادارۃ المطابع المیسریہ ۱۳۴۸ھ)

علامہ ابن اثیر نے جو تعریف کی ہے وہ رہا النسیئہ پر صادق آتی ہے اور علامہ عینی نے جو تعریف کی ہے وہ رہا النسیئہ پر اس لیے صادق نہیں آتی کیونکہ اس میں ادھار کا ذکر نہیں ہے اور چونکہ اس میں مجانست کی قید نہیں ہے اس لیے رہا الفضل پر بھی

صادق نہیں آتی۔

ربا النسیئہ کی سچ اور واضح تعریف امام رازی نے کی ہے 'لکھتے ہیں ربا النسیئہ زمانہ جاہلیت میں مشہور اور معروف تھا۔ وہ لوگ اس شرط پر قرض دیتے تھے کہ وہ اس کے عوض ہر ماہ (یہ ہر سال) ایک معین رقم لیا کریں گے اور اصل رقم مقرض کے ذمہ باقی رہے گی مدت پوری ہونے کے بعد قرض خواہ مقرض سے اصل رقم کا مطالبہ کرتا اور اگر مقرض اصل رقم وادانہ کر سکتا تو قرض خواہ مدت اور سود دونوں میں اضافہ کر دیتا یہ وہ ربا ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت الطبعة الثانیة ۱۳۹۸ھ)

ربا الفضل کی تعریف اور اس کی علت کے متعلق مذاہب اربعہ

ربا الفضل یہ ہے کہ ایک مخصوص مال کو س کی مثل سے نقد زیادتی کے ساتھ یا ادھار فروخت کیا جائے مثلاً پانچ کلو گرام گندم کو دس کلو گرام گندم کے عوض نقد فروخت کیا جائے یا پانچ کلو گرام کو پانچ کلو گرام گندم کے عوض ایک سال کے ادھار پر فروخت کیا جائے اس کو ربا اللہ بھی کہتے ہیں کیونکہ امام مسلم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونا سونے کے عوض چاندی چاندی کے عوض گندم گندم کے عوض جو جو کے عوض کھجور کھجور کے عوض نمک نمک کے عوض برابر برابر فروخت کرو اور نقد بہ نقد اور جب یہ اجناس مختلف ہو جائیں تو پھر جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ نقد بہ نقد ہوں اور ایک روایت میں ہے جس نے زیادہ لیا یا زیادہ دیا اس نے سودی کارہا کیا۔ دینے والا اور لینے والا دونوں برابر ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ ایک دینار کو دو دیناروں کے بدلہ میں اور ایک درہم کو دو درہم کے بدلہ میں فروخت نہ کرو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱-۳۵-۳۷ مطبوعہ کراچی)

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ چیزوں میں ربا الفضل کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے سونا چاندی گندم جو چھوارے اور نمک غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ان چھ چیزوں کے علاوہ اور کسی چیز میں کمی و زیادتی کے ساتھ بیع حرام نہیں ہے کیونکہ وہ قیاس کے منکر ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام فقہاء یہ کہتے ہیں کہ حرمت کا یہ حکم ان چھ چیزوں سے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جو چیزیں ان کے معنی میں شریک ہوں ان میں بھی تفاضل کے ساتھ بیع حرام ہے پھر ان فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ ان چھ چیزوں میں حرمت ربا کی علت کیا ہے؟ امام شافعی نے کہا سونے اور چاندی میں علت حرمت ان کا جنس ثمن سے ہونا ہے اس لیے باقی وزنی چیزوں میں کمی اور بیشی کے ساتھ بیع حرام نہیں ہوگی کیونکہ علت حرمت مشترک نہیں ہے امام شافعی نے فرمایا باقی چار چیزوں میں علت حرمت کھانے کی جنس سے ہونا ہے سو ہر کھانے کی چیز میں تفاضل کے ساتھ بیع حرام ہونی امام مالک کا قول سونے اور چاندی میں امام شافعی کی طرح ہے اور باقی چار چیزوں میں ان کے نزدیک علت حرمت خوراک کے لیے ذخیرہ ہونے کی صلاحیت ہے سو انہوں نے منقہ میں تفاضل کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ گندم اور جو کی طرح اس کا بھی ذخیرہ کیا جاسکتا ہے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی میں علت وزن ہے اور باقی چار چیزوں میں علت ماپنا ہے پس بروہ چیز جس کی بیع وزن اور ماپنے سے ہوتی ہو اتحاد جنس کی صورت میں اس کی تفاضل کے ساتھ بیع حرام ہے اور سعید بن جبیر امام احمد اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ ان چار چیزوں میں علت حرمت طعام کا وزن یا ماپ کے ساتھ فروخت ہونا ہے اس بناء پر کھانے پینے کی جو چیزیں عدد و فروخت ہوتی ہیں جیسے نڈا وغیرہ ان میں تفاضل کے ساتھ بیع حرام نہیں ہے نیز فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ یک سود والی جنس کو دوسری سود والی جنس کے ساتھ کمی و بیشی اور ادھار کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے مثلاً سونے کی گندم کے بدلے میں یا چاندی کی جو کے بدلے میں کمی اور بیشی کے ساتھ بیع کرنا جائز ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ

نبیاء القرآن

ایک سودا کی جنس کی اپنی جنس کے ساتھ ادھار بیع جائز نہیں ہے اور سودا کی جنس کی اپنی جنس کے بدلے میں غاضل کے ساتھ نقد بیع بھی جائز نہیں ہے مثلاً سونے کی سونے کے بدلے میں ادھار بیع جائز ہے نہ نقد غاضل کے ساتھ۔

(شرح مسلم ج ۲ ص ۳۳ - ۳۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

امام ابو القاسم نرقی حنبلی لکھتے ہیں ہر وہ چیز جو وزن یا ماپ کے ذریعہ فروخت کی جائے اس کی اس جنس سے بدلہ میں غاضل سے بیع جائز نہیں ہے^۱ (اور یہی امام ابو حنیفہ کا نظریہ ہے)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں امام احمد سے دوسری روایت یہ منقول ہے کہ سونے اور چاندی میں حرمت کی علت شہیت ہے اور باقی چیزوں میں طعم حرمت کی علت ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے (الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ) علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں امام احمد سے تیسری روایت یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے علاوہ حرمت کی علت یہ ہے کہ وہ چیز جنس طعام سے ہو اور ماپ یا وزن سے بکٹی ہو لہذا جو چیزیں عدد و فروخت ہوتی ہیں ان کی کمی اور بیشی کے ساتھ بیع جائز ہوگی۔ (الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ دشتانی مالکی لکھتے ہیں امام مالک کے نزدیک سونے اور چاندی میں حرمت کی علت شہیت ہے اور باقی چار میں حرمت کی علت خوراک کا ذخیرہ ہونا یا خوراک کی صلاحیت ہے۔ (اکمل الدلائل ج ۳ ص ۲۷۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت) امام مالک کے مذہب پر نوٹ اور دوسرے مکوں میں سود کا ہونا بالکل واضح ہے کیونکہ ان میں شہیت موجود ہے۔ علامہ ابوالحسنین مرعینانی حنفی لکھتے ہیں ہمارے نزدیک حرمت کی علت قدر مع الجنس ہے۔

(ہدایہ اخیرین ص ۷۷ مطبوعہ مکتبہ شرکت علیہ ملتان)

ربا الفضل میں ائمہ کی بیان کردہ علت کا ایک جائزہ

ائمہ کرام نے احادیث مبارکہ کو سامنے رکھ کر حتی المقدور اس امر کی سعی اور کوشش فرمائی ہے کہ سود کے لیے کوئی اصول وضع کیا جاسکے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ احادیث میں جن چھ چیزوں (سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک) میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنے کو ربا فرمایا ہے ان میں حصر نہیں ہے بلکہ ان چیزوں کو بطور مثال ذکر کیا ہے اسی لیے ائمہ اور مجتہدین نے انتہائی محنت اور جانفشانی سے ان چیزوں میں کوئی امر مشترک تلاش کر کے اس کو علت ربا قرار دیا ہے جیسا کہ مذکور الصدر تفصیل سے ظاہر ہو چکا ہے۔ ان بزرگوں نے نہایت کاوش کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ کو سمجھا اور سمجھایا ہے ہم نے جب ان احادیث پر غور کیا تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم" (بیع مسلم ج ۲ ص ۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت) جب دونوع مختلف ہو جائیں تو جس طرح چاہو فروخت کرو اور جب ان میں اختلاف نہ ہو تو فرمایا مثلاً بمثل فروخت کرو اور مثل میں مساوات کا مطلب ہے قدر میں مساوات اور قدر وزن، کھل اور عدد تینوں کو شامل ہے جس طرح ایک کلو یا ایک صاع گندم دو کلو یا دو صاع گندم کے برابر نہیں ہیں اسی طرح ایک درجن اخروٹ اور اٹھ درجن اخروٹ اور اٹھوں کی مثل اور برابر نہیں ہیں۔ یہ ایک بالکل بدیہی بات ہے اور اس میں کوئی خفا نہیں ہے اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں بھی وزنا کیلا (ماپ کے ذریعہ) یا عدد و فروخت ہوتی ہیں خواہ وہ از قبیل ثمن ہوں یا از قبیل طعام ہوں یا عام استعمال کی چیزیں ہوں اُن کی ذخیرہ ہوں یا نہ ہوں جب ان کی بیع مثلاً بمثل یعنی وزن یا ماپ یا عدد کے اعتبار سے برابر برابر اور پیدا یا پیدا یعنی نقد کی جائے گی تو وہ جائز ہوگی اور اگر وزن، عدد یا ماپ میں زیادتی کے ساتھ یا ادھار بیع ہو

۱ علامہ ابوالقاسم عمر بن عبد اللہ بن احمد انرقی متوفی ۳۳۴ھ بمطابق ۹۴۵ھ مفتی ج ۳ ص ۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت

گی تو ناجائز اور حرام ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حرمت رہا کے سائل میں جتنی بھی احادیث روایت کی گئی ہیں سب میں مثلاً مثل کی قید ہے اور فقہاء نے مثل کا معنی لڑکی یا بچہ اور قدر وزن ماب اور عدد چیزوں کو شامل ہے یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک کلو یا ایک صاع گندم تو دو کلو یا دو صاع گندم کے غیر مثل ہوں اور ایک درجن ٹڈے یا اخروٹ ۱۱ درجن انڈوں یا اخروٹوں کے غیر مثل نہ ہوں اس لیے مثل میں جس طرح وزنی اور ماپ والی چیزیں شامل ہیں اسی طرح عددی چیزیں بھی شامل ہیں اور اس پر سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”لِلَّذِیْ کُوْهِنَ مِثْلُ حَیْطٍ اَلْاُنْثٰیٰی“ (البقرہ: ۱۱) مرد کے لیے عورتوں کی دو مثل (دو گنا) حصہ ہے۔ فرض کیجئے لڑکی کو ایک کلو چاندی ملتی ہے تو لڑکے کو دو کلو چاندی ملے گی لڑکی کو ایک سو صاع گندم ملتی ہے تو لڑکے کو دو سو صاع گندم ملے گی اور اگر لڑکی کو ایک ہزار روپے ملتے ہیں تو لڑکے کو دو ہزار روپے ملیں گے اس سے معلوم ہوا کہ مثل ماب والی وزنی عددی ہر قسم کی مساوی چیز کو کہتے ہیں حدیث شریف میں سے ماہر مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دینار کو دو دینار اور ایک درہم کو دو درہم کے عوض نہ فروخت کرو (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴ من کبریٰ ج ۵ ص ۲۷۸)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جس طرح وزنی اور ماپ والی ایک نوع کی دو چیزوں میں زیادتی کے ساتھ بیچ رہا ہے اسی طرح ایک نوع کی عددی چیزوں میں بھی زیادتی کے ساتھ بیچ رہا ہے۔ ان دلائل کی روشنی میں یہ ظاہر یہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ ایک نوع کی دو چیزیں خواہ وہ از قبیل طعام ہوں یا سہل ہوں یا شمس ہوں اگر ان کی بیچ کی یا زیادتی کے ساتھ ہو خواہ کی یا زیادتی عدد میں ہو یا کیل میں ہو یا وزن میں ہو یا بیچ ادھار ہو تو وہ ربا ہے اور اگر برابر اور نقد بیچ ہو تو جائز اور صحیح ہے۔ ہذا ما عدی والعلم الشام عند اللہ

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک نوع کی ماپ اور تول والی چیزوں میں سود ہے ان کے نزدیک حلت ربا ماپ اور تول اور اشتراک جنس ہے وہ عددی چیزوں میں حرمت رہا کے قائل نہیں ہیں مثلاً سیب وزنا بکتا ہے اس لیے ایک کلو گرام سیب کو دو کلو گرام سیب کے عوض فروخت کرنا ان کے نزدیک سود ہے اور کیے عدد اخروٹ ہوتے ہیں اس لیے ایک درجن کیلوں کو دو درجن کیلوں کے عوض فروخت کرنا ان کے نزدیک سود نہیں ہے اور یہ تنہائی تعجب خیز امر ہے کہ سیب میں زیادتی کے ساتھ بیچ سود ہو اور کیلوں میں زیادتی کے ساتھ بیچ سود نہ ہو۔ بعض چیزوں میں عدد اور وزنا فروخت ہونے کا عرف بدلتا رہتا ہے مثلاً پشاور میں پہلے روٹی تول کر فروخت ہوتی تھی اور اب عدد فروخت ہوتی ہے اور خروٹ تول کر بھی بکتے ہیں اور عدد فروخت ہوتے ہیں یعنی آپ اگر عدد اخروٹ خریدیں تو سو کے بدلے میں دو سو اخروٹ لے سکتے ہیں اور یہ سود نہیں ہے اور وزنا خریدیں تو ایک کلو کے بدلے میں دو کلو اخروٹ نہیں لے سکتے اور یہ سود ہے بعض شہروں میں ماٹے ایک ہی دوکان پر عدد بھی بکتے ہیں اور تول کر بھی اور یہ بڑی حیرت انگیز بات ہوئی کہ ایک ہی دوکان دار سے ایک چیز کو وزنا زیادتی کے ساتھ لینا سود ہو اور عدد لینا سود نہ ہو ہو سکتا ہے کہ اس کی کوئی وجہ ہو لیکن میری ناقص فہم میں یہ بات نہیں آئی۔ ربا یہ کہ بعض احادیث میں ایک حیوان کی دو حیوانوں کے ساتھ بیچ کا جواز ہے تو اولاً تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شارع ہیں جس کا چاہیں استثنا فرمادیں اس لیے یہ حدیث خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے اپنے مورد میں بند رہے گی۔ ثانیاً ہو سکتا ہے کہ اس کی یہ وجہ ہو کہ جس طرح دو غیر جاندار چیزوں میں عین کے لحاظ سے مساوات ہوتی ہے اس طرح دو جاندار چیزوں میں عینا مساوات نہیں ہوتی اور صفات میں فرق ہوتا ہے مثلاً ایک غلام علم ہو تو وہ دس جاہل غلاموں سے قیمتی ہو گا ایک گھوڑا اعلیٰ نسل کا ہو تو وہ ۱۰۰ ادنیٰ نسل

کے دس گھوڑوں سے قیمتی ہوگا اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حیوان کی دو حیوانوں کے ساتھ بیچ جائز فرمائی ہو اور آپ کی تمام حکمتوں کو کون جان سکتا ہے۔

امام شافعی کے نزدیک حرمت کی علت طعم اور شمیت ہے لہذا تمام کھانے پینے کی چیزوں اور سونے اور چاندی میں ہم جنس چیزوں کی زیادتی کے ساتھ بیچ ان کے نزدیک سود ہے لیکن جو چیزیں کھانے پینے کی اور شمن نہ ہوں مثلاً تابا، پیتل، چونا، کپڑا اور لکڑی وغیرہ ان میں امام شافعی کے نزدیک ہم جنس اشیاء کی زیادتی کے ساتھ بیچ سود نہیں ہے اور یہ عجیب و غریب بات ہے کہ ایک کلو چاندی کی دو کلو چاندی کے بدلہ میں بیچ سود ہو اور ایک کلو تانبا یا پیتل کی دو کلو تانبا یا پیتل کے بدلہ میں بیچ سود نہ ہو اور تانبا، پیتل، چونا اور کپڑے وغیرہ میں امام شافعی کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک سود ہے اور کھانے پینے کی عددی اشیاء مثلاً انڈے اور اخروٹ میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک سود ہے۔

امام مالک کے نزدیک حرمت کی علت شمن ہونا اور خوراک کا قابل ذخیرہ ہونا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تابا، پیتل، اوبار، لکڑی اور دیگر عام استعمال کی اشیاء میں زیادتی کے ساتھ بیچ کرنا ان کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان اشیاء میں زیادتی کے ساتھ بیچ کرنا سود ہے۔

اور طعام کے علاوہ استعمال کی جو چیزیں عدداً فروخت ہوتی ہیں جیسے پین، پٹیل، ہتھیار، میز، کرسی اور عام فرنیچر ان میں زیادتی کے ساتھ بیچ کرنا کسی امام کے نزدیک بھی سود نہیں ہے یعنی ایک انڈے یا ایک اخروٹ کی دو انڈوں یا دو اخروٹوں کے بدلے میں بیچ کرنا امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک سود ہے لیکن ایک پین یا ایک بندوق کی دو پین یا دو بندوقوں کے بدلہ میں بیچ کرنا کسی امام کے نزدیک سود نہیں ہے اور یہ انتہائی عجیب بات ہے۔

ربا الفضل کی حرمت کا سبب

ربا الفضل اس زیادتی کو کہتے ہیں جو ایک ہی جنس کی دو چیزوں کے دست بدست لین دین میں ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا الفضل کو اس لیے حرام قرار دیا ہے کہ اس سے ربا النسبہ کا دروازہ کھلتا ہے اور انسان میں وہ ذہنیت پرورش پاتی ہے جس کا آخری ثمرہ سود خوری ہے یہ حکمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمائی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دینار کو دو دیناروں کے عوض اور ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے میں نہ فروخت کرو مجھے خوف ہے کہیں تم سود خوری میں نہ مبتلا ہو جاؤ۔

علامہ علی قسطلی نے یہ حدیث طبرانی کے حوالے سے بیان کی ہے۔ (کنز العمال ج ۴ ص ۱۸۷-۱۸۸ مطبوعہ دار الفکر)

ظاہر ہے کہ ایک جنس کی دو چیزوں کی آپس میں بیچ کی ضرورت صرف اس وقت پیش آتی ہے جب کہ اتنا جنس کے باوجود ان کی نوعیتیں مختلف ہوں مثلاً چاول اور گندم کی ایک قسم کی دوسری قسم کے ساتھ بیچ ہو یا سونے کی ایک قسم کی دوسری قسم کے ساتھ بیچ ہو۔ ایک جنس کی مختلف اقسام کی چیزوں کا کمی و بیشی کے ساتھ تبادلہ کرنے سے اس ذہنیت کے پرورش پانے کا اندیشہ ہے جو بالآخر سود خوری اور ناجائز نفع اندوزی تک جا پہنچتی ہے اس لیے شریعت نے یہ قعدہ مقرر کر دیا ہے کہ ایک جنس کی مختلف اقسام کے باہمی تبادلہ کی اگر ضرورت ہو تو یا تو برابر مبادلہ کر لیا جائے اور ان کی قیمتوں میں جو فرق ہو اس کو نظر انداز کر دیا جائے یا ایک چیز کا دوسری چیز سے براہ راست تبادلہ کرنے کے بجائے ایک شخص اپنی چیز کو روپوں کے عوض بازار سے بھاڑ پر فروخت کرے اور دوسرے شخص سے اس کی چیز بازار کے بھاڑ پر خریدے۔

گندم کی گندم کے بدلے میں بیچ کو برابر برابر نقد ہو تو جائز کیا گیا ہے اور ادھار کو حرام کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

مثلاً زید آج دس کلو گرام گندم فروخت کرتا ہے اور اس کے بدلے میں چھ ماہ بعد عمرو سے دس کلو گرام گندم لیتا ہے تو یہ بین ممکن ہے کہ جس وقت زید گندم فروخت کر رہا ہے اس وقت گندم کی قیمت پانچ روپے فی کلو ہو اور جب عمرو اس کو اس کے بدلے میں گندم دے گا اس وقت گندم کی قیمت آٹھ روپے کلو ہو تو زید کو پچاس روپے کے بدلے میں چھ ماہ بعد کی مدت کے عوض اتنی روپے حاصل ہو گئے اور یہی سود ہے۔

نفع اور سود میں فرق

اللہ تعالیٰ نے بیع کو جائز کہا ہے اور سود کو ناجائز کہا ہے اور ان میں فرق بالکل واضح ہے ہم دو کاندار سے پانچ روپے کی چیز چھ روپے میں بہ خوشی خرید لیتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہر چند کہ یہ چیز پانچ روپے کی ہے لیکن اس چیز پر دو کاندار کی محنت، ذہانت اور وقت کا خرچ ہوا ہے اور اس ایک زائد روپے کو ہم اس کی ذہنی اور جسمانی محنت کا عوض قرار دیتے ہیں لیکن جب ایک شخص پانچ روپے پر ایک روپے سود لیتا ہے تو اس ایک روپے میں وقت کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہوتی جس کو اس ایک روپے کا بدل قرار دیا جاسکے اس لیے تجارت میں نفع لینا جائز ہے اور روپے پر سود لینا جائز نہیں ہے۔

بینک کے سود کے مجوزین کے دلائل

معیشت کے بعض جدید مفکرین یہ کہتے ہیں قرآن مجید میں رہا اس خاص سود کو کہا گیا ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔ کوئی غریب شخص شادی، بیماری یا کفن دفن کی کسی نجی ضرورت میں کسی مہاجن سے قرض لیتا تھا اور کسی مصیبت زدہ شخص کی مدد کرنے کے بجائے اس سے قرض پر سود لینا بے شک ظلم اور سنگ دلی ہے اسی وجہ سے قرآن مجید میں اس سود کو حرام کیا گیا ہے لیکن آج کل کا مروجہ سود اس سے بالکل مختلف ہے آج کل بینکوں سے غریب اور مصیبت زدہ شخص قرض نہیں لیتے بلکہ متمول اور سرمایہ دار تاجر اور صنعت کار قرض لیتے ہیں اور ان سے قرض کی رقم پر بینک جو سود وصول کرتا ہے وہ ان پر کوئی ظلم نہیں ہے کیونکہ اگر وہ بینک کو چودہ فیصد سود ادا کرتے ہیں تو خود قرض کی رقم سے وہ ساٹھ ستر فیصد تک کماتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بینک سے قرض لے کر ایک کارخانہ لگاتے ہیں اور اس کارخانے سے پھر دوسرا اور تیسرا کارخانہ لگ جاتا ہے اس طرح تاجروں کی تجارت میں اضافہ ہو جاتا ہے اس لیے اگر بینک کو وہ چودہ فیصد سود دیتے ہیں تو ان پر یہ کوئی بوجھ نہیں ہے اور بینک میں روپیہ عام لوگوں کا جمع کیا ہوا ہوتا ہے اس لیے اگر بینک عام لوگوں کو سات آٹھ فیصد سود ادا کرے تو بینک پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا سرمایہ دار اور بینک دونوں خوشی سے سود ادا کرتے ہیں کسی پر ظلم نہیں ہے اور چونکہ بینکوں میں عموماً غریب اور متوسط لوگ اپنی فاضل بچت کی رقمیں جمع کراتے ہیں تو سود کے ذریعہ ان کو سات فیصد سالانہ کا فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔ غرضیکہ زمانہ جاہلیت کا رہا غریبوں سے سود لیتا تھا اور اس زمانہ کی ترقیاتی سکیم بینکوں کے ذریعہ غریبوں کو سود دیتی ہے۔ وہ رہا غریب، پر ظلم تھا اور یہ غریبوں کی خوشحالی اور مال کی ترقی کا سبب ہے اس لیے شخصی اور نجی ضروریات کے قرضوں پر سود ناجائز ہونا چاہیے اور تجارتی قرضوں پر بینک کا سود جائز ہونا چاہیے۔

بینک کے سود کے جائز ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ افراط زر کی وجہ سے روپے کی قدر (VALUE) دن بدن گرتی جا رہی ہے اور اجناس کی قیمت بڑھتی جا رہی ہے۔ اب سے انتیس سال پہلے (۱۹۶۶ء میں) سونا ایک سو روپے تولہ تھا، اصلی دہلی گھی پانچ روپے کلو، الڈا دو روپے کلو، دہلی انڈا دو آنے کا، تنوری روٹی ایک آنے کی، دودھ آٹھ آنے کلو اور ڈاک کا غلط چھ پیسے (ڈیڑھ آنے کا) ملتا تھا اور اب (۱۹۹۵ء میں) سونا تقریباً پانچ ہزار روپے تولہ، دہلی گھی ایک سو تیس روپے کلو، الڈا گھی چالیس روپے کلو، دہلی انڈا تین روپے کلو، تنوری روٹی ڈیڑھ روپے کی، دودھ اٹھارہ روپے کلو اور ڈاک کا لفافہ ڈیڑھ روپے کا ہو گیا۔ اس تجزیہ

سے معلوم ہوتا ہے کہ اٹیس سال میں روپیہ کی قدر مارہ سے لے کر پچاس گنا (بیس سو فیصد سے لے کر پانچ ہزار فی صد تک) گر گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے اٹیس سال پہلے بینک میں سو روپیہ رکھوایا تھا اب اس کی قیمت دو چار روپیہ رہ گئی ہے اور اگر سونے کے بھاؤ سے تناسب کیا جائے تو اب تک سو روپیہ تقریباً دو روپے کا رہ گیا ہے اگر اس سو روپیہ پر مال بہ سال بہ سال بینک کا سود لگنا رہتا تو اس کی ساکھ کسی حد تک بحال رہتی اور جو لوگ بینک میں اپنی فاسل بچتوں کو جمع کرانے میں ان کا نقصان نہ ہوتا اس لیے بینک کا سود جائز ہونا چاہیے۔

مجوزین سود کے دلائل کے جوابات

اس سلسلہ میں پہلے یہ بات جان لینی چاہیے کہ قرآن مجید نے مطلقاً سود کو حرام کیا ہے خواہ نجی ضروریات کے قرضوں پر سود ہو یا تجارتی قرضوں پر سود ہو خواہ اس سود سے غریبوں کو نقصان ہو یا فائدہ اللہ تعالیٰ نے امارت اور غربت کا فرق یک بغیر سود کو علی الاطلاق حرام کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا

اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کہا ہے۔

(البقرہ ۲۷۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (البقرہ ۲۷۹-۲۸۰)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم مومن ہو تو (زمانہ جاہلیت کا) باقی ماندہ سود چھوڑ دو O اور اگر تم ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سود کو مطلقاً حرام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سود مفرد کو بھی حرام کیا ہے اور ”لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً“ (آل عمران ۱۳۰) دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ“ فرما کر سود مرکب کو بھی حرام کیا ہے اور ہر جگہ مطلقاً سود کو حرام کیا ہے اور نجی اور کاروباری قرضوں کا فرق نہیں کیا۔ علاوہ ازیں تاریخ اور حدیث سے ثابت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کاروباری قرضوں پر سود لینے کا بھی عام رواج تھا۔

ابن جریر ”وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا“ (البقرہ ۲۷۸) کی تفسیر میں لکھتے ہیں

یہ وہ سود تھا جس کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں لوگ خرید و فروخت کرتے تھے۔

علامہ سیوطی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی اسانید کے ساتھ سدی سے یہ روایت بیان کی ہے کہ یہ آیت حضرت عباس بن عبدالمطلب اور ہونفیرہ کے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے یہ دونوں زمانہ جاہلیت میں شریک تھے اور انہوں نے ثقیف کے بنو عمرو بن عمیر میں لوگوں کو سودی قرض پر مال دے رکھے تھے۔ جب اسلام آیا تو ان دونوں کا بڑا سرمایہ سود میں لگا ہوا تھا۔ (درمثور ج ۱ ص ۳۶۶ مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۱۳ھ)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بڑے بڑے تاجر خوردہ فروشوں کے ہاتھ ادھر پر مال فروخت کرتے تھے اور اس پر سود لگاتے تھے اور اس سے واضح ہو گیا کہ زمانہ جاہلیت میں کاروباری اور تجارتی قرضوں پر سود لگانے کا عام رواج تھا اور اس کو اور بڑا کہا جاتا تھا۔ قرآن مجید نے عموم کے صیغہ سے سود کی ممانعت کی ہے خواہ وہ سود نجی قرضوں پر ہو یا تجارتی قرضوں پر۔

دوسرا اعتراض کہ بینک کے سود کے ناجائز قرار دینے کی بنا پر افراط زر کی وجہ سے روپے کی قدر گر جاتی ہے اگر بینک سے سود نہ لیا جائے تو بیس بائیس سال بینک میں رکھ دیا ہو ایک سو روپے کا وہ جائے گا اور یہ نقصان بینک سے نہ لینے کی وجہ سے ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے ناطے سے ہمارا ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے اور اس کے منہج کردہ کام سے بچنے کی وجہ سے اگر ہمیں کوئی مادی نقصان ہوتا ہے تو ہمیں اس کو خوشی سے گوارا کرنا چاہیے مسلمان کے نزدیک نفع اور نقصان کا معیار دنیوی اور مادی اعتبار سے نہیں ہے بلکہ اخروی اور معنوی اعتبار سے ہے دنیاوی اور مادی اعتبار سے زکوٰۃ قربانی اور حج کے لیے زکوٰۃ خرچ کرنا بھی مال کا ضیاع ہے اور نقصان ہے تو کیا اس مادی سطح نظر سے اس تمام مالی عبادات کو خیر ہاد کہہ دیا جائے گا؟ اور جب مسلمان مالی عبادات کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں تو سود کھ کر اللہ اور رسول سے اعلان جنگ کے لیے کیسے تیار ہو سکتے ہیں؟ ایک سچے مسلمان کے نزدیک سود چھوڑنے کی وجہ سے روپے کی قدر کم ہو جانا خسارہ نہیں ہے بلکہ اصل خسارہ یہ ہے کہ سود لینے کی وجہ سے آخرت برباد ہو جائے

اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ نقصان دراصل ہماری ایک اجتماعی تقصیر کی سزا ہے اور وہ یہ کہ ہم نے انسانی طریقہ مضاربہ کو رواج نہیں دیا کرنا یہ چاہیے کہ دوگ اپنے روپے کو بینک کی معرفت کاروبار میں لگائیں اور بینک ان کا روپیہ امانت رکھنے کی بجائے ان سے ایک عام شراکت نامہ طے کرے اور ایسے تمام اموال کو مختلف قسم کے تجارتی، صنعتی، زراعتی یا دوسرے ان جائز کاروبار میں جو بینک کے دائرہ عمل میں آسکتے ہوں لگائے اور اس مجموعی کاروبار سے جو منافع حاصل ہوا اسے ایک طے شدہ نسبت کے ساتھ ان لوگوں میں اسی طرح تقسیم کر دے جس طرح خود بینک کے حصہ داروں میں منافع تقسیم ہوتا ہے۔

افراط زر کی صورت میں اصل زر کو بحال رکھنے کا حل

ڈالر، پونڈ اور ریال وغیرہ مستحکم کرنسی ہیں اور عرف اور تعامل سے یہ مقرر اور ثابت ہے کہ ان کی قدر برقرار رہتی ہے پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش اور دیگر پس ماندہ ممالک کی طرح افراط زر کے نتیجہ میں وقت گزرنے کے ساتھ ان کی قدر میں کمی نہیں ہوتی سو جو شخص چار پانچ سال یا زائد عرصہ کے لیے بینک میں اپنا پیسہ رکھنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنی رقم کو ڈالر یا کسی اور مستحکم کرنسی میں منتقل کر کے ان بینکوں میں اپنی رقم رکھے جو غیر ملکی کرنسی میں بھی اکاؤنٹ کھولتے ہیں اسی طرح جو شخص کسی دوسرے شخص کو ملکی کرنسی میں مثلاً ایک ہزار روپے قرض دیتا ہے اور وہ شخص اس کو دس سال بعد ایک ہزار روپے واپس کرتا ہے تو دس سال بعد اس ایک ہزار روپے کی قدر ایک سو روپے رہ جائے گی اس ضرر سے بچنے کا بھی یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنی رقم کو ڈالر میں منتقل کر کے قرض دے اور جتنے ڈالر دیئے تھے اتنے ہی واپس لے لے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر اس نے ملکی کرنسی میں رقم قرض دی تھی اور مثلاً دس سال بعد اس کی قدر کم ہو گئی تو وہ اب بھی دس سال پہلے کی ملکی کرنسی جتنے ڈالر کے مساوی تھی دس سال بعد اتنی ملکی کرنسی واپس لے سکتا ہے مثلاً پہلے ایک ہزار روپے جتنے ڈالر کے مساوی تھے دس سال بعد اگر اتنے ڈالر کے دس ہزار روپے بنتے ہیں تو وہ دس ہزار روپے لے سکتا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں وہ بہر حال ایک ہزار روپے دے کر دس ہزار روپے لے رہا ہے اور معنوی طور پر خواہ ان کی قدر برابر ہو لیکن یہ صورت اصل رقم سے زائد لینا ہے اور ظاہری اور صورتی طور پر اس کے سود ہونے میں کوئی شک نہیں ہے نیز چونکہ یہ پہلے سے طے نہیں کیا گیا اس لیے یہ موجب نزاع بھی ہے افراط زر سے بچنے کے لیے ملکی کرنسی کو سونے چاندی سے بدل کر قرض دینا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ سونے چاندی میں ادھار جائز نہیں ہے۔

دارالحرب کے سود میں جمہور فقہاء کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں دارالحرب میں سود اسی طرح حرام ہے جس طرح دارالاسلام میں حرام ہے (امام احمد) امام مالک امام اوزاعی امام ابو یوسف امام شافعی اور امام اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا کہ مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب میں رہا جاری نہیں ہوگا اور ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ شخص دارالحرب میں مسلمان ہو گئے تو ان کے درمیان رہا نہیں ہوگا اور ان کے اموال مباح ہیں۔ (امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو دارالحرب میں احکام شرعیہ نافذ کرنے کی ولایت حاصل نہیں ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ دارالحرب میں مسلمانوں کا سود کھانا جائز ہے۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”حَذَرُ الزُّبُوٰ“ (البقرہ ۲۷۵) اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الزُّبُوٰ لَا يَقْوَمُونَ إِلَّا كَمَا يَقْوَمُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَيْمَنِ“ (البقرہ ۲۷۵) جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن) نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے شیطان نے مجبوظ الحواس کر دیا ہو نیز فرمایا ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الزُّبُوٰ“ (البقرہ ۲۷۸) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود چھوڑ دو اور احادیث میں بالعموم تفاضل کی ممانعت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا اس نے سودی معاملہ کیا باقی احادیث میں بھی اسی طرح تفاضل کی ممانعت ہے اور اس لیے کہ جو کام (مسلمانوں پر) دارالاسلام میں حرام ہیں وہ دارالحرب میں بھی حرام ہیں جس طرح مسلمانوں میں سود کا لین دین حرام ہے اور امام ابو حنیفہ نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ مرسل ہے جس کی صحت کا ہمیں علم نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں انفلکی کی بجائے نمی کے لیے ہو یعنی مسلمان دارالحرب میں حربی سے سود نہ لیں اور جس چیز کو قرآن مجید نے علی العموم والاطلاق حرام کر دیا ہے اور سنت مشہورہ سے بھی اس کی علی الاطلاق حرمت ثابت ہے اور اس نے حرام ہونے پر اجماع ہو چکا ہے اس کے عموم اور اطلاق کو ایسی خبر مجہول کے سبب سے ترک کر دینا جائز نہیں ہے جو کسی کتب صحیح میں ہے نہ مسند میں نہ کسی معتد اور مستند کتب میں ہے اور اس کے علاوہ یہ کہ وہ حدیث مرسل ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں انفلکی کا نہ ہو بلکہ نمی کا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے ”فَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَفِظَ اللَّهُ فِي الْحَيَاةِ“ (البقرہ ۹۷) حج میں جہان فسوق اور لڑائی جنگزائیں نہیں ہے۔ (الفتح ج ۳ ص ۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

دارالحرب کے سود میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں مسلمان اور حربی کے مابین دارالحرب میں رہا نہیں ہے۔ اس میں امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ کا اختلاف ہے وہ اس پر قیاس کرتے ہیں کہ حربی جب امان سے کر دارالاسلام میں آئے تو اس سے سود لینا جائز نہیں ہے اور ہماری دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے مسلمان اور حربی کے مابین دارالحرب میں رہا نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ دارالحرب میں ان کا مال مباح ہے خواہ مسلمان جس طریقہ سے ان کا مال حاصل کرے وہ مال مباح ہے بہ شرطیکہ دھوکا نہ دے اور عہد شکنی نہ کرے اور مستامن پر قیاس کرنا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ جب وہ امان سے کر دارالاسلام میں داخل ہوا تو اس کے مال کا لینا ممنوع ہو گیا۔ (ہدایہ اخیرین ص ۸۶ مطبوعہ مکتبہ شریعت مدینہ منورہ)

دارالحرب میں جواز رہا والی حدیث کی فنی حیثیت

علامہ زبیلی حنفی لکھتے ہیں امام بیہقی نے امام شافعی کی ”کتاب المسیر“ کے حوالے سے اس حدیث کو ”معرفہ“ میں ذکر کیا

ہے امام شافعی نے کہا امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا بعض مشائخ نے کھول سے روایت یا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل حرب کے مابین رہنا نہیں ہے میرا گنا ہے کہ آپ نے فرمایا اور اہل اسلام کے مابین امام شافعی نے فرمایا یہ ثابت ہے نہ اس میں کوئی جنت ہے۔ (مب ایراج ۴ ص ۴۴ مطبوعہ مجلس میں سورت ہند)

علامہ ابن ہمام نے بھی اس حدیث کی فنی حیثیت کے بارے میں یہی کچھ نقل کیا ہے

(فتح القدیر ج ۶ ص ۷۸ مطبوعہ مکتبہ دار الفکر بیروت)

دار الحرب میں رہا کے متعلق فقہاء احناف کے دلائل کا تجزیہ

ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ کھول کی روایت اول تو ثابت نہیں ہے اور بر تقدیر ثبوت اس میں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ مشہورہ سے معارضہ کی صلاحیت نہیں ہے۔ علامہ ابن ہمام نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ قرآن مجید نے جہاں رہا کو مطلقاً حرام کیا ہے وہ مال مظلور میں حرام کیا ہے اور حربی کا مال مباح ہے اور اس تو جیہ کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کھول کی یہ سرسل روایت نہ بھی ہوتی تب بھی دار الحرب میں حربی سے سود لینا مباح ہوتا۔ (فتح القدیر ج ۶ ص ۷۸ مطبوعہ مکتبہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابن ہمام کا یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ وہ "مال مظلور" کی قید لگا کر اپنی رائے سے قرآن مجید کے عموم اور اطلاق کو مقید کر رہے ہیں اور جب قرآن مجید کے عموم قطعی کو حدیث رسول سے بھی مقید کرنا صحیح نہیں ہے تو علامہ ابن ہمام کی رائے میں اتنی قوت کہاں کہ وہ قرآن مجید کے عموم اور اطلاق کے مزاحم ہو سکے۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ مشہورہ نے ہی الاطلاق سود کو حرام کر دیا ہے خواہ مسلمان سے سود لیا جائے یا کافر سے اور کافر خواہ حربی ہو یا ذمی اور دارالاسلام میں سوانیا جائے یا دارالحرب میں قرآن مجید نے ہر قسم کے سود کو حرام کر دیا ہے اور اس عموم کو نہ کھول کی سرسل اور غیر ثابت روایت سے مقید کیا جاسکتا ہے نہ علامہ ابن ہمام کی رائے سے۔

کھول کی روایت کا محمل

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ کھول کی یہ روایت صحیح ہے اور واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے "لا یسویس المسلم والحربی" مسلمان اور حربی میں سود نہیں ہے تو اس حدیث کی حسب ذیل توجیہات ہیں

اول اس حدیث میں "لا" نفی کا نہیں ہے بلکہ نفی کا ہے اور اس کا معنی ہے مسلمان اور حربی کے مابین سود کی ممانعت ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ "فَلَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ اَوْلِيَاءَ وَلَا يَتَّخِذُوا الْاِمْلَانَ اَوْلِيَاءَ" (البقرہ ۱۷۷) حج میں جماع فسوق اور زانی جھگڑا نہیں ہے یعنی ان افعال کی ممانعت ہے۔

ثانی اس حدیث میں حربی سے مراد محض غیر ذمی کافر نہیں ہے بلکہ ہر سر جنگ قوم کا ایک فرد مراد ہے اور اس قوم کے ساتھ حالت جنگ قائم ہو اس کو ہر طرح سے جانی اور مالی اعتبار سے زک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے اس لیے اس قوم سے کسی حربی کافر سے اگر کسی مسلمان نے سودی معاملہ کے ذریعہ اس کا مال لے لیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

ثالث: لاربو کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ حربی کافر سے جو سود لیا جائے گا وہ سود نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ دار الحرب میں رہنے والا مسلمان اگر چہ حربی کافر سے سود لیتا ہے تو اگر چہ یہ فعل گناہ ہے لیکن قانون و حرمت اور ممانعت سے مستثنیٰ ہے یعنی مسلمان حکومت اس شخص سے باز پرس نہیں کر سکتی کہ تم نے یہ عقد فاسد کیوں کیا ہے اور سود کیوں لیا ہے اور اس مسلمان کو اس کے اس غلط کام پر سزا نہیں دے سکتی کیونکہ دار الحرب میں رہنے والا مسلمان مسلمانوں کی روایت میں نہیں ہے اور اس پر مالی ریاست کے احکام جاری نہیں ہو سکتے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا فَاِنْ كُنْتُمْ مِنْ ذَاكُم مِّنْ
 قَوْمٍ مَّا تَدْعُوْهُمْ لِيُهَاجِرُوْا (سورہ البقرہ ۲۱۷)

اور جو لوگ ایمان لائے، مگر ہجرت کر کے (دارالاسلام
 میں) نہیں آئے اس پر تمہاری کوئی "داعیہ" نہیں ہے جس کی وہ
 ہجرت کر لیں

اس آیت میں یہ اصول بتایا گیا ہے کہ ولایت کا تعلق صرف ان مسلمانوں سے ہوگا جو دارالاسلام کے باشندے ہوں یہ
 آیت دارالاسلام سے باہر کے مسلمانوں کو (اپنی انوث کے باوجود) دارالاسلام کے مسلمانوں کے ساتھ پانی اور نہدی رشتے
 سے خارج کر دیتی ہے اس عدم ولایت کے نتیجہ میں دارالاسلام اور دارالحرب کے مسلمان ایک دوسرے کے دار ث نہیں ہو سکتے
 اور ایک دوسرے کے قانونی ولی نہیں ہو سکتے۔

ہم نے جو یہ بیان کیا ہے کہ دارالحرب میں بھی سود بینہ گناہ ہے اور "لار موبین المسلمین و العویس" کا ہادیہ ہے کہ
 اس پر سود لینے کی دنیاوی سزا جاری نہیں ہوگی کیونکہ وہ مسلمانوں کی ولایت میں نہیں ہے اس کی تائید علامہ سرخسی کی ذکر کردہ
 ان احادیث سے ہوتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ کی طرف لکھا جس شخص نے سود لیا ہمارے اور اس کے درمیان کوئی عہد نہیں
 ہے اور مجوس ہجر کی طرف لکھا یا تو تم سود چھوڑ دو یا اللہ اور اس کے رسول سے اعلان جنگ قبول کر لو۔

(المصنف ج ۱۳ ص ۵۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

نصاریٰ نجران اور مجوس ہجر حبشی تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی اپنے علاقوں میں سود لینے کی اجازت
 نہیں دی اور جب آپ نے حبشی کافروں کو سود لینے کی اجازت نہیں دی ہے تو آپ دارالحرب کے مسلمانوں کو سود خوری کی
 اجازت کب دے سکتے ہیں!

پیر محمد کرم شاہ الزہری نے نکل کی روایت کی توجیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حالت اضطرار میں مسلمان حربی کافر سے
 سود لے سکتا ہے۔ یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ سود لینے میں نو اضطرار ہو سکتا ہے مثلاً کسی شخص کو اپنی ناگزیر ضرورت میں بغیر سود
 کے قرض نہ ملے لیکن سود لینے میں اضطرار کا کوئی تعلق نہیں ہے سود لینے کی وجہ صرف ماں کی حرص اور جلب زر کی خواہش ہوتی
 ہے۔

دارالحرب کے سود کے بارے میں امام ابو حنیفہ کے قول کی وضاحت

امام اعظم نے جو یہ کہا ہے کہ دارالحرب میں مسلمان اور حربی کے درمیان رہا نہیں ہے ان کی بھی اس قول سے یہی مراد
 ہے کہ چونکہ دارالحرب مسلمانوں کی ولایت میں نہیں ہے اس لیے مسلمان حکام وہاں کسی مسلمان کے سود لینے پر اس سے
 مواخذہ نہیں کریں گے اور وہ اس کا مالک ہو جائے گا لیکن اس کا یہ فعل گناہ ہے اور وہ اس پر اخروی عذاب کا مستحق ہے اس کی
 وضاحت علامہ سرخسی کی اس عبارت سے ہوتی ہے۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ دارالاسلام کی حفاظت میں آنے سے پہلے اسلام سے جو عصمت ثابت ہوتی ہے وہ صرف امام
 کے حق میں ہے احکام کے حق میں نہیں ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر ان دو مسلمانوں میں سے کوئی ایک دوسرے کا مال یا اس کی
 جان تلف کر دے تو اس پر ضمان نہ ہوگا حالانکہ وہ اس فعل کی وجہ سے گنہگار ہوگا دراصل احکام میں عصمت صرف دارالاسلام میں
 رہنے سے ہوتی ہے نہ کہ دین کی وجہ سے کیونکہ دین تو حق شرع کے لحاظ سے ان لوگوں کو روکتا ہے جو اس دین کا اعتقاد رکھتے

۱۔ مابعد فیائے حرم ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

ہیں اور جو اس کا اعتقاد نہیں رکھتے ان کو نہیں روکتا اس کے برخلاف جب انسان دارالاسلام میں ہو تو اس کے مال کی حفاظت اس شخص سے بھی کی جائے گی جو اس کی حرمت کا اعتقاد رکھتا ہے یا اس دین کا اعتقاد نہیں رکھتا پس گناہ ہونے کی حیثیت سے جو عصمت ثابت ہے اس اعتبار سے ہم نے کہا ان کا یہ فعل مکروہ ہے اور قانون کے لحاظ سے عدم عصمت کی بناء پر (چونکہ مسلمانوں کی ولایت میں نہیں ہے) ہم نے یہ کہا کہ اس کا لیا ہوا مال واپس کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا کیونکہ ان میں سے ہر ایک جب دوسرے کا مال لیتا ہے تو شخص لینے کی وجہ سے ہی اس مال کا مالک ہو جاتا ہے۔

(المصنوع ج ۱۳ ص ۵۸ مطبوعہ دارالمرکز بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام اعظم کا یہ اصول ہے کہ اگر مسلمان دارالحرب میں کوئی عقد فاسد کرے تو وہ اس سے مالک تو ہو جائے گا لیکن اس کا یہ فعل گناہ ہے۔ علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

اگر دو حربی مسلمان ہو جائیں اور دارالحرب سے ہجرت نہ کریں اور آپس میں سود کا معاملہ کریں تو میں اس کو مکروہ (تحریمی) قرار دیتا ہوں لیکن یہ سود واپس نہیں کروں گا اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

(المصنوع ج ۱۳ ص ۵۸ مطبوعہ دارالمرکز بیروت ۱۳۹۸ھ)

ان عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر دارالحرب میں رہنے والے مسلمان آپس میں سود لیں یا مسلمان حربی کافر سے سود لے تو وہ اس سود کا مالک ہو جائے گا لیکن سود لینے والا مسلمان بہر حال گنہگار ہوگا۔ کیا سود اور دیگر عقد فاسدہ کے ذریعہ حربی کافروں کا پیسہ ہونا جائز ہے؟

جب مسلمان کسی کافر قوم سے برسر جنگ ہوں اس وقت کافروں کا ملک دارالحرب ہوتا ہے اور اس وقت دارالحرب کے کافروں کی جان اور اموال مباح ہیں لیکن جن ممالک سے مسلمان برسر جنگ نہیں ہیں ان سے سفارتی تعلقات قائم کیے ہوئے ہیں اور ان کے ہاں پاسپورٹ اور ویزے میں آنا جانا جاری اور معمول ہے اور ان ممالک میں مسلمانوں کو جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ حاصل ہے بلکہ وہاں انہیں اسلامی احکام پر عمل کرنے کی بھی آزادی ہے جیسے امریکہ، برطانیہ، کینیڈا اور جرمنی وغیرہ ایسے ممالک دارالحرب نہیں ہیں بلکہ دارالکفر ہیں اور ایسے ممالک کے کافروں کے اموال ان پر مباح نہیں ہیں۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ کافروں کا مال مسلمانوں پر مباح ہے خواہ جس طرح حاصل ہو بشرطیکہ اس سے مسلمانوں کا دقار مجروح نہ ہو ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ
إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (۲۹: ۲۵)

اس آیت سے یہ لوگ اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ قرآن مجید نے مسلمانوں کو آپس میں ناجائز طریقے سے مال کھانے سے منع کیا ہے اور اگر مسلمان کافروں کا مال ناجائز طریقے سے کھالیں تو اس سے منع نہیں کیا گیا سو مسلمانوں کے لیے کفار کے اموال عقد فاسد سے یا ناجائز طریقے سے کھانا جائز ہے۔

یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید کا عام اسلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکارم اطلاق سے مسلمانوں کو خطاب کرتا ہے لیکن اس سے قرآن کا منشا یہ نہیں ہے کہ لیگی صرف مسلمانوں کے ساتھ کی جائے اور کفار کے ساتھ سلوک میں مسلمان نیکیوں کو چھوڑ کر بدترین برائیوں پر اتر آئیں حتیٰ کہ کفار کے نزدیک مسلمان ایک خائن اور بدکردار قوم کے نام سے معروف ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَكْرِهُوا أَخْتِيَكُمْ عَلَى الْبَيْعَةِ إِنَّ أَدْنَىٰ مَحْفُظًا
لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (النور ۳۲)

اور اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ پاک
دامن رہنا چاہتی ہوں تاکہ تم (اس بدکاری کے کاروبار کے ذریعہ)
دنیا کا عارضی فائدہ طلب کرو۔

کیا اس آیت کی رو سے مسلمانوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی دارالکفر میں کافر عورتوں کا کوئی قحبہ خانہ کھول کر کاروبار کرنا
شروع کر دیں؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ
تَخُونُوا أَمْلَاقَكُمْ وَأَنْفُسَكُمْ تَعْلَمُونَ (۱۱ نمل ۲۷)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو، اور نہ
اپنی امانتوں میں خیانت کرو درآں حالیکہ تم جانتے ہو ○

کیا اس آیت سے مسلمانوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کافروں کی امانتوں میں خیانت کر لیں کریں؟
وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ (النمل ۹۳)

اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا دینے کے لیے بہانہ نہ
بناؤ۔

کیا اس آیت کا یہ معنی ہے کہ کافروں سے دروغ حلفی میں کوئی مضائقہ نہیں؟
إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ

آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (النور ۱۹)

کرتے ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب
ہے۔

کیا اس آیت سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ کافروں میں بے حیائی اور بدکاری کو پھیلانا جائز اور مسوab ہے اور اخروی ثواب
کا موجب ہے؟

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا غشاء یہ ہے کہ اخلاق اور کردار کے اعتبار سے دنیا میں مسلمان ایک آئینہ قوم کے لحاظ
سے بچنے والے جہان میں غیر اقوام مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق اور کردار کو دیکھ کر متاثر ہوں مسلمانوں کی امانت اور دیانت کی ایک عالم

میں دھوم ہو کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کفار قریش ہزار اختلاف کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی راست بازی پارسی امانت اور
دیانت کے معترف اور مداح تھے۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں تلوار اور جہاد سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر کمال سیرت کا

حصہ ہے۔ مسلمانوں کی کفار سے لڑائی تیر و تفنگ کی نہیں اصول اور اخلاق کی لڑائی ہے اس کا نصب العین زور و زور میں کا حصول
نہیں بلکہ دنیا میں اپنے اصول اور اقدار کو پھیلانا ہے۔ اب اگر اس نے اپنے مکارم اخلاق ہی کو کھود دیا اور خود ہی ان اصولوں اور

تعمیمات کو قربان کر دیا جن کو پھیلانے کے لیے وہ کھڑا ہوا ہے تو پھر اس میں اور دوسری اقوام میں کیا فرق رہے گا ورنہ کس چیز کی
وجہ سے اس کو دوسروں پر فتح حاصل ہوگی اور کس قوت سے وہ دلوں اور روحوں کو متحرک کر سکے گا؟

جو لوگ دارالکفر میں حربی کافروں سے سود لینے کو جائز کہتے ہیں اور حربی کافروں کے اموال کو عقد فاسد سے ساتھ لینے کو
جائز قرار دیتے ہیں وہ اس پر کیوں غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس عمل کی مذمت کی ہے کہ انہوں نے

مسلمانوں کا حق کھانے کے لیے یہ مسکد ہڑ لیا تھا کہ عرب کے امی جو ہمارے مذہب پر نہیں ہیں ان کا مال جس طرح ملے رہا
ہے غیر مذہب والوں کی امانت میں خیانت کی جائے تو کچھ گناہ نہیں خصوصاً وہ عرب جو اپنے آبائی وطن چھوڑ کر مسلمان بن گئے
ہیں خدا نے ان کا مال ہمارے لیے حلال کر دیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَامَنَهُ يَدِيْنَايْ لَا يُؤَدِّيْكَ اِلَيْكَ
اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَابِلًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اَيُّسَ عَلَيْنَا
فِي الْاٰمَاتِيْنَ سَبِيْلٌ وَيَقُوْلُوْنَ عَلٰى اٰلِهٰ الْكَذِبِ وَهُمْ
يَعْلَمُوْنَ (آل عمران ۷۵)

اور اس یہودیوں (میں سے) جنہیں آپ تمہارا
کے پاس ایک اشرفی امانت رکھو وہ جب تک تم اس سے یہ
کھڑے نہ رہو وہ تم کو واپس نہیں دیں گے یہ اس لیے ہے کہ
انہوں نے کہہ دیا کہ امیوں (مسلمانوں) کا مال بیتہ سے ہماری
پکڑ نہیں ہوگی اور یہ لوگ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے
ہیں

غور کیجئے جو لوگ دارالکفر میں حربی کافروں سے سود لینے اور عقد فاسد پر ان سے معاملے وچاز کئے ہیں ان سے ملے ہیں
اور یہودیوں کے اس مذموم عمل میں کیا فرق رہ گیا؟
حضرت ابوبکر کے قمار کی وضاحت

جو لوگ حربی کافروں سے سود لینے کو چاز کہتے ہیں ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت ابو بکر نے مکہ میں ابی بن خلف
سے بل روم کی فتح پر شرط لگائی تھی اس وقت مکہ دارالحرب تھا حضرت ابوبکر نے ابی بن خلف سے شرط جیت کر وہ رقم وصول کر
لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رقم لینے سے منع نہیں کیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ حربی کافروں سے قمار اور دیگر عقود
فاسدہ کے ذریعہ رقم بٹورنا جائز ہے۔

یہ استدلال بالکل بے جان ہے کیونکہ حضرت ابوبکر کے شرط لگانے کا ذکر جن روایات میں ہے وہ باہم متعارض ہیں۔
قاضی بیضاوی بغوی علامہ آوسی اور دیگر مفسرین نے بغیر کسی سند کے یہ واقعہ ذکر کیا ہے جس میں حضرت ابو بکر نے شرط جیتنے کا
بیان ہے کہ حضرت ابوبکر نے ابی بن خلف سے یہ شرط لگائی کہ اگر تین سال کے اندر رومی ایرانیوں سے مار گئے تو وہ اس اونٹ
دیں گے اور اگر تین سال کے اندر رومی ایرانیوں سے جیت گئے تو ابی کو دس اونٹ دینے ہوں گے پھر جب حضور سے اس شرط کا
ذکر کیا تو آپ نے فرمایا یہ تم نے کیا کیا ہے 'بضع کا لفظ تو تین سے لے کر نو تک ہوا جاتا ہے تم شرط اور مدت دونوں کو بڑھا دیا
پھر حضرت ابوبکر نے نو سال میں سوا اونٹوں کی شرط لگائی جب ساتواں سال شروع ہوا اور ابن ابی حاتم اور ابن عساکر نے روایت
میں ہے کہ جنگ بدر کے دن رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے حضرت ابو بکر نے ابی سے ورتا۔ سے ورت سے یہ اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کے پاس وہ اونٹ لے کر آئے آپ نے فرمایا یہ سخت (مال حرام) ہے اس کو صدقہ کر دو حالانکہ اس وقت تک حرمت
قرار کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ (راوی المعانی ج ۲ ص ۱۸ مطبوعہ دارالاحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ آوسی نے ترمذی کے حوالے سے بھی حضرت ابوبکر کے جیت جانے کا واقعہ لکھا ہے لیکن یہ علامہ آوسی کا تسبیح
ہے۔ "جامع ترمذی" میں حضرت ابوبکر کے شرط بار نے کا ذکر ہے حافظ ابن کثیر نے بھی ترمذی کے حوالے سے مارنے کی کا
ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ تابعین کی ایک جماعت نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور مفسرین کی ذکر کردہ سند روایت کا
عطا خراسانی کے حوالے سے بیان کیا ہے اور اس کو غریب قرار دیا ہے۔

(تفسیر القرآن العظیم ج ۵ ص ۳۳۲۔ ۳۳۱ مطبوعہ دارالاحیاء التراث العربی بیروت)

"جامع ترمذی" کی روایت کا متن یہ ہے

نبار بن اسلمی بیان کرتے ہیں: جب یہ آیات نازل ہوئیں "اَللّٰهُ غُلِبَتِ الرُّومُ نَفِیْ اَذٰی الْاَرْضِ وَهَٰؤُلَآءِ مِمَّنْ بَعْدُ
عَلَيْهِمْ سَيُغْلِبُوْنَ" (الروم ۴۱) الم بل روم قریب کی زمین میں (فارسی سے) مغلوب ہو گئے۔

اپنے مغلوب ہونے کے بعد چند سالوں میں غالب ہو جائیں گے۔ جن دنوں یہ آیات نازل ہوئیں ان دنوں میں ابراہیم کو رومیوں پر برتری تھی اور مسلمانوں کی خواہش تھی کہ رومی ابراہیموں پر فتح پا جائیں کیونکہ وہ اور رومی اہل کتاب تھے اور ای کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ”وَيُؤْمِنُ بِفَعْلِ اللَّهِ وَنُورِهِ“ (يُنْصِرُ اللَّهُ يُنْصِرُ مَن يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ) (الروم ۵۳) جس دن مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے اللہ تعالیٰ جس کی چاہنا ہے مدد کرنا ہے اور وہ عزیز رحیم ہے اور قریش یہ چاہتے تھے کہ ابراہیم غالب ہو جائیں کیونکہ وہ دونوں نہ اہل کتاب تھے نہ بشت پر ایمان رکھتے تھے؛ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت ابوبکر نے مکہ کے اطراف میں یہ اعلان کر دیا اہل روم قریب کی زمین میں (فارس سے) مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے چند سالوں میں غالب آجائیں گے۔ قریش کے کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر سے یہ کہا تمہارے پیغمبر یہ کہتے ہیں کہ چند سالوں میں رومی ابراہیموں پر غالب ہو جائیں گے کیا ہم اس پر شرط نہ لگائیں؟ حضرت ابوبکر نے کہا کیوں نہیں اور یہ قمار کی حرمت نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ تھا پھر حضرت ابوبکر اور شرکین نے شرط لگائی شرکین نے کہا ”بصع مسین“ تین سالوں سے لے کر نو سال تک ہے تم ہمارے درمیان اس کی درمیانی مدت طے کرو پھر انہوں نے یہ مدت چھ سال طے کی پھر چھ سال گزر گئے اور رومی غالب نہ ہوئے پھر مسلمانوں نے حضرت ابوبکر پر تعہد کی کہ انہوں نے ”بصع مسین“ کو چھ سال کیوں قرار دیا؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو ”بصع مسین“ فرمایا تھا (اور وہ نو سال تک کو کہتے ہیں) امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۶۰، سلوہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابوبکر کے قمار سے جو یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ حربی کافروں کا مال ناجائز طریقے سے بھی لینا جائز ہے اس روایت کی تحقیق کے بعد اس کے حسب ذیل جواب ہیں:

- (۱) حضرت ابوبکر کے قمار کا واقعہ جن روایات سے ثابت ہے وہ مضطرب ہیں بعض روایات میں حضرت ابوبکر کے جیتنے کا ذکر ہے اور بعض میں ہارنے کا ذکر ہے اور مضطرب روایات سے استدلال صحیح نہیں ہے۔
- (۲) قمار کا یہ واقعہ بالاتفاق حرمت قمار سے پہلے کا ہے کیونکہ یہ شرط فتح مکہ سے پہلے لگائی گئی تھی اور قمار کی حرمت سورہ مائدہ میں نازل ہوئی ہے جو مدینہ میں سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی۔
- (۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال کو نہ خود قبول فرمایا نہ حضرت ابوبکر کو لینے دیا بلکہ فرمایا یہ مال حرام ہے اس کو صدقہ کر دو (اس میں یہ دلیل ہے کہ جب انسان کسی مال حرام سے بری ہونا چاہے تو برأت کی نیت سے اس کو صدقہ کر دے)۔

دار الحرب، دار الکفر اور دار الاسلام کی تعریفات

شمس المآثرہ سرخسی دار الحرب کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک دار الحرب کی تین شرطیں ہیں ایک یہ کہ اس پر رے علاقے میں کافروں کی حکومت ہو اور درمیان میں مسلمانوں کا کوئی ملک نہ ہو دوسری یہ کہ اسلام کی وجہ سے کسی مسلمان کی جان مال اور عزت محفوظ نہ ہو اسی طرح ذمی بھی محفوظ نہ ہو تیسری شرط یہ ہے کہ اس میں شرک کے احکام ظاہر ہوں۔

یہ تعریف اس ملک پر صدق آئے گی جس ملک سے مسلمان عملاً برسر جنگ ہوں اس ملک کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم نہ ہوں اور وہاں کسی مسلمان کی اس کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے جان مال اور عزت محفوظ نہ ہو جیسا کہ کسی زمانہ میں اسپین میں تھا وہاں ایک ایک مسلمان کو چن چن کر قتل کر دیا گیا وہاں مذہب اسلام پر قائم رہنا قانوناً جرم تھا۔ ایسے ملک سے مسلمانوں پر ہجرت کرنا فرض ہے۔ فقہاء احناف نے حربی کافروں کی جان اور مال کے مباح ہونے کی جو تصریح کی اس سے اسی

دارالحرب کے باشندے مراد ہیں۔

کافروں کے وہ ملک جن سے مسلمانوں کے تجارتی تعلقات ہیں، تجارت اور دیگر نوع کے معاہدات ہیں، یا بیوروٹ اور ویزے کے ساتھ ایک دوسرے کے ملک میں آنے جانے ہیں۔ مسلمانوں کی جان، مال اور عزت محفوظ ہیں بلکہ مسلمانوں کو وہاں اپنے مذہبی شعائر پر عمل کرنے کی بھی آزادی ہے جیسے امر بکا، برہان، بالینڈ، برنی اور افریقی ملک۔ یہ ملک دارالحرب ہیں۔ بلکہ دارالکفر ہیں، فقہاء احناف نے اسلامی احکام پر عمل کرنے کی آزادی سے، شفقہ سے لگوں کو دارالاسلام سے باہر لیکن یہ حکام دارالاسلام ہیں، فقہ دارالکفر ہیں۔ بعض اوقات فقہاء دارالکفر پر مجبور دارالحرب کا اعلان بھی کر دیتے ہیں لیکن یہ ملک حقیقتہ دارالاسلام ہیں نہ دارالحرب بلکہ دارالکفر ہیں۔ کافروں کی حکومت کی وجہ سے کبھی اس پر دارالحرب کا اعلان کر دیا جاتا ہے اور اسلامی احکام پر عمل کی آزادی کی وجہ سے کبھی اس پر دارالاسلام کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن صرف اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جن کو شیطان نے چھو کر مخلوط الحواس کر دیا ہو۔ (البقرہ: ۲۷۵)

قیامت میں سود خور کے مخلوط الحواس ہو کر اٹھنے سے جن چڑھنے پر اسناد مال اور اس کا جواب

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آپ کو ان باتوں سے بچاؤ جن کی منفعت نہیں ہوگی، مال غنیمت میں خیانت کرنے سے، سو جس نے خیانت کی وہ قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز کو لے کر آئے گا اور سود کھانے سے، سو جس نے سود کھا یا وہ قیامت کے دن مخلوط الحواس باطل کی طرح اٹھے گا پھر آگ نے یہ آیت پڑھی جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن صرف اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر مخلوط الحواس کر دیا ہو۔ (ترمذی: ۱۸۱۸، مسند احمد: ۶۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سود خوروں کی یہ علامت بنا دے گا اور قیامت کے مجمع عظیم میں جو شخص پاگلوں کی طرح مخلوط الحواس کھڑا ہوگا اسے دیکھ کر قیامت کے دن سب پہچان لیں گے کہ یہ شخص دنیا میں سود خور تھا۔ مس کا اصل معنی چھونا ہے، بعض اوقات اس کا استعمال کسی بڑائی اور مصیبت پہنچنے کے لیے بھی ہوتا ہے، قرآن مجید میں ہے: حضرت ایوب علیہ السلام نے دعا کی:

اٰیُّ مَسِّئِي الشَّيْطٰنِ يَنْصِبُ دَعَاۤیَ ۙ

شیطان نے مجھے بڑی اذیت اور سخت تکلیف پہنچائی ہے ○

(مس: ۴۱۰)

نیک بندوں پر تو شیطان کا اس سے زیادہ اثر نہیں ہوتا کہ وہ ان کو کسی اذیت اور آزمائش میں مبتلا کر دے، لیکن عام لوگ جن کی رگوں میں شیطان سیال خون کی طرح دوڑتا ہے ان میں سے جو فاسق و فاجر ہوتے ہیں کبھی کبھی ان کی قتل اور دہشت پر بھی شیطان کا تسلط ہو جاتا ہے، اور وہ پاگلوں کی طرح کپڑے پھاڑتے ہیں اور منہ سے جھاگ اڑاتے ہوئے پریشان حال، پرانندہ بال، جدھر سیمکھ سانسے خاک اڑاتے پھرتے ہیں۔ ان کو یہ سزا اس لیے دی جائے گی کہ دنیا میں سود خورینہ مال بڑھانے کی حرص میں اس طرح دیونہ ہو چکا تھا کہ اس کو نہ خوف خدا تھا نہ کسی ضرورت مند اور مصیبت زدہ پر اس کو ترس آتا تھا اور سود خوری کی محبت میں وہ بالکل مجنون ہو چکا تھا اس لیے قیامت کے دن اس کو پاگلوں کی طرح مخلوط الحواس اٹھایا جائے گا۔ اہل عرب پاگل شخص کو مجنون کہتے ہیں یعنی یہ آسیب زدہ شخص ہے یا اس پر جن بھوت کا سایہ ہے یا جن کے چھونے کی وجہ سے یہ پاگلوں کی سی حرکتیں کر رہا ہے اور مخلوط الحواس اٹھے گا عرب کے اسی سلوب اور محاورہ کے مطابق قرآن مجید نے یہ بیان کیا ہے

کہ قیامت کے دن سود خور پاگلوں کی طرح مضبوط لحواس اٹھے گا اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی آدمی پر جن چیزیں جاتا ہے پھر اس کے جسم پر جن کا تصرف ہوتا ہے جن اس کی زبان سے باتیں کرتا ہے اور مافوق الفطرت کام کرتا ہے قرآن مجید اس مفہوم کی تائید اور تصدیق نہیں کر رہا جیسا کہ علامہ آدی نے سمجھا ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

بہنہ کسی جسم میں ایک متعفن روح داخل ہو جاتی ہے جس کی اس جسم کی روح کے ساتھ مناسبت ہو پھر اس شخص پر مکمل جنون طاری ہو جاتا ہے اور بعض اوقات یہ بخار (متعفن روح) انسان کے حواس پر غلبہ ہو کر اس کو معطل کر دیتا ہے پھر یہ خبیث روح اس کے جسم پر مستقل تصرف کرتی ہے اس کی زبان سے کلام کرتی ہے اور اس کے اعضاء میں تصرف کرتی ہے اور جس شخص کے جسم میں یہ روح تصرف کرتی ہے اسے اس کا بالکل شعور نہیں ہوتا اور یہ چیز محسوس اور مشاہدہ میں ہے اس کا صرف وہی شخص نکار کرے گا جو مشاہدات کا منکر ہو گا۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۲۹ مطبوعہ دارالمیاء التراث العربی بیروت)

علامہ آدی بڑے پائے کے محقق ہیں ہمارے دل میں ان کا بڑا احترام ہے اس کے باوجود وہ انسان ہیں اور انسانی فردگزاشت سے خالی نہیں ہیں یہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے تحقیق کے خلاف لکھا ہے اللہ تعالیٰ کسی انسان کے جسم پر کسی اور روح کو تصرف کرنے کا اختیار نہیں دیتا اللہ تعالیٰ نے انسان کو احکام شرعیہ کا مکلف کیا ہے یہ چیز اس قاعدہ کے خلاف ہے نیز اگر ایسا ہو تو ایک آدمی سی قتل کر دے گا اور بعد میں کہہ دے گا کہ یہ کام میں نے نہیں کیا مجھے اس کا پتا نہیں مجھ پر اس وقت کسی جن کا اثر تھا یہ قتل اسی نے کیا ہے اسی طرح ہر شخص کوئی بھی قانون شکنی کرے عدالت سے یہ کہہ کر بری ہو سکتا ہے کہ اس قانون شکنی کے وقت میں کسی خبیث جن کے زیر اثر تھا اور یوں دنیا فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن جائے گی اور امن اور سکون غارت ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ بیع سودی کی مثل ہے اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔ (البقرہ: ۲۷۵)

ربا اور بیع کا فرق

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ سود خوروں کو قیامت کے دن مجنوں اور مضبوط لحواس شخص کی طرح اس سے بے انتہا جابے گا کہ وہ دنیا میں کہا کرتے تھے کہ بیع سودی کی مثل ہے یہ ظاہر ان کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ سود بیع ہی کی مثل ہے لیکن انہوں نے سود کے جائز اور حلال ہونے میں مبالغہ کیا اور جواز اور حلت میں سود کو اصل اور مشبہ بہ قرار دیا ان کا یہ قیاس فاسد تھا اللہ تعالیٰ نے صریح عبارت سے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

سود خوروں کا یہ کہنا کہ سود بیع کی طرح ہے بدائشہ باطل ہے سود اور بیع کے فرق کی بہت سی وجوہ ہیں جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

(۱) بیع میں تاجر دس روپے کی چیز کو مثلاً بارہ روپے کی بیچتا ہے اور دس روپے کی چیز پر دو روپے زائد لیتا ہے اور سود میں سود خور ایک ماہ کے لیے مثلاً دس روپے قرض دیتا ہے اور اس کے عوض بارہ روپے وصول کرتا ہے اور اس سے اصل رقم پر دو روپے زائد وصول کرتا ہے لیکن ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ تاجر دس روپے کی چیز کو منڈی سے تھوک فردشوں سے تھوک کے حساب سے زیادہ مقدار میں خریدتا ہے وہاں سے کسی گاڑی میں وہ سامان ادا کرتا ہے پھر وہ چیز بارہ روپے میں فروخت کرتا ہے اس پر اس میں اس دو روپے کے نفع پر تاجر کا وقت اس کی محنت اور اس کی ذہانت سب فہم ہوتی ہے اس لیے خریدار اس نفع کو تاجر کا جائز حق سمجھتا ہے اور وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ اگر وہ اپنا وقت اور رائیہ خرچ کر کے منڈی

جائے تب بھی اس کو تھوک فروختوں سے تھوک کے بھاؤ پر یہ چیز نہیں ملے گی اس کے برعکس سود خور دس روپے پر ایک ماہ بعد جو دو روپے زائد لے رہا ہے اس کے لیے اس کے وقت محنت اور ذہانت میں سے کوئی چیز خرچ نہیں ہوئی۔

(۲) تاجر جب اپنا روپیہ تجارت میں لگانا ہے تو اس میں نفع اور نقصان کے دونوں امکان ہیں اس کے برعکس سود خور جو اپنے روپے پر سود وصول کر رہا ہے اس کو نقصان کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

(۳) تجارت میں بیع اور قیمت کے تبادلہ کے بعد بیع مکمل ہو جاتی ہے لیکن سود میں اصل رقم واپس کرنے کے بعد اس پر سود در سود کا سلسلہ عرصہ دراز تک قائم رہتا ہے۔

ربا کو بہ تدریج حرام کرنے کا بیان

شراب کی طرح سود کو بھی اللہ تعالیٰ نے بہ تدریج حرام کیا ہے سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں سود کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَا أَتَيْنَكُمْ مِنْ رَبٍّ لِيَرْبُوا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللَّهِ وَمَا أَتَيْنَكُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُزِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَإُولَئِكَ هُمُ الْمُضْطَرِفُونَ ○ (الرہم ۳۹)

اور جو مال تم سود حاصل کرنے کے لیے دیتے ہو کہ وہ مال لوگوں کے مال میں شامل ہو کر بڑھتا ہی رہے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو تم اللہ کی رضا جوئی کے لیے زکوٰۃ دیتے ہو تو وہی لوگ اپنا مال (بہ کثرت) بڑھانے والے ہیں ○

اس آیت میں صراحتہً سود کو حرام نہیں فرمایا صرف اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔ سود کے متعلق یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی اور باقی آیات مدینہ میں نازل ہوئیں دوسری آیت یہ ہے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا: یہود کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر کئی ایسی پاک چیزیں حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال کی گئی تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہ کثرت روکتے تھے نیز فرمایا:

وَآخِذْهُمْ بِالْآيَاتِ الَّتِي بَوَّأْتُمْ لَهَا أَنْفُسَهُمْ وَأَطِيعُوا أَمْرَ اللَّهِ وَالْأَمْرَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (النساء ۶۱)

اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ ان کو سود پینے سے منع کیا گیا ہے اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے۔

اس آیت میں بھی مسلمانوں کو سودی کاروبار سے صراحتہً منع نہیں فرمایا صرف یہ اشارہ فرمایا کہ یہود پر عتاب کی وجہ ان کا سودی کاروبار تھا پھر یہ آیت نازل فرمائی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالِ الْيَتَامَىٰ أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ○ (آل عمران ۱۳۰)

اے ایمان والو! یتیموں کا سود نہ کھاؤ۔

اس آیت میں بھی مطلقاً سود سے منع نہیں فرمایا بلکہ سود در سود سے منع فرمایا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زیر بحث آیت میں مطلقاً سود کو حرام فرمادیا:

وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ○

اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کر دیا۔

(البقرہ ۲۷۵)

نیز فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود کو پھوڑو،

اگر تم سوائس ہو۔

الزَّيْبِ إِنَّ كُنْتُمْ مَشْهُورِينَ ۝ (البقرہ: ۲۷۵)

رہا کو حرام قرار دینے کی حکمتیں

اسلام نے حرکت اور عمل کی تعلیم دی ہے دشتِ واروں کے ساتھ حسن سلوک، مسایوں سے ہمدردی، فقر، اور مساکین اور دیگر ضرورت مندوں کے ساتھ شفقت اور ایثار کی تلقین کی ہے اسلام کسی ایسے کسب کی اجازت نہیں دیتا جس میں انسان کی کوشش اور جہد کا دخل نہ ہو وہ صدقہ کرنے اور قرض حسن دینے کی ترغیب دیتا ہے اور ضرورت مندوں کے استحصال سے منع کرتا ہے اور ہر اس چیز کو حرام قرار دیتا ہے جو عداوت، بغض، منافقت، و نزاع کا موجب ہے اور کینہ، حسد، حرص اور طمع کی بیج بکھرتی کرتا ہے اور مال کو صرف جائز اور مشروع طریقہ سے لینے کی اجازت دیتا ہے جس میں کسی پر ظلم نہ ہو اور چند باتوں میں عداوت کے مرتکز ہو جانے کو ناپسند کرتا ہے ان اصولوں کی روشنی میں رہا کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے رہا کے حرام ہونے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) سود خوری کی وجہ سے انسان بغیر کسی عمل کے پیسہ کمائے گا عادی ہو جاتا ہے یونکہ سود کے ذریعہ تجارت یا صنعت و حرفت میں کوئی جدوجہد کیے بغیر پیسہ حاصل ہو جاتا ہے۔

(۲) سود میں بغیر کسی عوض کے نفع ملتا ہے اور شریعت نے بغیر حق شرعی کے مال لینے کو ناجائز قرار دیا ہے اور کمزوروں اور ناداروں کے استحصال سے منع کیا ہے۔

(۳) سود خوری کی وجہ سے مفلسوں اور ناداروں کے دلوں میں امرا، اور سرمایہ داروں کے خلاف کینہ اور بغض پیدا ہوتا ہے۔

(۴) سود خوری کی وجہ سے صلہ رحمی کرنے، صدقہ و خیرات کرنے اور قرض حسن دینے ایسے مکارم، خلاق مہ جاتے ہیں پھر انسان ضرورت مند غریب کی مدد کرنے کے بجائے اس کو سود پر قرض دینے کو ترجیح دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے بصیحت آگئی پس وہ (سود سے) باز آ گیا تو جو چھوہ پہلے لے چکا ہے وہ اس کا ہو گیا اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جس نے دوبارہ اس کا اعادہ کیا تو وہی لوگ دوزخی ہیں وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ۝ (البقرہ: ۲۷۵)

سود خور کے لیے دائماً دوزخ کی وعید کی توجیہ

یعنی جس شخص کو سود کا حرام ہونا معلوم ہو گیا اور وہ سود خوری سے رک گیا تو سو کی تحریم سے پہلے وہ جو کچھ لے چکا ہے وہ اس سے واپس نہیں لیا جائے گا اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اس کی دقتیں ہیں ہیں ایک یہ ہے کہ اگر اللہ چاہے تو اس کو آئندہ سود خوری سے محفوظ رکھے گا اور اگر چاہے گا تو ایسا نہیں کرے گا دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو شخص بصیحت پہنچنے کے بعد اخلاص اور صدق نیت سے سود خوری چھوڑ دے گا اس کو اللہ تعالیٰ جزا دے گا یا اللہ جو چاہے گا اس کے متعلق فیصلہ فرمائے گا کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ وہی مالک اور حاکم علی الاطلاق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ جس نے دوبارہ سود لیا تو وہی لوگ دوزخی ہیں وہ کسی میں ہمیشہ رہیں گے اس سے مستزاد نے یہ استدلال کیا ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص جائز اور حلال سمجھ کر دوبارہ سود لے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا کیونکہ حرام قطعی کو حلال سمجھنا کفر ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص سود کے حرام ہونے کے بعد دوبارہ سود لے وہ دوزخ میں دائماً رہے گا مستحق ہے یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو یہ سزا نہ دے

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ وعید مشیت کے ساتھ مقید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دوسری کی نیکی کو ضائع نہیں کرے گا اور اس کی جزا اس کو دے گا جس مومن نے سود لیا اس کا ایمان بھی تو ایک نیکی ہے اگر اس کو ہمیشہ دوزخ میں رکھا گیا تو اس کے ایمان کی اس کو جزا نہیں ملے گی اس لیے ضروری ہے کہ کچھ عرصہ دوزخ میں سزا دینے کے بعد اسے جنت میں بھیج دیا جائے تاکہ وہ اپنی برائی اور نیکی دونوں کی جزا پالے اس لیے یہ آیت مشیت کے ساتھ مقید ہے یعنی اگر اللہ چاہے تو اس کو دوزخ میں دائم رکھے گا لیکن اللہ ایسا نہیں چاہے گا کیونکہ اس نے فرمایا ہے: جس نے نیکی کی اس کو، اس کی نیکی کی جزا ملے گی۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝

سو جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی وہ اس کی

(الزّال: ۷) جزا کو دیکھے گا ۝

چوتھا جواب یہ ہے کہ زیادہ عرصہ دوزخ سے سزا دینے کو اللہ تعالیٰ نے مجاز اور اہم کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو پسند نہیں کرتا ۝ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دیتے رہے ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۝ (البقرہ: ۲۷۷-۲۷۶)

سود کا کم ہونا اور صدقہ کا بڑھنا

سود کے مال میں برکت نہیں رہتی اور جس مال میں سود کا مال شامل ہوتا ہے وہ مال بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں

امام احمد، امام ابن ماجہ، امام ابن جریر، امام حاکم، صحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی "شعب الایمان" میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود اگرچہ بہت زیادہ ہو لیکن اس کا انجام مال کی کمی ہے۔

امام ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں ضحاک سے نقل کیا کہ دنیا میں سودی آمدنی بہت زیادہ ہو جاتی ہے لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیتا ہے۔

امام طبرانی نے حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہند روٹی کے ایک ٹکڑے کو صدقہ کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر احد پہاڑ جتنا کر دیتا ہے۔

(معجم کبیر ج ۱ ص ۳۶۶-۳۶۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو اگر تم مومن ہو ۝ پس اگر تم ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعدان جنگ سن لو اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے اصل مال تمہارا حق ہیں نہ تم ظلم کرو اور نہ تم ظلم کیے جاؤ گے ۝ (البقرہ: ۲۷۹-۲۷۸)

سودی کاروبار ترک نہ کرنے والوں کے خلاف جنگ کرنے کا حکم

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! سود حرام قرار دیئے جانے کے بعد لوگوں کے اوپر جو تمہاری سودی رقوم ہیں ان کو چھوڑ دو اور ان سے صرف اپنی اصل رقم وصول کرو امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

سندی بیان کرتے ہیں کہ یہ آیات حضرت عباس بن عبدالمطلب اور بنو مغیرہ کے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی ہیں وہ دونوں زمانہ جاہلیت میں شریک تھے جس وقت وہ مسلمان ہوئے تو لوگوں کے اوپر ان کے سود کی بڑی بھاری رقمیں تھیں اور اللہ

تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ زمانہ جاہلیت میں جو سود تھا اس کو وصول مت کرو

ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ ثقیف نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر صلح کر لی کہ ان کا جو سود لوگوں پر ہے اور لوگوں کا جو سود ان پر ہے وہ سب چھوڑ دیا جائے گا فتح مکہ کے بعد حضرت عتاب بن اسید مکہ مکرمہ کے عامل بنائے گئے اس وقت بنو عمرو بن عوف بنو مغیرہ سے سود لیتے تھے اور بنو مغیرہ ان کو جاہلیت میں سود ادا کرتے تھے جب وہ مسلمان ہوئے تو ان پر بہت زیادہ سود کی رقیس واجب الادا تھیں بنو عمرو نے آکر ان سے اپنے سود کا مطالبہ کیا بنو مغیرہ نے مسلمان ہونے کے بعد ان کو سود ادا کرنے سے انکار کر دیا یہ مقدمہ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کے پاس پیش کیا گیا حضرت عتاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملہ کا حکم معلوم کرنے کے لیے خط لکھا تو یہ آیت نازل ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتاب بن اسید کو جواب لکھا کہ اگر بنو عمرو سود کو چھوڑنے پر راضی نہ ہوں تو ان سے اعلان جنگ کر دو۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۷۷ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حضرت ابن عباس نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی تو ثقیف سود لینے سے باز آ گئے اور کہا ہم اللہ اور رسول سے جنگ کی طاقت نہیں رکھتے۔

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ جو لوگ سود لینے کو ترک نہ کریں ان سے اسی طرح جنگ کی جائے گی جس طرح مرتدین اور باغیوں سے جنگ کی جاتی ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۵۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سود پر وعید کے متعلق احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام مسلم اور امام بیہقی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے سود کھلانے والے سود پر گواہی دینے والے اور سود کے لکھنے والے پر لعنت کی ہے اور فرمایا یہ سب برابر ہیں۔

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ بینک سے سود وصول کر کے غریبوں کو کھلانا جائز نہیں ہے اور نہ بینک کی ملازمت کرنا جائز ہے۔

امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ چار آدمیوں کو جنت میں داخل نہ کرے اور ان کو جنت کی نعمتیں نہ چکھائے عادی شرابی سود خور ناحق مال یتیم کھانے والا اور ماں باپ کا نافرمان۔

امام طبرانی نے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان سود کا جو ایک درہم وصول کرتا ہے وہ اللہ کے نزدیک اسلام میں تینتیس بار زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے۔

امام طبرانی نے "معجم اوسط" میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کے بہتر درجے ہیں اور سب سے کم درجہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرے۔

امام ابو یعلیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قوم میں زنا اور سود کی کثرت ہو جاتی ہے اس قوم پر اللہ کا عذاب حلال ہو جاتا ہے۔

امام احمد نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قوم میں سود کی کثرت ہوتی ہے اس قوم پر قحط مسلط کر دیا جاتا ہے اور جس قوم میں رشوت کی کثرت ہوتی ہے اس پر رعب طاری کر دیا

جانتا ہے۔

امام ابو داؤد امام ابن ماجہ اور امام بیہقی اپنی سنن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کوئی شخص سود کھانے سے نہیں بچے گا جو شخص سود نہیں کھائے گا اس کو سود کا غبار پہنچے گا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۶۷ مطبوعہ مکتبۃ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس رات مجھے معراج کرائی گئی مجھے ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرا گیا جن کے پیٹ کو ٹھڑیوں کی طرح تھے ان کے پیٹوں میں باہر سے سانپ دکھائی دے رہے تھے میں نے پوچھا اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟ کہا یہ لوگ سود کھانے والے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کے ستر گناہ ہیں اور ان میں سب سے ہلکا یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۶۵-۱۶۴ مطبوعہ نور محمد صالح المطابع کراچی)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صبح کو اپنا خواب بیان فرمایا کہ مجھے جبرائیل اور میکائیل لے گئے میں نے دیکھا کہ خون کا ایک دریا ہے جس کے وسط میں ایک شخص کھڑا ہوا ہے اور دریا کے کنارے ایک شخص ہاتھ میں پتھر لیے ہوئے کھڑا ہے جب دریا میں کھڑا ہوا شخص کنارے کی طرف آنے کی کوشش کرتا ہے تو کنارے پر کھڑا ہوا شخص اس کے منہ پر پتھر مارتا ہے اور اس کو پھر دریا کے وسط میں دھکیل دیتا ہے اور وہ جب بھی دریا سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے اس کے ساتھ یہی ہوتا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا مجھے جبرائیل اور میکائیل نے بتایا کہ خون کے دریا میں ڈوبے ہوئے یہ لوگ سود خور تھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۵ مطبوعہ نور محمد صالح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث میں سود خوروں کے عذاب قبر کا بیان ہے اور چونکہ یہ لوگ دنیا میں غریبوں کی رگوں سے خون نہچوڑتے تھے اس لیے ان کو خون کے دریا میں ڈوبا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اگر (مقروض) تنگ دست ہے تو اسے اس کی فراخ دستی تک مہلت دو اور (قرض کو معاف کر کے) تمہارا صدقہ کرنا زیادہ بہتر ہے اگر تم جانتے ہو O (البقرہ ۲۸۰)

مقروض کو مہلت دینے اور اس سے قرض وصول کرنے کا طریقہ

جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ سود چھوڑ کر قرض خواہ کی اصل رقم واپس کر دی جائے اور ثقیف نے اپنی اصل رقم کا بنو مغیرہ سے مطالبہ کیا تو بنو مغیرہ نے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی اور کہا: اس وقت ہمارے پاس مال نہیں ہے اور کہا: جس وقت ہمارے پھل اتریں گے ہم اس وقت ادائیگی کر دیں گے تب یہ آیت نازل ہوئی: اور اگر مقروض تنگ دست ہے تو اسے اس کی فراخ دستی تک مہلت دو اور تمہارا صدقہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔

جس شخص پر لوگوں کے بہت زیادہ قرض ہوں اور قرض خواہ مطالبہ کر رہے ہوں تو حاکم کے لیے یہ جائز ہے کہ مقروض کی ضروریات کے سوا باقی مال نیلام کر کے قرض خواہوں کے قرض ادا کر دے اگر مقروض لوگوں کے واجبات ادا نہ کرے تو امام ابو حنیفہ امام مالک امام شافعی اور دیگر فقہاء کے نزدیک اس کو قید کرنا جائز ہے الا یہ کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے پاس واقعی مال نہیں ہے۔ (تفسیر مزہج ج ۳ ص ۱۰۱ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۲ھ)

تمہارا القراء

جلد اول

مفروض کو ادا نہ کی کی مہلت دینا واجب ہے اور اس کا قرض معاف کر دینا 'توبہ' ہے اور اس معاف میں سے کسی کا اجر واجب سے زیادہ ہے۔

مفروض کو مہلت دینے اور قرض معاف کرنے کے اجر و ثواب کے متعلق احادیث

مفروض کا قرض معاف کرنے کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں۔

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام احمد، امام مسلم اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تنگ دست کو مہلت دی یا اس کو معاف کر دیا اللہ اس کو اس دن اپنے سائے میں رکھے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کسی کا سایا نہیں ہوگا۔

امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ عزوجل نے سب سے ایک شخص کو پیش کیا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا تم نے دنیا میں کیا کیا؟ وہ شخص کہے گا میں نے دنیا میں ایک ذرہ برابر بھی نیکی نہیں کی، تین بار یہی مکالمہ ہوگا، تیسری بار وہ کہے گا میں دنیا میں اپنا فاضل ماں دے دیا کرتا تھا میں لوگوں کو چیزیں فروخت کرتا، امیر آدمی پر آسانی کرتا اور غریب کو مہلت دیتا تھا اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ہم تم سے زیادہ معاف کرنے کے حق دار ہیں، میرے بندے سے درگزر کرو پھر اس کو بخش دیا جائے گا۔

امام احمد نے حضرت عمران بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا کسی آدمی پر کوئی حق ہو اور وہ اس کو موخر کر دے تو اس کو ہر روز صدقہ کا اجر ملے گا۔

امام احمد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کی دعا قبول کی جائے اور اس کی مصیبت دور کی جائے وہ تنگ دست کے لیے اٹھا دی کرے۔

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تنگ دست کو کشدگی تنگ مہلت دی اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں سے توبہ کرنے کی مہلت دے گا۔

امام احمد، امام ابن ماجہ، امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے تنگ دست کو مہلت دی اس کو ہر دن قرض کے برابر صدقہ کا اجر ملے گا پھر میں نے آپ سے سنا کہ جس نے تنگ دست کو مہلت دی اس کو ہر دن اس قرض کے دگنے صدقہ کا اجر ملے گا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ پہلے تو آپ نے قرض کے برابر صدقہ کے اجر کا فرمایا تھا اور اب آپ نے دگنے صدقہ کے اجر کا فرمایا ہے آپ نے فرمایا جب تک قرض کی ميعاد پوری نہیں ہوگی اس کو ہر روز اس قرض کے برابر صدقہ کا اجر ملے گا اور جب ميعاد پوری ہو جائے گی اور وہ اس کو مہلت دے گا تو پھر اس کو ہر روز اس کے دگنے صدقہ کا اجر ملتا رہے گا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۶۰، سنن ابن ماجہ ص ۱۷۳، شعب الایمان ج ۷ ص ۵۳۸)

امام احمد، امام دارمی اور امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرض میں قرض سے مراد دین ہے یعنی کاروباری قرض مدت معین کے اوجہ پر کون چیز خریدنا، کیونکہ ان قرضوں میں مدت کا قرض قرض دینے والے کی طرف سے جائز نہیں ہے، ورنہ وہ قرض سود ہو جائے گا مثلاً ۲ روپے دے کر ایک ماہ کے قرض کے بعد ۲ روپے لیٹا رہا، مہلت اور مدت کا قرض نہیں ہے، ہاں اگر قرض لینے والے مدت کا قرض کرے پھر جائز ہے مثلاً وہ ہے جس نے ایک ماہ مدت کا قرض لیا اور اس کا۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مقروض کو مہلت دی یا اس کو معاف کر دیا وہ قیامت کے دن عرش کے سایہ میں ہوگا۔
(مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۹، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۷۹، شعب الایمان ج ۱ ص ۵۲۵)
امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی تیش سے محفوظ رکھے گا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۶۹، ۳۷۸، مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ابراہین)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا (البقرہ: ۲۸)
قرآن مجید میں نازل ہونے والی آخری آیت

اللہ تعالیٰ نے آیات رہا کو اس بیخ نصیحت پر ختم کیا ہے کہ دنیا جانے والی ہے اور آخرت آنے والی ہے اور باقی ہے اور اس کے بعد وہ حساب پیش آنے والا ہے جو یقینی ہے لہذا اس آیت میں اللہ تعالیٰ اس دن سے ڈرا رہا ہے جس دن تم سب لوگ اللہ سے ملاقات کرو گے اس دن تمہارے وہ بُرے اعمال سامنے آئیں گے جو تم کو ہلاک کر دیں گے اور تمہیں لوگوں کے سامنے شرمندہ اور رسوا کریں گے وہ اعمال کی جزا کا دن ہے اس دن کوئی نیک عمل ہو سکے گا نہ کسی بُرے کام پر توبہ ہو سکے گی نہ ثواب عتاب اور محاسبہ کا دن ہے اس دن ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کاموں کی پوری پوری جزا دی جائے گی خواہ اس کے عمل نیک ہوں یا بد خیر ہوں یا شر اس دن ہر عمل سامنے آ جائے گا اور کوئی جھوٹا یا بڑا عمل باقی نہیں بچے گا پھر اللہ تعالیٰ ان اعمال کی جزا دے گا اور تم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا اور اس ذات سے ظلم کیسے تصور ہو سکتا ہے جو برائی پر صرف اتنی ہی سزا دیتا ہے جتنی وہ برائی ہو اور نیکی کا دس گنا جزا دیتا ہے بلکہ کبھی ایک نیکی پر سات سو گنا کبھی اس سے بھی زیادہ اور کبھی بے حساب اجر دیتا ہے اے بدکار! وہ تجھ پر عدل کرے گا تو اس دن کے آنے سے پہلے توبہ کرے اور اپنے آپ کو اس کے فضل و کرم کا سزاوار کر لے اور اے نیکوکار! اس دن کے آنے سے پہلے اپنی نیکیوں کو اور بڑھانے وہ تجھ پر فضل کرے گا۔ بعض روایات کے مطابق یہ قرآن مجید کی آخری آیت ہے امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آخری آیت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔
یہ آیت ہفتہ کے دن نازل ہوئی تھی اس کے نزول کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نو دن حیات (ظاہری کے ساتھ) رہے اور پھر دن رفیق اعلیٰ سے واصل ہو گئے۔ (جامع الایمان ج ۲ ص ۷۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)
حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابو عبیدہ امام عبد بن حمید امام نسائی امام ابن جریر امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے "دلائل النبوة" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی قرآن مجید کی یہ آخری آیت تھی۔
امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت منیٰ میں نازل ہوئی تھی اور اس کے اکیاسی دن بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۷۰، مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ابراہین)
علامہ آلوسی لکھتے ہیں

اس آیت کے نزول کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت حیات میں مختلف اقوال ہیں: نورانی سات دن، تین گھنٹے، اکیس
مسند احمد ج ۵ ص ۳۶۰ میں اسی طرح روایت ہے اور "سنن ابن ماجہ" اور "شعب الایمان" میں اسی طرح ہے کہ قرض کی میعاد پوری دو ٹکے
اس کو صدقہ کا اجر ملے گا اور مہلت دینے کے بعد اس قرض کی مثل صدقہ کا اجر ملے گا نیز مسند احمد ج ۵ ص ۳۵ میں بھی اسی طرح ہے۔

دن اور کیا ہی دن۔

امام بخاری، امام ابو سعید، امام ابن جریر اور امام بیہقی نے سبھی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آخری آیت نازل ہوئی وہ آیت رہا ہے یہ اس آیت کے آخری آیت ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ بیوع سے متعلق آیات میں آخری آیت آیت رہا ہے یا مراد یہ ہے کہ آیت رہا آخر میں نازل ہوئی ہے اور تمام آیتوں کے لحاظ سے جو آخری آیت ہے وہ یہی آیت ہے۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۵۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَايِنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى

اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت تک آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو

فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ

اور تمہارے درمیان کسی کاتب کو عدل کے ساتھ دستاویز لکھنی چاہیے اور جس شخص کو اللہ نے

يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ

لکھنا سکھایا ہو اس کو لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے اور جس شخص پر قرض ہو لکھوانا اس کی ذمہ داری

وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي

ہے اور اس کو اللہ سے ڈرنا چاہیے جو اس کا رب ہے اور اس (قرض) سے کچھ کم نہ کرے اور اگر مقرض کم عقل ہو یا

عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ

کمزور ہو یا وہ خود لکھوانے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی (سرپرست) عدل سے

وَلِيِّهِ بِالْعَدْلِ وَأَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رَجَالِكُمْ فَإِنْ

لکھوا دے اور تم اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ بناؤ پھر اگر

لَمْ يَكُنْ تَارِجَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ

دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (ان کو گواہ بنا لو) جن کو تم گواہوں سے پسند

الشَّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ وَ

کرتے ہو کہ ان دو میں سے کوئی ایک (عورت) اگر بھول جائے تو اس ایک کو دوسری یاد دلا دے اور

لَا يَأْبُ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۖ وَلَا تَسْمُوا أَنْ تَكْتُوبُوا

جب گواہوں کو (گواہی کے لیے) بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں اور (قرض) چھوٹا ہو یا بڑا

صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ

اس کی میعاد تک اس (کی دستاویز) کو لکھنے میں سبیل نہ کرؤ اللہ کے نزدیک یہ بہت عادلانہ

لِلشَّهَادَةِ ۚ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً

کارروائی ہے اور گواہی دینے کے لیے بہت درست طریقہ ہے اور شکوک و شبہات دور کرنے کے بہت قریب ہے ہاں جو تجارتی

تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۚ

لیں دین تم آپس میں دست بدست کرتے ہو اس کو نہ لکھنے میں تم پر کوئی گنہ نہیں ہے

وَأَشْهَدُوا وَإِذَا تَبَايَعْتُمْ ۖ وَلَا يُضَارَسُ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ

اور جب تم آپس میں خرید و فروخت کرو تو گواہ بنا لیا کرو اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو

وَأَنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيَعْلَمُكُمْ

اور اگر تم نے ایسا کیا تو وہ ہے شک تمہارا گناہ ہو گا اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تمہیں

اللَّهُ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۸۳﴾ وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ

سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O اور اگر تم سفر میں ہو (اور تمہیں نے دین پر مبنی کوئی معاملہ کرنا ہو)

وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنَ مَقْبُوضَةً ۚ فَإِنْ أَهِنَ بَعْضُكُم

اور تمہیں دستاویز لکھنے وال نہ ملے تو قبضہ دی ہوئی رہن (کی بنا پر دین کا معاملہ کر لو) پھر اگر تم کو ایک دوسرے پر

بَعْضًا قَلِيلُ الَّذِي أَوْ تَمِنَ أَمَانَتَهُ ۚ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا

اعتبار ہو تو جس پر اعتبار کیا گیا اسے چاہیے کہ وہ اس کی امانت ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور

تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۚ وَاللَّهُ بِمَا

گواہی نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی چھپائے گا اس کا دل گناہ آور ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ

تَعْمَلُونَ عَلَيْهِ

اس کو خوب جاننے والا ہے O

سود کے بعد تجارتی قرضوں کے تحفظات کے ذکر کی مناسبت

اس سے پہلے بتیوں میں صدق دینے اور سود نہ لینے کا حکم دیا تھا اور ان آیتوں میں کاروبار اور تجارت میں دین کے احکام بیان فرمائے ہیں 'صدق دینا اور سود نہ لینا مال میں کمی کا سبب ہے اور تجارت مال میں فزائش کا سبب ہے' اس سے پہلے رکوع میں سود کا ذکر تھا اور اس رکوع میں کاروبار میں ادھار کے تحفظات کا ذکر ہے 'سود قرض کی ناجائز صورت ہے اور کاروبار میں بلا سود قرض' قرض کی جائز صورت ہے۔ 'صدق اور قرض میں ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اور تعاون ہے اور سود میں تنگ دلی اور سرکشی ہے' لہذا تعالیٰ نے سود کو حرام کر کے مال میں اضافہ کرنے کے ناجائز طریقہ سے روکا اور تجارت کو حلال کر کے مال میں اضافہ کرنے کے جائز طریقہ کی طرف رہنمائی کی۔

مال کے مذموم یا محمود ہونے کا مدار

اس آیت کو آیت مداینہ کہتے ہیں یہ قرآن مجید کی سب سے طویل آیت ہے اس میں مال کو محفوظ کرنے کا طریقہ بتایا ہے کہ جب کسی چیز کو مدت معینہ کے ادھار پر فروخت کیا جائے تو بائع اور مشتری کسی تیسرے فریق سے لکھوالیس کے کتنی رقم ادا کرنی ہے اور کب ادا کرنی ہے اور اس دستاویز پر دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالیا جائے اور اگر فریقین غیر میں ہوں جہاں کاتب اور گواہ میسر نہ ہوں تو مفروض بائع کے پاس اپنی کوئی چیز رہن رکھ کر اس نے قبضہ میں دے دے ان آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام کے نزدیک مال و دولت کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ شریک وہ مال فی نفسہ حلال ہو جس سے رائج سے حاصل کیا گیا ہو اور اس مال کو جائز اور نیکی کے راستوں میں خرچ کیا جائے اس لیے اسلام نے کسب حدل اور تجارت کی حوصلہ افزائی کی ہے جیسا کہ ان آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت دی ہے کہ کاروبار کرنے والے اپنے مال کو محفوظ کرنے کے لیے کیا طریقے اختیار کریں اور ادھار مال فروخت کرتے وقت خریدار سے کس قسم کے تحفظات حاصل کریں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَبِهُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (احمد ۱۰)

اللہ کے فضل کو طلب کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کو اللہ کا فضل فرمایا ہے۔

اور امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

حضرت ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے مال کو سوال سے روکنے کے لیے (رزق) حلال کی طلب میں لگے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے اور جو شخص اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لیے (رزق) حلال کی طلب میں لگے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے۔

(المعجم ج ۵ ص ۲۷۲۔ ۲۷۳ مطبوعہ مکتبہ المدینہ، لاہور، ۱۳۹۰ھ)

اور جو شخص مال کو اللہ کی راہ میں نیکی کے راستہ میں خرچ نہ کرے وہ مال مذموم ہے اس کے متعلق فرمایا

الَّذِي يَجْعَلُ مَا لَا يَحْكُمُ وَلَا يَخْصِبُ أَنْ مَالَهُ
أَخْلَدَكَ ۖ وَلَا يَنْتَدِي فِي الْحُكْمَةِ ۖ وَمَا أَدْرَاكَ مَا
الْحُكْمَةُ ۖ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ۖ الَّتِي تَطْلِمُ عَلَى الْأَيْدِي ۖ
(الہقرہ: ۲-۴)

جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا O اس نے
گمان کیا کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ (دنیا میں) زندہ رکھے گا O
ہرگز نہیں! وہ ضرور چورا چورا کر دینے والی میں پھینک دیا جائے
گا O اور آپ کیا سمجھتے چورا چورا کر دینے والی کیا چیز ہے؟ O
اللہ کی آگ ہے بھڑکائی ہوئی O جو دلوں پر چڑھ جائے گی O

اور امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص مال کو کثیر بنانے کی طلب میں لٹکے وہ شیطان کے راستہ میں ہے۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۵۲-۲۵۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۹۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت تک آپس میں قرض کا لین دن کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

(الہقرہ: ۲۸۲)

بیع مطلق اور بیع سلم کی تعریفات

اس آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ خرید و فروخت کا کوئی معاملہ ادھار پر کریں تو اس کے تحفظ کے لیے اس کو لکھ لیں اور اس پر گواہ بنالیں۔ اس آیت میں دین کا ذکر ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت بیع سلم کے متعلق نازل ہوئی ہے اس لیے ہم بیع مطلق، بیع سلم، دین اور قرض کی تعریفات کو ذکر کریں گے۔ جب باہمی رضامندی سے ایک چیز کا دوسری چیز سے تبادلہ کیا جائے تو اس کو بیع کہتے ہیں اس میں سودے کو بیع اور اس کی قیمت کو ثمن کہتے ہیں۔ بیع تین قسم کی ہے کسی چیز کو نقد قیمت دے کر خرید جائے کسی حاضر چیز کو مدت معینہ کے ادھار پر خرید جائے یہ دونوں قسمیں جائز ہیں تیسری قسم یہ ہے کہ کسی ادھار (غائب) چیز کو ادھار پر خرید جائے مثلاً زید کے عمرو پر دس سیر گندم واجب ہیں اور خالد کے بکر پر پندرہ سیر جو واجب ہیں تو زید خالد کو اپنے وہ دس سیر گندم فروخت کر دے جو عمرو کے ذمہ ہیں اور اس کے معاوضہ میں خالد سے وہ پندرہ سیر جو لے لے جو خالد کے بکر کے ذمہ ہیں اس کو بیع الدین بالدين یا بیع الکالئی بالکالئی کہتے ہیں یہ بیع جائز نہیں ہے نقد کو عربی میں عین کہتے ہیں اور ادھار کو دین کہتے ہیں۔ اس آیت میں بیع کی دوسری قسم کا ذکر ہے جس میں ایک عوض نقد ہو اور دوسرا مدت معینہ کے ادھار پر ہو اگر بیع (سودا) نقد ہو اور ثمن (قیمت) مدت معینہ کے ادھار پر ہو تو یہ بیع مطلق ہے اور اگر ثمن نقد ادا کر دی جائے اور بیع کو ایک مدت معینہ کے بعد وصول کیا جائے تو اس کو بیع سلم کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس کے نزدیک یہ آیت خاص بیع سلم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

امام ابن جریر روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت گندم کی بیع سلم کے متعلق نازل ہوئی ہے (گندم کی قیمت کی پیشگی ادائیگی کر دی جائے اور فصل کٹنے کے بعد گندم کو وصول کیا جائے) اس میں گندم کی مقدار بھی معلوم ہو اور اس کی مدت بھی معلوم ہوئی چاہیے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۶۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (میں نے عرض کیا) یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی شخص ایک چیز خریدنے کے لیے آتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے آیا میں اس کے لیے بازار سے چیز خرید لوں؟ آپ نے فرمایا: جو چیز

تہہارے پاس موجود نہیں ہے اس کو فروخت مت کرو (نس ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۹، مطبوعہ مطبعہ کھٹائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)
اس حدیث کی بناء پر جو چیز موجود نہ ہو اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کی
بناء پر بیع سلم کی اجازت دی ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو لوگ ایک یا دو سال کی
مدت پر پھلوں میں بیع سلم کرتے تھے تو آپ نے فرمایا جو شخص کھجوروں میں بیع سلم کرے اس کا کیل معلوم ہو اور وزن معلوم ہو
(یعنی مقدار معلوم ہو) اور اس کی مدت معلوم ہو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱، مطبوعہ دار محمد، سع الطابع، کراچی ۱۴۰۵ھ)
بیع سلم کی شرائط

بیع سلم کو بیع سلف بھی کہتے ہیں، سلم اور سلف کا معنی ہے تسلیم اور تقدیم کسی چیز کو پہلے دینا، اور اس کو سپرد کرنا شریعت
میں بیع سلم اس عقد کو کہتے ہیں جس میں ثمن پہلے واجب ہو اور بیع بعد میں میعاد مقرر پر واجب ہو۔
علامہ عبد اللہ بن محمود موصلی حنفی لکھتے ہیں:

ہر وہ چیز جس کی صفت اور مقدار کو منضبط کرنا ممکن ہو اس کی بیع سلم جائز ہے، ورنہ نہیں، بیع سلم کی شرائط یہ ہیں ان چیزوں
کو معین کیا جائے جنس، نوع، وصف، مدت، مقدار، جس جگہ بیع کو سپرد کیا جائے، کیل، وزن اور عدد کی تعیین کرنا، اور عقد کے بعد
علیحدگی سے پہلے ثمن پر قبضہ کرنا ضروری ہے اس چیز میں بیع سلم صحیح نہیں ہے جو عقد کے وقت سے لے کر تسلیم کرنے کی مدت
تک موجود نہ رہے نہ جو اہر میں صحیح ہے حیوان اس کے گوشت اور اس کے اعضاء میں بھی صحیح نہیں ہے خشک سمندری مچھلی میں
صحیح ہے کسی معین شہر کے غلہ میں بیع سلم صحیح نہیں ہے اگر کپڑے کا طول اور عرض معین کر دیا جائے تو صحیح ہے جس چیز میں بیع سلم
کی گئی ہے اس میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا صحیح نہیں ہے اور نہ اس کے ثمن میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا صحیح ہے۔

(الافتیاء ج ۲ ص ۳۸-۳۳، مطبوعہ دار الفکر للنشر والتوزیع، مصر)

دین اور قرض کی تعریفیں اور ان کا فرق

علامہ شامی لکھتے ہیں:

جو چیز کسی عقد یا کسی چیز کے ضائع یا ہلاک کرنے سے کسی کے ذمہ واجب ہو گئی ہو یا کسی چیز کو قرض لینے کی وجہ سے کسی
کے ذمہ لازم ہو گئی ہو وہ دین ہے، دین قرض سے عام ہے، دین میں مدت کا مقرر کرنا واجب ہے عام ازیں کہ مدت معلوم ہو یا
مجبول ہو، لیکن اگر جہالت معمولی ہو جیسے فصل کی کٹائی یا دانہ کو بھوسے سے الگ کرنے کا وقت تو یہ جائز ہے اور اگر غیر معمولی ہو
تو جائز نہیں ہے، جیسے جب آندھی آئے گی، ہدایہ، وغیرہ میں ہے کہ معمولی جہالت دین میں برداشت کی جاتی ہے۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۱۶۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

اور قرض میں مدت کا تعیین کرنا لازم نہیں ہے، یعنی اگر قرض میں مدت کا تعیین کر دیا جائے تو وہ غیر لازم ہونے کے باوجود
صحیح ہے، اور قرض دینے والا مدت کا تعیین کرنے کے بعد اس سے رجوع کر سکتا ہے، لیکن ”ہدایہ“ میں یہ کہا ہے کہ قرض میں مدت
کا تعیین کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ قرض ابتداء، اعادہ ہے اور انتہاء، معاوضہ ہے اور ابتداء کے اعتبار سے اس میں مدت کا تعیین کرنا
لازمی نہیں ہے جیسا کہ عاریۃ چیز دینے میں ہے اور انتہاء کے اعتبار سے اس میں مدت کا تعیین کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ قرض
انتہاء، معاوضہ ہے اگر کسی قرض دینے والے نے ایک درہم ایک ماہ کے لیے قرض دیا اور اس کے عوض میں ایک ماہ بعد ایک

درہم واپس لیا تو یہ ایک درہم کی ایک درہم کے عوض ایک ماہ کے ادھار پر بیع ہوگی اور یہ بالاسبت (سود) ہے اس لیے قرض میں مدت کا تعین کرنا جائز نہیں ہے۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۱۷۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ علاء الدین ہسکلی لکھتے ہیں

لغت میں قرض کا معنی ہے جس کو تقاضا کرنے کے لیے دیا جائے اور شرع میں اس کا معنی ہے جو مثلی چیز تقاضا کرنے کے لیے دی جائے مثلی سے مراد وہ کیل، موزون اور معدود چیز ہے جنی اس چیز کی مثل میں ایسا فرق نہ ہو جس سے قیمت مختلف ہو جائے جیسے اغذ اور اخروث وغیرہ اس لیے درہم دینار اخروث انڈے گوشت روٹی کاغذ اور کون وغیرہ میں قرض کا لین دین جائز ہے۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۷۲ - ۷۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

آیت مداینہ کے حکم کا تمام دیون کو شامل ہونا

علامہ ابوبکر بھاص خلی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی ہے کہ بیع سلم جس میں مدت مقررہ کے بعد بیع کی ادائیگی کی جاتی ہے وہ بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہے لہذا ہر وہ دین جس میں مدت مقرر ہو وہ اس آیت میں مراد ہے خواہ وہ کسی منافع کا بدلہ ہو یا کسی معین چیز کا عوض ہو اس لیے جس اجرت اور مہر کی میعاد مقرر ہو اسی طرح عقد خلع، نقل عہد کی دیت اور بدل کتابت جن کی ادائیگی کی میعاد مقرر ہو وہ سب اس آیت سے مراد ہیں کیونکہ یہ وہ دیون ہیں جو کسی عقد سے ثابت ہیں اور اس میں ادائیگی کی میعاد مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو دین کے لکھنے اور اس پر گواہ بنانے کا حکم دیا ہے وہ ان تمام عقود اور دیون پر لاگو ہے اسی طرح گو ہوں کا عدد اور ان کے جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں وہ بھی ان تمام عقود میں جاری ہوتے ہیں کیونکہ اس آیت کے الفاظ کسی ایک دین کے ساتھ خاص نہیں ہیں اسی وجہ سے جب نکاح میں عورت کا مہر دین موبل ہو تو اس پر دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنایا جاتا ہے اسی طرح عقد اجارہ بدل صلح وغیرہ تمام دیون کے عقود میں اسی طرح حکم جاری ہو جائے گا۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۳۸۳ - ۳۸۴ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

دین پر مبنی عقود کی دستاویز لکھوانے اس پر گواہ بنانے یا رہن رکھنے کا شرعی حکم

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے معاملہ کو لکھنے اور اس پر گواہ بنانے کا حکم دیا ہے اس کے متعلق علامہ بھاص لکھتے ہیں فقہاء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس آیت میں دین کے معاملہ کو لکھنے اس پر گواہ بنانے اور اس کے لیے کسی چیز کو رہن رکھنے کا جو حکم دیا ہے یہ حکم انتخاب ہماری بہتری اور خیر خواہی ارشاد اور دین اور دنیا میں احتیاط کے لیے ہے اور اس میں کوئی چیز بھی واجب نہیں ہے اور ابتداء سے آج تک تمام امت مسلمہ تمام شہروں میں دین پر مبنی عقود بغیر کسی کو گواہ بنائے کرتی رہی ہے اور ہر دور میں علماء فقہاء اور اہل فتویٰ حضرات کو اس کا علم ہوتا تھا اور ان میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا اگر اس قسم کے ادھار کے معاملات کی دستاویز لکھنا یا اس پر گواہ بنانا یا رہن رکھنا واجب ہوتا تو اس کے ترک پر اعتراض کیا جاتا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ امور مستحب ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر آج تک یہی منقول ہے اور اگر صحابہ اور تابعین ان عقود پر لازماً گواہ بناتے تو یہ چیز تواتر سے منقول ہوتی۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۸۲ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور تم اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ بناؤ پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (ان کو گواہ بناؤ) جن کو تم گواہوں سے پسند کرتے ہو کہ ان دو میں سے کوئی ایک (عورت) اگر بھول جائے تو اس ایک کو دوسری یاد دلا دے۔

(البقرة: ۲۸۲)

شہادت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ ابن اثیر الجزری لکھتے ہیں:

جس چیز کا مشاہدہ کیا ہو یا جس پر کوئی شخص حاضر ہو اس کی خبر دینا لغت میں شہادت ہے۔

(نہایت ۲ ص ۵۱۳ مطبوعہ ایران ۱۳۶۴ھ)

علامہ راجب اصفہانی لکھتے ہیں:

بصیرت سے یا آنکھوں کے ساتھ دیکھنے سے جس چیز کا علم حاصل ہو اس کی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں۔

(اسفندیات ص ۲۶۸ مطبوعہ ایران ۱۳۴۲ھ)

علامہ یوسف شافعی لکھتے ہیں:

جو شخص کسی جگہ حاضر ہو یا اس نے کبھی کسی چیز کو دیکھا ہو اس کی یقینی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں اور کبھی اس چیز کی خبر کو

شہادت کہتے ہیں جس کا اس کو یقین ہو یا وہ چیز مشہور ہو۔ (شرح المہذب ج ۲ ص ۲۵ مطبوعہ بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

کسی حق کو ثابت کرنے کے لیے "میں گواہی دیتا ہوں" کے الفاظ کے ساتھ مجلس قضاء میں سچی خبر دینا شہادت ہے۔

(فتح القدیر ج ۲ ص ۴۳۶ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، بکھ)

علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے کہ "اشہد" کا لفظ اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ قسم کو منظم ہے گویا کہ گواہ یہ کہتا ہے کہ

میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے یہ واقعہ اسی طرح دیکھا ہے اور اب میں اس کی خبر دے رہا ہوں۔

شہادت کی اقسام

(الف) عینی شہادت یعنی گواہ آنکھوں سے دیکھے ہوئے کسی واقعہ کو بیان کرنے کی شہادت فیصلہ کن ہوتی ہے۔

(بدایہ النہی ج ۱ ص ۱۵۹)

(ب) سمعی شہادت: یعنی گواہ کسی چیز کو سن کر اس کی شہادت دے جن امور کا تعلق مسموعات سے ہوں ان میں سمعی شہادت اتنی

عی معتبر ہوتی ہے جتنی عینی شہادت ہے۔ (بدایہ النہی ج ۱ ص ۱۶۰)

(ج) شہادت علی الشہادت: اصل گواہ کسی شخص کو اپنی شہادت پر شاہد بنائے تب یہ گواہ اصل کی شہادت دے سکتا ہے۔

(بدایہ النہی ج ۱ ص ۱۵۸)

قرآن مجید کی روشنی میں شہادت کا بیان

شہادت کے ساتھ دو حکم متعلق ہوتے ہیں: ایک تحمل شہادت ہے اور دوسرا اداء الشہادت۔ تحمل شہادت کا مطلب کسی وقوعہ کا

معائنہ کر کے اس کو سمجھ کر منضبط کرنا اور اداء الشہادت کا مطلب ہے: اس شہادت کو قاضی کے سامنے ادا کرنا۔ تحمل شہادت نے

متعلق قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

وَأَشْهِدُوا ذُنُوبَكُمْ مِمَّنْ رَّبَّكُمْ فَإِنْ لَّمْ

يَكُنْ تَارِجِينَ كَرَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ يَتَرَضَوْنَ مِنْ

الشَّهَادَةِ (البقرہ ۲۸۲)

اور اپنے مردوں سے دو گواہ بناؤ پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو

ایک مرد و دو عورتیں ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے

ہو۔

۱۔ دائرہ تفسیر قرآنی و اسلامی و لغوی، ۵۵۸ ص ۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۰۵ھ

وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ (البقرہ ۲۸۲)

اور جب تم خرید و فروخت کرو تو گواہ بناؤ۔

وَأَشْهِدُوا ذَا ذِي عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الطلاق ۲۰)

اور اپنوں میں دو عادل (نیک) شخصوں کو گواہ بناؤ۔

اور اداۃ شہادت کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

وَأَشْهِدُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ (الطلاق ۲۰)

اور اللہ کی خاطر شہادت ادا کرو۔

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا (البقرہ ۲۸۲)

اور جب گواہوں کو (گواہی کے لیے) بلایا جائے تو وہ

انکار نہ کریں۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ أُمِرٌ قَلْبُهُ (البقرہ ۲۸۲)

اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپاتا ہے تو بے شک

اس کا دل گنہگار ہے۔

شہادت کا حکم

علامہ ابن تہامہ ضلی لکھتے ہیں کہ تحمل شہادت اور اداۃ شہادت دونوں فرض کفایہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا" اور جب گواہوں کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ أُمِرٌ قَلْبُهُ" (البقرہ: ۲۸۲) اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپائے تو بے شک اس کا دل گنہگار ہے نیز اس لیے کہ شہادت ایک امانت ہے اور باقی امانتوں کی طرح اس کا ادا ہونا لازم ہے۔

(الفتاویٰ ج ۱۰ ص ۲۵۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابو الحسن مرغینانی (صاحب "ہدایہ") لکھتے ہیں: شہادت کا ادا کرنا واجب ہے اور جب مدعی شاہد کو بلائے تو شہادت کو چھپانا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا" (البقرہ: ۲۸۲) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ" (البقرہ: ۲۸۲) اور مدعی کا گواہ کو طلب کرنا اس لیے شرط ہے کہ یہ مدعی کا حق ہے سو باقی حقوق کی حرج یہ بھی طلب پر موقوف ہے اور حدود میں شہادت دینے پر گواہ کو اختیار ہے کہ خواہ ستر کرے خواہ اظہار کرے کیونکہ دونوں چیزوں میں ثواب ہے پردہ پوشی میں بھی اور اقامت حدود میں بھی اور ستر افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منرا رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کاش تم اپنے کپڑے سے اس کا ستر کر لیتے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۵) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت میں پردہ پوشی کرے گا۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۳۰) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے حدود ساقط کرنے کے بارے میں جو روایات منقول ہیں ان سے ستر کا افضل ہونا صراحتہ معلوم ہوتا ہے۔ (ہدایہ اخیر ص ۱۵۳ مطبوعہ مکتبہ شریک علیہ لبنان)

علامہ مرغینانی کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً ستر افضل ہے حالانکہ ایب نہیں ہے اگر کوئی شخص گناہ کرنے کے بعد اس پر نادم ہو تو اس کی پردہ پوشی کرنا افضل ہے اور جو شخص علی الاعلان ہدکاری کرتا ہو جس سے حدود الہیہ کا احترام مجروح ہوتا ہو تو پھر اس کے خلاف شہادت دینا افضل ہے۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ تحمل شہادت میں مسلمان کے حق کا تحفظ ہے اور مسلمان کے حق کا تحفظ کرنا اولیٰ ہے اور تحمل شہادت سے انکار کرنا خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی ہے اور قرآن مجید کی جن آیات میں شہداء کا لفظ آیا ہے اس سے مراد اداۃ شہادت کرنے والا ہے کیونکہ شہادت تحمل کرنے والے کو شاہد مجازاً کہا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب شاہد کو مدعی بلانے تو شہادت ادا کرنا فرض ہے اور تحمل شہادت کرنا مستحب ہے۔ (فتح اللہ ج ۶ ص ۴۷۷ ۴۷۸ مطبوعہ مکتبہ ذریعہ رضویہ مصر)

شہادت کی تعریف رکن اور سبب وغیرہ کا بیان

مجلس قضا میں کسی شخص سے حق کو ثابت کرنے کے لیے لفظ "اشہد" (میں گواہی دیتا ہوں) کے ساتھ گئی خبر بیان کرنا شہادت ہے۔ (فتح القدیر)

شہادت کا رکن غلط "اشہد" ہے یعنی میں گواہی دیتا ہوں۔ (تمہیں حق)

شہادت دانا کرنے کا سبب یہ ہے کہ مدعی گواہ سے شہادت طلب کرے یا مدعی از خود گواہی دے جب کہ گواہ وہ یہ علم ہو کہ مدعی کو اپنے حق پر شہادت کا علم نہیں ہے اور اس کے گواہی نہ دینے کی صورت میں مدعی کے حق سے ضائع ہونے کا خدشہ ہو۔ شہادت کا حکم یہ ہے کہ شہادت کے بعد قاضی پر واجب ہے کہ اس شہادت کے مطابق فیصلہ کرے۔ (مناہ)

تخل شہادت کی شرائط

شہادت کی شرائط دو قسم کی ہیں تخل شہادت (حصول شہادت) کی شرائط اور اعلیٰ شہادت کی شرائط تخل شہادت کی شرائط یہ ہیں کہ جس وقت کو کسی مقدمہ کو دیکھ رہا ہے اور گواہی کو حاصل کر رہا ہے تو وہ شخص مجنون نہ ہونا سمجھ بچہ نہ ہونا اور یہ شخص بصیر ہونا ہند اندھے کا تخل شہادت کرنا جائز نہیں ہے نیز مشہور ہے (جس چیز کی گواہی دینی ہے) کا وہ خود مشہور رہے کی اور اسے مشہورہ کا تخل نہ کرے ابوت بعض اشیاء میں لوگوں سے کن کر تخل شہادت کرنا بھی جائز ہے۔ (امان الصانع) تخل شہادت کے لیے بلوغ حریت اسلام اور عدالت (نیب چنی) شرط نہیں ہے حتیٰ کہ اگر تخل شہادت کے وقت وہ سمجھ بچہ ہو یا نامہ ہو یا فاسق ہو یا پھر بچہ پانچ ہو جائے یا غلام آزاد ہو جائے یا کافر مسلمان ہو جائے یا فاسق قویہ کرے اور پھر وہ قاضی کے پاس شہادت دیں تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی۔ (البحر الرائق)

بلحاظ شاہد ادا کی شہادت کی شرائط

شہادت دانا کرنے کے لیے شاہد میں عقل بلوغ بصیرہ و نطق (گویائی) کی شرط ہے اور یہ کہ اس کو حد قذف نہ لگی ہو (یہ شرط اوصاف کے نزدیک ہے) اور یہ کہ وہ محض اللہ کے لیے شہادت دے اور اس شہادت سے اس کا مقصد نہ کسی نفع کو حاصل کرنا ہو اور نہ کسی ضرر کو اور کرنا ہو اور یہ کہ اس مقدمہ میں وہ شخص خوف فریق نہ ہو اور یہ کہ ادا شہادت کے وقت اس کو مستحیو ہو یا علم ہو اور اس کو یا ہو (یہ شرط امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے صاحبین کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے)۔ (امان الصانع)

عدالت کی تعریف

گواہوں کا حال (نیب) ہونا قاضی پر واجب قبول کے لیے شرط ہے جس شہادت کے جواز کے لیے گواہوں کا حال ہونا شرط نہیں ہے۔ (بحر الرائق) امام ابو حنیفہ کے نزدیک عدالت ظاہر یہ شرط ہے اور عدالت حقیقیہ جو تہیہ شہاد اور تعدیل سے ثابت ہوتی ہے وہ امام اعظم کے نزدیک شرط نہیں ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک عدالت حقیقیہ شرط ہے۔ (امان الصانع) اس زمانہ میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ (ہانی) امام ابو یوسف سے جو عدالت کی تفسیر منقول ہے وہ یہ ہے کہ شہادت میں عدل یہ ہے کہ شاہد بائز سے مجتنب ہو اور صغیر پر اصرار کرنے والا نہ ہو اور اس کی نیبیاں اس کی نیبیاں سے زیادہ ہوں اور اس کی درست باتیں اس کی غلط باتوں سے زیادہ ہوں یہ عدالت کی سب سے بہتر تفسیر ہے۔ (مناہ)

عورت کی شہادت کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

(۱) رکن اثبات کے لیے چار گواہ مسلمان مردوں کی گواہی ضروری ہے اور اس میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔ امام

مالی معاملات میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی شہادت مقرر کرنے کی وجوہات

عورتوں کی شہادت کے متعلق فقہاء اسلام کے مذاہب بیان کرنے کے بعد ہم دو چیزوں کی وضاحت کریں گے۔ ایک یہ کہ قرض کے لین دین اور کاروباری معاملات میں ایک مرد کی گواہی کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی کو کیوں شروع کیا ہے اور دوم یہ کہ حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی کا کیوں اعتبار نہیں کیا گیا۔

سب سے پہلے یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ جس بات میں دو مرد میسر نہ آنے کی صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا ہے یہ اختیاری شہادت کا بیان ہے یعنی یہ وہ صورت نہیں ہے کہ جب کسی ہنگامی ناگہانی یا انظراری واقعہ میں مالی معاملہ یا کسی انسانی حق میں موقع پر موجود کسی شخص کی گواہی کو اس معاملہ یا حق کے ثبوت میں پیش کرنا ہو ایسے کسی ہنگامی اور ناگہانی واقعہ میں ایک مسلمان عورت تو الگ رہی کفار کی شہادت سے بھی وہ معاملہ یا حق ثابت ہو جائے گا قرآن مجید کی زیر بحث جس آیت میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے اس میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جب تم اپنے قصد اور اختیار سے اپنے کسی کاروباری معاملہ یا قرض کے لین دین پر گواہ بنانا چاہو تو اپنی پسند اور مرضی سے گواہ بناؤ اور دو مسلمان مرد ہیں یا ایک مسلمان مرد اور دو مسلمان عورتیں ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ توسع اور اختیار کی حالت میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتیں کیوں رکھی گئی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عدالت میں مدعی علیہ کے خلاف گواہی دینا بہت بڑی جرأت اور دلیری کی بات ہے کیونکہ جس فریق کے خلاف گواہی دی جاتی ہے فطری طور پر وہ فریق اس گواہ کا دشمن ہو جاتا ہے اور فریق مخالف گواہ کو ذرا تا اور دھمکتا ہے اور مختلف ہتھکنڈوں سے اس کو مرعوب اور متاثر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ عورتیں جب جوسی دینے سے لیے آتی ہیں تو رونے لگتی ہیں یا کونسا شروع کر دیتی ہیں یا وکیل مخالف کے اعتراضات سے گھبرا کر بے ربط اور بول بول باتیں کرنا شروع کر دیتی ہیں۔

یہ ایک حقیقت ثابت ہے کہ عورتیں مردوں سے فطرتاً کمزور ہوتی ہیں اور ان میں مردوں کی بہ نسبت جرأت اور حوصلہ بہت کم ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو سپہ سالار جنرل اور کمانڈر نہیں بنایا جاتا دنیا میں محدودے چند عورتیں پائلٹ ہیں اور بالعموم ساری دنیا میں عورتوں کو پائلٹ نہیں بنایا جاتا غرض ہمت دلیری اور شجاعت کے تمام کام مردوں کے سپرد کیے جاتے ہیں اور عورتوں کو ان کاموں سے الگ رکھا جاتا ہے۔ چونکہ فریق مخالف کے خلاف گواہی دینا بہت جرأت اور حوصلہ کا کام ہے اس وجہ سے اسلام نے یہ کام اصالتاً اور بالذات دو مردوں کے سپرد کیا ہے اور اگر کسی عقد اور معاملہ کے وقت دو مرد میسر نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا ہے کیونکہ عین ممکن ہے کہ عدالت میں فریق مخالف کی جرح یا اس کے خوف سے عورت اپنی طبعی کمزوری سے گھبرا کر کچھ کا کچھ کہہ دے تو دوسری عورت اس کو صحیح بات یاد دلا دے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

اَنْ تَصِلَ اِحْدَهُمَا فُتْدِكِرْ اِحْدَهُمَا اِلَ الْاٰخِرٰی

تا کہ ایک عورت بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔

(البقرہ ۲۸۲)

علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں ضلال کا معنی پہن کرتے ہوئے لکھتے ہیں

شہادت میں ضلال یہ ہے کہ ایک چیز یاد رہے اور دوسری یاد نہ رہے اور انسان سرگشتہ و حیران ہو۔

(الجامع الاحکام القرآن ج ۳ ص ۳۹۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

دکلا بیان کرتے ہیں کہ بچانوسے فی صد مقدمات میں جب عورتیں گواہی کے لیے پیش ہوتی ہیں تو بار پڑتی ہیں یا گھبرا کر اول فوں باتیں کرتی ہے یا کونسا شروع کر دیتی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں مرد فطرۃ قوی جرات مند اور دلیر ہوتا ہے اور فریق مخالف کے دباؤ سے مرعوب اور متاثر نہیں ہوتا اس لیے وہ عدالت میں حوصلہ ہارے بغیر ٹھیک ٹھیک گواہی پیش کرتا ہے۔ اسلام نے جو نظام حیات پیش کیا ہے وہ چونکہ فطرتی تقاضوں سے ہم آہنگ ہے اس وجہ سے اس نے ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی رکھی ہے تاکہ گواہی کے موقع پر ان دونوں عورتوں کو ایک دوسری سے طمانیت خاطر رہے اور ڈھارس نہ لگے اور جب کوئی عورت بوکھلا جائے اور گھبراہٹ میں کچھ کچھ کہنے لگے تو دوسری عورت اس کو سچ بات یاد دلا دے۔

ایک مرد کی گواہی کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی کو مقرر کرنے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ تجارتی مال کی پییدگیوں لین دین کی باریکیوں اور قرض کی ضروری شرائط اور قیود سے عام طور پر مرد پوری طرح واقف ہوتے ہیں اس کے برخلاف عورت چونکہ فطری اور شرعی طور پر صرف امور خانہ داری کی ماہر ہوتی ہے اور عام دنیاوی معاملات میں وہ براہ راست ملوث نہیں ہوتی اور نہ اس کی باریکیوں سے کما حقہ واقف ہوتی ہے اس وجہ سے کسی لین دین اور معاہدہ کے وقت فریق مخالف یہ پوچھتا ہے کہ اس کے معاہدہ پر زیادہ سے زیادہ تجربہ کار اور اہل شخص گواہی دے اس لیے وہ چاہتا ہے کہ اولیں مرحلہ میں دو مردوں کو گواہ بنایا جائے اور اگر دوسرا دیکھ نہ آسکیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنادیا جائے تاکہ اس کے معاہدہ پر زیادہ سے زیادہ بہتر گواہی پیش کی جاسکے اور اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لیے اس نے انسانی فطرت کے قریب گواہی کا یہ ضابطہ مقرر کیا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ عورت چونکہ فطرۃ منفعل مزاج ہوتی ہے اس لیے فریق مخالف کے دکیل کی جرح کے موقع پر اس کا اصل موقف سے پھسل جانا اور فریق مخالف کے دلائل سے متاثر ہو جانا زیادہ ممکن ہے اس لیے اس کو اصل موقف پر قائم رکھنے کے لیے ایک اور گواہ کی ضرورت ہے تاکہ جب وہ منفعل یا متاثر ہو کر اصل موقف سے پھسلنے لگے تو دوسری گواہ اس کو سنبھال سکے اور اس کو بروقت اصل موقف یاد دلا دے۔

وہ امور جن میں صرف عورت کی گواہی معتبر ہے

مذکورہ صدر بحث سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ مالیات کے اختیاری معاملات میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی مشروع اور مقرر کرنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اسلام کے نزدیک عورت آدمی انسان ہے یا وہ حقیر یا کم درجہ کی مخلوق ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فطرۃ منفعل مزاج ہے یا مرد کے مقابلہ میں جرات اور حوصلہ کم رکھتی ہے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ عادتاً فطرۃ گھریلو معاملات اور امور خانہ داری میں ماہر ہوتی ہے در مالیاتی نظام کی باریکیوں اور کاروباری نزاکتوں سے واقف اور ان امور کی ماہر نہیں ہوتی اس لیے ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی مشروع اور مقرر کی گئی ہے ورنہ جن معاملات پر اس کی دسترس ہوتی ہے یعنی عورتوں سے متعلق معاملات ان میں تنہا ایک عورت کی گواہی ہی مشروع اور مقرر کی گئی ہے۔ اگر اسلام کے نزدیک عورت آدمی انسان ہوتی یا ساقط الاعتبار ہوتی تو عورتوں کے مخصوص معاملات میں صرف ایک عورت کی گواہی کو کیوں کافی قرار دیا جاتا؟ اب ہم قارئین کے سامنے ایسی احادیث پیش کر رہے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ عورتوں کے مخصوص معاملات میں صرف عورتوں کی گواہی کافی ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں۔

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے شادی کی ایک اور عورت نے آکر کہا میں نے تم دونوں کو دورھ پلایا ہے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر یہ واقعہ عرض کیا آپ نے فرمایا تم اس عورت کو اب نکاح میں کس طرح رکھ سکتے ہو جب کہ یہ شہادت ہو چکی ہے۔ اس عورت کو طلاق دے دو۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۳ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد 'تراجمی' ۸۱ ص ۷۴)

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ صرف ایک عورت نے یہ شہادت دی کہ اس نے حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ کو دودھ پلایا ہے اور صرف اسی ایک عورت کی شہادت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ بن حارث کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں ہر چند کہ فقہاء احناف اور دیگر ائمہ کے نزدیک یہ حدیث انتخاب پر محمول ہے اور رضاعت میں صرف ایک عورت کی شہادت پر فیصلہ کرنا واجب نہیں ہے تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رضاعت میں ایک عورت کی شہادت پر فیصلہ کر دیا

نیز جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مرد جن امور کو دیکھنے کے شرعاً مجاز نہیں ہیں ان امور میں تنہا عورتوں کی شہادت پر فیصلہ کر دیا جائے گا بلکہ صرف ایک عورت کی شہادت پر بھی فیصلہ کر دیا جائے گا۔ امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں: ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ ابن شہاب نے کہا: اس بات پر سنت کے مطابق عمل ہونا رہا ہے کہ عورتوں کے بچہ جننے، نومولود بچہ کے رونے اور عورتوں کے ان معاملات میں جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے اور صرف عورتیں ہی ان معاملات کی نگہبان ہوتی ہیں ان میں صرف عورتوں کی شہادت جائز ہے جس جب بچہ جننے والی ایک مسلمان عورت گواہی دے یا ایک عورت سے زیادہ عورتیں نومولود کے رونے کی گواہی دیں تو یہ شہادت جائز ہے۔ (المصنف ج ۸ ص ۳۳۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

نیز امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں: ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے نومولود کے رونے میں ایک عورت کی شہادت کو جائز قرار دیا۔

(المصنف ج ۸ ص ۳۳۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

ققامع بن حکیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تنہا عورتوں کی شہادت حمل اور حیض وغیرہ صرف ان امور میں جائز ہے جن پر صرف عورتیں ہی مطلع ہوتی ہیں۔ (المصنف ج ۸ ص ۳۳۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

امام شعبی اور حسن بصری نے کہا کہ جن امور پر مرد مطلع نہیں ہوتے ان میں ایک عورت کی شہادت بھی جائز ہے۔

(المصنف ج ۸ ص ۳۳۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

عورت کی شہادت کو نصف شہادت قرار دینے کی حکمتیں

مذکورہ مصادر احادیث آثار اقوال تابعین اور ائمہ مذاہب کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ جو امور عورتوں کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں ان میں صرف ایک عورت کی شہادت پر بھی فیصلہ کرنا جائز ہے اس لیے یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کہ مالی معاملات کی اختیاری گواہی میں چونکہ ایک مرد کی گواہی کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی رکھی گئی ہے اس لیے اسلام نے عورت کو آدھا انسان قرار دیا ہے یا اس کی گواہی کو کمتر قرار دیا ہے اگر اسلام کے نزدیک عورت آدھا انسان ہوتی یا وہ ذلیل اور حقیر ہوتی تو ان معاملات میں صرف ایک عورت کی گواہی پر فیصلہ کا مدار کیوں رکھا جاتا؟

اگر مرد یہ اعتراض کریں کہ بعض نسوانی معاملات میں ان کی شہادت اصلاً معتبر نہیں ہے جب کہ ان معاملات میں عورتوں میں سے ایک عورت کی گواہی قبول کر لی جاتی ہے تو مردوں کو اسلام نے بالکل ساقط الاعتبار کر دیا اور ان کو آدھے انسان کا درجہ بھی نہیں دیا تو کیا یہ اعتراض درست اور معقول ہو گا؟ نہیں! بلکہ یہی کہا جائے گا کہ جن دنیاوی معاملات میں مردوں کو شہادت کی اہلیت ہے وہاں مردوں کی شہادت قبول کی جاتی ہے اور جن نسوانی معاملات میں عورتیں شہادت کی اہل ہیں وہاں عورتوں کی شہادت قبول کی جاتی ہے اسلام نے جس صنف کی شہادت کا جس جگہ اعتبار کیا ہے وہ عین حکمت اور فطرت کے

مطابق ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

مزید غور فرمائیے کہ اثبات زنا میں دو کے بجائے چار مردوں کی گواہی ضرور کی گئی ہے آپ کیا مرد یہ کہہ سکتے ہیں کہ جناب ہماری گواہی تو آدھی کر دی گئی ہے کیونکہ باقی حدود اور معاملات میں دو مردوں کی گواہی کافی ہوتی ہے اور اب زنا میں بھی دو کے چار مردوں کی گواہی ضروری قرار دی گئی ہے تو گویا دو مردوں کو ایک کے قائم مقام کیا ہے اور یہ مردوں کو اٹھائیس قرار دینا ہے۔ اس کے جواب میں بھی یہی کہا جائے گا کہ چونکہ زنا کی سزا بہت سخت رہی گئی ہے جس میں سزا دی شدہ زانی کو رحم کر دیا جاتا ہے اس لیے اس کے ثبوت کی بھی کڑی شرط رکھی ہے، ورنہ زنا کو چار مسلمان مردوں کی گواہی پر مؤقف کیا گیا ہے پھر یہ چیز بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ شہادت دینا کوئی حق یا انعام نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو عورتیں کہہ سکتی تھیں کہ ہمارا حق کم کر دیا گیا ہے عدالت میں جا کر فریق مخالف کے خلاف گواہی دینا اور اس کی دشمنی سول لینا یہ تو ایک اتالا اور معصیت ہے بعض اوقات شہادت دینے کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر جانا پڑتا ہے اور سفر کی صعوبتیں اٹھانی پڑتی ہیں اسلام نے سبب ناک پر جیسے اور احسانات کیے ہیں کہ اس پر معاش اور بچوں کی کفالت کا بوجھ نہیں رکھا ایام حیض میں نمازوں کا مکلف نہیں کیا حالت حیض حمل اور رضاعت میں روزے قضا کرنے کی سہولت دی ہے اسی طرح اسلام کا عورتوں پر یہ بھی احسان اور انعام ہے کہ اس پر شہادت ادا کرنے کا بوجھ کم سے کم رکھا ہے حدود اور قصاص کے معاملات جن کی گواہی دینے میں زیادہ خطہ اور مشقت ہے ان میں اس کو شہادت کا بالکل مکلف نہیں کیا اور ہالی معاملات میں اس سے بوجھ کو کم کر دیا ہے اور جو بوجھ ایک مرد پر ہوتا جاتا ہے وہ دو عورتوں پر تقسیم کر دیا۔ الحمد للہ علی احسانہ و انعامہ

اس مسئلہ کے دیگر پہلوؤں کو جاننے کے لیے "شرح صحیح مسلم" جلد خامس کا مطالعہ فرمائیں ہم نے وہاں اس مسئلہ کے اور پہلوؤں پر بھی بحث کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور جب گواہوں کو (گواہی کے لیے) بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔ (فرقہ ۲۸۲)

گواہی کے لیے بلائے جانے پر گواہوں کے جانے کا شرعی حکم

اگر کسی معاملہ پر متعدد گواہ ہیں تو ہر گواہ کا گواہی دینا واجب نہیں ہے بلکہ یہ وجوب کفائی ہے ان میں سے کسی بھی دو گواہوں نے گواہی دے دی تو باقی سب سے وجوب ساقط ہو جائے گا اور اگر کسی نے گواہی نہیں دی تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر کسی معاملہ پر صرف دو گواہ ہوں تو ان کا گواہی دینا متعین ہے اور جب ان کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو ان کا جانا واجب ہے اور نہ جانا مکروہ تحریمی ہے۔

علامہ ابوالحیاء اندلسی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ربیع وغیرہ نے کہا ہے کہ جب گواہوں کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں مطلقاً اور حسن بھری نے کہا یہ ممانعت تحریم کے لیے نہیں ہے گواہ کے لیے گواہی دینا اور نہ گواہی دینا دونوں جائز ہیں شععی نے کہا اگر اس کے علاوہ اور کوئی گواہ نہیں ہے تو اس پر گواہی دینا متعین ہے ورنہ اس کو اختیار ہے مجاہد عکرمہ سعید بن جبیر وغیرہ نے کہا کہ اگر وہ اس سے پہلے شہادت دے چکے ہیں تو جب ان کو اداء شہادت کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں نقاش نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح مروی ہے اور اگر یہ روایت صحیح ہے تو پھر اس سے عدول نہیں کیا جائے گا اور اداء شہادت سے انکار کی ممانعت تحریمی ہوگی۔

حسن بھری نے کہا مسلمانوں کا ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا مستحب ہے اگر گواہ زیادہ ہوں اور مدعی کے حق

میں معطل ہونے کا خدشہ نہ ہو تو جس گواہ کو بلایا گیا ہے اس کا جانا مستحب ہے اور کسی عذر کی وجہ سے ان کا نہ جانا بھی جائز ہے اور اس میں گناہ نہیں ہے اور اگر گواہ کو یہ خدشہ ہو کہ اس کے نہ جانے سے کسی کا حق معطل ہو جائے گا تو پھر اس کا شہادت دینے کے لیے جانا واجب ہے۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۲۷۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو اور اگر تم نے ایسا کیا تو وہ بے شک تمہارا گناہ ہو گا۔ (البقرہ: ۲۸۲)

کاتب اور گواہ کے ضرر کا بیان

اس آیت کی دو قرأتیں ہیں: ایک قرأت کے مطابق معنی یہ ہے کہ نہ کاتب کو ضرر پہنچایا جائے نہ گواہ کو اس قرأت کے مطابق صاحب حق کو اس سے منع کیا گیا ہے کہ وہ کاتب اور گواہ کو ان کے کاموں سے روک کر انہیں لکھنے اور گواہی دینے کے لیے مجبور کریں یا ان کو اس سلسلہ میں ہونے والے اخراجات ادا نہ کریں یا لکھنے اور گواہی دینے میں جو ان کا وقت خرچ ہو اس کا معاوضہ ان کو ادا نہ کریں۔

اور دوسری قرأت کے مطابق معنی یہ ہے کہ کاتب اور گواہ صاحب حق کو ضرر نہ پہنچائیں مثلاً کاتب صاحب حق کے املا کرانے کے خلاف کچھ لکھ دے یا گواہ اپنی طرف سے گواہی میں کچھ بڑھادے یا کچھ کم کر دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر تم سفر میں ہو (اور تمہیں دین پر مبنی کوئی معاملہ کرنا ہو) اور تمہیں دستاویز لکھنے والا نہ ملے تو قبضہ رکھ کر رہیں (کی بنا پر دین کا معاملہ کرو) پھر اگر تم کو ایک دوسرے پر اقرار ہو تو جس پر اقرار کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ وہ اس کی امانت ادا کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ (البقرہ: ۲۸۳)

سفر اور حضر میں رہن رکھنے کا جواز

اس آیت میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اگر تم سفر میں ہو اور تم نے کسی شخص سے کوئی چیز ادھار خریدنی ہے اور بائع کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے تمہیں دوران سفر کاتب یا گواہ دستیاب نہ ہوں تو بائع کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے اپنی کوئی چیز اس کے پاس رہن رکھ دو اور اور مقبوضہ کے لفظ میں یہ اشارہ ہے کہ بائع اس چیز پر صرف قبضہ کرے گا وہ اس میں تصرف کرنے اور اس سے استفادہ کرنے کا مجاز اور مختار نہیں ہے بعض فقہاء تابعین نے یہ کہا ہے کہ اگر کاتب موجود ہو تو پھر کسی چیز کو گروہی رکھنا جائز نہیں ہے۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں

ضحاک نے کہا: اگر کوئی شخص سفر میں ہو اور وہ مدت معینہ کے ادھار پر کسی چیز کی بیع کرے اور اس کو کاتب نہ ملے تو اس کے لیے رہن پر قبضہ کرنا جائز ہے اور اگر کاتب ہو تو پھر اس کے لیے رہن پر قبضہ کرنا جائز نہیں ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۹۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اور بعض فقہاء تابعین نے یہ کہا ہے کہ صرف سفر میں رہن رکھنا جائز ہے اور حضر میں رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔

امام ابن جریر روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ رہن پر قبضہ کرنا صرف سفر میں جائز ہے حضر میں جائز نہیں ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۹۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

لیکن یہ دونوں قیدی اتفاق ہیں اور ان کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے علامہ ابو بکر جصاص مثنیٰ لکھتے ہیں۔

تمام اہل علم کے نزدیک یہ حکم جس طرح نہیں ہے اور تمام شہروں کے فقہاء اور علامہ السلف کے نزدیک شہر میں بھی یہ چیز کا گروہ رکھنا جائز ہے (احکام القرآن ج ۳ ص ۵۲۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۰ھ) امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کے بدلہ اپنی زرہ رہن رکھی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو کی روٹی اور پرانی چربی لے کر گیا اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ محمد کے پاس صبح اور شام کے لیے صرف ایک صاع ہے۔ (چار کلو گرام)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زرہ گروہ رکھ کر ایک یہودی سے طعام خریدا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۱ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد کراچی ۱۴۲۸ھ) امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے مدت معین کے ادھار پر طعام خریدا اور اپنی زرہ گروہ رکھ دی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ گروہ رکھی اور اس سے اپنے اہل کے لیے جو خریدا۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۷۵ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد تجارت تبہ راچی)

رہن کی تعریف اور رہن سے فائدہ اٹھانے میں مذاہب فقہاء

رہن کا معنی ہے گروہ رکھنا اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے دوسرے کے مال کو اپنے حق میں اس لیے رکھنا کہ اس کے ذریعہ سے اپنے حق کو نکالا یا جزاء وصول کرنا ممکن ہو رہن میں رکھی ہوئی چیز کو مرہون رہن رکھنے والے کو رہن اور جس کے پاس کوئی چیز رہن رکھی جائے اس کو مرہون کہتے ہیں عقد رہن ہا اجماع جائز ہے۔ (ہدایہ اخیر ص ۵۱۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت) امام ابو حنیفہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک رہن شدہ چیز سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے امام بخاری روایت کرتے ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رہن شدہ سواری پر اس کے خرچ کے بدلہ میں سواری کی جائے لی اور اس کے تھنوں سے دودھ نکال کر پیا جائے گا اور جو اس پر سواری کرے گا یا اپنے گا خرچ اس کے ذمے ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۱ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد کراچی ۲۸۸ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی اس حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے ابراہیم نخعی امام شافعی اور ظاہریہ (غیر مقلدین) نے اس پر استدلال کیا ہے کہ رہن رکھوانے والا (مقرض) سواری پر اپنے خرچ کے باعث سواری کرے گا اور اس کا دودھ پئے گا ابن حزم نے "مکلی" میں لکھا ہے کہ رہن رکھوانے والا جس طرح رہن رکھوانے سے پہلے اس سے منافع حاصل کرتا تھا اسی طرح رہن رکھوانے کے بعد بھی اس چیز سے منافع حاصل کرتا رہے گا اور اس سے کسی منفعت کو رد کا نہیں جائے گا اور رہن شدہ جانور پر سواری کرنے اور اس کا دودھ پینے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جس طرح پہلے یہ منافع رہن رکھوانے والے کے لیے تھے اب بھی رہیں گے ہاں اگر وہ ان جانوروں کو ضائع کرے تو پھر وہ ان پر خرچ نہیں کرے گا اور رہن رکھنے والا (رہن) ان پر خرچ کرے گا اور وہی اس پر سواری کرنے اور اس سے دودھ پینے کا نفع بھی حاصل کرے گا اور اس کی رقم کو اس کے قرض میں محسوب نہیں کیا جائے گا قرض کم ہو یا زیادہ

اور یہ اس لیے کہ رہن رکھوانے والے کی ملکیت مرہون میں پاتی ہے اور وہ مرہون ہزاروں کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتی بلکہ اس چانور پر سواری کرنا اور اس کا دودھ دہنا خصوصیت ہے اس شخص کا حق ہے جو اس چانور پر خرچ کرے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ہے۔

امام ابو حنیفہ امام ابو یوسف امام محمد امام مالک اور ایک روایت میں امام محمد نے یہ کہا ہے کہ رہن رکھوانے والے کا حق سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ رہن رکھنے کے منافی ہے رہن کا معنی ہے دانگی دور پر کی پہرہ کچھوں کرنا اور اس سے نفع اٹھانے کا، لک نہیں ہے اور مرہون سے خدمت طلب کرنا اس پر سواری کرنا اس کا دودھ دہنا اور اس میں کھونٹ رہنا وغیرہ اس کے لیے جائز نہیں ہے اور رہن رکھنے والے کے سوا اور اس کی اجازت کے بغیر کسی اور سے ہاتھ پر مرہون کو فروخت کرنا بھی اس کے لیے جائز نہیں ہے اور اگر اس نے فروخت کر دیا تو یہ مرتہن (رہن رکھنے والے) کی اجازت پر موقوف ہے اگر اس نے اجازت دے دی تو یہ فروخت کرنا جائز ہوگا اور اب قیمت اس کے پاس رہن ہوتی اسی طرح مرتہن سے بے بھی رہن سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے حتیٰ کہ اگر غلام رہن ہو تو وہ اس سے خدمت طلب نہیں کرے گا سواری کا چانور سو تو اس پر سواری نہیں کرے گا اگر کبڑا ہو تو اس کو نہیں پینے کا مکان ہو تو اس میں کھونٹ نہیں کرے گا اور مصحف سو تو اس کی تلاوت نہیں کرے گا اور راہن (رہن رکھوانے والے) کی اجازت کے بغیر مرتہن کے لیے رہن کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ امام طحاوی نے کہا ہے کہ ملّا کا اس پر اجماع ہے کہ رہن کا خرچ رہن کے ذمہ ہے اور اس پر خرچ کرنا مرتہن کی ذمہ داری نہیں ہے اور اس حدیث سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے وہ مجمل ہے اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کون رہن پر سواری کرے گا اور کون اس کا دودھ پئے گا پس مخالف کے لیے یہ کہیں سے جائز ہو گیا کہ اس کو رہن کے ساتھ مخصوص کر دے نہ کہ مرتہن کے لیے اور بغیر دلیل کے اس کو ان میں سے کسی ایک سے ساتھ خاص کر دینا جائز نہیں ہے اور هشیم نے اپنی سند سے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب سواری کا چانور رہن ہو تو مرتہن پر اس کو چارہ ڈالنا لازم ہے اور اس کے تھنوں سے دودھ نکالا جائے گا اور اس کا خرچ اس کے ذمہ ہے جو اس کا دودھ پئے گا اور اس پر سواری کرے گا اس حدیث سے یہ متعین ہو گیا کہ ”صحیح بخاری“ کی حدیث میں سواری کرنے اور دودھ پینے کے منافع مرتہن پر محمول ہیں نہ کہ رہن پر مرتہن رہن پر سواری کرے گا اور اس کا دودھ نکالے گا اور اس کے معوضہ میں اس کا خرچ اٹھانے کا ہمارے نزدیک یہ منہم اس وقت تھا جب سود لینا مباح تھا اور اس قرض سے منع نہیں فرمایا تھا جس میں نفع لیا جائے اور نہ غیر مسوی چیزوں کی بیع سے منع فرمایا تھا اس کے بعد آپ نے سود کو حرم کر دیا اور ہر اس قرض سے منع فرما دیا جس سے کوئی منفعت حاصل ہو

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ رہن کا خرچ رہن کے ذمہ ہے مرتہن کے ذمہ نہیں ہے اور مرتہن کے لیے رہن کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ رہن کا تقاضا یہ ہے کہ رہن اس کو مرتہن کے قبضہ میں دے دے اور پھر اس سے سروکار نہ رکھے اسی لیے اس پر اجماع ہے کہ اگر راہن اپنی اونٹنی رہن رکھ دے تو وہ اس سے مباشرت نہیں کر سکتا نیز امام طحاوی نے شخصی سے روایت کیا ہے کہ رہن سے کوئی نفع حاصل نہیں کیا جائے گا۔ (عمدة القاری ج ۱۳ ص ۷۳-۷۴ مطبوعہ ادارۃ المطابع المسمیہ بیروت ۱۳۴۸ھ)

علامہ علاء الدین ہکیمی لکھتے ہیں:

رہن سے نفع حاصل کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے اس سے خدمت لے سکتا ہے نہ اس میں کھونٹ کر سکتا ہے نہ اس کو پھینک سکتا ہے نہ اس کو کرایہ پر دے سکتا ہے نہ کسی کو عاریتہ دے سکتا ہے نہ راہن نہ مرتہن ہاں! اگر راہن مرتہن کو یا مرتہن راہن کو اجازت دے دے تو پھر جائز ہے کہ گیا ہے کہ مرتہن کے لیے اجازت کے باوجود نفع لینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ سود ہے اور یہ بھی جائز نہیں

ہے کہ یہ سود اس وقت ہوگا جب رهن کے عقد میں یہ شرط ہو کہ مرتہن اس سے نفع حاصل کرے گا اور نہ سود نہیں ہے "انشاء" اور "جواہر" میں مذکور ہے کہ رهن نے مرتہن کے لیے درخت کے پھلوں کا کھانا یا گھر میں رہنا یا بکری کا دودھ پینا مباح کر دیا اور اس نے یہ منافع حاصل کیے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا نیز "انشاء" میں لکھا ہے کہ مرتہن کے لیے نفع حاصل کرنا مکروہ ہے۔

(در مختار علی حاصل رد المحتار ج ۵ ص ۳۱۱ - ۳۱۰ "طیوہ دار ادیہ" اقتراٹ امر لہی ص ۱۰۲)

رهن کی شرائط اور ضروری مسائل

عقد رهن ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتا ہے مثلاً رهن یہ کہے کہ تمہارا دین جو میرے ذمہ ہے اس کے مقابلہ میں میں نے یہ چیز تمہارے پاس رکھی رهن کی شرائط حسب ذیل ہیں

(۱) رهن اور مرتہن عاقل ہوں نا سمجھ بچے اور مجنون کا رهن رکھنا صحیح نہیں ہے۔

(۲) رهن کسی شرط پر معلق نہ ہو اور اس کی اضافت وقت کی طرف کی جائے۔

(۳) جو چیز غیر منقسم اور غیر متمیز ہو اس کو رهن رکھنا صحیح نہیں ہے مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ میں اپنا آدھا مکان رهن رکھتا ہوں اور آدھے کی تحدید اور تعیین نہ کرے۔

(۴) جس چیز کو رهن رکھا ہے وہ قابل فروخت ہو اور وہ چیز اس وقت موجود ہو اور مال مشقوم ہو درخت پر جو پھل نہیں جڑے جانور کے پیٹ میں جو بچہ ہے، اور مردار اور خون ایسی حرام چیزوں کو رهن رکھنا جائز نہیں ہے۔

مرہون چیز کی مالیت مرتہن کی ضمان میں ہوتی ہے اور خود وہ چیز مرتہن کے پاس امانت ہوتی ہے ان کے فرق کی وضاحت اس طرح ہے کہ اگر مرتہن مرہون کو رهن سے خرید لے تو اس چیز پر مرتہن کا قبضہ خریداری کے قائم مقام نہیں ہوگا کیونکہ یہ اس کے قبضہ میں امانت ہے اور خریداری کے لیے قبضہ ضمان چاہیے اور مرہون کا خرچ رهن کے ذمہ ہے مرتہن کے ذمہ نہیں ہے اگر مرہون غام تھا اور وہ مر گیا تو اس کی قیمت ضمانت میں رهن کے ذمہ ہے اگر مرہون چیز رهن کے پاس ہلاک ہو جائے تو دین اور اس چیز کی قیمت میں جو مقدار کم ہوگی اس کو ہلاک قرار دیا جائے گا مثلاً ہزار روپے دین کے مقابلہ میں دو ہزار روپے کا گھوڑا گردنی رکھا تھا تو گھوڑا ہزار روپے کے مقابلہ میں ہلاک ہو گیا اور اب مرتہن رهن کو کچھ نہیں دے گا اور اگر صورت مفروضہ میں گھوڑے کی قیمت پانچ سو روپے تھی تو ہزار روپے رهن میں سے پانچ سو روپے ساقط ہو گئے اور باقی ماندہ پانچ سو روپے رهن کے ذمہ واجب الادا میں اور اگر دین اور مرہون کی مالیت برابر ہو مثلاً اس صورت میں گھوڑا ہزار روپے کا ہو تو کسی کے ذمہ کچھ واجب نہیں ہے۔

اگر مرتہن نے دین میں کوئی ایسا تصرف کیا جس سے وہ چیز ہلاک ہو گئی یا اس میں نقصان پیدا ہو گیا تو وہ اس کا ضامن ہو گا یعنی اس کا تاوان ادا کرے گا مثلاً ایک شیر والی دو ہزار کی بھی مرتہن نے رهن کی اجازت سے اس کو پہنا اور اس پر دانے دے لگ گئے جس سے وہ ہزار روپے کی رہ گئی تو اس ہزار روپے کی کمی کا تاوان مرتہن رهن کو ادا کرے گا اور اس نے وہ دھلے کے لیے دی اور دھوبی نے گم کر دی تو وہ دو ہزار روپے کا ضامن ہوگا اگر مرتہن نے رهن کی اجازت کے بغیر رهن سے فائدہ اٹھایا اور وہ چیز ہلاک ہوئی تو بھی مرتہن کو تاوان ادا کرنا ہوگا مرہون کی حفاظت کا خرچ مثلاً اس کے لیے مکان کا کرایہ اور چوکیدار کی تنخواہ مرتہن کے ذمہ ہے اور مرہون کی بھلا کا خرچ مثلاً جانوروں کے چارے کا خرچ یا باغ میں پانی لگانے اور پھل توڑنے کے اخراجات وغیرہ یہ رهن کے ذمہ ہیں۔

(عالمگیری ج ۵ ص ۳۳۳ - ۳۳۲ رد المحتار ج ۵ ص ۳۱۲ - ۳۱۱ بدایہ النہی ج ۱ ص ۵۲۰ - ۵۱۶ ملخصاً)

فقہاء نے یہ نہیں لکھا کہ گردی رکھے ہوئے جانوروں کے دودھ کی آمدنی اور باغ کے پھلوں کی آمدنی کا کون مالک ہوگا؟ مرتہیں تو اس کا مالک نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ سود ہے اس لیے ظاہر ہے کہ اس آمدنی کا مالک راہن ہی ہوگا۔ ”یونہی“ ”در مختار“ میں مذکور ہے کہ مرتہیں کی اجارت سے راہن مرہون سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر اگر تم کو ایک دوسرے پر اعتبار ہو تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ وہ اس کی امانت ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ (البقرہ ۲۸۳)

اعتماد کی صورت میں وثیقہ لکھوانے، گواہ بنانے اور گردی رکھنے کو ترک کرنے کی رخصت

یعنی اگر دائیں کو مقرض کی امانت دہری پر، اعتماد ہو اور وہ دستاویز لکھنے کسی کو گواہ بنانے اور قرض کے مقابلہ میں کسی چیز کو گردی رکھنے کے بغیر اپنا مال مقرض کے حوالے کر دے یا اپنا مال اس کو فروخت کر دے تو مقرض پر لازم ہے کہ وہ دائیں کے اعتماد پر پورا اترے اور اس کی امانت اس کو ادا کر دے یہ امر وجوب کے لیے ہے اور اس پر اجماع ہے کہ قرضوں کا ادا کرنا واجب ہے حاکم کو چاہیے کہ وہ مقرض کو قرض ادا کرنے کا حکم دے اور مقرض کو قرض ادا کرنے پر مجبور کرے۔

احادیث کی روشنی میں دین اور قرض کے ضروری مسائل

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے لوگوں سے اس مال لیے اور وہ ان کو ادا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا تو اللہ تعالیٰ ان اموال کو اس کی طرف سے ادا کر دے گا اور جس نے لوگوں کے مال لیے در آں حالیکہ وہ ان کو تلف کرنے کا ارادہ رکھتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو تلف کر دے گا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۱ مطبوعہ دار الفکر للطباعة والنشر بیروت ۱۴۰۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

یعنی جس شخص نے کوئی تقصیر نہیں کی اس کی نیت قرض ادا کرنے کی تھی لیکن اس کو اتنے پیسے دستیاب نہیں ہوئے یا اس کو اچانک موت آگئی اور اس کو قرض ادا کرنے کی مہلت نہیں ملی حالانکہ اس کی نیت ادا کرنے کی تھی تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی طرف سے قرض خواہ کو ادا ایگی کر دے گا اور اس سے مطالبہ نہیں ہوگا اور جیسا کہ طریقہ ہے کہ اگر مقرض نے قرض ادا نہ کیا ہو تو اس کی نیکیاں قرض خواہ کو دے دی جاتی ہیں یا قرض خواہ کے گناہ مقرض کے نامہ اعمال میں ڈال دیے جاتے ہیں اس کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہوگا اور جس شخص کی نیت یہ ہو کہ وہ دائیں کو اس کا مال نہیں دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے جسم کو ضائع کر دے گا یا اس کے مال کو ضائع کر دے گا یا آخرت میں اس کو عذاب دے گا۔

امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے محمد بن علی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر لوگوں سے قرض لیتے تھے ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے جب تک مقرض قرض کو ادا نہ کرے اللہ مقرض کے ساتھ ہوتا ہے اس حدیث کی سند حسن ہے نیز امام حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جس بندہ کی نیت قرض کو ادا کرنا ہو اس کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے۔

(صحیح البخاری ج ۵ ص ۵۴ مطبوعہ دار الفکر للطباعة والنشر بیروت ۱۴۰۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو تو مجھے اس سے خوشی نہیں ہوگی کہ میرے پاس تین دن تک اس میں سے کوئی چیز رہے ماسوا اس کے جس کو میں قرض کی ادائیگی

کے لیے رکھ لوں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۱ مطبوعہ نور محمد ص ۱۳۸۱ کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ختی کے ساتھ قرض کا معاوضہ کیا آپ کے اصحاب نے اس کو مارنے یا ڈانٹنے کا ارادہ کیا آپ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو کیونکہ صاحب حق کو بات کرنے کی گنجائش ہوتی ہے اور اس کے لیے اونٹ خریدو اور اس کا قرض ادا کر دو صحابہ نے کہا: جتنی عمر کا اونٹ اس کو ادا کرنا ہے اس سے زیادہ کامل رہا ہے آپ نے فرمایا وہی خریدو اور اس کو ادا کر دو کیونکہ تم میں بہترین شخص وہ ہے جو بھی طرح قرض ادا کرے (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۱ مطبوعہ نور محمد ص ۱۳۸۱ کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدت پوری ہونے کے بعد قرض کا مطالبہ کرنا جائز ہے اور قرض خواہ کا مطالبہ میں ختی کرنا بھی درست ہے اور مقرض کو اس کی ختی کا جواب ختی سے نہیں دینا چاہیے اور مقرض اصل قرض سے زیادہ ادا کرے تو شخص ہے بہ شریک قرض خواہ کی طرف سے اس کا مطالبہ نہ ہو ورنہ حرام ہے اور اچھے جائز کاموں کے لیے قرض لینا درست ہے اور امام کے لیے بیت المال پر قرض لینا جائز ہے اور جو شخص امام کے ساتھ بدتمیزی کے ساتھ پیش آئے وہ عزیر کا مستحق ہے۔ یہ کہ امام معاف کر دے اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر دست حوصلہ، حلم تواضع اور آپ کے خلق عظیم کا بیان ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ میں آتا ہوں کسی شخص نے کہا: آپ قرض سے بہت پناہ مانگتے ہیں آپ نے فرمایا جب انسان مقرض ہوتا ہے تو وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۲ مطبوعہ نور محمد ص ۱۳۸۱ کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غنی کا (قرض کی ادائیگی میں) تاخیر کرنا ظلم ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۳ مطبوعہ نور محمد ص ۱۳۸۱ کراچی ۱۳۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور گواہی نہ چھپو اور جو شخص گواہی چھپائے اس کا دل گناہ آلودہ ہے۔ (البقرہ ۲۸۳)

گواہی دینے کا وجوب اور دل کی طرف گناہ کی اضافت کی حکمتیں

یہ نہی تحریم ہے اور گواہی کا چھپانا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مدد مطلق فرمائی ہے کہ جو شخص گواہی کو چھپائے گا اس کا دل گناہ آلودہ ہے گواہی چھپانے کا معنی یہ ہے کہ انسان گواہی ادا کرنے سے اپنے آپ کو روک لے اور گواہی چھپانا اس وقت حرام ہے جب اس کے گواہی نہ دینے سے صاحب حق کا حق ضائع ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو شخص گواہی چھپائے گا اس کا دل گناہ آلودہ ہے اور گناہ کی اضافت دل کی طرف کی ہے کیونکہ شہادت چھپانے اور اس کو ادا نہ کرنے کی نیت کا تعلق دل سے ہے اور جب کسی فعل کی اضافت کسی عضو کی طرف کی جاتی ہے تو اس میں زیادہ تاکید ہوتی ہے جیسے کہتے ہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا اور میرے دل میں فلاں کی محبت ہے اور خصوصاً دل کی طرف اضافت اس لیے کی ہے کہ دل انسان کے اجزاء میں اشرف اجزاء اور رئیس اعضاء ہے اور اس کا فعل باقی اعضاء کی بہ نسبت زیادہ عظیم ہے اور ایک تو جیہ یہ کی گئی ہے کہ گناہ کی اضافت دل کی طرف اس لیے کی ہے کہ یہ گمان نہ کیا جائے کہ شہادت چھپانے کے گناہ کا تعلق صرف زبان کے ساتھ ہے اور یہ معلوم ہو جائے کہ گناہ کا اصل سرچشمہ اور معدن انسان کا دل ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ صحیح ہو تو پورا جسم صحیح ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہو تو پورا جسم خراب ہوتا ہے سنو! وہ قلب ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳۳ مطبوعہ دار محمد اسع الطحاوی، ترمذی ۱۳۸۱ھ)

یا قسب کی طرف اضافت اس لیے کی ہے کہ گناہ کا اثر قلب میں ظاہر ہوتا ہے۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیہ نکلتا پیدا ہو جاتا ہے اگر وہ توبہ کرے اس کام سے باز آ جائے اور استغفار کرے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ زیادہ گناہ کرے تو اس کے دل میں اور سیاہ نکلتے پیدا ہو جاتے ہیں اور یہی وہ رین (ران) ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۳﴾

(المطعمین ۱۳) جڑھا دیا۔

(سنن ابن ماجہ ص ۲۳۳ مطبوعہ دار محمد کارخانہ تہذیب کتب ترمذی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۷ مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

و شیعہ لکھتے گواہ بنانے اور رہن رکھنے کے اسرار اور حکمتیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مدحت معینہ کے ادھار پر کی جانے والی بیچ کی دستاویز لکھتے اس بیچ پر گواہ بنانے اور مقروض کی کسی چیز کو گروہی رکھنے کا جو حکم دیا ہے وہ دین اور دنیا کی صلاح پر مبنی ہے دنیا کی صلاح یہ ہے کہ اگر اس بیچ کو لکھنا نہ جائے تو اس میں اختلاف، تنازع اور فساد ہو سکتا ہے اور انسان کے ہاتھ سے دین اور دنیا جاتی رہے گی اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: تم ایک دوسرے کے ساتھ نزاع نہ کرو ورنہ تم پر دل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ (الانعام: ۵۶) اور جب خرید و فروخت کے معاملات لکھے ہوئے ہوں گے اور ان پر گواہ موجود ہوں گے تو کوئی فریق دوسرے فریق کے حق کا انکار نہیں کر سکے گا اور نہ اس کے حق میں کوئی کمی کر سکے گا اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بیچ کرنے سے منع فرمایا دیا جس میں بیچ یا شمن کی مقدار مجہول ہو یا بیچ یا شمن کو ادا کرنے کی مدت مجہول ہو کیونکہ اس جہالت کی وجہ سے فریقین میں اختلاف اور نزاع ہو گا اور یہ اختلاف آپس میں لڑائی جھگڑے، کینہ، بغض اور عداوت کا موجب ہو گا اور اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کو حرام کرنے کا بھی یہ سبب بیان کیا ہے کہ ان کی وجہ سے عداوت اور بغض پیدا ہوتا ہے (الانعام: ۹۰)۔

نیز اللہ تعالیٰ نے دستاویز لکھتے گواہ بنانے اور رہن رکھنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ بائع کا مال محفوظ رہے اور خریدار کی نادمندی سے، مومن رہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد جگہ یہ حکم دیا ہے کہ مال کی حفاظت کی جائے اور اس کو ضائع ہونے سے بچایا جائے اور شاد فرمایا:

اور کم نقلوں (نا سمجھ بیسوں) کو ان کے (وہ) مال نہ دو (جو تمہاری تحویل میں ہیں) جن (اموال) کو اللہ نے تمہاری گزر

اولیات کا ذریعہ بنایا ہے۔ (انعام: ۵)

نیز فرمایا: اور وہ لوگ جو خرچ کرتے وقت نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ لگی سے کام لیتے ہیں اور ان کا خرچ میاں بروی اور اعتدال سے ہوتا ہے۔ (الزمر: ۶۷) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ

تمہاری بین عادتوں کو ناپسند کرتا ہے۔ قبل دکان کرنا بہ کثرت سوال کرنا اور مال ضائع کرنا (یعنی لمٹن کرنا)۔
 خلاصہ یہ ہے کہ قرآن اور حدیث کا فہم یہ ہے کہ علماء میں اختلاف اور مزاحمت کریں اور اس کی وجہ سے باہمی
 عداوت اور بغض میں مبتلا نہ ہوں اور مسلمان اپنے مالوں کو ضائع ہونے سے بچا میں اور اس کی حفاظت کریں اور بیچ کی دکانیں
 لکھنے اس پر گواہ بنانے اور قیمت کے مقابلہ میں مقروض کا مال کر دینی رکھنے سے یہ دونوں امر حاصل ہوئے ہیں اس لیے اس
 آیت میں وثیقہ لکھنے کو ہدایت اور رہن رکھنے کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے تمام امور اور صلہ کو بھی خوب جانتا
 ہے۔

بِاللّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِؕ وَاِنْ تُبَدُّ اَمَاقِؕ

اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے

اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخَفُوهُ يُحَاسِبُكُمْ بِهٖ اللّٰهُؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

تم اس کو ظاہر کرو یا تم اس کو چھپو اللہ تم سے اس کا حساب لے گا سو جس کو چاہے گا بخش دے گا

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌۭ ۝۲۸۶ اَمِنْ

اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۝ (ہمارے)

الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖؕ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّ

رسول اس (کلام) پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا اور مسلمان (بھی ایمان لائے) اللہ پر

اَمِنْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكِتٰبِهٖ وَرَسُوْلِهٖؕ لَا تَفْرِقُ بَيْنَ اَحَدٍ

اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر سب (یہ کہتے ہوئے) ایمان لائے کہ ہم (ایمان لائے ہیں) ان

مِّنْ رُّسُوْلِهٖؕ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَا

رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور انہوں نے کہا ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش

اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۲۸۷ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاؕ لَهَا

کے طالب ہیں اور (ہمیں) تیری ہی طرف واپس لے دینا ہے ۝ اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا تکلف نہیں کرتا جو اس (شخص)

مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ

نے نیک کام کیے ہیں ان کا نفع (بھی) اس کے لیے ہے اور جو اس نے برے کام کیے ہیں ان کا نقصان (بھی) اس کے لیے

نَسِينًا أَوْ أَخْطَانًا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إَصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ

ہے اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے غلطی ہو جائے تو ہماری گرفت نہ کرنا اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈالنا

عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا

حیدیا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالنا اے ہمارے رب! ہم پر ان احکام کا بوجھ نہ ڈالنا جن کی ہمیں طاقت نہ ہو

بِهِ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۚ وَاعْفُ لَنَا ۚ وَارْحَمْنَا ۚ أَنْتَ مَوْلَانَا

اور ہمیں معاف فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہمارا مالک ہے

فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۚ

۲۸۶

تو کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما

بیچ اور دین کے بعد اعمال صالحہ سے مکلف کرنے کی مناسبت

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اصول اور فروع اور عقائد اور اعمال میں سے متعدد اہم امور بیان فرمائے ہیں تو حید رسالت قیامت اور جزاء اور سزا کے دلائل کا ذکر فرمایا اور نماز زکوٰۃ صدقات روزہ حج جہاد قصاص حیض طلاق عدت وضع ایلاء رضاعت ربایع دین اور رہن کے احکام بیان فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان عقائد کو ماننے اور ان احکام پر عمل کرنے کا مکلف فرمایا ہے تو یہاں ہمیں مکلف کرنے کی دلیل ذکر فرمائی کہ تمام آسمانوں میں جو کچھ ہے اور تمام زمینوں میں جو کچھ ہے اللہ اس کا مالک ہے اور آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اس کی مملوک ہے اور مالک کو حق ہے کہ وہ اپنی مملوک کو جس چیز کا چاہے مکلف کرے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں تو حید و رسالت اور قیامت اور جزاء اور سزا کے ماننے کا مکلف کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جن عقائد کا مکلف کیا ہے ان کو ماننے کا تعلق ہمارے دلوں سے ہے اور جن احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا مکلف کیا ہے ان کی جزاء یا سزا کا مدار ہماری نیتوں پر ہے اور ہماری نیتوں کا تعلق بھی ہمارے دلوں کے ساتھ ہے اس لیے فرمایا اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اس کو ظاہر کر دیا تم اس کو چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا چونکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے اور ہر چیز اس کی مملوک ہے اس لیے حساب لینا اس کا حق ہے اور وہ ہر چیز کا عالم ہے خواہ کوئی چیز چھوٹی ہو یا بڑی ظاہر ہو یا مخفی اسے ہر چیز کا علم ہے اور ہر چیز کی گرفت کرنے پر وہ قادر ہے اس کا علم ہر شے کو محیط ہے اور اس کی قدرت ہر چیز کو شامل ہے۔

خواطر قلب کی تکلیف کے منسوخ ہونے کا بیان

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اس کو ظاہر کر دیا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے تو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر یہ آیت بہت شاق گزری وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہمیں نماز، روزہ، جہاد اور صدقہ کا مکلف کیا گیا یہ ایسے اعمال ہیں جن کی ہم طاقت رکھتے ہیں اور اب آپ پر جو آیت نازل کی گئی ہے اس پر عمل کرنے کی ہم طاقت نہیں رکھتے (کیونکہ اس آیت میں یہ مذکور ہے کہ تمہارے دلوں کی چھپی ہوئی باتوں کا بھی حساب لیا جائے گا اور دل میں غیر اختیاری طور پر بہت سی باتوں کا خیال آتا ہے جو اچھی بھی ہوتی ہیں اور بُری بھی اور دل میں آنے والی باتوں کے دور کرنے پر انسان قادر نہیں ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اس طرح کہو جس طرح تم سے پہلے کتاب والوں (یہود و نصاریٰ) نے کہا تھا: ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی بلکہ تم کہو: ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی! اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طالب ہیں! اے ہمارے رب اور (ہمیں) تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ جب مسلمانوں نے اس طرح پڑھا اور ان کی گردنیں جھک گئیں تو اللہ عزوجل نے اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی: (ہمارے) رسول اس کلام پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا اور مومن بھی ایمان لائے اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر سب (یہ کہتے ہوئے) ایمان لائے کہ ہم (ایمان لانے میں) ان رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور انہوں نے کہا: ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی! اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طالب ہیں اور ہمیں تیری طرف لوٹنا ہے۔ جب مسلمانوں نے یہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے اس پہلے حکم کو منسوخ کر دیا اور یہ آیت نازل فرمائی: اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا جو اس (شخص) نے نیک کام کیے ہیں ان کا نفع (بھی) اس کے لیے ہے اور جو اس نے بُرے کام کیے ہیں ان کا نقصان (بھی) اس کے لیے ہے! اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے غلطی ہو جائے تو ہماری گرفت نہ کرنا! اللہ نے فرمایا: ہاں! (حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے) اللہ نے فرمایا: میں نے ایسا کر دیا! اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا! اللہ نے فرمایا: ہاں! (حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے) فرمایا: میں نے کر دیا! اے ہمارے رب! ہم پر ان احکام کا بوجھ نہ ڈالنا جن کی ہمیں طاقت نہ ہو فرمایا: ہاں! (یا فرمایا: میں نے کر دیا) اور ہمیں معاف فرما! اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما! تو ہمارا مالک ہے تو کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما! فرمایا: ہاں! یا فرمایا: میں نے کر دیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۷-۸۸ مطبوعہ نور محمدیہ المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے اکثر مفسرین اس کے قائل ہیں کہ پہلے مسلمان دل میں بُرے خیالات اور دوسروں سے بھی اجتناب کے مکلف تھے پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا کیونکہ دوسروں سے اجتناب کرنا ان کی وسعت اور طاقت میں نہیں ہے جیسا کہ اس حدیث میں اس کی تصریح ہے اور بعض متاخرین نے کہا: یہاں نسخ نہیں ہے کیونکہ نسخ انشاء (ادامہ اور نواہی) میں ہوتا ہے اخبار میں نہیں ہوتا لیکن ان متاخرین کی یہ رائے صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کو پہلے یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس سے اجتناب کر دو اور بعد میں اس حکم کو منسوخ کیا گیا ہے اور اس آیت میں اس سابق حکم اور اس کے منسوخ ہونے کی خبر دی گئی ہے بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ نسخ سے مراد یہاں ازالہ ہے یعنی ان کے دلوں میں یہ بات مرکوز ہو چکی تھی کہ ان کو ایک سخت دشوار اور ناقابل عمل فعل کا مکلف کر دیا گیا ہے تو ان کے دلوں سے اس بات کو زائل کیا گیا کہ اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا یہ قاضی عیاض کی رائے ہے اور واحدی کا مختار یہ ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے منسوخ نہیں ہے۔

”ہم“ اور ”عزم“ کی تحقیق

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو نبی کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۰) اس کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک منہج اور اس کے ایک منہج کے ساتھ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو نبی کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۰) اس کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک منہج اور اس کے ایک منہج کے ساتھ ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

ما مازن نے کہا: قاضی ابوہریرہ بن عیوب کا مذہب یہ ہے کہ اس نے اس سے معصیت کا منہج لیا ہے اور اس نے معصیت کا عزم نہیں کیا۔ معصیت سے اس کے منہج میں ہی اس کا منہج تھا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۰) اس کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک منہج اور اس کے ایک منہج کے ساتھ ہے۔

قاضی یحییٰ بن عیوب کا مذہب یہ ہے کہ اس نے اس سے معصیت کا منہج لیا ہے اور اس نے معصیت کا عزم نہیں کیا۔ معصیت سے اس کے منہج میں ہی اس کا منہج تھا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۰) اس کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک منہج اور اس کے ایک منہج کے ساتھ ہے۔

معصیت کو ترک کر دیا تو ایک منہج ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۰) اس کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک منہج اور اس کے ایک منہج کے ساتھ ہے۔

بے خواہ اس پر عمل کیا جائے یا نہیں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۰) اس کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک منہج اور اس کے ایک منہج کے ساتھ ہے۔

بے شک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے

کفر نہ ہو اور نہ ہی کفر نہ ہو۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۰) اس کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک منہج اور اس کے ایک منہج کے ساتھ ہے۔

یہ حاجس ہے اور اگر بار بار اس کو قتل کرنے کا خیال آئے تو یہ خاطر ہے اور جب اس کا ذہن اس کے قتل کی طرف راغب ہو اور وہ اس کے قتل کا منصوبہ بنائے کہ اس کو مثلاً پستول سے قتل کرے گا اور خداں جگہ سے پستول کو حاصل کرے گا تو یہ حدیث نفس ہے اور جب وہ اس کو قتل کرنے کا ارادہ کر لے اور غالب جانب اس کو قتل کرنے کی ہو لیکن مغلوب سایہ خیال ہو کہ وہ کہیں پکڑا نہ جائے اس لیے قتل کرے تو بہتر ہے تو یہ ہم ہے اور جب یہ مغلوب جانب بھی نازل ہو جائے اور وہ یہ طے کر لے کہ اس کو قتل کرنا ہے خواہ وہ پکڑا کیوں نہ جائے اور اس کے بدلہ میں قتل کیوں نہ کر دیا جائے اور اس کو قتل کرنے کی نیت کرے تو یہ عزم ہے پہلے چار مرتبوں پر اس سے مواخذہ نہیں ہوگا لیکن جب وہ قتل کرنے کا عزم کر لے گا تو اس عزم پر مواخذہ ہوگا خواہ اس نے قتل نہ کیا ہو مثلاً وہ شخص اس کو قتل کرنے گیا لیکن جب وہ اس کے گھر گیا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنی طبعی موت سے ابھی رہی ہے اب ہر چند کہ اس نے قتل نہیں کیا لیکن اس نے بہر حال اس کو قتل کرنے کی نیت کر لی تھی اس لیے اس نیت کی وجہ سے اس کی گرفت ہوگی۔

حاجس خاطر اور حدیث نفس کے مرتبہ میں معصیت پہلی امتوں پر بھی معاف تھی اور اس امت پر بھی معاف ہے لیکن پچھلی امتوں کا ”ہم“ پر مواخذہ ہوتا تھا اس امت پر ”ہم“ معاف ہے اہل اگر معصیت کا عزم کر لیا جائے تو اس امت پر بھی مواخذہ ہوگا۔

معصیت کی حدیث نفس مذموم ہے اور نیکی کی حدیث نفس جائز بلکہ مستحسن ہے خواہ حالت نماز ہو۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں

حضرت عمرؓ نے کہا میں نماز کی حالت میں لشکر کی صفیں مرتب کرتا رہتا ہوں۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶۳ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد، کراچی ۱۴۳۸ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دینی امور کے متعلق نماز میں سوچا اور غور و فکر کرنا جائز ہے۔

امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت اپنے دل میں جن کاموں کے منصوبہ بناتی ہے (حدیث نفس) جب تک ان کی بات نہ کرے یا ان پر عمل نہ کرے اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرماتا ہے۔

امام فریابی، امام عبد بن حمید اور امام ابن المنذر، محمد بن کعب قرظی سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ نے جس نبی اور رسول کو مبعوث کیا اور اس پر کتاب نازل کی۔ اس پر یہ آیت نازل فرمائی: جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اس کو ظاہر کرو یا تم اس کو چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا پس جس کو چاہے گا اس کو بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ سابقہ امتوں نے اپنے نبیوں اور رسولوں سے اس حکم کو ماننے سے انکار کیا اور کہا ہمارے دلوں میں جو باتیں آئیں اور ہم ان پر عمل نہ کریں تو ہم سے ان پر کیسے گرفت ہوگی سو وہ کافر اور گمراہ ہو گئے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر بھی یہ آیت اسی طرح دشوار ہوئی جس طرح پچھلی امتوں پر دشوار ہوئی تھی انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہمارے دلوں میں جو باتیں آئیں اور ہم ان پر عمل نہ کریں کیا پھر بھی ہم سے ان باتوں پر مواخذہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تم سنو اور تم اطاعت کرو اور جب مسلمانوں نے یہ کہا کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے حدیث نفس (دل کی باتوں) پر محاسبہ کو ساقط کر دیا جب تک کہ وہ اس پر عمل نہ کر لیں اور ان کو انہی کاموں کا مکلف کیا جن کی وہ طاعت رکھتے تھے اور جب انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! انہیں ان اور خطا پر ہماری گرفت نہ کرنا تو ان سے نسیان اور خطا پر مواخذہ کو

ساقط کر دیا اور صواب انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم پر ایسے سخت احکام کا بوجھ نہ ڈالنا جیسے سخت احکام پہلی امتوں پر تھے تو ان کو ایسے سخت احکام کا مکلف نہیں کیا گیا اور اس کو معاف کر دیا ان کی مغفرت کی اور ان کی مدد فرمائی

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۷۳-۳۷۴ مطبوعہ مکتبۃ الرشد لکھنؤ)

تکلیف مالا یتطاق پر استدلال اور اس کا جواب

علامہ ابوالیمان اندلسی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے ”جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اس کو ظاہر کرو یا تم اس کو چھپا دو اللہ تم سے اس کا حساب لے گا“ انسان اپنے دس میں جن وسوسوں اور حدیث نفس کو چھپاتا ہے وہ اس میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ان سے قلب کو فرغ کرنا اس کی طاقت اور اختیار میں نہیں ہے بلکہ جس چیز کا وہ اعتقاد کرتا ہے اور اس کا عزم کرتا ہے وہ اس میں داخل ہے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس آیت کو تلاوت کیا اور کہا اگر اللہ نے اس پر ہمارا مواخذہ کیا تو ہم ہلاک ہو جائیں گے پھر وہ رونے لگے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ ابو عبد الرحمن پر رحم کرے جس طرح ان کو رنج ہوا ہے مسلمانوں کو بھی اس طرح رنج ہوا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا ان روایات کی بناء پر بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت مندرجہ ہے لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں محکم ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کا محاسبہ کرے گا اور انہوں نے جن کاموں کا پختہ عزم کیا ہے خواہ انہوں نے وہ کام نہیں کیے ان کا بھی محاسبہ کرے گا اور مؤمنین کی مغفرت فرمادے گا اور کفار اور منافقین کا مواخذہ فرمائے گا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا دل میں جو خواطر اور وساوس آتے ہیں ان کی سزا میں دنیا میں مصائب اور آلام پہنچتے ہیں بعض علماء نے اس آیت سے تکلیف مالا یتطاق پر استدلال کیا ہے کیونکہ خواطر قلب سے پہنچنا انسان کی طاقت میں نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا مکلف کیا ہے ابن عطیہ نے کہا یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ خواطر قلب کی یہاں تاویل نيات عزائم اور اعتقادات سے کی گئی ہے اور وہ انسان کے اختیار میں ہیں۔

(البحر المحیط ج ۲ ص ۷۵۳ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (ہمارے) رسول اس (کلام) پر ایمان لائے جو ان کی طرف اس کے رب کی طرف سے نازل ہوا اور مومن (بھی ایمان لائے)۔ (البقرہ: ۲۸۵)

سورہ بقرہ کے افتتاح اور اختتام کی مناسبت

اس سورت کی ابتداء میں بھی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی صفات بیان فرمائی تھیں کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جو اس (کلام) پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور یہی دگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ آخرت میں نلاح پانے والے ہیں اور سورت کے اختتام میں بھی مومنوں کی صفات بیان کی گئی ہیں کہ وہ اس کلام پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور اے ہمارے رب! ہم تیری مغفرت کے طالب ہیں اور تیری ہی طرف ہمیں لوٹنا ہے۔ (الایۃ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر سب (یہ کہتے ہوئے) ایمان لائے کہ ہم (ایمان لانے میں) ان رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ (البقرہ: ۲۸۵)

اللہ فرشتوں کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانے کے ذکر کی ترتیب

اس آیت میں پہلے اللہ پر ایمان لانے کا ذکر کیا ہے کیونکہ ہر ذی عقل سب سے پہلے وجود صانع پر اسناد ال کرتا ہے اس کے بعد فرشتوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے کیونکہ اللہ اور بندوں کے درمیان فرشتے واسطہ ہیں اس لیے ان کا دوسرے درجہ میں ذکر ہے پھر کتابوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے کیونکہ کتابیں وہ وحی ہیں جن کو فرشتہ اللہ سے لے کر نبیوں تک پہنچاتا ہے اس لیے ان کا تیسرے مرتبہ میں ذکر ہے اس کے بعد رسولوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے کیونکہ وہی وحی کے انوار سے افق پر کرتے ہیں اس لیے ان کا چوتھی جگہ ذکر ہے۔

اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لانے میں ان رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے جیسے یہود اور نصاریٰ نے فرق کیا کہ بعض نبیوں پر ایمان لائے اور بعض پر ایمان نہیں لائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا (البقرہ ۲۸۶)

امام ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اس کو ظاہر کر دیا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم ہاتھ پاؤں اور زبان کے کاموں سے توبہ اور رجوع کرتے ہیں دوسووں سے کیسے رجوع کریں تو جبریل اس آیت کو لے کر آئے اللہ کی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا بے شک تم دوسووں سے باز رہنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

امام بخاری امام مسلم امام ابو داؤد امام ترمذی امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے میں میں جو سو سے آتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے درزر فرماتا ہے جب تک کہ وہ ان پر عمل نہ کریں اور ان کی بات نہ کریں۔ (الدر المنثور، رن اس ۷۳۱، مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ابراہیم) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو اس (شخص) نے نیک کام کیے ہیں ان کا نفع (بھی) اس کے لیے ہے اور جو اس نے برے کام کیے ہیں ان کا نقصان (بھی) اس کے لیے ہے۔ (البقرہ ۲۸۶)

کسب اور اکتساب کا معنی اور شر کو اکتساب کے ساتھ مخصوص کرنے کی توجیہ

جس کام کو انسان قصد اور ارادہ سے کرے اس کو کسب اور اکتساب کہتے ہیں اور خواطر اور دوسو میں انسان کے قصد اور ارادہ کا دخل نہیں ہوتا اس لیے ان پر گرفت نہیں ہوگی اسی طرح جو کام انسان سے نسیانا اور خطا ہو جائے یہ جو کام اضطراری طور پر صادر ہو اس پر بھی گرفت نہیں ہوگی۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کے ان کاموں کو معاف کر دیا جو خطا ہوں نسیانا ہوں یا جن کاموں پر انہیں مجبور کیا گیا ہو۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۳۷، مطبوعہ نور محمد کارخان تجارت کتب کراچی)

اہل لغت کے نزدیک کسب اور اکتساب کا معنی واحد ہے اور بعض نے کسب اور اکتساب میں فرق بیان کیا ہے کسب عام ہے خواہ انسان وہ کام صرف اپنے لیے کرے یا دوسرے کے لیے اور اکتساب اس کام کو کہتے ہیں جو صرف اپنے لیے کیا جائے زختری نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خیر کے لیے کسب اور شر کے لیے اکتساب کو استعمال کیا ہے کیونکہ باب اعتدال کا خاص ہے کسی چیز کو زیادہ محنت اور کوشش سے حاصل کرنا اور جب انسان کسی برے کام کی خواہش کرتا ہے تو اس کی تحصیل میں زیادہ

عمل کرتا ہے اس کے لیے اکتساب فرمایا اور بعض سے کہا نیکی کے کام انسان کی فطرت کے مطابق ہوتے ہیں اس لیے ان کو کرنے کے لیے زیادہ کوشش نہیں کرنی پڑتی اور بُرائی کے کام چونکہ انسان کی فطرت کے خلاف ہوتے ہیں اس لیے ان کو کرتے وقت انسان کا نفس بوجھل ہوتا ہے اور ان کے لیے زیادہ عمل کرنا پڑتا ہے اس لیے ان کے لیے اکتساب فرمایا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس کی سرشت میں خیر اور نیکی ہو وہ اگر بُرا کام کسی وجہ سے کرے گا تو اس کا ضمیر مزاحمت کرے گا اور اسے بُرائی کے لیے زیادہ دشواری ہوگی اور جس کی سرشت میں شر و بُرائی ہو وہ بُرے کام کو زیادہ دلچسپی اور زیادہ کوشش سے کرے گا اس طرح ہر صورت میں بُرے کام میں زیادہ عمل ہوگا اس لیے بُرے کام کے لیے اکتساب کا لفظ فرمایا جس میں زیادہ عمل ہے کیونکہ زیادتی لفظ زیادتی معنی پر دلالت کرتی ہے۔

دوسروں کے عمل سے نفع یا ضرر پہنچنے کا بیان

یہ ظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو صرف ان ہی کاموں کا نفع یا ضرر ہوگا جو اس نے خود کیے ہوں، لیکن تحقیق یہ ہے کہ جن کاموں کے وجود میں آنے کے لیے کسی طور سے بھی کسی انسان کا دخل ہو تو اگر وہ اچھے کام ہیں تو اس کو ان کا نفع پہنچے گا اور اگر وہ بُرے کام ہوں تو اس کو ان کا ضرر پہنچے گا مثلاً ایک آدمی نے مسجد بنوادی یا ابراہیری قائم کر دی تو جب تک اس مسجد میں نمازیں پڑھی جاتی رہیں گی اس کو اس کا اجر ملتا رہے گا اور جب تک اس ابراہیری میں کتابیں پڑھی جاتی رہیں گی اس کو اجر ملتا رہے گا اس طرح اولاد کے دعا کرنے سے اور کسی استاذ کے پڑھائے ہوئے علم سے اجر ملتا رہے گا اور جس شخص نے کوئی جوا خانہ، قحبہ خانہ یا شراب خانہ بنایا ہے تو جب تک وہیں برائی کے کام ہوتے رہیں گے اس کے نامہ اعمال میں گناہ لکھے جاتے رہیں گے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اون کے کپڑے پہنے ہوئے کچھ دیہاتی حاضر ہوئے آپ نے ان کی بد حالی اور ضرورت کو دیکھا پھر آپ نے لوگوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی لوگوں نے کچھ توقف کیا جس سے آپ کے چہرہ انور پر کبیدگی کے آثار ظاہر ہوئے پھر ایک نصاریٰ درہموں کی تھیلی لے کر آیا پھر دوسرا آیا اور پھر صدقہ لانے والوں کا تاننا بندھ گیا حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مسلمانوں میں کسی نیک طریقہ کی ابتداء کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی نہیں ہوگی اور جس شخص نے مسلمانوں میں کسی بُرے طریقہ کی ابتداء کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۱ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا اس کے گناہ میں ایک حصہ پہلے ابن آدم کا ہوگا (یعنی قاتل کا جس نے ہاتھ لگا کر ظلماً قتل کیا تھا) کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ نکالا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۱ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے غلطی ہو جائے تو ہماری گرفت نہ کرنا۔ (البقرہ ۲۸۶)

خطا، نسیان اور جو کام جبراً کرائے جائیں ان پر مواخذہ نہ کرنا

امام ابن ماجہ، امام ابن المنذر، امام ابن حبان، امام طبرانی، امام دائرہ فکری، امام حاکم اور امام بیہقی نے اپنی "سنن" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطا، نسیان اور جس کام پر اس کو مجبور کیا گیا ہو اس سے درگزر فرمایا ہے۔

امام طبرانی نے اس حدیث کو حضرت ثوبان، حضرت ابن عمر اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام ابن عدی نے "کامل" میں امام ابو نعیم نے "تاریخ" میں اور امام سعید بن منصور نے اپنی "سنن" میں اس کو حسن سے روایت کیا ہے، ہم اس سے پہلے امام مسلم کی روایت سے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی کہ امام ابن جریر نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا۔ (البقرہ: ۲۸۶) سابقہ امتوں کے سخت احکام

امام ابن جریر نے ابن جریر سے روایت کیا ہے کہ ہم کو ایسے احکام کا مکلف نہ کرنا جن کو ہم ادا نہ کر سکیں جس طرح ہم سے پہلے یہود و نصاریٰ پر سخت احکام کا بوجھ ڈالا گیا وہ ان احکام پر عمل نہ کر سکے پھر اس کی سزا میں ان کو بند اور خنزیر بنادیا گیا۔

امام ابن ابی شیبہ، امام ابو داؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے عبدالرحمان بن حنبل سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بنو اسرائیل کے کپڑوں پر پیشاب لگ جاتا تو وہ اس کو پیچھی سے کاٹ دیتے تھے۔ امام ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ بنو اسرائیل میں جب کوئی شخص گناہ کرتا تو اس سے کہا جاتا کہ تمہاری توبہ یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو قتل کرو سو وہ قتل کرتا اس امت سے ایسے سخت احکام کا بوجھ اٹھالیا گیا۔

(الدر المنثور ج ۳ ص ۳۷۷ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

سابقہ امتوں پر بہت سخت اور دشوار احکام تھے ان پر پچاس نمازیں فرض تھیں زکوٰۃ میں چوتھائی مال کو ادا کرنا فرض تھا جس کپڑا کا لے بغیر پاک نہیں ہوتا تھا۔ مال غنیمت حلال نہیں تھا مسجد کے سوا کسی اور جگہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے تیغ کی سہولت نہیں تھی قربانی کو کھانے کی اجازت نہیں تھی اونٹ کا گوشت حرام تھا چربی حرام تھی ہفتہ کے دن شکار کی اجازت نہ تھی کوئی گناہ کرتے تو فوراً دنیا میں اس کی سزا مل جاتی تھی قصاص میں قتل کرنا مازم تھا شرک کی توبہ قتل کرنا تھی جس عضو سے گناہ ہوتا تھا اس کو کاٹ دیا جاتا تھا دیت کی سہولت نہیں تھی بعض گناہوں کی سزا میں ان کی صورتوں کو سخ کر کے بند اور خنزیر بنادیا جاتا تھا۔ سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت

امام عبد بن حمید نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت جبرائیل نے سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھا تو آپ نے کہا آمین۔

امام احمد، امام دارقطنی، امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام بیہقی نے اپنی "سنن" میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس نے رات میں سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کو پڑھا تو وہ اس کے لیے کافی ہیں۔

امام طبرانی نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کو بار بار پڑھو کیونکہ

اللہ نے اس کی وجہ سے پیدائش علیہ السلام کو فضیلت دی ہے

امام احمد نے اور امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں عرش کے نیچے سے دی گئی ہیں مجھے سے پہلے یہ کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔

امام بھرائی نے منہجید کے ساتھ حضرت شہاد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ایک کتاب لکھی اس میں سے دو آیتیں نازل کیں اور سورۃ بقرہ کو ان پر ختم کیا جس گھر میں نہیں رائیں ان دو آیتوں کو پڑھا جائے گا اس گھر میں شیطان نہیں ٹھہرے گا۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۷۸ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

کلمات تشکر

۱۰ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ/۲۱ فروری ۱۹۹۳ء کو میں نے "تبیان القرآن" لکھنے کا آغاز کیا تھا اسی سال اللہ تعالیٰ نے مجھے فریضہ حج کی ادائیگی سے نوازا اور اپنے کرم سے حج اکبر عطا کیا حج سے پہلے اور بعد حج کی مصروفیات اور تھکاوٹ کی وجہ سے لکھنے میں تاخیر ہوتی رہی ۲۸ فروری ۱۹۹۵ء کو مقدمہ تفسیر سورۃ فاتحہ اور پہلے پارہ کی تفسیر مکمل ہوئی ۱۰ جولائی ۱۹۹۵ء کو دوسرے پارہ کی تفسیر مکمل ہوئی اور ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ/۱۰ اگست ۱۹۹۵ء کو سورۃ بقرہ کی تفسیر مکمل ہو گئی فالحمد للہ رب العالمین۔

۱۰ رمضان المبارک کو "تبیان القرآن" کی پہلی جلد کا افتتاح ہوا اور بارہ ربیع الاول جشن آمد رسول کے مبارک دن یہ جلد مکمل ہو گئی اس جلد کا افتتاح اور انعام مبارک پیام میں ہوا ہے سو۔۔۔ الغنمین! اس کتاب کو مبارک بنادے ہمارے دلوں کو قرآن مجید کی ہدایت سے معمور کر دے اور ہماری رگوں کو احادیث مبارکہ کے انوار سے منور کر دے اور ہمارے بدن اور ہمارے تمام اعضاء کو قرآن اور سنت کے تابع کر دے۔ رب الغنمین! جس طرح تو نے "تبیان القرآن" کی اس پہلی جلد کو مکمل کرنے کی توفیق دی ہے اسی طرح اپنے کرم سے اس کی باقی جلدوں کو بھی مکمل کرنے کی سعادت عطا فرما اس کتاب کو مقبولیت عامہ عطا فرما اور تاقیامت اس کے فیض کے چشموں کو جاری رکھ اور اس کے مندرجہ جات پر مجھ سمیت سب کو عمل کی توفیق عطا فرما اس کتاب کو منافقین کے لیے ہدایت اور موافقین کے لیے استقامت کا موجب بنا اس کو میرے لیے صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے میرے والدین کو میرے اقرباء کو میرے اساتذہ اور تلامذہ کو میرے احباب اور معارفین کو "تبیان القرآن" کے ناشر کاتب اور صحیح کو اور جملہ مسلمانوں کو دنیا اور آخرت کے مصائب آفات اور بلاؤں سے محفوظ اور مومن رکھ اور دنیا اور آخرت کی ہر خیر سعادت اور ہر کامرانی عطا فرما۔ آمین واخیر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المدیین وعلیٰ آلہ الطیبین الطاہرین واصحابہ الکاملین الراشدین وازواجه امہات المومنین وعلیٰ اولیاء امتہ وعلماء ملتہ من المفسرین والمحدثین والمجتہدین الراشخین اجمعین الی یوم الدین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ

۲۶ رجب ۱۴۱۶ھ/۱۹ اگست ۲۰۰۶ء

فون ۰۳۶۵۱۲-۹۰۳۶۰۰/۰۳۰۲-۱۲۰۲-۳۳۱-۰۳۳۱

ماخذ و مراجع

کتاب الہیہ

- ۱- قرآن مجید
- ۲- تورات
- ۳- انجیل

کتاب احادیث

- ۴- امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ 'مسند امام اعظم' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی
- ۵- امام مالک بن انس اموی متوفی ۱۷۹ھ 'موطا امام مالک' مطبوعہ مطبع مجتہائی، پاکستان ۱۱۱۰ھ
- ۶- امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ 'کتاب الآثار' مطبوعہ مکتبہ اثریہ، ساٹنگڈیل
- ۷- امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۸۹ھ 'موطا امام محمد' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
- ۸- امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ 'کتاب الآثار' مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی ۱۳۰۷ھ
- ۹- امام سلیمان بن داؤد بن جارد طرابلسی حنفی متوفی ۲۰۳ھ 'مسند طرابلسی' مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی ۱۳۹ھ
- ۱۰- امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ 'المسند' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۳۰۰ھ
- ۱۱- امام عبد الرزاق بن عامر صنعانی متوفی ۲۱۱ھ 'المصنف' مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی ۱۳۹۰ھ
- ۱۲- امام عبد اللہ بن الزبیر حمیدی متوفی ۲۱۹ھ 'المسند' مطبوعہ عالم الکتب، بیروت
- ۱۳- امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ 'المصنف' مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی ۱۳۰۶ھ
- ۱۴- امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ 'المسند' مطبوعہ کتب اسلامی، بیروت ۳۹۸ھ
- ۱۵- امام ابو عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ 'سنن دارمی' مطبوعہ نشر السنۃ، مانتان
- ۱۶- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ 'صحیح بخاری' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ
- ۱۷- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ 'ادب المفرد' مطبوعہ مطبعہ اثریہ، ساٹنگڈیل
- ۱۸- امام ابو الحسن مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ 'صحیح مسلم' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۷۵ھ
- ۱۹- امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ 'سنن ابن ماجہ' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
- ۲۰- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ 'سنن ابو داؤد' مطبوعہ مطبع مجتہائی، پاکستان ۱۱۰۵ھ
- ۲۱- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ 'مراسل ابو داؤد' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
- ۲۲- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ 'جامع ترمذی' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
- ۲۳- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ 'شامل ترمذی' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
- ۲۴- امام علی بن عمرو دارقطنی متوفی ۲۸۵ھ 'سنن دارقطنی' مطبوعہ نشر السنۃ، مانتان
- ۲۵- امام احمد عمرو بن عبد الخالق بزار متوفی ۲۹۲ھ 'البحر الزخار المعروف بمسند الزہری' مطبوعہ مؤسسۃ القرآن، بیروت ۱۳۰۹ھ
- ۲۶- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ 'سنن نسائی' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

- ۲۷- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ عمل الیوم واللیلۃ مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت ۱۴۰۸ھ
- ۲۸- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ سنن کبریٰ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۱ھ
- ۲۹- امام احمد بن علی الحنفی المتوفی ۳۰۷ھ مسند ابو یعلیٰ موصلی مطبوعہ دار المامون تراث بیروت ۱۴۰۳ھ
- ۳۰- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ متوفی ۳۱۱ھ صحیح ابن خزیمہ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۵ھ
- ۳۱- امام یوحنا بن یعقوب بن اسحاق متوفی ۳۲۶ھ مسند یوحنا مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ
- ۳۲- امام ابو عبد اللہ محمد بن حکیم الترمذی المتوفی ۳۲۰ھ نوادر الاصول مطبوعہ دار الریان التراث الفارسیۃ القاہرہ ۱۴۰۸ھ
- ۳۳- امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ شرح مشکل الآثار مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۱۵ھ
- ۳۴- امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ شرح معانی الآثار مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۴ھ
- ۳۵- امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی متوفی ۳۵۴ھ الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۰۷ھ
- ۳۶- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ معجم صغیر مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ
- ۳۷- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ معجم اوسط مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض ۱۴۰۵ھ
- ۳۸- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ معجم کبیر مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۳۹- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ مسند الشامیین مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۹ھ
- ۴۰- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ کتاب الدعاء مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۳ھ
- ۴۱- امام ابو بکر احمد بن اسحاق بن زبیری المعروف بابن الحنفی متوفی ۳۶۴ھ عمل الیوم واللیلۃ مطبوعہ مجلس الدائرۃ المعارف حیدرآباد دکن
- ۴۲- امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی المتوفی ۳۶۵ھ الکامل فی ضعفاء الرجال مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۴۳- امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ المستدرک مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ
- ۴۴- امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء مطبوعہ دار الکتب العربیۃ بیروت ۱۴۰۷ھ
- ۴۵- امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ دلائل النبوة مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۴۶- امام ابو بکر احمد بن حسین بن عقیق متوفی ۴۵۸ھ سنن کبریٰ مطبوعہ نشر السنۃ مانان
- ۴۷- امام ابو بکر احمد بن حسین بن عقیق متوفی ۴۵۸ھ معرفۃ السنن والآثار مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت
- ۴۸- امام ابو بکر احمد بن حسین بن عقیق متوفی ۴۵۸ھ دلائل النبوة مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت
- ۴۹- امام ابو بکر احمد بن حسین بن عقیق متوفی ۴۵۸ھ شعب الایمان مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۰۱ھ
- ۵۰- امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ شرح السنۃ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۲ھ
- ۵۱- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ مختصر تاریخ دمشق مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ
- ۵۲- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ تہذیب تاریخ دمشق مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ
- ۵۳- امام خیاہ الدین محمد بن عبد الواحد مقدسی ضلی متوفی ۶۲۳ھ الاحادیث المختارۃ مطبوعہ مکتبہ النہضۃ المدنیۃ مکہ مکرمہ ۱۴۱۰ھ
- ۵۴- امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ الترغیب والترہیب مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ ۱۴۰۷ھ
- ۵۵- امام ولی اللہ بن تہریزی متوفی ۷۴۳ھ مشکوٰۃ مطبوعہ اصح المطابع ولی
- ۵۶- حافظ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف زلیحی متوفی ۷۶۲ھ نصب الرایۃ مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند ۱۳۵۷ھ

- ۵۷ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر البیہقی 'التوفی ۸۰۷ھ' مجمع الزوائد 'مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت' ۱۴۰۲ھ
- ۵۸ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر البیہقی 'التوفی ۸۰۷ھ' کشف الاستار 'مطبوعہ مؤسسة الرسالة بیروت' ۱۴۰۴ھ
- ۵۹ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر البیہقی 'التوفی ۸۰۷ھ' مورد المظمان 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
- ۶۰ امام محمد بن محمد جزری متوفی ۸۳۳ھ 'حسن حبیب' 'مطبوعہ مصطفیٰ الربانی وادارہ مصر' ۱۳۵۰ھ
- ۶۱ حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان مارینی ترکمانی متوفی ۸۴۵ھ 'الجوہر النقی' 'مطبوعہ نشر السنہ' ملتان
- ۶۲ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۸۴۸ھ 'تخصیص السید رک' 'مطبوعہ مکتبہ دارالباز' مکہ مکرمہ
- ۶۳ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ 'المطالب العالیہ' 'مطبوعہ مکتبہ دارالباز' مکہ مکرمہ
- ۶۴ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ 'الجامع الصغیر' 'مطبوعہ دارالعرفہ بیروت' ۱۳۹۱ھ
- ۶۵ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ 'جامع الاحادیث الکبیر' 'مطبوعہ دارالقرآن بیروت' ۱۴۱۳ھ
- ۶۶ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ 'الخصائص الکبریٰ' 'مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر
- ۶۷ علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ 'کشف الخمر' 'مطبوعہ مطبعہ عامرہ عثمانیہ مصر' ۱۳۰۳ھ
- ۶۸ علامہ علی قلی بن حسام الدین ہندی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ 'کنز العمال' 'مطبوعہ مؤسسة الرسالة بیروت' ۱۴۰۵ھ
- کتب تفسیر
- ۶۹ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ 'تنویر المعباس' 'مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران
- ۷۰ امام حسن بن عبداللہ البصری التوفی ۱۱۰ھ 'تفسیر الحسن البصری' 'مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ
- ۷۱ امام ابو کریم یحییٰ بن زیاد فراء متوفی ۲۰۷ھ 'معانی القرآن' 'مطبوعہ بیروت
- ۷۲ شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم قتی متوفی ۳۰۷ھ 'تفسیر قتی' 'مطبوعہ دارالکتب ایران' ۱۴۰۶ھ
- ۷۳ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ 'جامع البیان' 'مطبوعہ دارالعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ
- ۷۴ امام ابواسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج متوفی ۳۱۱ھ 'اعراب القرآن' 'مطبوعہ مطبعہ سلمان فارسی ایران' ۱۴۰۶ھ
- ۷۵ امام ابو بکر احمد بن علی رازی بھاس خلی متوفی ۳۷۰ھ 'احکام القرآن' 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی ماہور' ۱۴۰۰ھ
- ۷۶ علامہ ابو الیث نصر بن محمد سرقدی متوفی ۳۷۵ھ 'تفسیر سرقدی' 'مطبوعہ مکتبہ دارالباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ
- ۷۷ شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۳۸۵ھ 'البيان فی تفسیر القرآن' 'مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۷۸ علامہ کی بن ابی طالب متوفی ۴۳۷ھ 'مشکل اعراب القرآن' 'مطبوعہ انتشارات نور ایران' ۱۴۱۲ھ
- ۷۹ علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ 'الکتب والعمون' 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
- ۸۰ علامہ جلال اللہ محمود بن عمر زبیری متوفی ۵۳۸ھ 'کشاف' 'مطبوعہ مطبعہ بیہ مصر' ۱۳۴۳ھ
- ۸۱ علامہ ابو بکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ 'احکام القرآن' 'مطبوعہ دارالعرفہ بیروت' ۱۴۰۸ھ
- ۸۲ علامہ ابو بکر قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ 'المحرر الوجیز' 'مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ
- ۸۳ شیخ ابو علی فضل بن حسن طبری متوفی ۵۴۸ھ 'مجمع البیان' 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۴۰۶ھ
- ۸۴ علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جزری حنبلی متوفی ۵۹۷ھ 'زاد المسیر' 'مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ
- ۸۵ خواجہ عبداللہ انصاری من علماء القرن السادس 'کشف الاسرار ودرۃ الامراء' 'مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران' ۱۳۷۱ھ

- ۸۶- امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ تفسیر کبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۸۷- علامہ محی الدین ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ تفسیر القرآن الکریم مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۹۷۸ھ
- ۸۸- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ الجامع لاحکام القرآن مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ
- ۸۹- قاضی ابوالخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی متوفی ۶۸۵ھ انوار السنن مطبوعہ دار الفکر بیروت للنشر والتوزیع مصر
- ۹۰- علامہ ابواسبرکات احمد بن محمد نسفی متوفی ۷۱۰ھ ہدایہ الکرک السنن مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور
- ۹۱- علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی ۷۲۵ھ الباب التامیل مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور
- ۹۲- علامہ نظام الدین حسین بن محمد قسیمی متوفی ۷۲۸ھ تفسیر نیشاپوری مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۰۹ھ
- ۹۳- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ التفسیر الکبیر مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۹ھ
- ۹۴- علامہ ابوالحیاء محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۳ھ البحر المحیط مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۲ھ
- ۹۵- علامہ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ تفسیر القرآن مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵ھ
- ۹۶- علامہ عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف ثعالبی متوفی ۸۷۵ھ تفسیر الثعالبی مطبوعہ مؤسسۃ الاعلیٰ للمطبوعات بیروت
- ۹۷- علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ نظم الدرر مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ قاہرہ ۱۳۱۳ھ
- ۹۸- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الدر المنثور مطبوعہ مکتبۃ آیتہ العظمیٰ ایران
- ۹۹- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ جلالین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی
- ۱۰۰- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قزوینی متوفی ۹۵۱ھ حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی مطبوعہ مکتبہ یوسفی ریوبند
- ۱۰۱- شیخ فتح اللہ کاشانی متوفی ۹۷۷ھ منہج الصادقین مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران
- ۱۰۲- علامہ ابواسعد محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ تفسیر ابواسعد مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۱۰۳- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ علانیۃ القاضی مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۲۸۳ھ
- ۱۰۴- علامہ احمد جیون جوہوری متوفی ۱۱۳۰ھ التفسیرات الاحمدیہ مطبع کریم بنی
- ۱۰۵- علامہ اسماعیل حنفی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ روح البیان مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
- ۱۰۶- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمیل متوفی ۱۲۰۳ھ الفتوحات الالہیہ مطبوعہ المطبعۃ النبییہ مصر ۱۳۰۳ھ
- ۱۰۷- علامہ احمد بن محمد صادی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ تفسیر صادی مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ مصر
- ۱۰۸- قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ تفسیر مظہری مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ
- ۱۰۹- شہ عبد العزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ تفسیر عزیزی مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی
- ۱۱۰- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ فتح القدیر مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت
- ۱۱۱- علامہ ابو الفضل سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ روح المعانی مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ بیروت
- ۱۱۲- نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ فتح البیان مطبوعہ مطبع امیر کبری بولاق مصر ۱۳۰۱ھ
- ۱۱۳- علامہ محمد جمال الدین قاسمی متوفی ۱۳۳۲ھ تفسیر القاسمی مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۱۱۴- علامہ محمد رشید رضا متوفی ۱۳۵۳ھ تفسیر المنار مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت
- ۱۱۵- علامہ حکیم شیخ طہطاوی بن جوہری مصری متوفی ۱۳۵۹ھ الجواہری تفسیر القرآن المکملہ للاسلامیہ ریاض

- ۱۱۶- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۳ھ بیان القرآن 'مطبوعہ تاج کمپنی لاہور
- ۱۱۷- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ خزائن العرفان 'مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
- ۱۱۸- شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ حافیہ القرآن 'مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
- ۱۱۹- سید محمد قطب شہید متوفی ۱۳۸۵ھ فی ظلال القرآن 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۶ھ
- ۱۲۰- مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ نور العرفان 'مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ کجرات
- ۱۲۱- مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ معارف القرآن 'مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۹۷ھ
- ۱۲۲- سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ تفہیم القرآن 'مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور
- ۱۲۳- علامہ سید احمد سعید کاشمی متوفی ۱۴۰۶ھ التبیان 'مطبوعہ کاشمی پبلیکیشنز مامان
- ۱۲۴- علامہ محمد امین بن محمد مختار جانی شفق پبلی 'انصواء البیان' 'مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۱۲۵- استاذ احمد مصطفیٰ الراغی 'تفسیر الراغی' 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۱۲۶- آیت اللہ مکارم شیرازی 'تفسیر نمونه' 'مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران ۱۳۶۹ھ
- ۱۲۷- جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۸ھ ضیاء القرآن 'مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور
- ۱۲۸- شیخ امین احسن صلاحی تدبر قرآن 'مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور
- ۱۲۹- علامہ محمود صافی 'اعراب القرآن و صرف و بیان' 'مطبوعہ انتشارات ذرین ایران
- ۱۳۰- استاذ محی الدین درویش 'اعراب القرآن و بیان' 'مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت
- ۱۳۱- ڈاکٹر دہبہ زحلی 'تفسیر منیر' 'مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ

کتاب علوم قرآن

- ۱۳۲- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زکشی متوفی ۷۹۴ھ البرہان فی علوم القرآن 'مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۳۳- علامہ جمال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الاتقان فی علوم القرآن 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
- ۱۳۴- علامہ محمد عبد العظیم زرقانی 'مناہل العرفان' 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتاب شروح حدیث

- ۱۳۵- حافظ ابو عمرو بن عبد البر، لکی متوفی ۴۶۳ھ تہذیب 'مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور ۱۴۰۴ھ
- ۱۳۶- علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف ہامی مالکی اندلسی متوفی ۴۶۴ھ 'المکشی' 'مطبوعہ مطبع السعادیہ مصر ۱۳۳۲ھ
- ۱۳۷- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ شرح مسلم 'مطبوعہ نور محمدیہ مطابع کراچی ۱۳۷۵ھ
- ۱۳۸- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلف دہستانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اکمال المعلم 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۱۳۹- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فتح الباری 'مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ
- ۱۴۰- حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ عمدۃ القاری 'مطبوعہ ادارۃ الطباعة المیریہ مصر ۱۳۳۸ھ
- ۱۴۱- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ تکمیل اکمال المعلم 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۱۴۲- علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ ارشاد الساری 'مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۰۶ھ
- ۱۴۳- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ فیض القدر 'مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۱ھ

- ۱۳۴ علامہ عبدالرؤف منادی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ 'شرح الشماگل' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
- ۱۳۵ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ 'مجمع الوسائل' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
- ۱۳۶ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ 'شرح مسند ابی حنیفہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۵ھ
- ۱۳۷ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ 'مرقات' مطبوعہ مکتبہ مداریہ مانتان ۱۳۹۰ھ
- ۱۳۸ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ 'الحرز الثمین' مطبوعہ مطبعہ امیر یہ مکہ مکرمہ ۱۳۰۳ھ
- ۱۳۹ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ 'تحفۃ الذاکرین' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی دلاوا دہ مصر ۱۳۵۰ھ
- ۱۵۰ شیخ عبد الحق محدث دہلی متوفی ۱۲۵۲ھ 'اشعۃ المعانی' مطبوعہ مطبع تاج کراچی لکھنؤ
- ۱۵۱ شیخ عبدالرحمن مبارک پوری متوفی ۱۳۲۵ھ 'تحفۃ الاحوذی' مطبوعہ مکتبہ مانتان
- ۱۵۲ شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ 'فیض بہاری' مطبوعہ مطبع حجازی مصر ۱۳۷۵ھ
- ۱۵۳ شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ 'فتح الملہم' مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی

کتب اسماء رجال

- ۱۵۴ علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ 'العلل المتناہیہ' مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد ۱۳۰۱ھ
- ۱۵۵ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ 'تہذیب التہذیب' مطبوعہ دارۃ المعارف دکن ۱۳۳۶ھ
- ۱۵۶ علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۳ھ 'موضوعات کبیر' مطبوعہ مطبع مجتہبی دہلی

کتب لغت

- ۱۵۷ علامہ اسماعیل بن حماد الجوهری متوفی ۳۹۸ھ 'تصحیح' مطبوعہ دار العلم بیروت ۱۳۰۴ھ
- ۱۵۸ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ 'المفردات' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۳۲ھ
- ۱۵۹ علامہ محمد بن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ 'نہایہ' مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعات ایران ۱۳۶۳ھ
- ۱۶۰ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ 'تہذیب الاسماء واللغات' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۱۶۱ علامہ جمال الدین محمد بن محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ 'لسان العرب' مطبوعہ نشر ادب الکودۃ قم ایران ۱۳۰۵ھ
- ۱۶۲ علامہ محمد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ 'القاموس المحیط' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۱۶۳ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ 'تاج العروس' مطبوعہ المطبعة الخیریہ مصر
- ۱۶۴ لوئیس معلوف الیسوی 'السجد' مطبوعہ المطبعة الخولیکہ بیروت ۱۹۲۷ء

۱۶۵ شیخ غلام احمد پرویز متوفی ۱۳۰۵ھ 'لغات القرآن' مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام ماہور

۱۶۶ ابو نعیم عبدالحکیم خان نثر جالندھری 'قامد اللغات' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور

کتب تاریخ سیرت و فضائل

- ۱۶۷ امام محمد بن سعد متوفی ۲۲۰ھ 'طبقات الکبریٰ' مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ
- ۱۶۸ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ 'تاریخ الامم والسلوک' مطبوعہ دار القلم بیروت
- ۱۶۹ حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ 'الاستیعاب' مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۷۰ قاضی عیاض بن موسیٰ مکی متوفی ۵۴۳ھ 'الشفاء' مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی مانتان

- ۱۷۱- علامہ عبد الرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ 'الوفاء' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
- ۱۷۲- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکریم اشعری المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ 'اسد الغابہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۷۳- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکریم اشعری المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ 'الکامل فی التاریخ' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت
- ۱۷۴- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان متوفی ۶۸۱ھ 'دفیات الاعیان' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
- ۱۷۵- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۷ھ 'الہدایہ والنہایہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۳ھ
- ۱۷۶- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ 'الاصابہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۷۷- علامہ نور الدین علی بن احمد سمودی متوفی ۹۱۱ھ 'وفاء الوفاء' مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ بیروت ۱۳۰۱ھ
- ۱۷۸- علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ 'المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۱۷۹- علامہ احمد بن حجر مکی شافعی متوفی ۹۷۳ھ 'الصواعق المحرقة' مطبوعہ مکتبہ القاہرہ ۱۳۸۵ھ
- ۱۸۰- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ 'شرح الشفاء' مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۸۱- شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ 'معارج النبوت' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
- ۱۸۲- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ 'نسیم الریاض' مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۸۳- علامہ محمد عبدالحق زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ 'شرح المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۳ھ
- ۱۸۴- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ 'نشر الطیب' مطبوعہ تاج کتبیں لمیٹڈ کراچی

کتاب فقہ حنفی

- ۱۸۵- شمس الامام محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ 'المبسوط' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۱۸۶- شمس الامام محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ 'شرح سیر کبیر' مطبوعہ المکتبۃ الشوریۃ الاسلامیہ افغانستان ۱۳۰۵ھ
- ۱۸۷- علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری متوفی ۵۲۲ھ 'خلاصۃ الفتاوی' مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور ۱۳۹۷ھ
- ۱۸۸- علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ 'بدائع الصنائع' مطبوعہ تاج کتبیں لمیٹڈ کراچی ۱۳۰۰ھ
- ۱۸۹- علامہ حسین بن منصور اوزجندی متوفی ۵۹۲ھ 'فتاویٰ قاضی خاں' مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
- ۱۹۰- علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ 'ہدایہ اولین و آخرین' مطبوعہ شرکت طبعہ ملتان
- ۱۹۱- علامہ محمد بن محمود بایزنی متوفی ۷۸۶ھ 'عنایہ' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
- ۱۹۲- علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی متوفی ۷۸۶ھ 'فتاویٰ تاتار طابع' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۱۱ھ
- ۱۹۳- علامہ ابوبکر بن علی حداد متوفی ۸۰۰ھ 'الجوہرۃ النیرہ' مطبوعہ مکتبہ ادبیہ ملتان
- ۱۹۴- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردری متوفی ۸۲۷ھ 'فتاویٰ بزازیہ' مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
- ۱۹۵- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ 'بنایہ' مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد
- ۱۹۶- علامہ کمال الدین بن ہمام متوفی ۸۶۱ھ 'فتح القدیر' مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
- ۱۹۷- علامہ جلال الدین خوارزمی کفایہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
- ۱۹۸- علامہ معین الدین المعروف بہ محمد ملا مسکین متوفی ۹۵۳ھ 'شرح الکنز' مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر ۱۲۸۷ھ
- ۱۹۹- علامہ ابراہیم بن محمد طبری متوفی ۹۵۶ھ 'غنیۃ المستملی' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۱۳ھ

- ۲۰۰- علامہ محمد خراسانی متوفی ۹۶۲ھ جامع الرموز، مطبوعہ مطبع فنی نوکلشور، ۱۲۹۱ھ
- ۲۰۱- علامہ زین الدین بن نجیم متوفی ۹۷۰ھ البحر الرائق، مطبوعہ مطبعہ عاب، مصر، ۱۳۱۱ھ
- ۲۰۲- علامہ حامد بن علی قنوی ردی متوفی ۹۸۵ھ فتاویٰ حامد، مطبوعہ مطبعہ مہینہ، مصر، ۱۳۶۰ھ
- ۲۰۳- علامہ ابوالاسود محمد بن محمد نمادی متوفی ۹۸۲ھ حاشیہ ابوسود علی ملا مسکین، مطبوعہ جمیعہ المعارف المصریہ، مصر، ۱۲۸۷ھ
- ۲۰۴- علامہ خیر الدین ربی متوفی ۱۰۸۱ھ فتاویٰ خبریہ، مطبوعہ مطبعہ مہینہ، مصر، ۱۳۱۰ھ
- ۲۰۵- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ الدر المختار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۰۷ھ
- ۲۰۶- علامہ سید احمد بن محمد حموی متوفی ۱۰۹۸ھ غرر عیون البصار، مطبوعہ دار الکتاب العربیہ، بیروت، ۱۳۰۷ھ
- ۲۰۷- علامہ نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ، بولاق، مصر، ۱۳۱۰ھ
- ۲۰۸- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ منہج الخلق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ، مصر، ۱۳۱۱ھ
- ۲۰۹- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ تنقیح الفتاویٰ الجامیہ، مطبوعہ دار الاشاعت العربیہ، کویت
- ۲۱۰- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رسائل ابن عابدین، مطبوعہ کتب الکیفی، لاہور، ۱۳۹۶ھ
- ۲۱۱- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۰۷ھ
- ۲۱۲- امام احمد رضا قادری ۱۳۳۰ھ فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، کراچی
- ۲۱۳- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۳۰ھ فتاویٰ افریقیہ، مطبوعہ مدینہ ہلپنگ کمپنی، کراچی
- ۲۱۴- علامہ امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ بہار شریعت، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی
- ۲۱۵- علامہ نور اللہ نعیمی متوفی ۱۴۰۳ھ فتاویٰ نوریہ، مطبوعہ کتبائے پر نور، لاہور، ۱۹۸۳ء
- کتاب فقہ شافعی**
- ۲۱۶- علامہ ابوالسحاق شیرازی متوفی ۴۵۵ھ المہذب، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۹۳ھ
- ۲۱۷- امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ احیاء علوم الدین، مطبوعہ دار النجم، بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۲۱۸- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ شرح المہذب، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
- ۲۱۹- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ روضۃ الطالبین، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۵ھ
- ۲۲۰- علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الحادی للفتاویٰ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
- ۲۲۱- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس ربی متوفی ۱۰۰۲ھ نہایۃ المحتاج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ
- ۲۲۲- علامہ ابوالغضیاء علی بن علی شبراہی متوفی ۱۰۸۷ھ حاشیہ ابوالغضیاء علی نہایۃ المحتاج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت
- کتاب فقہ مالکی**
- ۲۲۳- امام یحییٰ بن سعید ثوری مالکی متوفی ۲۵۶ھ البدایۃ الکبریٰ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت
- ۲۲۴- قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ بولیت المجتہد، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
- ۲۲۵- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی متوفی ۷۷۷ھ مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر، بیروت
- ۲۲۶- علامہ ابوعبد اللہ محمد بن محمد الخطاب المغربی المتوفی ۹۵۳ھ مواہب الجلیل، مطبوعہ مکتبۃ المحتاج، لیپیا
- ۲۲۷- علامہ علی بن عبد اللہ علی الخرشانی المتوفی ۱۱۰۱ھ الخرشانی علی مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر، بیروت

۲۲۸- علامہ ابو البرکات احمد درویش مالکی متوفی ۱۱۹۷ھ الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت

۲۲۹- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی متوفی ۱۲۱۹ھ حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتاب فقہ حنبلی

۲۳۰- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ المغنی، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۵ھ

۲۳۱- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ الکافی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ

۲۳۲- شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ مجموعہ الفتاویٰ، مطبوعہ ریاض

۲۳۳- علامہ ابو الحسین علی بن سلیمان مرداوی متوفی ۸۸۵ھ الانصاف، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۶ھ

کتاب شیعہ

۲۳۴- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ الاصول من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران

۲۳۵- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ القواعد من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران

۲۳۶- شیخ کمال الدین یثیم بن علی بن یثیم البحرانی المتوفی ۶۷۹ھ شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ مؤسسۃ النصرانیان ۱۳۸۷ھ

۲۳۷- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ حق البقیین، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران ۱۳۳۷ھ

۲۳۸- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ حیات القلوب، مطبوعہ کتاب فردش اسلامیہ تہران

کتاب عقائد و کلام

۲۳۹- امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ المنقذ من الضلال، مطبوعہ لاہور ۱۳۰۵ھ

۲۴۰- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قنطاری متوفی ۷۹۱ھ شرح عقائد نسفی، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۲۴۱- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قنطاری متوفی ۷۹۱ھ شرح القاصد، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران ۱۳۰۹ھ

۲۴۲- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ شرح المواقی، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران ۱۳۲۵ھ

۲۴۳- علامہ کمال الدین بن حمام متوفی ۸۶۱ھ مسابرة، مطبوعہ مطبعة السعادة مصر

۲۴۴- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی المتوفی ۹۰۶ھ مسامرة، مطبوعہ مطبعة السعادة مصر

۲۴۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۳ھ شرح فقہ اکبر، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی داوودہ مصر ۱۳۷۵ھ

۲۴۶- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ کتاب العقائد، مطبوعہ تاجدار پبلشنگ کمپنی کراچی

کتاب اصول فقہ

۲۴۷- علامہ علاء الدین عبد العزیز بن احمد البخاری المتوفی ۷۳۰ھ کشف الاسرار، مطبوعہ دار الکتب العربی ۱۳۱۱ھ

۲۴۸- علامہ محبت اللہ بہاری متوفی ۱۱۱۹ھ مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

۲۴۹- علامہ احمد جوہوری متوفی ۱۱۳۰ھ نور الانوار، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی

۲۵۰- علامہ عبد الحق خیر آبادی متوفی ۱۳۱۸ھ شرح مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتاب متفرقہ

۲۵۱- شیخ ابو طالب محمد بن الحسن الکی المتوفی ۳۸۶ھ قوت القلوب، مطبوعہ مطبعة مینہ مصر ۱۳۰۶ھ

۲۵۲- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ التذکرہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۷ھ

- ۲۵۳- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ ضلی متوفی ۷۲۸ھ قاعدہ جلیلہ مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر ۱۲۷۳ھ
- ۲۵۴- علامہ عبداللہ بن اسدیافعی متوفی ۷۶۸ھ روض الریاضین مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر ۱۳۷۳ھ
- ۲۵۵- علامہ میرسید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ کتاب التعریفات مطبوعہ المطبعة الخیریة مصر ۱۳۰۶ھ
- ۲۵۶- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی متوفی ۱۰۳۳ھ مکتوبات امام ربانی مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۷۰ء
- ۲۵۷- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ اتحاد السادة المتقین مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۱۱ھ
- ۲۵۸- شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ فتاویٰ رشیدیہ کامل مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
- ۲۵۹- علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ کشف الظنون مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ طہران ۱۳۷۸ھ
- ۲۶۰- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ المملووظ مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور
- ۲۶۱- شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ ہدیۃ الہدیٰ مطبوعہ میور پریس دہلی ۱۳۲۵ھ
- ۲۶۲- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ بہشتی زیور مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور
- ۲۶۳- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ حفظ الایمان مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
- ۲۶۴- علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی نداء یارسول اللہ مطبوعہ مرکزی مجلس رضالاہور ۱۳۰۵ھ

